www.KitaboSunnat.com
ہدایۃ القاری
شرح
صحیح البخاری
(اردو)
کتاب الجہاد - کتاب المناقب
احادیث: 2782 - 3648
5
تالیف: امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری
ترجمہ وشرح
فضیلۃ الشیخ حافظ عبدالستار الحماد
دار السلام
DARUSSALAM

هدایۃ القاری
شرح صحیح البخاری
(اردو)
5

سعودی عرب

پرنس عبدالعزیز بن جلاوی سٹریٹ پوسٹ بکس:22743 الریاض:11416 سعودی عرب

فون:4033962-4043432 1 00966 فیکس:4021659 www.darussalamksa.com
Email: darussalam@awalnet.net.sa info@darussalamksa.com

الریاض • العلیا فون:4614483 1 00966 فیکس:4644945 • الملز فون:4735220 1 00966 فیکس:4735221
• سویدی فون:4286641 1 00966 • سویلم فون/فیکس:2860422 1 00966
جدہ فون:6879254 2 00966 فیکس:6336270 مدینہ منورہ فون:8234446,8230038 4 00966 فیکس:8151121 04
الخبر فون:8692900 3 00966 فیکس:8691551 3 00966 خمیس مشیط فون/فیکس:2207055 7 00966
ینبع البحر فون:0500887341 فیکس:8691551 قصیم (بریدہ) فون:0503417156 فیکس:3696124 6 00966

امریکہ • نیویارک فون:5925 625 718 001 • ہوسٹن:0419 722 713 001 کینیڈا • نصیر الدین الخطاب فون:4186619 416 001
لندن • دارالسلام انٹرنیشنل پبلیکیشنز لمیٹڈ فون:77252246 20 0044-85394885 20 0044 • دارکہ انٹرنیشنل:7739309 0121 0044
متحدہ عرب امارات • شارجہ فون:5632623 6 00971 فیکس:5632624 فرانس فون:52928 480 01 0033 فیکس:52997 480 01 0033
انڈیا • دارالسلام انڈیا فون:45566249 44 0091 موبائل:12041 98841 0091 • اسلامک بکس انٹرنیشنل فون:4180 2373 22 0091
• ہدی بک ڈسٹری بیوٹرز فون:4892 2451 40 0091 موبائل:30850 98493 0091 • ایم ایس براک انٹرپرائزز فون:42157847 44 0091
سری لنکا • دارالکتاب فون:358712 115 0094 • دارالایمان ٹرسٹ فون:2669197 114 0094

پاکستان

36- لوئر مال، سیکرٹریٹ سٹاپ، لاہور

فون:00 324 372 ,24 400 372 ,34 240 373 42 0092 فیکس:72 540 373 042
www.darussalampk.com
اُردو بازار: غزنی سٹریٹ' اُردو بازار' لاہور فون:54 200 371 42 0092 فیکس:03 207 373 042
ڈیفنس: Y بلاک، گول کمرشل مارکیٹ، دکان:2 (گراؤنڈ فلور) ڈیفنس، لاہور فون:10 926 356 42 0092
گلبرگ: دکان نمبر2، گراؤنڈ فلور، بگ سٹی پلازہ لبرٹی گول چکر گلبرگ III لاہور فون:50 738 357 42 0092

کراچی مین طارق روڈ، ڈالمن مال سے (بہادر آباد کی طرف) دوسری گلی، کراچی فون:36 939 343 21 0092 فیکس:37 939 343 21 0092

اسلام آباد F-8 مرکز، ایوب مارکیٹ، شاہ ویز سنٹر فون:13 15 228 51 0092 islamabad@darussalampk.com

ملتان 995- انکم ٹیکس آفیسر کالونی، بوسن روڈ۔ملتان فون:24 00 622 61 0092

فیصل آباد کوہ نور سٹی (پلازہ نمبر:1، دکان نمبر:15) جڑانوالہ روڈ، فیصل آباد فون:44 19 850 41 0092

هِدَايَةُ القَارِي
شَرحِ صَحِيحِ البُخَارِي

کتاب الجهاد ـــ کتاب المناقب ✧ أحاديث: 2782 ـــ 3648

تالیف

امام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ

194-256ھ

ترجمہ و شرح

شیخ الحدیث حافظ عبدالستار الحماد حفظہ اللہ

فاضل مدینہ یونیورسٹی

نظرِ ثانی، تصحیح و تنقیح اور اضافات

حافظ صلاح الدین یوسف رحمہ اللہ — مولانا ابو عبداللہ محمد عبدالجبار حفظہ اللہ — حافظ محمد آصف اقبال حفظہ اللہ

مولانا محمد عثمان منیب رحمہ اللہ — مولانا غلام مرتضیٰ حفظہ اللہ — مولانا مختار احمد ضیا حفظہ اللہ
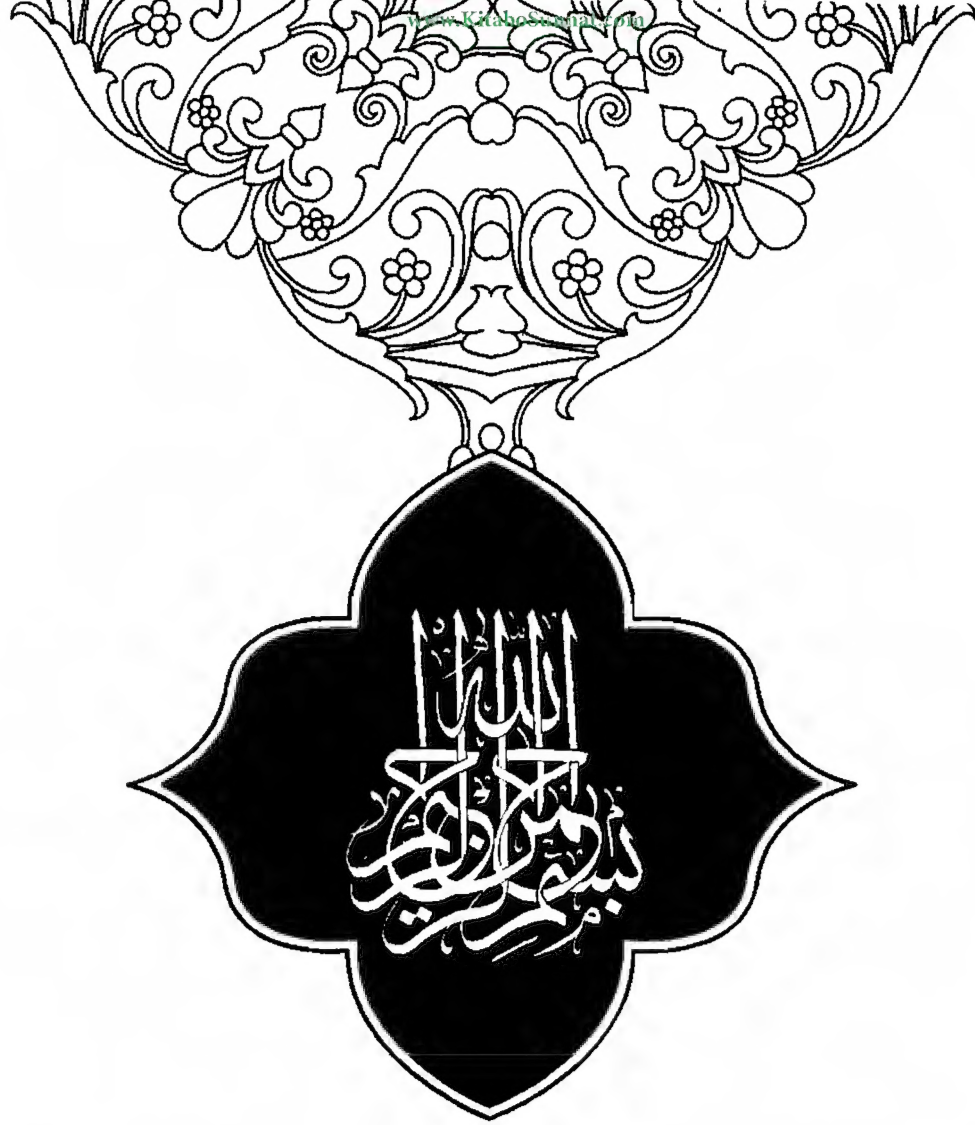
اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

فهرسة مكتبة الملك فهد الوطنية اثناء النشر
البخاري، ابو عبدالله محمد اسماعيل
هداية القاري بشرح صحيح البخاري مجلد (٥) اردو /.
ابو عبدالله محمد اسماعيل البخاري: عبدالستار حماد ـ الرياض ١٤٢٧ هـ
ص:٧٧٨ مقاس:١٧×٢٤ سم
ردمك: ١-٢٩٧-٥٠٠-٦٠٢-٩٧٨
١- الحديث الصحيح ٢-الحديث - شرح أ-الحماد، عبدالستار (محقق) ب. العنوان
ديوي ٢٣٥.١ ١٤٢٧/١٠٢٩٥
رقم الإيداع:١٤٢٧/١٠٢٩٥
ردمك:١-٢٩٧-٥٠٠-٦٠٣-٩٧٨

فہرست مضامین (جلد پنجم)

جہاد کا مفہوم، درجات اور اس کی ضرورت واہمیت

جہاد، لغوی طور پر جہد سے مشتق ہے۔ اس کے معنی کسی مقصد کے حصول کے لیے انتہائی محنت، کوشش اور طاقت صرف کرنے کے ہیں۔ لفظ جہد دو طرح سے پڑھا جاتا ہے: اگر اسے جیم کی پیش کے ساتھ پڑھا جائے تو اس کے معنی طاقت صرف کرنا اور اگر جیم کے زبر کے ساتھ پڑھا جائے تو اس کے معنی مشقت اٹھانا ہے۔ لفظ اجتہاد میں انتہائی ذہنی کوشش کا مفہوم ملحوظ خاطر رکھا جائے گا۔ قرآن کریم میں بھی لفظ جہاد اپنے لغوی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا وَّإِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ ”ہم نے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت کی ہے اور اگر وہ تجھ پر زور دیں کہ تو میرے ساتھ اس چیز کو شریک ٹھہرائے جس کا تجھے کوئی علم نہیں تو ان کا کہنا مت مان، تمھیں میری طرف ہی لوٹ کر آنا ہے، پھر میں تمھیں بتاؤں گا جو تم کیا کرتے تھے۔“[1]

شرعی اصطلاح میں جہاد اس محنت وکوشش کا نام ہے جو دین اسلام کی سربلندی کے لیے کی جاتی ہے، خواہ یہ کوشش انفرادی ہو یا اجتماعی، زبانی ہو یا تحریری اور مالی ہو یا جانی۔ لیکن واضح رہے کہ اس انتہائی جدوجہد میں نصب العین دین اسلام کی سربلندی ہونا چاہیے۔ اگر یہ مقصود نہیں تو شرعی طور پر ایسی محنت وکوشش کو جہاد قرار نہیں دیا جا سکتا، البتہ غلبۂ دین کی مذکورہ صورتوں میں سے جانی جدوجہد (قتال) تمام قسموں سے افضل ہے لیکن اسے ایک ہی صورت (قتال) کے ساتھ خاص کر لینا اسی طرح غلط ہے جس طرح غلبۂ دین کے علاوہ ہر قسم کی کوشش کو جہاد کہنا غلط ہے، چنانچہ قرآن کریم میں لفظ جہاد صرف قتال کے لیے نہیں بلکہ اس وسیع مفہوم کو ادا کرنے کے لیے بھی استعمال ہوا جس میں غلبۂ دین کے لیے کی جانے والی ہر کوشش شامل ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ ”اور وہ لوگ جنھوں نے ہمارے بارے میں پوری کوشش کی ہم انھیں اپنی راہیں ضرور دکھائیں گے اور بلاشبہ اللہ یقیناً نیکی کرنے والوں کے ساتھ ہے۔“[2] نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا﴾ ”آپ ان کافروں کا کہنا مت مانیں اور قرآن کے ذریعے سے ان سے پوری طاقت کے ساتھ جہاد کریں۔“[3]

---

[1] العنکبوت 29:8. [2] العنکبوت 29:69. [3] الفرقان 25:52.

یہ دونوں آیات مکی سورتوں سے تعلق رکھتی ہیں جبکہ جہاد بمعنی قتال مدنی دور کے آغاز میں شروع ہوا۔ مکی دور میں جہاد غلبۂ دین کی خاطر دشمنان اسلام کے خلاف کی جانے والی ہر کوشش و محنت کے لیے عام ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''تم مشرکین کے خلاف اپنے مالوں، اپنی جانوں اور اپنی زبانوں سے جہاد کرو۔''[1]

زبان سے جہاد کرنے کو کوئی بھی عقل مند قتال نہیں کہتا۔ ہمارے رجحان کے مطابق غلبۂ دین کے لیے ہر قسم کی جدوجہد جہاد کے دائرے میں آتی ہے، چنانچہ حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''جہاد، دل سے ہوتا ہے جیسا کہ اسلام پر ثابت قدم رہنے کا پختہ عزم کرنا، لوگوں کو اسلام اور اسلامی شریعت کی طرف دعوت دینا بھی جہاد ہے۔ باطل پرستوں کے خلاف حجت قائم کرنا، حق کو واضح کرنا اور شبہات کو دور کرنا بھی جہاد ہے۔ مسلمانوں کے اجتماعی مفاد کے لیے تدبیر و تنظیم کرنا بھی جہاد ہے۔ اس کے علاوہ دشمنانِ اسلام کے خلاف جنگ (قتال) کرنا بھی جہاد ہے۔ اس بنا پر مذکورہ بالا تمام صورتوں میں سے جو صورت بھی ممکن ہو اس کے مطابق جہاد کرنا واجب ہے۔''[2]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے نزدیک کفار کے خلاف جنگ لڑنا بھی جہاد ہے اور اس کے علاوہ غلبۂ دین کے لیے کی جانے والی ہر جدوجہد بھی جہاد میں شامل ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں: ''کفار کے خلاف جنگ لڑنے کے لیے کوشش اور طاقت صرف کرنا جہاد ہے، اسی طرح نفس، شیطان اور فساق کے خلاف جدوجہد کرنے پر بھی جہاد کا اطلاق ہوتا ہے۔ جہاد بالنفس یہ ہے کہ دین کی بنیادی تعلیمات کو حاصل کیا جائے، پھر ان پر عمل کیا جائے، نیز دوسرے لوگوں کو بھی ان کی دعوت دی جائے۔ جہاد بالشیطان یہ ہے کہ شیطان کی طرف سے جو شبہات و وساوس پیدا کیے جاتے ہیں انھیں دور کرنے کے لیے محنت اور مشقت اٹھائی جائے، اس کے علاوہ کفار کے خلاف اپنے ہاتھ، مال، زبان اور دل سے جہاد کیا جائے، نیز فساق و منافقین کے خلاف بھی اپنے ہاتھ یا پھر دل اور زبان سے جہاد کیا جائے۔''[3]

اس اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے نزدیک جہاد اور قتال دو الگ الگ اصطلاحات ہیں، چنانچہ وہ مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''تحقیقی طور پر یہ بات بھی ثابت ہے کہ کفار کے خلاف جہاد کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے، خواہ وہ اپنے ہاتھ کے ساتھ جہاد کرے یا زبان کے ساتھ یا مال کے ساتھ یا اپنے دل کے ساتھ۔''[4]

ظاہر ہے کہ زبان، مال اور دل کے ساتھ کی جانے والی جدوجہد کو قتال نہیں کہا جا سکتا، البتہ اسے جہاد سے تعبیر کیا جا سکتا ہے، نیز ہر مسلمان تو کافروں کے خلاف قتال نہیں کر سکتا، البتہ جہاد کسی نہ کسی صورت میں کیا جا سکتا ہے۔ امام ابن

---

① سنن أبي داود، الجهاد، حديث : 2504. ② مجموع الفتاوٰی : 38/5. ③ فتح الباري : 5/6. ④ فتح الباري : 47/6.

قیم ﷫ نے اس موضوع پر تفصیل سے گفتگو کی ہے۔ انھوں نے جہاد کو محض قتال تک محدود کرنے کے بجائے اسے وسیع مفہوم میں استعمال کیا ہے۔ ان کے نزدیک غلبۂ دین کے لیے کی جانے والی ہر کوشش، محنت اور جدوجہد جہاد ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں: ''اللہ کے دشمنوں، یعنی کفار کے خلاف جہاد کرنا اس بات پر منحصر ہے کہ وہ مسلمان پہلے اللہ کے لیے اپنے نفس کے خلاف جہاد کرے جیسا کہ ارشاد نبوی ہے: ''جس نے اللہ کی اطاعت میں رہتے ہوئے اپنے نفس کے خلاف جہاد کیا وہ مجاہد ہے۔'' [1]

اس کا مطلب یہ ہے کہ خارجی دشمن کے خلاف جہاد کرنے سے پہلے اپنے نفس کے خلاف جہاد کرنا انتہائی ضروری ہے کیونکہ جو انسان اپنے نفس کو اللہ کے اوامر ونواہی اور دیگر احکام شرعیہ کا پابند نہیں بناتا، اس کے لیے دشمن کے خلاف میدان جنگ میں جہاد کرنا ممکن ہی نہیں رہتا کیونکہ جب وہ اپنے پہلو کے دشمن کے ہاتھوں مغلوب ہو اور اس کے خلاف جہاد نہ کرے، وہ خارجی دشمن کے خلاف جہاد کیسے کر سکتا ہے؟ علاوہ ازیں ایک تیسرا دشمن بھی ہے جب تک انسان اس کے خلاف علم بغاوت بلند نہ کرے کفار اور نفس کے خلاف جہاد نہیں ہو سکتا اور وہ شیطان ہے جس کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا﴾ ''یقیناً شیطان تمھارا دشمن ہے، لہٰذا تم اسے دشمن ہی سمجھو۔'' [2]

شیطان کو دشمن خیال کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے خلاف جنگ کرنے میں پوری توانائی صرف کی جائے اور کسی قسم کی کوتاہی نہ کی جائے۔ ابن قیم ﷫ مزید لکھتے ہیں کہ جہاد کے چار مراتب ہیں:

① نفس کے خلاف جہاد۔ ② شیطان کے خلاف جہاد۔ ③ کفار کے خلاف جہاد۔ ④ منافقین کے خلاف جہاد۔

① نفس کے خلاف جہاد کے چار درجے ہیں: (ا) دین اسلام کی ضروری ہدایات حاصل کر کے اپنے نفس کے خلاف جہاد کرے کیونکہ دینی رشد و ہدایت کے بغیر اخروی نجات ممکن نہیں۔ (ب) حاصل کردہ بنیادی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر نفس کے خلاف جہاد کرے کیونکہ اس علم کا کوئی فائدہ نہیں جس پر عمل نہ کیا جائے۔ (ج) پھر حاصل کردہ دینی معلومات ان لوگوں تک پہنچائے جو ان سے بے خبر ہیں بصورت دیگر اسے ان لوگوں میں شمار کیا جائے گا جو علم چھپانے کے مرتکب ہیں۔ (د) دعوت حق کے راستے میں جو مشکلات اور تکلیفیں درپیش ہوں انھیں خوشی سے برداشت کرتے ہوئے اپنے نفس کے خلاف جہاد کرے۔ جب انسان ان چار مراتب کو مکمل کر لے گا تو اسے علمائے ربانیین میں شمار کیا جائے گا۔

② شیطان کے خلاف جہاد کے دو مرتبے ہیں: (ا) شیطان کی طرف سے بندے کے ایمان کو ختم کرنے کے لیے

---

① مسند أحمد: 22/6. ② الفاطر 35:6.

اس کے دل میں جو شکوک وشبہات پیدا ہوں ان کو دور کرنے کے لیے جدوجہد کرنا۔ (ب) شیطان کی طرف سے بندے کے ایمان کو کمزور کرنے کے لیے جو بری خواہشات اس کے دل میں ڈالی جاتی ہیں ان کے خلاف جہاد کرنا۔ پہلے مرتبے کے لیے یقین اور دوسرے مرتبے کے لیے صبر کی انتہائی ضرورت ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''ہم نے ان میں سے کچھ پیشوا بنائے جو ہمارے حکم سے رہنمائی کرتے تھے۔ جب انھوں نے صبر کیا اور وہ ہماری آیتوں پر یقین رکھتے تھے۔'' صبر کے ذریعے سے شہوات اور یقین کے ذریعے شبہات کو دور کیا جاتا ہے۔

③، ④ کفار اور منافقین کے خلاف جہاد کرنے کے چار مراتب ہیں: (ا) دل سے جہاد کرنا۔ (ب) زبان سے جہاد کرنا۔ (ج) مال سے جہاد کرنا۔ (د) جان سے جہاد کرنا۔ ان میں سے دل اور مال کے ذریعے سے کفار اور منافقین دونوں کے خلاف جہاد کیا جا سکتا ہے جبکہ طاقت اور جان کے ساتھ جہاد کرنا کفار کے ساتھ خاص ہے اور منافقین کے ساتھ زبان سے جہاد کیا جائے گا۔ ان کے خلاف تلوار نہیں اٹھائی جائے گی۔ علاوہ ازیں ظلم پیشہ اور اہل بدعت کے خلاف بھی جہاد کیا جاتا ہے۔ اس جہاد کے تین مراتب ہیں: ○ اگر طاقت ہو تو ہاتھ کے ساتھ ان کے خلاف جہاد کیا جائے، یعنی قوت سے انھیں روکا جائے۔ ○ اگر ہاتھ سے روکنے کی طاقت نہ ہو تو زبان سے اس برائی کے خلاف اظہار کیا جائے۔ ○ اگر زبانی جہاد کی ہمت نہ ہو تو دل سے ان کے خلاف جہاد کیا جائے، یعنی ظلم اور اہل ظلم سے دلی نفرت کی جائے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ جہاد کے تیرہ درجات ہیں۔ ارشاد نبوی ہے: ''جو شخص اس حال میں فوت ہوا کہ اس نے کبھی جہاد نہ کیا اور نہ اس کے دل میں کبھی جہاد کا خیال ہی پیدا ہوا تو وہ گویا نفاق کی شاخ پر فوت ہوا ہے۔''[1]

نفس اور شیطان کے خلاف جہاد کرنا ہر مسلمان پر فرض عین ہے جبکہ کفار ومنافقین کے خلاف جہاد کرنا فرض کفایہ ہے۔ اگر امت کے کچھ افراد اس میں شریک ہوں تو دوسروں کو بھی کفایت کر جائے گا۔[2]

ہماری اس تفصیل کا مقصد یہ ہے کہ قرآن وحدیث میں بیشتر مقامات پر جہاد ''قتال فی سبیل اللہ'' کے معنی میں استعمال ہوا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے کلمے کی سربلندی کے لیے آخری کوشش مقدس جہاد کی یہی قسم ہے لیکن کتاب وسنت میں جہاد جنگ کے علاوہ تحفظ دین کی دوسری کوششوں پر بھی جابجا بولا گیا ہے۔ بالخصوص منافقین سے جہاد کی بیشتر صورتیں تلوار کے بغیر ہیں۔ اسی طرح مکی سورتوں میں جہاد کا ذکر قطعاً جنگ کے معنی میں نہیں آیا، اس لیے ہر مقام پر جہاد کو

---

① صحیح مسلم، الإمارة، حدیث: 4931 (1910). ② زاد المعاد: 3/9-11.

قتال فی سبیل اللہ کے معنی میں لینا اس کی غلط تعبیر ہے۔

انسانی سوسائٹی میں حکم اور قانون کا درجہ انسانی خواہشات اور عقل وگمان کو نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے احکام اور آسمانی تعلیمات کو حاصل ہونا چاہیے۔ اور کلمۃ اللہ کی اسی سربلندی کے لیے دین اسلام میں دینی معرکہ آرائی کے تسلسل کو باقی رکھا گیا ہے تاکہ کسی دور میں بھی انسانی خواہشات کو آسمانی تعلیمات پر غلبہ حاصل نہ ہونے پائے۔ لیکن دور حاضر میں خواہشات اور محدود عقل نے ہر طرف ڈیرے ڈال رکھے ہیں اور آسمانی تعلیمات سے رہنمائی حاصل کرنے کے بجائے اس کے نشانات کو بھی ختم کرنے کی عالمی سطح پر کوشش شروع ہے۔ ایسے حالات میں اللہ کے دین کو بلند کرنے کے یہ معنی ہیں کہ نسل انسانی کو خواہشات کی غلامی اور عقل محض کی پیروی سے نکالا جائے اور اسے آسمانی تعلیمات کی ضرورت کا احساس دلاتے ہوئے وحی الٰہی کے دائرے میں لانے کی بھرپور کوشش کی جائے، نیز دنیا کے مختلف خطوں میں مسلمان جس مظلومیت کا شکار ہیں اور انھیں بڑی سنگ دلی کے ساتھ ان کے مذہبی تشخص سے محروم کیا جا رہا ہے، ان مسلط قوتوں کے خلاف کلمۂ حق بلند کرنا اور مظلوم مسلمانوں کو ظلم و جبر کے ماحول سے نکالنے کے لیے جو کچھ ممکن ہو اسے کر گزرنا بھی اعلائے کلمۃ اللہ کا تقاضا ہے۔ ایسے حالات میں جس طرح قتال دفاع دین کے لیے ہوتا ہے اسی طرح کافرانہ معاشرے میں قائم ظلم و زیادتی کے خاتمے کے لیے بھی ہوتا ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس بڑے عنوان کے تحت جہاد کے متعلق ایک پورا نظام پیش کیا ہے جس میں جہاد کی فرضیت و فضیلت، اہمیت و افادیت، غرض و غایت اور اس کے آداب و شرائط کو بیان کیا ہے۔ اس سلسلے میں انھوں نے تین سو چھہتر احادیث ذکر کی ہیں جن میں چالیس معلق اور باقی متصل سند سے مروی ہیں۔ ان کے علاوہ ستائیس کے قریب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام سے مروی آثار بھی ذکر کیے ہیں۔ ان مرفوع احادیث میں دو سو چھیاسٹھ احادیث مکرر اور ایک سو دس خالص ہیں، نیز امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کردہ احادیث د آثار پر جہاد کے متعلق دو سو کے لگ بھگ چھوٹے چھوٹے عنوان قائم کیے ہیں، جن سے ان کی دقت فہم اور قوت استنباط کا پتہ چلتا ہے، جن میں جنگ سے پہلے کے آداب، میدان جنگ کے آداب، جنگ کے بعد کے آداب کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اس کے علاوہ مال غنیمت کے حقوق و شرائط پر، پھر جنگی قیدیوں کے متعلق آداب و شرائط کو بھی ذکر کیا ہے۔ جہاد سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول کچھ پیش گوئیاں بھی بیان کی ہیں۔

امید ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے قائم کردہ عنوان اور پیش کردہ احادیث ہمارے لیے ایمان کی تازگی اور جذبۂ جہاد کی بیداری کا باعث ہوں گے۔ ہماری پیش کردہ معروضات کو سامنے رکھتے ہوئے ان احادیث کا مطالعہ کریں تاکہ

عاقبت نااندیش مسلم منکرین اور عقل عیار کے پیروکار مغربی دانشوروں کے جہاد سے متعلق پھیلائے ہوئے زہریلے شکوک وشبہات کا مداوا ہو سکے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں یقین کامل کی نعمت عطا فرمائے تاکہ ہم اپنی کھوئی ہوئی عظمت کو دوبارہ حاصل کر سکیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

56 - كِتَابُ الْجِهَادِ [وَالسِّيَرِ]

جہاد سے متعلق احکام و مسائل

(١) بَابُ فَضْلِ الْجِهَادِ وَالسِّيَرِ

وَقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ وَالْقُرْآنِ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُم بِهِ﴾ إِلَى قَوْلِهِ: ﴿وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ﴾ [التوبة: ١١١، ١١٢].

باب: 1- جہاد کی فضیلت اور غزوات میں نبی ﷺ کا طریقۂ کار

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان سے ان کی جانیں اور ان کے مال جنت کے عوض خرید لیے ہیں۔ وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں، مارتے بھی ہیں اور مرتے بھی ہیں۔ تورات، انجیل اور قرآن سب کتابوں میں اللہ کے ذمے یہ پختہ وعدہ ہے اور اللہ سے بڑھ کر اپنے وعدے کو وفا کرنے والا اور کون ہو سکتا ہے؟ لہٰذا تم نے جو سودا کیا ہے اس پر خوشیاں مناؤ (اور یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔ وہ توبہ کرنے والے، عبادت گزار، حمد کرنے والے، روزہ دار، رکوع کرنے والے، سجدہ گزار، بھلے کاموں کا چرچا کرنے والے، برے کاموں سے روکنے والے اور حدود اللہ کی حفاظت کرنے والے ہوتے ہیں۔) ایسے اہل ایمان کو آپ خوشخبری سنا دیں۔''

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: اَلْحُدُودُ: اَلطَّاعَةُ.

حضرت ابن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ الحدود سے مراد اللہ تعالیٰ کی طاعات ہیں۔

وضاحت: جہاد کے معنی اللہ تعالیٰ کے دین کی سربلندی کے لیے طاقت صرف کرنا ہیں اور سِیَر کے معنی طریقہ ہیں۔ یہاں سِیَر کا مطلب رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین کے وہ حالات ہیں جو کفار سے جنگ کرتے ہوئے رونما ہوئے۔ واضح رہے کہ جہاد کی دو قسمیں ہیں: اقدامی جہاد اور دفاعی جہاد۔ اقدامی جہاد: غلبۂ دین، کفر و شرک کے خاتمے، سرحدوں کی حفاظت اور عہد شکنی کی سزا دینے کے لیے مسلمانوں کی طرف سے جو جنگ لڑی جائے اسے اقدامی جہاد کہا جاتا ہے۔ دفاعی جہاد: اسلامی ریاست اور اہل اسلام کا دفاع کرتے ہوئے جو مدافعانہ جنگ لڑی جائے اسے دفاعی جہاد کا نام دیا جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی اکثر جنگیں دفاعی تھیں، البتہ غزوۂ خندق کے بعد اقدامی جہاد کی بھی متعدد مثالیں ملتی ہیں، تاہم اقدامی قتال مسلمانوں کے اجتماعی امور سے متعلق ہے جسے آج کل روشن خیال سیکولر طبقہ تسلیم نہیں کرتا۔ ان کے نزدیک دین کا اجتماعیات میں کوئی دخل نہیں ہے۔ حضرت ابن عباس ؓ کے نزدیک حدود اللہ سے مراد اللہ کی طاعات ہیں۔ ان کا دائرہ بہت وسیع ہے جو انسان کی پوری زندگی کو محیط ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے عقائد و عبادات، اخلاق و معاشرت، تہذیب و تمدن، تجارت و معیشت، سیاست و ریاست اور صلح و جنگ کے معاملات میں جو حدیں مقرر کر رکھی ہیں وہ ان سے آگے نہیں بڑھتے۔ ظاہر ہے کہ اللہ کی اطاعت کرنے والا ہی ان مذکورہ صفات والا ہو سکتا ہے اور اس کے اوامر کو پورا کر سکتا ہے اور نواہی سے بچ سکتا ہے۔

٢٧٨٢ - حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ صَبَّاحٍ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَابِقٍ: حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ مِغْوَلٍ قَالَ: سَمِعْتُ الْوَلِيدَ بْنَ الْعَيْزَارِ ذَكَرَ عَنْ أَبِي عَمْرٍو الشَّيْبَانِيِّ قَالَ: قَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: سَأَلْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! أَيُّ الْعَمَلِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: «الصَّلَاةُ عَلَى مِيقَاتِهَا»، قُلْتُ: ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ: «ثُمَّ بِرُّ الْوَالِدَيْنِ»، قُلْتُ: ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ: «اَلْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللهِ»، فَسَكَتُّ عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَلَوِ اسْتَزَدْتُهُ لَزَادَنِي. [راجع: ٥٢٧]

[2782] حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: اللہ کے رسول! کون سا عمل افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: ”بروقت نماز ادا کرنا۔“ میں نے عرض کیا: اس کے بعد؟ آپ نے فرمایا: ”والدین کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا۔“ میں نے عرض کیا: پھر اس کے بعد؟ آپ نے فرمایا: ”اللہ کے راستے میں جہاد کرنا۔“ پھر میں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کرنے میں سکوت اختیار کیا۔ اگر میں زیادہ پوچھتا تو آپ مجھے مزید جوابات سے نوازتے۔

فوائد و مسائل: ① رسول اللہ ﷺ نے مذکورہ تین کاموں کو افضل عمل قرار دیا ہے کیونکہ یہ تینوں کام دیگر طاعات کے لیے پیش خیمہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس کے معنی ہیں کہ جو انسان ان کی بجا آوری کرے گا وہ باقی کاموں کی بجا آوری میں بھی پیش پیش ہوگا اور جو انھیں ادا کرنے میں پہلو تہی کرے گا وہ دیگر معاملات کو خراب کرنے میں بڑا دلیر ہوگا۔[1] ایک حدیث میں

① فتح الباري: 7/6.

[إطعام الطعام] کو بہترین اسلام کہا گیا ہے۔[1] جبکہ ایک دوسری حدیث میں ہے: ''دوسرے مسلمانوں کو اپنے ہاتھ اور زبان سے تکلیف نہ دینا افضل اسلام ہے۔''[2] اس قسم کی دیگر احادیث میں تضاد نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ ہر شخص کو اس کی حالت کے مطابق جواب دیتے تھے یا جس چیز کی مخاطب میں کمی محسوس کرتے، اس کے ازالے کے لیے مناسب جواب دیتے تھے۔ واللہ أعلم۔ ② امام بخاری ؒ کا مقصد اس حدیث سے جہاد فی سبیل اللہ کی فضیلت ثابت کرنا ہے جو بالکل واضح ہے۔

٢٧٨٣ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا يَحْيَى ابْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ: حَدَّثَنِي مَنْصُورٌ عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنْ طَاوُسٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَا هِجْرَةَ بَعْدَ الْفَتْحِ وَلٰكِنْ جِهَادٌ وَّنِيَّةٌ، وَإِذَا اسْتُنْفِرْتُمْ فَانْفِرُوا». [راجع: ١٣٤٩]

[2783] حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''فتح مکہ کے بعد اب ہجرت نہیں رہی، البتہ جہاد کرنا اور اچھی نیت کرنا اب بھی باقی ہیں۔ اور جب تمھیں جہاد کی خاطر نکلنے کے لیے کہا جائے تو فوراً نکل پڑو۔''

فوائد و مسائل: ① مکہ فتح ہونے کے بعد وہ خود دارالاسلام بن گیا، اب یہاں سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آنے کا سوال ہی باقی نہیں رہتا۔ اس حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ سرے سے ہجرت کا سلسلہ ہی ختم ہو گیا ہے بلکہ دنیا کے کسی بھی دارالحرب سے دارالاسلام کی طرف ہجرت کرنے کا حکم اب بھی باقی ہے مگر اس کی کچھ شرائط ہیں جنھیں آئندہ بیان کیا جائے گا، البتہ جہاد کی فرضیت قیامت تک باقی رہے گی۔ ایک حدیث میں ہے: ''جب سے اللہ تعالیٰ نے مجھے مبعوث کیا ہے، اس وقت سے قیامت تک جہاد ہوتا رہے گا یہاں تک کہ میری امت کا آخری گروہ دجال سے لڑائی کرے گا۔''[3] ② جہاد اگرچہ اسلام کے بنیادی ارکان میں شامل نہیں ہے لیکن اسلام نے اس کی جو فضیلت اور اہمیت متعین کر دی ہے اسے کسی بھی صورت میں نظر انداز نہیں کرنا چاہیے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے جہاد کو دین اسلام کی کوہان کی چوٹی قرار دیا ہے۔[4]

٢٧٨٤ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا خَالِدٌ: حَدَّثَنَا حَبِيبُ بْنُ أَبِي عَمْرَةَ عَنْ عَائِشَةَ بِنْتِ طَلْحَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا أَنَّهَا قَالَتْ: يَا رَسُولَ اللهِ! نُرَى الْجِهَادَ أَفْضَلَ الْعَمَلِ، أَفَلَا نُجَاهِدُ؟ قَالَ: «لَكُنَّ أَفْضَلُ الْجِهَادِ حَجٌّ مَّبْرُورٌ». [راجع: ١٥٢٠]

[2784] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے پوچھا: اللہ کے رسول! ہمارے خیال کے مطابق جہاد تمام اعمال سے افضل ہے تو کیا ہم عورتیں جہاد نہ کریں؟ آپ نے فرمایا: ''لیکن (تمھارے لیے) سب سے افضل جہاد حج مقبول ہے (جس میں گناہ نہ ہو)۔''

1 صحيح البخاري، الإيمان، حديث: 12. 2 صحيح البخاري، الإيمان، حديث: 11. 3 مسند أحمد: 3/345.
4 مسند أحمد: 5/234.

فوائد و مسائل: ① اس حدیث کے مطابق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جہاد کو تمام اعمال سے افضل عمل قرار دیا اور رسول اللہ ﷺ نے اس پر کوئی انکار نہیں کیا۔ ② رسول اللہ ﷺ نے ایک عورت سے فرمایا جس کا خاوند جہاد میں شریک ہوا تھا: ''کیا تجھ میں طاقت ہے کہ تو آرام کیے بغیر متواتر قیام کرتی رہے اور کوئی روزہ چھوڑے بغیر مسلسل روزے رکھتی رہے، نیز غفلت کا شکار ہوئے بغیر ہمیشہ ذکر کرتی رہے حتی کہ تیرا خاوند واپس آ جائے؟'' اس نے عرض کی: اللہ کے رسول! میں اس قدر طاقت نہیں رکھتی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر تجھ میں اتنی طاقت ہو تو پھر بھی تو اپنے خاوند کے جہادی اجر کے دسویں حصے کو نہیں پہنچ سکتی۔''[1]

٢٧٨٥ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ [بْنُ مَنْصُورٍ]: أَخْبَرَنَا عَفَّانُ: حَدَّثَنَا هَمَّامٌ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جُحَادَةَ قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبُو حَصِينٍ أَنَّ ذَكْوَانَ حَدَّثَهُ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ حَدَّثَهُ قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالَ: دُلَّنِي عَلَى عَمَلٍ يَعْدِلُ الْجِهَادَ، قَالَ: «لَا أَجِدُهُ». قَالَ: «هَلْ تَسْتَطِيعُ إِذَا خَرَجَ الْمُجَاهِدُ أَنْ تَدْخُلَ مَسْجِدَكَ فَتَقُومَ وَلَا تَفْتُرَ، وَتَصُومَ وَلَا تُفْطِرَ؟» قَالَ: وَمَنْ يَسْتَطِيعُ ذٰلِكَ؟ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: إِنَّ فَرَسَ الْمُجَاهِدِ لَيَسْتَنُّ فِي طِوَلِهِ فَيُكْتَبُ لَهُ حَسَنَاتٍ.

[2785] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگا: آپ مجھے کوئی ایسا عمل بتائیں جو جہاد کے برابر ہو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں کوئی ایسا عمل نہیں پاتا جو جہاد کے برابر ہو۔'' آپ نے مزید فرمایا: ''کیا تجھ میں طاقت ہے کہ جب مجاہد جہاد کے لیے نکلے تو تو اپنی مسجد میں داخل ہو جائے، وہاں اللہ کی عبادت کرتا رہے اور ذرہ بھر سستی نہ کرے اور تو مسلسل روزے رکھتا رہے کوئی روزہ ترک نہ کرے؟'' اس شخص نے عرض کیا: اس عمل کی کون طاقت رکھتا ہے؟ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجاہد کا گھوڑا جب رسی میں بندھا ہوا زمین پر پاؤں مارتا ہے تو اس پر بھی اس کے لیے نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔

فوائد و مسائل: ① روایت کے آخر میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول ایک دوسری حدیث میں مرفوعاً بھی بیان ہوا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''گھوڑا اس شخص کے لیے ثواب کا ذریعہ ہے جس نے اسے اللہ کے راستے میں باندھا اور اس کی رسی چراگاہ یا باغ میں دراز کر دی، وہ چراگاہ یا باغ میں جس قدر چارہ کھائے گا وہ اس کے لیے نیکیاں ہوں گی۔ اگر وہ رسی کو توڑ ڈالے اور ایک یا دو بلندیاں اور ٹیلے دوڑ جائے تو اس کی لید اور اس کے قدموں کے نشانات بھی اس شخص کے لیے نیکیاں ہوں گی۔ اگر وہ نہر کے پاس سے گزرے اور اس سے پانی پیے، حالانکہ مالک کا اسے پانی پلانے کا ارادہ نہیں تھا تو یہ بھی اس کی نیکیاں ہوں گی۔ اس قسم کا گھوڑا ثواب کا ذریعہ ہے۔''[2] ② مقصد یہ ہے کہ مجاہد جب جہاد کے لیے نکلتا ہے تو پھر دن رات، سوتے جاگتے جو کام بھی وہ کرے گا اسے ثواب ملے گا، خواہ وہ خود کرے یا اس کا نوکر و مزدور یا اس کا کوئی جانور کرے۔ یہ فضیلت صرف عمل

① المستدرك للحاكم: 73/2. ② صحيح البخاري، الجهاد، حديث: 2860.

جہاد کی ہے باقی طاعات میں نہیں کیونکہ نمازی اور روزے دار کو اس وقت تک اجر ملے گا جب تک وہ نماز یا روزے میں مصروف ہے جبکہ مجاہد کے لیے چوبیس گھنٹے ثواب کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔

(٢) بَابٌ: أَفْضَلُ النَّاسِ مُؤْمِنٌ مُجَاهِدٌ بِنَفْسِهِ وَمَالِهِ فِي سَبِيلِ اللهِ

باب: 2- لوگوں میں افضل وہ مومن ہے جو اللہ کی راہ میں جان و مال کے ساتھ جہاد کرے

وَقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ تِجَٰرَةٍ تُنجِيكُم مِّنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ ○ تُؤْمِنُونَ بِٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦ وَتُجَٰهِدُونَ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ بِأَمْوَٰلِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ○ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنَّٰتٍ تَجْرِى مِن تَحْتِهَا ٱلْأَنْهَٰرُ وَمَسَٰكِنَ طَيِّبَةً فِى جَنَّٰتِ عَدْنٍ ذَٰلِكَ ٱلْفَوْزُ ٱلْعَظِيمُ﴾ [الصف: ١٠-١٢].

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''ایمان والو! کیا میں تمھیں ایسی تجارت نہ بتاؤں جو تمھیں دردناک عذاب سے بچا لے؟ تم اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرو۔ اگر تم جان لو تو یہی تمھارے لیے بہتر ہے۔ وہ تمھارے گناہ معاف کر دے گا اور تمھیں ایسے باغات میں داخل کرے گا جن کے تلے نہریں بہہ رہی ہوں گی، اس کے علاوہ سدا بہار باغات میں عمدہ گھر عطا کرے گا۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔''

وضاحت: اللہ تعالیٰ پر سچے دل سے ایمان لانے اور اس کے رسول کو اخلاص کے ساتھ تسلیم کر لینے کے بعد اپنا مال، وقت اور قابلیت حتی کہ اپنی جانوں کو بھی اللہ کی راہ میں لڑا دینا ایسی نفع والی تجارت ہے جس میں کبھی خسارے کا احتمال نہیں ہو سکتا۔ اس کے عوض دو فائدے تو یقینی ہیں: ○ خطاؤں کی معافی اور دوزخ کے عذاب سے محفوظ رہنا۔ ○ نعمتوں بھرے باغات میں داخل ہونے کے بعد ہمیشہ لطف اندوز ہوتے رہنا۔ ایک تیسرا فائدہ بھی صحابہ کو حاصل ہوا جس کا اگلی آیت میں ذکر ہے اور وہ ہے مکہ کی فتح۔

٢٧٨٦ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: حَدَّثَنِي عَطَاءُ بْنُ يَزِيدَ اللَّيْثِيُّ أَنَّ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ حَدَّثَهُ قَالَ: قِيلَ: يَا رَسُولَ اللهِ! أَيُّ النَّاسِ أَفْضَلُ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مُؤْمِنٌ يُجَاهِدُ فِي سَبِيلِ اللهِ بِنَفْسِهِ وَمَالِهِ». قَالُوا: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: «مُؤْمِنٌ فِي شِعْبٍ مِنَ الشِّعَابِ يَتَّقِي اللهَ وَيَدَعُ النَّاسَ مِنْ شَرِّهِ». [انظر: ٦٤٩٤]

[2786] حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا گیا: اللہ کے رسول! لوگوں میں کون شخص افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: ''وہ مومن جو اللہ کی راہ میں اپنی جان اور اپنے مال سے جہاد کرے۔'' صحابۂ کرام نے عرض کیا: اس کے بعد کون افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: ''وہ مومن جو پہاڑ کی کسی گھاٹی میں رہنا اختیار کرے، وہاں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے اور لوگوں کو اپنے شر سے محفوظ رکھے۔''

فائدہ: پہاڑ کی گھاٹی کا ذکر اس لیے ہے کہ وہ عام طور پر لوگوں سے خالی ہوتی ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں سے الگ تھلگ رہنا اور تنہائی اختیار کرنا افضل ہے جبکہ ایک حدیث میں ہے: "وہ مومن جو لوگوں کے ساتھ گھل مل کر رہے اور ان کے تکلیفیں پہنچانے پر صبر کرے تو وہ اس مومن سے بہتر ہے جو لوگوں میں گھل مل کر نہیں رہتا اور نہ ان کے تکلیفیں پہنچانے پر صبر ہی کرتا ہے۔"[1] اس کے درمیان تطبیق یہ ہے کہ مذکورہ افضلیت، اشخاص، احوال اور اوقات کے اعتبار سے مختلف ہے کیونکہ جن لوگوں سے دوسروں کو دینی اور دنیاوی مفادات پہنچتے ہوں اور وہ لوگوں کی تکلیفوں پر صبر کر سکتے ہوں تو ان کے لیے مل جل کر رہنا بہتر ہے اور جس شخص سے لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہنے کی وجہ سے گناہ سرزد ہوتے ہوں اور اس کی صحبت سے لوگوں کو تکلیف پہنچتی ہو تو اس کے لیے الگ تھلگ رہنا بہتر ہے۔

٢٧٨٧ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ: أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «مَثَلُ الْمُجَاهِدِ فِي سَبِيلِ اللهِ - وَاللهُ أَعْلَمُ بِمَنْ يُجَاهِدُ فِي سَبِيلِهِ - كَمَثَلِ الصَّائِمِ الْقَائِمِ، وَتَوَكَّلَ اللهُ لِلْمُجَاهِدِ فِي سَبِيلِهِ بِأَنْ يَتَوَفَّاهُ أَنْ يُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ أَوْ يَرْجِعَهُ سَالِمًا مَّعَ أَجْرٍ أَوْ غَنِيمَةٍ». [راجع: ٣٦]

[2787] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا: "اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کی مثال...... اور یہ تو اللہ ہی جانتا ہے کہ اللہ کی راہ میں جہاد کون کرتا ہے...... اس روزہ دار کی طرح ہے جو رات بھر قیام میں مصروف رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ضمانت دی ہے کہ اسے وفات دیتے ہی جنت میں داخل کر دے گا یا اجر و غنیمت سمیت اسے سلامتی سے واپس کرے گا۔"

فوائد و مسائل: ① اللہ تعالیٰ نے مجاہد کے لیے ضمانت دی ہے کہ اگر وہ شہید ہو جائے تو اسے مرنے کے فوراً بعد جنت میں داخل کر دے گا۔ اور اگر وہ اللہ کی راہ میں کام نہ آئے بلکہ وہ سلامتی کے ساتھ واپس آ جائے تو اللہ تعالیٰ ثواب اور غنیمت عطا کرے گا، یہ نہیں ہو سکتا کہ سلامتی کی صورت میں اسے کچھ حاصل نہ ہو، بلکہ اسے غنیمت اور اجر دونوں ملیں گے یا کم از ایک تو ضرور ملے گا۔ ② اس حدیث سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ نیت کا حال تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے، اگر وہ مخلص ہے تو وہ مجاہد ہو گا اگر مخلص نہیں بلکہ دنیا کے مال و متاع یا اپنی شہرت کے لیے میدان جنگ میں اترا ہے تو وہ مجاہد فی سبیل اللہ نہیں ہے اور نہ وہ اللہ کے ہاں کسی قسم کے اجر کا ہی حق دار ہے، نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ مجاہد فی سبیل اللہ کا کوئی لمحہ بھی اجر و ثواب سے خالی نہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿لَا يُصِيبُهُمْ ظَمَأٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَطَـُٔوْنَ مَوْطِئًا يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ○ وَلَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً وَّلَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ "مجاہدین اللہ کی راہ میں پیاس، تکان اور بھوک کی جو بھی مصیبت برداشت کرتے ہیں یا کوئی ایسا مقام طے کرتے ہیں جو کافروں کو ناگوار ہو یا دشمن پر وہ کوئی کامیابی حاصل

[1] جامع الترمذي، القيامة، حديث: 2507.

کرتے ہیں تو ان کے لیے نیک عمل لکھ دیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اچھے کام کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا، نیز یہ مجاہدین جو بھی تھوڑا یا زیادہ خرچ کرتے ہیں یا کوئی وادی طے کرتے ہیں تو یہ چیزیں ان کے حق میں لکھ دی جاتی تا کہ اللہ انھیں ان کے اعمال کا بہتر صلہ دے جو وہ کرتے ہیں۔"[1] یعنی جہاد کے سفر میں مجاہد کے ہر ایک فعل کے بدلے ایک عمل صالح، اس کے اعمال نامے میں لکھ دیا جاتا ہے، خواہ اس کا یہ فعل اختیاری ہو یا غیر اختیاری، ان تمام کاموں کا اللہ کے ہاں اسے اجر ملے گا۔

(٣) بَابُ الدُّعَاءِ بِالْجِهَادِ وَالشَّهَادَةِ لِلرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ

باب:3- مردوں اور عورتوں کے لیے جہاد اور شہادت کی دعا کرنا

وَقَالَ عُمَرُ: اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِي شَهَادَةً فِي بَلَدِ رَسُولِكَ.

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دعا کی تھی: اے اللہ! مجھے اپنے رسول مقبول ﷺ کے شہر (مدینہ طیبہ) میں شہادت نصیب فرما۔

وضاحت: اپنے لیے شہادت کی دعا کرنا خود پر کافر یا ظالم کو مسلط کرنے کی دعا نہیں بلکہ شہادت کے ذریعے سے بلند مرتبہ حاصل کرنے کی دعا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مذکورہ دعا اس سے پہلے متصل سند سے بیان ہو چکی ہے۔[2] چونکہ مدینہ طیبہ کئی ایک خصوصیات کا حامل ہے جو دوسرے شہروں کو حاصل نہیں ہیں، اس لیے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے شہادت کی دعا میدان جنگ میں نہیں مانگی تا کہ مدینہ طیبہ سے باہر دفن نہ ہوں اور نہ اس سے باہر موت ہی آئے اگرچہ وہ شہادت کی موت ہی کیوں نہ ہو، چنانچہ آپ کو ابولؤلؤ فیروز نامی ملعون مجوسی غلام نے مسجد نبوی میں زہر آلود خنجر مار کر بحالت نماز شدید زخمی کر دیا۔ زخموں کی تاب نہ لا کر چند دن بعد وہ مرتبۂ شہادت پا کر ہمیشہ کے لیے زندۂ جاوید ہو گئے ...... رضی اللہ عنہ......

٢٧٨٨، ٢٧٨٩ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ عَنْ مَّالِكٍ، عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّهُ سَمِعَهُ يَقُولُ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَدْخُلُ عَلَى أُمِّ حَرَامٍ بِنْتِ مِلْحَانَ فَتُطْعِمُهُ، وَكَانَتْ أُمُّ حَرَامٍ تَحْتَ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ، فَدَخَلَ عَلَيْهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ فَأَطْعَمَتْهُ وَجَعَلَتْ تَفْلِي رَأْسَهُ فَنَامَ رَسُولُ اللهِ ﷺ ثُمَّ اسْتَيْقَظَ وَهُوَ يَضْحَكُ، قَالَتْ: فَقُلْتُ: وَمَا يُضْحِكُكَ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: «نَاسٌ مِّنْ أُمَّتِي عُرِضُوا عَلَيَّ غُزَاةً فِي

[2789,2788] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ حضرت ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے جاتے تھے اور وہ آپ کو کھلایا پلایا کرتی تھی۔ اور حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھی۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ اس کے ہاں تشریف لے گئے تو اس نے آپ کی خدمت میں کھانا پیش کیا۔ فراغت کے بعد وہ آپ کے سر مبارک سے جوئیں نکالنے لگی۔ اس دوران میں رسول اللہ ﷺ کو نیند آ گئی۔ پھر آپ مسکراتے ہوئے بیدار ہوئے۔ ام حرام کہتی ہیں کہ میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! آپ کس بات پر ہنس

1 التوبة 9:121,120. 2 صحیح البخاري، فضائل المدینة، حدیث: 1890.

سَبِيلِ اللهِ يَرْكَبُونَ ثَبَجَ هٰذَا الْبَحْرِ مُلُوكًا عَلَى الْأَسِرَّةِ - أَوْ مِثْلَ الْمُلُوكِ عَلَى الْأَسِرَّةِ»، شَكَّ إِسْحَاقُ - قَالَتْ: فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! أُدْعُ اللهَ أَنْ يَجْعَلَنِي مِنْهُمْ، فَدَعَا لَهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ، ثُمَّ وَضَعَ رَأْسَهُ، ثُمَّ اسْتَيْقَظَ وَهُوَ يَضْحَكُ، فَقُلْتُ: وَمَا يُضْحِكُكَ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: «نَاسٌ مِّنْ أُمَّتِي عُرِضُوا عَلَيَّ غُزَاةً فِي سَبِيلِ اللهِ». كَمَا قَالَ فِي الْأَوَّلِ، قَالَتْ: فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! أُدْعُ اللهَ أَنْ يَجْعَلَنِي مِنْهُمْ، قَالَ: «أَنْتِ مِنَ الْأَوَّلِينَ».

رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''میری امت کے کچھ لوگ خواب میں میرے سامنے لائے گئے جو اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے غازی تھے اور سمندر کے وسط میں اپنی سواریوں پر سوار تھے جیسے بادشاہ اپنے تختوں پر ہوتے ہیں یا بادشاہوں کی طرح تختوں پر براجمان ہیں۔'' الفاظ کا یہ شک راویٔ حدیث اسحاق کو ہوا۔ ام حرام نے کہا: میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! آپ اللہ سے دعا کریں کہ مجھے ان لوگوں میں سے کر دے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے اس کے لیے دعا فرما دی۔ پھر آپ اپنا سر مبارک رکھ کر سو گئے۔ اس مرتبہ بھی جب آپ بیدار ہوئے تو آپ مسکرا رہے تھے۔ میں نے پوچھا: اللہ کے رسول! آپ کس بات پر ہنس رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''میری امت کے کچھ لوگ میرے سامنے اس طرح پیش کیے گئے کہ وہ اللہ کی راہ میں جنگ لڑنے کے لیے جا رہے ہیں۔'' جیسا کہ پہلی مرتبہ فرمایا تھا۔ ام حرام نے کہا: میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! آپ میرے لیے دعا فرمائیں کہ اللہ مجھے ان لوگوں میں کر دے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم پہلے لوگوں میں سے ہو۔''

فَرَكِبَتِ الْبَحْرَ فِي زَمَنِ مُعَاوِيَةَ بْنِ أَبِي سُفْيَانَ فَصُرِعَتْ عَنْ دَابَّتِهَا حِينَ خَرَجَتْ مِنَ الْبَحْرِ فَهَلَكَتْ. [الحديث: ٢٧٨٨، انظر: ٢٧٩٩، ٢٨٧٧، ٢٨٩٤، ٦٢٨٢، ٧٠٠١]؛ [الحديث: ٢٧٨٩، انظر: ٢٨٠٠، ٢٨٧٨، ٢٨٩٥، ٢٩٢٤، ٦٢٨٣، ٧٠٠٢]

حضرت ام حرام ؓ نے حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیان ؓ کے زمانے میں بحری سفر اختیار کیا۔ جب وہ سمندر سے باہر نکلیں تو اپنی سواری سے گر کر ہلاک (شہید) ہو گئیں۔

فوائد و مسائل: ① حضرت عثمان ؓ کے دور خلافت میں حضرت امیر معاویہ ؓ نے روم پر لشکر کشی کی اجازت مانگی۔ اجازت ملنے پر مسلمانوں کا سب سے پہلا بحری بیڑا تیار ہوا جس نے روم کے خلاف جنگ لڑنے کے لیے سمندری سفر کیا۔ اس لشکر میں حضرت ابوذر غفاری، حضرت عبادہ بن صامت، ان کی زوجۂ محترمہ حضرت ام حرام بنت ملحان اور دیگر صحابۂ کرام ؓ شامل تھے۔ اس غزوے میں حضرت ام حرام ؓ شہید ہوئیں۔ شہادت کا واقعہ اس وقت پیش آیا جب مسلمان جہاد سے لوٹ کر آ

رہے تھے۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح مرد جہاد میں شریک اور شہادت کی دعا کر سکتا ہے اسی طرح عورت بھی یہ دعا کر سکتی ہے کہ اللہ مجھے مجاہدین میں شامل فرما، اللہ! مجھے شہادت کی موت عطا فرما۔ ③ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک اور خلفائے راشدین کے دور خلافت میں بھی عورتیں مجاہدین کے ہمراہ جہاد کے لیے جاتی تھیں اور ان کے کھانے، پینے اور مرہم پٹی کرنے کی خدمات سرانجام دیتی تھیں۔ ④ رسول اللہ ﷺ اس خوشی میں مسکرائے تھے کہ آپ کے بعد آپ کی امت کو بھی جہاد کے ذریعے سے غلبہ نصیب ہوگا، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ بہر حال رسول اللہ ﷺ کی پیشین گوئی صحیح ثابت ہوئی اور حدیث میں مذکور یہ بحری سفر فتح افریقہ کا سبب بنا۔ ⑤ واضح رہے کہ حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی رضاعی خالہ تھیں، اس لیے آپ ان کے گھر اکثر آیا جایا کرتے تھے۔ وہ بھی آپ کے لیے ماں جیسی شفقت سے پیش آتی تھیں ...... رضی اللہ عنہا ......

(٤) بَابُ دَرَجَاتِ الْمُجَاهِدِينَ فِي سَبِيلِ اللهِ

باب: 4- اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والوں کے درجات

يُقَالُ: هٰذِهِ سَبِيلِي، وَهٰذَا سَبِيلِي، قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: ﴿غُزًّى﴾ [آل عمران:١٥٦] وَاحِدُهَا غَازٍ. ﴿هُمْ دَرَجَٰتٌ﴾ [١٦٣]: لَهُمْ دَرَجَاتٌ.

کہا جاتا ہے: هٰذِهِ سَبِيلِي اور هٰذَا سَبِيلِي، یعنی یہ میرا راستہ ہے۔ ابوعبداللہ (امام بخاری رحمہ اللہ) نے فرمایا: ﴿غُزًّى﴾ کا واحد غازی ہے، نیز ﴿هُمْ دَرَجَاتٌ﴾ سے مراد لَهُمْ دَرَجَاتٌ ہے۔

وضاحت: باب میں "فی سبیل اللہ" کا لفظ آیا ہے، اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے لفظ سبیل کی لغوی تشریح فرمائی کہ یہ لفظ عربی زبان میں مذکر اور مؤنث دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ هذه سبيلي اور هذا سبيلي دونوں طرح درست ہے، نیز قرآن میں ہے ﴿غُزًّى﴾ ① یہ لفظ غازی کی جمع ہے اور ﴿هم درجات﴾ ② کے معنی لهم درجات ہیں، یعنی ان مجاہدین کے لیے اللہ کے ہاں کئی درجات ہیں۔

٢٧٩٠ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ صَالِحٍ: حَدَّثَنَا فُلَيْحٌ عَنْ هِلَالِ بْنِ عَلِيٍّ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «مَنْ آمَنَ بِاللهِ وَبِرَسُولِهِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ، وَصَامَ رَمَضَانَ كَانَ حَقًّا عَلَى اللهِ أَنْ يُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ، جَاهَدَ فِي سَبِيلِ اللهِ أَوْ جَلَسَ فِي أَرْضِهِ الَّتِي وُلِدَ فِيهَا». فَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ! أَفَلَا نُبَشِّرُ

[2790] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "جو شخص اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے، نماز قائم کرے اور رمضان کے روزے رکھے تو اللہ کے ذمے حق ہے کہ اسے جنت میں داخل کرے، خواہ وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرے یا اپنی جائے پیدائش میں بیٹھا رہے۔" صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اللہ کے رسول! کیا ہم لوگوں کو اس کی خوشخبری نہ دے دیں؟ آپ نے فرمایا:

① آل عمران 3:156. ② آل عمران 3:163.

النَّاسَ؟ قَالَ: «إِنَّ فِي الْجَنَّةِ مِائَةَ دَرَجَةٍ أَعَدَّهَا اللهُ لِلْمُجَاهِدِينَ فِي سَبِيلِ اللهِ، مَا بَيْنَ الدَّرَجَتَيْنِ كَمَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ، فَإِذَا سَأَلْتُمُ اللهَ فَاسْأَلُوهُ الْفِرْدَوْسَ فَإِنَّهُ أَوْسَطُ الْجَنَّةِ، وَأَعْلَى الْجَنَّةِ». أُرَاهُ قَالَ: «وَفَوْقَهُ عَرْشُ الرَّحْمٰنِ وَمِنْهُ تَفَجَّرُ أَنْهَارُ الْجَنَّةِ». قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ فُلَيْحٍ عَنْ أَبِيهِ: «وَفَوْقَهُ عَرْشُ الرَّحْمٰنِ». [انظر: ٧٤٢٣]

''بلاشبہ جنت میں سو درجے ہیں جو اللہ نے فی سبیل اللہ جہاد کرنے والوں کے لیے تیار کیے ہیں۔ ان کے دو درجات کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا آسمان اور زمین کے مابین ہے، لہٰذا جب تم اللہ تعالیٰ سے سوال کرو تو فردوس کا سوال کرو کیونکہ یہ افضل اور اعلیٰ جنت ہے۔'' راوی کہتا ہے کہ میرے خیال کے مطابق آپ نے فرمایا: ''اور اس کے اوپر رحمٰن کا عرش ہے اور وہیں سے جنت کی نہریں پھوٹتی ہیں۔'' محمد بن فلیح نے اپنے والد سے یہ الفاظ بیان کیے ہیں: ''اس کے اوپر عرش رحمٰن ہے۔''

فوائد و مسائل: ① جب رسول اللہ ﷺ نے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے یا نہ کرنے کو دخول جنت میں برابر قرار دیا تو اس سے مخاطب بہت خوش ہوا کہ اس پر جہاد کی مشقت نہیں رہی۔ رسول اللہ ﷺ نے جہاد کی اہمیت اور فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا: ''جنت میں سو درجات ہیں جو اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کے لیے تیار کیے ہیں۔'' اس سے جہاد کی فضیلت اور مجاہدین کے درجات کا پتہ چلتا ہے۔ ② مطلب یہ ہے کہ اگر کسی کو جہاد نصیب نہیں ہوتا لیکن دوسرے فرائض و واجبات ادا کرتا ہے اور اسی حالت میں اسے موت آ جائے تو آخرت میں اسے جنت نصیب ہوگی اگرچہ اس کا درجہ مجاہدین سے کم ہوگا۔ ③ امام ترمذی ؒ کی روایت میں ہے: ''فردوس، اعلیٰ درجے کی جنت ہے اور اسی درجے سے جنت کی چار نہریں پھوٹتی ہیں اور اس کے اوپر اللہ کا عرش ہے۔''[1] ان چار نہروں سے مراد پانی، دودھ، شہد اور شراب طہور کی نہریں ہیں جن کا ذکر قرآن کریم میں ہے۔ امام بخاری ؒ نے آخر میں جس طریق کا حوالہ دیا ہے اسے آئندہ متصل سند سے بیان کیا ہے۔ اس روایت میں کسی شک کے بغیر [وفوقه عرش الرحمٰن] کے الفاظ ہیں۔[2] ④ اس حدیث سے جہاد کی فضیلت کا پتہ چلتا ہے، چنانچہ امام حاکم ؒ نے ایک روایت بیان کی ہے: ''جو کوئی سچی نیت سے جہاد کی خواہش رکھے، پھر وہ فوت ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اسے شہید کا ثواب عطا فرمائے گا۔''[3]

٢٧٩١ - حَدَّثَنَا مُوسٰى: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ: حَدَّثَنَا أَبُو رَجَاءٍ عَنْ سَمُرَةَ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «رَأَيْتُ اللَّيْلَةَ رَجُلَيْنِ أَتَيَانِي فَصَعِدَا بِي الشَّجَرَةَ وَأَدْخَلَانِي دَارًا هِيَ أَحْسَنُ وَأَفْضَلُ، لَمْ أَرَ قَطُّ

[2791] حضرت سمرہ ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''میں نے آج رات دو آدمیوں کو دیکھا جو میرے پاس آئے اور مجھے ایک درخت پر لے گئے۔ پھر انھوں نے مجھے ایسے مکان میں داخل کیا جو بہت ہی خوبصورت تھا۔ میں

① جامع الترمذي، صفة الجنة، حديث: 2531. ② صحيح البخاري، التوحيد، حديث: 7423. ③ المستدرك للحاكم: 77/2، و صحيح الجامع الصغير، حديث: 6277.

أَحْسَنَ مِنْهَا، قَالَ: «أَمَّا هٰذِهِ الدَّارُ فَدَارُ الشُّهَدَاءِ». [راجع: ٨٤٥]

نے اس سے عمدہ اور خوبصورت مکان آج تک نہیں دیکھا۔ انھوں نے مجھے کہا کہ یہ مکان اللہ کی راہ میں شہید ہونے والوں کا ہے۔"

فائدہ: مفصل حدیث پہلے گزر چکی ہے۔[1] اس حدیث میں ہے کہ آنے والے دو آدمی حضرت جبریل اور حضرت میکائیل ؊ تھے اور یہ مناظر آپ نے خواب میں دیکھے۔ جسمانی معراج کا واقعہ اس کے علاوہ ہے جو عالم بیداری میں ہوا۔ امام بخاری ؒ نے اس حدیث سے [أوسط الجنة] کی تفسیر بیان کی ہے کہ اس سے مراد جنت کا درمیانی درجہ نہیں بلکہ اعلیٰ درجہ ہے۔[2]

(٥) بَابُ الْغَدْوَةِ وَالرَّوْحَةِ فِي سَبِيلِ اللهِ، وَقَابُ قَوْسِ أَحَدِكُمْ فِي الْجَنَّةِ

باب: 5- اللہ کے راستے میں صبح و شام چلنے اور جنت میں ایک کمان برابر جگہ کی فضیلت

٢٧٩٢ - حَدَّثَنَا مُعَلَّى بْنُ أَسَدٍ: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ: حَدَّثَنَا حُمَيْدٌ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «لَغَدْوَةٌ فِي سَبِيلِ اللهِ أَوْ رَوْحَةٌ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا». [انظر: ٢٧٩٦، ٦٥٦٨]

[2792] حضرت انس ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: "اللہ کی راہ میں گزرنے والی ایک صبح یا ایک شام دنیا سے اور جو کچھ دنیا میں ہے سب سے بہتر ہے۔"

٢٧٩٣ - حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُلَيْحٍ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ هِلَالِ بْنِ عَلِيٍّ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي عَمْرَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «لَقَابُ قَوْسٍ فِي الْجَنَّةِ خَيْرٌ مِّمَّا تَطْلُعُ عَلَيْهِ الشَّمْسُ وَتَغْرُبُ». وَقَالَ: «لَغَدْوَةٌ أَوْ رَوْحَةٌ فِي سَبِيلِ اللهِ خَيْرٌ مِّمَّا تَطْلُعُ عَلَيْهِ الشَّمْسُ وَتَغْرُبُ». [انظر: ٣٢٥٣]

[2793] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: "جنت میں ایک کمان کے برابر جگہ دنیا کی ان تمام چیزوں سے بہتر ہے جس پر سورج طلوع اور غروب ہوتا ہے۔" نیز آپ ﷺ نے فرمایا: "اللہ کے راستے میں صبح یا شام جانا ہر اس چیز سے بہتر ہے جس پر سورج طلوع یا غروب ہوتا ہو۔"

٢٧٩٤ - حَدَّثَنَا قَبِيصَةُ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ

[2794] حضرت سہل بن سعد ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: "اللہ کے

1 صحيح البخاري، الجنائز، حديث: 1386. 2 فتح الباري: 17/6.

النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «الرَّوْحَةُ وَالْغَدْوَةُ فِي سَبِيلِ اللهِ أَفْضَلُ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا». [انظر: ٢٨٩٢، ٣٢٥٠، ٦٤١٥]

راستے میں گزرنے والی ایک صبح وشام دنیا اور اس کی ہر چیز سے افضل ہے۔"

فوائد ومسائل: ① ان احادیث سے جہاد فی سبیل اللہ کی ترغیب دلانا مقصود ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ مجاہد کو تھوڑا سا جہاد کرنے کے عوض آخرت میں اجر عظیم عطا فرماتا ہے تو جو شخص جہاد میں اپنا مال صرف کرے اور اپنی جان لٹا دے اس کے اجر وثواب کی تو کوئی حد ہی نہیں ہے۔ ② لوگوں کے دلوں میں دنیا کے مال ومتاع کی بہت عظمت ہے لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس کی بے ثباتی ان الفاظ میں بیان فرمائی: اگر کسی کو پوری دنیا بھی مل جائے اور وہ دنیا کی ہر چیز کا مالک ہو جائے تو بھی جنت کی ادنیٰ سے ادنیٰ نعمت کے مقابلے میں اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ ③ رسول اللہ ﷺ کی مقدس تعلیم کا یہ اثر ہوا کہ مسلمانوں نے اسلام اور اس کے مقاصد کو سمجھا، پھر وہ سر پر کفن باندھ کر پوری دنیا پر چھا گئے اور ایسی تاریخ رقم کر گئے جو قیامت تک آنے والے اہل اسلام کے لیے مشعل راہ ہے۔

(٦) [بَابُ] الْحُورِ الْعِينِ وَصِفَتِهِنَّ

باب: 6- حور عین اور ان کی صفات کا بیان

يُحَارُ فِيهَا الطَّرْفُ: شَدِيدَةُ سَوَادِ الْعَيْنِ، شَدِيدَةُ بَيَاضِ الْعَيْنِ. ﴿وَزَوَّجْنَاهُم بِحُورٍ﴾ [الدخان: ٥٤] أَنْكَحْنَاهُمْ.

حور کو اس لیے حور کہتے ہیں کہ اسے دیکھتے ہی آنکھ حیرت زدہ رہ جائے گی۔ ان کی آنکھ کا سیاہ حصہ انتہائی سیاہ اور سفید حصہ انتہائی سفید ہو گا۔ ارشاد باری تعالیٰ: ﴿وَزَوَّجْنَاهُم بِحُورٍ﴾ کے معنی ہیں کہ ہم ان کا نکاح حور سے کر دیں گے۔

وضاحت: امام بخاری ؒ نے جب مجاہدین کے درجات ذکر کرتے ہوئے بیان کیا کہ جنت میں اللہ تعالیٰ نے سو درجات ان کے لیے تیار کیے ہیں تو ساتھ ہی ان کی جنتی بیویوں کا تذکرہ بھی کر دیا، نیز ان حور عین کی صفات کا تذکرہ کیا تاکہ ان کے حصول کا مزید شوق پیدا ہو۔ حور، حوراء کی جمع ہے جس کے معنی ہیں: گورے رنگ کی عورت۔ اور عین، عیناء کی جمع ہے جس کے معنی ہیں: وہ عورت جس کی آنکھیں موٹی ہوں۔ آنکھ کی پتلی خوب سیاہ اور سفیدی انتہائی سفید ہو۔ ایسی عورت انتہائی خوبصورت ہوتی ہے۔ اہل جنت کی شادی ایسی ہی عورتوں سے کی جائے گی۔ مجاہدین اور شہداء تو سرفہرست ہوں گے۔ واللہ أعلم.

٢٧٩٥ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ عَمْرٍو: حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحَاقَ عَنْ حُمَيْدٍ قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ

[2795] حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: "جو کوئی شخص فوت ہو جائے اور اللہ کے پاس اس کی کوئی بھی نیکی

عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَا مِنْ عَبْدٍ يَمُوتُ لَهُ عِنْدَ اللهِ خَيْرٌ يَسُرُّهُ أَنْ يَرْجِعَ إِلَى الدُّنْيَا وَأَنَّ لَهُ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا إِلَّا الشَّهِيدَ لِمَا يَرَى مِنْ فَضْلِ الشَّهَادَةِ فَإِنَّهُ يَسُرُّهُ أَنْ يَرْجِعَ إِلَى الدُّنْيَا فَيُقْتَلَ مَرَّةً أُخْرَى». [انظر: ٢٨١٧]

جمع ہو اسے یہ بات پسند نہیں آئے گی کہ وہ دنیا کی طرف واپس جائے، خواہ اسے ساری دنیا اور جو کچھ اس میں ہے سب کچھ مل جائے لیکن شہید جو شہادت کی فضیلت دیکھ چکا ہو تو اسے یہ پسند ہو گا کہ وہ دنیا میں واپس چلا جائے اور دوسری مرتبہ قتل (شہید) کر دیا جائے۔‘‘

٢٧٩٦ - قَالَ: وَسَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ قَالَ: «لَرَوْحَةٌ فِي سَبِيلِ اللهِ، أَوْ غَدْوَةٌ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا، وَلَقَابُ قَوْسِ أَحَدِكُمْ مِنَ الْجَنَّةِ أَوْ مَوْضِعُ قِيدٍ - يَعْنِي سَوْطَهُ - خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا، وَلَوْ أَنَّ امْرَأَةً مِّنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ اطَّلَعَتْ إِلَى أَهْلِ الْأَرْضِ لَأَضَاءَتْ مَا بَيْنَهُمَا وَلَمَلَأَتْهُ رِيحًا، وَلَنَصِيفُهَا عَلَى رَأْسِهَا خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا». [راجع: ٢٧٩٢]

[2796] حضرت انس ؓ ہی سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ’’اللہ کے راستے میں ایک صبح یا ایک شام گزارنا دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ اور تمھارے لیے جنت کی دو ہاتھ زمین یا کوڑے کی مقدار جگہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ اور اگر جنت کی کوئی عورت زمین کی طرف ایک نظر دیکھے تو جنت اور زمین کے درمیان سب کچھ کو روشن کر دے اور خوشبو سے معطر کر دے، نیز اس کے سر کا دوپٹہ بھی دنیا و مافیہا سے بڑھ کر ہے۔‘‘

فوائد ومسائل: ① حوروں کی صفات کے متعلق جتنی بھی احادیث کتب حدیث میں مروی ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ جنت کی حوریں انتہائی خوبصورت اور پاکیزہ ہیں۔ دنیا کی عورتوں کی طرح میل کچیل، طبیعت کی سختی، بداخلاقی اور بے صبری سے پاک ہیں۔ ② بعض ملحدین حوروں کی صفات کا انکار کرتے ہیں کہ ایسا ہونا عقل کے اعتبار سے محال ہے۔ انھیں علم ہونا چاہیے کہ جنت کو دنیا پر قیاس نہیں کیا جا سکتا اور نہ جنت کی زندگی ہی دنیا کی زندگی کی طرح ہے۔ بہت سی چیزیں ہم دنیا میں نہیں دیکھ سکتے مگر آخرت میں ہماری آنکھیں انھیں دیکھنے کے قابل ہو جائیں گی۔ الغرض اخروی امور کو دنیاوی حالات پر قیاس کرنے والے خود فہم و فراست اور عقل و شعور سے محروم ہیں۔

(٧) بَابُ تَمَنِّي الشَّهَادَةِ

باب: 7- شہادت کی آرزو کرنا

٢٧٩٧ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ: أَخْبَرَنِي سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ: أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: «وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْلَا أَنَّ رِجَالًا

[2797] حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے سنا: ’’مجھے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر مجھے اس بات کا اندیشہ نہ ہوتا کہ اہل ایمان کے دل اس سے خوش نہ

مِنَ الْمُؤْمِنِينَ لَا تَطِيبُ أَنْفُسُهُمْ أَنْ يَتَخَلَّفُوا عَنِّي وَلَا أَجِدُ مَا أَحْمِلُهُمْ عَلَيْهِ مَا تَخَلَّفْتُ عَنْ سَرِيَّةٍ تَغْدُو فِي سَبِيلِ اللهِ، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوَدِدْتُ أَنِّي أُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللهِ ثُمَّ أُحْيَا، ثُمَّ أُقْتَلُ ثُمَّ أُحْيَا، ثُمَّ أُقْتَلُ ثُمَّ أُحْيَا، ثُمَّ أُقْتَلُ».

[راجع: ٣٦]

ہوں گے کہ وہ جنگ میں میرے پیچھے رہ جائیں اور مجھے خود اتنی سواریاں میسر نہیں ہیں کہ ان سب کو سوار کر کے اپنے ہمراہ لے چلوں تو میں کسی چھوٹے سے چھوٹے لشکر سے بھی پیچھے نہ رہتا جو اللہ کی راہ میں جنگ کے لیے نکلا ہو۔ مجھے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میری تو خواہش ہے کہ میں اللہ کی راہ میں شہید کر دیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں۔ پھر قتل (شہید) کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں۔ پھر قتل کر دیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر شہید کر دیا جاؤں۔"

فوائد و مسائل: ① موت کی تمنا کرنا منع ہے، البتہ شہادت کی آرزو رکھنا اس نیت کے ساتھ کہ اس سے شجر اسلام کی آبیاری ہوگی اور آخرت میں بلند درجات حاصل ہوں گے یہ جائز ہی نہیں بلکہ سنت نبوی ہے۔ ② اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جہاد ہر مسلمان پر فرض نہیں بصورت دیگر رسول اللہ ﷺ اس میں پیچھے نہ رہتے اور نہ دوسروں کے پیچھے رہنے ہی کو جائز قرار دیتے، البتہ اگر دشمن حملہ کر دے تو ہر مسلمان پر جہاد فرض ہو جاتا ہے جبکہ وہ جہاد کی طاقت رکھتا ہو۔ ③ قبل ازیں عنوان کی غرض جہاد اور شہادت کی دعا کرنا ہے جبکہ اس عنوان سے مقصود شہادت کی تمنا کرنا ہے جو موت کی آرزو نہیں بلکہ شہادت پر درجات کے حصول کی خواہش ہے۔

٢٧٩٨ - حَدَّثَنَا يُوسُفُ بْنُ يَعْقُوبَ الصَّفَّارُ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ ابْنُ عُلَيَّةَ عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ حُمَيْدِ ابْنِ هِلَالٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: خَطَبَ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ: «أَخَذَ الرَّايَةَ زَيْدٌ فَأُصِيبَ، ثُمَّ أَخَذَهَا جَعْفَرٌ فَأُصِيبَ، ثُمَّ أَخَذَهَا عَبْدُ اللهِ بْنُ رَوَاحَةَ فَأُصِيبَ، ثُمَّ أَخَذَهَا خَالِدُ بْنُ الْوَلِيدِ عَنْ غَيْرِ إِمْرَةٍ فَفُتِحَ لَهُ». وَقَالَ: «مَا يَسُرُّنَا أَنَّهُمْ عِنْدَنَا». قَالَ أَيُّوبُ: أَوْ قَالَ: «مَا يَسُرُّهُمْ أَنَّهُمْ عِنْدَنَا»، وَعَيْنَاهُ تَذْرِفَانِ.

[راجع: ١٢٤٦]

[2798] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے خطبہ دیا تو فرمایا: "(غزوۂ موتہ میں) جھنڈا اب زید نے اپنے ہاتھ میں لیا اور وہ شہید کر دیے گئے۔ پھر جعفر نے لے لیا اور وہ بھی شہید کر دیے گئے پھر عبداللہ بن رواحہ نے پکڑا تو وہ بھی شہید کر دیے گئے۔ اس کے بعد کسی ہدایت کا انتظار کیے بغیر خالد بن ولید نے جھنڈا اپنے ہاتھ میں لے لیا تو ان کے ہاتھ پر (اسلامی لشکر کو) فتح ہوئی۔" آپ نے مزید فرمایا: "ہمیں اب خوشی نہیں ہے کہ وہ شہداء ہمارے پاس زندہ رہتے۔" (راویٔ حدیث) ایوب نے کہا یا آپ ﷺ نے فرمایا:

''انھیں اب اس امر میں کوئی خوشی نہیں ہے کہ وہ ہمارے ساتھ زندہ رہتے۔'' اس وقت آپ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

فوائد ومسائل: ① جب شہداء نے شہادت کے باعث اللہ کے ہاں کرامت وعظمت کو دیکھا تو انھیں یہ پسند نہ تھا کہ وہ دنیا میں واپس آئیں۔ اس حدیث میں نبوت کی دلیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مذکورہ حضرات کے متعلق شہادت کی خبر دی جبکہ آپ اس وقت مدینہ طیبہ میں تشریف فرما تھے۔ ② حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ یہ حضرات شہید ہو گئے ہیں تو انھوں نے خیال کیا کہ اگر مسلمان اسی حال میں رہے تو ہلاک ہو جائیں گے اور قوت اسلام کو زبردست دھچکا لگے گا تو انھوں نے خود بخود افسری جھنڈا اپنے ہاتھ میں لے لیا تاکہ مسلمان ہمت نہ ہاریں، پھر زبردست حملہ کیا حتی کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں فتح سے ہمکنار کیا اور رسول اللہ ﷺ بھی اس فعل سے راضی ہو گئے، حالانکہ آپ نے انھیں امیر نامزد نہیں کیا تھا اور نہ لشکر میں سے کسی نے ان کی بیعت ہی کی تھی۔ ③ اس سے معلوم ہوا کہ ضرورت کے وقت شرعی احکام کی شرائط میں نرمی کی جا سکتی ہے۔ واللہ أعلم.

(٨) بَابُ فَضْلِ مَنْ يُصْرَعُ فِي سَبِيلِ اللهِ فَمَاتَ فَهُوَ مِنْهُمْ

باب: 8- اللہ کے راستے میں سواری سے گرنے کی فضیلت اور اگر وہ اسی حالت میں فوت ہو جائے تو مجاہدین میں سے ہوگا

وَقَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿وَمَن يَخْرُجْ مِنْ بَيْتِهِۦ مُهَاجِرًا إِلَى ٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦ ثُمَّ يُدْرِكْهُ ٱلْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهُۥ عَلَى ٱللَّهِ﴾ [النساء: ١٠٠] وَقَعَ: وَجَبَ.

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کرتے ہوئے اپنے گھر سے نکلے پھر راستے ہی میں اسے موت آ جائے تو اللہ کے ہاں اس کا اجر ثابت ہو چکا۔'' وَقَعَ کے معنی ہیں: وَجَبَ.

وضاحت: اس آیت کریمہ میں صرف سفر ہجرت کا ذکر ہے جبکہ متعدد احادیث سے ثابت ہے کہ اللہ کی راہ میں کوئی سفر کیا جائے، خواہ یہ ہجرت کا سفر ہو یا جہاد کا سفر یا حج کا سفر ہو یا حصول دین کا سفر اگر دوران سفر ہی میں موت واقع ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اسے پورا پورا اجر عطا کر دیتا ہے کیونکہ اس کی نیت میں اخلاص تھا۔ اس کی نیت کے مطابق اسے اجر دیا جائے گا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس آیت سے ثابت کیا ہے کہ اللہ کے راستے میں اگر کوئی سواری سے گر کر مر جائے تو اسے مجاہدین ہی میں شمار کیا جائے گا جیسا کہ آیت کریمہ کی رو سے دوران سفر میں مرنے والے کو ہجرت کا پورا پورا اجر دیا جائے گا۔

٢٧٩٩، ٢٨٠٠ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: حَدَّثَنِي اللَّيْثُ: حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ مُحَمَّدِ

[2800,2799] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ اپنی خالہ ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا سے بیان کرتے ہیں کہ

ابْنِ يَحْيَى بْنِ حَبَّانَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، عَنْ خَالَتِهِ أُمِّ حَرَامٍ بِنْتِ مِلْحَانَ قَالَتْ: نَامَ النَّبِيُّ ﷺ يَوْمًا قَرِيبًا مِّنِّي، ثُمَّ اسْتَيْقَظَ يَتَبَسَّمُ، فَقُلْتُ: مَا أَضْحَكَكَ؟ قَالَ: «أُنَاسٌ مِّنْ أُمَّتِي عُرِضُوا عَلَيَّ، يَرْكَبُونَ هٰذَا الْبَحْرَ الْأَخْضَرَ كَالْمُلُوكِ عَلَى الْأَسِرَّةِ». قَالَتْ: فَادْعُ اللهَ أَنْ يَجْعَلَنِي مِنْهُمْ، فَدَعَا لَهَا، ثُمَّ نَامَ الثَّانِيَةَ فَفَعَلَ مِثْلَهَا، فَقَالَتْ مِثْلَ قَوْلِهَا فَأَجَابَهَا مِثْلَهَا، فَقَالَتِ: ادْعُ اللهَ أَنْ يَجْعَلَنِي مِنْهُمْ، فَقَالَ: «أَنْتِ مِنَ الْأَوَّلِينَ». فَخَرَجَتْ مَعَ زَوْجِهَا عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ غَازِيًا أَوَّلَ مَا رَكِبَ الْمُسْلِمُونَ الْبَحْرَ مَعَ مُعَاوِيَةَ، فَلَمَّا انْصَرَفُوا مِنْ غَزْوَتِهِمْ قَافِلِينَ فَنَزَلُوا الشَّأْمَ فَقُرِّبَتْ إِلَيْهَا دَابَّةٌ لِّتَرْكَبَهَا فَصَرَعَتْهَا فَمَاتَتْ. [راجع: ٢٧٨٨، ٢٧٨٩]

انھوں نے کہا: ایک دن نبی ﷺ میرے قریب ہی سو گئے۔ پھر جب آپ بیدار ہوئے تو مسکرا رہے تھے۔ میں نے عرض کیا: آپ کس وجہ سے ہنس رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''میری امت میں سے کچھ لوگ میرے سامنے پیش کیے گئے جو اس سبز سمندر پر سوار ہوں گے جیسے بادشاہ تخت پر بیٹھے ہوتے ہیں۔'' حضرت ام حرام ؓ نے عرض کیا: آپ اللہ سے دعا کریں وہ مجھے ان لوگوں میں سے کر دے۔ آپ نے اس کے لیے دعا فرمائی پھر دوبارہ سو گئے تو پہلی مرتبہ کی طرح کیا اور ام حرام ؓ نے بھی پہلی مرتبہ کی طرح عرض کیا جس کا جواب آپ نے پہلی مرتبہ کی طرح دیا۔ حضرت ام حرام ؓ نے عرض کیا: آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ مجھے ان میں سے کر دے۔ آپ نے فرمایا: ''تو پہلے لوگوں میں سے ہے۔'' چنانچہ وہ اپنے شوہر حضرت عبادہ بن صامت ؓ کے ہمراہ جہاد کے لیے نکلیں جبکہ مسلمان پہلی مرتبہ سیدنا امیر معاویہ ؓ کے ہمراہ سمندری سفر پر روانہ ہوئے۔ جب وہ غزوے سے واپس آئے تو شام میں پڑاؤ کیا۔ اس دوران میں ایک سواری ان (ام حرام ؓ) کے قریب کی گئی تاکہ وہ اس پر سوار ہوں لیکن اس سواری نے انھیں زمین پر گرا دیا جس سے ان کی موت واقع ہو گئی۔

فوائد و مسائل: ① حضرات انبیاء ؑ کے خواب بھی وحی ہوتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے خواب میں دیکھا کہ اس امت کے کچھ لوگ بڑی شان و شوکت کے ساتھ بادشاہوں کی طرح سمندر پر سوار ہو رہے ہیں، آخر آپ کا یہ خواب پورا ہوا۔ ② حضرت عثمان ؓ کے عہد خلافت میں رومیوں سے جنگ لڑی گئی تھی۔ انھوں نے اس جنگ میں حضرت امیر معاویہ ؓ کو سپہ سالار بنایا۔ انھوں نے بحری بیڑا تیار کر کے شام پر حملہ کیا۔ حضرت ام حرام ؓ بھی ان کے ہمراہ تھیں جس میں وہ سوار ہوتے وقت گر کر فوت ہو گئیں۔ ③ امام بخاری ؒ نے اس سے مسئلہ ثابت کیا ہے کہ اگرچہ وہ گر کر فوت ہوئی تھیں، تاہم رسول اللہ ﷺ نے انھیں مجاہدین میں شامل فرمایا جیسا کہ آپ نے پیش گوئی میں فرمایا تھا کہ تو پہلے لوگوں سے ہے۔

(٩) بَابُ مَنْ يُنْكَبُ أَوْ يُطْعَنُ فِي سَبِيلِ اللهِ

٢٨٠١ - حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ: حَدَّثَنَا هَمَّامٌ عَنْ إِسْحَاقَ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: بَعَثَ النَّبِيُّ ﷺ أَقْوَامًا مِّنْ بَنِي سُلَيْمٍ إِلٰى بَنِي عَامِرٍ فِي سَبْعِينَ فَلَمَّا قَدِمُوا قَالَ لَهُمْ خَالِي: أَتَقَدَّمُكُمْ فَإِنْ أَمَّنُونِي حَتّٰى أُبَلِّغَهُمْ عَنْ رَّسُولِ اللهِ ﷺ وَإِلَّا كُنْتُمْ مِّنِّي قَرِيبًا، فَتَقَدَّمَ فَأَمَّنُوهُ فَبَيْنَمَا يُحَدِّثُهُمْ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ إِذْ أَوْمَؤُا إِلٰى رَجُلٍ مِنْهُمْ فَطَعَنَهُ فَأَنْفَذَهُ فَقَالَ: اللهُ أَكْبَرُ، فُزْتُ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ! ثُمَّ مَالُوا عَلٰى بَقِيَّةِ أَصْحَابِهِ فَقَتَلُوهُمْ إِلَّا رَجُلٌ أَعْرَجُ صَعِدَ الْجَبَلَ. قَالَ هَمَّامٌ: وَأُرَاهُ آخَرَ مَعَهُ، فَأَخْبَرَ جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ النَّبِيَّ ﷺ أَنَّهُمْ قَدْ لَقُوا رَبَّهُمْ فَرَضِيَ عَنْهُمْ وَأَرْضَاهُمْ، فَكُنَّا نَقْرَأُ: أَنْ بَلِّغُوا قَوْمَنَا أَنْ قَدْ لَقِينَا رَبَّنَا فَرَضِيَ عَنَّا وَأَرْضَانَا، ثُمَّ نُسِخَ بَعْدُ، فَدَعَا عَلَيْهِمْ أَرْبَعِينَ صَبَاحًا عَلٰى رِعْلٍ وَّذَكْوَانَ وَبَنِي لِحْيَانَ وَبَنِي عُصَيَّةَ الَّذِينَ عَصَوُا اللهَ وَرَسُولَهُ ﷺ. [راجع: ١٠٠١]

باب: 9- جو شخص اللہ کی راہ میں زخمی ہو جائے یا اسے نیزہ مارا جائے

[2801] حضرت انس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے بنو سلیم کے ستر آدمی بنو عامر کے ہاں روانہ کیے۔ جب یہ لوگ بنو عامر کے پاس آئے تو میرے ماموں نے اپنے ساتھیوں سے کہا: میں تم سے پہلے وہاں جاتا ہوں، اگر انھوں نے مجھے امن دیا تاکہ میں ان تک رسول اللہ ﷺ کا پیغام پہنچا سکوں تو زہے قسمت! بصورت دیگر تم لوگوں نے میرے قریب ہی رہنا ہے، چنانچہ وہ ان کے پاس گئے، انھوں نے امن بھی دے دیا، ابھی وہ اہل قبیلہ کو نبی ﷺ کی باتیں سنا ہی رہے تھے کہ قبیلے والوں نے اپنے ایک آدمی کو اشارہ کیا تو اس نے انھیں نیزا مار کر گھائل کر دیا۔ اس وقت ان کی زبان سے نکلا: اللہ اکبر، رب کعبہ کی قسم! میں کامیاب ہو گیا۔ پھر قبیلے والے اس کے باقی ساتھیوں کی طرف بڑھے اور حملہ کر کے سب کو ہلاک کر دیا۔ صرف ایک لنگڑا ساتھی بچا جو پہاڑ پر چڑھ گیا تھا۔ (راویٔ حدیث) ہمام نے کہا: میرے خیال کے مطابق اس کے ساتھ ایک اور بھی تھا۔ اس کے بعد حضرت جبریل ؑ نے نبی ﷺ کو خبر دی کہ آپ کے ساتھی (سب قاری) اپنے رب سے جا ملے ہیں۔ اللہ خود بھی ان سے خوش ہے اور اس نے انھیں بھی خوش کر دیا ہے۔ حضرت انس ؓ نے کہا: اس واقعے کے بعد ہم یوں تلاوت کیا کرتے تھے: ہماری قوم کو ہمارا پیغام پہنچا دو کہ ہم اپنے رب سے جا ملے ہیں۔ ہمارا رب خود بھی ہم سے خوش ہے اور اس نے ہمیں بھی خوش کر دیا ہے۔ پھر اس کے بعد یہ آیت منسوخ ہو گئی اور آپ ﷺ

نے چالیس روز تک نماز صبح میں قبیلۂ رِعل، ذکوان، بنولحیان اور بنوعصیہ پر بددعا کی تھی جنھوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کی تھی۔

فوائد و مسائل: ① اصل واقعہ یوں ہے کہ بنوسلیم کے کچھ لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انھوں نے خود کو مسلمان ظاہر کر کے درخواست کی کہ ہمارے ہمراہ کچھ قراء بھیج دیں تاکہ وہ ہمیں دین اسلام کی تعلیم دیں۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ام سلیم ؓ کے بھائی حضرت حرام بن ملحان ؓ اور ستر آدمیوں کو ان کے ہمراہ قبیلۂ بنو عامر کی طرف روانہ کر دیا۔ یہ ستر آدمی انصار کے قاری اور قرآن کریم کے ماہر تھے لیکن راستے میں بنوسلیم نے غداری کی اور بئر معونہ کے پاس انھیں ناحق قتل کر دیا۔ لعنت کے سلسلے میں جن قبائل کا ذکر آیا ہے وہ سب بنوسلیم کی شاخیں ہیں۔ ② امام بخاری ؒ کا مقصد یہ ہے کہ اللہ کے راستے میں جو زخمی ہو جائے یا اسے نیزا مارا جائے اور وہ ایسی حالت میں فوت ہو جائے تو اسے بھی شہادت کا درجہ ملتا ہے جیسا کہ مذکورہ واقعے میں حضرت حرام بن ملحان ؓ کے ساتھ ہوا۔

٢٨٠٢ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنِ الْأَسْوَدِ - هُوَ ابْنُ قَيْسٍ -، عَنْ جُنْدَبِ بْنِ سُفْيَانَ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ فِي بَعْضِ الْمَشَاهِدِ وَقَدْ دَمِيَتْ إِصْبَعُهُ فَقَالَ: «هَلْ أَنْتِ إِلَّا إِصْبَعٌ دَمِيتِ، وَفِي سَبِيلِ اللهِ مَا لَقِيتِ؟». [انظر: ٦١٤٦]

[2802] حضرت جندب بن سفیان ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کسی جنگ میں شریک تھے کہ آپ کی انگشت مبارک خون آلود ہو گئی۔ آپ نے اسے مخاطب ہو کر فرمایا:

”اے انگلی! ہے تیری ہستی یہی
جو اللہ کی راہ میں زخمی ہوئی“

فوائد و مسائل: ① رسول اللہ ﷺ نے اپنی انگلی کو مخاطب ہو کر فرمایا: ”تو صرف خون آلود ہوئی ہے، ہلاک نہیں ہوئی اور نہ ہی کٹ کر جسم سے علیحدہ ہوئی ہے، تیرا زخمی ہونا بھی اللہ کے راستے میں ہے۔“ ② اس عنوان سے امام بخاری ؒ نے آئندہ باب میں پیش کردہ حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے جس میں خون آلود ہونے کی فضیلت بیان ہوئی ہے۔ اس کے علاوہ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو اللہ کے راستے میں نکل کھڑا ہوا اور اسے گھوڑے نے گرا دیا، یا کسی زہریلی چیز نے ڈس لیا یا کسی بیماری کی وجہ سے اسے موت آ گئی تو اس کا شمار شہداء میں ہوگا۔“[1]

(١٠) بَابُ مَنْ يُجْرَحُ فِي سَبِيلِ اللهِ عَزَّوَجَلَّ

باب: 10- جو اللہ کی راہ میں زخمی ہوا، (اس کی فضیلت کا بیان)

---

① سنن أبي داود، الجهاد، حديث: 2499.

٢٨٠٣ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا يُكْلَمُ أَحَدٌ فِي سَبِيلِ اللهِ، وَاللهُ أَعْلَمُ بِمَنْ يُكْلَمُ فِي سَبِيلِهِ، إِلَّا جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَاللَّوْنُ لَوْنُ الدَّمِ وَالرِّيحُ رِيحُ الْمِسْكِ». [راجع: ٢٣٧]

[2803] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مجھے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! جو شخص اللہ کے راستے میں زخمی ہوا، اور اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ اس کے راستے میں زخمی کون ہوتا ہے؟ وہ شخص قیامت کے دن اس طرح آئے گا کہ اس کے زخموں سے خون بہہ رہا ہوگا، رنگ تو خون جیسا ہوگا مگر اس کی خوشبو کستوری کی خوشبو جیسی ہوگی۔“

فائدہ: ”اللہ جانتا ہے کہ اس کے راستے میں کون زخمی ہوا“ ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو ہر کام اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے پیش نظر کرنا چاہیے۔ اس میں شہرت یا ناموری کا شائبہ نہیں ہونا چاہیے۔ اس کے علاوہ جو شخص ڈاکوؤں، رہزنوں کے ہاتھوں زخمی ہو جائے یا دین کی تعلیم حاصل کرتے ہوئے خون آلود ہو جائے تو اس کے لیے بھی یہی فضیلت ہے بشرطیکہ اسے زخم کے بھر جانے سے پہلے پہلے موت آ جائے۔ زخم کے درست ہونے کے بعد اگر فوت ہوا تو مذکورہ فضیلت کا حق دار نہیں ہوگا۔ اسے زخموں سمیت اٹھانے میں یہ علت ہے کہ قیامت کے دن اس کے ساتھ ایک گواہ بھی ہوگا کہ اس نے اللہ کی اطاعت میں اپنی جان کو کھپایا تھا۔[1]

(١١) بَابُ قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿قُلْ هَلْ تَرَبَّصُونَ بِنَآ إِلَّآ إِحْدَى ٱلْحُسْنَيَيْنِ﴾ [التوبة: ٥٢] وَالْحَرْبُ سِجَالٌ

باب: 11- ارشاد باری تعالیٰ: ”آپ کہہ دیں کہ تم ہمارے حق میں جس کا انتظار کر سکتے ہو وہ یہ ہے کہ ہمیں دو بھلائیوں میں سے ایک مل جائے“ نیز لڑائی تو ڈول کی طرح ہے۔ کا بیان

وضاحت: حضرت ابن عباس ؓ فرماتے ہیں: دو بھلائیوں میں ایک سے مراد فتح یا شہادت ہے۔[2] مسلمان تو بہر صورت کامیاب ہی ہیں، اگر فتح ہوئی تو غنیمت یا اجر کے ساتھ گھروں کو واپس آئے اور اگر شہید ہو گئے تو ضمیر مطمئن کہ راہ حق میں جان دے دی اور آخرت میں جنت مل گئی۔ اور لڑائی ڈول کی طرح ہونے کا مطلب بھی یہی ہے کہ کبھی تو مسلمانوں کو غلبہ مل کر انھیں فتح نصیب ہوتی ہے اور مشرکین کے غلبے سے مسلمانوں کو شہادت ملتی ہے۔ دونوں صورتوں میں مسلمانوں کو بھلائی نصیب ہوتی ہے۔

٢٨٠٤ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ: حَدَّثَنَا

[2804] حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے، انھیں

1 فتح الباري: 26/6. 2 صحيح البخاري، التفسير، قبل حديث: 4561.

اللَّيْثُ: حَدَّثَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَبَّاسٍ أَخْبَرَهُ: أَنَّ أَبَا سُفْيَانَ بْنَ حَرْبٍ أَخْبَرَهُ: أَنَّ هِرَقْلَ قَالَ لَهُ: سَأَلْتُكَ كَيْفَ كَانَ قِتَالُكُمْ إِيَّاهُ؟ فَزَعَمْتَ: أَنَّ الْحَرْبَ سِجَالٌ وَدُوَلٌ، فَكَذٰلِكَ الرُّسُلُ تُبْتَلٰى ثُمَّ تَكُونُ لَهُمُ الْعَاقِبَةُ. [راجع: ٧]

حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ ہرقل نے ان سے کہا تھا: میں نے تم سے پوچھا تھا کہ ان (رسول اللہ ﷺ) کے ساتھ تمھاری لڑائیوں کا کیا انجام ہوتا ہے؟ تو تم نے جواب دیا کہ لڑائی تو ڈول کی طرح ہے، کبھی اِدھر اور کبھی اُدھر۔ دراصل حضرات انبیاء علیہم السلام کا یہی حال ہوتا ہے کہ ان کی آزمائش ہوتی رہتی ہے لیکن انجام انھی کے حق میں اچھا ہوتا ہے۔

فوائد و مسائل: ① مسلمان لڑتے لڑتے اپنی جان، جاں آفریں کے حوالے کر دیتا ہے یا فتح سے ہمکنار ہوتا ہے، اس کے لیے دونوں انجام اچھے ہیں۔ فتح کی صورت میں تو تمام لوگ اسے اچھے انجام سے تعبیر کرتے ہیں لیکن جنگ میں موت اور شہادت بھی ایک گم گشتہ سرمایہ ہے۔ جب وہ اللہ کے حضور پہنچتا ہے تو اللہ کی طرف سے بہت سی نوازشات اسے حاصل ہوتی ہیں۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ نے آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے مذکورہ حدیث پیش کی ہے کہ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ سے مراد فتح یا شہادت ہے۔

(١٢) بَابُ قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُم مَّن قَضَىٰ نَحْبَهُ وَمِنْهُم مَّن يَنتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا﴾ [الأحزاب: ٢٣]

باب: 12- ارشاد باری تعالیٰ: ''اہل ایمان میں سے کچھ ایسے ہیں کہ انھوں نے اللہ کے ساتھ جو عہد کیا اسے سچا کر دکھایا۔ ان میں سے کوئی تو اپنی ذمہ داری پوری کر چکا ہے اور کوئی موقع کا انتظار کر رہا ہے۔ اور انھوں نے اپنے عہد میں کوئی تبدیلی نہیں کی'' کا بیان

وضاحت: اس آیت کریمہ میں وہ عہد مراد ہے جو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے احد کے دن کیا تھا کہ وہ جنگ سے پیٹھ نہیں پھیریں گے یا اس سے مراد وہ عہد ہے جو انھوں نے عقبہ کی رات کیا تھا کہ ہم آپ کو اکیلا نہیں چھوڑیں گے بلکہ ہر مقام پر آپ کے ساتھ رہیں گے۔ بعض حضرات اپنا فرض ادا کر چکے ہیں، یعنی شہادت کے مقام پر فائز ہو چکے ہیں اور کچھ شہادت کے منتظر ہیں اور دل میں شہادت کی تمنا رکھتے ہیں۔

٢٨٠٥ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَعِيدٍ الْخُزَاعِيُّ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلٰى عَنْ حُمَيْدٍ قَالَ: سَأَلْتُ أَنَسًا. قَالَ وَحَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ زُرَارَةَ: حَدَّثَنَا

[2805] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ میرے چچا حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ غزوۂ بدر میں شریک نہ ہو سکے۔ انھوں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! میں

زِيَادٌ قَالَ: حَدَّثَنِي حُمَيْدٌ الطَّوِيلُ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: غَابَ عَمِّي أَنَسُ بْنُ النَّضْرِ عَنْ قِتَالِ بَدْرٍ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! غِبْتُ عَنْ أَوَّلِ قِتَالٍ قَاتَلْتَ الْمُشْرِكِينَ، لَئِنِ اللهُ أَشْهَدَنِي قِتَالَ الْمُشْرِكِينَ لَيَرَيَنَّ اللهُ مَا أَصْنَعُ! فَلَمَّا كَانَ يَوْمُ أُحُدٍ، وَانْكَشَفَ الْمُسْلِمُونَ قَالَ: اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعْتَذِرُ إِلَيْكَ مِمَّا صَنَعَ هٰؤُلَاءِ - يَعْنِي أَصْحَابَهُ - وَأَبْرَأُ إِلَيْكَ مِمَّا صَنَعَ هٰؤُلَاءِ - يَعْنِي الْمُشْرِكِينَ - ثُمَّ تَقَدَّمَ فَاسْتَقْبَلَهُ سَعْدُ بْنُ مُعَاذٍ، فَقَالَ: يَا سَعْدُ بْنَ مُعَاذٍ! اَلْجَنَّةَ وَرَبِّ النَّضْرِ! إِنِّي أَجِدُ رِيحَهَا مِنْ دُونِ أُحُدٍ. قَالَ سَعْدٌ: فَمَا اسْتَطَعْتُ يَا رَسُولَ اللهِ مَا صَنَعَ!! قَالَ أَنَسٌ: فَوَجَدْنَا بِهِ بِضْعًا وَّثَمَانِينَ ضَرْبَةً بِالسَّيْفِ أَوْ طَعْنَةً بِرُمْحٍ أَوْ رَمْيَةً بِسَهْمٍ، وَوَجَدْنَاهُ قَدْ قُتِلَ وَقَدْ مَثَّلَ بِهِ فَمَا عَرَفَهُ أَحَدٌ إِلَّا أُخْتُهُ بِبَنَانِهِ. قَالَ أَنَسٌ: كُنَّا نُرٰى أَوْ نَظُنُّ أَنَّ هٰذِهِ الْآيَةَ نَزَلَتْ فِيهِ وَفِي أَشْبَاهِهِ: ﴿مِّنَ ٱلْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا۟ مَا عَٰهَدُوا۟ ٱللَّهَ عَلَيْهِ﴾ إِلَى آخِرِ الْآيَةِ. [انظر: ٤٠٤٨، ٤٧٨٣]

پہلی جنگ ہی سے غائب رہا جو آپ نے مشرکین کے خلاف لڑی تھی لیکن اگر اب اللہ تعالیٰ نے مجھے مشرکین کے خلاف کسی لڑائی میں حاضری کا موقع دیا تو اللہ ضرور دیکھ لے گا کہ میں کیا کرتا ہوں۔ پھر جب جنگ احد کا موقع آیا اور مسلمان بکھر گئے تو حضرت انس بن نضر ؓ نے کہا: اے اللہ! جو کچھ مسلمانوں نے کیا میں اس سے معذرت کرتا ہوں اور جو کچھ ان مشرکین نے کیا میں اس سے بے زار ہوں، پھر وہ (مشرکین کی طرف) آگے بڑھے تو حضرت سعد بن معاذ ؓ سے سامنا ہوا۔ ان سے حضرت انس بن نضر ؓ نے کہا: اے سعد بن معاذ! میں تو جنت میں جانا چاہتا ہوں اور رب نضر کی قسم! میں جنت کی خوشبو احد پہاڑ کے قریب پاتا ہوں۔ حضرت سعد ؓ نے کہا: اللہ کے رسول! جو کچھ انھوں نے کر دکھایا، اس کی مجھ میں ہمت نہ تھی۔ حضرت انس ؓ کہتے ہیں کہ اس کے بعد جب ہم نے انس بن نضر ؓ کو پایا تو تلوار، نیزے اور تیر کے تقریباً اسّی زخم ان کے جسم پر تھے۔ وہ شہید ہو چکے تھے اور مشرکین نے ان کے اعضاء کاٹ دیے تھے۔ کوئی شخص انھیں پہچان نہیں سکتا تھا صرف ان کی ہمشیر انھیں ان کے پوروں سے پہچان سکی۔ حضرت انس ؓ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے خیال کے مطابق یہ آیت ان کے اور ان جیسے دیگر اہل ایمان کے متعلق نازل ہوئی: ''اہل ایمان میں سے کچھ وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے اس وعدے کو سچا کر دکھایا جو انھوں نے اللہ سے کیا تھا......''

٢٨٠٦ - وَقَالَ: إِنَّ أُخْتَهُ - وَهِيَ تُسَمَّى: الرُّبَيِّعَ - كَسَرَتْ ثَنِيَّةَ امْرَأَةٍ فَأَمَرَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بِالْقِصَاصِ. فَقَالَ أَنَسٌ: يَا رَسُولَ اللهِ! وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ لَا تُكْسَرُ ثَنِيَّتُهَا، فَرَضُوا بِالْأَرْشِ

[2806] حضرت انس ؓ ہی سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ انس بن نضر ؓ کی ربیع نامی بہن نے کسی خاتون کے اگلے دانت توڑ دیے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے قصاص لینے کا حکم دیا تھا۔ حضرت انس بن نضر ؓ نے عرض

وَتَرَكُوا الْقِصَاصَ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِنَّ مِنْ عِبَادِ اللهِ مَنْ لَّوْ أَقْسَمَ عَلَى اللهِ لَأَبَرَّهُ».

[راجع: ٢٧٠٣]

کیا: اللہ کے رسول! اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے! ان کے دانت نہیں توڑے جائیں گے، چنانچہ مدعی تاوان لینے پر راضی ہو گئے اور قصاص کا خیال چھوڑ دیا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ہیں اگر وہ اللہ کا نام لے کر قسم اٹھا لیں تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم ضرور پوری کر دیتا ہے۔''

فوائد ومسائل: ① غزوۂ احد میں مسلمانوں کی ذراسی غلطی سے جنگ کا نقشہ ہی بدل گیا۔ بھگدڑ مچ گئی اور اسلام کو بڑا زبردست نقصان پہنچا۔ اس کردار کے متعلق حضرت انس بن نضر ؓ نے کہا تھا کہ میں مسلمانوں کی اس حرکت کو ناپسند کرتا ہوں اور اے اللہ! میں تیری بارگاہ میں ان کی طرف سے معذرت کا طالب ہوں۔ البتہ مشرک حق کے خلاف لڑ رہے ہیں، میں ان سے قطعاً بے زار ہوں لیکن میں بھاگنے والوں میں نہیں ہوں۔ یہ کہہ کر انھوں نے کفار پر حملہ کیا اور بہت سے کافروں کو جہنم رسید کرتے ہوئے آخر کار خود بھی جام شہادت نوش کر لیا...... ؓ...... ② دوسری حدیث میں حضرت انس بن نضر ؓ کی ایک کرامت کا ذکر ہے جو ان کی وفاداری اور جاں نثاری کی وجہ سے یہاں بیان کر دی گئی ہے۔ ان کا مقصد رسول اللہ ﷺ کی بات کو مسترد کرنا نہیں تھا بلکہ اس کے عدم وقوع کی خبر دینا تھا جس کی تائید خود رسول اللہ ﷺ نے فرما دی کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی قسم پوری کرتا ہے، چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ قصاص لینے والوں کے دل نرم ہو گئے اور وہ قصاص معاف کر کے دیت لینے پر راضی ہو گئے۔

٢٨٠٧ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ: وَحَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ: حَدَّثَنِي أَخِي عَنْ سُلَيْمَانَ - أُرَاهُ - عَنْ مُّحَمَّدِ بْنِ أَبِي عَتِيقٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ خَارِجَةَ بْنِ زَيْدٍ: أَنَّ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: نَسَخْتُ الصُّحُفَ فِي الْمَصَاحِفِ فَفَقَدْتُ آيَةً مِّنَ الْأَحْزَابِ كُنْتُ أَسْمَعُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقْرَأُ بِهَا فَلَمْ أَجِدْهَا إِلَّا مَعَ خُزَيْمَةَ بْنِ ثَابِتٍ الْأَنْصَارِيِّ الَّذِي جَعَلَ رَسُولُ اللهِ ﷺ شَهَادَتَهُ شَهَادَةَ رَجُلَيْنِ وَهُوَ قَوْلُهُ: ﴿مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ﴾ [الأحزاب: ٢٣]. [انظر: ٤٠٤٩، ٤٦٧٩، ٤٧٨٤، ٤٩٨٦، ٤٩٨٨، ٤٩٨٩، ٧١٩١، ٧٤٢٥]

[2807] حضرت زید بن ثابت ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں قرآن مجید کو مصاحف میں لکھ رہا تھا کہ میں نے اس دوران میں سورۂ احزاب کی ایک آیت گم پائی جسے میں نے رسول اللہ ﷺ کو پڑھتے ہوئے سنا تھا۔ تلاش بسیار کے بعد وہ مجھے حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری ؓ کے پاس مل گئی، جن کی گواہی کو رسول اللہ ﷺ نے دو آدمیوں کی گواہی کے برابر قرار دیا تھا۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ''اہل ایمان میں سے کچھ لوگوں نے اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے عہد کو سچا کر دکھایا۔''

فائدہ: حدیث میں مذکور آیت کریمہ کے گم ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ لوگ اسے بھول گئے تھے اور وہ انھیں یاد نہیں رہی تھی بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ کسی کے پاس لکھی ہوئی نہیں تھی۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت زید بن ثابت ؓ کو وہ آیت یاد تھی اسی لیے انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ کو یہ آیت پڑھتے ہوئے سنا کرتا تھا، البتہ ان کے پاس لکھی ہوئی نہیں تھی۔ صرف سیدنا خزیمہ انصاری ؓ کے پاس لکھی ہوئی پائی گئی تھی۔ سماع آیت قرآنی تو متواتر تھا لیکن اس کی مصحف میں کتابت صرف حضرت خزیمہ انصاری کے پاس تھی۔ اس کے علاوہ یہ آیت حضرت ابی بن کعب اور ہلال بن امیہ ؓ کے پاس سے بھی مل گئی تو اب اسے صحابۂ کرام ؓ کی جماعت نقل کرنے والی تھی۔ اس سے تواتر ثابت ہوا۔ (1)

(١٣) بَابٌ: عَمَلٌ صَالِحٌ قَبْلَ الْقِتَالِ

باب:13- جنگ سے پہلے نیک عمل کرنا

وَقَالَ أَبُو الدَّرْدَاءِ: إِنَّمَا تُقَاتِلُونَ بِأَعْمَالِكُمْ، وَقَوْلُهُ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ ۝ كَبُرَ مَقْتًا عِندَ ٱللَّهِ أَن تَقُولُوا۟ مَا لَا تَفْعَلُونَ ۝ إِنَّ ٱللَّهَ يُحِبُّ ٱلَّذِينَ يُقَـٰتِلُونَ فِى سَبِيلِهِۦ صَفًّا كَأَنَّهُم بُنْيَـٰنٌ مَّرْصُوصٌ﴾ [الصف: ٢-٤].

حضرت ابو درداء ؓ بیان کرتے ہیں کہ تم اپنے اعمال کی بدولت ہی جنگ لڑتے ہو، نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اے ایمان والو! تم کیوں کہتے ہو جو تم کرتے نہیں ہو۔ اللہ کے ہاں انتہائی ناپسندیدہ ہے کہ تم ایسی بات کہو جسے خود عمل میں نہ لاؤ۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو پسند کرتا ہے جو اس کی راہ میں صف بستہ لڑتے ہیں گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔''

وضاحت: دراصل ایک روایت میں حضرت ابوالدرداء ؓ سے یہ الفاظ مروی ہیں: لوگو! جنگ سے پہلے نیک عمل کرو کیونکہ تم اپنے اعمال کی بدولت جنگ لڑتے ہو، لیکن یہ روایت منقطع ہے۔ امام بخاری ؒ نے جو الفاظ نقل کیے ہیں وہ متصل سند سے مروی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امام بخاری ؒ نے زائد الفاظ کو عنوان میں پیش کیا ہے۔ علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ آیت کریمہ میں صف بندی ایک نیک عمل ہے جو جنگ سے پہلے کیا جاتا ہے۔ (2)

٢٨٠٨ - حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحِيمِ: حَدَّثَنَا شَبَابَةُ بْنُ سَوَّارٍ الْفَزَارِيُّ: حَدَّثَنَا إِسْرَائِيلُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ قَالَ: سَمِعْتُ الْبَرَاءَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ: أَتَى النَّبِيَّ ﷺ رَجُلٌ مُقَنَّعٌ بِالْحَدِيدِ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! أُقَاتِلُ أَوْ أُسْلِمُ؟

[2808] حضرت براء ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کے پاس ایک آدمی آیا جو زرہ پہنے ہوئے تھا۔ اس نے عرض کیا: اللہ کے رسول! میں پہلے جنگ لڑوں یا اسلام لے آؤں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''پہلے اسلام لاؤ، پھر جنگ لڑو۔'' چنانچہ وہ پہلے اسلام لے آیا اور اس کے بعد جنگ

(1) عمدة القاري: 113/10. (2) فتح الباري: 31/6.

قَالَ: «أَسْلِمْ ثُمَّ قَاتِلْ»، فَأَسْلَمَ ثُمَّ قَاتَلَ فَقُتِلَ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «عَمِلَ قَلِيلًا وَّأُجِرَ كَثِيرًا».

میں شریک ہوا، پھر شہید ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس نے عمل تھوڑا کیا مگر اجر زیادہ پایا۔''

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے ثابت ہوا کہ ہر نیک عمل کی قبولیت کے لیے پہلے مسلمان ہونا شرط ہے۔ غیر مسلم لوگ جو اچھے کام کرتے ہیں، انھیں دنیا میں اس کا بدلہ مل جاتا ہے لیکن آخرت میں ان کے لیے کچھ بھی نہیں ہوگا۔ دنیا میں ان کی اچھی شہرت ان کے اچھے کاموں کا بدلہ ہے۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ نیک انسان کو اپنے نیک عمل میں اتنا ثواب ملتا ہے جو فاسق کو اچھا کام کرنے سے نہیں ملتا، اس لیے جہاد سے پہلے کوئی نیک عمل کر لینا چاہیے تاکہ مجاہدین کو جو ثواب ملتا ہے اس سے زیادہ ثواب ملے۔ ③ روایت کی عنوان سے مطابقت اس طرح ہے کہ اسلام لانا ایک اچھا عمل ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے قتال سے پہلے کرنے کا حکم دیا ہے۔ واللہ أعلم.

(١٤) بَابُ مَنْ أَتَاهُ سَهْمٌ غَرْبٌ فَقَتَلَهُ

باب: 14- اگر کوئی شخص اچانک تیر لگنے سے مر جائے (تو وہ شہید ہے یا نہیں؟)

٢٨٠٩ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا حُسَيْنُ بْنُ مُحَمَّدٍ أَبُو أَحْمَدَ: حَدَّثَنَا شَيْبَانُ عَنْ قَتَادَةَ: حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ: أَنَّ أُمَّ الرُّبَيِّعِ بِنْتَ الْبَرَاءِ - وَهِيَ أُمُّ حَارِثَةَ بْنِ سُرَاقَةَ - أَتَتِ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَتْ: يَا نَبِيَّ اللهِ! أَلَا تُحَدِّثُنِي عَنْ حَارِثَةَ؟ وَكَانَ قُتِلَ يَوْمَ بَدْرٍ، أَصَابَهُ سَهْمٌ غَرْبٌ، فَإِنْ كَانَ فِي الْجَنَّةِ صَبَرْتُ، وَإِنْ كَانَ غَيْرَ ذٰلِكَ اجْتَهَدْتُ عَلَيْهِ فِي الْبُكَاءِ. قَالَ: «يَا أُمَّ حَارِثَةَ! إِنَّهَا جِنَانٌ فِي الْجَنَّةِ وَإِنَّ ابْنَكِ أَصَابَ الْفِرْدَوْسَ الْأَعْلٰى». [انظر: ٣٩٨٢، ٦٥٥٠، ٦٥٦٧]

[2809] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ام ربیع رضی اللہ عنہا جو براء کی بیٹی اور حارثہ بن سراقہ رضی اللہ عنہ کی والدہ ہیں، وہ نبی ﷺ کے پاس حاضر ہو کر عرض کرنے لگیں: اللہ کے نبی! کیا آپ مجھے حارثہ رضی اللہ عنہ کے متعلق نہیں بتائیں گے؟ وہ غزوۂ بدر میں اچانک تیر لگنے سے شہید ہو گیا تھا۔ اگر وہ جنت میں ہے تو میں صبر کروں، اگر کوئی دوسری بات ہے تو اس پر جی بھر کر رولوں۔ آپ نے فرمایا: ''اے ام حارثہ! جنت میں تو درجہ بدرجہ کئی باغ ہیں اور تیرا بیٹا فردوس اعلیٰ میں ہے۔''

فوائد و مسائل: ① حضرت ام حارثہ رضی اللہ عنہا نے یہ خیال کیا کہ میرا بیٹا دشمن کے ہاتھوں شہید نہیں ہوا شاید اسے جنت نہ ملے۔ جب انھیں پتہ چلا کہ ان کا بیٹا فردوس اعلیٰ میں ہے تو ہنستی مسکراتی ہوئی واپس ہوئیں اور کہنے لگیں: اے حارثہ! تجھے مبارک ہو،

حارثہ تیرے کیا ہی کہنے ہیں...... ﷺ...... ② واضح رہے کہ اس خاتون کا نام ام ربیع بنت براء نہیں بلکہ ربیع بنت نضر رضی اللہ عنہا ہے جو حضرت انس رضی اللہ عنہ کی پھوپھی ہیں جنھوں نے اپنے شہید بھائی حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ کو انگلی کے پوروں سے شناخت کیا تھا۔[1] ③ اس حدیث سے امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک وہم کا ازالہ کیا ہے کہ جب تیر مارنے والے کے متعلق معلوم نہیں کہ وہ کافر ہے یا مومن، تو مقتول کو شہید کہنا کیسے ممکن ہے؟ اس پر تنبیہ فرمائی کہ میدان جنگ میں جو مسلمان مقتول پایا گیا وہ شہید ہے اگرچہ اس کا قاتل معلوم نہ ہو۔

(١٥) بَابُ مَنْ قَاتَلَ لِتَكُونَ كَلِمَةُ اللهِ هِيَ الْعُلْيَا

٢٨١٠ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَمْرٍو، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ أَبِي مُوسَى رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: اَلرَّجُلُ يُقَاتِلُ لِلْمَغْنَمِ، وَالرَّجُلُ يُقَاتِلُ لِلذِّكْرِ، وَالرَّجُلُ يُقَاتِلُ لِيُرٰى مَكَانُهُ، فَمَنْ فِي سَبِيلِ اللهِ؟ قَالَ: «مَنْ قَاتَلَ لِتَكُونَ كَلِمَةُ اللهِ هِيَ الْعُلْيَا فَهُوَ فِي سَبِيلِ اللهِ».

[راجع: ١٢٣]

باب: 15- اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے لڑنے کی فضیلت

[2810] حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگا: کوئی آدمی غنیمت کے لیے لڑتا ہے اور کوئی ناموری کے لیے جہاد کرتا ہے جبکہ کوئی شخص ذاتی بہادری دکھانے کے لیے میدان جنگ میں کود پڑتا ہے تو ایسے حالات میں اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا کون ہے؟ آپ نے فرمایا: ''جو شخص اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے لڑے وہی مجاہد فی سبیل اللہ ہے۔''

فوائد و مسائل: ① مجاہد کو چاہیے کہ وہ جنگ کے وقت اللہ کے دین کو بلند کرنے کی نیت رکھے، لوٹ کی خواہش، ناموری کی طلب اور حیثیت و شجاعت کا اظہار مقصود نہ ہو کیونکہ ایسا کرنے سے ایک بہترین اور ثمر آور عمل کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہے۔ ② سائل کی دوسری اور تیسری شق میں فرق یہ ہے کہ دوسری شق کا حامل طالب شہرت اور تیسرا ریا کار ہے، یعنی کچھ تو اس لیے لڑتے ہیں کہ دوسرے اس کی شہرت سنیں اور کچھ اس لیے کہ لوگ اس کی بہادری دیکھیں۔

(١٦) بَابُ مَنِ اغْبَرَّتْ قَدَمَاهُ فِي سَبِيلِ اللهِ

وَقَوْلِ اللهِ تَعَالٰى: ﴿مَا كَانَ لِأَهْلِ الْمَدِينَةِ

باب: 16- جس کے قدم اللہ کی راہ میں غبار آلود ہوئے

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اہل مدینہ کے لیے اور ان

① فتح الباري: 33,29/6.

وَمَنْ حَوْلَهُم مِّنَ الْأَعْرَابِ أَن يَتَخَلَّفُوا عَن رَّسُولِ اللَّهِ﴾ إِلَى قَوْلِهِ: ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ﴾ [التوبة: ١٢٠].

دیہاتیوں کے لیے جو ان کے گرد و نواح میں بستے ہیں، یہ مناسب نہیں کہ وہ (جہاد میں) رسول اللہ سے پیچھے رہ جائیں...... اللہ تعالیٰ یقیناً اچھے کام کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔"

وضاحت: اس آیت کریمہ سے امام بخاری ؒ نے یہ ثابت کیا ہے کہ اللہ کی راہ میں اگر آدمی تھوڑا سا بھی سفر کرے اور اس کے پاؤں پر گرد و غبار پڑے تو بھی ثواب ملے گا۔ جب اللہ کی راہ میں پاؤں گرد آلود ہونے سے یہ اثر ہو کہ دوزخ کی آگ نہ چھوئے تو وہ کیسے دوزخ میں جائیں گے جنھوں نے اپنی جان اور اپنے مال سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا ہو۔ ان حضرات سے جو بھی قصور سرزد ہو جائے تو اللہ تعالیٰ سے معافی کی امید ہے۔

٢٨١١ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ: أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُبَارَكِ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ حَمْزَةَ قَالَ: حَدَّثَنِي يَزِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ: أَخْبَرَنَا عَبَايَةُ بْنُ رِفَاعَةَ بْنِ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبُو عَبْسٍ - هُوَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ جَبْرٍ -: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «مَا اغْبَرَّتَا قَدَمَا عَبْدٍ فِي سَبِيلِ اللهِ فَتَمَسَّهُ النَّارُ». [راجع: ٩٠٧]

[2811] حضرت ابو عبس عبدالرحمٰن بن جبر ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جس بندے کے قدم اللہ کی راہ میں غبار آلود ہو گئے اسے جہنم کی آگ نہیں چھوئے گی۔"

فوائد و مسائل: ① امام بخاری ؒ نے اس حدیث سے مذکورہ بالا آیت کریمہ میں "عمل صالح" کی تفسیر کی ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ ان قدموں کو جہنم کی آگ نہیں چھوئے گی جو اللہ کی راہ میں غبار آلود ہوئے ہوں، نیز آیت کریمہ کے مطابق لوگوں کو ان کے قدموں کے آثار پر بھی ثواب ملتا ہے، لڑائی کریں یا نہ کریں۔ ② حدیث سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ جس بندے کے قدم اللہ کی راہ میں غبار آلود ہو جائیں اللہ تعالیٰ اس پر جہنم کی آگ حرام کر دیتا ہے، وہ لڑیں یا نہ لڑیں۔ صحیح ابن حبان کے حوالے سے یہ اضافہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے یہ حدیث بیان کی تو اکثر لوگ اپنی سواریوں سے اتر کر پیدل چلنے لگے تاکہ ان کے قدموں پر گرد و غبار پڑے اور وہ اس فضیلت کے حق دار ہوں۔[1]

(١٧) بَابُ مَسْحِ الْغُبَارِ عَنِ الرَّأْسِ فِي سَبِيلِ اللهِ

باب: 17- اللہ کی راہ میں پڑی ہوئی گرد و غبار کو سر پر سے جھاڑنا

---

① صحيح ابن حبان: 10/464.

٢٨١٢ - حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ: حَدَّثَنَا خَالِدٌ عَنْ عِكْرِمَةَ: أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ قَالَ لَهُ وَلِعَلِيِّ بْنِ عَبْدِ اللهِ: ائْتِيَا أَبَا سَعِيدٍ فَاسْمَعَا مِنْ حَدِيثِهِ، فَأَتَيَا وَهُوَ وَأَخُوهُ فِي حَائِطٍ لَّهُمَا يَسْقِيَانِهِ، فَلَمَّا رَآنَا جَاءَ فَاحْتَبٰى وَجَلَسَ، فَقَالَ: كُنَّا نَنْقُلُ لَبِنَ الْمَسْجِدِ لَبِنَةً لَبِنَةً وَكَانَ عَمَّارٌ يَنْقُلُ لَبِنَتَيْنِ لَبِنَتَيْنِ فَمَرَّ بِهِ النَّبِيُّ ﷺ وَمَسَحَ عَنْ رَأْسِهِ الْغُبَارَ. وَقَالَ: «وَيْحَ عَمَّارٍ، تَقْتُلُهُ الْفِئَةُ الْبَاغِيَةُ، عَمَّارٌ يَدْعُوهُمْ إِلَى اللهِ وَيَدْعُونَهُ إِلَى النَّارِ». [راجع: ٤٤٧]

[2812] حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے حضرت عکرمہ اور اپنے صاحبزادے علی بن عبداللہ سے فرمایا کہ تم دونوں ابو سعید ؓ کے پاس جاؤ اور ان سے حدیث سنو، چنانچہ وہ دونوں ان کی خدمت میں حاضر ہوئے جبکہ وہ (حضرت ابو سعید خدری) اور ان کے بھائی اپنے باغ کو پانی دے رہے تھے۔ جب انھوں نے ہمیں دیکھا تو تشریف لائے اور اپنی چادر لپیٹ کر بیٹھ گئے، اس کے بعد فرمایا کہ ہم مسجد نبوی کی تعمیر کے لیے ایک ایک اینٹ اٹھا کر لا رہے تھے جبکہ حضرت عمار بن یاسر ؓ دو، دو اینٹیں اٹھا کر لا رہے تھے۔ اچانک نبی ﷺ کا گزر ان کے پاس سے ہوا تو آپ نے ان کے سر سے غبار جھاڑتے ہوئے فرمایا: ''افسوس! عمار (ؓ) کو ایک باغی گروہ قتل کرے گا۔ عمار انھیں اللہ کی طرف دعوت دیں گے اور وہ انھیں آگ کی طرف بلائیں گے۔''

فائدہ: بعض اسلاف کا خیال ہے کہ وضو کے پانی کی تری خشک نہیں کرنی چاہیے، اسی طرح آثار جہاد (گرد و غبار) اپنے جسم پر باقی رکھنے چاہییں۔ امام بخاری ؒ نے اس ''وہم'' کو دور کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمار بن یاسر ؓ کے سر سے گرد و غبار صاف کیا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ صفائی کے پیش نظر جہاد کے آثار دور کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اسی طرح وضو کے بعد منہ ہاتھ صاف کرنا بھی جائز ہے۔

(١٨) بَابُ الْغُسْلِ بَعْدَ الْحَرْبِ وَالْغُبَارِ

باب: 18- لڑائی اور غبار آلود ہونے کے بعد غسل کرنا

٢٨١٣ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ: أَخْبَرَنَا عَبْدَةُ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ لَمَّا رَجَعَ يَوْمَ الْخَنْدَقِ وَوَضَعَ السِّلَاحَ وَاغْتَسَلَ فَأَتَاهُ جِبْرِيلُ وَقَدْ عَصَبَ رَأْسَهُ الْغُبَارُ فَقَالَ: وَضَعْتَ السِّلَاحَ، فَوَاللهِ مَا وَضَعْتُهُ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ

[2813] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب غزوۂ خندق سے واپس ہوئے تو آپ نے ہتھیار اتارے اور غسل فرمایا۔ اس وقت حضرت جبریل ؑ آپ کے پاس تشریف لائے جبکہ ان کا سر گرد و غبار سے اٹا ہوا تھا، انھوں نے کہا: آپ نے ہتھیار اتار دیے ہیں؟ لیکن اللہ کی قسم! میں نے تو ابھی تک نہیں اتارے۔ رسول

ﷺ: «فَأَيْنَ؟» قَالَ: هَاهُنَا، وَأَوْمَأَ إِلٰى بَنِي قُرَيْظَةَ، قَالَتْ: فَخَرَجَ إِلَيْهِمْ رَسُولُ اللهِ ﷺ. [راجع: ٤٦٣]

اللہ ﷺ نے فرمایا: ''پھر تمھارا کہاں کا پروگرام ہے؟'' انھوں نے کہا کہ اس طرف اور بنو قریظہ کی طرف اشارہ کیا۔ حضرت عائشہ ؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ اسی وقت ان کی طرف روانہ ہوگئے۔

فوائد و مسائل: ① بنو قریظہ، یہود مدینہ کا ایک قبیلہ تھا جن سے مدینہ طیبہ پر کسی طرف سے حملہ ہونے کی صورت میں مشترکہ دفاع کرنے کا معاہدہ ہوا تھا لیکن انھوں نے غزوۂ احزاب کے وقت عین موقع پر عہد شکنی کر کے دغابازی کا ثبوت دیا، اس لیے اللہ کے حکم سے انھیں ان کے کیے کی سزا دی گئی۔ ② اس حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے گھر آتے ہی اپنے ہتھیار اتارے اور غسل فرمایا۔ اس سے امام بخاری ؒ نے ثابت کیا ہے کہ جہاد سے فراغت کے بعد جسم پر پڑا ہوا گرد وغبار باقی رکھنے کی کوئی وجہ نہیں ہے بلکہ صفائی کا تقاضا ہے کہ اسے غسل کے ذریعے سے دور کیا جائے۔

(١٩) بَابُ فَضْلِ قَوْلِ اللهِ تَعَالَى: ﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ ٱلَّذِينَ قُتِلُوا۟ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ أَمْوَٰتًۢا ۚ بَلْ أَحْيَآءٌ عِندَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ ○ فَرِحِينَ بِمَآ ءَاتَىٰهُمُ ٱللَّهُ مِن فَضْلِهِۦ وَيَسْتَبْشِرُونَ بِٱلَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا۟ بِهِم مِّنْ خَلْفِهِمْ أَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ○ يَسْتَبْشِرُونَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ ٱللَّهِ وَفَضْلٍ وَأَنَّ ٱللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ ٱلْمُؤْمِنِينَ ○﴾ [آل عمران: ١٦٩-١٧١].

باب: 19- ارشاد باری تعالیٰ: ''جو لوگ اللہ کی راہ میں شہید ہو چکے ہیں انھیں ہرگز مردہ خیال مت کرو۔ وہ تو زندہ ہیں جو اپنے پروردگار کے ہاں رزق پا رہے ہیں۔ جو کچھ ان پر اللہ کا فضل ہو رہا ہے، اس سے وہ بہت خوش ہیں اور ان لوگوں سے بھی خوش ہوتے ہیں جو ان کے پیچھے ہیں اور ابھی تک ان سے ملے نہیں، انھیں نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمزدہ ہی ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کا جو فضل و انعام ہو رہا ہے، اس سے وہ خوش ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ یقیناً اہل ایمان کا اجر ضائع نہیں کرتا'' (میں مذکور لوگوں) کی فضیلت کا بیان

وضاحت: روح اور جسم کے اتصال کا نام زندگی اور انفصال کا نام موت ہے۔ قرآن کریم میں دوبار کی زندگی اور دوبار کی موت کا ذکر آیا ہے اور ان کی ترتیب یہ ہے: ○ موت: انسان کی پیدائش سے پہلے کا وقت جسے عالم ارواح کہا جاتا ہے۔ ○ زندگی: پیدائش سے موت تک کا وقت جسے عالم دنیا کہتے ہیں۔ ○ موت: مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے تک کا وقت جسے عالم برزخ کا نام دیا جاتا ہے۔ ○ عالم عقبیٰ: حشر سے لامتناہی مدت، یعنی ہمیشہ کے لیے زندہ رہنا جسے عالم عقبیٰ کہا جاتا ہے۔ ان مراحل میں شارٹ کٹ بھی ہوسکتا ہے جیسا کہ ایک بچہ پیدا ہوتے ہی مر جائے تو وہ فوراً زندگی کے دور سے عالم برزخ میں داخل

ہو جاتا ہے اس طرح شہید، وہ شہادت ملتے ہی عالم برزخ کو پھلانگ کر فوراً جنت میں پہنچ جاتا ہے۔ اسے مردہ نہ کہنے کی یہی وجہ ہے کہ اس سے برزخ کا دور ختم کر دیا جاتا ہے جسے موت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ واللہ أعلم.

٢٨١٤ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: دَعَا رَسُولُ اللهِ ﷺ عَلَى الَّذِينَ قَتَلُوا أَصْحَابَ بِئْرِ مَعُونَةَ ثَلَاثِينَ غَدَاةً، عَلَى رِعْلٍ وَّذَكْوَانَ وَعُصَيَّةَ عَصَتِ اللهَ وَرَسُولَهُ. قَالَ أَنَسٌ: أُنْزِلَ فِي الَّذِينَ قُتِلُوا بِبِئْرِ مَعُونَةَ قُرْآنٌ قَرَأْنَاهُ ثُمَّ نُسِخَ بَعْدُ: بَلِّغُوا قَوْمَنَا أَنْ قَدْ لَقِينَا رَبَّنَا فَرَضِيَ عَنَّا وَرَضِينَا عَنْهُ. [راجع: ١٠٠١]

[2814] حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں پر ایک مہینہ بددعا کی جنھوں نے بئر معونہ کے پاس (ستر) قاریوں کو قتل کیا تھا۔ آپ نے رعل، ذکوان اور عصیہ پر بددعا کی کیونکہ انھوں نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی تھی۔ حضرت انس ؓ بیان کرتے ہیں کہ جو لوگ بئر معونہ کے پاس قتل کیے گئے تھے ان کے متعلق قرآن نازل ہوا جو ہم پڑھا کرتے تھے، پھر وہ حصہ منسوخ ہو گیا اور وہ یہ ہے: ہماری قوم کو یہ بات پہنچا دو کہ ہم نے اپنے رب سے ملاقات کی ہے۔ وہ ہم سے خوش ہے، اور ہم اس سے راضی ہیں۔

فائدہ: بئر معونہ بنو عامر اور بنو سلیم کی پتھریلی زمین کے درمیان نجد کی طرف واقع ہے۔ وہاں ستر قراء کو دھوکے سے شہید کیا گیا۔ حدیث میں مذکور آیات عرصۂ دراز تک پڑھی جاتی رہیں، پھر انھیں منسوخ کر دیا گیا اور آل عمران کی درج بالا آیات نازل ہوئیں جیسا کہ امام ابن جریر طبری ؒ نے اپنی تفسیر میں اس بات کی صراحت کی ہے۔ اس حدیث کی عنوان سے یہی مناسبت ہے کہ عنوان میں ذکر کردہ آیات کا پس منظر بئر معونہ کا واقعہ ہے۔[1]

٢٨١٥ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرٍو: سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا يَقُولُ: اِصْطَبَحَ نَاسٌ الْخَمْرَ يَوْمَ أُحُدٍ: ثُمَّ قُتِلُوا شُهَدَاءَ، فَقِيلَ لِسُفْيَانَ: مِنْ آخِرِ ذٰلِكَ الْيَوْمِ؟ قَالَ: لَيْسَ هٰذَا فِيهِ. [انظر: ٤٠٤٤، ٤٦١٨]

[2815] حضرت جابر ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ کچھ لوگوں نے جنگ احد میں صبح کے وقت شراب پی تھی، پھر وہ شہید ہو گئے۔ (راوی حدیث) حضرت سفیان سے پوچھا گیا: (کیا ان کی شہادت) اسی دن کے آخر میں ہوئی؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ یہ الفاظ حدیث میں مروی نہیں ہیں۔

فوائد و مسائل: ① غزوۂ اُحد کے موقع پر شراب حرام نہیں ہوئی تھی اور اس کا پینا جائز تھا، اس لیے ان شہداء کی شراب نوشی کے باوجود اللہ کے ہاں تعریف کی گئی اور ان سے حزن و ملال اور وحشت و دہشت کا ازالہ کر دیا گیا۔ ② عنوان کے تحت ذکر کردہ

---

(1) عمدة القاري: 10/122.

آیات کے آخر میں ہے: ''یقیناً اللہ تعالیٰ اہل ایمان کا اجر ضائع نہیں کرتا۔'' اگر اللہ تعالیٰ ان کے فعل شراب نوشی پر پکڑ کرتا تو پھر ان کے اعمال ضائع ہو جاتے۔ چونکہ ابھی شراب کی حرمت نازل نہیں ہوئی تھی، اس لیے جائز کام کر لینے پر شہادت کا عمل ضائع نہیں ہوا۔ ③ روایت کے آخر میں راویٔ حدیث سے ایک سوال، پھر اس کا جواب منقول ہے جبکہ ایک روایت میں سوال و جواب کا ذکر نہیں ہے اور نہ اس دن کے آخری حصے میں شہادت واقع ہونے کا ذکر ہی ہے۔[1] جبکہ ایک روایت میں ہے: لوگوں نے صبح کے وقت شراب نوشی کی اور اسی دن کے آخر میں شہید ہو گئے اور یہ شراب کی حرمت سے پہلے کا واقعہ ہے۔[2] ممکن ہے کہ سفیان بن عیینہ پہلے ان الفاظ کو بھول گئے ہوں پھر انھیں یاد آ گیا ہو۔[3]

(٢٠) بَابُ ظِلِّ الْمَلَائِكَةِ عَلَى الشَّهِيدِ

باب: 20- شہید پر فرشتوں کا سایہ کرنا

٢٨١٦ - حَدَّثَنَا صَدَقَةُ بْنُ الْفَضْلِ قَالَ: أَخْبَرَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ قَالَ: سَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ الْمُنْكَدِرِ أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرًا يَقُولُ: جِيءَ بِأَبِي إِلَى النَّبِيِّ ﷺ وَقَدْ مُثِّلَ بِهِ، وَوُضِعَ بَيْنَ يَدَيْهِ، فَذَهَبْتُ أَكْشِفُ عَنْ وَجْهِهِ، فَنَهَانِي قَوْمِي، فَسَمِعَ صَوْتَ نَائِحَةٍ فَقِيلَ: ابْنَةُ عَمْرٍو، أَوْ أُخْتُ عَمْرٍو، فَقَالَ: «لِمَ تَبْكِي؟ أَوْ لَا تَبْكِي، مَا زَالَتِ الْمَلَائِكَةُ تُظِلُّهُ بِأَجْنِحَتِهَا». قُلْتُ لِصَدَقَةَ: أَفِيهِ «حَتَّى رُفِعَ؟» قَالَ: رُبَّمَا قَالَهُ. [راجع: ١٢٤٤]

[2816] حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میرے والد گرامی کو نبی ﷺ کی خدمت میں اس حالت میں لایا گیا کہ ان کا مثلہ کیا گیا تھا۔ میں نے ان کے چہرے سے کپڑا اٹھانا چاہا تو میری قوم نے مجھے منع کر دیا۔ اس دوران میں آپ ﷺ نے ایک چلانے والی عورت کی آواز سنی اور کہا گیا کہ یہ عمرو کی بیٹی یا اس کی بہن ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم کیوں روتی ہو؟ یا فرمایا تم اس پر مت روؤ، اس پر تو فرشتوں نے برابر اپنے پروں سے سایہ کر رکھا ہے۔'' (امام بخاری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ) میں نے (اپنے شیخ) صدقہ (راوی) سے دریافت کیا: اس حدیث میں یہ الفاظ بھی ہیں: ''حتی کہ اس کو اٹھا لیا گیا''۔ انھوں (سفیان) نے فرمایا کہ کبھی کبھی (جابر) ان الفاظ کو بھی بیان کرتے تھے۔

فوائد و مسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث سے شہید کی عظمت ثابت کی ہے کہ فرشتے اسے اپنی معیت اور ہمراہی میں لے لیتے ہیں اور اس پر اپنے پروں کا سایہ کر دیتے ہیں۔ دوسری روایت میں ہے: ''شہید کی میت اٹھانے تک فرشتوں نے اس پر سایہ کیے رکھا۔''[4] ② ''چلانے والی عورت'' ایک روایت میں صراحت ہے کہ یہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی پھوپھی فاطمہ تھیں۔[5]

---

① صحيح البخاري، المغازي، حديث: 4044. ② صحيح البخاري، التفسير، حديث: 4618. ③ فتح الباري: 40/6.
④ صحيح البخاري، الجنائز، حديث: 1293. ⑤ صحيح البخاري، الجنائز، حديث: 1244.

③ واضح رہے کہ صدقہ بن فضل حضرت امام بخاری ؒ کے استاد ہیں، ان سے امام بخاری ؒ نے پوچھا تھا۔

(٢١) بَابُ تَمَنِّي الْمُجَاهِدِ أَنْ يَرْجِعَ إِلَى الدُّنْيَا

باب: 21- مجاہد کا دنیا کی طرف لوٹنے کی خواہش کرنا

٢٨١٧ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ: حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: سَمِعْتُ قَتَادَةَ قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَا أَحَدٌ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ يُحِبُّ أَنْ يَرْجِعَ إِلَى الدُّنْيَا وَلَهُ مَا عَلَى الْأَرْضِ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا الشَّهِيدُ يَتَمَنَّى أَنْ يَرْجِعَ إِلَى الدُّنْيَا فَيُقْتَلَ عَشْرَ مَرَّاتٍ لِّمَا يَرَى مِنَ الْكَرَامَةِ». [راجع: ٢٧٩٥]

[2817] حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ”کوئی شخص ایسا نہیں جو جنت میں داخل ہونے کے بعد واپس دنیا میں لوٹنے کی خواہش کرے اگرچہ اسے دنیا کی ہر چیز دینے کی پیش کش کر دی جائے، مگر شہید۔ وہ دس بار یہ چاہے گا کہ دنیا میں واپس آئے اور اسے قتل کر دیا جائے۔ یہ سب کچھ اللہ کے ہاں اپنے اعزاز اور اکرام کو دیکھنے کی وجہ سے ہوگا۔“

فوائد و مسائل: ① ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت جابر ؓ سے فرمایا: ”کیا تجھے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے والد بزرگوار سے کیا کہا؟ آپ نے کہا کہ اللہ نے فرمایا: اے عبداللہ! تم کسی خواہش کا اظہار کرو تا کہ اسے پورا کیا جائے۔ حضرت عبداللہ ؓ نے عرض کی: یا اللہ! مجھے زندہ کر دے تا کہ تیرے راستے میں دوبارہ شہید ہو جاؤں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ تو پہلے سے طے شدہ فیصلہ ہے کہ جو انسان دنیا سے آ چکا ہے اسے کسی صورت میں واپس نہیں بھیجا جائے گا۔“[1] ② مذکورہ حدیث سے شہادت کی عظمت کا پتہ چلتا ہے۔ دراصل بھلے کاموں میں صرف ایک جہاد ہے جس میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کیا جاتا ہے، اس لیے شہادت کی عظمت بھی بہت رکھی گئی ہے۔ واللہ أعلم.

(٢٢) بَابٌ: الْجَنَّةُ تَحْتَ بَارِقَةِ السُّيُوفِ

باب: 22- جنت، چمکتی ہوئی تلواروں کے نیچے ہے

وَقَالَ الْمُغِيرَةُ بْنُ شُعْبَةَ: أَخْبَرَنَا نَبِيُّنَا ﷺ عَنْ رِّسَالَةِ رَبِّنَا: «مَنْ قُتِلَ مِنَّا صَارَ إِلَى الْجَنَّةِ». وَقَالَ عُمَرُ لِلنَّبِيِّ ﷺ: أَلَيْسَ قَتْلَانَا فِي الْجَنَّةِ وَقَتْلَاهُمْ فِي النَّارِ؟ قَالَ: «بَلَى».

حضرت مغیرہ بن شعبہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں، ہمارے نبی ﷺ نے ہمارے رب کا (یہ) پیغام دیا ہے: ”جو کوئی ہم میں سے شہید ہوگا وہ سیدھا جنت میں جائے گا۔“ حضرت عمر ؓ نے نبی ﷺ سے پوچھا تھا: کیا ہمارے مقتول جنت میں اور ان (کافروں) کے مقتول جہنم میں نہیں جائیں گے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کیوں نہیں۔“

[1] جامع الترمذي، تفسير القرآن، حديث: 3010.

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ تلواروں کی چمک ہوتی ہے تو ان کا سایہ بھی ہوگا، چنانچہ ایک دوسری حدیث میں ہے: ''جنت تلواروں کے سائے تلے ہے۔''[1] الغرض اللہ کی راہ میں قتل ہونے والے جنت میں جائیں گے، لہٰذا مسلمانوں کو جہاد سے گریز نہیں کرنا چاہیے۔ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی مذکورہ روایت کو امام بخاری رحمہ اللہ نے خود ہی کتاب الجزیہ (حدیث: 3169) میں متصل سند سے بیان کیا ہے۔

٢٨١٨ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ عَمْرٍو: حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحَاقَ عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ، عَنْ سَالِمِ أَبِي النَّضْرِ مَوْلَى عُمَرَ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ وَكَانَ كَاتِبَهُ قَالَ: كَتَبَ إِلَيْهِ عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي أَوْفَى رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «وَاعْلَمُوا أَنَّ الْجَنَّةَ تَحْتَ ظِلَالِ السُّيُوفِ».

[2818] حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے عمر بن عبیداللہ کے مولیٰ اور کاتب ابونضر سالم کو لکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جان لو جنت تلواروں کے سائے تلے ہے۔''

تَابَعَهُ الْأُوَيْسِيُّ عَنِ ابْنِ أَبِي الزِّنَادِ، عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ. [انظر: ٢٨٣٣، ٢٩٦٦، ٣٠٢٤، ٧٢٣٧]

اویسی نے ابن ابی الزناد سے، انھوں نے موسیٰ بن عقبہ سے روایت کرنے میں معاویہ بن عمرو کی موافقت کی ہے۔

فوائد و مسائل: ① لڑائی کے وقت فریقین کی تلواریں جمع ہو کر سایہ ڈالنے لگتی ہیں۔ جب دو دشمن تلواریں لے کر میدان میں اترتے ہیں تو ہر ایک دشمن پر دوسرے کی تلواروں کا سایہ پڑتا ہے اور وہ مدافعت کی کوشش کرتا ہے اور ایسا لڑائی کے گرم ہونے پر ہوتا ہے۔ ② جہاد ہی وہ عمل ہے جو اسلام کی سربلندی کا واحد ذریعہ ہے مگر شریعت نے اس کے لیے کچھ اصول و ضوابط مقرر کیے ہیں جس کی تفصیل آئندہ بیان ہوگی۔ ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ خندق کے دن یہ حدیث بیان فرمائی تھی۔[2]

(٢٣) بَابُ مَنْ طَلَبَ الْوَلَدَ لِلْجِهَادِ

باب: 23- جس نے جہاد کے لیے (اللہ تعالیٰ سے) اولاد طلب کی

٢٨١٩ - وَقَالَ اللَّيْثُ: حَدَّثَنِي جَعْفَرُ بْنُ رَبِيعَةَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ هُرْمُزَ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا

[2819] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

① صحيح البخاري، الجهاد والسير، حديث: 2818. ② فتح الباري: 43/6.

هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنْ رَّسُولِ اللهِ ﷺ قَالَ: «قَالَ سُلَيْمَانُ بْنُ دَاوُدَ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ: لَأَطُوفَنَّ اللَّيْلَةَ عَلَى مِائَةِ امْرَأَةٍ أَوْ تِسْعٍ وَّتِسْعِينَ، كُلُّهُنَّ يَأْتِي بِفَارِسٍ يُّجَاهِدُ فِي سَبِيلِ اللهِ. فَقَالَ لَهُ صَاحِبُهُ: قُلْ: إِنْ شَاءَ اللهُ، فَلَمْ يَقُلْ: إِنْ شَاءَ اللهُ، فَلَمْ تَحْمِلْ مِنْهُنَّ إِلَّا امْرَأَةٌ وَّاحِدَةٌ جَاءَتْ بِشِقِّ رَجُلٍ. وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَوْ قَالَ: إِنْ شَاءَ اللهُ، لَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللهِ فُرْسَانًا أَجْمَعُونَ». [انظر: ٣٤٢٤، ٥٢٤٢، ٦٦٣٩، ٦٧٢٠، ٧٤٦٩]

''حضرت سلیمان بن داود ﷉ نے کہا: میں آج رات سو یا ننانوے بیویوں کے پاس جاؤں گا اور ہر بیوی ایک شہسوار جنم دے گی جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کریں گے۔ ان سے ان کے ساتھی نے کہا: آپ ان شاء اللہ بھی کہیں، لیکن انھوں نے ان شاء اللہ نہ کہا، چنانچہ صرف ایک بیوی حاملہ ہوئی اور اس کے ہاں بھی ناقص بچہ پیدا ہوا۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے! اگر حضرت سلیمان ؑ اس وقت ان شاء اللہ کہہ لیتے تو سب کے ہاں بچے پیدا ہوتے اور وہ سب شہسوار اللہ کے راستے میں جہاد کرتے۔''

فوائد ومسائل: ① امام بخاری ؒ کا مقصد یہ ہے کہ جو کوئی اپنی بیوی سے ہم بستری کے وقت نیت کرے کہ اگر اللہ نے اسے بیٹا دیا تو وہ اسے جہاد فی سبیل اللہ میں وقف کرے گا تو اس کو نیت کے باعث ثواب حاصل ہوگا اگرچہ بیٹا پیدا نہ ہو، نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے بیٹا طلب کرنا مستحسن ہے۔ ایسے حالات میں اگر بیٹا والدین کی امید کے خلاف ہو تو بھی انھیں نیت کے مطابق ثواب ملے گا۔ ② واضح رہے کہ حضرت سلیمان ؑ کا عزم وارادہ ان شاء اللہ کہنے کا تھا لیکن وہ اپنا ارادہ پورا نہ کر سکے بلکہ ان کا عزم ناقص رہا، اسی طرح ان کا بیٹا بھی ناقص باقی رہا جو کامل نہ ہو سکا۔ اس میں حضرت سلیمان ؑ کا امتحان تھا کہ وہ ان شاء اللہ نہ کہہ سکے۔ لیکن بعض روایات میں ستر عورتوں کا ذکر ہے۔ ان روایات میں کوئی تضاد نہیں کیونکہ قلیل کے ذکر سے کثیر کی نفی نہیں ہوتی۔[1]

(٢٤) بَابُ الشَّجَاعَةِ فِي الْحَرْبِ وَالْجُبْنِ

باب: 24- بوقت جنگ بہادری یا بزدلی کا بیان

٢٨٢٠ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ وَاقِدٍ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ أَحْسَنَ النَّاسِ وَأَشْجَعَ النَّاسِ وَأَجْوَدَ النَّاسِ وَلَقَدْ فَزِعَ أَهْلُ الْمَدِينَةِ فَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ سَبَقَهُمْ عَلَى فَرَسٍ

[2820] حضرت انس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ نبی ﷺ تمام لوگوں سے زیادہ خوبصورت، سب لوگوں سے زیادہ بہادر اور سب سے زیادہ فیاض تھے۔ (ایک رات ایسا ہوا کہ) اہل مدینہ خوف زدہ ہوئے تو نبی ﷺ گھوڑے پر سوار ہو کر سب سے پہلے آئے اور فرمایا:

---

[1] عمدة القاري: 128/6.

وَقَالَ: «وَجَدْنَاهُ بَحْرًا». [راجع: ٢٦٢٧]

''(فکر کی کوئی بات نہیں)، البتہ ہم نے اس گھوڑے کو سمندر کی طرح رواں دواں پایا۔''

فوائد و مسائل: ① رسول اللہ ﷺ رات کے وقت خوف زدگی کے عالم میں تن تنہا تشریف لے گئے اور دشمن کا کچھ بھی ڈر محسوس نہ کیا۔ ② اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا حسن و جمال، جرأت و شجاعت اور جود و سخاوت بیان ہوئی ہے۔ آپ نے کبھی کسی سائل کو محروم نہیں کیا۔ کبھی کسی سے ذاتی انتقام نہیں لیا۔ جس شخص نے معافی طلب کی اسے معاف کر دیا۔ آپ ایسے عبادت گزار کہ رات بھر نماز پڑھتے پاؤں پر ورم آ جاتا۔ آپ کی تدبیر و رائے ایسی کہ چند دنوں میں عرب کی کایا پلٹ دی، بڑے بڑے بہادروں کو نیچا دکھا دیا۔ ③ امام بخاری ؒ کا مقصد یہ ہے کہ انسان کو خطرے کے وقت بزدلی کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے بلکہ جرأت و دلیری کے ساتھ سخت اور مشکل حالات کا مقابلہ کرنا چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ کی سیرت سے یہی سبق ملتا ہے...... ﷺ

٢٨٢١ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي عُمَرُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ: أَنَّ مُحَمَّدَ بْنَ جُبَيْرٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي جُبَيْرُ بْنُ مُطْعِمٍ: أَنَّهُ بَيْنَمَا هُوَ يَسِيرُ مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَمَعَهُ النَّاسُ مَقْفَلَهُ مِنْ حُنَيْنٍ فَعَلِقَتِ النَّاسُ يَسْأَلُونَهُ حَتَّى اضْطَرُّوهُ إِلَى سَمُرَةٍ فَخَطِفَتْ رِدَاءَهُ، فَوَقَفَ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ: «أَعْطُونِي رِدَائِي، لَوْ كَانَ لِي عَدَدُ هٰذِهِ الْعِضَاهِ نَعَمٌ لَقَسَمْتُهُ بَيْنَكُمْ: ثُمَّ لَا تَجِدُونِي بَخِيلًا وَّلَا كَذُوبًا وَّلَا جَبَانًا». [انظر: ٣١٤٨]

[2821] حضرت جبیر بن مطعم ؓ سے روایت ہے کہ وہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ چل رہے تھے اور آپ کے ساتھ اور لوگ بھی تھے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب آپ غزوۂ حنین سے واپس ہوئے۔ لوگوں نے آپ کو گھیر لیا وہ آپ سے کچھ مانگ رہے تھے حتی کہ آپ کو مجبوراً ایک ببول کے درخت کے پاس جانا پڑا۔ وہاں آپ کی چادر مبارک اس کے کانٹوں سے الجھ گئی تو نبی ﷺ نے کھڑے ہو کر فرمایا: ''میری چادر تو مجھے واپس کر دو۔ اگر میرے پاس اس (درخت) کے کانٹوں کے برابر بھی اونٹ ہوتے تو میں سب کے سب تم میں تقسیم کر دیتا۔ مجھے تم کسی وقت بھی بخیل، جھوٹا اور بزدل نہیں پاؤ گے۔''

فوائد و مسائل: ① بخیل، کذوب اور جبان مبالغے کے صیغے ہیں، جن سے جنس کی نفی کرنا مقصود ہے۔ ② اس حدیث میں آپ کے اخلاق کریمانہ کا بیان ہے۔ اصول اخلاق تین ہیں: حلم، کرم اور شجاعت۔ اس میں بڑی عمدگی کے ساتھ ان تینوں کو بیان کیا گیا ہے۔ عدم کذب سے قوتِ عقلیہ کے کمال کی طرف اشارہ ہے جو حکمت و دانائی سے عبارت ہے۔ عدم بخل سے کمال قوت شہویہ کی طرف اشارہ فرمایا جو سخاوت ہے اور عدم جبن سے کمال قوت غضبیہ کی طرف اشارہ کیا جو شجاعت ہے۔ یہ تینوں صفات اعلیٰ اخلاق کی بنیاد ہیں۔ بہرحال رسول اللہ ﷺ بہت بہادر، انتہائی سخی اور بہت مدبر و بردبار تھے۔ واضح رہے کہ مذکورہ واقعہ جنگ حنین کا ہے اور حنین مکہ اور طائف کے درمیان ایک وادی کا نام ہے۔ ③ مال طلب کرنے والے وہ نو مسلم تھے جو ابھی تک آپ کی صحبت سے فیض یاب نہیں ہوئے تھے ورنہ جنھیں آپ کی تربیت میں چند دن گزارنے کا موقع ملا وہ ادب و احترام کا پیکر

بن گئے۔

(۲۵) بَابُ مَا يُتَعَوَّذُ مِنَ الْجُبْنِ

باب:25- بزدلی سے اللہ کی پناہ مانگنا

۲۸۲۲ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ عُمَيْرٍ قَالَ: سَمِعْتُ عَمْرَو بْنَ مَيْمُونٍ الْأَوْدِيَّ قَالَ: كَانَ سَعْدٌ يُعَلِّمُ بَنِيهِ هٰؤُلَاءِ الْكَلِمَاتِ كَمَا يُعَلِّمُ الْمُعَلِّمُ الْغِلْمَانَ الْكِتَابَةَ، وَيَقُولُ: إِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ يَتَعَوَّذُ مِنْهُنَّ دُبُرَ الصَّلَاةِ: «اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْجُبْنِ، وَأَعُوذُ بِكَ أَنْ أُرَدَّ إِلَى أَرْذَلِ الْعُمُرِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الدُّنْيَا، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ»، فَحَدَّثْتُ بِهِ مُصْعَبًا فَصَدَّقَهُ. [انظر: ٦٣٦٥، ٦٣٧٠، ٦٣٧٤، ٦٣٩٠]

[2822] حضرت عمرو بن میمون اَودی بیان کرتے ہیں کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اپنے بچوں کو درج ذیل کلماتِ دعائیہ اس طرح سکھاتے تھے جیسے ایک معلم بچوں کو لکھنا سکھاتا ہے۔ اور وہ فرماتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ ہر نماز کے بعد ان کلمات کے ذریعے سے اللہ کی پناہ مانگتے تھے: ''اے اللہ! میں بزدلی سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور رذیل عمر تک پہنچنے سے بھی پناہ مانگتا ہوں۔ میں تیرے ذریعے سے دنیا کے فتنوں سے بھی پناہ چاہتا ہوں اور تیرے ذریعے سے عذاب قبر سے بھی پناہ مانگتا ہوں۔'' (راویٔ حدیث کہتے ہیں کہ) میں نے یہ حدیث (ان کے بیٹے) مصعب بن سعد سے بیان کی تو انھوں نے بھی اس کی تصدیق فرمائی۔

فائدہ: بزدلی سے اس لیے پناہ مانگی جاتی ہے کہ یہ آخرت کے عذاب کا سبب بنتی ہے کیونکہ بزدلی کے باعث انسان جہاد سے راہ فرار اختیار کرے گا تو اللہ کی طرف سے سخت سزا کا حق دار ہوگا کیونکہ جو کوئی جہاد سے جی چراتا ہے وہ اللہ کے غضب کا حق دار ہے۔ بعض اوقات ایسا انسان دین اسلام سے بھی پھر جاتا ہے، اس لیے انسان کو بزدلی سے پناہ مانگنے کی تلقین کی گئی ہے۔[1]

۲۸۲۳ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ قَالَ: سَمِعْتُ أَبِي قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقُولُ: «اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْكَسَلِ وَالْجُبْنِ وَالْهَرَمِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ». [انظر: ٤٧٠٧، ٦٣٦٧، ٦٣٧١]

[2823] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ یہ دعا پڑھا کرتے تھے: ''اے اللہ! میں تیرے ذریعے سے عاجزی، سستی، بزدلی اور بڑھاپے کی ذلیل حدود میں پہنچ جانے سے پناہ مانگتا ہوں۔ اور میں تیری پناہ مانگتا ہوں زندگی اور موت کے فتنوں سے، نیز میں تیرے ذریعے سے عذاب قبر سے پناہ چاہتا ہوں۔''

---

1 عمدة القاري: 134/10.

فوائد و مسائل: ① اس حدیث کے مطابق انسان کو بزدلی سے پناہ مانگنی چاہیے کیونکہ بسا اوقات اس کے باعث وہ فتنۂ ارتداد کا شکار ہو جاتا ہے۔ ② رذیل عمر یہ ہے کہ انسان بڑھاپے کے باعث بچپن کی سی عادات کی طرف لوٹ جاتا ہے۔ اس کا جسم کمزور اور عقل ماؤف ہو جاتی ہے، نیز بڑھاپے کی وجہ سے فرائض کی ادائیگی میں بھی کوتاہی آ جاتی ہے حتی کہ انسان اپنی ذات کی خدمت سے بھی عاجز ہو جاتا ہے اور گھر والوں پر بوجھ بن جاتا ہے، پھر گھر والے اس کے مرنے کی خواہش کرنے لگتے ہیں۔ اگر گھر والے نہ ہوں تو فتنے اور آزمائش میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔

(٢٦) بَابُ مَنْ حَدَّثَ بِمَشَاهِدِهِ فِي الْحَرْبِ

باب: 26- اپنے جہادی کارناموں کو بیان کرنا

قَالَهُ أَبُو عُثْمَانَ عَنْ سَعْدٍ.

حضرت ابوعثمان نے حضرت سعد بن ابی وقاص سے ان جہادی کارناموں کو بیان کیا۔

وضاحت: ان جہادی کارناموں کا اظہار اس بنا پر جائز ہے کہ لوگ ان کی اقتدا کریں لیکن بہادری کے اظہار اور نمود و نمائش (دکھلاوے) کی خاطر بیان کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ واللہ أعلم. اس روایت کو امام بخاری ؒ نے خود ہی کتاب المغازی میں متصل بیان کیا ہے۔

٢٨٢٤ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا حَاتِمٌ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يُوسُفَ، عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ قَالَ: صَحِبْتُ طَلْحَةَ بْنَ عُبَيْدِ اللهِ وَسَعْدًا وَالْمِقْدَادَ بْنَ الْأَسْوَدِ وَعَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ عَوْفٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ فَمَا سَمِعْتُ أَحَدًا مِنْهُمْ يُحَدِّثُ عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ إِلَّا أَنِّي سَمِعْتُ طَلْحَةَ يُحَدِّثُ عَنْ يَوْمِ أُحُدٍ. [انظر: ٤٠٦٢]

[2824] حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ میں طلحہ بن عبیداللہ، سعد بن ابی وقاص، مقداد بن اسود اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم کا ساتھی رہا ہوں۔ ان میں سے کسی کو میں نے رسول اللہ ﷺ کی احادیث بیان کرتے ہوئے نہیں سنا، البتہ حضرت طلحہ بن عبیداللہ سے میں نے سنا کہ وہ غزوۂ احد کے حالات بیان کیا کرتے تھے۔

فوائد و مسائل: ① بہت سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم احتیاط کے پیش نظر کثرت روایت سے پرہیز کیا کرتے، تاکہ ایسا نہ ہو کہ معمولی سی کمی بیشی کی وجہ سے گناہ میں مبتلا ہو جائیں۔ ② غزوۂ اُحد میں رسول اللہ ﷺ کے پاس صرف حضرت سعد اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہما رہ گئے تھے۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا ہاتھ اس لیے شل ہو گیا تھا کہ وہ مشرکین کے وار کو رسول اللہ ﷺ سے بذریعۂ ہاتھ بچاتے تھے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ بھی بہترین تیرانداز تھے اور جنگ احد میں انھوں نے ثابت قدمی کا مظاہرہ کیا تھا۔ وہ بھی اپنے حالات بیان کرتے تھے تاکہ لوگ ان کی اقتدا کریں۔ اس نیت سے بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

(٢٧) بَابُ وُجُوبِ النَّفِيرِ، وَمَا يَجِبُ مِنَ الْجِهَادِ وَالنِّيَّةِ

باب : 27- اعلان جنگ کے وقت کوچ کرنا ضروری ہے، نیز جہاد اور اس کی نیت کرنا بھی واجب ہے

وَقَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿ٱنفِرُوا۟ خِفَافًا وَثِقَالًا وَجَٰهِدُوا۟ بِأَمْوَٰلِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ○ لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيبًا وَسَفَرًا قَاصِدًا لَّٱتَّبَعُوكَ وَلَٰكِنۢ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ ٱلشُّقَّةُ وَسَيَحْلِفُونَ بِٱللَّهِ﴾ اَلْآيَةَ [التوبة: ٤١، ٤٢].

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''ہلکے بھی نکلو اور بوجھل بھی، نیز اپنے اموال اور جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کرو۔ یہی بات تمھارے حق میں بہتر ہے، اگر تم جانتے ہو۔ اگر دنیوی فائدہ قریب نظر آتا اور سفر بھی واجبی سا ہوتا تو یہ آپ کے ساتھ ہو لیتے مگر یہ مسافت انھیں کٹھن معلوم ہوئی تو لگے اللہ کی قسمیں کھانے۔''

وَقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ مَا لَكُمْ إِذَا قِيلَ لَكُمُ ٱنفِرُوا۟ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ ٱثَّاقَلْتُمْ إِلَى ٱلْأَرْضِ ۚ أَرَضِيتُم بِٱلْحَيَوٰةِ ٱلدُّنْيَا مِنَ ٱلْآخِرَةِ﴾ إِلَى قَوْلِهِ: ﴿عَلَىٰ كُلِّ شَىْءٍ قَدِيرٌ﴾ [التوبة: ٣٨، ٣٩]

نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''اے ایمان والو! تمھیں کیا ہو گیا ہے کہ جب تمھیں اللہ کی راہ میں جہاد کی خاطر نکلنے کے لیے کہا جاتا ہے تو تم زمین کی طرف بچھ جاتے ہو؟ کیا تم نے آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی کو پسند کر لیا ہے؟...... (اور اللہ) ہر چیز پر خوب قادر ہے۔''

وَيُذْكَرُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: ﴿فَٱنفِرُوا۟ ثُبَاتٍ﴾ [النساء: ٧١]: سَرَايَا مُتَفَرِّقِينَ، وَيُقَالُ: وَاحِدُ الثُّبَاتِ، ثُبَةٌ.

حضرت ابن عباس ؓ سے ﴿فانفروا ثباتٍ﴾ کی تفسیر میں منقول ہے کہ تم جدا جدا گروپ بنا کر جہاد کے لیے نکلو۔ کہا جاتا ہے کہ ثبات کا مفرد ثبة ہے۔

٢٨٢٥ - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ: حَدَّثَنَا يَحْيَى: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ: حَدَّثَنِي مَنْصُورٌ عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنْ طَاوُسٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ يَوْمَ الْفَتْحِ: «لَا هِجْرَةَ بَعْدَ الْفَتْحِ وَلٰكِنْ جِهَادٌ وَنِيَّةٌ، وَإِذَا اسْتُنْفِرْتُمْ فَانْفِرُوا». [راجع: ١٣٤٩]

[2825] حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فتح مکہ کے دن فرمایا تھا: ''فتح مکہ کے بعد اب (مکہ سے مدینہ کی طرف) ہجرت باقی نہیں رہی لیکن خلوص نیت کے ساتھ جہاد اب بھی باقی ہے، اس لیے جب تمھیں جہاد کے لیے بلایا جائے تو نکل کھڑے ہو۔''

فوائد ومسائل: ① فرائض کی دو قسمیں ہیں: ○ فرض عین۔ ○ فرض کفایہ۔ فرض عین یہ ہے کہ اس کی ادائیگی بذاتِ خود ہر مکلف مسلمان پر فرض ہوتی ہے۔ اس فرض میں تخفیف تو ہو سکتی ہے مگر معاف نہیں ہوتا، مثلاً: نماز پنجگانہ وغیرہ۔ فرض کفایہ یہ ہے

کہ جس کی ادائیگی مجموعی طور پر تمام مسلمانوں پر فرض ہوتی ہے مگر بعض کی ادائیگی سے دوسروں کو معاف کر دیا جاتا ہے۔ اگر کوئی بھی ادا نہ کرے تو سب گناہ گار ہوتے ہیں، مثلاً: نماز جنازہ وغیرہ۔ ② جہاد فرض عین ہے یا فرض کفایہ، اس کے متعلق ہم افراط و تفریط کا شکار ہیں۔ ہمارے ہاں بعض جہادی تنظیموں کا موقف ہے کہ حالات جیسے بھی ہوں جہاد بہر حال فرض عین ہے اور جس نے کبھی جہاد نہ کیا اس کا ایمان خطرے میں ہے اور اس کے بغیر وہ جنت کا حق دار نہیں ہے جبکہ اس کے برعکس کچھ لوگ جہاد کو فرض کفایہ تو کجا بلکہ اسے مستحب بھی نہیں کہتے اور جہاد کا ایسا مفہوم پیش کرتے ہیں جس سے جہاد کا تصور ہی مسخ ہو جاتا ہے۔ ہمارے نزدیک جہاد بعض اوقات فرض عین ہوتا ہے اور بعض اوقات فرض کفایہ ہی رہتا ہے۔ مندرجہ ذیل تین صورتوں میں جہاد فرض عین ہوتا ہے: * جب دشمن مسلمانوں کے علاقے پر حملہ آور ہو جائے تو اس کے خلاف جہاد کرنا فرض عین ہے جیسا کہ امام ابن تیمیہ ؒ کہتے ہیں: ''جب دشمن حملہ کر دے تو اس کے خلاف جہاد کرنے کی فرضیت پر کسی اختلاف کی گنجائش نہیں کیونکہ دشمن سے اپنے دین، عزت اور جان بچانے کے لیے جہاد کی فرضیت پر اجماع ہے۔''[1] ○ جب مسلمانوں کا امیر جہاد کرنے کا حکم عام دے تو اس امیر کی اطاعت کرتے ہوئے جہاد کے لیے نکلنا فرض عین ہے جیسا کہ امام بخاری ؒ کی پیش کردہ آیات اور حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔ امیر سے مراد شرعی سربراہ ہے۔ یہ دونوں صورتیں بذات خود مستقل ہیں۔ ○ دشمن سے دو بدو مقابلے کی صورت میں بھی جہاد فرض عین ہو جاتا ہے، مثلاً: ایک آدمی پر جہاد فرض کفایہ ہے لیکن وہ جب میدان جنگ میں پہنچ جائے جہاں دشمن سے لڑائی جاری ہو تو اب یہی فرض کفایہ اس مسلمان کے حق میں فرض عین کی صورت اختیار کر جائے گا۔ جہاد کے فرض عین کی یہ صورت نیم مستقل ہے کیونکہ اس میں بنیادی طور پر جہاد فرض کفایہ ہوتا ہے مگر میدان جہاد میں پہنچ کر فرض عین کی صورت اختیار کر جاتا ہے۔ بہر حال اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جب امام نفیر عام کا حکم دے تو اس وقت جہاد فرض عین ہو جاتا ہے، البتہ جہاد اپنے عمومی مفہوم میں ہر وقت فرض ہوتا ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر ؒ رقم طراز ہیں: تحقیقی طور پر یہ بات بھی ثابت ہے کہ کفار کے خلاف جہاد کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے، خواہ وہ اپنے ہاتھ کے ساتھ جہاد کرے یا زبان کے ساتھ یا مال کے ساتھ یا اپنے دل کے ساتھ ان سے نبرد آزما ہو۔[2] ③ اس حدیث میں مطلق ہجرت کی نفی نہیں بلکہ فتح مکہ کے بعد مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کرنا منسوخ ہوا ہے کیونکہ جس مقام پر امور دین کو انجام نہ دیا جا سکتا ہو وہاں سے ہجرت کرنا اب بھی واجب ہے اور اس پر اجماع ہے۔

(٢٨) بَابُ الْكَافِرِ يَقْتُلُ الْمُسْلِمَ ثُمَّ يُسْلِمُ فَيُسَدِّدُ بَعْدُ وَيُقْتَلُ

باب: 28- اگر کافر کسی مسلمان کو قتل کر دے، پھر خود مسلمان ہو جائے اور اسلام پر مضبوط رہے، پھر وہ اللہ کی راہ میں قتل ہو جائے (تو اس کی فضیلت کا بیان)

٢٨٢٦ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي

[2826] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ ایسے دو آدمیوں پر ہنس

① مجموع الفتاوٰی: 537/5. ② فتح الباري: 47/6.

هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «يَضْحَكُ اللهُ إِلَى رَجُلَيْنِ: يَقْتُلُ أَحَدُهُمَا الْآخَرَ، يَدْخُلَانِ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُ هٰذَا فِي سَبِيلِ اللهِ فَيُقْتَلُ، ثُمَّ يَتُوبُ اللهُ عَلَى الْقَاتِلِ فَيُسْتَشْهَدُ».

دے گا کہ ان میں سے ایک نے دوسرے کو قتل کیا تھا، پھر بھی دونوں جنت میں داخل ہو گئے۔ پہلا وہ جس نے اللہ کے راستے میں جہاد کیا اور وہ شہید ہو گیا، دوسرا اس کا قاتل جسے اللہ تعالیٰ نے توبہ کی توفیق دی کہ وہ مسلمان ہو کر شہید ہو گیا۔ (اس طرح قاتل اور مقتول دونوں جنت میں داخل ہو گئے)۔''

فوائد ومسائل: ① قاعدہ تو یہ ہے کہ قاتل اور مقتول ایک ساتھ جنت یا جہنم میں جمع نہ ہوں۔ اگر مقتول جنتی ہے تو یقیناً ایسے انسان کا قاتل جہنم میں جائے گا لیکن اللہ تعالیٰ جب اپنی قدرت سے قاتل و مقتول دونوں کو جنت میں داخل کرتا ہے تو ہنس دیتا ہے۔ وہ اس طرح کہ ایک شخص نے کافروں کی طرف سے لڑتے ہوئے ایک مسلمان کو شہید کر دیا، پھر اللہ تعالیٰ نے قاتل کو توبہ کی توفیق دی وہ مسلمان ہو گیا اور مسلمانوں کی طرف سے لڑتے لڑتے اس نے بھی جام شہادت نوش کر لیا تو اس طرح قاتل اور مقتول دونوں جنت میں داخل ہو گئے۔ ② اس حدیث میں اللہ کی ایک صفت ضحک، یعنی ہنسنے کا ذکر ہے۔ اسے ہم مبنی برحقیقت تسلیم کرتے ہیں۔ اس کی تاویل کرنا سلف صالحین کے موقف کے خلاف ہے، البتہ اس کی کیفیت معلوم نہیں اور نہ اس کی کوئی مخلوق اس کی کسی صفت میں اس سے مشابہت ہی رکھتی ہے۔ واللہ أعلم.

٢٨٢٧ - حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ: حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ قَالَ: أَخْبَرَنِي عَنْبَسَةُ بْنُ سَعِيدٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: أَتَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ وَهُوَ بِخَيْبَرَ بَعْدَمَا افْتَتَحُوهَا فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! أَسْهِمْ لِي، فَقَالَ بَعْضُ بَنِي سَعِيدِ بْنِ الْعَاصِ: لَا تُسْهِمْ لَهُ يَا رَسُولَ اللهِ! فَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: هٰذَا قَاتِلُ ابْنِ قَوْقَلٍ، فَقَالَ ابْنُ سَعِيدِ بْنِ الْعَاصِ: وَاعَجَبًا لِوَبْرٍ تَدَلَّى عَلَيْنَا مِنْ قَدُومِ ضَأْنٍ يَنْعَى عَلَيَّ قَتْلَ رَجُلٍ مُسْلِمٍ أَكْرَمَهُ اللهُ عَلَى يَدَيَّ وَلَمْ يُهِنِّي عَلَى يَدَيْهِ، قَالَ: فَلَا أَدْرِي أَسْهَمَ لَهُ أَمْ لَمْ يُسْهِمْ.

[2827] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اس وقت حاضر ہوا جب آپ فتح خیبر کے بعد وہاں تشریف فرما تھے۔ میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! مجھے بھی غنیمت سے حصہ دیں تو اس پر سعید بن عاص کے ایک بیٹے (ابان بن سعید رضی اللہ عنہ) نے کہا: اللہ کے رسول! انھیں مال غنیمت سے کچھ نہ دیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ تو ابن قوقل کا قاتل ہے۔ سعید بن عاص کے بیٹے نے کہا: واہ! مجھے اس وبر جیسے پست قد پر تعجب ہے جو ابھی ابھی اس پہاڑ کی چوٹی سے ہمارے پاس آیا ہے اور مجھ پر اس آدمی کی موت کا عیب لگاتا ہے جو مسلمان تھا اور اسے اللہ تعالیٰ نے میرے ہاتھوں عزت و تکریم سے نوازا (کہ وہ شہید ہوا) اور مجھے اس کے ہاتھوں ذلیل نہیں کیا (کہ میں اس کے ہاتھوں قتل نہیں

ہوا)۔ راوی کہتا ہے کہ مجھے معلوم نہیں کہ آپ نے انھیں حصہ دیا یا نہ دیا۔

قَالَ سُفْيَانُ: وَحَدَّثَنِيهِ السَّعِيدِيُّ عَنْ جَدِّهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ.

سفیان کہتے ہیں کہ مجھ سے سعیدی نے، اس نے اپنے دادا سے اور اس نے حضرت ابو ہریرہ ؓ سے بیان کیا۔

اَلسَّعِيدِيُّ - هُوَ عَمْرُو بْنُ يَحْيَى بْنِ سَعِيدِ ابْنِ عَمْرِو بْنِ سَعِيدِ بْنِ الْعَاصِ-. [انظر: ٤٢٣٧، ٤٢٣٨، ٤٢٣٩]

(امام بخاری ؒ فرماتے ہیں کہ) سعیدی عمرو بن یحییٰ بن سعید بن عمرو جو سعید بن عاص کی اولاد سے ہے۔

فوائد و مسائل: ① ابن قوقل کا نام نعمان بن مالک ہے۔ وہ میدان اُحد میں ابان بن سعید کے ہاتھوں شہید ہوئے تھے۔ انھوں نے میدان اُحد میں دعا کی تھی: اے اللہ! غروب آفتاب سے پہلے میں جنت کی سیر کرنا چاہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو شرف قبولیت سے نوازا اور وہ سورج غروب ہونے سے پہلے ہی شہید ہو گئے۔ ابان بن سعید اس وقت کافر تھے، پھر غزوۂ احد کے بعد حدیبیہ سے پہلے مسلمان ہو گئے۔ ② امام بخاری ؒ نے اس سے ثابت کیا ہے کہ قاتل اور مقتول دونوں جنت کے حق دار ہو سکتے ہیں جیسا کہ مذکورہ واقعے سے ظاہر ہے۔ ③ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر گناہ سے کوئی انسان توبہ کر لے تو پہلے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں، پھر اسے اس گناہ کے باعث شرمندہ کرنا درست نہیں۔ واللہ أعلم.

(٢٩) بَابُ مَنِ اخْتَارَ الْغَزْوَ عَلَى الصَّوْمِ

باب: 29- جس نے جہاد کو (نفلی) روزوں پر مقدم رکھا

٢٨٢٨ - حَدَّثَنَا آدَمُ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ: حَدَّثَنَا ثَابِتٌ الْبُنَانِيُّ قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ أَبُو طَلْحَةَ لَا يَصُومُ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ مِنْ أَجْلِ الْغَزْوِ، فَلَمَّا قُبِضَ النَّبِيُّ ﷺ لَمْ أَرَهُ مُفْطِرًا إِلَّا يَوْمَ فِطْرٍ أَوْ أَضْحَى.

[2828] حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ حضرت ابوطلحہ ؓ نبی ﷺ کے عہد مبارک میں جہاد کی وجہ سے (نفلی) روزے نہیں رکھا کرتے تھے۔ پھر جب نبی ﷺ کی وفات ہو گئی تو میں نے انھیں عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کے علاوہ روزے کے بغیر نہیں دیکھا۔

فائدہ: جہاد ایک ایسا عمل ہے جس میں فرض نماز بھی کم ہو جاتی ہے، پھر نفلی روزوں اور نمازوں کا ذکر ہی کیا ہے۔ حضرت ابوطلحہ ؓ نفلی روزوں پر جہاد کو ترجیح دیتے تھے تا کہ ایسا نہ ہو کہ دشمن کے مقابلے میں کمزور پڑ جائیں۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابوطلحہ ؓ نے نفلی روزے رکھنے شروع کر دیے۔ ان کا خیال تھا کہ اب کفر پر اسلام کو غلبہ حاصل ہو چکا ہے اور جہاد

میں آسانی پیدا ہو گئی ہے لیکن اس کے باوجود بھی آپ جہاد میں حصہ لیتے تھے۔ ② حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے عمر کے آخری حصے میں بھی جہاد کیا، تیاری کے ساتھ غزوۃ البحر میں شرکت کی جس میں ان کی وفات ہوئی۔ سات دن کے بعد انھیں دفن کیا گیا تو ان کے جسم میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔[1]

(٣٠) بَابٌ: اَلشَّهَادَةُ سَبْعٌ سِوَى الْقَتْلِ

باب: 30- اللہ کی راہ میں قتل کے علاوہ بھی سات انواع کی شہادت ہے

٢٨٢٩ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ سُمَيٍّ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «اَلشُّهَدَاءُ خَمْسَةٌ: اَلْمَطْعُونُ، وَالْمَبْطُونُ، وَالْغَرِقُ، وَصَاحِبُ الْهَدْمِ، وَالشَّهِيدُ فِي سَبِيلِ اللهِ». [راجع: ٦٥٣]

[2829] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''شہید پانچ قسم کے ہیں: طاعون میں مرنے والا، پیٹ کی بیماری سے مرنے والا، غرق ہو کر مرنے والا، دیوار کے نیچے دب کر مرنے والا اور پانچواں جو اللہ کی راہ میں شہید ہو جائے۔''

٢٨٣٠ - حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ مُحَمَّدٍ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ: أَخْبَرَنَا عَاصِمٌ عَنْ حَفْصَةَ بِنْتِ سِيرِينَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «الطَّاعُونُ شَهَادَةٌ لِكُلِّ مُسْلِمٍ». [انظر: ٥٧٣٢]

[2830] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''طاعون کی وبا ہر مسلمان کے لیے شہادت کا باعث ہے۔''

فوائد و مسائل: ① عنوان میں قتل کے علاوہ شہادت کی سات قسموں کا ذکر ہے جبکہ حدیث میں صرف چار قسمیں بیان ہوئی ہیں۔ دراصل امام بخاری رحمہ اللہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ شہادت صرف جہاد فی سبیل اللہ میں منحصر نہیں بلکہ شہادت کی اور قسمیں بھی ہیں اگرچہ دیگر شہادتیں ثواب کے اعتبار سے شہید معرکہ جیسی ہیں مگر دنیاوی احکام میں اس سے مختلف ہیں۔ ② امام مالک رحمہ اللہ نے موطأ میں سات قسم کی شہادتوں کو تفصیل سے بیان کیا ہے اور اس کے متعلق ایک حدیث روایت کی ہے۔[2] شاید یہ روایت امام بخاری رحمہ اللہ کی شرط کے مطابق نہیں تھی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ راوی شہادت کی باقی قسمیں بھول گیا ہو۔ واللہ أعلم. ③ باقی شہادتیں یہ ہیں: ○ آگ میں جل کر مرنے والا۔ ○ نمونیہ سے مرنے والا۔ ○ وہ عورت جو بحالت نفاس مر جائے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ایسی چودہ خصلتوں کا ذکر کیا ہے جو شہادت کا باعث ہیں۔[3]

---

[1] فتح الباري: 52/6. [2] الموطأ للإمام مالك: 233/1. [3] فتح الباري: 54/6.

(٣١) بَابُ قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿لَّا يَسْتَوِى الْقَٰعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ﴾ إِلَى قَوْلِهِ: ﴿غَفُورًا رَّحِيمًا﴾ [النساء: ٩٥، ٩٦].

باب: 31- ارشاد باری تعالیٰ: ''جو لوگ بغیر کسی معذوری کے بیٹھ رہیں برابر نہیں ہو سکتے ...... اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا مہربان ہے'' کا بیان

٢٨٣١ - حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ قَالَ: سَمِعْتُ الْبَرَاءَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ: لَمَّا نَزَلَتْ: ﴿لَّا يَسْتَوِى الْقَٰعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ﴾ [النساء: ٩٥] دَعَا رَسُولُ اللهِ ﷺ زَيْدًا، فَجَاءَهُ بِكَتِفٍ فَكَتَبَهَا، وَشَكَا ابْنُ أُمِّ مَكْتُومٍ ضَرَارَتَهُ فَنَزَلَتْ: ﴿لَّا يَسْتَوِى الْقَٰعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ﴾ [النساء: ٩٥]. [انظر: ٤٥٩٣، ٤٥٩٤، ٤٩٩٠]

[2831] حضرت براء ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: جب یہ آیت نازل ہوئی: ''اہل ایمان میں سے جو لوگ جہاد سے بیٹھ رہیں...... آخر آیت تک'' تو آپ نے حضرت زید بن ثابت کو بلایا تو وہ کندھے کی ہڈی لائے جس پر اس آیت کو لکھا۔ اتنے میں ابن ام مکتوم ؓ آئے اور شکوہ کیا کہ میں تو اندھا ہوں۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے ﴿غير اولى الضرر﴾ یعنی ''بغیر کسی معذوری کے'' الفاظ نازل فرمائے۔

٢٨٣٢ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ الزُّهْرِيُّ قَالَ: حَدَّثَنِي صَالِحُ بْنُ كَيْسَانَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَهْلِ ابْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ أَنَّهُ قَالَ: رَأَيْتُ مَرْوَانَ بْنَ الْحَكَمِ جَالِسًا فِي الْمَسْجِدِ فَأَقْبَلْتُ حَتَّى جَلَسْتُ إِلَى جَنْبِهِ فَأَخْبَرَنَا أَنَّ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ أَخْبَرَهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ أَمْلَى عَلَيَّ (لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللهِ) قَالَ: فَجَاءَهُ ابْنُ أُمِّ مَكْتُومٍ وَهُوَ يُمِلُّهَا عَلَيَّ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! لَوْ أَسْتَطِيعُ الْجِهَادَ لَجَاهَدْتُ، وَكَانَ رَجُلًا أَعْمَى، فَأَنْزَلَ اللهُ تَعَالَى عَلَى رَسُولِهِ ﷺ وَفَخِذُهُ عَلَى فَخِذِي فَثَقُلَتْ عَلَيَّ حَتَّى خِفْتُ أَنْ تُرَضَّ فَخِذِي ثُمَّ سُرِّيَ عَنْهُ، فَأَنْزَلَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ ﴿غَيْرُ أُولِي

[2832] حضرت سہل بن سعد ساعدی ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ میں نے حاکم مدینہ جناب مروان بن حکم کو مسجد میں بیٹھے ہوئے دیکھا تو میں آکر اس کے پہلو میں بیٹھ گیا۔ اس نے ہمیں زید بن ثابت کے حوالے سے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ انھیں ﴿لَايَسْتَوِي الْقَاعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ لکھوا رہے تھے اتنے میں حضرت عبداللہ بن ام مکتوم ؓ آئے، انھوں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! اگر مجھ میں جہاد کی طاقت ہوتی تو میں بھی جہاد میں شریک ہوتا، وہ نابینا تھے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ پر وحی بھیجی، جبکہ آپ کی ران میری ران پر تھی جو مجھ پر اس قدر گراں ہوگئی کہ مجھے میری ران ٹکڑے ٹکڑے ہونے کا خطرہ محسوس ہوا۔ پھر وہ کیفیت آپ سے کھل گئی تو اللہ تعالیٰ نے ﴿غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ﴾ کے الفاظ نازل فرمائے۔

اَلضَّرَرِ﴾ . [النساء: ٩٥] [انظر : ٤٥٩٢]

فوائد و مسائل: ① اس آیت سے معلوم ہوا کہ جہاد فرض عین نہیں بلکہ فرض کفایہ ہے کیونکہ معاشرے میں کئی افراد بوڑھے، ناتواں، کمزور، اندھے، لنگڑے اور بیمار وغیرہ ہوتے ہیں جو جہاد پر جا ہی نہیں سکتے، نیز کچھ لوگ ملک کے اندرونی دفاع، مجاہدین کے گھروں کی حفاظت، ان کے اہل وعیال کی دیکھ بھال کے لیے بھی ضرور پیچھے رہنے چاہئیں اور اس لیے بھی کہ مجاہدین کو بروقت مدد مہیا کرتے رہیں، خواہ یہ رسد اور سامان خورونوش سے متعلق ہو یا افرادی قوت سے، پھر کچھ لوگ زخمیوں کی دیکھ بھال کے لیے بھی ضروری ہوتے ہیں۔ ② آیت کریمہ سے یہ بات بھی صراحت کے ساتھ ثابت ہوتی ہے کہ جو اہل ایمان میدان میں بغیر جسمانی عذر کے بھی شریک نہیں ہوتے ان کے ساتھ بھی اللہ تعالیٰ نے خیر و بھلائی اور جنت کا وعدہ کر رکھا ہے لیکن اگر جہاد ہر حال میں فرض عین ہوتا تو پھر جہاد سے پیچھے رہنے والوں سے اللہ تعالیٰ خیر و بھلائی کا وعدہ کیوں کرتا، چنانچہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''اس آیت میں اس بات کی دلیل ہے کہ جہاد فرض عین نہیں بلکہ فرض کفایہ ہے۔''[1] ③ اللہ تعالیٰ نے اگرچہ حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کا عذر قبول فرما لیا لیکن اس رخصت کے باوجود آپ کا جذبۂ جہاد اتنا بلند تھا کہ آپ مشقت اٹھا کر بھی کئی غزوات میں شریک ہوئے۔ جہاد کن صورتوں میں فرض عین ہوتا ہے اس کی تفصیل ہم پیچھے بیان کر آئے ہیں۔

(٣٢) بَابُ الصَّبْرِ عِنْدَ الْقِتَالِ

باب:32- عین لڑائی کے موقع پر صبر کرنا

٢٨٣٣ - حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ عَمْرٍو: حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحَاقَ عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ، عَنْ سَالِمٍ أَبِي النَّضْرِ: أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ أَبِي أَوْفَى كَتَبَ: فَقَرَأْتُهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «إِذَا لَقِيتُمُوهُمْ فَاصْبِرُوا» . [راجع: ٢٨١٨]

[2833] حضرت ابونضر سالم سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ نے تحریر لکھی جسے میں نے خود پڑھا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب دشمن سے تمھاری مڈبھیڑ ہو جائے تو صبر سے کام لو۔''

فوائد و مسائل: ① اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسے حالات میں مستقل مزاجی کے ساتھ جمے رہو اور حالات جیسے بھی ہوں بددل نہیں ہونا چاہیے کیونکہ بزدلی اور فرار مومن کی شان نہیں اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ ''اے ایمان والو! جب کسی گروہ سے تمھارا مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو بکثرت یاد کیا کرو تاکہ تم کامیاب رہو۔''[2] اس آیت سے معلوم ہوا کہ دوران جنگ میں اللہ تعالیٰ کو بکثرت یاد کرنا ثابت قدمی کا باعث ہے اور کامیابی کا راز ہے۔ حدیث میں صبر سے مراد یہی ہے کہ ذکر الٰہی سے اپنے دل کو مطمئن رکھو۔

1 تفسیر ابن کثیر: 821/1۔ 2 الأنفال 45:8۔

(٣٣) بَابُ التَّحْرِيضِ عَلَى الْقِتَالِ وَقَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿حَرِّضِ ٱلْمُؤْمِنِينَ عَلَى ٱلْقِتَالِ﴾ [الأنفال: ٦٥].

باب: 33- مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دینے اور ارشاد باری تعالیٰ: ''(اے نبی!) آپ مسلمانوں کو (کفار سے) قتال کا شوق دلائیں'' کا بیان

٢٨٣٤ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ عَمْرٍو: حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحَاقَ عَنْ حُمَيْدٍ قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسًا رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ: خَرَجَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِلَى الْخَنْدَقِ فَإِذَا الْمُهَاجِرُونَ وَالْأَنْصَارُ يَحْفِرُونَ فِي غَدَاةٍ بَارِدَةٍ فَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ عَبِيدٌ يَّعْمَلُونَ ذٰلِكَ لَهُمْ، فَلَمَّا رَأَى مَا بِهِمْ مِّنَ النَّصَبِ وَالْجُوعِ قَالَ:

«اَللّٰهُمَّ إِنَّ الْعَيْشَ عَيْشُ الْآخِرَهْ
فَاغْفِرْ لِلْأَنْصَارِ وَالْمُهَاجِرَهْ»

فَقَالُوا مُجِيبِينَ لَهُ:

نَحْنُ الَّذِينَ بَايَعْنَا مُحَمَّدَا
عَلَى الْجِهَادِ مَا بَقِينَا أَبَدَا

[انظر: ٢٨٣٥، ٢٩٦١، ٣٧٩٥، ٣٧٩٦، ٤٠٩٩، ٤١٠٠، ٦٤١٣، ٧٢٠١]

[2834] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ (غزوۂ خندق کے روز) خندق کی طرف نکلے تو دیکھا کہ مہاجر اور انصار سخت سردی میں خندق کھود رہے ہیں جبکہ ان کے پاس کوئی نوکر وغیرہ نہیں تھے جو ان کا یہ کام کرتے۔ آپ ﷺ نے جب ان کی مشقت اور بھوک وغیرہ دیکھی تو فرمایا:

''اے اللہ! عیش تو آخرت ہی کی ہے، لہٰذا تو مہاجرین اور انصار کو بخش دے۔''

اس کے جواب میں مہاجرین اور انصار نے کہا:

''ہم وہ ہیں جنھوں نے حضرت محمد ﷺ کے ہاتھ پر جہاد کی بیعت کی ہے جب تک ہم زندہ ہیں۔''

فوائد و مسائل: ① رسول اللہ ﷺ نے خندق کھودنے میں خود حصہ لیا تاکہ دوسرے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم آپ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اس معرکۂ حق و باطل میں سرگرم عمل ہوں۔ ② عرب میں خطرے کے وقت خندق کھودنے کا رواج نہیں تھا۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورے سے رسول اللہ ﷺ نے خندق کھودنے کا حکم دیا۔ واضح رہے کہ یہ غزوہ 4 ہجری میں ہوا۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا بھی اسی طرف میلان ہے۔ اب دور حاضر میں حالات بدل گئے ہیں، جنگ زمین پر نہیں بلکہ فضا میں لڑی جاتی ہے، اس لیے اس کے مطابق جنگی حکمت عملی اپنانے کی ضرورت ہے۔

(٣٤) بَابُ حَفْرِ الْخَنْدَقِ

باب: 34- خندق کھودنے کا بیان

٢٨٣٥ - حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: جَعَلَ الْمُهَاجِرُونَ وَالْأَنْصَارُ يَحْفِرُونَ الْخَنْدَقَ حَوْلَ الْمَدِينَةِ وَيَنْقُلُونَ التُّرَابَ عَلَى مُتُونِهِمْ وَيَقُولُونَ:

نَحْنُ الَّذِينَ بَايَعُوا مُحَمَّدَا
عَلَى الْجِهَادِ مَا بَقِينَا أَبَدَا

وَالنَّبِيُّ ﷺ يُجِيبُهُمْ وَيَقُولُ:

«اَللّٰهُمَّ إِنَّهُ لَا خَيْرَ إِلَّا خَيْرُ الْآخِرَهْ
فَبَارِكْ فِي الْأَنْصَارِ وَالْمُهَاجِرَهْ»

[راجع: ٢٨٣٤]

[2835] حضرت انس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ مہاجرین اور انصار نے مدینہ طیبہ کے اردگرد خندق کھودنا شروع کی تو وہ اپنی کمر پر مٹی اٹھا کر باہر لاتے اور یہ کہتے تھے:

ہم وہ ہیں جنھوں نے محمد ﷺ کے ہاتھ پر جہاد کی بیعت کی ہے جب تک ہم خود زندہ ہیں۔

نبی ﷺ ان کے جواب میں فرماتے تھے:

''اے اللہ! آخرت کی بھلائی کے علاوہ کوئی بھلائی نہیں، لہٰذا تو مہاجرین و انصار میں برکت عطا فرما۔''

فائدہ: رسول اللہ ﷺ نے مہاجرین و انصار کے لیے مختلف الفاظ میں یہ دعا متعدد دفعہ فرمائی، مثلاً: ''اے اللہ! تو انھیں عزت عطا فرما۔''[1] اور ایک دوسرے مقام پر فرمایا: ''اے اللہ! تو ان کی اصلاح فرما۔''[2]

٢٨٣٦ - حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ قَالَ: سَمِعْتُ الْبَرَاءَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَنْقُلُ وَيَقُولُ: «لَوْلَا أَنْتَ مَا اهْتَدَيْنَا». [انظر: ٢٨٣٧، ٣٠٣٤، ٤١٠٤، ٤١٠٦، ٦٦٢٠، ٧٢٣٦]

[2836] حضرت براء ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ (خندق کے دن) خود مٹی اٹھاتے اور یہ شعر پڑھتے تھے: ''اے اللہ! اگر تیرا کرم نہ ہوتا تو ہم ہدایت یافتہ نہ ہوتے۔''

٢٨٣٧ - حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنِ الْبَرَاءِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَوْمَ الْأَحْزَابِ يَنْقُلُ

[2837] حضرت براء بن عازب ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے نبی ﷺ کو غزوۂ احزاب کے دن مٹی اٹھاتے دیکھا اور مٹی نے آپ کے پیٹ کا گورا رنگ چھپا لیا

[1] صحیح البخاري، الجهاد، حدیث: 2961. [2] صحیح البخاري، مناقب الأنصار، حدیث: 3795.

التُّرَابَ وَقَدْ وَارَى التُّرَابُ بَيَاضَ بَطْنِهِ وَهُوَ يَقُولُ: «لَوْلَا أَنْتَ مَا اهْتَدَيْنَا، وَلَا تَصَدَّقْنَا، وَلَا صَلَّيْنَا، فَأَنْزِلِ السَّكِينَةَ عَلَيْنَا، وَثَبِّتِ الْأَقْدَامَ إِنْ لَاقَيْنَا، إِنَّ الْأُلَى قَدْ بَغَوْا عَلَيْنَا، إِذَا أَرَادُوا فِتْنَةً أَبَيْنَا». [راجع: ٢٨٣٦]

تھا۔ اس وقت آپ یہ فرما رہے تھے:

''تو ہدایت گر نہ کرتا تو کہاں ملتی نجات
کیسے پڑھتے ہم نمازیں کیسے دیتے ہم زکاۃ
اب اتار ہم پر تسلی اے شہ عالی صفات
پاؤں جما دے ہمارے دے لڑائی میں ثبات
بے سبب ہم پر یہ کافر ظلم سے چڑھ آئے ہیں
جب وہ بہکائیں ہم سنتے نہیں ان کی بات''

فوائد و مسائل: ① جنگ احزاب میں جملہ اقوام عرب نے متحد ہو کر اسلام کے خلاف یلغار کی تھی مگر اللہ تعالیٰ نے انھیں ذلیل و خوار کر کے لوٹا دیا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جنگ سے پہلے میدان کار کو کافروں سے قتال و جہاد پر آمادہ کرنے کے لیے رزمیہ اشعار پڑھنے میں کوئی حرج نہیں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے خود اس موقع پر حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے مذکورہ اشعار پڑھے ہیں۔ اس قسم کے اشعار غزوۂ خیبر کے موقع پر حضرت عامر بن اکوع رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہیں۔[1] ② واضح رہے کہ مذکورہ خندق مدینہ طیبہ کے اردگرد نہیں بلکہ اس جانب کھودی گئی تھی جو بالکل کھلا حصہ تھا۔ مسلمانوں کا لشکر جبل سلع کے نیچے تھا۔ وہ خندق جبل سلع اور مشرکین کے درمیان تھی اور اسے طول میں پھیلا دیا گیا تھا اور اسے مدینہ طیبہ کے شمالی جانب حرہ کی طرف شرقاً غرباً کھودا گیا تھا۔ واللہ أعلم.

(٣٥) بَابُ مَنْ حَبَسَهُ الْعُذْرُ عَنِ الْغَزْوِ

باب: 35- جس شخص کو جہاد کرنے سے کوئی عذر روک لے

٢٨٣٨ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ: حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ: حَدَّثَنَا حُمَيْدٌ: أَنَّ أَنَسًا حَدَّثَهُمْ قَالَ: رَجَعْنَا مِنْ غَزْوَةِ تَبُوكَ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ. [انظر: ٢٨٣٩، ٤٤٢٣]

[2838] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ہم نبی ﷺ کے ہمراہ غزوۂ تبوک سے واپس ہوئے۔

٢٨٣٩ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ - هُوَ ابْنُ زَيْدٍ - عَنْ حُمَيْدٍ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ فِي غَزَاةٍ،

[2839] حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ نبی ﷺ ایک لڑائی (تبوک) میں شریک تھے تو آپ نے فرمایا: ''کچھ لوگ مدینہ طیبہ میں ہمارے پیچھے رہ گئے ہیں مگر ہم

① صحيح البخاري، الأدب، حديث: 6148.

فَقَالَ: «إِنَّ أَقْوَامًا بِالْمَدِينَةِ خَلْفَنَا مَا سَلَكْنَا شِعْبًا وَّلَا وَادِيًا إِلَّا وَهُمْ مَعَنَا فِيهِ، حَبَسَهُمُ الْعُذْرُ». [راجع: ٢٨٣٨]

جس گھاٹی یا میدان میں جائیں گے وہ (ثواب میں) ضرور ہمارے ساتھ ہوں گے کیونکہ وہ کسی عذر کی وجہ سے رک گئے ہیں۔"

وَقَالَ مُوسٰى: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ حُمَيْدٍ، عَنْ مُوسَى بْنِ أَنَسٍ، عَنْ أَبِيهِ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ.

(راویٔ حدیث) موسیٰ بن عقبہ نے کہا: ہم کو حماد نے حمید سے، انھوں نے موسیٰ بن انس سے، انھوں نے اپنے باپ سے روایت کی کہ نبی ﷺ نے فرمایا۔

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: اَلْأَوَّلُ أَصَحُّ.

ابوعبداللہ (امام بخاری رحمہ اللہ) نے فرمایا کہ پہلی سند زیادہ صحیح ہے۔

فوائد و مسائل: ① غزوۂ تبوک کے وقت کچھ لوگ ایک معقول عذر کی وجہ سے پیچھے رہ گئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ایسے معذور لوگ اجر و ثواب میں ہمارے ساتھ شریک ہیں کیونکہ ان کی خواہش تھی کہ ہمارے ساتھ شریک ہوتے لیکن عذر کی وجہ سے شریک نہیں ہو سکے، اس لیے ان کی نیت کی بنا پر انھیں ثواب میں شریک کیا گیا۔'' ② حدیث کے آخر میں امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک سند کا حوالہ دیا ہے، پھر فیصلہ کیا کہ پہلی سند جس میں موسیٰ کا واسطہ نہیں دوسری سند سے صحیح تر ہے جس میں موسیٰ کا واسطہ ہے۔ ③ اس حدیث میں عذر عام ہے جو کبھی بیماری کی صورت میں ہوتا ہے اور کبھی سفر کی قدرت نہ ہونے کی شکل میں۔ اگرچہ صحیح مسلم کی روایت میں بیماری کی صراحت ہے، تاہم اسے غالب صورت پر محمول کیا جائے گا۔[1]

(٣٦) بَابُ فَضْلِ الصَّوْمِ فِي سَبِيلِ اللهِ

باب: 36- اللہ کے راستے میں روزہ رکھنے کی فضیلت

٢٨٤٠ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ نَصْرٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ: أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ وَّسُهَيْلُ بْنُ أَبِي صَالِحٍ: أَنَّهُمَا سَمِعَا النُّعْمَانَ بْنَ أَبِي عَيَّاشٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «مَنْ صَامَ يَوْمًا فِي سَبِيلِ اللهِ بَعَّدَ اللهُ وَجْهَهُ عَنِ النَّارِ سَبْعِينَ خَرِيفًا».

[2840] حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''جو شخص اللہ کی راہ میں ایک دن کا روزہ رکھے گا اللہ تعالیٰ اس کے چہرے کو ستر سال کی مسافت کے برابر دوزخ کی آگ سے دور کر دے گا۔''

فوائد و مسائل: ① اگر روزہ رکھنے سے کسی قسم کی کمزوری لاحق ہونے کا اندیشہ ہو تو ایسے مجاہدین کے حق میں روزہ نہ رکھنا

1 صحيح مسلم، الإمارة، حديث: 4932 (1911)، وفتح الباري: 58/6.

افضل ہے۔ حضرت ابوطلحہ ؓ کا یہی معمول تھا۔ لیکن اگر روزہ رکھنے کی عادت ہے اور اس سے کسی قسم کی کمزوری کا خطرہ نہیں تو جہاد کرتے وقت روزہ رکھنا بڑی فضیلت کا حامل ہے کیونکہ اس میں دو عبادتیں جمع ہو جاتی ہیں۔ ② حدیث میں ستر سال کا ذکر تحدید کے لیے نہیں بلکہ مبالغے کے لیے ہے۔ اس سے کثرت مراد ہے، یعنی وہ شخص دوزخ کی آگ سے لامحدود مسافت دور ہو جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ سنن نسائی کی ایک روایت میں سو سال کی مسافت کا ذکر ہے۔[1]

(٣٧) بَابُ فَضْلِ النَّفَقَةِ فِي سَبِيلِ اللهِ

باب: 37- اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی فضیلت

٢٨٤١ - حَدَّثَنِي سَعْدُ بْنُ حَفْصٍ: حَدَّثَنَا شَيْبَانُ عَنْ يَحْيَى، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ: أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَنْ أَنْفَقَ زَوْجَيْنِ فِي سَبِيلِ اللهِ دَعَاهُ خَزَنَةُ الْجَنَّةِ، كُلُّ خَزَنَةِ بَابٍ: أَيْ فُلُ هَلُمَّ». قَالَ أَبُو بَكْرٍ: يَا رَسُولَ اللهِ! ذَاكَ الَّذِي لَا تَوَى عَلَيْهِ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «إِنِّي لَأَرْجُو أَنْ تَكُونَ مِنْهُمْ».

[راجع: ١٨٩٧]

[2841] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ”جو شخص اللہ کی راہ میں ایک جوڑا خرچ کرے گا اسے جنت کے خازن بلائیں گے۔ ہر دروازے کا خازن کہے گا: اے فلاں! تو میری طرف آ۔“ حضرت ابوبکر ؓ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! اسے تو کسی قسم کا خطرہ نہیں ہوگا تو نبی ﷺ نے فرمایا: ”بلاشبہ میں امید رکھتا ہوں کہ تم انھی میں سے ہو گے۔“

فائدہ: اس حدیث سے جہاد کی فضیلت معلوم ہوتی ہے کیونکہ جہاد میں خرچ کرنے والے کو جنت کے تمام دروازوں سے اندر آنے کی دعوت دی جائے گی۔ جوڑا خرچ کرنے سے مراد یہ ہے کہ اس نے اللہ کے راستے میں جو چیز بھی دی وہ کم از کم دو، دو کی تعداد میں دی۔ واللہ أعلم.

٢٨٤٢ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سِنَانٍ: حَدَّثَنَا فُلَيْحٌ: حَدَّثَنَا هِلَالٌ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَامَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَقَالَ: «إِنَّمَا أَخْشَى عَلَيْكُمْ مِنْ بَعْدِي مَا يُفْتَحُ عَلَيْكُمْ مِنْ بَرَكَاتِ الْأَرْضِ». ثُمَّ ذَكَرَ زَهْرَةَ الدُّنْيَا فَبَدَأَ بِإِحْدَاهُمَا وَثَنَّى بِالْأُخْرَى، فَقَامَ رَجُلٌ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ!

[2842] حضرت ابوسعید خدری ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ منبر پر تشریف لائے اور فرمایا: ”مجھے تم پر اپنے بعد جس چیز کا خطرہ ہے وہ صرف یہ کہ زمین کی برکتیں تم پر کھول دی جائیں گی۔“ پھر آپ نے دنیا کی زیب و زینت اور رونق کا ذکر کیا۔ آپ نے پہلے دنیا کی برکات کا ذکر کیا پھر اس کی رونق کو بیان کیا۔ اتنے میں ایک آدمی کھڑا ہو کر عرض کرنے لگا: اللہ کے رسول! کیا خیر کے ساتھ شر بھی

① سنن النسائي، الصيام، حديث: 2256.

أَوَ يَأْتِي الْخَيْرُ بِالشَّرِّ؟ فَسَكَتَ عَنْهُ النَّبِيُّ ﷺ. قُلْنَا: يُوحَى إِلَيْهِ، وَسَكَتَ النَّاسُ كَأَنَّ عَلَى رُؤُوسِهِمُ الطَّيْرَ، ثُمَّ إِنَّهُ مَسَحَ عَنْ وَجْهِهِ الرُّحَضَاءَ فَقَالَ: «أَيْنَ السَّائِلُ آنِفًا؟ أَوَ خَيْرٌ هُوَ؟» ثَلَاثًا، «إِنَّ الْخَيْرَ لَا يَأْتِي إِلَّا بِالْخَيْرِ وَإِنَّهُ كُلَّمَا يُنْبِتُ الرَّبِيعُ مَا يَقْتُلُ حَبَطًا أَوْ يُلِمُّ، كُلَّمَا أَكَلَتْ إِلَّا آكِلَةَ الْخَضِرِ، حَتَّى إِذَا امْتَدَّتْ خَاصِرَتَاهَا، اسْتَقْبَلَتِ الشَّمْسَ فَثَلَطَتْ وَبَالَتْ ثُمَّ رَتَعَتْ، وَإِنَّ هٰذَا الْمَالَ خَضِرَةٌ حُلْوَةٌ، وَنِعْمَ صَاحِبُ الْمُسْلِمِ لِمَنْ أَخَذَهُ بِحَقِّهِ فَجَعَلَهُ فِي سَبِيلِ اللهِ وَالْيَتَامٰى وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ، وَمَنْ لَّمْ يَأْخُذْهَا بِحَقِّهِ فَهُوَ كَالْآكِلِ الَّذِي لَا يَشْبَعُ، وَيَكُونُ عَلَيْهِ شَهِيدًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ». [راجع: ٩٢١]

آ تا ہے؟ یہ سن کر نبی ﷺ خاموش ہو گئے۔ ہم نے خیال کیا کہ آپ پر وحی آ رہی ہے۔ لوگ بھی خاموش ہو گئے گویا ان کے سروں پر پرندے ہوں۔ پھر آپ ﷺ نے اپنے چہرۂ مبارک سے پسینہ صاف کیا اور دریافت فرمایا: ''ابھی ابھی سوال کرنے والا کہاں ہے جو کہتا تھا یہ مال خیر ہے؟'' آپ نے تین مرتبہ اسے دہرایا۔ پھر فرمایا: ''واقعی خیر، خیر ہی سے حاصل ہوتی ہے۔ (خیر، خیر ہی لاتی ہے۔) دیکھو موسم بہار میں جب ہری گھاس پیدا ہوتی ہے وہ جانور کو مار دیتی ہے یا مارنے کے قریب کر دیتی ہے مگر وہ جانور بچ جاتا ہے جو ہری گھاس چرتا ہے، جب اس کی کوکھیں بھر جائیں تو دھوپ کے سامنے کھڑا ہو جاتا ہے، لید اور پیشاب کرتا ہے، پھر ہضم ہونے کے بعد مزید چرنے لگتا ہے۔ اسی طرح دنیا کا یہ مال بھی ہرا بھرا اور شیریں ہے۔ مسلمان کا وہ مال کتنا عمدہ ہے جو حلال ذرائع سے کمایا ہو، پھر اسے اللہ کے راستے میں یتیموں اور مسکینوں کے لیے وقف کر دیا لیکن جس شخص نے ناجائز ذرائع سے مال جمع کیا تو اس کی مثال اس کھانے والے کی طرح ہے جو کھاتا ہے مگر سیر نہیں ہوتا۔ ایسا مال قیامت کے دن اس کے خلاف گواہی دے گا۔''

فائدہ: جس شخص نے دنیا کا مال ناحق حاصل کیا اور اسے بے جا خرچ کیا وہ اسراف و تبذیر میں مبتلا رہا اس کے لیے یہ مال وبال جان ہوگا، اس کے برعکس جس شخص نے مال حلال ذرائع سے حاصل کیا اور خرچ کرتے وقت میانہ روی اختیار کی، ناحق مال حاصل کرنے اور بے جا خرچ کرنے سے گریز کیا، وہ ہلاکت و تباہی سے بچ جائے گا۔ مقصد یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے سے انسان آفتوں اور مصیبتوں سے محفوظ رہتا ہے۔ امام بخاری ؒ نے اس حدیث میں اسی بات کو ثابت کیا ہے۔

(٣٨) بَابُ فَضْلِ مَنْ جَهَّزَ غَازِيًا أَوْ خَلَفَهُ بِخَيْرٍ

باب: 38- غازی کا سامان تیار کرنے اور اس کے پیچھے اس کے گھر کی اچھے انداز سے خبر گیری کرنے کی فضیلت

٢٨٤٣ - حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ: حَدَّثَنَا الْحُسَيْنُ: حَدَّثَنِي يَحْيٰى قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو سَلَمَةَ: حَدَّثَنِي بُسْرُ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ: حَدَّثَنِي زَيْدُ بْنُ خَالِدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «مَنْ جَهَّزَ غَازِيًا فِي سَبِيلِ اللهِ فَقَدْ غَزَا، وَمَنْ خَلَفَ غَازِيًا فِي سَبِيلِ اللهِ بِخَيْرٍ فَقَدْ غَزَا».

[2843] حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کا سامان تیار کرے وہ ایسا ہے جیسے اس نے خود جہاد کیا۔ اور جو شخص اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کے پیچھے اس کے گھر کی اچھی طرح نگرانی کرے تو اس نے گویا خود ہی جہاد کیا ہے۔''

فائدہ: مطلب یہ ہے کہ جتنا ثواب غازی کو ملے گا اتنا ثواب ہی اسے مکمل طور پر تیار کرنے والے کو اللہ تعالیٰ دے گا۔ غازی کو تیار کرنے کے یہ معنی ہیں کہ اس کے لیے دوران سفر کی جملہ ضروریات مہیا کرے اور لڑائی کے لیے ضروری سامان کا بندوبست کرے۔ اس کے گھر میں خلیفہ بننے کے یہ معنی ہیں کہ اس کے بال بچوں کی دیکھ بال کرے، انھیں ضروریات زندگی فراہم کرے اور اس کی بیوی سے خیانت نہ کرے۔

٢٨٤٤ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا هَمَّامٌ عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللهِ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَمْ يَكُنْ يَدْخُلُ بَيْتًا بِالْمَدِينَةِ غَيْرَ بَيْتِ أُمِّ سُلَيْمٍ إِلَّا عَلٰى أَزْوَاجِهِ، فَقِيلَ لَهُ، فَقَالَ: «إِنِّي أَرْحَمُهَا، قُتِلَ أَخُوهَا مَعِي».

[2844] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی ازواج مطہرات کے علاوہ مدینہ طیبہ میں کسی کے گھر تشریف نہیں لے جاتے تھے۔ البتہ آپ ام سلیم کے گھر چلے جاتے تھے۔ اس کے متعلق آپ سے عرض کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''ام سلیم کا بھائی میرے ساتھ ایک غزوے میں شہید ہو گیا تھا، اس لیے میں اس سے ہمدردی کرنے کے لیے جاتا ہوں۔''

فوائد و مسائل: ① حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کے حقیقی بھائی حضرت حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ بئر معونہ میں انصار کے ستر قراء کے ساتھ شہید کر دیے گئے تھے جس کا حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا پر دیر تک اثر رہا۔ ان کے ساتھ اظہار ہمدردی کے طور پر آپ ان کے ہاں اکثر آیا جایا کرتے تھے۔ ام سلیم رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی رضاعی خالہ بھی تھیں۔ ② جب مرنے والے غازی کے اہل خانہ کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کیا جا سکتا ہے تو زندہ غازی کے اہل خانہ کے ساتھ ہمدردی کرنا بالاولیٰ جائز ہو گا۔ امام بخاری رحمہ اللہ کے قائم کردہ عنوان کا یہی مقصد ہے۔[1] چونکہ انھیں رسول اللہ ﷺ نے خود مشرکین کے مطالبے پر تبلیغ کے لیے روانہ کیا تھا، اس لیے آپ نے ان کی شہادت کو اپنے ہمراہ شہید ہونے سے تعبیر فرمایا۔ واللہ أعلم.

[1] عمدة القاري: 160/10.

٣٩ - بَابُ التَّحَنُّطِ عِنْدَ الْقِتَالِ

باب:39-لڑائی کے وقت خوشبو لگانا

٢٨٤٥ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ: حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ الْحَارِثِ: حَدَّثَنَا ابْنُ عَوْنٍ عَنْ مُوسَى بْنِ أَنَسٍ قَالَ: ذَكَرَ يَوْمَ الْيَمَامَةِ قَالَ: أَتٰى أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ ثَابِتَ بْنَ قَيْسٍ وَقَدْ حَسَرَ عَنْ فَخِذَيْهِ وَهُوَ يَتَحَنَّطُ فَقَالَ: يَا عَمِّ! مَا يَحْبِسُكَ أَلَّا تَجِيءَ؟ قَالَ: الْآنَ يَا ابْنَ أَخِي! وَجَعَلَ يَتَحَنَّطُ - يَعْنِي مِنَ الْحَنُوطِ - ثُمَّ جَاءَ فَجَلَسَ فَذَكَرَ فِي الْحَدِيثِ انْكِشَافًا مِّنَ النَّاسِ فَقَالَ: هٰكَذَا عَنْ وُّجُوهِنَا حَتّٰى نُضَارِبَ بِالْقَوْمِ، مَا هٰكَذَا كُنَّا نَفْعَلُ مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ، بِئْسَ مَا عَوَّدْتُّمْ أَقْرَانَكُمْ.

[2845] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ جنگ یمامہ کے وقت حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو وہ اپنی دونوں رانیں کھولے حنوط (خوشبو) لگا رہے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا: چچا! تم جنگ میں کیوں نہیں آتے؟ انھوں نے کہا: بھتیجے! ابھی آتا ہوں، پھر خوشبو لگانے لگے آخرکار (مجاہدین کی صف میں) آکر بیٹھ گئے۔ انھوں نے لوگوں کے بھاگنے کا ذکر کیا، پھر اشارہ کیا کہ ہمارے سامنے سے ہٹ جاؤ تاکہ ہم دشمن سے لڑیں۔ رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ ہم ایسا نہیں کرتے تھے، تم نے اپنے مدمقابل لوگوں کو بری عادت ڈال دی ہے۔

رَوَاهُ حَمَّادٌ عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ أَنَسٍ.

حماد نے بھی ثابت عن انس کے طریق سے یہ روایت بیان کی ہے۔

فوائد و مسائل: ① ایک روایت میں ہے کہ خطیب الانصار حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کفن پہن کر میدان کارزار میں کود پڑے اور اس قدر بے جگری سے لڑے کہ اپنی جان، جاں آفریں کے حوالے کر دی۔ اس جنگ یمامہ میں ستر انصار شہید ہوئے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے: اے اللہ! جنگ اُحد کے دن ستر، جنگ موتہ میں ستر، بئر معونہ کے دن ستر اور یمامہ کے دن بھی ستر انصار شہید ہوئے۔ ② اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قتال کے وقت خوشبو استعمال کرنا سنت ہے تاکہ فرشتے جب میت سے ملاقات کریں تو ماحول معطر اور خوشبودار ہو۔[1]

(٤٠) بَابُ فَضْلِ الطَّلِيعَةِ

باب:40-دشمن کی جاسوسی کرنے کی فضیلت

٢٨٤٦ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ، عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «مَنْ يَّأْتِينِي بِخَبَرِ

[2846] حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے غزوۂ احزاب، یعنی غزوۂ خندق کے دن فرمایا: ''میرے پاس دشمن کی خبر کون لائے گا؟'' حضرت

1 عمدة القاري: 164/10.

الْقَوْمِ؟» يَوْمَ الْأَحْزَابِ. فَقَالَ الزُّبَيْرُ: أَنَا. ثُمَّ قَالَ: «مَنْ يَأْتِينِي بِخَبَرِ الْقَوْمِ؟» قَالَ الزُّبَيْرُ: أَنَا، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «إِنَّ لِكُلِّ نَبِيٍّ حَوَارِيًّا وَحَوَارِيَّ الزُّبَيْرُ». [انظر: ٢٨٤٧، ٢٩٩٧، ٣٧١٩، ٤١١٣، ٧٢٦١]

زبیر ؓ نے کہا: میں لاؤں گا۔ آپ نے فرمایا: ''میرے پاس دشمن کی خبر کون لائے گا؟'' حضرت زبیر ؓ گویا ہوئے: میں لاؤں گا۔ تب نبی ﷺ نے فرمایا: ''ہر نبی کا ایک مخلص مددگار ہوتا ہے اور میرا مخلص مددگار زبیر ہے۔''

فوائد و مسائل: ① حافظ ابن حجر ؒ لکھتے ہیں: لشکر کشی سے پہلے جاسوس بھیج کر دشمن کے حالات معلوم کرنا جائز امر ہے تاکہ وہ مسلمانوں کی غفلت سے فائدہ اٹھا کر انھیں نقصان نہ پہنچائیں۔[1] ② بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حذیفہ ؓ کو جاسوسی کے لیے بھیجا تھا۔ تو یہ روایت اس کے مخالف نہیں ہے کیونکہ حضرت زبیر ؓ بنو قریظہ کی خبر لانے کے لیے مامور تھے جبکہ حضرت حذیفہ ؓ کو کفار قریش کے حالات معلوم کرنے کے لیے بھیجا گیا تھا، نیز حضرت زبیر ؓ نے ایک ہی مقام پر تین مرتبہ جواب نہیں دیا تھا بلکہ یہ جواب تین مختلف مواقع پر دیا گیا۔

(٤١) بَابُ هَلْ يُبْعَثُ الطَّلِيعَةُ وَحْدَهُ؟

باب: 41- کیا جاسوسی کے لیے ایک شخص کو بھیجا جا سکتا ہے؟

٢٨٤٧ - حَدَّثَنَا صَدَقَةُ: أَخْبَرَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ: حَدَّثَنَا ابْنُ الْمُنْكَدِرِ: أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: نَدَبَ النَّبِيُّ ﷺ النَّاسَ - قَالَ صَدَقَةُ: أَظُنُّهُ يَوْمَ الْخَنْدَقِ - فَانْتَدَبَ الزُّبَيْرُ، ثُمَّ نَدَبَ النَّاسَ فَانْتَدَبَ الزُّبَيْرُ، ثُمَّ نَدَبَ النَّاسَ فَانْتَدَبَ الزُّبَيْرُ، فَقَالَ [النَّبِيُّ] ﷺ: «إِنَّ لِكُلِّ نَبِيٍّ حَوَارِيًّا وَحَوَارِيَّ الزُّبَيْرُ بْنُ الْعَوَّامِ». [راجع: ٢٨٤٦]

[2847] حضرت جابر بن عبداللہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے کسی کام کے لیے لوگوں کو پکارا۔ راوی کہتے ہیں کہ میرے خیال کے مطابق یہ غزوۂ خندق کا واقعہ ہے۔ تو حضرت زبیر ؓ نے جواب دیا، پھر آواز دی تو حضرت زبیر ؓ ہی نے جواب دیا۔ پھر آپ ﷺ نے (تیسری مرتبہ) پکارا تو بھی حضرت زبیر ؓ نے ہی جواب دیا۔ بہر حال تینوں مرتبہ حضرت زبیر ؓ نے جواب دیا تو نبی ﷺ نے فرمایا: ''ہر نبی کا ایک خاص آدمی (مخلص ساتھی) ہوتا ہے، میرا خاص آدمی حضرت زبیر بن عوام ہے۔''

فوائد و مسائل: ① جس شخص کو دشمن کے حالات معلوم کرنے کے لیے بھیجا جائے اسے طلیعة الجیش کہا جاتا ہے۔ ایک حدیث کے مطابق اکیلے آدمی کو سفر کرنے کی ممانعت ہے۔ وہم ہو سکتا تھا کہ جاسوسی کے لیے بھی اکیلا آدمی نہیں بھیجا جا سکتا۔ امام بخاری ؒ نے اس وہم کو دور کرنے کے لیے مذکورہ عنوان اور حدیث پیش کی ہے۔ چونکہ جاسوسی میں حالات کو صیغۂ راز میں

① فتح الباري: 6/66.

رکھا جاتا ہے، اس لیے مناسب ہے کہ ایک ہی آدمی کا انتخاب کیا جائے۔ اسے عام سفر پر محمول کرنا مناسب نہیں اور اس حدیث سے اکیلے آدمی کے سفر کرنے کا مسئلہ کشید کرنا بھی صحیح نہیں۔ اس کی ممانعت اپنی جگہ برقرار ہے۔ ② یہود مدینہ کی ایک شاخ بنوقریظہ سے رسول اللہ ﷺ نے معاہدہ کر رکھا تھا کہ ہم مدینہ طیبہ کا مشترکہ دفاع کریں گے۔ جب کفار قریش نے مدینہ طیبہ پر حملہ کیا تو بنوقریظہ نے عہد شکنی کر کے ان کا ساتھ دیا۔ جب حالات سنگین ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے حالات معلوم کرنے کے لیے لوگوں کو آواز دی۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر اس بھاری بھرکم ذمہ داری کو اٹھایا تو رسول اللہ ﷺ نے خوش ہو کر فرمایا: ''زبیر بن عوام میرے مخلص ساتھی ہیں۔''

(٤٢) بَابُ سَفَرِ الْاِثْنَيْنِ

باب: 42- دو آدمیوں کا سفر کرنا

٢٨٤٨ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ: حَدَّثَنَا أَبُو شِهَابٍ عَنْ خَالِدٍ الْحَذَّاءِ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، عَنْ مَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ قَالَ: انْصَرَفْتُ مِنْ عِنْدِ النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ لَنَا أَنَا وَصَاحِبٌ لِّي: «أَذِّنَا وَأَقِيمَا وَلْيَؤُمَّكُمَا أَكْبَرُكُمَا». [راجع: ٦٢٨]

[2848] حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ جب میں نبی ﷺ کے پاس سے واپس (اپنے گھر) آنے لگا تو آپ ﷺ نے مجھے اور میرے ایک ساتھی سے فرمایا: ''تم میں سے کوئی بھی بوقت ضرورت اذان دے سکتا ہے اور اقامت کہہ سکتا ہے لیکن امامت وہی کرائے جو تم میں بڑا ہو۔''

فوائد ومسائل: ① اس حدیث سے امام بخاری رحمہ اللہ نے دو آدمیوں کے سفر کرنے کو جائز ثابت کیا ہے۔ جس حدیث میں اس کی ممانعت ہے وہ محض ارشاد پر محمول ہے۔ دو آدمیوں کا سفر کرنا حرام نہیں بلکہ بوقت ضرورت ایسا کیا جا سکتا ہے۔ جس حدیث میں اکیلے سفر کرنے کی ممانعت ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اکیلا سفر کرنے والا نافرمان ہے۔ اس پر شیطان حملہ آور ہو سکتا ہے۔ ② واضح رہے کہ عنوان میں اثنین سے مراد دو شخص ہیں۔ سوموار کا دن مراد نہیں جیسا کہ بعض شارحین سے ایسا منقول ہے۔ واللہ أعلم.

(٤٣) بَابٌ: اَلْخَيْلُ مَعْقُودٌ فِي نَوَاصِيهَا الْخَيْرُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ

باب: 43- گھوڑوں کی پیشانیوں کے ساتھ قیامت تک خیر وبرکت باندھ دی گئی ہے

٢٨٤٩ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ: حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «اَلْخَيْلُ فِي نَوَاصِيهَا الْخَيْرُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ». [انظر: ٣٦٤٤]

[2849] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت تک گھوڑے کی پیشانی کے ساتھ خیر وبرکت وابستہ رہے گی۔''

٢٨٥٠ - حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ حُصَيْنٍ، وَابْنِ أَبِي السَّفَرِ عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الْجَعْدِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «اَلْخَيْلُ مَعْقُودٌ فِي نَوَاصِيهَا الْخَيْرُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ».

[2850] حضرت عروہ بن جعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ”گھوڑوں کی پیشانیوں میں قیامت تک خیر و برکت وابستہ ہے۔“

قَالَ سُلَيْمَانُ عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ. تَابَعَهُ مُسَدَّدٌ عَنْ هُشَيْمٍ، عَنْ حُصَيْنٍ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ. [انظر: ٢٨٥٢، ٣١١٩، ٣٦٤٣]

سلیمان نے شعبہ سے، انھوں نے عروہ بن ابوجعد سے اس روایت کو بیان کیا ہے۔

مسدد نے ہشیم سے، انھوں نے حصین سے، انھوں نے شعبی سے، انھوں نے عروہ بن ابوجعد سے روایت کرنے میں سلیمان کی متابعت کی ہے۔

٢٨٥١ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَبِي سَعِيدٍ عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ أَبِي التَّيَّاحِ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «اَلْبَرَكَةُ فِي نَوَاصِي الْخَيْلِ». [انظر: ٣٦٤٥]

[2851] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”گھوڑوں کی پیشانیوں میں خیر و برکت ہے۔“

فائدہ: الخیل سے مراد وہ گھوڑے ہیں جو جہاد کے لیے رکھے گئے ہوں۔ اس قسم کے گھوڑوں میں واقعی بڑی خیر و برکت ہے۔ دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ ان گھوڑوں کا اہتمام کرنے والے کو اپنے فضل و کرم سے نوازے گا اور قیامت کے دن تو اس کا گوبر اور پیشاب تک نامۂ اعمال میں رکھ دے گا۔ اور ان کا وزن کر کے نیکیاں دی جائیں گی۔ ویسے بھی گھوڑا سواری کے جانوروں میں ایک نمایاں حیثیت کا حامل ہے اور وفاشعاری کے اعتبار سے انسانوں کے لیے ایک محبوب جانور ہے، خاص طور پر میدان جنگ میں گھوڑے کی سواری اہمیت رکھتی ہے۔ آج کل جدید دور میں جبکہ بہترین سواریاں ایجاد ہو چکی ہیں اس کے باوجود گھوڑے کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے۔ دنیا کی کوئی ایسی حکومت نہیں جس میں گھڑ سوار فوج کا دستہ نہ ہو۔

(٤٤) بَابٌ: اَلْجِهَادُ مَاضٍ مَعَ الْبَرِّ وَالْفَاجِرِ

باب: 44- حکمران عادل ہو یا ظالم اس کی معیت میں جہاد قیامت تک جاری رہے گا

لِقَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ: «اَلْخَيْلُ مَعْقُودٌ فِي نَوَاصِيهَا الْخَيْرُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ».

نبی ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ”گھوڑوں کی پیشانیوں میں قیامت تک خیر رکھ دی گئی ہے۔“

٢٨٥٢ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ: حَدَّثَنَا زَكَرِيَّا عَنْ عَامِرٍ: حَدَّثَنَا عُرْوَةُ الْبَارِقِيُّ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «اَلْخَيْلُ مَعْقُودٌ فِي نَوَاصِيهَا الْخَيْرُ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، الْأَجْرُ وَالْمَغْنَمُ». [راجع: ٢٨٥٠]

[2852] حضرت عروہ بارقی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''گھوڑوں کی پیشانیوں میں قیامت تک خیر وابستہ ہے جن کے باعث ثواب بھی ملتا ہے اور غنیمت بھی حاصل ہوتی ہے۔''

فوائد ومسائل: ① رسول اللہ ﷺ نے خیر وبرکت کو قیامت تک کے لیے گھوڑوں کی پیشانیوں سے وابستہ قرار دیا ہے، پھر اس ضمن میں اجر وغنیمت کا بھی حوالہ دیا ہے جو جہاد کا نتیجہ اور اس کی برکات ہیں۔ ② اس سے معلوم ہوا کہ جہاد بھی قیامت تک جاری رہے گا۔ پھر یہ بھی معلوم ہوا کہ قیامت تک آنے والے سب حکمران نیکوکار نہیں ہوں گے بلکہ ان میں بدکار بھی ہوں گے تو جہاد کا ہر نیکوکار اور سیاہ کار حکمران کے ہمراہ جائز ہونا ثابت ہوا۔ ③ چونکہ یہ دونوں احادیث امام بخاری رحمہ اللہ کی شرط کے مطابق نہ تھیں، اس لیے عنوان میں ان کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔ الغرض حکمران عادل ہو یا ظالم، نیکوکار ہو یا بدکار، جہاد ہر حکمران کے دور میں درست اور جاری رہے گا کیونکہ یہ اللہ کے دین کے غلبے اور دنیا وآخرت میں سربلندی کا ذریعہ ہے اور اشاعت اسلام کا مفاد بھی اسی سے وابستہ ہے۔

(٤٥) بَابُ مَنِ احْتَبَسَ فَرَسًا [فِي سَبِيلِ اللهِ] لِقَوْلِهِ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿وَمِن رِّبَاطِ ٱلْخَيْلِ﴾ [الأنفال: ٦٠].

باب: 45- جہاد کے لیے گھوڑا رکھنے کی فضیلت

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اور جنگی گھوڑے تیار رکھو۔''

وضاحت: مطلب یہ ہے کہ جب گھوڑے رکھنے کا حکم ہے تو یقیناً سامان جہاد منتقل کرنے کے لیے گھوڑوں کو پالنا بھی باعث فضیلت ہے۔

٢٨٥٣ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حَفْصٍ: حَدَّثَنَا ابْنُ الْمُبَارَكِ: أَخْبَرَنَا طَلْحَةُ بْنُ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ: سَمِعْتُ سَعِيدًا الْمَقْبُرِيَّ يُحَدِّثُ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «مَنِ احْتَبَسَ فَرَسًا فِي سَبِيلِ اللهِ إِيمَانًا بِاللهِ وَتَصْدِيقًا بِوَعْدِهِ فَإِنَّ شِبَعَهُ وَرِيَّهُ وَرَوْثَهُ وَبَوْلَهُ فِي مِيزَانِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ».

[2853] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص ایمان کے پیش نظر اور اللہ کے وعدے کو سچا سمجھتے ہوئے جہاد کے لیے گھوڑا رکھے تو اس کا کھانا، پینا اور گوبر و پیشاب سب قیامت کے دن ان کے اعمال کی ترازو میں رکھے جائیں گے۔''

فوائد ومسائل: ایک روایت میں ہے: ''جو شخص اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کے لیے گھوڑا رکھتا ہے، پھر اپنے ہاتھ سے اس

کی خوراک کا بندوبست کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ خوراک کے ہر دانے کے عوض اس کے نامۂ اعمال میں نیکی لکھ دیتا ہے۔"[1] ② حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ ملکی دفاع کے لیے گھوڑا وقف کرنا جائز ہے۔ گھوڑے کے سوا ہر قسم کی جائیداد، خواہ منقولہ ہو یا غیر منقولہ کا وقف کرنا بالاولیٰ جائز ہوا۔[2] دور حاضر میں آلات ضرب وحرب کی بہت سی قسمیں وجود میں آچکی ہیں جن کے بغیر آج میدان جنگ میں کامیابی مشکل ہے۔ اقوام عالم ان آلات کی فراہمی میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے میں مصروف ہیں۔ جب بھی کسی جگہ پر اسلامی قواعد کے مطابق جہاد کا موقع ہوگا ان آلات کی ضرورت ہوگی، اس اعتبار سے ان سب آلات کی فراہمی دور رسالت میں گھوڑوں کی فراہمی جیسے ثواب کا موجب ہوگی۔ إن شاء الله.

(٤٦) بَابُ اسْمِ الْفَرَسِ وَالْحِمَارِ

باب: 46- گھوڑے اور گدھے کا نام رکھنا

٢٨٥٤ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي بَكْرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا فُضَيْلُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ: عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ خَرَجَ مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَتَخَلَّفَ أَبُو قَتَادَةَ مَعَ بَعْضِ أَصْحَابِهِ وَهُمْ مُحْرِمُونَ وَهُوَ غَيْرُ مُحْرِمٍ، فَرَأَوْا حِمَارَ وَحْشٍ قَبْلَ أَنْ يَرَاهُ، فَلَمَّا رَأَوْهُ تَرَكُوهُ حَتَّى رَآهُ أَبُو قَتَادَةَ فَرَكِبَ فَرَسًا لَهُ - يُقَالُ لَهُ: الْجَرَادَةُ - فَسَأَلَهُمْ أَنْ يُنَاوِلُوهُ سَوْطَهُ فَأَبَوْا فَتَنَاوَلَهُ فَحَمَلَ فَعَقَرَهُ ثُمَّ أَكَلَ فَأَكَلُوا فَنَدِمُوا، فَلَمَّا أَدْرَكُوهُ قَالَ: «هَلْ مَعَكُمْ مِنْهُ شَيْءٌ؟» قَالَ: مَعَنَا رِجْلُهُ فَأَخَذَهَا النَّبِيُّ ﷺ فَأَكَلَهَا.

[راجع: ١٨٢١]

[2854] حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ نکلے اور وہ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ (آپ سے) پیچھے رہ گئے۔ (ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کے) دوسرے ساتھی تو محرم تھے لیکن انھوں نے خود احرام نہیں باندھا تھا۔ ان کے ساتھیوں نے ان سے پہلے ایک گاؤخر دیکھا۔ انھوں نے دیکھتے ہی اسے چھوڑ دیا لیکن قتادہ رضی اللہ عنہ اسے دیکھتے ہی اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے جسے "جرادہ" کہا جاتا تھا۔ انھوں نے اپنے ساتھیوں سے کہا: وہ اسے کوڑا پکڑائیں، لیکن انھوں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا، چنانچہ انھوں نے اسے خود پکڑا اور گاؤخر پر حملہ کر کے اسے زخمی کر دیا۔ پھر انھوں نے خود بھی اس کا گوشت کھایا اور ان کے ساتھیوں نے بھی کھایا، پھر وہ پشیمان ہوئے۔ وہ آپ ﷺ کی خدمت میں آئے تو آپ ﷺ نے پوچھا: "کیا اس کے گوشت میں سے تمھارے پاس کچھ بچا ہوا باقی ہے؟" انھوں نے کہا: ہمارے پاس اس کی ایک ران باقی ہے۔ نبی ﷺ نے اسے لیا اور تناول فرمایا۔

٢٨٥٥ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ جَعْفَرٍ:

[2855] حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے،

① سنن ابن ماجه، الجهاد، حديث: 2791. ② فتح الباري: 71/6.

حَدَّثَنَا مَعْنُ بْنُ عِيسٰى: حَدَّثَنَا أُبَيُّ بْنُ عَبَّاسِ ابْنِ سَهْلٍ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ قَالَ: كَانَ لِلنَّبِيِّ ﷺ فِي حَائِطِنَا فَرَسٌ يُقَالُ لَهُ: اللُّحَيْفُ.

انھوں نے کہا کہ ہمارے باغ میں نبی ﷺ کا ایک گھوڑا تھا جسے لحیف کہا جاتا تھا۔

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: وَقَالَ بَعْضُهُمْ: اللُّخَيْفُ.

ابوعبداللہ (امام بخاری رحمہ اللہ) نے فرمایا: بعض (اہل علم) نے (لُحیف کے بجائے) لُخیف کہا ہے۔

٢٨٥٦ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ: أَنَّهُ سَمِعَ يَحْيَى بْنَ آدَمَ: حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ عَمْرِو بْنِ مَيْمُونٍ، عَنْ مُعَاذٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: كُنْتُ رِدْفَ النَّبِيِّ ﷺ عَلٰى حِمَارٍ يُقَالُ لَهُ: عُفَيْرٌ، فَقَالَ: «يَا مُعَاذُ! وَهَلْ تَدْرِي حَقَّ اللهِ عَلٰى عِبَادِهِ؟ وَمَا حَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللهِ؟» قُلْتُ: اَللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: «فَإِنَّ حَقَّ اللهِ عَلَى الْعِبَادِ أَنْ يَعْبُدُوهُ وَلَا يُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا، وَحَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللهِ أَنْ لَا يُعَذِّبَ مَنْ لَا يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا». فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! أَفَلَا أُبَشِّرُ بِهِ النَّاسَ؟ قَالَ: «لَا تُبَشِّرْهُمْ فَيَتَّكِلُوا». [انظر: ٥٩٦٧، ٦٢٦٧، ٦٥٠٠، ٧٣٧٣]

[2856] حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں ایک مرتبہ نبی ﷺ کے پیچھے گدھے پر سوار تھا اور اس گدھے کا نام عفیر تھا۔ آپ نے فرمایا: ''اے معاذ! اور کیا تم جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کا اس کے بندوں پر کیا حق ہے؟ اور بندوں کا اللہ تعالیٰ پر کیا حق ہے؟'' میں نے عرض کیا: اللہ اور اس کے رسول ہی زیادہ جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ''بندوں پر اللہ کا حق یہ ہے کہ وہ صرف اس کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور بندوں کا اللہ پر حق یہ ہے کہ جو کوئی اس کا شریک نہ ٹھہرائے اللہ تعالیٰ اسے عذاب نہ دے۔'' میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! کیا میں لوگوں کو اس کی بشارت نہ دے دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''لوگوں کو اس کی بشارت نہ دو ورنہ وہ (خالی) توکل کر کے بیٹھ رہیں گے۔''

٢٨٥٧ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ: حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ: سَمِعْتُ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسِ ابْنِ مَالِكٍ [رَضِيَ اللهُ عَنْهُ] قَالَ: كَانَ فَزَعٌ بِالْمَدِينَةِ فَاسْتَعَارَ النَّبِيُّ ﷺ فَرَسًا لَنَا - يُقَالُ لَهُ: مَنْدُوبٌ - فَقَالَ: «مَا رَأَيْنَا مِنْ فَزَعٍ، وَإِنْ وَجَدْنَاهُ لَبَحْرًا». [راجع: ٢٦٢٧]

[2857] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ ایک رات مدینہ طیبہ میں کچھ دہشت سی طاری ہوئی تو نبی ﷺ نے ہمارا ایک گھوڑا مستعار لیا جسے مندوب کہا جاتا تھا۔ پھر آپ نے فرمایا: ''ہم نے تو کوئی خوف کی بات نہیں دیکھی، البتہ ہم نے اس گھوڑے کو سمندر کی طرح (خوب تیز رو) پایا ہے۔''

فوائد ومسائل: ① ان احادیث سے مقصود یہ ہے کہ نام وغیرہ رکھنا صرف انسان کے ساتھ خاص نہیں بلکہ حیوانات کے نام

رکھنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس سلسلے میں چار احادیث پیش کی ہیں۔ پہلی حدیث میں حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کا نام جرادہ ذکر ہوا جبکہ دوسری حدیث میں رسول اللہ ﷺ کے ایک گھوڑے کا نام ''لحیف یا لخیف'' بیان ہوا ہے۔ تیسری حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا گدھے پر سوار ہونا ذکر کیا جس کا نام عفیر تھا اور چوتھی حدیث میں حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کا نام ''مندوب'' بیان ہوا ہے۔ ان احادیث میں صرف گھوڑوں اور گدھے کے نام ہیں۔ دوسری احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ایک ''دلدل'' نامی خچر بھی تھا اور ایک اونٹنی کا نام ''قصواء'' اور دوسری کا نام ''عضباء'' تھا، نیز آپ کی سات بکریاں تھیں جن کے الگ الگ نام تھے۔ ان میں سے ایک کا نام ''عیثہ'' تھا اور رسول اللہ ﷺ کے چوبیس گھوڑے جن کے الگ نام تھے، چنانچہ سکب اور مرتجز کے نام کتب احادیث میں ملتے ہیں۔[1] ② دوسری حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ اگر سواری کا جانور برداشت کر سکتا ہو تو زیادہ افراد اس پر سواری کر سکتے ہیں۔

(٤٧) بَابُ مَا يُذْكَرُ مِنْ شُؤْمِ الْفَرَسِ

باب: 47- گھوڑے کے منحوس ہونے کے متعلق روایات (اور ان کی حقیقت)

٢٨٥٨ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللهِ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: «إِنَّمَا الشُّؤْمُ فِي ثَلَاثَةٍ: فِي الْفَرَسِ، وَالْمَرْأَةِ، وَالدَّارِ». [راجع: ٢٠٩٩]

[2858] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے: ''تین ہی چیزوں، یعنی گھوڑے، عورت اور گھر میں نحوست ہوتی ہے۔''

٢٨٥٩ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي حَازِمِ بْنِ دِينَارٍ، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «إِنْ كَانَ فِي شَيْءٍ فَفِي الْمَرْأَةِ وَالْفَرَسِ وَالْمَسْكَنِ». [انظر: ٥٠٩٥]

[2859] حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''نحوست اگر کسی چیز میں ہے تو وہ عورت، گھوڑے اور گھر میں ہو سکتی ہے۔''

فوائد و مسائل: ① ان احادیث میں تین چیزوں کی تخصیص اس وجہ سے ہے کہ انسان کو زندگی میں ان کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ ان سے بے پروا نہیں ہو سکتا کیونکہ اس نے کسی نہ کسی جگہ رہائش کرنا ہوتی ہے تو مکان کی ضرورت ہے۔ زندگی بسر کرنے کے لیے کسی رفیق کی بھی ضرورت سے انکار نہیں کیا جا سکتا جس کے ساتھ وہ رہائش اختیار کر سکے تو اس کے لیے بیوی کی

[1] عمدة القاري: 172/10.

ضرورت ہے۔ پھر اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے جہاد لازمی ہے، لہٰذا گھوڑے کا پاس ہونا ضروری ہے۔ طویل مدت پاس رہنے سے کبھی انھیں مکروہ چیز بھی لاحق ہو سکتی ہے۔ اسے نحوست سے تعبیر کیا گیا ہے، حالانکہ نحوست و برکت تو اللہ کی طرف سے ہوتی ہے، کوئی چیز بھی ذاتی طور پر منحوس نہیں ہوتی جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی وضاحت فرمائی ہے۔ (2) عورت میں نحوست یہ ہے کہ وہ بانجھ اور بدخلق ہو۔ گھوڑے میں نحوست کے یہ معنی ہیں کہ وہ ضدی، اڑیل مزاج اور سواری کے قابل نہ ہو جس کی وجہ سے وہ جہاد کے کام نہ آ سکے۔ اور گھر میں نحوست یہ ہے کہ وہ تنگ و تاریک، مسجد سے دور اور اس کا ہمسایہ اچھا نہ ہو۔ (3) امام بخاری رحمہ اللہ نے مسئلۂ نحوست حل کرنے کے لیے عجیب انداز اختیار کیا ہے جس سے ان کی جلالت قدر اور دقت فہم کا اندازہ ہوتا ہے، چنانچہ ان کے نزدیک پہلی حدیث میں کلمۂ حصر إنما اپنے اصل معنی پر نہیں بلکہ اس میں تاویل کی گنجائش ہے، چنانچہ دوسری حدیث میں اس طرف اشارہ کیا کہ اگر نحوست نامی کوئی چیز ہوتی تو عورت، گھوڑے اور گھر میں ہوتی، یعنی نحوست حتمی نہیں بلکہ اس کا ممکن ہونا بیان فرمایا۔ اگلے عنوان کے تحت ذکر کردہ حدیث میں گھوڑوں کی تین قسمیں بیان کر کے یہ بتایا کہ یہ نحوست تمام گھوڑوں میں نہیں، ان میں ہو سکتی ہے جو دین کی سربلندی کے لیے نہ رکھے ہوں۔ (4) اس سلسلے میں درج ذیل آیات اس بحث کے متعلق فیصلہ کن حیثیت رکھتی ہیں: ﴿مَا اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ ”جو مصیبت بھی آتی ہے وہ اس کے اذن سے آتی ہے۔“[1] نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿مَا اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا﴾ ”کوئی بھی مصیبت جو زمین میں آتی ہے یا خود تمھارے نفوس کو پہنچتی ہے وہ ہمارے پیدا کرنے سے پہلے ہی ایک کتاب میں لکھی ہوئی ہے۔“[2] نیز فرمایا: ﴿وَمَا اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِیْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَیْدِیْكُمْ وَیَعْفُوْا عَنْ كَثِیْرٍ﴾ ”اور تمھیں جو مصیبت بھی آتی ہے، تمھارے اپنے ہی کرتوتوں کے سبب آتی ہے اور وہ تمھارے بہت سے گناہوں سے درگزر بھی کر جاتا ہے۔“[3] بہرحال نحوست کسی چیز میں ذاتی نہیں ہوتی بلکہ کثرت استعمال کی وجہ سے کسی چیز میں کوئی ناگوار چیز پیدا ہو سکتی ہے۔ ذاتی نحوست، اہل جاہلیت کے خیالات ہیں جن کی شریعت نے تردید فرمائی ہے۔

(٤٨) بَابٌ: اَلْخَيْلُ لِثَلَاثَةٍ

باب: 48- گھوڑے تین قسم کے ہیں

وَقَوْلِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ﴾. [النحل: ٨]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”اور (اللہ نے) گھوڑے خچر اور گدھے اس لیے پیدا کیے ہیں کہ تم ان پر سواری کرو اور وہ تمھارے لیے زینت کا باعث بنیں۔ اور وہ پیدا کرتا ہے جو تم نہیں جانتے۔“

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ نے مذکورہ آیت سے یہ ثابت کیا ہے کہ اگر کوئی زیب و زینت کے لیے گھوڑا رکھتا ہے تو ایسا کرنا جائز ہے بشرطیکہ تکبر اور غرور مقصود نہ ہو اور اس سے گناہ، مثلاً: لوٹ مار کا کام نہ لے۔

---

(1) التغابن 11:64. (2) الحدید 22:57. (3) الشورٰی 30:42.

٢٨٦٠ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ السَّمَّانِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «اَلْخَيْلُ لِثَلَاثَةٍ: لِرَجُلٍ أَجْرٌ، وَلِرَجُلٍ سِتْرٌ، وَعَلَى رَجُلٍ وِزْرٌ، فَأَمَّا الَّذِي لَهُ أَجْرٌ فَرَجُلٌ رَبَطَهَا فِي سَبِيلِ اللهِ فَأَطَالَ فِي مَرْجٍ أَوْ رَوْضَةٍ فَمَا أَصَابَتْ فِي طِيَلِهَا ذٰلِكَ مِنَ الْمَرْجِ أَوِ الرَّوْضَةِ كَانَتْ لَهُ حَسَنَاتٍ، وَلَوْ أَنَّهَا قَطَعَتْ طِيَلَهَا فَاسْتَنَّتْ شَرَفًا أَوْ شَرَفَيْنِ كَانَتْ أَرْوَاثُهَا وَآثَارُهَا حَسَنَاتٍ لَهُ، وَلَوْ أَنَّهَا مَرَّتْ بِنَهَرٍ فَشَرِبَتْ مِنْهُ وَلَمْ يُرِدْ أَنْ يَسْقِيَهَا كَانَ ذٰلِكَ حَسَنَاتٍ لَهُ، وَأَمَّا الرَّجُلُ الَّذِي هِيَ عَلَيْهِ وِزْرٌ فَهُوَ رَجُلٌ رَبَطَهَا فَخْرًا وَرِيَاءً وَنِوَاءً لِأَهْلِ الْإِسْلَامِ فَهِيَ وِزْرٌ عَلَى ذٰلِكَ». وَسُئِلَ رَسُولُ اللهِ ﷺ عَنِ الْحُمُرِ؟ فَقَالَ: «مَا أُنْزِلَ عَلَيَّ فِيهَا إِلَّا هٰذِهِ الْآيَةُ الْجَامِعَةُ الْفَاذَّةُ: ﴿فَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُۥ ۝ وَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُۥ﴾ [الزلزلة: ٧، ٨]». [راجع: ٢٣٧١]

[2860] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”گھوڑے تین قسم کے ہیں: کسی شخص کے لیے ثواب کا ذریعہ، کسی کے لیے بچاؤ کا سبب اور کسی کے لیے گناہ کا باعث ہوتے ہیں۔ ثواب کا ذریعہ تو اس شخص کے لیے ہے جس نے اسے اللہ کی راہ میں باندھا اور اس کی رسی کو چراگاہ یا باغ میں لمبا کر دیا۔ جس قدر وہ چراگاہ یا باغ میں چارا کھائے گا وہ اس کے لیے نیکیاں ہوں گی۔ اور اگر وہ رسی توڑ ڈالے اور وہ ایک یا دو بلندیاں دوڑ جائے تو اس کی لید اور قدموں کے نشانات اس کے لیے نیکیاں ہوں گی۔ اور اگر وہ نہر کے پاس سے گزرے اور وہاں سے پانی پیے، حالانکہ مالک کا اسے پانی پلانے کا ارادہ نہیں تھا تو اس میں اس کے لیے نیکیاں ہوں گی۔ اور جس شخص نے اسے فخر و غرور، نمود و نمائش اور مسلمانوں کے ساتھ دشمنی کے لیے باندھا تو وہ اس کے لیے گناہ کا سبب ہے۔“ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ سے گدھوں کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا: ”ان کے متعلق سوائے اس جامع اور منفرد آیت کے اور کچھ بھی نازل نہیں ہوا: ”جو کوئی ذرہ برابر نیکی کرے گا، اسے دیکھ لے گا (اس کا بدلہ پائے گا)۔ اور جو کوئی ذرہ برابر برائی کرے گا اسے بھی دیکھ لے گا۔“

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں گھوڑوں کی دوسری قسم کا ذکر نہیں ہے۔ دوسری روایات میں اس کا بیان ہے کہ جس نے تونگری کی بنا پر گھوڑوں کو باندھا تاکہ بوقت ضرورت کسی سے مانگنا نہ پڑے اور ان میں اللہ کا حق بھی ادا کیا تو اس قسم کے گھوڑے اس کے لیے بچاؤ اور پردہ پوشی کا باعث ہیں۔ ② امام بخاری ؒ نے دانستہ اس مختصر روایت کا انتخاب کیا ہے تاکہ گھوڑوں میں برکت اور نحوست کی وضاحت کریں، یعنی پہلی قسم کے گھوڑے انسان کے لیے خیر و برکت کا باعث ہیں جو جہاد کے لیے تیار کر رکھے ہیں۔ ان کی برکت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ ان کی لید، پیشاب وغیرہ بھی نامۂ اعمال میں اضافے کا باعث ہوگا جبکہ دوسری قسم میں گھوڑوں کی نحوست کا ذکر ہے کہ جو شخص محض ریاکاری اور مسلمانوں سے دشمنی کی بنا پر گھوڑے باندھتا ہے تو یہ گھوڑے اس کے لیے وبال جان اور قیامت کے دن عذاب و عقاب کا باعث ہوں گے۔ ③ امام بخاری ؒ کا مقصد یہ ہے کہ گھوڑوں میں نحوست ذاتی نہیں بلکہ انسان کے اپنے کردار سے پیدا ہوتی ہے، لہٰذا حیوانات میں ذاتی طور پر نحوست کا عقیدہ رکھنا

دور جاہلیت کی باقیات سے ہے۔ واللہ أعلم.

(٤٩) بَابُ مَنْ ضَرَبَ دَابَّةَ غَيْرِهِ فِي الْغَزْوِ

باب: 49- غزوے میں کسی دوسرے کے جانور کو مارنے کا بیان

٢٨٦١ - حَدَّثَنَا مُسْلِمٌ: حَدَّثَنَا أَبُو عَقِيلٍ: حَدَّثَنَا أَبُو الْمُتَوَكِّلِ النَّاجِيُّ قَالَ: أَتَيْتُ جَابِرَ ابْنَ عَبْدِ اللهِ الْأَنْصَارِيَّ فَقُلْتُ لَهُ: حَدِّثْنِي بِمَا سَمِعْتَ مِنْ رَّسُولِ اللهِ ﷺ، قَالَ: سَافَرْتُ مَعَهُ فِي بَعْضِ أَسْفَارِهِ - قَالَ أَبُو عَقِيلٍ: لَا أَدْرِي غَزْوَةً أَمْ عُمْرَةً - فَلَمَّا أَنْ أَقْبَلْنَا قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «مَنْ أَحَبَّ أَنْ يَّتَعَجَّلَ إِلٰى أَهْلِهِ فَلْيُعَجِّلْ». قَالَ جَابِرٌ: فَأَقْبَلْنَا وَأَنَا عَلٰى جَمَلٍ لِّي أَرْمَكَ لَيْسَ فِيهَا شِيَةٌ وَّالنَّاسُ خَلْفِي، فَبَيْنَا أَنَا كَذٰلِكَ إِذْ قَامَ عَلَيَّ فَقَالَ لِيَ النَّبِيُّ ﷺ: «يَا جَابِرُ! اِسْتَمْسِكْ»، فَضَرَبَهُ بِسَوْطِهِ ضَرْبَةً فَوَثَبَ الْبَعِيرُ مَكَانَهُ، فَقَالَ: «أَتَبِيعُ الْجَمَلَ؟» قُلْتُ: نَعَمْ، فَلَمَّا قَدِمْنَا الْمَدِينَةَ وَدَخَلَ النَّبِيُّ ﷺ الْمَسْجِدَ فِي طَوَائِفِ أَصْحَابِهِ فَدَخَلْتُ عَلَيْهِ وَعَقَلْتُ الْجَمَلَ فِي نَاحِيَةِ الْبَلَاطِ، فَقُلْتُ لَهُ: هٰذَا جَمَلُكَ، فَخَرَجَ فَجَعَلَ يُطِيفُ بِالْجَمَلِ وَيَقُولُ: «اَلْجَمَلُ جَمَلُنَا». فَبَعَثَ النَّبِيُّ ﷺ أَوَاقٍ مِّنْ ذَهَبٍ فَقَالَ: «أَعْطُوهَا جَابِرًا»، ثُمَّ قَالَ: «اِسْتَوْفَيْتَ الثَّمَنَ؟» قُلْتُ: نَعَمْ، قَالَ: «اَلثَّمَنُ وَالْجَمَلُ لَكَ». [راجع: ٤٤٣]

[2861] حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ ایک سفر کیا...... (راویٔ حدیث) ابوعقیل کہتے ہیں کہ مجھے معلوم نہیں وہ سفر جہاد کا تھا یا عمرے کا...... جب ہم فارغ ہو کر واپس ہوئے تو نبی ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص اپنے گھر جلدی جانا چاہے وہ جا سکتا ہے۔'' حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا: پھر جب ہم آگے بڑھے۔ میں اپنے ایک بے داغ سیاہی مائل سرخ اونٹ پر سوار تھا۔ لوگ میرے پیچھے رہ گئے تھے۔ میں ایسی حالت میں سفر کر رہا تھا کہ اچانک میرا اونٹ رُک گیا۔ نبی ﷺ نے مجھ سے فرمایا: ''جابر! اسے روک لو۔'' آپ نے اسے اپنا کوڑا مارا تو وہ اچھل کر چلنے لگا۔ آپ نے پوچھا: ''جابر! کیا تم اپنا اونٹ (مجھے) فروخت کرو گے؟'' میں نے عرض کیا: ہاں۔ جب ہم مدینہ پہنچے اور نبی ﷺ اپنے اصحاب کے ہمراہ مسجد نبوی میں داخل ہوئے تو میں بھی آپ کی خدمت میں پہنچا اور مسجد کے سامنے ایک میدان کے کنارے اپنا اونٹ باندھ دیا اور آپ ﷺ سے کہا: یہ آپ کا اونٹ ہے۔ آپ باہر تشریف لائے اور اونٹ کے اردگرد چکر لگا کر فرمایا: ''اونٹ تو ہمارا ہی ہے۔'' پھر نبی ﷺ نے چند اوقیے سونا بھیجا اور فرمایا: ''یہ جابر کو دے دو۔'' پھر دریافت فرمایا: ''تمھیں اس کی پوری قیمت مل گئی ہے؟'' میں نے عرض کیا: جی ہاں۔ پھر آپ نے فرمایا: ''یہ قیمت اور اونٹ دونوں تمھارے ہیں۔''

فوائد ومسائل: ① مسند احمد کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے فرمایا: ''تم اپنے اونٹ کو بٹھاؤ۔'' میں نے اسے بٹھایا تو آپ نے فرمایا: ''مجھے لکڑی دو۔'' میں نے وہ لکڑی آپ کو تھما دی تو آپ نے اس سے اونٹ کو کئی ایک ٹھونسے دیے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا: ''اب اس پر سوار ہو جاؤ۔'' تو میں اس پر سوار ہو گیا۔[1] ② امام بخاری ؒ نے ثابت کیا ہے کہ کسی مصلحت کے پیش نظر دوسرے کی سواری کو مارنا جائز ہے۔ یہ ظلم یا زیادتی نہیں۔ واضح رہے کہ یہ سفر غزوۂ تبوک سے واپسی کا تھا جیسا کہ بعض روایات میں اس کی صراحت ہے۔[2]

(٥٠) بَابُ الرُّكُوبِ عَلَى الدَّابَّةِ الصَّعْبَةِ وَالْفُحُولَةِ مِنَ الْخَيْلِ

باب: 50- سخت سرکش جانور اور نر گھوڑے کی سواری کرنا

وَقَالَ رَاشِدُ بْنُ سَعْدٍ: كَانَ السَّلَفُ يَسْتَحِبُّونَ الْفُحُولَةَ لِأَنَّهَا أَجْرَى وَأَجْسَرُ.

حضرت راشد بن سعد بیان کرتے ہیں کہ اسلاف نر گھوڑے کی سواری پسند کیا کرتے تھے کیونکہ وہ دوڑتا بھی تیز ہے اور بہادر بھی ہوتا ہے۔

وضاحت: بعض آثار میں ہے کہ شبخون مارتے وقت مادہ گھوڑوں اور قلعوں پر حملہ آور ہونے کی صورت میں نر گھوڑوں کو پسند کرتے تھے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے ہمیشہ نر گھوڑا ہی استعمال کیا ہے۔[3]

٢٨٦٢ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ: أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ بِالْمَدِينَةِ فَزَعٌ فَاسْتَعَارَ النَّبِيُّ ﷺ فَرَسًا لِأَبِي طَلْحَةَ يُقَالُ لَهُ: مَنْدُوبٌ، فَرَكِبَهُ وَقَالَ: «مَا رَأَيْنَا مِنْ فَزَعٍ وَّإِنْ وَّجَدْنَاهُ لَبَحْرًا».

[2862] حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ مدینہ طیبہ میں ایک دفعہ خوف طاری ہوا تو نبی ﷺ نے حضرت ابوطلحہ سے گھوڑا مستعار لیا جسے مندوب کہا جاتا تھا۔ پھر آپ اس پر سوار ہوئے اور فرمایا: ''خوف و ہراس کی کوئی بات ہم نے نہیں دیکھی، بلاشبہ اس (گھوڑے) کو ہم نے (روانی میں) دریا ہی پایا ہے۔''

فوائد ومسائل: ① رسول اللہ ﷺ حضرت ابوطلحہ ؓ کے مندوب نامی گھوڑے پر سوار ہوئے اور اس کی تعریف فرمائی کہ یہ گھوڑا روانی میں دریا کی طرح ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو نر گھوڑے کی سواری پسند تھی۔ ② اس کے نر ہونے پر ضمیر مذکر بھی دلالت کرتی ہے۔ اور نر گھوڑا مادہ کی نسبت زیادہ تیز اور شریر ہوتا ہے اگرچہ بعض اوقات گھوڑی، نر سے بھی زیادہ سخت اور شریر ہوتی ہے لیکن عام طور پر یہ وصف گھوڑوں میں پایا جاتا ہے۔ ③ امام بخاری ؒ کی غرض نر اور شریر گھوڑے پر سوار ہونے کی رغبت دلانا ہے جس پر حضرت راشد بن سعد کا اثر دلالت کرتا ہے۔ واللہ أعلم.

---

① مسند أحمد: 376,375/1. ② صحيح البخاري، الشروط، حديث: 2718. ③ فتح الباري: 82/6.

(٥١) بَابُ سِهَامِ الْفَرَسِ

باب: 51- گھوڑے کا مال غنیمت سے حصہ

وَقَالَ مَالِكٌ: يُسْهَمُ لِلْخَيْلِ وَالْبَرَاذِينِ مِنْهَا لِقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا﴾ [النحل:٨] وَلَا يُسْهَمُ لِأَكْثَرَ مِنْ فَرَسٍ.

امام مالک ؒ نے فرمایا: عربی اور ترکی گھوڑے کا مال غنیمت سے حصہ نکالا جائے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "اور (اللہ نے پیدا کیے) گھوڑے، خچر اور گدھے تاکہ تم ان پر سواری کرو۔" اور ہر سوار کو ایک ہی گھوڑے کا حصہ دیا جائے گا (اگرچہ اس کے پاس کئی گھوڑے ہوں)۔

وضاحت: اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ میں مطلق گھوڑے کا ذکر کیا ہے۔ اس میں عربی گھوڑے کی کوئی تخصیص نہیں ہے، لہٰذا عربی اور ترکی سب گھوڑوں کو برابر حصہ ملے گا، یعنی سوار کو تین حصے: ایک اس کا اپنا حصہ اور دو حصے اس کے گھوڑے کے ہوں گے جبکہ پیدل مجاہد صرف ایک حصے کا حق دار ہوگا۔

٢٨٦٣ - حَدَّثَنَا عُبَيْدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ عَنْ أَبِي أُسَامَةَ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ جَعَلَ لِلْفَرَسِ سَهْمَيْنِ وَلِصَاحِبِهِ سَهْمًا. [انظر: ٤٢٢٨]

[2863] حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مال غنیمت میں سے گھوڑے کے لیے دو حصے اور اس کے مالک کا ایک حصہ مقرر کیا۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے جمہور علماء نے استدلال کیا ہے کہ مال غنیمت سے گھوڑے کے لیے دو حصے اور اس کے مالک کے لیے ایک حصہ ہے، یعنی گھوڑے پر سوار مجاہد کو غنیمت کے مال سے تین حصے اور پیدل مجاہد کو صرف ایک حصہ دیا جائے گا۔ امام مالک، امام شافعی، امام احمد، امام ابو یوسف اور امام محمد ؒ کا یہی مذہب ہے۔ ② امام بخاری ؒ نے اس موقف کی تائید میں حدیث پیش کی ہے جبکہ امام ابو حنیفہ ؒ کا موقف ہے کہ سوار کو دو حصے دیے جائیں لیکن یہ موقف احادیث کے خلاف ہے اور اسے ان کے شاگردوں نے بھی تسلیم نہیں کیا، نیز جس گھوڑے پر مجاہد سوار ہے اسے صرف اس گھوڑے کا حصہ دیا جائے کیونکہ وہ اس کے کام آ رہا ہے اور جس پر سواری نہیں ہوئی اس کا حصہ نہیں نکالا جائے گا۔ دو گھوڑوں پر تو بیک وقت سوار نہیں ہوا جا سکتا کہ اسے دو گھوڑوں کا حصہ دیا جائے۔ واللہ أعلم.

(٥٢) بَابُ مَنْ قَادَ دَابَّةَ غَيْرِهِ فِي الْحَرْبِ

باب: 52- میدان جنگ میں کسی کے گھوڑے کی لگام پکڑ کر اسے چلانا

٢٨٦٤ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ: حَدَّثَنَا سَهْلُ بْنُ يُوسُفَ

[2864] حضرت براء بن عازب ؓ سے روایت ہے

عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ: قَالَ رَجُلٌ لِّلْبَرَاءِ ابْنِ عَازِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَفَرَرْتُمْ عَنْ رَّسُولِ اللهِ ﷺ يَوْمَ حُنَيْنٍ؟ قَالَ: لٰكِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ لَمْ يَفِرَّ، إِنَّ هَوَازِنَ كَانُوا قَوْمًا رُمَاةً وَّإِنَّا لَمَّا لَقِينَاهُمْ حَمَلْنَا عَلَيْهِمْ فَانْهَزَمُوا، فَأَقْبَلَ الْمُسْلِمُونَ عَلَى الْغَنَائِمِ، فَاسْتَقْبَلُونَا بِالسِّهَامِ، فَأَمَّا رَسُولُ اللهِ ﷺ فَلَمْ يَفِرَّ، فَلَقَدْ رَأَيْتُهُ وَإِنَّهُ لَعَلٰى بَغْلَتِهِ الْبَيْضَاءِ، وَإِنَّ أَبَا سُفْيَانَ آخِذٌ بِلِجَامِهَا وَالنَّبِيُّ ﷺ يَقُولُ: «أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ، أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ». [انظر: ٢٨٧٤، ٢٩٣٠، ٣٠٤٢، ٤٣١٥، ٤٣١٦، ٤٣١٧]

کہ ایک شخص نے ان سے پوچھا: کیا تم غزوۂ حنین میں رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر بھاگ گئے تھے؟ انھوں نے کہا لیکن رسول اللہ ﷺ نے پشت نہیں دکھائی۔ قصہ یوں ہوا کہ قبیلۂ ہوازن کے لوگ بڑے تیر انداز تھے۔ پہلے جو ہم نے ان پر حملہ کیا تو وہ بھاگ نکلے، لیکن جب مسلمان مال غنیمت پر ٹوٹ پڑے تو انھوں نے سامنے سے تیر برسانا شروع کر دیے۔ ہم تو بھاگ گئے مگر رسول اللہ ﷺ نہیں بھاگے۔ یقیناً میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ اپنے سفید خچر پر تھے اور حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ اس کی لگام تھامے ہوئے تھے اور نبی ﷺ فرما رہے تھے: ''میں (اللہ کا سچا) نبی ہوں، (اس میں) کوئی جھوٹ نہیں، (اور اس کے ساتھ ساتھ) میں عبدالمطلب کا بیٹا (بھی) ہوں۔''

فائدہ: معلوم ہوا کہ دوران جہاد میں کسی دوسرے سے مدد لی جا سکتی ہے، اس میں کوئی حرج نہیں لیکن غنیمت میں صرف گھوڑے کے مالک کو حصہ ملے گا۔ لگام تھامنے سے اس کا استحقاق ثابت نہیں ہو گا۔ یہ خدمت گزاری فی سبیل اللہ شمار ہوگی۔ واللہ أعلم.

(٥٣) بَابُ الرِّكَابِ وَالْغَرْزِ لِلدَّابَّةِ

باب: 53- جانور کو رکاب اور پائیدان لگانا

٢٨٦٥ - حَدَّثَنِي عُبَيْدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ عَنْ أَبِي أُسَامَةَ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ، عَنْ نَّافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: أَنَّهُ كَانَ إِذَا أَدْخَلَ رِجْلَهُ فِي الْغَرْزِ وَاسْتَوَتْ بِهِ نَاقَتُهُ قَائِمَةً أَهَلَّ مِنْ عِنْدِ مَسْجِدِ ذِي الْحُلَيْفَةِ. [راجع: ١٦٦]

[2865] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے جب اپنا پاؤں رکاب میں رکھا اور آپ کی اونٹنی آپ کو لے کر سیدھی کھڑی ہو گئی تو آپ نے مسجد ذوالحلیفہ کے پاس لبیک کہا۔

فائدہ: اس روایت سے معلوم ہوا کہ عنوان میں رکاب اور پائیدان دونوں ہم معنی ہیں، فرق صرف اتنا ہے کہ رکاب لوہے یا لکڑی کا ہوتا ہے جبکہ غرز چمڑے کا ہوتا ہے۔ کچھ حضرات نے اس طرح فرق کیا ہے کہ رکاب گھوڑے میں ہوتی ہے اور غرز اونٹ میں لگایا جاتا ہے۔

(٥٤) بَابُ رُكُوبِ الْفَرَسِ الْعُرْيِ

٢٨٦٦ - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَوْنٍ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: اِسْتَقْبَلَهُمُ النَّبِيُّ ﷺ عَلٰى فَرَسٍ عُرْيٍ مَّا عَلَيْهِ سَرْجٌ، فِي عُنُقِهِ سَيْفٌ. [راجع: ٢٦٢٧]

باب: 54- گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر سوار ہونا

[2866] حضرت انس ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر جس پر زین نہیں تھی سوار ہو کر صحابۂ کرام ؓ سے آگے نکل گئے تھے۔ آپ کی گردن مبارک میں تلوار لٹک رہی تھی۔

فوائد ومسائل: ① یہ حدیث اس واقعے سے متعلق ہے کہ جب مدینہ طیبہ میں خوف و ہراس پھیلا تھا اور رسول اللہ ﷺ حضرت ابوطلحہ ؓ کا گھوڑا ادھار لے کر آگے نکل گئے تھے۔ ② اس حدیث سے رسول اللہ ﷺ کی تواضع اور عجز وانکسار کا بھی پتہ چلتا ہے، نیز یہ بھی کہ آپ گھوڑ سواری میں پوری مہارت رکھتے تھے، پھر بوقت ضرورت تلوار زیب تن کرنے میں بھی کوئی حرج محسوس نہیں کرتے تھے۔ ③ علمائے کرام کو چاہیے کہ وہ اس طرح کے فنون حرب میں دلچسپی رکھیں۔ جنگ سے متعلق جونئی ایجادات ہیں ان سب کو اس پر قیاس کیا جاسکتا ہے۔

(٥٥) بَابُ الْفَرَسِ الْقَطُوفِ

٢٨٦٧ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى بْنُ حَمَّادٍ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ: حَدَّثَنَا سَعِيدٌ عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ أَهْلَ الْمَدِينَةِ فَزِعُوا مَرَّةً فَرَكِبَ النَّبِيُّ ﷺ فَرَسًا لِّأَبِي طَلْحَةَ كَانَ يَقْطِفُ أَوْ كَانَ فِيهِ قِطَافٌ فَلَمَّا رَجَعَ قَالَ: «وَجَدْنَا فَرَسَكُمْ هٰذَا بَحْرًا»، فَكَانَ بَعْدَ ذٰلِكَ لَا يُجَارٰى. [راجع: ٢٦٢٧]

باب: 55- سست رفتار گھوڑے پر سواری کرنا

[2867] حضرت انس ؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ اہل مدینہ کو کوئی خطرہ محسوس ہوا تو نبی ﷺ حضرت ابوطلحہ ؓ کے گھوڑے پر سوار ہوئے۔ وہ گھوڑا سست رفتار تھا یا اس کی رفتار میں سستی تھی۔ پھر جب آپ واپس آئے تو فرمایا: ”ہم نے تو آپ کے اس گھوڑے کو (روانی میں) دریا جیسا پایا ہے۔“ چنانچہ اس کے بعد کوئی گھوڑا اس سے آگے نہیں نکل سکتا تھا۔

فوائد ومسائل: ① حضرت ابوطلحہ ؓ کا یہ مندوب نامی گھوڑا انتہائی سست رفتار تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی برکت سے وہ ایسا تیز رفتار ہوا کہ کوئی گھوڑا اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا تھا۔ ② رسول اللہ ﷺ نے یہ اقدام فرما کر آئندہ آنے والے اپنے ورثاء کے لیے ایک مثال قائم کر دی کہ وہ ہر موقع پر جرأت اور بہادری کا مظاہرہ کریں اور کسی وقت بھی عوام الناس سے پیچھے نہ رہیں۔

(٥٦) بَابُ السَّبْقِ بَيْنَ الْخَيْلِ

٢٨٦٨ - حَدَّثَنَا قَبِيصَةُ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ

باب: 56- گھڑ دوڑ کا مقابلہ

[2868] حضرت ابن عمر ؓ سے روایت ہے، انھوں

عُبَيْدِ اللهِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: أَجْرَى النَّبِيُّ ﷺ مَا ضُمِّرَ مِنَ الْخَيْلِ مِنَ الْحَفْيَاءِ إِلَى ثَنِيَّةِ الْوَدَاعِ وَأَجْرَى مَا لَمْ يُضَمَّرْ مِنَ الثَّنِيَّةِ إِلَى مَسْجِدِ بَنِي زُرَيْقٍ. قَالَ ابْنُ عُمَرَ: وَكُنْتُ فِيمَنْ أَجْرَى. قَالَ عَبْدُ اللهِ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ: حَدَّثَنِي عُبَيْدُ اللهِ، قَالَ سُفْيَانُ: بَيْنَ الْحَفْيَاءِ إِلَى ثَنِيَّةِ الْوَدَاعِ خَمْسَةُ أَمْيَالٍ أَوْ سِتَّةٌ، وَبَيْنَ ثَنِيَّةَ إِلَى مَسْجِدِ بَنِي زُرَيْقٍ مِيلٌ. [راجع: ٤٢٠]

نے کہا کہ نبی ﷺ نے تیار شدہ گھوڑوں کی دوڑ مقام حفیاء سے ثنیۃ الوداع تک کرائی تھی اور جو گھوڑے تیار شدہ نہیں تھے ان کی دوڑ ثنیۃ الوداع سے مسجد بنو زریق تک کرائی تھی۔ حضرت ابن عمر ؓ نے کہا: میں بھی گھڑ دوڑ کے مقابلے میں حصہ لینے والوں میں سے تھا۔ (راویٔ حدیث) حضرت سفیان کہتے ہیں کہ حفیاء سے ثنیۃ الوداع کا فاصلہ پانچ یا چھ میل تھا اور ثنیۃ الوداع سے مسجد بنو زریق صرف ایک میل کے فاصلے پر ہے۔

فوائد و مسائل: ① گھوڑے کو سخت جان اور چالاک بنانے کو تضمیر کہا جاتا ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ اسے چند روز تک خوب کھلایا پلایا جائے، جب وہ موٹا تازہ ہو جائے تو اس کا دن بدن چارہ کم کر کے اسے دبلا پتلا کیا جائے۔ ایسا گھوڑا بہت پھرتیلا اور تیز دوڑنے والا ہوتا ہے۔ جتنے وقت میں عام گھوڑا ایک میل سفر طے کرتا ہے تیار شدہ گھوڑا پانچ چھ میل سفر طے کر لیتا ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں لوگ ایسا کیا کرتے تھے۔ اسلام نے اسے برقرار رکھا۔ ② جنگی مشقوں کے لیے گھوڑوں میں دوڑ لگانا جائز ہے، البتہ اس میں شرط لگانا حرام ہے۔ ہمارے ہاں جو ریس کلب میں گھوڑ دوڑ ہوتی ہے اس میں جوا بھی ہوتا ہے۔ اس کا جہاد اور جنگی مشقوں سے کوئی تعلق نہیں، لہٰذا ریس کی گھوڑ دوڑ میں شرکت کرنا قطعاً حرام ہے۔ واللّٰہ أعلم.

(٥٧) بَابُ إِضْمَارِ الْخَيْلِ لِلسَّبْقِ

باب: 57- گھڑ دوڑ کے لیے گھوڑوں کو تیار کرنا

٢٨٦٩ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِاللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ سَابَقَ بَيْنَ الْخَيْلِ الَّتِي لَمْ تُضَمَّرْ وَكَانَ أَمَدُهَا مِنَ الثَّنِيَّةِ إِلَى مَسْجِدِ بَنِي زُرَيْقٍ، وَأَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ سَابَقَ بِهَا.

[2869] حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ان گھوڑوں کی دوڑ کرائی تھی جنھیں تیار نہیں کیا گیا تھا اور مقابلے کی حد ثنیۃ الوداع سے لے کر مسجد بنو زریق تک رکھی تھی۔ اور عبداللہ بن عمر ؓ بھی ان لوگوں میں سے تھے جنھوں نے گھوڑے دوڑائے تھے۔

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: أَمَدًا: غَايَةً ﴿فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْأَمَدُ﴾ [الحديد: ١٦]. [راجع: ٤٢٠]

ابو عبداللہ (امام بخاری ؒ) نے کہا کہ حدیث میں (لفظ) أمد کے معنی حد اور انتہا کے ہیں۔ قرآن مجید میں ﴿فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْأَمَدُ﴾ بھی اسی معنی میں ہے، یعنی ان پر وقت کی انتہا طویل ہو گئی۔

فائدہ: حدیث میں ان گھوڑوں کی دوڑ کا ذکر ہے جو تیار شدہ نہیں تھے جبکہ عنوان اس کے برعکس ہے، یعنی اس میں تیار شدہ گھوڑوں کا ذکر ہے۔ دراصل امام بخاری ؒ کی عادت ہے کہ عنوان میں ایک لفظ لا کر حدیث کی طرف اشارہ کرتے ہیں اگرچہ پیش کردہ حدیث میں وہ لفظ نہیں ہوتا۔ اگرچہ اس حدیث میں تیار شدہ گھوڑوں کا ذکر نہیں لیکن اس سے پہلے ایک حدیث میں ان کا ذکر تھا جس کی طرف امام بخاری ؒ نے عنوان میں اشارہ کیا ہے۔ ملاحظہ ہو، حدیث: 2867، لہٰذا یہ حدیث عنوان کے خلاف نہیں۔

(٥٨) بَابُ غَايَةِ السَّبَاقِ لِلْخَيْلِ الْمُضَمَّرَةِ

باب: 58- تیار شدہ گھوڑوں میں مقابلے کی حد کہاں تک ہو؟

٢٨٧٠ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ: حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحَاقَ عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: سَابَقَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بَيْنَ الْخَيْلِ الَّتِي قَدْ أُضْمِرَتْ فَأَرْسَلَهَا مِنَ الْحَفْيَاءِ وَكَانَ أَمَدُهَا ثَنِيَّةَ الْوَدَاعِ. فَقُلْتُ لِمُوسَى: فَكَمْ كَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ؟ قَالَ: سِتَّةُ أَمْيَالٍ أَوْ سَبْعَةٌ. وَسَابَقَ بَيْنَ الْخَيْلِ الَّتِي لَمْ تُضَمَّرْ فَأَرْسَلَهَا مِنْ ثَنِيَّةِ الْوَدَاعِ وَكَانَ أَمَدُهَا مَسْجِدَ بَنِي زُرَيْقٍ، قُلْتُ: فَكَمْ بَيْنَ ذٰلِكَ؟ قَالَ: مِيلٌ أَوْ نَحْوُهُ، وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ مِمَّنْ سَابَقَ فِيهَا. [راجع: ٤٢٠]

[2870] حضرت ابن عمر ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان گھوڑوں کی دوڑ کرائی جنھیں تیار کیا گیا تھا۔ یہ دوڑ مقام حفیاء سے شروع کرائی اور ثنیۃ الوداع اس کی حد تھی۔ (راویٔ حدیث) ابو اسحاق نے (اپنے استاد) موسیٰ سے پوچھا کہ اس کا فاصلہ کتنا تھا؟ تو انھوں نے بتایا کہ چھ یا سات میل۔ پھر آپ ﷺ نے ان گھوڑوں کی بھی دوڑ کرائی جو تیار شدہ نہیں تھے۔ ایسے گھوڑوں کی دوڑ ثنیۃ الوداع سے شروع ہوئی اور اس کی حد مسجد بنو زریق تھی۔ راوی نے پوچھا: اس میں کتنا فاصلہ تھا تو بتایا تقریباً ایک میل۔ حضرت ابن عمر ؓ بھی دوڑ میں شرکت کرنے والوں میں سے تھے۔

فائدہ: گھوڑ دوڑ کے مقابلے کے لیے چند چیزوں کا خیال رکھنا ضروری ہے، جن کی تفصیل یہ ہے: ○ تیار شدہ اور غیر تیار گھوڑوں کی دوڑ کا مقابلہ الگ الگ ہونا چاہیے۔ ○ اس دوڑ کے مقابلے کے لیے حد مقرر ہو جیسا کہ اس حدیث میں مذکور ہے۔ ○ یہ دوڑ عظیم جنگی مقاصد کے لیے ہو محض تفریح طبع مقصود نہیں ہونی چاہیے۔ ○ یہ دوڑ سوار سمیت ہو، اس کے بغیر گھوڑے کے بدکنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ ○ اس دوڑ پر دونوں طرف سے کوئی شرط وغیرہ طے نہ ہو بصورت دیگر یہ کھلا جوا ہوگا جو حرام ہے۔ واضح رہے کہ یہ مقابلہ گھوڑوں، اونٹوں، انسانوں، تیر اندازی اور نیزہ بازی کا بھی ہو سکتا ہے۔

(٥٩) بَابُ نَاقَةِ النَّبِيِّ ﷺ

باب: 59- نبی ﷺ کی اونٹنی کا بیان

وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ: أَرْدَفَ النَّبِيُّ ﷺ أُسَامَةَ

حضرت ابن عمر ؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے

عَلَى الْقَصْوَاءِ. وَقَالَ الْمِسْوَرُ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «مَا خَلَأَتِ الْقَصْوَاءُ».

حضرت اسامہ ؓ کو قصواء نامی اونٹنی پر اپنے پیچھے بٹھایا تھا۔ حضرت مسور ؓ نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''قصواء اونٹنی نے کبھی سرکشی نہیں کی۔''

وضاحت: یہ دونوں معلق روایات خود مصنف ؒ نے موصولاً بیان کی ہیں جو کتاب المغازی (حدیث: 4400) اور کتاب الشروط (حدیث: 2731، 2732) میں گزر چکی ہیں۔

٢٨٧١ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ: حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحَاقَ عَنْ حُمَيْدٍ قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسًا رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ: كَانَتْ نَاقَةُ النَّبِيِّ ﷺ يُقَالُ لَهَا: الْعَضْبَاءُ. [انظر: ٢٨٧٢، ٦٥٠١]

[2871] حضرت انس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ نبی ﷺ کی اونٹنی کا نام عضباء تھا۔

٢٨٧٢ - حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ عَنْ حُمَيْدٍ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ لِلنَّبِيِّ ﷺ نَاقَةٌ تُسَمَّى الْعَضْبَاءَ لَا تُسْبَقُ - قَالَ حُمَيْدٌ: أَوْ لَا تَكَادُ تُسْبَقُ - فَجَاءَ أَعْرَابِيٌّ عَلَى قَعُودٍ فَسَبَقَهَا فَشَقَّ ذٰلِكَ عَلَى الْمُسْلِمِينَ حَتّٰى عَرَفَهُ فَقَالَ: «حَقٌّ عَلَى اللهِ أَنْ لَّا يَرْتَفِعَ شَيْءٌ مِّنَ الدُّنْيَا إِلَّا وَضَعَهُ».

[2872] حضرت انس ؓ ہی سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: نبی ﷺ کی ایک اونٹنی تھی جس کا نام عضباء تھا۔ دوڑ میں اس سے آگے کوئی اونٹنی نہیں بڑھ سکتی تھی...... (راویٔ حدیث) حمید نے یہ الفاظ بیان کیے ہیں کہ اس سے آگے بڑھا ہی نہیں جا سکتا تھا...... آخر ایک دیہاتی ایک نوجوان اونٹ پر سوار ہو کر آیا اور اس سے آگے نکل گیا۔ مسلمانوں پر یہ امر ناگوار گزرا حتی کہ آپ ﷺ نے ان کی ناگواری محسوس کی تو فرمایا: ''اللہ پر حق ہے کہ دنیا کی جو چیز بلند ہے اسے پست کر دے۔''

طَوَّلَهُ مُوسٰى عَنْ حَمَّادٍ عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ. [راجع: ٢٨٧١]

موسیٰ نے حماد سے، انھوں نے ثابت سے، انھوں نے حضرت انس ؓ سے اور انھوں نے نبی ﷺ سے اس حدیث کو طوالت سے بیان کیا ہے۔

فوائد و مسائل: ① سیرت نگار حضرات کا اس امر میں اختلاف ہے کہ عضباء اور قصواء دو اونٹنیوں کے نام ہیں یا اونٹنی صرف ایک تھی اور نام اس کے دو تھے۔ اس کے علاوہ دوسری اونٹنیوں کا ذکر بھی کتب سیرت میں ملتا ہے۔ ② اس حدیث میں اشارہ ہے کہ دنیا کی بڑی سے بڑی چیز آخر زوال پذیر ہے، لہٰذا اس میں دلچسپی رکھنے کی بجائے اپنی آخرت بہتر بنانے کی فکر کرنی چاہیے۔ کہا جاتا ہے: (ہر کمالے را زوالے) ''ہر کمال کو زوال ہے۔''

(٦٠) بَابُ الْغَزْوِ عَلَى الْحَمِيرِ

باب:60-گدھے پر بیٹھ کر جہاد کے لیے جانا

وضاحت: اس عنوان کے تحت امام بخاری ؒ نے کوئی حدیث درج نہیں فرمائی۔ ممکن ہے کہ مشہور حدیث معاذ کا حوالہ دینا چاہتے ہوں کہ رسول اللہ ﷺ کے پیچھے حضرت معاذ ؓ ایک گدھے پر سوار تھے[1] لیکن کسی وجہ سے اسے نہ لکھ سکے۔

(٦١) بَابُ بَغْلَةِ النَّبِيِّ ﷺ الْبَيْضَاءِ

باب:61- نبی ﷺ کے سفید خچر کا بیان

قَالَهُ أَنَسٌ. وَقَالَ أَبُو حُمَيْدٍ: أَهْدَى مَلِكُ أَيْلَةَ لِلنَّبِيِّ ﷺ بَغْلَةً بَيْضَاءَ.

اس سلسلے میں حضرت انس ؓ کا اثر مروی ہے، نیز ابوحمید نے کہا کہ ایلہ کے بادشاہ نے نبی ﷺ کو سفید خچر کا تحفہ پیش کیا تھا۔

وضاحت: حضرت انس ؓ کا قول آئندہ غزوۂ حنین کے ذکر میں آئے گا کہ رسول اللہ ﷺ اس وقت سفید خچر پر سوار تھے۔[2] حضرت ابوحمید سے مروی حدیث کتاب الزکاۃ (حدیث :1481) میں گزر چکی ہے۔ اس مقام پر یہ ذکر کرنا مناسب ہے کہ جس سفید خچر پر رسول اللہ ﷺ غزوۂ حنین میں سوار تھے وہ اس خچر کے علاوہ ہے جس پر آپ نے غزوۂ تبوک میں سواری کی تھی کیونکہ غزوۂ حنین والا خچر فروہ بن نفاثہ نے آپ کو تحفہ دیا تھا جبکہ غزوۂ تبوک والا خچر ایلہ کے بادشاہ نے پیش کیا تھا۔[3]

٢٨٧٣ - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ: حَدَّثَنَا يَحْيَى: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو إِسْحَاقَ قَالَ: سَمِعْتُ عَمْرَو بْنَ الْحَارِثِ قَالَ: مَا تَرَكَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِلَّا بَغْلَتَهُ الْبَيْضَاءَ وَسِلَاحَهُ وَأَرْضًا تَرَكَهَا صَدَقَةً. [راجع: ٢٧٣٩]

[2873] حضرت عمرو بن حارث ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (وفات کے وقت) صرف اپنا سفید خچر، اپنے ہتھیار اور وہ زمین چھوڑی تھی جسے آپ نے صدقہ کر دیا تھا۔

فوائد و مسائل: ① حضرات انبیاء ؑ کے ترکے میں وراثت جاری نہیں ہوتی بلکہ وہ امت کے لیے صدقہ ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے فدک کی زمین کو وراثت بنانے سے معذرت کر لی تھی۔ ② واضح رہے کہ حضرت عمرو بن حارث ؓ حضرت جویریہ ؓ کے بھائی ہیں۔ واللہ أعلم.

٢٨٧٤ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ سُفْيَانَ: حَدَّثَنِي أَبُو

[2874] حضرت براء بن عازب ؓ سے روایت ہے، ان سے ایک آدمی نے پوچھا: اے ابوعمارہ! کیا تم نے غزوۂ

---

1 صحيح البخاري، الجهاد والسير، حديث: 2856. ② فتح الباري: 92/6. 3 صحيح البخاري، المغازي، حديث: 4337.

إِسْحَاقَ عَنِ الْبَرَاءِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ لَهُ رَجُلٌ: يَا أَبَا عُمَارَةَ! وَلَّيْتُمْ يَوْمَ حُنَيْنٍ، قَالَ: لَا، وَاللهِ مَا وَلَّى النَّبِيُّ ﷺ وَلٰكِنْ وَلَّى سَرَعَانُ النَّاسِ فَلَقِيَهُمْ هَوَازِنُ بِالنَّبْلِ وَالنَّبِيُّ ﷺ عَلَى بَغْلَتِهِ الْبَيْضَاءِ، وَأَبُو سُفْيَانَ بْنُ الْحَارِثِ آخِذٌ بِلِجَامِهَا، وَالنَّبِيُّ ﷺ يَقُولُ: «أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ، أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ.» [راجع: ٢٨٦٤]

حنین کے موقع پر پیٹھ پھیر لی تھی؟ انھوں نے فرمایا: اللہ کی قسم! نبی ﷺ میدان جنگ سے پیچھے نہیں ہٹے تھے، البتہ جلد باز قسم کے لوگ بھاگ پڑے تھے جب قبیلۂ ہوازن نے تیروں سے ان کا مقابلہ کیا تھا۔ اس وقت نبی ﷺ سفید خچر پر سوار تھے اور حضرت ابوسفیان بن حارث رضی اللہ عنہ اس کی لگام پکڑے ہوئے تھے، ان حالات میں نبی ﷺ فرما رہے تھے: ”میں نبیٔ برحق ہوں اس میں جھوٹ کو کوئی دخل نہیں۔ میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔“

فوائد و مسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ نے مذکورہ حدیث اس مقصد کے لیے ذکر کی ہے کہ اس میں سفید خچر کا ذکر ہے۔ صحیح مسلم میں ہے: یہ خچر آپ کو فروہ بن نفاثہ نے بطور ہدیہ دیا تھا۔[1] بعض سیرت نگاروں نے لکھا ہے: جس خچر پر آپ نے حنین کے دن سواری کی تھی اس کا نام دلدل تھا اور مقوقس نے آپ کو تحفہ میں دیا تھا۔ اور جو خچر فروہ نے پیش کیا تھا اس کا نام فضہ تھا۔ ہمارے رجحان کے مطابق صحیح مسلم کی روایت راجح اور صحیح ہے کہ مذکورہ خچر حضرت فروہ بن نفاثہ نے دیا تھا۔[2] واللہ أعلم. ② اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جہاد و قتال کے موقع پر مناسب انداز میں اپنے آباء و اجداد کی بہادری کا ذکر کیا جا سکتا ہے۔

(٦٢) بَابُ جِهَادِ النِّسَاءِ

باب: 62- عورتوں کا جہاد کرنا

٢٨٧٥ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ: أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ إِسْحَاقَ، عَنْ عَائِشَةَ بِنْتِ طَلْحَةَ، عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: اسْتَأْذَنْتُ النَّبِيَّ ﷺ فِي الْجِهَادِ فَقَالَ: «جِهَادُكُنَّ الْحَجُّ». [راجع: ١٥٢٠]

[2875] ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے نبی ﷺ سے جہاد کرنے کی اجازت طلب کی تو آپ نے فرمایا: ”تمھارا جہاد حج ہے۔“

وَقَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ الْوَلِيدِ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مُعَاوِيَةَ بِهٰذَا.

(راویٔ حدیث) عبداللہ بن ولید نے کہا: ہم سے سفیان نے، انھوں نے معاویہ سے یہ حدیث بیان کی۔

٢٨٧٦ - حَدَّثَنَا قَبِيصَةُ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مُعَاوِيَةَ بِهٰذَا. وَعَنْ حَبِيبِ بْنِ أَبِي عَمْرَةَ، عَنْ

[2876] ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے روایت ہے کہ نبی ﷺ سے آپ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے جہاد

[1] صحیح مسلم، الجهاد، حدیث: 1775. [2] فتح الباري: 92/6.

عَائِشَةَ بِنْتِ طَلْحَةَ، عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: سَأَلَهُ نِسَاؤُهُ عَنِ الْجِهَادِ؟ فَقَالَ: «نِعْمَ الْجِهَادُ الْحَجُّ». [راجع: ١٥٢٠]

کے لیے اجازت مانگی تو آپ نے فرمایا: ”(تمھارے لیے) حج کرنا بہت عمدہ جہاد ہے۔“

فائدہ: مذکورہ عنوان کے دو معنی ہیں: ایک یہ کہ عورتوں کا جہاد کیا ہے؟ دوسرا عورتوں کے لیے جہاد کا جواز ثابت کرنا ہے۔ یہ دونوں روایات اس پر دلالت کرتی ہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے سائلہ کے سوال پر کوئی اعتراض نہیں کیا، اس لیے عورتوں کا جہاد آپ کی خاموشی سے ثابت ہوا۔ لیکن اس جواز کو عدم فتنہ سے مشروط کیا جائے گا۔ اگر کوئی عورت جہاد میں شریک نہ ہو سکے بلکہ وہ صرف حج کرتی ہے تو اس سفر میں اسے جہاد ہی کا ثواب دیا جائے گا کیونکہ سفر حج، عورتوں کے لیے جہاد سے کم نہیں، البتہ عورتوں کا جہاد میں جانا بھی احادیث سے ثابت ہے جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ آئندہ عنوان کے تحت اسے بیان کریں گے۔

(٦٣) بَابُ غَزْوِ الْمَرْأَةِ فِي الْبَحْرِ

باب: 63- عورت کا جہاد کے لیے سمندری سفر کرنا

٢٨٧٧، ٢٨٧٨ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ عَمْرٍو: حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحَاقَ - هُوَ الْفَزَارِيُّ - عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسًا رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ: دَخَلَ رَسُولُ اللهِ ﷺ عَلَى ابْنَةِ مِلْحَانَ فَاتَّكَأَ عِنْدَهَا، ثُمَّ ضَحِكَ فَقَالَتْ: لِمَ تَضْحَكُ يَا رَسُولَ اللهِ؟ فَقَالَ: «نَاسٌ مِنْ أُمَّتِي يَرْكَبُونَ الْبَحْرَ الْأَخْضَرَ فِي سَبِيلِ اللهِ، مَثَلُهُمْ مَثَلُ الْمُلُوكِ عَلَى الْأَسِرَّةِ»، فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللهِ! أُدْعُ اللهَ أَنْ يَجْعَلَنِي مِنْهُمْ، قَالَ: «اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهَا مِنْهُمْ». ثُمَّ عَادَ فَضَحِكَ فَقَالَتْ لَهُ: مِثْلَ أَوْ مِمَّ ذٰلِكَ، فَقَالَ لَهَا مِثْلَ ذٰلِكَ، فَقَالَتِ: ادْعُ اللهَ أَنْ يَجْعَلَنِي مِنْهُمْ، فَقَالَ: «أَنْتِ مِنَ الْأَوَّلِينَ وَلَسْتِ مِنَ الْآخِرِينَ». قَالَ: قَالَ أَنَسٌ: فَتَزَوَّجَتْ عُبَادَةَ بْنَ الصَّامِتِ فَرَكِبَتِ الْبَحْرَ مَعَ بِنْتِ قَرَظَةَ، فَلَمَّا قَفَلَتْ

[2878,2877] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ حضرت ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے اور ان کے ہاں تکیہ لگا کر سو گئے۔ پھر (جب اٹھے تو) آپ مسکرا رہے تھے۔ انھوں (ام حرام رضی اللہ عنہا) نے پوچھا: اللہ کے رسول! آپ کیوں ہنس رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ”میری امت کے کچھ لوگ اللہ کی راہ میں (جہاد کرنے کے لیے) سبز سمندر پر سوار ہیں، جیسے بادشاہ تخت پر فروکش ہوں۔“ انھوں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! اللہ سے دعا کریں کہ مجھے ان میں سے کر دے۔ آپ نے دعا فرمائی: ”اے اللہ! اسے بھی ان لوگوں میں سے کر دے۔“ پھر آپ دوبارہ (لیٹ کر اٹھے تو) مسکرا رہے تھے تو انھوں نے اس مرتبہ بھی آپ سے وہی سوال کیا تو آپ نے اسی طرح جواب دیا۔ ام حرام نے عرض کیا: آپ دعا کریں کہ اللہ مجھے ان لوگوں میں سے کر دے۔ آپ نے فرمایا: ”تو پہلے لوگوں میں ہو چکی ہے، بعد والوں میں تیری شرکت نہیں ہوگی۔“ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

رَكِبَتْ دَابَّتَهَا فَوَقَصَتْ بِهَا فَسَقَطَتْ عَنْهَا فَمَاتَتْ . [راجع : ٢٧٨٨]

ام حرام بنت ملحان ؓ نے حضرت عبادہ بن صامت ؓ سے نکاح کیا اور بنت قرظہ کے ساتھ انھوں نے سمندر کا سفر کیا۔ جب واپس آئیں تو اپنی سواری پر سوار ہوئیں۔ ان کی سواری اچھلی تو اس سے گر پڑیں اور فوت ہو گئیں۔

فوائد و مسائل: ① حضرت عثمان ؓ کے دور حکومت میں حضرت امیر معاویہ ؓ کی زیر نگرانی مسلمانوں نے پہلا سمندری سفر کیا اور قبرص پر چڑھائی کی۔ اس میں رسول اللہ ﷺ کی پیش گوئی کے مطابق حضرت ام حرام ؓ بھی شریک ہوئیں اور شہادت پائی۔ حضرت امیر معاویہ ؓ کی زوجۂ محترمہ بنت قرظہ بھی آپ کے ہمراہ تھیں۔ ② اس حدیث سے امام بخاری ؒ نے عورتوں کے لیے جہاد میں شرکت کو ثابت کیا ہے، خواہ انھیں بحری سفر ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔ واضح رہے کہ حضرت ام حرام بنت ملحان ؓ رسول اللہ ﷺ کی رضاعی خالہ تھیں، اس لیے آپ کا ان کے گھر آنا جانا تھا۔ واللہ أعلم.

(٦٤) بَابُ حَمْلِ الرَّجُلِ امْرَأَتَهُ فِي الْغَزْوِ دُونَ بَعْضِ نِسَائِهِ

باب: 64- جہاد میں آدمی اپنی ایک بیوی کو چھوڑ کر دوسری کو لے جائے (تو جائز ہے؟)

٢٨٧٩ - حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ النُّمَيْرِيُّ: حَدَّثَنَا يُونُسُ قَالَ: سَمِعْتُ الزُّهْرِيَّ قَالَ: سَمِعْتُ عُرْوَةَ بْنَ الزُّبَيْرِ وَسَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ وَعَلْقَمَةَ بْنَ وَقَّاصٍ وَّعُبَيْدَ اللهِ بْنَ عَبْدِ اللهِ عَنْ حَدِيثِ عَائِشَةَ، كُلٌّ حَدَّثَنِي طَائِفَةً مِّنَ الْحَدِيثِ، قَالَتْ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَّخْرُجَ أَقْرَعَ بَيْنَ نِسَائِهِ فَأَيَّتُهُنَّ يَخْرُجُ سَهْمُهَا خَرَجَ بِهَا النَّبِيُّ ﷺ فَأَقْرَعَ بَيْنَنَا فِي غَزْوَةٍ غَزَاهَا فَخَرَجَ فِيهَا سَهْمِي فَخَرَجْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ بَعْدَمَا أُنْزِلَ الْحِجَابُ . [راجع : ٢٥٩٣]

[2879] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ نبی ﷺ جب کہیں سفر کے لیے روانہ ہوتے تو اپنی بیویوں کے درمیان قرعہ اندازی کرتے۔ جس بیوی کے نام قرعہ نکل آتا اسے نبی ﷺ ہمراہ لے جاتے، چنانچہ آپ نے ایک غزوے میں جانے کے لیے ہم میں قرعہ اندازی کی تو اس میں میرے نام قرعہ نکل آیا۔ میں اس غزوے میں نبی ﷺ کے ساتھ گئی جبکہ حجاب کا حکم نازل ہو چکا تھا۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں صراحت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی بیویوں میں سے کسی ایک بیوی کا انتخاب بذریعہ قرعہ اندازی کرتے تاکہ جہادی سفر میں اسے اپنے ہمراہ لے جائیں۔ ② مذکورہ حدیث ''حدیث افک'' کے نام سے مشہور ہے۔ اس میں حضرت عائشہ ؓ پر تہمت کا واقعہ بیان ہوا ہے جس کی تفصیل آئندہ آئے گی۔ بہر حال پردے کا مطلب یہ نہیں کہ عورت

اپنی کسی ضرورت کے لیے بھی باہر نہ نکلے بلکہ شرعی پردے میں رہتے ہوئے عورت اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے گھر سے باہر نکل سکتی ہے، چنانچہ عہد نبوی میں متعدد خواتین اسلام نے جہادی سفر کیے۔ خود رسول اللہ ﷺ اپنی ازواج کو اس مقدس مشن کی تکمیل کے لیے گھر سے باہر لے جاتے۔ خواتین اسلام زخمی مجاہدین کی مرہم پٹی کرتیں اور ان کے لیے پانی کا اہتمام کرتیں۔ اس کی تفصیل بھی آئندہ احادیث میں آئے گی۔

(٦٥) بَابُ غَزْوِ النِّسَاءِ وَقِتَالِهِنَّ مَعَ الرِّجَالِ

باب: 65- عورتوں کا مردوں کے ساتھ مل کر جہاد و قتال کرنا

٢٨٨٠ - حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: لَمَّا كَانَ يَوْمُ أُحُدٍ انْهَزَمَ النَّاسُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: وَلَقَدْ رَأَيْتُ عَائِشَةَ بِنْتَ أَبِي بَكْرٍ وَّأُمَّ سُلَيْمٍ وَّإِنَّهُمَا لَمُشَمِّرَتَانِ، أَرٰى خَدَمَ سُوقِهِمَا، تَنْقُزَانِ الْقِرَبَ. وَقَالَ غَيْرُهُ: تَنْقُلَانِ الْقِرَبَ عَلٰى مُتُونِهِمَا ثُمَّ تُفْرِغَانِهِ فِي أَفْوَاهِ الْقَوْمِ، ثُمَّ تَرْجِعَانِ فَتَمْلَآنِهَا ثُمَّ تَجِيئَانِ فَتُفْرِغَانِهِ فِي أَفْوَاهِ الْقَوْمِ. [انظر: ٢٩٠٢، ٣٨١١، ٤٠٦٤]

[2880] حضرت انس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: جب احد کی جنگ ہوئی تو کچھ لوگ شکست خوردہ ہو کر نبی ﷺ سے جدا ہو گئے۔ حضرت انس ؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ بنت ابی بکر اور حضرت ام سلیم ؓ کو دیکھا کہ یہ اپنے ازار سمیٹے ہوئے تھیں۔ میں ان کی پنڈلیوں کے پازیب دیکھ رہا تھا، وہ پانی کے مشکیزے بھر کر لاتیں۔ حضرت انس ؓ کے علاوہ دوسروں کا بیان ہے کہ وہ اپنی کمر پر پانی کے مشکیزے اٹھا کر لاتیں، پھر انھیں مجاہدین کے مونہوں میں ڈالتی تھیں، پھر واپس آتیں اور مشکیزے بھر کر لے جاتیں، پھر آ کر لوگوں کے مونہوں میں پانی ڈالتی تھیں۔

فوائد و مسائل: ① زندہ قوموں کی عورتوں میں بھی جذبۂ آزادی بدرجۂ اتم موجود ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ میدان جنگ میں بھی ایسے نمایاں کارنامے کر گزرتی ہیں کہ انھیں دیکھ کر دوسری قومیں حیرت زدہ ہو جاتی ہیں، چنانچہ غزوۂ اُحد میں خواتین اسلام نے ایسے کارنامے دکھائے جو آئندہ عورتوں کے لیے قابل تقلید نمونہ بن گئے۔ وہ مدینہ طیبہ سے اپنے کندھوں پر مشکیزے اٹھا کر لاتیں اور زخموں سے چور مجاہدین کے مونہوں میں پانی ڈالتیں۔ دوسری روایات میں ہے کہ کچھ خواتین زخمی مجاہدین کی مرہم پٹی کرنے پر مامور تھیں۔[1] خواتین کے یہ کام لڑائی کے حکم میں تھے، نیز یہ عورتیں اپنا دفاع بھی کرتی تھیں، اسے خواتین کے لیے قتال کا درجہ دیا گیا۔ ② بہر حال خواتین کا جہاد کے لیے نکلنا جائز ہے تو ان کے لیے قتال بھی جائز ہے۔

---

1 صحیح مسلم، الجهاد، حدیث: 4684 (1812).

(٦٦) بَابُ حَمْلِ النِّسَاءِ الْقِرَبَ إِلَى النَّاسِ فِي الْغَزْوِ

٢٨٨١ - حَدَّثَنَا عَبْدَانُ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ: أَخْبَرَنَا يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ: قَالَ ثَعْلَبَةُ بْنُ أَبِي مَالِكٍ: إِنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَسَمَ مُرُوطًا بَيْنَ نِسَاءٍ مِّنْ نِّسَاءِ الْمَدِينَةِ، فَبَقِيَ مِرْطٌ جَيِّدٌ فَقَالَ لَهُ بَعْضُ مَنْ عِنْدَهُ: يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ! أَعْطِ هٰذَا ابْنَةَ رَسُولِ اللهِ الَّتِي عِنْدَكَ، يُرِيدُونَ أُمَّ كُلْثُومٍ بِنْتَ عَلِيٍّ، فَقَالَ عُمَرُ: أُمُّ سَلِيطٍ أَحَقُّ، وَأُمُّ سَلِيطٍ مِّنْ نِّسَاءِ الْأَنْصَارِ مِمَّنْ بَايَعَ رَسُولَ اللهِ ﷺ، قَالَ عُمَرُ: فَإِنَّهَا كَانَتْ تَزْفِرُ لَنَا الْقِرَبَ يَوْمَ أُحُدٍ.

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: تَزْفِرُ: تَخِيطُ. [انظر: ٤٠٧١]

باب: 66- عورتوں کا میدان جنگ میں مجاہدین کے لیے مشکیزے بھر کر لانا

[2881] حضرت ثعلبہ بن ابو مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مدینہ طیبہ کی خواتین میں کچھ چادریں تقسیم کیں تو ایک بہترین نئی چادر بچ گئی۔ آپ کے قریبی حضرات نے کہا: امیر المومنین! یہ چادر رسول اللہ ﷺ کی بیٹی (نواس) کو عنایت کر دیں جو آپ کے نکاح میں ہے۔ ان کی مراد ام کلثوم بنت علی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ حضرت ام سلیط رضی اللہ عنہا اس کی زیادہ حق دار ہیں۔ اور ام سلیط رضی اللہ عنہا ان انصاری عورتوں میں سے تھیں جنھوں نے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ ام سلیط جنگ اُحد کے دن ہمارے لیے پانی کے مشکیزے اٹھا اٹھا کر لاتی تھیں۔

ابوعبداللہ (امام بخاری رحمہ اللہ) فرماتے ہیں کہ تَزْفِرُ کے معنی ہیں: پھٹے پرانے مشکیزوں کو سی کر لاتی تھیں۔

فوائد ومسائل: ① ام کلثوم سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی بیٹی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ میں پیدا ہوئیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی درخواست پر ان سے نکاح کر دیا تھا، لیکن شیعہ حضرات اسے تسلیم نہیں کرتے بلکہ اسے غصب سے تعبیر کرتے ہیں۔ ② اس حدیث سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مردم شناسی اور انصاف پسندی کا پتہ چلتا ہے کہ انھوں نے ایک بہترین نئی چادر اپنی بیوی ام کلثوم کو دینے کی بجائے حضرت ام سلیط رضی اللہ عنہا کو ان کی خدمات کے صلے میں عطا کی۔ ③ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے عربی لغت میں تَزْفِر کا لفظ سینے کے معنی میں استعمال نہیں ہوتا بلکہ اس کے معنی اٹھانا ہے۔[1] ہمارے رجحان کے مطابق اس کے صحیح معنی یہ ہیں کہ وہ مشکیزے اٹھا کر لاتی تھیں۔

(٦٧) بَابُ مُدَاوَاةِ النِّسَاءِ الْجَرْحَى فِي الْغَزْوِ

باب: 67- دوران جنگ میں عورتوں کا زخمی مجاہدین کی مرہم پٹی کرنا

[1] فتح الباري: 6/98.

٢٨٨٢ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا بِشْرُ ابْنُ الْمُفَضَّلِ: حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ ذَكْوَانَ عَنِ الرُّبَيِّعِ بِنْتِ مُعَوِّذٍ قَالَتْ: كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ نَسْقِي وَنُدَاوِي الْجَرْحٰى وَنَرُدُّ الْقَتْلٰى. [انظر: ٢٨٨٣، ٥٦٧٩]

[2882] حضرت ربیع بنت معوذ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ ہم خواتین نبی ﷺ کے ہمراہ جہاد کے لیے جاتی تھیں۔ مجاہدین کو پانی پلاتی اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں، نیز شہداء کو (مدینہ طیبہ) واپس لانے میں مدد دیتی تھیں۔

فوائد ومسائل: ① جہاد کے موقع پر خواتین گھر کا ٹاٹ بن کر بیٹھی نہیں رہتی تھیں بلکہ سرفروشانہ خدمات انجام دیتی تھیں۔ ② اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بوقت ضرورت اجنبی عورت کسی دوسرے اجنبی مرد کا علاج کر سکتی ہے۔ ③ اس حدیث سے ایک فقہی ضابطہ بھی اخذ کیا گیا ہے کہ ضروریات کے پیش نظر ممنوعہ اشیاء کے استعمال میں کچھ گنجائش نکل آتی ہے۔ ④ واضح رہے کہ مسلم خواتین زخمیوں کو مدینے لاتیں تاکہ وہاں ان کا علاج کیا جائے، البتہ مقتولین کو واپس مدینہ لانے کے بجائے وہاں دفن کرنے کا حکم تھا۔ واللّٰہ أعلم.

(٦٨) بَابُ رَدِّ النِّسَاءِ الْجَرْحٰى وَالْقَتْلٰى

باب: 68- عورتوں کا زخمیوں اور مقتولین کو اٹھا کر لے جانا

٢٨٨٣ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ عَنْ خَالِدِ بْنِ ذَكْوَانَ، عَنِ الرُّبَيِّعِ بِنْتِ مُعَوِّذٍ قَالَتْ: كُنَّا نَغْزُو مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فَنَسْقِي الْقَوْمَ وَنَخْدُمُهُمْ وَنَرُدُّ الْقَتْلٰى وَالْجَرْحٰى إِلَى الْمَدِينَةِ. [راجع: ٢٨٨٢]

[2883] حضرت ربیع بنت معوذ ؓ ہی سے روایت ہے کہ ہم عورتیں نبی ﷺ کے ساتھ جہاد میں شریک ہوتی تھیں۔ مجاہدین کو پانی پلاتیں اور ان کی خدمت کرتی تھیں، نیز زخمیوں اور شہداء کو اٹھا کر مدینہ طیبہ لے جاتی تھیں۔

فوائد ومسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورتیں جہاد میں شریک ہو سکتی ہیں، مجاہدین کو پانی وغیرہ بھی پلا سکتی ہیں، نیز ضرورت کے وقت غیر محرم کا علاج بھی کر سکتی ہیں۔ ② جو عورتیں علاج کرنا جانتی ہوں وہ مجاہدین کی مرہم پٹی کر سکتی ہیں کیونکہ زخم کی جگہ ہاتھ لگانے سے لذت وغیرہ پیدا نہیں ہوتی بلکہ کٹا پھٹا جسم دیکھ کر تو رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور ڈر لگتا ہے، نیز یہ خواتین مجاہدین کو مدینہ طیبہ میں لانے کے لیے مدد دیتی تھیں، البتہ مقتولین کو مدینے لانا محل نظر ہے۔

(٦٩) بَابُ نَزْعِ السَّهْمِ مِنَ الْبَدَنِ

باب: 69- بدن سے تیر نکالنا

٢٨٨٤ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ: حَدَّثَنَا أَبُو

[2884] حضرت ابوموسیٰ اشعری ؓ سے روایت ہے کہ

أُسَامَةَ عَنْ بُرَيْدِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ أَبِي مُوسَى رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: رُمِيَ أَبُو عَامِرٍ فِي رُكْبَتِهِ فَانْتَهَيْتُ إِلَيْهِ فَقَالَ: اِنْزِعْ هٰذَا السَّهْمَ، فَنَزَعْتُهُ فَنَزَا مِنْهُ الْمَاءُ فَدَخَلْتُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فَأَخْبَرْتُهُ، فَقَالَ: «اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِعُبَيْدٍ أَبِي عَامِرٍ». [انظر: ٤٣٢٣، ٦٣٨٣]

ابو عامر رضی اللہ عنہ کے گھٹنے میں تیر لگا تو میں ان کے پاس پہنچا۔ انھوں نے کہا کہ اس تیر کو کھینچ کر نکال لو۔ میں نے اسے کھینچ کر نکالا تو ان کے بدن سے (خون کے بجائے) پانی نکلا۔ میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کو اس (حادثے) کی خبر دی تو آپ نے ان الفاظ سے دعا فرمائی: ''اے اللہ! عبید ابی عامر کو بخش دے۔''

فوائد و مسائل: ① دور حاضر کے آلات جراحی اس وقت نہیں تھے اس بنا پر زخمی مجاہدین کے جسم میں پیوستہ تیر ہاتھوں سے ہی نکالے جاتے تھے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ اس طرح تیر نکالنے سے خود کو ہلاکت میں ڈالنا نہیں بلکہ یہ علاج کا ایک حصہ ہے۔ جب تیر نکالا تو خون کی بجائے پانی بہنے لگا جو موت کی علامت ہے کہ اب اس کے جسم میں خون نہیں رہا۔ ② حضرت ابو عامر رضی اللہ عنہ سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے چچا تھے۔ ③ یہ واقعہ جنگ اوطاس میں پیش آیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے حق میں دعا کرتے ہوئے ایسے کلمات کہے جو عام طور پر شہداء کے لیے استعمال فرمایا کرتے تھے۔ بہرحال زندہ زخمی کے بدن سے تیر نکال لیا جائے اگرچہ اس کے بعد اس کی موت واقع ہو جائے۔ واللہ أعلم.

(٧٠) بَابُ الْحِرَاسَةِ فِي الْغَزْوِ فِي سَبِيلِ اللهِ

باب: 70- جہاد فی سبیل اللہ میں پہرہ دینا

٢٨٨٥ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ خَلِيلٍ: أَخْبَرَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ: أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عَامِرِ بْنِ رَبِيعَةَ قَالَ: سَمِعْتُ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا تَقُولُ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ سَهِرَ فَلَمَّا قَدِمَ الْمَدِينَةَ قَالَ: «لَيْتَ رَجُلًا مِّنْ أَصْحَابِي صَالِحًا يَّحْرُسُنِي اللَّيْلَةَ»، إِذْ سَمِعْنَا صَوْتَ سِلَاحٍ فَقَالَ: «مَنْ هٰذَا؟» فَقَالَ: أَنَا سَعْدُ بْنُ أَبِي وَقَّاصٍ جِئْتُ لِأَحْرُسَكَ، فَنَامَ النَّبِيُّ ﷺ. [انظر: ٧٢٣١]

[2885] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ نبی ﷺ ایک رات بیدار رہے جب مدینہ طیبہ پہنچے تو فرمایا: ''کاش! میرے صحابہ میں سے کوئی نیک مرد آج رات ہماری پاسبانی کرے۔'' پھر ہم نے ہتھیاروں کی آواز سنی تو آپ نے فرمایا: ''یہ کون ہے؟'' اس نے کہا: میں سعد بن ابی وقاص ہوں اور آپ کی پاسبانی کے لیے آیا ہوں۔ اس کے بعد نبی ﷺ محو استراحت ہو گئے۔

فوائد و مسائل: ① ایک روایت میں ہے: رسول اللہ ﷺ اس رات آرام سے سوئے حتی کہ ہم نے آپ کے خراٹوں کی

آواز سنی۔[1] ② ظاہر روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ مدینہ آنے سے پہلے کا ہے، حالانکہ اس وقت آپ کے پاس عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نہیں تھیں اور نہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ہی تھے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ بیداری مدینہ طیبہ میں آنے کے بعد ایک رات پیش آئی جیسا کہ ایک روایت میں ہے: جب آپ بیدار ہوئے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ کے پاس تھیں۔[2] ترمذی کی روایت میں ہے: صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم آپ کا پہرہ دیتے تھے، جب یہ آیت اتری: ﴿وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ﴾ ''اللہ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا''[3] تو آپ نے پہرہ ختم کرا دیا۔[4] ③ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دشمن سے ہر وقت محتاط رہنا چاہیے، نیز لوگوں کو چاہیے کہ وہ اپنے سربراہ کی حفاظت کریں تاکہ کوئی اچانک اسے اذیت نہ دے سکے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ اسباب کی فراہمی توکل کے منافی نہیں کیونکہ توکل دل کا فعل ہے اور اسباب و ذرائع کا استعمال اعضاء و جوارح سے متعلق ہے۔[5]

٢٨٨٦ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا أَبُو بَكْرٍ عَنْ أَبِي حَصِينٍ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «تَعِسَ عَبْدُ الدِّينَارِ وَالدِّرْهَمِ وَالْقَطِيفَةِ وَالْخَمِيصَةِ، إِنْ أُعْطِيَ رَضِيَ، وَإِنْ لَّمْ يُعْطَ لَمْ يَرْضَ».

[2886] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''درہم و دینار اور چادر و کمبل کا غلام (لباس کا پرستار) ہلاک ہو جائے، اگر اسے دیا جائے تو خوش ہے نہ دیا جائے تو ناراض ہے۔''

لَمْ يَرْفَعْهُ إِسْرَائِيلُ وَمُحَمَّدُ بْنُ جُحَادَةَ عَنْ أَبِي حَصِينٍ. [انظر: ٢٨٨٧، ٦٤٣٥]

اسرائیل اور محمد بن جحادہ نے اسے ابوحصین سے مرفوع بیان نہیں کیا۔

٢٨٨٧ - وَزَادَ لَنَا عَمْرٌو قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «تَعِسَ عَبْدُ الدِّينَارِ وَعَبْدُ الدِّرْهَمِ وَعَبْدُ الْخَمِيصَةِ، إِنْ أُعْطِيَ رَضِيَ وَإِنْ لَّمْ يُعْطَ سَخِطَ، تَعِسَ وَانْتَكَسَ، وَإِذَا شِيكَ فَلَا انْتَقَشَ، طُوبٰى لِعَبْدٍ آخِذٍ بِعِنَانِ فَرَسِهِ فِي سَبِيلِ اللهِ أَشْعَثَ رَأْسُهُ، مُغْبَرَّةٍ قَدَمَاهُ، إِنْ كَانَ فِي الْحِرَاسَةِ كَانَ فِي الْحِرَاسَةِ، وَإِنْ كَانَ فِي

[2887] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''ہلاک ہوا درہم و دینار اور منقش چادر کا بندہ، اگر اسے مل جائے تو راضی، نہ ملے تو ناراض۔ اللہ کرے یہ ہلاک ہو جائے۔ سرنگوں ہو کر گر پڑے۔ اگر اسے کانٹا چبھے تو کوئی نہ نکالے۔ اور اس شخص کے لیے خوشخبری ہے جس نے جہاد کے لیے گھوڑے کی باگ پکڑی ہے۔ اس کا سر پراگندہ اور پاؤں خاک آلود ہیں۔ اگر وہ پاسبان ہے تو پاسبانی کرے اور اگر وہ لشکر کے پیچھے حفاظت پر مامور ہو تو لشکر کے پیچھے رہے۔

---

[1] صحيح البخاري، التمني، حديث: 7231. [2] مسند أحمد: 141/6. [3] المآئدة 67:5. [4] جامع الترمذي، تفسير القرآن، حديث: 3046. [5] فتح الباري: 101/6.

السَّاقَةِ كَانَ فِي السَّاقَةِ، إِنِ اسْتَأْذَنَ لَمْ يُؤْذَنْ لَهُ، وَإِنْ شَفَعَ لَمْ يُشَفَّعْ».

اگر وہ (جانے کی) اجازت مانگے تو اجازت نہ ملے اور اگر وہ کسی کی سفارش کرے تو قبول نہ کی جائے۔"

وَقَالَ: فَتَعْسًا، كَأَنَّهُ يَقُولُ: فَأَتْعَسَهُمُ اللهُ. طُوبَى: فُعْلَى، مِنْ كُلِّ شَيْءٍ طَيِّبٍ وَّهِيَ يَاءٌ حُوِّلَتْ إِلَى الْوَاوِ، وَهُوَ مِنْ يَطِيبُ. [راجع: ٢٨٨٦]

امام بخاری رحمہ اللہ نے (قرآن مجید کے لفظ) "تَعْسًا" کی بابت فرمایا: گویا کہ یوں فرمایا جارہا ہے: "اللہ نے انھیں ہلاک کر دیا۔" "طُوبٰی" فُعلٰی کے وزن پر ہے، ہر اچھی پاکیزہ چیز پر بولا جاتا ہے۔ اس میں جو "واؤ" ہے، یہ دراصل "یاء" تھا، یعنی "طُیبی" اس (یاء) کو "واؤ" سے بدلا گیا ہے، اور یہ "یَطِیبُ" سے ہے۔

فوائد و مسائل: ① اپنے کام سے دل جمی رکھنے والے واقعی گم نام اور خاموش طبع ہوتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو کرسی کی چاہت اور شہرت کی طلب نہیں ہوتی۔ دنیاداروں کے ہاں ایسے شخص کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہوتی لیکن اللہ کے ہاں ان کا بہت اونچا مقام ہوتا ہے۔ انھیں اپنے کام سے غرض ہوتی ہے۔ جہاں ان کی ڈیوٹی لگائی جائے وہ اسے پوری طرح انجام دیتے ہیں۔ اگرچہ خلاف طبع امور کیوں نہ پیش آئیں وہ خدمت کی بجا آوری سے سر مو انحراف نہیں کرتے۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ نے اللہ کی راہ میں پہرہ دینے کی فضیلت ثابت کی ہے کہ اس حدیث میں ایک غریب، مخلص مرد مجاہد کے پہرہ دینے کا ذکر ہے جسے اللہ اور اس کے رسول مقبول ﷺ نے پسند فرمایا ہے۔

(٧١) بَابُ [فَضْلِ] الْخِدْمَةِ فِي الْغَزْوِ

باب: 71- جہاد میں خدمت کرنے کی فضیلت

٢٨٨٨ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَرْعَرَةَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ يُونُسَ بْنِ عُبَيْدٍ، عَنْ ثَابِتٍ الْبُنَانِيِّ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: صَحِبْتُ جَرِيرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ فَكَانَ يَخْدُمُنِي وَهُوَ أَكْبَرُ مِنْ أَنَسٍ. قَالَ جَرِيرٌ: إِنِّي رَأَيْتُ الْأَنْصَارَ يَصْنَعُونَ شَيْئًا لَا أَجِدُ أَحَدًا مِّنْهُمْ إِلَّا أَكْرَمْتُهُ.

[2888] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں حضرت جریر بن عبداللہ البجلی رضی اللہ عنہما کے ساتھ تھا اور وہ میری بہت خدمت کرتے تھے، حالانکہ عمر کے اعتبار سے وہ مجھ سے بڑے تھے۔ حضرت جریر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے ہر وقت انصار کو ایک کام کرتے دیکھا ہے، اس لیے ان (انصار) میں سے جب کوئی مجھے ملتا ہے تو میں اس کی عزت و احترام کرتا ہوں۔

فوائد و مسائل: ① وہ بات یہ تھی کہ انصار ہمیشہ رسول اللہ ﷺ سے بہت محبت کیا کرتے اور آپ کی ہر طرح سے خدمت بجالاتے تھے۔ ② اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہے تو اس کی خدمت کرنا عین سعادت

ہے۔ صحیح مسلم میں اتنا اضافہ ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حضرت جریر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہم نشینی سفر میں ہوئی اور سفر عام ہے، خواہ جہاد کا ہو یا غیر جہاد کا۔ اس سے امام بخاری رحمہ اللہ نے دوران جہاد میں خدمت کرنے کی فضیلت کو ثابت کیا ہے۔

٢٨٨٩ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ أَبِي عَمْرٍو مَوْلَى الْمُطَّلِبِ بْنِ حَنْطَبٍ، أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ: خَرَجْتُ مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ إِلَى خَيْبَرَ أَخْدُمُهُ فَلَمَّا قَدِمَ النَّبِيُّ ﷺ رَاجِعًا وَبَدَا لَهُ أُحُدٌ قَالَ: «هٰذَا جَبَلٌ يُحِبُّنَا وَنُحِبُّهُ»، ثُمَّ أَشَارَ بِيَدِهِ إِلَى الْمَدِينَةِ، قَالَ: «اَللّٰهُمَّ إِنِّي أُحَرِّمُ مَا بَيْنَ لَابَتَيْهَا كَتَحْرِيمِ إِبْرَاهِيمَ مَكَّةَ، اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي صَاعِنَا وَمُدِّنَا». [راجع: ٣٧١]

[2889] حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ خیبر کی طرف نکلا تو راستے میں آپ کی خدمت کرتا تھا۔ جب نبی ﷺ واپس تشریف لائے اور احد پہاڑ سامنے ظاہر ہوا تو فرمایا: ''یہ پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔'' پھر آپ نے مدینہ طیبہ کی طرف اپنے ہاتھ سے اشارہ کر کے فرمایا: ''اے اللہ! میں اس کے دونوں پتھر یلے میدانوں کے درمیانی خطے کو حرمت والا قرار دیتا ہوں، جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرمت والا قرار دیا تھا۔ اے اللہ! تو ہمارے صاع اور مد میں برکت عطا فرما۔''

٢٨٩٠ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ دَاوُدَ أَبُو الرَّبِيعِ عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ زَكَرِيَّا: حَدَّثَنَا عَاصِمٌ عَنْ مُوَرِّقٍ الْعِجْلِيِّ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ أَكْثَرُنَا ظِلًّا مَنْ يَسْتَظِلُّ بِكِسَائِهِ، وَأَمَّا الَّذِينَ صَامُوا فَلَمْ يَعْمَلُوا شَيْئًا، وَأَمَّا الَّذِينَ أَفْطَرُوا فَبَعَثُوا الرِّكَابَ وَامْتَهَنُوا وَعَالَجُوا، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «ذَهَبَ الْمُفْطِرُونَ الْيَوْمَ بِالْأَجْرِ».

[2890] حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: ہم نبی ﷺ کے ہمراہ ایک سفر میں تھے۔ ہم میں سے زیادہ بہتر سایہ جو کوئی کرتا، اپنا کمبل تان لیتا۔ جو لوگ روزے سے تھے وہ تو کوئی کام نہ کر سکے اور جن حضرات نے روزہ نہیں رکھا تھا انھوں نے سواریوں کو اٹھایا اور دوسروں کی خوب خوب خدمت کی اور دوسرے تمام کام کیے۔ تب نبی ﷺ نے فرمایا: ''آج تو روزہ نہ رکھنے والوں نے اجر وثواب لوٹ لیا ہے۔''

فوائد و مسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ نے اس عنوان کے تحت تین احادیث ذکر کی ہیں: پہلی حدیث میں بڑے کا چھوٹے کی خدمت کرنا، دوسری حدیث میں چھوٹے کا بڑے کی اور تیسری حدیث میں ہم عمر کی خدمت کرنا مذکور ہے۔ ② ان احادیث سے معلوم ہوا کہ جہاد کے موقع پر مجاہدین کی خدمت کرنا روزے سے زیادہ اجر وثواب کا باعث ہے کیونکہ افطار کرنے والوں کو اپنے عمل کا ثواب ملا اور روزے داروں کے ثواب کے مثل بھی ان کو ثواب ملا۔ چونکہ انھوں نے روزے داروں کی خدمت کی تھی اور ان کی سواریوں کو پانی پلایا اور چارہ ڈالا تھا، اس لیے وہ روزے داروں سے زیادہ ثواب کے حق دار ٹھہرے۔ ③ ان احادیث سے

یہ بھی معلوم ہوا کہ اپنے ہم عمر کی خدمت کرنا جائز ہے بلکہ اپنے سے چھوٹے کی بھی۔ بڑے کی خدمت کرنا تو اخلاق فاضلہ کی علامت ہے۔

(٧٢) بَابُ فَضْلِ مَنْ حَمَلَ مَتَاعَ صَاحِبِهِ فِي السَّفَرِ

باب: 72- اس شخص کی فضیلت جو دوران سفر میں اپنے ساتھی کا سامان اٹھائے

٢٨٩١ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ نَصْرٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ، عَنْ هَمَّامٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «كُلُّ سُلَامَى عَلَيْهِ صَدَقَةٌ كُلَّ يَوْمٍ، يُعِينُ الرَّجُلَ فِي دَابَّتِهِ، يُحَامِلُهُ [عَلَيْهَا] أَوْ يَرْفَعُ عَلَيْهَا مَتَاعَهُ صَدَقَةٌ، وَالْكَلِمَةُ الطَّيِّبَةُ، وَكُلُّ خَطْوَةٍ يَمْشِيهَا إِلَى الصَّلَاةِ صَدَقَةٌ، وَدَلُّ الطَّرِيقِ صَدَقَةٌ».

[راجع: ٢٧٠٧]

[2891] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''روزانہ انسان کے ہر جوڑ پر صدقہ لازم ہے۔ اگر کوئی شخص کسی کی سواری میں مدد کرے کہ اسے سہارا دے کر اس کی سواری پر سوار کرا دے یا اس کا سامان اٹھا کر اس پر رکھ دے تو یہ بھی صدقہ ہے۔ کسی سے بھلی بات کرنا اور نماز کے لیے ہر قدم اٹھانا بھی صدقہ ہے۔ اور کسی کو راستہ بتا دینا بھی صدقہ ہے۔''

فوائد ومسائل: ① اس حدیث میں اگرچہ سفر کا ذکر نہیں ہے بلکہ یہ کلام مطلق ہے جو حالت سفر کو بطریق اولیٰ شامل ہے اور سفر جہاد کے مسافر تو خصوصیت سے یہاں مراد ہیں۔ اگر کوئی بھائی اس مقدس سفر میں اٹک رہا ہے یا اس پر بوجھ زیادہ ہے تو ایسے حالات میں اس کی مدد کرنا بہت بڑا عظیم کام ہے۔ ویسے تو ہر مسافر کی مدد بہت بڑا کار خیر ہے لیکن سفر جہاد میں یہ فضیلت دو چند ہو جاتی ہے۔ ② جب کسی کی سواری پر سہارا دے کر بٹھانا فضیلت کا باعث ہے تو اپنی سواری پر کسی تھکے ماندے کو بٹھانا تو بہت ہی اجر وثواب کا باعث ہے۔[1]

(٧٣) بَابُ فَضْلِ رِبَاطِ يَوْمٍ فِي سَبِيلِ اللهِ

باب: 73- اللہ کی راہ میں سرحد پر ایک دن پہرہ دینے کی فضیلت

وَقَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱصْبِرُوا۟ وَصَابِرُوا۟ وَرَابِطُوا۟ وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾. اَلْآيَةَ [آل عمران: ٢٠٠].

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اے ایمان والو! صبر کرو، پامردی دکھاؤ اور ہر وقت جہاد کے لیے تیار رہو، نیز اللہ سے ڈرتے رہو توقع ہے کہ تم کامیابی حاصل کر لو گے۔''

① فتح الباري: 104/6.

وضاحت: رَابِطُوا میں جہاد کے لیے تیار رہنا، کسی چوکی پر پہرہ دینا، مورچے پر رہنا اور اپنی مملکت کی سرحدوں کی حفاظت کرنا سب کچھ شامل ہے۔ بعض فقہاء رباط کو جہاد فی سبیل اللہ سے بھی زیادہ اہمیت دیتے ہیں کیونکہ جہاد غیر مسلموں سے کیا جاتا ہے جبکہ رباط خود مسلمانوں کی حفاظت کے لیے ہوتا ہے۔ بعض حضرات نے رَابِطُوا کے معنی باہمی روابط اور معاشرتی آداب کو ملحوظ رکھنا کیا ہے لیکن پہلے معنی راجح ہیں۔ واللہ أعلم.

٢٨٩٢ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُنِيرٍ: سَمِعَ أَبَا النَّضْرِ: حَدَّثَنَا عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ عَنْ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «رِبَاطُ يَوْمٍ فِي سَبِيلِ اللهِ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا عَلَيْهَا، وَمَوْضِعُ سَوْطِ أَحَدِكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا عَلَيْهَا، وَالرَّوْحَةُ يَرُوحُهَا الْعَبْدُ فِي سَبِيلِ اللهِ أَوِ الْغَدْوَةُ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا عَلَيْهَا». [راجع: ٢٧٩٤]

[2892] حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ کی راہ میں ایک دن مورچے پر رہنا دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ جنت میں تم میں سے کسی کے کوڑا رکھنے کی جگہ تمام دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ اور کسی شخص کا صبح یا شام کے وقت اللہ کی راہ میں چلنا ساری دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔"

فوائد و مسائل: ① چوکی پہرے کی فضیلت کے متعلق رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: "ایک دن رات پہرہ دینا ایک ماہ کے روزے اور قیام سے بہتر ہے۔ اگر پہرہ دیتے ہوئے کوئی مجاہد شہید ہو گیا تو اس کا یہ عمل برابر جاری رہے گا اور اسے اس پر اجر دیا جائے گا اور وہ فتنوں سے امن میں رہے گا۔"[1] ② سرحد پر دشمن کی نقل و حرکت پر نظر رکھنا تاکہ دشمن مسلمانوں کے علاقے میں گھسنے نہ پائے اور اپنی سرحدوں کی نگرانی کرنا رباط کہلاتا ہے۔ یہ پہرہ دنیا کے تمام ساز و سامان سے بہتر ہے کیونکہ دنیا فانی ہے، اس کا سامان ختم ہونے والا ہے جبکہ پہرہ دینے کے ثمرات باقی رہنے والے ہیں اور جو چیز فنا ہونے والی ہے وہ باقی رہنے والی اشیاء سے کیونکر افضل ہو سکتی ہیں۔

(٧٤) بَابُ مَنْ غَزَا بِصَبِيٍّ لِلْخِدْمَةِ

باب: 74- جو میدان جنگ میں خدمت کے لیے کسی بچے کو لے گیا

٢٨٩٣ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ: حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ عَنْ عَمْرٍو، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ

[2893] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: "اپنے بچوں میں

[1] صحيح مسلم، الإمارة، حديث: 4938 (1913).

النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لِأَبِي طَلْحَةَ: «اِلْتَمِسْ لِي غُلَامًا مِّنْ غِلْمَانِكُمْ يَخْدُمُنِي حَتّٰى أَخْرُجَ إِلٰى خَيْبَرَ»، فَخَرَجَ بِي أَبُو طَلْحَةَ مُرْدِفِيَّ وَأَنَا غُلَامٌ رَّاهَقْتُ الْحُلُمَ، فَكُنْتُ أَخْدُمُ رَسُولَ اللهِ ﷺ إِذَا نَزَلَ، فَكُنْتُ أَسْمَعُهُ كَثِيرًا يَّقُولُ: «اَللّٰهُمَّ أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْهَمِّ وَالْحَزَنِ وَالْعَجْزِ وَالْكَسَلِ، وَالْبُخْلِ وَالْجُبْنِ، وَضَلَعِ الدَّيْنِ، وَغَلَبَةِ الرِّجَالِ»، ثُمَّ قَدِمْنَا خَيْبَرَ، فَلَمَّا فَتَحَ اللهُ عَلَيْهِ الْحِصْنَ ذُكِرَ لَهُ جَمَالُ صَفِيَّةَ بِنْتِ حُيَيِّ بْنِ أَخْطَبَ وَقَدْ قُتِلَ زَوْجُهَا وَكَانَتْ عَرُوسًا فَاصْطَفَاهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ لِنَفْسِهِ فَخَرَجَ بِهَا حَتّٰى بَلَغْنَا سَدَّ الصَّهْبَاءِ حَلَّتْ فَبَنٰى بِهَا ثُمَّ صَنَعَ حَيْسًا فِي نِطَعٍ صَغِيرٍ، ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «آذِنْ مَنْ حَوْلَكَ»، فَكَانَتْ تِلْكَ وَلِيمَةَ رَسُولِ اللهِ ﷺ عَلٰى صَفِيَّةَ، ثُمَّ خَرَجْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ. قَالَ: فَرَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يُحَوِّي لَهَا وَرَاءَهُ بِعَبَاءَةٍ ثُمَّ يَجْلِسُ عِنْدَ بَعِيرِهِ فَيَضَعُ رُكْبَتَهُ فَتَضَعُ صَفِيَّةُ رِجْلَهَا عَلٰى رُكْبَتِهِ حَتّٰى تَرْكَبَ، فَسِرْنَا حَتّٰى إِذَا أَشْرَفْنَا عَلَى الْمَدِينَةِ نَظَرَ إِلٰى أُحُدٍ فَقَالَ: «هٰذَا جَبَلٌ يُّحِبُّنَا وَنُحِبُّهُ»، ثُمَّ نَظَرَ إِلَى الْمَدِينَةِ فَقَالَ: «اَللّٰهُمَّ إِنِّي أُحَرِّمُ مَا بَيْنَ لَابَتَيْهَا بِمِثْلِ مَا حَرَّمَ إِبْرَاهِيمُ مَكَّةَ، اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَهُمْ فِي مُدِّهِمْ وَصَاعِهِمْ».

[راجع: ۳۷۱]

سے کوئی بچہ میرے ساتھ کرو جو غزوۂ خیبر میں میری خدمت کرے جب میں خیبر کا سفر کروں۔'' حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ مجھے اپنے پیچھے بٹھا کر لے گئے۔ میں اس وقت بلوغ کے قریب لڑکا تھا۔ جب بھی رسول اللہ ﷺ راستے میں کہیں پڑاؤ کرتے تو میں آپ کی خدمت کرتا تھا۔ میں بکثرت آپ کو یہ دعا پڑھتے سنتا تھا: ''اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں غم اور پریشانی سے، عاجزی اور کاہلی سے، بخل اور بزدلی سے، قرضے کے بوجھ اور لوگوں کے دباؤ سے۔'' آخر ہم خیبر پہنچے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے جب خیبر کا قلعہ فتح کر دیا تو آپ کے پاس حضرت صفیہ بنت حیی کی خوبصورتی کا تذکرہ ہوا جبکہ اس کا شوہر قتل ہو چکا تھا اور وہ ابھی دلھن ہی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے اپنے لیے مختص فرمایا اور اسے ساتھ لے کر نکلے حتی کہ جب ہم سدّ صہباء پہنچے تو وہ حیض سے پاک ہو گئیں۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے ان سے خلوت کی۔ اس کے بعد آپ نے خاص حلوہ سا تیار کر کے ایک چھوٹے سے دستر خوان پر رکھوایا اور مجھے فرمایا: ''اپنے آس پاس کے لوگوں کو دعوت دے دو۔'' اور یہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے متعلق رسول اللہ کا ولیمہ تھا۔ پھر ہم مدینہ طیبہ کی طرف چلے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی وجہ سے اپنے پیچھے اپنی چادر سے پردہ کیے ہوتے، پھر آپ اپنے اونٹ کے پاس بیٹھ کر اپنا گھٹنا کھڑا رکھتے اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا آپ کے گھٹنے پر اپنا پاؤں رکھ کر اونٹ پر سوار ہو جاتیں۔ ہم چلتے رہے حتی کہ جب ہم مدینہ طیبہ کے قریب پہنچے تو آپ نے احد پہاڑ کو دیکھا اور فرمایا: ''یہ پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔'' پھر مدینہ طیبہ کی طرف نظر اٹھا کر فرمایا: ''اے اللہ! میں اس کے دونوں پتھریلے میدانوں کے درمیانی خطے

کو حرم قرار دیتا ہوں جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم قرار دیا تھا۔ اے اللہ! مدینہ کے لوگوں کو ان کے صاع اور مد میں برکت عطا فرما۔“

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جہادی سفر اور غزوات میں بچوں کو خدمت کے لیے ساتھ لے جانا جائز ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا یہی مقصد ہے، نیز بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کا آغاز غزوۂ خیبر سے کیا۔ اس طرح انھوں نے صرف چار برس تک آپ کی خدمت کی، حالانکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نو یا دس برس خدمت کی تھی۔ دراصل آپ نے عمومی خدمت کا آغاز تو مدینہ طیبہ میں آتے ہی کر دیا تھا، البتہ غزوۂ خیبر کے وقت خصوصی خدمت کا اہتمام فرمایا، یعنی حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے اس جہادی سفر میں خدمت کے لیے آپ کا تعین فرمایا تھا، عمومی خدمات تو پہلے ہی بجالاتے تھے۔ اس حدیث میں کئی ایک واقعات ہیں جن کی موقع و محل کے مطابق تشریح ہوگی۔ باذن اللّٰه تعالٰی.

(٧٥) بَابُ رُكُوبِ الْبَحْرِ

باب: 75- جہاد کے لیے سمندری سفر کرنا

٢٨٩٤، ٢٨٩٥ - حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ يَحْيٰى، عَنْ مُّحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى ابْنِ حَبَّانَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: حَدَّثَتْنِي أُمُّ حَرَامٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ يَوْمًا فِي بَيْتِهَا فَاسْتَيْقَظَ وَهُوَ يَضْحَكُ، قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! مَا يُضْحِكُكَ؟ قَالَ: «عَجِبْتُ مِنْ قَوْمٍ مِّنْ أُمَّتِي يَرْكَبُونَ الْبَحْرَ كَالْمُلُوكِ عَلَى الْأَسِرَّةِ»، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! اُدْعُ اللهَ أَنْ يَّجْعَلَنِي مِنْهُمْ، فَقَالَ: «أَنْتِ مِنْهُمْ»، ثُمَّ نَامَ فَاسْتَيْقَظَ وَهُوَ يَضْحَكُ، فَقَالَ مِثْلَ ذٰلِكَ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا، قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! اُدْعُ اللهَ أَنْ يَّجْعَلَنِي مِنْهُمْ، فَيَقُولُ: «أَنْتِ مِنَ الْأَوَّلِينَ»، فَتَزَوَّجَ بِهَا عُبَادَةُ بْنُ الصَّامِتِ فَخَرَجَ بِهَا إِلَى الْغَزْوِ فَلَمَّا رَجَعَتْ قُرِّبَتْ دَابَّةٌ لِّتَرْكَبَهَا، فَوَقَعَتْ فَانْدَقَّتْ عُنُقُهَا. [راجع: ٢٧٨٨، ٢٧٨٩]

[2895,2894] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، ان سے ام حرام رضی اللہ عنہا نے یہ واقعہ بیان فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن ان کے گھر تشریف لا کر قیلولہ فرمایا۔ جب آپ بیدار ہوئے تو مسکرا رہے تھے۔ انھوں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! آپ کس بات پر مسکرا رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ”مجھے اپنی امت سے ایسے لوگوں کو دیکھ کر خوشی ہوئی جو جہاد کے لیے سمندر میں اس طرح جا رہے تھے جیسے بادشاہ تخت پر فروکش ہوں۔“ میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! اللہ سے دعا کریں کہ وہ مجھے بھی ان میں سے کر دے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تم بھی ان میں سے ہو۔“ اس کے بعد پھر آپ سو گئے۔ جب بیدار ہوئے تو پھر ہنس رہے تھے۔ آپ نے اس مرتبہ بھی وہی بات بتائی۔ ایسا دو یا تین مرتبہ ہوا۔ میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! اللہ سے دعا کریں کہ وہ مجھے بھی ان میں سے کر دے۔ آپ نے فرمایا: ”تم پہلے لوگوں کے ساتھ ہوگی۔“ چنانچہ انھوں نے حضرت

عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے نکاح کیا تو وہ انھیں بحری غزوے میں اپنے ساتھ لے گئے۔ واپسی کے وقت جب وہ سوار ہونے کے لیے اپنی سواری کے قریب ہوئیں تو سوار ہوتے ہی گر پڑیں، جس سے ان کی گردن ٹوٹ گئی (اور انھوں نے شہادت کی موت پائی)۔

فائدہ: ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جو انسان سمندر میں طغیانی کے وقت سفر کرے تو اس کی کوئی ذمہ داری نہیں۔ اگر اسے نقصان ہو تو خود کو ملامت کرے۔''[1] اس حدیث کے پیش نظر بعض اہل علم نے سمندری سفر کو جائز قرار نہیں دیا۔ امام مالک رحمہ اللہ نے عورت کے لیے مطلق طور پر سمندر میں سفر کرنا ناجائز کہا ہے، حالانکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿هُوَ الَّذِي يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ﴾ ''وہی ذات ہے جو تمھیں خشکی اور سمندر میں سفر کرنے کی توفیق دیتی ہے۔''[2] امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث سے ثابت کیا ہے کہ جہاد کے لیے سمندر میں سفر کرنا جائز ہے اور اس میں مردوں اور عورتوں کی کوئی تخصیص نہیں۔ اسی طرح حج کے لیے بھی مردوں اور عورتوں کا سمندری سفر جائز ہے۔ دونوں روایات میں تطبیق یوں ہوگی کہ منع اس صورت میں ہے جب سمندر میں طغیانی ہو یا بلاوجہ سفر ہو۔ جہاد کے لیے یا تجارتی مقاصد کے لیے سفر جائز ہوگا۔ اس حدیث میں صراحت ہے کہ ام حرام رضی اللہ عنہا نے جہاد کے لیے سمندری سفر کیا۔ یہ سفر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور حکومت میں ہوا جب مسلمانوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی کمان میں روم پر حملہ کر کے اسے فتح کیا...... رضی اللہ عنہم......

(٧٦) بَابُ مَنِ اسْتَعَانَ بِالضُّعَفَاءِ وَالصَّالِحِينَ فِي الْحَرْبِ

باب: 76- جس نے جنگ میں ناتواں اور نیک لوگوں کے ذریعے سے مدد چاہی

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: أَخْبَرَنِي أَبُو سُفْيَانَ قَالَ: قَالَ لِي قَيْصَرُ: سَأَلْتُكَ، أَشْرَافُ النَّاسِ اتَّبَعُوهُ أَمْ ضُعَفَاؤُهُمْ؟ فَزَعَمْتَ: ضُعَفَاءَهُمْ وَهُمْ أَتْبَاعُ الرُّسُلِ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: مجھے ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ ان سے شاہ روم قیصر نے کہا: میں نے تم سے پوچھا کہ اس کی اتباع امیر لوگوں نے کی ہے یا غریب و ناتواں لوگوں نے؟ تم نے بتایا کہ اس رسول کی اتباع میں غریب و ناتواں لوگ پیش پیش ہیں۔ دراصل انبیاء علیہم السلام کا پیروکار یہی طبقہ ہوتا ہے۔

وضاحت: غریب لوگوں میں اخلاص زیادہ ہوتا ہے اور اسی اخلاص کی بدولت انھیں حضرات انبیاء علیہم السلام کی پیروی نصیب ہوتی ہے۔ شاہ روم قیصر نے اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حقیقت کو ثابت کرنے کے لیے اس معلق

[1] مسند أحمد: 271/5، و سلسلة الأحاديث الصحيحة: 472/2، حديث: 828. [2] يونس 10:22.

حدیث کا حوالہ دیا ہے۔ یہ حدیث آغاز میں متصل سند سے گزر چکی ہے۔[1]

٢٨٩٦ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ طَلْحَةَ عَنْ طَلْحَةَ، عَنْ مُصْعَبِ بْنِ سَعْدٍ، قَالَ: رَأَى سَعْدُ بْنُ أَبِي وَقَّاصٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ لَهُ فَضْلًا عَلَى مَنْ دُونَهُ. فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «هَلْ تُنْصَرُونَ وَتُرْزَقُونَ إِلَّا بِضُعَفَائِكُمْ؟».

[2896] حضرت مصعب بن سعد سے روایت ہے کہ میرے والد بزرگوار حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ کا خیال تھا کہ انھیں دوسرے (بہت سے) صحابۂ کرام ؓ پر برتری حاصل ہے تو نبی ﷺ نے فرمایا: ''تمھاری جو کچھ مدد کی جاتی ہے اور تمھیں جو رزق دیا جاتا ہے وہ تمھارے کمزور لوگوں کی وجہ سے ہے۔''

فوائد و مسائل: ① حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ کو اپنی دولت مندی، شجاعت اور تیر اندازی میں مہارت کی وجہ سے دل میں خیال آیا کہ وہ دوسروں سے برتر ہیں تو رسول اللہ ﷺ نے انھیں عاجزی اور تواضع اختیار کرنے کی ترغیب دی اور انھیں بتایا کہ انھی نیک فطرت اور پریشان حال لوگوں کی دعاؤں سے تمھیں مدد ملتی ہے اور انھی کی برکت سے تمھیں رزق میسر آتا ہے کیونکہ ان کی عبادت میں اخلاص اور ان کی دعاؤں میں خشوع ہوتا ہے، نیز دنیاوی زیب و زینت سے ان کے دل خالی ہوتے ہیں۔ ② امام بخاری ؒ نے ثابت کیا ہے کہ ایک مجاہد اگر اپنی بہادری کی وجہ سے اللہ کے ہاں مرتبہ حاصل کرتا ہے تو ایک کمزور و ناتواں اپنی مسکینی اور عاجزی کی بنا پر اللہ کے ہاں مقام بنا لیتا ہے۔ غالبًا اسی وجہ سے میدان جنگ میں اترنے والے تمام مجاہدین مال غنیمت میں برابر کے شریک ہوتے ہیں۔ بہادر اپنی بہادری کی وجہ سے اور کمزور اپنی مخلصانہ دعاؤں کی وجہ سے، اس لیے میدان جنگ میں کمزور لوگوں سے کامیابی کی دعا کرانا بہت ہی خیر و برکت کا باعث ہے۔

٢٨٩٧ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرٍو: سَمِعَ جَابِرًا عَنْ أَبِي سَعِيدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «يَأْتِي زَمَانٌ يَغْزُو فِئَامٌ مِّنَ النَّاسِ فَيُقَالُ: فِيكُمْ مَّنْ صَحِبَ النَّبِيَّ ﷺ؟ فَيُقَالُ: نَعَمْ، فَيُفْتَحُ عَلَيْهِ، ثُمَّ يَأْتِي زَمَانٌ فَيُقَالُ: فِيكُمْ مَّنْ صَحِبَ أَصْحَابَ النَّبِيِّ ﷺ؟ فَيُقَالُ: نَعَمْ، فَيُفْتَحُ، ثُمَّ يَأْتِي زَمَانٌ، فَيُقَالُ: فِيكُمْ مَّنْ صَحِبَ صَاحِبَ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ؟ فَيُقَالُ: نَعَمْ، فَيُفْتَحُ».

[2897] حضرت ابوسعید خدری ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ لوگ جہاد کریں گے تو کہا جائے گا: تم میں کوئی ایسا شخص ہے جو نبی ﷺ کا صحبت یافتہ ہو؟ جواب دیا جائے گا: ہاں، تو اس (کے ہاتھ) پر فتح دی جائے گی۔ پھر ایک زمانہ آئے گا لوگ پوچھیں گے: آیا تم میں کوئی ایسا شخص بھی ہے جس نے رسول اللہ ﷺ کے صحابۂ کرام ؓ کی ہم نشینی کی ہو؟ جواب دیا جائے گا: ہاں، تو اس کے ذریعے سے (جب دعا مانگی جائے گی تو) فتح دی جائے گی۔ پھر ایک

1 صحيح البخاري، بدء الوحي، حديث: 7.

[انظر: ٣٥٩٤، ٣٦٤٩]

وقت آئے گا کہ پوچھا جائے گا: کیا تم میں کوئی ایسا شخص ہے جس نے رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کی صحبت اٹھانے والوں کو دیکھا ہو؟ جواب دیا جائے گا: ہاں، تو (اس کی دعا کے واسطے سے) فتح دی جائے گی۔"

فوائد و مسائل: ① رسول اللہ ﷺ کی اس پیش گوئی کے مطابق مذکورہ خیر و برکت صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین عظام اور تبع تابعین رحمہم اللہ کے حصے میں آئی۔ ان کی دعاؤں کی وجہ سے فتوحات حاصل ہوئیں۔ یہ حضرات اگرچہ دنیاوی معاملات میں کمزور تھے لیکن امور آخرت میں بڑے قوی اور مضبوط تھے۔ ② ایک حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تمام زمانوں سے بہتر میرا زمانہ ہے، پھر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور پھر تابعین عظام کا۔"[1] ان خیر و برکت کے زمانوں میں مسلمان صحیح معنوں میں مسلمان تھے۔ ان کی دعاؤں کو قبول عام حاصل تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء کی شان ان الفاظ میں بیان کی ہے: "وہ اپنے ایمان میں پختہ اور تقویٰ میں کامل ہوتے ہیں۔"[2] ③ علامہ ابن بطال رحمہ اللہ کہتے ہیں: کمزور لوگ دعا کرتے وقت اخلاص میں بہت آگے اور عبادت میں ان کا خشوع زیادہ ہوتا ہے۔ ان کے دل دنیاوی زیب و زینت سے پاک ہوتے ہیں، اس لیے کمزور لوگوں سے دعا کرانا بہت ہی خیر و برکت کا باعث ہے۔[3]

(٧٧) بَابٌ: لَا يُقَالُ: فُلَانٌ شَهِيدٌ

باب: 77- قطعی طور پر نہ کہا جائے کہ فلاں شہید ہے

وَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: «اَللهُ أَعْلَمُ بِمَنْ يُجَاهِدُ فِي سَبِيلِهِ، وَاللهُ أَعْلَمُ بِمَنْ يُكْلَمُ فِي سَبِيلِهِ».

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کے حوالے سے فرمایا: "اللہ خوب جانتا ہے کہ کون اس کے راستے میں جہاد کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے کہ کون اس کے راستے میں زخمی ہوتا ہے۔"

وضاحت: قطعی طور پر کسی کو شہید نہیں کہنا چاہیے، ہاں وہ لوگ اس بات کے حق دار ہیں جنھیں رسول اللہ ﷺ نے جنتی قرار دیا ہو۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے خطبے میں فرمایا: "تم اپنی جنگوں میں کہتے ہو: فلاں شہید ہے۔ ایسا مت کہو بلکہ اس طرح کہو جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے کہا: "جو اللہ کے راستے میں فوت ہوا یا قتل ہوا وہ شہید ہے۔"[4]

٢٨٩٨ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ: حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ

[2898] حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی مشرکین سے مڈبھیڑ ہوگئی اور جنگ

① صحيح البخاري، الشهادات، حديث: 2651. ² يونس 10: 63. ③ فتح الباري: 109/6. ④ صحيح البخاري، الجهاد، حديث: 2787، 2803.

السَّاعِدِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ الْتَقَى هُوَ وَالْمُشْرِكُونَ فَاقْتَتَلُوا، فَلَمَّا مَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِلَى عَسْكَرِهِ وَمَالَ الْآخَرُونَ إِلَى عَسْكَرِهِمْ، وَفِي أَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ ﷺ رَجُلٌ لَا يَدَعُ لَهُمْ شَاذَّةً وَّلَا فَاذَّةً إِلَّا اتَّبَعَهَا يَضْرِبُهَا بِسَيْفِهِ، فَقَالَ: مَا أَجْزَأَ مِنَّا الْيَوْمَ أَحَدٌ كَمَا أَجْزَأَ فُلَانٌ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أَمَا إِنَّهُ مِنْ أَهْلِ النَّارِ»، فَقَالَ رَجُلٌ مِّنَ الْقَوْمِ: أَنَا صَاحِبُهُ. قَالَ: فَخَرَجَ مَعَهُ كُلَّمَا وَقَفَ وَقَفَ مَعَهُ، وَإِذَا أَسْرَعَ أَسْرَعَ مَعَهُ، قَالَ: فَجُرِحَ الرَّجُلُ جُرْحًا شَدِيدًا فَاسْتَعْجَلَ الْمَوْتَ فَوَضَعَ نَصْلَ سَيْفِهِ فِي الْأَرْضِ وَذُبَابَهُ بَيْنَ ثَدْيَيْهِ، ثُمَّ تَحَامَلَ عَلَى سَيْفِهِ فَقَتَلَ نَفْسَهُ، فَخَرَجَ الرَّجُلُ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالَ: أَشْهَدُ أَنَّكَ رَسُولُ اللهِ، قَالَ: «وَمَا ذَاكَ؟» قَالَ: الرَّجُلُ الَّذِي ذَكَرْتَ آنِفًا أَنَّهُ مِنْ أَهْلِ النَّارِ فَأَعْظَمَ النَّاسُ ذٰلِكَ فَقُلْتُ: أَنَا لَكُمْ بِهِ، فَخَرَجْتُ فِي طَلَبِهِ ثُمَّ جُرِحَ جُرْحًا شَدِيدًا، فَاسْتَعْجَلَ الْمَوْتَ فَوَضَعَ نَصْلَ سَيْفِهِ فِي الْأَرْضِ وَذُبَابَهُ بَيْنَ ثَدْيَيْهِ، ثُمَّ تَحَامَلَ عَلَيْهِ فَقَتَلَ نَفْسَهُ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ عِنْدَ ذٰلِكَ: «إِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ عَمَلَ أَهْلِ الْجَنَّةِ فِيمَا يَبْدُو لِلنَّاسِ وَهُوَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ، وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ عَمَلَ أَهْلِ النَّارِ فِيمَا يَبْدُو لِلنَّاسِ وَهُوَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ». [انظر: ٤٢٠٣، ٤٢٠٧، ٦٤٩٣، ٦٦٠٧]

چھڑ گئی۔ پھر رسول اللہ ﷺ جب اپنے پڑاؤ کی طرف واپس ہوئے اور مشرکین اپنے پڑاؤ کی طرف روانہ ہوئے تو رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کے ساتھ ایک شخص تھا جو مشرکین میں سے الگ ہونے والے یا اکیلے شخص کو نہیں چھوڑتا تھا۔ وہ اس (الگ ہونے والے) کا پیچھا کرتا اور اپنی تلوار سے وار کر کے اس کا کام تمام کر دیتا۔ حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے اس کے متعلق کہا: آج جس قدر بے جگری سے فلاں شخص لڑا ہے ہم میں سے کوئی بھی اس طرح نہیں لڑ سکا۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس کے متعلق فرمایا: ''وہ تو اہل جہنم سے ہے۔'' مسلمانوں میں سے ایک شخص نے کہا: میں اس کا پیچھا کروں گا۔ یہ شخص بھی اس کے ساتھ نکلا، جہاں وہ رک جاتا یہ بھی اس کے ہمراہ ٹھہر جاتا اور جب وہ جلدی چلتا تو یہ بھی اس کے ہمراہ جلدی چلتا۔ راوی بیان کرتے ہیں کہ آخر وہ شخص شدید زخمی ہو گیا اور زخموں سے تنگ آ کر اس نے جلد ہی موت کو دعوت دی کہ تلوار کا پھل تو اس نے زمین پر رکھ دیا اور اس کی دھار کو اپنے سینے کے مقابلے میں کر لیا، پھر اپنی تلوار پر جھک کر اپنے آپ کو قتل کر لیا۔ اب وہ (پیچھا کرنے والے) صحابی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے: میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ آپ نے پوچھا: ''کیا بات ہے؟'' اس نے کہا: وہ شخص جس کے متعلق آپ نے فرمایا تھا کہ وہ جہنمی ہے اور لوگوں پر آپ کا یہ فرمان بہت گراں گزرا تھا، میں نے ان سے کہا کہ میں تم سب لوگوں کی طرف سے اس کے متعلق تحقیق کرتا ہوں، چنانچہ میں اس کے پیچھے ہو لیا۔ اس کے بعد وہ شخص شدید زخمی ہوا اور جلد ہی موت کو دعوت دی کہ اس نے اپنی تلوار کا پھل زمین پر رکھ کر اس کی دھار کو اپنے سینے کے مقابل کر لیا، پھر اس پر خود کو گرا کر اپنے آپ کو قتل

کرلیا۔ تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ایک شخص زندگی بھر بظاہر اہل جنت کے سے کام کرتا ہے، حالانکہ وہ جہنمی ہوتا ہے اور ایک آدمی بظاہر اہل دوزخ کے سے کام کرتا ہے، حالانکہ وہ اہل جنت سے ہوتا ہے۔''

فوائد و مسائل: ① وہ شخص بظاہر میدان جہاد میں بڑا مجاہد معلوم ہو رہا تھا اور بڑی بے جگری سے لڑ رہا تھا مگر اس کی قسمت میں جہنم لکھی ہوئی تھی جس کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے بذریعۂ وحی خبر دے دی تھی۔ آخر وہی کچھ ہوا۔ وہ خودکشی سے حرام موت مرا اور دوزخ میں داخل ہوا۔ اس بنا پر میدان جنگ میں ہر مرنے والا شہید نہیں ہوتا اور نہ اسے شہید ہی کہنا چاہیے۔ ممکن ہے کہ وہ شخص منافق یا ریاکار ہو، البتہ شریعت کے ظاہری احکام کے مطابق اسے شہداء کا حکم دیا جائے گا۔ ② اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خاتمے کا اعتبار ہے اور اللہ تعالیٰ بعض اوقات کافر و منافق سے اپنے دین کی مدد لے لیتا ہے۔ ③ شَاذَّہ اس شخص کو کہتے جو لوگوں میں رہنے سہنے کے بعد ان سے الگ ہو جائے۔ فَاذَّہ وہ ہے جو لوگوں سے بالکل میل جول نہ رکھے بلکہ شروع ہی سے ان سے الگ تھلگ رہے۔

(٧٨) بَابُ التَّحْرِيضِ عَلَى الرَّمْيِ

باب: 78- تیر اندازی کی ترغیب دینا

وَقَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ وَمِن رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ﴾ [الأنفال: ٦٠].

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''کفار کے مقابلے کے لیے جس قدر بھی تم سے ہو سکے سامان تیار رکھو، خواہ تیر اندازی ہو یا گھوڑے باندھنا ہو۔ اس تیاری کے ساتھ تم اللہ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو ہراساں کرو۔''

وضاحت: قرآنی آیت میں لفظ قُوَّةٍ عام ہے، جس سے میدان جنگ میں کام آنے والی ہر قسم کی قوت مراد ہے۔ اس میں تمام آلات جنگ شامل ہیں جو اب تک وجود میں آ چکے ہیں اور قیامت تک جو وجود میں آئیں گے۔ مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ تمام جنگی ہتھیار مہیا کریں۔ ان سے پوری پوری واقفیت حاصل کریں، انھیں خود بنائیں، ان کا استعمال سیکھیں۔ اس ایٹمی دور میں تمام جنگی قوتیں اس آیت کی تفسیر ہو سکتی ہیں۔ آیت کا آخری حصہ بھی توجہ طلب ہے کہ آلات جنگ کا استعمال محض ملک حاصل کرنے کے لیے نہ ہو بلکہ ان کا مقصد یہ ہونا چاہیے کہ اللہ کے دشمن اور مسلمانوں کے دشمن دباؤ میں رہیں تاکہ اللہ کی زمین امن اور عافیت کا گہوارہ بن جائے اور لوگ چین اور سکون سے زندگی بسر کریں۔ واللہ أعلم.

٢٨٩٩ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ: حَدَّثَنَا حَاتِمُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي عُبَيْدٍ قَالَ: سَمِعْتُ سَلَمَةَ بْنَ الْأَكْوَعِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ:

[2899] حضرت سلمہ بن اکوع ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ قبیلۂ اسلم کے چند صحابۂ کرام ؓ کے پاس سے گزرے جو تیر اندازی کی مشق کر رہے تھے۔

مَرَّ النَّبِيُّ ﷺ عَلٰى نَفَرٍ مِّنْ أَسْلَمَ يَنْتَضِلُونَ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «اِرْمُوا بَنِي إِسْمَاعِيلَ فَإِنَّ أَبَاكُمْ كَانَ رَامِيًا، اِرْمُوا وَأَنَا مَعَ بَنِي فُلَانٍ». قَالَ: فَأَمْسَكَ أَحَدُ الْفَرِيقَيْنِ بِأَيْدِيهِمْ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَا لَكُمْ لَا تَرْمُونَ؟» قَالُوا: كَيْفَ نَرْمِي وَأَنْتَ مَعَهُمْ؟ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «اِرْمُوا فَأَنَا مَعَكُمْ كُلِّكُمْ». [انظر: ٣٣٧٣، ٣٥٠٧]

نبی ﷺ نے فرمایا: ''اے اولاد اسماعیل! تیراندازی کرو کیونکہ تمھارے بزرگ دادا حضرت اسماعیل علیہ السلام بھی تیرانداز تھے۔ ہاں تم تیراندازی کرو، میں بنوفلاں کی طرف ہوں۔'' جب آپ ایک فریق کے ساتھ ہو گئے تو دوسرے فریق نے ہاتھ روک لیے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیا بات ہے، تم تیراندازی کیوں نہیں کرتے؟'' دوسرے فریق نے عرض کیا: جب آپ ایک فریق کے ساتھ ہیں تو ہم کس طرح مقابلہ کر سکتے ہیں؟ اس پر نبی ﷺ نے فرمایا: ''اچھا تم تیراندازی جاری رکھو، میں تم سب کے ساتھ ہوں۔''

فوائد و مسائل: ① سیرت طیبہ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے تمام صحابۂ کرام کو سپاہیانہ اور مجاہدانہ زندگی بسر کرنے کی تلقین فرمائی جیسا کہ مذکورہ حدیث سے واضح ہوتا ہے، نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام بھی بہت بڑے سپاہی تھے اور نیزہ بازی ہی ان کا مشغلہ تھا۔ آج کل بندوق، توپ، میزائل الغرض جتنے بھی جنگی ہتھیار وجود میں آ چکے ہیں وہ سب اس میں شامل ہیں۔ ان سب میں مہارت پیدا کرنا مسلمانوں کے لیے ضروری ہے۔ ② ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس رمی کو ہی طاقت قرار دیا ہے،[1] چنانچہ آج ہر حکومت کو رمی پر فخر ہے۔ جس حکومت کو رمی جیسی پوری قوت حاصل ہے، اس کی دوسروں پر برتری ہے۔ بم، ایٹم بم اور میزائل وغیرہ سب کو رمی شامل ہے اور سب آلات جنگ اسی رمی کے ضمن میں آتے ہیں۔

٢٩٠٠ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ ابْنُ الْغَسِيلِ عَنْ حَمْزَةَ بْنِ أَبِي أُسَيْدٍ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ يَوْمَ بَدْرٍ حِينَ صَفَفْنَا لِقُرَيْشٍ وَصَفُّوا لَنَا: «إِذَا أَكْثَبُوكُمْ فَعَلَيْكُمْ بِالنَّبْلِ». [انظر: ٣٩٨٤، ٣٩٨٥]

[2900] حضرت ابو اسید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے بدر کے دن اس وقت فرمایا جب ہم قریش کے سامنے صف بستہ کھڑے تھے اور وہ بھی ہمارے مقابلے میں تیار تھے: ''جب وہ تمھارے قریب آ جائیں تو ان پر تیروں کی بارش کر دو۔''

(٧٩) بَابُ اللَّهْوِ بِالْحِرَابِ وَنَحْوِهَا

باب: 79- (مشق کرنے کے لیے) برچھی اور نیزے وغیرہ سے کھیلنا

٢٩٠١ - حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسٰى قَالَ:

[2901] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں

[1] صحيح مسلم، الإمارة، حديث: 4946 (1917).

أَخْبَرَنَا هِشَامٌ عَنْ مَعْمَرٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنِ ابْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: بَيْنَا الْحَبَشَةُ يَلْعَبُونَ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ دَخَلَ عُمَرُ فَأَهْوَى إِلَى الْحَصْبَاءِ فَحَصَبَهُمْ بِهَا، فَقَالَ: «دَعْهُمْ، يَا عُمَرُ!».

نے کہا کہ حبشی لوگ (اپنے چھوٹے نیزوں اور برچھوں سے) نبی ﷺ کے پاس کھیل رہے تھے، اس دوران میں حضرت عمر ؓ تشریف لے آئے اور کنکریاں اٹھا کر انھیں مارنے لگے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے عمر! انھیں چھوڑ دو۔''

زَادَ عَلِيٌّ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ: فِي الْمَسْجِدِ.

علی بن مدینی کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ وہ مسجد میں کھیل رہے تھے۔

فوائد و مسائل: ① حدیث میں کھیلنے سے مراد کھیل تماشا نہیں بلکہ جہادی مشقیں ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ تین کھیلوں کے علاوہ تمام کھیل ایک مسلمان کے شایان شان نہیں: ایک یہ کہ گھوڑے کو جنگی تجربہ کرانا، دوسرا اپنی بیوی سے کھیلنا، تیسرا تیر کمان سے تیراندازی کرنا۔[1] بہرحال ایک مسلمان کو جنگی ہتھیاروں سے شغل رکھنا چاہیے اور جدید جنگی ہتھیاروں سے واقفیت ہونی چاہیے۔ نہ معلوم کب ان سے واسطہ پڑ جائے۔ ② حضرت عمر ؓ نے اسے خلاف ادب خیال کیا مگر رسول اللہ ﷺ نے حبشی مجاہدین کی حواصلہ افزائی کرتے ہوئے اس جہادی مشق کو جاری رکھنے کی تلقین فرمائی۔[2]

(٨٠) بَابُ الْمِجَنِّ وَمَنْ يَتَتَرَّسُ بِتُرْسِ صَاحِبِهِ

باب: 80- ڈھال کا بیان اور جو شخص اپنے ساتھی کی ڈھال سے تحفظ حاصل کرے

٢٩٠٢ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ: أَخْبَرَنَا الْأَوْزَاعِيُّ عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ أَبُو طَلْحَةَ يَتَتَرَّسُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ بِتُرْسٍ وَاحِدٍ، وَكَانَ أَبُو طَلْحَةَ حَسَنَ الرَّمْيِ، فَكَانَ إِذَا رَمَى يُشْرِفُ النَّبِيُّ ﷺ فَيَنْظُرُ إِلَى مَوْضِعِ نَبْلِهِ. [راجع: ٢٨٨٠]

[2902] حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ حضرت ابوطلحہ ؓ اپنا اور نبی ﷺ کا تحفظ ایک ہی ڈھال سے کر رہے تھے۔ اور حضرت ابوطلحہ ؓ ماہر تیرانداز تھے۔ جب وہ تیر مارتے تو نبی ﷺ سر مبارک اٹھا کر تیر گرنے کی جگہ دیکھتے تھے۔

فوائد و مسائل: ① کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ جنگی ہتھیار ڈھال وغیرہ کا استعمال توکل کے منافی ہے۔ امام بخاری ؒ ان کی تردید کرنا چاہتے ہیں کہ ایسا کرنا توکل کے خلاف نہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں ان آلات کو استعمال کیا گیا۔

① سنن أبي داود، الجهاد، حديث: 2513. ② فتح الباري: 114/6.

اگرچہ احتیاط کرنا تقدیر کو رد نہیں کر سکتا، تاہم انسان کی طبیعت میں وساوس راہ پاتے ہیں اور احتیاط کرنے سے وسوسے کا راستہ بند ہو جاتا ہے۔ ② اس حدیث سے ایک ہی ڈھال سے دو مجاہدین کا بچاؤ کرنے کا جواز ثابت ہوا۔

٢٩٠٣ - حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عُفَيْرٍ: حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ سَهْلٍ قَالَ: لَمَّا كُسِرَتْ بَيْضَةُ النَّبِيِّ ﷺ عَلٰى رَأْسِهِ، وَأُدْمِيَ وَجْهُهُ وَكُسِرَتْ رَبَاعِيَتُهُ، وَكَانَ عَلِيٌّ يَخْتَلِفُ بِالْمَاءِ فِي الْمِجَنِّ، وَكَانَتْ فَاطِمَةُ تَغْسِلُهُ، فَلَمَّا رَأَتِ الدَّمَ يَزِيدُ عَلَى الْمَاءِ كَثْرَةً عَمَدَتْ إِلٰى حَصِيرٍ فَأَحْرَقَتْهَا وَأَلْصَقَتْهَا عَلٰى جُرْحِهِ فَرَقَأَ الدَّمُ. [راجع: ٢٤٣]

[2903] حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: جب نبی ﷺ کا خود توڑ دیا گیا اور آپ کا چہرہ مبارک خون آلود ہو گیا، نیز سامنے والے دونوں دانت متاثر ہوئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ ڈھال میں پانی بھر بھر کر لا رہے تھے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ کے زخم کو دھو رہی تھیں۔ جب انھوں نے دیکھا کہ زخم دھونے سے خون زیادہ بہتا ہے تو انھوں نے ایک چٹائی پکڑی اور اسے جلایا اور اس کی راکھ سے زخم بھر دیا، اس سے خون رُک گیا۔

فوائد ومسائل: ① اس حدیث کے مطابق ڈھال کو تحفظ کے علاوہ ایک اور مقصد کے لیے استعمال کیا گیا، وہ یہ کہ حضرت علی اس میں پانی بھر کر لاتے تھے تاکہ رسول اللہ ﷺ کے زخم کو دھویا جائے، نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ ڈھال درمیان سے گہری تھی۔ ② بیماری اور تکلیف کا علاج کروانا توکل کے منافی نہیں کیونکہ رسول اکرم ﷺ نے ایسا کیا ہے اور آپ سب لوگوں سے بڑھ کر اللہ پر توکل کرنے والے تھے۔ بہرحال امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ ڈھال سے تحفظ حاصل کیا جا سکتا ہے۔

٢٩٠٤ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرٍو، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ مَالِكِ بْنِ أَوْسِ بْنِ الْحَدَثَانِ، عَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَتْ أَمْوَالُ بَنِي النَّضِيرِ مِمَّا أَفَاءَ اللهُ عَلٰى رَسُولِهِ ﷺ مِمَّا لَمْ يُوجِفِ الْمُسْلِمُونَ عَلَيْهِ بِخَيْلٍ وَلَا رِكَابٍ، فَكَانَتْ لِرَسُولِ اللهِ ﷺ خَاصَّةً، وَكَانَ يُنْفِقُ عَلٰى أَهْلِهِ نَفَقَةَ سَنَتِهِ، ثُمَّ يَجْعَلُ مَا بَقِيَ فِي السِّلَاحِ وَالْكُرَاعِ عُدَّةً فِي سَبِيلِ اللهِ. [انظر: ٣٠٩٤، ٤٠٣٣، ٤٨٨٥، ٥٣٥٧، ٥٣٥٨، ٦٧٢٨، ٧٣٠٥]

[2904] حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ بنو نضیر کا مال ان مالوں میں سے تھا جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کے لیے غنیمت قرار دیا تھا اور مسلمانوں نے اسے حاصل کرنے کے لیے اس پر گھوڑے یا اونٹ نہیں دوڑائے تھے، لہٰذا یہ مال رسول اللہ ﷺ کے لیے خاص تھا۔ آپ اس میں سے ایک سال کا خرچہ اپنے اہل خانہ کو دے دیتے تھے اور جو باقی بچتا اس سے گھوڑے اور ہتھیار خرید کر جہاد کے سامان کی تیاری کرتے تھے۔

فائدہ: امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ جنگی ہتھیار تیار کرنا، خریدنا اور انھیں استعمال کرنا توکل کے خلاف نہیں، چنانچہ خود

رسول اللہ ﷺ مال غنیمت سے ہتھیار خرید کر جہاد کی تیاری کرتے تھے، حالانکہ آپ سید المتوکلین تھے۔ ڈھال بھی ایک جنگی ہتھیار ہے۔ اس بنا پر اس حدیث کی عنوان سے مطابقت واضح ہے۔

٢٩٠٥ - [حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ : حَدَّثَنَا يَحْيٰى عَنْ سُفْيَانَ قَالَ: حَدَّثَنِي سَعْدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ شَدَّادٍ، عَنْ عَلِيٍّ].

حَدَّثَنَا قَبِيصَةُ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: حَدَّثَنِي عَبْدُاللهِ بْنُ شَدَّادٍ قَالَ: سَمِعْتُ عَلِيًّا رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ: مَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يُفَدِّي رَجُلًا بَعْدَ سَعْدٍ، سَمِعْتُهُ يَقُولُ: «اِرْمِ فِدَاكَ أَبِي وَأُمِّي». [انظر: ٤٠٥٨، ٤٠٥٩، ٦١٨٤]

[2905] حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ میں نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے بعد کسی شخص کو نہیں دیکھا جس کے متعلق نبی ﷺ نے فرمایا ہو کہ میرے ماں باپ تجھ پر فدا ہوں۔ میں نے آپ ﷺ کو ان کے متعلق فرماتے ہوئے سنا: ''اے سعد! تیر مارو تم پر میرے ماں باپ فدا ہوں۔''

فوائد و مسائل: ① رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ خندق کے موقع پر یہی الفاظ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے لیے استعمال کیے تھے۔[1] شاید حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس کا علم نہیں ہو سکا۔ اس کلمے سے مراد انھیں دعا دینا اور اپنی رضامندی کا اظہار کرنا ہے۔ ② اس حدیث سے تیر اندازی کی فضیلت ثابت ہوئی، وہ اس طرح کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو ان کی تیر اندازی پر شاباش دی۔ معلوم ہوا کہ فنون حرب جن میں مہارت پیدا کرنے سے اللہ تعالیٰ کی رضا مطلوب ہو بڑی فضیلت کا باعث ہیں۔ ③ عصر حاضر کے جملہ آلات حرب میں مہارت کو اسی پر قیاس کیا جا سکتا ہے، پھر تیر انداز نے اپنا تحفظ بھی کرنا ہوتا ہے جو ڈھال کے بغیر ممکن نہیں۔ اس بنا پر ڈھال کی ضرورت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

(٨١) بَابُ الدَّرَقِ

باب: 81- ڈھال رکھنے کا جواز

٢٩٠٦ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ: حَدَّثَنِي ابْنُ وَهْبٍ: قَالَ عَمْرٌو: حَدَّثَنِي أَبُو الْأَسْوَدِ عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: دَخَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَعِنْدِي جَارِيَتَانِ تُغَنِّيَانِ بِغِنَاءِ بُعَاثَ فَاضْطَجَعَ عَلَى الْفِرَاشِ وَحَوَّلَ

[2906] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے تو میرے ہاں دو بچیاں جنگ بعاث کے ترانے گا رہی تھیں۔ آپ نے بستر پر لیٹ کر چہرہ دوسری طرف کر لیا۔ اتنے میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تشریف لے آئے اور مجھے ڈانٹنے لگے اور

① صحيح البخاري، فضائل أصحاب النبي ﷺ، حديث : 3720.

وَجْهَهُ، فَدَخَلَ أَبُو بَكْرٍ فَانْتَهَرَنِي وَقَالَ: مِزْمَارَةُ الشَّيْطَانِ عِنْدَ رَسُولِ اللهِ ﷺ؟ فَأَقْبَلَ عَلَيْهِ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَقَالَ: «دَعْهُمَا»، فَلَمَّا غَفَلَ غَمَزْتُهُمَا فَخَرَجَتَا. [راجع: ٤٥٤]

فرمایا: رسول اللہ ﷺ کے پاس شیطانی باجے بجائے جا رہے ہیں؟ رسول اللہ ﷺ ان کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: ''انھیں چھوڑ دو۔'' پھر جب وہ کسی کام میں مشغول ہوئے تو میں نے ان دونوں کو اشارہ کیا اور وہ باہر نکل گئیں۔

٢٩٠٧ - قَالَتْ: وَكَانَ يَوْمَ عِيدٍ يَلْعَبُ السُّودَانُ بِالدَّرَقِ وَالْحِرَابِ، فَإِمَّا سَأَلْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ وَإِمَّا قَالَ: «تَشْتَهِينَ أَنْ تَنْظُرِي؟» فَقَالَتْ: نَعَمْ، فَأَقَامَنِي وَرَاءَهُ، خَدِّي عَلَى خَدِّهِ وَيَقُولُ: «دُونَكُمْ يَا بَنِي أَرْفِدَةَ!»، حَتَّى إِذَا مَلِلْتُ، قَالَ: «حَسْبُكِ؟» قُلْتُ: نَعَمْ. قَالَ: «فَاذْهَبِي». قَالَ أَحْمَدُ: فَلَمَّا غَفَلَ. [راجع: ٩٤٩]

[2907] حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ عید کے دن حبشی ڈھالوں اور برچھیوں سے کھیل رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ سے میں نے درخواست کی یا آپ نے ازخود فرمایا: ''تم دیکھنا چاہتی ہو؟'' میں نے عرض کیا: ہاں، تو آپ نے مجھے اپنے پیچھے کھڑا کر لیا جبکہ میرا رخسار آپ کے رخسار پر تھا اور آپ فرما رہے تھے: ''اے بنوارفدہ! کھیلتے رہو۔'' حتی کہ جب میں تھک گئی تو آپ نے فرمایا: ''بس تجھے کافی ہے؟'' میں نے عرض کیا: جی ہاں، تو آپ نے فرمایا: ''اب چلی جاؤ۔''

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں اہل حبشہ کا ڈھالوں اور برچھیوں سے کرتب دکھانے کا ذکر ہے۔ اس سے امام بخاری ؒ نے ڈھال رکھنے کا جواز اور مشروعیت ثابت کی ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ تاریخی اور جنگی کرتب دیکھنا جائز ہے۔ پردے کے ساتھ عورتیں بھی اس کا نظارہ کر سکتی ہیں اور یہ جنگی کرتب مسجد میں منعقد کیے جا سکتے ہیں۔ ② پہلی حدیث سے بعض جدت پسند حضرات نے گانے بجانے کا جواز کشید کیا ہے، حالانکہ ایک روایت میں ہے: ''وہ بچیاں معروف معنوں میں گلوکارہ نہیں تھیں۔''[1] اس وضاحت کے بعد گانے بجانے کے جواز پر اصرار کرنا صریح نصوص (قرآن وحدیث کے واضح احکام) سے منہ موڑنے کے مترادف ہے۔ ③ پہلی روایت کے آخر میں ہے: فَلَمَّا غَفَلَ ایک نسخے کے مطابق اسماعیل کی روایت میں اِشْتَغَلَ بِعَمَلٍ ہے۔ امام بخاری ؒ نے اس دوسرے نسخے کا اعتبار کرتے ہوئے آخر میں وضاحت کی ہے کہ احمد کی روایت میں عَمَلَ کی جگہ غَفَلَ کے الفاظ ہیں۔ ہم نے جس نسخے کو بنیاد بنایا ہے اس میں اسماعیل کی روایت میں بھی غفل کے الفاظ ہیں، اس لیے اس کی وضاحت کی ضرورت نہ رہی۔

(٨٢) بَابُ الْحَمَائِلِ وَتَعْلِيقِ السَّيْفِ بِالْعُنُقِ

باب: 82- میان اور تلوار گلے میں لٹکانا

وضاحت: اس قسم کے عنوانات سے امام بخاری ؒ کا مقصود یہ ہے کہ آلات جنگ کے متعلق اسلاف کا انداز بیان کر دیا

1. صحیح البخاري، العیدین، حدیث: 952.

جائے تاکہ دل مطمئن ہو جائے اور اس کے بدعت ہونے کا شبہ نہ رہے۔[1]

٢٩٠٨ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ أَحْسَنَ النَّاسِ، وَأَشْجَعَ النَّاسِ، وَلَقَدْ فَزِعَ أَهْلُ الْمَدِينَةِ لَيْلَةً فَخَرَجُوا نَحْوَ الصَّوْتِ فَاسْتَقْبَلَهُمُ النَّبِيُّ ﷺ وَقَدِ اسْتَبْرَأَ الْخَبَرَ وَهُوَ عَلَى فَرَسٍ لِأَبِي طَلْحَةَ عُرْيٍ، وَفِي عُنُقِهِ السَّيْفُ وَهُوَ يَقُولُ: «لَمْ تُرَاعُوا، لَمْ تُرَاعُوا»؛ ثُمَّ قَالَ: «وَجَدْنَاهُ بَحْرًا»، أَوْ قَالَ: «إِنَّهُ لَبَحْرٌ». [راجع: ٢٦٢٧]

[2908] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: نبی ﷺ تمام لوگوں سے زیادہ خوبصورت اور دلیر تھے۔ ایک رات اہل مدینہ پر سخت خوف و ہراس طاری ہوا تو وہ خوفناک آواز کی طرف نکلے۔ نبی ﷺ سب سے پہلے آگے روانہ ہوئے اور واقعے کی تحقیق کی۔ آپ اس وقت حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے ایسے گھوڑے پر سوار تھے جس پر زین نہیں تھی۔ آپ ﷺ نے اپنے گلے میں تلوار لٹکائی ہوئی تھی اور فرما رہے تھے: ''مت گھبراؤ، تمھیں گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔'' پھر آپ نے فرمایا: ''ہم نے اس گھوڑے کو سمندر (کی طرح سبک رفتار) پایا۔'' یا (یہ) فرمایا: ''بلاشبہ یہ (گھوڑا) سمندر ہے۔''

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں تلوار کے میان کا ذکر نہیں ہے لیکن تلوار کے ذکر میں اس کا ذکر خود بخود آ جاتا ہے کیونکہ اس کے بغیر تلوار نہیں لٹکائی جا سکتی۔ ② رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کی تعریف فرمائی کہ وہ دریا کے پانی کی طرح تیز چلتا ہے گویا وہ پانی پر تیرتا ہے اور سواری کرنے والے کو ذرہ بھر تکلیف نہیں ہوتی۔

(٨٣) بَابُ مَا جَاءَ فِي حِلْيَةِ السُّيُوفِ

باب: 83- تلواروں کو آرائش سے مزین کرنا

٢٩٠٩ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ: أَخْبَرَنَا الْأَوْزَاعِيُّ قَالَ: سَمِعْتُ سُلَيْمَانَ بْنَ حَبِيبٍ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا أُمَامَةَ يَقُولُ: لَقَدْ فَتَحَ الْفُتُوحَ قَوْمٌ مَا كَانَتْ حِلْيَةُ سُيُوفِهِمُ الذَّهَبَ وَلَا الْفِضَّةَ، إِنَّمَا كَانَتْ حِلْيَتُهُمُ الْعَلَابِيَّ وَالْآنُكَ وَالْحَدِيدَ.

[2909] حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ یہ سب فتوحات ان لوگوں نے حاصل کی ہیں جن کی تلواروں پر سونا نہیں لگا تھا اور نہ ان پر چاندی ہی جڑی ہوئی تھی بلکہ ان کی تلواروں پر چمڑے، سیسے اور لوہے کا معمولی کام ہوتا تھا۔

فائدہ: ایک روایت میں اس حدیث کا پس منظر ان الفاظ میں بیان ہوا ہے کہ حضرت سلیمان بن حبیب کی سرکردگی میں

---

① فتح الباري: 117/6.

ایک فاتح قوم حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئی تو ان کی تلواروں پر چاندی کا ملمع تھا۔ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ انھیں دیکھ کر بہت ناراض ہوئے اور یہ حدیث بیان کی۔[1] دورِ جاہلیت میں لوگ فخر ومباہات کے طور پر تلواروں کی زیبائش سونے اور چاندی سے کرتے تھے، مسلمانوں نے ظاہری آرائش سے قطع نظر تلواروں کی زیبائش اور مصنوعی عمدگی سیسے اور لوہے سے کی۔ آلات جنگ کو بہتر سے بہتر شکل میں رکھنا آج بھی اقوام عالم کا دستور ہے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اس سے بھی بے نیاز تھے کیونکہ وہ تعداد میں کم ہونے کے باوجود ایمانی قوت کے باعث دشمنوں پر غالب تھے، انھیں کسی مصنوعی طاقت کی حاجت نہیں تھی۔

(٨٤) بَابُ مَنْ عَلَّقَ سَيْفَهُ بِالشَّجَرِ فِي السَّفَرِ عِنْدَ الْقَائِلَةِ

باب: 84- دوران سفر میں قیلولے کے وقت اپنی تلوار کو کسی درخت پر لٹکانا

٢٩١٠ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: حَدَّثَنِي سِنَانُ بْنُ أَبِي سِنَانٍ الدُّؤَلِيُّ وَأَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ: أَنَّ جَابِرَ ابْنَ عَبْدِاللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَخْبَرَهُ أَنَّهُ غَزَا مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ قِبَلَ نَجْدٍ، فَلَمَّا قَفَلَ رَسُولُ اللهِ ﷺ قَفَلَ مَعَهُ فَأَدْرَكَتْهُمُ الْقَائِلَةُ فِي وَادٍ كَثِيرِ الْعِضَاهِ فَنَزَلَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَتَفَرَّقَ النَّاسُ يَسْتَظِلُّونَ بِالشَّجَرِ فَنَزَلَ رَسُولُ اللهِ ﷺ تَحْتَ شَجَرَةٍ وَّعَلَّقَ بِهَا سَيْفَهُ وَنِمْنَا نَوْمَةً فَإِذَا رَسُولُ اللهِ ﷺ يَدْعُونَا وَإِذَا عِنْدَهُ أَعْرَابِيٌّ، فَقَالَ: «إِنَّ هٰذَا اخْتَرَطَ عَلَيَّ سَيْفِي وَأَنَا نَائِمٌ فَاسْتَيْقَظْتُ وَهُوَ فِي يَدِهِ صَلْتًا، فَقَالَ: مَنْ يَّمْنَعُكَ مِنِّي؟ فَقُلْتُ: اللهُ»، ثَلَاثًا، وَلَمْ يُعَاقِبْهُ وَجَلَسَ.

[انظر: ٢٩١٣، ٤١٣٤، ٤١٣٥، ٤١٣٦]

[2910] حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ نجد کی طرف جہاد کے لیے روانہ ہوئے۔ جب رسول اللہ ﷺ واپس لوٹے تو یہ بھی آپ کے ہمراہ واپس لوٹے۔ راستے میں قیلولے کا وقت ایک ایسی وادی میں ہوا جس میں بکثرت خاردار (ببول کے) درخت تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اسی وادی میں پڑاؤ کیا اور صحابۂ کرام بھی درختوں کا سایہ حاصل کرنے کے لیے پوری وادی میں پھیل گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک درخت کے نیچے پڑاؤ کیا اور اپنی تلوار اس درخت سے لٹکا دی۔ ہم لوگ وہاں گہری نیند سو گئے۔ اس دوران میں ہم نے رسول اللہ ﷺ کی آواز سنی کہ وہ ہمیں پکار رہے ہیں۔ دیکھا تو ایک دیہاتی آپ کے پاس تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”میں سویا ہوا تھا تو اس نے اچانک مجھ پر میری تلوار سونت لی۔ میں جب بیدار ہوا تو ننگی تلوار اس کے ہاتھ میں تھی۔ اس نے مجھے کہا: تمھیں مجھ سے کون بچائے گا؟ میں نے تین مرتبہ کہا: ”اللہ۔“ اور آپ نے اسے کوئی سزا نہ دی اور وہ بیٹھ گیا۔

فوائد ومسائل: ① صحیح بخاری کی ایک روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ پر تلوار سونتنے والے شخص کا نام غورث بن حارث

1 سنن ابن ماجه، الجهاد، حديث : 2807.

تھا۔[1] ② امام بیہقی ؒ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا جواب سن کر اس دیہاتی کے ہاتھ سے تلوار گر گئی تو رسول اللہ ﷺ نے پکڑ کر فرمایا: ''اب مجھ سے تجھے کون بچائے گا؟'' اس نے کہا: مجھے آپ سے اچھے برتاؤ کی امید ہے۔ آپ نے فرمایا: ''اسلام قبول کرتا ہے؟'' اس نے کہا: اسلام تو قبول نہیں کرتا، البتہ آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ میں آپ سے قتال نہیں کروں گا اور نہ آپ سے قتال کرنے والوں کا ساتھ ہی دوں گا تو آپ نے اسے چھوڑ دیا۔ اس کے بعد وہ اپنی قوم کے پاس آیا اور کہنے لگا: میں لوگوں میں سے بہتر شخص کے پاس سے آیا ہوں۔[2] ③ اس حدیث کا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کو اپنے ہتھیاروں سے غافل نہیں ہونا چاہیے، ہاں اگر حالات اتنے سنگین نہ ہوں تو مجاہد اپنا اسلحہ وغیرہ قریب رکھ کر خود آرام کر سکتا ہے۔ واللہ أعلم.

(٨٥) بَابُ لُبْسِ الْبَيْضَةِ

باب: 85- دوران جنگ میں خود پہننا

٢٩١١ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَبِي حَازِمٍ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ سَهْلٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّهُ سُئِلَ عَنْ جُرْحِ النَّبِيِّ ﷺ يَوْمَ أُحُدٍ، فَقَالَ: جُرِحَ وَجْهُ النَّبِيِّ ﷺ وَكُسِرَتْ رَبَاعِيَتُهُ وَهُشِمَتِ الْبَيْضَةُ عَلَى رَأْسِهِ، فَكَانَتْ فَاطِمَةُ عَلَيْهَا السَّلَامُ تَغْسِلُ الدَّمَ وَعَلِيٌّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يُمْسِكُ، فَلَمَّا رَأَتْ أَنَّ الدَّمَ لَا يَزِيدُ إِلَّا كَثْرَةً أَخَذَتْ حَصِيرًا فَأَحْرَقَتْهُ حَتَّى صَارَ رَمَادًا أَلْزَقَتْهُ فَاسْتَمْسَكَ الدَّمُ. [راجع: ٢٤٣]

[2911] حضرت سہل ؓ سے روایت ہے، ان سے نبی ﷺ کے زخم کے متعلق پوچھا گیا جو غزوۂ احد میں لگا تھا تو انھوں نے فرمایا: نبی ﷺ کا چہرۂ مبارک زخمی ہوا۔ آپ کے اگلے دانت بھی متاثر ہوئے۔ اور آپ کے سر مبارک کا خود بھی ٹوٹ گیا۔ سیدہ فاطمہ ؓ خون دھو رہی تھیں اور حضرت علی ؓ پانی ڈال رہے تھے۔ جب حضرت فاطمہ ؓ نے دیکھا کہ خون زیادہ بہہ رہا ہے تو انھوں نے چٹائی لی، اسے جلایا حتی کہ وہ راکھ ہو گئی، پھر انھوں نے اس سے زخم کو بھر دیا تو خون رک گیا۔

فوائد و مسائل: ① امام بخاری ؒ کا مقصد یہ ہے کہ جنگی ہتھیاروں کا استعمال جائز ہے اور یہ توکل کے منافی نہیں، چنانچہ خود رسول اللہ ﷺ نے اپنے سر مبارک پر خود پہنا۔ خود اس لوہے کی ٹوپی کو کہتے ہیں جو جنگ میں سر کی حفاظت کے لیے پہنی جاتی ہے۔ ② اس حدیث سے خود کا پہننا ثابت ہوا۔ اگرچہ اس قسم کے ہتھیار انسان کو موت سے نہیں بچا سکتے، تاہم اسباب و ذرائع کا استعمال انتہائی ضروری ہے تاکہ ایسا کرنا دلوں کی مضبوطی کا باعث ہو۔ واللہ أعلم.

(٨٦) بَابُ مَنْ لَمْ يَرَ كَسْرَ السِّلَاحِ وَعَقْرَ الدَّوَابِّ عِنْدَ الْمَوْتِ

باب: 86- کسی کی موت کے وقت اس کے ہتھیار توڑنا اور سواری کو قتل کرنا جائز نہیں

٢٩١٢ - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَبَّاسٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ

[2912] حضرت عمرو بن حارث ؓ سے روایت ہے،

① صحيح البخاري، المغازي، حديث: 4136. ② دلائل النبوة للبيهقي: 456/3.

الرَّحْمٰنِ عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ عَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ قَالَ: مَا تَرَكَ النَّبِيُّ ﷺ إِلَّا سِلَاحَهُ وَبَغْلَةً بَيْضَاءَ وَأَرْضًا بِخَيْبَرَ جَعَلَهَا صَدَقَةً. [راجع: ٢٧٣٩]

انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے اپنے پیچھے اپنے ہتھیار، سفید خچر اور زمین جسے آپ نے صدقہ کر دیا تھا، کے علاوہ اور کچھ نہ چھوڑا۔

فوائد ومسائل: ① اس عنوان اور پیش کردہ حدیث سے دور جاہلیت کے ایک رواج کی تردید مقصود ہے۔ ان کا دستور تھا کہ جب کسی قبیلے کا سردار یا بہادر آدمی مر جاتا تو اس کے ہتھیار توڑ دیے جاتے۔ یہ اس بات کی علامت ہوتی کہ اب ان ہتھیاروں کو حقیقی معنوں میں کوئی استعمال کرنے والا نہیں رہا۔ اسلام نے اس عمل کو باطل قرار دیا کیونکہ اس میں ضیاع کا پہلو نمایاں ہے۔ ② رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد آپ کے ہتھیاروں کو توڑا نہیں گیا بلکہ انھیں باقی رکھا گیا تاکہ انھیں بوقت ضرورت استعمال کیا جا سکے۔ بہر حال اسلام نے اس قسم کے آثار جاہلیت کو برقرار نہیں رکھا بلکہ انھیں بالکل ہی ختم کر دیا ہے۔

(٨٧) بَابُ تَفَرُّقِ النَّاسِ عَنِ الْإِمَامِ عِنْدَ الْقَائِلَةِ وَالْاِسْتِظْلَالِ بِالشَّجَرِ

باب: 87- قیلولے کے وقت، درختوں کا سایہ حاصل کرنے کے لیے لوگوں کا اپنے سربراہ سے الگ ہو جانا

٢٩١٣ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ: حَدَّثَنِي سِنَانُ بْنُ أَبِي سِنَانٍ وَأَبُو سَلَمَةَ أَنَّ جَابِرًا أَخْبَرَهُ. وَحَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ: أَخْبَرَنَا ابْنُ شِهَابٍ عَنْ سِنَانِ بْنِ أَبِي سِنَانٍ الدُّؤَلِيِّ: أَنَّ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَخْبَرَهُ أَنَّهُ غَزَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فَأَدْرَكَتْهُمُ الْقَائِلَةُ فِي وَادٍ كَثِيرِ الْعِضَاهِ، فَتَفَرَّقَ النَّاسُ فِي الْعِضَاهِ يَسْتَظِلُّونَ بِالشَّجَرِ فَنَزَلَ النَّبِيُّ ﷺ تَحْتَ شَجَرَةٍ فَعَلَّقَ بِهَا سَيْفَهُ ثُمَّ نَامَ، فَاسْتَيْقَظَ وَعِنْدَهُ رَجُلٌ وَهُوَ لَا يَشْعُرُ بِهِ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «إِنَّ هٰذَا اخْتَرَطَ سَيْفِي فَقَالَ: فَمَنْ يَمْنَعُكَ؟ قُلْتُ: اللهُ، فَشَامَ السَّيْفَ فَهَا هُوَ ذَا جَالِسٌ»، ثُمَّ لَمْ يُعَاقِبْهُ.

[2913] حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ وہ نبی ﷺ کے ہمراہ ایک جہاد میں تھے۔ واپسی کے وقت ایک وادی میں قیلولے کا وقت ہو گیا جس میں بہت کانٹے دار درخت تھے۔ لوگ سایہ حاصل کرنے کے لیے درختوں کے جھنڈ میں پھیل گئے۔ خود نبی ﷺ بھی ایک درخت کے نیچے محو استراحت ہوئے اور اس کے ساتھ اپنی تلوار لٹکا دی۔ آپ جب نیند سے بیدار ہوئے تو ایک شخص آپ کے پاس تھا جس کا آپ کو علم نہ ہو سکا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اس شخص نے میری تلوار نیام سے نکالی اور کہنے لگا: اب تجھے (مجھ سے) کون بچائے گا؟ میں نے کہا: اللہ، تو اس نے تلوار پھینک دی۔ اب وہ یہ بیٹھا ہے۔'' پھر آپ نے اسے کوئی سزا نہ دی۔

[راجع: ٢٩١٠]

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اس وقت آپ کی حفاظت کا اہتمام نہیں ہوتا تھا۔ اس واقعے کے بعد آپ نے اپنی حفاظت کے اقدامات فرمائے تو آیت نازل ہوئی: ﴿وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ﴾ ''اللہ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا۔''[1] اس کے بعد آپ نے حفاظتی اقدامات ختم کر دیے اور حفاظت الٰہیہ ہی پر بھروسا کیا۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ فوجی لوگ دوپہر کے وقت کہیں چلتے ہوئے جنگل میں قیلولہ کرنا چاہیں تو اپنی پسند کے مطابق سایہ دار درخت تلاش کر سکتے ہیں اور اپنے قائد سے آرام کے لیے الگ ہو سکتے ہیں اور یہ آداب جنگ کے منافی نہیں۔

(٨٨) بَابُ مَا قِيلَ فِي الرِّمَاحِ

باب: 88- نیزوں کے متعلق روایات کا بیان

وَيُذْكَرُ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «جُعِلَ رِزْقِي تَحْتَ ظِلِّ رُمْحِي، وَجُعِلَ الذِّلَّةُ وَالصَّغَارُ عَلَى مَنْ خَالَفَ أَمْرِي».

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بیان کیا جاتا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''میرا رزق میرے نیزے کے سائے تلے رکھا گیا ہے، نیز ذلت اور رسوائی اس شخص کے لیے ہے جو میرے حکم کی مخالفت کرے۔''

وضاحت: اس روایت کو امام احمد رحمہ اللہ نے متصل سند سے بیان کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: ''میں قیامت سے پہلے تلوار کے ساتھ مبعوث ہوا ہوں۔ میرا رزق نیزے کے سائے تلے رکھا گیا ہے۔ ذلت اور خواری اس شخص کے لیے ہے جس نے میری مخالفت کی، نیز جس شخص نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی وہ انھی میں سے ہوگا۔''[2] اس حدیث سے نیزے کی فضیلت معلوم ہوتی ہے۔[3]

٢٩١٤ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ أَبِي النَّضْرِ مَوْلَى عُمَرَ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ، عَنْ نَافِعٍ مَوْلَى أَبِي قَتَادَةَ الْأَنْصَارِيِّ، عَنْ أَبِي قَتَادَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّهُ كَانَ مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ حَتَّى إِذَا كَانَ بِبَعْضِ طَرِيقِ مَكَّةَ تَخَلَّفَ مَعَ أَصْحَابٍ لَهُ مُحْرِمِينَ وَهُوَ غَيْرُ مُحْرِمٍ، فَرَأَى حِمَارًا وَحْشِيًّا فَاسْتَوَى عَلَى فَرَسِهِ فَسَأَلَ أَصْحَابَهُ أَنْ يُنَاوِلُوهُ سَوْطَهُ فَأَبَوْا، فَسَأَلَهُمْ

[2914] حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھے یہاں تک کہ مکہ جانے والے ایک راستے میں اپنے مُحرم ساتھیوں سمیت آپ سے پیچھے رہ گئے جبکہ انھوں نے احرام نہیں باندھا تھا۔ اس دوران میں انھوں نے ایک جنگلی گدھا دیکھا تو وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے اور اپنے ساتھیوں سے کہا کہ وہ اسے کوڑا پکڑا دیں۔ انھوں نے انکار کر دیا۔ پھر انھوں نے اپنا نیزہ مانگا تو انھوں نے اس سے بھی انکار کر دیا، تاہم انھوں نے خود نیزہ پکڑا

① المآئدة 5:67. ② مسند أحمد: 2/50. 3 فتح الباري: 6/120.

رُمْحَهُ فَأَبَوْا، فَأَخَذَهُ ثُمَّ شَدَّ عَلَى الْحِمَارِ فَقَتَلَهُ فَأَكَلَ مِنْهُ بَعْضُ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ وَأَبَى بَعْضٌ، فَلَمَّا أَدْرَكُوا رَسُولَ اللهِ ﷺ سَأَلُوهُ عَنْ ذٰلِكَ، قَالَ: «إِنَّمَا هِيَ طُعْمَةٌ أَطْعَمَكُمُوهَا اللهُ».

اور گاؤخر پر حملہ کر کے اسے مار دیا۔ نبی ﷺ کے صحابہ میں سے کچھ نے کھا لیا اور کچھ نے انکار کر دیا۔ جب وہ رسول اللہ ﷺ سے ملے تو انھوں نے آپ سے اس کے متعلق سوال کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”یہ تو رزق تھا جو اللہ تعالیٰ نے تمھیں دیا تھا۔“

وَعَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ أَبِي قَتَادَةَ فِي الْحِمَارِ الْوَحْشِيِّ مِثْلُ حَدِيثِ أَبِي النَّضْرِ قَالَ: «هَلْ مَعَكُمْ مِنْ لَحْمِهِ شَيْءٌ؟». [راجع: ١٨٢١]

زید بن اسلم سے روایت ہے، انھوں نے عطاء بن یسار سے، انھوں نے ابوقتادہ سے گاؤخر کے متعلق ابونضر کی حدیث کی طرح بیان کیا، البتہ اس روایت میں یہ اضافہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”کیا تمھارے پاس اس کے گوشت میں سے کچھ (بچا ہوا) ہے؟“

فوائد و مسائل: ① احرام والا آدمی خود شکار نہیں کر سکتا اور نہ کسی شکاری آدمی کا تعاون ہی کر سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت ابوقتادہ ؓ نے اپنے ساتھیوں سے اپنا نیزہ پکڑنا چاہا لیکن انھوں نے انکار کر دیا کیونکہ ایسا کرنے سے احرام والے کا تعاون شامل ہو جاتا ہے، جبکہ محرم شکار کی طرف اشارہ بھی نہیں کر سکتا۔ ② اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوقتادہ ؓ نیزے سے مسلح تھے۔ امام بخاری ؒ نے اس سے نیزے کے استعمال کا جواز ثابت کیا ہے، لیکن اس حدیث سے نیزے کی فضیلت ثابت نہیں ہوتی بلکہ حضرت ابن عمر ؓ کے متعلق روایت میں اس کی فضیلت مذکور ہے۔ واللّٰه أعلم.

(٨٩) بَابُ مَا قِيلَ فِي دِرْعِ النَّبِيِّ ﷺ وَالْقَمِيصِ فِي الْحَرْبِ

باب: 89- نبی ﷺ کی زرہ اور قمیص کا بیان جسے لڑائی میں پہنتے تھے

وَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «أَمَّا خَالِدٌ فَقَدِ احْتَبَسَ أَدْرَاعَهُ فِي سَبِيلِ اللهِ».

نبی ﷺ نے فرمایا: ”خالد ؓ نے تو اپنی زرہیں بھی اللہ کے لیے وقف کر رکھی ہیں۔“

وضاحت: مذکورہ معلق روایت پہلے کتاب الزکاۃ (حدیث: 1468) میں موصولاً گزر چکی ہے۔

٢٩١٥ - حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ: حَدَّثَنَا خَالِدٌ عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ وَهُوَ فِي قُبَّةٍ: «اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَنْشُدُكَ عَهْدَكَ

[2915] حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ اپنے خیمے میں اللہ کے حضور یہ عرض کر رہے تھے: ”اے اللہ! میں تجھے تیرے عہد اور وعدے کا واسطہ دیتا ہوں (کہ مسلمانوں کو فتح عطا فرما)۔ اے اللہ! اگر

وَوَعْدَكَ، اَللّٰهُمَّ إِنْ شِئْتَ لَمْ تُعْبَدْ بَعْدَ الْيَوْمِ»، فَأَخَذَ أَبُو بَكْرٍ بِيَدِهِ فَقَالَ: حَسْبُكَ يَا رَسُولَ اللهِ! فَقَدْ أَلْحَحْتَ عَلٰى رَبِّكَ، وَهُوَ فِي الدِّرْعِ فَخَرَجَ وَهُوَ يَقُولُ: ﴿سَيُهْزَمُ ٱلْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ ٱلدُّبُرَ ۝ بَلِ ٱلسَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَٱلسَّاعَةُ أَدْهَىٰ وَأَمَرُّ ۝﴾ [القمر: ٤٥، ٤٦].

تیری یہی مرضی ہے کہ آج کے بعد تیری عبادت نہ ہو۔'' اتنے میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر کہا: اللہ کے رسول! بس یہ آپ کے لیے کافی ہے، آپ نے اپنے رب سے بہت الحاح اور زاری سے دعا کی ہے۔ آپ ﷺ زرہ پہنے ہوئے تھے اور یہ پڑھتے ہوئے باہر نکلے: ''عنقریب کفار کی جماعت شکست سے دوچار ہو جائے گی اور یہ لوگ پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے بلکہ قیامت ان کے وعدے کا وقت ہے اور قیامت بہت بڑی آفت اور تلخ تر چیز ہے۔''

وَقَالَ وُهَيْبٌ: حَدَّثَنَا خَالِدٌ: يَوْمَ بَدْرٍ. [انظر: ٣٩٥٣، ٤٨٧٥، ٤٨٧٧]

(راویٔ حدیث) خالد نے یہ اضافہ بیان کیا ہے کہ یہ واقعہ غزوۂ بدر کا ہے۔

فوائد ومسائل: ① رسول اللہ ﷺ کو یہ معلوم تھا کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا، اس لیے عرض کیا کہ ان جاں نثاروں کی ہلاکت کے بعد قیامت تک اس زمین پر شرک ہی شرک رہے گا۔ معبود حقیقی کو کوئی ماننے والا نہیں ہوگا۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ اس حدیث سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی زرہ تھی جسے آپ نے غزوۂ بدر کے موقع پر پہنا، لہٰذا میدان جنگ میں زرہ پہننا جائز ہے اور ایسا کرنا توکل کے منافی نہیں۔ ③ زرہ لوہے کی اس قمیص کو کہتے ہیں جس کے پہننے سے میدان جنگ میں سارا جسم چھپ جاتا ہے، پھر جسم پر نیزے یا برچھے یا تیر کا اثر نہیں ہوتا۔ قدیم زمانے میں دوران جنگ میں زرہ پہننے کا رواج تھا آج کل زرہ کا استعمال ختم ہو چکا ہے۔

٢٩١٦ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ: أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنِ الْأَسْوَدِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: تُوُفِّيَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَدِرْعُهُ مَرْهُونَةٌ عِنْدَ يَهُودِيٍّ بِثَلَاثِينَ صَاعًا مِّنْ شَعِيرٍ.

[2916] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی تو آپ کی زرہ ایک یہودی کے پاس تیس صاع جو کے عوض گروی رکھی ہوئی تھی۔

وَقَالَ يَعْلٰى: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ: دِرْعٌ مِّنْ حَدِيدٍ. وَقَالَ مُعَلّٰى عَنْ عَبْدِالْوَاحِدِ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ وَقَالَ: رَهَنَهُ دِرْعًا مِّنْ حَدِيدٍ. [راجع: ٢٠٦٨]

(راویٔ حدیث) یعلی کی روایت کے یہ الفاظ ہیں کہ نبی ﷺ نے لوہے کی ایک زرہ رہن رکھی تھی۔

٢٩١٧ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ: حَدَّثَنَا ابْنُ طَاوُسٍ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَثَلُ الْبَخِيلِ وَالْمُتَصَدِّقِ مَثَلُ رَجُلَيْنِ عَلَيْهِمَا جُبَّتَانِ مِنْ حَدِيدٍ قَدِ اضْطَرَّتْ أَيْدِيَهُمَا إِلَى تَرَاقِيهِمَا، فَكُلَّمَا هَمَّ الْمُتَصَدِّقُ بِصَدَقَتِهِ اتَّسَعَتْ عَلَيْهِ حَتَّى تُعَفِّيَ أَثَرَهُ، وَكُلَّمَا هَمَّ الْبَخِيلُ بِالصَّدَقَةِ انْقَبَضَتْ كُلُّ حَلْقَةٍ إِلَى صَاحِبَتِهَا وَتَقَلَّصَتْ عَلَيْهِ وَانْضَمَّتْ يَدَاهُ إِلَى تَرَاقِيهِ» فَسَمِعَ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: «فَيَجْتَهِدُ أَنْ يُوَسِّعَهَا فَلَا تَتَّسِعُ».

[راجع: ١٤٤٣]

[2917] حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''بخیل کی اور زکاۃ دینے والے سخی کی مثال ان دو آدمیوں جیسی ہے جنھوں نے لوہے کے کرتے پہن رکھے ہوں، جبکہ ان دونوں کے ہاتھ گردن سے باندھے ہوتے ہیں۔ زکاۃ دینے والا سخی جب بھی زکاۃ کا ارادہ کرتا ہے تو اس کا کرتا اتنا کشادہ ہو جاتا ہے کہ زمین پر گھسٹنے کی وجہ سے اس کے نشانات کو مٹا دیتا ہے لیکن جب بخیل صدقے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کی زرہ کا ایک ایک حلقہ بدن پر تنگ ہو کر اس طرح سکڑ جاتا ہے کہ اس کے ہاتھ گردن سے جڑ جاتے ہیں۔'' حضرت ابو ہریرہ ؓ نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''وہ آدمی اس کو پھیلانے کی کوشش بھی کرتا ہے لیکن وہ کھلتا نہیں ہے۔''

فائدہ: اس حدیث کے مطابق مرد مومن زکاۃ دینے سے اس قدر خوش ہوتا ہے گویا اس کی زرہ نے کشادہ ہو کر اس کے تمام جسم کو ڈھانپ لیا۔ اس کی زرہ کی کشادگی سے بھی زیادہ اس کا دل کشادہ ہوتا ہے۔ چونکہ اس حدیث میں زرہ کا ذکر تھا، اس لیے امام بخاری ؒ نے اسے بیان کر کے زرہ کا اثبات فرمایا۔ واللہ أعلم.

(٩٠) بَابُ الْجُبَّةِ فِي السَّفَرِ وَالْحَرْبِ

باب: 90- دوران سفر اور بوقت جنگ جبہ پہننے کا بیان

٢٩١٨ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ أَبِي الضُّحَى، عَنْ مَسْرُوقٍ قَالَ: حَدَّثَنِي الْمُغِيرَةُ ابْنُ شُعْبَةَ قَالَ: انْطَلَقَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لِحَاجَتِهِ ثُمَّ أَقْبَلَ فَتَلَقَّيْتُهُ بِمَاءٍ فَتَوَضَّأَ وَعَلَيْهِ جُبَّةٌ شَامِيَّةٌ فَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ وَغَسَلَ وَجْهَهُ فَذَهَبَ يُخْرِجُ يَدَيْهِ مِنْ كُمَّيْهِ وَكَانَا ضَيِّقَيْنِ فَأَخْرَجَهُمَا

[2918] حضرت مغیرہ بن شعبہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ قضائے حاجت کے لیے باہر تشریف لے گئے۔ جب آپ واپس ہوئے تو میں پانی لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ اس وقت شامی جبہ زیب تن کیے ہوئے تھے۔ آپ نے وضو کیا اس طرح کہ کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا اور اپنے چہرے کو دھویا۔ اس کے بعد بازو دھونے کے لیے آستینیں چڑھانے

مِنْ تَحْتُ، فَغَسَلَهُمَا، وَمَسَحَ بِرَأْسِهِ وَعَلَى خُفَّيْهِ. [راجع: ١٨٢]

کی کوشش کی لیکن وہ تنگ تھی، اس لیے آپ نے اپنے ہاتھوں کو نیچے سے نکالا، پھر انھیں دھویا۔ بعدازاں اپنے سر کا مسح کیا اور دونوں موزوں پر بھی مسح فرمایا۔

فوائد و مسائل: ① دوران سفر میں عالم دین کی خدمت کرنے کا ثواب ہے جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔ صحیح بخاری کی روایت میں صراحت ہے کہ یہ واقعہ دوران سفر میں پیش آیا،[1] نیز یہ بھی وضاحت ہے کہ مذکورہ سفر غزوۂ تبوک کا تھا۔[2] ② ان دونوں روایات کو ملا کر یہ ثابت ہوا کہ دوران سفر میں اور دوران جنگ میں جبہ پہنا جا سکتا ہے اور ایسا کرنا قطعی طور پر توکل کے منافی نہیں۔ واللہ أعلم.

(٩١) بَابُ الْحَرِيرِ فِي الْحَرْبِ

باب: 91- لڑائی میں ریشمی لباس پہننا

٢٩١٩ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ الْمِقْدَامِ: حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ الْحَارِثِ: حَدَّثَنَا سَعِيدٌ عَنْ قَتَادَةَ أَنَّ أَنَسًا حَدَّثَهُمْ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ رَخَّصَ لِعَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ وَّالزُّبَيْرِ فِي قَمِيصٍ مِّنْ حَرِيرٍ مِّنْ حِكَّةٍ كَانَتْ بِهِمَا. [انظر: ٢٩٢٠، ٢٩٢١، ٢٩٢٢، ٥٨٣٩]

[2919] حضرت انس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ؓ اور حضرت زبیر ؓ کو خارش کی وجہ سے ریشمی قمیص پہننے کی اجازت دی۔

٢٩٢٠ - حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ: حَدَّثَنَا هَمَّامٌ عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ.

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سِنَانٍ: حَدَّثَنَا هَمَّامٌ عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ عَوْفٍ وَّالزُّبَيْرَ شَكَوْا إِلَى النَّبِيِّ ﷺ - يَعْنِي الْقَمْلَ - فَأَرْخَصَ لَهُمَا فِي الْحَرِيرِ، فَرَأَيْتُهُ عَلَيْهِمَا فِي غَزَاةٍ. [راجع: ٢٩١٩]

[2920] حضرت انس ؓ ہی سے روایت ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت زبیر ؓ نے نبی ﷺ کی خدمت میں جوؤں کی شکایت کی تو آپ نے انھیں ریشم کا لباس پہننے کی اجازت دی۔ (حضرت انس ؓ فرماتے ہیں کہ) میں نے ایک غزوے میں ان حضرات پر ریشمی قمیص دیکھی۔

٢٩٢١ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا يَحْيٰى عَنْ شُعْبَةَ قَالَ: أَخْبَرَنِي قَتَادَةُ أَنَّ أَنَسًا حَدَّثَهُمْ قَالَ:

[2921] حضرت انس ؓ سے ایک روایت ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت زبیر بن

---

[1] صحيح البخاري، الوضوء، حديث: 182. [2] صحيح البخاري، المغازي، حديث: 4421.

رَخَّصَ النَّبِيُّ ﷺ لِعَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ وَّالزُّبَيْرِ بْنِ الْعَوَّامِ فِي حَرِيرٍ . [راجع: ٢٩١٩]

عوام ؓ کو ریشمی لباس پہننے کی اجازت دی۔

٢٩٢٢ - حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ: حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: سَمِعْتُ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ قَالَ: رَخَّصَ أَوْ رُخِّصَ لَهُمَا لِحِكَّةٍ بِهِمَا . [راجع: ٢٩١٩]

[2922] حضرت انس سے مزید روایت ہے کہ آپ ﷺ نے (عبدالرحمٰن بن عوف اور زبیر بن عوام ؓ) دونوں کو خارش کی وجہ سے رخصت دی یا انھیں رخصت دی گئی۔

فوائد ومسائل: ① امام بخاری ؒ نے بوقت ضرورت ریشمی لباس پہننے کے متعلق چار روایات ذکر کی ہیں جو حضرت انس ؓ سے مروی ہیں۔ ایک روایت میں جوؤں کا ذکر ہے جبکہ دوسری روایت میں خارش کا عذر بیان کیا گیا ہے۔ ان میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ پہلے جوئیں پڑی ہوں، پھر خارش کا حملہ ہوا ہوگا۔ کہتے ہیں کہ ریشمی لباس جوئیں مار دیتا ہے اور خارش بھی ختم کر دیتا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت انس ؓ نے بحالت جنگ ان دونوں بزرگوں کو ریشمی لباس میں بھی دیکھا تھا۔ اس سے امام بخاری ؒ نے اپنا قائم کردہ عنوان ثابت کیا ہے۔ ② اس کے علاوہ جب خارش اور جوؤں کی مجبوری کے وقت اسے استعمال کیا جا سکتا ہے تو جنگی حالات میں اس کی ممانعت کیوں؟ میدان جنگ میں اس کی ضرورت اس لیے ہوتی ہے کہ اس لباس پر تلوار اور نیزے وغیرہ کا جلد اثر نہیں ہوتا بلکہ تلوار وغیرہ پھسل جاتی ہے۔ بعض حضرات نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس لباس سے دشمن مرعوب ہوتا ہے، اس بنا پر دوران جنگ میں اس کا زیب تن کرنا جائز ہے۔ واللہ أعلم.

(٩٢) بَابُ مَا يُذْكَرُ فِي السِّكِّينِ

باب: 92- چھری کے متعلق روایات کا بیان

٢٩٢٣ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ جَعْفَرِ بْنِ عَمْرِو بْنِ أُمَيَّةَ الضَّمْرِيِّ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَأْكُلُ مِنْ كَتِفٍ يَحْتَزُّ مِنْهَا، ثُمَّ دُعِيَ إِلَى الصَّلَاةِ فَصَلَّى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ .

[2923] حضرت عمرو بن امیہ ضمری ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے نبی ﷺ کو شانے کا گوشت کاٹ کاٹ کر کھاتے دیکھا۔ اس دوران میں آپ کو نماز کے لیے بلایا گیا تو آپ نے نماز پڑھی لیکن وضو نہ کیا۔

حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ. وَزَادَ: فَأَلْقَى السِّكِّينَ. [راجع: ٢٠٨]

ایک روایت میں امام زہری ؒ سے یہ اضافہ ہے کہ آپ نے چھری کو پھینک دیا۔

فائدہ: چھری سے گوشت کاٹ کاٹ کر کھانا سنت ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ گوشت سخت ہو، اس لیے چھری کی ضرورت محسوس ہوئی کہ اس سے کاٹ کر گوشت کھایا۔ چونکہ چھری آلاتِ حرب سے ہے، اس لیے مجاہد اسے میدان جنگ میں اپنے پاس رکھ سکتا

ہے اور بوقت ضرورت اسے استعمال بھی کر سکتا ہے۔ میدان جنگ کے علاوہ دوران سفر میں بھی بہت سی ضروریات میں چھری کام آ سکتی ہے، اس لیے سفر میں اسے ساتھ رکھنا جائز ہے۔

(٩٣) بَابُ مَا قِيلَ فِي قِتَالِ الرُّومِ

٢٩٢٤ - حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ يَزِيدَ الدِّمَشْقِيُّ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ حَمْزَةَ قَالَ: حَدَّثَنِي ثَوْرُ بْنُ يَزِيدَ عَنْ خَالِدِ بْنِ مَعْدَانَ: أَنَّ عُمَيْرَ بْنَ الْأَسْوَدِ الْعَنْسِيَّ حَدَّثَهُ أَنَّهُ أَتَى عُبَادَةَ بْنَ الصَّامِتِ وَهُوَ نَازِلٌ فِي سَاحِلِ حِمْصَ وَهُوَ فِي بِنَاءٍ لَّهُ وَمَعَهُ أُمُّ حَرَامٍ، قَالَ عُمَيْرٌ: فَحَدَّثَتْنَا أُمُّ حَرَامٍ أَنَّهَا سَمِعَتِ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: «أَوَّلُ جَيْشٍ مِّنْ أُمَّتِي يَغْزُونَ الْبَحْرَ قَدْ أَوْجَبُوا»، قَالَتْ أُمُّ حَرَامٍ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! أَنَا فِيهِمْ؟ قَالَ: أَنْتِ فِيهِمْ، ثُمَّ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «أَوَّلُ جَيْشٍ مِّنْ أُمَّتِي يَغْزُونَ مَدِينَةَ قَيْصَرَ مَغْفُورٌ لَّهُمْ»، فَقُلْتُ: أَنَا فِيهِمْ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: «لَا». [راجع: ٢٧٨٩]

باب: 93- روم سے جنگ کے متعلق روایات کا بیان

[2924] حضرت عمیر بن اسود عنسی نے بیان کیا کہ وہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، جبکہ ان کا قیام ساحل حمص پر ان کے اپنے ہی مکان میں تھا۔ اور (ان کی بیوی) حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا بھی ان کے ساتھ تھیں۔ عمیر نے کہا: ہم سے حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ انھوں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے سنا: ''میری امت میں سب سے پہلے جو لوگ بحری جنگ لڑیں گے، ان کے لیے جنت واجب ہے۔'' حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! کیا میں انھی میں سے ہوں؟ آپ نے فرمایا: ''تم انھی میں سے ہو۔'' حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ پھر نبی ﷺ نے فرمایا: ''میری امت میں سب سے پہلے جو لوگ قیصر روم کے دارالحکومت (قُسْطُنْطِینِیَّہ) پر حملہ آور ہوں گے وہ مغفرت یافتہ ہیں۔'' میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! میں بھی ان لوگوں میں سے ہوں؟ آپ نے فرمایا: ''نہیں!''

فوائد و مسائل: ① پہلا جہاد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زیر کمان تھا۔ انھوں نے بحری بیڑا تیار کیا اور 28 ہجری میں جزیرۂ قبرص کے عیسائیوں پر چڑھائی کی۔ اس میں ام حرام رضی اللہ عنہا شریک تھیں۔ واپسی پر اپنی سواری سے گر کر شہید ہو گئیں۔ اس کی تفصیل گزشتہ احادیث میں دیکھی جا سکتی ہے۔ دوسرا جہاد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور حکومت میں ہوا۔ یزید بن معاویہ کے زیر کمان روم کے دارالحکومت قسطنطنیہ پر مسلمانوں نے حملہ کیا۔ اس لشکر کے تمام سپاہی اللہ کے ہاں مغفرت یافتہ ہیں اور اسی لشکر میں حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر، حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہم جیسے اکابر صحابہ شامل تھے۔ اس حملے میں حضرت ابو ایوب انصاری شہید ہوئے۔ انھوں نے شہادت کے وقت وصیت کی کہ انھیں قسطنطنیہ کے دروازے کے پاس دفن کیا جائے، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ ② حضرت محمود بن ربیع رضی اللہ عنہ کے بیان کے مطابق اس لشکر کے سربراہ یزید بن معاویہ تھے

اور ان میں حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔[1] علامہ مہلب کہتے ہیں: اس حدیث میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی تعریف ہے کیونکہ انھوں نے سب سے پہلے سمندری جہاد کیا، نیز ان کے بیٹے یزید بن معاویہ کی بھی تعریف ہے کیونکہ انھوں نے سب سے پہلے روم کے دارالحکومت قسطنطنیہ پر حملہ کیا۔[2] علامہ مہلب کے بیان پر ابن تین اور ابن منیر کا تبصرہ محل نظر ہے۔ جس کی تفصیل آئندہ بیان ہوگی۔

(٩٤) بَابُ قِتَالِ الْيَهُودِ

باب: 94- یہودیوں سے لڑائی کا بیان

٢٩٢٥ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْفَرْوِيُّ: حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «تُقَاتِلُونَ الْيَهُودَ حَتَّى يَخْتَبِئَ أَحَدُهُمْ وَرَاءَ الْحَجَرِ فَيَقُولُ: يَا عَبْدَ اللهِ! هٰذَا يَهُودِيٌّ وَّرَائِي فَاقْتُلْهُ». [انظر: ٣٥٩٣]

[2925] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم یہودیوں سے جنگ کرو گے یہاں تک کہ اگر کوئی یہودی کسی پتھر کے پیچھے چھپا ہوگا تو وہ پتھر بول کر کہے گا: اللہ کے بندے! یہ میرے پیچھے یہودی (چھپا ہوا) ہے اسے قتل کر ڈالو۔''

٢٩٢٦ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ: أَخْبَرَنَا جَرِيرٌ عَنْ عُمَارَةَ بْنِ الْقَعْقَاعِ، عَنْ أَبِي زُرْعَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنْ رَّسُولِ اللهِ ﷺ قَالَ: «لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تُقَاتِلُوا الْيَهُودَ حَتَّى يَقُولَ الْحَجَرُ وَرَاءَهُ الْيَهُودِيُّ: يَا مُسْلِمُ! هٰذَا يَهُودِيٌّ وَّرَائِي فَاقْتُلْهُ».

[2926] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے کہ آپ نے فرمایا: ''قیامت قائم نہیں ہوگی یہاں تک کہ تم یہودیوں سے جنگ کرو گے حتی کہ جس پتھر کے پیچھے یہودی چھپا ہوگا وہ پتھر کہے گا: اے مسلم! میرے پیچھے یہودی چھپا ہوا ہے اسے قتل کر دے۔''

فوائد و مسائل: ① مذکورہ دونوں احادیث میں رسول اللہ ﷺ کی پیش گوئی بیان ہوئی ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے وقت ظاہر ہوگی۔ اس وقت تمام یہودی مسیح دجال کا ساتھ دیں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دجال کو قتل کریں گے اور یہودیوں کو بھی صفحۂ ہستی سے مٹائیں گے۔ ② ابھی قتال یہود کا وقت نہیں آیا۔ اس کی تفصیل ہم آئندہ بیان کریں گے۔ بإذن اللہ تعالٰی.

(٩٥) بَابُ قِتَالِ التُّرْكِ

باب: 95- ترکوں سے جنگ کا بیان

٢٩٢٧ - حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ: حَدَّثَنَا جَرِيرُ بْنُ

[2927] حضرت عمرو بن تغلب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے،

---

[1] صحيح البخاري، التهجد، حديث: 1186. [2] فتح الباري: 125/6.

حَازِمٍ قَالَ: سَمِعْتُ الْحَسَنَ يَقُولُ: حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ تَغْلِبَ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «إِنَّ مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ أَنْ تُقَاتِلُوا قَوْمًا يَنْتَعِلُونَ نِعَالَ الشَّعَرِ، وَإِنَّ مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ أَنْ تُقَاتِلُوا قَوْمًا عِرَاضَ الْوُجُوهِ كَأَنَّ وُجُوهَهُمُ الْمَجَانُّ الْمُطْرَقَةُ». [انظر: ٣٥٩٢]

انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''بلاشبہ قیامت کی علامات میں سے ہے کہ تم ایسے لوگوں سے جنگ کرو گے جو بالوں والے جوتے پہنتے ہوں گے۔ اور بے شک قیامت کی نشانیوں میں سے (یہ بھی) ہے کہ تم چوڑے چہرے والے لوگوں سے جنگ کرو گے، گویا ان کے چہرے چوڑی ڈھالیں ہیں۔''

٢٩٢٨ - حَدَّثَنِي سَعِيدُ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ: حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ صَالِحٍ، عَنِ الْأَعْرَجِ قَالَ: قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تُقَاتِلُوا التُّرْكَ، صِغَارَ الْأَعْيُنِ حُمْرَ الْوُجُوهِ ذُلْفَ الْأُنُوفِ، كَأَنَّ وُجُوهَهُمُ الْمَجَانُّ الْمُطْرَقَةُ، وَلَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تُقَاتِلُوا قَوْمًا نِعَالُهُمُ الشَّعَرُ». [انظر: ٢٩٢٩، ٣٥٨٧، ٣٥٩٠، ٣٥٩١]

[2928] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہوگی تا آنکہ تم ترکوں سے جنگ کرو گے جن کی آنکھیں چھوٹی چھوٹی، چہرے سرخ اور ناک چپٹی ہوگی۔ گویا ان کے چہرے چمڑے چڑھی ڈھالوں کی طرح چوڑے چوڑے اور تہہ بہ تہہ ہوں گے۔ اور قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی یہاں تک کہ تم ایسے لوگوں سے جنگ کرو گے جن کے جوتے بالوں کے ہوں گے۔''

فوائد و مسائل: ① اس قسم کے کچھ واقعات 617 ہجری میں ہو چکے ہیں جبکہ ترکوں کا ایک عظیم لشکر نکلا اور انھوں نے ماوراء النہر کے لوگوں کو قتل کیا، پھر خراسان کے تمام شہروں میں لوٹ مار مچائی۔ صرف وہی لوگ بچے جو غاروں میں چھپ گئے۔ انھوں نے اسلامی شہروں میں کہرام مچایا۔ مسلمان عورتوں کو اپنے لیے حلال سمجھا۔ ان کی اولاد کو قتل کیا، پھر مساجد میں ستونوں کے ساتھ اپنے گھوڑے باندھے۔[1] ② ترک سے مراد تاتاری قوم ہے جو رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین کے زمانے تک کافر رہے یہاں تک کہ ہلاکوں خاں ترک نے عربوں پر چڑھائی کر کے خلافت عباسیہ کا کام تمام کر دیا۔ واللہ أعلم.

(٩٦) بَابُ قِتَالِ الَّذِينَ يَنْتَعِلُونَ الشَّعَرَ

باب: 96- بالوں کی جوتیاں پہننے والوں سے جنگ کا بیان

٢٩٢٩ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ: قَالَ الزُّهْرِيُّ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ،

[2929] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''قیامت

[1] عمدة القاري: 247/10.

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تُقَاتِلُوا قَوْمًا نِّعَالُهُمُ الشَّعَرُ، وَلَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تُقَاتِلُوا قَوْمًا كَأَنَّ وُجُوهَهُمُ الْمَجَانُّ الْمُطْرَقَةُ».

اس وقت تک قائم نہیں ہوگی حتی کہ تم ایسی قوم سے جنگ کرو گے جن کے جوتے بالوں کے ہوں گے۔ اور قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی یہاں تک کہ تم ایسی قوم سے جنگ کرو گے جن کے چہرے چوڑی چوڑی ڈھالوں کی طرح ہوں گے۔"

قَالَ سُفْيَانُ: وَزَادَ فِيهِ أَبُو الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رِوَايَةً: «صِغَارَ الْأَعْيُنِ، ذُلْفَ الْأُنُوفِ، كَأَنَّ وُجُوهَهُمُ الْمَجَانُّ الْمُطْرَقَةُ». [راجع: ٢٩٢٨]

ایک روایت میں بایں الفاظ اضافہ ہے: "وہ چھوٹی چھوٹی آنکھوں اور چپٹی ناک والے ہوں گے، گویا کہ ان کے چہرے موٹی چوڑی ڈھال جیسے ہیں۔"

فوائد ومسائل: ① چوڑی ڈھال سے تشبیہ سے مراد یہ ہے کہ ان کے چہرے گول، موٹے اور زیادہ گوشت والے ہوں گے۔ ② حدیث میں مذکور جملہ صفات ترکوں پر صادق آتی ہیں جو رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین کے عہد تک کافر تھے۔ جامع ترمذی کی روایت میں ہے: "دجال مشرق میں خراسان سے نکلے گا۔ اس کے پیروکار چوڑے چہروں والے لوگ ہوں گے گویا کہ وہ مضبوط چوڑی چوڑی ڈھالیں ہیں۔"[1] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ترک بار بار مسلمانوں سے جنگیں کریں گے۔ واللہ أعلم.

(٩٧) بَابُ مَنْ صَفَّ أَصْحَابَهُ عِنْدَ الْهَزِيمَةِ، وَنَزَلَ عَنْ دَابَّتِهِ وَاسْتَنْصَرَ

باب: 97- شکست کی صورت میں اپنے ساتھیوں کی دوبارہ صف بندی کرنا اور سواری سے اتر کر اللہ سے مدد مانگنا

٢٩٣٠ - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ خَالِدٍ الْحَرَّانِيُّ: حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ: حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحَاقَ قَالَ: سَمِعْتُ الْبَرَاءَ وَسَأَلَهُ رَجُلٌ: أَكُنْتُمْ فَرَرْتُمْ يَا أَبَا عُمَارَةَ يَوْمَ حُنَيْنٍ؟ قَالَ: لَا، وَاللهِ! مَا وَلَّى رَسُولُ اللهِ ﷺ وَلٰكِنَّهُ خَرَجَ شُبَّانُ أَصْحَابِهِ وَخِفَافُهُمْ حُسَّرًا لَيْسَ بِسِلَاحٍ فَأَتَوْا قَوْمًا رُمَاةً جَمْعَ هَوَازِنَ وَبَنِي نَصْرٍ مَّا يَكَادُ يَسْقُطُ لَهُمْ سَهْمٌ فَرَشَقُوهُمْ رَشْقًا مَّا يَكَادُونَ يُخْطِئُونَ، فَأَقْبَلُوا

[2930] حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، ان سے کسی نے پوچھا: اے ابوعمارہ! کیا آپ لوگوں نے غزوۂ حنین میں فرار اختیار کیا تھا؟ انھوں نے کہا: اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ نے ہرگز پیٹھ نہیں پھیری، البتہ آپ کے اصحاب میں جو نوجوان بے سروسامان تھے، جن کے پاس نہ زرہ تھی، نہ خود اور نہ کوئی دوسرا ہتھیار، ان کا پالا ایسی قوم سے پڑ گیا جو بہترین تیرانداز تھے۔ وہ ہوازن اور بنونصر قبائل کی جماعتیں تھیں کہ ان کا تیر کم ہی خطا جاتا تھا، چنانچہ

1 جامع الترمذي، الفتن، حديث: 2237.

هُنَالِكَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ وَهُوَ عَلَى بَغْلَتِهِ الْبَيْضَاءِ وَابْنُ عَمِّهِ أَبُو سُفْيَانَ بْنُ الْحَارِثِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ يَقُودُ بِهِ، فَنَزَلَ وَاسْتَنْصَرَ، ثُمَّ قَالَ: «أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ، أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ»، ثُمَّ صَفَّ أَصْحَابَهُ. [راجع: ٢٨٦٤]

انھوں نے خوب تیر برسائے۔ وہ نشانے سے خطانہیں کرتے تھے۔ اس دوران میں مسلمان نبی ﷺ کے پاس جمع ہو گئے، آپ اپنے سفید خچر پر سوار تھے اور آپ کے چچا زاد بھائی حضرت ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب آپ کی سواری کی لگام تھامے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے سواری سے اتر کر اللہ تعالیٰ سے مدد کی دعا مانگی، پھر فرمایا: ''میں نبی ہوں۔ اس میں غلط بیانی کا کوئی شائبہ نہیں، اور میں جناب عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔ پھر آپ نے اپنے ساتھیوں کی (ازسرنو) صف بندی کی۔

فائدہ: فَأَقْبَلُوْا هُنَالِكَ کے دو مفہوم ہیں: ''ایک یہ کہ آپ کے پاس آنے والے وہ نوجوان مسلمان تھے جنھوں نے کفار سے پیٹھ پھیر لی تھی۔ جب یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے تو کچھ تو اپنے اپنے راستے پر چلے گئے اور کچھ وہیں آپ کے پاس رک گئے۔ آپ نے ان کی دوبارہ صف بندی کی اور ہلا بول دیا (حملہ کر دیا)۔'' اور دوسرا احتمال یہ ہے: ''مسلمانوں کے شکست کھانے کے بعد کفار آپ کے سامنے آئے ہوں اور ان کی طرف سے آپ پر حملہ کرنے کا بیان ہو۔'' دونوں صورتوں میں یہ بات سامنے آئی کہ ہزیمت کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اپنے ساتھیوں کی دوبارہ صف بندی کی اور اپنی سواری سے اتر کر اللہ تعالیٰ سے اپنی نصرت وفتح کی دعا مانگی۔ اس دعا کا بیان آئندہ احادیث میں آئے گا۔

(٩٨) بَابُ الدُّعَاءِ عَلَى الْمُشْرِكِينَ بِالْهَزِيمَةِ وَالزَّلْزَلَةِ

باب: 98- مشرکین کی شکست اور ان کے پاؤں پھسل جانے کی بددعا کرنا

٢٩٣١ - حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى: أَخْبَرَنَا عِيسَى عَنْ هِشَامٍ، عَنْ مُحَمَّدٍ، عَنْ عَبِيدَةَ، عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: لَمَّا كَانَ يَوْمُ الْأَحْزَابِ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَلَأَ اللهُ بُيُوتَهُمْ وَقُبُورَهُمْ نَارًا، شَغَلُونَا عَنْ صَلَاةِ الْوُسْطَى حَتَّى غَابَتِ الشَّمْسُ». [انظر: ٤١١١، ٤٥٣٣، ٦٣٩٦]

[2931] حضرت علی ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ احزاب کے موقع پر فرمایا: ''اللہ تعالیٰ ان (قبائل مشرکین) کے گھر اور قبریں آگ سے بھر دے انھوں نے ہمیں صلاۃ وسطیٰ، یعنی نماز عصر سے روکا یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا۔''

فوائد ومسائل: ① غزوۂ احزاب کے دن جب مسلمان سخت مصیبت میں مبتلا ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے کفار ومشرکین

کے خلاف بددعا فرمائی جو قبول ہوئی اور وہ شکست کھا کر بھاگ گئے۔ آپ نے فرمایا: ''اے اللہ! ان کے گھر آگ سے بھر دے۔'' جب کسی کے گھر میں آگ لگ جائے تو سخت مضطرب اور انتہائی پریشان ہوتا ہے۔ ان الفاظ سے شکست کھانے اور پاؤں پھسلنے کو ثابت کیا ہے۔ ② آگے ایک حدیث میں صراحت ہے کہ آپ نے ان الفاظ میں دعا کی: ''اے اللہ! انھیں شکست دے اور انھیں اچھی طرح جھنجھوڑ کر رکھ دے۔''[1]

٢٩٣٢ - حَدَّثَنَا قَبِيصَةُ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ ابْنِ ذَكْوَانَ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَدْعُو فِي الْقُنُوتِ: اَللّٰهُمَّ أَنْجِ سَلَمَةَ بْنَ هِشَامٍ، اَللّٰهُمَّ أَنْجِ الْوَلِيدَ بْنَ الْوَلِيدِ، اَللّٰهُمَّ أَنْجِ عَيَّاشَ بْنَ أَبِي رَبِيعَةَ، اَللّٰهُمَّ أَنْجِ الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ، اَللّٰهُمَّ اشْدُدْ وَطْأَتَكَ عَلَى مُضَرَ، اَللّٰهُمَّ سِنِينَ كَسِنِي يُوسُفَ». [راجع: ٧٩٧]

[2932] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ قنوت کے وقت یہ دعا پڑھتے تھے: ''اے اللہ! سلمہ بن ہشام کو نجات دے۔ اے اللہ! ولید بن ولید کو نجات دے۔ اے اللہ! عیاش بن ابی ربیعہ کو نجات دے۔ اے اللہ! تمام کمزور مسلمانوں کو نجات دے۔ اے اللہ! قبیلۂ مضر پر اپنا سخت عذاب نازل فرما۔ اے اللہ! ایسا قحط نازل فرما جیسا حضرت یوسف ؑ کے زمانے میں پڑا تھا۔''

فائدہ: رسول اللہ ﷺ کی بددعا کہ اے اللہ! ان پر اپنی پکڑ سخت کر دے اور انھیں ایسے قحط میں مبتلا کر دے جو حضرت یوسف ؑ کے وقت پڑا تھا۔ یہ الفاظ اس قدر جامع ہیں جو کفار کے شکست کھانے اور ان کے پاؤں پھسلنے کو شامل ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ دوران جنگ میں بھی اس قسم کی بددعا کی جا سکتی ہے۔

٢٩٣٣ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ: أَخْبَرَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبِي خَالِدٍ أَنَّهُ سَمِعَ عَبْدَ اللهِ بْنَ أَبِي أَوْفَى رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا يَقُولُ: دَعَا رَسُولُ اللهِ ﷺ يَوْمَ الْأَحْزَابِ عَلَى الْمُشْرِكِينَ فَقَالَ: «اَللّٰهُمَّ مُنْزِلَ الْكِتَابِ، سَرِيعَ الْحِسَابِ، اَللّٰهُمَّ اهْزِمِ الْأَحْزَابَ، اَللّٰهُمَّ اهْزِمْهُمْ وَزَلْزِلْهُمْ». [انظر: ٢٩٦٥، ٣٠٢٥، ٤١١٥، ٦٣٩٢، ٧٤٨٩]

[2933] حضرت عبداللہ بن ابی اوفی ؓ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جنگ احزاب کے دن مشرکین کے خلاف یہ بددعا کی تھی: ''اے اللہ! کتاب کو نازل کرنے والے، جلد حساب لینے والے، اے اللہ! ان (کافروں کے) لشکروں کو شکست دے۔ انھیں ہزیمت سے دوچار کر دے۔ اور ان کے پاؤں (میدان سے) اکھاڑ دے۔''

فوائد ومسائل: ① اس روایت میں کفار کے لیے شکست اور ان کے میدان سے بھاگنے کی بددعا کا ذکر ہے۔ ② رسول اللہ

[1] صحیح البخاري، الجهاد، حدیث: 2933.

ﷺ نے ان کی ہلاکت کی بددعا کرنے کے بجائے انھیں شکست اور زلزلے سے دوچار ہونے کی بددعا دی کیونکہ شکست کے بعد وہ بالکل ختم نہیں ہوں گے، پھر عین ممکن ہے کہ یہ خود یا ان کی اولاد میں سے کوئی مسلمان ہو جائے اور دین اسلام کی ترویج و اشاعت کر کے اخروی نجات کا حق دار بن جائے۔

٢٩٣٤ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ: حَدَّثَنَا جَعْفَرُ بْنُ عَوْنٍ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ عَمْرِو بْنِ مَيْمُونٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّي فِي ظِلِّ الْكَعْبَةِ فَقَالَ أَبُو جَهْلٍ وَنَاسٌ مِّنْ قُرَيْشٍ، وَنُحِرَتْ جَزُورٌ بِنَاحِيَةِ مَكَّةَ، فَأَرْسَلُوا فَجَاءُوا مِنْ سَلَاهَا وَطَرَحُوا عَلَيْهِ، فَجَاءَتْ فَاطِمَةُ فَأَلْقَتْهُ عَنْهُ، فَقَالَ: «اَللّٰهُمَّ عَلَيْكَ بِقُرَيْشٍ، اَللّٰهُمَّ عَلَيْكَ بِقُرَيْشٍ، اَللّٰهُمَّ عَلَيْكَ بِقُرَيْشٍ»: لِأَبِي جَهْلِ بْنِ هِشَامٍ، وَعُتْبَةَ بْنِ رَبِيعَةَ، وَشَيْبَةَ ابْنِ رَبِيعَةَ، وَالْوَلِيدِ بْنِ عُتْبَةَ، وَأُبَيِّ بْنِ خَلَفٍ وَعُقْبَةَ بْنِ أَبِي مُعَيْطٍ. قَالَ عَبْدُ اللهِ: فَلَقَدْ رَأَيْتُهُمْ فِي قَلِيبِ بَدْرٍ قَتْلَى.

[2934] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ نبی ﷺ کعبہ کے سائے میں نماز پڑھ رہے تھے کہ ابوجہل اور قریش کے چند لوگوں نے مشورہ کیا (کہ آپ کو تنگ کیا جائے)، چنانچہ مکہ سے باہر ایک اونٹنی ذبح کی گئی تھی، انھوں نے اپنے آدمی بھیجے وہ اس کی وہ جھلی اٹھا لائے جس میں بچہ لپٹا ہوتا ہے اور اسے آپ ﷺ پر ڈال دیا۔ اس کے بعد سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا آئیں، انھوں نے اس (جھلی) کو آپ سے الگ کر کے دور پھینک دیا۔ آپ نے فرمایا: ''اے اللہ! قریش کو اپنی گرفت میں لے لے۔ اے اللہ! قریش کو پکڑ لے۔ اے اللہ! قریش کو اپنی گرفت میں لے لے۔'' ابوجہل بن ہشام، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ولید بن عتبہ، ابی بن خلف اور عقبہ بن ابی معیط کے لیے بددعا فرمائی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے ان سب کو بدر کے گندے کنویں میں مقتول دیکھا۔

قَالَ أَبُو إِسْحَاقَ: وَنَسِيتُ السَّابِعَ. قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: قَالَ يُوسُفُ ابْنُ أَبِي إِسْحَاقَ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ: أُمَيَّةُ بْنُ خَلَفٍ. وَقَالَ شُعْبَةُ: أُمَيَّةُ أَوْ أُبَيٌّ، وَالصَّحِيحُ أُمَيَّةُ. [راجع: ٢٤٠]

(راویٔ حدیث) ابو اسحاق نے کہا: میں ساتویں شخص کا نام بھول گیا۔ یوسف بن ابو اسحاق نے ابو اسحاق کے حوالے سے بتایا کہ وہ امیہ بن خلف تھا۔ اور شعبہ نے کہا: وہ امیہ یا ابی ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ وہ امیہ بن خلف تھا۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں قریش کے لیے بالعموم بددعا کرنے کے بعد بالخصوص سات آدمیوں پر بددعا کا ذکر ہے، چنانچہ ایک روایت میں اس کی صراحت ہے۔[1] صحیح بخاری کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب قریش پر بددعا کی تو ان پر بہت گراں گزری کیونکہ انھیں یقین تھا کہ اس شہر میں، خاص طور پر بیت اللہ میں دعا ضرور قبول ہوتی

---

[1] صحيح البخاري، الصلاة، حديث: 520.

ہے۔[1] ② راوی جس ساتویں شخص کا نام بھول گیا وہ عمارہ بن ولید ہے جیسا کہ دوسری روایت سے ظاہر ہے۔[2] اس روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے ہنگامی حالات میں ایک طبقے کے خلاف بددعا کی ہے۔ اسی طرح جنگی حالات میں بھی مشرکین کے خلاف، یعنی ان کی شکست اور ان کے قدم پھسلنے کی دعا کی جا سکتی ہے۔

٢٩٣٥ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ أَيُّوبَ، عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: أَنَّ الْيَهُودَ دَخَلُوا عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالُوا: السَّامُ عَلَيْكَ، وَلَعَنْتُهُمْ فَقَالَ: «مَا لَكِ؟» قَالَتْ: أَوَ لَمْ تَسْمَعْ مَا قَالُوا؟ قَالَ: «فَلَمْ تَسْمَعِي مَا قُلْتُ؟ وَعَلَيْكُمْ». [انظر: ٦٠٢٤، ٦٠٣٠، ٦٢٥٦، ٦٣٩٥، ٦٤٠١، ٦٩٢٧]

[2935] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ کچھ یہودی نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ آپ پر موت آئے۔ میں نے یہ سن کر ان پر لعنت کی تو آپ نے فرمایا: ”تجھے کیا ہو گیا ہے؟“ میں نے عرض کیا: آپ نے نہیں سنا جو انھوں نے کہا ہے؟ آپ نے فرمایا: ”کیا تو نے وہ نہیں سنا جو میں نے کہا ہے؟ کہ تم پر بھی ہو۔“

فوائد ومسائل: ① جو کچھ یہودیوں نے رسول اللہ ﷺ کے متعلق منفی جذبات کا اظہار کیا رسول اللہ ﷺ نے ”وعلیکم“ فرما کر وہی کچھ ان پر ڈال دیا۔ ایک روایت کے مطابق آپ نے فرمایا: ”ان کے لیے ہماری بددعا تو قبول ہوتی ہے لیکن ان کی بددعا ہمارے خلاف قبول نہیں ہوگی۔“[3] ② حضرت عائشہ ؓ نے انتہائی غصے کے عالم میں اپنے جذبات کا ان الفاظ میں اظہار کیا کہ تم پر اللہ کی لعنت اور اس کا غضب ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں فرمایا: ”عائشہ! تجھے نرم رویہ اختیار کرنا چاہیے۔ اس قسم کی سخت کلامی اور کھردرے لہجے سے بچنا ضروری ہے کیونکہ ایسا کرنا ہمارے اخلاق فاضلہ (بہترین اخلاق) کے خلاف ہے۔“[4]

(٩٩) بَابُ هَلْ يُرْشِدُ الْمُسْلِمُ أَهْلَ الْكِتَابِ أَوْ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ

باب: 99- کیا مسلمان اہل کتاب کی دینی رہنمائی کرے اور انھیں قرآن سکھائے؟

٢٩٣٦ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ: أَخْبَرَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَخِي ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عَمِّهِ قَالَ: أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ: أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَخْبَرَهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَتَبَ إِلَى

[2936] حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (شاہ روم) قیصر کو خط لکھا: ”اگر تو نے دعوت اسلام سے اعراض کیا تو عوام لوگوں کا گناہ بھی تیرے ذمہ ہوگا۔“

1 صحيح البخاري، الوضوء، حديث: 240. 2 صحيح البخاري، الصلاة، حديث: 520. 3 صحيح البخاري، الأدب، حديث: 6030. 4 صحيح البخاري، الأدب، حديث: 6030.

قَيْصَرَ وَقَالَ: «فَإِنْ تَوَلَّيْتَ فَإِنَّ عَلَيْكَ إِثْمَ الْأَرِيسِيِّينَ». [انظر: ٢٩٤٠]

فائدہ: رسول اللہ ﷺ نے شاہ روم ہرقل کو دین اسلام کی دعوت دی اور اسے انجام بد سے خبردار کیا۔ اس طرح آپ نے اس کی دینی رہنمائی فرمائی۔ آپ نے اس خط میں قرآن مجید کی ایک آیت بھی لکھی تھی۔ اس سے ثابت ہوا کہ اہل کتاب کو قرآن کی تعلیم بھی دی جا سکتی ہے لیکن یہ اس وقت جائز ہوگا جب ان سے خیر کی امید ہو اور انھیں رغبت بھی ہو۔ اگر ان سے گستاخی اور بے ادبی کا اندیشہ ہو اور ان میں شوق اور رغبت بھی نہ ہو تو ایسی صورت میں انھیں قرآن مجید کی تعلیم نہیں دینی چاہیے۔ حضرت اسامہ بن زید ؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ عبداللہ ابن ابی منافق کے مسلمان ہونے سے پہلے اس کے پاس سے گزرے جبکہ اس کے ساتھ مجلس میں مسلمان، مشرک اور اہل کتاب بیٹھے تھے تو رسول اللہ ﷺ نے ان پر قرآن پڑھا۔[1] اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اہل کتاب کو قرآن کریم کی تعلیم دی جا سکتی ہے۔ واللہ أعلم.

(١٠٠) بَابُ الدُّعَاءِ لِلْمُشْرِكِينَ بِالْهُدٰى لِيَتَأَلَّفَهُمْ

باب: 100- مشرکین کے لیے ہدایت کی دعا کرنا تاکہ انھیں مانوس کیا جائے

٢٩٣٧ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ: حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ أَنَّ عَبْدَالرَّحْمٰنِ قَالَ: قَالَ أَبُوهُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: قَدِمَ طُفَيْلُ بْنُ عَمْرٍو الدَّوْسِيُّ وَأَصْحَابُهُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالُوا: يَارَسُولَ اللهِ! إِنَّ دَوْسًا عَصَتْ وَأَبَتْ فَادْعُ اللهَ عَلَيْهَا، فَقِيلَ: هَلَكَتْ دَوْسٌ. قَالَ: «اَللّٰهُمَّ اهْدِ دَوْسًا وَّائْتِ بِهِمْ». [انظر: ٤٣٩٢، ٦٣٩٧]

[2937] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ طفیل بن عمرو دوسی ؓ اور ان کے ساتھی نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اللہ کے رسول! قبیلۂ دوس نے نافرمانی کی اور (قبول اسلام سے) انکار کر دیا ہے، آپ اللہ سے ان کے متعلق بددعا کریں۔ تب کہا گیا کہ قبیلۂ دوس تو برباد ہو جائے گا۔ (لیکن) آپ نے فرمایا: ''اے اللہ! قبیلۂ دوس کو ہدایت نصیب فرما اور انھیں (حق کی جانب) لے آ۔''

فائدہ: رسول اللہ ﷺ جب دیکھتے کہ مشرکین کی ایذا رسانی حد سے تجاوز کر گئی ہے اور ان کے حالات خطرناک صورت حال اختیار کر چکے ہیں تو ان کی شان و شوکت کو توڑنے کے لیے ان پر بددعا کرتے جیسا کہ ابوجہل اور قریش کے دوسرے سرداروں کے لیے بددعا فرمائی اور جب مشرکین کا رویہ اتنا سنگین نہ ہوتا اور نہ ان سے کوئی تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہوتا تو آپ ان کی ہدایت کے لیے دعا فرماتے جیسا کہ آپ نے قبیلۂ دوس کے لیے دعا فرمائی تو وہ مشرف بالاسلام ہو گئے۔ بہرحال کفار و مشرکین کے لیے دعا یا بددعا کرنا حالات پر منحصر ہے۔

---

[1] صحیح البخاري، التفسیر، حدیث: 4566.

(١٠١) بَابُ دَعْوَةِ الْيَهُودِ وَالنَّصَارٰى، وَعَلٰى مَا يُقَاتَلُونَ عَلَيْهِ، وَمَا كَتَبَ النَّبِيُّ ﷺ إِلٰى كِسْرٰى وَقَيْصَرَ، وَالدَّعْوَةِ قَبْلَ الْقِتَالِ

باب: 101- یہود و نصاریٰ کو کس طرح دعوت دی جائے اور ان سے کس بات پر جنگ کی جائے؟ نیز نبی ﷺ کا کسریٰ اور قیصر کو خطوط لکھنا اور انھیں لڑائی سے پہلے دعوت اسلام دینا

٢٩٣٨ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْجَعْدِ: أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسًا رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ: لَمَّا أَرَادَ النَّبِيُّ ﷺ أَنْ يَكْتُبَ إِلَى الرُّومِ قِيلَ لَهُ: إِنَّهُمْ لَا يَقْرَؤُونَ كِتَابًا إِلَّا أَنْ يَكُونَ مَخْتُومًا، فَاتَّخَذَ خَاتَمًا مِّنْ فِضَّةٍ فَكَأَنِّي أَنْظُرُ إِلٰى بَيَاضِهِ فِي يَدِهِ، وَنَقَشَ فِيهِ: مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللهِ. [راجع: ٦٥]

[2938] حضرت انس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ جب نبی ﷺ نے شاہ روم کو خط لکھنے کا ارادہ کیا تو آپ سے کہا گیا کہ وہ مہر کے بغیر خط نہیں پڑھتے، چنانچہ آپ نے چاندی کی ایک انگوٹھی بنوائی۔ گویا اب بھی میں آپ کے دست مبارک میں اس کی چمک دیکھ رہا ہوں۔ اس انگوٹھی پر محمد رسول اللہ کندہ تھا۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب شاہان عالم کو دعوتی خطوط لکھے جائیں تو وہ دعوت باضابطہ طور پر سربراہ کی مہر سے مزین ہونی چاہیے۔ عمومی دعوت ان کے شان کے شایان نہیں۔ دعوت دینے کے بعد اگر وہ اسے قبول نہ کریں تو پھر ان کے خلاف جہاد کیا جائے۔ اس کی تفصیل آئندہ حدیث کے فوائد میں ملاحظہ کریں۔

٢٩٣٩ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ قَالَ: حَدَّثَنِي عُقَيْلٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ: أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَبَّاسٍ أَخْبَرَهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ بَعَثَ بِكِتَابِهِ إِلٰى كِسْرٰى فَأَمَرَهُ أَنْ يَدْفَعَهُ إِلٰى عَظِيمِ الْبَحْرَيْنِ، يَدْفَعُهُ عَظِيمُ الْبَحْرَيْنِ إِلٰى كِسْرٰى، فَلَمَّا قَرَأَهُ كِسْرٰى خَرَّقَهُ، فَحَسِبْتُ أَنَّ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ قَالَ: فَدَعَا عَلَيْهِمُ النَّبِيُّ ﷺ أَنْ يُمَزَّقُوا كُلَّ مُمَزَّقٍ. [راجع: ٦٤]

[2939] حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنا (دعوتی) خط شاہ ایران کسریٰ کے پاس بھیجا۔ آپ نے قاصد کو حکم دیا کہ وہ اس خط کو بحرین کے گورنر کو پہنچا دے، پھر بحرین کا گورنر اسے کسریٰ کے دربار میں پہنچا دے گا۔ جب کسریٰ نے مکتوب پڑھا تو اسے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ (راوی کہتا ہے کہ) میرے خیال کے مطابق حضرت سعید بن مسیب نے فرمایا: نبی ﷺ نے ان (ایرانیوں) پر بددعا کی کہ وہ خود بھی پارہ پارہ ہو جائیں۔ (چنانچہ ایسا ہی ہوا۔)

فوائد ومسائل: ① بحرین کے گورنر کے پاس رسول اللہ ﷺ کا خط لے جانے والے حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی تھے۔

کسریٰ کو خط پہنچانے کا طریقہ یہی تھا کہ پہلے اس کے گورنر کو دیا جائے، پھر وہ خود شاہ ایران کو پہنچائے۔ جب کسریٰ نے رسول اللہ ﷺ کا خط پھاڑ دیا تو رسول اللہ ﷺ نے اس کے متعلق بددعا فرمائی کہ اس نے میرا خط نہیں پھاڑا بلکہ خود کو ٹکڑے ٹکڑے کیا ہے، چنانچہ وہ خود اور اس کی حکومت پاش پاش ہوگئی۔ آخر کار اہل فارس نے ایک عورت کو اپنا سربراہ بنایا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''وہ قوم کبھی کامیاب نہیں ہوگی جس نے حکومت کے معاملات عورت کے سپرد کر دیے۔'' چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں ایران کا آتش کدہ بجھا کر وہاں اسلامی پرچم لہرا دیا گیا۔ ② رسول اللہ ﷺ نے پہلے اہل فارس کو دعوتی خط لکھا، پھر ان سے جہاد کیا۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا موقف بھی یہی ہے کہ پہلے دعوتِ اسلام دی جائے۔ اگر غیر مسلم اسے قبول نہ کریں تو پھر ان سے جہاد و قتال کیا جائے جبکہ بعض حضرات کا خیال ہے کہ اب دعوتِ اسلام پھیل چکی ہے، لہٰذا اب قتال ہی ہوگا۔ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جس کی رہائش دارالاسلام سے دور ہے اسے تو دعوت دی جائے لیکن قریب رہنے والے کو دعوت کی ضرورت نہیں۔ بہرحال جن لوگوں کو دعوت نہیں پہنچی ان کے ساتھ اس دعوت سے پہلے جنگ و قتال جائز نہیں جب تک انھیں دعوت دے کر اتمام حجت نہ کر دی جائے۔ واللّٰہ أعلم.

(١٠٢) بَابُ دُعَاءِ النَّبِيِّ ﷺ إِلَى الْإِسْلَامِ وَالنُّبُوَّةِ، وَأَنْ لَا يَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا أَرْبَابًا مِّنْ دُونِ اللهِ

باب: 102 - نبی ﷺ کا لوگوں کو اسلام اور تصدیق کی دعوت دینا اور اس بات کا عہد لینا کہ کوئی ایک دوسرے کو اللہ کے سوا معبود نہ بنائے

وَقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَن يُؤْتِيَهُ ٱللَّهُ ٱلْكِتَٰبَ﴾ اَلْآيَةَ [آل عمران: ٧٩].

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''کسی بندے کے لیے یہ لائق نہیں کہ اللہ تعالیٰ اسے کتاب و حکمت اور نبوت عطا فرمائے (تو وہ لوگوں کو اللہ کے سوا اپنی عبادت کے متعلق دعوت دے)۔''

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اسلامی جہاد کا مقصد عبادت الٰہی اور مساوات انسانی کو فروغ دینا ہے اور اس ملوکیت کو جڑ سے اکھاڑنا ہے جس میں ایک انسان تخت حکومت پر بیٹھ کر اپنی خدائی تسلیم کرائے۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کے لیے بھی یہ لائق نہیں کہ الوہیت و ربوبیت کے کچھ حصے دار بننے کا دعویٰ کریں۔ اس آیت کریمہ میں اسلامی جہاد کی دعوت کا بیان ہے۔

٢٩٤٠ - حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ حَمْزَةَ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ صَالِحِ بْنِ كَيْسَانَ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّهُ أَخْبَرَهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَتَبَ إِلَى قَيْصَرَ يَدْعُوهُ إِلَى الْإِسْلَامِ وَبَعَثَ بِكِتَابِهِ إِلَيْهِ مَعَ دِحْيَةَ

[2940] حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے قیصر (شاہ روم) کو ایک خط لکھا جس میں آپ نے اسے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی تھی۔ حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کو آپ نے مکتوب دے کر بھیجا اور انھیں حکم دیا تھا کہ وہ اس مکتوب کو بصریٰ کے گورنر کے حوالے کر دیں، وہ اسے قیصر روم تک پہنچا

الْكَلْبِيِّ، وَأَمَرَهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ أَنْ يَّدْفَعَهُ إِلٰى عَظِيمِ بُصْرٰى لِيَدْفَعَهُ إِلٰى قَيْصَرَ وَكَانَ قَيْصَرُ لَمَّا كَشَفَ اللهُ عَنْهُ جُنُودَ فَارِسَ مَشٰى مِنْ حِمْصَ إِلٰى إِيلِيَاءَ شُكْرًا لِّمَا أَبْلَاهُ اللهُ، فَلَمَّا جَاءَ قَيْصَرَ كِتَابُ رَسُولِ اللهِ ﷺ قَالَ حِينَ قَرَأَهُ: اِلْتَمِسُوا لِي هَاهُنَا أَحَدًا مِّنْ قَوْمِهِ لِأَسْأَلَهُمْ عَنْ رَّسُولِ اللهِ ﷺ. [راجع: ٢٩٣٦]

دے گا۔ واقعہ یہ تھا کہ جب فارس کی فوج شکست کھا کر پیچھے ہٹ گئی تو وہ حمص سے ایلیاء آیا تاکہ وہ اس انعام کا شکر ادا کرے جو اسے فتح کی صورت میں ملا تھا۔ جب اس کے پاس رسول اللہ ﷺ کا نامۂ مبارک پہنچا اور اس کے سامنے پڑھا گیا تو اس نے کہا کہ تم اس شخص کی قوم کا کوئی آدمی تلاش کرو تاکہ میں ان سے رسول اللہ ﷺ کے متعلق کچھ دریافت کروں۔

٢٩٤١ - قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: فَأَخْبَرَنِي أَبُو سُفْيَانَ ابْنُ حَرْبٍ أَنَّهُ كَانَ بِالشَّامِ فِي رِجَالٍ مِّنْ قُرَيْشٍ قَدِمُوا تِجَارًا فِي الْمُدَّةِ الَّتِي كَانَتْ بَيْنَ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَبَيْنَ كُفَّارِ قُرَيْشٍ. قَالَ أَبُو سُفْيَانَ: فَوَجَدَنَا رَسُولُ قَيْصَرَ بِبَعْضِ الشَّامِ، فَانْطَلَقَ بِي وَبِأَصْحَابِي حَتّٰى قَدِمْنَا إِيلِيَاءَ، فَأُدْخِلْنَا عَلَيْهِ فَإِذَا هُوَ جَالِسٌ فِي مَجْلِسِ مُلْكِهِ وَعَلَيْهِ التَّاجُ، وَإِذَا حَوْلَهُ عُظَمَاءُ الرُّومِ، فَقَالَ لِتُرْجُمَانِهِ: سَلْهُمْ: أَيُّهُمْ أَقْرَبُ نَسَبًا إِلٰى هٰذَا الرَّجُلِ الَّذِي يَزْعُمُ أَنَّهُ نَبِيٌّ؟ قَالَ أَبُو سُفْيَانَ: فَقُلْتُ: أَنَا أَقْرَبُهُمْ إِلَيْهِ نَسَبًا. قَالَ: مَا قَرَابَةُ مَا بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ؟ فَقُلْتُ: هُوَ ابْنُ عَمٍّ، وَلَيْسَ فِي الرَّكْبِ يَوْمَئِذٍ أَحَدٌ مِّنْ بَنِي عَبْدِ مَنَافٍ غَيْرِي. فَقَالَ قَيْصَرُ: أَدْنُوهُ، وَأَمَرَ بِأَصْحَابِي فَجُعِلُوا خَلْفَ ظَهْرِي عِنْدَ كَتِفِي، ثُمَّ قَالَ لِتُرْجُمَانِهِ: قُلْ لِأَصْحَابِهِ إِنِّي سَائِلٌ هٰذَا الرَّجُلَ عَنِ الَّذِي يَزْعُمُ أَنَّهُ نَبِيٌّ، فَإِنْ كَذَبَ فَكَذِّبُوهُ. قَالَ أَبُو سُفْيَانَ: وَاللهِ! لَوْلَا الْحَيَاءُ يَوْمَئِذٍ مِّنْ أَنْ يَّأْثُرَ أَصْحَابِي عَنِّي الْكَذِبَ لَكَذَبْتُهُ حِينَ سَأَلَنِي

[2941] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: مجھے ابوسفیان نے خبر دی کہ وہ قریش کے کچھ آدمیوں کے ہمراہ شام میں تھے جو تجارت کی غرض سے یہاں آئے تھے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب رسول اللہ ﷺ اور کفار قریش کے درمیان صلح ہو چکی تھی۔ ابوسفیان نے کہا کہ قیصر کے قاصد نے ہمیں شام کے کسی علاقے میں تلاش کر لیا اور وہ مجھے اور میرے ساتھیوں کو اپنے ساتھ لے کر چلا حتی کہ ہم بیت المقدس پہنچے تو ہمیں قیصر روم کے دربار میں پہنچا دیا گیا۔ وہ اپنے شاہی دربار میں سر پر (بادشاہت کا) تاج سجائے بیٹھا ہوا تھا اور روم کے امراء و وزراء اس کے اردگرد جمع تھے۔ اس نے اپنے ترجمان سے کہا: ان لوگوں سے دریافت کرو کہ وہ آدمی جو خود کو نبی کہتا ہے نسب کے اعتبار سے تم میں سے کون اس کے زیادہ قریب ہے؟ ابوسفیان نے کہا: نسب کے اعتبار سے میں اس کے زیادہ قریب ہوں۔ شاہ روم نے پوچھا کہ تمھاری اور اس کی کیا رشتہ داری ہے؟ میں نے کہا کہ وہ میرا چچا زاد بھائی ہے اور واقعی ان دنوں اس قافلے میں میرے علاوہ کوئی شخص بھی بنو عبد مناف میں سے نہیں تھا۔ اس (وضاحت) کے بعد قیصر نے کہا: اس کو میرے قریب بٹھاؤ۔ میرے ساتھیوں کو اس کے حکم کے

عَنْهُ، وَلٰكِنِّي اسْتَحْيَيْتُ أَنْ يَّأْثُرُوا الْكَذِبَ عَنِّي فَصَدَقْتُهُ. ثُمَّ قَالَ لِتُرْجُمَانِهِ: قُلْ لَّهُ: كَيْفَ نَسَبُ هٰذَا الرَّجُلِ فِيكُمْ؟ قُلْتُ: هُوَ فِينَا ذُو نَسَبٍ. قَالَ: فَهَلْ قَالَ هٰذَا الْقَوْلَ أَحَدٌ مِّنْكُمْ قَبْلَهُ؟ قُلْتُ: لَا. فَقَالَ: كُنْتُمْ تَتَّهِمُونَهُ عَلَى الْكَذِبِ قَبْلَ أَنْ يَّقُولَ مَا قَالَ؟ قُلْتُ: لَا. قَالَ: فَهَلْ كَانَ مِنْ آبَائِهِ مِنْ مَّلِكٍ؟ قُلْتُ: لَا. قَالَ: فَأَشْرَافُ النَّاسِ يَتَّبِعُونَهُ أَمْ ضُعَفَاؤُهُمْ؟ قُلْتُ: بَلْ ضُعَفَاؤُهُمْ؟ قَالَ: فَيَزِيدُونَ أَوْ يَنْقُصُونَ؟ قُلْتُ: بَلْ يَزِيدُونَ. قَالَ: فَهَلْ يَرْتَدُّ أَحَدٌ سَخْطَةً لِّدِينِهِ بَعْدَ أَنْ يَّدْخُلَ فِيهِ؟ قُلْتُ: لَا. قَالَ: فَهَلْ يَغْدِرُ؟ قُلْتُ: لَا، وَنَحْنُ الْآنَ مِنْهُ فِي مُدَّةٍ، نَحْنُ نَخَافُ أَنْ يَّغْدِرَ. قَالَ أَبُو سُفْيَانَ: وَلَمْ تُمْكِنِّي كَلِمَةٌ أُدْخِلُ فِيهَا شَيْئًا أَنْتَقِصُهُ بِهِ لَا أَخَافُ أَنْ تُؤْثَرَ عَنِّي غَيْرُهَا. قَالَ: فَهَلْ قَاتَلْتُمُوهُ وَقَاتَلَكُمْ؟ قُلْتُ: نَعَمْ. قَالَ: فَكَيْفَ كَانَتْ حَرْبُهُ وَحَرْبُكُمْ؟ قُلْتُ: كَانَتْ دُوَلًا وَّسِجَالًا، يُدَالُ عَلَيْنَا الْمَرَّةَ وَنُدَالُ عَلَيْهِ الْأُخْرٰى. قَالَ: فَمَاذَا يَأْمُرُكُمْ بِهِ؟ قَالَ: يَأْمُرُنَا أَنْ نَّعْبُدَ اللهَ وَحْدَهُ لَا نُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا، وَّيَنْهَانَا عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ آبَاؤُنَا، وَيَأْمُرُنَا بِالصَّلَاةِ وَالصَّدَقَةِ وَالْعَفَافِ، وَالْوَفَاءِ بِالْعَهْدِ وَأَدَاءِ الْأَمَانَةِ. فَقَالَ لِتُرْجُمَانِهِ حِينَ قُلْتُ ذٰلِكَ لَهُ: قُلْ لَّهُ: إِنِّي سَأَلْتُكَ عَنْ نَّسَبِهِ فِيكُمْ فَزَعَمْتَ أَنَّهُ ذُو نَسَبٍ، وَكَذٰلِكَ الرُّسُلُ تُبْعَثُ فِي نَسَبِ قَوْمِهَا، وَسَأَلْتُكَ: هَلْ قَالَ أَحَدٌ مِّنْكُم هٰذَا الْقَوْلَ قَبْلَهُ فَزَعَمْتَ أَنْ لَّا، فَقُلْتُ: لَوْ كَانَ

مطابق میرے پیچھے قریب ہی کھڑا کر دیا گیا۔ اس کے بعد اس نے ترجمان سے کہا: اس کے ساتھیوں کو بتلا دو کہ میں اس سے اس شخص کے متعلق کچھ معلومات حاصل کروں گا جو نبوت کا دعویدار ہے، اگر یہ شخص، اس کے متعلق کوئی جھوٹی بات کہے تو اس کی تکذیب کر دینا۔ ابوسفیان نے کہا: اللہ کی قسم! اگر مجھے اس دن اس بات کی شرم نہ ہوتی کہ مبادا میرے ساتھی میری تکذیب کر دیں تو اس کے سوالوں کے جوابات میں ضرور جھوٹ کی ملاوٹ کر دیتا جو اس نے آپ کے متعلق مجھ سے کیے تھے لیکن مجھے تو اس بات کا کھٹکا لگا رہا کہ کہیں میرے ساتھی میری تکذیب نہ کر دیں، اس لیے میں نے سچائی سے کام لیا۔ اس کے بعد اس نے ترجمان سے کہا: اس سے پوچھو کہ اس شخص کا تمھارے اندر نسب کیسا ہے؟ میں نے کہا: وہ ہم میں اعلیٰ نسب کا حامل ہے۔ پھر اس نے کہا: اس سے پہلے تم میں سے کسی نے ایسا دعویٰ کیا تھا؟ میں نے کہا: نہیں۔ پھر اس نے پوچھا: کیا تم لوگوں نے اس دعوت نبوت سے پہلے اس پر کوئی جھوٹ کا الزام لگایا تھا؟ میں نے کہا: نہیں۔ اس نے پوچھا: کیا اس کے آباؤ اجداد میں سے کوئی بادشاہ ہوا ہے؟ میں نے کہا: نہیں۔ اس نے پوچھا: کیا بڑے بڑے لوگ اس کی پیروی کرتے ہیں یا کمزور لوگ اس کے پیچھے لگے ہیں؟ میں نے کہا: بلکہ کمزور لوگ ہی اس کی پیروی کرتے ہیں۔ اس نے پوچھا: کیا وہ (اس کے پیروکار دن بہ دن) بڑھ رہے ہیں یا وہ تعداد میں کم ہو رہے ہیں؟ میں نے کہا: نہیں، بلکہ تعداد میں اضافہ ہی ہو رہا ہے۔ اس نے پوچھا: کیا اس کے دین میں داخل ہونے کے بعد کوئی اس کے دین سے ناراض ہو کر مرتد بھی ہوا ہے؟ میں نے کہا: ایسا نہیں ہے۔ پھر اس نے پوچھا: کیا وہ بدعہدی کرتا ہے؟ میں نے کہا: نہیں، لیکن آج کل ہمارا

أَحَدٌ مِّنْكُمْ قَالَ هٰذَا الْقَوْلَ قَبْلَهُ، قُلْتُ رَجُلٌ يَّأْتَمُّ بِقَوْلٍ قَدْ قِيلَ قَبْلَهُ. وَسَأَلْتُكَ هَلْ كُنْتُمْ تَتَّهِمُونَهُ بِالْكَذِبِ قَبْلَ أَنْ يَّقُولَ مَا قَالَ؟ فَزَعَمْتَ أَنْ لَّا، فَعَرَفْتُ أَنَّهُ لَمْ يَكُنْ لِيَدَعَ الْكَذِبَ عَلَى النَّاسِ وَيَكْذِبَ عَلَى اللهِ. وَسَأَلْتُكَ: هَلْ كَانَ مِنْ آبَائِهِ مِنْ مَّلِكٍ؟ فَزَعَمْتَ أَنْ لَّا، فَقُلْتُ: لَوْ كَانَ مِنْ آبَائِهِ مَلِكٌ، قُلْتُ يَطْلُبُ مُلْكَ آبَائِهِ. وَسَأَلْتُكَ: أَشْرَافُ النَّاسِ يَتَّبِعُونَهُ أَمْ ضُعَفَاؤُهُمْ؟ فَزَعَمْتَ أَنَّ ضُعَفَاءَهُمُ اتَّبَعُوهُ، وَهُمْ أَتْبَاعُ الرُّسُلِ. وَسَأَلْتُكَ: هَلْ يَزِيدُونَ أَوْ يَنْقُصُونَ؟ فَزَعَمْتَ أَنَّهُمْ يَزِيدُونَ، وَكَذٰلِكَ الْإِيمَانُ حَتّٰى يَتِمَّ. وَسَأَلْتُكَ: هَلْ يَرْتَدُّ أَحَدٌ سَخْطَةً لِّدِينِهِ بَعْدَ أَنْ يَّدْخُلَ فِيهِ؟ فَزَعَمْتَ أَنْ لَّا، فَكَذٰلِكَ الْإِيمَانُ حِينَ تَخْلِطُ بَشَاشَتُهُ الْقُلُوبَ لَا يَسْخَطُهُ أَحَدٌ. وَسَأَلْتُكَ هَلْ يَغْدِرُ؟ فَزَعَمْتَ أَنْ لَّا، وَكَذٰلِكَ الرُّسُلُ لَا يَغْدِرُونَ. وَسَأَلْتُكَ هَلْ قَاتَلْتُمُوهُ وَقَاتَلَكُمْ؟ فَزَعَمْتَ أَنْ قَدْ فَعَلَ، وَأَنَّ حَرْبَكُمْ وَحَرْبَهُ يَكُونُ دُوَلًا، يُدَالُ عَلَيْكُمُ الْمَرَّةَ وَتُدَالُونَ عَلَيْهِ الْأُخْرٰى؛ وَكَذٰلِكَ الرُّسُلُ تُبْتَلٰى وَتَكُونُ لَهُ الْعَاقِبَةُ. وَسَأَلْتُكَ بِمَاذَا يَأْمُرُكُمْ؟ فَزَعَمْتَ أَنَّهُ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَعْبُدُوا اللهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا، وَيَنْهَاكُمْ عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ آبَاؤُكُمْ، وَيَأْمُرُكُمْ بِالصَّلَاةِ وَالصَّدَقَةِ وَالْعَفَافِ، وَالْوَفَاءِ بِالْعَهْدِ، وَأَدَاءِ الْأَمَانَةِ، قَالَ: وَهٰذِهِ صِفَةُ نَبِيٍّ، قَدْ كُنْتُ أَعْلَمُ أَنَّهُ خَارِجٌ، وَلٰكِنْ لَمْ أَعْلَمْ أَنَّهُ مِنْكُمْ، وَإِنْ يَكُ مَا قُلْتَ حَقًّا، فَيُوشِكُ أَنْ يَّمْلِكَ

اس سے ایک معاہدہ ہوا ہے اور ہمیں اس کی طرف سے معاہدے کی خلاف ورزی کا اندیشہ ہے۔ ابوسفیان کہتے ہیں کہ مجھے اس فقرے کے سوا اور کوئی بات داخل کرنے کا موقع نہ مل سکا جس سے آپ کی توہین نکلتی ہو اور اپنے ساتھیوں کی طرف سے جھٹلانے کا بھی اندیشہ نہ ہو۔ پھر اس نے کہا: کیا تم نے اس سے یا اس نے تم سے کبھی کوئی جنگ کی ہے؟ میں نے کہا: جی ہاں! اس نے کہا: تو پھر وہ جنگ کیسی رہی؟ میں نے کہا: لڑائی میں کبھی ایک گروہ کی فتح نہیں ہوئی بلکہ کبھی وہ ہمیں مغلوب کر لیتے ہیں اور کبھی ہم ان پر غلبہ پا لیتے ہیں۔ اس نے پوچھا: وہ تمھیں کن باتوں کا حکم دیتے ہیں؟ اس (ابوسفیان) نے کہا: وہ ہمیں اس بات کا حکم دیتے ہیں کہ ہم صرف ایک اللہ کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ وہ ہمیں ان بتوں کی عبادت سے بھی منع کرتے ہیں جن کی ہمارے باپ دادا عبادت کرتے چلے آئے ہیں۔ اس کے علاوہ نماز، صدقہ و خیرات، پاک بازی، وفائے عہد اور ادائے امانت کا بھی کہتے ہیں۔ جب میں اسے یہ تمام باتیں بتا چکا تو اس نے اپنے ترجمان سے کہا: ان سے کہو کہ میں نے تم سے ان کے نسب کے متعلق دریافت کیا تو تم نے بتایا کہ وہ تمھارے ہاں صاحب نسب اور انتہائی شریف سمجھے جاتے ہیں اور انبیائے کرام بھی اسی طرح اپنی قوم میں اعلیٰ نسب کے حامل ہوتے ہیں۔ پھر میں نے دریافت کیا کہ آیا یہ بات اس سے پہلے بھی تم میں سے کسی نے کہی تھی؟ تم نے بتلایا کہ نہیں! میں کہتا ہوں کہ اگر یہ بات اس سے پہلے کسی اور نے کہی ہوتی تو میں کہتا کہ یہ شخص ایک بات کی نقالی کر رہا ہے جو اس سے پہلے کہی جا چکی ہے۔ میں نے تم سے پوچھا کہ نبوت کا دعویٰ کرنے سے پہلے تم نے کبھی اسے جھوٹ بولتے دیکھا ہے تو تم نے

مَوْضِعَ قَدَمَيَّ هَاتَيْنِ، وَلَوْ أَرْجُو أَنْ أَخْلُصَ إِلَيْهِ لَتَجَشَّمْتُ لِقَاءَهُ، وَلَوْ كُنْتُ عِنْدَهُ لَغَسَلْتُ قَدَمَيْهِ. قَالَ أَبُو سُفْيَانَ: ثُمَّ دَعَا بِكِتَابِ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقُرِئَ فَإِذَا فِيهِ:

کہا: نہیں۔ اور میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ ایسا نہیں ہو سکتا کہ ایک شخص لوگوں پر جھوٹ باندھنے سے تو پرہیز کرے اور اللہ پر دیدہ دلیری سے جھوٹ بولے۔ میں نے تم سے پوچھا کہ اس کے بزرگوں میں سے کوئی بادشاہ گزرا ہے تو تم نے بتایا کہ نہیں۔ میں کہتا ہوں کہ اگر اس کے بزرگوں میں سے کوئی بادشاہ گزرا ہوتا تو میں کہتا کہ یہ شخص (اس دعوائے نبوت کی آڑ میں) اپنے باپ دادا کی بادشاہت کا طالب ہے۔ میں نے تم سے پوچھا کہ بڑے بڑے سردار اس کی پیروی کر رہے ہیں یا کمزور لوگ؟ تم نے کہا کہ کمزور لوگ ہی اس کی پیروی کر رہے ہیں۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ اس قسم کے ناتواں لوگ ہی پیغمبروں کے پیروکار ہوتے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ وہ بڑھ رہے ہیں یا کم ہو رہے ہیں؟ تم نے بتلایا کہ ان کی تعداد میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ درحقیقت ایمان کا یہی حال ہوتا ہے تا آنکہ وہ پایۂ تکمیل تک پہنچ جاتا ہے۔ پھر میں نے پوچھا کہ اس دین میں داخل ہونے کے بعد کوئی شخص دین سے بے زار ہو کر مرتد بھی ہوا ہے؟ تو تم نے بتایا کہ نہیں۔ واقعی ایمان کا یہی حال ہوتا ہے کہ اس کی چاشنی جب دل میں سما جاتی ہے تو پھر نکلتی نہیں۔ پھر میں نے تم سے دریافت کیا کہ وہ عہد شکنی بھی کرتا ہے تو تم نے آگاہ کیا کہ نہیں۔ یقیناً رسول اللہ ایسے ہی ہوتے ہیں کہ وہ عہد شکنی نہیں کرتے۔ میں نے تم سے پوچھا: کیا تم نے اس سے جنگ کی ہے اور انھوں نے تم سے جنگ کی ہے، تم نے کہا: ہاں، ایسا ہوا ہے، البتہ وہ جنگ ڈول کی طرح رہی، کبھی وہ تم پر غالب اور کبھی تم ان پر غالب رہے۔ رسولوں کا یہی حال ہوتا ہے کہ ان کا امتحان لیا جاتا ہے لیکن اچھا انجام ان کے حق ہی میں ہوتا ہے۔ میں نے تم سے یہ بھی پوچھا کہ وہ تمھیں کن باتوں کا حکم دیتے ہیں، تو تم نے بتایا کہ وہ

اللہ کی عبادت کرنے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانے کا حکم دیتا ہے اور تمھیں ان کی عبادت کرنے سے منع کرتا ہے جن کی تمھارے آباء واجداد عبادت کرتے چلے آئے ہیں اور اس کے علاوہ وہ تمھیں نماز، سچائی، پرہیزگاری و پاکدامنی، ایفائے عہد اور ادائے امانت کا حکم دیتا ہے۔ واقعی نبی کی یہی صفات ہوتی ہیں۔ میں جانتا تھا کہ یہ نبی آنے والا ہے لیکن میرا یہ خیال نہ تھا کہ وہ تم میں سے ہوگا۔ جو کچھ تم نے بتایا ہے اگر وہ صحیح ہے تو یہ شخص بہت جلد اس جگہ کا مالک ہو جائے گا جہاں میرے یہ دونوں قدم ہیں۔ اگر مجھے یقین ہوتا کہ میں اس کے پاس پہنچ سکوں گا تو اس سے ملاقات کی ضرور زحمت اٹھاتا۔ اگر میں اس کے پاس ہوتا تو ضرور اس کے پاؤں دھوتا۔ ابوسفیان نے کہا: پھر اس نے رسول اللہ ﷺ کا خط منگوایا اور وہ اس کے سامنے پڑھا گیا، اس میں یہ لکھا تھا:

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ، مِنْ مُحَمَّدٍ عَبْدِ اللهِ وَرَسُولِهِ، إِلٰى هِرَقْلَ عَظِيمِ الرُّومِ، سَلَامٌ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى، أَمَّا بَعْدُ، فَإِنِّي أَدْعُوكَ بِدِعَايَةِ الْإِسْلَامِ، أَسْلِمْ تَسْلَمْ، وَأَسْلِمْ يُؤْتِكَ اللهُ أَجْرَكَ مَرَّتَيْنِ، فَإِنْ تَوَلَّيْتَ فَعَلَيْكَ إِثْمُ الْأَرِيسِيِّينَ. وَ: ﴿يَٰٓأَهْلَ ٱلْكِتَٰبِ تَعَالَوْا۟ إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا ٱللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِۦ شَيْـًٔا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّن دُونِ ٱللَّهِ ۚ فَإِن تَوَلَّوْا۟ فَقُولُوا۟ ٱشْهَدُوا۟ بِأَنَّا مُسْلِمُونَ﴾ [آل عمران: ٦٤].

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان، انتہائی رحم کرنے والا ہے۔ اللہ کے بندے اور اس کے رسول محمد ﷺ کی طرف سے ہرقل عظیم روم کے نام۔ اس شخص پر سلام جو ہدایت کی پیروی کرے۔ اس کے بعد میں تمھیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ مسلمان ہو جاؤ تو سلامتی میں رہو گے اور اللہ تعالیٰ تمھیں دوہرا اجر دے گا۔ اور اگر تم نے روگردانی کی تو تیری رعایا کا گناہ بھی تجھ پر ہوگا۔ ”اے اہل کتاب! ایک ایسی بات کی طرف آ جاؤ جو ہمارے اور تمھارے درمیان یکساں ہے۔ وہ یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور ہم میں سے کوئی بھی اللہ کے سوا کسی کو رب نہ بنائے۔ پھر اگر یہ لوگ اعراض کریں تو (صاف) کہہ دو گواہ رہو کہ بے شک ہم فرمانبردار ہیں۔“

قَالَ أَبُو سُفْيَانَ: فَلَمَّا أَنْ قَضٰى مَقَالَتَهُ عَلَتْ أَصْوَاتُ الَّذِينَ حَوْلَهُ مِنْ عُظَمَاءِ الرُّومِ، وَكَثُرَ لَغَطُهُمْ فَلَا أَدْرِي مَاذَا قَالُوا، وَأُمِرَ بِنَا فَأُخْرِجْنَا، فَلَمَّا أَنْ خَرَجْتُ مَعَ أَصْحَابِي وَخَلَوْتُ بِهِمْ، قُلْتُ لَهُمْ: لَقَدْ أَمِرَ أَمْرُ ابْنِ أَبِي كَبْشَةَ، هٰذَا مَلِكُ بَنِي الْأَصْفَرِ يَخَافُهُ. قَالَ أَبُو سُفْيَانَ: وَاللهِ! مَا زِلْتُ ذَلِيلًا مُّسْتَيْقِنًا بِأَنَّ أَمْرَهُ سَيَظْهَرُ، حَتّٰى أَدْخَلَ اللهُ قَلْبِيَ الْإِسْلَامَ وَأَنَا كَارِهٌ. [راجع: ٧]

ابوسفیان نے کہا: جب اس نے اپنی بات پوری کر لی تو اس کے آس پاس رومی سرداروں کی آوازیں بلند ہونے لگیں اور وہاں بہت غل غپاڑہ ہوا۔ میں نہیں جانتا کہ انھوں نے کیا کہا، البتہ ہمارے متعلق حکم دیا گیا تو ہمیں وہاں سے باہر نکال دیا گیا۔ اب میں اپنے ساتھیوں سمیت باہر نکلا اور ان کے ساتھ گوشۂ تنہائی میسر آیا تو میں نے کہا: ابوکبشہ کے بیٹے کا معاملہ بڑا زور پکڑ گیا ہے۔ اس سے تو رومیوں کا یہ بادشاہ بھی ڈرتا ہے۔ اللہ کی قسم! اس کے بعد میں ذلت محسوس کرتا رہا اور مجھے برابر یقین رہا کہ وہ غالب آ کر رہے گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں اسلام جاگزیں کر دیا جبکہ میں اسے ناپسند کرتا تھا۔

فوائد و مسائل: ① مذکورہ حدیث ''حدیث ہرقل'' کے نام سے مشہور ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس سے متعدد مسائل کا استنباط کیا ہے اور اسے متعدد مقامات پر مختصر اور تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اس مقام پر اسے پیش کرنے کا مقصد یہ ہے کہ غیر مسلم حضرات کو دعوت اسلام کس طرح دینی چاہیے، اس کی وضاحت کی ہے۔ اس میں شاہ روم ہرقل کو دعوت اسلام دینے کا اسلوب بیان ہوا ہے کہ جہاد و قتال سے پہلے اسلام کی دعوت دینا ضروری ہے۔ ② اس میں ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور اس طرح دیگر سرداران قریش کو جو آپ نے دعوت دی تھی اس کا حاصل بیان ہوا ہے، چنانچہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہو گئے اور انھیں مؤلفۃ القلوب میں شمار کیا گیا۔ قبل ازیں وہ مشرکین کے کمانڈر کی حیثیت سے غزوۂ بدر اور غزوۂ اُحد میں شریک رہے۔ آخر کار اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کی حقانیت ان کے دل میں پیوست کر دی اور وہ مسلمان ہو گئے۔ اس وقت جو دل میں کراہت تھی وہ بھی اللہ تعالیٰ نے دل سے نکال دی۔

٢٩٤٢ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ الْقَعْنَبِيُّ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَبِي حَازِمٍ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: سَمِعَ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ يَوْمَ خَيْبَرَ: «لَأُعْطِيَنَّ الرَّايَةَ رَجُلًا يَفْتَحُ اللهُ عَلٰى يَدَيْهِ»، فَقَامُوا يَرْجُونَ لِذٰلِكَ أَيُّهُمْ يُعْطٰى، فَغَدَوْا وَكُلُّهُمْ يَرْجُو أَنْ يُعْطٰى، فَقَالَ: «أَيْنَ عَلِيٌّ؟» فَقِيلَ: يَشْتَكِي عَيْنَيْهِ، فَأَمَرَ فَدُعِيَ

[2942] حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے نبی ﷺ کو خیبر کے دن یہ فرماتے ہوئے سنا: ''میں اب جھنڈا اس شخص کو دوں گا جس کے ہاتھ پر اللہ فتح دے گا۔'' اس پر صحابۂ کرام اس امید میں کھڑے ہو گئے کہ ان میں سے کس کو جھنڈا ملتا ہے؟ اور دوسرے دن ہر شخص کو یہی امید تھی کہ جھنڈا اسے دیا جائے گا مگر آپ نے فرمایا: ''علی کہاں ہیں؟'' عرض کیا گیا: وہ تو آشوب چشم میں مبتلا

لَهُ فَبَصَقَ فِي عَيْنَيْهِ فَبَرَأَ مَكَانَهُ حَتّٰى كَأَنَّهُ لَمْ يَكُنْ بِهِ شَيْءٌ، فَقَالَ: نُقَاتِلُهُمْ حَتّٰى يَكُونُوا مِثْلَنَا؟ فَقَالَ: «عَلٰى رِسْلِكَ حَتّٰى تَنْزِلَ بِسَاحَتِهِمْ، ثُمَّ ادْعُهُمْ إِلَى الْإِسْلَامِ، وَأَخْبِرْهُمْ بِمَا يَجِبُ عَلَيْهِمْ، فَوَاللّٰهِ لَأَنْ يُّهْدٰى بِكَ رَجُلٌ وَّاحِدٌ خَيْرٌ لَّكَ مِنْ حُمْرِ النَّعَمِ». [انظر: ۳۰۰۹، ۳۷۰۱، ٤٢١٠]

ہیں۔ آپ کے حکم پر انھیں بلایا گیا۔ آپ نے ان کی دونوں آنکھوں میں اپنا لعاب دہن لگایا جس سے وہ فوراً صحت یاب ہو گئے گویا انھیں کوئی شکایت ہی نہیں تھی۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: ہم ان سے جنگ لڑیں گے یہاں تک کہ وہ ہماری طرح (مسلمان) ہو جائیں؟ آپ نے فرمایا: ''آرام سے چلو! جب تم ان کے میدان میں جاؤ تو سب سے پہلے انھیں دعوت اسلام دو اور ان کے فرائض سے انھیں آگاہ کرو۔ اللہ کی قسم! اگر تمھاری وجہ سے ایک شخص کو بھی ہدایت مل گئی تو وہ تمھارے لیے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔''

فوائد و مسائل: ① سرخ اونٹ عربوں کے ہاں پسندیدہ اور مرغوب سرمایہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''اگر اس قدر محبوب سرمایہ اللہ کی راہ میں صدقہ کرو تو بھی اس ثواب کو نہیں پا سکتے ہو جو کسی آدمی کے مسلمان ہونے سے تمھیں ملے گا۔'' امام بخاری رحمہ اللہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے لڑائی شروع کرنے سے پہلے فریق مقابل کے سامنے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دعوت اسلام پیش کرنے کا حکم دیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مخالفین کو پہلے راہ راست پر لانے کی بھرپور کوشش کی جائے کیونکہ ہماری تبلیغی کوشش سے اگر ایک آدمی بھی راہ راست پر آ گیا تو اللہ کے ہاں یہ عمل بہت اجر و ثواب کا باعث ہے۔ ② اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اسلام بنیادی طور پر جنگ و قتال نہیں چاہتا وہ صرف صلح اور امن و امان چاہتا ہے مگر جب دفاع ناگزیر ہو تو پھر بھرپور مقابلے کا حکم بھی دیتا ہے۔

۲۹٤۳ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ عَمْرٍو: حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحَاقَ عَنْ حُمَيْدٍ قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسًا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقُولُ: كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا غَزَا قَوْمًا لَّمْ يُغِرْ حَتّٰى يُصْبِحَ، فَإِنْ سَمِعَ أَذَانًا أَمْسَكَ، وَإِنْ لَّمْ يَسْمَعْ أَذَانًا أَغَارَ بَعْدَ مَا يُصْبِحُ، فَنَزَلْنَا خَيْبَرَ لَيْلًا. [راجع: ۳۷۱]

[2943] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی قوم پر چڑھائی کرتے تو اس وقت تک حملہ نہ کرتے جب تک صبح نہ ہوتی۔ جب صبح ہو جاتی اور اذان کی آواز سن لیتے تو رک جاتے اور اگر اذان نہ سنتے تو صبح کے بعد حملہ کر دیتے، چنانچہ خیبر میں بھی ہم رات ہی کو پہنچے تھے۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں یہ اشارہ ہے کہ جنگ سے پہلے ہر وہ موقع تلاش کر لینا چاہیے جس سے جنگ کا خطرہ ٹل سکے کیونکہ جنگ و قتال اسلام کے مقاصد سے نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ صبح تک اس لیے انتظار کرتے تھے تاکہ پتہ چل جائے

کہ اس علاقے کے لوگ مسلمان ہیں یا نہیں۔ اذان وغیرہ اسلامی شعائر سے ان کا حال معلوم ہو جاتا تھا۔ ② اس کا مطلب یہ ہے کہ جب کسی قوم کے متعلق معلوم نہ ہو سکے کہ انھیں دعوت اسلام پہنچی ہے یا نہیں تو صبح تک انتظار کر لیا جائے۔ اگر اذان سنائی دے تو حملہ نہ کیا جائے بصورت دیگر حملہ کر دیا جائے۔ دعوت اسلام کے متعلق جمہور کا مسلک یہ ہے کہ اگر دعوت نہیں پہنچی تو اسلام کی دعوت دینا واجب ہے، اگر پہنچ چکی ہے تو نئے سرے سے دینا مستحب ہے۔ واللہ أعلم.

٢٩٤٤ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ حُمَيْدٍ، عَنْ أَنَسٍ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا غَزَا بِنَا . . . [راجع: ٣٧١]

[2944] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ ہمیں ساتھ لے کر غزوہ کرتے......

٢٩٤٥ - وَحَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَّالِكٍ، عَنْ حُمَيْدٍ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ خَرَجَ إِلٰى خَيْبَرَ فَجَاءَهَا لَيْلًا، وَّكَانَ إِذَا جَاءَ قَوْمًا بِلَيْلٍ لَّا يُغِيرُ عَلَيْهِمْ حَتّٰى يُصْبِحَ، فَلَمَّا أَصْبَحَ خَرَجَتْ يَهُودُ بِمَسَاحِيهِمْ وَمَكَاتِلِهِمْ، فَلَمَّا رَأَوْهُ قَالُوا: مُحَمَّدٌ وَّاللهِ مُحَمَّدٌ وَّالْخَمِيسُ. فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «اَللهُ أَكْبَرُ، خَرِبَتْ خَيْبَرُ، إِنَّا إِذَا نَزَلْنَا بِسَاحَةِ قَوْمٍ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِينَ». [راجع: ٣٧١]

[2945] حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ نبی ﷺ خیبر کی طرف تشریف لے گئے اور وہاں رات کے وقت پہنچے۔ آپ ﷺ جب کسی قوم کے پاس رات کو آتے تو ان پر حملہ نہ کرتے حتی کہ صبح ہو جاتی، چنانچہ جب صبح ہوئی تو یہودی اپنی کسیاں اور ٹوکریاں لے کر باہر نکلے۔ جب انھوں نے آپ ﷺ کو دیکھا تو کہنے لگے: محمد (ﷺ) ہیں۔ اللہ کی قسم! محمد (ﷺ) تو لشکر سمیت آ گئے ہیں۔ اس وقت نبی ﷺ نے فرمایا: ''اللہ اکبر! خیبر ویران ہو گیا۔ جب ہم کسی قوم کے میدان میں اترتے ہیں تو ڈرائے ہوئے لوگوں کی صبح بہت بری ہوتی ہے۔''

فوائد و مسائل: ① غزوۂ خیبر کا پس منظر یہود کی مسلسل غداری اور طبعی فساد انگیزی تھا۔ انھیں دعوت اسلام پہنچ چکی تھی، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے انھیں سزا دینا چاہی۔ نبی ﷺ رات کے وقت ان پر حملہ آور ہوئے۔ انھیں سنبھلنے کا موقع نہیں دیا گیا۔ ② ایک روایت کے مطابق حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم خیبر میں اس وقت پہنچے جب سورج چمک رہا تھا۔[1] صحیح بخاری کی مذکورہ روایت اس کے خلاف نہیں کیونکہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے وہاں صبح کی نماز پڑھی تھی، پھر خیبر کے گلی کوچوں میں اس وقت پہنچے جب سورج چمکنے لگا، اس لیے دونوں روایات اپنی اپنی جگہ پر درست اور صحیح ہیں۔[2]

٢٩٤٦ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ: حَدَّثَنِي سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ أَنَّ أَبَا

[2946] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ

① صحيح مسلم، الإيمان، حديث: 4666 (1365). ② فتح الباري: 136/6.

هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَقُولُوا: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، فَمَنْ قَالَ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، فَقَدْ عَصَمَ مِنِّي نَفْسَهُ وَمَالَهُ إِلَّا بِحَقِّهِ، وَحِسَابُهُ عَلَى اللّٰهِ». رَوَاهُ عُمَرُ وَابْنُ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.

میں لوگوں سے اس وقت تک جنگ کرتا رہوں یہاں تک کہ وہ لا إله إلا الله کہیں۔ جس نے لا إله إلا الله کہہ دیا اس کی جان اور مال ہم سے محفوظ ہے مگر حق اسلام کی وجہ سے (پھر بھی قتال کیا جا سکتا ہے۔) البتہ اس کا حساب اللہ کے ذمے ہے۔''

اس روایت کو حضرت عمر اور ابن عمر ؓ نے بھی نبی ﷺ سے بیان کیا ہے۔

فوائد ومسائل: ① اس حدیث میں جنگ کی غایت لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰه کہنے کو قرار دیا گیا ہے جبکہ صحیح مسلم کی روایت کے مطابق قتال کی غایت لا إله إلا الله وأن محمدًا رسول الله بیان کی گئی ہے۔[1] اس کی توجیہ یہ ہے کہ پہلی روایت ان بت پرستوں کے متعلق ہے جو توحید کا اقرار ہی نہیں کرتے اور دوسری روایت ان لوگوں کے لیے ہے جو توحید کا اقرار تو کرتے ہیں لیکن رسول اللہ ﷺ کی رسالت کے منکر ہیں۔ ان کے متعلق فرمایا: ''مجھے ان سے قتال کا حکم دیا گیا ہے یہاں تک کہ وہ شہادتین کا اقرار کریں۔''[2] یعنی جس چیز کے منکر ہیں اس کا اقرار کرانے تک قتال جاری رہے گا لیکن حق اسلام کے لیے انھیں قتل کیا جا سکتا ہے۔ ② حق اسلام تین چیزیں ہیں: ○ کسی انسان کو بلاوجہ قتل کرنا۔ ○ شادی شدہ کا زنا کرنا۔ ○ دین اسلام سے مرتد ہو جانا۔ انھیں اقرار شہادتین کے باوجود بھی قتل کیا جائے گا اور ان کی جانوں کا کوئی تحفظ نہیں ہے۔[3]

(١٠٣) بَابُ مَنْ أَرَادَ غَزْوَةً فَوَرّٰى بِغَيْرِهَا، وَمَنْ أَحَبَّ الْخُرُوجَ إِلَى السَّفَرِ يَوْمَ الْخَمِيسِ

باب: 103- لڑائی کا مقام چھپانا اور جمعرات کے دن سفر کرنا

٢٩٤٧ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ: حَدَّثَنِي اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنِ كَعْبٍ وَّكَانَ قَائِدَ كَعْبٍ مِّنْ بَنِيهِ، قَالَ: سَمِعْتُ كَعْبَ بْنَ مَالِكٍ حِينَ تَخَلَّفَ عَنْ رَّسُولِ اللّٰهِ ﷺ وَلَمْ يَكُنْ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يُرِيدُ غَزْوَةً إِلَّا وَرّٰى بِغَيْرِهَا. [راجع: ٢٧٥٧]

[2947] حضرت کعب بن مالک ؓ سے روایت ہے، ان سے (ان کے بیٹے) حضرت عبداللہ نے بیان کیا اور (حضرت کعب کے نابینے ہونے کے بعد) ان کے دوسرے بیٹوں میں سے وہی (عبداللہ) انھیں راستے میں لے کر چلتے تھے۔ انھوں نے کہا: میں نے (اپنے والد محترم) حضرت کعب بن مالک ؓ سے سنا جب وہ (غزوۂ تبوک میں) رسول اللہ ﷺ سے پیچھے رہ گئے تھے کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی غزوے کا ارادہ کرتے تو کسی دوسرے مقام کی طرف

1 صحيح مسلم، الإيمان، حديث: 29 (22). 2 فتح الباري: 137/6. 3 عمدة القاري: 266/10.

اشارہ کرتے۔

٢٩٤٨ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ: أَخْبَرَنَا يُونُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: سَمِعْتُ كَعْبَ بْنَ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ قَلَّمَا يُرِيدُ غَزْوَةً يَغْزُوهَا إِلَّا وَرَّى بِغَيْرِهَا، حَتَّى كَانَتْ غَزْوَةُ تَبُوكَ فَغَزَاهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ فِي حَرٍّ شَدِيدٍ، وَاسْتَقْبَلَ سَفَرًا بَعِيدًا وَّمَفَازًا، وَاسْتَقْبَلَ غَزْوَ عَدُوٍّ كَثِيرٍ، فَجَلّٰى لِلْمُسْلِمِينَ أَمْرَهُ لِيَتَأَهَّبُوا أُهْبَةَ عَدُوِّهِمْ وَأَخْبَرَهُمْ بِوَجْهِهِ الَّذِي يُرِيدُ. [راجع: ٢٧٥٧]

[2948] حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ اکثر طور پر جب کسی جنگ کا ارادہ کرتے تو اصل مقام چھپا کر کسی دوسرے مقام کی طرف اشارہ کرتے تھے۔ جب آپ غزوۂ تبوک کو جانے لگے تو چونکہ اس وقت سخت گرمی تھی، دور دراز کا سفر، جنگلات کا سامنا اور کثیر تعداد دشمن سے مقابلہ کرنا تھا، اس لیے آپ نے مسلمانوں کو صاف صاف بتا دیا تاکہ وہ دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے پوری پوری تیاری کر لیں۔ آپ نے جہاں جانا تھا، اس کا صاف صاف اعلان کر دیا۔

٢٩٤٩ - وَعَنْ يُونُسَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ كَعْبَ بْنَ مَالِكٍ كَانَ يَقُولُ: لَقَلَّمَا كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَخْرُجُ إِذَا خَرَجَ فِي سَفَرٍ إِلَّا يَوْمَ الْخَمِيسِ. [راجع: ٢٧٥٧]

[2949] حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہا کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ جمعرات کے دن کے سوا بہت کم سفر کے لیے نکلتے تھے۔

٢٩٥٠ - حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ، عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ خَرَجَ يَوْمَ الْخَمِيسِ فِي غَزْوَةِ تَبُوكَ وَكَانَ يُحِبُّ أَنْ يَّخْرُجَ يَوْمَ الْخَمِيسِ. [راجع: ٢٧٥٧]

[2950] حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے مزید روایت ہے کہ نبی ﷺ غزوۂ تبوک کے لیے جمعرات کے دن نکلے تھے۔ اور آپ ﷺ جمعرات کے روز سفر کرنا پسند کرتے تھے۔

فوائد و مسائل: ① ایک کام کا ارادہ کر کے کسی مصلحت کے پیش نظر کسی دوسرے کام کا اظہار کرنا توریہ کہلاتا ہے۔ جنگی حالات کے پیش نظر ایسا کرنا پڑتا ہے تاکہ دشمن کو اس کی خبر نہ ہو اور وہ مقابلے کی تیاری نہ کر سکے۔ لیکن غزوۂ تبوک کے وقت آپ

نے توریہ نہیں کیا بلکہ صاف صاف الفاظ میں اس جنگ کا اعلان کر دیا کیونکہ ہر اعتبار سے مقابلہ بہت سخت تھا۔ ایک طاقتور حکومت سے ٹکر لینا تھی اور مسلمانوں کو اس سے لڑنے کے لیے پورے طور پر تیاری کرنا تھی۔ ② مقصد یہ ہے کہ امام حالات کے پیش نظر اپنے اختیارات استعمال کر سکتا ہے۔ وہ حسب موقع توریہ سے کام لے یا اپنی فوج کو صاف صاف بتا دے، یعنی جیسا موقع محل دیکھے ویسا ہی کرے۔ ③ جمعرات کے دن سفر کرنا آپ کو پسند تھا آپ نے اس پر ہمیشگی نہیں فرمائی بلکہ آپ سے ہفتے کے دیگر ایام میں بھی سفر کرنا ثابت ہے جیسا کہ آئندہ احادیث سے واضح ہے۔

(١٠٤) بَابُ الْخُرُوجِ بَعْدَ الظُّهْرِ

باب: 104- نماز ظہر کے بعد سفر پر روانہ ہونا

٢٩٥١ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ صَلَّى بِالْمَدِينَةِ الظُّهْرَ أَرْبَعًا، وَالْعَصْرَ بِذِي الْحُلَيْفَةِ رَكْعَتَيْنِ وَسَمِعْتُهُمْ يَصْرُخُونَ بِهِمَا جَمِيعًا.

[راجع: ١٠٨٩]

[2951] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے مدینہ طیبہ میں ظہر کی چار رکعتیں ادا کیں اور ذوالحلیفہ پہنچ کر عصر کی دو رکعتیں پڑھیں۔ میں نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو حج و عمرہ دونوں کا تلبیہ بآواز بلند کہتے ہوئے سنا۔

فائدہ: ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ! میری امت کے لیے صبح سویرے کام کرنے میں برکت عطا فرما۔''[1] امام بخاری رحمہ اللہ نے اس عنوان اور پیش کردہ حدیث سے ثابت کیا ہے کہ یہ حدیث صبح سویرے کے علاوہ سفر کرنے میں رکاوٹ نہیں ہے۔ صبح سفر کرنے کی تخصیص اس لیے ہے کہ وہ نشاط اور خوشی کا وقت ہوتا ہے، اس بنا پر اس وقت کام کرنے میں برکت نازل ہوتی ہے۔[2]

(١٠٥) بَابُ الْخُرُوجِ آخِرَ الشَّهْرِ

باب: 105- مہینے کے آخری دنوں میں سفر کے لیے نکلنا

وَقَالَ كُرَيْبٌ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: اِنْطَلَقَ النَّبِيُّ ﷺ مِنَ الْمَدِينَةِ لِخَمْسٍ بَقِينَ مِنْ ذِي الْقَعْدَةِ وَقَدِمَ مَكَّةَ لِأَرْبَعِ لَيَالٍ خَلَوْنَ مِنْ ذِي الْحِجَّةِ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ مدینہ طیبہ سے (حج کے لیے اس وقت) روانہ ہوئے جب ذوالقعدہ کے پانچ دن رہ گئے تھے اور مکے اس وقت پہنچے جب ذوالحجہ کی چار راتیں گزر چکی تھیں۔

٢٩٥٢ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ،

[2952] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے

[1] سنن أبي داود، الجهاد، حديث: 2606. ② فتح الباري: 138/6.

عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَنَّهَا سَمِعَتْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا تَقُولُ: خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ لِخَمْسٍ لَيَالٍ بَقِينَ مِنْ ذِي الْقَعْدَةِ وَلَا نُرٰى إِلَّا الْحَجَّ، فَلَمَّا دَنَوْنَا مِنْ مَكَّةَ أَمَرَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مَنْ لَّمْ يَكُنْ مَّعَهُ هَدْيٌ، إِذَا طَافَ بِالْبَيْتِ وَسَعٰى بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ أَنْ يَّحِلَّ.

کہا: ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ (حج کے لیے) اس وقت روانہ ہوئے جب ذوالقعدہ کے پانچ دن باقی تھے۔ اس وقت حج کے علاوہ ہمارا کوئی ارادہ نہ تھا۔ جب ہم مکے کے قریب ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ جس کے ساتھ قربانی کا جانور نہ ہو وہ جب بیت اللہ کے طواف اور صفا و مروہ کی سعی سے فارغ ہو تو احرام کھول دے۔

قَالَتْ عَائِشَةُ: فَدُخِلَ عَلَيْنَا يَوْمَ النَّحْرِ بِلَحْمِ بَقَرٍ، فَقُلْتُ: مَا هٰذَا؟ فَقَالَ: نَحَرَ رَسُولُ اللهِ ﷺ عَنْ أَزْوَاجِهِ.

حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ دس ذوالحجہ کو ہمارے ہاں گائے کا گوشت لایا گیا تو میں نے دریافت کیا: یہ گوشت کیسا ہے؟ ہمیں بتایا گیا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ازواج کی طرف سے گائے کی قربانی دی ہے (یہ اس کا گوشت ہے)۔

قَالَ يَحْيٰى: فَذَكَرْتُ هٰذَا الْحَدِيثَ لِلْقَاسِمِ ابْنِ مُحَمَّدٍ فَقَالَ: أَتَتْكَ وَاللهِ بِالْحَدِيثِ عَلٰى وَجْهِهِ. [راجع: ٢٩٤]

(راویٔ حدیث) یحییٰ کا بیان ہے کہ میں نے اس کے بعد یہ حدیث قاسم بن محمد سے ذکر کی تو انھوں نے بتایا کہ اللہ کی قسم! اس نے تم سے یہ حدیث ٹھیک ٹھیک بیان کی ہے۔

فوائد و مسائل: ① بعض جاہل لوگوں کا عقیدہ ہے کہ مہینے کے آغاز میں سفر کرنا چاہیے، مہینے کے آخر میں سفر کرنا نحوست کا باعث ہے۔ امام بخاری ؒ نے اس غلط عقیدے کی تردید کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سفر حج کے لیے ماہ ذی القعدہ کے آخر میں روانہ ہوئے۔ اگر اس وقت سفر کرنا منحوس ہوتا تو آپ ایسا کیوں کرتے۔ اس سفر کا تعلق اگرچہ حج سے ہے مگر جہاد کے سفر کو اس پر قیاس کیا جا سکتا ہے۔ ② حسب موقع اگر مہینے کے آخر میں سفر جہاد کے لیے نکلنا پڑے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ بہرحال یہ امام اور فوج کے قائد کی صوابدید پر موقوف ہے۔ اگر مہینے کے آخری دنوں میں سفر کرنے کا موقع ملے تو یہ مزید بہتر ہوگا کیونکہ سنت پر عمل ہو سکے گا۔ واللہ أعلم.

(١٠٦) بَابُ الْخُرُوجِ فِي رَمَضَانَ

باب: 106- ماہ رمضان میں سفر کرنا

٢٩٥٣ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ: حَدَّثَنِي الزُّهْرِيُّ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: خَرَجَ

[2953] حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ نبی ﷺ نے رمضان المبارک میں سفر کیا اور روزہ رکھا حتی کہ جب آپ مقام کدید پہنچے تو افطار کر

النَّبِيُّ ﷺ فِي رَمَضَانَ فَصَامَ حَتَّى بَلَغَ الْكَدِيدَ أَفْطَرَ. قَالَ سُفْيَانُ: قَالَ الزُّهْرِيُّ: أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ.. وَسَاقَ الْحَدِيثَ. [راجع: ١٩٤٤]

دیا۔ سفیان نے کہا کہ زہری نے فرمایا: مجھے عبیداللہ نے بتایا، انھوں نے حضرت ابن عباس ؓ سے پوری حدیث بیان کی۔

فوائد ومسائل: ① بعض لوگ ماہ رمضان میں سفر کرنا مکروہ خیال کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اس مہینے میں سفر کرنے سے اس کا تقدس مجروح ہوتا ہے۔ امام بخاری ؒ نے اس کی تردید فرمائی ہے کہ یہ موقف بلا دلیل ہے بلکہ رسول اللہ ﷺ سے ماہ رمضان میں سفر کرنا ثابت ہے، لہٰذا اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ② چونکہ پہلی سند میں امام زہری نے اپنے شیخ عبیداللہ سے سماع کی تصریح نہیں کی تھی، اس لیے امام بخاری ؒ نے حدیث کے آخر میں دوسری سند ذکر کی ہے۔ اس میں تصریح سماع ہے۔ ③ کدید یہ مقام مکہ مکرمہ سے 90 کلومیٹر کے فاصلے پر عسفان اور خلیص کے درمیان واقع ہے۔ آج کل اس کا نام خُمَیص ہے۔[1]

(١٠٧) بَابُ التَّوْدِيعِ

باب: 107- سفر کے وقت الوداع کہنا

٢٩٥٤ - وَقَالَ ابْنُ وَهْبٍ: أَخْبَرَنِي عَمْرٌو عَنْ بُكَيْرٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ: بَعَثَنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ فِي بَعْثٍ، فَقَالَ لَنَا: «إِنْ لَقِيتُمْ فُلَانًا وَفُلَانًا - لِرَجُلَيْنِ مِنْ قُرَيْشٍ سَمَّاهُمَا - فَحَرِّقُوهُمَا بِالنَّارِ». قَالَ: ثُمَّ أَتَيْنَاهُ نُوَدِّعُهُ حِينَ أَرَدْنَا الْخُرُوجَ، فَقَالَ: «إِنِّي كُنْتُ أَمَرْتُكُمْ أَنْ تُحَرِّقُوا فُلَانًا وَفُلَانًا بِالنَّارِ، وَإِنَّ النَّارَ لَا يُعَذِّبُ بِهَا إِلَّا اللهُ، فَإِنْ أَخَذْتُمُوهُمَا فَاقْتُلُوهُمَا». [انظر: ٣٠١٦]

[2954] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں کسی لشکر کے ساتھ روانہ کیا اور ہم سے فرمایا: ”اگر تم قریش کے فلاں فلاں دو آدمیوں کو پاؤ تو انھیں آگ میں جلا دینا۔“ آپ نے ان کا نام بھی لیا تھا۔ حضرت ابوہریرہ ؓ کہتے ہیں: پھر جب ہم چلنے لگے تو ہم آپ کے پاس رخصت کے لیے آئے تو آپ نے فرمایا: ”میں نے تمھیں حکم دیا تھا کہ فلاں، فلاں شخص کو آگ میں جلا دینا مگر آگ سے عذاب تو اللہ ہی دیتا ہے، لہٰذا تم اگر انھیں گرفتار کرو تو قتل کر دینا۔“

فوائد ومسائل: ① ان دونوں نے رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینب ؓ کو دوران سفر میں برچھا مارا جس سے ان کا حمل ساقط ہوگیا تھا، اس لیے آپ نے پہلے انھیں جلا دینے کا حکم دیا، پھر بعد میں انھیں قتل کر دینے کا فرمایا۔ ② بوقت سفر الوداع کہنا سنت ہے، خواہ مسافر، مقیم کو کہے یا اس کے برعکس مقیم، مسافر سے کہے۔ حدیث میں پہلی صورت کا بیان ہے۔ دوسری صورت کو اس پر قیاس کیا جا سکتا ہے۔ ہمارے ہاں دوسری صورت ہی عام ہے، یعنی مقیم آدمی مسافر کو الوداع کہتا ہے۔

1 معجم المعالم الجغرافية في السيرة النبوية، ص: 263.

(١٠٨) بَابُ السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ لِلْإِمَامِ

باب: 108- امام کا حکم سننا اور اسے ماننا

٢٩٥٥ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ عُبَيْدِ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنِي نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ. وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ زَكَرِيَّا، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «اَلسَّمْعُ وَالطَّاعَةُ حَقٌّ مَّا لَمْ يُؤْمَرْ بِمَعْصِيَةٍ، فَإِذَا أُمِرَ بِمَعْصِيَةٍ فَلَا سَمْعَ وَلَا طَاعَةَ». [انظر: ٧١٤٤]

[2955] حضرت ابن عمر ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''(امام اور خلیفۂ وقت کی) بات سننا اور ماننا (ہر مسلمان کے لیے) ضروری ہے تاوقتیکہ کسی گناہ کا حکم نہ دیا جائے۔ اگر کسی گناہ کا حکم دیا جائے تو پھر (اس کی بات) سننا اور ماننا ضروری نہیں۔''

فوائد ومسائل: ① ایک دوسری حدیث میں ہے: ''خالق کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی بات نہ مانی جائے۔''[1] بڑا حاکم اللہ تعالیٰ ہے۔ اس کی خلاف ورزی میں کسی دوسرے کا حکم سننا چاہیے اور نہ اسے ماننا ہی چاہیے۔ اگر کوئی حکمران خلاف شرع حکم دے تو اسے سمجھانا چاہیے۔ اگر باز آ جائے تو درست بصورت دیگر سب لوگ مل کر اسے معزول کر دیں۔ ② اس سلسلے میں جمہور کا مسلک یہ ہے کہ جب ظالم حکمران ملک کا انتظام اچھی طرح چلا رہا ہو تو اس کے خلاف علم بغاوت بلند کرنا جائز نہیں اور نہ اس کی بیعت توڑنا ہی جائز ہے۔ یہ حدیث رد تقلید کے لیے بھی زبردست دلیل ہے کیونکہ جامد تقلید تباہی کا راستہ ہے۔

(١٠٩) بَابٌ: يُقَاتَلُ مِنْ وَّرَاءِ الْإِمَامِ وَيُتَّقَى بِهِ

باب: 109- امام کے زیر سایہ حملہ اور دفاع کیا جاتا ہے

٢٩٥٦ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ أَنَّ الْأَعْرَجَ حَدَّثَهُ: أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «نَحْنُ الْآخِرُونَ السَّابِقُونَ» [راجع: ٢٣٨]

[2956] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا: ''ہم لوگ بعد میں آنے والے ہیں مگر (مرتبے میں) سبقت لے جانے والے ہیں۔''

٢٩٥٧ - وَبِهَذَا الْإِسْنَادِ: «مَنْ أَطَاعَنِي فَقَدْ

[2957] اور اسی سند ہی سے روایت ہے (رسول اللہ

---

[1] مسند أحمد: 131/1.

أَطَاعَ اللهَ وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ عَصَى اللهَ، وَمَنْ يُطِعِ الْأَمِيرَ فَقَدْ أَطَاعَنِي، وَمَنْ يَعْصِ الْأَمِيرَ فَقَدْ عَصَانِي، وَإِنَّمَا الْإِمَامُ جُنَّةٌ يُقَاتَلُ مِنْ وَرَائِهِ وَيُتَّقَى بِهِ، فَإِنْ أَمَرَ بِتَقْوَى اللهِ وَعَدَلَ فَإِنَّ لَهُ بِذٰلِكَ أَجْرًا، وَإِنْ قَالَ بِغَيْرِهِ فَإِنَّ عَلَيْهِ مِنْهُ».

[انظر: ۷۱۳۷]

ﷺ نے فرمایا): ''جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔ اور جس شخص نے حاکم شریعت کی فرمانبرداری کی تو بلاشبہ اس نے میری فرمانبرداری کی اور جو شخص حاکم شریعت کی نافرمانی کرے گا تو بلاشبہ اس نے میری نافرمانی کی۔ اور امام تو ڈھال کی طرح ہے جس کے زیر سایہ جنگ کی جاتی ہے اور اس کے ذریعے سے ہی دفاع کیا جاتا ہے۔ اگر وہ اللہ سے ڈرنے کا حکم دے اور عدل کرے تو اسے ثواب ملے گا اور اگر وہ اس کے خلاف کرے تو اس کے سبب گناہ گار ہوگا۔''

فوائد و مسائل: ① حاکم شریعت کی ذات لوگوں کے لیے اس طرح ڈھال ہوتی ہے کہ اس کی موجودگی میں کوئی دوسرے پر ظلم نہیں کرتا اور دشمن بھی خوفزدہ رہتا ہے، لہٰذا اس ڈھال کی حفاظت کرنا تمام مسلمانوں کے لیے ضروری ہے۔ ② اس حدیث سے امام شریعت کی شخصیت اور اس کی طاقت کا بھی پتہ چلتا ہے، نیز شرعی حکومت کا مقام ظاہر ہوتا ہے جس کے نہ ہونے کی وجہ سے آج ہر جگہ اسلام غربت کی حالت میں ہے اور مسلمان بھی غلامانہ زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ ③ امام سے مراد ہر وہ بااختیار شخص ہے جو لوگوں کے معاملات کا منتظم ہو جس کے امر و نہی اور جہادی معاملات میں اتباع کیا جاتا ہو۔ حدیث کے یہ معنی ہیں کہ امام اور حکمران کے ساتھ مل کر جہاد و قتال کیا جائے۔ اس کے بغیر جہاد کرنے کے وہ فوائد حاصل ہونے نہایت مشکل ہیں جو جہاد سے مقصود ہوتے ہیں۔

(۱۱۰) بَابُ الْبَيْعَةِ فِي الْحَرْبِ عَلٰى أَنْ لَّا يَفِرُّوا، وَقَالَ بَعْضُهُمْ: عَلَى الْمَوْتِ

باب: 110- دوران جنگ میں (لڑائی سے) نہ بھاگنے پر اور بعض نے کہا: موت پر بیعت لینا

لِقَوْلِهِ تَعَالٰى: ﴿لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ﴾ الْآيَةَ [الفتح: ۱۸].

کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''بلاشبہ اللہ ان اہل ایمان پر راضی ہو گیا، (جنھوں نے آپ کے ہاتھ پر درخت کے نیچے بیعت کی)۔''

وضاحت: بیعت کے متعلق دو طرح کی روایات ہیں: ایک میں میدان جنگ سے نہ بھاگنے کی بیعت کا ذکر ہے اور دوسری میں موت پر بیعت لینے کا بیان ہے۔ ان دونوں میں کوئی اختلاف نہیں کیونکہ موت پر بیعت کا مقصد یہ ہے کہ وہ دشمن کے مقابلے میں میدان جنگ سے نہیں بھاگیں گے اگرچہ ان پر موت واقع ہو جائے، لہٰذا دونوں روایات کا ایک ہی مقصد ہے۔ امام بخاری

ؒ نے آیت کریمہ سے اس امر پر استدلال کیا ہے کہ صحابۂ کرام ؓ نے صلح حدیبیہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ سے صبر و استقامت پر قائم رہنے کی بیعت کی تھی۔ ''اللہ تعالیٰ نے ان پر اطمینان نازل کیا'' یہ الفاظ بھی اسی بات پر دلالت کرتے ہیں۔

٢٩٥٨ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا جُوَيْرِيَةُ عَنْ نَّافِعٍ قَالَ: قَالَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: رَجَعْنَا مِنَ الْعَامِ الْمُقْبِلِ فَمَا اجْتَمَعَ مِنَّا اثْنَانِ عَلَى الشَّجَرَةِ الَّتِي بَايَعْنَا تَحْتَهَا كَانَتْ رَحْمَةً مِّنَ اللهِ، فَسَأَلْنَا نَافِعًا: عَلَى أَيِّ شَيْءٍ بَايَعَهُمْ، عَلَى الْمَوْتِ؟ قَالَ: لَا، بَايَعَهُمْ عَلَى الصَّبْرِ.

[2958] حضرت ابن عمر ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ (صلح حدیبیہ کے بعد) جب ہم دوسرے سال دوبارہ آئے تو ہم میں سے دو شخص بھی اس درخت کی نشاندہی پر متفق نہ ہو سکے جس کے نیچے ہم نے بیعت کی تھی۔ اس (درخت) کا چھپ جانا بھی اللہ کی طرف سے رحمت تھا۔ (راویٔ حدیث نے کہا:) ہم نے حضرت نافع سے پوچھا کہ آپ ﷺ نے ان (صحابۂ کرام ؓ) سے کن امور پر بیعت لی تھی؟ کیا موت پر بیعت کی تھی؟ انھوں نے فرمایا: (موت پر) نہیں، بلکہ صبر و استقامت پر بیعت لی تھی۔

فوائد و مسائل: ① صلح حدیبیہ کے وقت حضرت عثمان ؓ کے متعلق یہ افواہ پھیلی کہ کفار مکہ نے انھیں قتل کر دیا ہے تو رسول اللہ ﷺ نے اس خون ناحق کا بدلہ لینے کے لیے ایک درخت کے نیچے تمام صحابۂ کرام ؓ سے بیعت لی کہ اس خون ناحق کا بدلہ لیے بغیر ہم واپس نہیں جائیں گے بلکہ کفار مکہ کے خلاف لڑتے رہیں گے۔ اسے بیعت رضوان کا نام دیا جاتا ہے جس کا ذکر قرآن میں بھی ہے۔ ② جس درخت کے نیچے بیعت ہوئی اس کے متعلق حضرت عبداللہ بن عمر ؓ نے فرمایا: آئندہ سال اس درخت کا ہم سے مخفی رہنا بھی اللہ کی رحمت تھی کیونکہ اگر اس کی نشاندہی ہو جاتی تو ممکن تھا کہ اس کی وجہ سے کچھ لوگ فتنے میں مبتلا ہو جاتے اور جاہل لوگ اس کی پوجا پاٹ شروع کر دیتے۔ ہمارے ہاں شرک کے اکثر مراکز اسی قسم کے توہمات کی پیداوار ہیں۔ ③ واضح رہے کہ بیعت کی کئی قسمیں ہیں، مثلاً: بیعت اسلام، بیعت ہجرت اور بیعت جہاد وغیرہ۔ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ میں عورتوں سے دین پر ثابت قدمی کی بیعت بھی لی تھی۔ لیکن رائج الوقت بیعت تصوف کا دین اسلام میں کوئی وجود نہیں۔

٢٩٥٩ - حَدَّثَنَا مُوسَى: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ: حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ يَحْيَى عَنْ عَبَّادِ بْنِ تَمِيمٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ زَيْدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: لَمَّا كَانَ زَمَنُ الْحَرَّةِ أَتَاهُ آتٍ فَقَالَ لَهُ: إِنَّ ابْنَ حَنْظَلَةَ يُبَايِعُ النَّاسَ عَلَى الْمَوْتِ، فَقَالَ: لَا أُبَايِعُ عَلَى هٰذَا أَحَدًا بَعْدَ رَسُولِ اللهِ ﷺ. [انظر: ٤١٦٧]

[2959] حضرت عبداللہ بن زید ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ واقعۂ حرہ میں ایک شخص ان کے پاس آیا اور اس نے ان سے کہا کہ حضرت حنظلہ ؓ کا بیٹا لوگوں سے موت پر بیعت لے رہا ہے تو حضرت عبداللہ بن زید ؓ نے کہا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے بعد کسی سے اس پر بیعت نہیں کروں گا۔

فوائد و مسائل: ① رسول اللہ ﷺ کی خاطر سر دھڑ کی بازی لگا دینا ایمان کا حصہ ہے لیکن آپ کے علاوہ کسی دوسرے کے لیے یہ اعزاز نہیں کہ اس کے لیے اپنی جان کا نذرانہ دیا جائے، بلکہ ایسا کرنا خود کو ہلاکت میں ڈالنا ہے کیونکہ اگر غیر نبی کی بیعت موت پر کی جائے، پھر اس کی غلطی واضح ہو جائے تو دو صورتیں ہیں: اس کی بیعت پر بدستور قائم رہا جائے۔ اس صورت میں موت خلاف حق ہوگی۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اس کی بیعت ترک کر دی جائے۔ اس وقت موت ترک بیعت پر ہوگی۔ دونوں صورتیں ہی ہلاکت خیز ہیں، اس لیے آغاز امر میں بیعت نہ کرنا آسان ہے کہ موت خلاف حق یا ترک بیعت پر آئے۔ ② واضح رہے کہ عبداللہ بن حنظلہ لوگوں سے حضرت عبداللہ بن زبیر کے لیے مر مٹنے پر بیعت لے رہے تھے جس کا انکار حضرت عبداللہ بن زید ؓ نے کیا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ ہم تو خود رسول اللہ ﷺ کے دست حق پر موت کی بیعت کر چکے ہیں، اب دوبارہ کسی دوسرے کے ہاتھ پر نئے سرے سے بیعت کی ضرورت نہیں ہے۔ ③ اس روایت میں رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر موت کی بیعت کرنا واضح نہ تھا، اس لیے امام بخاری ؒ نے آگے ایک حدیث ذکر کی جس میں صراحت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے بیعت موت پر ہوئی تھی۔

٢٩٦٠ - حَدَّثَنَا الْمَكِّيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ أَبِي عُبَيْدٍ عَنْ سَلَمَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: بَايَعْتُ النَّبِيَّ ﷺ ثُمَّ عَدَلْتُ إِلَى ظِلِّ شَجَرَةٍ، فَلَمَّا خَفَّ النَّاسُ قَالَ: «يَا ابْنَ الْأَكْوَعِ أَلَا تُبَايِعُ؟» قَالَ: قُلْتُ: قَدْ بَايَعْتُ يَارَسُولَ اللهِ! قَالَ: «وَأَيْضًا»، فَبَايَعْتُهُ الثَّانِيَةَ.

فَقُلْتُ لَهُ: يَا أَبَا مُسْلِمٍ! عَلَى أَيِّ شَيْءٍ كُنْتُمْ تُبَايِعُونَ يَوْمَئِذٍ؟ قَالَ: عَلَى الْمَوْتِ. [انظر: ٤١٦٩، ٧٢٠٦، ٧٢٠٨]

[2960] حضرت سلمہ بن اکوع ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے نبی ﷺ سے بیعت کی اور اس کے بعد میں ایک درخت کے سائے کے نیچے چلا گیا۔ پھر جب ہجوم ہوا تو آپ نے فرمایا: ''اے ابن اکوع! کیا تم بیعت نہیں کرو گے؟'' میں نے کہا: اللہ کے رسول! میں تو بیعت کر چکا ہوں۔ آپ نے فرمایا: ''تو پھر سہی۔'' لہٰذا میں نے آپ سے دوبارہ بیعت کی۔

(راویِ حدیث کہتا ہے:) میں نے ان سے کہا: ابومسلم! تم نے اس دن کس بات پر بیعت کی تھی؟ انھوں نے فرمایا: موت پر۔

فوائد و مسائل: ① حضرت سلمہ بن اکوع ؓ بڑے جری، بہادر اور جفاکش تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے دوسری مرتبہ بیعت لی تاکہ اللہ کی راہ میں خوشی خوشی اپنی جان کا نذرانہ پیش کریں۔ حافظ ابن حجر ؒ کہتے ہیں: حضرت سلمہ بن اکوع ؓ شہسوار اور پیادہ دونوں طرح کی لڑائی میں ماہر تھے تو دونوں صفات کے اعتبار سے دو دفعہ بیعت لی گئی۔ گویا تعدد صفت، تعدد بیعت کا سبب بنا۔[1] ② موت پر بیعت کرنے کا مقصد یہ ہے کہ کفار کے ساتھ جنگ میں ڈٹ کر ان کا مقابلہ کریں اگرچہ لڑتے لڑتے موت آجائے۔ محض مرنا مقصود نہیں۔ واللہ أعلم.

1 فتح الباري: 246/13.

٢٩٦١ - حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ حُمَيْدٍ قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسًا رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ: كَانَتِ الْأَنْصَارُ يَوْمَ الْخَنْدَقِ تَقُولُ:

نَحْنُ الَّذِينَ بَايَعُوا مُحَمَّدَا
عَلَى الْجِهَادِ مَا حَيِينَا أَبَدَا

فَأَجَابَهُمْ فَقَالَ: «اَللّٰهُمَّ لَا عَيْشَ إِلَّا عَيْشُ الْآخِرَهْ. فَأَكْرِمِ الْأَنْصَارَ وَالْمُهَاجِرَهْ». [راجع: ٢٨٣٤]

[2961] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: خندق کی لڑائی میں انصار کہتے تھے: ہم وہ لوگ ہیں جنھوں نے جہاد پر حضرت محمد ﷺ کی بیعت کی ہے۔ یہ بیعت ہمیشہ کے لیے ہے جب تک ہم زندہ رہیں گے۔ آپ ﷺ نے انھیں (یہ) جواب دیا: ''اے اللہ! آخرت کی زندگی کے علاوہ کوئی زندگی نہیں، تو انصار و مہاجرین کو عزت عطا فرما۔''

٢٩٦٢، ٢٩٦٣ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ: سَمِعَ مُحَمَّدَ بْنَ فُضَيْلٍ عَنْ عَاصِمٍ، عَنْ أَبِي عُثْمَانَ، عَنْ مُجَاشِعٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: أَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ أَنَا وَأَخِي فَقُلْتُ: بَايِعْنَا عَلَى الْهِجْرَةِ، فَقَالَ: «مَضَتِ الْهِجْرَةُ لِأَهْلِهَا». فَقُلْتُ: عَلَامَ تُبَايِعُنَا؟ قَالَ: «عَلَى الْإِسْلَامِ وَالْجِهَادِ». [الحديث: ٢٩٦٢، انظر: ٣٠٧٨، ٤٣٠٥، ٤٣٠٧]؛ [الحديث: ٢٩٦٣، انظر: ٣٠٧٩، ٤٣٠٦، ٤٣٠٨]

[2963,2962] حضرت مجاشع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں اور میرا بھائی نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: ہم سے ہجرت پر بیعت لے لیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہجرت تو مسلمان کے لیے ختم ہو چکی ہے۔'' میں نے عرض کیا: اب آپ ہم سے کس بات پر بیعت لیں گے؟ آپ نے فرمایا: ''اسلام پر استقامت اور جہاد پر گامزن رہنے پر۔''

فوائد و مسائل: ① پہلی حدیث کے مطابق صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے غزوۂ خندق کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر جہاد کرنے کی بیعت کی کہ جب تک وہ زندہ رہیں گے جہاد کرتے رہیں گے۔ اس بیعت کا مطلب یہ تھا کہ وہ میدان جنگ سے راہ فرار اختیار نہیں کریں گے اگرچہ اس راستے میں ان کی جانیں ختم ہو جائیں۔ دوسری حدیث میں حضرت مجاشع رضی اللہ عنہ سے بیعت لینے کا ذکر ہے۔ وہ فتح مکہ کے وقت مسلمان ہوئے تھے۔ اس وقت مکہ سے ہجرت کرنے کا موقع نہیں تھا کیونکہ اب مکہ دارالاسلام بن چکا تھا۔ ② رسول اللہ ﷺ ہجرت کے لیے بیعت ان لوگوں سے لیتے تھے جو فتح مکہ سے پہلے مسلمان ہوئے تھے، جو لوگ اس کے بعد مسلمان ہوئے ان سے ہجرت کی بیعت نہیں لی جاتی تھی بلکہ ان سے جہاد کی بیعت لی جاتی تھی کیونکہ جہاد قیامت تک کے لیے فرض ہے، البتہ جس ملک میں انسان کا ایمان خطرے میں ہو، وہاں سے ہجرت کر کے ایسے علاقے میں جانا ضروری ہے جہاں ایمان محفوظ ہو اور اس کے تقاضوں پر عمل کرنے میں کوئی رکاوٹ نہ ہو۔ واللہ أعلم.

(١١١) بَابُ عَزْمِ الْإِمَامِ عَلَى النَّاسِ فِيمَا يُطِيقُونَ

٢٩٦٤ - حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ قَالَ: قَالَ عَبْدُ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: لَقَدْ أَتَانِي الْيَوْمَ رَجُلٌ فَسَأَلَنِي عَنْ أَمْرٍ مَّا دَرَيْتُ مَا أَرُدُّ عَلَيْهِ، فَقَالَ: أَرَأَيْتَ رَجُلًا مُّؤْدِيًا نَّشِيطًا يَّخْرُجُ مَعَ أُمَرَائِنَا فِي الْمَغَازِي، فَيَعْزِمُ عَلَيْنَا فِي أَشْيَاءَ لَا نُحْصِيهَا؟ فَقُلْتُ لَهُ: وَاللهِ مَا أَدْرِي مَا أَقُولُ لَكَ إِلَّا أَنَّا كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فَعَسَى أَنْ لَّا يَعْزِمَ عَلَيْنَا فِي أَمْرٍ إِلَّا مَرَّةً حَتّٰى نَفْعَلَهُ، وَإِنَّ أَحَدَكُمْ لَنْ يَّزَالَ بِخَيْرٍ مَّا اتَّقَى اللهَ، وَإِذَا شَكَّ فِي نَفْسِهِ شَيْءٌ سَأَلَ رَجُلًا فَشَفَاهُ مِنْهُ وَأَوْشَكَ أَنْ لَّا تَجِدُوهُ، وَالَّذِي لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ مَا أَذْكُرُ مَا غَبَرَ مِنَ الدُّنْيَا إِلَّا كَالثَّغْبِ شُرِبَ صَفْوُهُ وَبَقِيَ كَدَرُهُ.

باب: 111- امام کو چاہیے کہ وہ لوگوں کو ایسی بات کا پابند کرے جس کی وہ طاقت رکھتے ہیں

[2964] حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: آج میرے پاس ایک آدمی آیا اور ایک مسئلہ پوچھا لیکن میں نہ سمجھا کہ اس کا کیا جواب دوں؟ اس نے کہا: آپ بتائیں کہ ایک تندرست و توانا آدمی جو ہتھیاروں سے آراستہ ہے، وہ ہمارے امراء کے ساتھ جہاد میں جاتا ہے مگر وہ چند باتوں میں ایسے احکام دیتے ہیں جن پر ہم عمل پیرا نہیں ہو سکتے میں نے اس سے کہا: اللہ کی قسم! میری سمجھ سے باہر ہے، میں اس کے سوا تجھے کیا جواب دوں کہ ہم نبی ﷺ کے ہمراہ جاتے تھے تو آپ ہمیں ایک مرتبہ حکم فرماتے جس کو ہم کر لیا کرتے تھے۔ اور بے شک تم میں سے ہر شخص نیکی پر رہے گا جب تک وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے گا لیکن اگر اس کے دل میں کسی بات کا کھٹکا ہو تو وہ کسی ایسے شخص سے دریافت کرے جو اس کی تشفی کر دے۔ اور ایسا وقت بھی آنے والا ہے کہ تمھیں ایسا شخص نہیں مل سکے گا۔ اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں! جتنی دنیا باقی ہے، اس کی بابت میں یہ کہتا ہوں کہ وہ ایک حوض کی طرح ہے جس کا صاف پانی پی لیا گیا ہے اور گدلا پانی باقی رہ گیا ہے۔

فائدہ: مسئلہ یہ ہے کہ اگر امام کسی کو ایسی جگہ پر تعینات کرتا ہے جو انتہائی پریشان کن اور خطرناک ہے اور وہاں ڈیوٹی دینا اس کی طاقت سے باہر ہے تو کیا ایسے موقع پر حکم امام کی تعمیل ضروری ہے یا نہیں؟ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ نے اس سلسلے میں صاف جواب دینے میں توقف کیا کیونکہ اگر کہا جائے کہ ایسے حالات میں بھی امیر کی اطاعت فرض ہے تو یہ خلاف حق فتویٰ ہوگا اور اگر امیر کی نافرمانی اور حکم نہ ماننے کا فتویٰ دیا جائے تو ہر آدمی امیر کے حکم کی مخالفت پر جری ہو جائے گا۔ اس طرح فتنے میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہے، اس لیے ایسے معاملات میں توقف ہی بہتر ہے۔ لیکن عبداللہ بن مسعود ؓ نے توقف کے بعد اطاعت

امیر کے وجوب کا فتویٰ دیا بشرطیکہ وہ حکم تقویٰ کے موافق ہو۔ حاصل کلام یہ ہے کہ جب کوئی مشکل امر آ جائے تو وہاں توقف کرنا چاہیے تاکہ فساد برپا نہ ہو۔ واضح رہے کہ توقف ایسے امور میں ہوگا جو انتظامی معاملات سے متعلق ہوں لیکن شرعی معاملات میں تعمیل ضروری ہے۔ امام کو بھی چاہیے کہ وہ وقت کی نزاکت اور زمینی حقائق کو سامنے رکھے، خواہ مخواہ کسی کو فتنے میں مبتلا نہ کرے، لوگوں کی طاقت اور ہمت کے مطابق ان سے کام لے۔ واللہ أعلم.

(١١٢) بَابٌ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا لَمْ يُقَاتِلْ أَوَّلَ النَّهَارِ أَخَّرَ الْقِتَالَ حَتّٰى تَزُولَ الشَّمْسُ

باب: 112- نبی ﷺ جب صبح لڑائی شروع نہ کرتے تو اسے سورج ڈھلنے تک مؤخر کر دیتے

٢٩٦٥ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ عَمْرٍو: حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحَاقَ - هُوَ الْفَزَارِيُّ - عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ، عَنْ سَالِمٍ أَبِي النَّضْرِ مَوْلٰى عُمَرَ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ وَكَانَ كَاتِبًا لَهُ، قَالَ: كَتَبَ إِلَيْهِ عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي أَوْفٰى رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا فَقَرَأْتُهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ فِي بَعْضِ أَيَّامِهِ الَّتِي لَقِيَ فِيهَا انْتَظَرَ حَتّٰى مَالَتِ الشَّمْسُ. [راجع: ٢٩٣٣]

[2965] حضرت عبداللہ بن ابی اوفی ؓ سے روایت ہے، انھوں نے حضرت ابونضر سالم کو خط لکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی جہاد کے موقع پر جس میں دشمن سے مقابلہ ہوا تھا، انتظار کیا یہاں تک کہ آفتاب ڈھل گیا۔

٢٩٦٦ - ثُمَّ قَامَ فِي النَّاسِ [خَطِيبًا] قَالَ: «أَيُّهَا النَّاسُ! لَا تَتَمَنَّوْا لِقَاءَ الْعَدُوِّ وَسَلُوا اللهَ الْعَافِيَةَ، فَإِذَا لَقِيتُمُوهُمْ فَاصْبِرُوا وَاعْلَمُوا أَنَّ الْجَنَّةَ تَحْتَ ظِلَالِ السُّيُوفِ»، ثُمَّ قَالَ: «اَللّٰهُمَّ مُنْزِلَ الْكِتَابِ، وَمُجْرِيَ السَّحَابِ، وَهَازِمَ الْأَحْزَابِ، اِهْزِمْهُمْ وَانْصُرْنَا عَلَيْهِمْ». [راجع: ٢٨١٨]

[2966] (حضرت عبداللہ بن ابی اوفی ؓ ہی سے روایت ہے کہ) پھر آپ ﷺ لوگوں میں کھڑے ہوئے اور فرمایا: ''لوگو! دشمن سے مقابلے کی آرزو نہ کرو بلکہ اللہ تعالیٰ سے عافیت مانگو۔ لیکن اگر دشمن سے مقابلہ ہو تو صبر کرو اور خوب جان لو کہ جنت تلواروں کے سائے تلے ہے۔'' پھر آپ نے یوں دعا کی: ''اے اللہ! کتاب کے نازل کرنے والے، بادلوں کو چلانے والے، (کافروں کے) لشکروں کو شکست دینے والے، انھیں شکست دے اور ان کے خلاف ہماری مدد فرما۔''

فوائد و مسائل: ① سورج ڈھلنے تک انتظار کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت مدد کی ہوائیں چلتی ہیں اور دن ٹھنڈا ہونے کے باعث جم کر لڑائی کی جاتی ہے، نیز مسلمان اپنی نمازوں میں مجاہدین کے لیے دعائیں کرتے ہیں، چنانچہ نعمان بن مقرن ؓ بیان

کرتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ وہ ایک جنگ میں شریک تھے، جب فجر طلوع ہوتی تو آپ لڑائی سے رُک جاتے، پھر جب سورج طلوع ہوتا تو دوپہر تک جنگ کرتے، پھر زوال آفتاب کے بعد حملہ کرتے اور عصر کے وقت رُک جاتے، پھر نماز عصر کے بعد حملہ کرتے۔ کہا جاتا ہے کہ اس وقت نصرت کی ہوائیں چلتی ہیں اور اہل ایمان اپنے لشکروں کے لیے نمازوں میں دعائیں کرتے ہیں۔[1] ② نصرت کی ہوا سے مراد بادِ صبا ہے جو بالعموم فتح و نصرت کا باعث ہوتی ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جنگ و قتال اسلام کی نظر میں ذاتی طور پر کوئی مرغوب چیز نہیں، جہاں تک ممکن ہو اس سے بچنے کی ترغیب دی گئی ہے۔

(١١٣) بَابُ اسْتِئْذَانِ الرَّجُلِ الْإِمَامَ

لِقَوْلِهِ: ﴿إِنَّمَا ٱلْمُؤْمِنُونَ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ بِٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦ وَإِذَا كَانُوا۟ مَعَهُۥ عَلَىٰٓ أَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوا۟ حَتَّىٰ يَسْتَـْٔذِنُوهُ ۚ إِنَّ ٱلَّذِينَ يَسْتَـْٔذِنُونَكَ﴾ إِلَى آخِرِ الْآيَةِ [النور: ٦٢].

باب: 113- لوگوں کا امام سے اجازت طلب کرنا

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”مومن تو صرف وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور جب وہ اس کے ساتھ کسی اجتماعی کام پر ہوتے ہیں تو آپ سے اجازت لیے بغیر نہیں جاتے۔ بے شک جو لوگ آپ سے اجازت طلب کرتے ہیں......“

٢٩٦٧ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ: أَخْبَرَنَا جَرِيرٌ عَنِ الْمُغِيرَةِ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: غَزَوْتُ مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ قَالَ: فَتَلَاحَقَ بِيَ النَّبِيُّ ﷺ وَأَنَا عَلَى نَاضِحٍ لَنَا قَدْ أَعْيَا فَلَا يَكَادُ يَسِيرُ، فَقَالَ لِي: «مَا لِبَعِيرِكَ؟» قَالَ: قُلْتُ: أَعْيَا، قَالَ: فَتَخَلَّفَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَزَجَرَهُ وَدَعَا لَهُ فَمَا زَالَ بَيْنَ يَدَيِ الْإِبِلِ قُدَّامَهَا يَسِيرُ، فَقَالَ لِي: «كَيْفَ تَرَى بَعِيرَكَ؟» قَالَ: قُلْتُ: بِخَيْرٍ قَدْ أَصَابَتْهُ بَرَكَتُكَ، قَالَ: «أَفَتَبِيعُنِيهِ؟» قَالَ: فَاسْتَحْيَيْتُ وَلَمْ يَكُنْ لَنَا نَاضِحٌ غَيْرُهُ قَالَ: فَقُلْتُ: نَعَمْ، قَالَ: «فَبِعْنِيهِ» فَبِعْتُهُ إِيَّاهُ عَلَى أَنَّ لِي فَقَارَ ظَهْرِهِ حَتَّى أَبْلُغَ الْمَدِينَةَ، قَالَ: فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ

[2967] حضرت جابر بن عبداللہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ میدان جنگ میں تھا۔ مجھے نبی ﷺ ملے جبکہ میں اپنے پانی لانے والے اونٹ پر سوار تھا جو اس وقت تھکاوٹ کی وجہ سے چلنے کے قابل نہیں رہا تھا۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ”تیرے اونٹ کو کیا ہو گیا ہے؟“ میں نے عرض کیا: یہ تھک گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ اس کے پیچھے آئے، اسے ڈانٹا اور اس کے لیے دعا فرمائی، چنانچہ وہ سب اونٹوں سے آگے آگے چلنے لگا۔ آپ نے مجھ سے فرمایا: ”اب اپنے اونٹ کو کیسے دیکھ رہے ہو؟“ میں نے عرض کیا: بہت اچھا ہو گیا ہے اور اسے آپ کی برکت حاصل ہوئی ہے۔ آپ نے فرمایا: ”کیا تم اسے میرے ہاتھ فروخت کرو گے؟“ مجھے شرم آ گئی کیونکہ ہمارے ہاں اس کے علاوہ کوئی دوسرا اونٹ پانی لانے

1 جامع الترمذي، السير، حديث: 1612.

اللهِ! إِنِّي عَرُوسٌ، فَاسْتَأْذَنْتُهُ فَأَذِنَ لِي فَتَقَدَّمْتُ النَّاسَ إِلَى الْمَدِينَةِ حَتَّى أَتَيْتُ الْمَدِينَةَ فَلَقِيَنِي خَالِي فَسَأَلَنِي عَنِ الْبَعِيرِ فَأَخْبَرْتُهُ بِمَا صَنَعْتُ فِيهِ فَلَامَنِي، قَالَ: وَقَدْ كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ قَالَ لِي حِينَ اسْتَأْذَنْتُهُ: «هَلْ تَزَوَّجْتَ بِكْرًا أَمْ ثَيِّبًا؟» فَقُلْتُ: تَزَوَّجْتُ ثَيِّبًا، فَقَالَ: «هَلَّا تَزَوَّجْتَ بِكْرًا تُلَاعِبُهَا وَتُلَاعِبُكَ؟» فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! تُوُفِّيَ وَالِدِي أَوِ اسْتُشْهِدَ وَلِيَ أَخَوَاتٌ صِغَارٌ فَكَرِهْتُ أَنْ أَتَزَوَّجَ مِثْلَهُنَّ فَلَا تُؤَدِّبُهُنَّ وَلَا تَقُومَ عَلَيْهِنَّ، فَتَزَوَّجْتُ ثَيِّبًا لِتَقُومَ عَلَيْهِنَّ وَتُؤَدِّبَهُنَّ، قَالَ: فَلَمَّا قَدِمَ رَسُولُ اللهِ ﷺ الْمَدِينَةَ غَدَوْتُ عَلَيْهِ بِالْبَعِيرِ فَأَعْطَانِي ثَمَنَهُ وَرَدَّهُ عَلَيَّ.

والا نہیں تھا، اس کے باوجود میں نے عرض کیا: ہاں، (میں بیچتا ہوں)۔ آپ نے فرمایا: ”اسے میرے ہاتھ فروخت کر دو۔“ تو میں نے اسے آپ کے ہاتھ فروخت کر دیا اور یہ شرط کی کہ مدینہ طیبہ پہنچنے تک اس پر سواری کروں گا۔ میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! میں نے حال ہی میں شادی کی ہے، اس لیے مجھے پہلے جانے کی اجازت دیں تو آپ نے مجھے اجازت دے دی، چنانچہ میں مدینہ طیبہ جانے کے لیے لوگوں کے آگے آگے ہوا۔ جب میں مدینہ طیبہ پہنچا تو میرے ماموں نے اونٹ کے متعلق دریافت کیا۔ میں نے جو کچھ واقعہ ہوا تھا ان سے بیان کیا تو انھوں نے مجھے ملامت کی۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب میں نے رسول اللہ ﷺ سے اجازت لی تھی تو آپ نے مجھے فرمایا: ”کیا تم نے کنواری سے شادی کی ہے یا کسی بیوہ سے؟“ میں نے عرض کیا: شادی شدہ سے۔ آپ نے فرمایا: ”تم نے کنواری سے شادی کیوں نہ کی، تم اس سے کھیلتے وہ تم سے کھیلتی؟“ میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! میرے والد گرامی فوت ہو گئے یا شہید ہو گئے اور میری چھوٹی چھوٹی بہنیں ہیں تو میں نے ان جیسی لڑکی سے نکاح کرنا اچھا نہ سمجھا جو نہ تو انھیں ادب سکھا سکے اور نہ ان کا انتظام کر سکے، اس لیے میں نے ایک بیوہ سے نکاح کیا ہے جو ان کا انتظام بھی کرے اور انھیں ادب بھی سکھائے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو میں صبح سویرے آپ کی خدمت میں اونٹ لے کر حاضر ہوا۔ آپ نے مجھے اس کی قیمت بھی ادا کر دی اور اونٹ بھی واپس کر دیا۔

قَالَ الْمُغِيرَةُ: هٰذَا فِي قَضَائِنَا حَسَنٌ لَا

(راویٔ حدیث) مغیرہ کہتے ہیں کہ یہ ادائیگی کی بہتر

نَرٰی بِهٖ بَأْسًا . [راجع: ٤٤٣]

صورت ہے۔ ہم اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے۔

فوائد و مسائل: ① مذکورہ آیت سے استدلال کیا گیا ہے کہ کسی کو لشکر سے جانے کی اجازت نہیں جب تک وہ امیر سے اجازت طلب نہ کرے، خاص طور پر اگر امیر نے کسی کی ڈیوٹی لگائی ہو پھر اسے کوئی ضرورت لاحق ہو تو اجازت طلب کرنا ضروری ہے۔ اس حدیث کے مطابق حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے ایک ''ہنگامی ضرورت'' کے پیش نظر رسول اللہ ﷺ سے اجازت طلب کی۔ رسول اللہ ﷺ سے اجازت ملنے پر وہ جلدی گھر آ گئے۔ ② واضح رہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا گھر مدینہ طیبہ سے تین میل کے فاصلے پر عوالی مدینہ میں تھا۔ وہاں ان کے اہل و عیال رہتے تھے جن کا تعلق بنوسلمہ سے تھا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ آپ سے پہلے وہاں پہنچے، بعد ازاں دوسری صبح مسجد نبوی میں آئے اور اونٹ رسول اللہ ﷺ کے حوالے کیا۔

(١١٤) بَابُ مَنْ غَزَا وَهُوَ حَدِيثُ عَهْدٍ بِعُرْسِهِ

باب: 114- نئی نئی شادی ہونے کے باوجود میدان جنگ میں شریک ہونا

فِيهِ جَابِرٌ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ .

اس عنوان کے لیے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو نبی ﷺ سے مروی ہے۔

وضاحت: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی نئی نئی شادی ہوئی تھی، اس کے باوجود انھوں نے جنگ میں شرکت کی اور فراغت کے بعد رسول اللہ ﷺ سے اجازت لے کر جلدی اپنے گھر آئے۔ اس بات کی وضاحت گزشتہ حدیث میں بیان ہوئی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ جہاد کا معاملہ بڑی نزاکت کا حامل ہے۔ اگر دلہن میں دل لگا ہوا نہ ہو تو جہاد میں جانے کی اجازت ہے بصورت دیگر جہادی جدوجہد میں خلل پڑنے کا اندیشہ ہے جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں فراغت کے بعد جلدی گھر آنے لگا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اتنی جلدی کس لیے ہے؟'' تو انھوں نے بتایا: میں نے نئی نئی شادی کی ہے۔ اس ''ہنگامی ضرورت'' کے پیش نظر مجھے جلدی پڑی ہے۔[1]

(١١٥) بَابُ مَنِ اخْتَارَ الْغَزْوَ بَعْدَ الْبِنَاءِ

باب: 115- جس نے شب زفاف کے بعد میدان جنگ میں جانا پسند کیا

فِيهِ أَبُو هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ .

اس کے متعلق حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جسے انھوں نے نبی ﷺ سے بیان کیا ہے۔

وضاحت: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی مذکورہ حدیث امام بخاری رحمہ اللہ نے خود ہی متصل سند سے بیان کی ہے کہ

---

1 صحيح البخاري، النكاح، حديث: 5079.

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''گزشتہ انبیاء میں سے ایک نبی نے جہاد کے لیے جانے کا پروگرام بنایا تو اپنی قوم سے کہا: جس شخص نے شادی کی ہو اور اپنی بیوی سے صحبت کرنا چاہتا ہو لیکن وہ کر نہ سکا ہو تو وہ ہمارے ساتھ نہ جائے۔''[1] اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ حکم امتناعی لازمی ہے لیکن امام بخاری ؒ نے حکم نہی تنزیہی پر محمول کیا ہے، چنانچہ اس حدیث پر ان الفاظ میں عنوان قائم کیا ہے: [مَنْ أَحَبَّ الْبِنَاءَ قَبْلَ الْغَزْوِ] ''جو انسان جنگ میں شرکت سے قبل نئی دلہن سے صحبت کرنے کو پسند کرتا ہے۔'' مقصد یہ ہے کہ جہاد جیسے مقدس فریضے میں فارغ البال ہو کر جانا چاہیے جیسا کہ نماز سے پہلے کھانا کھانے کا حکم ہے جبکہ کھانا تیار ہو اور اس کی رغبت بھی ہو۔ واللہ أعلم.

(١١٦) بَابُ مُبَادَرَةِ الْإِمَامِ عِنْدَ الْفَزَعِ

باب: 116- خوف و ہراس کے وقت امام کا خود آگے بڑھنا

٢٩٦٨ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ شُعْبَةَ قَالَ: حَدَّثَنِي قَتَادَةُ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ بِالْمَدِينَةِ فَزَعٌ، فَرَكِبَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَرَسًا لِأَبِي طَلْحَةَ فَقَالَ: «مَا رَأَيْنَا مِنْ شَيْءٍ وَإِنْ وَجَدْنَاهُ لَبَحْرًا». [راجع: ٢٦٢٧]

[2968] حضرت انس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ ایک دفعہ مدینہ طیبہ میں خوف و ہراس پھیلا تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوطلحہ ؓ کے گھوڑے پر سوار ہو کر خود پیش قدمی کی اور واپس آ کر فرمایا: ''ہم نے تو وہاں کچھ نہیں دیکھا، البتہ اس گھوڑے کو دریا جیسا پایا ہے۔''

فائدہ: اس حدیث سے امام بخاری ؒ نے متعدد مسائل کا استنباط کیا ہے۔ اس مقام پر عنوان سے مطابقت واضح ہے کہ خوف و ہراس کے وقت کسی سپاہی کو حکم دینے کی بجائے خود امام کا فریضہ ہے کہ وہ اس کی حقیقت کا پتہ چلانے کے لیے پیش قدمی کرے، چنانچہ ایسے حالات میں خود رسول اللہ ﷺ گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر سوار ہوئے اور گلے میں تلوار لٹکائی، پھر مقام خوف کی طرف پیش قدمی کی اور لوگوں کو تسلی دی کہ گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں ...... ﷺ......

(١١٧) بَابُ السُّرْعَةِ وَالرَّكْضِ فِي الْفَزَعِ

باب: 117- خوف و ہراس کے وقت جلدی سے گھوڑے کو ایڑی لگانا

٢٩٦٩ - حَدَّثَنَا الْفَضْلُ بْنُ سَهْلٍ: حَدَّثَنَا حُسَيْنُ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا جَرِيرُ بْنُ حَازِمٍ عَنْ مُحَمَّدٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: فَزِعَ النَّاسُ فَرَكِبَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَرَسًا

[2969] حضرت انس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ایک دفعہ لوگوں میں خوف و ہراس پھیلا تو رسول اللہ ﷺ تن تنہا حضرت ابوطلحہ ؓ کے ایک سست رفتار گھوڑے پر سوار ہوئے۔ پھر آپ نے باہر نکل کر اسے ایڑی لگائی۔

---

[1] صحيح البخاري، النكاح، حديث: 5157.

لِأَبِي طَلْحَةَ بَطِيئًا، ثُمَّ خَرَجَ يَرْكُضُ وَحْدَهُ، فَرَكِبَ النَّاسُ يَرْكُضُونَ خَلْفَهُ فَقَالَ: «لَمْ تُرَاعُوا، إِنَّهُ لَبَحْرٌ» فَمَا سُبِقَ بَعْدَ ذٰلِكَ الْيَوْمِ.
[راجع: ٢٦٢٧]

آپ کے پیچھے لوگوں نے بھی گھوڑے دوڑائے۔ آپ ﷺ نے (واپسی پر) فرمایا: ''گھبرانے کی ضرورت نہیں، البتہ یہ گھوڑا تو دریا جیسا ہے۔'' چنانچہ وہ گھوڑا اس کے بعد کبھی پیچھے نہیں رہا۔

فوائد و مسائل: ① حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا گھوڑا سست رفتار تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے اس پر سواری کی تو آپ کی برکت سے وہ اتنا تیز رفتار ہو گیا کہ کسی گھوڑے کو آگے نہیں بڑھنے دیتا تھا، پھر آپ نے اس کی تعریف کی کہ یہ گھوڑا تو دوڑنے میں دریا کی سی روانی رکھتا ہے۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث سے ثابت کیا ہے کہ خوف و ہراس کے وقت جلدی کرنا اور گھوڑے کو ایڑ لگا کر تیزی سے مقام خوف کی طرف بڑھنا احتیاط کے منافی نہیں بلکہ حالات کا جائزہ لینے کے لیے جلدی کرنا ضروری ہے۔

(١١٨) بَابُ الْخُرُوجِ فِي الْفَزَعِ وَحْدَهُ

باب: 118- خوف و ہراس کے وقت تنہا باہر نکلنا

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ نے اس عنوان کے تحت کوئی حدیث ذکر نہیں کی بلکہ پہلے بیان کردہ حدیث انس پر اکتفا کیا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ خوف و ہراس کے وقت ضروری نہیں کہ انسان اپنے ساتھیوں کو ہمراہ لے کر حقیقت حال کا پتہ کرے بلکہ ایسے حالات میں امام کو اکیلے جانے میں بھی کوئی حرج نہیں۔

(١١٩) بَابُ الْجَعَائِلِ وَالْحُمْلَانِ فِي السَّبِيلِ

باب: 119- جہاد فی سبیل اللہ میں کسی کو اجرت دینا اور سواری مہیا کرنا

وَقَالَ مُجَاهِدٌ: قُلْتُ لِابْنِ عُمَرَ: اَلْغَزْوَ، قَالَ: إِنِّي أُحِبُّ أَنْ أُعِينَكَ بِطَائِفَةٍ مِّنْ مَّالِي، قُلْتُ: أَوْسَعَ اللهُ عَلَيَّ، قَالَ: إِنَّ غِنَاكَ لَكَ، وَإِنِّي أُحِبُّ أَنْ يَكُونَ مِنْ مَّالِي فِي هٰذَا الْوَجْهِ.

حضرت مجاہد بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے عرض کیا: میں جہاد کے لیے جانا چاہتا ہوں۔ انھوں نے فرمایا: میرا دل چاہتا ہے کہ میں بھی اس مد میں اپنا کچھ مال خرچ کر کے تمھاری مدد کروں۔ میں نے عرض کیا: اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا میرے پاس کافی ہے۔ انھوں نے فرمایا: تمھارا سرمایہ تو تمھارے لیے ہے، میں تو صرف یہ چاہتا ہوں کہ میرا مال بھی اللہ کے راستے میں خرچ ہو جائے۔

وَقَالَ عُمَرُ: إِنَّ نَاسًا يَّأْخُذُونَ مِنْ هٰذَا الْمَالِ لِيُجَاهِدُوا ثُمَّ لَا يُجَاهِدُونَ، فَمَنْ فَعَلَ فَنَحْنُ أَحَقُّ بِمَالِهِ حَتّٰى نَأْخُذَ مِنْهُ مَا أَخَذَ.

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کچھ لوگ جہاد کی غرض سے بیت المال کا کچھ مال لے لیتے ہیں لیکن وہ جہاد کے لیے جاتے نہیں، آئندہ جس نے ایسا کیا تو ہم اس مال کے

زیادہ حق دار ہوں گے، یعنی ہم اس سے وہ مال وصول کریں گے جتنا اس نے بیت المال سے لیا ہے۔

وَقَالَ طَاوُسٌ وَّمُجَاهِدٌ: إِذَا دُفِعَ إِلَيْكَ شَيْءٌ تَخْرُجُ بِهِ فِي سَبِيلِ اللهِ فَاصْنَعْ بِهِ مَا شِئْتَ وَضَعْهُ عِنْدَ أَهْلِكَ.

طاؤس اور مجاہد بیان کرتے ہیں کہ اگر تمھیں کوئی مال اس شرط پر دیا جائے کہ تم جہاد کے لیے جاؤ تو اب تمھاری مرضی ہے اسے جہاں چاہو خرچ کرو۔ تم اسے اپنے اہل و عیال کی ضرورت کے لیے بھی صرف کر سکتے ہو (مگر شرط کے مطابق جہاد میں شرکت ضروری ہے)۔

وضاحت: ابن بطال فرماتے ہیں: اگر کسی نے اپنے مال سے نفلی طور پر کسی مجاہد کی مدد کی یا اسے سواری مہیا کی تو اس کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں، البتہ اگر کوئی جہاد کے لیے اجرت لے یا اپنے گھوڑے کے لیے اجرت لے تو اس میں اختلاف ہے، تاہم اگر مسلمانوں میں کمزوری آ جائے اور بیت المال میں بھی کچھ نہ ہو تو پھر اجرت لی جا سکتی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کے انداز بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس اختلاف کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں کہ غازی جو اجرت لیتا ہے کیا اسے غزوے ہی میں استعمال کرنا ضروری ہے یا وہ اس میں ہر قسم کے تصرف کا حق دار ہے کہ جہاں چاہے استعمال کرے؟[1] واللہ أعلم. مجاہد رحمہ اللہ کے قول کے بارے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ مصنف نے کتاب المغازی میں موصولاً ذکر کیا ہے لیکن ہمیں تلاش بسیار کے باوجود نہیں ملا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اثر کو امام ابن ابی شیبہ نے مصنف میں ذکر کیا ہے۔[2] مجاہد اور طاؤس کا دوسرا اثر مجاہد کے طریق سے بہ اختلاف الفاظ امام ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں ذکر کیا ہے۔[3]

٢٩٧٠ - حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ: سَمِعْتُ مَالِكَ بْنَ أَنَسٍ سَأَلَ زَيْدَ بْنَ أَسْلَمَ فَقَالَ زَيْدٌ: سَمِعْتُ أَبِي يَقُولُ: قَالَ عُمَرُ ابْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: حَمَلْتُ عَلَى فَرَسٍ فِي سَبِيلِ اللهِ فَرَأَيْتُهُ يُبَاعُ، فَسَأَلْتُ النَّبِيَّ ﷺ أَشْتَرِيهِ، فَقَالَ: «لَا تَشْتَرِهِ وَلَا تَعُدْ فِي صَدَقَتِكَ». [راجع: ١٤٩٠]

[2970] حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے اللہ کی راہ میں کسی کو سواری کے لیے گھوڑا دیا۔ پھر میں نے دیکھا کہ وہ فروخت ہو رہا ہے۔ میں نے نبی ﷺ سے پوچھا: میں اسے خرید لوں؟ آپ نے فرمایا: ''اسے مت خریدو اور اپنے صدقے کو واپس نہ لو۔''

٢٩٧١ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ نَّافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ

[2971] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کسی کو جہاد فی سبیل اللہ کے لیے گھوڑا

---

① فتح الباري: 151/6. ② المصنف لابن أبي شيبة: 307/11. ③ المصنف لابن أبي شيبة: 460/11.

عُمَرَ حَمَلَ عَلٰى فَرَسٍ فِي سَبِيلِ اللهِ فَوَجَدَهُ يُبَاعُ، فَأَرَادَ أَنْ يَبْتَاعَهُ، فَسَأَلَ رَسُولَ اللهِ ﷺ فَقَالَ: «لَا تَبْتَعْهُ وَلَا تَعُدْ فِي صَدَقَتِكَ». [راجع: ١٤٨٩]

دیا، پھر اسے فروخت ہوتا پایا تو اسے خریدنے کا ارادہ کیا۔ اس کے متعلق انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: ''اسے مت خریدو اور اپنے صدقہ وخیرات میں رجوع نہ کرو۔''

فائدہ: حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جو گھوڑا اللہ کی راہ میں دیا تھا وہ وقف نہیں تھا بلکہ غازی کی ملکیت تھا۔ اگر وقف ہوتا تو اسے فروخت کرنا جائز نہیں تھا۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان: ''اپنا صدقہ واپس نہ لو'' اس بات کی تائید کرتا ہے کہ وہ گھوڑا وقف نہیں تھا بلکہ غازی کی ملکیت تھا۔ اس طرح وہ اسے آگے فروخت کرنے کا حق دار ہوا کیونکہ آپ نے وہ گھوڑا کسی کو جہاد کے خیال سے بطور تعاون دیا تھا، اب وہ مجاہد اس میں تصرف کا حق دار ٹھہرا حتی کہ وہ اس کی خرید وفروخت کا بھی مستحق ہوا۔

٢٩٧٢ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو صَالِحٍ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلٰى أُمَّتِي مَا تَخَلَّفْتُ عَنْ سَرِيَّةٍ وَلٰكِنْ لَا أَجِدُ حَمُولَةً وَلَا أَجِدُ مَا أَحْمِلُهُمْ عَلَيْهِ، وَيَشُقُّ عَلَيَّ أَنْ يَتَخَلَّفُوا عَنِّي، وَلَوَدِدْتُ أَنِّي قَاتَلْتُ فِي سَبِيلِ اللهِ، فَقُتِلْتُ ثُمَّ أُحْيِيتُ، ثُمَّ قُتِلْتُ ثُمَّ أُحْيِيتُ». [راجع: ٣٦]

[2972] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر میں اپنی امت پر مشکل اور دشوار نہ سمجھتا تو میں کسی بھی چھوٹے سے چھوٹے لشکر سے پیچھے نہ رہتا لیکن میرے پاس اتنی سواریاں نہیں ہیں کہ میں ان کو دے سکوں اور نہ میرے پاس اتنے وسائل ہی ہیں کہ میں انھیں عاریتاً سواریاں مہیا کر سکوں۔ اس کے باوجود ان کا جہاد سے پیچھے رہ جانا بھی مجھ پر بہت گراں ہے۔ میں تو یہ پسند کرتا ہوں کہ اللہ کی راہ میں جہاد کروں اور قتل ہو جاؤں، پھر زندہ کر دیا جاؤں، پھر قتل ہو جاؤں، پھر زندہ کر دیا جاؤں۔''

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے مقصود ''حملان فی سبیل اللہ'' کا ثبوت مہیا کرنا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی مجاہد کو بطور تعاون کوئی سواری مہیا کر دی جائے یا اسے ادھار دے دی جائے۔ ایسا کرنا جائز ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں کے متعلق اپنے ارادے کا اظہار کیا تھا۔ ② جہاد کا حکم تو سب کے لیے برابر ہے، کسی معقول عذر کے بغیر اس سے علیحدگی اختیار کرنا جائز نہیں، البتہ یہ صورت اس سے الگ ہے کہ کسی پر جہاد فرض نہ ہو اور وہ جہاد میں جانے والے کی مدد کر کے ثواب میں شریک ہو جائے، ہاں جہاد میں شرکت سے بچنے کے لیے اگر ایسا کرتا ہے تو جائز نہیں۔

(١٢٠) بَابُ الْأَجِيرِ

باب: 120- مزدوری لے کر جہاد میں شریک ہونا

وَقَالَ الْحَسَنُ وَابْنُ سِيرِينَ: يُقْسَمُ لِلْأَجِيرِ

امام حسن بصری اور ابن سیرین بیان کرتے ہیں کہ مال

مِنَ الْمَغْنَمِ. وَأَخَذَ عَطِيَّةُ بْنُ قَيْسٍ فَرَسًا عَلَى النِّصْفِ فَبَلَغَ سَهْمُ الْفَرَسِ أَرْبَعَمِائَةِ دِينَارٍ فَأَخَذَ مِائَتَيْنِ وَأَعْطَى صَاحِبَهُ مِائَتَيْنِ.

غنیمت سے مزدور کو بھی حصہ دیا جائے۔ عطیہ بن قیس نے ایک گھوڑا مال غنیمت سے نصف کی شرط پر کرائے پر لیا۔ گھوڑے کے حصے میں چار سو دینار آئے تو انھوں نے دو سو دینار خود رکھ لیے اور دو سو دینار گھوڑے کے مالک کو دے دیے۔

وضاحت: حسن بصری اور ابن سیرین ؒ سے مصنف عبدالرزاق (229/5) میں ہے: ''مزدور کو حصہ نہیں ملے گا'' جبکہ مصنف ابن ابی شیبہ (397/11) میں ہے: ''اگر وہ جہاد میں شریک ہوں تو انھیں حصہ دیا جائے گا۔'' دراصل جہاد میں مزدور کی دو حالتیں ہیں: ایک یہ کہ مجاہد نے اسے اپنی خدمت کے لیے رکھا ہے، دوسری یہ کہ لڑائی کے لیے اجرت پر اس کی خدمات حاصل کی گئی ہیں۔ اگر ذاتی خدمت کے لیے اسے رکھا گیا ہے اور اس نے عملی طور پر جہاد میں شرکت نہیں کی تو اسے مال غنیمت سے کوئی حصہ نہیں دیا جائے گا۔ اگر وہ جنگ میں حصہ لے تو اسے مزدوری کے علاوہ مال غنیمت سے بھی حصہ ملے گا۔

٢٩٧٣ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ: أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ: حَدَّثَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ عَنْ عَطَاءٍ، عَنْ صَفْوَانَ بْنِ يَعْلَى، عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: غَزَوْتُ مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ غَزْوَةَ تَبُوكَ فَحَمَلْتُ عَلَى بَكْرٍ فَهُوَ أَوْثَقُ أَعْمَالِي فِي نَفْسِي، فَاسْتَأْجَرْتُ أَجِيرًا فَقَاتَلَ رَجُلًا فَعَضَّ أَحَدُهُمَا الْآخَرَ فَانْتَزَعَ يَدَهُ مِنْ فِيهِ وَنَزَعَ ثَنِيَّتَهُ، فَأَتَى النَّبِيَّ ﷺ فَأَهْدَرَهَا وَقَالَ: «أَيَدْفَعُ يَدَهُ إِلَيْكَ فَتَقْضَمُهَا كَمَا يَقْضَمُ الْفَحْلُ؟» [راجع: ١٨٤٨]

[2973] حضرت یعلی بن امیہ ؓ سے روایت ہے کہ میں غزوۂ تبوک میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ جہاد کے لیے روانہ ہوا۔ میں نے ایک جوان اونٹ سواری کے لیے بھی دیا جو میرے خیال میں میرا مضبوط ترعمل تھا۔ اس سلسلے میں میں نے ایک مزدور بھی کرائے پر رکھا۔ وہ مزدور کسی سے لڑ پڑا تو ایک نے دوسرے کا ہاتھ چبا لیا۔ دوسرے نے جھٹکا دے کر اپنا ہاتھ اس کے منہ سے نکالا تو اس کے اگلے دو دانت نکال دیے۔ وہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے اسے باطل ٹھہرایا اور فرمایا: ''کیا وہ اپنا ہاتھ تیرے منہ میں ڈالے رکھتا کہ تو اسے چباتا رہے جیسے اونٹ چباتا ہے؟''

فوائد و مسائل: ① اس عنوان اور پیش کردہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی مجاہد نے جہاد کے لیے جاتے وقت کچھ مزدور اپنی ضروریات کے لیے اپنے ساتھ لے لیے تو کیا یہ مزدور اپنی مزدوری لینے کے بعد مال غنیمت کے بھی حق دار ہوں گے یا نہیں؟ کچھ علماء کا موقف ہے کہ انھیں مال غنیمت سے کوئی حصہ نہیں دیا جائے گا جبکہ دوسرے علماء کہتے ہیں: اگر انھوں نے جنگ میں شرکت کی ہے اگرچہ اجرت ہی پر کیوں نہ ہو تو انھیں مزدوری کے علاوہ مال غنیمت سے بھی حصہ دیا جائے گا۔ ② امام بخاری ؒ نے اس حدیث سے استنباط کیا ہے کہ آزاد آدمی کو اجرت پر جہاد کے لیے ساتھ لے جانا جائز ہے اور اسے غنیمت سے حصہ

بھی دیا جائے گا کیونکہ آیت غنیمت ہر قسم کے مسلمان کو شامل ہے، خواہ وہ مزدور ہو یا مالک۔ ابوداود کی ایک روایت میں مزید وضاحت ہے کہ حضرت یعلی ؓ کہتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ نے جنگ میں جانے کا اعلان کیا تو میں اس وقت بوڑھا تھا، میرا کوئی خادم بھی نہیں تھا، میں نے کسی مزدور کی تلاش شروع کی کہ جسے میں مال غنیمت سے کچھ حصہ مزدوری دوں، چنانچہ میں نے ایک آدمی تلاش کر لیا۔ جب کوچ کا وقت آیا تو اس نے کہا: پتہ نہیں تجھے غنیمت کا حصہ ملے یا نہ ملے، اس لیے میری مزدوری طے کر دیں۔ میں نے تین دینار اس کی مزدوری طے کر دی۔''[1]

(١٢١) بَابُ مَا قِيلَ فِي لِوَاءِ النَّبِيِّ ﷺ

باب: 121- نبی ﷺ کے جھنڈے کا بیان

٢٩٧٤ - حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ قَالَ: أَخْبَرَنِي عُقَيْلٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ ثَعْلَبَةَ بْنِ أَبِي مَالِكٍ الْقُرَظِيِّ: أَنَّ قَيْسَ بْنَ سَعْدٍ الْأَنْصَارِيَّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ - وَكَانَ صَاحِبَ لِوَاءِ النَّبِيِّ ﷺ - أَرَادَ الْحَجَّ فَرَجَّلَ.

[2974] حضرت ثعلبہ بن ابو مالک قرظی ؓ سے روایت ہے، انھوں نے بیان کیا کہ حضرت قیس بن سعد ؓ، جو (جہاد میں) نبی ﷺ کے علم بردار تھے، نے جب حج کا ارادہ کیا تو سر میں کنگھی کی۔

فوائد و مسائل: ① لواء، رأیہ اور علم تینوں جھنڈے کے نام ہیں۔ دراصل رئیس لشکر جھنڈے کو تھامتا تھا۔ اسے اس کے سر پر لہرایا جاتا تھا۔ امام بخاری ؒ کا مقصد یہ ہے کہ لڑائیوں میں جھنڈے رکھنا جائز ہیں اور یہ کبھی امیر کے ہاتھ میں ہوتا ہے اور کبھی اس کے قائم مقام کے ہاتھ میں۔ اس کی حفاظت کی جاتی ہے۔ اس کا سرنگوں ہونا گویا اسلام کے سرنگوں ہونے کی علامت ہے۔ ② یہ حدیث اگرچہ موقوف ہے، تاہم محل استشہاد حصہ مرفوع ہی کے حکم میں ہے کیونکہ حضرت قیس بن سعد کا جھنڈا پکڑنا یقیناً رسول اللہ ﷺ کے حکم اور آپ کی اجازت سے ہوگا۔ اور یہاں مقصود بھی جھنڈے کا اثبات ہے۔

٢٩٧٥ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا حَاتِمُ ابْنُ إِسْمَاعِيلَ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي عُبَيْدٍ، عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ تَخَلَّفَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ فِي خَيْبَرَ، وَكَانَ بِهِ رَمَدٌ، فَقَالَ: أَنَا أَتَخَلَّفُ عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَخَرَجَ عَلِيٌّ فَلَحِقَ بِالنَّبِيِّ ﷺ فَلَمَّا كَانَ مَسَاءُ اللَّيْلَةِ الَّتِي فَتَحَهَا فِي صَبَاحِهَا

[2975] حضرت سلمہ بن اکوع ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ حضرت علی ؓ غزوۂ خیبر میں نبی ﷺ سے پیچھے رہ گئے تھے کیونکہ ان کی آنکھوں میں درد تھا۔ وہ فرمانے لگے: میں رسول اللہ ﷺ سے کیونکر پیچھے رہوں، چنانچہ وہ نکل پڑے اور نبی ﷺ سے آ ملے۔ اس رات کی شام جس کی صبح خیبر فتح ہوا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کل میں جھنڈا ایسے شخص کو دوں گا یا ایسا شخص جھنڈا پکڑے گا جس سے اللہ

[1] سنن أبي داود، الجهاد، حديث: 2527.

فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَأُعْطِيَنَّ الرَّايَةَ، أَوْ لَيَأْخُذَنَّ غَدًا رَّجُلٌ يُحِبُّهُ اللهُ وَرَسُولُهُ، أَوْ قَالَ: يُحِبُّ اللهَ وَرَسُولَهُ، يَفْتَحُ اللهُ عَلَيْهِ». فَإِذَا نَحْنُ بِعَلِيٍّ وَّمَا نَرْجُوهُ، فَقَالُوا: هٰذَا عَلِيٌّ، فَأَعْطَاهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَفَتَحَ اللهُ عَلَيْهِ. [انظر: ٣٧٠٢، ٤٢٠٩]

اور اس کا رسول محبت کرتے ہیں۔" یا فرمایا: "وہ شخص اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھ خیبر فتح کرے گا۔" ہم کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت علی آ گئے جبکہ ہمیں امید نہیں تھی۔ لوگوں نے عرض کیا: یہ علی رضی اللہ عنہ ہیں تو رسول اللہ ﷺ نے انھیں جھنڈا دے دیا۔ پھر ان کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ نے فتح نصیب فرمائی۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت ثابت ہوئی اور رسول اللہ ﷺ کے ایک معجزے کا پتہ چلا، آپ ﷺ نے فرمایا: "کل حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں خیبر فتح ہوگا" چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اس موقع پر فتح کا جھنڈا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں لہرایا گیا۔ ② اس حدیث سے علم نبوی کا اثبات ہوا۔ اسی مقصد کے لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے مذکورہ حدیث بیان کی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے کئی جھنڈے تھے جو مختلف اوقات میں کام آتے تھے۔

٢٩٧٦ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ نَّافِعِ ابْنِ جُبَيْرٍ قَالَ: سَمِعْتُ الْعَبَّاسَ يَقُولُ لِلزُّبَيْرِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: هَاهُنَا أَمَرَكَ النَّبِيُّ ﷺ أَنْ تَرْكُزَ الرَّايَةَ.

[2976] حضرت نافع بن جبیر سے روایت ہے، انھوں نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے کہہ رہے تھے: کیا یہاں نبی ﷺ نے آپ کو پرچم نصب کرنے کا حکم دیا تھا؟

فوائد و مسائل: ① حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی مذکورہ روایت کتاب المغازی (4280) میں مفصل بیان ہوگی۔ حضرت نافع بن جبیر نے فتح مکہ کے بعد کسی حج کے موقع پر یہ بات سنی جبکہ وہ حضرت عمر یا حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے دور حکومت میں اکٹھے ہوئے تھے۔ ② واضح رہے کہ مقام حجون پر پرچم نصب کیا گیا تھا جو مکہ کے قریب ایک اونچے پہاڑ کا نام ہے۔ اس حدیث پر امام بخاری رحمہ اللہ نے ان الفاظ میں عنوان قائم کیا ہے: [أَيْنَ رَكَزَ النَّبِيُّ ﷺ الرَّايَةَ يَوْمَ الْفَتْحِ؟] "فتح مکہ کے دن نبی ﷺ نے جھنڈا کہاں نصب کیا تھا؟"[1]

(١٢٢) بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ: «نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِيرَةَ شَهْرٍ»

باب: 122- نبی ﷺ کے ارشاد گرامی: "ایک ماہ کی مسافت تک رعب سے میری مدد کی گئی ہے" کا بیان

[1] صحيح البخاري، المغازي، باب: 49.

وَقَوْلِ اللّٰهِ جَلَّ وَعَزَّ: ﴿سَنُلْقِي فِي قُلُوبِ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ ٱلرُّعْبَ﴾ [آل عمران: ١٥١] قَالَهُ جَابِرٌ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''عنقریب ہم کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دیں گے۔'' حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کے حوالے سے یہ (باب میں مذکور) حدیث بیان کی ہے۔

وضاحت: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث امام بخاری رحمہ اللہ نے خود ہی متصل سند سے بیان کی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''پانچ چیزیں مجھے عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ ایک ماہ کی مسافت پر دشمن کو مرعوب کر کے میری مدد کی گئی ہے۔''① عہد رسالت میں رسول اللہ ﷺ اور بڑے بڑے بادشاہوں کے درمیان ایک ماہ سے زیادہ مسافت نہ تھی، چنانچہ شام، عراق، مصر اور یمن سب مدینہ طیبہ سے ایک ماہ یا اس سے کم مسافت پر واقع تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رسول اللہ ﷺ کا رعب ڈال رکھا تھا۔ وہ اس رعب کے باعث آپ سے جنگ کرنے کی ہمت نہیں رکھتے تھے۔

٢٩٧٧ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «بُعِثْتُ بِجَوَامِعِ الْكَلِمِ، وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ، فَبَيْنَا أَنَا نَائِمٌ أُوتِيتُ مَفَاتِيحَ خَزَائِنِ الْأَرْضِ فَوُضِعَتْ فِي يَدِي». قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: وَقَدْ ذَهَبَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَأَنْتُمْ تَنْتَثِلُونَهَا. [انظر: ٦٩٩٨، ٧٠١٣، ٧٢٧٣]

[2977] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے جامع کلمات دے کر بھیجا گیا ہے اور رعب کے ذریعے سے میری مدد کی گئی ہے۔ ایک دفعہ میں سو رہا تھا کہ میرے پاس زمین کے خزانوں کی چابیاں لائی گئیں اور میرے ہاتھ میں دے دی گئیں۔'' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: رسول اللہ ﷺ دنیا سے تشریف لے گئے اور اب تم وہ خزانے نکال رہے ہو۔

فوائد ومسائل: ① صرف حصول رعب مراد نہیں بلکہ جو چیز رعب سے پیدا ہوتی ہے، یعنی دشمن پر کامیابی وہ مراد ہے۔ اس روایت میں ایک مہینے کی مسافت کا ذکر نہیں، تاہم حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں اس کی صراحت ہے۔ ② خزانوں کی چابیوں کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو یہ بشارت دی گئی کہ آپ کی امت کے ہاتھوں دنیا کی بڑی بڑی سلطنتیں فتح ہوں گی اور وہ ان کے خزانوں کے مالک ہوں گے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد مسلمانوں نے اس خواب کی مکمل تعبیر دیکھی کہ دنیا کی دو سب سے بڑی حکومتیں ایران اور روم مسلمانوں نے فتح کیں اور ان کے خزانے ان کے ہاتھ آئے۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے سونے اور چاندی کی کانیں مراد ہوں، یعنی عنقریب وہ شہر فتح ہوں گے جن میں سونے اور چاندی کی کانیں ہوں گی۔ والله أعلم.

٢٩٧٨ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ

[2978] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھیں

① صحيح البخاري، التيمم، حديث: 335.

عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَخْبَرَهُ أَنَّ أَبَا سُفْيَانَ أَخْبَرَهُ أَنَّ هِرَقْلَ أَرْسَلَ إِلَيْهِ وَهُوَ بِإِيلِيَاءَ ثُمَّ دَعَا بِكِتَابِ رَسُولِ اللهِ ﷺ، فَلَمَّا فَرَغَ مِنْ قِرَاءَةِ الْكِتَابِ كَثُرَتْ عِنْدَهُ الصَّخَبُ، وَارْتَفَعَتِ الْأَصْوَاتُ وَأُخْرِجْنَا، فَقُلْتُ لِأَصْحَابِي حِينَ أُخْرِجْنَا: لَقَدْ أَمِرَ أَمْرُ ابْنِ أَبِي كَبْشَةَ، إِنَّهُ يَخَافُهُ مَلِكُ بَنِي الْأَصْفَرِ. [راجع: ٧]

حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ (شاہ روم) ہرقل جب بیت المقدس میں تھا تو اس نے انھیں پیغام بھیجا۔ پھر اس نے رسول اللہ ﷺ کا مکتوب گرامی منگوایا۔ جب اسے پڑھ کر فارغ ہوا تو اس کے پڑھنے پر بہت شور وغل ہوا اور آوازیں بلند ہونے لگیں۔ پھر ہمیں وہاں سے نکال دیا گیا۔ میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ ابن ابو کبشہ کا معاملہ تو بہت زور پکڑ گیا ہے کہ رومیوں کا بادشاہ اس سے ڈر رہا ہے۔

فائدہ: مدینہ طیبہ اور شام جہاں شاہ روم قیصر رہتا تھا، کے درمیان ایک ماہ کی مسافت تھی۔ اسی طرح جب اس نے تبوک کے بارڈر پر اپنی فوجیں جمع کیں اور رسول اللہ ﷺ کو علم ہوا تو آپ مدینہ طیبہ سے بھاری نفری لے کر اس کے مقابلے کے لیے نکلے۔ مدینہ طیبہ سے تبوک ایک ماہ کی مسافت پر تھا، قیصر پر اس قدر رعب پڑا کہ اسے بھاگنے میں عافیت نظر آئی، چنانچہ وہ واپس لوٹ گیا۔ رسول اللہ ﷺ کا معجزہ تھا کہ سیکڑوں میل دور بھی دشمن آپ سے مرعوب رہتا تھا۔

(١٢٣) بَابُ حَمْلِ الزَّادِ فِي الْغَزْوِ

باب: 123- جہاد میں زاد راہ ساتھ رکھنا

وَقَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَىٰ﴾ [البقرة: ١٩٧].

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”زاد راہ ہمراہ رکھو۔ بلاشبہ عمدہ زاد راہ تو تقویٰ ہی ہے۔“

وضاحت: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ اہل یمن حج کے لیے آتے لیکن زاد راہ ساتھ نہ لاتے اور کہتے کہ ہم تو اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہیں، پھر مدینہ طیبہ پہنچ کر لوگوں سے مانگنا شروع کر دیتے۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔[1] مطلب یہ ہے کہ سفر میں جاتے وقت اپنے ساتھ کھانے پینے کا سامان ہمراہ لے لیا کرو تاکہ تمھیں کسی سے مانگنا نہ پڑے۔ یہ بہترین توشہ ہے جس کے ذریعے سے تم لوگوں سے مانگنا چھوڑ دو گے اور تمھیں تقویٰ حاصل ہو جائے گا۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: امام بخاری رحمہ اللہ نے اس عنوان سے اشارہ کیا ہے کہ سفر میں زاد سفر ساتھ لے جانا توکل کے منافی نہیں۔[2]

٢٩٧٩ - حَدَّثَنَا عُبَيْدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ هِشَامٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبِي: وَحَدَّثَتْنِي أَيْضًا فَاطِمَةُ عَنْ أَسْمَاءَ رَضِيَ

[2979] حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ جب رسول اللہ ﷺ نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کا ارادہ فرمایا تو میں نے حضرت ابوبکر صدیق

1 صحيح البخاري، الحج، حديث: 1523. 2 فتح الباري: 157/6.

اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: صَنَعْتُ سُفْرَةَ رَسُولِ اللهِ ﷺ فِي بَيْتِ أَبِي بَكْرٍ حِينَ أَرَادَ أَنْ يُهَاجِرَ إِلَى الْمَدِينَةِ، قَالَتْ: فَلَمْ نَجِدْ لِسُفْرَتِهِ، وَلَا لِسِقَائِهِ مَا نَرْبِطُهُمَا بِهِ فَقُلْتُ لِأَبِي بَكْرٍ: وَاللهِ! مَا أَجِدُ شَيْئًا أَرْبِطُ بِهِ إِلَّا نِطَاقِي، قَالَ: فَشُقِّيهِ بِاثْنَيْنِ فَارْبِطِيهِ: بِوَاحِدٍ السِّقَاءَ، وَبِالْآخَرِ السُّفْرَةَ، فَفَعَلْتُ، فَلِذٰلِكَ سُمِّيَتْ ذَاتَ النِّطَاقَيْنِ. [انظر: ٣٩٠٧، ٥٣٨٨]

ؓ کے گھر میں آپ کے لیے سفری کھانا تیار کیا۔ انھوں نے فرمایا: جب مجھے آپ کے توشہ دان اور پانی کے مشکیزے باندھنے کے لیے کوئی چیز نہ ملی تو میں نے حضرت ابوبکر ؓ سے کہا: اللہ کی قسم! مجھے اپنے کمر بند کے علاوہ کوئی چیز نہیں ملتی جس سے میں انھیں باندھوں تو حضرت ابوبکر ؓ نے فرمایا: تم اپنے کمر بند کے دو حصے کرلو: ایک سے پانی کے ظرف کو باندھو اور دوسرے سے توشہ دان کو۔ میں نے ایسا ہی کیا تو اس وجہ سے میرا نام ذات النطاقین رکھا گیا۔

فائدہ: سُفرہ وہ کھانا ہے جسے مسافر لوگ سفر میں اپنے ہمراہ لے جاتے ہیں۔ اس وقت اسے عموماً چمڑے کے بنے ہوئے توشہ دان میں رکھا جاتا تھا۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کے لیے اس نیک خاتون نے سفر ہجرت کے لیے کھانا تیار کیا۔ اس سے ہر سفر میں، خواہ وہ حج کا سفر ہو یا جہاد کا، راشن ساتھ لے جانے کا اثبات ہوا اور ایسا کرنا توکل کے منافی نہیں جیسا کہ بعض صوفیاء کا خیال ہے۔ یہ سفر ہجرت تھا۔ سفر جہاد کو اس پر قیاس کیا جا سکتا ہے۔ فوج کے لیے راشن کا پورا انتظام کرنا ہر مہذب حکومت کے لیے ضروری ہے۔

٢٩٨٠ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرٍو، قَالَ عَمْرٌو: أَخْبَرَنِي عَطَاءٌ: سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: كُنَّا نَتَزَوَّدُ لُحُومَ الْأَضَاحِيِّ عَلٰى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ إِلَى الْمَدِينَةِ. [راجع: ١٧١٩]

[2980] حضرت جابر بن عبداللہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ ہم نبی ﷺ کے زمانے میں قربانی کا گوشت توشے کے طور پر مدینہ طیبہ لے کر جاتے تھے۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ سفر کے لیے زاد سفر لے جانا توکل کے منافی نہیں جبکہ کچھ صوفیاء نے حدیث کی مخالفت کرتے ہوئے اسے توکل کے خلاف کہا ہے۔ ② اس حدیث میں اگرچہ سفر مدینہ کا ذکر ہے لیکن یہ مدینے کے ساتھ خاص نہیں کیونکہ اگر سفر مدینہ میں زاد سفر لے جانا جائز ہے، جو مبارک شہر اور پیارا وطن ہے، تو سفر جہاد میں زاد سفر لے جانا بطریق اولیٰ جائز ہوا کیونکہ اس میں تو دشمن کی سرزمین پر سفر کرنا ہوتا ہے، ضیافت وغیرہ کا امکان بھی بہت کم ہوتا ہے پھر جہاد کے مسافر کو تو مزید قوت حاصل کرنے کے لیے زادِ سفر کی ضرورت ہوتی ہے۔

٢٩٨١ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ قَالَ: سَمِعْتُ يَحْيٰى قَالَ: أَخْبَرَنِي

[2981] حضرت سوید بن نعمان ؓ سے روایت ہے، انھوں نے بتایا کہ وہ غزوۂ خیبر میں نبی ﷺ کے ہمراہ نکلے۔

بُشَيْرُ بْنُ يَسَارٍ أَنَّ سُوَيْدَ بْنَ النُّعْمَانِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ خَرَجَ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ عَامَ خَيْبَرَ حَتَّى إِذَا كَانُوا بِالصَّهْبَاءِ، وَهِيَ مِنْ خَيْبَرَ وَهِيَ أَدْنَى خَيْبَرَ، فَصَلَّوُا الْعَصْرَ فَدَعَا النَّبِيُّ ﷺ بِالْأَطْعِمَةِ وَلَمْ يُؤْتَ النَّبِيُّ ﷺ إِلَّا بِسَوِيقٍ، فَلُكْنَا فَأَكَلْنَا وَشَرِبْنَا، ثُمَّ قَامَ النَّبِيُّ ﷺ فَمَضْمَضَ وَمَضْمَضْنَا وَصَلَّيْنَا. [راجع: ٢٠٩]

جب مقام صہباء میں پہنچے...... یہ مقام خیبر کے بہت قریب ہے...... تو لوگوں نے نماز عصر پڑھی۔ نبی ﷺ نے کھانا طلب فرمایا تو نبی ﷺ کو صرف ستو پیش کیے گئے۔ ہم نے بھی انھیں پانی میں ملا کر منہ میں ڈالا۔ الغرض ہم نے انھیں کھایا اور پیا۔ اس کے بعد نبی ﷺ اٹھے اور کلی فرمائی۔ اور ہم نے بھی کلی کی اور نماز پڑھی۔

فوائد ومسائل: ① سفر میں راشن اور توشہ رکھنا اس لیے مستحسن ہے کہ یہ انسانی ضرورت ہے۔ اس قسم کی حاجات انسانی کا شریعت نے پورا پورا خیال رکھا ہے۔ ② رسول اللہ ﷺ کا کوئی سفر ایسا نہیں ہے جس میں آپ نے توشہ یا زاد سفر کا اہتمام نہ کیا ہو، چنانچہ اس حدیث میں ہے: دوران سفر میں جب آپ کو کھانے کی ضرورت پڑی تو آپ کو ستو پیش کیے گئے۔ ستو کھانے اور پینے دونوں طرح کام آتے ہیں جیسا کہ اس حدیث میں اس کی صراحت ہے، نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ ستو استعمال کرنے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

٢٩٨٢ - حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ مَرْحُومٍ: حَدَّثَنَا حَاتِمُ ابْنُ إِسْمَاعِيلَ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي عُبَيْدٍ، عَنْ سَلَمَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: خَفَّتْ أَزْوَادُ النَّاسِ وَأَمْلَقُوا، فَأَتَوُا النَّبِيَّ ﷺ فِي نَحْرِ إِبِلِهِمْ فَأَذِنَ لَهُمْ فَلَقِيَهُمْ عُمَرُ فَأَخْبَرُوهُ فَقَالَ: مَا بَقَاؤُكُمْ بَعْدَ إِبِلِكُمْ؟ فَدَخَلَ عُمَرُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! مَا بَقَاؤُهُمْ بَعْدَ إِبِلِهِمْ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «نَادِ فِي النَّاسِ يَأْتُونَ بِفَضْلِ أَزْوَادِهِمْ»، فَدَعَا وَبَرَّكَ عَلَيْهِمْ ثُمَّ دَعَاهُمْ بِأَوْعِيَتِهِمْ فَاحْتَثَى النَّاسُ حَتَّى فَرَغُوا، ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَأَنِّي رَسُولُ اللهِ». [راجع: ٢٤٨٤]

[2982] حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ دوران سفر میں صحابۂ کرام کا سفری کھانا کم ہو گیا جس سے وہ قلاش ہو گئے۔ انھوں نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اونٹ ذبح کرنے کی اجازت طلب کی۔ آپ نے انھیں اجازت دے دی۔ اتنے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ان کی ملاقات ہو گئی تو انھوں نے اس اجازت کی اطلاع انھیں دی۔ انھوں نے فرمایا: ان اونٹوں کے بعد پھر تمھارے پاس کیا باقی رہ جائے گا؟ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اللہ کے رسول! لوگ اگر اپنے اونٹ ذبح کر دیں تو پھر ان کے پاس باقی کیا رہ جائے گا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''لوگوں میں اعلان کر دو کہ وہ اپنا بچا ہوا زاد سفر میرے پاس لائیں۔'' چنانچہ آپ نے اس پر برکت کی دعا فرمائی۔ پھر آپ نے سب لوگوں کو ان کے برتنوں سمیت

بلایا۔ سب نے بھر بھر کر کھانا لیا۔ جب فارغ ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں۔“

فوائد و مسائل: ① حضرت عمر رضی اللہ عنہ بہت صائب الرائے تھے۔ جب انھوں نے یہ مشورہ دیا کہ جب اونٹ ذبح کر دیے جائیں گے تو مجاہدین کس پر سواری کریں گے اور سارا سفر پیدل طے کرنا بے حد مشکل ہے۔ چونکہ یہ مشورہ صحیح تھا، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اسے قبول فرمایا اور باقی ماندہ راشن جمع کرنے کا حکم دیا۔ آپ نے برکت کی دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے اس میں اتنی برکت دی کہ تمام مجاہدین کو کافی ہو گیا۔ ② اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ دوران سفر میں اپنے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی ضروریات کا بہت خیال رکھتے تھے۔ ③ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس سے ثابت کیا ہے کہ دوران سفر میں زادِ راہ ہمراہ رکھنا چاہیے۔ ایسا کرنا توکل کے خلاف نہیں۔ واللہ المستعان.

(١٢٤) بَابُ حَمْلِ الزَّادِ عَلَى الرِّقَابِ

باب: 124- کندھوں پر زاد سفر اٹھانا

٢٩٨٣ - حَدَّثَنَا صَدَقَةُ بْنُ الْفَضْلِ: أَخْبَرَنَا عَبْدَةُ عَنْ هِشَامٍ، عَنْ وَهْبِ بْنِ كَيْسَانَ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: خَرَجْنَا وَنَحْنُ ثَلَاثُمِائَةٍ نَحْمِلُ زَادَنَا عَلَى رِقَابِنَا فَفَنِيَ زَادُنَا حَتَّى كَانَ الرَّجُلُ مِنَّا يَأْكُلُ [فِي كُلِّ يَوْمٍ] تَمْرَةً، قَالَ رَجُلٌ: يَا أَبَا عَبْدِ اللهِ! وَأَيْنَ كَانَتِ التَّمْرَةُ تَقَعُ مِنَ الرَّجُلِ؟ قَالَ: لَقَدْ وَجَدْنَا فَقْدَهَا حِينَ فَقَدْنَاهَا، حَتَّى أَتَيْنَا الْبَحْرَ، فَإِذَا حُوتٌ قَذَفَهُ الْبَحْرُ، فَأَكَلْنَا مِنْهُ ثَمَانِيَةَ عَشَرَ يَوْمًا مَا أَحْبَبْنَا. [راجع: ٢٤٨٣]

[2983] حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ ہم تین سو آدمی جہاد کے لیے نکلے۔ ہم اپنا راشن اپنے کندھوں پر اٹھائے ہوئے تھے۔ اس دوران میں ہمارا راشن ختم ہو گیا حتی کہ ایک شخص کو روزانہ ایک کھجور کھانے کو ملتی تھی۔ ایک شاگرد نے پوچھا: ابوعبداللہ! ایک کھجور سے آدمی کیسے گزارا کر سکتا ہے؟ انھوں نے فرمایا: اس کی قدر و قیمت ہمیں اس وقت معلوم ہوئی جب کھانے کو ایک کھجور بھی نہیں ملتی تھی۔ حتی کہ ہم سمندر کے کنارے پر آئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک مچھلی ہے جسے سمندر نے باہر پھینک دیا ہے۔ ہم نے اسے اٹھارہ دن تک اپنی چاہت کے مطابق کھایا۔

فوائد و مسائل: ① سمندر کی مخلوق بہت عجیب و غریب ہوتی ہے۔ وہیل مچھلی کی لمبائی بھی اسی سے سو فٹ تک ہوتی ہے۔ غالباً وہ اسی قسم کی مچھلی ہوگی جسے تین سو مجاہد اٹھارہ دن تک اپنی چاہت کے مطابق کھاتے رہے۔ ② اس حدیث میں ہے کہ تین سو مجاہد اپنا اپنا راشن اپنے کندھوں پر اٹھائے ہوئے تھے۔ اس دور میں افواج کو ہر قسم کی سہولیات میسر نہیں تھیں، اس لیے بعض اوقات انھیں اپنا اپنا راشن خود اٹھانا پڑتا تھا۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد ہے کہ ایسا کرنا کوئی عیب نہیں بلکہ فوجی ٹریننگ کا ایک

حصہ ہے۔ فوج کو چوکس رکھنے کے لیے انھیں ہر وقت متحرک رکھا جاتا ہے اور ان سے مشقت کے کام لیے جاتے ہیں تاکہ وہ سہل پسند نہ بن جائیں اور میدان جہاد میں سستی نہ دکھائیں۔

(١٢٥) بَابُ إِرْدَافِ الْمَرْأَةِ خَلْفَ أَخِيهَا

باب: 125- عورت کا اپنے بھائی کے پیچھے سوار ہونا

٢٩٨٤ - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ: حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ: حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ الْأَسْوَدِ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا أَنَّهَا قَالَتْ: يَا رَسُولَ اللهِ! يَرْجِعُ أَصْحَابُكَ بِأَجْرِ حَجٍّ وَّعُمْرَةٍ، وَّلَمْ أَزِدْ عَلَى الْحَجِّ، فَقَالَ لَهَا: «اذْهَبِي وَلْيُرْدِفْكِ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ». فَأَمَرَ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ أَنْ يُّعْمِرَهَا مِنَ التَّنْعِيمِ، فَانْتَظَرَهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ بِأَعْلٰى مَكَّةَ حَتّٰى جَاءَتْ.

[راجع: ٢٩٤]

[2984] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: اللہ کے رسول! آپ کے صحابۂ کرام تو حج اور عمرہ دونوں کا ثواب لے کر واپس جا رہے ہیں جبکہ میں صرف حج ہی کر پائی ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم جاؤ، تمھارے بھائی عبدالرحمٰن تمھیں اپنی سواری کے پیچھے بٹھا لیں گے۔'' چنانچہ آپ نے حضرت عبدالرحمٰن ؓ کو حکم دیا کہ وہ انھیں تنعیم سے عمرہ کرائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس دوران مکہ کے بالائی علاقے میں ان کا انتظار کیا حتی کہ حضرت عائشہ ؓ عمرہ کر کے واپس آ گئیں۔

٢٩٨٥ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ عَمْرٍو - هُوَ ابْنُ دِينَارٍ - عَنْ عَمْرِو ابْنِ أَوْسٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: أَمَرَنِي النَّبِيُّ ﷺ أَنْ أُرْدِفَ عَائِشَةَ وَأُعْمِرَهَا مِنَ التَّنْعِيمِ.

[راجع: ١٧٨٤]

[2985] حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر صدیق ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: مجھے نبی ﷺ نے حکم دیا کہ میں حضرت عائشہ ؓ کو اپنے پیچھے سواری پر بٹھاؤں اور مقام تنعیم سے انھیں عمرہ کرا لاؤں۔

فوائد و مسائل: ① ان احادیث میں صراحت ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن ؓ نے اپنی ہمشیر ام المومنین حضرت عائشہ ؓ کو سواری پر اپنے پیچھے بٹھایا۔ اگرچہ یہ سفر حج سے متعلق تھا، تاہم سفر جہاد کو اس پر قیاس کیا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''عورتوں کا جہاد حج کرنا ہے۔''[1] اس طرح قیاس کے بغیر ہی عنوان میں بیان کردہ مسئلہ ثابت ہو سکتا ہے۔ ② سفر و حضر میں محرم کے ساتھ خلوت جائز ہے اور کوئی بھی عورت اپنے محرم کے ہمراہ سفر کر سکتی ہے، خواہ وہ سفر حج و عمرہ ہو یا سفر جہاد، نیز وہ اپنے محرم کے ساتھ سواری پر بھی بیٹھ سکتی ہے۔ چونکہ اس طرح کے واقعات دوران سفر میں اکثر و بیشتر پیش آتے رہتے ہیں، لہٰذا امام بخاری ؒ نے انھیں بیان کر دیا ہے۔ آئندہ بہت سے عنوانات اسی قبیل سے ہیں۔

① صحيح البخاري، الجهاد، حديث: 2875، 2876.

(١٢٦) بَابُ الْإِرْتِدَافِ فِي الْغَزْوِ وَالْحَجِّ

باب: 126- جہاد اور حج کے سفر میں کسی کو اپنے پیچھے بٹھانا

٢٩٨٦ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ: حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: كُنْتُ رَدِيفَ أَبِي طَلْحَةَ، وَإِنَّهُمْ لَيَصْرُخُونَ بِهِمَا جَمِيعًا: اَلْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ. [راجع: ١٠٨٩]

[2986] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کی سواری پر ان کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے دیکھا کہ لوگ حج اور عمرہ دونوں کا ایک ساتھ تلبیہ کہہ رہے تھے۔

فوائد و مسائل: ① یہ حدیث کئی مرتبہ پہلے گزر چکی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس سے متعدد مسائل اخذ کیے ہیں۔ اس موقع پر بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ دوران سفر میں آدمی کو سواری پر اپنے پیچھے بٹھانے میں کوئی حرج نہیں۔ اگرچہ مذکورہ سفر حج کے لیے تھا، تاہم دیگر مواقع کو اس پر قیاس کیا جا سکتا ہے۔ ② سواری کا جانور اگر طاقتور ہو تو تین آدمی بھی اس پر سوار ہو سکتے ہیں۔

(١٢٧) بَابُ الرِّدْفِ عَلَى الْحِمَارِ

باب: 127- گدھے کی سواری پر کسی کو پیچھے بٹھانا

٢٩٨٧ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ: حَدَّثَنَا أَبُو صَفْوَانَ عَنْ يُونُسَ بْنِ يَزِيدَ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ رَكِبَ عَلَى حِمَارٍ عَلَى إِكَافٍ عَلَيْهِ قَطِيفَةٌ وَأَرْدَفَ أُسَامَةَ وَرَاءَهُ. [انظر: ٤٥٦٦، ٥٦٦٣، ٥٩٦٤، ٦٢٠٧]

[2987] حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ گدھے پر سوار ہوئے جس کی زین پر ایک دھاری دار چادر پڑی تھی اور آپ نے اسامہ کو اپنے پیچھے بٹھایا۔

٢٩٨٨ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ قَالَ: حَدَّثَنَا يُونُسُ: أَخْبَرَنِي نَافِعٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ أَقْبَلَ يَوْمَ الْفَتْحِ مِنْ أَعْلَى مَكَّةَ عَلَى رَاحِلَتِهِ مُرْدِفًا أُسَامَةَ ابْنَ زَيْدٍ وَمَعَهُ بِلَالٌ وَمَعَهُ عُثْمَانُ بْنُ طَلْحَةَ مِنَ الْحَجَبَةِ حَتَّى أَنَاخَ فِي الْمَسْجِدِ، فَأَمَرَهُ أَنْ

[2988] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فتح مکہ کے دن مکہ مکرمہ کے بالائی علاقے سے اپنی سواری پر تشریف لائے جبکہ آپ نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو اپنے پیچھے بٹھا رکھا تھا۔ آپ کے ہمراہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ بھی تھے اور حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ بھی جو کعبہ کے کلید (چابی) بردار تھے۔ آپ نے مسجد کے صحن میں

يَأْتِيَ بِمِفْتَاحِ الْبَيْتِ، فَفَتَحَ وَدَخَلَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَمَعَهُ أُسَامَةُ وَبِلَالٌ وَعُثْمَانُ، فَمَكَثَ فِيهَا نَهَارًا طَوِيلًا، ثُمَّ خَرَجَ فَاسْتَبَقَ النَّاسُ، فَكَانَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ أَوَّلَ مَنْ دَخَلَ، فَوَجَدَ بِلَالًا وَرَاءَ الْبَابِ قَائِمًا، فَسَأَلَهُ: أَيْنَ صَلَّى رَسُولُ اللهِ ﷺ؟ فَأَشَارَ إِلَى الْمَكَانِ الَّذِي صَلَّى فِيهِ.

اپنی سواری بٹھائی اور حضرت عثمان بن طلحہ ؓ کو حکم دیا کہ بیت اللہ کی چابی لائیں، چنانچہ انھوں نے دروازہ کھولا تو رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ حضرت بلال، حضرت اسامہ اور حضرت عثمان بن ابی طلحہ ؓ بھی داخل ہوئے۔ آپ کافی دیر اندر ٹھہرے رہے۔ پھر جب باہر تشریف لائے تو لوگ اندر داخل ہونے کے لیے ایک دوسرے سے آگے بڑھے۔ سب سے پہلے حضرت عبداللہ بن عمر ؓ داخل ہوئے تو انھوں نے حضرت بلال ؓ کو دروازے کے پیچھے کھڑا پایا۔ انھوں نے ان سے دریافت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے کہاں نماز پڑھی ہے؟ حضرت بلال ؓ نے اس جگہ کی نشاندہی کی جہاں آپ ﷺ نے نماز پڑھی تھی۔

قَالَ عَبْدُ اللهِ: فَنَسِيتُ أَنْ أَسْأَلَهُ: كَمْ صَلَّى مِنْ سَجْدَةٍ؟ [راجع: ٣٩٧]

حضرت عبداللہ بن عمر ؓ فرماتے ہیں: میں یہ بات پوچھنا بھول گیا کہ آپ نے کتنی رکعات پڑھی تھیں؟

فوائد و مسائل: ① پہلی حدیث میں صراحت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے گدھے پر سواری کی اور حضرت اسامہ ؓ کو اپنے پیچھے بٹھایا۔ اس حدیث سے رسول اللہ ﷺ کی تواضع ظاہر ہوتی ہے کیونکہ گدھے پر سواری کرنا، پالان پر سوار ہو جانا یا کسی چھوٹے بچے کو سواری پر اپنے پیچھے بٹھانا بہت بڑی تواضع ہے۔ ② امام بخاری ؒ کا مقصد مطلق طور پر کسی کو اپنے پیچھے بٹھانے کو ثابت کرنا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے کسی کو سواری پر اپنے پیچھے بٹھانے کو عار خیال نہیں کیا۔ یہ بات دونوں احادیث سے ثابت ہے۔ واللہ أعلم.

(١٢٨) بَابُ مَنْ أَخَذَ بِالرِّكَابِ وَنَحْوِهِ

باب: 128- جس نے رکاب یا اس جیسی کسی چیز کو پکڑ کر سوار ہونے میں مدد دی

٢٩٨٩ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «كُلُّ سُلَامَى مِنَ النَّاسِ عَلَيْهِ صَدَقَةٌ، كُلَّ يَوْمٍ تَطْلُعُ فِيهِ الشَّمْسُ: يَعْدِلُ بَيْنَ الِاثْنَيْنِ

[2989] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ہر دن جس میں سورج طلوع ہوتا ہے انسان کے ہر جوڑ پر صدقہ لازم ہوتا ہے۔ دو شخصوں کے مابین انصاف کرنا بھی صدقہ ہے، کسی شخص کا اس کے جانور پر سامان لاد دینا بھی صدقہ ہے۔ اچھی بات

صَدَقَةٌ، وَيُعِينُ الرَّجُلَ عَلٰى دَابَّتِهِ فَيَحْمِلُ عَلَيْهَا أَوْ يَرْفَعُ عَلَيْهَا مَتَاعَهُ صَدَقَةٌ، وَالْكَلِمَةُ الطَّيِّبَةُ صَدَقَةٌ، وَكُلُّ خَطْوَةٍ يَخْطُوهَا إِلَى الصَّلَاةِ صَدَقَةٌ، وَيُمِيطُ الْأَذٰى عَنِ الطَّرِيقِ صَدَقَةٌ».

[راجع: ٢٧٠٧]

منہ سے نکالنا بھی صدقہ ہے۔ ہر قدم جو نماز کے لیے اٹھتا ہے وہ بھی صدقہ ہے۔ اور راستے سے کسی تکلیف دہ چیز کو ہٹا دینا بھی صدقہ ہے۔''

فوائد و مسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ نے مذکورہ عنوان سے ایک حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے جسے امام مسلم رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں غزوۂ حنین کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کی رکاب پکڑے ہوئے تھا،[1] نیز ''حمل الراکب'' عام ہے، خواہ اسے سوار کرے یا سواری کرنے میں اس کی مدد کرے۔[2] ② اس کے تعاون کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ اس کا سامان اٹھوانے میں اس کی مدد کی جائے جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث پر ایک عنوان بھی قائم کیا ہے: [بَابُ فَضْلِ مَنْ حَمَلَ مَتَاعَ صاحِبِهِ فِي السَّفَرِ] ''دوران سفر میں اپنے ساتھی کا سامان اٹھانے کی فضیلت''[3] مطلب یہ ہے کہ سواری کے متعلق انسان کی ہر قسم کی مدد صدقہ شمار ہوگی۔ یہ بھی ثابت ہوا کہ انسان کو اپنے ہر جوڑ کی سلامتی کے شکر میں کچھ نہ کچھ کار خیر ضرور کرتے رہنا چاہیے۔ والله أعلم.

(١٢٩) بَابُ كَرَاهِيَةِ السَّفَرِ بِالْمَصَاحِفِ إِلٰى أَرْضِ الْعَدُوِّ

باب: 129- دشمن کی سرزمین میں قرآن مجید کے ہمراہ سفر کرنا منع ہے

وَكَذٰلِكَ يُرْوٰى عَنْ مُّحَمَّدِ بْنِ بِشْرٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ، عَنْ نَّافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ. وَتَابَعَهُ ابْنُ إِسْحَاقَ عَنْ نَّافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ. وَقَدْ سَافَرَ النَّبِيُّ ﷺ وَأَصْحَابُهُ فِي أَرْضِ الْعَدُوِّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ الْقُرْآنَ.

اسی طرح محمد بن بشر نے عبیداللہ سے، انھوں نے نافع سے، انھوں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے، انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔ محمد بن اسحاق نے نافع سے، انھوں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرنے میں محمد بن بشر کی متابعت کی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابۂ کرام نے دشمن کی سرزمین میں سفر کیا، حالانکہ یہ سب حضرات قرآن کریم کے عالم تھے۔

وضاحت: ان تعلیقات سے امام بخاری رحمہ اللہ کی غرض یہ نہیں کہ دشمن کے ملک میں قرآن مجید لے جانا جائز ہے بلکہ آپ یہ فرق کرنا چاہتے ہیں کہ قرآن مجید لے جانے کی ممانعت ہے، حافظ قرآن کو دشمن کے ملک میں جانا منع نہیں، یعنی ممانعت کا تعلق صرف مصحف سے ہے، اس قرآن سے نہیں جو سینے میں محفوظ ہے۔ والله أعلم.

① صحيح مسلم، الجهاد، حديث: 4612 (1775). ② فتح الباري: 161/6. ③ صحيح البخاري، الجهاد، باب: 72.

٢٩٩٠ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ نَهَى أَنْ يُسَافَرَ بِالْقُرْآنِ إِلَى أَرْضِ الْعَدُوِّ.

[2990] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دشمن کے علاقے میں قرآن مجید لے کر جانے سے منع فرمایا ہے۔

فوائد ومسائل: ① غالی قسم کے غیر مسلم لوگ قرآن مجید کے ساتھ بے حرمتی کا برتاؤ کرتے ہیں تاکہ مسلمانوں کو ذہنی اذیت میں مبتلا کیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے قرآن مجید کی عظمت وتوقیر اور اس کے احترام کے پیش نظر یہ حکم دیا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ کافروں کے ہاتھ لگ جائے اور وہ اس کی بے حرمتی کریں۔ ② قرآن کریم کی یہ فتح مبین ہے کہ وہ اپنا لوہا منوا چکا ہے۔ اب دنیا کا کوئی ملک ایسا نہیں ہے جہاں کسی نہ کسی صورت میں قرآن نہ پہنچ چکا ہو۔ قرآن کریم کی یہ عظمت کسی اور آسمانی کتاب کو حاصل نہیں ہے۔

(١٣٠) بَابُ التَّكْبِيرِ عِنْدَ الْحَرْبِ

باب: 130- بوقت جنگ نعرۂ تکبیر بلند کرنا

٢٩٩١ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ مُحَمَّدٍ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: صَبَّحَ النَّبِيُّ ﷺ خَيْبَرَ وَقَدْ خَرَجُوا بِالْمَسَاحِي عَلَى أَعْنَاقِهِمْ، فَلَمَّا رَأَوْهُ قَالُوا: هٰذَا مُحَمَّدٌ وَّالْخَمِيسُ، مُحَمَّدٌ وَّالْخَمِيسُ، فَلَجَؤُوا إِلَى الْحِصْنِ، فَرَفَعَ النَّبِيُّ ﷺ يَدَيْهِ وَقَالَ: «اَللهُ أَكْبَرُ، خَرِبَتْ خَيْبَرُ، إِنَّا إِذَا نَزَلْنَا بِسَاحَةِ قَوْمٍ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِينَ». وَأَصَبْنَا حُمُرًا فَطَبَخْنَاهَا، فَنَادَى مُنَادِي النَّبِيِّ ﷺ: إِنَّ اللهَ وَرَسُولَهُ يَنْهَيَانِكُمْ عَنْ لُحُومِ الْحُمُرِ، فَأُكْفِئَتِ الْقُدُورُ بِمَا فِيهَا.

[2991] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے خیبر پر صبح کے وقت حملہ کیا جبکہ وہاں کے باشندے اپنے کندھوں پر کسیاں رکھے باہر نکل رہے تھے۔ انھوں نے آپ کو دیکھا تو چلا اٹھے کہ یہ محمد تو اپنے لشکر سمیت آچکے ہیں۔ محمد اپنے لشکر سمیت آگئے ہیں، چنانچہ وہ سب بھاگ کر قلعے میں پناہ گزیں ہوگئے۔ اس وقت نبی ﷺ نے اپنے ہاتھ اٹھائے اور فرمایا: "اللہ اکبر! خیبر تو تباہ ہو چکا۔ ہم جب کسی قوم کے میدان میں ڈیرے ڈال دیں تو ڈرائے ہوئے لوگوں کی صبح بہت بری ہوتی ہے۔" (حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ) ہم نے گدھے پکڑے اور انھیں ذبح کر کے ان کا گوشت پکانا شروع کر دیا تو نبی ﷺ کی طرف سے ایک منادی نے اعلان کر دیا کہ اللہ اور اس کا رسول تمھیں گدھوں کے گوشت سے منع کرتے ہیں۔ اس اعلان کے بعد ہنڈیاں گوشت سمیت الٹ دی گئیں۔

تَابَعَهُ عَلِيٌّ عَنْ سُفْيَانَ: رَفَعَ النَّبِيُّ ﷺ

اس روایت کی متابعت علی نے سفیان سے بیان کر کے

يَدَيْهِ . [راجع : ٣٧١]

کی ہے کہ نبی ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے تھے۔

فوائد و مسائل: ① رسول اللہ ﷺ نے خیبر میں داخل ہوتے وقت نعرۂ تکبیر بلند کیا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ شوکت اسلام کے اظہار کے لیے مناسب موقع پر اللہ اکبر آواز بلند کہا جا سکتا ہے۔ ② یہ ایک اسلامی شعار ہے لیکن کس قدر افسوس ہے کہ اس مقدس نعرے کی اہمیت گھٹانے کے لیے ہمارے ہاں نعرۂ رسالت: یا رسول اللہ، نعرۂ حیدری: یاعلی اور نعرۂ غوثیہ: یا شیخ عبدالقادر جیلانی جیسے نعرے ایجاد ہو چکے ہیں۔ ایسے نعرے لگانا شرک کا ارتکاب کرنا اور بدعت کا دروازہ کھولنا ہے جس کی اسلام کسی صورت میں اجازت نہیں دیتا۔ اسے محبتِ رسول یا محبتِ اولیاء کا نام دینا تو سراسر شیطانی دھوکا اور نفس امارہ کا فریب ہے۔ ہمیں ہر حال میں ان سے بچنا چاہیے۔

(١٣١) بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنْ رَفْعِ الصَّوْتِ فِي التَّكْبِيرِ

باب: 131- بہت چلا کر نعرۂ تکبیر کہنے کی ممانعت

٢٩٩٢ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَاصِمٍ، عَنْ أَبِي عُثْمَانَ، عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَكُنَّا إِذَا أَشْرَفْنَا عَلَى وَادٍ هَلَّلْنَا وَكَبَّرْنَا ارْتَفَعَتْ أَصْوَاتُنَا، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «يَا أَيُّهَا النَّاسُ! اِرْبَعُوا عَلَى أَنْفُسِكُمْ، فَإِنَّكُمْ لَا تَدْعُونَ أَصَمَّ وَلَا غَائِبًا، إِنَّهُ مَعَكُمْ، إِنَّهُ سَمِيعٌ قَرِيبٌ». [انظر: ٤٢٠٢، ٦٣٨٤، ٦٤٠٩، ٦٦١٠، ٧٣٨٦]

[2992] حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ہم ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ جا رہے تھے۔ جب ہم کسی بلندی پر چڑھتے تو زور سے لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ اور اللہ أکبر کہتے۔ جب ہماری آوازیں بلند ہوئیں تو نبی ﷺ نے فرمایا: ''اے لوگو! اپنی جانوں پر رحم کرو کیونکہ تم کسی بہرے یا غائب کو نہیں پکار رہے بلکہ وہ تو تمھارے ساتھ ہی ہے۔ بے شک وہ خوب سنتا ہے اور انتہائی قریب ہے۔''

فوائد و مسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ اللہ اکبر کہتے وقت آواز اس قدر بلند نہ کی جائے جو حد اعتدال اور حد جواز سے گزر جائے اور حد کراہت تک پہنچ جائے۔ مطلق بلند آواز سے منع نہیں کیا گیا بلکہ حد اعتدال سے تجاوز ممنوع ہے۔ ② واضح رہے کہ روایت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہمارے ساتھ ہے جیسے اس کی شان کے لائق ہے۔ وہ ہر وقت ہماری بلند یا آہستہ آواز سنتا ہے اور ہمیں ہر آن دیکھ رہا ہے، نیز اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے غائب کے مقابلے میں قریب کو بیان کیا ہے، حالانکہ غائب کے مقابلے میں حاضر ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حاضر و ناظر صفات الٰہیہ سے نہیں ہے لیکن ہم لوگ ان الفاظ کو بطور صفات الٰہیہ بکثرت استعمال کرتے ہیں۔

(١٣٢) بَابُ التَّسْبِيحِ إِذَا هَبَطَ وَادِيًا

باب: 132- نشیب میں اترتے وقت سبحان اللہ کہنا

٢٩٩٣ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ حُصَيْنِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ سَالِمِ ابْنِ أَبِي الْجَعْدِ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: كُنَّا إِذَا صَعِدْنَا كَبَّرْنَا وَإِذَا نَزَلْنَا سَبَّحْنَا. [انظر: ٢٩٩٤]

[2993] حضرت جابر بن عبداللہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: جب ہم کسی بلندی پر چڑھتے تو اللہ اکبر کہتے اور جب کسی بلندی سے اترتے تو سبحان اللہ کہتے تھے۔

فوائد ومسائل: ① کوئی بھی سفر ہو، راستے میں نشیب وفراز اکثر آتے رہتے ہیں، لہٰذا مذکورہ ہدایت نبوی کو مدنظر رکھنا چاہیے۔ اس مقام پر سفر جہاد میں اس امر کا مشروع ہونا مقصود ہے۔ ② حضرت یونس علیہ السلام جب مچھلی کے پیٹ میں گئے تو انھوں نے اللہ کی تسبیح کی تو اللہ تعالیٰ نے انھیں نجات دی۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی ان کی پیروی میں فرمایا: ''جب تم نیچی جگہ اترو تو اللہ کی تسبیح کرو۔''

(١٣٣) بَابُ التَّكْبِيرِ إِذَا عَلَا شَرَفًا

باب: 133- بلندی پر چڑھتے وقت اللہ اکبر کہنا

٢٩٩٤ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ حُصَيْنٍ، عَنْ سَالِمٍ، عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: كُنَّا إِذَا صَعِدْنَا كَبَّرْنَا، وَإِذَا تَصَوَّبْنَا سَبَّحْنَا. [راجع: ٢٩٩٣]

[2994] سالم بن عبداللہ حضرت جابر ؓ سے بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا: جب ہم (کسی بلندی پر) چڑھتے تو اللہ اکبر کہتے اور جب (کسی نشیب میں) اترتے تو سبحان اللہ کہتے تھے۔

فائدہ: جب انسان کسی بلند جگہ پر چڑھے تو اللہ تعالیٰ کی کبریائی کا تقاضا ہے کہ اللہ اکبر کہا جائے۔ جب بھی کسی بلند چیز پر نظر پڑے تو دل میں اللہ کی بڑائی کا یقین رہے کہ وہی ہر چیز سے بڑا ہے، خاص طور سفر جہاد میں اس کا ضرور التزام کیا جائے تاکہ اس کی نصرت وتائید ہمارے شامل حال رہے۔

٢٩٩٥ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنِي عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ صَالِحِ بْنِ كَيْسَانَ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا قَفَلَ مِنَ الْحَجِّ أَوِ الْعُمْرَةِ - وَلَا أَعْلَمُهُ إِلَّا قَالَ: الْغَزْوَ - يَقُولُ: كُلَّمَا أَوْفَى عَلَى ثَنِيَّةٍ أَوْ فَدْفَدٍ

[2995] حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ جب حج وعمرہ کے سفر سے واپس ہوتے، اور میں خوب جانتا ہوں کہ آپ نے سفر جہاد کا بھی ذکر فرمایا، جب بھی کسی بلندی پر چڑھتے یا (نشیب سے) کنکریوں والے کھلے میدان میں پہنچتے تو تین مرتبہ اللہ اکبر کہتے۔ پھر یوں دعا کرتے: ''اللہ کے سوا کوئی عبادت کے

كَبَّرَ ثَلَاثًا ثُمَّ قَالَ: «لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ. آيِبُونَ تَائِبُونَ عَابِدُونَ سَاجِدُونَ لِرَبِّنَا حَامِدُونَ، صَدَقَ اللهُ وَعْدَهُ، وَنَصَرَ عَبْدَهُ، وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ». قَالَ صَالِحٌ: فَقُلْتُ لَهُ: أَلَمْ يَقُلْ عَبْدُ اللهِ: إِنْ شَاءَ اللهُ؟ قَالَ: لَا. [راجع: ١٧٩٧]

لائق نہیں۔ وہ یکتا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی کے لیے بادشاہی ہے اور اسی کے لیے تمام تعریفیں ہیں۔ وہی ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔ ہم واپس ہو رہے ہیں، توبہ کرتے ہوئے، اس کی عبادت بجالاتے ہوئے، اپنے پروردگار کی بارگاہ میں سجدہ کرتے ہوئے، اس کی حمد پڑھتے ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا۔ اس نے اپنے بندے کی مدد فرمائی اور اس اکیلے نے لشکروں کو شکست سے دوچار کیا۔'' (راویٔ حدیث) صالح نے کہا: میں نے ان (اپنے شیخ حضرت سالم بن عبداللہ) سے پوچھا: کیا حضرت عبداللہ ؓ نے ان شاءاللہ کے الفاظ نہیں کہے تھے؟ انھوں نے بتایا کہ نہیں۔

فوائد و مسائل: ① رسول اللہ ﷺ نے مذکورہ الفاظ غزوۂ خندق کے موقع پر ارشاد فرمائے تھے۔ حجۃ الوداع سے واپسی پر آپ نے ان کلمات کو دہرایا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غلبہ عطا فرمایا اور جذبۂ شکر کے طور پر آپ نے یہ الفاظ کہے۔ ہم بھی ایسے مبارک مواقع پر انھیں پڑھ سکتے ہیں۔ ② امام بخاری ؒ کا اس حدیث سے مقصود یہ ہے کہ جب انسان کسی بلندی پر چڑھے تو اللہ اکبر کہے تاکہ اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کا اظہار ہو۔ بلندی پر چڑھتے ہوئے یہ خیال نہیں آنا چاہیے کہ ہم بلند ہو رہے ہیں، بلندی کے لائق صرف ذاتِ کبریا ہے۔ ہم تو اس کے عاجز بندے ہیں۔

(١٣٤) بَابٌ: يُكْتَبُ لِلْمُسَافِرِ [مِثْلُ] مَا كَانَ يَعْمَلُ فِي الْإِقَامَةِ

باب: 134- مسافر کی اس قدر عبادات لکھی جاتی ہیں جنھیں وہ بحالت اقامت بجالاتا تھا

٢٩٩٦ - حَدَّثَنَا مَطَرُ بْنُ الْفَضْلِ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ ابْنُ هَارُونَ: أَخْبَرَنَا الْعَوَّامُ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ أَبُو إِسْمَاعِيلَ السَّكْسَكِيُّ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا بُرْدَةَ وَاصْطَحَبَ هُوَ وَيَزِيدُ بْنُ أَبِي كَبْشَةَ فِي سَفَرٍ فَكَانَ يَزِيدُ يَصُومُ فِي السَّفَرِ، فَقَالَ لَهُ أَبُو بُرْدَةَ: سَمِعْتُ أَبَا مُوسٰى مِرَارًا يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِذَا مَرِضَ الْعَبْدُ أَوْ سَافَرَ كُتِبَ لَهُ مِثْلُ مَا كَانَ يَعْمَلُ مُقِيمًا صَحِيحًا».

[2996] حضرت ابو بردہ بن ابی موسیٰ سے روایت ہے وہ اور یزید بن ابو کبشہ ایک سفر میں اکٹھے تھے اور یزید سفر میں بھی روزہ رکھا کرتے تھے۔ ابو بردہ نے ان سے کہا: میں نے حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ سے بارہا سنا، وہ کہا کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب آدمی بیمار ہوتا ہے یا سفر کرتا ہے تو وہ جس قدر عبادات بحالت اقامت اور دوران صحت میں کرتا تھا اس کے لیے وہ سب لکھی جاتی ہیں۔''

فوائد ومسائل: ① اگر کوئی بیماری یا سفر کی وجہ سے فرض کی ادائیگی سے عاجز رہے تو اس حدیث کے مطابق امید ہے کہ اسے ثواب سے محروم نہیں کیا جائے گا، مثلاً: کھڑے ہو کر نماز پڑھنا فرض ہے لیکن اگر کسی مجبوری کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھی جائے تو اس کے لیے قیام کا ثواب ہی لکھا جائے گا۔ اسی طرح دوران سفر میں بہت سے نوافل، وظائف اور معمولات چھوٹ جاتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ مسافر کو ان تمام اعمال کا ثواب ملتا رہتا ہے جو وہ گھر میں رہتے ہوئے کیا کرتا تھا۔ ② عنوان میں مسافر سے مراد سفر جہاد کا مسافر ہے، پھر نیک غرض کے لیے سفر کرنے والا مراد ہے۔ ③ واضح رہے کہ یہ اعزاز اس مسافر کے لیے ہے جو دوران سفر میں اپنا وقت اللہ کی اطاعت میں گزارے اور گناہوں سے اپنا دامن بچائے رکھے۔

(١٣٥) بَابُ السَّيْرِ وَحْدَهُ

باب: 135- تنہا سفر کرنا

٢٩٩٧ - حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ: حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْمُنْكَدِرِ قَالَ: سَمِعْتُ جَابِرَ ابْنَ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا يَقُولُ: نَدَبَ النَّبِيُّ ﷺ النَّاسَ يَوْمَ الْخَنْدَقِ، فَانْتَدَبَ الزُّبَيْرُ، ثُمَّ نَدَبَهُمْ فَانْتَدَبَ الزُّبَيْرُ، ثُمَّ نَدَبَهُمْ فَانْتَدَبَ الزُّبَيْرُ، قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «إِنَّ لِكُلِّ نَبِيٍّ حَوَارِيًّا وَّحَوَارِيَّ الزُّبَيْرُ».

قَالَ سُفْيَانُ: الْحَوَارِيُّ النَّاصِرُ. [راجع: ٢٨٤٦]

[2997] حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے غزوۂ خندق کے وقت لوگوں کو آواز دی تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔ آپ نے پھر ان کو پکارا تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے لبیک کہا۔ آپ نے پھر آواز دی تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ ہی نے جواب دیا۔ (یہ سن کر) نبی ﷺ نے فرمایا: ''ہر نبی کے مددگار ہوتے ہیں اور میرا مددگار زبیر رضی اللہ عنہ ہے۔''

(راوئ حدیث) سفیان نے کہا: حواری مددگار کو کہا جاتا ہے۔

٢٩٩٨ - حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ: حَدَّثَنَا عَاصِمُ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ؛ ح: حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ: حَدَّثَنَا عَاصِمُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ زَيْدِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ أَبِيهِ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «لَوْ يَعْلَمُ النَّاسُ مَا فِي الْوَحْدَةِ مَا أَعْلَمُ مَا سَارَ رَاكِبٌ بِلَيْلٍ وَحْدَهُ».

[2998] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے: وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''تنہا سفر کرنے کا جو نقصان مجھے معلوم ہے وہ اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے تو کوئی سوار بھی رات کے وقت اکیلا سفر نہ کرے۔''

فوائد ومسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ نے عنوان کو مبہم رکھا ہے۔ اس کے متعلق جواز یا عدم جواز کی صراحت نہیں کی۔ دراصل

رات کے وقت سفر کرنے کی دو حالتیں ممکن ہیں: ایک صورت تو امن وسلامتی کی ہے، اس سفر میں غالب گمان یہ ہوتا ہے کہ دشمن کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا سکے گا تو اس حالت میں تنہا سفر کرنا جائز ہے جیسا کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے۔ دوسری حالت خوف و ہراس کی ہے۔ اس صورت میں تنہا سفر کرنے سے پرہیز کرنا چاہیے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔ ② شارح بخاری ابن منیر فرماتے ہیں: جنگ کی مصلحت کے لیے تنہا سفر کرنا جائز ہے جیسا کہ دشمن کے حالات معلوم کرنا اور جاسوسی کرنا اور جنگی انتظامات کے لیے جانا، ایسے حالات میں رات کے وقت تنہا سفر کرنا جائز ہے ان کے علاوہ تنہا سفر کرنا خرابی سے خالی نہیں۔[1]

(١٣٦) بَابُ السُّرْعَةِ فِي السَّيْرِ

باب: 136- دوران سفر تیز چلنا

وَقَالَ أَبُو حُمَيْدٍ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «إِنِّي مُتَعَجِّلٌ إِلَى الْمَدِينَةِ، فَمَنْ أَرَادَ أَنْ يَتَعَجَّلَ مَعِيَ فَلْيَتَعَجَّلْ».

حضرت ابو حمید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”میں مدینہ طیبہ جلدی پہنچنا چاہتا ہوں، اس لیے اگر کوئی میرے ساتھ جلدی جانا چاہے تو وہ جلدی جا سکتا ہے۔“

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ کسی خاص ضرورت کے پیش نظر سفر جہاد یا سفر حج یا عام سفر میں تیزی سے سفر کرنا اور اپنے ساتھیوں سے آگے جانا معیوب نہیں۔ یہ روایت کتاب الزکاۃ (1481) میں موصولاً گزر چکی ہے۔

٢٩٩٩ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ هِشَامٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبِي قَالَ: سُئِلَ أُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا - كَانَ يَحْيَى يَقُولُ وَأَنَا أَسْمَعُ فَسَقَطَ عَنِّي - عَنْ مَسِيرِ النَّبِيِّ ﷺ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ فَقَالَ: فَكَانَ يَسِيرُ الْعَنَقَ فَإِذَا وَجَدَ فَجْوَةً نَصَّ، وَالنَّصُّ: فَوْقَ الْعَنَقِ.

[راجع: ١٦٦٦]

[2999] حضرت ہشام بن عروہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: مجھے میرے باپ نے بتایا کہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے نبی ﷺ کی حجۃ الوداع میں رفتار کے متعلق پوچھا گیا...... یحییٰ کہتے ہیں کہ عروہ نے کہا: میں یہ گفتگو سن رہا تھا۔ (یحییٰ کہتے ہیں) لیکن مجھ سے یہ ساقط ہو گیا...... تو انھوں نے جواب دیا کہ آپ ﷺ درمیانی چال سے چلتے تھے اور جب وسیع میدان پاتے تو اپنی سواری کو دوڑا دیتے۔ نص، اونٹ کی اس رفتار کو کہتے ہیں جو عام رفتار سے تیز ہوتی ہے۔

٣٠٠٠ - حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ: أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي زَيْدٌ - هُوَ ابْنُ

[3000] حضرت اسلم سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ہمراہ مکہ کے راستے

1. فتح الباري: 167/6.

أَسْلَمَ - عَنْ أَبِيهِ قَالَ: كُنْتُ مَعَ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا بِطَرِيقِ مَكَّةَ، فَبَلَغَهُ عَنْ صَفِيَّةَ بِنْتِ أَبِي عُبَيْدٍ شِدَّةُ وَجَعٍ فَأَسْرَعَ السَّيْرَ حَتَّى إِذَا كَانَ بَعْدَ غُرُوبِ الشَّفَقِ، ثُمَّ نَزَلَ فَصَلَّى الْمَغْرِبَ وَالْعَتَمَةَ جَمَعَ بَيْنَهُمَا وَقَالَ: إِنِّي رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ إِذَا جَدَّ بِهِ السَّيْرُ أَخَّرَ الْمَغْرِبَ وَجَمَعَ بَيْنَهُمَا. [راجع: ١٠٩١]

میں تھا کہ انھیں صفیہ بنت ابو عبید کے سخت بیمار ہونے کی اطلاع ملی۔ اس دوران میں وہ تیز رفتار سے چلے حتی کہ سرخی غروب ہونے کے بعد اپنی سواری سے اترے اور مغرب و عشاء دونوں نمازوں کو جمع کر کے ادا کیا، پھر فرمایا کہ میں نے نبی ﷺ کو دیکھا جب آپ کو سفر کی جلدی ہوتی تو مغرب کی نماز کو مؤخر کر دیتے، پھر مغرب و عشاء کو جمع کر کے پڑھتے تھے۔

فوائد و مسائل: ① حضرت صفیہ بنت ابو عبید رضی اللہ عنہا، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی زوجۂ محترمہ ہیں۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کا زمانہ پایا اور آپ کا کلام بھی سنا ہے۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ بتانا چاہتے ہیں کہ سفر جہاد وغیرہ میں کسی مصلحت کے پیش نظر جلدی کرنا معیوب نہیں، ایسا کرنا حالات پر موقوف ہے۔ بہر حال فراغت کے بعد گھر جلدی واپس آنا آداب سفر میں سے ہے جیسا کہ درج ذیل حدیث میں اس کی صراحت ہے۔

٣٠٠١ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ سُمَيٍّ مَوْلَى أَبِي بَكْرٍ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «اَلسَّفَرُ قِطْعَةٌ مِّنَ الْعَذَابِ، يَمْنَعُ أَحَدَكُمْ نَوْمَهُ وَطَعَامَهُ وَشَرَابَهُ، فَإِذَا قَضَى أَحَدُكُمْ نَهْمَتَهُ فَلْيُعَجِّلْ إِلَى أَهْلِهِ». [راجع: ١٨٠٤]

[3001] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سفر کیا ہے گویا عذاب کا ایک ٹکڑا ہے۔ آدمی کی نیند، کھانے پینے اور دیگر معمولات میں رکاوٹ کا باعث ہے، اس لیے مسافر جب اپنا کام پورا کر لے تو اسے جلدی گھر واپس آ جانا چاہیے۔''

فائدہ: سفر میں نہ تو نیند پوری ہوتی ہے اور نہ کھانے پینے ہی میں کوئی مزہ آتا ہے۔ تھکاوٹ و مشقت اس کے علاوہ ہوتی ہے۔ گرمی سردی بھی برداشت کرنا پڑتی ہے۔ رات کو چلنا، خوف و ہراس اور اہل و اولاد کی جدائی مزید پریشانی کا باعث ہے۔ ان حالات میں عقل و طبیعت کا تقاضا ہے کہ جب مسافر اپنی ضرورت و حاجت پوری کر لے جس کے لیے اس نے سفر کیا تھا تو اسے فوراً گھر آ جانا چاہیے۔ واللہ أعلم.

(١٣٧) بَابٌ: إِذَا حَمَلَ عَلَى فَرَسٍ فَرَآهَا تُبَاعُ

باب: 137- جب کسی کو سواری کے لیے گھوڑا دے دیا بعد ازاں اسے فروخت ہوتا دیکھے (تو کیا کرے؟)

٣٠٠٢ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا

[3002] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ حَمَلَ عَلَى فَرَسٍ فِي سَبِيلِ اللهِ فَوَجَدَهُ يُبَاعُ، فَأَرَادَ أَنْ يَبْتَاعَهُ، فَسَأَلَ رَسُولَ اللهِ ﷺ، قَالَ: «لَا تَبْتَعْهُ وَلَا تَعُدْ فِي صَدَقَتِكَ». [راجع: ١٤٨٩]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کسی کو فی سبیل اللہ گھوڑا دیا، پھر انھوں نے دیکھا کہ وہی گھوڑا فروخت ہو رہا ہے۔ انھوں نے اسے خریدنے کا ارادہ فرمایا تو اس کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے پوچھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اب تم اسے مت خریدو اور اپنے صدقے کو واپس نہ لو۔''

٣٠٠٣ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ: حَمَلْتُ عَلَى فَرَسٍ فِي سَبِيلِ اللهِ فَابْتَاعَهُ أَوْ فَأَضَاعَهُ الَّذِي كَانَ عِنْدَهُ، فَأَرَدْتُ أَنْ أَشْتَرِيَهُ وَظَنَنْتُ أَنَّهُ بَائِعُهُ بِرُخْصٍ، فَسَأَلْتُ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ: «لَا تَشْتَرِهِ وَإِنْ بِدِرْهَمٍ، فَإِنَّ الْعَائِدَ فِي هِبَتِهِ كَالْكَلْبِ يَعُودُ فِي قَيْئِهِ». [راجع: ١٤٩٠]

[3003] حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے اللہ کی راہ میں کسی کو گھوڑا دیا۔ پھر، جس کے پاس گھوڑا تھا، اس نے اسے فروخت کرنا چاہا یا اسے بالکل کمزور کر دیا، اس بنا پر میں نے اسے خرید لینے کا ارادہ کیا۔ مجھے یہ بھی خیال تھا کہ وہ شخص اسے سستے داموں فروخت کر دے گا۔ میں نے اس کے متعلق نبی ﷺ سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: ''اسے مت خریدو اگرچہ وہ تمھیں ایک درہم ہی میں دے کیونکہ اپنے صدقے کو واپس لینے والا اس کتے کی طرح ہے جو اپنی قے خود ہی چاٹتا ہے۔''

فائدہ: ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے وہ گھوڑا وقف نہیں کیا تھا بلکہ بطور ہبہ کسی کو دیا تھا کیونکہ وقف شدہ چیز کی خرید و فروخت منع ہے جبکہ ہبہ کی ہوئی چیز بیچی جا سکتی ہے، نیز جو چیز کسی کو فی سبیل اللہ دے دی جائے اسے خرید کر واپس لینا جائز نہیں، ہاں اگر وراثت میں اپنا دیا ہوا صدقہ حصے میں آئے تو اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ وہ لینا جائز اور حلال ہے۔ واللہ أعلم.

(١٣٨) بَابُ الْجِهَادِ بِإِذْنِ الْأَبَوَيْنِ

باب: 138- والدین کی اجازت سے جہاد کرنا

٣٠٠٤ - حَدَّثَنَا آدَمُ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ: حَدَّثَنَا حَبِيبُ بْنُ أَبِي ثَابِتٍ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا الْعَبَّاسِ الشَّاعِرَ وَكَانَ لَا يُتَّهَمُ فِي حَدِيثِهِ قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَمْرٍو رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا يَقُولُ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ يَسْتَأْذِنُهُ فِي الْجِهَادِ فَقَالَ:

[3004] حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ ایک شخص نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے جہاد میں شرکت کی اجازت طلب کی۔ آپ نے فرمایا: ''کیا تمھارے ماں باپ زندہ ہیں؟'' اس نے عرض کیا: جی ہاں (زندہ ہیں)۔ آپ نے فرمایا: ''ان کی

«أَحَيٌّ وَالِدَاكَ؟» قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: «فَفِيهِمَا فَجَاهِدْ». [انظر: ٥٩٧٢]

خدمت کرنے میں خوب محنت کر (یہی تیرا جہاد ہے)۔"

فائدہ: امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث سے ثابت کیا ہے کہ جہاد کے لیے والدین کی اجازت ضروری ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے والدین کی خدمت کو جہاد پر مقدم کیا ہے۔ یہ اس لیے کہ ماں باپ کی خدمت فرض عین ہے جبکہ جہاد فرض کفایہ ہے، البتہ دشمن سے لڑنے کے لیے حاکم وقت جہاد کا عام حکم دے دے تو اس صورت میں جہاد فرض عین ہو گا۔ ایسے حالات میں جہاد میں شرکت کے لیے والدین کی اجازت ضروری نہیں۔ ہمارے ہاں اس مسئلے میں بہت اختلاف پایا جاتا ہے کہ جہاد کے لیے والدین کی اجازت لینا ضروری ہے یا نہیں؟ بعض عسکری تنظیمیں جہاد کے لیے والدین کی اجازت کو لائق توجہ ہی خیال نہیں کرتیں، ہمارے نزدیک راجح موقف یہ ہے کہ جہاد اگر فرض عین ہو تو والدین کی اجازت لینا ضروری نہیں اور جہاد دو صورتوں میں فرض عین ہوتا ہے: ○ دشمن جب اسلامی ملک پر حملہ کر دے۔ ○ حاکم وقت جہاد کا عام حکم دے دے۔ مذکورہ دو صورتوں میں والدین کی اجازت ضروری نہیں، ان کے علاوہ جہاد کی جو صورت ہو گی اس میں والدین سے اجازت لینا ہو گی، چنانچہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص یمن سے ہجرت کر کے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، رسول اللہ ﷺ نے اس سے دریافت فرمایا: "یمن میں تمھارا کوئی رشتے دار موجود ہے؟" اس نے کہا: میرے والدین موجود ہیں۔ آپ نے پوچھا: "تمھارے والدین نے تمھیں اجازت دی تھی؟" اس نے کہا: نہیں۔ آپ نے فرمایا: "پھر تم واپس چلے جاؤ اور اپنے والدین سے اجازت طلب کرو، اگر وہ تمھیں اجازت دیں تو جہاد میں شرکت کرو بصورت دیگر ان سے حسن سلوک کرتے رہو۔"[1] اگرچہ اس حدیث کی سند میں کچھ کلام ہے، تاہم دیگر صحیح احادیث سے اس کی تلافی ہو جاتی ہے۔ بہر حال جہاد کے فرض کفایہ ہونے کی صورت میں والدین سے اجازت لینا ضروری ہے۔ اجازت نہ لینے کے متعلق ایک حدیث پیش کی جاتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور عرض کرنے لگا: اللہ کے رسول! سب سے افضل عمل کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا: "نماز۔" اس نے عرض کی: اس کے بعد کس عمل کی فضیلت ہے؟ آپ نے فرمایا: "جہاد کی۔" اس نے کہا: میرے تو والدین زندہ ہیں۔ آپ نے فرمایا: "میں تمھیں حکم دیتا ہوں کہ تم اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو۔" اس نے کہا: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو رسول برحق بنا کر بھیجا ہے! میں اپنے والدین کو چھوڑ کر ضرور جہاد میں شرکت کروں گا۔ آپ نے فرمایا: "پھر تم بہتر جانتے ہو۔"[2] لیکن اس روایت کی سند میں ابن لہیعہ اور حیی بن عبداللہ المعافری ضعیف راوی ہیں۔ محدثین نے ان کے متعلق کلام کیا ہے۔ اگر اس کی صحت کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کا جواب ان الفاظ میں دیا ہے: اس روایت کو جہاد کی اس صورت پر محمول کیا جائے گا جو فرض عین ہوتی ہے۔[3] الغرض والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنا اور ان کی تعظیم بجا لانا انتہائی ضروری ہے اور جہاد کے فرض کفایہ ہونے کی صورت میں ان سے اجازت لینا بھی لازم ہے، اس کے بغیر جہاد میں شرکت کرنا محل نظر ہے۔ واللّٰه أعلم.

---

(1) مسند أحمد: 76,75/3. (2) مسند أحمد: 172/2. (3) فتح الباري: 170/6.

(١٣٩) بَابُ مَا قِيلَ فِي الْجَرَسِ وَنَحْوِهِ فِي أَعْنَاقِ الْإِبِلِ

باب: 139- اونٹ کے گلے میں گھنٹی وغیرہ باندھنے کا بیان

٣٠٠٥ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ، عَنْ عَبَّادِ بْنِ تَمِيمٍ: أَنَّ أَبَا بَشِيرٍ الْأَنْصَارِيَّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَخْبَرَهُ: أَنَّهُ كَانَ مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ فِي بَعْضِ أَسْفَارِهِ، قَالَ عَبْدُ اللهِ: حَسِبْتُ أَنَّهُ قَالَ: وَالنَّاسُ فِي مَبِيتِهِمْ، فَأَرْسَلَ رَسُولُ اللهِ ﷺ رَسُولًا: «لَا تَبْقَيَنَّ فِي رَقَبَةِ بَعِيرٍ قِلَادَةٌ مِنْ وَتَرٍ - أَوْ قِلَادَةٌ - إِلَّا قُطِعَتْ».

[3005] حضرت ابوبشیر انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ کسی سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھے۔ جب سب لوگ اپنی اپنی خواب گاہوں میں چلے گئے تو رسول اللہ ﷺ نے ایک قاصد کے ہاتھ پیغام بھیجا: ''کسی اونٹ کی گردن میں کوئی بندھن یا تانت وغیرہ باقی نہ رہے بلکہ اسے کاٹ دیا جائے۔''

فائدہ: اس حکم امتناعی کے متعلق محدثین کرام نے تین اقوال ذکر کیے ہیں: ○ لوگ اونٹ کے گلے میں تانت وغیرہ باندھتے تھے تاکہ انھیں نظر بد نہ لگے۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں کاٹنے کا حکم دیا کہ اس سے عقیدہ خراب ہوتا ہے اور ایسا کرنا اللہ کی تقدیر کو رد نہیں کرسکتا۔ ○ لوگ اس تانت میں گھنٹی باندھتے تھے، چنانچہ ایک حدیث میں ہے: ''فرشتے اس قافلے کے ساتھ نہیں چلتے جس میں گھنٹیاں بجتی ہوں۔''[1] ویسے بھی گھنٹی وغیرہ جنگی چال کے منافی ہے۔ ○ اس قسم کی تانت سے گلا کٹنے کا اندیشہ ہے۔ بعض اوقات سانس تنگ ہو جاتا ہے اور چارا چرنے میں تکلیف کا باعث ہے، نیز ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ تانت درخت کے ساتھ پھنس جائے، اس سے جانور کا گلا کٹ جائے۔ ان وجوہات کی بنا پر رسول اللہ ﷺ نے مذکورہ حکم امتناعی جاری فرمایا۔ امام بخاری رحمہ اللہ کے عنوان سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے دوسری توجیہ کو پسند کیا ہے۔[2] واللہ أعلم.

(١٤٠) بَابُ مَنِ اكْتُتِبَ فِي جَيْشٍ فَخَرَجَتِ امْرَأَتُهُ حَاجَّةً أَوْ كَانَ لَهُ عُذْرٌ هَلْ يُؤْذَنُ لَهُ؟

باب: 140- جو شخص جہادی لشکر میں لکھ لیا جائے، پھر اس کی اہلیہ حج کو جانے لگے یا کوئی دوسرا عذر پیش آ جائے تو کیا ایسے حالات میں اسے جہاد کی اجازت دی جاسکتی ہے؟

٣٠٠٦ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ

[3006] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں

1. سنن أبي داود، الجهاد، حديث: 2554. 2 فتح الباري: 172/6.

عَنْ عَمْرٍو، عَنْ أَبِي مَعْبَدٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: «لَا يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ، وَلَا تُسَافِرَنَّ امْرَأَةٌ إِلَّا وَمَعَهَا مَحْرَمٌ». فَقَامَ رَجُلٌ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! اُكْتُتِبْتُ فِي غَزْوَةِ كَذَا وَكَذَا وَخَرَجَتِ امْرَأَتِي حَاجَّةً، قَالَ: «اذْهَبْ فَاحْجُجْ مَعَ امْرَأَتِكَ». [راجع: ١٨٦٢]

نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے سنا: ''کوئی مرد کسی اجنبی عورت کے ساتھ تنہائی میں نہ بیٹھے اور نہ کوئی عورت محرم کے بغیر سفر کرے۔'' یہ سن کر ایک شخص کھڑا ہو کر عرض کرنے لگا: اللہ کے رسول! میں نے اپنا نام فلاں فلاں جہاد کے لیے لکھوا دیا ہے لیکن میری اہلیہ حج کے لیے جا رہی ہے۔ آپ نے فرمایا: ''جاؤ تم اپنی بیوی کے ہمراہ حج کرو۔''

فوائد و مسائل: ① محرم وہ شخص ہے جس کے ساتھ ہمیشہ کے لیے نکاح حرام ہو۔ محرم کے بغیر کسی عورت کو سفر کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ ② اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس شخص کا نام جہاد میں لکھا جائے اور اس کی بیوی نے حج کرنا ہو تو اسے اپنی بیوی کے ہمراہ جانا چاہیے۔ اس کے لیے جہاد میں جانا ضروری نہیں کیونکہ جہاد میں تو اس کا کوئی دوسرا قائم مقام ہو سکتا ہے لیکن بیوی کے ساتھ جانے کے لیے کوئی اجنبی قائم مقام نہیں ہو سکتا۔ ③ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اہم معاملات کو عارضی امور پر مقدم کرنا چاہیے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ایک ضروری کام کو اہمیت دی ہے، چنانچہ سفر حج اور سفر جہاد میں تعارض کی صورت میں آپ نے سفر حج کو ترجیح دی ہے۔

(١٤١) بَابُ الْجَاسُوسِ

باب: 141 - جاسوسی کرنا

وَالتَّجَسُّسُ: اَلتَّبَحُّثُ وَقَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ﴾ اَلْآيَةَ [الممتحنة: ١]

تجسس، حالات کی چھان بین کرنے کو کہتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ۔''

٣٠٠٧ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ: حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ سَمِعْتُ مِنْهُ مَرَّتَيْنِ قَالَ: أَخْبَرَنِي حَسَنُ بْنُ مُحَمَّدٍ: أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ أَبِي رَافِعٍ قَالَ: سَمِعْتُ عَلِيًّا رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ: بَعَثَنِي رَسُولُ اللهِ ﷺ أَنَا وَالزُّبَيْرَ وَالْمِقْدَادَ وَقَالَ: «انْطَلِقُوا حَتَّى تَأْتُوا رَوْضَةَ خَاخٍ فَإِنَّ بِهَا ظَعِينَةً وَّمَعَهَا كِتَابٌ فَخُذُوهُ مِنْهَا». فَانْطَلَقْنَا تَعَادَى بِنَا خَيْلُنَا، حَتَّى انْتَهَيْنَا

[3007] حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کو ایک مہم پر روانہ کیا اور فرمایا: ''تم چلتے رہو حتی کہ روضۂ خاخ پہنچ جاؤ۔ وہاں تمھیں اونٹ پر سوار ایک عورت ملے گی۔ اس کے پاس ایک خط ہے وہ اس سے لے آؤ۔'' ہم وہاں سے روانہ ہوئے اور ہمارے گھوڑے ہمیں لیے تیزی سے دوڑے جا رہے تھے یہاں تک کہ ہم روضۂ خاخ پہنچ گئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہاں اونٹ سوار

إِلَى الرَّوْضَةِ، فَإِذَا نَحْنُ بِالظَّعِينَةِ، فَقُلْنَا: أَخْرِجِي الْكِتَابَ، فَقَالَتْ: مَا مَعِيَ مِنْ كِتَابٍ، فَقُلْنَا: لَتُخْرِجِنَّ الْكِتَابَ أَوْ لَنُلْقِيَنَّ الثِّيَابَ، فَأَخْرَجَتْهُ مِنْ عِقَاصِهَا، فَأَتَيْنَا بِهِ رَسُولَ اللهِ ﷺ فَإِذَا فِيهِ: مِنْ حَاطِبِ بْنِ أَبِي بَلْتَعَةَ إِلَى أُنَاسٍ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ مِنْ أَهْلِ مَكَّةَ يُخْبِرُهُمْ بِبَعْضِ أَمْرِ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «يَا حَاطِبُ! مَا هٰذَا؟» قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! لَا تَعْجَلْ عَلَيَّ، إِنِّي كُنْتُ امْرَأً مُّلْصَقًا فِي قُرَيْشٍ، وَلَمْ أَكُنْ مِّنْ أَنْفُسِهَا، وَكَانَ مَنْ مَّعَكَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ لَهُمْ قَرَابَاتٌ بِمَكَّةَ يَحْمُونَ بِهَا أَهْلِيهِمْ وَأَمْوَالَهُمْ، فَأَحْبَبْتُ إِذْ فَاتَنِي ذٰلِكَ مِنَ النَّسَبِ فِيهِمْ أَنْ أَتَّخِذَ عِنْدَهُمْ يَدًا يَّحْمُونَ بِهَا قَرَابَتِي، وَمَا فَعَلْتُ كُفْرًا وَّلَا ارْتِدَادًا، وَّلَا رِضًا بِالْكُفْرِ بَعْدَ الْإِسْلَامِ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «قَدْ صَدَقَكُمْ». فَقَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: يَا رَسُولَ اللهِ! دَعْنِي أَضْرِبْ عُنُقَ هٰذَا الْمُنَافِقِ، قَالَ: «إِنَّهُ شَهِدَ بَدْرًا وَّمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ اللهَ أَنْ يَّكُونَ قَدِ اطَّلَعَ عَلَى أَهْلِ بَدْرٍ فَقَالَ: اِعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ»، قَالَ سُفْيَانُ: وَأَيُّ إِسْنَادٍ هٰذَا! [انظر: ٣٠٨١، ٣٩٨٣، ٤٢٧٤، ٤٨٩٠، ٦٢٥٩، ٦٩٣٩]

ایک عورت ہے۔ ہم نے اس سے کہا: خط نکال۔ اس نے کہا: میرے پاس کوئی خط نہیں ہے۔ ہم نے کہا: خط نکال ورنہ ہم تیرے کپڑے اتار دیں گے، چنانچہ اس نے اپنے سر کے جوڑے سے خط نکالا۔ ہم وہ خط لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے خط کھول کر پڑھا تو اس میں یہ مضمون تھا: یہ خط حاطب بن ابی بلتعہ کی طرف سے چند مشرکین کے نام ہے، وہ انھیں رسول اللہ ﷺ کے بعض حالات کی خبر دے رہے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے حاطب! یہ کیسا خط ہے؟'' اس نے عرض کیا: اللہ کے رسول! مجھے سزا دینے میں جلدی نہ کریں بلکہ میرا عذر سن لیں۔ میرا قریش سے کوئی نسبی رشتہ نہیں بلکہ میں باہر سے آ کر ان سے ملا ہوں۔ آپ کے ہمراہ جو مہاجرین ہیں ان سب کی مکہ مکرمہ میں رشتہ داریاں ہیں جن کی وجہ سے قریش، ان کے اہل وعیال اور مال و اسباب کی حفاظت کریں گے۔ میں نے سوچا کہ جب میرا ان سے کوئی نسبی رشتہ نہیں ہے تو میں ان پر کوئی ایسا احسان کروں جس کی وجہ سے وہ میرے قرابت داروں کی حفاظت کریں گے۔ میں نے یہ کام کفر کی بنا پر نہیں کیا اور نہ میں دین اسلام ہی سے پھر گیا ہوں اور نہ اسلام کے بعد کفر ہی پر راضی ہوا ہوں۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس نے تمھیں سچ سچ بتا دیا ہے۔'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! مجھے اجازت دیں، میں اس منافق کی گردن اڑا دوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''چونکہ یہ شخص غزوۂ بدر میں حاضر تھا، کیا آپ کو معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کو دیکھ کر فرمایا ہے کہ تم جو چاہو عمل کرو یقیناً میں تمھیں بخش چکا ہوں۔'' حضرت سفیان نے کہا کہ اس حدیث کی سند کیسی عجیب اور عمدہ ہے!

فوائد ومسائل: ① علامہ عینی نے سہیلی کے حوالے سے حاطب بن ابی بلتعہ کے خط کا مضمون ان الفاظ میں لکھا ہے: اما بعد! قریش کے لوگو! تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ رسول اللہ ﷺ ایک لشکر جرار لے کر مکہ کی طرف آ رہے ہیں۔ اگر آپ اکیلے بھی آ جائیں تو بھی اللہ تعالیٰ آپ کی مدد کرے گا اور اپنا وعدہ پورا کرے گا۔ اب تم اپنا بچاؤ کر لو۔[1] حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حاطب بن ابی بلتعہ کے متعلق جو رائے دی وہ شرعی اور سیاسی قانون کے عین مطابق تھی کہ انسان اپنی قوم یا حکومت کی خبر دشمن تک پہنچائے وہ قابل گردن زدنی ہے لیکن رسول اللہ ﷺ نے بعض مصالح کے پیش نظر اس رائے سے اتفاق نہ کیا۔ ② اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ذمہ دار حضرات کے بعض انفرادی یا اجتماعی معاملات ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ان میں سنگین غلطیوں کو نظرانداز کرنا پڑتا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے عنوان کے تحت ایک آیت کا حوالہ دیا ہے۔ حدیث میں اس آیت کا پس منظر بیان ہوا ہے۔ اس سے کفار کے جاسوس کا حکم معلوم ہوتا ہے کہ جب کسی مسلمان کو اس کی جاسوسی کا علم ہو جائے تو اس کا معاملہ حاکم وقت تک پہنچانا چاہیے تاکہ وہ اس کے متعلق مناسب رائے قائم کر کے کوئی فیصلہ دے۔ ③ ہمارے نزدیک جاسوسی کا حکم یہ ہے کہ جب وہ کفار کی طرف سے ہو تو محض شر ہے اور اگر مسلمانوں کی طرف سے ہو تو وہ جنگی مصلحت کی وجہ سے خیر پر مبنی ہوتی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے کفار کی طرف سے جاسوسی کا حکم اور مسلمانوں کی طرف سے اس کی مشروعیت بتانے کے لیے مذکورہ عنوان اور پیش کردہ حدیث ذکر کی ہے۔ واللہ أعلم.

(١٤٢) بَابُ الْكِسْوَةِ لِلْأُسَارٰى

باب: 142- جنگی قیدیوں کو لباس پہنانا

٣٠٠٨ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ عَمْرٍو: سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: لَمَّا كَانَ يَوْمُ بَدْرٍ أُتِيَ بِأُسَارٰى وَأُتِيَ بِالْعَبَّاسِ وَلَمْ يَكُنْ عَلَيْهِ ثَوْبٌ، فَنَظَرَ النَّبِيُّ ﷺ لَهُ قَمِيصًا، فَوَجَدُوا قَمِيصَ عَبْدِ اللهِ ابْنِ أُبَيٍّ يَقْدُرُ عَلَيْهِ فَكَسَاهُ النَّبِيُّ ﷺ إِيَّاهُ، فَلِذٰلِكَ نَزَعَ النَّبِيُّ ﷺ قَمِيصَهُ الَّذِي أَلْبَسَهُ. قَالَ ابْنُ عُيَيْنَةَ: كَانَتْ لَهُ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ يَدٌ فَأَحَبَّ أَنْ يُكَافِئَهُ. [راجع: ١٢٧٠]

[3008] حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ غزوۂ بدر کے روز قیدیوں کو لایا گیا۔ ان میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ ان کے بدن پر کوئی کپڑا نہیں تھا تو نبی ﷺ نے ان کے لیے قمیص تلاش کی۔ عبداللہ بن ابی کی قمیص ہی ان کے بدن پر پوری آ سکی۔ اس بنا پر نبی ﷺ نے وہ انھیں پہنا دی، اسی لیے نبی ﷺ نے اپنا کرتا اتار کر عبداللہ بن ابی کو (مرنے کے بعد) پہنایا تھا۔ ابن عیینہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ پر اس کا جو احسان تھا آپ نے چاہا کہ اس کا احسان اتار دیا جائے۔

فوائد ومسائل: ① حضرت عباس رضی اللہ عنہ جب جنگ بدر میں قیدی بن کر مدینہ طیبہ آئے تو وہ ننگے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ بن ابی سے قمیص لے کر انھیں پہنائی تھی کیونکہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا قد لمبا تھا، انھیں صرف عبداللہ بن ابی کا کرتہ ہی پورا آ

[1] عمدة القاري: 321/10.

سکتا تھا کیونکہ اس کا قد بھی لمبا تھا۔ ② رسول اللہ ﷺ نے اس احسان کا بدلہ اس وقت دیا جب رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی مرا اور رسول اللہ ﷺ نے اپنا کرتہ اسے پہنایا۔ ③ اس سے معلوم ہوا کہ قیدیوں کو ننگا رکھنے کے بجائے انھیں مناسب کپڑے پہنانا ضروری ہیں۔ اسلام کی یہ تعلیم ہے کہ جنگی قیدیوں کے ساتھ اخلاقی اور انسانی سلوک کرنا چاہیے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے قائم کردہ عنوان اور پیش کردہ حدیث سے یہی مسئلہ ثابت کیا ہے۔

(١٤٣) بَابُ فَضْلِ مَنْ أَسْلَمَ عَلَى يَدَيْهِ رَجُلٌ

باب: 143- اس شخص کی فضیلت جس کے ہاتھوں کوئی مسلمان ہو جائے

٣٠٠٩ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ ابْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبْدٍ الْقَارِيُّ، عَنْ أَبِي حَازِمٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي سَهْلٌ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ يَوْمَ خَيْبَرَ: «لَأُعْطِيَنَّ الرَّايَةَ غَدًا رَجُلًا يَفْتَحُ اللهُ عَلَى يَدَيْهِ، يُحِبُّ اللهَ وَرَسُولَهُ، وَيُحِبُّهُ اللهُ وَرَسُولُهُ». فَبَاتَ النَّاسُ لَيْلَتَهُمْ أَيُّهُمْ يُعْطٰى، فَغَدَوْا كُلُّهُمْ يَرْجُوهُ، فَقَالَ: «أَيْنَ عَلِيٌّ؟» فَقِيلَ: يَشْتَكِي عَيْنَيْهِ، فَبَصَقَ فِي عَيْنَيْهِ وَدَعَا لَهُ فَبَرَأَ كَأَنْ لَّمْ يَكُنْ بِهِ وَجَعٌ فَأَعْطَاهُ الرَّايَةَ، فَقَالَ: أُقَاتِلُهُمْ حَتّٰى يَكُونُوا مِثْلَنَا؟ فَقَالَ: «انْفُذْ عَلٰى رِسْلِكَ حَتّٰى تَنْزِلَ بِسَاحَتِهِمْ، ثُمَّ ادْعُهُمْ إِلَى الْإِسْلَامِ، وَأَخْبِرْهُمْ بِمَا يَجِبُ عَلَيْهِمْ، فَوَاللهِ لَأَنْ يَهْدِيَ اللهُ بِكَ رَجُلًا خَيْرٌ لَّكَ مِنْ أَنْ تَكُونَ لَكَ حُمْرُ النَّعَمِ». [راجع: ٢٩٤٢]

[3009] حضرت سہل بن سعد انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے غزوۂ خیبر کے موقع پر اعلان کیا: ''میں کل ایسے شخص کو جھنڈا دوں گا جس کے ہاتھ پر خیبر فتح ہوگا اور وہ شخص اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہوگا اور اس سے اللہ اور اس کا رسول بھی محبت کرتے ہیں۔'' چنانچہ پوری رات لوگوں نے انتظار میں گزاری کہ دیکھیں آپ جھنڈا کس کو عنایت کرتے ہیں؟ جب صبح ہوئی تو سب اس کے امیدوار تھے لیکن آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: ''علی کہاں ہیں؟'' عرض کیا گیا کہ انھیں آشوب چشم ہے۔ آپ ﷺ نے اپنا لعاب دہن ان کی آنکھوں میں لگایا اور ان کے لیے دعا فرمائی تو انھیں صحت ہو گئی اور کسی قسم کی تکلیف باقی نہ رہی۔ پھر آپ نے انھیں جھنڈا عنایت فرمایا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میں ان سے جنگ کروں حتی کہ وہ ہماری طرح (مسلمان) ہو جائیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اپنے حال پر رہو یہاں تک کہ تم ان کی سرحد میں اتر جاؤ، پھر انھیں اسلام کی دعوت دو اور بتاؤ کہ ان پر کون کون سے کام ضروری ہیں۔ اللہ کی قسم! اگر اللہ تعالیٰ تمھارے ذریعے سے ایک شخص کو مسلمان کر دے تو وہ تمھارے لیے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔''

فوائد و مسائل: ① رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ہدایت فرمائی: وہ لڑائی اور جنگ وقتال سے پہلے لوگوں کو اسلام کی دعوت دیں، ان کے سامنے صراط مستقیم پیش کریں، جہاں تک ممکن ہو لڑائی کی نوبت نہ آنے دیں، لڑائی تو صرف دفاع کے لیے آخری تدبیر ہے۔ لڑائی کے بغیر اگر دشمن اسلام قبول کر لے یا کم از کم صلح کرے تو یہ اقدام اللہ کے ہاں بہت قیمت رکھتا ہے۔ یقیناً اگر کسی کی تبلیغی کوشش سے کوئی انسان اسلام قبول کر لے یا وہ راہ راست پر آ جائے تو اس کی نیکی کا کیا ٹھکانا ہے! یہ ایسا صدقۂ جاریہ ہے جس کا ثواب مرنے کے بعد بھی جاری رہتا ہے۔ ② اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی شخص کو کفر کے اندھیروں سے نکال کر ایمان کی روشنی کی طرف لانا بہت بڑے اجر و ثواب کا باعث ہے۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ وعظ و تبلیغ اور تعلیم و تلقین کرنے میں سرگرم عمل رہیں کیونکہ یہ انبیاء علیہم السلام کی سیرت ہے اور اہل اسلام اس کے پاسبان اور نگہبان ہیں۔

(١٤٤) بَابُ الْأَسَارَى فِي السَّلَاسِلِ

باب: 144 - قیدیوں کو زنجیروں میں جکڑنا

٣٠١٠ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ: حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ زِيَادٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «عَجِبَ اللهُ مِنْ قَوْمٍ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ فِي السَّلَاسِلِ». [انظر: ٤٥٥٧]

[3010] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے حال پر تعجب کرتا ہے جو جنت میں زنجیروں میں جکڑے ہوئے داخل ہوں گے۔“

فوائد و مسائل: ① اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ دنیا میں پابہ زنجیر ہو کر مسلمانوں کے قیدی بنے، پھر خوشی سے مسلمان ہوئے، اس کے بعد انھیں اسلام سے محبت پر موت آئی اور جنت میں داخل ہوئے، یعنی ان کا زنجیروں میں جکڑا جانا جنت میں داخلے کا سبب بنا۔ ② اس حدیث سے امام بخاری رحمہ اللہ نے قیدیوں کو زنجیریں ڈالنے کا جواز ثابت فرمایا ہے۔ ③ اس حدیث کا ایک مطلب یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ اس سے مراد وہ مسلمان ہیں جو کفار کے ہاتھوں قیدی بنیں اور انھیں زنجیریں پہنائی جائیں، پھر انھیں اسی حالت میں موت آ جائے تو وہ جنت میں داخل ہوں گے تو گویا یہ قید ان کے لیے جنت میں داخلے کا باعث ہوئی، لیکن ہمارے نزدیک پہلا مفہوم راجح ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ کے قائم کردہ عنوان کے مطابق ہے۔ واللہ أعلم.

(١٤٥) بَابُ فَضْلِ مَنْ أَسْلَمَ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابَيْنِ

باب: 145 - اہل کتاب میں سے مسلمان ہونے والوں کی فضیلت

٣٠١١ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ: حَدَّثَنَا صَالِحُ بْنُ حَيٍّ أَبُو حَسَنٍ قَالَ: سَمِعْتُ الشَّعْبِيَّ يَقُولُ: حَدَّثَنِي

[3011] حضرت ابو بردہ بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے اپنے والد (حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ) سے، انھوں نے نبی ﷺ سے بیان کیا کہ آپ نے فرمایا: ”تین شخص ایسے

أَبُو بُرْدَةَ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَاهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «ثَلَاثَةٌ يُؤْتَوْنَ أَجْرَهُمْ مَرَّتَيْنِ: اَلرَّجُلُ تَكُونُ لَهُ الْأَمَةُ فَيُعَلِّمُهَا فَيُحْسِنُ تَعْلِيمَهَا، وَيُؤَدِّبُهَا فَيُحْسِنُ أَدَبَهَا، ثُمَّ يُعْتِقُهَا فَيَتَزَوَّجُهَا فَلَهُ أَجْرَانِ، وَمُؤْمِنُ أَهْلِ الْكِتَابِ الَّذِي كَانَ مُؤْمِنًا ثُمَّ آمَنَ بِالنَّبِيِّ ﷺ فَلَهُ أَجْرَانِ، وَالْعَبْدُ الَّذِي يُؤَدِّي حَقَّ اللهِ وَيَنْصَحُ لِسَيِّدِهِ لَهُ أَجْرَانِ».

ہیں جنھیں دوگنا ثواب ملے گا: پہلا وہ شخص جس کی کوئی لونڈی ہو، وہ اسے زیور تعلیم سے آراستہ کرے اور آداب فاضلہ سکھائے، پھر اسے آزاد کر کے اس سے شادی کرے تو اسے دوہرا اجر ملے گا۔ دوسرا اہل کتاب سے مومن شخص جو پہلی کتاب پر ایمان لایا، پھر نبی ﷺ پر بھی ایمان لایا تو اسے بھی دوہرا اجر ملے گا۔ تیسرا وہ غلام جو اللہ تعالیٰ کا حق ادا کرے اور اپنے آقا کا بھی مخلص ہو، اسے بھی دوہرا اجر ملے گا۔"

ثُمَّ قَالَ الشَّعْبِيُّ: وَأَعْطَيْتُكَهَا بِغَيْرِ شَيْءٍ، وَقَدْ كَانَ الرَّجُلُ يَرْحَلُ فِي أَهْوَنَ مِنْهَا إِلَى الْمَدِينَةِ. [راجع: ٩٧]

(راویٔ حدیث) امام شعبی ؒ نے (اپنے شاگرد سے) فرمایا: میں نے یہ حدیث تمھیں بلامعاوضہ بتادی ہے، حالانکہ اس سے چھوٹی بات سننے کے لیے لوگ مدینہ طیبہ کا سفر کیا کرتے تھے۔

فوائد و مسائل: ① امام بخاری ؒ کا مقصد ہے کہ جنگ وقتال سے پہلے اہل کتاب، یعنی یہود و نصاریٰ کو اسلام کی دعوت دی جائے اور انھیں یہ خوش خبری سنائی جائے کہ اگر وہ اسلام قبول کر لیں گے تو انھیں دوگنا ثواب ملے گا: ایک اجر تو پہلی کتاب پر ایمان لانے کا اور دوسرا اسلام قبول کرنے کا۔ بہر حال اسلام لڑائی کی دعوت نہیں دیتا بلکہ صلح و آشتی کا درس دیتا ہے۔ ② اس حدیث میں لفظ کتاب مفہوم کے اعتبار سے اگرچہ تورات و انجیل سے عام ہے لیکن شریعت نے اسے تورات و انجیل کے ساتھ خاص کیا ہے کیونکہ زمانۂ بعثت میں یہود و نصاریٰ کے علاوہ کوئی اہل کتاب نہیں پایا جاتا تھا۔ ③ حدیث کے آخر میں امام عامر شعبی ؒ نے اہمیت حدیث کو اجاگر کیا ہے کہ ایک وہ زمانہ تھا کہ لوگ ایک مسئلہ دریافت کرنے کے لیے کئی میل سفر کر کے مدینہ طیبہ جاتے تھے اور مسائل پوچھتے تھے لیکن اب تمھیں کسی قسم کی تکلیف اٹھائے بغیر یہ احادیث معلوم ہو رہی ہیں، اس بنا پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔

(١٤٦) بَابُ أَهْلِ الدَّارِ يُبَيَّتُونَ فَيُصَابُ الْوِلْدَانُ وَالذَّرَارِيُّ

باب: 146- اگر دار الحرب والوں پر شبخون مارا جائے اور (اس میں بغیر قصد کے) ان کے بچے اور اولاد ہلاک ہو جائیں تو کیا حکم ہے؟

﴿بَيَاتًا﴾ [الأعراف: ٤، ٩٧، ويونس: ٥٠]: لَيْلًا.

قرآن مجید میں وارد لفظ بیاتاً، سے رات کا وقت مراد ہے۔

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ کی عادت ہے کہ جب حدیث میں کوئی ایسا لفظ آتا ہے جس کے مشتقات قرآن میں استعمال کیے گئے ہوں تو الفاظ قرآن کی بھی تفسیر کر دیتے ہیں تاکہ جو آدمی صحیح بخاری سمجھ کر پڑھے وہ قرآنی مطالب سے بھی آگاہ ہو جائے۔

٣٠١٢ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ: حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ الصَّعْبِ بْنِ جَثَّامَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ قَالَ: مَرَّ بِيَ النَّبِيُّ ﷺ بِالْأَبْوَاءِ أَوْ بِوَدَّانَ فَسُئِلَ عَنْ أَهْلِ الدَّارِ يُبَيَّتُونَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ فَيُصَابُ مِنْ نِّسَائِهِمْ وَذَرَارِيِّهِمْ؟ قَالَ: «هُمْ مِّنْهُمْ». وَسَمِعْتُهُ يَقُولُ: «لَا حِمَى إِلَّا لِلّٰهِ وَرَسُولِهِ ﷺ».

[3012] حضرت صعب بن جثامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ مقام ابواء یا ودان میں میرے پاس سے گزرے تو آپ سے دریافت کیا گیا کہ مشرکین کے جس قبیلے پر شبخون مارا جائے تو اس دوران میں اگر بغیر قصد کے عورتیں اور بچے قتل ہو جائیں تو ان کے متعلق کیا حکم ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ بھی انھی میں سے ہیں۔'' نیز میں نے آپ سے سنا، آپ فرما رہے تھے: ''چراگاہ تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لیے ہے۔''

٣٠١٣ - وَعَنِ الزُّهْرِيِّ أَنَّهُ سَمِعَ عُبَيْدَ اللهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: حَدَّثَنَا الصَّعْبُ فِي الذَّرَارِيِّ، كَانَ عَمْرٌو يُحَدِّثُنَا عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ فَسَمِعْنَاهُ مِنَ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، عَنِ الصَّعْبِ قَالَ: «هُمْ مِّنْهُمْ»، وَلَمْ يَقُلْ كَمَا قَالَ عَمْرٌو: «هُمْ مِّنْ آبَائِهِمْ». [راجع: ٢٣٧٠]

[3013] امام زہری سے روایت ہے، انھوں نے عبیداللہ سے سنا، انھوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے، انھوں نے حضرت صعب رضی اللہ عنہ سے بیان کیا اور صرف بچوں کا ذکر کیا۔ عمرو بن دینار، ابن شہاب زہری سے بیان کرتے ہیں، وہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔ ہم نے زہری سے سنا، انھوں نے کہا: مجھے عبیداللہ نے بتایا، انھوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے، انھوں نے حضرت صعب رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ ''وہ (بچے اور عورتیں) ان میں سے ہیں۔'' اور اس طرح بیان نہیں کیا جس طرح عمرو بن دینار نے بیان کیا تھا: ''وہ اپنے آباؤ اجداد میں سے ہیں۔''

فوائد و مسائل: ① اسلام کا یہ ضابطہ ہے کہ دوران جنگ میں عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچائی جائے لیکن اگر رات کے وقت مسلمان، مشرکین پر حملہ آور ہوں تو اندھیرے میں بچوں اور عورتوں کی تمیز مشکل ہو جاتی ہے، ایسے حالات میں اگر بچے اور عورتیں مارے جائیں تو اس میں کوئی حرج نہیں، البتہ جان بوجھ کر بچوں، عورتوں اور بوڑھوں کو قتل کرنا درست نہیں۔ ② مذکورہ حکم شب خون کی صورت میں ہے کیونکہ رات کے اندھیرے میں مردوں کا بچوں اور عورتوں سے امتیاز نہیں ہو

سکتا۔ اگر بچے اور عورتیں جنگ میں شریک ہوں یا مشرکین انھیں بطور ڈھال استعمال کریں تو پھر انھیں قتل کر دینے میں کوئی حرج نہیں۔ اس پر تمام امت کا اتفاق ہے۔

(١٤٧) بَابُ قَتْلِ الصِّبْيَانِ فِي الْحَرْبِ

باب: 147- لڑائی میں بچوں کو قتل کرنا

٣٠١٤ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ: أَخْبَرَنَا اللَّيْثُ عَنْ نَّافِعٍ: أَنَّ عَبْدَ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَخْبَرَهُ: أَنَّ امْرَأَةً وُّجِدَتْ فِي بَعْضِ مَغَازِي النَّبِيِّ ﷺ مَقْتُولَةً، فَأَنْكَرَ رَسُولُ اللهِ ﷺ قَتْلَ النِّسَاءِ وَالصِّبْيَانِ. [انظر: ٣٠١٥]

[3014] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے بتایا کہ نبی ﷺ کے کسی غزوے میں ایک عورت مقتول پائی گئی تو رسول اللہ ﷺ نے (دوران جنگ میں) عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا۔

(١٤٨) بَابُ قَتْلِ النِّسَاءِ فِي الْحَرْبِ

باب: 148- دوران جنگ میں عورتوں کو قتل کرنا

٣٠١٥ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: قُلْتُ لِأَبِي أُسَامَةَ: حَدَّثَكُمْ عُبَيْدُ اللهِ عَنْ نَّافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: وُجِدَتِ امْرَأَةٌ مَّقْتُولَةٌ فِي بَعْضِ مَغَازِي رَسُولِ اللهِ ﷺ فَنَهَى رَسُولُ اللهِ ﷺ عَنْ قَتْلِ النِّسَاءِ وَالصِّبْيَانِ. [راجع: ٣٠١٤]

[3015] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کی بعض لڑائیوں میں ایک عورت قتل شدہ پائی گئی تو رسول اللہ ﷺ نے عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع فرما دیا۔

فوائد ومسائل: ① دوران جنگ میں بچوں اور عورتوں کو قتل کرنے کے متعلق عام طور پر دو موقف بیان کیے جاتے ہیں: ○ انھیں قتل کرنا مطلق طور پر جائز ہے۔ ○ انھیں قتل کرنا مطلق طور پر ناجائز ہے۔ لیکن امام بخاری رحمہ اللہ کے انداز بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مسئلے میں کچھ تفصیل ہے۔ وہ اس طرح کہ تین صورتوں میں انھیں قتل کیا جاسکتا ہے: (ا) جب وہ خود جنگ میں شریک ہوں اور باقاعدہ مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لیے خم ٹھونک کر میدان میں آ جائیں۔ (ب) کفار و مشرکین انھیں بطور ڈھال استعمال کریں، یعنی دوران جنگ میں انھیں آگے کر دیں۔ (ج) شب خون مارتے وقت لاشعوری طور پر مارے جائیں۔ ان تین صورتوں کے علاوہ انھیں قتل کرنا جائز نہیں۔ ② حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کی وجہ ان الفاظ میں بیان کی ہے: عورتیں اس لیے کہ کمزور ہیں اور میدان جنگ میں نہیں لڑسکتیں اور بچے اس لیے کہ وہ فعل کفر سے قاصر ہیں کیونکہ کفر ہی قتال کا باعث ہے۔[1] واللہ أعلم.

---

1 فتح الباري: 179/6.

(١٤٩) بَابٌ: لَا يُعَذَّبُ بِعَذَابِ اللهِ

باب: 149- اللہ کے عذاب (آگ) سے کسی کو عذاب نہ دیا جائے

٣٠١٦ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ بُكَيْرٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ: بَعَثَنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ فِي بَعْثٍ فَقَالَ: «إِنْ وَجَدْتُمْ فُلَانًا وَفُلَانًا فَأَحْرِقُوهُمَا بِالنَّارِ». ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ حِينَ أَرَدْنَا الْخُرُوجَ: «إِنِّي أَمَرْتُكُمْ أَنْ تُحْرِقُوا فُلَانًا وَفُلَانًا، وَإِنَّ النَّارَ لَا يُعَذِّبُ بِهَا إِلَّا اللهُ، فَإِنْ وَجَدْتُمُوهُمَا فَاقْتُلُوهُمَا». [راجع: ٢٩٥٤]

[3016] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے ایک فوجی دستے کے ہمراہ روانہ کیا اور فرمایا: ''اگر تم فلاں، فلاں آدمی کو پا لو تو انھیں آگ میں جلا دو۔'' جب ہم نے روانگی کا پروگرام بنایا تو پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے تمھیں فلاں، فلاں آدمی کو جلا دینے کا حکم دیا تھا، اب بات یہ ہے کہ آگ کے ساتھ صرف اللہ ہی عذاب دیتا ہے، لہٰذا اگر تم انھیں پاؤ تو قتل کر دو۔''

فوائد و مسائل: ① فلاں، فلاں سے مراد ہبار بن اسود اور نافع بن عبد قیس ہے۔ ہبار بن اسود نے حضرت زینب بنت رسول اللہ ﷺ کے اونٹ کو نیزا مارا تھا جبکہ وہ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آ رہی تھیں۔ وہ اونٹ سے گر پڑیں اور اسی صدمے کی وجہ سے بیمار ہو گئیں۔ ② رسول اللہ ﷺ نے حمزہ بن عمرو اسلمی رضی اللہ عنہ کی سربراہی میں ایک دستہ تشکیل دیا تاکہ انھیں کیفر کردار تک پہنچایا جائے لیکن وہ تلاش کے باوجود انھیں نہ پا سکا، بالآخر ہبار مسلمان ہو گیا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور حکومت تک زندہ رہا۔[1] ③ قطعی حکم تو یہی ہے کہ آگ سے کسی کو عذاب نہ دیا جائے لیکن اگر لڑائی میں کفار پر غلبہ حاصل کرنے کا یہی طریقہ باقی رہ جائے تو پھر آگ لگائی جا سکتی ہے۔ واللہ أعلم.

٣٠١٧ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ عِكْرِمَةَ: أَنَّ عَلِيًّا رَضِيَ اللهُ عَنْهُ حَرَّقَ قَوْمًا فَبَلَغَ ابْنَ عَبَّاسٍ فَقَالَ: لَوْ كُنْتُ أَنَا لَمْ أُحَرِّقْهُمْ، لِأَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «لَا تُعَذِّبُوا بِعَذَابِ اللهِ»، وَلَقَتَلْتُهُمْ كَمَا قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «مَنْ بَدَّلَ دِينَهُ فَاقْتُلُوهُ». [انظر: ٦٩٢٢]

[3017] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھیں خبر ملی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کچھ لوگوں کو آگ میں جلا دیا ہے تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اگر میں ہوتا تو انھیں ہرگز نہ جلاتا کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کے عذاب (آگ) سے کسی کو عذاب نہ دو۔'' ہاں میں انھیں قتل کروا دیتا جیسا کہ نبی ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''جو شخص اپنا دین بدلے، اسے قتل کر دو۔''

---

① فتح الباري: 181/6.

فوائد و مسائل: ① حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور حکومت میں کچھ لوگ حکومتی وظائف لیتے لیکن در پردہ وہ بتوں کے پجاری تھے۔ انھیں گرفتار کر کے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس لایا گیا تو آپ نے انھیں قید کر دیا، پھر لوگوں سے مشورہ میں طے پایا کہ انھیں قتل کر دیا جائے لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کا موقف تھا کہ ان کے ساتھ وہی سلوک کیا جائے جو انھوں نے ہمارے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ کیا تھا، چنانچہ انھوں نے آگ کا آلاؤ تیار کیا، پھر انھیں جلا کر بھسم کر ڈالا۔[1] ② دور حاضر میں آلات حرب، مثلاً: توپ، راکٹ اور گولہ بارود وغیرہ تمام آگ ہی کی قسم سے ہیں۔ چونکہ کفار نے اس قسم کا اسلحہ استعمال کرنا شروع کر دیا ہے، لہٰذا جواباً ایسا اسلحہ استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اب تو پٹرول بم ایجاد ہو چکے ہیں وہ جہاں گرتے ہیں وہاں آگ بھڑک اٹھتی ہے اور ہر چیز کو جلا کر راکھ کر دیتی ہے۔ ہمارے رجحان کے مطابق ان جدید ہتھیاروں کا استعمال امر دیگر است، البتہ مطلق طور پر کسی کو آگ میں جلانا شرعی اور اخلاقی طور پر پسند نہیں کیا جا سکتا۔ واللہ أعلم.

(١٥٠) بَابٌ: ﴿فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً﴾ [محمد: ٤]

فِيهِ حَدِيثُ ثُمَامَةَ، وَقَوْلِهِ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَن يَكُونَ لَهُۥٓ أَسْرَىٰ حَتَّىٰ يُثْخِنَ فِي ٱلْأَرْضِ﴾ [الأنفال: ٦٧] يَعْنِي يَغْلِبَ فِي الْأَرْضِ ﴿تُرِيدُونَ عَرَضَ ٱلدُّنْيَا﴾ [الأنفال: ٦٧] ٱلْآيَةَ.

باب: 150- ارشاد باری تعالیٰ: ''قید کے بعد انھیں بطور احسان یا فدیہ لے کر چھوڑ دینا چاہیے'' کا بیان

اس کے متعلق حضرت ثمامہ بن اُثال رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث بھی ہے، نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''نبی کے لیے یہ مناسب نہ تھا کہ اس کے پاس جنگی قیدی ہوں (اور وہ انھیں قتل نہ کرے) یہاں تک کہ وہ زمین میں خوب خون ریزی کرے۔'' یعنی ملک میں غلبہ کر لیا جاتا۔ ''تم دنیا کا مال چاہتے ہو۔''

وضاحت: عنوان میں ذکر کردہ آیت میں جنگی قیدیوں کے متعلق ہدایات ہیں کہ جو قیدی مسلمانوں کے ہاتھ لگ جائیں ان کے متعلق دو صورتیں بیان کی گئی ہیں: * ان پر احسان کر کے انھیں چھوڑ دیا جائے۔ * ان سے فدیہ لے کر انھیں رہا کر دیا جائے۔ پھر قیدیوں پر احسان کی مختلف صورتیں ہیں: ○ ان سے کوئی خدمت نہ لی جائے بلکہ اللہ کی رضا اور اسلام کی اخلاقی برتری کی خاطر انھیں چھوڑ دیا جائے۔ ○ انھیں مسلمانوں میں تقسیم کر دیا جائے اور انھیں تلقین کی جائے کہ وہ ان کے ساتھ بہتر سلوک کریں۔ ○ اگر انھیں قید کرنا پڑے تو بھی ان سے اچھا سلوک کیا جائے، نیز یہ قید مستقل اور دائمی نہیں ہونی چاہیے۔ ○ ان سے جزیہ لے کر ذمی بنا لیا جائے اور انھیں اسلامی مملکت میں آزادانہ طور پر رہنے کا حق دیا جائے۔ اسی طرح فدیے کی بھی مختلف صورتیں ہیں: ○ ان سے زر فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے اور یہ زر فدیہ ہر شخص سے اس کی حیثیت کے مطابق لیا جائے۔ ○ ان سے پیسے لینے کے بجائے کوئی اور خدمت لے کر انھیں چھوڑ دیا جائے۔ ○ جنگی قیدیوں کا باہمی تبادلہ کر لیا جائے۔ اس صورت میں دو

1 فتح الباري: 183/6.

مسلمانوں کے بدلے میں ایک کافر بھی چھوڑا جا سکتا ہے۔ اس مختصر آیت میں یہ تمام صورتیں داخل ہیں اور امام وقت کو اختیار ہے کہ وہ اپنی صوابدید کے مطابق جو صورت چاہے اختیار کر لے، البتہ اس کا اسلام اور اہل اسلام کے حق میں بہتر ہونا ضروری ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ثمامہ بن اُثال رضی اللہ عنہ کی حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے جس کے یہ الفاظ ہیں: اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا: اگر آپ مجھے قتل کریں گے تو ایک خون والے کو قتل کریں گے جس کا بدلہ لیا جائے گا اور اگر آپ احسان کر کے مجھے چھوڑ دیں گے تو ایک قدردان پر احسان کریں گے۔ آپ مال چاہتے ہیں تو جتنا چاہیں طلب کر سکتے ہیں۔[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تقسیم کا انکار نہیں کیا اگرچہ آپ نے اس پر احسان کرتے ہوئے اسے چھوڑ دیا تھا۔ اس سے جمہور کے مسلک کی تائید ہوتی ہے کہ جنگی قیدیوں کا معاملہ امام کے سپرد ہے۔ اسلام اور اہل اسلام کے لیے جو بہتر صورت ہو وہ اسے اختیار کر سکتا ہے لیکن صوابدیدی اختیارات استعمال کرنے میں ایک استثنائی صورت بھی ہے کہ جب قیدی محض قیدی ہی نہ ہوں بلکہ وہ اسلام اور اہل اسلام کے بدترین دشمن اور معاندانہ سرگرمیوں میں مصروف رہے ہوں تو امام وقت کو چاہیے کہ انھیں قتل کر دے کیونکہ قتال فی سبیل اللہ کا مقصد کفر کی کمر توڑنا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے سورۃ الانفال کی آیت پیش کر کے اس استثنائی صورت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ واللہ أعلم.

(١٥١) بَابٌ: هَلْ لِلْأَسِيرِ أَنْ يَقْتُلَ أَوْ يَخْدَعَ الَّذِينَ أَسَرُوهُ حَتَّى يَنْجُوَ مِنَ الْكَفَرَةِ؟

باب: 151- کیا مسلمان قیدی کسی کافر کو قتل کر سکتا ہے یا انھیں دھوکا دے جنھوں نے اسے قید کیا ہے تاکہ ان سے نجات حاصل کر لے؟

فِيهِ الْمِسْوَرُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.

اس کے متعلق حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہما سے مروی ایک حدیث ہے جسے انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا ہے۔

وضاحت: صورت مسئلہ اس طرح ہے کہ اگر مسلمان کسی کافر کی قید میں ہو تو کیا اسے اپنی رہائی کے لیے کوئی حیلہ جوئی کرنا جائز ہے؟ آیا اسے قتل کر کے یا اسے دھوکا دے کر اس سے گلوخلاصی کرا سکتا ہے؟ امام بخاری رحمہ اللہ نے قوت اختلاف کی وجہ سے سوالیہ انداز میں عنوان بندی کی ہے، چنانچہ جمہور ائمہ کا موقف ہے کہ اگر کفار سے معاہدہ ہے تو اس کی پاسداری کرنی چاہیے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں: بھاگنے کی اجازت ہے لیکن ان کا مال چھیننے اور قتل و غارت کرنے کی اجازت نہیں۔ اگر عہد و پیمان نہیں ہے تو پھر ہر ممکن طریقے سے اپنی گلوخلاصی کی اجازت ہے، خواہ قتل کرنا پڑے یا ان کا مال لوٹنا پڑے یا آگ لگانا پڑے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنا رجحان حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث کی طرف اشارہ کر کے بیان کیا ہے۔ اس حدیث میں حضرت ابوبصیر اور ابوجندل رضی اللہ عنہما کا واقعہ بیان ہوا ہے جبکہ انھوں نے کفار مکہ کی قید سے بھاگ کر ساحل سمندر پر اپنا مورچہ قائم کر لیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں منع نہیں فرمایا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے خود اس حدیث کو پیچھے کتاب الشروط (2731) میں متصل سند سے

(1) صحيح البخاري، المغازي، حديث: 4372.

بیان کیا ہے۔

(١٥٢) بَابٌ: إِذَا حَرَّقَ الْمُشْرِكُ الْمُسْلِمَ هَلْ يُحَرَّقُ؟

باب: 152- جب کوئی مشرک، کسی مسلمان کو جلا دے تو کیا اس کو جلا دیا جائے؟

٣٠١٨ - حَدَّثَنَا مُعَلًّى: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رَهْطًا مِّنْ عُكْلٍ ثَمَانِيَةً قَدِمُوا عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فَاجْتَوَوُا الْمَدِينَةَ فَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ! ابْغِنَا رِسْلًا. فَقَالَ: «مَا أَجِدُ لَكُمْ إِلَّا أَنْ تَلْحَقُوا بِالذَّوْدِ». فَانْطَلَقُوا فَشَرِبُوا مِنْ أَبْوَالِهَا وَأَلْبَانِهَا حَتّٰى صَحُّوا وَسَمِنُوا، وَقَتَلُوا الرَّاعِيَ وَاسْتَاقُوا الذَّوْدَ، وَكَفَرُوا بَعْدَ إِسْلَامِهِمْ، فَأَتَى الصَّرِيخُ النَّبِيَّ ﷺ فَبَعَثَ الطَّلَبَ فَمَا تَرَجَّلَ النَّهَارُ حَتّٰى أُتِيَ بِهِمْ فَقَطَّعَ أَيْدِيَهُمْ وَأَرْجُلَهُمْ، ثُمَّ أَمَرَ بِمَسَامِيرَ فَأُحْمِيَتْ فَكَحَلَهُمْ بِهَا وَطَرَحَهُمْ بِالْحَرَّةِ يَسْتَسْقُونَ فَمَا يُسْقَوْنَ حَتّٰى مَاتُوا.

[3018] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قبیلۂ عکل کے آٹھ آدمیوں کی ایک جماعت نبی ﷺ کے پاس آئی اور انھیں مدینہ طیبہ کی آب وہوا موافق نہ آئی تو آپ ﷺ سے کہنے لگے: اللہ کے رسول! ہمارے لیے اونٹنیوں کے دودھ کا بندوبست کر دیں۔ آپ نے فرمایا: ''میرے پاس تمھارے لیے اس کے سوا کوئی صورت نہیں کہ تم اونٹوں کے پڑاؤ میں قیام کرو۔'' چنانچہ وہ چلے گئے اور وہاں اونٹنیوں کا دودھ اور پیشاب پیا تو تندرست ہو کر پہلے سے بھی زیادہ موٹے ہو گئے۔ پھر انھوں نے چرواہے کو قتل کر دیا اور سب اونٹ ہانک کر لے گئے اور مسلمان ہونے کے بعد ارتداد کا راستہ اختیار کر لیا۔ نبی ﷺ کو ایک پکارنے والے کے ذریعے سے ان کی خبر ملی تو آپ نے تلاش کنندہ ان کے تعاقب میں روانہ فرمائے۔ ابھی سورج طلوع نہیں ہوا تھا کہ انھیں پکڑ کر آپ کے حضور پیش کر دیا گیا۔ آپ ﷺ نے ان کے ہاتھ اور پاؤں کاٹنے کا حکم دیا۔ پھر لوہے کی سلاخیں گرم کی گئیں اور انھیں ان کی آنکھوں میں پھیرا گیا اور انھیں پتھریلی زمین پر پھینک دیا گیا۔ وہ پانی مانگتے تھے تو ان کو پانی بھی نہیں پلایا گیا حتی کہ وہ مر گئے۔

قَالَ أَبُو قِلَابَةَ: قَتَلُوا وَسَرَقُوا وَحَارَبُوا اللهَ وَرَسُولَهُ ﷺ وَسَعَوْا فِي الْأَرْضِ فَسَادًا. [راجع: ٢٣٣]

(راویٔ حدیث) ابوقلابہ کہتے ہیں کہ انھوں نے قتل کیا، پھر چوری کی، اس کے بعد انھوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے خلاف جنگ کی اور اللہ کی زمین میں ڈاکا زنی سے فساد برپا کیا۔

فوائد و مسائل: ① رسول اللہ ﷺ نے ان مرتدین کے ساتھ وہی برتاؤ کیا جو انھوں نے سرکاری چرواہے کے ساتھ کیا تھا، چنانچہ صحیح مسلم میں ہے: رسول اللہ ﷺ نے ان مرتدین کی آنکھوں میں گرم گرم سلائیں اس لیے پھروائی تھیں کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے چرواہے کی آنکھوں میں گرم سلائیں پھیری تھیں۔[1] آپ نے یہ کام قصاص کے طور پر کیا تھا۔ ② جن احادیث میں ایسا کرنے کی ممانعت بیان ہوئی ہے اس سے مراد قصاص کے بغیر ایسا کرنے کی ممانعت ہے، لہٰذا جواز اور نہی کی دونوں احادیث کے الگ الگ محل ہیں۔ بہر حال بے ایمان، شریر اور نمک حرام لوگوں کو اتنی ہی سخت سزا دینی چاہیے تاکہ دوسرے لوگ عبرت حاصل کریں اور باقی لوگ ان کے ظلم و تشدد سے نجات پاسکیں۔[2]

(١٥٣) بَابٌ:

باب: 153 - بلا عنوان

٣٠١٩ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ يُونُسَ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ وَأَبِي سَلَمَةَ: أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «قَرَصَتْ نَمْلَةٌ نَبِيًّا مِّنَ الْأَنْبِيَاءِ، فَأَمَرَ بِقَرْيَةِ النَّمْلِ فَأُحْرِقَ، فَأَوْحَى اللهُ إِلَيْهِ، أَنْ قَرَصَتْكَ نَمْلَةٌ أَحْرَقْتَ أُمَّةً مِّنَ الْأُمَمِ تُسَبِّحُ اللهَ؟». [انظر: ٣٣١٩]

[3019] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا: ''سابقہ انبیائے کرام علیہم السلام میں سے ایک نبی کو کسی چیونٹی نے کاٹ کھایا تو اس کے حکم پر چیونٹیوں کا بل ہی جلا دیا گیا، پھر اللہ تعالیٰ نے اس پر وحی بھیجی کہ تجھے تو ایک چیونٹی نے کاٹا تھا لیکن تو نے ان کے پورے ایک گروہ کو جلا ڈالا جو اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتا تھا؟''

فوائد و مسائل: ① یہ باب بلا عنوان ہے، گویا عنوان سابقہ کا تکملہ ہے۔ ان کے درمیان مناسبت اس طرح ہے کہ جلانے میں حد سے تجاوز نہیں کرنا چاہیے، صرف مستحق کو سزا دی جائے۔ کسی بے گناہ کو سزا دینا درست نہیں۔ اس حدیث میں ارشاد ہے: اگر صرف اسی چیونٹی کو جلایا جاتا جس نے کاٹا تھا تو اس نبی کو عتاب نہ ہوتا، لیکن یہ استدلال اس امر پر موقوف ہے کہ ہم سے پہلی شریعتیں ہمارے لیے حجت ہیں۔[3] ② واضح رہے کہ رسول اللہ ﷺ نے چیونٹی اور شہد کی مکھی کو مار ڈالنے سے منع فرمایا ہے، البتہ موذی جانور کو مارنا یا جلانا جائز ہے۔[4] اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تمام حیوانات اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے ہیں۔ قرآن کریم میں بھی ہے: ''ہر چیز اللہ کی تسبیح کرتی ہے لیکن تم اس کی تسبیح کو نہیں سمجھتے۔''[5]

(١٥٤) بَابُ حَرْقِ الدُّورِ وَالنَّخِيلِ

باب: 154 - مکانات اور نخلستان کو جلانا

① صحيح مسلم، القسامة و المحاربين، حديث: 4360 (1671). ② فتح الباري: 6/185. ③ فتح الباري: 8/186.

④ عون الباري: 3/565. ⑤ بنيّ إسرآئيل 17: 44.

٣٠٢٠ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ إِسْمَاعِيلَ قَالَ: حَدَّثَنِي قَيْسُ بْنُ أَبِي حَازِمٍ قَالَ: قَالَ لِي جَرِيرٌ: قَالَ لِي رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أَلَا تُرِيحُنِي مِنْ ذِي الْخَلَصَةِ؟» وَكَانَ بَيْتًا فِي خَثْعَمَ يُسَمَّى كَعْبَةَ الْيَمَانِيَةِ، قَالَ: فَانْطَلَقْتُ فِي خَمْسِينَ وَمِائَةِ فَارِسٍ مِنْ أَحْمَسَ وَكَانُوا أَصْحَابَ خَيْلٍ، قَالَ: وَكُنْتُ لَا أَثْبُتُ عَلَى الْخَيْلِ، فَضَرَبَ فِي صَدْرِي حَتَّى رَأَيْتُ أَثَرَ أَصَابِعِهِ فِي صَدْرِي وَقَالَ: «اَللّٰهُمَّ ثَبِّتْهُ وَاجْعَلْهُ هَادِيًا مَّهْدِيًّا». فَانْطَلَقَ إِلَيْهَا فَكَسَرَهَا وَحَرَّقَهَا ثُمَّ بَعَثَ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ يُخْبِرُهُ فَقَالَ رَسُولُ جَرِيرٍ: وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ مَا جِئْتُكَ حَتَّى تَرَكْتُهَا كَأَنَّهَا جَمَلٌ أَجْوَفُ أَوْ أَجْرَبُ. قَالَ: فَبَارَكَ فِي خَيْلِ أَحْمَسَ وَرِجَالِهَا خَمْسَ مَرَّاتٍ. [انظر: ٣٠٣٦، ٣٠٧٦، ٣٨٢٣، ٤٣٥٥، ٤٣٥٦، ٤٣٥٧، ٦٠٨٩، ٦٣٣٣]

[3020] حضرت جریر بن عبداللہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: ''تم مجھے ذی الخلصہ سے راحت کیوں نہیں دیتے؟'' یہ قبیلۂ خثعم میں ایک گھر تھا جس کو کعبہ یمانیہ کہا جاتا تھا۔ حضرت جریر ؓ کہتے ہیں کہ میں آپ کا فرمان سن کر قبیلۂ احمس کے ڈیڑھ سو سواروں کے ہمراہ چلا جن کے پاس گھوڑے تھے، لیکن میرا پاؤں گھوڑے پر نہیں جمتا تھا۔ آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ میرے سینے پر مارا جس سے میں نے آپ کی انگلیوں کے نشانات اپنے سینے پر دیکھے اور آپ نے دعا فرمائی: ''اے اللہ! اس کو گھوڑے پر جما دے۔ اسے ہدایت کرنے والا اور ہدایت یافتہ بنا دے۔'' الغرض حضرت جریر ؓ وہاں گئے اور اس بت کو توڑ کر جلا دیا، پھر رسول اللہ ﷺ کو ایک آدمی کے ذریعے سے اس کی اطلاع دی۔ حضرت جریر ؓ کے قاصد نے بیان کیا کہ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے! میں آپ کے پاس اس وقت آیا ہوں جبکہ وہ بت خالی پیٹ والے (کھوکھلے) یا (انھوں نے کہا) خارشی اونٹ کی طرح خاکستر ہو چکا تھا۔ راوی کا بیان ہے کہ آپ نے قبیلۂ احمس کے گھوڑوں اور شہ سواروں کے لیے پانچ مرتبہ برکت کی دعا فرمائی۔

فائدہ: مسلمانوں کے لیے جائز ہے کہ وہ کفار و مشرکین کی قوت کو ہر طرح سے کمزور کریں۔ ان کے رعب و دبدبے اور ان کی طاقت کو کمزور کر کے مسلمانوں کے لیے کامیابی کا راستہ آسان کریں۔ ان پر ہر قسم کی تنگی کر کے انھیں تباہ و برباد کر دیا جائے۔ جب دشمن کا اخراج کسی اور طریقے سے ممکن نہ ہو تو ان کے مکانات گرا دینے اور باغات جلا دینے میں کوئی حرج نہیں اگرچہ بعض صحابۂ کرام ؓ سے باغات جلانے کی کراہت منقول ہے۔ شاید انھیں قرائن سے ان کے فتح ہونے کا یقین ہو گیا ہو، اس لیے انھوں نے مکانات و باغات کو تباہ کرنا اچھا خیال نہ کیا تاکہ وہ مسلمانوں کے کام آ سکیں۔[1]

٣٠٢١ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ: أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ

[3021] حضرت ابن عمر ؓ سے روایت ہے، انھوں

[1] عمدة القاري: 342/10.

عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: حَرَّقَ النَّبِيُّ ﷺ نَخْلَ بَنِي النَّضِيرِ. [راجع: ٢٣٢٦]

نے کہا کہ نبی ﷺ نے بنونضیر کے نخلستان جلا دیے تھے۔

فائدہ: جمہور اہل علم کا موقف ہے کہ دشمن کے شہروں کو آگ لگانا اور ان کے گھروں کو برباد کرنا جائز ہے لیکن امام اوزاعی، ابولیث اور ابوداود نے اسے مکروہ خیال کیا ہے۔ ان کا استدلال حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ایک وصیت ہے جو انھوں نے اپنے لشکر کو روانگی کے وقت فرمائی تھی کہ تم نے ایسا کام نہیں کرنا۔ امام طبری رحمہ اللہ نے اس کا جواب دیا ہے کہ نہی قصد و ارادے پر محمول ہے لیکن قتال کے وقت اگر حاکم مجبور ہو جائے کہ اس کے بغیر علاقہ فتح نہ ہو تو ایسا کرنا جائز ہے۔[1] واللّٰه أعلم.

(١٥٥) بَابُ قَتْلِ الْمُشْرِكِ النَّائِمِ

باب: 155- سوئے ہوئے مشرک کو قتل کرنا

٣٠٢٢ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْلِمٍ: حَدَّثَنَا يَحْيَى ابْنُ زَكَرِيَّا بْنِ أَبِي زَائِدَةَ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، قَالَ: بَعَثَ رَسُولُ اللهِ ﷺ رَهْطًا مِّنَ الْأَنْصَارِ إِلَى أَبِي رَافِعٍ لِّيَقْتُلُوهُ، فَانْطَلَقَ رَجُلٌ مِّنْهُمْ فَدَخَلَ حِصْنَهُمْ، قَالَ: فَدَخَلْتُ فِي مَرْبِطِ دَوَابَّ لَهُمْ، قَالَ: وَأَغْلَقُوا بَابَ الْحِصْنِ، ثُمَّ إِنَّهُمْ فَقَدُوا حِمَارًا لَّهُمْ فَخَرَجُوا يَطْلُبُونَهُ فَخَرَجْتُ فِيمَنْ خَرَجَ أُرِيهِمْ أَنَّنِي أَطْلُبُهُ مَعَهُمْ فَوَجَدُوا الْحِمَارَ فَدَخَلُوا وَدَخَلْتُ وَأَغْلَقُوا بَابَ الْحِصْنِ لَيْلًا فَوَضَعُوا الْمَفَاتِيحَ فِي كُوَّةٍ حَيْثُ أَرَاهَا، فَلَمَّا نَامُوا أَخَذْتُ الْمَفَاتِيحَ فَفَتَحْتُ بَابَ الْحِصْنِ، ثُمَّ دَخَلْتُ عَلَيْهِ فَقُلْتُ: يَا أَبَا رَافِعٍ! فَأَجَابَنِي، فَتَعَمَّدْتُ الصَّوْتَ فَضَرَبْتُهُ فَصَاحَ، فَخَرَجْتُ، ثُمَّ رَجَعْتُ كَأَنِّي

[3022] حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے انصار کے چند آدمیوں کو ابورافع کی طرف بھیجا تاکہ وہ اسے قتل کر دیں۔ ان میں سے ایک صاحب آگے چل کر ان کے قلعے میں داخل ہو گئے۔ ان کا کہنا ہے کہ میں ان کے گھوڑوں کے اصطبل میں چھپ گیا۔ پھر انھوں نے قلعے کا دروازہ بند کر دیا۔ اس دوران میں انھوں نے ایک گدھا گم پایا تو اس کی تلاش میں باہر نکلے۔ میں بھی ان لوگوں کے ساتھ باہر نکلا تاکہ ان پر یہ ظاہر کروں کہ میں بھی تلاش کرنے والوں میں شامل ہوں۔ بالآخر انھوں نے گدھا تلاش کر لیا اور قلعے میں داخل ہو گئے۔ میں بھی ان کے ساتھ اندر آ گیا۔ پھر انھوں نے دروازہ بند کر دیا اور ایک طاق میں اس کی چابیاں رکھ دیں جسے میں نے دیکھ لیا۔ جب وہ سو گئے تو میں نے چابیوں کا گچھا اٹھایا اور دروازہ کھول دیا۔ پھر میں ابورافع کے پاس پہنچ گیا۔ میں نے اسے آواز دی: ابورافع! اس نے مجھے

[1] فتح الباري: 187/6.

مُغِيثٌ، فَقُلْتُ: يَا أَبَا رَافِعٍ! وَغَيَّرْتُ صَوْتِي، فَقَالَ: مَا لَكَ لِأُمِّكَ الْوَيْلُ، قُلْتُ: مَا شَأْنُكَ؟ قَالَ: لَا أَدْرِي مَنْ دَخَلَ عَلَيَّ فَضَرَبَنِي، قَالَ: فَوَضَعْتُ سَيْفِي فِي بَطْنِهِ، ثُمَّ تَحَامَلْتُ عَلَيْهِ حَتَّى قَرَعَ الْعَظْمَ، ثُمَّ خَرَجْتُ وَأَنَا دَهِشٌ، فَأَتَيْتُ سُلَّمًا لَهُمْ لِأَنْزِلَ مِنْهُ فَوَقَعْتُ، فَوُثِئَتْ رِجْلِي، فَخَرَجْتُ إِلَى أَصْحَابِي، فَقُلْتُ: مَا أَنَا بِبَارِحٍ حَتَّى أَسْمَعَ النَّاعِيَةَ، فَمَا بَرِحْتُ حَتَّى سَمِعْتُ نَعَايَا أَبِي رَافِعٍ تَاجِرِ أَهْلِ الْحِجَازِ، قَالَ: فَقُمْتُ وَمَا بِي قَلَبَةٌ حَتَّى أَتَيْنَا النَّبِيَّ ﷺ فَأَخْبَرْنَاهُ. [انظر: ٣٠٢٣، ٤٠٣٨، ٤٠٣٩، ٤٠٤٠]

جواب دیا تو میں فوراً اس کی آواز کی طرف بڑھا اور اس پر وار کر دیا۔ وہ چلایا تو میں باہر آ گیا۔ میں لوٹ کر پھر اس کے کمرے میں داخل ہوا گویا میں اس کا فریاد رس ہوں۔ میں نے کہا: ابو رافع! اس مرتبہ میں نے اپنی آواز بدل لی تھی۔ اس نے کہا تو کیا کر رہا ہے تیری ماں کی ہلاکت ہو، میں نے کہا تجھے کیا بات پیش آئی؟ اس نے کہا: نامعلوم کوئی شخص میرے کمرے میں گھس آیا ہے اور اس نے مجھ پر حملہ کر دیا ہے۔ انھوں نے کہا: تب میں نے تلوار اس کے پیٹ میں رکھ دی، پھر اس پر زور دیا حتی کہ وہ اس کی ہڈیوں میں اتر گئی۔ جب میں اس کے کمرے سے نکلا تو بہت دہشت زدہ تھا۔ میں ان کی سیڑھی کے پاس آیا تا کہ اس کے ذریعے سے نیچے اتروں مگر میں اس پر سے گر گیا اور میرے پاؤں کو سخت چوٹ آئی۔ پھر جب میں اپنے ساتھیوں کے پاس آیا تو میں نے ان سے کہا کہ میں تو اس وقت تک یہیں رہوں گا جب تک اس کی موت کا اعلان خود نہ سن لوں، چنانچہ میں وہیں ٹھہر گیا اور میں نے رونے والی عورتوں سے ابو رافع حجاز کے سوداگر کی موت کا اعلان با آواز بلند سنا۔ پھر میں وہاں سے اٹھا تو مجھے اس وقت کچھ بھی درد محسوس نہیں ہوا حتی کہ ہم نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے سارا واقعہ بیان کیا۔

فوائد و مسائل: ① ابو رافع یہودی ایسا بدبخت انسان تھا جو رسول اللہ ﷺ کے خلاف بہت بغض و عداوت رکھتا تھا، نیز وہ مشرکین مکہ کو آپ کے خلاف مشورے دیتا اور آپ کے ساتھ جنگ کے لیے انھیں اکساتا تھا۔ اسی نے قبائل کو مشتعل کر کے مدینہ طیبہ پر چڑھائی کا مشورہ دیا۔ بالآخر قدرت نے اس سے پورا پورا انتقام لیا۔ ② رسول اللہ ﷺ نے اس کا کام تمام کرنے کے لیے عبداللہ بن عتیک، عبداللہ بن عتبہ، عبداللہ بن انیس، ابوقتادہ، اسود بن خزاعی، مسعود بن سنان، عبداللہ بن عقبہ اور اسعد بن حرام رضی اللہ عنہم کو روانہ فرمایا۔ ③ حضرت عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ نے ابو رافع عبداللہ بن ابی الحقیق کو سوتے میں قتل کیا۔ حضرت عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ نے اگرچہ ابو رافع کو جگایا مگر یہ جگانا صرف اس کی جگہ معلوم کرنے کے لیے تھا، تاہم وہ سونے والے کے حکم میں تھا کیونکہ وہ اسی جگہ پڑا رہا وہاں سے اِدھر اُدھر نہیں بھاگا تھا، لہٰذا اس کے متعلق یہی کہا جائے گا کہ اسے سوتے میں قتل کر دیا تھا۔

ممکن ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے عنوان قائم کر کے اس روایت کی طرف اشارہ کیا ہو جس میں یہ صراحت ہے کہ عبداللہ رضی اللہ عنہ نے ابو رافع کو سوتے میں قتل کیا جیسا کہ درج ذیل حدیث میں ہے۔

٣٠٢٣ - حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ آدَمَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَبِي زَائِدَةَ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: بَعَثَ رَسُولُ اللهِ ﷺ رَهْطًا مِّنَ الْأَنْصَارِ إِلَى أَبِي رَافِعٍ فَدَخَلَ عَلَيْهِ عَبْدُ اللهِ بْنُ عَتِيكٍ بَيْتَهُ لَيْلًا فَقَتَلَهُ وَهُوَ نَائِمٌ.

[راجع: ٣٠٢٢]

[3023] حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما ہی سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے انصار کا ایک گروہ ابو رافع کی طرف روانہ کیا، چنانچہ رات کے وقت حضرت عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ اس کے قلعے میں داخل گئے اور اسے سوتے میں قتل کر دیا۔

فائدہ: کسی مشرک کو سوتے میں قتل کرنا اس وقت جائز ہے جبکہ اسے دعوت اسلام پہنچ چکی ہو اور اس کے باوجود وہ کفر و شرک پر اڑا رہے یا اس کے ایمان لانے سے مایوسی ہو چکی ہو جیسا کہ ابو رافع یہودی کے متعلق روایات ہیں کہ وہ کعب بن اشرف ملعون کی طرح رسول اللہ ﷺ کو ستاتا تھا۔ آپ کی ہجو کرتا اور دوسرے مشرکین کو آپ سے لڑنے کے لیے ابھارتا تھا، اس لیے ملک میں قیام امن کے لیے اس کو ختم کرنا ضروری تھا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اس ظالم کو نیست و نابود کیا اور صفحۂ ہستی سے اس کا نشان مٹایا۔

(١٥٦) بَابٌ: لَا تَمَنَّوْا لِقَاءَ الْعَدُوِّ

باب: 156- دشمن سے مقابلہ کرنے کی خواہش نہ کرو

وضاحت: اس عنوان کے ذریعے سے کفار کے ساتھ جنگ و قتال سے بچنے کی ترغیب دی گئی ہے کیونکہ قتال اسلام کے بنیادی مقاصد میں سے نہیں ہے بلکہ اسے فتنہ و فساد کے خاتمے کا ذریعہ قرار دیا جا سکتا ہے، جس طرح حدود فی نفسہٖ اسلام کا مطلوب و مقصود نہیں ہیں بلکہ معاشرے میں امن و امان قائم کرنے کے لیے ایک ناگزیر ضرورت ہیں، اسی طرح قتال و محاربہ اسلام کی نظر میں ذاتی طور پر مطلوب نہیں بلکہ دفاع دین کی ایک ضرورت ہونے کے ناتے سے حسن لغیرہ کے طور پر اہم ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کے قائم کردہ عنوان سے یہی حقیقت معلوم ہوتی ہے۔ واللہ أعلم.

٣٠٢٤ - حَدَّثَنَا يُوسُفُ بْنُ مُوسَى: حَدَّثَنَا عَاصِمُ بْنُ يُوسُفَ الْيَرْبُوعِيُّ: حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحَاقَ الْفَزَارِيُّ عَنْ مُّوسَى بْنِ عُقْبَةَ قَالَ: حَدَّثَنِي سَالِمٌ أَبُو النَّضْرِ مَوْلَى عُمَرَ بْنِ عُبَيْدِ

[3024] عمر بن عبیداللہ کے غلام سالم ابو نضر نے بیان کیا کہ میں عمر بن عبیداللہ کا منشی تھا۔ اس (سالم) نے کہا حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ نے اسے (سالم ابو نضر کو) ایک خط لکھا جب وہ خوارج سے لڑنے کے لیے روانہ

اللّٰهِ، كُنْتُ كَاتِبًا لَهُ، قَالَ: كَتَبَ إِلَيْهِ عَبْدُ اللهِ ابْنُ أَبِي أَوْفَى حِينَ خَرَجَ إِلَى الْحَرُورِيَّةِ فَقَرَأْتُهُ، فَإِذَا فِيهِ: إِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ فِي بَعْضِ أَيَّامِهِ الَّتِي لَقِيَ فِيهَا الْعَدُوَّ انْتَظَرَ حَتَّى مَالَتِ الشَّمْسُ. [راجع: ۲۸۱۸]

ہوئے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے وہ خط پڑھا، اس کا مضمون یہ تھا: رسول اللہ ﷺ نے ایک لڑائی کے موقع پر سورج ڈھلنے کا انتظار کیا۔

۳۰۲۵ - ثُمَّ قَامَ فِي النَّاسِ فَقَالَ: «يَا أَيُّهَا النَّاسُ! لَا تَمَنَّوْا لِقَاءَ الْعَدُوِّ وَسَلُوا اللهَ الْعَافِيَةَ، فَإِذَا لَقِيتُمُوهُمْ فَاصْبِرُوا، وَاعْلَمُوا أَنَّ الْجَنَّةَ تَحْتَ ظِلَالِ السُّيُوفِ»، ثُمَّ قَالَ: «اَللّٰهُمَّ مُنْزِلَ الْكِتَابِ، وَمُجْرِيَ السَّحَابِ، وَهَازِمَ الْأَحْزَابِ، اِهْزِمْهُمْ وَانْصُرْنَا عَلَيْهِمْ».

[3025] (جب سورج ڈھل گیا تو) پھر آپ لوگوں کو خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے اور فرمایا: ''اے لوگو! دشمن سے مقابلے کی خواہش نہ کرو بلکہ اللہ سے سلامتی کی دعا مانگو۔ لیکن جب دشمن سے مقابلہ ہو جائے تو صبر کرو اور جان لو کہ جنت تلواروں کے سائے تلے ہے۔'' پھر آپ نے یوں دعا کی: ''اے اللہ! کتاب نازل فرمانے والے، بادل چلانے والے اور لشکروں کو شکست دینے والے، انھیں (ہمارے دشمنوں کو) شکست سے دوچار کر اور ان کے مقابلے میں ہماری مدد فرما۔''

وَقَالَ مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ: حَدَّثَنِي سَالِمٌ أَبُو النَّضْرِ: كُنْتُ كَاتِبًا لِعُمَرَ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ فَأَتَاهُ كِتَابُ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي أَوْفَى رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «لَا تَمَنَّوْا لِقَاءَ الْعَدُوِّ». [راجع: ۲۹۳۳]

موسیٰ بن عقبہ نے کہا کہ مجھ سے سالم ابونضر نے بیان کیا کہ میں عمر بن عبیداللہ کا منشی تھا، ان کے پاس حضرت عبداللہ بن ابی اوفی ؓ کا خط آیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''دشمن سے بھڑنے کی خواہش نہ کرو۔''

۳۰۲٦ - وَقَالَ أَبُو عَامِرٍ: حَدَّثَنَا مُغِيرَةُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «لَا تَتَمَنَّوْا لِقَاءَ الْعَدُوِّ فَإِذَا لَقِيتُمُوهُمْ فَاصْبِرُوا».

[3026] حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''دشمن سے لڑنے بھڑنے کی خواہش نہ کرو، ہاں جب مقابلہ ہو جائے تو پھر صبر سے کام لو۔''

فوائد ومسائل: ① دین اسلام ہمیں صلح اور امن وامان سے رہنے کی تلقین کرتا ہے۔ دشمن سے برسرِ پیکار رہنے کی کوشش

اچھی چیز نہیں، اس لیے کبھی بھی خواہ مخواہ جنگ نہ چھیڑی جائے اور نہ اس کے لیے خواہش ہی کی جائے، ہاں جب پانی سر سے گزر جائے اور جنگ کے بغیر کوئی چارۂ کار نہ ہو تو پھر صبر واستقامت کے ساتھ پوری قوت سے دشمن کا مقابلہ کرنا ضروری ہے۔ ② دشمن سے مقابلے کی خواہش اس لیے بھی منع ہے کہ اس میں فخر وغرور اور اللہ کو چھوڑ کر اپنی طاقت اور جنگی صلاحیتوں پر اعتماد ہوتا ہے جسے اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا۔

(١٥٧) بَابٌ: اَلْحَرْبُ خُدْعَةٌ

باب: 157- لڑائی ایک چال کا نام ہے

٣٠٢٧ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «هَلَكَ كِسْرٰى، ثُمَّ لَا يَكُونُ كِسْرٰى بَعْدَهُ، وَقَيْصَرُ لَيَهْلِكَنَّ، ثُمَّ لَا يَكُونُ قَيْصَرٌ بَعْدَهُ، وَلَتُقْسَمَنَّ كُنُوزُهُمَا فِي سَبِيلِ اللهِ». [انظر: ٣١٢٠، ٣٦١٨، ٦٦٣٠]

[3027] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: "کسریٰ ہلاک ہو گیا، اب اس کے بعد دوسرا کسریٰ نہیں ہو گا اور قیصر بھی یقیناً ہلاک ہو جائے گا اور اس کے بعد پھر دوسرا قیصر نہیں ہو گا۔ اور قیصر وکسریٰ کے خزانے اللہ کی راہ میں تقسیم کیے جائیں گے۔"

٣٠٢٨ - وَسَمَّى الْحَرْبَ خَدْعَةً. [انظر: ٣٠٢٩]

[3028] اور آپ ﷺ نے لڑائی کو مکر وفریب کا نام دیا۔

فوائد ومسائل: ① قریش اکثر تجارت پیشہ تھے اور بغرض تجارت شام اور عراق جاتے تھے۔ وہ جب مسلمان ہوئے تو انھوں نے اس خدشے کا اظہار کیا کہ اب قیصر وکسریٰ کی حکومتیں ہماری تجارت میں رکاوٹ بنیں گی تو آپ نے انھیں تسلی دیتے ہوئے فرمایا: "اب ان کی کمر ٹوٹ چکی ہے۔" رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں کسریٰ ہلاک ہو چکا تھا اور قیصر اس وقت زندہ تھا۔ اگرچہ قیصر وکسریٰ اس کے بعد بھی ہوئے ہیں لیکن ان کا وہ رعب ودبدبہ جو پہلے تھا وہ ختم ہو گیا اور وہ صرف نام کے قیصر وکسریٰ رہ گئے تھے۔ ② واضح رہے کہ روم کے بادشاہ کو قیصر اور ایران وعراق کے بادشاہ کو کسریٰ کہا جاتا تھا۔ ③ رسول اللہ ﷺ کی پیش گوئی کے مطابق مسلمانوں نے ان کے ملکوں کو فتح کیا اور ان کے خزانے اللہ کی راہ میں تقسیم کیے۔ ④ رسول اللہ ﷺ نے لڑائی کو دھوکے اور فریب کا نام دیا ہے، یعنی لڑائی میں جنگی چالوں کے ذریعے سے دشمن کو دھوکا دیا جا سکتا ہے لیکن اس سے مراد دغابازی کرنا اور عہد توڑنا نہیں کیونکہ ایسا کرنا حرام اور ناجائز ہے۔

٣٠٢٩ - حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَصْرَمَ - اِسْمُهُ بُورُ الْمَرْوَزِيُّ -: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: سَمَّى النَّبِيُّ ﷺ الْحَرْبَ خَدْعَةً.

[3029] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے لڑائی کو ایک چال کا نام دیا۔

[راجع: ۳۰۲۸]

۳۰۳۰ - حَدَّثَنَا صَدَقَةُ بْنُ الْفَضْلِ: أَخْبَرَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ عَمْرٍو: سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «اَلْحَرْبُ خَدْعَةٌ».

[3030] حضرت جابر بن عبداللہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جنگ تو دھوکا اور چالبازی ہے۔''

فوائد ومسائل: ① لڑائی میں تدبیر اور چالبازی ضروری ہے۔ غزوۂ خندق میں یہود، قریش اور غطفان سب مسلمانوں کے خلاف متحدہ ہو گئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت نعیم بن مسعود ؓ کو بھیج کر ان میں ناچاقی اور بے اتفاقی پیدا کر دی۔ اس وقت آپ نے فرمایا تھا: لڑائی مکر وفریب ہی کا نام ہے، یعنی اس میں داؤ کرنا اور دشمن کو دھوکا دینا ضروری ہے کیونکہ جو فریق بھی لڑائی میں ایک بار دھوکا کھا جائے وہ ہلاک ہو جاتا ہے، دوبارہ اٹھ نہیں سکتا۔ ② اس کا یہ بھی مطلب لیا جا سکتا ہے کہ لڑائی میں جہاں تک ممکن ہو حیلہ وغیرہ کرو تا کہ لڑائی کی نوبت نہ آئے اور اگر اس سے عاجز ہو جاؤ تو پھر جنگ کرو لیکن پہلے مفہوم میں زیادہ جامعیت ہے۔ ③ واضح رہے کہ دھوکا اور چال لڑائی میں تو جائز ہے لیکن اس قسم کی چالبازی دوسرے معاملات میں جائز نہیں۔

(١٥٨) بَابُ الْكَذِبِ فِي الْحَرْبِ

باب: 158-لڑائی میں جھوٹ بولنا

وضاحت: ایک حدیث میں ہے کہ تین جگہ جھوٹ بولنا جائز ہے: ''مرد کا اپنی بیوی سے، اسے راضی کرنے کے لیے، دوران جنگ میں اور دو آدمیوں کی صلح کراتے وقت۔'' ان تین مقامات پر جھوٹ بولنے کی اجازت ہے۔[1]

۳۰۳۱ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «مَنْ لِكَعْبِ بْنِ الْأَشْرَفِ فَإِنَّهُ قَدْ آذَى اللهَ وَرَسُولَهُ؟» قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ مَسْلَمَةَ: أَتُحِبُّ أَنْ أَقْتُلَهُ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: «نَعَمْ». قَالَ: فَأَتَاهُ فَقَالَ: إِنَّ هٰذَا - يَعْنِي النَّبِيَّ ﷺ - قَدْ عَنَّانَا وَسَأَلَنَا الصَّدَقَةَ، قَالَ: وَأَيْضًا وَاللهِ لَتَمَلُّنَّهُ قَالَ: فَإِنَّا قَدِ اتَّبَعْنَاهُ فَنَكْرَهُ أَنْ نَدَعَهُ حَتّٰى نَنْظُرَ إِلٰى مَا

[3031] حضرت جابر بن عبداللہ ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''کعب بن اشرف کا کام تمام کون کرے گا؟ اس نے اللہ اور اس کے رسول کو اذیت پہنچائی ہے۔'' حضرت محمد بن مسلمہ ؓ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! کیا آپ کو پسند ہے کہ میں اسے قتل کر دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں۔'' راوی کا بیان ہے کہ اس کے بعد محمد بن مسلمہ ؓ کعب یہودی کے پاس آئے اور کہنے لگے: اس نبی نے تو ہمیں مشقت میں ڈال رکھا ہے، ہم سے صدقات مانگتا ہے۔ کعب نے کہا: واللہ! تم اس سے بھی زیادہ تنگ پڑ جاؤ

1 جامع الترمذي، البر والصلة، حديث: 1939.

يَصِيرُ أَمْرُهُ. قَالَ: فَلَمْ يَزَلْ يُكَلِّمُهُ حَتَّى اسْتَمْكَنَ مِنْهُ فَقَتَلَهُ. [راجع: ٢٥١٠]

گے۔ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اب تو ہم نے اس کی پیروی کر لی ہے، اس لیے اس وقت اس کا ساتھ چھوڑنا مناسب خیال نہیں کرتے جب تک اس کی دعوت کا کوئی انجام ہمارے سامنے نہ آ جائے۔ الغرض وہ بہت دیر تک اس کے ساتھ باتیں کرتے رہے حتی کہ موقع پا کر اسے قتل کر دیا۔

فوائد و مسائل: ① کعب بن اشرف مدینہ طیبہ میں مسلمانوں کا بدترین دشمن تھا جو روزانہ مسلمانوں کے خلاف ایک نئی سازش تیار کرتا۔ رسول اللہ ﷺ کی ہجو کرنا اس کا محبوب مشغلہ تھا۔ مشرکین مکہ کو مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے اکساتا اور ان کی مالی مدد بھی کرتا تھا۔ آخر محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے اس کا خاتمہ کر کے اسے جہنم رسید کیا۔ ② اگرچہ اس روایت میں جھوٹ بولنے کا ذکر نہیں ہے، تاہم امام بخاری رحمہ اللہ نے اس روایت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے روانہ ہوتے وقت رسول اللہ ﷺ سے اجازت طلب کی تھی کہ آپ کی شکایت کرتے ہوئے جو چاہوں کہوں گا تو آپ نے اسے اجازت دی۔ اس میں جھوٹ بولنا بھی آ جاتا ہے۔ بہرحال دوران جنگ میں جھوٹ بولنے کی اجازت ہے جیسا کہ ترمذی کی روایت میں پہلے بیان ہو چکا ہے۔

(١٥٩) بَابُ الْفَتْكِ بِأَهْلِ الْحَرْبِ

باب: 159 - اہل حرب کو اچانک قتل کرنا

٣٠٣٢ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرٍو، عَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَنْ لِكَعْبِ بْنِ الْأَشْرَفِ؟» فَقَالَ مُحَمَّدُ ابْنُ مَسْلَمَةَ: أَتُحِبُّ أَنْ أَقْتُلَهُ؟ قَالَ: «نَعَمْ»، قَالَ: فَأْذَنْ لِي فَأَقُولَ، قَالَ: «قَدْ فَعَلْتُ». [راجع: ٢٥١٠]

[3032] حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ”کعب بن اشرف کو قتل کرنے کی کون ہمت کرتا ہے؟“ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا آپ پسند کرتے ہیں میں اسے قتل کر دوں؟ آپ نے فرمایا: ”ہاں۔“ اس نے عرض کیا: آپ مجھے کچھ کہنے کی اجازت دے دیں۔ آپ نے فرمایا: ”تمھیں اجازت ہے۔“

فوائد و مسائل: ① کعب بن اشرف یہودیوں کا طاغوت تھا۔ اشعار میں رسول اللہ ﷺ کی ہجو کرتا اور آپ کے لیے اذیت کا باعث تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے قتل کر دینے کی خواہش کا اظہار کیا تو حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے اس کار خیر کی ذمہ داری قبول کی اور اسے قتل کر دیا۔ یہ کہنا درست نہیں کہ محمد بن مسلمہ نے کعب بن اشرف کو امن دے کر قتل کیا تھا بلکہ انھوں نے خرید و فروخت کی بات کی اور اس سے انس پیدا کیا، پھر موقع پا کر اسے قتل کر دیا۔ ② اسی چالاکی ہوشیاری کا نام جنگ ہے جس کے بغیر چارہ نہیں۔ آج کے مشینی دور میں بھی دشمن کی گھات میں بیٹھنا اقوام کا معمول ہے۔ اسلام میں یہ اجازت صرف حربی کافروں کے

مقابلے کے لیے ہے، بصورت دیگر کسی کو دھوکے میں رکھ کر کوئی اقدام کرنا شرعاً جائز نہیں۔

(١٦٠) بَابُ مَا يَجُوزُ مِنَ الْاِحْتِيَالِ وَالْحَذَرِ مَعَ مَنْ يُخْشَى مَعَرَّتُهُ

باب: 160- اگر کسی سے شر و فساد کا اندیشہ ہو تو اس سے حیلہ اور مکر و فریب کیا جا سکتا ہے

٣٠٣٣ - وَقَالَ اللَّيْثُ: حَدَّثَنِي عُقَيْلٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَنَّهُ قَالَ: انْطَلَقَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَمَعَهُ أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ قِبَلَ ابْنِ صَيَّادٍ - فَحُدِّثَ بِهِ فِي نَخْلٍ - فَلَمَّا دَخَلَ عَلَيْهِ رَسُولُ اللهِ ﷺ النَّخْلَ طَفِقَ يَتَّقِي بِجُذُوعِ النَّخْلِ وَابْنُ صَيَّادٍ فِي قَطِيفَةٍ لَهُ فِيهَا رَمْرَمَةٌ، فَرَأَتْ أُمُّ ابْنِ صَيَّادٍ رَسُولَ اللهِ ﷺ فَقَالَتْ: يَا صَافِ! هٰذَا مُحَمَّدٌ، فَوَثَبَ ابْنُ صَيَّادٍ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَوْ تَرَكَتْهُ بَيَّنَ». [راجع: ١٣٥٥]

[3033] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ ابن صیاد کے حالات معلوم کرنے کے لیے روانہ ہوئے آپ کے ہمراہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ آپ کو اطلاع ملی کہ ابن صیاد ایک نخلستان میں ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ اس نخلستان میں داخل ہوئے تو آپ کھجوروں کے تنوں کی آڑ لیتے ہوئے وہاں پہنچے جبکہ ابن صیاد ایک چادر میں لپٹا ہوا تھا اور اس کے اندر ہی آواز کر رہا تھا۔ ابن صیاد کی ماں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھ کر کہا: اے صاف! یہ محمد ہیں، چنانچہ ابن صیاد اچھل کر اٹھا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر یہ (اس کی ماں) اسے چھوڑے رکھتی تو کئی ایک معاملات کی وضاحت ہو جاتی۔''

فوائد و مسائل: ① ابن صیاد مدینہ طیبہ میں ایک یہودی بچہ تھا جو کاہنوں اور نجومیوں کی طرح لوگوں کو بہکایا کرتا تھا۔ اپنے دجل و فریب کی بنا پر وہ بھی ایک قسم کا دجال ہی تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے اسے قتل کر دینے کی تھی لیکن رسول اللہ ﷺ نے مصلحت کی بنا پر اسے قتل کرنا مناسب خیال نہ کیا، البتہ اس کے حالات کا جائزہ لینے کے لیے شاخوں کی آڑ میں چل کر اس تک پہنچے تاکہ وہ آپ کو دیکھ نہ سکے۔ ② یہ ایک حیلہ تھا جس کے باعث آپ ابن صیاد اور اس کی ماں کے شر سے بچنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اگر اس کی ماں رسول اللہ ﷺ کی آمد کا انکشاف نہ کرتی اور اسے اپنے حال پر چھوڑ دیتی تو ابن صیاد سے متعلق کئی ایک امور کی وضاحت ہو جاتی لیکن مَاشَآءَ اللّٰهُ كَانَ وَمَالَمْ يَشَأْ لَمْ يَكُنْ وَكَانَ أَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُورًا۔

(١٦١) بَابُ الرَّجَزِ فِي الْحَرْبِ وَرَفْعِ الصَّوْتِ فِي حَفْرِ الْخَنْدَقِ

باب: 161- دوران جنگ میں شعر پڑھنا اور خندق کھودتے وقت آواز بلند کرنا

فِيهِ سَهْلٌ وَأَنَسٌ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ، وَفِيهِ يَزِيدُ

اس کے متعلق حضرت سہل اور حضرت انس رضی اللہ عنہما نے

عَنْ سَلَمَةَ.

نبی ﷺ سے روایات بیان کی ہیں، نیز یزید نے بھی حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے اس کے متعلق ایک حدیث بیان کی ہے۔

وضاحت: ایک حدیث میں ہے: رسول اللہ ﷺ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اپنی آواز بلند کرنا مکروہ خیال کرتے تھے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اشارہ فرمایا: اس حدیث کا محل حالتِ قتال ہے۔ اس کے علاوہ آواز بلند کرنا مکروہ نہیں جیسا کہ غزوۂ خندق کے موقع پر آپ سے باآواز بلند شعر پڑھنا منقول ہے۔[1] حضرت سہل رضی اللہ عنہ کی حدیث امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب المغازی (4098) میں اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کتاب الجہاد (2835) میں متصل سند سے ذکر کی ہے، نیز یزید رحمہ اللہ کی حدیث بھی کتاب المغازی (4196) میں موصولاً درج ہے۔

٣٠٣٤ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ: حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحَاقَ عَنِ الْبَرَاءِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَوْمَ الْخَنْدَقِ وَهُوَ يَنْقُلُ التُّرَابَ حَتَّى وَارَى التُّرَابُ شَعْرَ صَدْرِهِ - وَكَانَ رَجُلًا كَثِيرَ الشَّعْرِ - وَهُوَ يَرْتَجِزُ بِرَجَزِ عَبْدِ اللهِ:

اَللّٰهُمَّ لَوْلَا أَنْتَ مَا اهْتَدَيْنَا
وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا
فَأَنْزِلَنْ سَكِينَةً عَلَيْنَا
وَثَبِّتِ الْأَقْدَامَ إِنْ لَاقَيْنَا
إِنَّ الْأَعْدَاءَ قَدْ بَغَوْا عَلَيْنَا
إِذَا أَرَادُوا فِتْنَةً أَبَيْنَا

يَرْفَعُ بِهَا صَوْتَهُ. [راجع: ٢٨٣٦]

[3034] حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے خندق کے دن رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ خود مٹی اٹھا رہے تھے اور گردوغبار نے آپ کے سینے کے بالوں کو ڈھانپ رکھا تھا اور آپ گھنے بالوں والے بہادر مرد تھے۔ اس وقت آپ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے اشعار پڑھ رہے تھے:

تو ہدایت گر نہ کرتا تو کہاں ملتی نجات
کیسے پڑھتے ہم نمازیں کیسے دیتے ہم زکاۃ
اب اتار ہم پر تسلی اے شہ عالی صفات
پاؤں جما دے ہمارے دے لڑائی میں ثبات
بے سبب ہم پر یہ کافر ظلم سے چڑھ آئے ہیں
جب وہ بہکائیں ہم سنتے نہیں ان کی بات

رسول اللہ ﷺ یہ اشعار آواز بلند پڑھ رہے تھے۔

فائدہ: عرب لوگوں کی عادت تھی کہ وہ جنگ کے موقع پر جہادی ترانے گاتے تھے۔ اس سے نشاط، چستی اور ارادے میں پختگی پیدا ہوتی ہے۔ ایسے موقع پر حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے بھی رجزیہ اشعار پڑھنے منقول ہیں جیسا کہ آئندہ حدیث میں اس کا ذکر ہوگا۔[2] بہرحال عین جنگ کے موقع پر خاموشی اختیار کی جاتی اور جنگ کی تیاری کے وقت اشعار پڑھے جاتے تاکہ لڑنے

---

(1) فتح الباري: 194/6. (2) صحيح البخاري، حديث: 3041.

والوں کی ہمت مضبوط ہو اور ان کے حوصلے بلند ہو جائیں۔

(١٦٢) بَابُ مَنْ لَّا يَثْبُتُ عَلَى الْخَيْلِ

باب: 162- اگر کوئی گھوڑے پر جم کر نہ بیٹھ سکے

٣٠٣٥ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ نُمَيْرٍ: حَدَّثَنَا ابْنُ إِدْرِيسَ عَنْ إِسْمَاعِيلَ، عَنْ قَيْسٍ، عَنْ جَرِيرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: مَا حَجَبَنِي النَّبِيُّ ﷺ مُنْذُ أَسْلَمْتُ، وَلَا رَآنِي إِلَّا تَبَسَّمَ فِي وَجْهِهِ. [انظر: ٣٨٢٢، ٦٠٨٩]

[3035] حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: جب سے میں مسلمان ہوا ہوں نبی ﷺ نے مجھ سے کوئی حجاب نہیں رکھا اور آپ نے ہمیشہ مسکراتے چہرے ہی سے مجھے دیکھا۔

٣٠٣٦ - وَلَقَدْ شَكَوْتُ إِلَيْهِ أَنِّي لَا أَثْبُتُ عَلَى الْخَيْلِ فَضَرَبَ بِيَدِهِ فِي صَدْرِي وَقَالَ: «اَللّٰهُمَّ ثَبِّتْهُ وَاجْعَلْهُ هَادِيًا مَّهْدِيًّا». [راجع: ٣٠٢٠]

[3036] (حضرت جریر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ) میں نے آپ کی خدمت میں شکایت کی کہ میں اپنے گھوڑے پر ٹک کر نہیں بیٹھ سکتا تو آپ نے میرے سینے پر اپنا دست مبارک مارا اور دعا دی: ''اے اللہ! اسے گھوڑے پر جما دے اور اسے دوسروں کو سیدھا راستہ بتانے والا اور خود سیدھے راستے پر چلنے والا بنا دے۔''

فوائد ومسائل: ① حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ اپنی قوم کے ذی وجاہت سردار تھے، اس لیے رسول اللہ ﷺ ان کا اکرام کرتے اور انھیں ہمیشہ خندہ پیشانی سے ملتے تھے۔ اس طرح ملنے سے دلوں میں محبت پیدا ہوتی ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ گھڑ سواری میں مہارت حاصل کرنی چاہیے۔ ② اس حدیث سے مجاہد کی کسی بھی حاجت کے لیے دعا کرنا ثابت ہے۔ حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ گھوڑے کی سواری میں پختہ کار نہیں تھے، اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کی دعا سے اس کمزوری کو دور کر دیا، پھر انھوں نے یمن کے بت خانے کو خاکستر کیا جو کعبے کے مقابلے میں بنایا گیا تھا...... رضی اللہ عنہ......

(١٦٣) بَابُ دَوَاءِ الْجُرْحِ بِإِحْرَاقِ الْحَصِيرِ، وَغَسْلِ الْمَرْأَةِ عَنْ أَبِيهَا الدَّمَ عَنْ وَّجْهِهِ، وَحَمْلِ الْمَاءِ فِي التُّرْسِ

باب: 163- بوریا جلا کر زخم کا علاج کرنا، نیز عورت کا اپنے باپ کے چہرے سے خون دھونا اور ڈھال میں پانی لانا

٣٠٣٧ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ: حَدَّثَنَا أَبُو حَازِمٍ قَالَ: سَأَلُوا سَهْلَ بْنَ سَعْدٍ السَّاعِدِيَّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: بِأَيِّ شَيْءٍ

[3037] حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، ان سے لوگوں نے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کے زخم کا علاج کس چیز سے کیا گیا تھا؟ انھوں نے فرمایا: اب لوگوں

دُووِيَ جُرْحُ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ؟ فَقَالَ: مَا بَقِيَ أَحَدٌ مِّنَ النَّاسِ أَعْلَمُ بِهِ مِنِّي، كَانَ عَلِيٌّ يَجِيءُ بِالْمَاءِ فِي تُرْسِهِ، وَكَانَتْ - يَعْنِي فَاطِمَةَ - تَغْسِلُ الدَّمَ عَنْ وَجْهِهِ، وَأُخِذَ حَصِيرٌ فَأُحْرِقَ، ثُمَّ حُشِيَ بِهِ جُرْحُ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ. [راجع: ٢٤٣]

میں کوئی شخص ایسا باقی نہیں رہا جو اس کے متعلق مجھ سے زیادہ جاننے والا ہو۔ حضرت علی ؓ اپنی ڈھال میں پانی لاتے تھے اور سیدہ فاطمہ ؓ آپ کے چہرۂ انور سے خون دھوتی تھیں، پھر چٹائی جلا کر اس کی راکھ سے رسول اللہ ﷺ کا زخم بھر دیا گیا۔

فوائد و مسائل: ① غزوۂ اُحد کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کے سر مبارک پر زخم آیا اور عتبہ بن ابی وقاص کے پتھر مارنے سے آپ کا چہرۂ انور زخمی ہوا۔ جب زخم دھویا گیا تو خون زیادہ بہنے لگا۔ بالآخر بوریا جلا کر اس کی راکھ سے زخم بھر دیا گیا تو خون رک گیا۔ زخموں کو خشک کرنے کے لیے بوریا جلا کر اس کی راکھ استعمال کرنا زمانہ قدیم سے معمول چلا آ رہا ہے۔ آج بھی مجاہدین کے لیے یہی ہدایت ہے۔ ② اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ میدان جہاد میں اگر باپ زخمی ہو جائے تو اس کی بیٹی ہر ممکن اس کی خدمت کر سکتی ہے۔

(١٦٤) بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنَ التَّنَازُعِ وَالِاخْتِلَافِ فِي الْحَرْبِ وَعُقُوبَةِ مَنْ عَصَى إِمَامَهُ

باب: 164- میدان جنگ میں باہمی جدال واختلاف مکروہ ہے اور جو اپنے امام کی نافرمانی کرے اس کی سزا کا بیان

وَقَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿وَلَا تَنَٰزَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ﴾ [الأنفال: ٤٦]. يَعْنِي: الْحَرْبَ.

ارشاد باری تعالیٰ ہے ”آپس میں جھگڑا نہ کرو ورنہ تم بزدل ہو جاؤ گے اور تمھاری ہوا اکھڑ جائے گی۔“

وضاحت: مطلب یہ ہے کہ میدان جنگ میں لڑائی کے احوال میں اختلاف اچھا نہیں اور امام کی نافرمانی شکست اور غنیمت سے محرومی کا باعث ہے جیسا کہ آئندہ بیان ہو گا۔ بہرحال مذکورہ آیت امت کے لیے کلیدی ہدایت پر مشتمل ہے جس پر پوری ملت کے عروج و زوال کا دارومدار ہے۔ جب تک مسلمان اس پر عمل پیرا رہے وہ دنیا پر حکمرانی کرتے رہے اور جب سے باہمی اختلاف و انتشار کا آغاز ہوا، امت کی قوت پارہ پارہ ہو گئی اور اس کا شیرازہ بکھر گیا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ.

٣٠٣٨ - حَدَّثَنَا يَحْيٰى: حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ بَعَثَ مُعَاذًا وَأَبَا مُوسٰى إِلَى الْيَمَنِ، قَالَ: «يَسِّرَا وَلَا تُعَسِّرَا، وَبَشِّرَا وَلَا تُنَفِّرَا، وَتَطَاوَعَا وَلَا تَخْتَلِفَا». [راجع: ٢٢٦١]

[3038] حضرت ابوموسیٰ اشعری ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت معاذ اور ابوموسیٰ ؓ کو یمن بھیجا تو (ان سے) فرمایا: ”لوگوں پر آسانی کرنا، ان پر سختی نہ کرنا، انھیں خوشخبری دینا اور نفرت نہ دلانا اور آپس میں ایک دوسرے کی موافقت کرنا باہم اختلاف نہ کرنا۔“

فائدہ: رسول اللہ ﷺ اپنے حکام کو ہدایات دیتے تھے کہ وہ امور اختیار کریں جن میں لوگوں کے لیے آسانی ہو، ان کے لیے کسی قسم کی مشقت یا سختی کا پہلو نہ ہو۔ انھیں اچھی خبریں دی جائیں جن سے ان کے حوصلے بلند ہوں اور ایسی باتیں نہ کی جائیں جن کی وجہ سے وہ باہمی نفرت کا شکار ہو جائیں، نیز ایک دوسرے کے جذبات کا احترام کریں اور باہمی اختلاف سے بچیں کیونکہ اس سے افراتفری پھیلتی ہے۔

٣٠٣٩ - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ خَالِدٍ: حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ: حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحَاقَ قَالَ: سَمِعْتُ الْبَرَاءَ ابْنَ عَازِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا يُحَدِّثُ قَالَ: جَعَلَ النَّبِيُّ ﷺ عَلَى الرَّجَّالَةِ يَوْمَ أُحُدٍ - وَكَانُوا خَمْسِينَ رَجُلًا - عَبْدَ اللهِ بْنَ جُبَيْرٍ فَقَالَ: «إِنْ رَأَيْتُمُونَا تَخْطَفُنَا الطَّيْرُ فَلَا تَبْرَحُوا مَكَانَكُمْ هٰذَا حَتّٰى أُرْسِلَ إِلَيْكُمْ وَإِنْ رَأَيْتُمُونَا هَزَمْنَا الْقَوْمَ وَأَوْطَأْنَاهُمْ فَلَا تَبْرَحُوا حَتّٰى أُرْسِلَ إِلَيْكُمْ»، فَهَزَمُوهُمْ، قَالَ: فَأَنَا - وَاللهِ - رَأَيْتُ النِّسَاءَ يَشْدُدْنَ قَدْ بَدَتْ خَلَاخِلُهُنَّ وَأَسْوُقُهُنَّ رَافِعَاتٍ ثِيَابَهُنَّ، فَقَالَ أَصْحَابُ عَبْدِ اللهِ بْنِ جُبَيْرٍ: اَلْغَنِيمَةَ أَيْ قَوْمِ الْغَنِيمَةَ، ظَهَرَ أَصْحَابُكُمْ فَمَا تَنْتَظِرُونَ؟ فَقَالَ عَبْدُ اللهِ ابْنُ جُبَيْرٍ: أَنَسِيتُمْ مَا قَالَ لَكُمْ رَسُولُ اللهِ ﷺ؟ قَالُوا: وَاللهِ! لَنَأْتِيَنَّ النَّاسَ فَلَنُصِيبَنَّ مِنَ الْغَنِيمَةِ، فَلَمَّا أَتَوْهُمْ صُرِفَتْ وُجُوهُهُمْ فَأَقْبَلُوا مُنْهَزِمِينَ، فَذَاكَ إِذْ يَدْعُوهُمُ الرَّسُولُ فِي أُخْرَاهُمْ، فَلَمْ يَبْقَ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ غَيْرُ اثْنَيْ عَشَرَ رَجُلًا، فَأَصَابُوا مِنَّا سَبْعِينَ، وَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ وَأَصْحَابُهُ أَصَابَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ يَوْمَ بَدْرٍ أَرْبَعِينَ وَمِائَةً: سَبْعِينَ أَسِيرًا وَسَبْعِينَ قَتِيلًا. فَقَالَ أَبُو سُفْيَانَ: أَفِي الْقَوْمِ مُحَمَّدٌ؟ ثَلَاثَ

[3039] حضرت براء بن عازب ؓ سے روایت ہے، انھوں نے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے غزوۂ احد میں حضرت عبداللہ بن جبیر ؓ کو پچاس تیراندازوں پر امیر مقرر کیا اور (ان سے) فرمایا: ”اگر تم دیکھو کہ پرندے ہمیں نوچ رہے ہیں، تب بھی اپنی جگہ سے مت ہٹنا یہاں تک کہ میں تمھیں پیغام بھیجوں۔ اور اگر تم دیکھو کہ ہم نے کفار کو شکست دے دی ہے اور انھیں اپنے پاؤں تلے روند ڈالا ہے، تب بھی اپنی جگہ پر قائم رہنا حتی کہ میں تمھیں پیغام بھیجوں۔“ چنانچہ مسلمانوں نے کفار کو شکست سے دوچار کر دیا۔ حضرت براء بن عازب ؓ کا بیان ہے کہ اللہ کی قسم! میں نے مشرکین کی عورتوں کو دوڑتے ہوئے دیکھا جن کی پنڈلیاں اور پازیب کھل گئے تھے جو اپنے کپڑے اٹھائے ہوئے بھاگ رہی تھیں۔ یہ دیکھ کر حضرت عبداللہ بن جبیر ؓ کے ساتھیوں نے کہا: قوم کے لوگو! غنیمت جمع کرو، غنیمت اکٹھی کرو، تمھارے ساتھی غالب آ چکے ہیں، اب کس کا انتظار کرتے ہو؟ حضرت عبداللہ بن جبیر ؓ نے کہا: کیا تم وہ بات بھول گئے ہو جو رسول اللہ ﷺ نے تم سے کہی تھی؟ انھوں نے جواب دیا: اللہ کی قسم! ہم تو لوگوں کے پاس ضرور جائیں گے تاکہ ہم مال غنیمت حاصل کر سکیں۔ جب یہ لوگ اپنی جگہ چھوڑ کر چلے آئے تو ان کے منہ کافروں نے پھیر دیے اور وہ شکست خوردہ ہو کر بھاگنے لگے۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ انھیں پچھلی طرف سے بلا رہے تھے، جب نبی ﷺ

مَرَّاتٍ، فَنَهَاهُمُ النَّبِيُّ ﷺ أَنْ يُجِيبُوهُ، ثُمَّ قَالَ: أَفِي الْقَوْمِ ابْنُ أَبِي قُحَافَةَ؟ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، ثُمَّ قَالَ: أَفِي الْقَوْمِ ابْنُ الْخَطَّابِ؟ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، ثُمَّ رَجَعَ إِلَى أَصْحَابِهِ فَقَالَ: أَمَّا هٰؤُلَاءِ فَقَدْ قُتِلُوا، فَمَا مَلَكَ عُمَرُ نَفْسَهُ، فَقَالَ: كَذَبْتَ وَاللهِ يَا عَدُوَّ اللهِ! إِنَّ الَّذِينَ عَدَدْتَ لَأَحْيَاءٌ كُلُّهُمْ، وَقَدْ بَقِيَ لَكَ مَا يَسُوءُكَ، قَالَ: يَوْمٌ بِيَوْمِ بَدْرٍ وَّالْحَرْبُ سِجَالٌ، إِنَّكُمْ سَتَجِدُونَ فِي الْقَوْمِ مُثْلَةً لَّمْ آمُرْ بِهَا وَلَمْ تَسُؤْنِي، ثُمَّ أَخَذَ يَرْتَجِزُ: أُعْلُ هُبَلْ، أُعْلُ هُبَلْ. قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «أَلَا تُجِيبُوهُ؟» قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ مَا نَقُولُ؟ قَالَ: «قُولُوا: اَللهُ أَعْلٰى وَأَجَلُّ». قَالَ: إِنَّ لَنَا الْعُزّٰى وَلَا عُزّٰى لَكُمْ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «أَلَا تُجِيبُوهُ؟» قَالَ: قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ مَا نَقُولُ؟ قَالَ: «قُولُوا: اَللهُ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلٰى لَكُمْ».

[انظر: ٣٩٨٦، ٤٠٤٣، ٤٠٦٧، ٤٥٦١]

کے ہمراہ بارہ آدمیوں کے علاوہ اور کوئی نہ رہا تو کافروں نے ہمارے ستر آدمی شہید کر دیے۔ قبل ازیں نبی ﷺ اور آپ کے اصحاب نے بدر کے دن ایک سو چالیس آدمیوں کا نقصان کیا تھا: ستر کو قیدی بنایا اور ستر کو واصل جہنم کیا۔ پھر ابوسفیان نے تین مرتبہ یہ آواز دی: کیا محمد لوگوں میں زندہ موجود ہیں؟ نبی ﷺ نے اپنے صحابۂ کرام کو جواب دینے سے منع کر دیا۔ اس کے بعد، پھر ابوسفیان نے تین مرتبہ کہا: ان لوگوں میں ابو قحافہ کے بیٹے بھی ہیں؟ پھر تین مرتبہ آواز دی: کیا ان لوگوں میں خطاب کے بیٹے ہیں؟ اس کے بعد وہ اپنے ساتھیوں کی طرف لوٹا اور کہا: یہ تینوں حضرات قتل ہو چکے ہیں۔ اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ بے تاب ہو کر کہنے لگے: اللہ کی قسم! تو نے غلط کہا ہے، اے اللہ کے دشمن! یہ سب، جن کا تو نے نام لیا زندہ ہیں اور ابھی تیرا برا دن آنے والا ہے۔ ابوسفیان نے کہا: آج بدر کے دن کا بدلہ ہو گیا، یقیناً لڑائی تو ڈول کی طرح ہے۔ بلاشبہ تمھارے کچھ مردوں کے ناک، کان کاٹے گئے ہیں، البتہ میں نے ان کا حکم نہیں دیا لیکن میں اسے برا بھی نہیں سمجھتا ہوں۔ اس کے بعد ابو سفیان رجز پڑھنے لگا:

اونچا ہو جا اے ہبل
تو اونچا ہو جا اے ہبل

نبی ﷺ نے اپنے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا: ''تم اسے جواب کیوں نہیں دیتے؟'' صحابہ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! کیا جواب دیں؟ آپ نے فرمایا: ''تم یوں کہو:

سب سے اونچا ہے وہ اللہ
سب سے رہے گا وہ اجل''

پھر ابوسفیان نے یہ مصرعہ پڑھا:

ہمارا عزیٰ ہے تمھارے پاس عزیٰ کہاں

نبی ﷺ نے فرمایا: ”تم اسے جواب نہیں دیتے ہو؟“
صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اللہ کے رسول! کیا جواب دیں؟ تو آپ نے فرمایا: ”یوں کہو:

ہمارا مولیٰ ہے اللہ تمھارا مولیٰ ہے کہاں“

فوائد و مسائل: ① ہبل ایک بت کا نام ہے جو کعبے کے بتوں میں بڑا مانا جاتا تھا، گویا ابوسفیان نے بزعم خویش فتح پر ہبل کی جے کا نعرہ بلند کیا کہ آج تیرا غلبہ ہے اور اللہ والے مغلوب ہو گئے ہیں۔ اس کے جواب میں رسول اللہ ﷺ نے حقیقت افروز نعرہ بلند کیا کہ اَللّٰهُ أَعْلٰى وَأَجَلُّ جو اس لیے بلند و برتر ثابت ہوا کہ بعد میں ہبل اور دیگر تمام بتوں کا کعبے سے خاتمہ ہو گیا اور اللہ تعالیٰ کا نام وہاں ہمیشہ سے بلند ہو رہا ہے۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنا مدعا یوں ثابت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ سے ان کے ساتھیوں نے اختلاف کیا اور مورچے سے ہٹ گئے۔ نتیجے کے طور پر سزا پائی اور پریشانی کا سامنا کرنا پڑا جسے قرآن کریم نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے: ﴿وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِی الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ○ اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓى اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِیْٓ اُخْرٰىكُمْ فَاَثَابَكُمْ غَمًّا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَآ اَصَابَكُمْ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ ”بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے جو تم سے وعدہ کیا تھا اسے پورا کر دیا جبکہ تم کافروں کو اللہ کے حکم سے خوب قتل کر رہے تھے یہاں تک کہ تم نے بزدلی دکھائی اور طے شدہ معاملے میں جھگڑنے لگے اور اپنی پسندیدہ چیز نظر آ جانے کے بعد تم نے نافرمانی کر ڈالی۔ تم میں سے کچھ دنیا کے طالب اور کچھ آخرت کے چاہنے والے تھے۔ پھر اللہ نے تمھیں کافروں کے مقابلے میں پسپا کر دیا تاکہ وہ تمھاری آزمائش کرے۔ بہرحال اللہ تعالیٰ نے تمھارا قصور معاف کر دیا اور اللہ تعالیٰ اہل ایمان کے لیے بڑے فضل والا ہے۔ جب تم بھاگے جا رہے تھے اور کسی طرف مڑ کر دیکھتے بھی نہ تھے، حالانکہ اللہ کا رسول تمھارے پیچھے سے تمھیں بلا رہا تھا، اللہ تعالیٰ نے تمھیں رنج پر رنج دیے تاکہ تم ایسی بات پر غم نہ کرو جو تمھارے ہاتھ سے نکل جائے اور نہ ایسی مصیبت پر افسوس کرو جو تم پر نازل ہو اور تم جو عمل کرتے ہو اللہ اس کی خوب خبر رکھتا ہے۔“[1] ③ اللہ تعالیٰ نے اس حادثے میں مسلمانوں کو کئی ایک پریشانیوں سے دوچار کیا: ایک منافقین کے واپس لوٹ جانے کی، دوسری شکست کی، تیسری اپنے شہداء کی، چوتھی اپنے زخمیوں کی، پانچویں رسول اللہ ﷺ کی شہادت کے متعلق جو افواہ پھیلی اور چھٹی اس جنگ کے انجام کی۔ بہرحال نتیجہ یہ ہے کہ اختلاف کرنے سے جنگی طاقت تباہ ہونے کے بعد واقعی دشمن غالب آ جاتا ہے۔ واللہ أعلم.

---

[1] آل عمران 3: 153,152.

(١٦٥) بَابٌ: إِذَا فَزِعُوا بِاللَّيْلِ

باب: 165- جب رات کے وقت لوگ خوف زدہ ہوں (تو حاکم وقت خود اس کی خبر لے)

٣٠٤٠ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ أَحْسَنَ النَّاسِ وَأَجْوَدَ النَّاسِ، وَأَشْجَعَ النَّاسِ قَالَ: وَقَدْ فَزِعَ أَهْلُ الْمَدِينَةِ لَيْلًا سَمِعُوا صَوْتًا، قَالَ: فَتَلَقَّاهُمُ النَّبِيُّ ﷺ عَلَى فَرَسٍ لِأَبِي طَلْحَةَ عُرْيٍ وَهُوَ مُتَقَلِّدٌ سَيْفَهُ، فَقَالَ: «لَمْ تُرَاعُوا، لَمْ تُرَاعُوا». ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «وَجَدْتُهُ بَحْرًا»، يَعْنِي الْفَرَسَ. [راجع: ٢٦٢٧]

[3040] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ سب لوگوں سے زیادہ خوبصورت، سب سے زیادہ سخی اور سب سے زیادہ بہادر تھے، چنانچہ ایک دفعہ اہل مدینہ خوفزدہ ہوئے۔ جب انھوں نے ایک ہولناک آواز سنی تو نبی ﷺ، حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر سوار ہوئے جبکہ آپ اپنے گلے میں تلوار لٹکائے ہوئے تھے۔ آپ نے لوگوں سے فرمایا: "مت گھبراؤ، پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔" پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میں نے (سبک رفتاری میں) اس گھوڑے کو دریا کی طرح پایا ہے۔"

فوائد و مسائل: ① مدینہ طیبہ میں جب اسلامی حکومت قائم ہوئی تو دشمن قبائل کی طرف سے اچانک شبخون کا خطرہ تھا۔ ایک دفعہ اندھیری رات میں ایک خوفناک آواز آنے پر اس قسم کا شبہ پیدا ہوا تو حالات کا جائزہ لینے کے لیے خود رسول اللہ ﷺ تن تنہا باہر تشریف لے گئے اور مدینہ طیبہ کے چاروں طرف دور دور تک جائزہ لے کر واپس لوٹے اور اہل مدینہ کو تسلی دی کہ کوئی خطرے والی بات نہیں ہے۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ نے اس سے ثابت کیا ہے کہ اگر اس قسم کے ہنگامی حالات پیدا ہوں تو امیر لشکر یا اس کے قائم مقام کو خود اس کا جائزہ لینا چاہیے اور لوگوں کو افواہ سازی کا موقع نہیں دینا چاہیے۔

(١٦٦) بَابُ مَنْ رَأَى الْعَدُوَّ فَنَادَى بِأَعْلَى صَوْتِهِ: يَا صَبَاحَاهْ، حَتَّى يُسْمِعَ النَّاسَ

باب: 166- دشمن کو دیکھ کر باآواز بلند یا صباحاہ پکارنا تاکہ لوگ سن لیں

٣٠٤١ - حَدَّثَنَا الْمَكِّيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ: أَخْبَرَنَا يَزِيدُ بْنُ أَبِي عُبَيْدٍ عَنْ سَلَمَةَ أَنَّهُ أَخْبَرَهُ قَالَ: خَرَجْتُ مِنَ الْمَدِينَةِ ذَاهِبًا نَحْوَ الْغَابَةِ، حَتَّى إِذَا كُنْتُ بِثَنِيَّةِ الْغَابَةِ لَقِيَنِي غُلَامٌ لِعَبْدِ الرَّحْمٰنِ ابْنِ عَوْفٍ قُلْتُ: وَيْحَكَ مَا بِكَ؟ قَالَ: أُخِذَ

[3041] حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ میں مدینہ طیبہ سے غابہ کی طرف جا رہا تھا۔ جب میں غابہ کی پہاڑی پر پہنچا تو مجھے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا ایک غلام ملا۔ میں نے کہا: تیری خرابی ہو تو یہاں کیسے آیا؟ اس نے کہا: نبی ﷺ کی دو دھیل اونٹنیاں

لِقَاحُ النَّبِيِّ ﷺ، قُلْتُ: مَنْ أَخَذَهَا؟ قَالَ: غَطَفَانُ وَفَزَارَةُ، فَصَرَخْتُ ثَلَاثَ صَرَخَاتٍ أَسْمَعْتُ مَا بَيْنَ لَابَتَيْهَا: يَا صَبَاحَاه، يَا صَبَاحَاه. ثُمَّ انْدَفَعْتُ حَتّٰى أَلْقَاهُمْ وَقَدْ أَخَذُوهَا، فَجَعَلْتُ أَرْمِيهِمْ وَأَقُولُ: أَنَا ابْنُ الْأَكْوَعِ، وَالْيَوْمُ يَوْمُ الرُّضَّعِ، فَاسْتَنْقَذْتُهَا مِنْهُمْ قَبْلَ أَنْ يَشْرَبُوا، فَأَقْبَلْتُ بِهَا أَسُوقُهَا، فَلَقِيَنِي النَّبِيُّ ﷺ فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنَّ الْقَوْمَ عِطَاشٌ وَإِنِّي أَعْجَلْتُهُمْ أَنْ يَشْرَبُوا سِقْيَهُمْ فَابْعَثْ فِي إِثْرِهِمْ فَقَالَ: «يَا ابْنَ الْأَكْوَعِ! مَلَكْتَ فَأَسْجِحْ، إِنَّ الْقَوْمَ يُقْرَوْنَ مِنْ قَوْمِهِمْ».

[انظر: ٤١٩٤]

چھین لی گئی ہیں۔ میں نے کہا: انھیں کس نے چھینا ہے؟ اس نے کہا: غطفان اور فزارہ کے لوگوں نے۔ اس کے بعد میں تین بار یاصباحاہ! یا صباحاہ کہتا ہوا خوب چلایا حتی کہ مدینہ طیبہ کے دونوں پتھریلے کناروں میں رہنے والوں نے میری آواز کو سنا۔ پھر میں دوڑتا ہوا ڈاکوؤں سے جا ملا۔ جبکہ وہ اونٹنیاں لیے جا رہے تھے۔ اس کے بعد میں نے انھیں تیر مارنے شروع کر دیے اور میں یہ کہہ رہا تھا:

میں ہوں سلمہ بن اکوع جان لو
آج کمینے سب مریں گے مان لو

چنانچہ میں نے وہ اونٹنیاں ان سے چھین لیں قبل اس کے کہ وہ ان کا دودھ پیتے۔ میں انھیں ہانکتا ہوا لا رہا تھا کہ نبی ﷺ مجھے ملے تو میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! ڈاکو پیاسے ہیں۔ میں نے انھیں پانی بھی نہیں پینے دیا، لہٰذا آپ جلد ہی ان کے تعاقب میں کسی کو روانہ کر دیں۔ آپ نے فرمایا: ''اے ابن اکوع! تو ان پر غالب ہو چکا۔ اب انھیں جانے دو۔ وہ اپنی قوم میں پہنچ چکے ہیں اور وہاں ان کی مہمانی ہو رہی ہے۔''

فوائد و مسائل: ① غابہ، مدینہ طیبہ سے شام کی طرف تقریباً چھ کلومیٹر کے فاصلے پر ایک جنگل کا نام ہے، وہاں بہت درخت تھے، وہیں کے جھاؤ کے درخت سے منبر نبوی بنایا گیا تھا۔ ② دور جاہلیت میں جب مصیبت آتی تو باآواز بلند یا صباحاہ یا صباحاہ پکارا جاتا، یعنی یہ صبح مصیبت بھری ہے جلد آؤ اور مدد کو پہنچو۔ اس طرح کی آواز اگر کفار اور مشرکین کے خلاف استعمال کی جائے تو جائز ہے۔ یہ دعوتِ جاہلیت نہیں بلکہ کفار کے خلاف مدد طلب کرنا ہے اور اس سے دشمن کو خوفزدہ کرنا مقصود ہوتا ہے۔ بصورت دیگر منع ہے۔[1]

(١٦٧) بَابُ مَنْ قَالَ: خُذْهَا وَأَنَا ابْنُ فُلَانٍ

باب: 167- جس نے کہا: اس سزا کو وصول کرو میں فلاں کا بیٹا ہوں

[1] فتح الباري: 197/6.

وَقَالَ سَلَمَةُ: خُذْهَا وَأَنَا ابْنُ الْأَكْوَعِ.

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے کہا: اس وار کو وصول کرو میں اکوع کا بیٹا ہوں۔

وضاحت: دوران جنگ میں دشمن پر ضرب کاری لگاتے ہوئے ایسا کہنا جائز ہے اور یہ اس فخر وغرور میں شامل نہیں جس کی شرعاً ممانعت ہے۔ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے ایک موقع پر یہ انداز اختیار کیا تھا جیسا کہ صحیح مسلم کی روایت میں ہے۔[1]

٣٠٤٢ - حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ عَنْ إِسْرَائِيلَ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ قَالَ: سَأَلَ رَجُلٌ الْبَرَاءَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فَقَالَ: يَا أَبَا عُمَارَةَ أَوَلَّيْتُمْ يَوْمَ حُنَيْنٍ؟ قَالَ الْبَرَاءُ، وَأَنَا أَسْمَعُ: أَمَّا رَسُولُ اللهِ ﷺ لَمْ يُوَلِّ يَوْمَئِذٍ، كَانَ أَبُو سُفْيَانَ بْنُ الْحَارِثِ آخِذًا بِعِنَانِ بَغْلَتِهِ، فَلَمَّا غَشِيَهُ الْمُشْرِكُونَ نَزَلَ فَجَعَلَ يَقُولُ: «أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ، أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ». قَالَ: فَمَا رُئِيَ مِنَ النَّاسِ يَوْمَئِذٍ أَشَدُّ مِنْهُ. [راجع: ٢٨٦٤]

[3042] حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان سے ایک آدمی نے پوچھا: اے ابوعمارہ! کیا غزوۂ حنین کے موقع پر تم بھاگ گئے تھے؟ حضرت براء رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس دن راہ فرار اختیار نہیں کی تھی بلکہ ابوسفیان بن حارث رضی اللہ عنہ نے آپ کے خچر کی لگام کو پکڑا ہوا تھا، جب مشرکین نے آپ کا گھیراؤ کر لیا تو آپ نے اتر کر یہ کہنا شروع کر دیا: ''میں نبی ہوں، اس میں جھوٹ نہیں، میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔'' راوی کہتے ہیں: اس روز آپ سے بڑھ کر کوئی بہادر نہیں دیکھا گیا۔

فوائد ومسائل: ① اپنے قول یا فعل سے بہادری اور شجاعت کا اظہار کرنا دور جاہلیت کا وتیرہ تھا، نیز اس دور میں اپنے باپ دادا کی نسبت سے فخر کیا جاتا تھا جس سے اسلام نے منع فرمایا ہے، البتہ میدان جنگ میں دشمن کو مرعوب کرنے اور اپنے ساتھیوں کے حوصلے بلند کرنے کے لیے ایسا کرنا جائز ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ حنین کے موقع پر خود کو اپنے دادا کی طرف منسوب کیا جو بہادری اور شجاعت میں اونچا مقام رکھتے تھے، نیز حضرت سلمہ ابن اکوع رضی اللہ عنہ نے بھی ایسا کیا۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد ہے کہ ذاتی طور پر ایسا کرنا اگرچہ معیوب ہے لیکن کسی عظیم مقصد کے پیش نظر یہ انداز اختیار کرنے میں چنداں حرج نہیں اور میدان جنگ میں قومی نعرہ لگانا مذموم نہیں ہے۔ واللہ أعلم۔

(١٦٨) بَابٌ: إِذَا نَزَلَ الْعَدُوُّ عَلَى حُكْمِ رَجُلٍ

باب: 168- جب دشمن کسی دوسرے کے فیصلے پر قلعے سے نیچے اتر آئے

٣٠٤٣ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ أَبِي أُمَامَةَ -

[3043] حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ جب بنو قریظہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ

[1] صحیح مسلم، الجهاد والسير، حديث: 4678 (1807).

هُوَ ابْنُ سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ -، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: لَمَّا نَزَلَتْ بَنُو قُرَيْظَةَ عَلٰى حُكْمِ سَعْدٍ بَعَثَ رَسُولُ اللهِ ﷺ - وَكَانَ قَرِيبًا مِّنْهُ - فَجَاءَ عَلٰى حِمَارٍ، فَلَمَّا دَنَا قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «قُومُوا إِلٰى سَيِّدِكُمْ»، فَجَاءَ فَجَلَسَ إِلٰى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالَ لَهُ: «إِنَّ هٰؤُلَاءِ نَزَلُوا عَلٰى حُكْمِكَ»، قَالَ: فَإِنِّي أَحْكُمُ أَنْ تُقْتَلَ الْمُقَاتِلَةُ وَأَنْ تُسْبَى الذُّرِّيَّةُ، قَالَ: «لَقَدْ حَكَمْتَ فِيهِمْ بِحُكْمِ الْمَلِكِ». [انظر: ٣٨٠٤، ٤١٢١، ٦٢٦٢]

کی ثالثی پر ہتھیار ڈال کر قلعے سے اتر آئے تو رسول اللہ ﷺ نے انھیں پیغام بھیجا، حضرت سعد رضی اللہ عنہ وہیں قریب ہی ایک مقام پر پڑاؤ کیے ہوئے تھے، وہ گدھے پر (سوار ہو کر) تشریف لائے۔ جب قریب آئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اپنے سردار کے استقبال کے لیے اٹھو، چنانچہ وہ آئے اور رسول اللہ ﷺ کے قریب آ کر بیٹھ گئے۔ آپ نے ان سے فرمایا: ''ان لوگوں (یہود بنی قریظہ) نے آپ کی ثالثی پر ہتھیار ڈال دیے ہیں۔'' حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے یہ فیصلہ دیا کہ ان میں جو جنگجو ہیں انھیں قتل کر دیا جائے اور ان کی عورتوں اور بچوں کو غلام بنا لیا جائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم نے اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ کیا ہے۔''

فوائد و مسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ ہنگامی حالات میں ثالثی فیصلہ جائز ہے۔ چونکہ خوارج کے نزدیک ثالثی فیصلہ کفر ہے اور انھوں نے اس بنیاد پر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی تکفیر کر ڈالی، امام بخاری رحمہ اللہ ان کی تردید کرنا چاہتے ہیں کہ انھوں نے جس چیز کو بنیاد بنا کر ثالثی فیصلے کی حیثیت سے انکار کیا وہ محل نظر ہے۔ خود رسول اللہ ﷺ سے ایسا کرنا ثابت ہے۔ چونکہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ بنو قریظہ کے یہودیوں کی فطرت سے واقف تھے، اس لیے ان کا فیصلہ حالات حاضرہ کے عین مطابق تھا اور اس کے بغیر اسلامی ریاست میں قیام امن ناممکن تھا۔ ② بنو قریظہ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا انتخاب از خود کیا تھا، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اسے تسلیم کر لیا، بصورت دیگر اللہ تعالیٰ کا فیصلہ بھی سات آسمانوں کے اوپر یہی تھا جیسا کہ روایات میں ہے۔ واللہ أعلم.

(١٦٩) بَابُ قَتْلِ الْأَسِيرِ وَقَتْلِ الصَّبْرِ

باب: 169- قیدی کو قتل کرنا اور ایک جگہ روک کر نشانہ بنانا

٣٠٤٤ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ دَخَلَ عَامَ الْفَتْحِ وَعَلٰى رَأْسِهِ الْمِغْفَرُ، فَلَمَّا نَزَعَهُ جَاءَ رَجُلٌ فَقَالَ: إِنَّ ابْنَ خَطَلٍ مُتَعَلِّقٌ بِأَسْتَارِ الْكَعْبَةِ، فَقَالَ: «اقْتُلُوهُ». [راجع: ١٨٤٦]

[3044] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فتح مکہ کے دن جب شہر میں داخل ہوئے تو آپ نے اپنے سر مبارک پر خود پہن رکھا تھا۔ جب آپ اسے اتار رہے تھے تو ایک شخص نے آ کر آپ کو خبر دی کہ ابن خطل غلاف کعبہ سے لٹکا ہوا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسے (وہیں) قتل کر دو۔''

فوائد و مسائل: ① کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ قیدیوں کو قتل کرنا جائز نہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے ثابت کیا ہے کہ حالات اگر تقاضا کریں تو ایسا کرنا جائز ہے بلکہ اسے باندھ کر بھی مارا جا سکتا ہے، چنانچہ ابن خطل کے ساتھ یہی برتاؤ کیا گیا۔ وہ بدبخت مسلمان ہونے کے بعد مرتد ہوا، پھر وہ ایک مسلمان کا ناحق خون کر کے کافروں سے جا ملا اور اپنی لونڈیوں سے رسول اللہ ﷺ کی توہین کراتا تھا۔ ② رسول اللہ ﷺ نے اسے حرم ہی میں قتل کر دینے کا حکم دیا۔ اگرچہ حرم میں آنے والا امن کا حق دار ہے لیکن اس حدیث کے مطابق ابن خطل کا قتل مخصوص ہے، نیز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے کچھ وقت کے لیے حرم میں لڑائی کی اجازت دی گئی، اس کے بعد قیامت تک کسی کو حرم کی حرمت پامال کرنے کی اجازت نہیں۔''[1]

(١٧٠) بَابُ هَلْ يَسْتَأْسِرُ الرَّجُلُ؟ وَمَنْ لَّمْ يَسْتَأْسِرْ، وَمَنْ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ عِنْدَ الْقَتْلِ

باب: 170- کیا آدمی خود کو گرفتاری کے لیے پیش کر سکتا ہے؟ اور جو گرفتاری نہ دے (تو اس کا کیا حکم ہے؟)، نیز قتل کے وقت دو رکعت نماز پڑھنا

٣٠٤٥ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي عَمْرُو بْنُ أَبِي سُفْيَانَ بْنِ أَسِيدِ بْنِ جَارِيَةَ الثَّقَفِيُّ - وَهُوَ حَلِيفٌ لِّبَنِي زُهْرَةَ، وَكَانَ مِنْ أَصْحَابِ أَبِي هُرَيْرَةَ -: أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: بَعَثَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَشَرَةَ رَهْطٍ سَرِيَّةً عَيْنًا، وَأَمَّرَ عَلَيْهِمْ عَاصِمَ بْنَ ثَابِتٍ الْأَنْصَارِيَّ - جَدَّ عَاصِمِ بْنِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ - فَانْطَلَقُوا حَتّٰى إِذَا كَانُوا بِالْهَدَأَةِ وَهُوَ بَيْنَ عُسْفَانَ وَمَكَّةَ -، ذُكِرُوا لِحَيٍّ مِّنْ هُذَيْلٍ يُقَالُ لَهُمْ: بَنُو لِحْيَانَ، فَنَفَرُوا لَهُمْ قَرِيبًا مِّنْ مِّائَتَيْ رَجُلٍ كُلُّهُمْ رَامٍ، فَاقْتَصُّوا آثَارَهُمْ حَتّٰى وَجَدُوا مَأْكَلَهُمْ تَمْرًا تَزَوَّدُوهُ مِنَ الْمَدِينَةِ، فَقَالُوا: هٰذَا تَمْرُ يَثْرِبَ، فَاقْتَصُّوا آثَارَهُمْ، فَلَمَّا رَآهُمْ عَاصِمٌ وَّأَصْحَابُهُ

[3045] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے دس صحابہ پر مشتمل ایک جماعت کفار کی جاسوسی کے لیے روانہ فرمائی۔ آپ نے اس جماعت کا امیر حضرت عاصم بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے نانا حضرت عاصم بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا، چنانچہ وہ لوگ (مدینے سے) چلے گئے۔ جب وہ مقام ''ہدأۃ'' پر پہنچے جو عسفان اور مکہ کے درمیان ہے تو قبیلۂ ہذیل کی ایک شاخ بنولحیان کو کسی نے ان کی آمد کی خبر دی۔ اس قبیلے کے تقریباً دو سو تیر انداز ان کی تلاش میں نکلے اور ان کے قدموں کے نشانات سے اندازہ لگاتے ہوئے آخر ایسی جگہ پر پہنچ گئے جہاں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے بیٹھ کر کھجوریں کھائی تھیں جو وہ مدینہ طیبہ سے اپنے ہمراہ لے کر چلے تھے۔ تعاقب کرنے والوں نے کہا: یہ تو یثرب کی کھجوریں معلوم ہوتی ہیں۔ بالآخر وہ ان کے قدموں کے نشانات سے اندازہ لگاتے

① صحيح البخاري، جزاء الصيد، باب: 1834.

لَجَؤُوا إِلٰى فَدْفَدٍ، وَأَحَاطَ بِهِمُ الْقَوْمُ، فَقَالُوا لَهُمْ: انْزِلُوا وَأَعْطُونَا بِأَيْدِيكُمْ، وَلَكُمُ الْعَهْدُ وَالْمِيثَاقُ وَلَا نَقْتُلُ مِنكُمْ أَحَدًا، فَقَالَ عَاصِمُ ابْنُ ثَابِتٍ أَمِيرُ السَّرِيَّةِ: أَمَّا أَنَا فَوَاللهِ! لَا أَنْزِلُ الْيَوْمَ فِي ذِمَّةِ كَافِرٍ، اَللّٰهُمَّ أَخْبِرْ عَنَّا نَبِيَّكَ، فَرَمَوْهُمْ بِالنَّبْلِ، فَقَتَلُوا عَاصِمًا فِي سَبْعَةٍ، فَنَزَلَ إِلَيْهِمْ ثَلَاثَةُ رَهْطٍ بِالْعَهْدِ وَالْمِيثَاقِ مِنْهُمْ خُبَيْبٌ الْأَنْصَارِيُّ وَابْنُ دَثِنَةَ وَرَجُلٌ آخَرُ، فَلَمَّا اسْتَمْكَنُوا مِنْهُمْ أَطْلَقُوا أَوْتَارَ قِسِيِّهِمْ فَأَوْثَقُوهُمْ فَقَالَ الرَّجُلُ الثَّالِثُ: هٰذَا أَوَّلُ الْغَدْرِ، وَاللهِ لَا أَصْحَبُكُمْ إِنَّ لِي فِي هٰؤُلَاءِ لَأُسْوَةً - يُرِيدُ الْقَتْلَ - وَجَرَّرُوهُ وَعَالَجُوهُ عَلٰى أَنْ يَصْحَبَهُمْ فَأَبٰى فَقَتَلُوهُ، فَانْطَلَقُوا بِخُبَيْبٍ وَابْنِ دَثِنَةَ حَتّٰى بَاعُوهُمَا بِمَكَّةَ بَعْدَ وَقِيعَةِ بَدْرٍ، فَابْتَاعَ خُبَيْبًا بَنُو الْحَارِثِ بْنِ عَامِرِ بْنِ نَوْفَلِ بْنِ عَبْدِ مَنَافٍ، وَكَانَ خُبَيْبٌ هُوَ قَتَلَ الْحَارِثَ بْنَ عَامِرٍ يَوْمَ بَدْرٍ، فَلَبِثَ خُبَيْبٌ عِنْدَهُمْ أَسِيرًا، فَأَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عِيَاضٍ أَنَّ بِنْتَ الْحَارِثِ أَخْبَرَتْهُ أَنَّهُمْ حِينَ اجْتَمَعُوا اسْتَعَارَ مِنْهَا مُوسٰى يَسْتَحِدُّ بِهَا فَأَعَارَتْهُ، فَأَخَذَ ابْنًا لِّي وَأَنَا غَافِلَةٌ حَتّٰى أَتَاهُ، قَالَتْ: فَوَجَدْتُّهُ مُجْلِسَهُ عَلٰى فَخِذِهِ وَالْمُوسٰى بِيَدِهِ، فَفَزِعْتُ فَزْعَةً عَرَفَهَا خُبَيْبٌ فِي وَجْهِي، فَقَالَ: تَخْشَيْنَ أَنْ أَقْتُلَهُ، مَا كُنْتُ لِأَفْعَلَ ذٰلِكَ، وَاللهِ مَا رَأَيْتُ أَسِيرًا قَطُّ خَيْرًا مِّنْ خُبَيْبٍ، وَاللهِ لَقَدْ وَجَدْتُّهُ يَوْمًا يَّأْكُلُ مِنْ قِطْفِ عِنَبٍ فِي يَدِهِ وَإِنَّهُ لَمُوثَقٌ فِي الْحَدِيدِ وَمَا

ہوئے آگے بڑھے۔ جب عاصم اور ان کے ساتھیوں نے انھیں دیکھ لیا تو انھوں نے پہاڑ کی ایک چوٹی پر پناہ لے لی۔ مشرکین نے ان سے کہا کہ ہتھیار ڈال کر نیچے آ جاؤ، تم سے ہمارا عہد و پیمان ہے کہ ہم تم میں سے کسی شخص کو قتل نہیں کریں گے۔ مہم کے امیر حضرت عاصم بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! میں تو آج کسی صورت میں کافر کی پناہ قبول نہیں کروں گا، پھر دعا کی: اے اللہ! ہماری طرف سے اپنے نبی کو ان حالات کی اطلاع کر دے۔ بہرحال ان پر کافروں نے تیر برسانے شروع کر دیے اور حضرت عاصم کو سات ساتھیوں سمیت شہید کر ڈالا۔ باقی تین صحابی حضرت خبیب انصاری، ابن دثنہ اور ایک تیسرا شخص ان کے عہد و پیمان پر چوٹی سے نیچے اتر آئے۔ جب یہ تینوں صحابی پوری طرح ان کے نرغے میں آ گئے تو انھوں نے اپنی کمانوں کی تانتیں اتار کر انھیں باندھ دیا۔ تیسرے آدمی نے کہا: اللہ کی قسم! یہ تمھاری پہلی غداری ہے، اس لیے میں تو تمھارے ساتھ ہرگز نہیں جاؤں گا بلکہ میں تو اپنے پیش رووں کا نمونہ اختیار کروں گا، ان کی مراد شہداء سے تھی، چنانچہ مشرکین انھیں گھسیٹنے لگے اور زبردستی اپنے ساتھ لے جانا چاہا۔ جب وہ کسی بھی طرح ساتھ جانے پر آمادہ نہ ہوئے تو ان لوگوں نے انھیں شہید کر دیا۔ اب یہ حضرت خبیب اور ابن دثنہ رضی اللہ عنہما کو ساتھ لے کر چلے اور مکہ پہنچ کر انھیں فروخت کر دیا۔ یہ جنگ بدر کے بعد کا واقعہ ہے، چنانچہ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو حارث بن عامر بن نوفل بن عبد مناف کے بیٹوں نے خرید لیا کیونکہ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے غزوۂ بدر میں حارث بن عامر کو قتل کیا تھا۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ ان کے ہاں چند دن قیدی رہے۔ راوی کہتا ہے کہ مجھے عبیداللہ بن عیاض نے بتایا، انھیں حارث کی بیٹی نے خبر دی کہ جب انھوں نے

بِمَكَّةَ مِنْ ثَمَرٍ، وَكَانَتْ تَقُولُ: إِنَّهُ لَرِزْقٌ مِّنَ اللهِ رَزَقَهُ خُبَيْبًا، فَلَمَّا خَرَجُوا مِنَ الْحَرَمِ لِيَقْتُلُوهُ فِي الْحِلِّ قَالَ لَهُمْ خُبَيْبٌ: ذَرُونِي أَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ، فَتَرَكُوهُ فَرَكَعَ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ قَالَ: لَوْلَا أَنْ تَظُنُّوا أَنَّ مَا بِي جَزَعٌ لَطَوَّلْتُهَا، اَللّٰهُمَّ أَحْصِهِمْ عَدَدًا:

خبیب رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے پر اتفاق کر لیا تو حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے زیر ناف بالوں کی صفائی کے لیے اس سے استرا مانگا، تو اس نے عاریتاً انھیں استرا فراہم کر دیا۔ میری بے خبری میں میرا بیٹا حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کے پاس آیا تو انھوں نے اسے پکڑ کر اپنی ران پر بٹھا لیا جبکہ استرا ان کے ہاتھ میں تھا۔ میں اس قدر پریشان ہوئی کہ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے میری گھبراہٹ کو میرے چہرے سے بھانپ لیا۔ انھوں نے کہا: تمھیں اس بات کا اندیشہ ہے کہ میں اسے قتل کر دوں گا؟ (نہیں، نہیں) میں یہ اقدام ہرگز نہیں کروں گا۔ عورت کا بیان ہے کہ اللہ کی قسم! خبیب سے بہتر میں نے کبھی کوئی قیدی نہیں دیکھا۔ اللہ کی قسم! میں نے ایک دن دیکھا کہ خوشۂ انگور ان کے ہاتھ میں ہے اور وہ مزے سے انھیں کھا رہے ہیں، حالانکہ وہ لوہے کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے اور مکہ مکرمہ میں پھلوں کا موسم بھی نہیں تھا۔ وہ کہتی تھی: بلاشبہ یہ تو اللہ کی طرف سے رزق تھا جو اس نے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو عطا کیا تھا۔ بہرحال جب وہ لوگ انھیں قتل کرنے کے لیے حرم کی حدود سے باہر لے گئے تو ان سے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھے دو رکعتیں ادا کرنے کی مہلت دو تو انھوں نے چھوڑ دیا۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے دو رکعتیں ادا کیں، پھر کہا: اگر تم میرے متعلق بدگمانی نہ کرتے کہ میں قتل سے گھبرا گیا ہوں تو میں اپنی نماز کو ضرور طویل کرتا۔ پھر انھوں نے دعا کی: اے اللہ! ان کو چن چن کر صفحۂ ہستی سے مٹا دے۔ پھر یہ اشعار پڑھے:

وَلَسْتُ أُبَالِي حِينَ أُقْتَلُ مُسْلِمًا
عَلٰى أَيِّ شِقٍّ كَانَ لِلّٰهِ مَصْرَعِي
وَذٰلِكَ فِي ذَاتِ الْإِلٰهِ وَإِنْ يَشَأْ

”جب میں مسلمان ہو کر قتل کیا جا رہا ہوں تو اس بات کی کوئی پروا نہیں کہ اللہ کی راہ میں مجھے کس پہلو پر گر کر مرنا ہو گا۔ یہ سب کچھ اللہ کی خوشنودی کے لیے ہے۔ اگر اللہ

يُبَارِكْ عَلٰى أَوْصَالِ شِلْوٍ مُمَزَّعِ

چاہے تو میرے بریدہ جسم کے جوڑ جوڑ میں برکت پیدا فرما دے۔"

فَقَتَلَهُ ابْنُ الْحَارِثِ، فَكَانَ خُبَيْبٌ هُوَ سَنَّ الرَّكْعَتَيْنِ لِكُلِّ امْرِىءٍ مُّسْلِمٍ قُتِلَ صَبْرًا.

آخر حارث کے بیٹے (عقبہ) نے ان کو شہید کر دیا۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے ہر مسلمان کے لیے دو رکعتیں پڑھنے کا طریقہ جاری کر دیا جسے باندھ کر قتل کیا جائے۔

فَاسْتَجَابَ اللّٰهُ لِعَاصِمِ بْنِ ثَابِتٍ يَوْمَ أُصِيبَ، فَأَخْبَرَ النَّبِيُّ ﷺ أَصْحَابَهُ خَبَرَهُمْ وَمَا أُصِيبُوا. وَبَعَثَ نَاسٌ مِّنْ كُفَّارِ قُرَيْشٍ إِلٰى عَاصِمٍ حِينَ حُدِّثُوا أَنَّهُ قُتِلَ لِيُؤْتَوْا بِشَيْءٍ مِّنْهُ يُعْرَفُ، وَكَانَ قَدْ قَتَلَ رَجُلًا مِّنْ عُظَمَائِهِمْ يَوْمَ بَدْرٍ، فَبُعِثَ عَلٰى عَاصِمٍ مِّثْلُ الظُّلَّةِ مِنَ الدَّبْرِ فَحَمَتْهُ مِنْ رُّسُلِهِمْ فَلَمْ يَقْدِرُوا عَلٰى أَنْ يَّقْطَعُوا مِنْ لَّحْمِهِ شَيْئًا. [انظر: ٣٩٨٩، ٤٠٨٦، ٧٤٠٢]

دوسری طرف حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ کی دعا کو اللہ نے شرف قبولیت سے نوازا۔ نبی ﷺ نے اپنے صحابۂ کرام کو اس جگر پاش واقعے کی اطلاع دی اور جن جن آزمائشوں سے وہ دوچار ہوئے تھے ان سب حالات سے انھیں آگاہ کیا، نیز کفار قریش کو جب حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کے شہید ہونے کی خبر ملی تو انھوں نے کچھ آدمی روانہ کیے تاکہ ان کے جسم کا کوئی حصہ کاٹ لائیں جس سے ان کی شناخت ممکن ہو کیونکہ انھوں نے بدر کی لڑائی میں ان کے بڑے سردار کو جہنم واصل کیا تھا۔ حضرت عاصم رضی اللہ عنہ پر سیاہ بادل کی طرح شہد کی مکھیوں کا ایک جتھا بھیج دیا گیا جنھوں نے کفار کے قاصدوں سے ان کے جسم کو محفوظ رکھا، چنانچہ وہ ان کے گوشت سے کچھ بھی کاٹنے پر قادر نہ ہو سکے۔

فوائد ومسائل: ① حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے والے ابوسروعہ عقبہ بن حارث ہیں۔[1] یہ بعد میں مسلمان ہو گئے تھے، نیز یہ وہی عقبہ بن حارث ہیں جنھوں نے ابواہاب بن عزیز کی بیٹی سے شادی کی تھی، پھر ایک سیاہ فام عورت نے بتایا کہ میں نے تجھے اور تیری بیوی دونوں کو دودھ پلایا ہے تو انھوں نے مسئلے کی تحقیق کے لیے مکہ سے مدینہ طیبہ کا سفر کیا، بالآخر انھوں نے اپنی بیوی سے علیحدگی اختیار کر لی۔[2] ② امام بخاری رحمہ اللہ کا عنوان تین اجزاء پر مشتمل ہے: ایک یہ کہ کیا انسان خود کو گرفتاری کے لیے پیش کر سکتا ہے؟ اس کے ثبوت کے لیے حضرت خبیب اور حضرت ابن دثنہ کا واقعہ ہے کہ انھوں نے خود کو کفار کے سامنے گرفتاری کے لیے پیش کیا، بالآخر جام شہادت نوش فرمایا۔ دوسرا یہ کہ انسان خود کو گرفتاری کے لیے پیش کرنے کی بجائے اپنی جان پر کھیل جائے اور سر دھڑ کی بازی لگا دے۔ ایسا کرنا بھی جائز بلکہ بہتر ہے کیونکہ حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ نے گرفتاری دینے کی بجائے اپنی جان پر کھیلنے کو ترجیح دی اور اپنے ساتھیوں سمیت میدان کارزار میں کام آئے۔ تیسرا یہ ہے کہ عین شہادت کے موقع پر دو رکعت

1 صحيح البخاري، المغازي، حديث: 3989. 2 صحيح البخاري، العلم، حديث: 88.

پڑھنا، اس کے ثبوت کے لیے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کا کردار پیش کیا کہ انھوں نے رب سے حقیقی ملاقات سے قبل روحانی ملاقات کی خواہش کی اور اسے عملی جامہ پہنایا۔ ③ ہمارے نزدیک عزیمت یہ ہے کہ انسان گرفتاری دینے کی بجائے خود کو اللہ کے حضور قربانی کے لیے پیش کر دے کیونکہ گرفتاری دینے سے ممکن ہے کہ اس سے کوئی ملکی یا قومی راز حاصل کیے جا سکیں جو ملک وملت کے لیے نقصان دہ ثابت ہوں، ہاں اگر حضرت خبیب رضی اللہ عنہ جیسا مستقل مزاج مجاہد ہو تو گرفتاری دینے کی اجازت ہے، البتہ عزیمت کے مرتبے کو نہیں پہنچ سکے گا۔ واضح رہے کہ اس واقعے سے خود کش حملوں کا جواز کشیدہ کرنا محل نظر ہے۔ ④ مقام غور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ کے جسم کی بھڑوں کے ذریعے سے حفاظت کی لیکن کفار کے ہاتھوں انھیں قتل ہونے سے محفوظ نہ کیا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ شہادت تو مومن کا مقصود و مطلوب ہے لیکن مرنے کے بعد ان کے جسم کا کوئی حصہ کاٹنا ان کی توہین تھی، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ایسا بندوبست فرمایا کہ کافروں کو ان کے جسم کا کوئی حصہ کاٹنے کی جرأت نہ ہوئی۔ واللہ أعلم.

(١٧١) بَابُ فَكَاكِ الْأَسِيرِ

باب: 171- قیدی کو رہا کرنا

٣٠٤٦ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ أَبِي مُوسَى رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «فُكُّوا الْعَانِيَ - أَيِ: الْأَسِيرَ - وَأَطْعِمُوا الْجَائِعَ، وَعُودُوا الْمَرِيضَ». [انظر: ٥١٧٤، ٥٣٧٣، ٥٦٤٩، ٧١٧٣]

[3046] حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”قیدی کو رہا کراؤ، بھوکے کو کھانا کھلاؤ اور بیمار انسان کی تیمار داری کرو۔“

فائدہ: دشمن کی قید سے مسلمان قیدی کو رہا کرانا ضروری ہے، خواہ تبادلے، معاوضے یا کسی اور طریقے سے ہو۔ اسی طرح بھوکے کو کھانا کھلانا بھی اخلاقی فرض ہے، البتہ بیمار کی تیمار داری ایک مستحب امر ہے۔ شارح بخاری ابن بطال نے کہا ہے: اگر دشمن کے پاس مسلمان قیدی ہوں تو انھیں رہائی دلانا فرض کفایہ ہے، اس پر تمام علمائے امت کا اتفاق ہے۔①

٣٠٤٧ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ: حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ: حَدَّثَنَا مُطَرِّفٌ أَنَّ عَامِرًا حَدَّثَهُمْ عَنْ أَبِي جُحَيْفَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قُلْتُ لِعَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: هَلْ عِنْدَكُمْ شَيْءٌ مِّنَ الْوَحْيِ إِلَّا مَا فِي كِتَابِ اللهِ؟ قَالَ: لَا وَالَّذِي فَلَقَ الْحَبَّةَ وَبَرَأَ النَّسَمَةَ، مَا أَعْلَمُهُ إِلَّا فَهْمًا يُعْطِيهِ اللهُ رَجُلًا فِي الْقُرْآنِ، وَمَا فِي هٰذِهِ الصَّحِيفَةِ، قُلْتُ: وَمَا فِي

[3047] حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا کتاب اللہ کے علاوہ بھی وحی کا کچھ حصہ تمھارے پاس موجود ہے؟ انھوں نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس نے دانے کو پھاڑا اور جان کو پیدا کیا! مجھے تو کسی ایسی وحی کا علم نہیں، البتہ فہم و فراست ایک دوسری چیز ہے جو اللہ تعالیٰ قرآن فہمی کے لیے عطا کرتا ہے یا جو اس دستاویز میں ہے۔ میں نے عرض

① فتح الباري: 201/6.

الصَّحِيفَةِ؟ قَالَ: اَلْعَقْلُ، وَفَكَاكُ الْأَسِيرِ، وَأَنْ لَّا يُقْتَلَ مُسْلِمٌ بِكَافِرٍ. [راجع: ١١١]

کیا: اس صحیفے میں کیا ہے؟ انھوں نے فرمایا: اس میں دیت کے مسائل، قیدی کو رہائی دلانے کی فضیلت اور یہ کہ کسی مسلمان کو کافر کے بدلے قتل نہ کیا جائے۔

فوائد ومسائل: ① شیعہ حضرات حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ''وصی رسول اللہ'' کہتے ہیں۔ اس حدیث سے ان کی تردید ہوتی ہے کیونکہ ان کا اپنا بیان ہے کہ اس صحیفے میں دیت کے مسائل اور قیدیوں کی رہائی کے احکام ہیں، اگر وصی ہوتے تو اس میں وصیت کا بھی ذکر ہوتا، بلکہ ان حضرات کا یہ کہنا بھی جھوٹ ہے کہ بہت سی قرآنی آیات ایسی ہیں جو رسول اللہ ﷺ نے عام لوگوں کو نہیں بتائیں صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اہل بیت کو ان سے آگاہ کیا ہے۔ معاذ اللہ. ② حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی اس کی تردید منقول ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث سے قیدیوں کی رہائی کا مسئلہ ثابت کیا ہے۔

(١٧٢) بَابُ فِدَاءِ الْمُشْرِكِينَ

باب: 172- مشرک قیدیوں سے فدیہ لینا

٣٠٤٨ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبِي أُوَيْسٍ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ عُقْبَةَ عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ: حَدَّثَنِي أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رِجَالًا مِّنَ الْأَنْصَارِ اسْتَأْذَنُوا رَسُولَ اللهِ ﷺ فَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ! ائْذَنْ فَلْنَتْرُكْ لِابْنِ أُخْتِنَا عَبَّاسٍ فِدَاءَهُ؟ فَقَالَ: «لَا تَدَعُونَ مِنْهَا دِرْهَمًا».

[راجع: ٢٥٣٧]

[3048] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انصار کے کچھ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: اللہ کے رسول! آپ حکم دیں تو ہم اپنے بھانجے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے لیے ان کا فدیہ معاف کر دیں؟ آپ نے فرمایا: ''نہیں، تم ان کے فدیے سے ایک درہم بھی نہ چھوڑو۔''

فوائد ومسائل: ① کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ مشرک قیدی سے فدیہ لے کر اسے رہا کرنا جائز نہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے ثابت کیا ہے کہ مسلمانوں کو اگر مال کی ضرورت ہو تو مشرکین سے فدیہ لے کر انھیں چھوڑا جا سکتا ہے، چنانچہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ جب غزوۂ بدر میں قیدی بنے تو انصار نے ان کا فدیہ معاف کرنے کی پیشکش کی تو رسول اللہ ﷺ نے اسے ٹھکرا دیا۔ ② رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کا حق وصول کرنے میں اپنے حقیقی چچا سے بھی کوئی رعایت نہ کی۔ اس طرح آپ نے دینی معاملات میں رشتے داری کی بنیاد پر سفارش کرنے کا دروازہ بھی ہمیشہ کے لیے بند کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد گرامی میں یہ بھی مصلحت تھی کہ اپنے حقیقی چچا سے رعایت کرنا دوسروں کے لیے بدظنی کا ذریعہ بن سکتا ہے، اس لیے آپ نے صاف صاف انکار کر دیا۔

٣٠٤٩ - وَقَالَ إِبْرَاهِيمُ بْنُ طَهْمَانَ عَنْ عَبْدِ

[3049] حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے، انھوں

الْعَزِيزِ بْنِ صُهَيْبٍ، عَنْ أَنَسٍ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أُتِيَ بِمَالٍ مِّنَ الْبَحْرَيْنِ، فَجَاءَهُ الْعَبَّاسُ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! أَعْطِنِي، فَإِنِّي فَادَيْتُ نَفْسِي، وَفَادَيْتُ عَقِيلًا، فَقَالَ: «خُذْ»، فَأَعْطَاهُ فِي ثَوْبِهِ. [راجع: ٤٢١]

نے فرمایا کہ نبی ﷺ کے پاس جب بحرین کا مال لایا گیا تو آپ کے ہاں حضرت عباس ؓ حاضر ہوئے اور عرض کیا: اللہ کے رسول! اس مال میں سے مجھے بھی دیجیے! کیونکہ میں نے اپنی جان کا فدیہ بھی دیا ہے اور عقیل کو بھی رہائی دلائی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''آپ (مال لے) لیں۔'' پھر اس کے کپڑے میں بھر کر اسے مال عطا فرمایا۔

فوائد ومسائل: ① اس حدیث سے ابن بطال نے یہ ثابت کیا ہے کہ مشرکین کو مال زکاۃ دینا جائز ہے، حالانکہ یہ ثبوت محل نظر ہے کیونکہ بحرین سے آمدہ مال زکاۃ کا نہ تھا بلکہ وہ مال خراج یا جزیے کا تھا، اس لیے حضرت عباس ؓ کا لینا جائز ہوا کیونکہ وہ مال زکاۃ کے قطعاً حق دار نہ تھے۔ ② بہرحال امام بخاری ؒ نے اس سے یہ ثابت کیا ہے کہ بوقت ضرورت مشرکین قیدیوں سے مال وغیرہ لے کر انھیں رہائی دی جاسکتی ہے۔

٣٠٥٠ - حَدَّثَنَا مَحْمُودٌ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنْ أَبِيهِ - وَكَانَ جَاءَ فِي أُسَارَى بَدْرٍ - قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقْرَأُ فِي الْمَغْرِبِ بِالطُّورِ. [راجع: ٧٦٥]

[3050] حضرت جبیر بن مطعم ؓ سے روایت ہے، وہ بدر کے قیدیوں کو چھڑانے کے سلسلے میں حاضر ہوئے تھے، انھوں نے کہا کہ میں نے نبی ﷺ کو نماز مغرب میں سورۂ طور پڑھتے سنا تھا۔

فوائد ومسائل: حضرت جبیر بن مطعم قریش کے سرداروں میں سے تھے۔ وہ فتح مکہ کے وقت مسلمان ہوئے۔ غزوۂ بدر میں جو مشرکین قید ہوئے تھے وہ انھیں چھڑانے کے لیے مدینہ طیبہ آئے۔ اس وقت وہ مسلمان نہیں تھے۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے قیدیوں کی رہائی کے متعلق گفتگو کی تو آپ نے فرمایا: ''اگر تمھارا باپ آج زندہ ہوتا اور ان پلید لوگوں کی سفارش کرنے آتا تو میں ضرور قبول کر لیتا۔''[1] اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے والد کا رسول اللہ ﷺ پر ایک احسان تھا کہ جب آپ طائف سے واپس ہوئے تو مطعم بن عدی نے آپ کی حفاظت کا ذمہ لیا تھا۔ حضرت جبیر ؓ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے نماز مغرب میں سورۂ طور کی یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخَالِقُوْنَ......﴾ ''کیا وہ بغیر کسی خالق کے پیدا ہو گئے ہیں یا وہ خود اپنے خالق ہیں......''[2] تو میرا دل مارے خوف کے ٹکڑے ٹکڑے ہو رہا تھا۔[3] ایک روایت میں ہے: اسی وقت ایمان میرے اندر جاگزیں ہو گیا۔[4]

---

① صحيح البخاري، المغازي، حديث: 4024. ② الطور 52:35. ③ صحيح البخاري، التفسير، حديث: 4854.
④ صحيح البخاري، المغازي، حديث: 4023.

(۱۷۳) بَابُ الْحَرْبِيِّ إِذَا دَخَلَ دَارَ الْإِسْلَامِ بِغَيْرِ أَمَانٍ

باب: 173- جب جنگجو کافر مسلمانوں کے علاقے میں امان کے بغیر چلا آئے

۳۰۵۱ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ : حَدَّثَنَا أَبُو الْعُمَيْسِ عَنْ إِيَاسِ بْنِ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: أَتَى النَّبِيَّ ﷺ عَيْنٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ - وَهُوَ فِي سَفَرٍ - فَجَلَسَ عِنْدَ أَصْحَابِهِ يَتَحَدَّثُ، ثُمَّ انْفَتَلَ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «اطْلُبُوهُ وَاقْتُلُوهُ»، فَقَتَلْتُهُ، فَنَفَّلَهُ سَلَبَهُ.

[3051] حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ کے پاس مشرکین کا ایک جاسوس آیا جبکہ آپ سفر میں تھے۔ وہ صحابۂ کرام کے پاس بیٹھ کر باتیں کرتا رہا، پھر اٹھ کر چل دیا تو نبی ﷺ نے فرمایا: ''اسے ڈھونڈ کر قتل کر ڈالو۔'' (حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا:) میں نے اسے قتل کیا تو آپ نے انھیں اس جاسوس کا سامان بھی دلا دیا۔

فوائد ومسائل: ① حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے جس شخص کو قتل کیا تھا وہ جنگجو تھا اور امان لیے بغیر ہی چلا آیا تھا۔ اگرچہ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ وہ امان لے کر آیا تھا لیکن جب اس نے اپنا کام کر لیا اور جاسوسی پوری کر لی تو جلدی سے اٹھا اور تیزی سے دوڑنے لگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ امان لیے بغیر دارالاسلام میں داخل ہوا تھا، اس لیے اسے قتل کر دیا گیا۔ ② اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے کہ جنگ کی جاسوسی کرنے والے کو قتل کر دیا جائے۔ یہ جنگ ہوازن کا واقعہ ہے۔ قبل ازیں مال غنیمت کے احکام نازل ہو چکے تھے کہ وہ صرف اللہ کے لیے ہے لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس عام قرآنی حکم کو خاص فرمایا کہ کافر کا ساز وسامان اسے قتل کرنے والے کو ملتا ہے۔[1]

(۱۷٤) بَابٌ: يُقَاتَلُ عَنْ أَهْلِ الذِّمَّةِ وَلَا يُسْتَرَقُّونَ

باب: 174- اہل ذمہ کا دفاع کیا جائے اور انھیں غلام نہ بنایا جائے

۳۰۵۲ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ حُصَيْنٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ مَيْمُونٍ عَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: وَأُوصِيهِ بِذِمَّةِ اللهِ وَذِمَّةِ رَسُولِهِ ﷺ أَنْ يُوَفَّى لَهُمْ بِعَهْدِهِمْ، وَأَنْ يُقَاتَلَ مِنْ وَّرَائِهِمْ، وَلَا يُكَلَّفُوا إِلَّا طَاقَتَهُمْ.

[راجع: ١٣٩٢]

[3052] حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ میں اپنے بعد آنے والے خلیفہ کو اس امر کی وصیت کرتا ہوں کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا (اہل ذمہ سے) جو عہد و پیمان ہے وہ اسے پورا کرے اور ان کی حمایت کرتے ہوئے دشمنوں سے جنگ کرے اور انھیں ان کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دی جائے۔

1 فتح الباري: 204/6.

فائدہ: ذمی، اس غیر مسلم کو کہا جاتا ہے جو ٹیکس ادا کر کے اسلامی حکومت کی حدود میں رہتا ہو۔ اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ وہ ذمیوں کی حفاظت کرے اور ان سے بدعہدی نہ کی جائے۔ ان کے حق میں وصیت کرنے کا تقاضا ہے کہ عہد توڑنے کی صورت میں انھیں غلام نہ بنایا جائے جبکہ ابن قاسم کا موقف ہے کہ عہد توڑنے کی صورت میں انھیں غلام بنایا جا سکتا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے ان کی تردید کرتے ہوئے مذکورہ عنوان قائم کیا ہے۔ ائمۂ اربعہ کا اس امر پر اجماع ہے کہ انھیں غلام بنانا جائز نہیں بلکہ اگر ان پر کسی طرف سے کوئی حملہ ہو تو ان کا دفاع کرتے ہوئے ان کے دشمنوں سے جنگ کرنا ضروری ہے، نیز ان سے کسی قسم کی بدعہدی کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

(١٧٥) بَابُ جَوَائِزِ الْوَفْدِ

باب: 175- وفد، یعنی سفیروں کو انعام دینا

وضاحت: اس کا مطلب یہ ہے کہ سفیروں کی مہمان نوازی کی جائے اور حتی الامکان ان کی مدد کی جائے، خواہ وفد میں آنے والے لوگ کافر ہوں یا مسلمان، بہر حال ان کی تعظیم و اکرام ضروری ہے۔

(١٧٦) بَابٌ: هَلْ يُسْتَشْفَعُ إِلَى أَهْلِ الذِّمَّةِ؟ وَمُعَامَلَتُهُمْ

باب: 176- ذمیوں کی سفارش اور ان سے معاملہ کرنا

٣٠٥٣ - حَدَّثَنَا قَبِيصَةُ: حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ سُلَيْمَانَ الْأَحْوَلِ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَنَّهُ قَالَ: يَوْمُ الْخَمِيسِ، وَمَا يَوْمُ الْخَمِيسِ؟ ثُمَّ بَكَى حَتَّى خَضَبَ دَمْعُهُ الْحَصْبَاءَ، فَقَالَ: اشْتَدَّ بِرَسُولِ اللهِ ﷺ وَجَعُهُ يَوْمَ الْخَمِيسِ فَقَالَ: «ائْتُونِي بِكِتَابٍ أَكْتُبْ لَكُمْ كِتَابًا لَنْ تَضِلُّوا بَعْدَهُ أَبَدًا»، فَتَنَازَعُوا وَلَا يَنْبَغِي عِنْدَ نَبِيٍّ تَنَازُعٌ، فَقَالُوا: هَجَرَ رَسُولُ اللهِ ﷺ قَالَ: «دَعُونِي فَالَّذِي أَنَا فِيهِ خَيْرٌ مِمَّا تَدْعُونِي إِلَيْهِ»، وَأَوْصَى عِنْدَ مَوْتِهِ بِثَلَاثٍ: «أَخْرِجُوا الْمُشْرِكِينَ مِنْ جَزِيرَةِ الْعَرَبِ، وَأَجِيزُوا الْوَفْدَ بِنَحْوِ مَا كُنْتُ أُجِيزُهُمْ»، وَنَسِيتُ الثَّالِثَةَ.

[3053] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: جمعرات کا دن! کیا ہے جمعرات کا دن! اس کے بعد وہ اس قدر روئے کہ آنسوؤں سے زمین کی کنکریاں تر ہو گئیں۔ پھر کہنے لگے کہ جمعرات کے دن رسول اللہ ﷺ کی بیماری زیادہ ہو گئی تو آپ نے فرمایا: ”میرے پاس لکھنے کے لیے کچھ لاؤ تا کہ میں تمھیں ایک تحریر لکھوا دوں، تم اس کے بعد ہرگز گمراہ نہیں ہو گے۔“ لیکن لوگوں نے اختلاف کیا اور نبی کے پاس جھگڑنا مناسب نہیں۔ پھر لوگوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ تو جدائی کی باتیں کر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ”مجھے چھوڑ دو کیونکہ میں جس حالت میں ہوں وہ اس سے بہتر ہے جس کی جانب تم مجھے بلا رہے ہو۔“ اور آپ نے اپنی وفات کے وقت تین باتوں کی وصیت فرمائی: ”مشرکین کو جزیرۂ عرب سے نکال دینا اور قاصدوں کو اسی

طرح انعام دینا جس طرح میں دیتا تھا۔" راوی کہتا ہے کہ میں تیسری بات بھول گیا ہوں۔

وَقَالَ يَعْقُوبُ بْنُ مُحَمَّدٍ: سَأَلْتُ الْمُغِيرَةَ ابْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ جَزِيرَةِ الْعَرَبِ فَقَالَ: مَكَّةُ وَالْمَدِينَةُ وَالْيَمَامَةُ وَالْيَمَنُ. قَالَ يَعْقُوبُ: وَالْعَرْجُ أَوَّلُ تِهَامَةَ. [راجع: ١١٤]

مغیرہ بن عبدالرحمٰن نے جزیرۂ عرب کے متعلق فرمایا کہ وہ مکہ، مدینہ، یمامہ اور یمن ہے۔ ان کے شاگرد یعقوب نے کہا: اور مقام عرج جہاں سے تہامہ شروع ہوتا ہے۔

فوائد ومسائل: ① حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے ہر دو عنوان کے لیے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث بیان کی ہے کیونکہ وفد کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی اس حدیث میں صراحت ہے، نیز اس سے معلوم ہوا کہ جب اہل ذمہ، مشرکین جیسی حرکات پر اتر آئیں تو ان کے ساتھ مشرکین جیسا سلوک کرنا چاہیے۔ ② بظاہر اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے متعلق کچھ تحریر کرانا چاہتے تھے کیونکہ صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: "اپنے باپ اور بھائی کو بلاؤ، مجھے اندیشہ ہے کہ کوئی اور اس خلافت کی تمنا کر بیٹھے کہ میں اس کا حق رکھتا ہوں، پھر فرمایا: اللہ تعالیٰ اور دیگر اہل اسلام ابوبکر صدیق کے علاوہ کسی اور کو تسلیم نہیں کریں گے۔"[1] ③ واضح رہے کہ مذکورہ حدیث "حدیث قرطاس" کے نام سے مشہور ہے۔ اس سے متعلق کچھ مباحث پہلے بیان ہو چکے ہیں دیکھیے: حدیث: 114 کے فوائد۔ تیسری چیز جسے راوی بھول گیا تھا وہ درج ذیل اشیاء میں سے کوئی ایک ہوسکتی ہے: * جیش اسامہ کی تیاری۔ * قرآن کریم سے گہرا رشتہ اور اسے مضبوطی سے تھامنا۔ * رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک کو اجتماع گاہ نہ بنایا جائے کہ اس کی عبادت شروع ہو جائے۔ وفات سے پہلے ان چیزوں کی وصیت کے متعلق بھی احادیث منقول ہیں۔ واللہ أعلم.

(١٧٧) بَابُ التَّجَمُّلِ لِلْوَفْدِ

باب: 177- وفود کی آمد پر خود کو آراستہ کرنا

٣٠٥٤ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ: أَنَّ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: وَجَدَ عُمَرُ حُلَّةَ اسْتَبْرَقٍ تُبَاعُ فِي السُّوقِ فَأَتَى بِهَا رَسُولَ اللهِ ﷺ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! اِبْتَعْ هٰذِهِ الْحُلَّةَ فَتَجَمَّلْ بِهَا لِلْعِيدِ وَالْوَفْدِ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ

[3054] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک ریشمی جوڑا بازار میں فروخت ہوتا پایا تو وہ اسے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لائے اور عرض کیا: اللہ کے رسول! آپ یہ جوڑا خرید لیں تاکہ عید اور وفود کی آمد پر اسے زیب تن کیا کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "یہ لباس تو ان لوگوں کے لیے ہے جن کا آخرت میں کوئی حصہ

[1] صحیح مسلم، فضائل الصحابة، حدیث: 6181 (2387).

ﷺ: «إِنَّمَا هٰذِهِ لِبَاسُ مَنْ لَّا خَلَاقَ لَهُ» - أَوْ إِنَّمَا يَلْبَسُ هٰذِهِ مَنْ لَّا خَلَاقَ لَهُ - فَلَبِثَ مَا شَاءَ اللهُ ثُمَّ أَرْسَلَ إِلَيْهِ النَّبِيُّ ﷺ بِجُبَّةِ دِيبَاجٍ فَأَقْبَلَ بِهَا عُمَرُ حَتّٰى أَتٰى بِهَا رَسُولَ اللهِ ﷺ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! قُلْتَ: «إِنَّمَا هٰذِهِ لِبَاسُ مَنْ لَّا خَلَاقَ لَهُ أَوْ إِنَّمَا يَلْبَسُ هٰذِهِ مَنْ لَّا خَلَاقَ لَهُ»، ثُمَّ أَرْسَلْتَ إِلَيَّ بِهٰذِهِ، فَقَالَ: «تَبِيعُهَا أَوْ تُصِيبُ بِهَا بَعْضَ حَاجَتِكَ». [راجع: ٨٨٦]

نہیں ہوتا۔" یا (فرمایا:) "یہ تو وہی لوگ پہنتے ہیں جن کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہوتا۔" پھر اللہ تعالیٰ نے جتنے دن چاہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ خاموش رہے آخر ایک دن نبی ﷺ نے ایک ریشمی جبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسے لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اللہ کے رسول! آپ نے فرمایا تھا: "یہ ان لوگوں کا لباس ہے جن کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہوتا یا اسے وہ لوگ پہنتے ہیں جن کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔" اس کے باوجود آپ نے اسے میری طرف ارسال فرمایا ہے؟ آپ نے فرمایا: "تم اسے فروخت کر دو۔" یا (فرمایا:) "اس سے اپنی کوئی اور ضرورت پوری کر لو۔"

فوائد و مسائل: ① چادر اور تہبند پر مشتمل ریشمی لباس کو حلہ کہا جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ریشمی ہونے کی وجہ سے اسے زیب تن کرنے سے کراہت کا اظہار کیا اور اس قسم کے لباس سے آرائش و زیبائش کو منع فرمایا۔ اس سے ذاتی طور پر تجمل اور آراستہ ہونے کا جواز ثابت ہوا، بصورت دیگر آپ اس سے بھی منع کر دیتے۔ ② اس سے معلوم ہوا کہ جمعۃ المبارک، عیدین اور وفود وغیرہ کی آمد پر نفیس اور عمدہ لباس پہننا چاہیے، نیز ریشمی لباس مردوں کے لیے منع ہے، البتہ دوران جنگ میں یا خارش کی وجہ سے بوقت ضرورت پہنا جا سکتا ہے۔ واللہ أعلم.

(١٧٨) بَابٌ: كَيْفَ يُعْرَضُ الْإِسْلَامُ عَلَى الصَّبِيِّ؟

باب: 178- بچوں پر اسلام کیسے پیش کیا جائے؟

٣٠٥٥ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ: أَخْبَرَنِي سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللهِ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّهُ أَخْبَرَهُ أَنَّ عُمَرَ انْطَلَقَ فِي رَهْطٍ مِّنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ قِبَلَ ابْنِ صَيَّادٍ حَتّٰى وَجَدَهُ يَلْعَبُ مَعَ الْغِلْمَانِ عِنْدَ أُطُمِ بَنِي مَغَالَةَ وَقَدْ قَارَبَ يَوْمَئِذٍ ابْنُ صَيَّادٍ يَحْتَلِمُ، فَلَمْ

[3055] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے بتایا کہ نبی ﷺ کے ساتھ، نبی ﷺ کے صحابۂ کرام کی ایک جماعت، جس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے، ابن صیاد کی طرف گئی۔ آخر بنو مغالہ کے ٹیلوں کے پاس اسے بچوں کے ہمراہ کھیلتے ہوئے پایا۔ اس وقت وہ قریب البلوغ تھا۔ اسے آپ ﷺ کی آمد کا کچھ علم نہ ہوا حتی کہ نبی ﷺ نے اپنا دست مبارک اس کی پشت پر مارا پھر نبی ﷺ نے

يَشْعُرْ حَتَّى ضَرَبَ النَّبِيُّ ﷺ ظَهْرَهُ بِيَدِهِ، ثُمَّ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «أَتَشْهَدُ أَنِّي رَسُولُ اللهِ؟» فَنَظَرَ إِلَيْهِ ابْنُ صَيَّادٍ فَقَالَ: أَشْهَدُ أَنَّكَ رَسُولُ الْأُمِّيِّينَ. فَقَالَ ابْنُ صَيَّادٍ لِلنَّبِيِّ ﷺ: أَتَشْهَدُ أَنِّي رَسُولُ اللهِ؟ قَالَ لَهُ النَّبِيُّ ﷺ: «آمَنْتُ بِاللهِ وَرُسُلِهِ»، قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «مَاذَا تَرٰى؟» قَالَ ابْنُ صَيَّادٍ: يَأْتِينِي صَادِقٌ وَّكَاذِبٌ، قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «لُبِسَ عَلَيْكَ الْأَمْرُ». قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «إِنِّي قَدْ خَبَأْتُ لَكَ خَبْأً» قَالَ ابْنُ صَيَّادٍ: هُوَ الدُّخُّ، قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «اخْسَأْ فَلَنْ تَعْدُوَ قَدْرَكَ». قَالَ عُمَرُ: يَا رَسُولَ اللهِ! ائْذَنْ لِّي فِيهِ أَضْرِبْ عُنُقَهُ، قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «إِنْ يَّكُنْ هُوَ فَلَنْ تُسَلَّطَ عَلَيْهِ وَإِنْ لَّمْ يَكُنْ هُوَ فَلَا خَيْرَ لَكَ فِي قَتْلِهِ». [راجع: ١٣٥٤]

فرمایا: ''کیا تو اس امر کی گواہی دیتا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں؟'' ابن صیاد نے آپ کی طرف دیکھا اور کہا: ہاں میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ ان پڑھ لوگوں کے رسول ہیں؟ پھر ابن صیاد نے نبی ﷺ سے کہا: کیا آپ گواہی دیتے ہیں کہ میں بھی اللہ کا رسول ہوں؟ یہ سن کر نبی ﷺ نے فرمایا: ''میں تو اللہ اور اس کے سچے رسولوں پر ایمان لایا ہوں۔'' پھر نبی ﷺ نے فرمایا: ''تجھے کیا نظر آتا ہے؟'' ابن صیاد نے کہا: میرے پاس سچا اور جھوٹا دونوں آتے ہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''تجھ پر حقیقت حال مشتبہ ہو گئی ہے۔'' پھر نبی ﷺ نے اس سے کہا: ''میں نے تیرے لیے اپنے دل میں ایک بات سوچی ہے (بتا وہ کیا ہے؟)'' ابن صیاد نے کہا: وہ ''دخ'' ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''ذلیل اور کم بخت! تو اپنی حیثیت سے آگے نہیں بڑھ سکے گا۔'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! مجھے اجازت دیں میں اس کی گردن مار دوں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اگر یہ وہی (دجال) ہے تو تم اس پر ہرگز مسلط نہیں ہو سکتے اور اگر یہ وہ نہیں تو اس کے قتل کرنے میں کوئی فائدہ نہیں۔''

٣٠٥٦ - قَالَ ابْنُ عُمَرَ: اِنْطَلَقَ النَّبِيُّ ﷺ وَأُبَيُّ ابْنُ كَعْبٍ يَأْتِيَانِ النَّخْلَ الَّذِي فِيهِ ابْنُ صَيَّادٍ حَتّٰى إِذَا دَخَلَ النَّخْلَ طَفِقَ النَّبِيُّ ﷺ يَتَّقِي بِجُذُوعِ النَّخْلِ وَهُوَ يَخْتِلُ أَنْ يَّسْمَعَ مِنِ ابْنِ صَيَّادٍ شَيْئًا قَبْلَ أَنْ يَّرَاهُ، وَابْنُ صَيَّادٍ مُضْطَجِعٌ عَلٰى فِرَاشِهِ فِي قَطِيفَةٍ لَّهُ فِيهَا رَمْزَةٌ، فَرَأَتْ أُمُّ ابْنِ صَيَّادٍ النَّبِيَّ ﷺ وَهُوَ يَتَّقِي بِجُذُوعِ النَّخْلِ فَقَالَتْ لِابْنِ صَيَّادٍ: أَيْ صَافِ! - وَهُوَ اسْمُهُ - فَثَارَ ابْنُ صَيَّادٍ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «لَوْ تَرَكَتْهُ

[3056] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ہی سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر اس نخلستان میں تشریف لائے جہاں ابن صیاد موجود تھا۔ جب باغ میں داخل ہوئے تو نبی ﷺ درختوں کے تنوں کی آڑ میں آگے بڑھنے لگے۔ آپ کوشش فرما رہے تھے کہ ابن صیاد کے دیکھنے سے پہلے آپ اس کی کچھ باتیں سن لیں۔ ابن صیاد اس وقت اپنے بستر پر پڑا ایک چادر اوڑھے کچھ گنگنا رہا تھا۔ اتنے میں اس کی ماں نے نبی ﷺ کو دیکھ لیا کہ آپ کھجور کے تنوں کی آڑ میں آگے بڑھ رہے ہیں۔

بَيِّنٌ». [راجع: ١٣٥٥]

اس نے ابن صیاد سے کہا: اے صاف! یہ اس کا نام ہے۔ ابن صیاد یہ سنتے ہی اچھل پڑا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اگر اس کی ماں نے اسے یوں ہی رہنے دیا ہوتا تو حقیقت حال واضح ہو جاتی۔''

٣٠٥٧ - وَقَالَ سَالِمٌ: قَالَ ابْنُ عُمَرَ: ثُمَّ قَامَ النَّبِيُّ ﷺ فِي النَّاسِ فَأَثْنَى عَلَى اللهِ بِمَا هُوَ أَهْلُهُ ثُمَّ ذَكَرَ الدَّجَّالَ فَقَالَ: «إِنِّي أُنْذِرُكُمُوهُ، وَمَا مِنْ نَبِيٍّ إِلَّا قَدْ أَنْذَرَ قَوْمَهُ، لَقَدْ أَنْذَرَهُ نُوحٌ قَوْمَهُ. وَلٰكِنْ سَأَقُولُ لَكُمْ فِيهِ قَوْلًا لَمْ يَقُلْهُ نَبِيٌّ لِقَوْمِهِ: تَعْلَمُونَ أَنَّهُ أَعْوَرُ، وَأَنَّ اللهَ لَيْسَ بِأَعْوَرَ». [انظر: ٣٣٣٧، ٣٤٣٩، ٤٤٠٢، ٦١٧٥، ٧١٢٣، ٧١٢٧، ٧٤٠٧]

[3057] حضرت ابن عمر ؓ بیان کرتے ہیں کہ پھر نبی ﷺ لوگوں کے مجمع میں کھڑے ہو گئے اور اللہ کی شایان شان تعریف کی، پھر دجال کا ذکر کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں تمھیں دجال سے خبردار کرتا ہوں اور ہر نبی نے اپنی امت کو دجال سے ڈرایا ہے۔ حضرت نوح ؑ نے بھی اپنی قوم کو اس کے فتنے سے آگاہ کیا تھا مگر میں تمھیں ایک ایسی نشانی بتلاتا ہوں جو کسی نبی نے اپنی امت کو نہیں بتلائی۔ تمھیں علم ہونا چاہیے کہ دجال کانا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ یک چشم (کانا) نہیں ہے۔''

فوائد و مسائل: ① ان احادیث میں دجال کے متعلق تین مختلف واقعات بیان ہوئے ہیں۔ امام بخاری ؒ اس سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ بچہ اگر اقرار کر لے تو اس کا اسلام قبول ہو گا کیونکہ ابن صیاد قریب البلوغ تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا: ''کیا تو گواہی دیتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟'' آپ نے اس انداز سے اس پر اسلام پیش کیا کہ اگر وہ مان لیتا تو اس کا اسلام صحیح تھا۔ اگر بچے کا اسلام قبول نہ ہوتا تو آپ اس پر اسلام پیش نہ کرتے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے بطور امتحان اس سے چند سوال کیے تاکہ صحابۂ کرام ؓ پر اس کا باطل ہونا واضح ہو جائے، چنانچہ اس نے خود اقرار کیا کہ اس کے پاس سچا اور جھوٹا دونوں آتے ہیں۔ اگر وہ حق ہوتا تو اس کے پاس صرف سچا فرشتہ ہی آتا۔ ② رسول اللہ ﷺ نے اپنے دل میں ﴿يَوْمَ تَأْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ﴾[1] کا تصور فرمایا۔ ابن صیاد نے دخان کی بجائے صرف ''دخ'' بتایا جیسا کہ شیاطین کی عادت ہوتی ہے، سنی سنائی ایک آدھ بات لے اڑتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے واضح طور پر اسے جھوٹا نہیں کہا کہ کہیں ایسا نہ ہو وہ چڑ جائے اور ہمارا مقصد پورا نہ ہو سکے، اس لیے آپ نے ایسا جامع جواب دیا کہ ابن صیاد چڑا بھی نہیں اور اس کی رسالت کا پول بھی کھل گیا۔

(١٧٩) بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ لِلْيَهُودِ: «أَسْلِمُوا تَسْلَمُوا»

باب: 179- نبی ﷺ کا یہود سے فرمانا: ''مسلمان ہو جاؤ سلامتی میں رہو گے''

① الدخان 10:44.

قَالَهُ الْمَقْبُرِيُّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ.

مقبری نے حضرت ابوہریرہ سے اس حدیث کو نقل کیا ہے۔

وضاحت: مقبری کا نام سعید بن ابوسعید ہے۔ قبرستان کے قریب رہنے کی بنا پر انھیں مقبری کہا جاتا ہے۔ ان کے والد ابوسعید کا نام کیسان ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے جس حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم مسجد نبوی میں تھے کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور فرمایا: ''یہودیوں کی طرف چلیں۔'' چنانچہ ہم روانہ ہوئے جب ہم بیت المدراس پہنچے تو آپ نے ان سے فرمایا: ''اسلام لے آؤ تو سلامتی کے ساتھ رہو گے اور جان لو کہ زمین اللہ اور اس کے رسول کی ہے۔''[1] سلامتی سے رہنے کا مطلب یہ ہے کہ تمھیں دنیا میں قتل اور جزیے سے نجات مل جائے گی اور آخرت میں بھی سزا اور آگ میں ہمیشہ رہنے سے رہائی ہوگی۔[2]

(١٨٠) بَابٌ: إِذَا أَسْلَمَ قَوْمٌ فِي دَارِ الْحَرْبِ، وَلَهُمْ مَالٌ وَّأَرَضُونَ فَهِيَ لَهُمْ

باب: 180- جب دارالحرب میں کچھ لوگ مسلمان ہو جائیں اور وہاں ان کے مال اور زمین ہو تو وہ انھی کی ہے

٣٠٥٨ - حَدَّثَنَا مَحْمُودٌ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ، عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! أَيْنَ تَنْزِلُ غَدًا؟ - فِي حَجَّتِهِ - قَالَ: «وَهَلْ تَرَكَ لَنَا عَقِيلٌ مَنْزِلًا؟» ثُمَّ قَالَ: «نَحْنُ نَازِلُونَ غَدًا بِخَيْفِ بَنِي كِنَانَةَ الْمُحَصَّبِ حَيْثُ قَاسَمَتْ قُرَيْشٌ عَلَى الْكُفْرِ» وَذٰلِكَ أَنَّ بَنِي كِنَانَةَ حَالَفَتْ قُرَيْشًا عَلَى بَنِي هَاشِمٍ أَنْ لَا يُبَايِعُوهُمْ وَلَا يُؤْوُوهُمْ. قَالَ الزُّهْرِيُّ: وَالْخَيْفُ: اَلْوَادِي.

[راجع: ١٥٨٨]

[3058] حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے حجۃ الوداع میں عرض کیا: اللہ کے رسول! آپ کل کہاں قیام فرمائیں گے؟ آپ نے فرمایا: ''کیا عقیل نے ہمارے لیے کوئی مکان چھوڑا ہے؟'' پھر آپ نے فرمایا: ''کل ہم لوگ بنو کنانہ کی وادی میں پڑاؤ کریں گے، جس کو وادئ محصب کہا جاتا ہے، جہاں قریش نے کفر پر اڑے رہنے کی قسمیں اٹھائی تھیں۔'' اور یہ اس طرح کہ بنو کنانہ نے بنو ہاشم کے خلاف قریش سے قسم لی تھی کہ وہ بنو ہاشم سے خرید و فروخت نہیں کریں گے اور نہ انھیں رہنے کے لیے جگہ ہی دیں گے۔''

امام زہری فرماتے ہیں کہ خیف کے معنی وادی کے ہیں۔

فوائد و مسائل: ① ابوطالب، جناب عبدالمطلب کے بڑے بیٹے تھے۔ جاہلیت کی رسم کے مطابق عبدالمطلب کی وفات کے بعد ابوطالب ان کی تمام جائیداد کے مالک بن گئے۔ ابوطالب کے دو بیٹے حضرت جعفر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما مسلمان ہونے کی

[1] صحيح البخاري، الجزية والموادعة، حديث: 3167. [2] عمدة القاري: 387/10.

وجہ سے ان کی جائیداد کے وارث نہ بن سکے۔ عقیل اور طالب کافر تھے۔ ابوطالب کی وفات کے بعد وہ مسلمان بن گئے۔ اسلام لانے سے پہلے انھوں نے تمام جائیداد اور مکانات فروخت کر کے خوب مزے اڑائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے بعد بھی ان مکانات اور جائیداد کی خرید وفروخت قائم رکھی اور عقیل کی ملکیت تسلیم کر لی۔ جب عقیل کے تصرفات اسلام سے پہلے نافذ ہوئے تو اسلام کے بعد بطریق اولیٰ نافذ رہیں گے۔ ② اس عنوان اور پیش کردہ حدیث سے مقصود ان حضرات کا رد کرنا ہے جو کہتے ہیں کہ حربی اگر دارالحرب میں مسلمان ہو کر وہیں مقیم رہے اور مسلمان اس شہر کو فتح کر لیں تو وہ اپنے ہر قسم کے مال کا حق دار رہے گا، البتہ غیر منقولہ جائیداد، مثلاً: زمین اور مکانات وغیرہ مسلمانوں کے لیے مال فے بن جائیں گے، جبکہ جمہور اس موقف کے خلاف ہیں۔ مذکورہ حدیث بھی جمہور کے موقف کی تائید کرتی ہے۔ واللہ أعلم.

٣٠٥٩ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ أَبِيهِ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ اسْتَعْمَلَ مَوْلًى لَّهُ يُدْعٰى هُنَيًّا عَلَى الْحِمٰى، فَقَالَ: يَا هُنَيُّ! اُضْمُمْ جَنَاحَكَ عَنِ الْمُسْلِمِينَ، وَاتَّقِ دَعْوَةَ الْمُسْلِمِينَ، فَإِنَّ دَعْوَةَ الْمَظْلُومِ مُسْتَجَابَةٌ، وَأَدْخِلْ رَبَّ الصُّرَيْمَةِ، وَرَبَّ الْغُنَيْمَةِ، وَإِيَّايَ وَنَعَمَ ابْنِ عَوْفٍ وَّنَعَمَ ابْنِ عَفَّانَ، فَإِنَّهُمَا إِنْ تَهْلِكْ مَاشِيَتُهُمَا يَرْجِعَانِ إِلَى نَخْلٍ وَّزَرْعٍ، وَإِنَّ رَبَّ الصُّرَيْمَةِ وَرَبَّ الْغُنَيْمَةِ إِنْ تَهْلِكْ مَاشِيَتُهُمَا يَأْتِنِي بِبَنِيهِ فَيَقُولُ: يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ! يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ! أَفَتَارِكُهُمْ أَنَا لَا أَبَا لَكَ؟ فَالْمَاءُ وَالْكَلَأُ أَيْسَرُ عَلَيَّ مِنَ الذَّهَبِ وَالْوَرِقِ، وَايْمُ اللهِ! إِنَّهُمْ لَيَرَوْنَ أَنِّي قَدْ ظَلَمْتُهُمْ، إِنَّهَا لَبِلَادُهُمْ، قَاتَلُوا عَلَيْهَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَأَسْلَمُوا عَلَيْهَا فِي الْإِسْلَامِ، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! لَوْلَا الْمَالُ الَّذِي أَحْمِلُ عَلَيْهِ فِي سَبِيلِ اللهِ مَا حَمَيْتُ عَلَيْهِمْ مِنْ بِلَادِهِمْ شِبْرًا.

[3059] حضرت عمر ؓ سے روایت ہے، انھوں نے ''ہُنی'' نامی اپنے آزاد کردہ غلام کو سرکاری چراگاہ پر حاکم بنایا اور فرمایا: اے ہُنی! مسلمانوں سے اپنے ہاتھ روکے رکھنا (ان پر ظلم نہ کرنا بلکہ ان پر مہربانی کرنا) اور مسلمانوں کی بددعا لینے سے اجتناب کرنا کیونکہ مظلوم کی بددعا قبول ہوتی ہے۔ اور اس چراگاہ میں تھوڑے اونٹ اور تھوڑی بکریاں رکھنے والوں کو داخلے کی اجازت دینا لیکن عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت عثمان بن عفان ؓ کے مویشیوں کو اندر آنے کی اجازت نہ دینا کیونکہ اگر ان (اغنیاء) کے مویشی ہلاک ہو گئے تو یہ لوگ اپنے نخلستان اور کھیتوں سے اپنی معاش حاصل کر سکتے ہیں لیکن اگر گنے چنے اونٹ اور گنی چنی بکریاں رکھنے والوں کے مویشی ہلاک ہو جائیں تو وہ اپنے بچوں کو لے کر میرے پاس آئیں گے اور فریاد کریں گے: اے امیرالمومنین! اے امیرالمومنین! تیرا باپ نہ رہے، کیا میں ان کو یونہی چھوڑ سکتا ہوں؟ ان کو پانی اور گھاس دینا میرے لیے سونا چاندی دینے سے آسان ہے۔ اللہ کی قسم! یہ لوگ گمان کریں گے کہ میں نے ان پر ظلم کیا ہے کیونکہ یہ زمین انھی کی ہے۔ انھوں نے زمانۂ جاہلیت میں ان کے لیے لڑائیاں لڑی ہیں اور اسلام لانے کے بعد ان کی ملکیت

کو برقرار رکھا گیا ہے۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر میرے ایسے جانور نہ ہوتے جن کو میں اللہ کی راہ میں سواری کے لیے دیتا ہوں تو میں ان کے علاقوں سے ایک بالشت زمین بھی چراگاہ نہ بناتا۔

فوائد ومسائل: ① حمی اس چراگاہ کو کہا جاتا ہے جسے حاکم صدقے کے جانوروں کے لیے مختص کر دے۔ ایسی چراگاہ میں غریبوں کے جانوروں کا پہلے حق ہے کیونکہ اگر ان کے جانور بھوکے مر گئے تو بیت المال سے انھیں نقد وظیفہ دینا پڑے گا۔ اس کے برعکس اگر مال داروں کے جانور ہلاک ہو گئے تو وہ اپنے باغات اور زراعت کی طرف رجوع کر لیں گے اور بیت المال سے نقد وظیفے کا مطالبہ نہیں کریں گے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی گاؤں کی شاملات جہاں لوگ مویشی وغیرہ چراتے ہیں وہ گاؤں والوں کا حق ہے، حاکم وقت انھیں فروخت نہیں کر سکتا۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ نے مذکورہ عنوان حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ارشاد سے ثابت کیا: ''وہ زمین انھی کی تھی، زمانۂ جاہلیت میں انھوں نے اس کے لیے لڑائیاں لڑیں اور اسلام لانے کے بعد انھی کی ملکیت میں رہی'' اس سے معلوم ہوا کہ کافر کی منقولہ اور غیر منقولہ جائیداد اسلام لانے کے بعد اسی کی رہتی ہے اگرچہ وہ دار الحرب ہی میں رہے جبکہ کچھ حضرات کا کہنا ہے کہ ایسے لوگ صرف منقولہ جائیداد کے حق دار ہیں لیکن غیر منقولہ جائیداد حکومت کی ملکیت ہوگی۔ مذکورہ حدیث کی بنا پر یہ موقف محل نظر ہے۔ واللہ أعلم.

(١٨١) بَابُ كِتَابَةِ الْإِمَامِ النَّاسَ

باب: 181- حاکم وقت کا مردم شماری کرانا

٣٠٦٠ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ حُذَيْفَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «اُكْتُبُوا لِي مَنْ تَلَفَّظَ بِالْإِسْلَامِ مِنَ النَّاسِ فَكَتَبْنَا لَهُ أَلْفًا وَّخَمْسَمِائَةِ رَجُلٍ، فَقُلْنَا: نَخَافُ وَنَحْنُ أَلْفٌ وَّخَمْسُمِائَةٍ؟ فَلَقَدْ رَأَيْتُنَا ابْتُلِينَا حَتّٰى إِنَّ الرَّجُلَ لَيُصَلِّي وَحْدَهُ وَهُوَ خَائِفٌ».

[3060] حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جتنے لوگ بھی کلمۂ اسلام پڑھتے ہیں ان کی مردم شماری کر کے میرے سامنے پیش کرو۔'' چنانچہ ہم نے ایک ہزار پانچ صد مردوں کے نام قلم بند کیے۔ پھر ہم نے (اپنے دل میں) کہا: کیا ہم اب بھی (کافروں سے) ڈریں، حالانکہ ہم پندرہ سو کی تعداد میں ہیں؟ پھر میں نے اپنی جماعت کو دیکھا کہ ہم اس قدر خوف و ہراس میں مبتلا کر دیے گئے کہ ہم میں سے کوئی مارے خوف کے اکیلا ہی نماز پڑھ لیتا۔

حَدَّثَنَا عَبْدَانُ عَنْ أَبِي حَمْزَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ: «فَوَجَدْنَاهُمْ خَمْسَمِائَةٍ».

امام اعمش کی روایت میں ہے کہ ہم نے پانچ سو مسلمانوں کی تعداد لکھی۔

قَالَ أَبُو مُعَاوِيَةَ: «مَا بَيْنَ سِتِّمِائَةٍ إِلَى سَبْعِمِائَةٍ».

اور ابو معاویہ کی روایت ہے کہ وہ تعداد چھ سو سے سات سو تک تھی۔

فوائد و مسائل: ① حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے یہ بات اس وقت کہی جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا گیا اور وہ نماز پڑھنے میں بہت تاخیر کرتے تو تقویٰ شعار لوگ اول وقت اکیلے ہی نماز ادا کر لیتے۔ لیکن ہمارے دور میں تو حکمران نماز کا نام ہی نہیں لیتے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا مطلب یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں تو ہم ڈیڑھ ہزار ہونے پر نڈر اور بے خوف ہو گئے تھے، اب ہزاروں کی تعداد میں ہیں اس کے باوجود حق بات کہنے سے ڈرتے ہیں اور بعض تو ڈر کے مارے اکیلے ہی نماز پڑھ لیتے ہیں اور منہ سے کچھ نہیں کہہ سکتے۔ واللّٰہ المستعان. ② تعداد میں اختلاف کی وجہ اس لیے ہے کہ شاید کئی ایک مقامات پر مردم شماری کی گئی ہو۔ بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ ڈیڑھ ہزار سے مراد مرد، عورتیں اور بچے سب مسلمان ہیں اور چھ سو سے سات سو تک صرف مرد مراد ہیں اور پانچ سو سے مراد وہ فوجی جوان ہیں جو میدان میں لڑنے والے تھے۔ واللّٰہ أعلم. امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کو مردم شماری کے جواز کی دلیل بنایا ہے۔

٣٠٦١ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ، عَنْ أَبِي مَعْبَدٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنِّي كُتِبْتُ فِي غَزْوَةِ كَذَا وَكَذَا وَامْرَأَتِي حَاجَّةٌ، قَالَ: «اِرْجِعْ فَحُجَّ مَعَ امْرَأَتِكَ». [راجع: ١٨٦٢]

[3061] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ ایک آدمی نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: اللہ کے رسول! فلاں فلاں جنگ میں میرا نام لکھا گیا ہے جبکہ میری بیوی حج پر جانے کے لیے تیار ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم واپس چلے جاؤ اور اپنی بیوی کے ہمراہ حج کرو۔''

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے بھی مردم شماری کا ثبوت ملتا ہے، خاص طور پر جہاد میں شرکت کرنے والوں کا باضابطہ اندراج ہونا چاہیے تاکہ مال غنیمت کی تقسیم یا جنگ کے بعد شہداء کا پتہ چل سکے۔ ② اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کوئی عورت حج کو جائے تو ضروری ہے کہ اس کے ساتھ اس کا خاوند یا اور کوئی محرم ہو، اس کے بغیر اس کا سفر حج جائز نہیں۔

(١٨٢) بَابٌ: إِنَّ اللهَ لَيُؤَيِّدُ الدِّينَ بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ

باب: 182- اللہ تعالیٰ کبھی فاسق و فاجر کے ذریعے سے دین کی مدد کرتا ہے

٣٠٦٢ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ؛ ح: وَحَدَّثَنِي مَحْمُودٌ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنِ

[3062] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا ہم ایک جنگ میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ شریک تھے۔ آپ نے ایک شخص، جو اسلام کا دعویدار تھا، کے متعلق

ابْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: شَهِدْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالَ لِرَجُلٍ مِّمَّنْ يَدَّعِي الْإِسْلَامَ: «هٰذَا مِنْ أَهْلِ النَّارِ». فَلَمَّا حَضَرَ الْقِتَالُ قَاتَلَ الرَّجُلُ قِتَالًا شَدِيدًا فَأَصَابَتْهُ جِرَاحَةٌ، فَقِيلَ: يَا رَسُولَ اللهِ! اَلَّذِي قُلْتَ إِنَّهُ مِنْ أَهْلِ النَّارِ، فَإِنَّهُ قَدْ قَاتَلَ الْيَوْمَ قِتَالًا شَدِيدًا وَّقَدْ مَاتَ. فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «إِلَى النَّارِ»، قَالَ: فَكَادَ بَعْضُ النَّاسِ أَنْ يَّرْتَابَ فَبَيْنَمَا هُمْ عَلٰى ذٰلِكَ إِذْ قِيلَ: إِنَّهُ لَمْ يَمُتْ، وَلٰكِنَّ بِهِ جِرَاحًا شَدِيدًا، فَلَمَّا كَانَ مِنَ اللَّيْلِ لَمْ يَصْبِرْ عَلَى الْجِرَاحِ فَقَتَلَ نَفْسَهُ، فَأُخْبِرَ النَّبِيُّ ﷺ بِذٰلِكَ فَقَالَ: «اَللهُ أَكْبَرُ، أَشْهَدُ أَنِّي عَبْدُ اللهِ وَرَسُولُهُ». ثُمَّ أَمَرَ بِلَالًا فَنَادٰى بِالنَّاسِ: «إِنَّهُ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلَّا نَفْسٌ مُّسْلِمَةٌ وَّإِنَّ اللهَ لَيُؤَيِّدُ هٰذَا الدِّينَ بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ». [انظر: ٤٢٠٤، ٦٦٠٦]

فرمایا: ''یہ شخص جہنمی ہے۔'' جب لڑائی شروع ہوئی تو اس نے بہت بے جگری سے جنگ کی۔ اس دوران میں وہ زخمی ہو گیا۔ عرض کیا گیا: اللہ کے رسول! جس کے متعلق آپ نے جہنمی ہونے کا فرمایا تھا اس نے تو آج بہت سخت جنگ لڑی ہے اور وہ مر بھی چکا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''وہ دوزخ میں گیا۔'' قریب تھا کہ کچھ لوگ شکوک وشبہات میں مبتلا ہو جاتے۔ لوگ اسی حالت میں تھے کہ اچانک آواز آئی: وہ مرا نہیں بلکہ وہ سخت زخمی ہو گیا ہے۔ جب رات ہوئی تو اس نے زخموں کی تاب نہ لا کر خود کو ہلاک کر لیا۔ جب نبی ﷺ کو اس صورت حال سے آگاہی ہوئی تو آپ نے فرمایا: اللہ اکبر! میں گواہی دیتا ہوں کہ میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔'' پھر آپ نے حضرت بلال کو لوگوں میں یہ اعلان کرنے کا حکم دیا: ''جنت میں صرف مسلمان ہی جائیں گے اور اللہ کبھی فاسق وفاجر کے ذریعے سے بھی اپنے دین کی تائید فرما دیتا ہے۔''

فوائد ومسائل: ① وہ شخص جس کے جہادی کارناموں کا مسلمانوں میں خوب چرچا ہوا اس کی مجاہدانہ کیفیت کو دیکھ کر شیطان نے کچھ لوگوں کو یوں بہکایا کہ ایسا شخص جو اللہ کی راہ میں بے جگری سے لڑتا ہوا مارا جائے کیونکر دوزخی ہو سکتا ہے؟ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اس کی وضاحت فرمائی۔ ② یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں کہ جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: ''ہم مشرک سے جنگ میں مدد نہیں لیتے۔''[1] کیونکہ وہ ایک موقع کے ساتھ خاص ہے، یا فاجر سے مراد غیر مشرک ہے۔ پہلا جواب زیادہ وزنی ہے کیونکہ جنگ حنین میں صفوان بن امیہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا اور وہ اس وقت مشرک تھا، نیز وہ شخص بظاہر مسلمان تھا مگر رسول اللہ ﷺ کو بذریعۂ وحی معلوم ہوا کہ یہ منافق ہے اور اس کا خاتمہ برا ہوگا۔ واللّٰہ أعلم.

(١٨٣) بَابُ مَنْ تَأَمَّرَ فِي الْحَرْبِ مِنْ غَيْرِ إِمْرَةٍ إِذَا خَافَ الْعَدُوَّ

باب: 183- جو شخص سربراہ کی تقرری کے بغیر خود بخود امیر لشکر بن جائے جبکہ دشمن سے خطرہ ہو

1 صحیح مسلم، الجهاد والسير، حديث: 4700 (1817).

٣٠٦٣ - حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ: حَدَّثَنَا ابْنُ عُلَيَّةَ عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ هِلَالٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: خَطَبَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَقَالَ: «أَخَذَ الرَّايَةَ زَيْدٌ فَأُصِيبَ، ثُمَّ أَخَذَهَا جَعْفَرٌ فَأُصِيبَ، ثُمَّ أَخَذَهَا عَبْدُ اللهِ بْنُ رَوَاحَةَ فَأُصِيبَ، ثُمَّ أَخَذَهَا خَالِدُ بْنُ الْوَلِيدِ عَنْ غَيْرِ إِمْرَةٍ فَفَتَحَ اللهُ عَلَيْهِ، فَمَا يَسُرُّنِي - أَوْ قَالَ: مَا يَسُرُّهُمْ - أَنَّهُمْ عِنْدَنَا».

وَقَالَ: وَإِنَّ عَيْنَيْهِ لَتَذْرِفَانِ. [راجع: ١٢٤٦]

[3063] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: ''اسلامی جھنڈا حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے پکڑا اور انھیں شہید کر دیا گیا۔ پھر اس جھنڈے کو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھ میں لیا تو وہ بھی شہید ہو گئے۔ اب اسے حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے تھام لیا ہے اور وہ بھی جام شہادت نوش کر گئے ہیں۔ آخر میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے کسی نئی ہدایت کے بغیر علم اٹھا لیا ہے تو اللہ تعالیٰ نے انھیں فتح و کامرانی سے ہمکنار کیا ہے۔ میرے لیے یا ان کے لیے کوئی خوشی کی بات نہیں کہ وہ ہمارے پاس زندہ ہوتے (کیونکہ شہادت کے بعد وہ جنت میں عیش کر رہے ہیں)۔''

راویٔ حدیث (حضرت انس رضی اللہ عنہ) بیان کرتے ہیں کہ اس وقت آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

فوائد و مسائل: ① یہ غزوۂ موتہ کا واقعہ ہے جو جمادی الاولیٰ 8 ہجری میں ہوا۔ اسلام پر اگر ایسا نازک وقت آ جائے کہ میدان جنگ مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل رہا ہو اور مسلم قیادت بھی ختم ہو رہی ہو تو کوئی صاحب بصیرت اور جنگی اسرار و رموز سے واقف آدمی فوری طور پر کمان ہاتھ میں لے لے تو یہ جائز ہے جیسا کہ جنگ موتہ میں تینوں سپہ سالاروں کی شہادت کے بعد حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے خود بخود جھنڈا اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا جبکہ گھمسان کی جنگ جاری تھی اور مسلمانوں کا دشمن سے سخت مقابلہ جاری تھا۔ اگر ایسے حالات میں کوئی بھی جھنڈا نہ اٹھاتا تو دشمن غالب آ جاتا اور مسلمانوں کی طاقت کو ایسا ناقابل تلافی دھچکا لگتا جو کسی صورت میں اچھا نہ تھا۔ ② رسول اللہ ﷺ نے اس عمل کی نہ صرف تصویب فرمائی بلکہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ کی تلوار قرار دیا اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو ان کے ہاتھوں فتح کی نوید سنائی۔ اس سے اسلام کا نظام امارت مجروح نہیں ہوتا بلکہ اس کے جامع اور وسعت پذیر ہونے کی دلیل ہے کہ ایسے سنگین اور ہنگامی حالات میں ایک عمدہ اور قابل قبول حل کی نشاندہی کی گئی ہے۔ واللہ أعلم.

(١٨٤) بَابُ الْعَوْنِ بِالْمَدَدِ

باب: 184- مجاہدین کی مدد کے لیے مزید کمک روانہ کرنا

٣٠٦٤ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ: حَدَّثَنَا ابْنُ

[3064] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ

أَبِي عَدِيٍّ وَّسَهْلُ بْنُ يُوسُفَ عَنْ سَعِيدٍ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَتَاهُ رِعْلٌ وَّذَكْوَانُ وَعُصَيَّةُ وَبَنُو لِحْيَانَ فَزَعَمُوا أَنَّهُمْ قَدْ أَسْلَمُوا، وَاسْتَمَدُّوهُ عَلٰى قَوْمِهِمْ، فَأَمَدَّهُمُ النَّبِيُّ ﷺ بِسَبْعِينَ مِنَ الْأَنْصَارِ. قَالَ أَنَسٌ: كُنَّا نُسَمِّيهِمُ الْقُرَّاءَ، يَحْطِبُونَ بِالنَّهَارِ وَيُصَلُّونَ بِاللَّيْلِ، فَانْطَلَقُوا بِهِمْ حَتّٰى بَلَغُوا بِئْرَ مَعُونَةَ غَدَرُوا بِهِمْ وَقَتَلُوهُمْ، فَقَنَتَ شَهْرًا يَّدْعُو عَلٰى رِعْلٍ وَّذَكْوَانَ وَبَنِي لِحْيَانَ.

کے پاس رعل، ذکوان، عصیہ اور بنولحیان قبائل کے لوگ آئے اور انھوں نے یہ خیال ظاہر کیا کہ وہ مسلمان ہو چکے ہیں اور انھوں نے اپنی قوم کے خلاف آپ سے مدد طلب کی تو نبی ﷺ نے ستر انصار روانہ کیے جنھیں ہم قراء کے نام سے پکارتے تھے۔ وہ دن کو لکڑیاں اکٹھی کرتے اور رات کو نوافل پڑھتے، چنانچہ وہ لوگ انھیں ساتھ لے کر چلے گئے حتی کہ جب بئر معونہ پہنچے تو ان سے دھوکا کیا اور انھیں قتل کر دیا۔ اس واقعے کی اطلاع پانے کے بعد نبی ﷺ نے ایک ماہ تک دعائے قنوت پڑھی اور رعل، ذکوان اور بنولحیان کے خلاف بددعا کرتے رہے۔

قَالَ قَتَادَةُ: وَحَدَّثَنَا أَنَسٌ: أَنَّهُمْ قَرَؤُوا بِهِمْ قُرْآنًا: أَلَا بَلِّغُوا قَوْمَنَا بِأَنَّا قَدْ لَقِينَا رَبَّنَا، فَرَضِيَ عَنَّا وَأَرْضَانَا، ثُمَّ رُفِعَ ذٰلِكَ بَعْدُ.

[راجع: ١٠٠١]

(راویٔ حدیث) قتادہ نے کہا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے بیان کے مطابق صحابۂ کرام ان کے متعلق یہ آیات پڑھتے رہے: ''کیوں نہیں! ہماری قوم کو یہ پیغام پہنچا دو کہ ہم اپنے رب سے جا ملے ہیں۔ وہ ہم سے راضی ہو گیا اور اس نے ہمیں بھی راضی کر دیا۔'' اس کے بعد یہ آیات منسوخ ہو گئیں۔

فوائد و مسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ نے اس واقعے سے ثابت کیا ہے کہ اگر مجاہدین کو میدان جنگ میں کسی وقت نفری کی ضرورت ہو تو ان کے طلب کرنے پر مزید کمک روانہ کی جا سکتی ہے۔ اسے میدان جنگ میں لڑنے والوں کی کم ہمتی یا بزدلی شمار نہیں کیا جائے گا۔ ② اس روایت میں بنولحیان کا ذکر کسی راوی کا وہم ہے کیونکہ بنولحیان کا تعلق بئر معونہ سے نہیں بلکہ اصحاب رجیع سے ہے۔ ان کی طرف دس افراد پر مشتمل ایک فوجی دستہ جاسوسی کے لیے بھیجا گیا تھا۔ اس کے سربراہ عاصم بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ تھے۔ بنولحیان نے انھیں سات ساتھیوں سمیت قتل کیا اور حضرت خبیب بن عدی کو اہل مکہ کے ہاتھ فروخت کیا۔ رسول اللہ ﷺ کو دونوں واقعات کی اطلاع ہوئی تو آپ نے قنوت کی تھی۔ بہرحال یہ دو الگ الگ واقعات ہیں۔[1]

(١٨٥) بَابُ مَنْ غَلَبَ الْعَدُوَّ، فَأَقَامَ عَلٰى عَرْصَتِهِمْ ثَلَاثًا

باب: 185- جو شخص دشمن پر غلبہ پا کر تین دن تک ان کے میدان میں ٹھہرا رہے

1 فتح الباري: 217/6.

٣٠٦٥ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحِيمِ: حَدَّثَنَا رَوْحُ بْنُ عُبَادَةَ: حَدَّثَنَا سَعِيدٌ عَنْ قَتَادَةَ قَالَ: ذَكَرَ لَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ عَنْ أَبِي طَلْحَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ كَانَ إِذَا ظَهَرَ عَلَى قَوْمٍ أَقَامَ بِالْعَرْصَةِ ثَلَاثَ لَيَالٍ.

[3065] حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ جب کسی قوم پر فتح یاب ہوتے تو تین دن اسی میدان میں قیام کرتے تھے۔

تَابَعَهُ مُعَاذٌ وَّعَبْدُ الْأَعْلَى: حَدَّثَنَا سَعِيدٌ عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ، عَنْ أَبِي طَلْحَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ. [انظر: ٣٩٧٦]

اس حدیث کو روایت کرنے میں معاذ اور عبدالاعلیٰ نے روح بن عبادہ کی متابعت کی ہے۔ انھوں نے کہا: ہم سے سعید نے قتادہ سے، انھوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے، انھوں نے حضرت ابوطلحہ سے، انھوں نے نبی ﷺ سے اسے بیان کیا۔

فوائد و مسائل: ① وہاں تین دن قیام اس صورت میں ہوتا جب دشمن سے بالکل کسی قسم کا خطرہ نہ ہوتا۔ اس قیام کا مقصد یہ ہوتا کہ اس علاقے کی فلاح و بہبود کے لیے مفید اصلاحات نافذ کی جائیں، نیز اسلام کی شان و شوکت کا اظہار بھی مقصود ہوتا۔ بہرحال مفتوحہ علاقوں میں تین دن قیام کرنے کی اجازت ہے تاکہ غلبے کی خوب شہرت ہو جائے اور وہاں اسلام کی قوت نظر آنے لگے۔ واللہ أعلم. ② آج کل تو ایٹمی دور میں ایسے خودکار میزائل ایجاد ہو چکے ہیں کہ سینکڑوں میل دور اس کا ہدف مقرر کر دیا جاتا ہے وہ خود بخود راستے میں بچتا بچاتا اپنے نشانے پر جا لگتا ہے۔ اب تو کسی علاقے میں تین دن ٹھہرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ میدانی جنگ ناپید ہو چکی ہے۔

(١٨٦) بَابُ مَنْ قَسَمَ الْغَنِيمَةَ فِي غَزْوِهِ وَسَفَرِهِ

باب: 186 - میدان جنگ اور دوران سفر میں غنیمت تقسیم کرنا

وَقَالَ رَافِعٌ: كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ بِذِي الْحُلَيْفَةِ فَأَصَبْنَا إِبِلًا وَّغَنَمًا، فَعَدَلَ عَشَرَةً مِّنَ الْغَنَمِ بِبَعِيرٍ.

حضرت رافع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نبی ﷺ کے ہمراہ ذوالحلیفہ میں تھے جہاں ہمیں بہت سے اونٹ اور بکریاں غنیمت کے طور پر ملیں۔ آپ ﷺ نے دس بکریاں ایک اونٹ کے برابر قرار دیں۔

وضاحت: اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے خود ہی کتاب الذبائح (حدیث: 5543) میں متصل سند سے بیان کیا ہے۔ اس حدیث سے دوران سفر میں مال غنیمت تقسیم کرنے کا جواز معلوم ہوتا ہے۔

٣٠٦٦ - حَدَّثَنَا هُدْبَةُ بْنُ خَالِدٍ: حَدَّثَنَا هَمَّامٌ عَنْ قَتَادَةَ أَنَّ أَنَسًا أَخْبَرَهُ قَالَ: اعْتَمَرَ النَّبِيُّ ﷺ مِنَ الْجِعِرَّانَةِ حَيْثُ قَسَمَ غَنَائِمَ حُنَيْنٍ. [راجع: ١٧٧٨]

[3066] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے بتایا کہ نبی ﷺ نے جعرانہ کے مقام سے عمرے کا احرام باندھا جہاں پر آپ نے حنین کی غنائم تقسیم کی تھیں۔

فائدہ: کچھ اہل علم کا موقف ہے کہ غنیمت کا مال دارالحرب میں تقسیم نہ کیا جائے کیونکہ مفتوحہ علاقے پر مکمل کنٹرول غلبے کے بعد ہوتا ہے۔ پورا غلبہ غنیمت کا مال دارالاسلام میں محفوظ کرنے ہی سے ہوسکتا ہے، اس لیے دارالحرب میں اسے تقسیم نہ کیا جائے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے ان کی تردید کرتے ہوئے ثابت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مال غنیمت جعرانہ میں تقسیم کیا تھا جو اس وقت میدان جنگ تھا اور اسے دوران سفر میں تقسیم کرنا بھی جائز ہے جیسا کہ مذکورہ بالا حدیث رافع سے معلوم ہوتا ہے۔ واللہ أعلم.

(١٨٧) بَابٌ: إِذَا غَنِمَ الْمُشْرِكُونَ مَالَ الْمُسْلِمِ ثُمَّ وَجَدَهُ الْمُسْلِمُ

باب: 187- جب مشرک کسی مسلمان کا مال لوٹ لیں، پھر (مسلمانوں کے غلبے کی وجہ سے) وہ مسلمان اپنا مال پالے تو؟

٣٠٦٧ - وَقَالَ ابْنُ نُمَيْرٍ: حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: ذَهَبَ فَرَسٌ لَّهُ فَأَخَذَهُ الْعَدُوُّ، فَظَهَرَ عَلَيْهِ الْمُسْلِمُونَ فَرُدَّ عَلَيْهِ فِي زَمَنِ رَسُولِ اللهِ ﷺ، وَأَبَقَ عَبْدٌ لَّهُ فَلَحِقَ بِالرُّومِ فَظَهَرَ عَلَيْهِمُ الْمُسْلِمُونَ فَرَدَّهُ عَلَيْهِ خَالِدُ بْنُ الْوَلِيدِ بَعْدَ النَّبِيِّ ﷺ. [انظر: ٣٠٦٨، ٣٠٦٩]

[3067] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں ان کا ایک گھوڑا بھاگ نکلا اور اسے دشمن نے پکڑ لیا۔ پھر جب مسلمانوں نے کفار پر غلبہ پایا تو وہ گھوڑا انھیں واپس کر دیا گیا۔ اسی طرح نبی ﷺ کی زندگی کے بعد ان (حضرت عبداللہ بن عمر) کا ایک غلام بھی بھاگ کر روم کے کافروں سے مل گیا تھا۔ جب مسلمان ان پر غالب آئے تو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے وہ غلام انھیں واپس کر دیا۔

٣٠٦٨ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ: حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ عُبَيْدِ اللهِ قَالَ: أَخْبَرَنِي نَافِعٌ أَنَّ عَبْدًا لِّابْنِ عُمَرَ أَبَقَ فَلَحِقَ بِالرُّومِ، فَظَهَرَ عَلَيْهِ خَالِدُ بْنُ الْوَلِيدِ فَرَدَّهُ عَلَى عَبْدِ اللهِ، وَأَنَّ فَرَسًا لِّابْنِ عُمَرَ عَارَ فَلَحِقَ بِالرُّومِ، فَظَهَرَ عَلَيْهِ فَرَدُّوهُ عَلَى

[3068] حضرت نافع سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا ایک غلام بھاگ کر اہل روم سے جاملا۔ جب ان پر خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے غلبہ حاصل کرلیا تو انھوں نے وہ غلام حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو واپس کر دیا۔ اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا ایک گھوڑا بھاگ کر روم پہنچ

عَبْدِ اللهِ.

گیا۔ جب روم پر مسلمانوں کا غلبہ ہو گیا تو انھوں نے وہ گھوڑا بھی حضرت عبداللہ بن عمر کو واپس کر دیا۔

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللّٰهِ: عَارَ: مُشْتَقٌّ مِّنَ الْعَيْرِ وَهُوَ حِمَارُ وَحْشٍ، أَيْ هَرَبَ. [راجع: ٣٠٦٧]

ابوعبداللہ (امام بخاری رحمہ اللہ) فرماتے ہیں کہ روایت میں لفظ "عار" "عیر" سے مشتق ہے جس کے معنی جنگلی گدھا کے ہیں لیکن اس جگہ معنی بھاگ جانے کے ہیں۔

٣٠٦٩ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ: حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَنَّهُ كَانَ عَلَى فَرَسٍ يَوْمَ لَقِيَ الْمُسْلِمُونَ، وَأَمِيرُ الْمُسْلِمِينَ يَوْمَئِذٍ خَالِدُ بْنُ الْوَلِيدِ، بَعَثَهُ أَبُو بَكْرٍ فَأَخَذَهُ الْعَدُوُّ، فَلَمَّا هُزِمَ الْعَدُوُّ رَدَّ خَالِدٌ فَرَسَهُ. [راجع: ٣٠٦٧]

[3069] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب مسلمانوں نے (رومیوں سے) مقابلہ کیا تو وہ ایک گھوڑے پر سوار تھے۔ اس وقت مسلمان فوج کے سربراہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ تھے۔ انھیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے امیر مقرر کیا تھا۔ اس (گھوڑے) کو دشمن نے پکڑ لیا۔ جب دشمن شکست کھا گئے تو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ان کا گھوڑا واپس کر دیا۔

فائدہ: امام بخاری رحمہ اللہ کا مطلب یہ ہے کہ کفار پر غلبے کے باوجود ان کے قبضے میں موجود مسلمان کا مال بطور غنیمت تقسیم نہیں کیا جا سکتا بلکہ وہ مال اسی مسلمان کو لوٹا دیا جائے گا جس کی وہ ملکیت تھا، خواہ وہ تقسیم غنیمت سے پہلے اسے شناخت کر لے یا اس کے بعد اس کی پہچان کرے۔ کچھ حضرات کا خیال ہے کہ کافر جب مال لوٹ کر لے جائیں اور اپنے ملک پہنچ جائیں تو وہ اس کے مالک بن جاتے ہیں۔ ان احادیث میں مذکور واقعے سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ اگر کسی مسلمان کا مال کسی حربی کافر کے ہاتھ لگ جائے تو فتح کے بعد وہ مال اس کے اصلی مالک مسلمان ہی کو ملے گا۔ اسے اموال غنیمت میں شامل نہیں کیا جائے گا۔

(١٨٨) بَابُ مَنْ تَكَلَّمَ بِالْفَارِسِيَّةِ وَالرَّطَانَةِ

باب: 188- فارسی یا کسی بھی عجمی زبان میں گفتگو کرنا

وَقَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿وَٱخْتِلَٰفُ أَلْسِنَتِكُمْ وَأَلْوَٰنِكُمْ﴾ [الروم: ٢٢]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: "تمھارے رنگ اور زبانوں کے اختلاف میں بھی قدرت کی نشانی ہے۔"

وَقَالَ: ﴿وَمَآ أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهِۦ﴾ [إبراهيم: ٤].

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس کی قوم کی زبان میں (وہ اپنی قوم کی زبان بولتا تھا)۔"

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ تمام زبانیں اللہ کی طرف سے ہیں اور یہ قدرت الٰہی کی نشانیاں ہیں، اس لیے ان کا سیکھنا اور انھیں ذریعۂ گفتگو بنانا درست ہے۔ زبانوں کے متعلق تعصب رکھنا انسانی بدبختی کی دلیل اور ہر زبان سے محبت

رکھنا عین منشائے الٰہی ہے۔ دوسری آیت میں اشارہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی رسالت اقوام عالم کے لیے ہے تو ضروری ہے کہ آپ دنیا کی تمام زبانوں کی حمایت کریں اور انھیں خود یا بذریعہ ترجمان سمجھیں۔

٣٠٧٠ - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ: حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ: أَخْبَرَنَا حَنْظَلَةُ بْنُ أَبِي سُفْيَانَ: أَخْبَرَنَا سَعِيدُ بْنُ مِينَاءَ قَالَ: سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! ذَبَحْنَا بُهَيْمَةً لَّنَا وَطَحَنْتُ صَاعًا مِّنْ شَعِيرٍ فَتَعَالَ أَنْتَ وَنَفَرٌ، فَصَاحَ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ: «يَا أَهْلَ الْخَنْدَقِ! إِنَّ جَابِرًا قَدْ صَنَعَ سُورًا فَحَيَّ هَلًا بِكُمْ». [انظر: ٤١٠١، ٤١٠٢]

[3070] حضرت جابر بن عبداللہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے (غزوۂ خندق کے وقت) عرض کیا: اللہ کے رسول! میں نے بکری کا ایک بچہ ذبح کیا ہے اور ایک صاع جو کا آٹا پیسا ہے، لہٰذا آپ خود اور مزید کچھ ساتھی تشریف لے چلیں۔ نبی ﷺ نے باآواز بلند فرمایا: ''اے اہل خندق! آج جابر نے تمھارے لیے ضیافت تیار کی ہے، آؤ جلدی چلیں۔''

٣٠٧١ - حَدَّثَنَا حِبَّانُ بْنُ مُوسَى: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ عَنْ خَالِدِ بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أُمِّ خَالِدٍ بِنْتِ خَالِدِ بْنِ سَعِيدٍ قَالَتْ: أَتَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ مَعَ أَبِي وَعَلَيَّ قَمِيصٌ أَصْفَرُ، قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «سَنَهْ سَنَهْ». قَالَ عَبْدُ اللهِ: وَهِيَ بِالْحَبَشِيَّةِ: حَسَنَةٌ. قَالَتْ: فَذَهَبْتُ أَلْعَبُ بِخَاتَمِ النُّبُوَّةِ فَزَبَرَنِي أَبِي، قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «دَعْهَا»، ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أَبْلِي وَأَخْلِقِي، ثُمَّ أَبْلِي وَأَخْلِقِي، ثُمَّ أَبْلِي وَأَخْلِقِي».

قَالَ عَبْدُ اللهِ: فَبَقِيَتْ حَتَّى ذَكَرَ. [انظر: ٣٨٧٤، ٥٨٢٣، ٥٨٤٥، ٥٩٩٣]

[3071] حضرت ام خالد بنت خالد بن سعید ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں اپنے والد گرامی کے ہمراہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ اس وقت میں نے زرد رنگ کی قمیص پہن رکھی تھی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سنہ، سنہ۔'' حبشی زبان میں اس کے معنی ہیں: ''اچھا۔'' حضرت ام خالد ؓ کہتی ہیں: پھر میں مہر نبوت سے کھیلنے لگی تو میرے والد نے مجھے ڈانٹ پلائی۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس کو چھوڑ دو۔'' پھر فرمایا: ''کرتا پرانا کرو اور اور اسے پہن کر پھاڑو۔ پھر کرتا پرانا کرو اور پھاڑو۔ پھر پرانا کرو اور پھاڑو۔'' (آپ نے درازئ عمری کی دعا فرمائی۔)

حضرت عبداللہ بن مبارک بیان کرتے ہیں کہ وہ قمیص اتنی دیر تک باقی رہی کہ زبانوں پر اس کا چرچا ہونے لگا۔

٣٠٧٢ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ: حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ زِيَادٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ الْحَسَنَ بْنَ عَلِيٍّ

[3072] حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ حضرت حسن بن علی ؓ نے صدقے کی کھجوروں میں سے ایک کھجور اٹھائی اور اسے اپنے منہ میں ڈال لیا تو نبی ﷺ نے ان سے

أَخَذَ تَمْرَةً مِّنْ تَمْرِ الصَّدَقَةِ فَجَعَلَهَا فِي فِيهِ، فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ ﷺ بِالْفَارِسِيَّةِ: «كَخْ كَخْ، أَمَا تَعْرِفُ أَنَّا لَا نَأْكُلُ الصَّدَقَةَ؟». [راجع: ١٤٨٥]

فارسی زبان میں فرمایا: ''کخ، کخ، یعنی تھو، تھو۔ کیا تجھے پتہ نہیں کہ ہم صدقہ نہیں کھاتے؟''

فوائد و مسائل: ① مذکورہ احادیث میں رسول اللہ ﷺ نے غیر عربی الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔ پہلی حدیث میں لفظ سور ہے۔ فارسی زبان میں یہ لفظ ضیافت، یعنی مہمانی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ دوسری حدیث میں لفظ سنه ہے جو حبشی زبان میں عمدہ چیز کو کہا جاتا ہے۔ تیسری حدیث میں کخ کخ فارسی کا لفظ ہے جو بچوں کو ڈانٹنے کے لیے استعمال ہوتا ہے جب وہ کوئی نامناسب کام کریں۔ بہرحال عربی کے علاوہ دوسری زبانوں کا استعمال جائز ہے، نیز ان احادیث سے ان لوگوں کی تردید مقصود ہے جو عربی کے علاوہ دیگر زبانوں کے سیکھنے پر اظہارِ نفرت کرتے ہیں، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے خود بعض اوقات فارسی الفاظ استعمال کیے ہیں۔ ② اس سلسلے میں امام بخاری رحمہ اللہ نے کچھ احادیث کے ضعف کی طرف اشارہ فرمایا ہے، مثلاً: جو انسان فارسی زبان میں گفتگو کرے گا اس کی خباثت میں اضافہ اور مروت میں کمی واقع ہوگی۔[1] جو انسان عربی زبان اچھی طرح بول سکتا ہے اسے چاہیے کہ وہ فارسی زبان میں گفتگو نہ کرے کیونکہ یہ زبان نفاق پیدا کرتی ہے۔[2] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ان احادیث کی اسناد انتہائی کمزور ہیں۔[3] ③ انسانی معاشرے میں لسانی فساد انتہائی خطرناک ہے۔ اسلام نے سختی سے اس کا سدباب کیا ہے، اس لیے کسی بھی زبان کے متعلق تعصب رکھنا انتہائی بری بات ہے۔ واللہ أعلم.

(١٨٩) بَابُ الْغُلُولِ

باب: 189 - مالِ غنیمت میں خیانت کرنا

وَقَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿وَمَن يَغْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ ٱلْقِيَـٰمَةِ﴾ [آل عمران: ١٦١].

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اور جو کوئی خیانت کرے گا وہ قیامت کے دن اس خیانت سمیت آئے گا۔''

٣٠٧٣ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ أَبِي حَيَّانَ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو زُرْعَةَ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَامَ فِينَا النَّبِيُّ ﷺ فَذَكَرَ الْغُلُولَ فَعَظَّمَهُ وَعَظَّمَ أَمْرَهُ، قَالَ: «لَا أُلْفِيَنَّ أَحَدَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَى رَقَبَتِهِ شَاةٌ لَّهَا ثُغَاءٌ، عَلَى رَقَبَتِهِ فَرَسٌ لَّهُ حَمْحَمَةٌ يَقُولُ: يَا رَسُولَ اللهِ! أَغِثْنِي، فَأَقُولُ: لَا أَمْلِكُ لَكَ

[3073] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے خطاب کرتے ہوئے خیانت کا ذکر فرمایا، آپ نے اسے بھاری گناہ اور خطرناک جرم قرار دیا۔ آپ نے فرمایا: ''قیامت کے دن میں تم میں سے کسی کو اس حالت میں نہ پاؤں کہ اس کی گردن پر بکری ممیا رہی ہو یا اس کی گردن پر گھوڑا ہنہنا رہا ہو، اور وہ چلا رہا ہو: اللہ کے رسول! میری مدد فرمائیے۔ میں اسے جواب دوں کہ تیرے

① المستدرك للحاكم: 88/4. ② المستدرك للحاكم: 87/4. ③ فتح الباري: 221/6.

شَيْئًا، قَدْ أَبْلَغْتُكَ، وَعَلٰى رَقَبَتِهِ بَعِيرٌ لَهُ رُغَاءٌ يَقُولُ: يَا رَسُولَ اللهِ! أَغِثْنِي، فَأَقُولُ: لَا أَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا، قَدْ أَبْلَغْتُكَ، وَعَلٰى رَقَبَتِهِ صَامِتٌ فَيَقُولُ: يَا رَسُولَ اللهِ! أَغِثْنِي، فَأَقُولُ: لَا أَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا، قَدْ أَبْلَغْتُكَ، عَلٰى رَقَبَتِهِ رِقَاعٌ تَخْفِقُ فَيَقُولُ: يَا رَسُولَ اللهِ! أَغِثْنِي، فَأَقُولُ: لَا أَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا، قَدْ أَبْلَغْتُكَ».

لیے میں کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتا۔ میں نے تجھے اللہ کا پیغام پہنچا دیا تھا۔ اس کی گردن پر اونٹ بلبلا رہا ہو اور وہ کہے: اللہ کے رسول! میری مدد فرمائیں، اور میں جواب دوں کہ میں تمھاری کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ میں نے تو اللہ کا حکم تمھیں پہنچا دیا تھا۔ یا اس کی گردن پر سونے چاندی کے ٹکڑے لادے ہوئے ہوں اور وہ مجھ سے کہے: اللہ کے رسول! میری مدد فرمائیے اور میں اسے کہہ دوں کہ میں تمھاری کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ میں نے تو اللہ کا پیغام پہنچا دیا تھا۔ یا اس کی گردن پر کپڑوں کے ٹکڑے حرکت کر رہے ہوں اور وہ کہے: اللہ کے رسول! میری مدد کیجیے اور میں کہہ دوں: اس وقت میرے اختیار میں کچھ نہیں ہے۔ میں نے تجھے اللہ کا پیغام پہنچا دیا تھا۔‘‘

وَقَالَ أَيُّوبُ عَنْ أَبِي حَيَّانَ: «فَرَسٌ لَهُ حَمْحَمَةٌ». [راجع: ١٤٠٢]

ایوب سختیانی نے بھی ابو حیان سے یہ الفاظ بیان کیے ہیں: ’’اس کی گردن پر گھوڑا ہنہنا رہا ہو۔‘‘

فوائد ومسائل: ① فتح کے بعد میدان جنگ میں جو بھی مال وغیرہ ملے اسے مال غنیمت کہا جاتا ہے۔ اسے باضابطہ طور پر امیر لشکر کے پاس جمع کرانا چاہیے۔ اس کے بعد شرعی تقسیم کے تحت وہ مجاہدین کو دیا جائے گا۔ اس مال غنیمت میں خیانت کا مرتکب اللہ کے ہاں بہت بڑا مجرم ہوگا۔ حدیث میں مذکورہ اشیاء بطور تمثیل بیان ہوئی ہیں۔ مال غنیمت سے تو ایک چادر چرانے والے کو بھی جہنمی کہا گیا ہے۔ ② اس حدیث سے آیت کریمہ کی بھی تفسیر ہوتی ہے کہ دنیا میں جو بھی خیانت کی ہوگی قیامت کے دن ساری مخلوق کے سامنے اسے اپنے کندھوں پر اٹھا کر لائے گا اور رسول اللہ ﷺ ڈانٹتے ہوئے اسے فرمائیں گے: ’’میں تیرے متعلق کسی قسم کا اختیار نہیں رکھتا۔ میں نے تجھے اللہ کا پیغام پہنچا دیا تھا۔ اب تیرے لیے کوئی عذر قابل قبول نہیں۔‘‘

(١٩٠) بَابُ الْقَلِيلِ مِنَ الْغُلُولِ

باب: 190- مال غنیمت سے تھوڑی سی خیانت کرنا

وَلَمْ يَذْكُرْ عَبْدُ اللهِ بْنُ عَمْرٍو عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ حَرَّقَ مَتَاعَهُ، وَهٰذَا أَصَحُّ.

حضرت عبد اللہ بن عمرو ؓ نے نبی ﷺ سے یہ بیان نہیں کیا کہ آپ نے غنیمت سے چوری کرنے والے کا مال و اسباب جلا دیا تھا۔ یہ (اس روایت سے) زیادہ صحیح ہے (جس میں سامان جلا دینے کا ذکر ہے)۔

٣٠٧٤ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرٍو، عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ: كَانَ عَلَى ثَقَلِ النَّبِيِّ ﷺ رَجُلٌ يُقَالُ لَهُ: كِرْكِرَةُ، فَمَاتَ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «هُوَ فِي النَّارِ»، فَذَهَبُوا يَنْظُرُونَ إِلَيْهِ فَوَجَدُوا عَبَاءَةً قَدْ غَلَّهَا. قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: قَالَ ابْنُ سَلَامٍ: كَرْكَرَةُ، يَعْنِي بِفَتْحِ الْكَافِ وَهُوَ مَضْبُوطٌ كَذَا.

[3074] حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ کے سامان پر ایک شخص تعینات تھا جسے کِرکِرہ کہا جاتا تھا۔ جب وہ مرگیا تو نبی ﷺ نے فرمایا: ''وہ تو جہنم میں گیا۔'' جب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کا سامان وغیرہ دیکھنا شروع کیا تو اس میں ایک کوٹ ملا جسے خیانت کر کے اس نے چھپا لیا تھا۔ ابو عبداللہ (امام بخاری رحمہ اللہ) کہتے ہیں کہ محمد بن سلام نے کرکرہ کو کاف کے فتحہ (زبر) سے بیان کیا ہے اور اسی طرح مضبوط ہے۔

فوائد و مسائل: ① کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ مال غنیمت میں سے چوری کرنے والے کا سامان و اسباب جلا دینا چاہیے جیسا کہ ابو داود کی ایک روایت میں ہے[1] لیکن امام بخاری رحمہ اللہ کا موقف ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے اس سلسلے میں جو روایت رسول اللہ ﷺ سے نقل کی ہے اس میں سامان کو جلا دینے کا ذکر نہیں ہے۔ اس بنا پر صحیح تر یہی ہے کہ خیانت کرنے والے کا سامان جلانا جائز نہیں بلکہ اس روایت کے مطابق چوری کرنے والا خود آگ میں جلے گا۔ ② اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مال غنیمت میں معمولی سی چوری بھی حرام ہے جس کی سزا یقیناً جہنم ہے۔ یہ وہ جرم ہے کہ اگر کسی مجاہد سے بھی سرزد ہو تو اس کا عمل جہاد باطل ہو جاتا ہے۔ بہر حال خیانت تھوڑی ہو یا زیادہ جرم میں سب برابر ہیں۔ قیامت کے دن بھرے مجمع میں اس طرح کے خیانت پیشہ لوگوں کو برسر عام ذلیل و خوار کیا جائے گا۔

(١٩١) بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنْ ذَبْحِ الْإِبِلِ وَالْغَنَمِ فِي الْمَغَانِمِ

باب: 191- مال غنیمت کے اونٹ اور بکریوں کو تقسیم سے پہلے ذبح کرنا مکروہ ہے

٣٠٧٥ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ مَسْرُوقٍ، عَنْ عَبَايَةَ بْنِ رِفَاعَةَ، عَنْ جَدِّهِ رَافِعٍ قَالَ: كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ بِذِي الْحُلَيْفَةِ فَأَصَابَ النَّاسَ جُوعٌ، وَأَصَبْنَا إِبِلًا وَغَنَمًا - وَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ فِي أُخْرَيَاتِ النَّاسِ - فَعَجِلُوا فَنَصَبُوا الْقُدُورَ فَأَمَرَ بِالْقُدُورِ، فَأُكْفِئَتْ، ثُمَّ قَسَمَ، فَعَدَلَ عَشَرَةً مِنَ

[3075] حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ مقام ذوالحلیفہ میں ہم نے نبی ﷺ کے ہمراہ پڑاؤ کیا۔ لوگوں کو سخت بھوک لگی۔ ادھر غنیمت میں ہمیں اونٹ اور بکریاں ملی تھیں...... نبی ﷺ لشکر کے پچھلے حصے میں تھے...... لوگوں نے جلدی جلدی ذبح کر کے گوشت کی ہنڈیاں چڑھا دیں۔ آپ ﷺ کے حکم پر ان ہنڈیوں کو الٹ دیا گیا۔ پھر آپ نے مال غنیمت تقسیم کیا اور دس بکریوں کو

[1] سنن أبي داود، الجهاد، حديث: 2713.

الْغَنَمِ بِبَعِيرٍ، فَنَدَّ مِنْهَا بَعِيرٌ، وَفِي الْقَوْمِ خَيْلٌ يَسِيرَةٌ، فَطَلَبُوهُ فَأَعْيَاهُمْ، فَأَهْوٰى إِلَيْهِ رَجُلٌ بِسَهْمٍ فَحَبَسَهُ اللهُ فَقَالَ: «هٰذِهِ الْبَهَائِمُ لَهَا أَوَابِدُ كَأَوَابِدِ الْوَحْشِ، فَمَا نَدَّ عَلَيْكُمْ فَاصْنَعُوا بِهِ هٰكَذَا». فَقَالَ جَدِّي: إِنَّا نَرْجُو - أَوْ نَخَافُ - أَنْ نَلْقَى الْعَدُوَّ غَدًا وَّلَيْسَ مَعَنَا مُدًى، أَفَنَذْبَحُ بِالْقَصَبِ؟ فَقَالَ: «مَا أَنْهَرَ الدَّمَ وَذُكِرَ اسْمُ اللهِ عَلَيْهِ فَكُلْ، لَيْسَ السِّنَّ وَالظُّفُرَ وَسَأُحَدِّثُكُمْ عَنْ ذٰلِكَ، أَمَّا السِّنُّ فَعَظْمٌ وَّأَمَّا الظُّفُرُ فَمُدَى الْحَبَشَةِ». [راجع: ٢٤٨٨]

ایک اونٹ کے برابر رکھا۔ اتفاق سے مال غنیمت کا ایک اونٹ بھاگ نکلا۔ لشکر میں گھوڑوں کی کمی تھی۔ لوگ اسے پکڑنے کے لیے دوڑے لیکن اونٹ نے سب کو تھکا دیا۔ آخر ایک صحابی نے اسے تیر مارا تو اللہ کے حکم سے اونٹ جہاں تھا وہی رہ گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ان پالتو جانوروں میں بعض دفعہ جنگلی جانوروں کی طرح وحشت آجاتی ہے، اس لیے اگر ان میں سے کوئی قابو نہ آئے تو اس کے ساتھ یہی سلوک کرو۔'' راویٔ حدیث نے کہا کہ میرے دادا نے عرض کیا: ہمیں امید یا اندیشہ ہے کہ کل کہیں ہماری دشمن سے مڈبھیڑ نہ ہو جائے۔ ہمارے پاس کوئی چھری نہیں ہے تو کیا ہم سرکنڈے سے ذبح کر سکتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''جو چیز خون بہا دے اور ذبح کرتے وقت اس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو تو (اس کا گوشت) کھالو۔ لیکن ذبح کرنے والی چیز دانت یا ناخن نہیں ہونے چاہئیں۔ میں تمھارے سامنے اس کی وجہ بھی بیان کرتا ہوں کہ دانت تو ہڈی ہے اور ناخن اہل حبشہ کی چھری ہے۔''

فوائد و مسائل: ① حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کا مطلب یہ تھا کہ کل پرسوں تک دشمن سے جنگ چھڑنے کا اندیشہ ہے، اگر ہم تلواروں سے جانور ذبح کرنا شروع کر دیں تو وہ کند ہو جائیں گی اور دشمن کے خلاف استعمال نہیں ہوسکیں گی اور چھریاں ہمارے پاس ہیں نہیں، اس لیے سرکنڈے سے ذبح کی اجازت دی جائے۔ چونکہ ذبح سے مقصد نجس خون بہانا ہے اور وہ سرکنڈے سے بھی ہوسکتا ہے، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شے بھی خون بہا دے اس سے ذبح کر سکتے ہو، البتہ دانت ہڈی ہے اور ہڈی جنوں کی خوراک ہے جو ذبح کرنے سے نجس ہو جائے گی اور ناخن سے حبشی لوگ ذبح کرتے ہیں اور حبشی لوگ اس وقت کافر تھے تو آپ نے ان کی مشابہت اختیار کرنے سے منع فرمایا۔ ② حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے ہنڈیاں الٹا دینے کا حکم دیا کیونکہ جن جانوروں کا گوشت پکایا جا رہا تھا انھیں رسول اللہ ﷺ کی اجازت کے بغیر تقسیم سے پہلے ہی ذبح کر دیا گیا تھا، اس لیے آپ نے بطور سزا یہ حکم دیا۔ ③ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے مال ضائع کر دیا جبکہ دوسری احادیث میں آپ نے مال ضائع کرنے سے روکا ہے؟ ان میں تطبیق کی ایک صورت یہ ہے کہ عموی حالات میں یہی حکم ہے کہ مال ضائع نہ کیا جائے، تاہم کسی مصلحت یا تادیبی کارروائی کے طور پر ایسا کرنا جائز ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے کیا۔ اس کی تائید

سنن نسائی میں مذکور حضرت حذیفہ کے واقعے سے بھی ہوتی ہے کہ ایک دفعہ کسی گاؤں کا نمبردار چاندی کے برتن میں ان کے لیے پانی لایا تو انھوں نے وہ برتن پانی سمیت اسے دے مارا۔[1]

(١٩٢) بَابُ الْبِشَارَةِ فِي الْفُتُوحِ

باب:192- فتوحات کی بشارت دینا

٣٠٧٦ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى: حَدَّثَنَا يَحْيَى: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ: حَدَّثَنِي قَيْسٌ قَالَ: قَالَ لِي جَرِيرُ بْنُ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: قَالَ لِي رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أَلَا تُرِيحُنِي مِنْ ذِي الْخَلَصَةِ؟ وَكَانَ بَيْتًا فِيهِ خَثْعَمُ يُسَمَّى كَعْبَةَ الْيَمَانِيَةِ، فَانْطَلَقْتُ فِي خَمْسِينَ وَمِائَةٍ مِّنْ أَحْمَسَ - وَكَانُوا أَصْحَابَ خَيْلٍ - فَأَخْبَرْتُ النَّبِيَّ ﷺ أَنِّي لَا أَثْبُتُ عَلَى الْخَيْلِ، فَضَرَبَ فِي صَدْرِي حَتَّى رَأَيْتُ أَثَرَ أَصَابِعِهِ فِي صَدْرِي، فَقَالَ: «اَللّٰهُمَّ ثَبِّتْهُ وَاجْعَلْهُ هَادِيًا مَّهْدِيًّا»، فَانْطَلَقَ إِلَيْهَا فَكَسَرَهَا وَحَرَّقَهَا، فَأَرْسَلَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ يُبَشِّرُهُ، فَقَالَ رَسُولُ جَرِيرٍ لِّرَسُولِ اللهِ: يَا رَسُولَ اللهِ! وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ مَا جِئْتُكَ حَتَّى تَرَكْتُهَا كَأَنَّهَا جَمَلٌ أَجْرَبُ، فَبَارَكَ عَلَى خَيْلِ أَحْمَسَ وَرِجَالِهَا خَمْسَ مَرَّاتٍ.

وَقَالَ مُسَدَّدٌ: بَيْتٌ فِي خَثْعَمَ. [راجع: ٣٠٢٠]

[3076] حضرت جریر بن عبداللہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: مجھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم ذی الخلصہ کو تباہ کر کے مجھے کیوں خوش نہیں کرتے ہو؟'' یہ قبیلۂ خثعم کا بت کدہ تھا جسے کعبہ یمانیہ کہا جاتا تھا، چنانچہ میں (قبیلے) احمس کے ڈیڑھ سو سواروں کو لے کر تیار ہو گیا اور یہ سب بہترین شہسوار تھے۔ میں نے نبی ﷺ کو بتایا کہ میں گھوڑے پر اچھی طرح جم کر بیٹھ نہیں سکتا تو آپ نے میرے سینے پر تھپکا دیا حتی کہ میں نے آپ کی انگلیوں کا اثر اپنے سینے میں پایا۔ پھر آپ نے دعا فرمائی: ''اے اللہ! اس کو گھوڑے پر جما دے۔ اسے ہدایت کرنے والا اور ہدایت یافتہ بنا دے۔'' اس کے بعد جریر ؓ روانہ ہوئے اور اسے تباہ و برباد کر کے آگ میں جلا دیا۔ پھر نبی ﷺ کو خوشخبری دینے کے لیے آپ کی طرف قاصد روانہ کیا۔ جریر ؓ کے قاصد نے رسول اللہ سے کہا: اللہ کے رسول! اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے! میں اس وقت تک آپ کی خدمت میں حاضر نہیں ہوا جب تک وہ بت کدہ جل کر خارشی اونٹ کی طرح سیاہ نہیں ہو گیا۔ تب (یہ سن کر) آپ ﷺ نے قبیلۂ احمس کے شہ سواروں اور ان کے پیدل جوانوں کے لیے پانچ مرتبہ برکت کی دعا فرمائی۔

(راویٔ حدیث) مسدد نے کہا: ذی خلصہ قبیلۂ بنو خثعم کا ایک بت کدہ تھا۔

---

[1] سنن النسائي، الزينة، حديث: 5303.

فوائد ومسائل: ① حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اس بت کدے کو جلا دیا۔ اس کے بعد انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو خوشخبری بھیجی کہ ہم نے اس کا کام تمام کر دیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ فساد اور بدامنی کے مراکز ختم کرنا قیام امن کے لیے بہت ضروری ہے، خواہ وہ مراکز مذہب کے نام پر ہی کیوں نہ بنائے گئے ہوں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ طیبہ کے نواح میں ایک مسجد کو بھی گرا دینے کا حکم دیا تھا جو مسجد ضرار کے نام سے مشہور ہوئی۔ چونکہ رسول اللہ ﷺ صاحب اختیار حاکم بھی تھے، اس لیے آپ نے ایسی کارروائیاں کرنے کا حکم دیا۔ ② اس دور میں ہمیں ان واقعات کی آڑ میں مزارات اور بت کدوں کو گرانے کی اجازت نہیں کیونکہ اس سے فساد پھیلنے کا اندیشہ ہے، تاہم اگر حکومت یہ کام کرے تو درست ہے۔ واللہ أعلم.

(۱۹۳) بَابُ مَا يُعْطَى لِلْبَشِيرِ

باب : 193- خوشخبری دینے والے کو انعام دینا

وَأَعْطَى كَعْبُ بْنُ مَالِكٍ ثَوْبَيْنِ حِينَ بُشِّرَ بِالتَّوْبَةِ.

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کو جب ان کی توبہ قبول ہونے کی بشارت سنائی گئی تو انھوں نے (خوشخبری دینے والے کو) دو کپڑے بطور انعام پیش کیے۔

وضاحت: حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ غزوۂ تبوک سے پیچھے رہ گئے تھے جس کی بنا پر ان کا سوشل بائیکاٹ کیا گیا، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی اور اس کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔[1] رسول اللہ ﷺ نے قبولیت توبہ کا اعلان نماز فجر کے بعد کیا تو لوگ حضرت کعب رضی اللہ عنہ کو بشارت دینے کے لیے دوڑ پڑے۔ قبیلۂ اسلم کے ایک جوان نے پہاڑ پر چڑھ کر بشارت کی آواز سب سے پہلے ان تک پہنچائی تو انھوں نے خوشخبری دینے والے کو اپنے تن کے کپڑے اتار کر دے دیے اور خود کسی سے ادھار کپڑے لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔[2] اس سے ثابت ہوا کہ کسی بھی امر کی خوشخبری دینے والے کو انعام واکرام دینا پسندیدہ امر ہے۔ جنگ سے فتح یاب ہونے کی بشارت تو بڑی اہم ہے اس کی بشارت دینے والا تو یقیناً انعام کا حق دار ہے۔

(۱۹٤) بَابُ لَا هِجْرَةَ بَعْدَ الْفَتْحِ

باب: 194- فتح مکہ کے بعد (مکہ سے) ہجرت نہیں ہے

٣٠٧٧ - حَدَّثَنَا آدَمُ بْنُ أَبِي إِيَاسٍ: حَدَّثَنَا شَيْبَانُ عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنْ طَاوُسٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ: «لَا هِجْرَةَ وَلَكِنْ جِهَادٌ وَنِيَّةٌ، وَإِذَا اسْتُنْفِرْتُمْ فَانْفِرُوا». [راجع:

[3077] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فتح مکہ کے دن فرمایا: ”اب ہجرت باقی نہیں رہی، البتہ حسن نیت اور جہاد باقی ہے۔ اور جب تمھیں جہاد کے لیے نکلنے کا حکم دیا جائے تو فوراً نکل جاؤ۔“

[1] التوبة 9:102. [2] صحيح البخاري، المغازي، حديث: 4418.

[١٣٤٩

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت مراد ہے۔ پہلے جب مکہ مکرمہ دارالکفر تھا اور مسلمانوں کو اسلام کے مطابق زندگی گزارنے کی اجازت نہیں تھی تو وہاں سے ہجرت کرنا ضروری تھا لیکن جب مکہ فتح ہو گیا اور اسلامی حکومت کا حصہ بن گیا تو اب یہاں سے ہجرت کرنے کا سوال ہی باقی نہ رہا۔ ② اس کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ ہجرت کا حکم ہی ختم کر دیا گیا ہے بلکہ اب بھی جہاں مسلمانوں کو احکام اسلام پر عمل کرنے کی آزادی نہ ہو تو وہاں سے دارالاسلام کی طرف ہجرت کرنا ضروری ہے بلکہ جب تک دنیا قائم ہے اور اس میں کفر و اسلام کی کشمکش موجود ہے ہجرت کا دروازہ بند نہیں ہو سکتا۔ لیکن ہجرت کے نام پر قتل و غارت یا لوٹ مار کی قطعاً اجازت نہیں جیسا کہ ہمارے ہاں اس نام سے بہت سی تحریکوں نے جنم لے رکھا ہے۔

٣٠٧٨، ٣٠٧٩ - حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسٰى: أَخْبَرَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ عَنْ خَالِدٍ، عَنْ أَبِي عُثْمَانَ النَّهْدِيِّ، عَنْ مُجَاشِعِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ: جَاءَ مُجَاشِعٌ بِأَخِيهِ مُجَالِدِ بْنِ مَسْعُودٍ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: هٰذَا مُجَالِدٌ يُبَايِعُكَ عَلَى الْهِجْرَةِ، فَقَالَ: «لَا هِجْرَةَ بَعْدَ فَتْحِ مَكَّةَ، وَلٰكِنْ أُبَايِعُهُ عَلَى الْإِسْلَامِ». [راجع: ٢٩٦٢، ٢٩٦٣]

[3079,3078] حضرت مجاشع بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ اپنے بھائی حضرت مجالد بن مسعود رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یہ مجالد ہیں اور آپ سے ہجرت پر بیعت کرنا چاہتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”فتح مکہ کے بعد تو ہجرت باقی نہیں رہی، البتہ دین اسلام پر (استقامت کی) بیعت ان سے لے لیتا ہوں۔“

فوائد و مسائل: ① ہجرت کے لغوی معنی ”چھوڑنے“ کے ہیں اور شرعی اصطلاح میں اسلام کی خاطر اپنا گھر بار اور وطن چھوڑ کر دارالاسلام میں آ جانے کو ہجرت کہا جاتا ہے۔ اگر یہ ہجرت اللہ کی رضا اور خوشنودی کے لیے ہو تو اسلام میں اس کا بہت اونچا درجہ ہے اور اگر دنیا طلبی یا کسی اور غرض کے پیش نظر ہو تو ایسی ہجرت کا اللہ کے ہاں کوئی اجر و ثواب نہیں ہے۔ ② جو لوگ پیسہ کمانے کے لیے اپنا اسلامی ملک چھوڑ کر دارالکفر چلے جاتے ہیں اور وہاں کا رہن سہن اور وہاں کی تہذیب و ثقافت اختیار کر لیتے ہیں، ایسے لوگوں کو اپنے اس کردار پر نظر ثانی کرنی چاہیے کہ ان کی یہ ہجرت کس ”کھاتے“ میں ہے۔ بہر حال حدیث میں مذکور ایک خاص ہجرت مراد ہے۔ ہجرت کو قطعی طور پر ختم کرنا قطعاً مقصود نہیں۔

٣٠٨٠ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ: قَالَ عَمْرٌو وَابْنُ جُرَيْجٍ: سَمِعْتُ عَطَاءً يَقُولُ: ذَهَبْتُ مَعَ عُبَيْدِ بْنِ عُمَيْرٍ إِلٰى عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا وَهِيَ مُجَاوِرَةٌ بِثَبِيرٍ،

[3080] حضرت عطاء سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں عبید بن عمیر کے ہمراہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا جبکہ وہ ثبیر پہاڑ کے دامن میں تشریف فرما تھیں۔ انھوں نے ہمیں فرمایا: جب سے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ

فَقَالَتْ لَنَا: إِنْقَطَعَتِ الْهِجْرَةُ مُذْ فَتَحَ اللهُ عَلٰى نَبِيِّهِ ﷺ مَكَّةَ. [انظر: ٣٩٠٠، ٤٣١٢]

کو مکہ مکرمہ پر فتح دی ہے، اس وقت سے ہجرت کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہے۔

فوائد و مسائل: ① ثبیر، مزدلفہ کے نزدیک ایک بڑا پہاڑ ہے جو منیٰ کی طرف جانے والے کے بائیں طرف پڑتا ہے۔ اس حدیث میں بھی ایک خاص ہجرت مراد ہے جو مکہ فتح ہونے کے بعد ختم ہو چکی ہے، البتہ طلب علم اور فتنہ وفساد سے محفوظ رہنے کی نیت سے اپنا مالوف وطن چھوڑنا اور اس سے ہجرت کر جانا اب بھی باقی ہے اور اس قسم کی ہجرت ہمیشہ باقی رہے گی۔ ② بہرحال اب بھی جہاں کہیں دارالحرب ہے اگر کوئی شخص اپنے دین کو بچانے کی نیت سے ہجرت کرنے پر قادر ہے تو اس پر ہجرت واجب ہے تاکہ ہر قسم کے خطرات سے محفوظ ہو جائے اور اگر عاجز ہو تو کراہت کے ساتھ وہاں اقامت رکھی جا سکتی ہے لیکن اگر مصائب و آلام جھیل کر نکل جائے تو اسے اللہ کے ہاں بہت اجر و ثواب ملے گا۔

(١٩٥) بَابٌ: إِذَا اضْطُرَّ الرَّجُلُ إِلَى النَّظَرِ فِي شُعُورِ أَهْلِ الذِّمَّةِ وَالْمُؤْمِنَاتِ إِذَا عَصَيْنَ اللهَ وَتَجْرِيدِهِنَّ

باب: 195- جب کوئی شخص ذمی عورتوں یا مسلمان خواتین کے بالوں کو اللہ کی معصیت کی وجہ سے دیکھنے یا انھیں ننگا کرنے پر مجبور ہو جائے

٣٠٨١ - حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ حَوْشَبٍ الطَّائِفِيُّ: حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ: أَخْبَرَنَا حُصَيْنٌ عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَيْدَةَ، عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ وَكَانَ عُثْمَانِيًّا، فَقَالَ لِابْنِ عَطِيَّةَ، وَكَانَ عَلَوِيًّا: إِنِّي لَأَعْلَمُ مَا الَّذِي جَرَّأَ صَاحِبَكَ عَلَى الدِّمَاءِ، سَمِعْتُهُ يَقُولُ: بَعَثَنِي النَّبِيُّ ﷺ وَالزُّبَيْرَ فَقَالَ: «ائْتُوا رَوْضَةَ كَذَا، وَتَجِدُونَ بِهَا امْرَأَةً أَعْطَاهَا حَاطِبٌ كِتَابًا» فَأَتَيْنَا الرَّوْضَةَ فَقُلْنَا: الْكِتَابَ، قَالَتْ: لَمْ يُعْطِنِي، فَقُلْنَا: لَتُخْرِجِنَّ أَوْ لَأُجَرِّدَنَّكِ، فَأَخْرَجَتْ مِنْ حُجْزَتِهَا فَأَرْسَلَ إِلَى حَاطِبٍ، فَقَالَ: لَا تَعْجَلْ، وَاللهِ مَا كَفَرْتُ وَلَا ازْدَدْتُ لِلْإِسْلَامِ إِلَّا حُبًّا وَلَمْ يَكُنْ أَحَدٌ مِّنْ أَصْحَابِكَ إِلَّا وَلَهُ بِمَكَّةَ مَنْ يَّدْفَعُ اللهُ بِهِ عَنْ أَهْلِهِ وَمَالِهِ،

[3081] حضرت ابوعبدالرحمٰن سے روایت ہے جو کہ عثمانی ہیں انھوں نے حضرت ابن عطیہ سے کہا جو علوی تھے، میں خوب جانتا ہوں کہ تمھارے صاحب (حضرت علی رضی اللہ عنہ) کو کس چیز سے خون بہانے پر جرأت ہوئی۔ میں نے خود ان سے سنا، وہ بیان کرتے تھے کہ مجھے اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو نبی ﷺ نے روانہ کیا اور ہدایت فرمائی: ''جب تم فلاں روضہ پر پہنچو تو وہاں تمھیں ایک عورت ملے گی جسے حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے ایک خط دے کر بھیجا ہے۔'' چنانچہ جب ہم اس باغ میں پہنچے تو ہم نے اس عورت سے وہ خط لانے کو کہا۔ اس نے جواب دیا کہ مجھے اس (حاطب رضی اللہ عنہ) نے کوئی خط نہیں دیا۔ ہم نے اس سے کہا کہ خط خود بخود نکال کر ہمارے حوالے کر دو بصورت دیگر (تلاشی لینے کے لیے) تیرے کپڑے اتار دیے جائیں گے۔ اس کے بعد اس نے وہ خط اپنے مقعد ازار سے نکالا۔ آپ ﷺ نے

وَلَمْ يَكُنْ لِّي أَحَدٌ، فَأَحْبَبْتُ أَنْ أَتَّخِذَ عِنْدَهُمْ يَدًا، فَصَدَّقَهُ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ عُمَرُ: دَعْنِي أَضْرِبْ عُنُقَهُ فَإِنَّهُ قَدْ نَافَقَ، فَقَالَ: «وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ اللهَ اطَّلَعَ عَلٰى أَهْلِ بَدْرٍ فَقَالَ: اعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ؟» فَهٰذَا الَّذِي جَرَّأَهُ. [راجع: ۳۰۰۷]

حضرت حاطب کو بلا بھیجا تو انھوں نے عرض کیا: آپ میرے بارے میں جلدی نہ کریں۔ اللہ کی قسم! میں نے کفر کا ارتکاب نہیں کیا بلکہ اسلام سے میری محبت میں اضافہ ہی ہوا ہے۔ مجھے صرف اپنے خاندان کی محبت نے اس اقدام پر مجبور کیا تھا کیونکہ آپ کے اصحاب میں سے کوئی شخص ایسا نہیں جس کے رشتہ دار وغیرہ مکہ میں نہ ہوں جن کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ ان کے اہل و عیال اور مال و اسباب کی حفاظت کراتا ہے لیکن میرا کوئی عزیز نہیں ہے، اس لیے میں نے چاہا کہ اہل مکہ پر کوئی احسان کر دوں۔ نبی ﷺ نے بھی اس امر کی تصدیق فرما دی لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: مجھے چھوڑیے میں اس کا سر قلم کر دوں کیونکہ اس نے منافقت کی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تمھیں معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اہل بدر پر نظر کرتے ہوئے فرمایا: اب جو چاہو کرو۔'' ابوعبدالرحمٰن نے کہا: انھیں (حضرت علی رضی اللہ عنہ کو) اسی بات نے دلیر کر رکھا ہے۔

فوائد و مسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث سے ثابت کیا ہے کہ ضرورت کے وقت کسی بھی عورت کی تلاشی لینا یا اسے برہنہ کرنا درست ہے۔ خاص طور پر جاسوس مرد ہو یا عورت جب اس کے برہنہ کرنے میں مصلحت ہو یا اس کی ستر پوشی میں فساد کا اندیشہ ہو تو اس کا انکشاف ضروری ہے۔ ② قاعدہ ہے کہ ضرورت کے وقت ممنوع چیزیں مباح قرار پاتی ہیں۔ یہ قاعدہ اسی قسم کی احادیث سے ماخوذ ہے۔ ابوعبدالرحمٰن کے کلام میں انتہائی مبالغہ ہے کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی للّٰہیت اور تقویٰ شعاری سے بعید ہے کہ وہ کسی کا خون ناحق کریں۔ ③ واضح رہے کہ سلف میں جو لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر فضیلت دیتے تھے انھیں عثمانی اور جو لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر برتری دیتے تھے انھیں علوی کہا جاتا تھا۔ یہ اصطلاح ایک زمانے تک رہی پھر ختم ہو گئی۔ اب خاندانی نسبت کی حد تک ایسا کہا جاتا ہے۔

(۱۹۶) بَابُ اسْتِقْبَالِ الْغُزَاةِ

باب: 196- غازیوں کا استقبال کرنا

۳۰۸۲ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي الْأَسْوَدِ:

[3082] حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے،

حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ وَّحُمَيْدُ بْنُ الْأَسْوَدِ عَنْ حَبِيبِ بْنِ الشَّهِيدِ، عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ: قَالَ ابْنُ الزُّبَيْرِ لِابْنِ جَعْفَرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ: أَتَذْكُرُ إِذْ تَلَقَّيْنَا رَسُولَ اللهِ ﷺ أَنَا وَأَنْتَ وَابْنُ عَبَّاسٍ؟ قَالَ: نَعَمْ، فَحَمَلَنَا وَتَرَكَكَ.

انھوں نے ابن جعفر رضی اللہ عنہما سے کہا: کیا تمھیں یاد ہے کہ جب ہم، تم اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ کے استقبال کو گئے تھے؟ انھوں نے کہا: ہاں (خوب یاد ہے) آپ ﷺ نے ہمیں تو اپنے ساتھ سوار کر لیا تھا اور آپ کو چھوڑ دیا تھا۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جہاد، حج یا دیگر کسی سفر سے واپس آنے والے کا خوشی اور سرور سے استقبال کرنا مستحسن ہے۔ ② صحیح مسلم کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو اپنے ساتھ بٹھا لیا اور عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کو چھوڑ دیا تھا۔[1] یہ راوی کا وہم ہے۔ صحیح بخاری کی حدیث راجح ہے، نیز ایک روایت کے مطابق ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ مکہ تشریف لائے تو خاندان عبدالمطلب کے بچوں نے آپ کا استقبال کیا۔ آپ نے ایک کو اپنے آگے اور دوسرے کو اپنے پیچھے بٹھا لیا۔[2] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کو آپ نے سوار کیا تھا۔ ابن جعفر، خاندان عبدالمطلب سے ہیں۔[3]

٣٠٨٣ - حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: قَالَ السَّائِبُ بْنُ يَزِيدَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: ذَهَبْنَا نَتَلَقَّى رَسُولَ اللهِ ﷺ مَعَ الصِّبْيَانِ إِلَى ثَنِيَّةِ الْوَدَاعِ. [انظر: ٤٤٢٦، ٤٤٢٧]

[3083] حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ ہم بچوں کے ساتھ مل کر ثنیۃ الوداع تک رسول اللہ ﷺ کے استقبال کے لیے گئے تھے۔

فوائد و مسائل: ① اس ثنیۃ الوداع سے مراد وہ جہت ہے جو مدینہ طیبہ سے تبوک کی طرف ہے کیونکہ جامع ترمذی میں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ غزوۂ تبوک سے واپس آئے تو آپ کے استقبال کے لیے وہ ثنیۃ الوداع تک گئے۔ حضرت سائب کہتے ہیں کہ میں بھی ان کے ساتھ تھا اور میں اس وقت کم عمر بچہ تھا۔[4] ② مدینہ طیبہ کے چاروں طرف ثنیات الوداع ہیں کیونکہ پہاڑ کے نشیب میں واقع راستے کو ثنیہ کہا جاتا ہے۔ جب لوگ کسی کو الوداع کرنے جاتے تو ان مقامات تک جاتے، اس لیے ان جگہوں کو ثنیۃ الوداع کہتے تھے۔[5]

(١٩٧) بَابُ مَا يَقُولُ إِذَا رَجَعَ مِنَ الْغَزْوِ

باب: 197- جب جہاد سے واپس لوٹے تو کیا پڑھے

---

[1] صحيح البخاري، العمرة، حديث: 1798. [2] صحيح مسلم، فضائل الصحابة، حديث: 6266 (2427). [3] فتح الباري: 230/6. [4] جامع الترمذي، الجهاد، حديث: 1718. [5] عمدة القاري: 414/10.

٣٠٨٤ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا جُوَيْرِيَةُ عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا قَفَلَ كَبَّرَ ثَلَاثًا، قَالَ: «آيِبُونَ إِنْ شَاءَ اللهُ تَائِبُونَ، عَابِدُونَ حَامِدُونَ، لِرَبِّنَا سَاجِدُونَ، صَدَقَ اللهُ وَعْدَهُ، وَنَصَرَ عَبْدَهُ، وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ». [راجع: ١٧٩٧]

[3084] حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ جب سفر سے واپس ہوتے تو تین مرتبہ اللہ اکبر کہتے اور پھر یہ دعا پڑھتے: ''ہم ان شاء اللہ (اللہ کی طرف) لوٹنے والے ہیں۔ توبہ کرنے، عبادت کرنے والے، اپنے رب کی حمد وثنا کرنے والے اور اس کے حضور سجدہ ریز ہونے والے ہیں۔ اللہ نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا۔ اس نے اپنے بندے کی مدد فرمائی۔ اور اس اکیلے نے کافروں کو شکست سے دوچار کر دیا۔''

فائدہ: یہ روایت متعدد مرتبہ پہلے گزر چکی ہے۔ قبل ازیں بیان ہوا تھا کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی بالائی حصے پر چڑھتے تو اللہ اکبر کہتے۔[1] ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب حج، عمرے یا کسی غزوے سے واپس ہوتے تو مذکورہ دعا پڑھتے۔[2] امام بخاری ؒ نے ثابت کیا ہے کہ مجاہدین جب جہاد سے واپس لوٹیں تو مذکورہ دعا پڑھیں۔ اس میں سراسر اللہ کے حضور اپنی خود سپردگی کو بیان کیا گیا ہے۔

٣٠٨٥ - حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ قَالَ: حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ أَبِي إِسْحَاقَ عَنْ أَنَسِ ابْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ مَقْفَلَهُ مِنْ عُسْفَانَ، وَرَسُولُ اللهِ ﷺ عَلَى رَاحِلَتِهِ، وَقَدْ أَرْدَفَ صَفِيَّةَ بِنْتَ حُيَيٍّ، فَعَثَرَتْ نَاقَتُهُ فَصُرِعَا جَمِيعًا، فَاقْتَحَمَ أَبُو طَلْحَةَ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! جَعَلَنِيَ اللهُ فِدَاءَكَ، قَالَ: «عَلَيْكَ الْمَرْأَةَ»، فَقَلَبَ ثَوْبًا عَلَى وَجْهِهِ وَأَتَاهَا فَأَلْقَاهُ عَلَيْهَا أَصْلَحَ لَهُمَا مَرْكَبَهُمَا فَرَكِبَا، وَاكْتَنَفْنَا رَسُولَ اللهِ ﷺ فَلَمَّا أَشْرَفْنَا عَلَى الْمَدِينَةِ، قَالَ: «آيِبُونَ تَائِبُونَ، عَابِدُونَ لِرَبِّنَا حَامِدُونَ». فَلَمْ يَزَلْ يَقُولُ ذٰلِكَ حَتَّى دَخَلَ الْمَدِينَةَ. [راجع: ٣٧١]

[3085] حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ ہم عسفان سے واپسی پر نبی ﷺ کے ہمراہ تھے جبکہ رسول اللہ ﷺ اپنی اونٹنی پر سوار تھے اور آپ نے حضرت صفیہ بنت حیی ؓ کو اپنے پیچھے بٹھایا ہوا تھا۔ اچانک آپ کی اونٹنی کا پاؤں پھسلا تو آپ دونوں (زمین پر) گر پڑے۔ یہ حال دیکھ کر حضرت ابوطلحہ ؓ جلدی سے دوڑ کر آئے اور کہا: اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ مجھے آپ پر قربان فرمائے (کیا چوٹ تو نہیں آئی؟) آپ نے فرمایا: ''پہلے عورت کی خبر لو۔'' حضرت ابوطلحہ اپنے چہرے پر کپڑا ڈال کر حضرت صفیہ ؓ کے پاس گئے اور وہی کپڑا حضرت صفیہ ؓ پر ڈال دیا۔ پھر دونوں کے لیے سواری درست کی، چنانچہ دونوں سوار ہوئے، پھر ہم رسول اللہ ﷺ کے گرد حلقہ بنا کر روانہ ہوئے۔ جب ہم مدینہ طیبہ کے قریب ہوئے تو

[1] صحيح البخاري، الجهاد، حديث: 2993. [2] صحيح البخاري، العمرة، حديث: 1797.

آپ نے فرمایا: ''ہم واپس ہو رہے ہیں، توبہ کرتے ہوئے، اپنے اللہ کی عبادت اور اس کی تعریف کرتے ہوئے۔'' آپ مسلسل یہی کلمات دہراتے رہے حتی کہ مدینہ طیبہ میں داخل ہو گئے۔

فوائد و مسائل: ① یہ واقعہ غزوۂ عسفان سے واپسی پر نہیں بلکہ غزوۂ خیبر سے واپسی پر وقوع پذیر ہوا تھا کیونکہ غزوۂ عسفان چھ ہجری میں ہوا جبکہ خیبر کا واقعہ سات ہجری میں ہوا ہے اور اسی سفر میں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کے پیچھے سوار ہوئی تھیں۔ ② بعض اہل علم نے کہا کہ غزوۂ عسفان کے متصل بعد غزوۂ خیبر ہوا تھا اور دونوں کے درمیان والا عرصہ نظر انداز کر دیا گیا کیونکہ وہ بہت تھوڑی مدت تھی جیسا کہ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں متعہ کی تحریم کو غزوۂ اوطاس کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے، حالانکہ متعے کی تحریم فتح مکہ میں ہوئی تھی، تو جس طرح غزوۂ اوطاس کے فتح مکہ سے متصل ہونے کے باعث متعے کی تحریم غزوۂ اوطاس کی طرف کر دی گئی ہے اسی طرح غزوۂ عسفان بھی غزوۂ خیبر سے متصل تھا اس بنا پر مذکورہ واقعے کو غزوۂ عسفان کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے۔[1] واللہ أعلم.

٣٠٨٦ - حَدَّثَنَا عَلِيٌّ: حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَبِي إِسْحَاقَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّهُ أَقْبَلَ هُوَ وَأَبُو طَلْحَةَ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ، وَمَعَ النَّبِيِّ ﷺ صَفِيَّةُ يُرْدِفُهَا عَلَى رَاحِلَتِهِ، فَلَمَّا كَانَ بِبَعْضِ الطَّرِيقِ عَثَرَتِ الدَّابَّةُ فَصُرِعَ النَّبِيُّ ﷺ وَالْمَرْأَةُ، وَإِنَّ أَبَا طَلْحَةَ قَالَ: - أَحْسِبُ قَالَ: - اقْتَحَمَ عَنْ بَعِيرِهِ فَقَالَ: يَا نَبِيَّ اللهِ! جَعَلَنِيَ اللهُ فِدَاءَكَ، هَلْ أَصَابَكَ مِنْ شَيْءٍ؟ قَالَ: «لَا، وَلٰكِنْ عَلَيْكَ الْمَرْأَةَ». فَأَلْقَى أَبُو طَلْحَةَ ثَوْبَهُ عَلَى وَجْهِهِ فَقَصَدَ قَصْدَهَا فَأَلْقَى ثَوْبَهُ عَلَيْهَا فَقَامَتِ الْمَرْأَةُ، فَشَدَّ لَهُمَا عَلَى رَاحِلَتِهِمَا فَرَكِبَا، فَسَارُوا، حَتَّى إِذَا كَانُوا بِظَهْرِ الْمَدِينَةِ - أَوْ قَالَ: أَشْرَفُوا عَلَى الْمَدِينَةِ

[3086] حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ وہ اور حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے ہمراہ ایک سفر سے واپس آئے۔ اور نبی ﷺ کے ساتھ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سوار تھیں، جنھیں آپ نے اپنے پیچھے اونٹنی پر بٹھایا ہوا تھا۔ راستے میں اونٹنی کا پاؤں پھسلا تو نبی ﷺ اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا دونوں گر پڑے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا کہنا ہے کہ میرے خیال کے مطابق وہ (حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ) اپنے اونٹ ہی سے کود پڑے اور (آپ ﷺ کے پاس آ کر) عرض کیا: اللہ کے نبی! اللہ تعالیٰ مجھے آپ پر قربان کرے، کیا آپ کو چوٹ تو نہیں آئی؟ آپ نے فرمایا: ''نہیں، تم اس عورت (صفیہ) کا پتہ کرو۔'' چنانچہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ اپنے چہرے پر کپڑا ڈال کر حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی طرف چل دیے۔ پھر انھوں نے وہ کپڑا ان پر ڈال دیا۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا اٹھ کھڑی ہوئیں۔ انھوں نے سواری درست کی تو دونوں اس پر سوار ہو گئے۔ وہ

1 فتح الباري: 232/6.

- قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «آيِبُونَ تَائِبُونَ، عَابِدُونَ لِرَبِّنَا حَامِدُونَ». فَلَمْ يَزَلْ يَقُولُهَا حَتَّى دَخَلَ الْمَدِينَةَ. [راجع: ٣٧١]

راستے میں چلتے رہے حتی کہ وہ مدینہ کی سرزمین کے قریب پہنچے یا دور سے مدینہ طیبہ کو دیکھا تو نبی ﷺ نے فرمایا: "ہم سفر سے لوٹنے والے ہیں۔ توبہ کرنے والے، اپنے رب کی عبادت کرنے والے اور اس کی حمد و ثنا کرنے والے ہیں۔" آپ مسلسل یہ کلمات کہتے رہے حتی کہ مدینہ طیبہ میں داخل ہو گئے۔

فوائد و مسائل: ① حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے اپنے منہ پر کپڑا اس لیے ڈالا کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا پر نظر نہ پڑے۔ سبحان اللہ! صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں کس قدر شرم و حیا تھی۔ لیکن ہمارے ہاں اس قدر بے حیائی کا دور دورہ ہے کہ بازار میں عورتیں مردوں کو گھور، گھور کر دیکھتی ہیں اور انھیں دعوت نظارہ دیتی ہیں۔ العیاذ باللہ. ② اس حدیث کے پیش نظر اب بھی سنت یہی ہے کہ کسی سفر سے بخیریت واپسی پر اس دعا کو پڑھا جائے، وہ سفر حج کا ہو یا عمرے کا یا کسی عزیز و اقارب سے ملاقات کا۔ الغرض ہر قسم کے سفر سے واپسی پر مذکورہ دعا پڑھنا سنت ہے۔

(١٩٨) بَابُ الصَّلَاةِ إِذَا قَدِمَ مِنْ سَفَرٍ

باب: 198- سفر سے واپسی پر نماز پڑھنا

٣٠٨٧ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ مُحَارِبِ بْنِ دِثَارٍ قَالَ: سَمِعْتُ جَابِرَ ابْنَ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي سَفَرٍ، فَلَمَّا قَدِمْنَا الْمَدِينَةَ قَالَ لِي: «أُدْخُلِ الْمَسْجِدَ فَصَلِّ رَكْعَتَيْنِ». [راجع: ٤٤٣]

[3087] حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں ایک سفر میں نبی ﷺ کے ہمراہ تھا۔ جب ہم مدینہ طیبہ آئے تو آپ نے مجھے فرمایا: "مسجد میں جا کر دو رکعتیں پڑھو۔"

فوائد و مسائل: ① مذکورہ عنوان انھی الفاظ کے ساتھ کتاب الصلاۃ (باب: 59) میں گزر چکا ہے۔ وہاں اس حدیث کے الفاظ میں تھوڑا سا فرق ہے۔ ② اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سفر سے واپس آنے کے بعد نماز پڑھنا سنت ہے، نیز اپنے گھر جانے سے پہلے اللہ کے گھر سے ابتدا کرنی چاہیے۔

٣٠٨٨ - حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدِ اللهِ ابْنِ كَعْبٍ، عَنْ أَبِيهِ وَعَمِّهِ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ كَعْبٍ، عَنْ كَعْبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا

[3088] حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ جب چاشت کے وقت سفر سے واپس تشریف لاتے تو مسجد میں آ کر بیٹھنے سے پہلے دو رکعتیں پڑھتے تھے۔

قَدِمَ مِنْ سَفَرٍ ضُحًى دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ يَجْلِسَ. [راجع: ٢٧٥٧]

فوائد ومسائل: ① سفر جہاد ہو یا سفر حج وعمرہ یا کوئی اور سفر، خیریت کے ساتھ گھر واپسی پر بطور شکرانہ دو رکعت ادا کرنا مسنون امر ہے۔ مقصد یہ ہے کہ سفر کی انتہا مسجد کے ساتھ تعلق پر ہو۔ ② اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بزرگ حضرات جب سفر سے واپس آئیں تو پہلے مسجد میں تشریف رکھیں تاکہ عقیدت منداور معززین انھیں سلام عرض کریں۔[1]

(١٩٩) بَابُ الطَّعَامِ عِنْدَ الْقُدُومِ

باب: 199- سفر سے واپسی پر دعوت طعام کا اہتمام کرنا

وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يُفْطِرُ لِمَنْ يَغْشَاهُ.

حضرت عبداللہ بن عمر ؓ (جب سفر سے واپس آتے تو) ملاقاتیوں کے آنے کی وجہ سے روزہ نہیں رکھتے تھے۔

وضاحت: اس معلق روایت کو قاضی اسماعیل نے اپنی کتاب احکام القرآن میں متصل سند سے بیان کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: حضرت عبداللہ بن عمر ؓ جب گھر ہوتے تو روزہ نہیں چھوڑتے تھے اور دوران سفر میں روزہ نہیں رکھتے تھے۔ جب سفر سے واپس لوٹتے تو ملاقاتیوں کی خاطر چند دن تک روزہ نہ رکھتے، پھر روزے رکھنا شروع کرتے۔[2] اس روایت کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر ؓ جب سفر سے واپس آتے تو ملاقاتیوں کے لیے دعوت کا اہتمام کرتے اور روزے نہ رکھتے تاکہ آنے والوں کے ساتھ مل کر کھانا کھایا جائے۔

٣٠٨٩ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ: أَخْبَرَنَا وَكِيعٌ عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ مُحَارِبِ بْنِ دِثَارٍ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ لَمَّا قَدِمَ الْمَدِينَةَ نَحَرَ جَزُورًا أَوْ بَقَرَةً.

[3089] حضرت جابر بن عبداللہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب (تبوک سے) مدینہ طیبہ تشریف لائے تو اونٹ یا گائے کو ذبح کیا۔

زَادَ مُعَاذٌ عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ مُحَارِبٍ: سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ: اشْتَرَى مِنِّي النَّبِيُّ ﷺ بَعِيرًا بِأُوقِيَّتَيْنِ وَدِرْهَمٍ أَوْ دِرْهَمَيْنِ، فَلَمَّا قَدِمَ صِرَارًا أَمَرَ بِبَقَرَةٍ فَذُبِحَتْ فَأَكَلُوا مِنْهَا، فَلَمَّا قَدِمَ الْمَدِينَةَ أَمَرَنِي أَنْ آتِيَ الْمَسْجِدَ فَأُصَلِّيَ

معاذ عنبری کی روایت میں کچھ اضافہ ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہ ؓ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے مجھ سے دو اوقیہ اور ایک درہم یا دو درہم کے عوض اونٹ خریدا۔ جب آپ مقام صرار پر پہنچے تو آپ نے گائے ذبح کرنے کا حکم دیا، چنانچہ اسے ذبح کیا گیا اور لوگوں نے اس کا گوشت کھایا۔ جب

1 عمدة القاري: 10/417. 2 فتح الباري: 6/233.

رَكْعَتَيْنِ، وَوَزَنَ لِي ثَمَنَ الْبَعِيرِ. [راجع: ٤٤٣]

آپ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو مجھے حکم دیا کہ میں (پہلے) مسجد میں جاؤں اور وہاں دو رکعتیں ادا کروں۔ اس کے بعد مجھے میرے اونٹ کی قیمت وزن کر کے عطا فرمائی۔

٣٠٩٠ - حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ مُحَارِبِ بْنِ دِثَارٍ، عَنْ جَابِرٍ قَالَ: قَدِمْتُ مِنْ سَفَرٍ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «صَلِّ رَكْعَتَيْنِ».

[3090] حضرت جابر رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے، انھوں نے کہا: جب میں سفر سے واپس آیا تو نبی ﷺ نے فرمایا: ''دو رکعت نماز پڑھو۔''

صِرَارٌ: مَوْضِعٌ نَّاحِيَةً بِالْمَدِينَةِ. [راجع: ٤٤٣]

صرار، مدینہ طیبہ کے قریب ایک جگہ کا نام ہے۔

فوائد و مسائل: ① کچھ اہل علم نے امام بخاری رحمہ اللہ پر اعتراض کیا ہے کہ اس آخری حدیث کا عنوان سے کوئی تعلق نہیں بلکہ یہ اس سے پہلے باب کے مطابق ہے، لہٰذا اسے وہاں ذکر کرنا چاہیے تھا۔ ہمارے رجحان کے مطابق یہ اعتراض برائے اعتراض ہے۔ دراصل امام بخاری رحمہ اللہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب غزوۂ تبوک سے واپس ہوئے تو دوران سفر میں کئی ایک واقعات وقوع پذیر ہوئے جنھیں حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے، مثلاً: ○ دوران سفر میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا اونٹ تھک گیا تھا جسے آپ نے چھڑی ماری تو وہ تیز رفتار ہو گیا۔ ○ رسول اللہ ﷺ نے وہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے خرید کر لیا تاکہ کسی بہانے ان کا تعاون کیا جائے۔ ○ مدینہ طیبہ پہنچنے سے پہلے مقام صرار پر رسول اللہ ﷺ نے ایک پر تکلف دعوت کی جس میں ایک گائے ذبح کی گئی۔ ○ مدینہ طیبہ پہنچ کر گھر جانے سے پہلے رسول اللہ ﷺ نے مسجد میں دو رکعت ادا کیں۔ ○ حضرت جابر رضی اللہ عنہ جب آپ کو اونٹ دینے گئے تو آپ نے انھیں مسجد میں جا کر دو رکعت پڑھنے کا حکم دیا۔ ○ آخر میں رسول اللہ ﷺ نے اونٹ کی قیمت ادا کی، کچھ زیادہ چاندی بھی دی اور اونٹ بھی واپس کر دیا۔ یہ واقعات انفرادی طور پر مختلف راویوں نے بیان کیے ہیں۔ ان میں سے معاذ عنبری نے اختصار کے ساتھ چند واقعات کو بیان کیا ہے، چنانچہ انھوں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ ﷺ کا دو اوقیے چاندی کے عوض اونٹ خریدنا، مقام صرار پر اونٹ یا گائے ذبح کر کے ہم سفر حضرات کی دعوت کرنا، حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو مسجد میں جا کر دو رکعت پڑھنے کی تلقین کرنا اور آخر میں اونٹ کی قیمت ادا کرنا بیان کیا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ سفر سے واپسی پر مسجد میں جا کر شکرانے کے دو نفل پڑھنا مسنون عمل ہے جیسا کہ سفر سے بہ خیریت لوٹنے پر احباب کرام کی دعوت کرنا بھی سنت نبوی ہے۔ ② اس سلسلے میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا طرز عمل بھی قابل تحسین ہے کہ اقامت کی حالت میں ان کی عادت بکثرت روزے رکھنے کی تھی لیکن جب سفر سے واپس آتے تو چند دن اس خیال سے روزے نہیں رکھتے تھے کہ دوست و احباب ملاقات کے لیے آئیں گے تو ان کی ضیافت ضروری ہے اور یہ بھی ضروری ہے کہ میزبان مہمان کے ساتھ کھائے، اس بنا پر آپ چند دن کے لیے نفلی روزے مؤخر کر دیتے تھے۔ ...... رضی اللہ عنہ

مال غنیمت کے خمس اور میدان جنگ سے ملنے والے مال کی اقسام کا بیان

غزوۂ بدر کے اختتام پر اس قسم کی صورتحال پیدا ہوگئی کہ جس فریق نے غنیمت کا مال لوٹا وہ اپنے آپ ہی کو اس کا حقدار سمجھنے لگا۔ کچھ لوگ کفار کا تعاقب کرنے والے تھے، انھوں نے دعویٰ کیا کہ ہم بھی مال غنیمت میں برابر کے شریک ہیں کیونکہ اگر ہم کفار کا تعاقب نہ کرتے تو کفار واپس آ کر حملہ کر سکتے تھے جس سے فتح کا شکست میں بدل جانا ممکن تھا۔ کچھ لوگ رسول اللہ ﷺ کی حفاظت پر مامور تھے، انھوں نے کہا: ہم بھی اس مال میں برابر کے حصے دار ہیں کیونکہ اگر ہم رسول اللہ ﷺ کی حفاظت نہ کرتے تو آپ کو کوئی حادثہ پیش آ سکتا تھا جو جنگ کا پانسہ پلٹنے میں بنیادی کردار ادا کرتا۔ لیکن جن لوگوں نے مال غنیمت پر قبضہ کیا وہ ایسی باتیں قبول کرنے کے لیے تیار نہ تھے، لہٰذا مجاہدین میں کشیدگی کا پیدا ہونا ایک طبعی امر تھا۔ رسول اللہ ﷺ سے اس کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے بھی وحیٔ الٰہی کی آمد تک خاموشی اختیار کیے رکھی۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرمایا کہ دوران جنگ میں ملنے والے تمام اموال اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہیں۔ ان کے متعلق جو فیصلہ ہوگا وہ سب کو تسلیم کرنا پڑے گا، پھر اس کی تفصیل نازل ہوئی کہ مال غنیمت کا پانچواں حصہ اللہ کے لیے، اس کے رسول کے لیے اور اس کے قرابت داروں، مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے۔[1] دراصل میدان جنگ میں حاصل ہونے والے مال کی چند قسمیں حسب ذیل ہیں:

① مال غنیمت: مجاہدین کے قتال کے بعد کفار کی شکست کی صورت میں وہاں سے جو مال حاصل ہو اسے مال غنیمت کہا جاتا ہے۔ یہ پہلی امتوں پر حرام تھا بلکہ آسمان سے آگ آ کر اسے جلا دیتی تھی، مگر اس امت پر اسے حلال کر دیا گیا۔ قرآن کریم کی صراحت کے مطابق ایسے مال کے پانچ حصے ہوں گے جن میں سے چار مجاہدین میں تقسیم ہوں گے اور ایک حصہ اللہ، اس کے رسول، قرابت داروں، مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے، جو بیت المال میں جائے گا۔

② مال فے: اس میں ہر وہ مال شامل ہے جو مسلمانوں کو لڑے بغیر مل جائے۔ اس کے متعلق قرآنی فیصلہ یہ ہے کہ وہ سارے کا سارا رسول اللہ ﷺ کے لیے ہے۔ (اور آپ کے بعد شرعی حاکم کے لیے ہے۔) اور وہ اپنی صوابدید کے مطابق اسے خرچ کرنے کے مجاز ہیں۔

---

1 الأنفال 41:8.

③ مال سلب: اس سے مراد وہ مال ہے جو ایک مجاہد، مقتول دشمن کے جسم سے اتارتا ہے۔ اس کے متعلق شرعی فیصلہ ہے کہ وہ قاتل مجاہد کو دیا جائے لیکن حاکم وقت کا صوابدیدی اختیار بدستور باقی رہتا ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ بدر میں ابوجہل کے ساز وسامان کے متعلق مختلف موقف اختیار کیا تھا۔

④ ایسی اشیاء جن کا تعلق غذا سے ہو یا ایسی چیزیں جو عموماً غذا کا فائدہ دیتی ہوں، اسی طرح جانوروں کی گھاس وغیرہ ایسی تمام اشیاء کو تقسیم سے پہلے ہی استعمال کرنے کی اجازت ہوتی ہے۔ اس میں حاکم وقت سے اجازت لینا ضروری نہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس بڑے عنوان کے تحت ایسی احادیث جمع کی ہیں جن کا تعلق مال غنیمت کے خمس سے ہے۔ مال غنیمت کے متعلق اس امر پر تو اتفاق ہے کہ اس کے چار حصے مجاہدین کے لیے ہیں۔ اس سے دو حصے گھوڑے کے لیے اور ایک حصہ مجاہد کے لیے مختص ہوتا ہے۔ اگر کسی کے پاس گھوڑا نہ ہو تو وہ صرف ایک حصے کا حق دار ہے۔ واضح رہے کہ چار حصے ان مجاہدین میں تقسیم کیے جاتے جو جنگ میں شریک ہوتے۔ باقی پانچواں حصہ، یعنی خمس کے لیے قرآن کریم نے چھ مصرف بیان کیے ہیں۔ ان میں اللہ کا ذکر تو بطور تبرک ہے۔ رسول اللہ کا جو حصہ ہے وہ آپ کی گھریلو ضروریات کے لیے مقرر ہوا۔ آپ کی خانگی ضروریات سے جو بچتا اسے جہاد کی ضروریات میں صَرف کر دیا جاتا۔ آپ کی وفات کے بعد یہ مصرف ختم ہو گیا۔ اس خمس کا ایک حصہ رسول اللہ ﷺ کے قرابت داروں، یعنی بنو ہاشم کے لیے تھا۔ آپ کی وفات کے بعد ان کا حصہ بھی ختم ہو گیا۔ اب تین مصرف باقی ہیں، یعنی یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کی ضروریات کو پورا کرنا۔ حاکم وقت کو ان کے متعلق بھی اختیار ہے کہ جسے چاہے دے سکتا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اسی موقف کو اختیار کر کے امام مالک کی تائید کی ہے اور اس کے لیے چار حسب ذیل عنوان قائم کیے ہیں:

① پانچواں حصہ رسول اللہ ﷺ اور مساکین کی ضروریات پورا کرنے کے لیے ہے۔

② رسول اللہ ﷺ اس کے مالک نہیں بلکہ آپ کو صرف تقسیم کرنے کا اختیار تھا۔

③ خمس مسلمانوں کی ضروریات کے لیے ہے۔

④ خمس حاکم وقت کے لیے ہے۔

ان سب عنوانات کا ایک ہی مقصد ہے کہ حاکم وقت اپنی صوابدید کے مطابق خرچ کرنے کا مجاز ہے، اس خمس کا مالک نہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے خمس کے احکام و مسائل بیان کرنے کے لیے پینسٹھ (65) متصل احادیث بیان کی ہیں اور ان پر بیس (20) چھوٹے چھوٹے عنوان قائم کیے ہیں جن کی تفصیل آئندہ بیان ہوگی۔

ایک اہم مسئلہ جس کی طرف توجہ دینا ضروری ہے کہ دور نبوی میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم رضا کارانہ طور پر یا اسے فریضہ سمجھ کر جہاد پر جاتے اور جنگ میں شریک ہوتے تھے۔ اس سلسلے میں سواری اور ہتھیاروں کا اہتمام بھی خود کرتے تھے بلکہ بعض اوقات ذاتی خدمت کے لیے اپنے خرچے پر مزدور ساتھ لے جاتے۔ ان خدمات کے عوض ان مجاہدین کو مال غنیمت سے حصہ ملتا تھا مگر دور حاضر میں فوج کا محکمہ ہی الگ ہے۔ اس محکمے میں شامل فوجی باقاعدہ تنخواہ دار ہوتے ہیں۔ ایام جنگ کے علاوہ بھی انھیں تنخواہ ملتی رہتی ہے۔ ان کے لیے اسلحہ اور سواری کا اہتمام بھی حکومت کے ذمے ہوتا ہے۔ ایسے حالات میں عام مسلمانوں پر جہاد کی فرضیت ساقط ہے اور تنخواہ دار ہونے کی وجہ سے ان فوجی اور مجاہدین میں مال غنیمت کی تقسیم کا قصہ بھی ختم ہوا۔

امیر جیش، یعنی چیف کمانڈر کا حصہ بھی ختم ہوا کیونکہ وہ بھی سرکاری خزانے سے بھاری تنخواہ وصول کرتا ہے۔ فقراء کی ضرورتوں کو پورا کرنا ویسے ہی اسلامی حکومت کا فریضہ ہوتا ہے۔ ان مسائل میں اجتہاد کی ضرورت ہے کہ موجودہ دور میں ان شرعی نصوص کا انطباق کیسے ہو؟ ضرورت ہے کہ ان جیسے بیسیوں مسائل کے لیے اہل علم پر مشتمل ایک مجلس شوریٰ کا اہتمام کیا جائے۔ کاش کہ مسلک حقہ کی علمبردار جماعت اہل حدیث اس طرف توجہ دے اور جدید مسائل کو حل کرنے میں اپنا کردار ادا کرے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنے وقت کی ضرورت کے پیش نظر خمس اور جزیے وغیرہ کے متعلق الگ الگ دو بڑے عنوان قائم کیے ہیں، حالانکہ ان کا تعلق جہاد ہی سے ہے۔ چونکہ خمس اور جزیے کے مسائل کی بہت سی قسمیں ہیں جو تشریح و تفصیل کا تقاضا کرتی ہیں، اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے ان کی افادیت و اہمیت کے پیش نظر انھیں الگ عنوان کے تحت بیان کیا ہے۔ قارئین سے استدعا ہے کہ وہ ہماری تشریحات کو مدنظر رکھتے ہوئے پیش کردہ احادیث کا مطالعہ کریں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دینی معاملات میں بصیرت عطا فرمائے، پھر ان پر عمل کی توفیق دے۔ آمین یا رب العالمین.

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

57 - كِتَابُ فَرْضِ الْخُمُسِ

فرضیت خمس کا بیان

(١) بَابُ فَرْضِ الْخُمُسِ

٣٠٩١ - حَدَّثَنَا عَبْدَانُ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ: أَخْبَرَنَا يُونُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي عَلِيُّ ابْنُ الْحُسَيْنِ: أَنَّ حُسَيْنَ بْنَ عَلِيٍّ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ أَخْبَرَهُ أَنَّ عَلِيًّا قَالَ: كَانَتْ لِي شَارِفٌ مِّنْ نَّصِيبِي مِنَ الْمَغْنَمِ يَوْمَ بَدْرٍ، وَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ أَعْطَانِي شَارِفًا مِّنَ الْخُمُسِ، فَلَمَّا أَرَدْتُ أَنْ أَبْتَنِيَ بِفَاطِمَةَ بِنْتِ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَاعَدْتُ رَجُلًا صَوَّاغًا مِّنْ بَنِي قَيْنُقَاعَ أَنْ يَّرْتَحِلَ مَعِيَ فَنَأْتِيَ بِإِذْخِرٍ أَرَدْتُّ أَنْ أَبِيعَهُ الصَّوَّاغِينَ وَأَسْتَعِينَ بِهِ فِي وَلِيمَةِ عُرْسِي، فَبَيْنَا أَنَا أَجْمَعُ لِشَارِفَيَّ مَتَاعًا مِّنَ الْأَقْتَابِ وَالْغَرَائِرِ وَالْحِبَالِ، وَشَارِفَايَ مُنَاخَتَانِ إِلَى جَنْبِ حُجْرَةِ رَجُلٍ مِّنَ الْأَنْصَارِ، فَرَجَعْتُ حِينَ جَمَعْتُ مَا جَمَعْتُ، فَإِذَا شَارِفَايَ قَدْ جُبَّتْ أَسْنِمَتُهُمَا، وَبُقِرَتْ خَوَاصِرُهُمَا وَأُخِذَ مِنْ أَكْبَادِهِمَا، وَلَمْ أَمْلِكْ عَيْنَيَّ حِينَ رَأَيْتُ ذٰلِكَ الْمَنْظَرَ مِنْهُمَا، فَقُلْتُ:

باب: 1- خمس کا فرض ہونا

[3091] حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ غزوۂ بدر میں غنیمت کے مال سے ایک اونٹنی میرے حصے میں آئی اور ایک اونٹنی مجھے نبی ﷺ نے خمس کے مال سے عطا کی۔ جب میرا ارادہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی لخت جگر حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو نکاح کے بعد اپنے گھر لاؤں تو میں نے طے کیا کہ بنوقینقاع کے ایک زرگر کو اپنے ساتھ لوں اور ہم دونوں اذخر گھاس لائیں، پھر میں اس گھاس کو سناروں کے ہاں فروخت کر کے اس کی قیمت سے اپنے نکاح کا ولیمہ کروں۔ میں ان دونوں اونٹنیوں کا سامان، پالان، تھیلے اور رسیاں وغیرہ جمع کر رہا تھا جبکہ میری وہ دونوں اونٹنیاں ایک انصاری کے مکان کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں۔ جب میں جمع کردہ سامان لے کر واپس آیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ میری دونوں اونٹنیوں کے کوہان کاٹ لیے گئے ہیں اور ان کے پیٹ چاک کر کے اندر سے ان کی کلیجی بھی نکال لی گئی ہے۔ میں نے یہ منظر دیکھا تو بے اختیار رونے لگا۔ میں نے پوچھا: یہ حرکت کس نے کی ہے؟ لوگوں نے کہا

مَنْ فَعَلَ هٰذَا؟ فَقَالُوا: فَعَلَ حَمْزَةُ بْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، وَهُوَ فِي هٰذَا الْبَيْتِ فِي شَرْبٍ مِّنَ الْأَنْصَارِ، فَانْطَلَقْتُ حَتّٰى أَدْخُلَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ وَعِنْدَهُ زَيْدُ بْنُ حَارِثَةَ، فَعَرَفَ النَّبِيُّ ﷺ فِي وَجْهِي الَّذِي لَقِيتُ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «مَا لَكَ؟» فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! مَا رَأَيْتُ كَالْيَوْمِ قَطُّ، عَدَا حَمْزَةُ عَلٰى نَاقَتَيَّ فَجَبَّ أَسْنِمَتَهُمَا، وَبَقَرَ خَوَاصِرَهُمَا، وَهَا هُوَ ذَا فِي بَيْتٍ مَّعَهُ شَرْبٌ. فَدَعَا النَّبِيُّ ﷺ بِرِدَائِهِ فَارْتَدٰى ثُمَّ انْطَلَقَ يَمْشِي وَاتَّبَعْتُهُ أَنَا وَزَيْدُ بْنُ حَارِثَةَ حَتّٰى جَاءَ الْبَيْتَ الَّذِي فِيهِ حَمْزَةُ فَاسْتَأْذَنَ، فَأَذِنُوا لَهُمْ فَإِذَا هُمْ شَرْبٌ، فَطَفِقَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَلُومُ حَمْزَةَ فِيمَا فَعَلَ، فَإِذَا حَمْزَةُ قَدْ ثَمِلَ مُحْمَرَّةٌ عَيْنَاهُ، فَنَظَرَ حَمْزَةُ إِلٰى رَسُولِ اللهِ ﷺ ثُمَّ صَعَّدَ النَّظَرَ فَنَظَرَ إِلٰى رُكْبَتِهِ، ثُمَّ صَعَّدَ النَّظَرَ فَنَظَرَ إِلٰى سُرَّتِهِ، ثُمَّ صَعَّدَ النَّظَرَ فَنَظَرَ إِلٰى وَجْهِهِ، ثُمَّ قَالَ حَمْزَةُ: هَلْ أَنْتُمْ إِلَّا عَبِيدٌ لِأَبِي؟ فَعَرَفَ رَسُولُ اللهِ ﷺ أَنَّهُ قَدْ ثَمِلَ، فَنَكَصَ رَسُولُ اللهِ ﷺ عَلٰى عَقِبَيْهِ الْقَهْقَرٰى وَخَرَجْنَا مَعَهُ. [راجع: ٢٠٨٩]

کہ یہ حمزہ بن عبدالمطلب کا فعل ہے اور وہ اس گھر میں شراب نوشی کے لیے چند انصاریوں کے ہمراہ بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں وہاں سے چلا اور سیدھا نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ کی خدمت میں اس وقت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے تھے۔ نبی ﷺ مجھے دیکھتے ہی سمجھ گئے کہ میں کسی بڑے صدمے سے دوچار ہوں، اس لیے نبی ﷺ نے دریافت فرمایا: ''کیا بات ہے؟'' میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! میں نے آج جیسا صدمہ کبھی نہیں دیکھا۔ حمزہ نے میری دونوں اونٹنیوں پر دست درازی کی ہے اور اس نے دونوں کے کوہان کاٹ ڈالے اور پیٹ چاک کر دیے ہیں اور وہ اسی گھر میں اپنے دوستوں کے ہمراہ مے نوشی کی مجلس جمائے ہوئے موجود ہیں۔ نبی ﷺ نے یہ سن کر اپنی چادر منگوائی اور اسے زیب تن کر کے پیدل چلنے لگے۔ میں اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ بھی آپ کے ساتھ ہو لیے۔ جب اس گھر پہنچے جس میں حضرت حمزہ موجود تھے تو آپ نے اندر آنے کی اجازت مانگی۔ اندر موجود تمام لوگوں نے آپ کو اجازت دے دی۔ کیا دیکھتے ہیں کہ وہ سب شراب نوشی میں مصروف ہیں۔ رسول اللہ ﷺ حضرت حمزہ کو ان کی کارروائی پر ملامت کرنے لگے وہ تو نشے میں دھت اور ان کی آنکھیں سرخ ہو چکی تھیں۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا، پھر نظر اٹھائی تو آپ کو گھٹنوں تک دیکھا، پھر نظر اوپر کی تو آپ کو ناف تک دیکھا، پھر اپنی نظر کو اوپر اٹھایا تو آپ کے چہرۂ انور پر نگاہ کو جما دیا اور کہنے لگے: تم تو میرے باپ کے غلام ہو۔ یہ حال دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے محسوس کیا کہ وہ نشے میں دھت ہیں تو آپ وہیں سے الٹے پاؤں واپس آ گئے اور ہم بھی آپ کے ہمراہ وہاں سے باہر آ گئے۔

فوائد و مسائل: ① مدنی دور کے آغاز میں شراب حرام نہیں ہوئی تھی، اس لیے مسلمان شراب نوشی کرتے تھے۔ غزوۂ احد کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس کی قطعی حرمت کے احکام نازل فرمائے۔ حضرت حمزہ ؓ سے نشے کی حالت میں خلاف ادب الفاظ صادر ہوئے، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اس کا کوئی نوٹس نہیں لیا، البتہ اونٹنیوں کو ہلاک کرنے کا مالی تاوان ضروری تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی ؓ کو تاوان دلایا، چنانچہ حافظ ابن حجر ؒ نے مصنف ابن ابی شیبہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت حمزہ ؓ کے ہوش آنے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی ؓ کو ہلاک شدہ اونٹنیوں کا حضرت حمزہ سے تاوان دلایا۔[1] ② اس لمبی حدیث کو امام بخاری ؒ نے اس لیے ذکر کیا ہے کہ اس میں مال غنیمت کے خمس سے حضرت علی ؓ کو ایک جوان اونٹنی دینے کا ذکر ہے۔ ③ واضح رہے کہ خمس کی آیت بدر کی غنیمت کے متعلق نازل ہوئی، اس لیے مال غنیمت کو مجاہدین میں تقسیم کر دیا گیا۔ اس میں سے ایک اونٹنی حضرت علی ؓ کو ملی تھی اور دوسری اونٹنی رسول اللہ ﷺ نے انھیں مال خمس سے دی تھی جو آپ کو غنیمت کے مال سے حاصل ہوا تھا۔ واللّٰہ أعلم.

٣٠٩٢ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ صَالِحٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ أَنَّ عَائِشَةَ أُمَّ الْمُؤْمِنِينَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: أَخْبَرَتْهُ أَنَّ فَاطِمَةَ عَلَيْهَا السَّلَامُ بِنْتَ رَسُولِ اللهِ ﷺ سَأَلَتْ أَبَا بَكْرٍ الصِّدِّيقَ بَعْدَ وَفَاةِ رَسُولِ اللهِ ﷺ أَنْ يَقْسِمَ لَهَا مِيرَاثَهَا، مَا تَرَكَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مِمَّا أَفَاءَ اللهُ عَلَيْهِ. [انظر: ٣٧١١، ٤٠٣٥، ٤٢٤٠، ٦٧٢٥]

[3092] ام المومنین حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ کی لخت جگر سیدہ فاطمہ ؓ نے رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیق ؓ سے مطالبہ کیا کہ انھیں رسول اللہ ﷺ کے اس ترکے سے وراثتی حصہ دیا جائے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو بطور فے دیا تھا۔

٣٠٩٣ - فَقَالَ لَهَا أَبُو بَكْرٍ: إِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «لَا نُورَثُ، مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ»، فَغَضِبَتْ فَاطِمَةُ بِنْتُ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَهَجَرَتْ أَبَا بَكْرٍ فَلَمْ تَزَلْ مُهَاجِرَتَهُ حَتَّى تُوُفِّيَتْ، وَعَاشَتْ بَعْدَ رَسُولِ اللهِ ﷺ سِتَّةَ أَشْهُرٍ. قَالَتْ: وَكَانَتْ فَاطِمَةُ تَسْأَلُ أَبَا بَكْرٍ نَصِيبَهَا مَا تَرَكَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مِنْ خَيْبَرَ وَفَدَكٍ وَّصَدَقَتِهِ بِالْمَدِينَةِ، فَأَبَى

[3093] حضرت ابوبکر ؓ نے سیدہ فاطمہ ؓ سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: ''ہمارا ترکہ بطور وراثت تقسیم نہیں ہوتا بلکہ ہم جو کچھ چھوڑیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔'' سیدہ فاطمہ ؓ یہ سن کر ناراض ہوئیں اور آپ سے ترک ملاقات کر دی۔ پھر وفات تک ان سے نہ ملیں۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے بعد چھ ماہ تک زندہ رہی تھیں۔ حضرت عائشہ ؓ نے فرمایا: حضرت فاطمہ ؓ حضرت ابوبکر ؓ سے اپنا وہ

① فتح الباري: 241/6.

أَبُو بَكْرٍ عَلَيْهَا ذٰلِكَ، وَقَالَ: لَسْتُ تَارِكًا شَيْئًا كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَعْمَلُ بِهِ إِلَّا عَمِلْتُ بِهِ، فَإِنِّي أَخْشٰى إِنْ تَرَكْتُ شَيْئًا مِّنْ أَمْرِهِ أَنْ أَزِيغَ. فَأَمَّا صَدَقَتُهُ بِالْمَدِينَةِ فَدَفَعَهَا عُمَرُ إِلٰى عَلِيٍّ وَّعَبَّاسٍ، فَأَمَّا خَيْبَرُ وَفَدَكُ فَأَمْسَكَهَا عُمَرُ وَقَالَ: هُمَا صَدَقَةُ رَسُولِ اللهِ ﷺ كَانَتَا لِحُقُوقِهِ الَّتِي تَعْرُوهُ وَنَوَائِبِهِ، وَأَمْرُهُمَا إِلٰى مَنْ وَلِيَ الْأَمْرَ. قَالَ: فَهُمَا عَلٰى ذٰلِكَ إِلَى الْيَوْمِ.

حصہ طلب کرتی تھیں جو رسول اللہ ﷺ نے خیبر، فدک اور مدینہ کے صدقات سے چھوڑا تھا، تاہم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس سے انکار تھا۔ انھوں نے مزید کہا کہ میں کسی بھی ایسے عمل کو نہیں چھوڑ سکتا جسے رسول اللہ ﷺ اپنی زندگی میں کرتے تھے۔ مجھے ڈر ہے کہ اگر میں نے آپ کے حکم میں سے کوئی چیز بھی ترک کر دی تو میں سیدھے راستے سے بھٹک جاؤں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور حکومت میں رسول اللہ ﷺ کا مدینہ طیبہ میں صدقہ حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کے سپرد کر دیا تھا، البتہ خیبر اور فدک کی جائیداد کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے روک لیا اور فرمایا کہ یہ دونوں رسول اللہ ﷺ کا صدقہ ہیں جو ان ہنگامی ضروریات کے لیے وقف ہیں جو آئے دن پیش آتی رہتی ہیں اور ان کا انتظام و انصرام اس شخص کے حوالے ہوگا جو خلیفۂ وقت ہو، چنانچہ ان دونوں جائیدادوں کا معاملہ آج تک اسی طرح ہوتا چلا آرہا ہے۔

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: اِعْتَرَاكَ: اِفْتَعَلْتَ مِنْ عَرَوْتُهُ فَأَصَبْتُهُ. وَمِنْهُ يَعْرُوهُ وَاعْتَرَانِي. [انظر: ٣٧١٢، ٤٠٣٦، ٤٢٤١، ٦٧٢٦]

ابوعبداللہ (امام بخاری رحمہ اللہ) کہتے ہیں کہ تَعْرُوهُ کا لفظ، خواہ باب افتعال سے ہو یا مجرد سے اس کے معنی پیش آنے کے ہیں۔ اسی سے يَعْرُوهُ اور اِعْتَرَانِي کے الفاظ ہیں جن کے معنی پیش آنا ہیں۔

فوائد و مسائل: ① حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اس حدیث کا علم نہیں تھا جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پیش کی کہ ہماری جائیداد میں وراثت نہیں چلتی بلکہ وہ صدقہ ہوتی ہے۔ اس بنا پر انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی چھوڑی ہوئی جائیداد سے وراثتی حصہ طلب فرمایا۔ رسول اللہ ﷺ کی مملوکہ جائیداد کی تفصیل حسب ذیل ہے: ○ قبیلۂ بنونضیر میں مخیریق نامی یہودی کے سات باغ تھے۔ اس نے غزوۂ احد کے وقت وصیت کی تھی کہ اگر وہ جنگ میں مارا گیا تو اس کے تمام اموال رسول اللہ ﷺ کے ہوں گے، چنانچہ وہ اس جنگ میں قتل ہو گیا، لہٰذا اس کے تمام باغات رسول اللہ ﷺ کی تحویل میں آگئے۔ ○ انصار نے اپنی کچھ زمینیں رسول اللہ ﷺ کو ہبہ کی تھیں، ان تک پانی نہیں پہنچتا تھا، وہ بھی آپ کی ملک تھیں۔ ○ بنونضیر کو جب جلا وطن کیا گیا تو ان کی مملوکہ زمینیں بھی مال فے کے طور پر رسول اللہ ﷺ کے قبضے میں آگئیں۔ ○ فتح خیبر کے بعد اہل فدک نے نصف زمینیں دینے پر رسول اللہ ﷺ سے

صلح کر لی تھی۔ ○ خیبر کے دو قلعے وطیح اور سلالم بھی یہودیوں سے صلح کے نتیجے میں آپ کو ملے تھے۔ ○ خیبر جو بطور شمشیر فتح ہوا تھا، اس کے مال غنیمت سے آپ کو پانچواں حصہ ملا تھا، وہ بھی آپ کی ملک تھا۔ یہ تمام جائیداد رسول اللہ ﷺ کی تھی، اس میں کسی کا کوئی حصہ نہیں تھا۔ رسول اللہ ﷺ اس کی پیداوار سے اپنا اور اپنے اہل خانہ کا خرچ نکال کر باقی مسلمانوں کی ضروریات میں خرچ کر دیتے تھے۔[1] ② اگرچہ اس حدیث میں خمس کا ذکر نہیں ہے، تاہم صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ سیدہ فاطمہ ؓ نے حضرت ابوبکر ؓ سے مدینہ طیبہ کی بطور فے املاک، فدک اور جو کچھ خمس خیبر سے بچا تھا، اس سے حصہ دینے کا مطالبہ کیا تھا۔[2] ③ اس وضاحت سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث عنوان کے مطابق ہے۔ بیہقی کی ایک روایت میں ہے کہ جب سیدہ فاطمہ ؓ بیمار ہوئیں تو حضرت ابوبکر ؓ ان کی تیمارداری کے لیے تشریف لے گئے، وہاں آپ نے حضرت فاطمہ ؓ کو مطمئن کر دیا تھا اور وہ راضی ہو گئیں۔[3] ④ حدیث کے آخر میں لفظ [تَعْرُوهُ] آیا ہے اسی مناسبت سے امام بخاری ؒ نے ایک قرآنی لفظ ﴿اِعْتَرَاكَ﴾[4] کی لغوی تشریح فرمائی ہے۔[5]

٣٠٩٤ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْفَرْوِيُّ: حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ مَالِكِ بْنِ أَوْسِ بْنِ الْحَدَثَانِ - وَكَانَ مُحَمَّدُ بْنُ جُبَيْرٍ ذَكَرَ لِي ذِكْرًا مِّنْ حَدِيثِهِ ذٰلِكَ، فَانْطَلَقْتُ حَتّٰى أَدْخُلَ عَلٰى مَالِكِ بْنِ أَوْسٍ فَسَأَلْتُهُ عَنْ ذٰلِكَ الْحَدِيثِ فَقَالَ مَالِكٌ - بَيْنَمَا أَنَا جَالِسٌ فِي أَهْلِي حِينَ مَتَعَ النَّهَارُ إِذَا رَسُولُ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ يَأْتِينِي، فَقَالَ: أَجِبْ أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ، فَانْطَلَقْتُ مَعَهُ حَتّٰى أَدْخُلَ عَلٰى عُمَرَ فَإِذَا هُوَ جَالِسٌ عَلٰى رِمَالِ سَرِيرٍ لَّيْسَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهُ فِرَاشٌ، مُتَّكِئٌ عَلٰى وِسَادَةٍ مِّنْ أَدَمٍ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ ثُمَّ جَلَسْتُ، فَقَالَ: يَا مَالِ! إِنَّهُ قَدِمَ عَلَيْنَا مِنْ قَوْمِكَ أَهْلُ أَبْيَاتٍ، وَقَدْ أَمَرْتُ لَهُمْ بِرَضْخٍ فَاقْبِضْهُ فَاقْسِمْهُ بَيْنَهُمْ، فَقُلْتُ: يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ! لَوْ أَمَرْتَ لَهُ غَيْرِي، قَالَ:

[3094] حضرت مالک بن اوس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں دن چڑھے اپنے اہل خانہ کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک حضرت عمر بن خطاب ؓ کی طرف سے ایک قاصد میرے پاس آیا اور کہا: امیر المومنین آپ کو بلا رہے ہیں۔ میں اس کے ساتھ ہی روانہ ہو گیا حتی کہ حضرت عمر ؓ کے پاس حاضر ہوا جبکہ آپ چارپائی کے بان پر بیٹھے ہوئے تھے۔ اس پر کوئی گدا وغیرہ بھی نہیں تھا۔ وہ چمڑے کے تکیے پر ٹیک لگائے ہوئے تھے۔ میں نے سلام عرض کیا اور بیٹھ گیا۔ انھوں نے فرمایا: اے مالک! تمھاری قوم کے کچھ لوگ ہمارے پاس آئے تھے۔ میں نے کچھ تھوڑا سا مال ان میں تقسیم کرنے کا حکم دیا ہے، آپ اس پر قبضہ کر کے ان میں تقسیم کر دیں۔ میں نے عرض کیا: امیر المومنین! اگر آپ میرے علاوہ کسی اور کو حکم دیتے تو بہتر تھا۔ انھوں نے فرمایا: اللہ کے بندے! تم اسے اپنے قبضے میں کر کے ان میں تقسیم کر دو۔ میں ان کے پاس ہی بیٹھا تھا

[1] عمدة القاري: 424/10. [2] صحيح البخاري، المغازي، حديث: 4241,4240. [3] السنن الكبرٰى للبيهقي: 301/6.
[4] هود 54:11. [5] عمدة القاري: 424/10.

فَاقْبِضْهُ أَيُّهَا الْمَرْءُ! فَبَيْنَمَا أَنَا جَالِسٌ عِنْدَهُ أَتَاهُ حَاجِبُهُ يَرْفَا، فَقَالَ: هَلْ لَّكَ فِي عُثْمَانَ وَعَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ وَّالزُّبَيْرِ وَسَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ يَسْتَأْذِنُونَ؟ قَالَ: نَعَمْ، فَأَذِنَ لَهُمْ فَدَخَلُوا فَسَلَّمُوا وَجَلَسُوا، ثُمَّ جَلَسَ يَرْفَا يَسِيرًا، ثُمَّ قَالَ: هَلْ لَّكَ فِي عَلِيٍّ وَّعَبَّاسٍ؟ قَالَ: نَعَمْ، فَأَذِنَ لَهُمَا فَدَخَلَا فَسَلَّمَا فَجَلَسَا، فَقَالَ عَبَّاسٌ: يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ! اِقْضِ بَيْنِي وَبَيْنَ هٰذَا - وَهُمَا يَخْتَصِمَانِ فِيمَا أَفَاءَ اللهُ عَلٰى رَسُولِهِ ﷺ مِنْ مَّالِ بَنِي النَّضِيرِ - فَقَالَ الرَّهْطُ:- عُثْمَانُ وَأَصْحَابُهُ - يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ! اِقْضِ بَيْنَهُمَا، وَأَرِحْ أَحَدَهُمَا مِنَ الْآخَرِ، فَقَالَ عُمَرُ: تَيْدَكُمْ، أَنْشُدُكُمْ بِاللهِ الَّذِي بِإِذْنِهِ تَقُومُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ، هَلْ تَعْلَمُونَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «لَا نُورَثُ، مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ»، يُرِيدُ رَسُولُ اللهِ ﷺ نَفْسَهُ؟ قَالَ الرَّهْطُ: قَدْ قَالَ ذٰلِكَ، فَأَقْبَلَ عُمَرُ عَلٰى عَلِيٍّ وَّعَبَّاسٍ، فَقَالَ: أَنْشُدُكُمَا [اللهَ] أَتَعْلَمَانِ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَدْ قَالَ ذٰلِكَ؟ قَالَ عُمَرُ: فَإِنِّي أُحَدِّثُكُمْ عَنْ هٰذَا الْأَمْرِ، إِنَّ اللهَ قَدْ خَصَّ رَسُولَهُ ﷺ فِي هٰذَا الْفَيْءِ بِشَيْءٍ لَّمْ يُعْطِهِ أَحَدًا غَيْرَهُ، ثُمَّ قَرَأَ ﴿وَمَآ أَفَآءَ ٱللَّهُ عَلَىٰ رَسُولِهِۦ مِنْهُمْ﴾ إِلٰى قَوْلِهِ: ﴿قَدِيرٌ﴾ [الحشر:٦] فَكَانَتْ هٰذِهِ خَالِصَةً لِّرَسُولِ اللهِ ﷺ وَوَاللهِ مَا احْتَازَهَا دُونَكُمْ، وَلَا اسْتَأْثَرَ بِهَا عَلَيْكُمْ، قَدْ أَعْطَاكُمُوهُ وَبَثَّهَا فِيكُمْ حَتّٰى بَقِيَ مِنْهَا هٰذَا الْمَالُ، فَكَانَ

کہ ان کا دربان یرفا آیا اور عرض کرنے لگا کہ آپ حضرت عثمان، عبدالرحمٰن بن عوف، زبیر اور سعد بن ابی وقاص ؓ کو اندر آنے کی اجازت دیتے ہیں؟ وہ آپ کے پاس آنا چاہتے ہیں۔ انھوں نے فرمایا: ہاں۔ انھیں اجازت دے دی تو وہ اندر آئے۔ انھوں نے سلام کیا اور بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر ٹھہرنے کے بعد یرفا پھر آیا، اس نے عرض کیا: آپ حضرت علی اور حضرت عباس ؓ کو بھی آنے کی اجازت دیتے ہیں؟ انھوں نے فرمایا: ہاں۔ ان کو اجازت دی تو وہ اندر آئے، سلام عرض کیا اور بیٹھ گئے۔ پھر حضرت عباس ؓ نے کہا: امیر المومنین! میرے اور اس کے درمیان فیصلہ کر دیں۔ ان دونوں حضرات کا اس کے متعلق تنازعہ تھا جو اللہ تعالیٰ نے بنونضیر کے اموال میں سے اپنے رسول ﷺ کو بطور فے دیا تھا۔ حضرت عثمان ؓ اور ان کے ساتھیوں نے بھی تائید کی کہ اے امیر المومنین! ان میں تصفیہ کرا دیں اور ایک کو دوسرے سے آرام پہنچائیں۔ حضرت عمر ؓ نے فرمایا: اچھا تو پھر ذرا ٹھہریے! میں تمھیں اس اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں جس کے حکم سے آسمان اور زمین قائم ہیں، کیا تم جانتے ہو کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہم انبیاء کسی کے لیے وراثت نہیں چھوڑتے۔ ہمارا ترکہ (لوگوں کے لیے) صدقہ ہوتا ہے۔'' آپ کی مراد رسول اللہ کی ذات کریمہ تھی؟ انھوں نے بیک زبان ہو کر کہا کہ واقعی آپ نے ایسا ہی فرمایا۔ پھر حضرت عمر، حضرت علی اور حضرت عباس ؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: میں تمھیں اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں، کیا تم جانتے ہو کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسا فرمایا تھا؟ (انھوں نے عرض کیا: بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے یہی ارشاد فرمایا تھا۔) حضرت عمر ؓ نے فرمایا: میں تمھیں اس کے متعلق (کچھ وضاحت سے) بیان کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ

رَسُولُ اللهِ ﷺ يُنْفِقُ عَلٰى أَهْلِهِ نَفَقَةَ سَنَتِهِمْ مِنْ هٰذَا الْمَالِ، ثُمَّ يَأْخُذُ مَا بَقِيَ فَيَجْعَلُهُ مَجْعَلَ مَالِ اللهِ فَعَمِلَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بِذٰلِكَ حَيَاتَهُ، أَنْشُدُكُمْ بِاللهِ هَلْ تَعْلَمُونَ ذٰلِكَ؟ قَالُوا : نَعَمْ، ثُمَّ قَالَ لِعَلِيٍّ وَعَبَّاسٍ : أَنْشُدُكُمَا اللّٰهَ هَلْ تَعْلَمَانِ ذٰلِكَ؟ قَالَ عُمَرُ: ثُمَّ تَوَفَّى اللهُ نَبِيَّهُ ﷺ فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ: أَنَا وَلِيُّ رَسُولِ اللهِ ﷺ، فَقَبَضَهَا أَبُو بَكْرٍ فَعَمِلَ فِيهَا بِمَا عَمِلَ رَسُولُ اللهِ ﷺ، وَاللهُ يَعْلَمُ إِنَّهُ فِيهَا لَصَادِقٌ بَارٌّ رَاشِدٌ تَابِعٌ لِّلْحَقِّ، ثُمَّ تَوَفَّى اللهُ أَبَا بَكْرٍ فَكُنْتُ أَنَا وَلِيَّ أَبِي بَكْرٍ فَقَبَضْتُهَا سَنَتَيْنِ مِنْ إِمَارَتِي أَعْمَلُ فِيهَا بِمَا عَمِلَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَمَا عَمِلَ فِيهَا أَبُو بَكْرٍ، وَاللهُ يَعْلَمُ إِنِّي فِيهَا لَصَادِقٌ بَارٌّ رَاشِدٌ تَابِعٌ لِّلْحَقِّ، ثُمَّ جِئْتُمَانِي تُكَلِّمَانِي وَكَلِمَتُكُمَا وَاحِدَةٌ وَّأَمْرُكُمَا وَاحِدٌ، جِئْتَنِي يَا عَبَّاسُ! تَسْأَلُنِي نَصِيبَكَ مِنِ ابْنِ أَخِيكَ، وَجَاءَنِي هٰذَا - يُرِيدُ عَلِيًّا - يُرِيدُ نَصِيبَ امْرَأَتِهِ مِنْ أَبِيهَا فَقُلْتُ لَكُمَا : إِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ : «لَا نُورَثُ، مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ». فَلَمَّا بَدَا لِي أَنْ أَدْفَعَهُ إِلَيْكُمَا قُلْتُ : إِنْ شِئْتُمَا دَفَعْتُهَا إِلَيْكُمَا عَلٰى أَنَّ عَلَيْكُمَا عَهْدَ اللهِ وَمِيثَاقَهُ لَتَعْمَلَانِ فِيهَا بِمَا عَمِلَ فِيهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ وَبِمَا عَمِلَ فِيهَا أَبُو بَكْرٍ وَّبِمَا عَمِلْتُ فِيهَا مُنْذُ وَلِيتُهَا، فَقُلْتُمَا : اِدْفَعْهَا إِلَيْنَا، فَبِذٰلِكَ دَفَعْتُهَا إِلَيْكُمَا، فَأَنْشُدُكُمْ بِاللهِ هَلْ دَفَعْتُهَا إِلَيْهِمَا بِذٰلِكَ؟ قَالَ الرَّهْطُ : نَعَمْ. ثُمَّ أَقْبَلَ عَلٰى عَلِيٍّ وَّعَبَّاسٍ، فَقَالَ :

نے اس فے کے مال میں اپنے رسول ﷺ کو خاص کیا، اس میں سے آپ کے علاوہ کسی کو کچھ نہیں دیا، پھر آپ نے (آیت فے) تلاوت فرمائی: ''اللہ تعالیٰ نے ان میں سے اپنے رسول پر عطیہ فرمایا، تم لوگوں نے اس پر اپنے اونٹ گھوڑے نہیں دوڑائے لیکن اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو جس شخص پر چاہے قبضہ دے دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر خوب قدرت رکھنے والا ہے۔'' گویا فے کا مال، خالص رسول اللہ ﷺ کا حصہ تھا۔ بایں ہمہ اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ نے اسے تم سے روک کر اپنے لیے جمع نہیں کیا کہ خود کو تم پر ترجیح دی ہو بلکہ آپ نے وہ فے کا مال بھی تمھیں دے دیا ہے اور تم پر اسے صرف کر دیا ہے۔ اب ان اموال میں سے صرف یہ مال باقی رہ گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا معمول یہ تھا کہ وہ اس مال سے اپنے اہل و عیال پر خرچ کرتے تھے کہ اس سے سال بھر کا خرچہ نکال کر باقی مال وہاں خرچ کر دیتے جہاں اللہ کا مال خرچ ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ زندگی بھر ایسا ہی کرتے رہے۔ میں تمھیں اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا یہ صحیح ہے؟ سب نے کہا: ہاں (صحیح ہے۔) پھر آپ نے (خصوصیت کے ساتھ) حضرت علی اور حضرت عباس ؓ کو اللہ کی قسم دے کر پوچھا، کیا تم بھی اسے صحیح خیال کرتے ہو؟ (انھوں نے کہا کہ ہاں ایسا ہی ہے۔) اس کے بعد حضرت عمر ؓ نے کہا: پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو وفات دی تو حضرت ابوبکر ؓ نے فرمایا: میں رسول اللہ ﷺ کا جانشین ہوں اور انھوں نے یہ اموال اپنے قبضے میں لیے اور ان میں وہی عمل کیا جو رسول اللہ ﷺ زندگی بھر کرتے رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ حضرت ابوبکر ؓ اس معاملے میں راست باز، نیکوکار، ہدایت یافتہ اور حق کے تابع تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر ؓ کو

أَنْشُدُكُمَا بِاللهِ، هَلْ دَفَعْتُهَا إِلَيْكُمَا بِذٰلِكَ؟ قَالَا: نَعَمْ. قَالَ: فَتَلْتَمِسَانِ مِنِّي قَضَاءً غَيْرَ ذٰلِكَ؟ فَوَاللهِ الَّذِي بِإِذْنِهِ تَقُومُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ لَا أَقْضِي فِيهَا قَضَاءً غَيْرَ ذٰلِكَ، فَإِنْ عَجَزْتُمَا عَنْهَا فَادْفَعَاهَا إِلَيَّ، فَإِنِّي أَكْفِيكُمَاهَا. [راجع: ٢٩٠٤]

وفات دے دی تو میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کا جانشین ہوا۔ میں نے اپنی خلافت کے دو سال تک اس جاگیر پر قبضہ رکھا اور اس کے متعلق وہی طرز عمل اختیار کیے رکھا جو رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کرتے تھے۔ اور اللہ جانتا ہے کہ میں نے اس معاملے میں صداقت کا دامن نہیں چھوڑا، نیکوکار، ہدایت یافتہ اور حق کا پیروکار رہا۔ پھر تم دونوں حضرات میرے پاس آئے اور گفتگو کرنے لگے۔ تمھارا مطالبہ بھی ایک اور معاملہ بھی ایک تھا۔ اے عباس! تم اس لیے آئے کہ اپنے بھتیجے کا حصہ مانگتے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اس لیے آئے کہ وہ اپنی بیوی کا حصہ باپ کی جائیداد سے مانگتے تھے۔ میں نے تم دونوں سے کہا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''انبیاء وراثت نہیں چھوڑتے۔ ان کا ترکہ سب صدقہ ہوتا ہے۔'' پھر سوچ بچار کے بعد مجھے مناسب معلوم ہوا کہ وہ مال (تولیت کے طور پر) تمھیں دے دوں، تو میں نے تم سے کہا: اگر تم چاہتے ہو تو میں اس شرط پر اسے تمھارے حوالے کرتا ہوں کہ تم مجھے اللہ کا عہد و پیمان دو کہ تم اس میں وہی کچھ کرو گے جو رسول اللہ ﷺ، ابوبکر رضی اللہ عنہ اور جو کچھ میں نے ابتدائے خلافت سے اب تک کیا ہے۔ تم دونوں نے کہا تھا کہ اس کو ہمارے حوالے کر دو، تو میں نے اس شرط پر اسے تمھارے حوالے کر دیا۔ اب میں تمھیں اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ میں نے اس شرط پر وہ جاگیر تمھارے حوالے کی تھی؟ وہاں موجود تمام لوگوں نے کہا: ہاں۔ پھر حضرت عمر، حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا کہ تمھیں اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں: کیا میں نے وہ مال اس شرط پر تمھارے حوالے کیا تھا؟ انھوں نے کہا: ہاں۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اب تم مجھ سے اس کے خلاف کوئی فیصلہ طلب کرتے ہو؟ اللہ کی قسم! جس

کے حکم سے زمین و آسمان قائم ہیں، میں ان اموال میں اس کے خلاف کوئی فیصلہ نہیں دے سکتا۔ اگر تم اس کے انتظامات سے عاجز آ گئے ہو تو اسے میرے حوالے کر دو۔ میں تمھاری طرف سے ان اموال کے انتظام کرنے کے لیے کافی ہوں۔

فوائد و مسائل: ① حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس رسول اللہ ﷺ کے جن اموال کا فیصلہ کرانے آئے تھے وہ کل مملوکہ املاک کا نہ تھا بلکہ وہ خیبر کا کچھ حصہ، فدک، اور مدینہ طیبہ کے صدقات سے متعلق تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی مملوکہ جائیدادیں اس سے کہیں زیادہ تھیں جن کی تفصیل ہم پہلے بیان کر آئے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی ان مملوکہ املاک کو تقسیم نہیں کیا بلکہ ان کا انتظام و انصرام ان کے حوالے کیا تھا۔ چونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس خلافت سے متعلق کام بہت ہو گئے تھے، اس لیے ان جائیدادوں اور جاگیروں کی نگرانی کے لیے ان کے ہاں فرصت نہیں تھی، نیز حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کو خوش کرنا بھی مقصود تھا۔ ② واضح رہے کہ ان حضرات نے متعدد مرتبہ اپنے مطالبات دہرائے تھے۔ ہمارے رجحان کے مطابق اس کی بہترین توجیہ یہ ہے کہ پہلی مرتبہ ان کا مطالبہ علی وجہ تملیک تھا کہ انھیں ان جائیدادوں کے مالکانہ حقوق دیے جائیں اور ہمارا قبضہ تسلیم کیا جائے۔ یہ مطالبہ رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث کے پیش نظر تسلیم نہ کیا گیا کہ حضرات انبیاء کی جائیداد میں وراثت نہیں چلتی بلکہ وفات کے بعد ان کا ترکہ صدقے کی حیثیت اختیار کر لیتا ہے۔ دوسری دفعہ ان کا مطالبہ مالکانہ حقوق کے لیے نہیں بلکہ تولیت کے طور پر تھا کہ ہم ان املاک کے متولی بن کر تصرف کریں گے۔ یہ بات کسی حد تک درست تھی۔ حالات کا بھی تقاضا تھا، اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان حضرات کا مطالبہ تسلیم کر لیا اور انھیں متولی بنا کر املاک ان کے حوالے کر دیں لیکن حضرت عباس رضی اللہ عنہ بڑے منتظم اور مدبر آدمی تھے، آمدنی کو بڑے سلیقے سے خرچ کرتے تھے۔ اس کے برعکس حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ کھلا تھا، بے دریغ مشترکہ پیداوار سے خرچ کرتے تھے اس شراکت کی وجہ سے آئے دن ان کا جھگڑا رہتا تھا، اس لیے آخری مرتبہ شراکت کی تقسیم کا بھی مطالبہ کیا گیا، اگر ایسا کر دیا جاتا تو پھر وہی مالکانہ تقسیم ہو جاتی، گویا حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اپنے بھتیجے کی نصف جائیداد لے لی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی زوجۂ محترمہ کا نصف ترکہ وصول کر لیا، اس بنا پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس دفعہ تقسیم پر راضی نہ ہوئے اور فرمایا: تم مل کر کام کرتے رہو تو بہتر بصورت دیگر ان کا قبضہ مجھے واپس کر دو تاکہ میں حسب سابق اس کا انتظام کر دوں۔ ③ امام بخاری رحمہ اللہ کا غالباً مقصد یہ ہے کہ خمس صرف اس جائیداد میں فرض ہے جو بطور غنیمت حاصل کیا جائے اور کفار سے بہ زور حاصل کیا جائے۔ اس کے برعکس اگر صلح سے کوئی مال حاصل کیا ہے اور فے کے طور پر قبضے میں آئے تو اس میں خمس وغیرہ نہیں ہے۔ واللہ أعلم.

(۲) بَابٌ: أَدَاءُ الْخُمُسِ مِنَ الدِّينِ

باب: 2- خمس ادا کرنا دین کا حصہ ہے

٣٠٩٥ - حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ

[3095] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ

أَبِي جَمْرَةَ الضُّبَعِيِّ قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا يَقُولُ: قَدِمَ وَفْدُ عَبْدِ الْقَيْسِ فَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنَّا هٰذَا الْحَيَّ مِنْ رَّبِيعَةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ كُفَّارُ مُضَرَ، فَلَسْنَا نَصِلُ إِلَيْكَ إِلَّا فِي الشَّهْرِ الْحَرَامِ، فَمُرْنَا بِأَمْرٍ نَّأْخُذُ بِهِ وَنَدْعُو إِلَيْهِ مَنْ وَّرَاءَنَا، قَالَ: «آمُرُكُمْ بِأَرْبَعٍ وَّأَنْهَاكُمْ عَنْ أَرْبَعٍ: اَلْإِيمَانِ بِاللهِ، شَهَادَةِ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ - وَعَقَدَ بِيَدِهِ - وَإِقَامِ الصَّلَاةِ، وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ، وَصِيَامِ رَمَضَانَ، وَأَنْ تُؤَدُّوا لِلّٰهِ خُمُسَ مَا غَنِمْتُمْ، وَأَنْهَاكُمْ عَنِ الدُّبَّاءِ، وَالنَّقِيرِ، وَالْحَنْتَمِ، وَالْمُزَفَّتِ». [راجع: ٥٣]

کہتے ہیں کہ جب وفد عبدالقیس آیا تو انھوں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! ہم اس ربیعہ قبیلے سے تعلق رکھنے والے ہیں۔ ہمارے اور آپ کے درمیان کفار مضر حائل ہیں۔ ہم حرمت والے مہینوں کے علاوہ آپ کے پاس حاضر نہیں ہو سکتے۔ ہمیں کوئی ایسا (جامع) حکم بتا دیں جس پر ہم بھی عمل کریں اور اپنے پیچھے رہنے والوں کو بھی اس کی دعوت دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں تمھیں چار چیزوں کا حکم دیتا ہوں اور چار باتوں سے منع کرتا ہوں: اللہ پر ایمان لانا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ایک ہونے کی گواہی دی جائے...... آپ نے اپنے ہاتھ سے ایک گرہ لگائی (کہ ایک تو یہ ہے اور باقی یہ ہیں:)...... نماز پڑھنا، زکاۃ ادا کرنا، ماہ رمضان کے روزے رکھنا اور جو تم مال غنیمت حاصل کرو اس سے خمس ادا کرنا اور تمھیں کدو، نقیر، حنتم اور مزفت میں نبیذ بنانے سے منع کرتا ہوں۔''

فوائد و مسائل: ① [الدباء] کدو کو کرید کر برتن بنانا، [نقیر] کھجور کی لکڑی کو کرید کر برتن بنانا، [حنتم] سبز مٹکا اور [مزفت] اس برتن کو کہتے ہیں جسے تارکول سے پالش کیا گیا ہو۔ ان برتنوں میں بہت جلد نشہ پیدا ہو جاتا تھا اور یہ عرب میں خصوصی طور پر شراب کے لیے ہی استعمال ہوتے تھے، اس لیے شروع شروع میں نبی ﷺ نے ان برتنوں سے بھی منع کر دیا تاکہ شراب کا خیال بھی نہ آئے اور نبیذ کے استعمال میں اگر تھوڑی بہت دیر ہو جائے تو نشہ پیدا نہ ہو۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جب ترک شراب کی عادت پختہ ہو گئی تو آپ نے ان برتنوں کے استعمال کی اجازت دے دی۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب الایمان (باب نمبر: 40) میں اس حدیث پر ان الفاظ میں عنوان قائم کیا ہے: [بَابٌ: أَدَاءُ الْخُمُسِ مِنَ الْإِيمَانِ] ''خمس کا ادا کرنا ایمان کا حصہ ہے۔'' دراصل امام بخاری رحمہ اللہ ایمان میں کمی بیشی کے قائل ہیں اور دلیل کے طور پر وہاں یہ عنوان قائم کیا تھا۔ اس مقام پر خمس کی اہمیت بتانا مقصود ہے کہ خمس کا ادا کرنا دین اسلام کا حصہ ہے، اگر اسے ادا نہ کیا جائے تو دین اسلام ناقص رہتا ہے۔ ③ امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک ایمان، دین اور اسلام باہم مترادف ہیں اور انھیں ایک دوسرے کی جگہ پر استعمال کیا جا سکتا ہے۔ واللہ أعلم.

(٣) بَابُ نَفَقَةِ نِسَاءِ النَّبِيِّ ﷺ بَعْدَ وَفَاتِهِ

باب: 3- نبی ﷺ کی وفات کے بعد ازواج مطہرات کا خرچہ (کہاں سے ادا ہوتا تھا؟)

٣٠٩٦ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «لَا يَقْتَسِمُ وَرَثَتِي دِينَارًا، مَا تَرَكْتُ بَعْدَ نَفَقَةِ نِسَائِي وَمُؤْنَةِ عَامِلِي فَهُوَ صَدَقَةٌ». [راجع: ٢٧٧٦]

[3096] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میرے وارث میرے بعد ایک دینار بھی تقسیم نہ کریں بلکہ میں جو چیز چھوڑ جاؤں، اس میں سے میرے عاملوں کی تنخواہیں اور میری بیویوں کا خرچ نکال کر باقی سب صدقہ ہے۔''

فوائد و مسائل: ① عامل سے مراد وہ لوگ ہیں جو صدقات کی نگرانی کرتے تھے۔ بعض شارحین نے اس سے حاکم وقت اور خلیفہ مراد لیا ہے۔ ② رسول اللہ ﷺ اپنی زندگی میں اپنے صدقات میں سے اہل خانہ کا خرچ اور نگرانوں کے وظائف نکال کر جو بچتا تھا اسے مسلمانوں کے امور اور ان کی ضروریات پر خرچ کرتے تھے۔ چونکہ آپ کی بیویوں کو آپ کی وفات کے بعد کسی سے عقد ثانی کرنے کی اجازت نہیں تھی، اس لیے آپ کی وفات کے بعد ان کا نان ونفقہ بھی اسی مد سے ادا کیا جاتا تھا۔ ③ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں امہات المومنین کو اختیار دیا تھا کہ خرچ لیتی رہیں یا زمینی قطعات لے لیں اور ان میں مزارعت کرائیں، چنانچہ حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما نے زمین کو پسند کیا تو انھیں غابہ میں زمین دے دی گئی اور ان کا صدقات سے حصہ ختم کر دیا گیا باقی ازواج کو بدستور خرچہ دیا جاتا رہا۔[1]

٣٠٩٧ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: تُوُفِّيَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَمَا فِي بَيْتِي مِنْ شَيْءٍ يَأْكُلُهُ ذُو كَبِدٍ إِلَّا شَطْرُ شَعِيرٍ فِي رَفٍّ لِي، فَأَكَلْتُ مِنْهُ حَتَّى طَالَ عَلَيَّ فَكِلْتُهُ فَفَنِيَ. [انظر: ٦٤٥١]

[3097] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی تو میرے گھر میں کوئی ایسی چیز نہیں تھی جو کسی جگر والے جاندار کی خوراک بن سکتی۔ ہاں، کچھ جو طاق میں رکھے ہوئے تھے۔ میں انھی سے کھاتی رہی یہاں تک کہ کافی عرصہ گزر گیا۔ میں نے انھیں ناپا تو وہ جلدی ختم ہو گئے۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث کو مذکورہ عنوان کے تحت اس لیے لایا گیا ہے کہ اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد نان ونفقہ کی حق دار نہ ہوتیں تو وہ جو بھی آپ سے لے کر بیت المال میں جمع کر دیے جاتے۔ ② اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ انھیں ناپنا ان کے ختم ہونے کا سبب بنا، حالانکہ حدیث میں ہے: ''تم غلے کا ناپ تول کرو کیونکہ اس میں برکت ہے۔''[2] اس کا مطلب یہ ہے کہ خرید و فروخت کے وقت ناپ تول کی جا سکتی ہے، البتہ کھانے پینے کے وقت مکروہ ہے، گویا ایسا کرنے سے توکل میں فرق آ جاتا ہے۔[3]

---

① عمدة القاري: 432/10. ② صحيح البخاري، البيوع، حديث: 2128. ③ عمدة القاري: 433/10.

٣٠٩٨ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا يَحْيٰى عَنْ سُفْيَانَ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو إِسْحَاقَ قَالَ: سَمِعْتُ عَمْرَو بْنَ الْحَارِثِ قَالَ: مَا تَرَكَ النَّبِيُّ ﷺ إِلَّا سِلَاحَهُ وَبَغْلَتَهُ الْبَيْضَاءَ وَأَرْضًا تَرَكَهَا صَدَقَةً. [٢٧٣٩]

[3098] حضرت عمرو بن حارث ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے وفات کے بعد اپنے ہتھیار، ایک سفید خچر اور کچھ زمین کے سوا کوئی ترکہ نہیں چھوڑا تھا۔ آپ ﷺ زمین بھی خود صدقہ کر گئے تھے۔

فوائد و مسائل: ① زمین سے مراد بنونضیر، فدک اور خیبر کی زمین ہے جس کی پیداوار سے ازواج مطہرات ؓ کا خرچ نکال کر باقی مسلمانوں کی اجتماعی ضروریات میں صرف کر دیا جاتا۔ ② امام بخاری ؒ کا مقصد یہ ہے کہ آپ کی وفات کے بعد ازواج مطہرات ؓ کا خرچ رسول اللہ ﷺ کی چھوڑی ہوئی زمین سے پورا کیا جاتا تھا، جسے آپ نے صدقہ کر دیا تھا۔

(٤) بَابُ مَا جَاءَ فِي بُيُوتِ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ ﷺ وَمَا نُسِبَ مِنَ الْبُيُوتِ إِلَيْهِنَّ

باب: 4- نبی ﷺ کی ازواج مطہرات ؓ کے گھروں سے متعلق جو منقول ہے اور گھروں کی جو نسبت ازواج مطہرات کی طرف کی گئی ہے اس کا حکم

وَقَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ﴾ [الأحزاب: ٣٣] وَ﴿لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَن يُؤْذَنَ لَكُمْ﴾ [الأحزاب: ٥٣].

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اور (اے نبی کی بیویو!) تم اپنے گھروں ہی میں ٹھہری رہو۔'' نیز ارشاد فرمایا: ''(اے ایمان والو!) تم نبیٔ مکرم (علیہ السلام) کے گھروں میں اجازت کے بغیر نہ جاؤ۔''

وضاحت: امام بخاری ؒ کا مقصود یہ ہے کہ قرآنی آیات میں گھروں کی نسبت ازواج مطہرات ؓ کی طرف ہے جیسا کہ پیش کردہ پہلی آیت میں ہے اور ان کی نسبت رسول اللہ ﷺ کی طرف بھی ہے جیسا کہ دوسری آیت کریمہ میں ہے تو کیا یہ نسبت ملکیت کی وجہ سے ہے یا نسبت ان میں ٹھہرنے کی بنا پر ہے۔ اس اختلاف کی طرف امام بخاری ؒ نے اشارہ کیا ہے۔ اس کی وضاحت ہم آئندہ کریں گے۔ بإذن اللہ تعالیٰ.

٣٠٩٩ - حَدَّثَنَا حِبَّانُ بْنُ مُوسٰى وَمُحَمَّدٌ قَالَا: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ وَيُونُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ ابْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ أَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ قَالَتْ: لَمَّا ثَقُلَ رَسُولُ اللهِ ﷺ

[3099] نبی کی زوجۂ محترمہ حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: جب رسول اللہ ﷺ کا مرض زیادہ ہو گیا تو آپ نے اپنی ازواج مطہرات سے اجازت طلب کی کہ میرے گھر میں ان کی تیمارداری کی جائے تو سب نے آپ کو اس امر کی اجازت دے دی۔

اسْتَأْذَنَ أَزْوَاجَهُ أَنْ يُمَرَّضَ فِي بَيْتِي فَأَذِنَّ لَهُ.

[راجع: ١٩٨]

٣١٠٠ - حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي مَرْيَمَ: حَدَّثَنَا نَافِعٌ: سَمِعْتُ ابْنَ أَبِي مُلَيْكَةَ قَالَ: قَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: تُوُفِّيَ النَّبِيُّ ﷺ فِي بَيْتِي، وَفِي نَوْبَتِي، وَبَيْنَ سَحْرِي وَنَحْرِي، وَجَمَعَ اللهُ بَيْنَ رِيقِي وَرِيقِهِ، قَالَتْ: دَخَلَ عَبْدُالرَّحْمٰنِ بِسِوَاكٍ فَضَعُفَ النَّبِيُّ ﷺ عَنْهُ فَأَخَذْتُهُ فَمَضَغْتُهُ ثُمَّ سَنَنْتُهُ بِهِ. [راجع: ٨٩٠]

[3100] حضرت عائشہ ؓ ہی سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کی وفات میرے گھر میں ہوئی اور میری باری کے دن ہوئی جبکہ آپ کا سر مبارک میری گردن اور میرے سینے کے درمیان تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس آخری وقت میں میرے اور آپ کے تھوک مبارک کو جمع فرما دیا۔ وہ اس طرح کہ عبدالرحمٰن ؓ مسواک لے کر حاضر ہوئے چونکہ نبی ﷺ اس کے استعمال سے کمزور تھے تو میں نے مسواک کو پکڑا اور اسے چبایا پھر آپ کو مسواک کرائی۔

٣١٠١ - حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عُفَيْرٍ قَالَ: حَدَّثَنِي اللَّيْثُ قَالَ: حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ خَالِدٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنٍ: أَنَّ صَفِيَّةَ زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ أَخْبَرَتْهُ أَنَّهَا جَاءَتْ رَسُولَ اللهِ ﷺ تَزُورُهُ وَهُوَ مُعْتَكِفٌ فِي الْمَسْجِدِ - فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ - ثُمَّ قَامَتْ تَنْقَلِبُ، فَقَامَ مَعَهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ حَتَّى إِذَا بَلَغَ قَرِيبًا مِّنْ بَابِ الْمَسْجِدِ عِنْدَ بَابِ أُمِّ سَلَمَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ مَرَّ بِهِمَا رَجُلَانِ مِنَ الْأَنْصَارِ فَسَلَّمَا عَلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ ثُمَّ نَفَذَا، فَقَالَ لَهُمَا رَسُولُ اللهِ ﷺ: «عَلَى رِسْلِكُمَا»، قَالَا: سُبْحَانَ اللهِ يَا رَسُولَ اللهِ، وَكَبُرَ عَلَيْهِمَا ذٰلِكَ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِنَّ الشَّيْطَانَ يَبْلُغُ مِنَ الْإِنْسَانِ مَبْلَغَ الدَّمِ، وَإِنِّي خَشِيتُ أَنْ يَقْذِفَ فِي قُلُوبِكُمَا شَيْئًا». [راجع: ٢٠٣٥]

[3101] نبی ﷺ کی زوجۂ محترمہ حضرت صفیہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے بیان کیا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی زیارت کے لیے آئیں جبکہ آپ رمضان کے آخری عشرے کا مسجد میں اعتکاف کیے ہوئے تھے۔ پھر وہ واپس جانے کے لیے اٹھیں تو رسول اللہ ﷺ بھی ان کے ساتھ کھڑے ہو گئے، یہاں تک کہ مسجد نبوی کے اس دروازے کے پاس پہنچ گئے جو نبی ﷺ کی زوجۂ محترمہ حضرت ام سلمہ ؓ کے دروازے کے پاس ہے تو ان دونوں کے پاس سے انصار کے دو آدمی گزرے۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو سلام کیا پھر جلدی سے آگے بڑھنے لگے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: ''آرام سے چلو۔ (یہ میری بیوی حضرت صفیہ ؓ ہیں)۔'' انھوں نے کہا: اللہ کے رسول! سبحان اللہ۔ اور ان پر یہ شاق گزرا۔ تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''شیطان، انسان کی رگوں میں خون کی طرح پھرتا ہے۔ مجھے خطرہ لاحق ہوا کہ مبادا تمھارے دلوں میں کوئی بدگمانی پیدا کر دے۔''

٣١٠٢ - حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ: حَدَّثَنَا

[3102] حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے،

أَنَسُ بْنُ عِيَاضٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى بْنِ حَبَّانَ، عَنْ وَاسِعِ بْنِ حَبَّانَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: ارْتَقَيْتُ فَوْقَ بَيْتِ حَفْصَةَ فَرَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقْضِي حَاجَتَهُ مُسْتَدْبِرَ الْقِبْلَةِ مُسْتَقْبِلَ الشَّامِ. [راجع: ١٤٥]

انھوں نے فرمایا: میں حضرت حفصہ ؓ کے گھر کی چھت پر چڑھا تو میں نے نبی ﷺ کو دیکھا کہ آپ قبلے کی طرف پشت اور شام کی طرف منہ کیے ہوئے رفع حاجت کر رہے تھے۔"

٣١٠٣ - حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ: حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ عِيَاضٍ عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيهِ أَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يُصَلِّي الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ لَمْ تَخْرُجْ مِنْ حُجْرَتِهَا. [راجع: ٥٢٢]

[3103] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نماز عصر ایسے وقت میں ادا کرتے تھے جبکہ دھوپ ابھی ان کے حجرے سے نہیں نکلی ہوتی تھی۔

٣١٠٤ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا جُوَيْرِيَةُ عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَامَ النَّبِيُّ ﷺ خَطِيبًا فَأَشَارَ نَحْوَ مَسْكَنِ عَائِشَةَ فَقَالَ: «هَاهُنَا الْفِتْنَةُ - ثَلَاثًا - مِنْ حَيْثُ يَطْلُعُ قَرْنُ الشَّيْطَانِ». [انظر: ٣٢٧٩، ٣٥١١، ٥٢٩٦، ٧٠٩٢، ٧٠٩٣]

[3104] حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ (ایک مرتبہ) خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے تو آپ نے حضرت عائشہ ؓ کی رہائش گاہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے تین بار فرمایا: "اس طرف (مشرق کی جانب) سے فتنے برپا ہوں گے، جہاں سے شیطان کا سینگ طلوع ہوتا ہے۔"

٣١٠٥ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ، عَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ: أَنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ أَخْبَرَتْهَا: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ عِنْدَهَا وَأَنَّهَا سَمِعَتْ صَوْتَ إِنْسَانٍ يَسْتَأْذِنُ فِي بَيْتِ حَفْصَةَ فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! هٰذَا رَجُلٌ يَسْتَأْذِنُ فِي بَيْتِكَ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أُرَاهُ فُلَانًا - لِعَمِّ حَفْصَةَ مِنَ الرَّضَاعَةِ - اَلرَّضَاعَةُ تُحَرِّمُ مَا تُحَرِّمُ الْوِلَادَةُ». [راجع: ٢٦٤٦]

[3105] نبی ﷺ کی زوجۂ محترمہ حضرت عائشہ ؓ نے فرمایا: (ایک دن) رسول اللہ ﷺ ان کے پاس تھے کہ انھوں نے ایک انسان کی آواز سنی جو حضرت حفصہ ؓ کے گھر میں داخل ہونے کی اجازت مانگ رہا تھا۔ میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! یہ شخص آپ کے گھر جانے کی اجازت مانگ رہا ہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میرا خیال ہے یہ فلاں شخص ہے جو حضرت حفصہ ؓ کا رضاعی چچا ہے۔" نیز فرمایا: "رضاعت ہر اس چیز کو حرام کر دیتی جو نسب حرام کرتا ہے۔"

فوائد و مسائل: ① اس باب کی تمام مذکور احادیث میں گھروں کی نسبت ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی طرف کی گئی ہے، چنانچہ ان میں حضرت عائشہ، حضرت ام سلمہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہن کی صراحت ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ گھر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے تھے جبکہ قرآنی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ گھر رسول اللہ کے تھے کہ ان کی نسبت رسول اللہ کی طرف کی گئی ہے۔ اس امر میں علمائے امت کا اختلاف ہے، جس کی تفصیل حسب ذیل ہے: ○ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی طرف ان گھروں کی نسبت ملکیت کی وجہ سے ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے وفات سے قبل اپنی بیویوں کو ان کا مالک بنا دیا تھا، اس لیے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد: ''ہمارا ترکہ صدقہ ہے'' ان گھروں پر صادق نہیں آتا۔ ○ رسول اللہ ﷺ کی طرف ان گھروں کی نسبت کا مطلب یہ ہے کہ مذکورہ گھر آپ کی ملکیت تھے اور ازواج مطہرات کی طرف ان کی نسبت ''مکین ہونے'' کی وجہ سے ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں رہائش کے لیے مذکورہ مکانات دیے تھے اور وہ مرتے دم تک ان میں رہائش پذیر رہیں۔ ② حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے ان بیویوں کو گھروں کا مالک نہیں بنایا تھا۔ اگر ایسی بات ہوتی تو ان ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی وفات کے بعد ان کے ورثاء مذکورہ مکانات کے وارث ہوتے، حالانکہ ان کی وفات کے بعد ان گھروں کو گرا کر مسجد نبوی میں شامل کر دیا گیا تاکہ عام مسلمانوں کو ان سے نفع پہنچے جیسا کہ نان ونفقہ کے متعلق معاملہ کیا گیا۔ واللہ أعلم.[1] ③ ہمارا رجحان یہ ہے کہ وہ گھر رسول اللہ کی ملکیت تھے اور آپ کی وفات کے بعد وہ صدقہ قرار پائے، البتہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو زندگی بھر ان میں رہائش رکھنے کی اجازت تھی جیسا کہ دیگر صدقات سے انھیں نان ونفقہ دیا جاتا تھا، اسی طرح تاوفات انھیں وہ مکان رہائش کے لیے دیے گئے جیسا کہ ایک حدیث میں ''مسکن عائشہ'' ہے، اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ گھر آپ کی ملک نہیں تھا بلکہ صرف رہائش کے لیے تھا۔ پھر آیت کریمہ میں ہے: ''رسول اللہ ﷺ کے گھروں میں اس وقت تک کوئی داخل نہ ہو جب تک اسے رسول اللہ ﷺ اجازت نہ دیں۔'' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ گھر خاوند کا ہوتا ہے تبھی تو اسے اجازت دینے کا اختیار دیا گیا ہے، بہرحال رسول اللہ ﷺ نے یہ مکانات انھیں ہبہ نہیں کیے تھے بلکہ انھیں رہائش کے لیے دیے تھے کہ مرتے دم تک وہ ان میں رہائش پذیر رہیں جیسے ان کے نفقات مستثنیٰ تھے ایسے رہائش بھی مستثنیٰ تھی۔ ان کی وفات کے بعد ان کے ورثاء ان گھروں کے مالک نہیں بنے اور نہ کسی نے اس قسم کا دعویٰ ہی کیا بلکہ ان تمام گھروں کو مسجد نبوی میں شامل کر دیا گیا۔ واللہ أعلم.

نوٹ: رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رہائش کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ''اس طرف سے شیطانی فتنہ طلوع ہوگا۔'' اس حدیث کو بنیاد بنا کر رافضیوں نے پروپیگنڈا کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا گھر فتنوں کی آماجگاہ تھا، حالانکہ انھیں ایسی باتیں کہتے ہوئے شرم آنی چاہیے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے آخری ایام حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر گزارے اور زندگی کے بعد وہ آپ کا مشہد بنا جو کہ اللہ کی طرف سے خیر و برکت کے نزول کا محل ہے۔ ایسی جگہ کو فتنوں کی آماجگاہ کیونکر قرار دیا جا سکتا ہے۔ دراصل صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے بغض و عناد کے نتیجے میں ایسی باتیں کہی گئی ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے دوسرے مقام پر ایک تفصیلی روایت ذکر کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک دفعہ اہل عراق سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: میں نے رسول اللہ

---

① فتح الباري: 254/6.

ﷺ کو مشرق کی طرف اشارہ کر کے فرماتے ہوئے دیکھا: ''خبردار! فتنہ ادھر سے طلوع ہوگا، فتنہ اس طرف سے ظاہر ہوگا جہاں سے شیطان کا سینگ طلوع ہوتا ہے۔''[1] مدینہ طیبہ سے عراق، مشرق کی طرف پڑتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ فتنوں کی آماجگاہ سرزمین عراق ہے۔ اس میں شک نہیں کہ عراق کا خطہ بڑا ہنگامہ خیز اور فتنہ پرور واقع ہوا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی مذکورہ بالا پیش گوئی کے مطابق یہ منحوس علاقہ اسلام اور اہل اسلام کے خلاف اٹھنے والے فتنوں کی آماجگاہ ہے، چنانچہ قوم نوح کے بت ود اور سواع وغیرہ عراق ہی میں تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خلاف آگ کا الاؤ تیار کرنے والا نمرود بھی اسی عراق کا فرمانروا تھا۔ حضرت عثمان کے خلاف فتنہ بھی عراقی لوگوں نے برپا کیا تھا۔ نواسۂ رسول ﷺ کو شہید کرنے والے بھی عراقی تھے۔ حدیث اور اہل حدیث کے خلاف اہل رائے کے طوفان بھی اسی سرزمین سے اٹھے۔ اب بھی یہ خطہ اس قسم کے فتنوں کی بدترین مثالیں قائم کیے ہوئے ہے۔ ان واقعات و شواہد کے تناظر میں کہا جاسکتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا گھر فتنوں کی آماجگاہ نہیں تھا بلکہ یہ ''شرف'' سرزمین عراق کو حاصل ہوا ہے۔

(٥) بَابُ مَا ذُكِرَ مِنْ دِرْعِ النَّبِيِّ ﷺ وَعَصَاهُ وَسَيْفِهِ وَقَدَحِهِ وَخَاتَمِهِ

باب: 5- نبی ﷺ کی زرہ، آپ کے عصا، پیالے اور انگوٹھی کا بیان

وَمَا اسْتَعْمَلَ الْخُلَفَاءُ بَعْدَهُ مِنْ ذٰلِكَ مِمَّا لَمْ يُذْكَرْ قِسْمَتُهُ، وَمِنْ شَعَرِهِ وَنَعْلِهِ وَآنِيَتِهِ مِمَّا تَبَرَّكَ أَصْحَابُهُ وَغَيْرُهُمْ بَعْدَ وَفَاتِهِ.

ان تمام چیزوں کو آپ کے بعد خلفائے راشدین نے استعمال کیا لیکن ان کی تقسیم منقول نہیں ہے۔ اسی طرح آپ کے موئے مبارک، نعلین اور برتنوں کا حال ہے جن سے آپ کی وفات کے بعد صحابہ اور غیر صحابہ برکت حاصل کرتے رہے ہیں۔

وضاحت: * رسول اللہ ﷺ کا ترکہ تین طرح کا تھا: ایک تو زمین اور باغات وغیرہ، ان کی پیداوار سے بیویوں کے اخراجات نکال کر باقی صدقہ کر دیا جاتا اور مسلمانوں کی اجتماعی ضروریات میں اسے صرف کر دیا جاتا۔ آپ کی وفات کے بعد انھیں اسی حالت پر باقی رکھا گیا۔ دوسرے وہ جن کا آپ نے اپنی زندگی میں کسی کو مالک بنا دیا تھا جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس چند وسق جو تھے جو انھوں نے طاق میں رکھے تھے وہ ان کی مالک تھیں۔ تیسرے وہ جن پر کسی کا قبضہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں متولی کی حیثیت سے ان کے قبضے میں دیا تھا جیسے مکانات وغیرہ۔ اس عنوان میں تیسری قسم سے متعلق دیگر اشیاء کا ذکر ہے جو کسی کے پاس تھیں۔ ان سے استفادے کی ہر ایک کو اجازت تھی۔ ان میں وراثت جاری نہیں ہوئی بصورت دیگر ہر بیوی دوسری بیوی کے پاس والی چیز سے اپنے حصے کا مطالبہ کرتی۔ * یہ عنوان نو اجزاء پر مشتمل ہے، یعنی اس میں زرہ، عصا، تلوار، پیالہ، انگوٹھی، موئے مبارک، نعلین اور دیگر برتنوں وغیرہ کا ذکر ہے لیکن احادیث چھ ہیں: پہلی میں انگوٹھی، دوسری میں نعلین، تیسری میں چادر،

1 صحيح البخاري، الفتن، حديث: 7092.

چوتھی میں پیالہ، پانچویں میں تلوار اور چھٹی میں ان صدقات کا بیان ہے جو ایک صحیفے میں لکھے ہوئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی زرہ، موئے مبارک، چھڑی، عصا اور دیگر برتنوں کے متعلق کوئی حدیث ذکر نہیں کی، وہ صحیح بخاری میں دیگر مقامات پر ذکر ہوئی ہیں، جن کی تفصیل ہم آئندہ بیان کریں گے۔ ✵ امام بخاری ؒ کا مقصد یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وفات کے وقت جو ترکہ چھوڑا، اس میں سب مسلمان شریک ہیں کیونکہ وہ صدقہ ہے لیکن وہ مال جس کا آپ نے قبل از وفات کسی کو وارث بنا دیا تھا یا اس میں اشتراک تو ہے لیکن قبضہ کسی کے پاس تھا تو وہی اس کا محافظ و متولی ہوگا۔ کسی اور کو ملکیت یا تصرف کا حق نہیں ہے، چنانچہ حافظ ابن حجر ؒ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے جس ترکے کا کسی کو مالک نہیں بنایا اور نہ کسی کے پاس اسے فروخت ہی کیا بلکہ اسے محض تبرک کے طور پر کسی کے پاس رہنے دیا تو وہی شخص اس کا نگران ہوگا۔ اگر ان میں وراثت جاری ہوتی تو انھیں فروخت یا تقسیم کیا جاتا لیکن ان کی تقسیم کا کہیں ذکر نہیں ہوا بلکہ انھیں اپنے پاس بطور تبرک رکھ لیا گیا۔ [1]

٣١٠٦ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ الْأَنْصَارِيُّ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ ثُمَامَةَ: حَدَّثَنَا أَنَسٌ: أَنَّ أَبَا بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ لَمَّا اسْتُخْلِفَ بَعَثَهُ إِلَى الْبَحْرَيْنِ، وَكَتَبَ لَهُ هٰذَا الْكِتَابَ وَخَتَمَهُ بِخَاتَمِ النَّبِيِّ ﷺ وَكَانَ نَقْشُ الْخَاتَمِ ثَلَاثَةَ أَسْطُرٍ: مُحَمَّدٌ سَطْرٌ، وَرَسُولٌ سَطْرٌ، وَاللهُ سَطْرٌ. [راجع: ١٤٤٨]

[3106] حضرت انس ؓ سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر ؓ جب خلیفہ مقرر ہوئے تو انھوں نے انھیں بحرین بھیجا اور ان کو یہ خط لکھ کر دیا اور اس پر نبی ﷺ کی مہر لگائی۔ مہر نبوت تین سطر میں تھی: محمد ایک سطر، رسول دوسری سطر اور لفظ اللہ تیسری سطر تھی۔

فائدہ: اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کی انگوٹھی کا ذکر ہے جسے سرکاری مہر کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے جب اہل روم کو دعوتی خطوط لکھنے کا ارادہ فرمایا تو عرض کی گئی کہ وہ مہر کے بغیر خطوط نہیں پڑھتے تو آپ نے اس وقت یہ انگوٹھی بنوائی۔ [2] اسے آپ ہاتھ میں پہنتے۔ آپ کے بعد اسے حضرت ابوبکر ؓ نے استعمال کیا۔ ان کے بعد حضرت عمر ؓ کے ہاتھ میں رہی۔ ان کے بعد حضرت عثمان ؓ کے پاس آئی، چنانچہ حضرت عثمان ؓ ایک دن اریس نامی کنویں پر بیٹھے انگوٹھی سے کھیل رہے تھے کہ اچانک وہ کنویں میں گر گئی۔ اس کا پانی نکال کر تین دن تک اسے تلاش کیا گیا لیکن وہ نہ مل سکی۔ [3] اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اس میں کیا حکمت تھی۔ بہرحال انگوٹھی آپ کا وہ ترکہ تھا جسے آپ کے بعد خلفائے راشدین نے استعمال کیا۔

٣١٠٧ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ الْأَسَدِيُّ: حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ طَهْمَانَ قَالَ: أَخْرَجَ إِلَيْنَا أَنَسٌ نَعْلَيْنِ جَرْدَاوَيْنِ

[3107] حضرت عیسیٰ بن طہمان ؒ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ حضرت انس ؓ نے بالوں کے بغیر چمڑے کی دو پرانی جوتیاں ہمیں دکھائیں جن پر دو تسمے لگے ہوئے

① فتح الباري: 255/6. ② صحيح البخاري، اللباس، حديث: 5875. ③ صحيح البخاري، اللباس، حديث: 5879.

لَهُمَا قِبَالَانِ، فَحَدَّثَنِي ثَابِتٌ الْبُنَانِيُّ بَعْدُ عَنْ أَنَسٍ أَنَّهُمَا نَعْلَا النَّبِيِّ ﷺ. [انظر: ٥٨٥٧، ٥٨٥٨]

تھے۔ اس کے بعد ثابت بنانی نے یہ حدیث حضرت انس کے حوالے سے بیان کی کہ انھوں نے فرمایا کہ یہ نبی ﷺ کی پاپوش مبارک ہیں۔

فوائد و مسائل: ① رسول اللہ ﷺ کی تمام استعمال کردہ اشیاء بابرکت تھیں، ان سے برکت حاصل کرنا شرعاً جائز ہے، البتہ ان اشیاء کی خودساختہ تصاویر بطور نمائش استعمال کرنا خلاف شرع ہے، چنانچہ آج کل ایک مخصوص مکتبۂ فکر سے تعلق رکھنے والے کچھ لوگ اکثر دکانوں اور بسوں میں رسول اللہ ﷺ کی نعلین کی تصویر کے کارڈ لیے پھرتے ہیں اور ان کے متعلق لوگوں کو بتاتے ہیں کہ اسے گھر، دوکان یا دفتر میں رکھنے سے ہر قسم کی مصیبت اور بلا ٹل جاتی ہے۔ تنگ دست کی تنگ دستی اور ضرورت مند کی ضرورت پوری ہو جاتی ہے۔ یہ سب جذباتی باتیں خلاف شریعت ہیں۔ تصویر سے اگر اصل کا مقصد حاصل ہوسکتا ہے تو ہر گھر میں بیت اللہ کی تصویر رکھ کر اس کا طواف کیا جا سکتا ہے اور وہاں نماز پڑھ کر لاکھ نماز کا ثواب بھی حاصل کیا جا سکتا ہے؟ حجر اسود کی تصویر رکھ کر اس کو بوسہ دیا جائے تاکہ مکہ مکرمہ جانے کی ضرورت ہی نہ رہے۔ اللہ تعالیٰ انھیں سمجھ عطا فرمائے۔ ② امام بخاری ؒ کا مقصد ہے کہ یہ نعلین حضرت انس ؓ کے پاس تھیں اور انھیں بطور وراثت تقسیم نہیں کیا گیا بلکہ ان کے پاس ہی انھیں رہنے دیا گیا۔ حضرت انس ؓ اپنی عمر کے آخری حصے میں دمشق چلے گئے۔ وہاں رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب نعلین مبارک بھی نویں ہجری کے آغاز میں فتنۂ تیمور لنگ کے وقت ضائع ہوگئیں۔ واللّٰہ أعلم.

٣١٠٨ - حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ: حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ حُمَيْدِ بْنِ هِلَالٍ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ قَالَ: أَخْرَجَتْ إِلَيْنَا عَائِشَةُ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا كِسَاءً مُلَبَّدًا، وَقَالَتْ: فِي هٰذَا نُزِعَ رُوحُ النَّبِيِّ ﷺ.

[3108] حضرت ابو بردہ ؒ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ حضرت عائشہ ؓ نے ایک پیوند لگی ہوئی چادر نکال کر ہمیں دکھائی اور فرمایا: اس میں (اس کو اوڑھے ہوئے) نبی ﷺ کی روح قبض کی گئی تھی۔

وَزَادَ سُلَيْمَانُ عَنْ حُمَيْدٍ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ، قَالَ: أَخْرَجَتْ إِلَيْنَا عَائِشَةُ إِزَارًا غَلِيظًا مِمَّا يُصْنَعُ بِالْيَمَنِ وَكِسَاءً مِّنْ هٰذِهِ الَّتِي تَدْعُونَهَا الْمُلَبَّدَةَ. [انظر: ٥٨١٨]

ایک روایت کے مطابق راویٔ حدیث ابو بردہ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ ؓ نے ایک موٹا تہبند نکال کر ہمیں دکھایا جو یمن میں بنتا تھا اور ایک چادر جس کو تم ملبدہ (موٹی یا پیوند لگی) کہتے ہو۔ (فرمایا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کی ہیں۔)

فوائد و مسائل: ① رسول اللہ ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ جو کپڑا میسر آتا اسے زیب تن فرماتے، البتہ آپ کا لباس صاف ستھرا، اجلا اور شفاف ہوتا تھا، لیکن بناؤ سنگار سے پرہیز کیا کرتے تھے۔ پیوند لگی چادر کبھی بہ نظر تواضع یا اتفاقاً پہنی ہوگی، خواہ مخواہ پھٹا پرانا لباس پہننا آپ کی شان کے شایان نہ تھا، بہرحال آپ کے لباس کو بطور یادگار محفوظ کیا گیا، اسے تقسیم کر کے اس میں

وراثت کا اصول جاری نہیں کیا گیا، آخر کار وہ بھی وقت کے ساتھ ساتھ ختم ہو گیا۔ ② ان آثار شریفہ کے فقدان کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ جس خوش قسمت انسان کے پاس آپ کی کوئی نشانی تھی اس نے وصیت کر دی تھی کہ مرنے کے بعد قبر میں اسے اس کے ساتھ ہی دفن کر دیا جائے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے لیے ایک عورت نے اپنے ہاتھ سے چادر تیار کی اور آپ کو بطور تحفہ پیش کی۔ آپ نے اسے قبول کرتے ہوئے زیب تن فرمایا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اس خواہش کے پیش نظر کہ وہ ان کا کفن ہو رسول اللہ ﷺ سے وہ چادر مانگ لی۔ بالآخر وہی چادر ان کا کفن بنی۔[1] اسی طرح رسول اللہ ﷺ کا ایک قمیص رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کو پہنایا گیا، اسے بھی بطور کفن قبر میں دفن کر دیا گیا۔[2]

٣١٠٩ - حَدَّثَنَا عَبْدَانُ عَنْ أَبِي حَمْزَةَ، عَنْ عَاصِمٍ، عَنِ ابْنِ سِيرِينَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ قَدَحَ النَّبِيِّ ﷺ انْكَسَرَ فَاتَّخَذَ مَكَانَ الشَّعْبِ سِلْسِلَةً مِّنْ فِضَّةٍ.

[3109] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کا پیالہ ٹوٹ گیا تو آپ نے ٹوٹی ہوئی جگہ پر چاندی کی تار لگا کر اسے جوڑ لیا تھا۔

قَالَ عَاصِمٌ: رَأَيْتُ الْقَدَحَ، وَشَرِبْتُ فِيهِ.
[انظر: ٥٦٣٨]

(راوی حدیث) حضرت عاصم کہتے ہیں کہ میں نے وہ پیالہ دیکھا اور اس میں پانی بھی پیا ہے۔

فوائد و مسائل: ① ایک حدیث میں ہے کہ وہ پیالہ بہت بڑا اور عمدہ قسم کا تھا جو بہترین لکڑی سے تیار شدہ تھا۔[3] اس حدیث کے آخر میں ہے کہ اس میں لوہے کا کڑا تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اس کی جگہ سونے یا چاندی کا کڑا لگانے کا ارادہ کیا تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے انھیں منع کر دیا اور فرمایا: اس میں کوئی تبدیلی نہ کرو بلکہ اسی حالت میں رہنے دو جس حالت میں رسول اللہ ﷺ کے پاس تھا، چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اسی حالت میں رہنے دیا۔[4] حضرت حجاج بن حسان کہتے ہیں: ہم ایک مرتبہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے پاس تھے انھوں نے ایک برتن منگوایا جسے تین لوہے کے ٹکڑے لگے ہوئے تھے اور اس میں لوہے کا کڑا بھی تھا، اسے آپ نے سیاہ غلاف سے نکالا اور اس میں پانی ڈال کر ہمارے پاس لایا گیا، ہم نے اس سے پانی پیا، اپنے سروں اور مونہوں پر چھڑکا اور رسول اللہ ﷺ پر درود بھی پڑھا۔[5] ② حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے علامہ قرطبی کے حوالے سے لکھا ہے: امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں نے بصرہ میں وہ پیالہ کسی کے پاس دیکھا اور اس سے پانی نوش کیا۔ اس نے وہ پیالہ نضر بن انس کو ملنے والی جائیداد سے آٹھ لاکھ میں خریدا تھا۔[6] وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ رسول اللہ ﷺ کا یہ پیالہ بھی معدوم ہو گیا یا جنگوں اور فتنوں کی نذر ہو کر ضائع ہو گیا۔ ③ امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی چھوڑی ہوئی اشیاء میں سے کوئی چیز بھی تقسیم نہیں کی گئی بلکہ انھیں تبرک کے طور پر رکھا گیا۔ واللہ أعلم۔

---

① صحيح البخاري، الجنائز، حديث: 1277. ② صحيح البخاري، الجنائز، حديث: 1270. ③ صحيح البخاري، الأشربة، حديث: 5636. ④ صحيح البخاري، الأشربة، حديث: 5636. ⑤ مسند أحمد: 187/3. ⑥ فتح الباري: 124/10.

٣١١٠ - حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْجَرْمِيُّ: حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ: حَدَّثَنَا أَبِي أَنَّ الْوَلِيدَ بْنَ كَثِيرٍ حَدَّثَهُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَلْحَلَةَ الدِّيلِيِّ حَدَّثَهُ: أَنَّ ابْنَ شِهَابٍ حَدَّثَهُ: أَنَّ عَلِيَّ بْنَ حُسَيْنٍ حَدَّثَهُ: أَنَّهُمْ حِينَ قَدِمُوا الْمَدِينَةَ مِنْ عِنْدِ يَزِيدَ بْنِ مُعَاوِيَةَ مَقْتَلَ حُسَيْنِ ابْنِ عَلِيٍّ رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ لَقِيَهُ الْمِسْوَرُ بْنُ مَخْرَمَةَ فَقَالَ لَهُ: هَلْ لَّكَ إِلَيَّ مِنْ حَاجَةٍ تَأْمُرُنِي بِهَا؟ فَقُلْتُ لَهُ: لَا، فَقَالَ: فَهَلْ أَنْتَ مُعْطِيَّ سَيْفَ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَإِنِّي أَخَافُ أَنْ يَّغْلِبَكَ الْقَوْمُ عَلَيْهِ؟ وَايْمُ اللهِ لَئِنْ أَعْطَيْتَنِيهِ لَا يُخْلَصُ إِلَيْهِ أَبَدًا، حَتّٰى تُبْلَغَ نَفْسِي، إِنَّ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ خَطَبَ ابْنَةَ أَبِي جَهْلٍ عَلٰى فَاطِمَةَ عَلَيْهَا السَّلَامُ فَسَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَخْطُبُ النَّاسَ فِي ذٰلِكَ عَلٰى مِنْبَرِهِ هٰذَا - وَأَنَا يَوْمَئِذٍ الْمُحْتَلِمُ - فَقَالَ: «إِنَّ فَاطِمَةَ مِنِّي، وَأَنَا أَتَخَوَّفُ أَنْ تُفْتَنَ فِي دِينِهَا»، ثُمَّ ذَكَرَ صِهْرًا لَّهُ مِنْ بَنِي عَبْدِ شَمْسٍ فَأَثْنٰى عَلَيْهِ فِي مُصَاهَرَتِهِ إِيَّاهُ، قَالَ: «حَدَّثَنِي فَصَدَقَنِي وَوَعَدَنِي فَوَفٰى لِي، وَإِنِّي لَسْتُ أُحَرِّمُ حَلَالًا، وَلَا أُحِلُّ حَرَامًا، وَلٰكِنْ وَاللهِ لَا تَجْتَمِعُ بِنْتُ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَبِنْتُ عَدُوِّ اللهِ أَبَدًا». [راجع: ٩٢٦]

[3110] حضرت علی بن حسین (زین العابدین) سے روایت ہے کہ جب ہم حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد یزید بن معاویہ کے پاس سے مدینہ طیبہ آئے تو انھیں مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہما ملے اور کہا کہ اگر آپ کو کوئی ضرورت ہو تو مجھے حکم دیں؟ میں نے ان سے کہا: مجھے کوئی حاجت نہیں۔ حضرت مسور رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا آپ مجھے رسول اللہ ﷺ کی تلوار عنایت فرمائیں گے! مجھے خطرہ ہے مبادا کچھ لوگ آپ سے بہ زور چھین لیں؟ اللہ کی قسم! اگر وہ آپ مجھے دے دیں گے تو جب تک میری جان باقی ہے اسے کوئی شخص چھین نہیں سکے گا۔ (پھر انھوں نے ایک قصہ بیان کیا کہ) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی موجودگی میں ابوجہل کی ایک بیٹی کو پیغام نکاح دے دیا تھا تو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ منبر پر لوگوں کو خطبہ دے رہے تھے، میں ان دنوں بالغ تھا، آپ نے فرمایا: ''فاطمہ میرا جگر گوشہ ہے، مجھے اندیشہ ہے مبادا وہ اپنے دین کے متعلق کسی فتنے میں مبتلا ہو جائے۔'' پھر آپ نے خاندان بنو عبدشمس والے داماد کا ذکر کیا اور اس کی دامادی کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا: ''اس نے مجھ سے جو بات کہی تو سچی کہی، جو وعدہ کیا تو اسے پورا کیا۔ میں حلال چیز کو حرام نہیں کرتا اور حرام کو حلال نہیں کرتا لیکن اللہ کی قسم! اللہ کے رسول ﷺ کی بیٹی اور اللہ کے دشمن کی بیٹی کبھی ایک ساتھ نہیں رہ سکتیں۔''

فوائد و مسائل: ① ایک روایت میں ہے کہ علی رضی اللہ عنہ کا نکاح ثانی اس طرح ممکن ہے کہ وہ میری بیٹی کو طلاق دے کر ابوجہل کی بیٹی سے نکاح کرلے۔[1] اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابوجہل کی بیٹی سے نکاح کا ارادہ ترک کر دیا۔[2] ② رسول اللہ ﷺ نے ابوجہل کی بیٹی اور اپنی لخت جگر دونوں کو جمع نہ کرنے کی دو علتیں بیان کیں: ○ ایسا کرنے سے مجھے تکلیف ہوگی جو شرعاً حرام

---

[1] صحیح البخاري، النکاح، حدیث: 5230. [2] صحیح البخاري، الفضائل، حدیث: 3729.

ہے۔ ○ ایسا کرنے سے میری بیٹی کا دین خراب ہوگا۔ اس آخری علت کا مفہوم یہ ہے کہ سوتن کی طرف سے اسے جو تکلیف ہوگی وہ اس کے دین کو بگاڑ دے گی اور وہ اس پر صبر نہیں کر سکے گی۔ ③ حضرت مسور رضی اللہ عنہ نے یہ قصہ اس لیے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیٹی کی دلجوئی فرمائی اس طرح میں بھی آپ کی دلجوئی کرنا چاہتا ہوں۔ اس بنا پر یہ تلوار مجھے دے دو، میں اس کی حفاظت کروں گا۔ ④ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: یہ وہی ذوالفقار نامی تلوار تھی جو رسول اللہ ﷺ کو غزوۂ بدر میں بطور غنیمت ملی تھی اور غزوۂ احد کے موقع پر اس کے متعلق ایک خواب بھی دیکھا تھا۔[1] وہ تلوار رسول اللہ ﷺ نے اپنی وفات سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دے دی، پھر وہ ان کی اولاد کی طرف منتقل ہوگئی۔ اس طرح اس میں وراثت وغیرہ کا سلسلہ جاری نہیں ہوا۔

٣١١١ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سُوقَةَ، عَنْ مُنْذِرٍ، عَنِ ابْنِ الْحَنَفِيَّةِ قَالَ: لَوْ كَانَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ ذَاكِرًا عُثْمَانَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ ذَكَرَهُ يَوْمَ جَاءَهُ نَاسٌ فَشَكَوْا سُعَاةَ عُثْمَانَ فَقَالَ لِي عَلِيٌّ: اِذْهَبْ إِلَى عُثْمَانَ فَأَخْبِرْهُ أَنَّهَا صَدَقَةُ رَسُولِ اللهِ ﷺ، فَمُرْ سُعَاتَكَ يَعْمَلُوا بِهَا فَأَتَيْتُهُ بِهَا، فَقَالَ: أَغْنِهَا عَنَّا، فَأَتَيْتُ بِهَا عَلِيًّا فَأَخْبَرْتُهُ فَقَالَ: ضَعْهَا حَيْثُ أَخَذْتَهَا. [انظر: ٣١١٢]

[3111] حضرت ابن حنفیہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ اگر حضرت علی، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو برائی سے یاد کرنے والے ہوتے تو اس دن برا بھلا کہتے جب ان کے پاس لوگوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے کارندوں کی شکایت کی تھی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے صدقات سے متعلقہ ایک پروانہ دے کر مجھے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا اور فرمایا: انھیں خبردار کرو کہ یہ پروانہ رسول اللہ ﷺ کا لکھوایا ہوا ہے۔ آپ اپنے کارندوں کو اس کے مطابق عمل درآمد کرنے کا پابند کریں، چنانچہ میں اسے لے کر ان (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ) کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انھوں نے فرمایا: فی الحال ہمیں اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں وہ صحیفہ حضرت علی کے پاس واپس لے آیا اور انھیں حالات سے آگاہ کر دیا تو انھوں نے فرمایا: اچھا یہ صحیفہ جہاں سے اٹھایا تھا وہیں رکھ دو۔

٣١١٢ - وَقَالَ الْحُمَيْدِيُّ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سُوقَةَ قَالَ: سَمِعْتُ مُنْذِرًا [الثَّوْرِيَّ] عَنِ ابْنِ الْحَنَفِيَّةِ قَالَ: أَرْسَلَنِي أَبِي: خُذْ هٰذَا الْكِتَابَ فَاذْهَبْ بِهِ إِلَى عُثْمَانَ، فَإِنَّ فِيهِ أَمْرَ النَّبِيِّ ﷺ بِالصَّدَقَةِ. [راجع: ٣١١١]

[3112] حضرت محمد بن حنفیہ ہی سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا: مجھے میرے والد گرامی (حضرت علی رضی اللہ عنہ) نے بھیجا اور فرمایا: یہ صحیفۂ صدقات لو اور اسے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس لے جاؤ کیونکہ اس میں صدقات سے متعلق نبی ﷺ کے بیان کردہ احکامات درج ہیں۔

فوائد ومسائل: ① حضرت محمد بن حنفیہ کے پاس کسی شخص نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہا تو آپ نے اسے خاموش کرا

① جامع الترمذي، السير، حديث: 1561، وفتح الباري: 257/6.

دیا۔ لوگوں نے کہا: آپ کے والد گرامی بھی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہتے تھے۔ تب حضرت ابن حنفیہ نے یہ قصہ بیان فرمایا: اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انھیں برا بھلا کہنا ہوتا تو اس موقع پر انھیں یہ کام کرنا چاہیے تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے وہ صحیفہ اس لیے واپس کر دیا کہ آپ اس کے مندرجات سے پہلے ہی واقف تھے اور اس کے مطابق اپنے کارندوں سے عمل کروا رہے تھے۔[1] [2] امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لکھوایا ہوا صدقات سے متعلق یہ صحیفہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس رہا اور انھوں نے اس سے کام لیا۔ ابن حنفیہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بیٹے ہیں۔ حنفیہ ان کی والدہ ہیں جن کا نام خولہ بنت جعفر ہے اور یمامہ کے قیدیوں میں قیدی بن کر آئی تھیں۔[2]

ضروری تنبیہ: امام بخاری رحمہ اللہ نے رسول اللہ کی زرہ، عصا اور بالوں کے متعلق کوئی حدیث بیان نہیں کی، حالانکہ قائم کردہ عنوان میں ان کا ذکر ہے اور انھیں دیگر مقامات پر بیان کیا ہے۔ شاید آپ نے ان کی طرف اشارہ کیا ہو۔ ان کی تفصیل درج ذیل ہے: ○ زرہ شریف: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی سے چند وسق جو ادھار لیے تو آپ نے اس کے عوض اپنی زرہ گروی رکھی۔[3] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زندگی میں خریدے ہوئے جو کی قیمت ادا کر کے رہن شدہ زرہ نہ لے سکے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں اس کی قیمت ادا کی اور یہودی سے زرہ لے کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوالے کی۔ ○ عصا مبارک: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک نوک دار لاٹھی تھی جس سے آپ حجر اسود کا استلام کرتے تھے۔[4] حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک جنازے کے ہمراہ بقیع تشریف لے گئے، آپ کے پاس چھڑی تھی جس سے آپ زمین پر لکیریں لگانے لگے پھر آپ نے ایک حدیث بیان فرمائی۔[5] ○ موئے مبارک: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (حج کے موقع پر) اپنا سر منڈوایا تو موئے مبارک حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے حاصل کیے۔[6] ان بالوں میں سے کچھ بال ابن سیرین کے پاس تھے جو انھوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حاصل کیے تھے۔ حضرت عبیدہ بھی یہ خواہش رکھتے تھے کہ کاش ان کے پاس بھی کوئی بال ہو۔[7] حضرت عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا موئے مبارک کبھی گرتا تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اسے ہاتھوں ہاتھ لیتے۔[8] کتب احادیث میں صرف خواتین کا ذکر ملتا ہے جنھوں نے خاص طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک محفوظ رکھنے کا اہتمام فرمایا، ان میں سے ایک حضرت ام سلمہ اور دوسری حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہما ہیں۔ حضرت عبداللہ بن موہب کا بیان ہے کہ مجھے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک دکھائے تھے۔[9] حضرت عبداللہ بن موہب مزید تفصیل بیان کرتے ہیں کہ مجھے میرے اہل خانہ نے پانی کا ایک پیالہ دے کر ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا کیونکہ ان کے پاس خوبصورت چاندی کی ڈبیہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک محفوظ تھے۔ آپ پانی میں انھیں ڈال کر ہلاتیں، پھر وہ پانی نظر بد یا بخار والے مریض کو پلایا جاتا۔ میں نے اس وقت ڈبیہ میں

---

1 فتح الباري: 258/6. 2 عمدة القاري: 442/10. 3 صحيح البخاري، البيوع، حديث: 2068. 4 صحيح البخاري، الحج، حديث: 1607. 5 صحيح البخاري، التفسير، حديث: 4948. 6 صحيح البخاري، الوضوء، حديث: 171.
7 صحيح البخاري، الوضوء، حديث: 170. 8 مسند أحمد: 324/4. 9 صحيح البخاري، اللباس، حديث: 5898.

سرخ رنگ کے موئے مبارک دیکھے تھے۔[1] اس طرح حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے آپ کے موئے مبارک محفوظ رکھنے کا اہتمام فرمایا، یہ بال آپ کو آپ کے شوہر نامدار حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے دیے تھے۔ حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے پاس بھی موئے مبارک تھے جو انھیں فضل بن ربیع کے کسی لڑکے نے دیے تھے۔ آپ ان بالوں کو بوسہ دیتے، آنکھوں پر لگاتے اور پانی میں بھگو کر شفا کے طور پر اس پانی کو نوش کرتے۔ جن دنوں آپ پر آزمائش آئی اس وقت وہ آپ کی آستین میں رکھے ہوئے تھے۔ کچھ لوگوں نے انھیں نکالنے کی کوشش کی لیکن وہ اپنی کوشش میں کامیاب نہ ہو سکے۔[2] انھوں نے وصیت کر دی تھی کہ قبر میں ان کو بھی ساتھ ہی دفن کر دیا جائے۔[3] واضح رہے کہ رسول اللہ ﷺ کے آثار شریفہ سے دو شرائط کے ساتھ تبرک لیا جا سکتا ہے بشرطیکہ وہ صحیح ہوں:
* تبرک لینے والا شرعی عقیدے اور اچھے کردار کا حامل ہو کیونکہ جو سچا مسلمان ہی نہیں اسے اللہ تعالیٰ اس قسم کے تبرکات سے کوئی فائدہ نہیں پہنچائے گا۔ * جو شخص تبرک حاصل کرنا چاہتا ہو اسے رسول اللہ ﷺ کے آثار شریفہ سے کوئی چیز حاصل ہو اور پھر وہ استعمال بھی کرے محض دیکھ لینے سے کوئی فائدہ نہیں ہو گا جیسا کہ قبل ازیں اس کی تفصیل بیان ہو چکی ہے۔ آخر میں ہم اس امر کی وضاحت کرنا ضروری خیال کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اگرچہ صلح حدیبیہ کے موقع پر آپ کے آثار شریفہ سے تبرک حاصل کیا۔ آپ کے لعاب دہن کو اپنے چہروں اور جسموں پر ملا۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں منع نہیں فرمایا۔ ایسا کرنا جنگی حالات کے پیش نظر ضروری بھی تھا تاکہ کفار قریش کو ڈرایا جائے اور ان کے سامنے اس امر کا اظہار کیا جائے کہ مسلمانوں کا اپنے رہبر و رہنما سے تعلق کس قدر مضبوط ہے۔ انھیں اپنے حبیب رسول مقبول ﷺ سے کس قدر والہانہ عقیدت ہے۔ وہ آپ کی محبت میں کس قدر فنا ہیں اور کس کس انداز سے آپ کی تعظیم بجا لاتے ہیں، لیکن اس کے باوجود اس حقیقت سے صرف نظر نہیں کیا جا سکتا کہ رسول اللہ ﷺ نے صلح حدیبیہ کے بعد بڑے حکیمانہ انداز اور لطیف اسلوب میں مسلمانوں کی توجہ اعمال صالحہ کی طرف مبذول کرنے کی کوشش فرمائی، جو تبرکات کو اختیار کرنے سے کہیں بہتر ہے۔ مندرجہ ذیل حدیث اس سلسلے میں ہماری واضح رہنمائی کرتی ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن ابوقراد سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن وضو فرمایا، آپ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کے وضو کے پانی کو اپنے جسموں پر ملنا شروع کر دیا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم ایسا کیوں کرتے ہو؟'' صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: ہم اللہ اور اس کے رسول کی محبت کے پیش نظر ایسا کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ''جسے یہ بات پسند ہو کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرے یا اللہ اور اس کا رسول ﷺ اس سے محبت کریں تو اسے چاہیے کہ بات کرتے ہوئے سچ بولے، اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اسے ادا کرے اور اپنے پڑوسیوں سے حسن سلوک کرے۔''[4] مختصر یہ ہے کہ ہمارے نزدیک رسول اللہ ﷺ کا اصل تبرک یہ ہے کہ جو کچھ ہمیں آپ کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملا ہے، اس پر عمل کیا جائے اور آپ کی صورت و سیرت کی اتباع کی جائے تو ہم اس کے نتیجے میں دنیا و آخرت کی خیر و برکات سے مشرف ہوں گے جیسا کہ حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: اہل مدینہ کو رسول اللہ ﷺ کی برکت کی وجہ سے دنیا و آخرت کی سعادت سے بہرہ ور

---

(1) صحيح البخاري، اللباس، حديث : 5896. (2) سير أعلام النبلاء : 11/ 250. (3) سير أعلام النبلاء : 11/337.

(4) سلسلة الأحاديث الصحيحة، حديث : 2998.

کیا گیا بلکہ ہر مومن جسے اس برکت کی بدولت ایمان نصیب ہوا اسے اللہ کے ہاں اتنی بھلائیوں سے نوازا جائے گا جس کی قدر و قیمت تو اللہ ہی جانتا ہے۔[1] اس موضوع پر ہم نے اپنی تالیف ''فتاویٰ اصحاب الحدیث'' میں تفصیل سے لکھا ہے۔[2] قارئین کرام اس کا ضرور مطالعہ کریں۔ رسول اللہ ﷺ کے آثار شریفہ کے متعلق اس قدر تفصیل شاید کسی اور مقام پر نہ مل سکے۔ واللہ أعلم.

(٦) بَابُ الدَّلِيلِ عَلَى أَنَّ الْخُمُسَ لِنَوَائِبِ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَالْمَسَاكِينِ

باب: 6- اس امر کی دلیل کہ خمس، رسول اللہ ﷺ کی ضروریات اور مساکین پر صرف ہوتا تھا

وَإِيثَارِ النَّبِيِّ ﷺ أَهْلَ الصُّفَّةِ وَالْأَرَامِلَ حِينَ سَأَلَتْهُ فَاطِمَةُ وَشَكَتْ إِلَيْهِ الطَّحْنَ وَالرَّحَى أَنْ يُخْدِمَهَا مِنَ السَّبْيِ فَوَكَلَهَا إِلَى اللهِ.

نیز نبی اللہ ﷺ نے اہل صفہ اور بیوگان پر خرچ کرنے کو ترجیح دی جبکہ آپ کی لخت جگر سیدہ فاطمہ ؓ نے آپ سے آٹا گوندھنے اور چکی پیسنے کی شکایت کی اور سوال کیا کہ انھیں قیدیوں میں سے کوئی خادمہ عطا کریں تو آپ نے ان کا معاملہ اللہ کے سپرد کر دیا۔

٣١١٣ - حَدَّثَنَا بَدَلُ بْنُ الْمُحَبَّرِ: أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ: أَخْبَرَنِي الْحَكَمُ قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ أَبِي لَيْلَى: أَخْبَرَنَا عَلِيٌّ أَنَّ فَاطِمَةَ عَلَيْهَا السَّلَامُ اشْتَكَتْ مَا تَلْقَى مِنَ الرَّحَى مِمَّا تَطْحَنُ فَبَلَغَهَا أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ أُتِيَ بِسَبْيٍ فَأَتَتْهُ تَسْأَلُهُ خَادِمًا فَلَمْ تُوَافِقْهُ، فَذَكَرَتْ لِعَائِشَةَ، فَجَاءَ النَّبِيُّ ﷺ فَذَكَرَتْ ذٰلِكَ عَائِشَةُ لَهُ، فَأَتَانَا وَقَدْ أَخَذْنَا مَضَاجِعَنَا، فَذَهَبْنَا لِنَقُومَ فَقَالَ: «عَلَى مَكَانِكُمَا» حَتَّى وَجَدْتُ بَرْدَ قَدَمِهِ عَلَى صَدْرِي. فَقَالَ: «أَلَا أَدُلُّكُمَا عَلَى خَيْرٍ مِمَّا سَأَلْتُمَانِي؟ إِذَا أَخَذْتُمَا مَضَاجِعَكُمَا فَكَبِّرَا اللهَ أَرْبَعًا وَثَلَاثِينَ، وَاحْمَدَا ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ، وَسَبِّحَا ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ، فَإِنَّ ذٰلِكَ خَيْرٌ لَكُمَا مِمَّا سَأَلْتُمَاهُ». [انظر: ٣٧٠٥، ٥٣٦١، ٦٣١٨]

[3113] حضرت علی سے روایت ہے کہ سیدہ فاطمہ ؓ کو چکی پیسنے کی بہت تکلیف ہوئی۔ پھر انھیں معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس کچھ قیدی آئے ہیں تو وہ آپ کے پاس خدمت گار لینے کی درخواست لے کر حاضر ہوئیں لیکن آپ سے ملاقات کا اتفاق نہ ہو سکا۔ انھوں نے حضرت عائشہ ؓ سے اس کا تذکرہ کیا۔ جب نبی ﷺ تشریف لائے تو حضرت عائشہ نے آپ کے سامنے ان کی درخواست پیش کر دی۔ (حضرت علی ؓ کہتے ہیں کہ) پھر نبی ﷺ ہمارے پاس اس وقت تشریف لائے جب ہم اپنے بستروں میں جا چکے تھے۔ ہم کھڑے ہونے لگے تو آپ نے فرمایا: ''اپنے بستروں ہی میں رہو۔'' پھر آپ بیٹھ گئے حتی کہ میں نے آپ کے قدموں کی ٹھنڈک اپنے سینے میں پائی۔ آپ نے فرمایا: ''میں تمھیں اس چیز سے بہتر بات نہ بتاؤں جس کی تم نے درخواست کی تھی؟ جب تم بستر میں جانے کا ارادہ کرو تو

---

[1] مجموع الفتاوٰی: 113/11. [2] فتاویٰ أصحاب الحدیث: 1/42-48.

34 بار اللہ اکبر، 33 بار الحمد للہ اور 33 بار سبحان اللہ پڑھ لیا کرو۔ ایسا کرنا تمھاری طلب کردہ چیز سے بہت بہتر ہے۔"

فوائد و مسائل: ① قرآن مجید میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے علاوہ خمس کے چار مصرف بیان ہوئے ہیں: رسول اللہ ﷺ کے قرابت دار، یتیم، مساکین اور مسافر حضرات۔ یہ خمس کے حق دار نہیں بلکہ مصارف ہیں اور رسول اللہ ﷺ کے لیے یہ ضروری نہیں تھا کہ خمس کو ان تمام مصارف میں خرچ کرتے بلکہ اپنی صوابدید کے مطابق جہاں چاہتے خرچ کرنے کے مجاز تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے حضرت فاطمہ ؓ کو خدمت گزار عطا نہیں فرمایا، حالانکہ وہ ضرورت مند تھیں اور قرابت دار بھی تھیں۔ اگر قرابت داری استحقاق کا باعث ہوتی تو رسول اللہ ﷺ انھیں ضرور خادم دیتے۔ اگرچہ اس حدیث میں اہل صفہ کا ذکر نہیں، تاہم امام بخاری ؒ نے اس حدیث کے دوسرے طرق کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ کی قسم! میں ایسا نہیں کرسکتا کہ تمھیں دوں اور اہل صفہ کو نظر انداز کردوں جبکہ ان کے پیٹ بھوک کی وجہ سے کمر سے لگے ہوئے ہیں اور میرے پاس ان پر خرچ کرنے کے لیے کچھ نہیں ہے۔ میں ان قیدیوں کو فروخت کر کے ان سے حاصل ہونے والی رقم اہل صفہ پر خرچ کروں گا۔"[1] ② بہر حال مال غنیمت کے چار حصے تو مجاہدین کے لیے ہیں اور ایک حصہ امام کی صوابدید پر موقوف ہے، وہ اسے جہاں چاہے جیسے چاہے خرچ کرسکتا ہے۔

(۷) بَابُ قَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿فَأَنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ﴾ [الأنفال: ٤١] يَعْنِي لِلرَّسُولِ قَسْمَ ذٰلِكَ، وَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِنَّمَا أَنَا قَاسِمٌ وَخَازِنٌ، وَاللهُ يُعْطِي».

باب: 7- ارشاد باری تعالیٰ: "مال غنیمت سے پانچواں حصہ اللہ اور اس کے رسول کا ہے۔" یعنی رسول اللہ ﷺ کے ذمے اس کی تقسیم ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میں تو تقسیم کرنے والا اور خزانچی ہوں، دینے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے۔"

وضاحت: خمس کے متعلق امام بخاری ؒ کا موقف ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس کے مالک نہیں ہیں بلکہ آپ صرف تقسیم کرنے والے ہیں، البتہ تقسیم آپ کی صوابدید پر موقوف ہے۔ واقعات و شواہد بھی اس موقف کی تائید کرتے ہیں۔ امام مالک کا بھی یہی موقف ہے۔ اس روایت کو امام بخاری ؒ نے خود اسی باب کے تحت موصولاً بیان کیا ہے، تاہم "خازن" کے الفاظ صحیح مسلم میں حضرت معاویہ ؓ سے مروی ہیں۔[2]

٣١١٤ - حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سُلَيْمَانَ وَمَنْصُورٍ وَقَتَادَةَ: أَنَّهُمْ سَمِعُوا سَالِمَ

[3114] حضرت جابر بن عبداللہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ ہم انصار میں سے ایک شخص کے ہاں لڑکا

① مسند أحمد: 106/1. ② صحيح مسلم، الزكاة، حديث: 2389 (1037).

ابْنَ أَبِي الْجَعْدِ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَنَّهُ قَالَ: وُلِدَ لِرَجُلٍ مِّنَّا مِنَ الْأَنْصَارِ غُلَامٌ فَأَرَادَ أَنْ يُسَمِّيَهُ مُحَمَّدًا - قَالَ شُعْبَةُ فِي حَدِيثِ مَنْصُورٍ: إِنَّ الْأَنْصَارِيَّ قَالَ: حَمَلْتُهُ عَلَى عُنُقِي فَأَتَيْتُ بِهِ النَّبِيَّ ﷺ، وَفِي حَدِيثِ سُلَيْمَانَ: وُلِدَ لَهُ غُلَامٌ فَأَرَادَ أَنْ يُسَمِّيَهُ مُحَمَّدًا - قَالَ: «سَمُّوا بِاسْمِي وَلَا تَكَنَّوْا بِكُنْيَتِي، فَإِنِّي إِنَّمَا جُعِلْتُ قَاسِمًا أَقْسِمُ بَيْنَكُمْ». وَقَالَ حُصَيْنٌ: «بُعِثْتُ قَاسِمًا أَقْسِمُ بَيْنَكُمْ». وَقَالَ عَمْرٌو: أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ: سَمِعْتُ سَالِمًا عَنْ جَابِرٍ: أَرَادَ أَنْ يُسَمِّيَهُ الْقَاسِمَ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «تَسَمَّوْا بِاسْمِي وَلَا تَكَنَّوْا بِكُنْيَتِي».

[انظر: ٣١١٥، ٣٥٣٨، ٦١٨٦، ٦١٨٧، ٦١٨٩، ٦١٩٦]

پیدا ہوا تو اس نے اپنے بچے کا نام محمد رکھنے کا ارادہ کیا۔ شعبہ کی ایک روایت میں ہے کہ انصاری نے کہا: میں اسے اپنی گردن پر اٹھا کر نبی ﷺ کی خدمت میں لے آیا۔ سلیمان کی روایت میں ہے کہ اس کے ہاں بچہ پیدا ہوا تو اس نے بچے کا نام محمد رکھنا چاہا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میرے نام پر نام تو رکھ سکتے ہو لیکن تمھیں میری کنیت کے ساتھ کنیت رکھنے کی اجازت نہیں، کیونکہ مجھے قاسم بنایا گیا ہے۔ میں تمھارے درمیان تقسیم کرتا ہوں۔'' حصین کی روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: ''میں قاسم کی حیثیت سے مبعوث ہوا ہوں، میں تم میں تقسیم کرتا ہوں۔'' عمرو نے اپنی سند کے ساتھ حضرت جابر ؓ سے بیان کیا کہ اس نے اس (بچے) کا نام قاسم رکھنے کا ارادہ کیا تو نبی ﷺ نے فرمایا: ''میرے نام پر نام رکھ سکتے ہو لیکن میری کنیت پر کنیت نہ رکھو۔''

فوائد ومسائل: ① حدیث کے سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ابوالقاسم اس لیے تھے کہ آپ لوگوں میں مال ومتاع تقسیم کرنے والے تھے اگرچہ آپ کے صاحبزادے کا نام بھی قاسم تھا لیکن آپ نے اس وجہ سے کنیت ذکر نہیں فرمائی۔ ② اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ انصاری کو بچے کا نام قاسم رکھنے سے منع کیا گیا، حالانکہ رسول اللہ ﷺ کا نام قاسم نہیں بلکہ آپ کی کنیت ابوالقاسم تھی، اس ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ اگر کسی بچے کا نام قاسم رکھا جائے گا تو اس کا والد ابوالقاسم ہوگا۔ اس بنا پر باپ کی کنیت رسول اللہ ﷺ کی کنیت جیسی ہوگی، ایسا التباس اور اشتباہ سے بچنے کے لیے تھا۔ ③ یاد رہے کہ نام یا کنیت رکھنے کی ممانعت رسول اللہ ﷺ کی زندگی تک محدود تھی۔ اب کسی قسم کے اشتباہ یا التباس کا اندیشہ نہیں ہے، لہٰذا دونوں جائز ہیں۔ ④ امام بخاری ؒ کا مقصد یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف خمس کی نسبت اس اعتبار سے ہے کہ آپ اسے تقسیم کرنے والے ہیں، مالک نہیں ہیں۔ امام بخاری ؒ نے اپنے مدعا پر اس طرح دلیل قائم کی ہے کہ آپ نے اپنا نام قاسم رکھا ہے۔ دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کسی چیز کے مالک نہیں ہیں۔ واللہ أعلم.

٣١١٥ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ: وُلِدَ لِرَجُلٍ مِّنَّا غُلَامٌ فَسَمَّاهُ الْقَاسِمَ، فَقَالَتِ

[3115] حضرت جابر بن عبداللہ انصاری ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ ہم انصار میں سے ایک شخص کے ہاں لڑکا پیدا ہوا تو اس نے اس کا نام قاسم رکھا۔ اس پر انصار نے کہا: ہم تجھے ابوالقاسم ہرگز نہیں کہیں گے اور نہ

الْأَنْصَارُ: لَا نَكْنِيكَ أَبَا الْقَاسِمِ وَلَا نُنْعِمُكَ عَيْنًا، فَأَتَى النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! وُلِدَ لِي غُلَامٌ فَسَمَّيْتُهُ الْقَاسِمَ فَقَالَتِ الْأَنْصَارُ: لَا نَكْنِيكَ أَبَا الْقَاسِمِ، وَلَا نُنْعِمُكَ عَيْنًا. فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «أَحْسَنَتِ الْأَنْصَارُ، فَسَمُّوا بِاسْمِي وَلَا تَكَنَّوْا بِكُنْيَتِي فَإِنَّمَا أَنَا قَاسِمٌ». [راجع: ٣١١٤]

اس کنیت سے تمھاری آنکھ ہی ٹھنڈی کریں گے۔ یہ سن کر وہ شخص نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا: اللہ کے رسول! میرے ہاں لڑکا پیدا ہوا ہے اور میں نے اس کا نام قاسم رکھا ہے، اب انصار کہتے ہیں کہ ہم تجھے نہ تو ابوالقاسم کہیں گے اور نہ ہی تیری آنکھ ٹھنڈی کریں گے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''انصار نے اچھا کردار ادا کیا ہے۔ میرے نام پر نام تو رکھ لو مگر میری کنیت مت اختیار کرو کیونکہ قاسم تو میں ہی ہوں۔''

فوائد و مسائل: ① امام بخاری ؒ نے مذکورہ روایت لا کر اس امر کو تقویت دی ہے کہ انصاری نے اپنے لڑکے کا نام قاسم رکھنا چاہا تھا تاکہ لوگ اسے ابوالقاسم کی کنیت سے یاد کریں مگر انصار نے اس کی مخالفت کی تو رسول اللہ ﷺ نے اس کردار کی تحسین فرمائی۔ بعض روایات میں ہے کہ انصاری نے اپنے بچے کا نام محمد رکھنا چاہا تھا، لیکن یہ روایت مرجوح ہے۔ بہرحال یہ ممانعت صرف رسول اللہ ﷺ کی زندگی تک محدود تھی۔ ② اس امر میں اختلاف ہے کہ خمس میں رسول اللہ ﷺ اپنے حصے کے مالک تھے یا آپ صرف تقسیم کرنے والے تھے؟ امام بخاری ؒ کا موقف ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس کے مالک نہیں بلکہ اس کی تقسیم آپ کے ذمے ہوتی تھی۔

٣١١٦ - حَدَّثَنَا حِبَّانُ بْنُ مُوسٰى: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ عَنْ يُونُسَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ حُمَيْدِ ابْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ: أَنَّهُ سَمِعَ مُعَاوِيَةَ يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَنْ يُرِدِ اللهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ، وَاللهُ الْمُعْطِي وَأَنَا الْقَاسِمُ، وَلَا تَزَالُ هٰذِهِ الْأُمَّةُ ظَاهِرِينَ عَلٰى مَنْ خَالَفَهُمْ حَتّٰى يَأْتِيَ أَمْرُ اللهِ وَهُمْ ظَاهِرُونَ». [راجع: ٧١]

[3116] حضرت معاویہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ جس شخص کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرے تو اسے دین میں سمجھ عطا کر دیتا ہے۔ دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے، میں تو صرف تقسیم کرنے والا ہوں۔ یہ امت اپنے مخالفین کے خلاف ہمیشہ غالب رہے گی یہاں تک کہ جب اللہ کا حکم (قیامت) آئے گا تو اس وقت بھی یہ غالب ہوں گے۔''

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں بھی رسول اللہ ﷺ کے متعلق قاسم ہونے کا ذکر ہے۔ اور امام بخاری ؒ کے استدلال کی بنیاد یہی لفظ ہے کہ رسول اللہ ﷺ خمس کے مالک نہیں بلکہ تقسیم کرنے والے ہیں۔ ② واضح رہے کہ دینی فقاہت اور قیاس کی فقاہت دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ دینی بصیرت بلاشبہ اللہ کی عنایت ہے۔ امت مسلمہ کا غلبہ مطلق ہے، خواہ سیاسی طور پر ہو یا دلائل و براہین کے اعتبار سے ہو۔ یہ ممکن ہے کہ مسلمان سیاسی طور پر کسی وقت کمزور ہو جائیں مگر اپنی اخلاقی اور دینی خوبیوں کی بنا پر عمل و کردار میں ہمیشہ اقوام عالم پر غالب رہیں گے۔ آج اس نازک دور میں جبکہ مسلمان ہر قسم کے زوال کا شکار ہیں مگر بہت

سی خوبیوں کی وجہ سے آج بھی دنیا کی تمام قومیں ان کا لوہا مانتی ہیں، قیامت تک یہی حال رہے گا۔ واللہ المستعان.

٣١١٧ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سِنَانٍ: حَدَّثَنَا فُلَيْحٌ: حَدَّثَنَا هِلَالٌ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي عَمْرَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «مَا أُعْطِيكُمْ وَلَا أَمْنَعُكُمْ، إِنَّمَا أَنَا قَاسِمٌ، أَضَعُ حَيْثُ أُمِرْتُ».

[3117] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں تمھیں کوئی چیز نہیں دیتا اور نہ تم سے کوئی چیز روکتا ہوں۔ میں تو صرف تقسیم کرنے والا ہوں۔ مجھے جہاں جہاں حکم ہوتا ہے وہاں وہاں تقسیم کر دیتا ہوں۔''

فوائد و مسائل: ① اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ عطا کرنے والا اور منع کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے، رسول اللہ ﷺ کو جو حکم ہوتا آپ اس کے مطابق عمل کرتے۔ ② اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے اموال غنیمت کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ اس کی تقسیم امر الٰہی، یعنی اللہ کے حکم کے مطابق میرا کام ہے۔ دینے والا اللہ تعالیٰ ہے، اس لیے جس کو جو کچھ مل جائے اسے بخوشی قبول کر لے اور جو ملے گا اس میں رسول اللہ ﷺ کا ذاتی کوئی عمل دخل نہیں ہوگا بلکہ وہ عین اس حق کے مطابق ہوگا جو اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ ہے۔ ③ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث سے یہ ثابت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ مال خمس کے مالک نہیں تھے بلکہ آپ صرف قاسم تھے اور تقسیم بھی امر الٰہی کے مطابق کرتے تھے۔

٣١١٨ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يَزِيدَ: حَدَّثَنَا سَعِيدُ ابْنُ أَبِي أَيُّوبَ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو الْأَسْوَدِ عَنِ ابْنِ أَبِي عَيَّاشٍ - وَاسْمُهُ نُعْمَانُ - عَنْ خَوْلَةَ الْأَنْصَارِيَّةِ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: «إِنَّ رِجَالًا يَتَخَوَّضُونَ فِي مَالِ اللهِ بِغَيْرِ حَقٍّ فَلَهُمُ النَّارُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ».

[3118] حضرت خولہ انصاریہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''جو لوگ اللہ کے مال میں بے جا تصرف کرتے ہیں ان کے لیے قیامت کے دن آگ ہوگی۔ (وہ قیامت کے دن دوزخ میں جائیں گے)۔''

فوائد و مسائل: ① تمام حلال اموال اللہ کے مال ہیں، ان میں فضول خرچی کرنا گناہ عظیم ہے لیکن یہاں مال غنیمت کے متعلق تنبیہ کی گئی ہے۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ نے اشارہ فرمایا ہے کہ مال غنیمت ناحق طور پر حاصل کرنا دخول جہنم کا باعث ہے۔ شریعت نے اسے جس طرح تقسیم کیا ہے، ویسے ہی اسے حاصل کرنا چاہیے اور اس کی تقسیم رسول اللہ ﷺ کو سونپی گئی ہے۔ اور آپ کے بعد یہ ذمہ داری حاکم وقت کی ہے۔ ③ ''خوض ناحق'' سے مراد دو چیزیں ہیں: ایک یہ کہ رسول اللہ ﷺ سے عادلانہ طریقے کے خلاف تقسیم کا مطالبہ کرنا اور دوسرا یہ کہ آپ کی تقسیم سے ہٹ کر غنیمت کا مال حاصل کرنا۔ بہرحال اس حدیث کے پیش نظر حاکم وقت کا یہ فرض ہے کہ وہ قومی خزانے کو فضول کاموں میں صرف نہ کرے بلکہ اسے چاہیے کہ وہ عدل و انصاف کے مطابق صحیح مصرف میں خرچ کرے تاکہ قیامت کے دن ذلت اور رسوائی سے محفوظ رہے۔

(٨) بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ: «أُحِلَّتْ لَكُمُ الْغَنَائِمُ»

باب:8- ارشادِ نبوی: ”تمھارے لیے غنیمتوں کو حلال کر دیا گیا ہے“ کا بیان

وَقَالَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿وَعَدَكُمُ اللَّهُ مَغَانِمَ كَثِيرَةً تَأْخُذُونَهَا﴾ اَلْآيَةَ [الفتح: ٢٠] فَهِيَ لِلْعَامَّةِ حَتَّى يُبَيِّنَهُ الرَّسُولُ ﷺ.

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”اللہ نے تم سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ کیا ہے جو تم حاصل کرو گے۔“ (قرآن کی رو سے) یہ سب لوگوں کے لیے ہیں لیکن رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا ہے (کہ کون کون اس کے حق دار ہیں)۔

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد ہے کہ قرآن کریم مجمل ہے، اس کے مطابق تو مال غنیمت میں تمام مسلمانوں کا حصہ ہوگا مگر حدیث نے اس کی وضاحت کر دی کہ مال غنیمت صرف ان لوگوں کا حق ہے جو براہ راست جنگ میں شریک ہوئے ہوں، پھر اس مال غنیمت میں سے حاکم وقت پانچواں حصہ مسلمانوں کی اجتماعی ضروریات کے لیے الگ رکھ لے گا اور وہ اپنی صوابدید کے مطابق اسے خرچ کرے گا۔ قرآن کریم نے بھی منصب نبوت ان الفاظ میں بیان کیا ہے: ﴿وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ﴾ ”اور ہم نے اس ذکر (قرآن) کو آپ کی طرف اتارا ہے تاکہ آپ لوگوں کے لیے کھول کر بیان کر دیں جو کچھ ان کی طرف اتارا گیا ہے۔“[1] اس تشریح و تبیین کا دوسرا نام حدیث ہے جس کے بغیر قرآن کی تشریحات نہیں ہو سکتیں۔ اور یہ تشریحات نبوی بھی وحی الٰہی پر مبنی ہیں۔ صرف قرآنی وحی اور اس وحی میں فرق یہ ہے کہ قرآن مجید وحی جلی اور حدیث وحی خفی ہے۔ اس موضوع پر ہماری تالیف ”حجیت حدیث“ کا مطالعہ مفید رہے گا جسے دارالسلام نے شائع کیا ہے۔ اس میں منکرین حدیث کے اعتراضات کا شافی جواب دیا گیا ہے۔

٣١١٩ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا خَالِدٌ: حَدَّثَنَا حُصَيْنٌ عَنْ عَامِرٍ، عَنْ عُرْوَةَ الْبَارِقِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «الْخَيْلُ مَعْقُودٌ فِي نَوَاصِيهَا الْخَيْرُ: اَلْأَجْرُ وَالْمَغْنَمُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ». [راجع: ٢٨٥٠]

[3119] حضرت عروہ بارقی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ”گھوڑوں کی پیشانیوں سے قیامت تک کے لیے خیر و برکت، یعنی اجر و غنیمت کو باندھ دیا گیا ہے۔“

فوائد و مسائل: ① اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لیے غنیمت کا مال حلال کر دیا ہے۔ اس سے پہلے کسی امت کے لیے غنیمت کا مال حلال نہ تھا، چنانچہ اس وقت مال غنیمت میدان جنگ میں جمع کر دیا جاتا اور آسمان سے آگ آتی اور اسے جلا کر راکھ کر دیتی، لیکن اس امت کے لیے غنیمت کا مال حلال قرار دیا گیا ہے۔ ② اس حدیث میں اشارہ ہے کہ میدان جنگ میں

[1] النحل 16: 44.

شریک ہونے والے گھوڑے باعث برکت ہیں کہ ان کی پیشانیوں سے مال غنیمت باندھ دیا گیا ہے جو مجاہدین کے لیے حلال ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ شرکت کرنے والوں کو غنیمت ضرور ملے گی، نیز اس کا حق دار ہر شخص نہیں بلکہ وہ مجاہد ہے جو جنگ میں شریک ہو، گویا ذکر کردہ آیت میں جو اجمال تھا، اس حدیث نے اس کی وضاحت اور تشریح کر دی ہے۔

٣١٢٠ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: حَدَّثَنَا شُعَيْبٌ: حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «إِذَا هَلَكَ كِسْرَى فَلَا كِسْرَى بَعْدَهُ، وَإِذَا هَلَكَ قَيْصَرُ فَلَا قَيْصَرَ بَعْدَهُ، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَتُنْفِقُنَّ كُنُوزَهُمَا فِي سَبِيلِ اللهِ». [راجع: ٣٠٢٧]

[3120] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب کسریٰ مر جائے گا تو اس کے بعد کوئی کسریٰ پیدا نہیں ہو گا اور جب قیصر مر جائے گا تو اس کے بعد کوئی قیصر پیدا نہیں ہو گا۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! یقیناً تم ان دونوں (حکومتوں) کے خزانے (اللہ کی راہ میں) ضرور خرچ کرو گے۔''

٣١٢١ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ: سَمِعَ جَرِيرًا عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ، عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِذَا هَلَكَ كِسْرَى فَلَا كِسْرَى بَعْدَهُ، وَإِذَا هَلَكَ قَيْصَرُ فَلَا قَيْصَرَ بَعْدَهُ، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَتُنْفِقُنَّ كُنُوزَهُمَا فِي سَبِيلِ اللهِ». [انظر: ٣٦١٩، ٦٦٢٩]

[3121] حضرت جابر بن سمرہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب کسریٰ ہلاک ہو جائے گا تو اس کے بعد کوئی کسریٰ نہیں ہو گا اور جب قیصر ہلاک ہو جائے گا تو اس کے بعد کوئی قیصر نہیں ہو گا۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! یقیناً تم لوگ ان دونوں (حکومتوں) کے خزانے (اللہ کے رستے میں) ضرور خرچ کرو گے۔''

فائدہ: ان دونوں احادیث میں رسول اللہ ﷺ کی ایک پیش گوئی کا ذکر ہے جو حرف بہ حرف پوری ہوئی۔ وہ یہ کہ عروج اسلام کے بعد قدیم ایرانی سلطنت اور روم کی حکومت ختم ہو جائے گی، چنانچہ ایسا ہی ہوا، ایران کا آتش کدہ ہمیشہ کے لیے بجھ گیا اور رومی حکومت بھی نیست و نابود ہو گئی۔ ان دونوں حکومتوں کے خزانے مسلمانوں کے ہاتھ آئے اور حق داروں میں تقسیم ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے مجاہدین کے لیے ان حکومتوں کے خزانے حلال کر دیے جو غنیمت کی شکل میں ان کے ہاتھ آئے۔

٣١٢٢ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سِنَانٍ: حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ: أَخْبَرَنَا سَيَّارٌ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ الْفَقِيرُ: حَدَّثَنَا جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ». [راجع: ٣٣٥]

[3122] حضرت جابر بن عبداللہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میرے لیے غنیمت کے مال حلال کر دیے گئے ہیں۔''

فوائد و مسائل: ① رسول اللہ ﷺ کے لیے مال غنیمت کے حلال ہونے سے مراد ''آپ کی امت کے لیے حلال ہونا'' ہے، جبکہ پہلی امتوں کے لیے مال غنیمت حلال نہیں تھا۔ مال غنیمت کا حلال ہونا رسول اللہ ﷺ کی خصوصیت ہے۔ اس سے پہلے آسمان سے آگ آتی اور مال غنیمت کو جلا کر راکھ کر دیتی جیسا کہ آئندہ حدیث میں اس کی وضاحت ہوگی۔ ② مال غنیمت کا حلال ہونا عام لوگوں کے لیے نہیں بلکہ ان مجاہدین کے لیے ہے جو میدان جنگ میں کفار و مشرکین سے لڑ رہے ہوتے ہیں۔

٣١٢٣ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «تَكَفَّلَ اللهُ لِمَنْ جَاهَدَ فِي سَبِيلِهِ، لَا يُخْرِجُهُ إِلَّا الْجِهَادُ فِي سَبِيلِهِ وَتَصْدِيقُ كَلِمَاتِهِ بِأَنْ يُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ، أَوْ يَرْجِعَهُ إِلَى مَسْكَنِهِ الَّذِي خَرَجَ مِنْهُ مَعَ مَا نَالَ مِنْ أَجْرٍ أَوْ غَنِيمَةٍ». [راجع: ٣٦]

[3123] حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص اللہ کے رستے میں جہاد کے لیے گھر سے نکلے اور اس کا مقصد صرف جہاد اور اس کے کلمات کی تصدیق کرنا ہو، اللہ تعالیٰ اس شخص کے لیے اس امر کا ضامن ہے کہ اسے شہادت سے سرفراز فرما کر اسے جنت میں داخل کرے یا اسے اجر و غنیمت دے کر واپس گھر لوٹائے۔''

فائدہ: امام بخاری ؒ نے اس حدیث سے ثابت کیا ہے کہ مال غنیمت صرف جہاد کرنے والوں کے لیے ہے، نیز حقیقی مجاہد کی بھی نشاندہی کی گئی ہے کہ جو صرف اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے گھر سے نکل کر میدان کارزار میں شریک ہو۔ اس کے برعکس کچھ ایسے مجاہدین بھی ہوتے ہیں جو حصول دنیا اور نمود و نمائش کے لیے جہاد کرتے ہیں۔ ایسے مجاہدین کے لیے کوئی اجر و ثواب نہیں ہے بلکہ قیامت کے دن انھیں برسر عام ذلیل و رسوا کیا جائے گا، پھر انھیں دوزخ میں دھکیل دیا جائے گا۔ ان سے کہا جائے گا: تمھارا مقصد صرف اتنا تھا کہ تمھیں دنیا میں بہادر کہہ کر پکارا جائے۔ تمھارا یہ مقصد دنیا میں پورا ہو گیا اب آخرت میں تمھارے لیے دوزخ کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔

٣١٢٤ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ عَنِ ابْنِ الْمُبَارَكِ، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «غَزَا نَبِيٌّ مِّنَ الْأَنْبِيَاءِ، فَقَالَ لِقَوْمِهِ: لَا يَتْبَعْنِي رَجُلٌ مَّلَكَ بُضْعَ امْرَأَةٍ، وَهُوَ يُرِيدُ أَنْ يَبْنِيَ بِهَا وَلَمَّا يَبْنِ بِهَا، وَلَا أَحَدٌ بَنَى بُيُوتًا وَلَمْ يَرْفَعْ سُقُوفَهَا، وَلَا آخَرُ اشْتَرَى غَنَمًا أَوْ خَلِفَاتٍ وَهُوَ يَنْتَظِرُ وِلَادَهَا، فَغَزَا فَدَنَا مِنَ الْقَرْيَةِ صَلَاةَ

[3124] حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''پہلے انبیاء میں سے ایک نبی نے جہاد کیا تو انھوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ میرے ساتھ وہ شخص نہ جائے جس نے کسی عورت سے نکاح تو کیا ہو لیکن ابھی تک رخصتی نہ ہوئی ہو جبکہ وہ رخصتی کا خواہاں ہو۔ اور نہ وہ شخص جائے جس نے گھر کی چار دیواری تو کی ہو لیکن ابھی تک چھت نہ ڈالی ہو۔ اور نہ وہ شخص ہی جائے جس نے حاملہ بکریاں اور اونٹنیاں خریدی ہوں اور وہ ان کے بچے جننے

الْعَصْرِ أَوْ قَرِيبًا مِّنْ ذٰلِكَ، فَقَالَ لِلشَّمْسِ: إِنَّكِ مَأْمُورَةٌ وَّأَنَا مَأْمُورٌ، اَللّٰهُمَّ احْبِسْهَا عَلَيْنَا، فَحُبِسَتْ حَتّٰى فَتَحَ اللهُ عَلَيْهِمْ، فَجَمَعَ الْغَنَائِمَ، فَجَاءَتْ - يَعْنِي النَّارَ - لِتَأْكُلَهَا فَلَمْ تَطْعَمْهَا فَقَالَ: إِنَّ فِيكُمْ غُلُولًا، فَلْيُبَايِعْنِي مِنْ كُلِّ قَبِيلَةٍ رَّجُلٌ، فَلَزِقَتْ يَدُ رَجُلٍ بِيَدِهِ فَقَالَ: فِيكُمُ الْغُلُولُ، فَلْتُبَايِعْنِي قَبِيلَتُكَ، فَلَزِقَتْ يَدُ رَجُلَيْنِ أَوْ ثَلَاثَةٍ بِيَدِهِ، فَقَالَ: فِيكُمُ الْغُلُولُ، فَجَاؤُوا بِرَأْسٍ مِّثْلِ رَأْسِ بَقَرَةٍ مِّنَ الذَّهَبِ فَوَضَعُوهَا فَجَاءَتِ النَّارُ فَأَكَلَتْهَا، ثُمَّ أَحَلَّ اللهُ لَنَا الْغَنَائِمَ، رَأٰى ضَعْفَنَا وَعَجْزَنَا فَأَحَلَّهَا لَنَا».

[انظر: ٥١٥٧]

کا منتظر ہو۔ (یہ کہہ کر) پھر وہ جہاد کے لیے روانہ ہوئے اور ایک گاؤں کے قریب اس وقت پہنچے کہ عصر کا وقت قریب تھا یا ہو چکا تھا۔ انھوں نے آفتاب سے کہا: تو بھی اللہ کا محکوم ہے اور میں بھی اللہ کا تابع فرمان ہوں، پھر یوں دعا کی: اے اللہ! اسے ہمارے لیے غروب ہونے سے روک دے، چنانچہ اسے روک لیا گیا حتی کہ اللہ نے ان کو فتح سے سرفراز فرمایا۔ پھر انھوں نے مال غنیمت کو اکٹھا کیا اور آگ آئی تاکہ اسے کھائے (بھسم کر دے) لیکن آگ نے اسے نہ کھایا (نہ جلایا۔) اس (نبی علیہ السلام) نے کہا کہ تم میں سے کسی نے خیانت کی ہے، لہٰذا اب ہر قبیلے کا ایک ایک شخص مجھ سے بیعت کرے، چنانچہ ایک شخص کا ہاتھ ان کے ہاتھ سے چپک گیا تو اس (نبی علیہ السلام) نے فرمایا: تیرے قبیلے والوں نے چوری کی ہے۔ اب تمھارے قبیلے کے سب لوگ مجھ سے بیعت کریں۔ پھر دو یا تین آدمیوں کے ہاتھ ان کے ہاتھ سے چپک گئے۔ اس کے بعد نبی نے فرمایا کہ تم نے ہی خیانت کا ارتکاب کیا ہے، چنانچہ وہ سونے کا سر لائے جو گائے کے سر جیسا تھا۔ اس کو انھوں نے رکھا تو آگ نے آ کر مال غنیمت کھا لیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے مال غنیمت حلال کر دیا۔ اس نے ہماری کم زوری اور عاجزی کو دیکھا اس لیے ہماری خاطر مال غنیمت کو حلال قرار دے دیا۔"

فوائد و مسائل: ① یہ نبی حضرت یوشع بن نون علیہ السلام تھے۔ انھوں نے اللہ کے حضور درخواست کی کہ وہ سورج کو چلنے سے روک دے تاکہ وہ بستی کو فتح کر لیں، چنانچہ وہ رکا رہا حتی کہ وہ بستی فتح ہو گئی۔[1] اس کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ وہ جمعے کا دن تھا۔ اگر سورج نہ رکتا اور غروب ہو جاتا تو ہفتے کا دن شروع ہو جاتا۔ اس دن میں اس کی عظمت کے پیش نظر جنگ کرنا حرام تھا۔ ممکن تھا کہ دشمن کو فوجی مدد پہنچ جاتی اور اسے فتح کرنے میں مشکل پیش آتی۔ ② پہلے انبیاء کے لیے مال غنیمت سے متعلق یہ ضابطہ تھا کہ وہ مال غنیمت میدان جنگ میں ایک جگہ جمع کر دیتے تھے۔ آسمان سے آگ آتی اور اسے کھا جاتی تھی۔ اگر اس میں

[1] فتح الباري: 268/6.

کسی نے خیانت کی ہوتی تو اس کو آگ نہ کھاتی تھی، نیز قربانیوں کی قبولیت معلوم کرنے کے لیے بھی یہی قاعدہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس امت پر بہت فضل و کرم فرمایا کہ اس کے لیے غنیمتوں کو حلال قرار دیا، البتہ مال غنیمت میں خیانت کی سنگینی کو برقرار رکھا۔ اس امت کے مسلمانوں کی اللہ کے حضور عاجزی اور مسکینی اس قدر رنگ لائی کہ مال غنیمت ان کے لیے حلال کر دیا گیا۔ یہ اس امت کا خاصا ہے جو دوسری امتوں کو نہیں ملا۔

(٩) بَابٌ: اَلْغَنِيمَةُ لِمَنْ شَهِدَ الْوَقْعَةَ

باب: 9- غنیمت اس کا حق ہے جو معرکے میں حاضر ہو

٣١٢٥ - حَدَّثَنَا صَدَقَةُ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ عَنْ مَّالِكٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: قَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: لَوْلَا آخِرُ الْمُسْلِمِينَ مَا فَتَحْتُ قَرْيَةً إِلَّا قَسَمْتُهَا بَيْنَ أَهْلِهَا كَمَا قَسَمَ النَّبِيُّ ﷺ خَيْبَرَ. [راجع: ٢٣٣٤]

[3125] حضرت اسلم رحمہ اللہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر بعد میں آنے والے مسلمانوں کا مجھے خیال نہ ہوتا تو میں جو علاقہ فتح کرتا اسے مجاہدین میں تقسیم کر دیتا جس طرح نبی ﷺ نے خیبر کو تقسیم کیا تھا۔

فوائد و مسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ کا قائم کردہ عنوان دراصل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک قول ہے جسے مصنف عبدالرزاق میں صحیح سند سے نقل کیا گیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ غنیمت کا حق دار وہ مجاہد ہے جو میدان جنگ میں شریک ہو۔[1] ② یہ حدیث بھی عنوان کے مطابق ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے خیبر کی فتح کی ہوئی زمین مجاہدین میں تقسیم کر دی تھی، البتہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک خارجی مصلحت کی بنا پر مفتوحہ زمینوں اور علاقوں کو تقسیم کرنے کی بجائے انھیں وقف کر دیا اور ان سے حاصل ہونے والی پیداوار کو مسلمانوں کی ضروریات میں صرف کرتے تھے۔[2] شارح بخاری ابن منیر لکھتے ہیں: امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک فتح کی گئی زمینیں تقسیم کر دینا ہی مناسب ہے کیونکہ بعد میں آنے والے مسلمان، میدان جنگ میں شریک نہیں تھے کہ ان کے لیے اراضی وقف کر دی جائے۔ ہمارا رجحان یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی قول: غنیمت اس کا حق ہے جو لڑائی میں حاضر ہو، اور عمل: انھوں نے مفتوحہ علاقے مجاہدین میں تقسیم نہیں کیے، میں تطبیق اس طرح دینا چاہتے ہیں کہ زمین وقف کر دی جائے اور باقی مال غنیمت لڑائی میں شریک مجاہدین میں تقسیم کر دیا جائے۔[3] دراصل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عملی موقف کی بنیاد سورۂ حشر کی وہ آیات ہیں جن میں اموال فے کے حقداروں کا بیان ہے۔ ان میں سے پہلے محتاج مہاجرین کا ذکر کیا، پھر ایثار کرنے والے انصار کا، تیسرے نمبر پر بعد میں آنے والے اہل اسلام کا۔[4] اگر وہ مفتوحہ بستی کی زمینیں فاتحین میں تقسیم کر دی جاتیں تو بعد میں آنے والے مسلمانوں کے لیے کچھ باقی نہ رہتا جبکہ قرآن کریم نے انھیں بھی حق دار ٹھہرایا ہے، اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مفتوحہ اراضی تقسیم کرنے کی بجائے انھیں وقف کر دی۔ واللہ أعلم.

---

1 المصنف لعبدالرزاق: 302/5. 2 فتح الباري: 270/6. 3 فتح الباري: 271/6. 4 الحشر: 59: 8-10.

(١٠) بَابُ مَنْ قَاتَلَ لِلْمَغْنَمِ، هَلْ يَنْقُصُ مِنْ أَجْرِهِ؟

باب : 10- اگر کوئی حصول غنیمت کے لیے جہاد کرے تو کیا اس کے ثواب میں کمی ہوگی؟

٣١٢٦ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ: حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَمْرٍو قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا وَائِلٍ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو مُوسَى الْأَشْعَرِيُّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ أَعْرَابِيٌّ لِلنَّبِيِّ ﷺ: اَلرَّجُلُ يُقَاتِلُ لِلْمَغْنَمِ وَالرَّجُلُ يُقَاتِلُ لِيُذْكَرَ وَيُقَاتِلُ لِيُرٰى مَكَانُهُ، مَنْ فِي سَبِيلِ اللهِ؟ فَقَالَ: «مَنْ قَاتَلَ لِتَكُونَ كَلِمَةُ اللهِ هِيَ الْعُلْيَا فَهُوَ فِي سَبِيلِ اللهِ». [راجع: ١٢٣]

[3126] حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ ایک دیہاتی نے نبی ﷺ سے عرض کیا کہ ایک شخص حصول غنیمت کے لیے لڑتا ہے، دوسرا شہرت و ناموری کے لیے میدان جنگ میں آتا ہے، تیسرا اس لیے لڑتا ہے کہ اس کی دھاک بیٹھ جائے تو ان میں سے اللہ کے راستے میں کون ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص اس لیے جنگ میں شرکت کرتا ہے تاکہ اللہ کا دین سربلند ہو، صرف وہ اللہ کے راستے میں لڑتا ہے۔''

فائدہ: مقصد یہ ہے کہ اگر صرف اللہ کے دین کی سربلندی مقصود ہے تو ایسے شخص کو پورا اجر دیا جائے گا اور اگر سربلندئ دین کے ساتھ حصول غنیمت کی بھی نیت ہے تو اس کے ثواب میں کمی ہوگی، البتہ اگر لالچ کی بنا پر صرف لوٹ مار کی غرض سے یا شہرت و ناموری کا ارادہ ہے یا اپنی دھاک بٹھانا مقصود ہے، اللہ کے دین کی سربلندی مقصود نہیں تو ایسے شخص کے لیے اجر و ثواب کے بجائے اللہ کے ہاں بازپرس ہوگی۔ بہرحال مجاہد کو اس لیے جہاد کرنا چاہیے تاکہ اللہ کا دین سربلند ہو، اس کے علاوہ کوئی چیز پیش نظر نہیں ہونی چاہیے۔

(١١) بَابُ قِسْمَةِ الْإِمَامِ مَا يَقْدَمُ عَلَيْهِ وَيَخْبَأُ لِمَنْ لَّمْ يَحْضُرْهُ أَوْ غَابَ عَنْهُ

باب : 11- امام کے پاس تحفتاً جو مال آئے اسے حاضرین میں تقسیم کرنا اور جو نہ آئے یا مجلس سے غائب ہو تو اس کا حصہ چھپا رکھنا

٣١٢٧ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أُهْدِيَتْ لَهُ أَقْبِيَةٌ مِّنْ دِيبَاجٍ مُزَرَّدَةٌ بِالذَّهَبِ فَقَسَمَهَا فِي أُنَاسٍ مِّنْ أَصْحَابِهِ وَعَزَلَ مِنْهَا وَاحِدًا لِّمَخْرَمَةَ بْنِ نَوْفَلٍ، فَجَاءَ وَمَعَهُ ابْنُهُ الْمِسْوَرُ بْنُ مَخْرَمَةَ، فَقَامَ عَلَى

[3127] حضرت عبداللہ بن ابوملیکہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کی خدمت میں ریشمی جبے بطور ہدیہ بھیجے گئے جن میں سونے کے بٹن لگے ہوئے تھے۔ آپ نے وہ اپنے پاس موجود صحابۂ کرام میں تقسیم کر دیے اور ان میں سے ایک جبہ حضرت مخرمہ بن نوفل رضی اللہ عنہ کے لیے الگ کر رکھا۔ وہ آئے اور ان کے ہمراہ ان کا بیٹا مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ بھی تھا۔ وہ

الْبَابِ، فَقَالَ: ادْعُهُ لِي، فَسَمِعَ النَّبِيُّ ﷺ صَوْتَهُ فَأَخَذَ قَبَاءً فَتَلَقَّاهُ بِهِ وَاسْتَقْبَلَهُ بِأَزْرَارِهِ فَقَالَ: «يَا أَبَا الْمِسْوَرِ! خَبَأْتُ هٰذَا لَكَ، يَا أَبَا الْمِسْوَرِ! خَبَأْتُ هٰذَا لَكَ» وَكَانَ فِي خُلُقِهِ [شِدَّةٌ].

دروازے پر کھڑے ہو گئے اور اپنے بیٹے سے کہا کہ آپ ﷺ کو میری خاطر بلا لائے۔ نبی ﷺ نے ان کی آواز سنی تو ایک جبہ لے کر باہر تشریف لائے اور سونے کے بٹنوں سمیت وہ جبہ مخرمہ رضی اللہ عنہ کے آگے رکھ دیا اور فرمایا: ''اے مخرمہ! میں نے یہ تمھارے لیے چھپا رکھا تھا۔ اے مخرمہ! میں نے تمھارے لیے یہ چھپا کر رکھ لیا تھا۔'' حضرت مخرمہ رضی اللہ عنہ ذرا تیز طبیعت کے آدمی تھے۔

رَوَاهُ ابْنُ عُلَيَّةَ عَنْ أَيُّوبَ. وَقَالَ حَاتِمُ ابْنُ وَرْدَانَ: حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ، عَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ: قَدِمَتْ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ أَقْبِيَةٌ.

ابن علیہ نے یہ حدیث ایوب کے واسطے سے (مرسل ہی) بیان کی ہے۔ اور حاتم بن وردان نے کہا: ہم سے ایوب نے، ان سے ابن ابوملیکہ نے، ان سے حضرت مسور رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی ﷺ کے پاس کچھ جبے آئے......

تَابَعَهُ اللَّيْثُ عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ. [راجع: ٢٥٩٩]

ابن ابوملیکہ سے روایت کرنے میں لیث بن سعد نے ایوب کی متابعت کی ہے۔

فوائد ومسائل: ① ریشمی جبوں کا مذکورہ ہدیہ مشرکین کی طرف سے آیا تھا جو رسول اللہ ﷺ کے لیے حلال تھا۔ مال فے کی طرح اس قسم کے تحائف کی تقسیم بھی رسول اللہ ﷺ کی صوابدید پر موقوف تھی۔ آپ نے جسے چاہا عطا کر دیا اور جسے چاہا اسے دوسروں پر ترجیح دے دی۔ لیکن اس قسم کے تحائف کا تبادلہ رسول اللہ ﷺ کے بعد دوسرے حکمرانوں کے لیے جائز نہیں کیونکہ انھیں یہ ہدایا بطور رشوت دیے جاتے ہیں۔ ② حضرت مخرمہ رضی اللہ عنہ کی طبیعت میں کچھ تیزی تھی۔ وہ جلد غصے میں آ جاتے تھے، اس لیے رسول اللہ ﷺ انھیں جبے کی خوبصورتی بتا رہے تھے تاکہ وہ خوش خوش واپس جائیں اور تنگ مزاجی کا مظاہرہ نہ کریں۔[1] ③ شارح بخاری ابن منیر رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس عنوان سے ان لوگوں کی تردید مقصود ہے جن کا دعویٰ ہے کہ ہدیہ صرف ان لوگوں کے لیے ہوتا ہے جو مجلس میں موجود ہوں دوسروں کے لیے نہیں ہوتا۔[2]

(١٢) بَابٌ كَيْفَ قَسَمَ النَّبِيُّ ﷺ قُرَيْظَةَ وَالنَّضِيرَ؟ وَمَا أَعْطَى مِنْ ذٰلِكَ مِنْ نَوَائِبِهِ

باب: 12- نبی ﷺ نے بنوقریظہ اور بنونضیر کے مال کیسے تقسیم کیے اور اپنی ضروریات کے لیے اس سے کیسے خرچ کیا؟

٣١٢٨ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي الْأَسْوَدِ:

[3128] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے،

① عمدة القاري: 457/10. ② فتح الباري: 272/6.

حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ عَنْ أَبِيهِ قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ: كَانَ الرَّجُلُ يَجْعَلُ لِلنَّبِيِّ ﷺ النَّخَلَاتِ حَتَّى افْتَتَحَ قُرَيْظَةَ وَالنَّضِيرَ فَكَانَ بَعْدَ ذٰلِكَ يَرُدُّ عَلَيْهِمْ. [راجع: ٢٦٣٠]

انھوں نے کہا کہ انصار کے آدمی نبی ﷺ کے لیے کھجوروں کے درخت مختص کر دیتے تھے۔ جب بنو قریظہ اور بنونضیر کے علاقے فتح ہو گئے تو اس کے بعد آپ نے ان کے درخت ان کو واپس کر دیے۔

فوائد و مسائل: (1) امام بخاری ؒ نے یہ روایت انتہائی اختصار سے بیان کی ہے۔ قبل ازیں مفصل روایت ان الفاظ میں بیان ہو چکی ہے: جب مہاجرین مکہ سے مدینہ آئے تو ان کے ساتھ کوئی سامان نہ تھا۔ چونکہ انصار زمینوں والے اور صاحب جائیداد تھے، اس لیے انھوں نے مہاجرین سے یہ معاملہ طے کر لیا کہ وہ باغات میں سے انھیں ہر سال پھل دیا کریں گے اور مہاجرین اس کے عوض ان کے باغات میں کام کریں گے۔ حضرت ام سلیم ؓ نے رسول اللہ ﷺ کو کھجوروں کا ایک باغ ہدیہ دیا اور آپ نے وہ باغ حضرت ام ایمن ؓ کو دے دیا، پھر جب رسول اللہ ﷺ غزوۂ خیبر سے فارغ ہوئے اور مدینہ طیبہ تشریف لائے تو مہاجرین نے ان کے تحائف واپس کر دیے جو انھوں نے پھلوں کی صورت میں دے رکھے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت انس ؓ کی والدہ ام سلیم ؓ کا باغ بھی واپس کر دیا اور حضرت ام ایمن ؓ کو اس کے عوض اپنے باغ سے کچھ درخت عنایت کر دیے۔[1] (2) بہر حال ان روایات کا خلاصہ یہ ہے کہ بنونضیر کی زمینیں فے کا مال تھیں جو خالص رسول اللہ ﷺ کے لیے تھیں جنھیں آپ نے مہاجرین میں تقسیم کر دیا اور انھیں حکم دیا کہ انصار نے جو باغات بطور ہمدردی انھیں دیے تھے وہ واپس کر دیں اور انصار کو اس مال فے سے کچھ نہ دیا۔ اس طرح دونوں فریق ایک دوسرے سے بے نیاز ہو گئے، پھر جب بنوقریظہ نے عہد شکنی کی تو ان کا محاصرہ ہوا۔ بالآخر وہ حضرت سعد بن معاذ ؓ کے فیصلے پر راضی ہوئے تو ان کی جائیداد کو تمام صحابہ میں تقسیم کر دیا اور اپنے حصے سے اپنی ضروریات مثلاً: اہل و عیال کا نفقہ اور دیگر ضروریات میں خرچ کرتے۔

(١٣) بَابُ بَرَكَةِ الْغَازِي فِي مَالِهِ حَيًّا وَمَيِّتًا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ وَوُلَاةِ الْأَمْرِ

باب: 13- جن لوگوں نے نبی ﷺ اور دیگر حکام کے ساتھ مل کر جہاد کیا، ان کے مال، زندگی اور موت کے بعد برکت کا بیان

٣١٢٩ - حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: قُلْتُ لِأَبِي أُسَامَةَ: أَحَدَّثَكُمْ هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الزُّبَيْرِ قَالَ: لَمَّا وَقَفَ الزُّبَيْرُ يَوْمَ الْجَمَلِ، دَعَانِي فَقُمْتُ إِلَى

[3129] حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ جنگ جمل کے دن جب حضرت زبیر ؓ (میدان جنگ میں) کھڑے ہوئے تو انھوں نے مجھے بلایا۔ میں ان کے پہلو میں کھڑا ہو گیا انھوں نے فرمایا: اے

[1] صحيح البخاري، الهبة وفضلها والتحريض عليها، حديث: 2630.

جَنْبِهِ، فَقَالَ: يَا بُنَيَّ! إِنَّهُ لَا يُقْتَلُ الْيَوْمَ إِلَّا ظَالِمٌ أَوْ مَظْلُومٌ، وَإِنِّي لَا أُرَانِي إِلَّا سَأُقْتَلُ الْيَوْمَ مَظْلُومًا وَّإِنَّ مِنْ أَكْبَرِ هَمِّي لَدَيْنِي، أَفَتُرٰى يُبْقِي دَيْنُنَا مِنْ مَّالِنَا شَيْئًا؟ فَقَالَ: يَا بُنَيَّ! بِعْ مَالَنَا فَاقْضِ دَيْنِي، وَأَوْصٰى بِالثُّلُثِ وَثُلُثِهِ لِبَنِيهِ - يَعْنِي عَبْدَ اللهِ بْنَ الزُّبَيْرِ، يَقُولُ: ثُلُثُ الثُّلُثِ - فَإِنْ فَضَلَ مِنْ مَّالِنَا فَضْلٌ بَعْدَ قَضَاءِ الدَّيْنِ فَثُلُثُهُ لِوَلَدِكَ. قَالَ هِشَامٌ: وَكَانَ بَعْضُ وَلَدِ عَبْدِ اللهِ قَدْ وَازٰى بَعْضَ بَنِي الزُّبَيْرِ - خُبَيْبٌ وَّعَبَّادٌ - وَلَهُ يَوْمَئِذٍ تِسْعَةُ بَنِينَ وَتِسْعُ بَنَاتٍ. قَالَ عَبْدُ اللهِ: فَجَعَلَ يُوصِينِي بِدَيْنِهِ وَيَقُولُ: يَا بُنَيَّ! إِنْ عَجَزْتَ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ فَاسْتَعِنْ عَلَيْهِ مَوْلَايَ. قَالَ: فَوَاللهِ مَا دَرَيْتُ مَا أَرَادَ حَتّٰى قُلْتُ: يَا أَبَتِ مَنْ مَّوْلَاكَ؟ قَالَ: اللهُ. قَالَ: فَوَاللهِ مَا وَقَعْتُ فِي كُرْبَةٍ مِّنْ دَيْنِهِ إِلَّا قُلْتُ: يَا مَوْلَى الزُّبَيْرِ! اِقْضِ عَنْهُ دَيْنَهُ، فَيَقْضِيهِ، فَقُتِلَ الزُّبَيْرُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ وَلَمْ يَدَعْ دِينَارًا وَّلَا دِرْهَمًا إِلَّا أَرَضِينَ مِنْهَا الْغَابَةُ وَإِحْدٰى عَشْرَةَ دَارًا بِالْمَدِينَةِ، وَدَارَيْنِ بِالْبَصْرَةِ، وَدَارًا بِالْكُوفَةِ، وَدَارًا بِمِصْرَ، قَالَ: وَإِنَّمَا كَانَ دَيْنُهُ الَّذِي عَلَيْهِ أَنَّ الرَّجُلَ كَانَ يَأْتِيهِ بِالْمَالِ فَيَسْتَوْدِعُهُ إِيَّاهُ فَيَقُولُ الزُّبَيْرُ: لَا، وَلٰكِنَّهُ سَلَفٌ فَإِنِّي أَخْشٰى عَلَيْهِ الضَّيْعَةَ، وَمَا وَلِيَ إِمَارَةً قَطُّ وَلَا جِبَايَةَ خَرَاجٍ وَلَا شَيْئًا إِلَّا أَنْ يَّكُونَ فِي غَزْوَةٍ مَّعَ النَّبِيِّ ﷺ أَوْ مَعَ أَبِي بَكْرٍ وَّعُمَرَ وَعُثْمَانَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ. قَالَ عَبْدُ اللهِ ابْنُ الزُّبَيْرِ: فَحَسِبْتُ مَا عَلَيْهِ مِنَ الدَّيْنِ فَوَجَدْتُهُ

میرے پیارے بیٹے! آج کے دن ظالم یا مظلوم ہی قتل ہوگا اور میں سمجھتا ہوں کہ آج میں مظلوم ہی قتل کیا جاؤں گا اور مجھے زیادہ فکر میرے قرض کی (ادائیگی کی) ہے۔ کیا تمھیں کچھ اندازہ ہے کہ قرض ادا کرنے کے بعد ہمارا کچھ مال بچ سکے گا؟ پھر انھوں نے کہا: اے میرے پیارے بیٹے! ہمارا مال فروخت کر کے اس سے قرض ادا کر دینا۔ انھوں نے اس مال سے ایک تہائی کی وصیت کی اور اس تہائی کے تیسرے حصے کی وصیت اپنے، یعنی عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے بیٹوں کے لیے کی۔ انھوں نے فرمایا کہ وصیت کی تہائی کے تین حصے کر لینا۔ اگر قرض کی ادائیگی کے بعد ہمارے اموال میں سے کچھ بچ جائے تو اس کا ایک تہائی (تہائی کا تیسرا حصہ) تیرے بچوں کے لیے ہوگا۔ راوی حدیث ہشام نے کہا کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے کچھ بیٹے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے لڑکوں کے ہم عمر تھے جیسے خبیب اور عباد۔ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے اس وقت نو بیٹے اور نو بیٹیاں تھیں۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ انھوں نے مجھے اپنا قرض ادا کرنے کی وصیت کی اور کہا: اے میرے لخت جگر! اگر تو قرض ادا کرنے سے عاجز ہو جائے تو میرے مالک و مولا سے مدد طلب کر لینا۔ انھوں (حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما) نے کہا: اللہ کی قسم! میں ان کی بات نہ سمجھ سکا کہ انھوں نے کیا ارادہ کیا تھا یہاں تک کہ میں نے عرض کیا: ابوجان! آپ کا مولیٰ کون ہے؟ انھوں نے فرمایا: میرا مولیٰ اللہ ہے۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ کی قسم! مجھے ان (حضرت زبیر رضی اللہ عنہ) کا قرض ادا کرنے میں جو بھی دشواری آئی تو میں نے بایں الفاظ دعا کی: ''اے زبیر کے مولیٰ! ان کا قرض ادا کر دے'' تو ادائیگی کی صورت پیدا ہو جاتی تھی، چنانچہ جب حضرت زبیر رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو انھوں نے ترکے میں کوئی درہم و

أَلْفَيْ أَلْفٍ وَّمِائَتَيْ أَلْفٍ. قَالَ: فَلَقِيَ حَكِيمُ بْنُ حِزَامٍ عَبْدَ اللهِ بْنَ الزُّبَيْرِ فَقَالَ: يَا ابْنَ أَخِي! كَمْ عَلَى أَخِي مِنَ الدَّيْنِ؟ فَكَتَمَهُ فَقَالَ: مِائَةُ أَلْفٍ، فَقَالَ حَكِيمٌ: وَاللهِ مَا أُرَى أَمْوَالَكُمْ تَسَعُ لِهٰذِهِ، فَقَالَ لَهُ عَبْدُ اللهِ: أَفَرَأَيْتَكَ إِنْ كَانَتْ أَلْفَيْ أَلْفٍ وَّمِائَتَيْ أَلْفٍ؟ قَالَ: مَا أُرَاكُمْ تُطِيقُونَ هٰذَا، فَإِنْ عَجَزْتُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ فَاسْتَعِينُوا بِي، قَالَ: وَكَانَ الزُّبَيْرُ اشْتَرَى الْغَابَةَ بِسَبْعِينَ وَمِائَةِ أَلْفٍ، فَبَاعَهَا عَبْدُ اللهِ بِأَلْفِ أَلْفٍ وَّسِتِّمِائَةِ أَلْفٍ، ثُمَّ قَامَ فَقَالَ: مَنْ كَانَ لَهُ عَلَى الزُّبَيْرِ حَقٌّ فَلْيُوَافِنَا بِالْغَابَةِ، فَأَتَاهُ عَبْدُ اللهِ بْنُ جَعْفَرٍ - وَكَانَ لَهُ عَلَى الزُّبَيْرِ أَرْبَعُمِائَةِ أَلْفٍ - فَقَالَ لِعَبْدِ اللهِ: إِنْ شِئْتُمْ تَرَكْتُهَا لَكُمْ. قَالَ عَبْدُ اللهِ: لَا، قَالَ: فَإِنْ شِئْتُمْ جَعَلْتُمُوهَا فِيمَا تُؤَخِّرُونَ إِنْ أَخَّرْتُمْ، فَقَالَ عَبْدُ اللهِ: لَا، قَالَ: قَالَ: فَاقْطَعُوا لِي قِطْعَةً، فَقَالَ عَبْدُ اللهِ: لَكَ مِنْ هَاهُنَا إِلَى هَاهُنَا. قَالَ: فَبَاعَ مِنْهَا فَقَضَى دَيْنَهُ فَأَوْفَاهُ وَبَقِيَ مِنْهَا أَرْبَعَةُ أَسْهُمٍ وَّنِصْفٌ، فَقَدِمَ عَلَى مُعَاوِيَةَ - وَعِنْدَهُ عَمْرُو بْنُ عُثْمَانَ وَالْمُنْذِرُ بْنُ الزُّبَيْرِ وَابْنُ زَمْعَةَ - فَقَالَ لَهُ مُعَاوِيَةُ: كَمْ قُوِّمَتِ الْغَابَةُ؟ قَالَ: كُلُّ سَهْمٍ مِّائَةُ أَلْفٍ، قَالَ: كَمْ بَقِيَ؟ قَالَ: أَرْبَعَةُ أَسْهُمٍ وَّنِصْفٌ. فَقَالَ الْمُنْذِرُ بْنُ الزُّبَيْرِ: قَدْ أَخَذْتُ سَهْمًا بِمِائَةِ أَلْفٍ، قَالَ عَمْرُو بْنُ عُثْمَانَ: قَدْ أَخَذْتُ سَهْمًا بِمِائَةِ أَلْفٍ، وَقَالَ ابْنُ زَمْعَةَ: قَدْ أَخَذْتُ سَهْمًا

دینار نہیں چھوڑا تھا، صرف زمین کی صورت میں جائیداد چھوڑی تھی، غابہ کی زمین بھی اس میں شامل تھی، گیارہ مکانات مدینہ طیبہ میں تھے۔ دو مکان بصرہ میں، ایک مکان کوفہ میں اور ایک مصر میں تھا۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ ان پر اتنے قرض کی کیفیت یہ تھی کہ جب ان کے پاس کوئی شخص اپنا مال بطور امانت رکھنے کے لیے آتا تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اس سے کہتے: یہ امانت نہیں بلکہ قرض ہے کیونکہ مجھے اس کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہے۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کسی علاقے کے امیر نہیں بنے تھے، نہ وہ خراج وصول کرنے پر کبھی مقرر ہوئے اور نہ انھوں نے کوئی دوسرا عہدہ ہی قبول کیا، البتہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے ہمراہ جہاد کے لیے ضرور جاتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے کہا: میں نے ان کے ذمے قرض کا حساب کیا تو وہ بائیس لاکھ تھا۔ ایک دن حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے ملے تو فرمایا: میرے بھتیجے! میرے بھائی کے ذمے کتنا قرض ہے؟ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اصل رقم کو چھپا کر کہا کہ ایک لاکھ۔ حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! میرے خیال کے مطابق تمھارے پاس موجود سرمائے سے یہ قرض ادا نہیں ہو سکے گا۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے کہا: آپ مجھے بتائیں اگر قرض بائیس لاکھ ہو تو کیا ہو گا؟ انھوں نے فرمایا: پھر تو اتنا قرض تمھاری برداشت سے بھی باہر ہے، بہرحال اگر تم قرض کی ادائیگی سے کبھی عاجز ہو جاؤ تو مجھ سے اس سلسلے میں مدد لے لینا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے غابہ کی زمین ایک لاکھ ستر ہزار میں خریدی تھی لیکن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اسے سولہ لاکھ میں فروخت کیا۔ پھر انھوں نے اعلان کیا کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ پر جس کا

مِائَةَ أَلْفٍ، فَقَالَ مُعَاوِيَةُ: كَمْ بَقِيَ؟ فَقَالَ: سَهْمٌ وَّنِصْفٌ، قَالَ: أَخَذْتُهُ بِخَمْسِينَ وَمِائَةِ أَلْفٍ، قَالَ: وَبَاعَ عَبْدُ اللهِ بْنُ جَعْفَرٍ نَّصِيبَهُ مِنْ مُّعَاوِيَةَ بِسِتِّمِائَةِ أَلْفٍ، فَلَمَّا فَرَغَ ابْنُ الزُّبَيْرِ مِنْ قَضَاءِ دَيْنِهِ قَالَ بَنُو الزُّبَيْرِ: اقْسِمْ بَيْنَنَا مِيرَاثَنَا، قَالَ: لَا وَاللهِ، لَا أَقْسِمُ بَيْنَكُمْ حَتّٰى أُنَادِيَ بِالْمَوْسِمِ أَرْبَعَ سِنِينَ: أَلَا مَنْ كَانَ لَهُ عَلَى الزُّبَيْرِ دَيْنٌ فَلْيَأْتِنَا فَلْنَقْضِهِ، قَالَ: فَجَعَلَ كُلَّ سَنَةٍ يُّنَادِي بِالْمَوْسِمِ فَلَمَّا مَضٰى أَرْبَعُ سِنِينَ قَسَمَ بَيْنَهُمْ. قَالَ: وَكَانَ لِلزُّبَيْرِ أَرْبَعُ نِسْوَةٍ، وَرَفَعَ الثُّلُثَ فَأَصَابَ كُلَّ امْرَأَةٍ أَلْفُ أَلْفٍ وَمِائَتَا أَلْفٍ. فَجَمِيعُ مَالِهِ خَمْسُونَ أَلْفَ أَلْفٍ وَّمِائَتَا أَلْفٍ.

قرض ہو وہ غابہ کی زمین میں آ کر ہم سے ملاقات کرے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ آئے...... ان کا حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے ذمے چار لاکھ قرض تھا...... انھوں نے حضرت عبداللہ سے کہا: اگر تم چاہو تو میں یہ قرض چھوڑ سکتا ہوں لیکن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ایسا نہیں ہوسکتا۔ پھر عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر تم قرض کو مؤخر کرنا چاہو تو میں اسے مؤخر کر سکتا ہوں۔ حضرت عبداللہ زبیر رضی اللہ عنہما نے کہا: جی نہیں! اس کے بعد عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما نے کہا: مجھے غابہ کی زمین سے کچھ حصہ دے دو تو عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ آپ کے لیے یہاں سے وہاں تک کا قطعہ ہے۔ راوی کا بیان ہے کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی جائیداد فروخت کر کے ان کا قرض ادا کر دیا گیا۔ جب تمام قرض کی ادائیگی ہوگئی تو ابھی غابہ کی جائیداد میں سے ساڑھے چار حصے باقی تھے جو فروخت نہیں ہوئے تھے۔ تب وہ (عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو وہاں عمرو بن عثمان، منذر بن زبیر اور ابن زمعہ بھی موجود تھے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ غابہ کی کتنی قیمت لگی ہے؟ انھوں نے بتایا کہ ہر حصے کی قیمت ایک لاکھ طے ہوئی ہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: کتنا باقی رہ گیا ہے؟ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ساڑھے چار حصے باقی رہ گئے ہیں۔ حضرت منذر بن زبیر نے کہا: میں ایک حصہ ایک لاکھ میں لیتا ہوں۔ عمرو بن عثمان نے کہا: دوسرا حصہ میں ایک لاکھ میں رکھ لیتا ہوں۔ ابن زمعہ گویا ہوئے: تیسرا حصہ میں نے ایک لاکھ میں خرید لیا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اب کتنا باقی رہا؟ عبداللہ نے کہا: اب ڈیڑھ حصہ باقی رہ گیا ہے تو انھوں نے فرمایا: وہ میں نے ڈیڑھ لاکھ میں خریدا۔ راوی کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن جعفر نے اپنا حصہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ چھ

لاکھ میں فروخت کیا۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما جب اپنے والد گرامی کا قرض ادا کر کے فارغ ہوئے تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے دوسرے بیٹوں نے کہا کہ اب ہماری وراثت ہم میں تقسیم کر دیں تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! میں تم میں وراثت تقسیم نہیں کروں گا حتی کہ ایام حج میں چار سال تک یہ اعلان نہ کرتا رہوں کہ جس شخص کا حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے ذمے کچھ قرض ہے وہ ہمارے پاس آئے ہم اسے قرض ادا کریں گے، چنانچہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ ہر سال حج کے موقع پر اعلان کرتے رہے۔ جب چار سال گزر گئے تو انھوں نے ان کی جائیداد ورثاء میں تقسیم کی۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی چار بیویاں تھیں۔ وصیت کی ایک تہائی علیحدہ کرنے کے بعد ہر بیوی کو بارہ لاکھ ملے۔ اس طرح حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے تمام ترکے کی مالیت پانچ کروڑ دو لاکھ تھی۔

فوائد و مسائل: ① جنگ جمل حضرت علی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے درمیان 36 ہجری میں ہوئی۔ چونکہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اونٹ پر سوار تھیں، اس لیے اس کا نام ''جمل'' رکھا گیا۔ لڑائی کی وجہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا خون ناحق تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا قاتلین عثمان جو حضرت علی کے کیمپ میں تھے، ان سے قصاص کی طلب گار تھیں جبکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حالات کے سازگار ہونے تک اس معاملے کو ملتوی کیے جا رہے تھے۔ یہی تنازع تھا جو افہام وتفہیم سے حل نہ ہو سکا، بالآخر نوبت جنگ تک پہنچی۔ امام بخاری رحمہ اللہ اس حدیث سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ غازیٔ اسلام کے لیے زندگی اور موت کے بعد اس کے مال میں برکت پیدا ہوتی ہے، چنانچہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کسی سرکاری عہدے پر تعینات نہ تھے، صرف جہاد میں شرکت کرتے تھے، مال غنیمت میں سے انھیں جو کچھ ملا اس میں اللہ تعالیٰ نے جہاد کی برکت سے اس قدر اضافہ فرمایا کہ قرض اور وصیت کی ادائیگی کے بعد چار بیویوں میں سے ہر بیوی کو بارہ بارہ لاکھ ملا۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا مدعا تو اسی قدر ہے لیکن اس جائیداد کی مالیت میں کچھ اشکال ہے جسے ہم بیان کرتے ہیں: اشکال یہ ہے کہ جب ہم ایک بیوی کو ملنے والے حصے کو بنیاد بناتے ہیں تو ادائیگیٔ قرض اور نفاذ وصیت کے بعد آپ کے ترکے کی مالیت پانچ کروڑ اٹھانوے لاکھ بنتی ہے جبکہ امام بخاری رحمہ اللہ نے حدیث کے آخر میں مجموعی جائیداد کی مالیت پانچ کروڑ دو لاکھ بتائی ہے، یعنی اصل حساب سے چھیانوے لاکھ کم ہے۔ اس اشکال کو حل کرنے سے پہلے ہم ایک بنیادی بات عرض کرتے ہیں کہ عرب کے ہاں گنتی کے بنیادی طور پر تین قطعات ہیں: پہلا قطعہ چار اجزاء پر مشتمل ہے: آحاد (اکائیاں)، عشرات (دہائیاں)، مِئات (سیکڑے) اور أُلوف (ہزار)۔ دوسرا قطعہ تین اجزا پر مشتمل ہے: عشرة آلاف (دس ہزار)، مائة ألف (ایک لاکھ) اور ألف ألف (دس لاکھ)۔ اس قطعے کے مطابق ألفا ألف (بیس لاکھ) اور ثلاثة آلاف ألف (تیس لاکھ) وغیرہ۔ تیسرا

قطعہ بھی تین اجزاء پر مشتمل ہے: عشرۃ آلاف ألف (کروڑ)۔ مائة ألف ألف (دس کروڑ) اور ألف، ألف ألف (ارب) اس طرح عشرون ألف ألف (دو کروڑ)، ثلاثون ألف ألف (تین کروڑ)۔ جائیداد کا تفصیلی حساب کچھ اس طرح ہے: واضح رہے کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے ورثاء نو بیٹے، نو بیٹیاں اور چار بیویاں تھیں۔ آپ کا کل سرمایہ یہ تھا: غابہ میں کچھ زمین اور گیارہ عدد مکانات تھے۔ اور آپ کے ذمے کل قرض بائیس لاکھ تھا۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنے لخت جگر عبداللہ کو وصیت کی کہ پہلے قرض ادا کرنا پھر باقی ماندہ ترکے کے تین حصے کرنا۔ ایک حصہ میرے پوتوں، فقراء اور مساکین کے لیے اور باقی دو حصے تمام ورثاء میں تقسیم کر دینا۔ چونکہ ان کے ذمے بائیس لاکھ قرض تھا جن میں سے چار لاکھ تو عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کے تھے۔ انھیں غابہ کی کچھ زمین چار لاکھ کے عوض دے دی اور باقی زمین بھی فروخت ہو گئی۔ غابہ کی کل زمین سولہ لاکھ میں فروخت ہوئی جو انھوں نے ایک لاکھ ستر ہزار میں خریدی تھی۔ اس طرح انھیں چودہ لاکھ تیس ہزار نفع ہوا۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے قرض ادا کرنے کے لیے باقی جائیداد بھی فروخت کی اور کل قرض ادا ہوا۔ اس کے بعد باقی ماندہ مال میں سے وصیت کا ایک تہائی الگ کیا۔ باقی دو تہائی تقسیم کیا تو ہر بیوی کو بارہ لاکھ ملا۔ بیویاں چار تھیں۔ اولاد کی موجودگی میں بیویوں کو ترکے کا آٹھواں حصہ ملتا ہے۔ بارہ لاکھ کو چار سے ضرب دیں تو کل آٹھواں حصہ اڑتالیس لاکھ بنتا ہے۔ اس آٹھویں حصے کو آٹھ سے ضرب دی تو قابل تقسیم جائیداد تین کروڑ چوراسی لاکھ بنتی ہے۔ یہ کل ترکے کے دو حصے ہیں کیونکہ ایک حصہ بطور وصیت پہلے ہی الگ کر لیا گیا تھا۔ اب کل ترکہ معلوم کرنے کے لیے وصیت والا ایک تہائی جو باقی ماندہ ترکے کا نصف ہے، یعنی ایک کروڑ بانوے لاکھ، اس رقم میں جمع کیا تو مجموعہ پانچ کروڑ چھہتر لاکھ ہو گیا۔ یہ ترکہ قرض کے علاوہ ہے۔ اس میں بائیس لاکھ قرض والا جمع کریں تو کل ترکہ پانچ کروڑ اٹھانوے لاکھ بنتا ہے۔ صورت حساب کچھ اس طرح ہے: (ا) ثمن ($\frac{1}{8}$) کا چوتھا حصہ بارہ لاکھ جو چار بیویوں میں سے ہر ایک بیوی کو ملا۔ (ب) اسے چار سے ضرب دی تو اڑتالیس لاکھ ہوا جو کامل ثمن ($\frac{1}{8}$) ہے۔ (ج) بیویوں کے حصے کو آٹھ سے ضرب دی تو تین کروڑ چوراسی لاکھ ہوا۔ یہ کل جائیداد کے دو حصے ہیں۔ (د) وصیت کا ایک تہائی ایک کروڑ بانوے لاکھ ہے۔ اس حصے کو جمع کریں تو میزان پانچ کروڑ چھہتر لاکھ بنتی ہے۔ (ہ) قرضے کی رقم بائیس لاکھ ہے۔ اسے مذکورہ بالا رقم میں جمع کریں تو کل مالیت پانچ کروڑ اٹھانوے لاکھ بنتی ہے جبکہ امام بخاری رحمہ اللہ نے حدیث کے آخر میں میراث، وصیت اور قرض ملا کر کل جائیداد صرف پانچ کروڑ دو لاکھ ظاہر کی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کے حساب اور ہمارے تفصیلی حساب میں چھیانوے لاکھ کا فرق ہے۔ اس فرق کا کیا حل ہے؟ اشکال کی یہی صورت ہے۔ اسے حل کرنے کے لیے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے درج ذیل صورت پیش کی ہے جو قرین قیاس معلوم ہوتی ہے: ہمارے رجحان کے مطابق اس فرق کا یہی معقول حل ہے جسے ہم بیان کرتے ہیں۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت متروکہ جائیداد کی مالیت پانچ کروڑ دو لاکھ تھی، لیکن حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ عرصہ چار سال تک احتیاط کے پیش نظر موسم حج میں قرضہ جات کا اعلان کرتے رہے۔ اس دوران میں مالیت میں اراضی اور مکانات کی آمدنی اور پیداوار سے اضافہ ہوتا رہا حتی کہ چار سال کے بعد چھیانوے لاکھ کا اضافہ ہو کر کل جائیداد کی مجموعی قیمت پانچ کروڑ اٹھانوے لاکھ ہو گئی۔ ہمارے نزدیک یہ توجیہ راجح اور عمدہ ہے کیونکہ اس سے تمام الفاظ حدیث اپنے ظاہر اور حقیقی مفہوم پر باقی رہتے ہیں، نیز امام بخاری رحمہ اللہ کے قائم کردہ عنوان کے بھی عین مطابق ہے کہ غازیٔ اسلام کے لیے زندگی اور موت کے بعد اس کے مال میں برکت

پیدا ہوتی ہے۔[1] واللّٰہ المستعان.

(١٤) بَابٌ: إِذَا بَعَثَ الْإِمَامُ رَسُولًا فِي حَاجَةٍ أَوْ أَمَرَهُ بِالْمُقَامِ هَلْ يُسْهَمُ لَهُ؟

باب: 14- جب امام کسی کو ضرورت کے لیے بھیجے یا کسی جگہ ٹھہرنے کا حکم دے تو کیا اسے بھی غنیمت سے حصہ دیا جائے گا؟

٣١٣٠ - حَدَّثَنَا مُوسَى: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ: حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ مَوْهَبٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: إِنَّمَا تَغَيَّبَ عُثْمَانُ عَنْ بَدْرٍ فَإِنَّهُ كَانَ تَحْتَهُ بِنْتُ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَكَانَتْ مَرِيضَةً، فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ ﷺ: «إِنَّ لَكَ أَجْرَ رَجُلٍ مِّمَّنْ شَهِدَ بَدْرًا وَسَهْمَهُ». [انظر: ٣٦٩٨، ٣٧٠٤، ٤٠٦٦، ٤٥١٣، ٤٥١٤، ٤٦٥٠، ٤٦٥١، ٧٠٩٥]

[3130] حضرت ابن عمر ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ حضرت عثمان ؓ غزوۂ بدر میں اس لیے حاضر نہ ہو سکے کہ ان کی بیوی جو رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی تھیں، ان دنوں بیمار تھیں۔ نبی ﷺ نے ان سے فرمایا تھا: ”(تم ٹھہر جاؤ) تمھیں اس شخص کے برابر ثواب اور حصہ دیا جائے گا جو بدر میں شریک ہوا ہے۔“

فوائد و مسائل: ① حضرت عثمان ؓ کی بیوی سیدہ رقیہ ؓ بیمار تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی دیکھ بھال اور تیمار داری کے لیے حضرت عثمان ؓ کو مدینہ طیبہ ٹھہرنے کا حکم دیا، اس لیے وہ غزوۂ بدر میں شریک نہ ہو سکے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے انھیں بدر میں شریک ہونے والوں کے برابر حصہ دیا اور فرمایا: ”اے اللہ! عثمان تیرے رسول کے کام میں مصروف ہے۔“[2] ② کچھ حضرات کا موقف ہے کہ غنیمت کے مال میں سے صرف انھی لوگوں کو حصہ ملے گا جو شریک جنگ ہوں، لیکن اس حدیث کے پیش نظر اس میں یہ ترمیم کرنی ہوگی کہ جو لوگ امام کے کہنے یا جنگی ضرورت کے پیش نظر جنگ میں شریک نہ ہو سکے ہوں، انھیں بھی غنیمت سے پورا حصہ دیا جائے گا۔[3] واللّٰہ أعلم.

(١٥) بَابٌ: وَمِنَ الدَّلِيلِ عَلَى أَنَّ الْخُمُسَ لِنَوَائِبِ الْمُسْلِمِينَ

باب: 15- اس امر کی دلیل کہ خمس مسلمانوں کی ضروریات کے لیے ہے

مَا سَأَلَ هَوَازِنُ النَّبِيَّ ﷺ بِرَضَاعِهِ فِيهِمْ فَتَحَلَّلَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ، وَمَا كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَعِدُ النَّاسَ أَنْ يُعْطِيَهُمْ مِنَ الْفَيْءِ وَالْأَنْفَالِ مِنَ

نیز قبیلۂ ہوازن کا اپنے دودھ کے رشتے کی بنا پر نبی ﷺ سے (اپنے مال اور قیدی واپس کرنے کی) درخواست کرنا، آپ کا لوگوں سے معاف کرانا کہ اپنا حق چھوڑ دو، نیز نبی

1 فتح الباري: 281/6. 2 المصنف لابن أبي شيبة: 46/12، حديث: 32704. 3 عمدة القاري: 469/10.

الْخُمُسِ، وَمَا أَعْطَى الْأَنْصَارَ، وَمَا أَعْطَى جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ مِنْ تَمْرِ خَيْبَرَ.

ﷺ کا لوگوں سے وعدہ کرنا کہ آپ مال خمس سے ان کو بھی دیں گے، اس کے علاوہ آپ نے جو انصار کو اور جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کو خیبر کی کھجوروں سے عطا فرمایا۔

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ نے پہلے ایک عنوان ان الفاظ میں قائم کیا تھا: خمس رسول اللہ ﷺ کی ضروریات کے لیے ہے۔ یہاں ذکر کیا گیا کہ خمس، مسلمانوں کی ضروریات کے لیے ہے۔ آئندہ ایک باب ان الفاظ میں قائم کریں گے: خمس امام کے لیے ہے۔ ان میں کوئی تضاد نہیں کیونکہ قرآنی نص کے مطابق خمس، رسول اللہ ﷺ کے لیے ہے، پھر آپ کے بعد مسلمانوں کا جو نگران ہوگا اس کے لیے ہے۔ وہ اس میں اسی طرح تصرف کرنے کا مجاز ہوگا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کرتے تھے۔ اس عنوان میں ہے کہ خمس مسلمانوں کی ضرورت کے لیے ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس کے متولی ہیں اور آپ جس قدر چاہیں اپنی ضروریات کے لیے رکھ لیں، باقی مسلمانوں کی ضروریات میں صرف کر دیں، اس طرح آپ کے بعد آنے والے خلفاء اور امراء کریں گے کیونکہ وہ رسول اللہ ﷺ کے بعد مسلمانوں کے امور کے متولی ہیں۔ بہر حال معنی کے اعتبار سے ان عنوانات میں کوئی تضاد نہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی ضروریات بھی دراصل اہل اسلام کی ضروریات ہیں، اس میں تصرف کا حق آپ کو بھی ہے اور آپ کے بعد آنے والے حکمرانوں کو بھی ہے۔ واللہ أعلم.

۳۱۳۱، ۳۱۳۲ - حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عُفَيْرٍ قَالَ: حَدَّثَنِي اللَّيْثُ قَالَ: حَدَّثَنِي عُقَيْلٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ: وَزَعَمَ عُرْوَةُ أَنَّ مَرْوَانَ بْنَ الْحَكَمِ وَالْمِسْوَرَ بْنَ مَخْرَمَةَ أَخْبَرَاهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ حِينَ جَاءَهُ وَفْدُ هَوَازِنَ مُسْلِمِينَ فَسَأَلُوهُ أَنْ يَرُدَّ إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ وَسَبْيَهُمْ، فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أَحَبُّ الْحَدِيثِ إِلَيَّ أَصْدَقُهُ، فَاخْتَارُوا إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ: إِمَّا السَّبْيَ وَإِمَّا الْمَالَ، وَقَدْ كُنْتُ اسْتَأْنَيْتُ بِهِمْ». وَقَدْ كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ انْتَظَرَهُمْ بِضْعَ عَشْرَةَ لَيْلَةً حِينَ قَفَلَ مِنَ الطَّائِفِ، فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ غَيْرُ رَادٍّ إِلَيْهِمْ إِلَّا إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ قَالُوا: فَإِنَّا نَخْتَارُ سَبْيَنَا، فَقَامَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فِي الْمُسْلِمِينَ فَأَثْنَى عَلَى اللهِ بِمَا هُوَ

[3131، 3132] حضرت مروان بن حکم اور حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس جب ہوازن کے لوگ مسلمان ہو کر آئے اور آپ سے درخواست کی کہ ان کے مال اور قیدی انھیں واپس کر دیں تو آپ نے ان سے فرمایا: ''مجھے وہ بات پسند ہے جو سچی ہو۔ تم دو چیزوں میں سے ایک چیز اختیار کر سکتے ہو: قیدی یا مال مویشی۔ میں نے اس سلسلے میں بہت انتظار کیا۔'' رسول اللہ نے واقعی تقریباً دس دن تک طائف سے واپسی پر ان کا انتظار کیا تھا۔ جب ان پر یہ امر واضح ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ ان کو صرف ایک ہی چیز واپس کریں گے تو انھوں نے عرض کیا: ہم اپنے قیدیوں کا انتخاب کرتے ہیں۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ مسلمانوں میں خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی اس کے شایان شان تعریف کی۔ اس کے بعد فرمایا: ''اما بعد، تمھارے یہ بھائی

أَهْلَهُ، ثُمَّ قَالَ: «أَمَّا بَعْدُ، فَإِنَّ إِخْوَانَكُمْ هٰؤُلَاءِ قَدْ جَاؤُنَا تَائِبِينَ، وَإِنِّي قَدْ رَأَيْتُ أَنْ أَرُدَّ إِلَيْهِمْ سَبْيَهُمْ، مَنْ أَحَبَّ أَنْ يُطَيِّبَ فَلْيَفْعَلْ، وَمَنْ أَحَبَّ مِنْكُمْ أَنْ يَكُونَ عَلَى حَظِّهِ حَتَّى نُعْطِيَهُ إِيَّاهُ مِنْ أَوَّلِ مَا يُفِيءُ اللهُ عَلَيْنَا فَلْيَفْعَلْ». فَقَالَ النَّاسُ: قَدْ طَيَّبْنَا ذٰلِكَ يَا رَسُولَ اللهِ لَهُمْ. فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللهِ ﷺ: إِنَّا لَا نَدْرِي مَنْ أَذِنَ مِنْكُمْ فِي ذٰلِكَ مِمَّنْ لَمْ يَأْذَنْ، فَارْجِعُوا حَتَّى يَرْفَعَ إِلَيْنَا عُرَفَاؤُكُمْ أَمْرَكُمْ»، فَرَجَعَ النَّاسُ فَكَلَّمَهُمْ عُرَفَاؤُهُمْ، ثُمَّ رَجَعُوا إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَأَخْبَرُوهُ أَنَّهُمْ قَدْ طَيَّبُوا فَأَذِنُوا، فَهٰذَا الَّذِي بَلَغَنَا عَنْ سَبْيِ هَوَازِنَ. [راجع: ٢٣٠٧، ٢٣٠٨]

تائب ہو کر آئے ہیں اور میرا خیال ہے کہ میں ان کے قیدی انھیں واپس کر دوں۔ جو کوئی خوشی سے یہ کرنا چاہے تو کر لے اور جو کوئی تم میں سے یہ پسند کرے کہ اپنے حصے پر قائم رہے حتی کہ ہم اس کو اس پہلے مال فے سے جو اللہ ہمیں عطا فرمائے گا، حصہ دیں گے تو وہ اس طرح کر لے۔'' لوگوں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! ہم خوش دلی سے انھیں قیدی واپس کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہمیں معلوم نہیں ہو سکا کہ تم میں سے کس نے اجازت دی ہے اور کس نے اجازت نہیں دی، اس لیے تم واپس چلے جاؤ حتی کہ تمھارے سردار تمھاری بات ہم تک پہنچائیں۔'' چنانچہ وہ لوگ واپس ہوئے اور ان کے نمائندوں نے ان سے گفتگو کی، پھر انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اطلاع دی کہ وہ سب خوش ہیں اور خوش دلی سے انھوں نے اجازت دے دی ہے۔ بس اتنا واقعہ ہے جو ہوازن کے قیدیوں کے متعلق ہم تک پہنچا ہے۔

فوائد و مسائل: ① رسول اللہ ﷺ کو سب سے پہلے دودھ پلانے والی حلیمہ سعدیہ ہوازن قبیلے سے تھیں، ہوازن والوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی کہ آپ ان عورتوں پر احسان کیجیے جن کا آپ نے دودھ پیا ہے، اسی بنا پر رسول اللہ ﷺ نے ہوازن والوں کو بھائی قرار دیا اور مجاہدین سے فرمایا: ''وہ اپنے حصے کے غلام اور لونڈیاں آزاد کریں اور ان کو واپس کر دیں۔'' چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ نے اس سے ثابت کیا ہے کہ خمس کا مصرف امام کی صوابدید پر موقوف ہے کیونکہ آپ نے فرمایا: ''ہم پہلے پہلے مال فے سے جو اللہ ہمیں عطا فرمائے گا، اس میں سے اس کو حصہ دیں گے۔'' ان الفاظ کا ظاہری مفہوم یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد مال خمس ہے جو مسلمانوں کی ضروریات کے لیے صرف ہوگا۔ واللہ أعلم.

٣١٣٣ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ: حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ قَالَ: وَحَدَّثَنِي الْقَاسِمُ بْنُ عَاصِمٍ الْكُلَيْبِيُّ - وَأَنَا لِحَدِيثِ الْقَاسِمِ أَحْفَظُ - عَنْ زَهْدَمٍ قَالَ: كُنَّا عِنْدَ أَبِي مُوسٰى فَأُتِيَ - ذَكَرَ دَجَاجَةً -

[3133] حضرت زہدم سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ ہم حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی مجلس میں حاضر تھے کہ وہاں مرغی کا ذکر ہونے لگا۔ وہاں تیم اللہ قبیلے سے سرخ رنگ کا ایک شخص بیٹھا ہوا تھا، اور وہ غلام معلوم ہوتا تھا۔ انھوں نے اس کو کھانے کے لیے بلایا تو اس نے کہا کہ میں

وَعِنْدَهُ رَجُلٌ مِّنْ بَنِي تَيْمِ اللهِ أَحْمَرُ كَأَنَّهُ مِنَ الْمَوَالِي فَدَعَاهُ لِلطَّعَامِ فَقَالَ: إِنِّي رَأَيْتُهُ يَأْكُلُ شَيْئًا فَقَذِرْتُهُ فَحَلَفْتُ أَنْ لَّا آكُلَ، فَقَالَ: هَلُمَّ فَلْأُحَدِّثْكُمْ عَنْ ذٰلِكَ، إِنِّي أَتَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ فِي نَفَرٍ مِّنَ الْأَشْعَرِيِّينَ نَسْتَحْمِلُهُ فَقَالَ: وَاللهِ لَا أَحْمِلُكُمْ وَمَا عِنْدِي مَا أَحْمِلُكُمْ، وَأُتِيَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بِنَهْبِ إِبِلٍ فَسَأَلَ عَنَّا فَقَالَ: أَيْنَ النَّفَرُ الْأَشْعَرِيُّونَ؟ فَأَمَرَ لَنَا بِخَمْسِ ذَوْدٍ غُرِّ الذُّرٰى، فَلَمَّا انْطَلَقْنَا قُلْنَا: مَا صَنَعْنَا لَا يُبَارَكُ لَنَا، فَرَجَعْنَا إِلَيْهِ فَقُلْنَا: إِنَّا سَأَلْنَاكَ أَنْ تَحْمِلَنَا فَحَلَفْتَ أَنْ لَّا تَحْمِلَنَا، أَفَنَسِيتَ؟ قَالَ: «لَسْتُ أَنَا حَمَلْتُكُمْ، وَلٰكِنَّ اللهَ حَمَلَكُمْ، وَإِنِّي وَاللهِ إِنْ شَاءَ اللهُ لَا أَحْلِفُ عَلٰى يَمِينٍ فَأَرٰى غَيْرَهَا خَيْرًا مِّنْهَا إِلَّا أَتَيْتُ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ وَّتَحَلَّلْتُهَا». [انظر: ٤٣٨٥، ٤٤١٥، ٥٥١٧، ٥٥١٨، ٦٦٢٣، ٦٦٤٩، ٦٦٧٨، ٦٦٨٠، ٦٧١٨، ٦٧١٩، ٦٧٢١، ٧٥٥٥]

نے مرغی کو ایک مرتبہ گندی چیزیں کھاتے دیکھا تو مجھے انتہائی نفرت ہوئی اور میں نے قسم اٹھائی کہ آئندہ کبھی مرغی کا گوشت نہیں کھاؤں گا۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے کہا: میرے قریب آ جا میں تجھے اس کے متعلق ایک حدیث بیان کرتا ہوں: میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اشعر قبیلے کے چند لوگوں کے ہمراہ حاضر ہوا اور سواری کی درخواست کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! تمھارے لیے سواری کا بندوبست نہیں کر سکتا کیونکہ میرے پاس کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو تمھاری سواری کے کام آ سکے۔'' اس دوران میں رسول اللہ ﷺ کے پاس غنیمت کے کچھ اونٹ آئے تو آپ نے ہمارے متعلق دریافت فرمایا: ''قبیلۂ اشعر کے لوگ کہاں ہیں؟'' الغرض آپ ﷺ نے ہمیں سفید کوہانوں والے موٹے تازے پانچ اونٹ دینے کا حکم دیا۔ جب ہم وہاں سے چلے تو آپس میں کہنے لگے: ہم نے یہ کیا طریقہ اختیار کیا؟ یہ طریقہ ہمارے لیے باعث برکت نہیں ہوگا، چنانچہ ہم لوٹ کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: ہم نے آپ سے سواریوں کے متعلق درخواست گزاری تھی تو آپ نے قسم اٹھا کر فرمایا تھا کہ میں تمھاری سواری کا انتظام نہیں کر سکوں گا۔ شاید آپ کو وہ قسم یاد نہ رہی ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''واقعی میں نے تمھارے لیے سواری کا انتظام نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے تمھیں یہ سواریاں دی ہیں۔ اللہ کی قسم! بلاشبہ اگر اللہ چاہے تو میں کسی بات پر قسم نہیں اٹھاتا، تاہم (اگر قسم اٹھا لوں اور) قسم اٹھانے کے بعد مجھ پر یہ بات ظاہر ہو جائے کہ مناسب طرز عمل اس قسم کے سوا میں ہے تو میں وہی کروں گا جس میں اچھائی ہوگی اور قسم کا کفارہ دے دوں گا۔''

فوائد و مسائل: ① حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا مطلب تھا کہ مرغی نہ کھانے کی قسم اٹھانا اچھا نہیں کیونکہ مرغی حلال جانور

ہے اسے کھاؤ اور اپنی قسم کا کفارہ دے دو۔ ② اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کسی نے کام کرنے یا نہ کرنے کی قسم اٹھائی، حالانکہ اس کے لیے قسم توڑنا اس پر قائم رہنے سے بہتر ہے تو اس قسم کو توڑ دیا جائے اور ایسی قسم کا کفارہ لازم ہے۔ ③ امام بخاری ؒ کا مقصد یہ ہے کہ خمس مسلمانوں کی ضروریات کے لیے ہوتا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے پاس جو اونٹ آئے تھے وہ مال خمس سے تھے اور رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کی ضروریات کے لیے انھیں دے دیے۔ مال غنیمت تو مجاہدین میں تقسیم ہو گیا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں خمس بھیجا گیا جو آپ نے اپنی صوابدید کے مطابق صرف کیا۔ واللہ أعلم.

٣١٣٤ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ بَعَثَ سَرِيَّةً فِيهَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ قِبَلَ نَجْدٍ فَغَنِمُوا إِبِلًا كَثِيرَةً، فَكَانَتْ سُهْمَانُهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ بَعِيرًا أَوْ أَحَدَ عَشَرَ بَعِيرًا وَنُفِّلُوا بَعِيرًا بَعِيرًا». [انظر: ٤٣٣٨]

[3134] حضرت ابن عمر ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نجد کی طرف ایک فوجی دستہ بھیجا جس میں حضرت عبداللہ بن عمر ؓ بھی شامل تھے۔ انھیں بہت سے اونٹ بطور غنیمت ملے۔ انھیں تقسیم کیا گیا تو ہر سپاہی کے حصے میں بارہ بارہ یا گیارہ گیارہ اونٹ آئے اور ایک ایک اونٹ انھیں مزید انعام میں دیا گیا۔

٣١٣٥ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ: أَخْبَرَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَالِمٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ يُنَفِّلُ بَعْضَ مَنْ يَبْعَثُ مِنَ السَّرَايَا لِأَنْفُسِهِمْ خَاصَّةً سِوَى قَسْمِ عَامَّةِ الْجَيْشِ.

[3135] حضرت ابن عمر ؓ ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کوئی چھوٹا لشکر بھیجتے تو بعض خاص آدمیوں کو عام لشکریوں کے حصے سے زیادہ حصہ دیا کرتے تھے۔

فوائد و مسائل: ① شرعی اصطلاح میں ''نفل'' اس عطیے کو کہتے ہیں جو امام ایسے شخص کو دیتا ہے جس نے جنگ میں کوئی کارنامہ دکھایا ہو۔ ② پہلی حدیث سے معلوم ہوا کہ غنیمت کے مال سے حصے کے علاوہ نفل دینا جائز ہے کیونکہ اس میں صراحت ہے کہ مجاہدین کو مال غنیمت کے حصے کے علاوہ مزید ایک ایک اونٹ بطور انعام دیا گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس تقسیم پر کوئی انکار نہیں فرمایا۔ ③ دوسری حدیث کے مطابق کچھ مجاہدین کو ان کی اچھی کارکردگی کی بنا پر دوسروں سے زیادہ حصہ بھی دیا جا سکتا ہے، البتہ یہ اضافی حصہ خمس سے دیا جائے گا۔[1] ④ امام بخاری ؒ کا مقصد یہ ہے کہ امام مال خمس کو اپنی صوابدید کے مطابق تقسیم کرنے کا مجاز ہے۔ وہ کسی کو نمایاں خدمات کی وجہ سے زیادہ بھی دے سکتا ہے۔ واللہ أعلم.

٣١٣٦ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ: حَدَّثَنَا بُرَيْدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ عَنْ أَبِي بُرْدَةَ،

[3136] حضرت ابوموسیٰ اشعری ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ ہمیں نبی ﷺ کے ہجرت کرنے کی خبر

1 عمدة القاري: 404/10.

عَنْ أَبِي مُوسَى رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: بَلَغَنَا مَخْرَجُ النَّبِيِّ ﷺ وَنَحْنُ بِالْيَمَنِ، فَخَرَجْنَا مُهَاجِرِينَ إِلَيْهِ - أَنَا وَأَخَوَانِ لِي أَنَا أَصْغَرُهُمْ: أَحَدُهُمَا أَبُو بُرْدَةَ وَالْآخَرُ أَبُو رُهْمٍ - إِمَّا قَالَ: فِي بِضْعٍ، وَإِمَّا قَالَ: فِي ثَلَاثَةٍ وَخَمْسِينَ أَوِ اثْنَيْنِ وَخَمْسِينَ رَجُلًا مِّنْ قَوْمِي، فَرَكِبْنَا سَفِينَةً، فَأَلْقَتْنَا سَفِينَتُنَا إِلَى النَّجَاشِيِّ بِالْحَبَشَةِ، وَوَافَقْنَا جَعْفَرَ بْنَ أَبِي طَالِبٍ وَّأَصْحَابَهُ عِنْدَهُ، فَقَالَ جَعْفَرٌ: إِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ بَعَثَنَا هَاهُنَا، وَأَمَرَنَا بِالْإِقَامَةِ، فَأَقِيمُوا مَعَنَا، فَأَقَمْنَا مَعَهُ حَتَّى قَدِمْنَا جَمِيعًا فَوَافَقْنَا النَّبِيَّ ﷺ حِينَ افْتَتَحَ خَيْبَرَ، فَأَسْهَمَ لَنَا - أَوْ قَالَ: فَأَعْطَانَا - مِنْهَا، وَمَا قَسَمَ لِأَحَدٍ غَابَ عَنْ فَتْحِ خَيْبَرَ مِنْهَا شَيْئًا إِلَّا لِمَنْ شَهِدَ مَعَهُ، إِلَّا أَصْحَابَ سَفِينَتِنَا مَعَ جَعْفَرٍ وَّأَصْحَابِهِ، قَسَمَ لَهُمْ مَّعَهُمْ. [انظر: ٣٨٧٦، ٤٢٣٠، ٤٢٣٣]

اس وقت پہنچی جب ہم یمن میں تھے، اس لیے ہم بھی مہاجرین کی حیثیت سے آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے روانہ ہوئے۔ میں تھا اور میرے دو بڑے بھائی: ان میں سے ایک ابوبردہ اور دوسرا ابورُہم تھا۔ ہماری قوم کے باون یا ترپن افراد تھے۔ ہم کشتی میں سوار ہوئے جس نے ہمیں نجاشی بادشاہ کے پاس حبشہ پہنچا دیا۔ وہاں اتفاقاً ہماری ملاقات حضرت جعفر بن ابی طالب ؓ اور ان کے ساتھیوں سے ہوگئی۔ حضرت جعفر ؓ نے ہم سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں یہاں بھیجا ہے اور یہاں رہنے کا حکم دیا ہے، لہٰذا تم بھی ہمارے ساتھ رہو، چنانچہ ہم بھی وہاں ان کے ساتھ مقیم ہوگئے یہاں تک کہ ہم سب اکٹھے مدینہ طیبہ آئے۔ ہماری ملاقات نبی ﷺ سے اس وقت ہوئی جب آپ خیبر فتح کر چکے تھے۔ آپ ﷺ نے مال غنیمت سے ہمارا حصہ مقرر فرمایا یا ہمیں اس میں سے کچھ عطا کیا۔ آپ نے کسی اور کو غنیمت سے کچھ نہ دیا جو فتح خیبر سے غائب تھا۔ صرف انھی لوگوں کو حصہ دیا جو آپ کے ساتھ تھے مگر حضرت جعفر ؓ اور ان کے ساتھیوں سمیت ہم کشتی والوں کو مال غنیمت سے حصہ عطا فرمایا۔

فائدہ: حضرت ابوموسیٰ اشعری ؓ اور آپ کے ساتھیوں، نیز حضرت جعفر ؓ کے ہمراہ آنے والوں کو جو مال غنیمت سے حصہ دیا گیا اس کی مختلف توجیہات علمائے امت نے بیان کی ہیں جس کی تفصیل حسب ذیل ہے: * رسول اللہ ﷺ نے غنیمت سے باضابطہ حصہ پانے والوں کو اعتماد میں لے کر انھیں حصہ دیا تھا جیسا کہ قبیلۂ ہوازن کے لوگوں کو دیا تھا اور اپنے صحابہ کو راضی کر لیا تھا۔ * رسول اللہ ﷺ نے اس مال سے انھیں حصہ دیا تھا جو جنگ کے بغیر حاصل ہوا کیونکہ سارا خیبر بزور فتح نہیں ہوا تھا بلکہ کچھ علاقے صلح سے زیرنگین ہوگئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان حضرات کو مال خمس سے حصہ دیا کیونکہ یہ منقول نہیں کہ آپ نے غزوۂ خیبر میں شرکت کرنے والوں سے اجازت مانگی ہو۔ امام بخاری ؒ کا رجحان بھی یہی معلوم ہوتا ہے کیونکہ انھوں نے اپنے قائم کردہ عنوان کے تحت اس حدیث کو ذکر کیا ہے۔ واللہ أعلم.

٣١٣٧ - حَدَّثَنَا عَلِيٌّ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ: حَدَّثَنَا

[3137] حضرت جابر ؓ سے روایت ہے، انھوں نے

مُحَمَّدُ بْنُ الْمُنْكَدِرِ: سَمِعَ جَابِرًا رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَوْ قَدْ جَاءَنَا مَالُ الْبَحْرَيْنِ لَقَدْ أَعْطَيْتُكَ هٰكَذَا وَهٰكَذَا وَهٰكَذَا»، فَلَمْ يَجِئْ حَتّٰى قُبِضَ النَّبِيُّ ﷺ فَلَمَّا جَاءَ مَالُ الْبَحْرَيْنِ أَمَرَ أَبُو بَكْرٍ مُّنَادِيًا فَنَادٰى: مَنْ كَانَ لَهُ عِنْدَ رَسُولِ اللهِ ﷺ دَيْنٌ أَوْ عِدَةٌ فَلْيَأْتِنَا، فَأَتَيْتُهُ فَقُلْتُ: إِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ لِي كَذَا وَكَذَا، فَحَثَا لِي ثَلَاثًا، وَجَعَلَ سُفْيَانُ يَحْثُو بِكَفَّيْهِ جَمِيعًا، ثُمَّ قَالَ لَنَا: هٰكَذَا، قَالَ لَنَا ابْنُ الْمُنْكَدِرِ. وَقَالَ مَرَّةً: فَأَتَيْتُ أَبَا بَكْرٍ فَسَأَلْتُ فَلَمْ يُعْطِنِي، ثُمَّ أَتَيْتُهُ فَلَمْ يُعْطِنِي، ثُمَّ أَتَيْتُهُ الثَّالِثَةَ فَقُلْتُ: سَأَلْتُكَ فَلَمْ تُعْطِنِي، ثُمَّ سَأَلْتُكَ فَلَمْ تُعْطِنِي، ثُمَّ سَأَلْتُكَ فَلَمْ تُعْطِنِي، فَإِمَّا أَنْ تُعْطِيَنِي، وَإِمَّا أَنْ تَبْخَلَ عَنِّي، قَالَ: قُلْتَ: تَبْخَلُ عَلَيَّ، مَا مَنَعْتُكَ مِنْ مَرَّةٍ إِلَّا وَأَنَا أُرِيدُ أَنْ أُعْطِيَكَ.

کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر ہمارے پاس بحرین سے مال آیا تو میں تجھے اتنا، اتنا، اتنا دوں گا۔'' نبی ﷺ کی وفات تک وہ مال نہ آیا۔ بعدازاں جب وہاں سے مال آیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے منادی کو حکم دیا کہ وہ اعلان کردے: جس شخص کا رسول اللہ ﷺ پر قرض ہو یا آپ نے کسی سے وعدہ کیا ہو وہ ہمارے پاس آئے ہم اسے مال ادا کریں گے۔ میں نے عرض کیا: مجھے رسول اللہ ﷺ نے اتنا، اتنا دینے کا وعدہ کیا تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھے تین لپ بھر کر دیں۔ (راویٔ حدیث) حضرت سفیان نے اپنی دونوں ہتھیلیوں کو جمع کر کے لپ بھرے پھر فرمایا کہ اس طرح دیا۔ ابن منکدر اپنی سند کے ساتھ یوں بیان کرتے ہیں کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور ان سے طلب کیا تو آپ نے نہ دیا۔ پھر آ کر سوال کیا تو انھوں نے پھر کچھ نہ دیا۔ پھر درخواست کی لیکن انھوں نے پھر بھی کچھ نہ دیا۔ (بالآخر میں نے کہا) اب آپ مجھے کچھ دیں یا آپ میرے متعلق بخل سے کام لیتے ہیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم مجھ پر بخل کا الزام دھرتے ہو، حالانکہ میں نے ایک بار بھی انکار نہیں کیا۔ میرے دل میں یہ بات تھی کہ تمھیں کبھی نہ کبھی دینا ضرور ہے۔

قَالَ سُفْيَانُ: وَحَدَّثَنَا عَمْرٌو عَنْ مُّحَمَّدِ بْنِ عَلِيٍّ، عَنْ جَابِرٍ: فَحَثٰى لِي حَثْيَةً وَّقَالَ: عُدَّهَا، فَوَجَدْتُهَا خَمْسَمِائَةٍ. قَالَ: فَخُذْ مِثْلَهَا مَرَّتَيْنِ.

ایک دوسری روایت کے مطابق حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھے ایک لپ بھر کر دی اور فرمایا کہ اسے شمار کرو۔ میں نے شمار کیا تو پانچ سو کی تعداد تھی۔ اس کے بعد فرمایا: اتنی ہی مقدار دو مرتبہ اور لے لو۔

وَقَالَ: يَعْنِي ابْنَ الْمُنْكَدِرِ: وَأَيُّ دَاءٍ أَدْوٰى مِنَ الْبُخْلِ. [راجع: ۲۲۹٦]

ابن منکدر ایک روایت میں بیان کرتے ہیں کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ بھی فرمایا تھا: بخل سے زیادہ سنگین بیماری اور کیا ہو سکتی ہے۔

فوائد و مسائل: ① ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے تین مرتبہ فرمایا: بخل سے زیادہ سنگین بیماری اور کون سی ہوسکتی ہے۔[1] حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا مطالبہ درج ذیل وجوہات کی بنا پر فوری طور پر پورا نہ کیا: * آپ اس وقت کسی اہم کام میں مصروف تھے۔ لوگوں کا ہجوم تھا، اندیشہ تھا کہ لوگ دیکھا دیکھی اس طرح کے مطالبے کرنے لگیں گے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ میں مانگنے کی حرص کا سدباب مقصود تھا۔[2] ② صحیح بخاری کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ بحرین سے جزیے کا مال آتا تھا۔[3] ③ امام بخاری رحمہ اللہ کا موقف یہ معلوم ہوتا ہے کہ جزیے کا بھی وہی مصرف ہے جو مال خمس کا ہے۔ امام اپنی صوابدید کے مطابق اسے خرچ کرنے کا مجاز ہے۔[4]

٣١٣٨ - حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ: حَدَّثَنَا قُرَّةُ ابْنُ خَالِدٍ: حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: بَيْنَمَا رَسُولُ اللهِ ﷺ يَقْسِمُ غَنِيمَةً بِالْجِعْرَانَةِ إِذْ قَالَ لَهُ رَجُلٌ: اِعْدِلْ، قَالَ: «لَقَدْ شَقِيتُ إِنْ لَّمْ أَعْدِلْ».

[3138] حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما ہی سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ جعرانہ میں مال غنیمت تقسیم کر رہے تھے کہ اس دوران میں ایک شخص نے آپ ﷺ سے کہا: آپ ذرا انصاف سے کام لیں۔ آپ نے فرمایا: ''اگر میں عدل سے تقسیم نہ کروں تو بدبخت ہو جاؤں۔''

فوائد و مسائل: ① حدیث کے آخری حصے کے یہ معنی بھی بیان کیے گئے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بدبخت! اگر میں عدل نہ کروں تو اور کون عدل کرے گا۔'' امام نووی رحمہ اللہ نے اس معنی کو راجح قرار دیا ہے۔[5] چونکہ رسول اللہ ﷺ کو اپنی صوابدید کے مطابق مال خمس تقسیم کرنے کا اختیار تھا اور آپ نے کسی کو اس کی نمایاں خدمات کی وجہ سے زیادہ دیا ہوگا تبھی تو اعتراض کرنے والے نے رسول اللہ ﷺ پر بے انصافی کا الزام لگایا جو مبنی برحقیقت نہیں تھا۔ ② بہرحال امام بخاری رحمہ اللہ کا موقف ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے بعد آنے والے حکمرانوں کو غنیمت، فے، جزیے اور مال خمس وغیرہ میں صوابدیدی اختیارات حاصل ہیں، آپ جنھیں چاہیں دیں اور جنھیں چاہیں نہ دیں۔ واللہ أعلم۔

(١٦) بَابُ مَا مَنَّ النَّبِيُّ ﷺ عَلَى الْأَسَارٰى مِنْ غَيْرِ أَنْ يُخَمِّسَ

باب: 16- نبی ﷺ کا خمس لیے بغیر قیدیوں پر احسان کرنا

٣١٣٩ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ

[3139] حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے اسیران بدر کے متعلق فرمایا تھا: ''اگر مطعم بن عدی زندہ ہوتا اور وہ ان نجس اور گندے لوگوں کی سفارش

① صحيح البخاري، المغازي، حديث: 4383. ② فتح الباري: 291/6. ③ صحيح البخاري، الجزية، حديث: 3158.
④ فتح الباري: 291/6. ⑤ فتح الباري: 291/6.

النَّبِيَّ ﷺ قَالَ فِي أُسَارٰى بَدْرٍ: لَوْ كَانَ الْمُطْعِمُ بْنُ عَدِيٍّ حَيًّا ثُمَّ كَلَّمَنِي فِي هٰؤُلَاءِ النَّتْنٰى لَتَرَكْتُهُمْ لَهُ. [انظر: ٤٠٢٤]

کرتا تو میں اس کی سفارش سے انھیں چھوڑ دیتا۔“

فوائد و مسائل: ① مطعم بن عدی وہ شخص ہے جس نے قریش کے اس معاہدے کو ختم کرانے کے لیے اہم کردار ادا کیا تھا جو بنو ہاشم اور بنو مطلب سے بائیکاٹ کے متعلق تھا، نیز اس نے رسول اللہ ﷺ کو طائف سے واپسی کے وقت اپنے ہاں پناہ دی تھی۔ رسول اللہ ﷺ اسے بدلہ دینا چاہتے تھے۔ ② اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امام کو مال غنیمت اور خمس کے متعلق کلی اختیار ہے۔ وہ قیدیوں کو معاوضے کے بغیر بھی رہا کر سکتا ہے۔ ان پر یہ احسان کرنا امام کی صوابدید پر موقوف ہے۔ ③ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ غنیمت کی تقسیم سے قبل مجاہدین کی ملکیت ثابت نہیں ہوتی، البتہ ان کی تقسیم کے بعد ان کا مالک ہونا صحیح قرار پاتا ہے۔ اگر قبل از تقسیم مجاہدین مالک ہو جائیں تو غنیمت میں وہ لوگ جو مجاہدین میں سے کسی کے باپ یا بھائی وغیرہ ہوں تو ان کا آزاد ہونا لازم ہوگا، حالانکہ ایسا نہیں ہوتا۔ معلوم ہوا کہ مجاہدین تقسیم سے پہلے مال غنیمت کے مالک نہیں ہوتے۔ بہر حال امام کو مال غنیمت اور خمس میں پورا پورا اختیار حاصل ہوتا ہے، وہ تقسیم سے پہلے اسے اپنی صوابدید پر خرچ کر سکتا ہے۔ واللّٰه أعلم.

(١٧) بَابٌ: وَمِنَ الدَّلِيلِ عَلٰى أَنَّ الْخُمُسَ لِلْإِمَامِ، وَأَنَّهُ يُعْطِي بَعْضَ قَرَابَتِهِ دُونَ بَعْضٍ

باب: 17- اس امر پر دلیل کہ مال خمس امام کا حق ہے، (اور اس پر دلیل کہ) وہ اپنے کچھ رشتہ داروں کو دے اور کچھ کو نظر انداز کر دے

مَا قَسَمَ النَّبِيُّ ﷺ لِبَنِي الْمُطَّلِبِ وَبَنِي هَاشِمٍ مِّنْ خُمُسِ خَيْبَرَ، وَقَالَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ: لَمْ يَعُمَّهُمْ بِذٰلِكَ، وَلَمْ يَخُصَّ قَرِيبًا دُونَ مَنْ أَحْوَجُ إِلَيْهِ، وَإِنْ كَانَ الَّذِي أَعْطٰى لِمَا يَشْكُو إِلَيْهِ مِنَ الْحَاجَةِ، وَلِمَا مَسَّتْهُمْ فِي جَنْبِهِ، مِنْ قَوْمِهِمْ وَحُلَفَائِهِمْ.

اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ نے خمس خیبر سے بنو مطلب اور بنو ہاشم کو دیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز ؒ نے فرمایا: آپ ﷺ نے تمام رشتہ داروں کو نہیں دیا اور اس کی بھی رعایت نہیں کی کہ جو قریبی رشتہ دار ہو اسی کو دیں بلکہ جو زیادہ محتاج ہوتا آپ اسی کو دیتے (خواہ وہ رشتے میں دور ہی کیوں نہ ہوتا)۔ آپ ﷺ نے جن لوگوں کو دیا وہ یہی دیکھ کر کہ وہ ضرورت مند ہونے کا آپ سے شکوہ کرتے تھے اور اس امر کو بھی پیش نظر رکھا کہ آپ کی جانبداری اور طرف داری میں انھیں اپنی قوم اور ان کے حلیفوں کی طرف سے نقصان پہنچا تھا۔

٣١٤٠ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: حَدَّثَنَا

[3140] حضرت جبیر بن مطعم ؓ سے روایت ہے،

اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنِ ابْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ قَالَ: مَشَيْتُ أَنَا وَعُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقُلْنَا: يَا رَسُولَ اللهِ! أَعْطَيْتَ بَنِي الْمُطَّلِبِ وَتَرَكْتَنَا، وَنَحْنُ وَهُمْ مِنْكَ بِمَنْزِلَةٍ وَاحِدَةٍ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِنَّمَا بَنُو الْمُطَّلِبِ وَبَنُو هَاشِمٍ شَيْءٌ وَاحِدٌ».

انھوں نے کہا کہ میں اور حضرت عثمان بن عفان ؓ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ہم نے عرض کیا: اللہ کے رسول! آپ نے بنومطلب کو تو مال دیا ہے لیکن ہمیں نظرانداز کردیا ہے، حالانکہ ہم اور وہ آپ سے ایک ہی درجے کی قرابت رکھتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بنومطلب اور بنوہاشم تو ایک ہی چیز ہیں۔''

قَالَ اللَّيْثُ: حَدَّثَنِي يُونُسُ، وَزَادَ: قَالَ جُبَيْرٌ: وَلَمْ يَقْسِمِ النَّبِيُّ ﷺ لِبَنِي عَبْدِ شَمْسٍ وَلَا لِبَنِي نَوْفَلٍ.

ایک روایت میں یہ اضافہ ہے حضرت جبیر بن مطعم ؓ نے کہا کہ نبی ﷺ نے بنوشمس اور بنونوفل کو نہیں دیا تھا۔

وَقَالَ ابْنُ إِسْحَاقَ: عَبْدُ شَمْسٍ وَهَاشِمٌ وَالْمُطَّلِبُ إِخْوَةٌ لِأُمٍّ، وَأُمُّهُمْ عَاتِكَةُ بِنْتُ مُرَّةَ، وَكَانَ نَوْفَلٌ أَخَاهُمْ لِأَبِيهِمْ. [انظر: ٣٥٠٢، ٤٢٢٩]

ابن اسحاق کا کہنا ہے کہ عبدشمس، ہاشم اور مطلب ایک ماں سے تھے۔ ان کی والدہ کا نام عاتکہ بنت مرہ تھا اور نوفل صرف باپ کی طرف سے ان کے بھائی تھے (ان کی ماں دوسری تھی)۔

فوائد و مسائل: ① عبدمناف کے چار بیٹے تھے، جو ہاشم، مطلب، عبدشمس اور نوفل کے نام سے مشہور ہوئے۔ یہ چاروں بھائی اپنے والد کے بعد اپنی قوم کے سردار تھے اور قریش کے امور یہی سرانجام دیتے تھے۔ انھوں نے اپنی تجارت کے فروغ کے لیے دوسرے ممالک کے بادشاہوں سے امن حاصل کر رکھا تھا، چنانچہ ہاشم نے شام اور روم، مطلب نے حمیر، عبدشمس نے حبشہ اور نوفل نے ایران کے بادشاہوں سے تجارت کے لیے اجازت لے رکھی تھی۔ ② بنومطلب دور جاہلیت اور دور اسلام میں بنوہاشم سے متعلق رہے اور رسول اللہ ﷺ سے ہمدردی میں پیش پیش تھے۔ بنابریں جب قریش نے بائیکاٹ کی دستاویز تیار کی تو اس میں بنوہاشم اور بنومطلب کو بطور خاص ذکر کیا۔ بنوشمس اور بنونوفل کو اس بائیکاٹ سے باہر رکھا، یعنی شعب ابی طالب میں بنوہاشم اور بنومطلب ہی محصور رہے۔ بنوشمس اور بنونوفل اگرچہ رسول اللہ ﷺ کے جدامجد کے چچا کی اولاد ہیں لیکن انھوں نے کسی بھی موقع پر آپ کا ساتھ نہیں دیا بلکہ وہ آپ سے جنگ و قتال کرتے رہے اور دوسرے قبائل کو بھی آپ سے لڑائی پر آمادہ کرتے رہے، اس کے برعکس ہاشم اور مطلب میں بہت الفت تھی جس کا اثر ان کی اولاد میں بھی تھا۔ جاہلیت اور اسلام کے دور میں ان کی باہمی الفت کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے انھیں شے واحد (ایک ہی چیز) قرار دیا تھا۔ ③ امام بخاری ؒ نے ابن اسحاق کے حوالے سے اس اثر پر تنبیہ کی ہے کہ اگر یہ تقسیم قرابت کی وجہ سے ہوتی تو بنوہاشم اور بنوشمس مساوی تھے۔ اس بنا پر بنوشمس کو ضرور حصہ ملنا چاہیے تھا لیکن یہ عطیہ کسی اور وجہ سے تھا، اس میں قرابت داری کا لحاظ نہیں رکھا گیا۔ واضح رہے کہ ہاشم، مطلب، عبدشمس اور

نوفل کا باپ ایک اور مائیں مختلف تھیں کیونکہ نوفل واقدہ بنت عدی کے بطن سے ہے اور باقی تینوں کی ماں عاتکہ بنت مرہ ہے۔ ان چاروں کا باپ "مناف" ایک ہے۔ حضرت عثمان ؓ عبد شمس کی اولاد سے ہیں اور حضرت جبیر ؓ کا تعلق نوفل سے ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے خمس خیبر سے بنو مطلب اور بنو ہاشم کو دیا کیونکہ انھوں نے ہر وقت آپ کا ساتھ دیا اور انھیں اس ہمدردی کی وجہ سے اپنے ہی رشتے داروں (قریش) سے بہت نقصان اٹھانا پڑا۔ بنو شمس اور بنو نوفل کو کچھ نہ دیا کیونکہ انھوں نے ہر موقع پر رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کی تھی اور اہل اسلام کو نقصان پہنچانے کے لیے کوشاں رہے تھے۔

(١٨) بَابُ مَنْ لَمْ يُخَمِّسِ الْأَسْلَابَ

وَمَنْ قَتَلَ قَتِيلًا فَلَهُ سَلَبُهُ مِنْ غَيْرِ أَنْ يُخَمَّسَ، وَحُكْمِ الْإِمَامِ فِيهِ.

باب: 18- جس نے مقتول کافر کے سامان سے خمس نہیں لیا

جس مسلمان نے کسی کافر کو قتل کیا، وہ اس کے ساز و سامان کا خمس نکالے بغیر ہی مالک ہے۔ مقتول کافر کے سامان کے متعلق امام کا حکم کیا درجہ رکھتا ہے۔ اس کی وضاحت مقصود ہے۔

٣١٤١ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا يُوسُفُ بْنُ الْمَاجِشُونِ عَنْ صَالِحِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ قَالَ: بَيْنَا أَنَا وَاقِفٌ فِي الصَّفِّ يَوْمَ بَدْرٍ فَنَظَرْتُ عَنْ يَمِينِي وَشِمَالِي فَإِذَا أَنَا بِغُلَامَيْنِ مِنَ الْأَنْصَارِ حَدِيثَةٍ أَسْنَانُهُمَا تَمَنَّيْتُ أَنْ أَكُونَ بَيْنَ أَضْلَعَ مِنْهُمَا فَغَمَزَنِي أَحَدُهُمَا فَقَالَ: يَا عَمِّ!، هَلْ تَعْرِفُ أَبَا جَهْلٍ؟ قُلْتُ: نَعَمْ، مَا حَاجَتُكَ إِلَيْهِ يَا ابْنَ أَخِي؟ قَالَ: أُخْبِرْتُ أَنَّهُ يَسُبُّ رَسُولَ اللهِ ﷺ، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَئِنْ رَأَيْتُهُ لَا يُفَارِقُ سَوَادِي سَوَادَهُ حَتّٰى يَمُوتَ الْأَعْجَلُ مِنَّا، فَتَعَجَّبْتُ لِذٰلِكَ فَغَمَزَنِي الْآخَرُ، فَقَالَ لِي مِثْلَهَا، فَلَمْ أَنْشَبْ أَنْ نَظَرْتُ إِلَى أَبِي جَهْلٍ يَجُولُ فِي النَّاسِ، فَقُلْتُ: أَلَا إِنَّ هٰذَا

[3141] حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں بدر کی لڑائی کے وقت صف بندی میں کھڑا تھا۔ اس دوران میں نے اپنے دائیں بائیں دیکھا تو دو انصاری کم سن لڑکے دکھائی دیے۔ میں نے (دل میں) خواہش کی کہ کاش! میں دو طاقتور اور ان سے زیادہ عمر والوں کے درمیان کھڑا ہوتا۔ اچانک ان میں سے ایک نے میری طرف اشارہ کر کے آہستہ آواز سے پوچھا: اے چچا! تم ابوجہل کو پہچانتے ہو؟ میں نے کہا: ہاں۔ لیکن اے بھتیجے! تجھے اس سے کیا کام ہے؟ لڑکے نے جواب دیا: مجھے معلوم ہوا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو گالیاں دیتا ہے۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر وہ مجھے مل جائے تو اس وقت تک میں اس سے جدا نہ ہوں گا جب تک ہم میں سے وہ جس کی قسمت میں پہلے مرنا ہوگا، مر نہ جائے۔ میں نے اس کی جرأت پر بڑا تعجب کیا۔ اتنے میں مجھ سے

صَاحِبُكُمَا الَّذِي سَأَلْتُمَانِي، فَابْتَدَرَاهُ بِسَيْفَيْهِمَا، فَضَرَبَاهُ حَتّٰى قَتَلَاهُ، ثُمَّ انْصَرَفَا إِلٰى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَأَخْبَرَاهُ فَقَالَ: «أَيُّكُمَا قَتَلَهُ؟» قَالَ كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا: أَنَا قَتَلْتُهُ. فَقَالَ: «هَلْ مَسَحْتُمَا سَيْفَيْكُمَا؟» قَالَا: لَا، فَنَظَرَ فِي السَّيْفَيْنِ فَقَالَ: «كِلَاكُمَا قَتَلَهُ» سَلَبُهُ لِمُعَاذِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْجَمُوحِ وَكَانَا مُعَاذَ بْنَ عَفْرَاءَ وَمُعَاذَ ابْنَ عَمْرِو بْنِ الْجَمُوحِ.

دوسرے نے آہستگی سے دریافت کیا اور اس نے بھی وہی کہا جو پہلے نے کہا تھا۔ ابھی چند منٹ ہی گزرے تھے کہ مجھے ابوجہل دکھائی دیا جو لوگوں میں ٹہل رہا تھا۔ میں نے (ان دونوں سے) کہا: سنو! وہ ہے جس کے متعلق تم مجھ سے پوچھ رہے تھے۔ یہ سنتے ہی انھوں نے تلواریں سنبھالیں اور اس پر جھپٹ پڑے۔ پھر زبردست حملہ کر کے اسے قتل کر دیا۔ اس کے بعد وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو اس کی خبر دی۔ آپ نے دریافت فرمایا: ”تم میں سے اسے کس نے قتل کیا ہے؟“ ان میں سے ہر ایک نے جواب دیا کہ میں نے اس لعین کو مارا ہے۔ پھر آپ نے پوچھا: ”کیا تم نے اپنی تلواریں صاف کر لی ہیں؟“ انھوں نے کہا: نہیں۔ پھر آپ نے دونوں تلواروں کو دیکھا اور فرمایا: ”واقعی تم دونوں نے اسے قتل کیا ہے۔“ اس کا تمام سامان معاذ بن عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ کو دیا۔ وہ دونوں لڑکے معاذ بن عفراء اور معاذ بن عمرو بن جموح رضی اللہ عنہما تھے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ: سَمِعَ يُوسُفُ صَالِحًا وَّسَمِعَ إِبْرَاهِيمُ أَبَاهُ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ عَوْفٍ [انظر: ٣٩٦٤، ٣٩٨٨]

(راویٔ حدیث) محمد نے کہا کہ یوسف نے صالح سے اور ابراہیم نے اپنے باپ عبدالرحمٰن بن عوف سے سنا ہے۔

فوائد و مسائل: ① حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے دل میں خیال آیا کہ یہ دونوں بچے ناتجربہ کار ہیں، معلوم نہیں کہ جنگ کے وقت ٹھہر سکیں یا نہیں۔ اگر بھاگ کھڑے ہوئے تو نہ معلوم اس وقت میرے دل کی کیا کیفیت ہو۔ لیکن ان کے دلوں میں ایمان کا جوش تھا کہ ماریں تو کسی بڑے موذی کو ماریں۔ بہرحال وہ اپنے منصوبے میں کامیاب ہوئے ...... رضی اللہ عنہما ...... ② کافر مقتول کا زیر استعمال ساز و سامان سلب کہلاتا ہے جس کے بارے میں اختلاف ہے کہ اس سے خمس نکالا جائے گا یا نہیں؟ امام بخاری رحمہ اللہ کا رجحان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابوجہل کے ساز و سامان سے کوئی خمس وغیرہ نہیں لیا بلکہ پورے کا پورا قاتل کے حوالے کر دیا، اس لیے اس میں خمس نہیں ہوگا۔ دوسرا مختلف فیہ مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی کافر کے قتل میں ایک سے زیادہ افراد شریک ہوں تو اس کا کیا کیا جائے؟ نیز خلیفہ یا کمانڈر کو اس بارے میں تصرف کا حق حاصل ہے کہ نہیں؟ اگر کسی کافر کے قتل میں دو مسلمان برابر کے شریک ہوں تو بالاتفاق سلب ان دونوں میں برابر برابر تقسیم ہوگا۔ اور اگر قرائن سے یہ ثابت ہو جائے کہ اصل قاتل

فلاں ہے باقی معاون ہیں تو پھر اصل قاتل کو سلب دیا جائے گا اور دوسروں کو محروم کر دیا جائے گا، مثلاً: ایک شخص نے مقتول کو اس حال میں کر دیا کہ وہ دفاع کے قابل نہیں رہا اور کسی دوسرے نے آ کر اس کی گردن کاٹ دی تو سلب پہلے شخص کو ملے گا۔
③ سلب از خود قاتل کو مل جائے گا یا یہ معاملہ امام کی صوابدید پر موقوف ہے؟ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس بارے میں کسی حتمی رائے کا اظہار نہیں کیا۔ شاید اس کی وجہ اہل علم کا اختلاف ہے اور اس کی بنیاد زیر بحث حدیث ہے۔ اس میں ہے کہ ابوجہل کو قتل کرنے والے دو بلکہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو ملا کر تین افراد تھے جبکہ آپ نے سلب صرف معاذ بن عمرو رضی اللہ عنہ کو دیا۔ امام مالک اور احناف کہتے ہیں کہ آپ کا دو کو چھوڑ کر ایک کو دینا اس امر کی دلیل ہے کہ امام کو سلب میں تصرف کا اختیار ہے جبکہ جمہور اہل علم کہتے ہیں کہ اس کا مستحق قاتل ہی ہے، امام کی صوابدید پر یہ موقوف نہیں۔ مذکورہ حدیث میں آپ کا یہ فرمانا: ''تم دونوں ہی نے اسے قتل کیا ہے۔'' دوسرے کی دلداری کے طور پر ارشاد فرمایا کیونکہ وہ دونوں شریک تو تھے، تاہم آپ نے دونوں کی تلواروں سے اندازہ لگا لیا کہ اصل گھائل کرنے والے معاذ ہی ہیں، اس لیے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو بھی اس میں شریک نہیں کیا۔

٣١٤٢ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنِ ابْنِ أَفْلَحَ، عَنْ أَبِي مُحَمَّدٍ مَوْلَى أَبِي قَتَادَةَ، عَنْ أَبِي قَتَادَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ عَامَ حُنَيْنٍ، فَلَمَّا الْتَقَيْنَا كَانَتْ لِلْمُسْلِمِينَ جَوْلَةٌ، فَرَأَيْتُ رَجُلًا مِّنَ الْمُشْرِكِينَ عَلَا رَجُلًا مِّنَ الْمُسْلِمِينَ فَاسْتَدَبَرْتُ حَتَّى أَتَيْتُهُ مِنْ وَّرَائِهِ حَتَّى ضَرَبْتُهُ بِالسَّيْفِ عَلَى حَبْلِ عَاتِقِهِ، فَأَقْبَلَ عَلَيَّ فَضَمَّنِي ضَمَّةً وَّجَدْتُ مِنْهَا رِيحَ الْمَوْتِ، ثُمَّ أَدْرَكَهُ الْمَوْتُ فَأَرْسَلَنِي فَلَحِقْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ فَقُلْتُ: مَا بَالُ النَّاسِ؟ قَالَ: أَمْرُ اللهِ، ثُمَّ إِنَّ النَّاسَ رَجَعُوا، وَجَلَسَ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ: «مَنْ قَتَلَ قَتِيلًا لَّهُ عَلَيْهِ بَيِّنَةٌ فَلَهُ سَلَبُهُ»، فَقُمْتُ فَقُلْتُ: مَنْ يَّشْهَدُ لِي؟ ثُمَّ جَلَسْتُ. ثُمَّ قَالَ: «مَنْ قَتَلَ قَتِيلًا لَّهُ عَلَيْهِ بَيِّنَةٌ فَلَهُ سَلَبُهُ» فَقُمْتُ فَقُلْتُ: مَنْ يَّشْهَدُ لِي؟ ثُمَّ جَلَسْتُ. ثُمَّ قَالَ الثَّالِثَةَ مِثْلَهُ، فَقُمْتُ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ

[3142] حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ غزوۂ حنین کے سال ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ روانہ ہوئے، پھر جب ہمارا دشمن سے سامنا ہوا تو مسلمانوں میں کچھ اضطراب کی کیفیت پیدا ہوئی۔ اس دوران میں نے ایک مشرک کو دیکھا کہ وہ ایک مسلمان پر سوار ہے۔ یہ دیکھ کر میں اس کے گرد گھوما، پیچھے سے آ کر میں نے اس کے کندھے پر تلوار ماری۔ اب وہ شخص مجھ پر ٹوٹ پڑا اور مجھے اتنے زور سے دبایا کہ میں نے موت کی ہوا محسوس کی۔ آخر کار اس کو موت نے آ لیا اور اس نے مجھے چھوڑ دیا۔ اس کے بعد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملا اور ان سے دریافت کیا کہ مسلمان اب کس حالت میں ہیں؟ انھوں نے جواب دیا: جو اللہ کا حکم تھا وہی ہوا، لیکن جب مسلمان مقابلے میں سنبھل گئے اور واپس ہوئے تو نبی ﷺ نے سکون سے بیٹھ کر فرمایا: ''جس نے کسی کافر کو قتل کیا ہو اور اس پر وہ گواہ بھی پیش کر دے تو مقتول کا سارا ساز و سامان اسی کو ملے گا۔'' میں کھڑا ہوا اور کہا کہ میری طرف سے کون گواہی دے گا؟ یہ کہہ کر میں بیٹھ گیا۔ پھر آپ نے فرمایا: ''آج جس نے کسی کافر کو

ﷺ: «مَا لَكَ يَا أَبَا قَتَادَةَ؟» فَاقْتَصَصْتُ عَلَيْهِ الْقِصَّةَ. فَقَالَ رَجُلٌ: صَدَقَ يَا رَسُولَ اللهِ! وَسَلَبُهُ عِنْدِي فَأَرْضِهِ عَنِّي. فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ الصِّدِّيقُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: لَا هَا اللهِ، إِذًا لَا يَعْمِدُ إِلَى أَسَدٍ مِّنْ أُسْدِ اللهِ يُقَاتِلُ عَنِ اللهِ وَرَسُولِهِ ﷺ يُعْطِيكَ سَلَبَهُ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «صَدَقَ»، فَأَعْطَاهُ، فَبِعْتُ الدِّرْعَ فَابْتَعْتُ بِهِ مَخْرَفًا فِي بَنِي سَلِمَةَ فَإِنَّهُ لَأَوَّلُ مَالٍ تَأَثَّلْتُهُ فِي الْإِسْلَامِ. [راجع: ٢١٠٠]

مارا اور اس پر کوئی گواہ بھی ہو تو مقتول کا تمام سامان اسے ملے گا۔" اس مرتبہ پھر میں نے کھڑے ہو کر کہا: میرا گواہ کون ہے؟ مجھے پھر بیٹھنا پڑا۔ تیسری مرتبہ جب آپ ﷺ نے وہی ارشاد فرمایا تو میں پھر کھڑا ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ابوقتادہ کیا بات ہے؟" اس وقت میں نے آپ ﷺ کے سامنے سارا واقعہ بیان کر دیا تو ایک شخص نے کہا: اللہ کے رسول! ابوقتادہ سچا ہے۔ اس کے مقتول کا سامان میرے پاس ہے اور آپ اسے میری طرف سے راضی کر دیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! اللہ کے ایک شیر کے ساتھ جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لیے لڑے آپ ﷺ ایسا نہیں کریں گے کہ اس کا ساز و سامان تجھے دے دیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: "ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سچ کہا ہے۔" پھر آپ نے ابوقتادہ کو وہ تمام سامان دے دیا۔ ابوقتادہ کہتے ہیں کہ میں نے اس کی زرہ فروخت کی اور اس کے عوض بنوسلمہ میں ایک باغ خرید لیا اور یہ پہلا مال تھا جو میں نے اسلام لانے کے بعد حاصل کیا تھا۔

فوائد و مسائل: ① حنین، طائف اور مکہ مکرمہ کے درمیان ایک وادی ہے جو مکہ مکرمہ کے مشرقی جانب تقریباً 46 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے، آٹھ ہجری میں وہاں جنگ لڑی گئی جس میں ہوازن کے تیراندازوں سے مقابلہ ہوا۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث سے ثابت کیا ہے کہ مقتول کافر کا جو سامان ہو وہ قاتل کو دیا جاتا تھا۔ اس سے خمس نہیں لیا جاتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کو مال سلب دیا جس پر کسی اور شخص نے قبضہ کر لیا تھا، لیکن جب رسول اللہ ﷺ کو اس بات کا یقین ہو گیا کہ ابوقتادہ رضی اللہ عنہ ہی قاتل ہیں تو آپ نے وہ ساز و سامان لے کر ان کے حوالے کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ بدر میں یہی قاعدہ نافذ کیا تھا، پھر غزوۂ حنین کے وقت بھی اسے جاری رکھا کہ سلب کا مستحق وہی ہے جو کسی کافر کو قتل کر دے یا اس طرح زخمی کر دے کہ اس کی زندگی محال ہو، ایسی حالت میں جو پاس کھڑا ہوتا ہے اس کا مال سلب میں کوئی حق نہیں ہوتا۔ واللہ أعلم.

(١٩) بَابُ مَا كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُعْطِي الْمُؤَلَّفَةَ قُلُوبُهُمْ وَغَيْرَهُمْ مِّنَ الْخُمُسِ وَنَحْوِهِ

باب: 19- نبی ﷺ کا تالیف قلبی کے لیے نومسلم اور دوسرے مسلمانوں کو خمس وغیرہ سے کچھ دینا

رَوَاهُ عَبْدُ اللهِ بْنُ زَيْدٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.

حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے اس سلسلے میں نبی ﷺ سے روایت بیان کی ہے۔

وضاحت: اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے خود ہی متصل سند سے بیان کیا ہے کہ غزوۂ حنین میں جب اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو مال غنیمت دیا تو آپ نے تالیف قلبی کے لیے اسے نومسلم حضرات میں تقسیم کیا۔[1]

٣١٤٣ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ: حَدَّثَنَا الْأَوْزَاعِيُّ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، وَعُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ: أَنَّ حَكِيمَ بْنَ حِزَامٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: سَأَلْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ فَأَعْطَانِي، ثُمَّ سَأَلْتُهُ فَأَعْطَانِي، ثُمَّ قَالَ لِي: «يَا حَكِيمُ! إِنَّ هٰذَا الْمَالَ خَضِرٌ حُلْوٌ، فَمَنْ أَخَذَهُ بِسَخَاوَةِ نَفْسٍ بُورِكَ لَهُ فِيهِ، وَمَنْ أَخَذَهُ بِإِشْرَافِ نَفْسٍ لَّمْ يُبَارَكْ لَهُ فِيهِ، وَكَانَ كَالَّذِي يَأْكُلُ وَلَا يَشْبَعُ، وَالْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِّنَ الْيَدِ السُّفْلَى». قَالَ حَكِيمٌ: فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ لَا أَرْزَأُ أَحَدًا بَعْدَكَ شَيْئًا حَتّٰى أُفَارِقَ الدُّنْيَا، فَكَانَ أَبُو بَكْرٍ يَدْعُو حَكِيمًا لِّيُعْطِيَهُ الْعَطَاءَ فَيَأْبٰى أَنْ يَّقْبَلَ مِنْهُ شَيْئًا، ثُمَّ إِنَّ عُمَرَ دَعَاهُ لِيُعْطِيَهُ فَأَبٰى أَنْ يَّقْبَلَ مِنْهُ. فَقَالَ: يَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِينَ! إِنِّي أَعْرِضُ عَلَيْهِ حَقَّهُ الَّذِي قَسَمَ اللهُ لَهُ مِنْ هٰذَا الْفَيْءِ فَيَأْبٰى أَنْ يَّأْخُذَهُ، فَلَمْ يَرْزَأْ حَكِيمٌ أَحَدًا مِّنَ النَّاسِ شَيْئًا بَعْدَ النَّبِيِّ ﷺ حَتّٰى تُوُفِّيَ. [راجع: ١٤٧٢]

[3143] حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے کچھ مال مانگا تو آپ نے مجھے عطا فرمایا۔ پھر میں نے دوبارہ مانگا تو اس مرتبہ بھی آپ نے عطا کیا اور ارشاد فرمایا: ”اے حکیم! یہ مال (دیکھنے میں) بہت دلربا اور شیریں ہے لیکن جو شخص اسے سیر چشمی سے لے تو اس کے لیے اس میں بہت برکت ہو گی اور جس نے حرص اور لالچ سے اسے لیا، اس کے لیے اس میں کوئی برکت نہیں ہے بلکہ وہ تو اس شخص کی طرح ہے جو کھاتا ہے مگر اس کا پیٹ نہیں بھرتا۔ اوپر والا ہاتھ (دینے والا) نیچے والے ہاتھ (لینے والے) سے بہتر ہوتا ہے۔“ حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے (متاثر ہو کر) عرض کیا: اللہ کے رسول! آپ کے بعد میں کسی سے کچھ نہیں مانگوں گا یہاں تک کہ میں دنیا سے رخصت ہو جاؤں، چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کو عطیہ دینے کے لیے بلایا تو انھوں نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں مال عطیہ کرنے کے لیے بلایا تو انھوں نے پھر بھی اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اہل اسلام! میں انھیں ان کا وہ حق دیتا ہوں جو اللہ تعالیٰ نے مال فے میں ان کے لیے مقرر کیا ہے لیکن یہ اسے لینے سے انکاری ہیں۔ حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کے بعد کسی سے کوئی چیز نہ لی حتی کہ وہ اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے۔

---

[1] صحيح البخاري، المغازي، حديث: 4330.

فوائد ومسائل: ① حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ فتح مکہ کے وقت نئے نئے مسلمان ہوئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی تالیف قلب کے لیے انھیں دوبارہ مال دیا، بعد میں آپ کا وعظ سن کر وہ اس قدر متاثر ہوئے کہ وعدہ کیا کہ آئندہ میں کسی سے کچھ نہیں مانگوں گا، چنانچہ وہ تاحیات اپنے وعدے پر قائم رہے اور اپنا جائز حق بھی چھوڑ دیا، کہ کہیں نفس مفت خوری کا عادی نہ بن جائے۔ ② مؤلفة القلوب سے مراد وہ لوگ ہیں جو مسلمان ہوئے ہوں لیکن دلی طور پر کمزور ہوں اور اسلام ان کے دل میں ابھی پختہ نہ ہوا ہو یا ایسے غیر مسلم مراد ہیں جن کے اسلام لانے کی توقع ہو۔ رسول اللہ ﷺ ایسے حضرات کی مال خمس سے دلجوئی کرتے تھے۔ اس حدیث سے بھی امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ خمس کا مال امام کی صوابدید پر موقوف ہے وہ جہاں چاہے اسے خرچ کرے۔ واللہ أعلم.

٣١٤٤ - حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ نَافِعٍ: أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنَّهُ كَانَ عَلَيَّ اعْتِكَافُ يَوْمٍ فِي الْجَاهِلِيَّةِ، فَأَمَرَهُ أَنْ يَفِيَ بِهِ. قَالَ: وَأَصَابَ عُمَرُ جَارِيَتَيْنِ مِنْ سَبْيِ حُنَيْنٍ فَوَضَعَهُمَا فِي بَعْضِ بُيُوتِ مَكَّةَ، قَالَ: فَمَنَّ رَسُولُ اللهِ ﷺ عَلَى سَبْيِ حُنَيْنٍ فَجَعَلُوا يَسْعَوْنَ فِي السِّكَكِ فَقَالَ عُمَرُ: يَا عَبْدَ اللهِ! أُنْظُرْ مَا هٰذَا؟ قَالَ: مَنَّ رَسُولُ اللهِ ﷺ عَلَى السَّبْيِ، قَالَ: اذْهَبْ فَأَرْسِلِ الْجَارِيَتَيْنِ.

[3144] حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! میں نے زمانۂ جاہلیت میں ایک دن اعتکاف کرنے کی نذر مانی تھی تو آپ نے انھیں منت پوری کرنے کا حکم دیا۔ راوی بیان کرتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حنین کی قیدی عورتوں میں سے دو لونڈیاں ملی تھیں جن کو انھوں نے مکہ مکرمہ کے ایک مکان میں رکھا تھا۔ پھر جب رسول اللہ ﷺ نے حنین کے قیدیوں پر احسان کیا (اور انھیں آزاد کر دیا) تو وہ گلی کوچوں میں دوڑنے لگے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے عبداللہ! دیکھو کیا بات ہے؟ انھوں نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے قیدیوں پر احسان کرتے ہوئے آزاد کر دیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جاؤ، تم بھی ان دونوں لونڈیوں کو آزاد کر دو۔

قَالَ نَافِعٌ: وَلَمْ يَعْتَمِرْ رَسُولُ اللهِ ﷺ مِنَ الْجِعْرَانَةِ، وَلَوِ اعْتَمَرَ لَمْ يَخْفَ عَلَى عَبْدِ اللهِ.

حضرت نافع نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے مقام جعرانہ سے عمرہ نہیں کیا تھا۔ اگر آپ نے وہاں سے عمرہ کیا ہوتا تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما پر مخفی نہ رہتا۔

وَزَادَ جَرِيرُ بْنُ حَازِمٍ عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَقَالَ: مِنَ الْخُمُسِ.

(راویٔ حدیث) جریر کی روایت میں ہے کہ وہ دونوں لونڈیاں مال خمس سے ملی تھیں۔

وَرَوَاهُ مَعْمَرٌ عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ فِي النَّذْرِ وَلَمْ يَقُلْ: يَوْمٌ. [راجع: ٢٠٣٢]

معمر نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے نذر اعتکاف کا جو قصہ بیان کیا ہے اس میں "ایک دن" کا لفظ ذکر نہیں کیا۔

فوائد و مسائل: ① اس روایت میں صراحت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مال خمس سے حضرت عمر ؓ کو دو لونڈیاں دی تھیں۔ امام بخاری ؒ نے خمس کے متعلق امام وقت کے صوابدیدی اختیارات ثابت کرنے کے لیے اس حدیث کو پیش کیا ہے۔ اس روایت میں مقام جعرانہ سے عمرے کے لیے احرام نہ باندھنے کا ذکر ہے، حالانکہ دیگر بہت سی روایات میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب حنین اور طائف سے فارغ ہوئے تو آپ نے جعرانہ سے عمرے کا احرام باندھا؟ ممکن ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر ؓ اسے بھول گئے ہوں یا انھیں یاد ہو لیکن انھوں نے اس امر کو نافع سے بیان نہ کیا ہو۔ بہر حال رسول اللہ نے جعرانہ سے عمرے کا احرام باندھا ہے۔ ② حنین کے قیدیوں کو بلا معاوضہ آزاد کر دینا رسول اللہ ﷺ کا وہ عظیم کارنامہ ہے جس پر امت مسلمہ جس قدر بھی فخر کرے کم ہے۔ اس سے بڑھ کر انسانیت پروری اور کیا ہو سکتی ہے۔

٣١٤٥ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ : حَدَّثَنَا جَرِيرُ بْنُ حَازِمٍ: حَدَّثَنَا الْحَسَنُ قَالَ: حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ تَغْلِبَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: أَعْطَى رَسُولُ اللهِ ﷺ قَوْمًا، وَمَنَعَ آخَرِينَ فَكَأَنَّهُمْ عَتَبُوا عَلَيْهِ فَقَالَ: «إِنِّي أُعْطِي قَوْمًا أَخَافُ ظَلَعَهُمْ وَجَزَعَهُمْ، وَأَكِلُ أَقْوَامًا إِلَى مَا جَعَلَ اللهُ فِي قُلُوبِهِمْ مِّنَ الْخَيْرِ وَالْغِنَاءِ، مِنْهُمْ عَمْرُو ابْنُ تَغْلِبَ»، فَقَالَ عَمْرُو بْنُ تَغْلِبَ: مَا أُحِبُّ أَنَّ لِي بِكَلِمَةِ رَسُولِ اللهِ ﷺ حُمْرَ النَّعَمِ.

[3145] حضرت عمرو بن تغلب ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے کچھ لوگوں کو مال دیا اور کچھ لوگوں کو نہ دیا، جن کو نہ دیا وہ ناراض ہوئے تو آپ نے فرمایا: ''میں جن لوگوں کو دیتا ہوں مجھے ان کی کج روی اور بے صبری کا اندیشہ ہوتا ہے اور دوسروں کو میں اس خیر اور استغنا کے سپرد کرتا ہوں جو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں پیدا فرمائی ہے۔ ان میں سے عمرو بن تغلب ؓ بھی ہیں۔'' حضرت عمرو بن تغلب کا بیان ہے کہ میری نسبت رسول اللہ ﷺ نے جو ارشاد فرمایا اگر مجھے اس کے بدلے سرخ اونٹ بھی مل جاتے تو اتنا خوش نہ ہوتا۔

زَادَ أَبُو عَاصِمٍ عَنْ جَرِيرٍ قَالَ: سَمِعْتُ الْحَسَنَ يَقُولُ: حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ تَغْلِبَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ أُتِيَ بِمَالٍ - أَوْ بِسَبْيٍ - فَقَسَمَهُ بِهٰذَا. [راجع: ٩٢٣]

ابو عاصم کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ عمرو بن تغلب ؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس مال یا قیدی آئے تھے جنھیں آپ نے تقسیم فرمایا تھا۔

فوائد و مسائل: ① حضرت عمرو بن تغلب ؓ عبدی ہیں۔ قبیلۂ عبدالقیس سے ان کا تعلق ہے۔ چونکہ یہ کامل الایمان تھے، اس لیے رسول اللہ ﷺ کے حوصلہ افزا بیان سے خوش ہو گئے۔ ② اس روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے مال غنیمت کو اپنی صوابدید پر خرچ کیا جس میں اہم ترین مصالح تھیں۔ اعتراض کرنے والوں کو بھی آپ نے اچھے انداز سے مطمئن کر دیا، بلاشبہ ایسے مواقع پر خلیفۂ اسلام کو کچھ خصوصی اختیارات حاصل ہوتے ہیں، اس کے باوجود ان کا فرض ہے کہ ایسے مواقع پر محض اللہ کی

رضا اور اسلام کی سربلندی مقصود ہو، ذاتی اغراض کو اس میں کوئی دخل نہ ہو۔

٣١٤٦ - حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «إِنِّي أُعْطِي قُرَيْشًا أَتَأَلَّفُهُمْ، لِأَنَّهُمْ حَدِيثُ عَهْدٍ بِجَاهِلِيَّةٍ». [انظر: ٣١٤٧، ٣٥٢٨، ٣٧٧٨، ٣٧٩٣، ٤٣٣١، ٤٣٣٢، ٤٣٣٣، ٤٣٣٤، ٤٣٣٧، ٥٨٦٠، ٦٧٦٢، ٧٤٤١]

[3146] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''میں قریش کو ان کی تالیف قلب کے لیے دیتا ہوں کیونکہ ان کی جاہلیت کا زمانہ ابھی ابھی گزرا ہے۔''

فائدہ: اہل مکہ، یعنی قریش فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوئے تھے۔ ان کی تالیف قلب کے لیے آپ نے انھیں عطیات دیے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مال غنیمت اور خمس امام وقت کی صوابدید پر موقوف ہے وہ جہاں مناسب خیال کرے تقسیم کرنے کا مجاز ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے اہل مکہ کو عطیات دیتے وقت اپنے اختیارات استعمال کیے تھے۔

٣١٤٧ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ: حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ قَالَ: أَخْبَرَنِي أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ: أَنَّ نَاسًا مِّنَ الْأَنْصَارِ قَالُوا لِرَسُولِ اللهِ ﷺ حِينَ أَفَاءَ اللهُ عَلَى رَسُولِهِ ﷺ مِنْ أَمْوَالِ هَوَازِنَ مَا أَفَاءَ، فَطَفِقَ يُعْطِي رِجَالًا مِّنْ قُرَيْشٍ الْمِائَةَ مِنَ الْإِبِلِ، فَقَالُوا: يَغْفِرُ اللهُ لِرَسُولِ اللهِ ﷺ، يُعْطِي قُرَيْشًا وَّيَدَعُنَا وَسُيُوفُنَا تَقْطُرُ مِنْ دِمَائِهِمْ. قَالَ أَنَسٌ: فَحُدِّثَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بِمَقَالَتِهِمْ فَأَرْسَلَ إِلَى الْأَنْصَارِ، فَجَمَعَهُمْ فِي قُبَّةٍ مِّنْ أَدَمٍ، وَلَمْ يَدْعُ مَعَهُمْ أَحَدًا غَيْرَهُمْ، فَلَمَّا اجْتَمَعُوا جَاءَهُمْ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَقَالَ: «مَا كَانَ حَدِيثٌ بَلَغَنِي عَنْكُمْ؟» قَالَ لَهُ فُقَهَاؤُهُمْ: أَمَّا ذَوُو رَأْيِنَا فَلَمْ يَقُولُوا شَيْئًا، وَّأَمَّا أُنَاسٌ مِّنَّا حَدِيثَةٌ أَسْنَانُهُمْ، فَقَالُوا: يَغْفِرُ اللهُ لِرَسُولِ اللهِ ﷺ يُعْطِي قُرَيْشًا، وَّيَتْرُكُ الْأَنْصَارَ، وَسُيُوفُنَا تَقْطُرُ مِنْ دِمَائِهِمْ، فَقَالَ

[3147] حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو ہوازن کے مال میں سے جتنا بھی بطور غنیمت دیا تو اس میں سے آپ نے قریش کے بعض لوگوں کو سو، سو اونٹ دیے۔ اس پر انصار کے چند لوگوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو معاف فرمائے، آپ قریش کو اتنا دے رہے ہیں اور ہمیں نظر انداز کر رہے ہیں، حالانکہ ہماری تلواروں سے ان (کافروں) کا خون ٹپک رہا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے جب ان کی بات بیان کی گئی تو آپ نے انصار کو بلا کر انھیں ایک چمڑے کے خیمے میں جمع کیا لیکن ان کے ساتھ کسی اور کو نہ بلایا۔ جب وہ جمع ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ ان کے پاس تشریف لائے اور پوچھا: ''یہ کیا بات ہے جو تمھاری طرف سے مجھے پہنچی ہے؟'' ان کے عقلمند لوگوں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! ہم میں سے اہل خرد نے کچھ نہیں کہا، ہاں! چند نوخیز لڑکے ہیں انھوں نے ہی یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو بخش دے، آپ قریش کو تو دے رہے

رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِنِّي لَأُعْطِي رِجَالًا حَدِيثٌ عَهْدُهُمْ بِكُفْرٍ، أَمَا تَرْضَوْنَ أَنْ يَّذْهَبَ النَّاسُ بِالْأَمْوَالِ وَتَرْجِعُوا إِلٰى رِحَالِكُمْ بِرَسُولِ اللهِ ﷺ؟ فَوَاللهِ مَا تَنْقَلِبُونَ بِهِ خَيْرٌ مِّمَّا يَنْقَلِبُونَ بِهِ». قَالُوا: بَلٰى يَا رَسُولَ اللهِ قَدْ رَضِينَا، فَقَالَ لَهُمْ: «إِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ بَعْدِي أَثَرَةً شَدِيدَةً، فَاصْبِرُوا حَتّٰى تَلْقَوُا اللهَ وَرَسُولَهُ ﷺ عَلَى الْحَوْضِ». قَالَ أَنَسٌ: فَلَمْ نَصْبِرْ. [راجع: ٣١٤٦]

ہیں اور ہمیں نہیں دیتے، حالانکہ ہماری تلواریں اب بھی ان کے خون ٹپکا رہی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں بعض ایسے لوگوں کو دیتا ہوں جن کے کفر کا زمانہ ابھی گزرا ہے، یعنی وہ نئے نئے مسلمان ہوئے ہیں، کیا تم اس بات پر خوش نہیں کہ لوگ مال و دولت لے کر جائیں اور تم اپنے گھروں کو اللہ کا رسول ﷺ لے کر واپس جاؤ۔ اللہ کی قسم! جو تم لے کر جاؤ گے وہ اس سے بہتر ہے جو وہ لے کر جائیں گے۔'' انصار نے بیک زبان کہا: کیوں نہیں یارسول اللہ! ہم اس پر راضی اور خوش ہیں۔ پھر آپ نے ان سے فرمایا: ''میرے بعد تم دیکھو گے کہ تم پر دوسروں کو ترجیح دی جائے گی، اس وقت صبر سے کام لینا حتی کہ تم اللہ سے ملو اور اس کے رسول ﷺ سے حوض کوثر پر ملاقات کرو۔'' حضرت انس ؓ نے فرمایا: لیکن اس کے باوجود ہم سے صبر نہ ہو سکا۔

فوائد و مسائل: ① جن لوگوں کو رسول اللہ ﷺ نے عطا کیا تھا وہ قریش کے سردار اور رئیس تھے جو نئے نئے مسلمان ہوئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی دلجوئی کے پیش نظر انھیں بہت سا مال دیا۔ ان کے دلوں کو اسلام کی طرف مزید مائل کرنا مقصود تھا تاکہ وہ اسلام پر ثابت قدم رہیں۔ ایسے حالات میں انھیں زکاۃ دینا بھی جائز تھا جیسا کہ قرآن کریم نے بیان کیا ہے۔ ان حضرات کو جو کچھ دیا گیا اس کا ذکر صرف تاریخ میں باقی رہ گیا مگر انصار کو آپ نے اپنی ذات گرامی سے جو شرف بخشا وہ رہتی دنیا تک کے لیے درخشاں و تاباں ہے۔ اس شرف کی برکت سے مدینہ طیبہ کو وہ اعزاز ملا جو دنیا میں کسی بھی شہر کو نصیب نہیں ہو سکا۔ ② رسول اللہ ﷺ کو غزوۂ حنین کے موقع پر اس قدر مال غنیمت ملا جس کا شمار مشکل ہے۔ روایات میں قیدیوں کی تعداد چھ ہزار، چوبیس ہزار اونٹ، چار ہزار اوقیے چاندی اور چالیس ہزار سے زیادہ بکریوں کا ذکر ملتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے صوابدیدی اختیارات کے مطابق مال غنیمت مؤلفۃ القلوب میں تقسیم کیا اور جن لوگوں نے اس پر اعتراض کیا وہ کامل الایمان نہیں تھے۔

٣١٤٨ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ الْأُوَيْسِيُّ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ صَالِحٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي عُمَرُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ أَنَّ مُحَمَّدَ بْنَ جُبَيْرٍ

[3148] حضرت جبیر بن مطعم ؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھے، آپ کے ساتھ چند صحابہ اور بھی تھے جبکہ آپ حنین سے واپس آ رہے تھے۔ راستے میں چند دیہاتی آپ سے چمٹ گئے، وہ آپ سے

قَالَ: أَخْبَرَنِي جُبَيْرُ بْنُ مُطْعِمٍ أَنَّهُ بَيْنَا هُوَ مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَمَعَهُ النَّاسُ مَقْفَلَهُ مِنْ حُنَيْنٍ عَلِقَتْ رَسُولَ اللهِ ﷺ الْأَعْرَابُ يَسْأَلُونَهُ حَتَّى اضْطَرُّوهُ إِلَى سَمُرَةٍ فَخَطِفَتْ رِدَاءَهُ فَوَقَفَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَقَالَ: «أَعْطُونِي رِدَائِي، فَلَوْ كَانَ عَدَدُ هٰذِهِ الْعِضَاهِ نَعَمًا لَقَسَمْتُهُ بَيْنَكُمْ ثُمَّ لَا تَجِدُونَنِي بَخِيلًا وَّلَا كَذُوبًا وَّلَا جَبَانًا». [راجع: ٢٨٢١]

کچھ مانگتے تھے حتی کہ آپ کو ایک کیکر کے درخت کے نیچے دھکیل کر لے گئے اور آپ کی چادر اس کے کانٹوں میں الجھ کر رہ گئی۔ اس وقت آپ ٹھہر گئے اور فرمایا: ''مجھے میری چادر تو دے دو۔ اور اگر میرے پاس اس درخت کے کانٹوں کی تعداد میں اونٹ ہوتے تو میں تم میں تقسیم کر دیتا۔ تم مجھے بخیل، جھوٹا اور بزدل ہرگز نہیں پاؤ گے۔''

فوائد و مسائل: ① اس وقت حالات کا تقاضا تھا کہ رسول اللہ ﷺ اپنی ذات شریفہ سے بخل کی نفی کرتے، پھر آپ نے فرمایا: میں بخل کی نفی کرنے میں جھوٹا نہیں ہوں، نیز میں تم سے ڈر کر یہ نفی نہیں کر رہا۔ ان بری صفات کی نفی سے بردباری، سخاوت اور شجاعت کو ثابت کرنا مقصود ہے جو اصول اخلاق میں سے ہیں۔ ② امام بخاری ؒ نے اس حدیث سے ثابت کیا ہے کہ امام وقت کو اختیار ہے کہ وہ مال غنیمت جن لوگوں کو چاہے مصلحت کی خاطر تقسیم کر سکتا ہے۔

٣١٤٩ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ: حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللهِ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: كُنْتُ أَمْشِي مَعَ النَّبِيِّ ﷺ وَعَلَيْهِ بُرْدٌ نَّجْرَانِيٌّ غَلِيظُ الْحَاشِيَةِ، فَأَدْرَكَهُ أَعْرَابِيٌّ فَجَذَبَهُ جَذْبَةً شَدِيدَةً حَتَّى نَظَرْتُ إِلَى صَفْحَةِ عَاتِقِ النَّبِيِّ ﷺ قَدْ أَثَّرَتْ بِهِ حَاشِيَةُ الرِّدَاءِ مِنْ شِدَّةِ جَذْبَتِهِ، ثُمَّ قَالَ: مُرْ لِي مِنْ مَّالِ اللهِ الَّذِي عِنْدَكَ، فَالْتَفَتَ إِلَيْهِ فَضَحِكَ ثُمَّ أَمَرَ لَهُ بِعَطَاءٍ. [انظر: ٥٨٠٩، ٦٠٨٨]

[3149] حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں ایک دفعہ نبی ﷺ کے ہمراہ جا رہا تھا جبکہ آپ نے نجران کی تیار کردہ چوڑے حاشیے والی چادر پہن رکھی تھی۔ اتنے میں ایک اعرابی نے آپ کو گھیر لیا اور زور سے چادر کو جھٹکا دیا۔ میں نے نبی ﷺ کے شانے کو دیکھا جس پر چادر کو زور سے کھینچنے کی بنا پر نشان پڑ گیا تھا۔ پھر اس نے کہا کہ اللہ کا جو مال آپ کے پاس ہے اس میں سے کچھ مجھے دینے کا حکم دیجیے۔ آپ ﷺ اس کی طرف متوجہ ہوئے اور ہنس پڑے، پھر آپ نے اسے کچھ دینے کا حکم دیا۔

فوائد و مسائل: ① اعرابی کی یہ حرکت اگرچہ خلاف ادب اور قابل گرفت تھی لیکن آپ نے درگزر فرمایا کیونکہ وہ جاہل اور آداب رسالت سے ناواقف تھا، لیکن اس قدر گستاخی اور بے ادبی کے باوجود آپ نے اس کی تالیف قلب فرمائی اور اسے کچھ نہ کچھ دینے کا حکم صادر فرمایا۔ امام بخاری ؒ نے اس حدیث سے مال غنیمت کے متعلق حاکم وقت کے صوابدیدی اختیارات کو ثابت کیا ہے۔ ② اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کم از کم قائدین حضرات کو بردباری، بلند حوصلگی، صبر اور جوانمردی جیسے

اوصاف سے متصف ہونا چاہیے۔

٣١٥٠ - حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ مَّنْصُورٍ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: لَمَّا كَانَ يَوْمُ حُنَيْنٍ آثَرَ النَّبِيُّ ﷺ أُنَاسًا فِي الْقِسْمَةِ فَأَعْطَى الْأَقْرَعَ بْنَ حَابِسٍ مِّائَةً مِّنَ الْإِبِلِ، وَأَعْطَى عُيَيْنَةَ مِثْلَ ذٰلِكَ، وَأَعْطَى أُنَاسًا مِّنْ أَشْرَافِ الْعَرَبِ فَآثَرَهُمْ يَوْمَئِذٍ فِي الْقِسْمَةِ، قَالَ رَجُلٌ: وَّاللهِ إِنَّ هٰذِهِ الْقِسْمَةَ مَا عُدِلَ فِيهَا وَمَا أُرِيدَ بِهَا وَجْهُ اللهِ، فَقُلْتُ: وَاللهِ لَأُخْبِرَنَّ النَّبِيَّ ﷺ فَأَتَيْتُهُ فَأَخْبَرْتُهُ فَقَالَ: «فَمَنْ يَّعْدِلُ إِذَا لَمْ يَعْدِلِ اللهُ وَرَسُولُهُ، رَحِمَ اللهُ مُوسٰى قَدْ أُوذِيَ بِأَكْثَرَ مِنْ هٰذَا فَصَبَرَ». [انظر: ٣٤٠٥، ٤٣٣٥، ٤٣٣٦، ٦٠٥٩، ٦١٠٠، ٦٢٩١، ٦٣٣٦]

[3150] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے حنین کے دن کچھ لوگوں کو تقسیم میں زیادہ دیا تھا، چنانچہ اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ کو سو اونٹ، عیینہ رضی اللہ عنہ کو بھی سو اونٹ دیے۔ ان کے علاوہ شرفائے عرب میں سے چند لوگوں کو اس طرح تقسیم میں کچھ زیادہ دیا تو ایک شخص نے کہا: اللہ کی قسم! یہ ایسی تقسیم ہے کہ اس میں انصاف پیش نظر نہیں رکھا گیا یا اس میں اللہ کی رضا مقصود نہ تھی۔ میں نے کہا: اللہ کی قسم! میں نبی ﷺ کو اس بات سے ضرور آگاہ کروں گا، چنانچہ میں آپ کے پاس گیا اور آپ سے بیان کیا تو آپ نے فرمایا: ''اگر اللہ اور اس کا رسول انصاف نہیں کریں گے تو پھر انصاف کون کرے گا؟ اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے! انھیں اس سے بھی زیادہ اذیت دی گئی مگر انھوں نے صبر کیا۔''

فوائد و مسائل: ① ایک روایت میں ہے: عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے جب راز داری کے طور پر آپ سے یہ بات کی تو آپ بہت ناراض ہوئے اور آپ کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا حتی کہ میں نے کہا: کاش! اس بات کا تذکرہ آپ سے نہ کرتا۔[1] ② قاضی عیاض اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کو گالی دینے والا کافر ہے اور اسے فوراً قتل کر دیا جائے، لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس گستاخ کو کوئی سزا نہ دی کیونکہ جرم ثابت ہونے کے لیے اقرار ہو یا کم از کم دو گواہ ہوں، لیکن اس مقام پر صرف ایک گواہی تھی اور گستاخ نے صحت جرم سے بھی انکار کر دیا ہو گا۔[2] ③ اس روایت سے امام بخاری رحمہ اللہ نے ثابت کیا ہے کہ امام وقت کو یہ حق ہے کہ تالیف قلب کے لیے کسی کو دوسروں سے زیادہ حصہ دے دے، یہی وجہ ہے کہ گستاخ کو اعتراض کرنے کا موقع ملا۔ واللہ أعلم.

٣١٥١ - حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبِي عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَتْ:

[3151] حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو جو زمین عطا فرمائی تھی میں وہاں سے گٹھلیاں اپنے سر پر اٹھا کر

1 صحيح مسلم، الزكاة، حديث: 2448 (1062). 2 عمدة القاري: 495/10.

كُنْتُ أَنْقُلُ النَّوٰى مِنْ أَرْضِ الزُّبَيْرِ الَّتِي أَقْطَعَهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ عَلٰى رَأْسِي وَهُوَ مِنِّي عَلٰى ثُلُثَيْ فَرْسَخٍ.

لایا کرتی تھی۔ وہ جگہ میرے گھر سے دو تہائی فرسخ پر تھی۔

وَقَالَ أَبُو ضَمْرَةَ: عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيهِ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَقْطَعَ الزُّبَيْرَ أَرْضًا مِّنْ أَمْوَالِ بَنِي النَّضِيرِ. [انظر: ٥٢٢٤]

ابوضمرہ اپنی سند سے بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے بنونضیر کے اموال میں سے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو زمین عطا فرمائی تھی۔

فوائد و مسائل: ① حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کے شوہر نامدار ہیں۔ وہ زمین ان کے گھر سے تقریباً 2 میل دور تھی کیونکہ فرسخ 3 میل کا ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے دو تہائی فرسخ 2 میل بنتا ہے۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث سے ثابت کیا ہے کہ امام وقت خمس وغیرہ سے حسب مصلحت تقسیم کرنے کا مجاز ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے بنونضیر کے اموال سے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو زمین عطا کی تھی۔

٣١٥٢ - حَدَّثَنِي أَحْمَدُ بْنُ الْمِقْدَامِ: حَدَّثَنَا الْفُضَيْلُ بْنُ سُلَيْمَانَ: حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ قَالَ: أَخْبَرَنِي نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ أَجْلَى الْيَهُودَ وَالنَّصَارٰى مِنْ أَرْضِ الْحِجَازِ، وَكَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لَمَّا ظَهَرَ عَلٰى أَهْلِ خَيْبَرَ أَرَادَ أَنْ يُّخْرِجَ الْيَهُودَ مِنْهَا وَكَانَتِ الْأَرْضُ - لَمَّا ظَهَرَ عَلَيْهَا - لِلْيَهُودِ وَلِلرَّسُولِ وَلِلْمُسْلِمِينَ، فَسَأَلَ الْيَهُودُ رَسُولَ اللهِ ﷺ أَنْ يَّتْرُكَهُمْ عَلٰى أَنْ يَّكْفُوا الْعَمَلَ وَلَهُمْ نِصْفُ الثَّمَرِ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «نَتْرُكُكُمْ عَلٰى ذٰلِكَ مَا شِئْنَا»، فَأُقِرُّوا حَتّٰى أَجْلَاهُمْ عُمَرُ فِي إِمَارَتِهِ إِلٰى تَيْمَاءَ وَأَرِيحَاءَ. [راجع: ٢٢٨٥]

[3152] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہود و نصاریٰ کو ارضِ حجاز سے جلا وطن کر دیا۔ واقعہ یہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے خیبر کی زمین پر غلبہ حاصل کیا تو یہودیوں کو وہاں سے نکال دینے کا ارادہ فرمایا۔ چونکہ وہ زمین یہودیوں کی تھی۔ جب آپ نے اس پر غلبہ پالیا تو وہ زمین رسول اللہ ﷺ اور اہل اسلام کی ہوگئی تو یہودیوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ انھیں وہاں اس شرط پر رہنے دیں کہ وہ زمین میں کام کریں گے اور انھیں پیداوار سے نصف دیا جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اچھا جب تک ہم چاہیں گے اس وقت تک کے لیے تمھیں اس شرط پر یہاں رہنے دیں گے۔'' چنانچہ یہ لوگ وہاں رہے یہاں تک کہ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں اپنے دور خلافت میں تیماء اور اریحاء کی طرف بے دخل (جلا وطن) کر دیا۔

فوائد و مسائل: ① رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: ''جزیرۂ عرب میں دو دین اکٹھے نہیں رہ سکتے۔''[1] نیز یہودیوں کی فتنہ انگیزی اور آئے دن مسلمانوں کے خلاف ان کی سازشوں کی وجہ سے یہودیوں کو وہاں سے نکالا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنی خلافت میں انھیں اس لیے نہ نکال سکے کہ وہ مرتدین کے خلاف جنگ و قتال میں مصروف رہے، اس لیے انھیں ان کے خلاف کارروائی کرنے کا وقت نہ مل سکا۔ ② واضح رہے کہ تیماء بلادطی میں سمندر کے کنارے ایک گاؤں کا نام ہے اور اریحاء ارض شام میں ایک بستی کو کہا جاتا ہے۔ ③ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اس حدیث کا عنوان سے کوئی تعلق نہیں لیکن یہ اعتراض بے جا ہے کیونکہ ارض خیبر کو فتح کرنے کے بعد یہودیوں سے یہ معاہدہ ہوگیا تھا۔ چونکہ پہلے وہ تمام زمین یہودیوں کی تھی، پھر وہ اللہ اور اس کے رسول کی ہوگئی۔ رسول اللہ ﷺ نے وہاں اپنے صوابدیدی اختیارات استعمال کرتے ہوئے انھیں بٹائی پر دے دی، گویا آپ نے ایک طرح سے ان زمینوں کو انھیں بخش دیا۔ باب سے مطابقت کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔[2]

(٢٠) بَابُ مَا يُصِيبُ مِنَ الطَّعَامِ فِي أَرْضِ الْحَرْبِ

باب: 20- دارالحرب میں کھانے پینے کی اشیاء کا حکم

٣١٥٣ - حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ حُمَيْدِ بْنِ هِلَالٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مُغَفَّلٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: كُنَّا مُحَاصِرِينَ قَصْرَ خَيْبَرَ فَرَمٰى إِنْسَانٌ بِجِرَابٍ فِيهِ شَحْمٌ، فَنَزَوْتُ لِآخُذَهُ فَالْتَفَتُّ فَإِذَا النَّبِيُّ ﷺ فَاسْتَحْيَيْتُ مِنْهُ. [انظر: ٤٢٢٤، ٥٥٠٨]

[3153] حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ ہم خیبر کے محل کا محاصرہ کیے ہوئے تھے کہ کسی شخص نے ایک توشہ دان پھینکا جس میں چربی تھی۔ میں اسے لینے کے لیے جلدی سے لپکا لیکن میں نے مڑ کر دیکھا تو پاس ہی نبی ﷺ تشریف فرما تھے۔ میں اس وقت شرم سے پانی پانی ہوگیا۔

فوائد و مسائل: ① دوران جنگ میں کھانے پینے والی اشیاء ہاتھ لگیں جو جلد خراب ہونے والی ہوں تو جمہور کا فتویٰ ہے کہ ایسی چیزیں مجاہدین تقسیم سے پہلے لے سکتے ہیں اور انھیں اپنے استعمال میں لا سکتے ہیں۔ جانوروں کے چارے وغیرہ کا بھی یہی حکم ہے، اسے بھی اجازت کے بغیر جانوروں کو کھلایا پلایا جا سکتا ہے۔ ② عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کو طبعی طور پر شرم آ گئی، البتہ رسول اللہ ﷺ نے انھیں منع نہیں فرمایا تھا۔

٣١٥٤ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ [رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا] قَالَ: كُنَّا نُصِيبُ فِي مَغَازِينَا الْعَسَلَ وَالْعِنَبَ فَنَأْكُلُهُ وَلَا نَرْفَعُهُ.

[3154] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ ہم غزوات کے دوران میں شہد اور انگور پاتے تو انھیں کھا لیتے تھے اور اسے اٹھا نہ رکھتے تھے۔

[1] السنن الكبرٰى للبيهقي: 115/6. [2] فتح الباري: 306/6.

فائدہ: کھانے پینے والی وہ چیزیں جو غذا کا کام دیں، جیسے شہد وغیرہ یا جن کے خراب ہونے کا اندیشہ ہو، جیسے انگور یا ترکاریاں، انھیں تقسیم سے پہلے کھا پی لینے میں کوئی حرج نہیں۔ انھیں استعمال کرنے کے لیے امام وقت کی اجازت بھی ضروری نہیں، البتہ مال غنیمت میں خیانت کرنا بہت بڑا جرم ہے، اس بنا پر حد سے تجاوز نہیں کرنا چاہیے۔ جن اشیاء کے استعمال کی گنجائش ہے رخصت صرف اس حد تک دینی چاہیے۔[1]

٣١٥٥ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ: حَدَّثَنَا الشَّيْبَانِيُّ قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ أَبِي أَوْفَى رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا يَقُولُ: أَصَابَتْنَا مَجَاعَةٌ لَيَالِيَ خَيْبَرَ، فَلَمَّا كَانَ يَوْمُ خَيْبَرَ وَقَعْنَا فِي الْحُمُرِ الْأَهْلِيَّةِ فَانْتَحَرْنَاهَا، فَلَمَّا غَلَتِ الْقُدُورُ نَادَى مُنَادِي رَسُولِ اللهِ ﷺ: أَكْفِئُوا الْقُدُورَ فَلَا تَطْعَمُوا مِنْ لُحُومِ الْحُمُرِ شَيْئًا. قَالَ عَبْدُ اللهِ: فَقُلْنَا: إِنَّمَا نَهَى النَّبِيُّ ﷺ لِأَنَّهَا لَمْ تُخَمَّسْ، قَالَ: وَقَالَ آخَرُونَ: حَرَّمَهَا الْبَتَّةَ. وَسَأَلْتُ سَعِيدَ بْنَ جُبَيْرٍ فَقَالَ: حَرَّمَهَا الْبَتَّةَ. [انظر: ٤٢٢٠، ٤٢٢٢، ٤٢٢٤، ٥٥٢٦]

[3155] حضرت ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ ہمیں خیبر کی راتوں میں فاقوں پر فاقے ہونے لگے۔ آخر جس دن خیبر فتح ہوا تو گھریلو گدھے بھی (بطور غنیمت) ملے، چنانچہ ہم نے انھیں ذبح کر کے پکانا شروع کر دیا۔ جب ہنڈیوں میں جوش آنے لگا تو رسول اللہ ﷺ کے منادی نے اعلان کیا کہ ہنڈیوں کو الٹ دو اور گدھوں کے گوشت سے کچھ نہ کھاؤ۔ عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہما نے کہا کہ ہمارے خیال کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے اس لیے منع فرمایا کہ ان سے ابھی خمس نہیں نکالا گیا تھا۔ کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ نبی ﷺ نے قطعی طور پر گدھوں کا گوشت حرام قرار دیا ہے۔ راویٔ حدیث کہتے ہیں کہ میں نے سعید بن جبیر سے پوچھا تو انھوں نے کہا: آپ ﷺ نے قطعی طور پر اسے حرام کر دیا تھا۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے ثابت ہوا کہ مجاہدین کو مال غنیمت سے بقدر ضرورت کھانے پینے کی اجازت ہے، البتہ گدھوں کے گوشت سے تو ان کی حرمت کی وجہ سے منع فرمایا، اس لیے نہیں کہ گوشت کے لیے قبل از وقت اجازت نہیں لی گئی تھی۔ ② راوی نے حضرت سعید بن جبیر سے اس لیے پوچھا کہ وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے خاص شاگرد تھے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے گدھے کے گوشت کی حلت مروی ہے، لیکن سعید بن جبیر کو دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے اس کی حرمت کے متعلق تحقیق ہو گئی تھی، اس لیے انھوں نے یقین کے ساتھ اس کی حرمت کا فتویٰ دیا۔ اب اس کی حرمت میں کسی کو اختلاف نہیں بلکہ تمام اہل علم اس کی تحریم پر متفق ہیں۔ ③ جن اشیاء کا تعلق غذا سے ہے یا جو چیزیں عادت کے طور پر غذا کا فائدہ دیتی ہیں، اسی طرح جانوروں کا گھاس اور چارا وغیرہ ان تمام اشیاء کا تقسیم سے پہلے امام وقت کی اجازت کے بغیر لینا جائز ہے جبکہ مقصود ذخیرہ اندوزی اور مالیت بنانا نہ ہو۔ واللہ أعلم.

---

(1) فتح الباري: 307/6.

جزیے اور مصالحت کا معنی، مفہوم اور ان کے متعلق اسلامی ہدایات

جزیہ لغوی طور پر جزاء سے مشتق ہے جس کے معنی معاوضے کے ہیں۔ شرعی اصطلاح میں اس سے مراد وہ مال ہے جو غیر مسلم حضرات سے دارالاسلام میں سکونت اختیار کرنے کے عوض وصول کیا جاتا ہے۔ اور موادعت کے معنی چھوڑنے کے ہیں۔ اصطلاحی طور پر کچھ مدت کے لیے کسی مصلحت کی بنا پر اہل حرب سے جنگ ترک کرنے کا نام ''موادعت اور مصالحت'' ہے۔ ان دونوں کے الگ الگ احکام ہیں جو اس عنوان کے تحت بیان کیے جائیں گے۔

دراصل عرب کے ہمسایہ ملک ایران میں رعایا پر دو قسم کے ٹیکس عائد تھے: ایک زمین کا لگان جو صرف زمینداروں سے وصول کیا جاتا تھا۔ اسے وہاں کے باشندے خراگ کہتے تھے۔ ہماری شریعت میں لفظ خراج اسی کا معرب ہے۔ دوسرا ٹیکس عام لوگوں سے دفاعی ضروریات کے پیش نظر لیا جاتا تھا۔ ان کے ہاں اسے گزیت کہا جاتا تھا۔ جزیہ کا لفظ اسی سے معرب ہے۔ مسلمانوں نے جب یہ علاقے فتح کیے تو انھوں نے مفتوح اقوام پر کوئی نیا بوجھ نہیں ڈالا بلکہ وہ دونوں قسم کے ٹیکس ان پر عائد کیے گئے جو پہلے سے ان پر لاگو تھے۔

قرآن کریم میں صرف اہل کتاب سے جزیہ لینے کا ذکر ہے[1] جبکہ رسول اللہ ﷺ نے مجوس سے بھی جزیہ وصول کیا تھا۔[2] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر مذہب کے غیر مسلم حضرات سے جزیہ لیا جا سکتا ہے جیسا کہ ایک دوسری حدیث میں ایران کے آتش پرست لوگوں سے جزیے کے مطالبے کا ذکر ہے۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ ایرانی سپہ سالار سے کہا تھا: ''ہمارے پروردگار کے رسول اور ہمارے نبی ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم تم سے جنگ کریں یہاں تک کہ تم ایک اللہ کی عبادت کرو یا پھر جزیہ ادا کرو۔''[3]

جزیہ ان غیر مسلم اقوام سے لیا جاتا ہے جو اسلام قبول نہ کرنا چاہتی ہوں، خواہ یہ مسلمانوں کی مفتوحہ قوم ہو یا کسی اسلامی ریاست میں بطور رعایا رہتی ہو جسے آج کل کی زبان میں اقلیت کہا جاتا ہے۔ اہل اسلام پر زکاۃ کی ادائیگی فرض ہے جس کی شرح مقرر ہے لیکن غیر مسلم قوم پر زکاۃ کے بجائے جزیے کی ادائیگی لازم ہوتی ہے اور اس کی شرح میں اس قوم کی مالی حیثیت کے مطابق کمی بیشی کی جا سکتی ہے۔ جزیے کی تمام رقوم سرکاری بیت المال میں جمع ہوتی ہیں۔ اسلامی

1۔ التوبة : 29. 2 صحيح البخاري، الجزية والموادعة، حديث : 3157. 3 صحيح البخاري، الجزية والموادعة، حديث : 3159.

حکومت اس جزیے کے عوض اس ذمی قوم کو دفاعی ذمہ داریوں سے سبکدوش کر دیتی ہے اور انھیں اپنے مذہبی افعال کی ادائیگی کے لیے پوری پوری اجازت دی جاتی ہے لیکن اس امر کی اجازت نہیں ہوتی کہ وہ اسلام یا اہل اسلام پر کیچڑ اچھالیں اور اس کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کریں۔ چونکہ جزیہ دفاعی ذمہ داریوں کے عوض لیا جاتا ہے، اس لیے جو غیر مسلم قوم دفاعی خدمات کی ذمہ داری خود قبول کر لے اس سے جزیہ نہیں لیا جاتا۔ اس کی متعدد مثالیں تاریخ اسلام میں موجود ہیں جنھیں ہم آئندہ بیان کریں گے۔ لیکن افسوس کہ آج مغربی اقوام جزیے کو بدنام کرنے اور اسے ذلت کی نشانی ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہی ہیں جبکہ ان کا اپنا یہ حال ہے کہ وہ فتح کے بعد مفتوح قوم سے اپنا سارا جنگ کا خرچہ بطور تاوان وصول کرتے ہیں۔ پچھلی چند صدیوں سے تو تاوان جنگ کے علاوہ سیاسی اور اقتصادی غلامی پر بھی مفتوح اقوام کو مجبور کیا جا رہا ہے، البتہ دوسری جنگ عظیم کے بعد سیاسی غلامی کے بجائے اقتصادی غلامی کے بندھن مضبوط کر دیے ہیں تاکہ مفتوح قوم میں دوبارہ اٹھنے کی سکت ہی باقی نہ رہے۔ اس کے برعکس اسلام نے جزیے کی ادائیگی کے بعد نہ تاوان جنگ عائد کرنے کی اجازت دی ہے اور نہ کسی طرح کی اقتصادی غلامی ہی میں جکڑنے کو جائز قرار دیا ہے، لہٰذا ضروری ہے کہ ہم جزیے کے متعلق چند ایک اسلامی ہدایات کا ذکر کریں تاکہ حقیقت حال کھل کر سامنے آ جائے۔

① جزیہ صرف ان افراد سے وصول کیا جاتا ہے جو لڑنے کے قابل ہوں۔ اس کے برعکس بچے، بوڑھے، عورتیں، معذور افراد، صوفی اور گوشہ نشیں قسم کے لوگ اس سے مستثنیٰ ہوتے ہیں۔

② جزیہ لوگوں کی مالی حالت کو مدنظر رکھتے ہوئے عائد کیا جاتا ہے جیسا کہ آئندہ سفیان کے حوالے سے امام مجاہد کی وضاحت ذکر ہو گی۔

③ جزیے کی وصولی میں انتہائی نرمی اختیار کی جاتی اور اس بات کا خاص خیال رکھا جاتا ہے کہ جزیے کی شرح ایسی ہو جسے لوگ آسانی سے ادا کر سکیں اور اس کی وصولی میں کسی شخص پر ظلم یا زیادتی نہ کی جائے۔

④ اسلام میں جزیے کی دو قسمیں ہیں: ایک جزیہ صلح، اس سے مراد وہ مال ہے جس پر مصالحت ہوئی ہو اور دوسری جزیہ جبر، جو صلح کے بغیر امام وقت کی صوابدید سے طے ہو۔ اس میں کسی کی تنگی کی وجہ سے کمی نہ کی جائے اور نہ کسی کی مال داری کے پیش نظر اس میں اضافہ ہی کیا جائے۔

بہرحال جزیہ اقتدارِ اسلام کو تسلیم کرنے کی غرض سے ہے ورنہ خراج اور جزیہ وصول کرنا اسلام کا ہرگز مقصد نہیں ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے خراسان کے عامل جراح بن عبداللہ کو اس لیے معطل کر دیا تھا کہ انھوں نے جزیے کی مقدار کم دیکھ کر نومسلم حضرات سے کہا تھا کہ تم نے جزیے سے بچنے کے لیے اسلام قبول کیا ہے۔ جب یہ بات حضرت

عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تک پہنچی تو انھوں نے عامل کو معزول کرتے ہوئے ایک بات کہی جو سونے کے پانی سے لکھنے کے قابل ہے۔ آپ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ اس دنیا میں دعوت حق کے لیے بھیجے گئے تھے۔ آپ خراج و جزیہ وصول کرنے والے بنا کر نہیں بھیجے گئے۔ [1]

جزیے کے متعلق کئی مباحث ہیں، مثلاً: ○ جزیہ کس سے لیا جائے؟ ○ اس کی کتنی قسمیں ہیں؟ ○ یہ کب اور کتنا واجب ہے؟ ○ جزیہ کب ساقط ہوتا ہے؟ ○ مال جزیہ کا مصرف کیا ہو؟ ○ اہل ذمہ کے کیا حقوق ہیں؟ ○ ان کے حقوق پورے نہ کرنا کس قدر سنگین جرم ہے؟ ○ ذمی جب سنگین جرم کا ارتکاب کرے تو اس کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟

اسی طرح کفار سے مصالحت کی بھی کئی قسمیں ہیں اور اس کے متعلق متعدد احکام و مسائل ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے ان تمام مسائل کو بیان کرنے کے لیے مذکورہ بالا عنوان قائم کیا ہے اور اس کے لیے تقریباً چونتیس متصل احادیث کا انتخاب فرمایا ہے۔ مرفوع احادیث کے علاوہ متعدد صحابۂ کرام اور تابعین عظام کے اقوال و آثار کا بھی حوالہ دیا ہے۔ پھر ان احادیث و آثار پر بائیس چھوٹے چھوٹے عنوان قائم کیے ہیں جن سے امام بخاری رحمہ اللہ کی باریک بینی کا پتہ چلتا ہے۔ قارئین کرام سے درخواست ہے کہ وہ ہماری پیش کردہ گزارشات کو ضرور ملحوظ خاطر رکھیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو خدام حدیث کے ہمراہ اٹھائے اور رسول اللہ ﷺ کے جھنڈے تلے جمع فرمائے۔ آمین یا رب العالمین.

[1] البداية والنهاية: 188/9.

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

58 - كِتَابُ الْجِزْيَةِ وَ الْمُوَادَعَةِ

جزیہ اور مصالحت سے متعلق احکام و مسائل

(١) بَابُ الْجِزْيَةِ وَالْمُوَادَعَةِ مَعَ أَهْلِ الذِّمَّةِ وَالْحَرْبِ

وَقَوْلِ اللهِ تَعَالَى: ﴿قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ﴾ إِلَى قَوْلِهِ: ﴿وَهُمْ صَاغِرُونَ﴾ [التوبة: ٢٩] يَعْنِي أَذِلَّاءُ. وَالْمَسْكَنَةُ مَصْدَرُ الْمِسْكِينِ؛ فُلَانٌ أَسْكَنُ مِنْ فُلَانٍ: أَحْوَجُ مِنْهُ، وَلَمْ يَذْهَبْ إِلَى السُّكُونِ.

باب: 1- اہل ذمہ سے جزیہ لینے اور کافروں سے صلح کرنے کا بیان

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''(اہل کتاب میں سے) ان لوگوں کے ساتھ جنگ کرو جو نہ اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور نہ آخرت کے دن پر اور نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں (جو اللہ اور اس کے رسول نے حرام کی ہیں اور نہ دین حق ہی کو اپنا دین بناتے ہیں یہاں تک وہ اپنے ہاتھ سے جزیہ ادا کریں) اور وہ حقیر و ذلیل ہوں۔''

صاغرون کے معنی ہیں: ذلیل بن کر رہیں۔ لفظ المسکنة مسکین کا مصدر ہے۔ عرب کے اس محاورے سے ماخوذ ہے کہ فُلَانٌ أَسْكَنُ مِنْ فُلَانٍ، یعنی وہ فلاں سے زیادہ محتاج ہے کہ اسے کسی کروٹ سکون میسر نہیں۔ اس کا ماخذ سکون نہیں ہے۔

وَمَا جَاءَ فِي أَخْذِ الْجِزْيَةِ مِنَ الْيَهُودِ وَالنَّصَارٰى وَالْمَجُوسِ وَالْعَجَمِ.

یہود و نصاریٰ، مجوسیوں اور عجمیوں سے جزیہ لینے میں جو روایات ہیں ان کا بیان۔

وَقَالَ ابْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ ابْنِ أَبِي نَجِيحٍ: قُلْتُ

حضرت ابن عیینہ نے ابن ابی نجیح سے بیان کیا،

لِمُجَاهِدٍ: مَا شَأْنُ أَهْلِ الشَّامِ عَلَيْهِمْ أَرْبَعَةُ دَنَانِيرَ، وَأَهْلِ الْيَمَنِ عَلَيْهِمْ دِينَارٌ؟ قَالَ: جُعِلَ ذٰلِكَ مِنْ قِبَلِ الْيَسَارِ.

انھوں نے کہا: میں نے امام مجاہد سے پوچھا کہ اہل شام کا کیا حال ہے، ان سے فی کس چار دینار لیے جاتے ہیں جبکہ اہل یمن سے ایک دینار لیا جاتا ہے؟ انھوں نے فرمایا کہ یہ فرق دولتمندی کی وجہ سے ہے۔

وضاحت: اس اثر کو مصنف عبدالرزاق (87/6) میں متصل سند سے بیان کیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جزیے میں فرق جائز ہے۔ اس میں کمی بیشی کا اختیار امام کو ہے۔ جمہور کے نزدیک ہر سال کے لیے کم از کم جزیہ ایک دینار ہے جسے احناف فقیر کے ساتھ خاص کرتے ہیں۔ متوسط آدمی کے لیے دو دینار اور مال دار کے لیے چار دینار ہیں۔[1] جزیے کے نام سے معمولی سی رقم غیر مسلم رعایا پر اسلامی حکومت کی طرف سے ایک حفاظتی ٹیکس ہے جس کی ادائیگی ان غیر مسلم حضرات کی وفاداری کا نشان ہے۔ اس کی ادائیگی کے بعد اسلامی حکومت کی یہ ذمے داری ہے کہ وہ ان کے مال و جان اور عزت و آبرو، نیز مذہب کی پورے طور پر حفاظت کرے۔ اگر اسلامی حکومت اس میں ناکام ہو تو اسے جزیہ لینے کا کوئی حق نہیں ہوگا۔ مذکورہ آیت کریمہ اہل کتاب سے جزیہ لینے کے متعلق نص صریح کی حیثیت رکھتی ہے۔ ان کے علاوہ دیگر اقلیت اقوام سے جزیہ لینا احادیث سے ثابت ہے جیسا کہ آئندہ اس کا بیان ہوگا۔

٣١٥٦ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ: سَمِعْتُ عَمْرًا قَالَ: كُنْتُ جَالِسًا مَّعَ جَابِرِ بْنِ زَيْدٍ وَّعَمْرِو بْنِ أَوْسٍ فَحَدَّثَهُمَا بَجَالَةُ سَنَةَ سَبْعِينَ - عَامَ حَجَّ مُصْعَبُ بْنُ الزُّبَيْرِ بِأَهْلِ الْبَصْرَةِ - عِنْدَ دَرَجِ زَمْزَمَ قَالَ: كُنْتُ كَاتِبًا لِّجَزْءِ بْنِ مُعَاوِيَةَ - عَمِّ الْأَحْنَفِ - فَأَتَانَا كِتَابُ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَبْلَ مَوْتِهِ بِسَنَةٍ: فَرِّقُوا بَيْنَ كُلِّ ذِي مَحْرَمٍ مِّنَ الْمَجُوسِ، وَلَمْ يَكُنْ عُمَرُ أَخَذَ الْجِزْيَةَ مِنَ الْمَجُوسِ.

[3156] حضرت عمرو بن دینار سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں جابر بن زید اور عمرو بن اوس کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا تو ان سے حضرت بجالہ نے زمزم کی سیڑھیوں کے پاس بیان کیا، اور یہ ستر ہجری کی بات ہے جس سال حضرت مصعب بن زبیر نے اہل بصرہ کے ہمراہ حج کیا تھا، انھوں نے کہا: میں احنف بن قیس کے چچا جزء بن معاویہ کا کاتب تھا تو حضرت عمر بن خطاب ؓ کی وفات سے ایک سال پہلے ان کا مکتوب ہمارے پاس آیا کہ جس مجوسی نے اپنی محرم عورت کو بیوی بنایا ہو تو ان دونوں کے درمیان تفریق کر دو۔ اور حضرت عمر ؓ مجوسیوں سے جزیہ نہیں لیتے تھے۔

٣١٥٧ - حَتّٰى شَهِدَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ أَخَذَهَا مِنْ مَّجُوسِ هَجَرَ.

[3157] حتی کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ؓ نے اس امر کی شہادت دی کہ رسول اللہ ﷺ نے مقام ہجر کے

1 فتح الباري: 312/6.

مجوسیوں سے جزیہ لیا تھا۔

فوائد و مسائل: ① کفار سے ان کی حفاظت کے بدلے میں لیے جانے والے ٹیکس کو جزیہ کہتے ہیں۔ جزیہ کن کافروں سے لیا جائے گا؟ اس میں اختلاف ہے۔ بعض حضرات کا موقف ہے کہ صرف یہود و نصاریٰ سے جزیہ لیا جائے گا باقی کافروں سے نہیں۔ اسی طرح اور بھی اقوال ہیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تمام کافروں حتی کہ مجوسیوں سے بھی جزیہ لیا جائے گا کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے جزیہ لیا ہے، گویا یہود و نصاریٰ سے آیت کی رو سے اور مجوسیوں سے حدیث کی رو سے جزیہ لیا جائے گا۔ بعض نے کہا ہے کہ مجوسی بھی اصلاً اہل کتاب ہی ہیں، چنانچہ امام شافعی اور امام عبدالرزاق نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ مجوسی اہل کتاب تھے، پھر ان کے سردار نے بدتمیزی کی۔ اپنی بہن سے شادی رچالی اور دوسروں کو بھی دعوت دی کہ اس میں کوئی خرابی نہیں ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام بھی اپنی بیٹیوں کا نکاح اپنے لڑکوں سے کر دیتے تھے۔ لوگوں نے اس کا کہنا مانا، جنھوں نے انکار کیا انھیں قتل کر دیا، آخر ان کی کتاب مٹ گئی۔[1] ② مشرکین وغیرہ سے جزیہ وصول کرنے کے بارے میں جمہور کی رائے یہ ہے کہ ان سے جزیہ وصول نہیں کیا جائے گا بلکہ اگر وہ اسلام قبول نہ کریں تو ان سے لڑائی کی جائے گی۔ امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں: مشرکین سے بھی جزیہ وصول کیا جائے گا۔ ان کی دلیل حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِذَا لَقِيتَ عَدُوَّكَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ فَادْعُهُمْ إِلٰى ثَلَاثِ خِصَالٍ] ''جب تم مشرکین سے ٹکراؤ تو پہلے انھیں تین کاموں کی طرف بلاؤ۔'' پھر اس میں جزیے کا بھی ذکر کیا۔[2] گویا آیت قرآنی سے یہود و نصاریٰ سے جزیہ وصول کرنے کا ثبوت ہے اور سنت میں مشرکین سے وصول کرنے کا۔ اور ان میں کوئی تضاد نہیں۔ امام مالک رحمہ اللہ کا موقف ہی راجح معلوم ہوتا ہے۔

٣١٥٨ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: حَدَّثَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ عَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ: أَنَّهُ أَخْبَرَهُ: أَنَّ عَمْرَو بْنَ عَوْفٍ الْأَنْصَارِيَّ - وَهُوَ حَلِيفٌ لِبَنِي عَامِرِ بْنِ لُؤَيٍّ، وَكَانَ شَهِدَ بَدْرًا - أَخْبَرَهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ بَعَثَ أَبَا عُبَيْدَةَ بْنَ الْجَرَّاحِ إِلَى الْبَحْرَيْنِ يَأْتِي بِجِزْيَتِهَا، وَكَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ هُوَ صَالَحَ أَهْلَ الْبَحْرَيْنِ وَأَمَّرَ عَلَيْهِمُ الْعَلَاءَ بْنَ الْحَضْرَمِيِّ فَقَدِمَ أَبُو عُبَيْدَةَ بِمَالٍ مِّنَ الْبَحْرَيْنِ فَسَمِعَتِ الْأَنْصَارُ بِقُدُومِ أَبِي عُبَيْدَةَ فَوَافَقَتْ صَلَاةَ الصُّبْحِ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فَلَمَّا صَلَّى بِهِمُ

[3158] حضرت عمرو بن عوف انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، جو بنو عامر بن لؤی قبیلے کے حلیف اور غزوۂ بدر میں شریک ہو چکے تھے، کہ رسول اللہ ﷺ نے ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو بحرین بھیجا تاکہ وہاں کا جزیہ لے آئیں۔ ہوا یوں تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے بحرین والوں سے صلح کر لی تھی اور حضرت علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ کو وہاں کا حاکم بنا دیا تھا۔ الغرض حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ بحرین کا مال لے کر آئے۔ جب انصار نے حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کے آنے کی خبر سنی تو انھوں نے نماز فجر نبی ﷺ کے ہمراہ ادا کی۔ جب آپ انھیں نماز پڑھا چکے تو وہ آپ کے سامنے آئے۔ رسول اللہ ﷺ نے جب انھیں دیکھا تو مسکراتے ہوئے

① المصنف لعبد الرزاق: 10/327. ② صحيح مسلم، الجهاد والسير، حديث: 4522 (1781).

الْفَجْرَ انْصَرَفَ فَتَعَرَّضُوا لَهُ فَتَبَسَّمَ رَسُولُ اللهِ ﷺ حِينَ رَآهُمْ وَقَالَ: «أَظُنُّكُمْ قَدْ سَمِعْتُمْ أَنَّ أَبَا عُبَيْدَةَ قَدْ جَاءَ بِشَيْءٍ؟» قَالُوا: أَجَلْ يَا رَسُولَ اللهِ! قَالَ: «فَأَبْشِرُوا وَأَمِّلُوا مَا يَسُرُّكُمْ، فَوَاللهِ لَا الْفَقْرَ أَخْشٰى عَلَيْكُمْ وَلٰكِنْ أَخْشٰى عَلَيْكُمْ أَنْ تُبْسَطَ عَلَيْكُمُ الدُّنْيَا كَمَا بُسِطَتْ عَلٰى مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ فَتَنَافَسُوهَا كَمَا تَنَافَسُوهَا وَتُهْلِكَكُمْ كَمَا أَهْلَكَتْهُمْ» [انظر: ٤٠١٥، ٦٤٢٥].

فرمایا: ”میرے خیال کے مطابق تم نے سن لیا ہے کہ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کچھ مال لائے ہیں؟“ انھوں نے عرض کیا: ہاں، اللہ کے رسول! آپ نے فرمایا: ”تو پھر تم خوش ہو جاؤ، اور خوشی کی امید رکھو، اللہ کی قسم! مجھے تمھاری ناداری اور فقیری کا ڈر نہیں بلکہ مجھے تو اس بات کا اندیشہ ہے کہ دنیا تم پر کشادہ کر دی جائے گی جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں کے لیے کشائش کی گئی تھی۔ پھر تم ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو گے جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں نے کیا تھا۔ پھر وہ تمھیں ہلاک کر دے گی جیسا کہ ان لوگوں کو ہلاک کر دیا تھا۔“

فوائد ومسائل: ① رسول اللہ ﷺ نے نو ہجری میں اہل بحرین سے صلح کی تھی۔ اس وقت بحرین کے لوگ مجوسی تھے۔ ② موادعت سے مراد ترک قتال ہے۔ اہل بحرین کے خلاف اقدام قتال سے باز رہنا اور ان سے جزیہ لینے پر صلح کرنا موادعت ہے۔ وہاں حضرت علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ کو گورنر مقرر کیا تھا تاکہ وہ ان کی نقل وحرکت پر نظر رکھیں۔ ③ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دنیا کی رغبت کبھی ہلاکت تک پہنچا دیتی ہے۔ مسلمانوں کا قومی سطح پر جتنا بھی نقصان ہوا اگر اس کا بغور جائزہ لیا جائے تو وہاں دنیا طلبی کے متعلق منفی جذبات ہی کارفرما نظر آتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں اس مرض کی نشاندہی کی ہے اور اس کا علاج بھی تجویز کیا ہے۔ افسوس کہ آج بھی عرب ممالک کو دیکھا جا سکتا ہے کہ یہودی ان کی چھاتیوں پر سوار ہیں اور وہ دنیا طلبی میں ایک دوسرے سے آگے بڑھ رہے ہیں اور آپس میں لڑ لڑ کر کمزور ہو رہے ہیں۔ واللہ المستعان.

٣١٥٩ - حَدَّثَنَا الْفَضْلُ بْنُ يَعْقُوبَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ جَعْفَرٍ الرَّقِّيُّ: حَدَّثَنَا الْمُعْتَمِرُ بْنُ سُلَيْمَانَ: حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عُبَيْدِ اللهِ الثَّقَفِيُّ: حَدَّثَنَا بَكْرُ بْنُ عَبْدِ اللهِ الْمُزَنِيُّ وَزِيَادُ بْنُ جُبَيْرٍ عَنْ جُبَيْرِ بْنِ حَيَّةَ، قَالَ: بَعَثَ عُمَرُ النَّاسَ فِي أَفْنَاءِ الْأَمْصَارِ يُقَاتِلُونَ الْمُشْرِكِينَ، فَأَسْلَمَ الْهُرْمُزَانُ فَقَالَ: إِنِّي مُسْتَشِيرُكَ فِي مَغَازِيَّ هٰذِهِ. قَالَ: نَعَمْ، مَثَلُهَا وَمَثَلُ مَنْ فِيهَا مِنَ النَّاسِ مِنْ عَدُوِّ الْمُسْلِمِينَ مَثَلُ طَائِرٍ لَهُ رَأْسٌ وَلَهُ جَنَاحَانِ وَلَهُ رِجْلَانِ، فَإِنْ كُسِرَ أَحَدُ

[3159] جبیر بن حیہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجاہدین کو بڑے بڑے شہروں میں مشرکین سے جنگ کے لیے بھیجا۔ پھر جب ہرمزان مسلمان ہو گیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں تجھ سے اپنی جنگی کارروائیوں کی بابت مشورہ کرتا ہوں۔ ہرمزان نے کہا: بہت خوب! ان ملکوں کی اور جو لوگ وہاں مسلمانوں کے دشمن ہیں ان کی مثال ایک پرندے کی سی ہے جس کا ایک سر، دو بازو اور دو پاؤں ہوں۔ ایک بازو اگر توڑ دیا جائے تو وہ پرندہ دونوں پاؤں، سر اور ایک ہی بازو سے حرکت کرے گا۔ اگر اس کا دوسرا بازو بھی توڑ دیا جائے تب بھی اس کے دونوں پاؤں اور سر کھڑے ہو

الْجَنَاحَيْنِ نَهَضَتِ الرِّجْلَانِ بِجَنَاحٍ وَالرَّأْسُ فَإِنْ كُسِرَ الْجَنَاحُ الْآخَرُ نَهَضَتِ الرِّجْلَانِ وَالرَّأْسُ، وَإِنْ شُدِخَ الرَّأْسُ ذَهَبَتِ الرِّجْلَانِ وَالْجَنَاحَانِ وَالرَّأْسُ، فَالرَّأْسُ كِسْرٰى وَالْجَنَاحُ قَيْصَرُ وَالْجَنَاحُ الْآخَرُ فَارِسُ، فَمُرِ الْمُسْلِمِينَ فَلْيَنْفِرُوا إِلَى كِسْرٰى. وَقَالَ بَكْرٌ وَزِيَادٌ جَمِيعًا عَنْ جُبَيْرِ بْنِ حَيَّةَ، فَنَدَبَنَا عُمَرُ وَاسْتَعْمَلَ عَلَيْنَا النُّعْمَانَ بْنَ مُقَرِّنٍ، حَتّٰى إِذَا كُنَّا بِأَرْضِ الْعَدُوِّ، خَرَجَ عَلَيْنَا عَامِلُ كِسْرٰى فِي أَرْبَعِينَ أَلْفًا، فَقَامَ تَرْجُمَانٌ فَقَالَ: لِيُكَلِّمْنِي رَجُلٌ مِّنكُمْ، فَقَالَ الْمُغِيرَةُ: سَلْ عَمَّا شِئْتَ، قَالَ: مَا أَنْتُمْ؟ قَالَ: نَحْنُ أُنَاسٌ مِّنَ الْعَرَبِ كُنَّا فِي شَقَاءٍ شَدِيدٍ وَّبَلَاءٍ شَدِيدٍ نَّمَصُّ الْجِلْدَ وَالنَّوٰى مِنَ الْجُوعِ، وَنَلْبَسُ الْوَبَرَ وَالشَّعَرَ، وَنَعْبُدُ الشَّجَرَ وَالْحَجَرَ، فَبَيْنَا نَحْنُ كَذٰلِكَ إِذْ بَعَثَ رَبُّ السَّمٰوَاتِ وَرَبُّ الْأَرَضِينَ - تَعَالٰى ذِكْرُهُ، وَجَلَّتْ عَظَمَتُهُ - إِلَيْنَا نَبِيًّا مِّنْ أَنْفُسِنَا نَعْرِفُ أَبَاهُ وَأُمَّهُ، فَأَمَرَنَا نَبِيُّنَا رَسُولُ رَبِّنَا ﷺ أَنْ نُّقَاتِلَكُمْ حَتّٰى تَعْبُدُوا اللهَ وَحْدَهُ أَوْ تُؤَدُّوا الْجِزْيَةَ. وَأَخْبَرَنَا نَبِيُّنَا ﷺ عَنْ رِّسَالَةِ رَبِّنَا أَنَّهُ مَنْ قُتِلَ مِنَّا صَارَ إِلَى الْجَنَّةِ فِي نَعِيمٍ لَّمْ يَرَ مِثْلَهَا قَطُّ، وَمَنْ بَقِيَ مِنَّا مَلَكَ رِقَابَكُمْ. [انظر: ٧٥٣٠]

جائیں گے لیکن اگر سر کچل دیا جائے تو نہ پاؤں کچھ کام کے رہیں گے نہ بازو اور نہ سر۔ (دیکھیے) ان دشمنوں کا سر کسریٰ ہے اور ایک بازو قیصر اور دوسرا بازو فارس ہے، لہٰذا آپ مسلمانوں کو حکم دیں کہ پہلے وہ کسریٰ کی طرف کوچ کریں۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجاہدین کی ایک جماعت کو جمع کیا اور حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ کو اس کا امیر مقرر کیا۔ جب یہ مجاہدین دشمن کی سرزمین میں پہنچے تو کسریٰ کا ایک عامل چالیس ہزار فوج لے کر ان کے مقابلے میں آیا اور اس کی طرف سے ایک ترجمان کھڑا ہو کر کہنے لگا: تم میں سے کوئی ایک شخص مجھ سے بات کرے۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جو پوچھنا چاہتے ہو پوچھو! اس نے کہا: تم کون ہو؟ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ہم عرب لوگ ہیں۔ ہم سخت بدبختی کا شکار اور انتہائی مصیبت میں مبتلا تھے، بھوک کے مارے چمڑا اور کھجور کی گٹھلیاں چوستے تھے۔ اونٹوں کی اون اور بکریوں کے بالوں کے کپڑے پہنا کرتے تھے، درختوں اور پتھروں کی پوجا کرتے تھے، ہم لوگ اسی حالت میں مبتلا تھے کہ آسمانوں اور زمینوں کے رب نے...... جس کا ذکر اپنی تمام تر عظمت و جلال کے ساتھ بلند و برتر ہے...... ہماری قوم کا ایک رسول ہمارے پاس بھیجا، جس کے والدین کو ہم جانتے تھے، پھر ہمارے پروردگار کے رسول اور ہمارے نبی ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ اس وقت تک ہم تم سے جنگ کریں جب تک تم اکیلے اللہ کی عبادت نہ کرو یا جزیہ نہ دو۔ اور ہمارے نبی ﷺ نے ہمارے پروردگار کا یہ پیغام ہمیں پہنچایا کہ جو کوئی ہم میں سے مارا جائے وہ جنت کی ایسی نعمتوں میں پہنچ جائے گا جو اس نے کبھی نہ دیکھی ہوں گی اور جو شخص ہم میں سے زندہ رہے گا وہ تمھاری گردنوں کا مالک بنے گا۔

٣١٦٠ - فَقَالَ النُّعْمَانُ: رُبَّمَا أَشْهَدَكَ اللهُ مِثْلَهَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فَلَمْ يُنَدِّمْكَ وَلَمْ يُخْزِكَ، وَلٰكِنِّي شَهِدْتُ الْقِتَالَ مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ، كَانَ إِذَا لَمْ يُقَاتِلْ فِي أَوَّلِ النَّهَارِ انْتَظَرَ حَتّٰى تَهُبَّ الْأَرْوَاحُ وَتَحْضُرَ الصَّلَوَاتُ.

[3160] (جب حضرت مغیرہ ؓ نے یہ گفتگو کر کے فوراً لڑائی کرنا چاہی تو) حضرت نعمان بن مقرن ؓ نے کہا: تم تو اکثر نبی ﷺ کے ساتھ جنگ میں شریک ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے تمھیں کسی موقع پر شرمندہ یا ذلیل نہیں کیا اور میں نے بھی اکثر رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ جنگ میں شریک ہو کر دیکھا کہ آپ دن کے اول وقت میں جنگ نہیں کرتے تھے بلکہ انتظار فرماتے یہاں تک کہ ہوائیں چلنے لگتیں اور نماز کا وقت آ جاتا۔

فوائد و مسائل: ① واقعہ یہ ہے کہ حضرت عمر ؓ کے دور حکومت میں لشکر اسلام ایران کی طرف چلا۔ جب قادسیہ پہنچا تو شاہ ایران یزدگرد نے ایک زبردست فوج مسلمانوں کے مقابلے کے لیے روانہ کی جس سے مسلمانوں کو کافی نقصان پہنچا۔ طلیحہ اسدی، عمرو بن معدیکرب اور ضرار بن خطاب جیسے اسلامی بہادر اس جنگ میں شہید ہو گئے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایک تیز آندھی بھیجی جس نے کافروں کے خیمے اکھاڑ دیے۔ ادھر سے مسلمانوں نے حملہ کر دیا۔ وہ بھاگے اور اس بھگدڑ میں ان کا نامی گرامی پہلوان رستم ثانی مارا گیا۔ مجاہدین ان کا تعاقب کرتے ہوئے مدائن پہنچے۔ وہاں کا رئیس ہرمزان قلعہ بند ہو گیا۔ آخر اس نے امان طلب کی اور خوشی سے مسلمان ہو گیا۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری ؓ جو اسلامی فوج کے سربراہ تھے انھوں نے ہرمزان کو حضرت عمر ؓ کے پاس بھیج دیا۔ حضرت عمر ؓ نے اس کی عزت افزائی کی۔ اسے صاحب فراست اور عقلمند پایا تو اسے اپنا مشیر خاص بنا لیا، چنانچہ ہرمزان نے کسریٰ کے متعلق صحیح مشورہ دیا جس کا مذکورہ حدیث میں ذکر ہے۔[1] ② حضرت مغیرہ بن شعبہ ؓ نے جب دشمن کی فوج کو دیکھا کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ لوہے کی زنجیر میں بندھے ہوئے ہیں تاکہ بھاگ نہ سکیں تو انھوں نے ان پر جلدی حملہ کرنا چاہا تاکہ انھیں تیاری کا موقع نہ مل سکے۔ حضرت نعمان ؓ نے فرمایا: واقعی آپ بہت خوبیوں کے مالک ہیں لیکن میں تو جلد بازی سے کام نہیں لوں گا بلکہ رسول اللہ ﷺ کی سیرت کی اتباع کروں گا اور ہواؤں کے چلنے پر زوال آفتاب کا انتظار کروں گا تاکہ اس اتباع کے سبب ہمیں کامیابی نصیب ہو۔ ③ اس حدیث میں جزیے کا ذکر ہے اور اس طرح حضرت نعمان بن مقرن ؓ نے دشمن پر حملے میں تاخیر کی حتی کہ نصرت کی ہوائیں چلنے اور زوال آفتاب کا انتظار کیا۔ یہ تاخیر موادعت ہے کیونکہ اس میں صلح کا امکان تھا۔ ④ اس حدیث سے باہمی مشاورت کی اہمیت کا بھی پتہ چلتا ہے، نیز معلوم ہوا کہ مرتبے میں بڑا آدمی اپنے سے کمتر کا مشورہ لے سکتا ہے۔[2] ⑤ غیر مسلموں پر جزیہ عائد کرنے کی حکمت یہ ہے کہ اس سے انھیں غور و فکر کرنے کا موقع ملے گا اور جزیے کی ذلت انھیں اسلام قبول کرنے پر آمادہ کرے گی، نیز اہل اسلام کے ساتھ ملنے جلنے سے انھیں اسلام کی خوبیوں کا تجربہ ہو گا۔[3]

1 عمدة القاري: 508/10. 2 عمدة القاري: 508/10. 3 فتح الباري: 311/6.

(٢) بَابٌ: إِذَا وَادَعَ الْإِمَامُ مَلِكَ الْقَرْيَةِ، هَلْ يَكُونُ ذٰلِكَ لِبَقِيَّتِهِمْ؟

باب: 2- جب امام کسی ملک کے بادشاہ سے صلح کرے تو کیا یہ صلح تمام رعایا سے ہوگی؟

٣١٦١ - حَدَّثَنَا سَهْلُ بْنُ بَكَّارٍ: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ عَنْ عَمْرِو بْنِ يَحْيٰى، عَنْ عَبَّاسٍ السَّاعِدِيِّ، عَنْ أَبِي حُمَيْدٍ السَّاعِدِيِّ قَالَ: غَزَوْنَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ تَبُوكَ، وَأَهْدٰى مَلِكُ أَيْلَةَ لِلنَّبِيِّ ﷺ بَغْلَةً بَيْضَاءَ، وَكَسَاهُ بُرْدًا، وَكَتَبَ لَهُ بِبَحْرِهِمْ. [راجع: ١٤٨١]

[3161] حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ ہم نے نبی ﷺ کے ہمراہ غزوۂ تبوک میں حصہ لیا۔ اس دوران میں ایلہ کے بادشاہ نے نبی ﷺ کو ایک سفید خچر تحفہ دیا تو آپ نے بھی اسے ایک چادر خلعت پہنائی، نیز آپ نے ان کا بحری علاقہ اسی کے نام لکھ دیا تھا۔

فوائد و مسائل: ① ''ایلہ'' حجاز اور شام کی سرحد پر ایک قدیم شہر آباد ہے جسے دور حاضر میں مدینہ عقبہ کہا جاتا ہے۔ ② رسول اللہ ﷺ کا ہدیہ قبول کرنا اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ آپ نے ان سے مصالحت کر لی، نیز آپ کا اس کو سمندری علاقے کی حکومت لکھ کر دینا بھی اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ بادشاہ اور رعایا سب اس مصالحت میں شامل ہیں کیونکہ بادشاہ کی مصالحت، رعایا کی مصالحت قرار پاتی ہے۔ لوگوں کی قوت بادشاہ کے ساتھ ہوتی ہے اور رعایا کے تمام لوگ بادشاہ کے ماتحت ہوتے ہیں، لہٰذا وہ ان سے علیحدہ نہیں ہو سکتا اور نہ وہ بادشاہ ہی سے علیحدہ رہ سکتے ہیں۔ ③ لفظ لهم میں جمع کی ضمیر بھی اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ تمام رعایا اس میں شامل ہے اگرچہ ایک روایت میں مفرد کی ضمیر ہے،[1] تاہم اس سے بھی مدعا واضح ہے کہ بادشاہ کی مصالحت باقی تمام رعایا کی مصالحت ہوگی۔ ④ دراصل امام بخاری رحمہ اللہ نے اس عنوان سے ایک حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے جس میں ایلہ کے بادشاہ اور اس کی رعایا کے لیے امن کی صراحت ہے۔ اسے ابن اسحاق نے اپنی تالیف السیرۃ میں نقل کیا ہے۔ اس کے الفاظ ہیں: جب رسول اللہ ﷺ تبوک پہنچے تو آپ کے پاس ایلہ کا بادشاہ آیا تو اس نے آپ کو جزیہ پیش کیا اور آپ سے مصالحت کی تو رسول اللہ ﷺ نے ان الفاظ میں پروانہ لکھ کر اس کے حوالے کیا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

''یہ پروانۂ امن اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے ایلہ کے بادشاہ اور اس کی رعایا کے لیے ہے۔''[2]

(٣) بَابُ الْوَصَاةِ بِأَهْلِ ذِمَّةِ رَسُولِ اللهِ ﷺ

باب: 3- رسول اللہ ﷺ کے امن کے تحت آنے والوں سے اچھا سلوک کرنا

وَالذِّمَّةُ: اَلْعَهْدُ. وَالْإِلُّ: اَلْقَرَابَةُ.

ذمۃ کے معنی عہد اور إلّ کے معنی قرابت کے ہیں۔

① صحیح البخاري، الزکاۃ، حدیث: 1481. ② فتح الباري: 321/6.

وضاحت: مشرکین کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿لَا يَرْقُبُوْنَ فِي مُؤْمِنٍ إِلًّا وَّلَا ذِمَّةً﴾ "وہ کسی مومن کے معاملے میں کسی قرابت کا لحاظ رکھتے ہیں نہ کسی عہد کا پاس کرتے ہیں۔"[1] امام بخاری رحمہ اللہ نے اس آیت کریمہ میں آنے والے دو لفظوں کی لغوی تشریح کی ہے، یعنی آپ اس امر کی وضاحت کرنا چاہتے ہیں کہ اہل ذمہ کو ذمی اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ مسلمانوں کے عہد اور امان میں داخل ہو جاتے ہیں۔

٣١٦٢ - حَدَّثَنَا آدَمُ بْنُ أَبِي إِيَاسٍ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ: حَدَّثَنَا أَبُو جَمْرَةَ قَالَ: سَمِعْتُ جُوَيْرِيَةَ ابْنَ قُدَامَةَ التَّمِيمِيَّ قَالَ: سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قُلْنَا: أَوْصِنَا يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ، قَالَ: أُوصِيكُمْ بِذِمَّةِ اللهِ فَإِنَّهُ ذِمَّةُ نَبِيِّكُمْ وَرِزْقُ عِيَالِكُمْ. [راجع: ١٣٩٢]

[3162] حضرت جویریہ بن قدامہ تمیمی سے روایت ہے کہ ہم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا: امیر المومنین! آپ ہمیں کوئی وصیت کریں تو انھوں نے فرمایا: میں تمھیں اللہ کے عہد کی وصیت کرتا ہوں (کہ اس کو پورا کرو) کیونکہ وہ تمھارے نبی کا عہد اور تمھارے بال بچوں کا رزق ہے۔

فائدہ: اہل ذمہ سے ان کی حفاظت کے عوض جو جزیہ حاصل ہوتا ہے، وہ مسلمانوں میں تقسیم ہوتا ہے اور ان کی ضروریات پر صرف ہوتا ہے، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اہل ذمہ سے جو عہد و پیمان کیا تھا اسے خوش اسلوبی سے پورا کرنا ضروری تھا۔ ایک روایت میں ہے: "انھیں ان کی ہمت سے زیادہ تکلیف نہ دو۔"[2] اس روایت کا تقاضا ہے کہ اہل ذمہ سے جزیہ اتنا ہی وصول کیا جائے جس کی وہ طاقت رکھتے ہوں۔[3]

(٤) بَابُ مَا أَقْطَعَ النَّبِيُّ ﷺ مِنَ الْبَحْرَيْنِ، وَمَا وَعَدَ مِنْ مَالِ الْبَحْرَيْنِ وَالْجِزْيَةِ وَلِمَنْ يُقْسَمُ الْفَيْءُ وَالْجِزْيَةُ؟

باب: 4- نبی ﷺ کا بحرین سے جاگیریں دینا، نیز بحرین کی آمدنی اور جزیے سے کسی کو کچھ دینے کا وعدہ کرنا اور مال فے اور جزیہ کن لوگوں میں تقسیم کیا جائے؟

٣١٦٣ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ: حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسًا قَالَ: دَعَا النَّبِيُّ ﷺ الْأَنْصَارَ لِيَكْتُبَ لَهُمْ بِالْبَحْرَيْنِ، فَقَالُوا: لَا وَاللهِ حَتَّى تَكْتُبَ لِإِخْوَانِنَا مِنْ قُرَيْشٍ بِمِثْلِهَا، فَقَالَ: «ذَاكَ لَهُمْ مَا شَاءَ اللهُ عَلَى ذٰلِكَ» يَقُولُونَ لَهُ، قَالَ: «فَإِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ

[3163] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے انصار کو بلایا تاکہ بحرین کا علاقہ ان کے لیے لکھ دیں، لیکن انھوں نے عرض کیا: اللہ کی قسم! ایسا نہیں ہو سکتا جب تک آپ اسی قدر جاگیریں ہمارے قریشی بھائیوں کے لیے نہ لکھ دیں۔ آپ نے فرمایا: "یہ تو ان کے لیے اس وقت ہوگا جب اللہ چاہے گا۔" بہر حال وہ (انصار)

---

[1] التوبة 10:9. [2] صحيح البخاري، الجنائز، حديث: 1392. [3] فتح الباري: 322/6.

بَعْدِي أَثَرَةً فَاصْبِرُوا حَتّٰى تَلْقَوْنِي عَلَى الْحَوْضِ». [راجع: ٢٣٧٦]

آپ سے یہ عرض کرتے رہے۔ آخر کار آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم میرے بعد ترجیحات کو دیکھو گے (تم پر دوسروں کو ترجیح دی جائے گی) لیکن صبر کرنا حتی کہ حوضِ کوثر پر (قیامت کے دن) مجھ سے ملاقات کرو۔''

فوائد و مسائل: ① اس عنوان کے تین اجزاء ہیں اور تین احادیث ذکر کی گئی ہیں، بالترتیب ہر حدیث عنوان کے ہر حصے کے مطابق ہے۔ ② پہلا حصہ جاگیریں دینے سے متعلق ہے اور اس حدیث میں بھی جاگیریں دیے جانے کا ذکر ہے۔ بعض جاگیریں مستقل طور پر ملکیت قرار پاتی ہیں جبکہ کچھ جاگیریں محدود مدت کے لیے دی جاتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے انصار کو جاگیریں عطا کرنے کی پیشکش کی، لیکن انھوں نے اسے قبول نہ کیا بلکہ مہاجرین کو اپنے ساتھ شامل کرنے کی درخواست کی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آج تم ان سے اس قدر ایثار اور ہمدردی کا اظہار کر رہے ہو تو اسے برقرار رکھنا کیونکہ مستقبل میں یہ لوگ تمھیں نظر انداز کر دیں گے، اس لیے صبر کرنا، بے صبری اور لالچ کا مظاہرہ کر کے اپنے اجر و ثواب کو ضائع نہ کرنا، چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ انصار کو حکومتی عہدوں سے دور رکھا گیا۔

٣١٦٤ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: أَخْبَرَنِي رَوْحُ بْنُ الْقَاسِمِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ قَالَ لِي: «لَوْ قَدْ جَاءَنَا مَالُ الْبَحْرَيْنِ قَدْ أَعْطَيْتُكَ هٰكَذَا وَهٰكَذَا وَهٰكَذَا»، فَلَمَّا قُبِضَ رَسُولُ اللهِ ﷺ، وَجَاءَ مَالُ الْبَحْرَيْنِ، فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ: مَنْ كَانَتْ لَهُ عِنْدَ رَسُولِ اللهِ ﷺ عِدَةٌ فَلْيَأْتِنِي، فَأَتَيْتُهُ فَقُلْتُ: إِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَدْ كَانَ قَالَ لِي: «لَوْ قَدْ جَاءَنَا مَالُ الْبَحْرَيْنِ لَأَعْطَيْتُكَ هٰكَذَا وَهٰكَذَا وَهٰكَذَا». فَقَالَ لِي: أُحْثُهْ، فَحَثَوْتُ حَثْيَةً، فَقَالَ لِي: عُدَّهَا، فَعَدَدْتُهَا فَإِذَا هِيَ خَمْسُمِائَةٍ فَأَعْطَانِي أَلْفًا وَخَمْسَمِائَةٍ. [راجع: ٢٢٩٦]

[3164] حضرت جابر بن عبداللہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: ''اگر ہمارے پاس بحرین سے مال آیا تو میں تمھیں اتنا، اتنا اور اتنا دوں گا۔'' پھر جب رسول اللہ ﷺ وفات پا گئے تو اس کے بعد بحرین کا مال آیا۔ تب حضرت ابوبکر ؓ نے فرمایا: جس کسی سے رسول اللہ ﷺ نے کوئی وعدہ کیا ہو وہ میرے پاس آئے (میں وعدہ پورا کروں گا)، چنانچہ میں حضرت ابوبکر ؓ کے پاس گیا اور عرض کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ اگر بحرین کا مال آیا تو میں تجھے اتنا، اتنا اور اتنا دوں گا۔ حضرت ابوبکر ؓ نے مجھ سے فرمایا: تم اس سے لپ بھر لو۔ میں نے ایک لپ بھری تو انھوں نے مجھے فرمایا کہ اب اسے شمار کرو۔ میں نے انھیں شمار کیا تو وہ پانچ سو ہوئے۔ پھر انھوں نے مجھے ایک ہزار پانچ سو دیے۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے امام بخاری ؒ نے عنوان کا دوسرا جز ثابت کیا ہے کہ بحرین کے مال فے اور جزیے

سے حضرت جابر ؓ کو کچھ دینے کا وعدہ کیا تھا، لیکن وعدہ پورا کرنے سے پہلے داعیٔ اجل کو لبیک کہہ دیا۔ دراصل بحرین سے جزیے کا مال آیا تھا اور جزیہ بھی فے میں سے ہے جو جنگ کے بغیر حاصل ہوتا ہے۔ ② امام بخاری ؒ کا موقف ہے کہ مال فے جزیہ اور خراج وغیرہ امام کی صوابدید پر موقوف ہے، وہ جہاں چاہے جیسے چاہے خرچ کر سکتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے صوابدیدی اختیارات کی وجہ سے حضرت جابر ؓ کو کچھ دینے کا وعدہ کیا تھا جسے حضرت ابوبکر ؓ نے پورا کیا۔

٣١٦٥ - وَقَالَ إِبْرَاهِيمُ بْنُ طَهْمَانَ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ صُهَيْبٍ، عَنْ أَنَسٍ: أُتِيَ النَّبِيُّ ﷺ بِمَالٍ مِّنَ الْبَحْرَيْنِ فَقَالَ: «انْثُرُوهُ فِي الْمَسْجِدِ»، فَكَانَ أَكْثَرَ مَالٍ أُتِيَ بِهِ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذْ جَاءَهُ الْعَبَّاسُ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! أَعْطِنِي إِنِّي فَادَيْتُ نَفْسِي وَفَادَيْتُ عَقِيلًا فَقَالَ: «خُذْ»، فَحَثَا فِي ثَوْبِهِ، ثُمَّ ذَهَبَ يُقِلُّهُ فَلَمْ يَسْتَطِعْ، فَقَالَ: اؤْمُرْ بَعْضَهُمْ يَرْفَعْهُ إِلَيَّ. قَالَ: «لَا»، قَالَ: فَارْفَعْهُ أَنْتَ عَلَيَّ، قَالَ: «لَا»، فَنَثَرَ مِنْهُ ثُمَّ ذَهَبَ يُقِلُّهُ فَلَمْ يَرْفَعْهُ فَقَالَ: فَمُرْ بَعْضَهُمْ يَرْفَعْهُ عَلَيَّ، قَالَ: «لَا»، قَالَ: فَارْفَعْهُ أَنْتَ عَلَيَّ، قَالَ: «لَا»، فَنَثَرَ مِنْهُ ثُمَّ احْتَمَلَهُ عَلَى كَاهِلِهِ ثُمَّ انْطَلَقَ فَمَا زَالَ يُتْبِعُهُ بَصَرَهُ حَتَّى خَفِيَ عَلَيْنَا عَجَبًا مِّنْ حِرْصِهِ، فَمَا قَامَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَثَمَّ مِنْهَا دِرْهَمٌ. [راجع: ٤٢١]

[3165] حضرت انس ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کے پاس بحرین سے مال آیا تو آپ نے فرمایا: ''اسے مسجد میں پھیلا دو۔'' یہ مال ان اموال میں سے تھا جو کثیر مقدار میں تھا۔ اتنے میں حضرت عباس ؓ آگئے اور عرض کیا: اللہ کے رسول! مجھے عنایت فرمائیں کیونکہ میں نے اپنی ذات کا فدیہ ادا کیا تھا اور عقیل کا بھی۔ آپ نے فرمایا: ''اچھا لے لو۔'' چنانچہ انھوں نے اپنے کپڑے میں مال بھر لیا۔ پھر اسے اٹھانا چاہا لیکن نہ اٹھا سکے تو عرض کیا: آپ کسی صحابی کو حکم دیں وہ اٹھا کر میرے اوپر رکھ دے۔ آپ نے فرمایا: ''یہ نہیں ہو سکتا۔'' حضرت عباس ؓ نے کہا: پھر آپ ہی اسے اٹھا کر میرے اوپر رکھ دیں تو آپ نے فرمایا: ''یہ بھی نہیں ہو سکتا۔'' پھر حضرت عباس ؓ نے اس میں سے کچھ کم کر دیا۔ پھر اسے اٹھانا چاہا لیکن نہ اٹھا سکے۔ انھوں نے عرض کیا: کسی کو کہیں، وہ اٹھا کر میرے اوپر رکھ دے۔ آپ نے فرمایا: ''ایسا نہیں ہو سکتا۔'' عرض کیا: پھر آپ ہی اسے اٹھا کر میرے اوپر رکھ دیں۔ آپ نے فرمایا: ''یہ بھی نہیں ہو سکتا۔'' حضرت عباس ؓ نے پھر کچھ مال نکال دیا۔ تب کہیں جا کر اسے کندھے پر اٹھا سکے اور لے کر جانے لگے۔ آپ ﷺ نے ان کی حرص پر تعجب کرتے ہوئے اپنی نگاہیں ان کے پیچھے لگائے رکھیں حتی کہ وہ ہماری نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ اس وقت تک وہاں سے نہ اٹھے جب تک وہاں ایک درہم بھی باقی رہا۔

فائدہ: اس حدیث سے امام بخاری رحمہ اللہ نے تیسرے جز کو ثابت کیا ہے کہ مال فے اور جزیے کے متعلق امام وقت کو اختیار ہے کہ اس میں سے جس قدر چاہے، جسے چاہے عطا کر سکتا ہے۔ کچھ حضرات کا موقف ہے کہ امام کو چاہیے کہ وہ مال فے یا جزیہ سب میں برابر تقسیم کرے اور کسی کو دوسرے پر فوقیت نہ دے لیکن امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ امام کی صوابدید پر موقوف ہے کہ وہ تمام مجاہدین کو برابر دے یا کسی کو زیادہ دے اور کسی کو کم دے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے طرز عمل سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ امام کو اس کے بارے میں کلی طور پر اختیارات حاصل ہیں کہ وہ برابر برابر تقسیم کرے یا کسی کو دوسرے پر فوقیت دے۔ واللّٰہ أعلم.

(٥) بَابُ إِثْمِ مَنْ قَتَلَ مُعَاهَدًا بِغَيْرِ جُرْمٍ

باب: 5- کسی ذمی کو ناحق قتل کرنے کا گناہ

٣١٦٦ - حَدَّثَنَا قَيْسُ بْنُ حَفْصٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ: حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَمْرٍو: حَدَّثَنَا مُجَاهِدٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَنْ قَتَلَ مُعَاهَدًا لَّمْ يَرِحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ، وَإِنَّ رِيحَهَا يُوجَدُ مِنْ مَّسِيرَةِ أَرْبَعِينَ عَامًا». [انظر: ٦٩١٤]

[3166] حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ”جو شخص کسی عہد والے کو قتل کرے گا وہ جنت کی خوشبو تک نہیں پائے گا، حالانکہ جنت کی خوشبو چالیس برس کی مسافت تک پہنچتی ہوگی۔“

فوائد و مسائل: ① اگرچہ اس حدیث میں ”ناحق“ کے الفاظ نہیں ہیں لیکن قواعد شرعیہ کا یہی تقاضا ہے کہ اس سے مراد قتل ناحق ہے، تاہم بعض روایات میں بغیر حق کی تصریح موجود ہے، نیز سنن نسائی میں ہے: ”جس شخص نے کسی ذمی کو ناحق قتل کیا اس پر جنت حرام ہے۔“[1] ② مذکورہ شخص اس وقت تک جنت کی خوشبو نہیں پائے گا جب تک اپنے جرم کی سزا نہ پالے یا اس سے مراد وہ شخص ہے جس نے جائز اور حلال خیال کر کے ذمی کو قتل کیا ہو۔ بہر حال یہ حدیث سخت وعید پر محمول ہے۔

(٦) بَابُ إِخْرَاجِ الْيَهُودِ مِنْ جَزِيرَةِ الْعَرَبِ

باب: 6- یہودیوں کو جزیرۂ عرب (حجاز) سے نکالنا

وَقَالَ عُمَرُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: «أُقِرُّكُمْ مَّا أَقَرَّكُمُ اللهُ».

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”میں تمھیں اس وقت تک رہنے دوں گا جب تک تمھیں اللہ رکھے گا۔“

وضاحت: رسول اللہ ﷺ نے اپنی حیات طیبہ ہی میں یہودیوں کو جلا وطن کرنے کی نیت کر لی تھی مگر آپ کی وفات ہوگئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت میں ان کی مسلسل غداریوں اور سازشوں کی وجہ سے انھیں وہاں سے نکال دیا۔

---

① سنن النسائي، القسامة، حديث: 4752.

٣١٦٧ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ قَالَ: حَدَّثَنِي سَعِيدٌ الْمَقْبُرِيُّ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: بَيْنَمَا نَحْنُ فِي الْمَسْجِدِ، خَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ: «انْطَلِقُوا إِلَى يَهُودَ»، فَخَرَجْنَا حَتَّى جِئْنَا بَيْتَ الْمِدْرَاسِ، فَقَالَ: «أَسْلِمُوا تَسْلَمُوا، وَاعْلَمُوا أَنَّ الْأَرْضَ لِلّٰهِ وَرَسُولِهِ، وَإِنِّي أُرِيدُ أَنْ أُجْلِيَكُمْ مِنْ هٰذِهِ الْأَرْضِ، فَمَنْ يَجِدْ مِنْكُمْ بِمَالِهِ شَيْئًا فَلْيَبِعْهُ، وَإِلَّا فَاعْلَمُوا أَنَّ الْأَرْضَ لِلّٰهِ وَرَسُولِهِ». [انظر: ٦٩٤٤، ٧٣٤٨]

[3167] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ایک دفعہ ہم مسجد نبوی میں تھے کہ نبی ﷺ گھر سے باہر تشریف لائے اور فرمایا: ''یہودیوں کے پاس چلیں۔'' چنانچہ ہم روانہ ہوئے حتی کہ بیت المدراس میں آئے تو آپ نے (ان سے) فرمایا: ''مسلمان ہو جاؤ تو سلامتی کے ساتھ رہو گے۔ خوب جان لو! زمین اللہ اور اس کے رسول کی ہے اور میرا ارادہ ہے کہ تمھیں اس زمین سے جلا وطن کر دوں، لہٰذا تم میں سے کوئی کچھ مال واسباب پائے تو اسے فروخت کر دے بصورت دیگر تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ زمین تو اللہ اور اس کے رسول ہی کی ہے۔''

فوائد و مسائل: ① رسول اللہ ﷺ سرزمین عرب میں غیر مسلم کا وجود اچھا نہیں سمجھتے تھے، اس لیے آپ نے یہودیوں کو نکالنے کا ارادہ فرمایا کیونکہ آپ نے بنونضیر کو آزما لیا تھا جبکہ انھوں نے آپ سے دھوکا کیا اور آپ پر پتھر گرا کر آپ کو ختم کرنا چاہا۔ دوسرے یہودی ابھی خیبر میں مقیم تھے کہ عین وفات کے وقت وحی آئی تو آپ نے فرمایا: ''سرزمین عرب میں دو دین باقی نہ رہنے دیں۔''[1] چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور حکومت میں یہودیوں سے کہا: جس سے رسول اللہ ﷺ کا عہد و پیمان ہے وہ میرے پاس آئے بصورت دیگر میں تمھیں یہاں سے جلا وطن کرنے والا ہوں، چنانچہ انھیں جزیرۂ عرب سے نکال دیا گیا۔ ② حدیث کے یہ معنی ہیں کہ اگر تمھارے پاس ایسا سامان ہے جسے تم ساتھ نہیں لے جا سکتے تو اسے فروخت کر دو۔ اگر تم میری بات کی طرف توجہ نہیں کرتے تو یقین کرو کہ زمین اللہ کی ہے اور اللہ چاہتا ہے کہ اس زمین کا وارث مسلمانوں کو بنا دے، لہٰذا تم یہ علاقے چھوڑ کر کہیں اور چلے جاؤ۔

٣١٦٨ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ: حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ أَبِي مُسْلِمٍ الْأَحْوَلِ: سَمِعَ سَعِيدَ ابْنَ جُبَيْرٍ: سَمِعَ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا يَقُولُ: يَوْمُ الْخَمِيسِ وَمَا يَوْمُ الْخَمِيسِ؟ ثُمَّ بَكَى حَتَّى بَلَّ دَمْعُهُ الْحَصٰى، قُلْتُ: يَا ابْنَ عَبَّاسٍ! مَا يَوْمُ الْخَمِيسِ؟ قَالَ: اشْتَدَّ بِرَسُولِ اللهِ

[3168] حضرت سعید بن جبیر سے روایت ہے، انھوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو یہ کہتے سنا: جمعرات کا دن، آہ جمعرات کا دن کیسا (ہیبت ناک) تھا پھر رو پڑے یہاں تک کہ آپ نے آنسوؤں سے کنکریاں تر کر دیں۔ میں نے عرض کیا: ابن عباس! جمعرات کا دن کیسا تھا؟ فرمایا: رسول اللہ ﷺ کی بیماری سنگین ہو گئی تو آپ نے فرمایا: ''میرے پاس

1 السنن الكبرٰى للبيهقي: 115/6.

ﷺ وَجَعُهُ، فَقَالَ: «ائْتُونِي بِكَتِفٍ أَكْتُبْ لَكُمْ كِتَابًا لَا تَضِلُّوا بَعْدَهُ أَبَدًا»، فَتَنَازَعُوا وَلَا يَنْبَغِي عِنْدَ نَبِيٍّ تَنَازُعٌ، فَقَالُوا: مَا لَهُ أَهَجَرَ؟ اِسْتَفْهِمُوهُ، فَقَالَ: «ذَرُونِي فَالَّذِي أَنَا فِيهِ خَيْرٌ مِمَّا تَدْعُونِي إِلَيْهِ»، فَأَمَرَهُمْ بِثَلَاثٍ، قَالَ: «أَخْرِجُوا الْمُشْرِكِينَ مِنْ جَزِيرَةِ الْعَرَبِ، وَأَجِيزُوا الْوَفْدَ بِنَحْوِ مَا كُنْتُ أُجِيزُهُمْ»، وَالثَّالِثَةُ إِمَّا أَنْ سَكَتَ عَنْهَا، وَإِمَّا أَنْ قَالَهَا فَنَسِيتُهَا. قَالَ سُفْيَانُ: هٰذَا مِنْ قَوْلِ سُلَيْمَانَ.

[راجع: ١١٤]

شانے کی کوئی ہڈی لاؤ میں تمھارے لیے کچھ تحریر کر دوں کہ اس کے بعد تم کبھی گمراہ نہیں ہو گے۔'' اس کے بعد لوگ باہم جھگڑنے لگے، حالانکہ نبی ﷺ کے پاس جھگڑنا نہیں چاہیے تھا۔ لوگوں نے کہا: آپ کو کیا ہو گیا ہے؟ کیا آپ دنیا سے ہجرت فرما رہے ہیں؟ اچھی طرح آپ کی بات سمجھو۔ آپ نے فرمایا: ''تم مجھے چھوڑ دو، میں جس حال میں ہوں وہ اس حال سے اچھا ہے جس کی طرف تم مجھے بلا رہے ہو۔'' پھر آپ نے انھیں تین امور کا حکم دیا۔ آپ نے فرمایا: ''مشرکین کو جزیرۂ عرب سے نکال دو۔ اور دوسرے ممالک سے آنے والے وفد کو عطایا دو، جیسے میں انھیں عطایا دیا کرتا تھا۔'' تیسری بات سے آپ نے سکوت فرمایا یا آپ نے بیان کی لیکن میں بھول گیا۔

سفیان فرماتے ہیں کہ یہ آخری مقولہ سلیمان راوی کا ہے۔

فوائد و مسائل: ① پہلی وصیت کا مطلب یہ ہے کہ جزیرۂ عرب سے کفار کو نکال دیا جائے۔ وہ اس جگہ رہائش اختیار کر سکتے ہیں نہ انھیں ادھر کا سفر ہی کرنے کی اجازت ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک جزیرۂ عرب سے مراد مکہ مکرمہ، مدینہ طیبہ اور یمامہ کا علاقہ ہے۔ ان کے نزدیک یمن اس میں داخل نہیں ہے۔ یہودی بھی ان میں شامل ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں ان سے بھی جزیرۂ عرب کو پاک کر دیا اور انھیں جلاوطن کر دیا تھا۔ ② واضح رہے کہ مذکورہ واقعہ جمعرات کے دن کا ہے۔ اس کے بعد آپ پیر تک زندہ رہے۔ ان ایام میں بیماری سے کچھ افاقہ بھی رہا۔ انھی دنوں آپ نے برسر منبر انصار کے مناقب بیان فرمائے۔ اگر کوئی ضروری قابل تحریر بات ہوتی تو آپ اسے ہرگز نہ چھوڑتے۔ وہ تیسری بات جو راوی بھول گیا وہ درج ذیل باتوں میں سے کوئی ہو سکتی ہے: * قرآن مجید کو مضبوطی سے تھامنا۔ * لشکر اسامہ کو روانہ کرنا۔ * قبر مبارک کی پوجا پاٹ نہ کرنا۔ واللہ أعلم.

(٧) بَابٌ: إِذَا غَدَرَ الْمُشْرِكُونَ بِالْمُسْلِمِينَ، هَلْ يُعْفَى عَنْهُمْ؟

باب: 7- جب مشرکین مسلمانوں سے بدعہدی کریں تو کیا انھیں معاف کیا جا سکتا ہے؟

٣١٦٩ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ قَالَ: حَدَّثَنِي سَعِيدٌ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ

[3169] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: جب خیبر فتح ہوا تو یہودیوں نے نبی ﷺ کو ایک

رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: لَمَّا فُتِحَتْ خَيْبَرُ أُهْدِيَتْ لِلنَّبِيِّ ﷺ شَاةٌ فِيهَا سُمٌّ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «اِجْمَعُوا لِي مَنْ كَانَ هَاهُنَا مِنْ يَهُودَ»، فَجُمِعُوا لَهُ فَقَالَ لَهُمْ: «إِنِّي سَائِلُكُمْ عَنْ شَيْءٍ، فَهَلْ أَنْتُمْ صَادِقِيَّ عَنْهُ؟» فَقَالُوا: نَعَمْ، قَالَ لَهُمُ النَّبِيُّ ﷺ: «مَنْ أَبُوكُمْ؟» قَالُوا: فُلَانٌ، فَقَالَ: «كَذَبْتُمْ بَلْ أَبُوكُمْ فُلَانٌ»، قَالُوا: صَدَقْتَ، قَالَ: «فَهَلْ أَنْتُمْ صَادِقِيَّ عَنْ شَيْءٍ إِنْ سَأَلْتُ عَنْهُ؟» فَقَالُوا: نَعَمْ يَا أَبَا الْقَاسِمِ وَإِنْ كَذَبْنَا عَرَفْتَ كَذِبَنَا كَمَا عَرَفْتَهُ فِي أَبِينَا، فَقَالَ لَهُمْ: «مَنْ أَهْلُ النَّارِ؟» قَالُوا: نَكُونُ فِيهَا يَسِيرًا، ثُمَّ تَخْلُفُونَا فِيهَا. فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «اِخْسَؤُا فِيهَا، وَاللهِ لَا نَخْلُفُكُمْ فِيهَا أَبَدًا». ثُمَّ قَالَ: «فَهَلْ أَنْتُمْ صَادِقِيَّ عَنْ شَيْءٍ إِنْ سَأَلْتُكُمْ عَنْهُ؟» قَالُوا: نَعَمْ يَا أَبَا الْقَاسِمِ. قَالَ: «هَلْ جَعَلْتُمْ فِي هٰذِهِ الشَّاةِ سُمًّا؟» قَالُوا: نَعَمْ، قَالَ: «مَا حَمَلَكُمْ عَلٰى ذٰلِكَ؟» قَالُوا: أَرَدْنَا إِنْ كُنْتَ كَاذِبًا نَسْتَرِيحُ، وَإِنْ كُنْتَ نَبِيًّا لَمْ يَضُرَّكَ. [انظر: ٤٢٤٩، ٥٧٧٧]

بکری تحفہ بھیجی، جس میں زہر ملا ہوا تھا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''یہاں جتنے یہودی ہیں ان سب کو اکٹھا کرو۔'' وہ سب آپ کے سامنے اکٹھے کیے گئے۔ پھر آپ نے فرمایا: ''میں تم سے ایک بات پوچھنے والا ہوں کیا تم سچ سچ بتاؤ گے؟'' انھوں نے کہا: جی ہاں، تو نبی ﷺ نے فرمایا: ''تمھارا باپ کون ہے؟'' انھوں نے کہا: فلاں شخص! آپ نے فرمایا: ''تم نے جھوٹ کہا ہے بلکہ تمھارا باپ فلاں شخص ہے۔'' انھوں نے کہا: بلاشبہ آپ سچ کہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ''اچھا اب اگر تم سے کچھ پوچھوں تو سچ بتاؤ گے؟'' انھوں نے کہا: جی ہاں ابوالقاسم! اگر ہم نے جھوٹ بولا تو آپ ہمارا جھوٹ پہچان لیں گے جیسا کہ پہلے آپ نے ہمارے باپ کے متعلق ہمارا جھوٹ معلوم کر لیا ہے۔ پھر آپ نے ان سے پوچھا: ''دوزخی کون لوگ ہیں؟'' انھوں نے کہا: ہم چند روز کے لیے دوزخ میں جائیں گے، پھر ہمارے بعد تم اس میں ہمارے جانشیں ہو گے۔ اس پر نبی ﷺ نے فرمایا: ''تم ہی اس میں ذلیل وخوار ہو کر رہو گے۔ اللہ کی قسم! ہم کبھی اس میں تمھاری جانشینی نہیں کریں گے۔'' پھر آپ نے فرمایا: ''اگر میں تم سے کوئی سوال پوچھوں تو کیا تم میرے سامنے سچ بولو گے؟'' انھوں نے کہا: جی ہاں ابوالقاسم! آپ نے فرمایا: ''کیا تم نے اس بکری میں زہر ملایا ہے؟'' انھوں نے کہا: ہاں۔ آپ نے فرمایا: ''تمھیں اس بات پر کس چیز نے آمادہ کیا تھا؟'' انھوں نے کہا: ہمارا خیال یہ تھا کہ اگر آپ جھوٹے نبی ہیں تو آپ سے ہمیں نجات مل جائے گی اور اگر آپ حقیقت میں نبی ہیں تو آپ کو کچھ نقصان نہیں ہو گا۔

فوائد و مسائل: ① خیبر کے یہودیوں نے رسول اللہ ﷺ کے خلاف یہ ناپاک منصوبہ بنایا اور اسے ایک عورت کے ہاتھوں پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ وہ عورت مرحب یہودی کی بہن تھی جس کا نام زینب بنت حارث تھا۔ یہودیوں کی طرف سے یہ غداری تھی کہ انھوں نے ایک یہودیہ کو آلۂ کار بنا کر رسول اللہ ﷺ کو زہریلا گوشت پیش کیا۔ آپ نے کسی مصلحت کی بنا پر انھیں معاف کر

دیا۔ ایک روایت کے مطابق ایک صحابی بشر بن براء رضی اللہ عنہ اس زہریلے گوشت سے فوت ہو گئے تھے تو آپ نے وہ عورت ان کے لواحقین کے حوالے کر دی، انھوں نے اسے قصاصاً قتل کر دیا۔[1] چنانچہ صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اس یہودی عورت کو قتل کرنے کی اجازت مانگی جس نے بکری میں زہر ملایا تھا تو آپ نے اجازت نہ دی بلکہ آپ نے معاف کر دیا[2] کیونکہ آپ کسی سے ذاتی انتقام نہیں لیتے تھے۔ بالآخر آپ نے حضرت بشر بن براء رضی اللہ عنہ کے بدلے میں اسے قتل کروا دیا۔[3] لہٰذا یہ صحیح ہے کہ اس موقع پر آپ نے اسے معاف کر دیا اور بعد میں جب آپ کو علم ہوا کہ بشر اس زہر کی وجہ سے وفات پا گئے ہیں تو قصاصاً اسے قتل کروا دیا تھا۔ واللہ أعلم. ② اس حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا: ''ہم کبھی دوزخ میں تمھارے جانشیں نہیں بنیں گے'' تو اس کا مطلب یہ ہے کہ گناہ گار مسلمان تو جہنم میں جائیں گے لیکن انھیں بالآخر نکال لیا جائے گا، البتہ یہودی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہیں گے، یعنی خلود اور عدم خلود کی وجہ سے متفرق ہو جائیں گے۔

(٨) بَابُ دُعَاءِ الْإِمَامِ عَلَى مَنْ نَكَثَ عَهْدًا

٣١٧٠ - حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ: حَدَّثَنَا ثَابِتُ بْنُ يَزِيدَ: حَدَّثَنَا عَاصِمٌ قَالَ: سَأَلْتُ أَنَسًا رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ الْقُنُوتِ، قَالَ: قَبْلَ الرُّكُوعِ. فَقُلْتُ: إِنَّ فُلَانًا يَزْعُمُ أَنَّكَ قُلْتَ: بَعْدَ الرُّكُوعِ، فَقَالَ: كَذَبَ، ثُمَّ حَدَّثَنَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ قَنَتَ شَهْرًا بَعْدَ الرُّكُوعِ يَدْعُو عَلَى أَحْيَاءٍ مِّنْ بَنِي سُلَيْمٍ. قَالَ: بَعَثَ أَرْبَعِينَ أَوْ سَبْعِينَ - يَشُكُّ فِيهِ - مِنَ الْقُرَّاءِ إِلَى أُنَاسٍ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ فَعَرَضَ لَهُمْ هٰؤُلَاءِ فَقَتَلُوهُمْ وَكَانَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ النَّبِيِّ ﷺ عَهْدٌ، فَمَا رَأَيْتُهُ وَجَدَ عَلَى أَحَدٍ مَّا وَجَدَ عَلَيْهِمْ. [راجع: ١٠٠١]

باب: 8- عہد شکنی کرنے والوں کے خلاف امام کا بددعا کرنا

[3170] حضرت عاصم الاحول سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے قنوت کے متعلق دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا: قنوت رکوع سے پہلے ہے۔ میں نے عرض کیا: فلاں صاحب کہتے ہیں کہ آپ نے رکوع کے بعد کہا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس نے غلط کہا ہے۔ پھر انھوں نے ہم سے یہ حدیث بیان کی کہ نبی ﷺ نے ایک مہینے تک رکوع کے بعد قنوت کی تھی، جس میں آپ بنوسلیم کے چند قبائل پر بددعا کرتے تھے۔ واقعہ یہ ہوا کہ آپ ﷺ نے چالیس یا ستر قراء کو مشرکین کی تعلیم و تبلیغ کے لیے بھیجا تو ان لوگوں نے انھیں پکڑ کر قتل کر دیا تھا، حالانکہ نبی ﷺ سے ان کا معاہدہ تھا۔ (حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ) میں نے آپ ﷺ کو کسی معاملے میں اتنا غمگین اور رنجیدہ نہیں دیکھا جتنا ان (قراء) کی شہادت پر آپ غمناک ہوئے تھے۔

---

① سنن أبي داود، الديات، حديث: 4512، والطبقات الكبرٰى لابن سعد: 202/2. ② صحيح مسلم، السلام، حديث: 5705 (2190). ③ عمدة القاري: 519/10.

فوائد و مسائل: ① جن قراء کو ان مشرکین نے شہید کیا وہ بڑے عالم اور قرآن کے عامل تھے۔ رسول اللہ ﷺ اس لیے غمناک ہوئے کہ اگر یہ زندہ رہتے تو ان کے ذریعے سے بہت سے لوگوں کو فائدہ پہنچتا۔ اسی لیے کہا جاتا ہے: مَوْتُ الْعَالِمِ مَوْتُ الْعَالَمِ، یعنی ایک عالم کی موت پورے جہان کی موت ہے۔ ② اس حدیث کے مطابق مشرکین کا آپ سے عہد و پیمان تھا، جب انھوں نے عہد شکنی کرتے ہوئے ظلم اور بربریت کے ساتھ ستر قرائے کرام کو شہید کر دیا تو آپ نے ان کے خلاف بددعا کی اور پورا ایک مہینہ فرض نمازوں میں قنوت کرتے رہے۔ ③ قنوت کے متعلق ہمارا موقف یہ ہے کہ قنوت نازلہ رکوع کے بعد اور قنوت وتر رکوع سے پہلے ہے جیسا کہ سنن نسائی میں اس کی صراحت ہے۔[1] اس مسئلے کے متعلق تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

(٩) بَابُ أَمَانِ النِّسَاءِ وَجِوَارِهِنَّ

باب: 9- عورتوں کا کسی کو امان اور پناہ دینا

٣١٧١ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ أَبِي النَّضْرِ مَوْلَى عُمَرَ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ: أَنَّ أَبَا مُرَّةَ مَوْلَى أُمِّ هَانِىءٍ ابْنَةِ أَبِي طَالِبٍ أَخْبَرَهُ: أَنَّهُ سَمِعَ أُمَّ هَانِىءٍ ابْنَةَ أَبِي طَالِبٍ تَقُولُ: ذَهَبْتُ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ عَامَ الْفَتْحِ فَوَجَدْتُهُ يَغْتَسِلُ وَفَاطِمَةُ ابْنَتُهُ تَسْتُرُهُ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ، فَقَالَ: «مَنْ هٰذِهِ؟» فَقُلْتُ: أَنَا أُمُّ هَانِىءٍ بِنْتُ أَبِي طَالِبٍ، فَقَالَ: «مَرْحَبًا بِأُمِّ هَانِىءٍ». فَلَمَّا فَرَغَ مِنْ غُسْلِهِ قَامَ فَصَلَّى ثَمَانَ رَكَعَاتٍ مُلْتَحِفًا فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! زَعَمَ ابْنُ أُمِّي عَلِيٌّ أَنَّهُ قَاتِلٌ رَجُلًا قَدْ أَجَرْتُهُ، فُلَانُ بْنُ هُبَيْرَةَ. فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «قَدْ أَجَرْنَا مَنْ أَجَرْتِ يَا أُمَّ هَانِىءٍ» قَالَتْ أُمُّ هَانِىءٍ: وَذٰلِكَ ضُحًى. [راجع: ٢٨٠]

[3171] حضرت ام ہانی ؓ سے روایت ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی تو میں نے آپ کو غسل کرتے ہوئے پایا جبکہ آپ کی لخت جگر حضرت فاطمہ ؓ آپ کو پردہ کیے ہوئے تھیں۔ میں نے آپ کو سلام عرض کیا تو آپ نے فرمایا: ''یہ کون ہے؟'' میں نے کہا: ابوطالب کی بیٹی ام ہانی ہوں۔ آپ نے فرمایا: ''خوش آمدید ام ہانی! جب آپ غسل سے فارغ ہوئے تو اٹھے اور ایک ہی کپڑا لپیٹ کر آٹھ رکعات ادا کیں۔ میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! میرا ماں جایا بھائی علی کہتا ہے کہ وہ فلاں شخص کو قتل کرے گا جسے میں نے پناہ دے رکھی ہے، اور وہ فلاں، ہبیرہ کا بیٹا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ام ہانی! جس کو تو نے پناہ دی اس کو ہم نے بھی پناہ دے دی۔'' حضرت ام ہانی ؓ فرماتی ہیں کہ وہ چاشت کا وقت تھا۔

فوائد و مسائل: ① حضرت ام ہانی ؓ فتح مکہ کے وقت مسلمان ہوئیں۔ اس وقت وہ ہبیرہ کے نکاح میں تھیں جن سے ان کی اولاد پیدا ہوئی۔ ان میں سے ایک کا نام ہانی تھا جس کی وجہ سے ان کی کنیت ام ہانی تجویز ہوئی۔ ② ابن ماجشون کا کہنا ہے: عورت کا امان دینا مستقل حیثیت نہیں رکھتا بلکہ وہ امام کی اجازت پر موقوف ہے جبکہ جمہور کا اس امر پر اجماع ہے کہ عورت کا امان

[1] سنن النسائي، التطبيق، حديث: 1071، وكتاب قيام الليل، حديث: 1700.

دینا جائز اور صحیح ہے اور مستقل حیثیت رکھتا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے جمہور کی تائید فرمائی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کی پناہ کو برقرار رکھا، نیز حضرت زینب بنت رسول اللہ ﷺ نے اپنے شوہر نامدار حضرت ابوالعاص کو پناہ دی تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ جسے عورت پناہ دے دے اسے بھی قتل کرنا حرام ہے۔[1]

(١٠) بَابٌ: ذِمَّةُ الْمُسْلِمِينَ وَجِوَارُهُمْ وَاحِدَةٌ، يَسْعَى بِهَا أَدْنَاهُمْ

باب: 10 - مسلمانوں کی ذمہ داری اور ان کا پناہ دینا ایک ہی چیز ہے، چھوٹے سے چھوٹا آدمی بھی اسے پورا کرنے کی کوشش کرے

٣١٧٢ - حَدَّثَنِي مُحَمَّدٌ: أَخْبَرَنَا وَكِيعٌ عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ التَّيْمِيِّ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: خَطَبَنَا عَلِيٌّ فَقَالَ: مَا عِنْدَنَا كِتَابٌ نَقْرَؤُهُ إِلَّا كِتَابَ اللهِ وَمَا فِي هٰذِهِ الصَّحِيفَةِ. فَقَالَ: فِيهَا الْجِرَاحَاتُ، وَأَسْنَانُ الْإِبِلِ، وَالْمَدِينَةُ حَرَمٌ مَّا بَيْنَ عَيْرٍ إِلٰى كَذَا، فَمَنْ أَحْدَثَ فِيهَا حَدَثًا أَوْ آوٰى فِيهَا مُحْدِثًا فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ، لَا يُقْبَلُ مِنْهُ صَرْفٌ وَّلَا عَدْلٌ، وَمَنْ تَوَلّٰى غَيْرَ مَوَالِيهِ فَعَلَيْهِ مِثْلُ ذٰلِكَ. وَذِمَّةُ الْمُسْلِمِينَ وَاحِدَةٌ فَمَنْ أَخْفَرَ مُسْلِمًا فَعَلَيْهِ مِثْلُ ذٰلِكَ. [راجع: ١١١]

[3172] حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: ہمارے پاس کوئی الگ کتاب نہیں جس کو ہم پڑھتے ہوں۔ صرف اللہ کی کتاب ہے یا جو کچھ اس دستاویز میں ہے۔ اس میں زخموں کے احکام اور دیت میں دیے جانے والے اونٹوں کی عمریں ہیں، نیز مدینہ طیبہ عیر پہاڑ سے لے کر فلاں مقام تک حرم ہے۔ جس نے اس میں کوئی بدعت جاری کی یا کسی بدعتی کو پناہ دی تو اس پر اللہ تعالیٰ کی، فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔ اس کا کوئی فرض یا نفل قبول نہیں ہوگا۔ اور جو شخص اپنے آقاؤں کے علاوہ کسی اور کی طرف منسوب ہوا اس پر بھی اسی طرح لعنت ہوگی۔ تمام مسلمانوں کی ذمہ داری ایک ہی ہے، لہٰذا جس شخص نے بھی کسی مسلمان سے بدعہدی کی، اس پر بھی اس طرح کی لعنت ہے۔

فوائد و مسائل: ① مطلب یہ ہے کہ جس نے کسی کو پناہ دی تو اس کی امان تمام مسلمانوں کی طرف سے سمجھی جائے گی۔ امان دینے والا بڑا ہو یا چھوٹا، آزاد ہو یا غلام، مرد ہو یا عورت، کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ اس کی دی ہوئی امان کو ختم کر سکے۔ عورت کی پناہ کا ذکر پہلی حدیث میں آچکا ہے۔ غلام کی پناہ کو بھی جمہور علماء نے جائز قرار دیا ہے، خواہ وہ لڑائی میں حصہ لے یا نہ لے۔ بچے کے متعلق جمہور کا اجماع ہے کہ اس کی پناہ کا کوئی اعتبار نہیں۔ اسی طرح دیوانے اور کافر کی پناہ بھی ناجائز ہے۔[2] ② اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس بھی یہی مروجہ قرآن مجید تھا۔ بعض لوگوں کا یہ موقف غلط ہے کہ حضرت علی

---

① عمدة القاري: 521/10. ② فتح الباري: 329/6.

یا دوسرے اہل بیت کے پاس کوئی اور قرآن کا مل تھا۔

(١١) بَابٌ : إِذَا قَالُوا : صَبَأْنَا ، وَلَمْ يُحْسِنُوا أَسْلَمْنَا

باب : 11- جب کافر مسلمان ہوتے وقت صبأنا کہیں اور اچھی طرح أسلمنا نہ کہہ سکیں

وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ: فَجَعَلَ خَالِدٌ يَقْتُلُ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «[اَللّٰهُمَّ إِنِّي] أَبْرَأُ إِلَيْكَ مِمَّا صَنَعَ خَالِدٌ».

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو قتل کرنا شروع کر دیا (حالانکہ وہ کہتے جاتے تھے: ہم نے اپنا دین بدل دیا۔ ہم نے اپنا دین بدل لیا۔) نبی ﷺ (کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو آپ) نے فرمایا: ''اے اللہ! میں خالد کے اس فعل سے اظہار براءت کرتا ہوں۔''

وَقَالَ عُمَرُ: إِذَا قَالَ: مَتْرَسْ، فَقَدْ آمَنَهُ، إِنَّ اللهَ يَعْلَمُ الْأَلْسِنَةَ كُلَّهَا. وَقَالَ: تَكَلَّمْ لَا بَأْسَ.

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب کسی مسلمان نے پارسی کو کہا مَتْرَس، یعنی مت ڈر تو گویا اس نے اسے امان دے دی کیونکہ اللہ تعالیٰ سب زبانیں جانتا ہے، نیز آپ نے (ہرمزان سے) کہا: جو کچھ کہنا ہے کہو، خوف نہ کرو۔

وضاحت: جب مشرکین، مسلمانوں سے برسر پیکار ہوں اور وہ مسلمان ہونے کا ارادہ کریں تو اظہار اسلام کے لیے خوف سے صرف اتنا کہہ دیں کہ ہم نے اپنا پرانا دین چھوڑ دیا، اچھی طرح یہ نہ کہہ سکیں کہ ہم نے اسلام قبول کیا تو انھیں مسلمان ہی سمجھا جائے گا، ان سے جنگ نہ کرنے کے لیے اتنا ہی کافی ہوگا، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ایک قبیلے کی طرف روانہ کیا، انھوں نے اسلام کی دعوت دی تو وہ أسلمنا کے بجائے صبأنا کہنے لگے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے ان کے ظاہری لفظ کی بنا پر انھیں قتل کرنا شروع کر دیا۔ جب رسول اللہ ﷺ کو اس کی اطلاع ملی تو آپ نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے اس کام کو ناپسند کیا لیکن ان کے اجتہاد کی بنا پر انھیں معذور خیال کیا کیونکہ انھوں نے یہ کہا تھا کہ یہ لوگ مسلمان نہیں ہوئے، اس لیے صبأنا کہہ رہے ہیں۔ ② مترس، فارسی کے لفظ ترسیدن مصدر سے نہی کا صیغہ ہے۔ اس کے معنی ہیں: ''تو نہ ڈر۔'' اگر کسی مسلمان نے کسی فارسی دان حربی کو مترس کا لفظ کہہ دیا تو یہ اس کے لیے امن سمجھا جائے گا۔ ③ الغرض اسلام ظاہر ہی کا نام ہے جو ظاہر میں اسلام کا اظہار کرے اور اس کا دم بھرے تو اسے ظاہری طور پر مسلمان ہی کہا جائے گا۔ رہا باطن کا معاملہ، تو وہ اللہ کے حوالے ہے کیونکہ مقاصد کا اعتبار دلائل سے ہوتا ہے۔ دلائل لفظی ہوں یا غیر لفظی وہ جس لغت میں بھی ہوں ان کا اعتبار کیا جائے گا۔ واللہ أعلم.

(١٢) بَابُ الْمُوَادَعَةِ وَالْمُصَالَحَةِ مَعَ الْمُشْرِكِينَ بِالْمَالِ وَغَيْرِهِ، وَإِثْمِ مَنْ لَمْ يَفِ بِالْعَهْدِ.

باب : 12- مشرکین کے ساتھ مال وغیرہ سے صلح کرنا، لڑائی چھوڑ دینا، نیز بدعہدی کے گناہ کا بیان

وَقَوْلِهِ: ﴿وَإِن جَنَحُواْ لِلسَّلْمِ﴾ [الأنفال: ٦١] جَنَحُوا: طَلَبُوا السَّلْمَ. ﴿فَاجْنَحْ لَهَا﴾.

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اگر وہ صلح کی طرف مائل ہوں تو آپ بھی اس کے لیے جھک جائیں۔'' جنحوا کے معنی ہیں: صلح کی درخواست کریں۔

وضاحت: یہ آیت کریمہ مشرکین کے ساتھ صلح کی مشروعیت پر دلالت کرتی ہے۔ جب صلح مسلمانوں کے حق میں بہتر ہو تو مال دے کر یا لے کر صلح کرنا درست ہے۔ امام وقت دونوں صورتوں میں اختیار رکھتا ہے۔ اور صلح کے نتیجے میں جو مال حاصل ہوگا اسے جزیے کے مصارف میں خرچ کیا جائے گا۔ جب مسلمانوں کے ہلاک ہونے یا قید ہونے کا خطرہ ہو تو مال دے کر صلح کرنے میں کوئی ذلت یا رسوائی نہیں بلکہ حکمت عملی کا یہی تقاضا ہے جیسا کہ مسلمان قیدی کو فدیہ دے کر چھڑانا جائز ہے۔

٣١٧٣ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا بِشْرٌ - هُوَ ابْنُ الْمُفَضَّلِ -: حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ بُشَيْرِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ سَهْلِ بْنِ أَبِي حَثْمَةَ قَالَ: انْطَلَقَ عَبْدُ اللهِ ابْنُ سَهْلٍ وَّمُحَيِّصَةُ بْنُ مَسْعُودِ بْنِ زَيْدٍ إِلَى خَيْبَرَ وَهِيَ يَوْمَئِذٍ صُلْحٌ فَتَفَرَّقَا، فَأَتَى مُحَيِّصَةُ إِلَى عَبْدِ اللهِ بْنِ سَهْلٍ وَّهُوَ يَتَشَحَّطُ فِي دَمِهِ قَتِيلًا فَدَفَنَهُ، ثُمَّ قَدِمَ الْمَدِينَةَ فَانْطَلَقَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ سَهْلٍ وَّمُحَيِّصَةُ وَحُوَيِّصَةُ ابْنَا مَسْعُودٍ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ. فَذَهَبَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ يَتَكَلَّمُ فَقَالَ: «كَبِّرْ كَبِّرْ»، - وَهُوَ أَحْدَثُ الْقَوْمِ - فَسَكَتَ فَتَكَلَّمَا فَقَالَ: «أَتَحْلِفُونَ وَتَسْتَحِقُّونَ قَاتِلَكُمْ أَوْ صَاحِبَكُمْ؟» قَالُوا: وَكَيْفَ نَحْلِفُ وَلَمْ نَشْهَدْ وَلَمْ نَرَ، قَالَ: «فَتُبْرِئُكُمْ يَهُودُ بِخَمْسِينَ»، فَقَالُوا: كَيْفَ نَأْخُذُ أَيْمَانَ قَوْمٍ كُفَّارٍ؟ فَعَقَلَهُ النَّبِيُّ ﷺ مِنْ عِنْدِهِ. [راجع: ٢٧٠٢]

[3173] حضرت سہل بن ابی حثمہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ عبداللہ بن سہل اور محیصہ بن مسعود بن زید ؓ خیبر کی طرف گئے جبکہ ان دنوں یہودیوں سے صلح تھی۔ وہاں پہنچ کر دونوں جدا جدا ہو گئے، پھر جب محیصہ ؓ حضرت عبداللہ بن سہل ؓ کے پاس آئے تو دیکھا کہ وہ اپنے خون میں لت پت ہے، کسی نے ان کو قتل کر ڈالا ہے۔ خیر محیصہ ؓ نے انھیں دفن کر دیا۔ اس کے بعد وہ مدینہ طیبہ آئے تو عبدالرحمٰن بن سہل اور محیصہ، حویصہ جو مسعود کے بیٹے تھے نبی ﷺ کے پاس گئے۔ عبدالرحمٰن نے بات کرنا چاہی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''بڑے کو بات کرنے دو۔'' چونکہ وہ سب سے چھوٹے تھے، اس لیے خاموش ہو گئے۔ تب حویصہ اور محیصہ نے گفتگو کی۔ آپ نے فرمایا: ''تم قسم اٹھا کر قاتل یا اپنے ساتھی کے خون کا استحقاق ثابت کرو گے؟'' انھوں نے عرض کیا: ہم کیونکر قسم اٹھا سکتے ہیں جبکہ ہم وہاں موجود نہ تھے اور نہ ہم نے انھیں دیکھا ہی

ہے۔ آپ نے فرمایا: ''پھر یہودی پچاس قسمیں اٹھا کر اپنی براءت کرلیں گے۔'' انھوں نے عرض کیا: وہ تو کافر ہیں ہم ان کی قسموں کا کیسے اعتبار کریں، چنانچہ نبی ﷺ نے خود اپنے پاس سے ان کی دیت ادا کردی۔

فوائد و مسائل: ① رسول اللہ ﷺ نے اپنی طرف سے مقتول کے ورثاء کو خون بہا دے کر خیبر کے یہودیوں سے صلح برقرار رکھی۔ اگر مال دے کر کسی مصلحت کی بنا پر سابقہ صلح کو برقرار رکھا جا سکتا ہے تو بوقت ضرورت مال دے کر کفار سے صلح بھی کی جاسکتی ہے۔ ② مشرکین و کفار کو مال دے کر صلح کرنے کی بنیادی شرط یہ ہے کہ اس صلح میں مسلمانوں کے لیے بہتری ہو۔ اگر اس کے برعکس کفار سے مال لے کر صلح کی جائے تو وہ مال جزیے کے مصارف میں خرچ کیا جائے۔ امام بخاری ؒ نے اپنی عادت کے مطابق دیگر مقامات پر ذکر کردہ احادیث سے بدعہدی وغیرہ کی سنگینی کو ثابت کیا ہے۔ عنوان سے ان احادیث کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ③ اس حدیث سے رسول اللہ ﷺ کی امن پسندی، فراخدلی اور صلح جوئی ثابت ہوتی ہے، باوجودیکہ مقتول ایک مسلمان تھا جو یہودیوں کے علاقے میں قتل ہوا مگر رسول اللہ ﷺ نے ان کی اس حرکت کو نظر انداز کردیا تاکہ امن کی فضا قائم رہے اور کوئی فساد نہ کھڑا ہو جائے۔ جب فریقین کی بات فیصلہ کن مراحل میں پہنچتی نظر نہ آئی تو آپ نے مقتول کے مسلمان ورثاء کو خود بیت المال سے دیت ادا کردی۔ واللہ أعلم.

(١٣) بَابُ فَضْلِ الْوَفَاءِ بِالْعَهْدِ

باب: 13- ایفائے عہد (وعدہ پورا کرنے) کی فضیلت

٣١٧٤ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ يُونُسَ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ: أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَبَّاسٍ أَخْبَرَهُ: أَنَّ أَبَا سُفْيَانَ بْنَ حَرْبٍ أَخْبَرَهُ: أَنَّ هِرَقْلَ أَرْسَلَ إِلَيْهِ فِي رَكْبٍ مِّنْ قُرَيْشٍ كَانُوا تِجَارًا بِالشَّامِ فِي الْمُدَّةِ الَّتِي مَادَّ فِيهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ أَبَا سُفْيَانَ فِي كُفَّارِ قُرَيْشٍ. [راجع: ٧]

[3174] حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے روایت ہے، انھیں ابوسفیان بن حرب ؓ نے بتایا کہ انھیں ہرقل نے قافلۂ قریش کے ہمراہ بلا بھیجا۔ یہ لوگ اس وقت شام کے علاقے میں بغرض تجارت گئے ہوئے تھے جب رسول اللہ ﷺ نے کفار قریش کے ہمراہ ابوسفیان سے صلح کر رکھی تھی۔

فوائد و مسائل: ① رسول اللہ ﷺ نے صلح حدیبیہ کے وقت کفار قریش سے دس سال تک جنگ بندی کا معاہدہ کیا تھا۔ اس دوران میں ابوسفیان قریشی قافلے کے ہمراہ شام کے علاقے میں گئے ہوئے تھے۔ ② تفصیلی روایت میں ہرقل کا یہ قول مذکور ہے ''پیغمبر عہد شکنی نہیں کرتے۔'' امام بخاری ؒ نے اس حدیث سے وعدہ پورا کرنے کی فضیلت ثابت کی ہے کہ عہد کا پورا کرنا حضرات انبیاء ؑ کی خصلت ہے اور عہد شکنی ہر امت میں قبیح اور مذموم رہی ہے اور انبیائے سابقین نے اس سے منع کیا ہے۔

دغابازی اور عہد شکنی رسولوں کی صفات سے نہیں کیونکہ وہ تو ہمیشہ عہد کی پاسداری کرتے اور اسے اچھی نظر سے دیکھتے تھے۔

(١٤) بَابُ هَلْ يُعْفَى عَنِ الذِّمِّيِّ إِذَا سَحَرَ؟

باب: 15- ذمی جب جادو کرے تو کیا اسے معاف کیا جا سکتا ہے؟

وَقَالَ ابْنُ وَهْبٍ: أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، سُئِلَ: أَعَلَى مَنْ سَحَرَ مِنْ أَهْلِ الْعَهْدِ قَتْلٌ؟ قَالَ: بَلَغَنَا أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَدْ صُنِعَ لَهُ ذٰلِكَ فَلَمْ يَقْتُلْ مَنْ صَنَعَهُ وَكَانَ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ.

ابن شہاب سے کسی نے پوچھا کہ اگر کوئی ذمی کسی پر جادو کرے تو اس پاداش میں اسے قتل کر دیا جائے؟ انھوں نے بتایا کہ ہم تک یہ حدیث پہنچی ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر جادو کیا گیا تھا تو آپ نے جادو کرنے والے کو قتل نہیں کیا جبکہ آپ پر جادو کرنے والا اہل کتاب سے تھا۔

وضاحت: پوری دلیل اسی طرح ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی ذات کے لیے کسی سے انتقام نہیں لیتے تھے، پھر اس جادو سے آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا تھا صرف خیالات میں معمولی سی تبدیلی آئی تھی جیسا کہ آئندہ حدیث میں صراحت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مجھے اللہ نے آرام دے دیا ہے۔ آپ نے اسے قتل کرنے کی بجائے معاف کر دیا۔“ عنوان میں ذمیوں کا ذکر ہے جبکہ حدیث میں اہل کتاب کے الفاظ ہیں؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ اہل کتاب سے مراد اہل عہد ہیں کیونکہ عہد اور ذمہ ہم معنی ہیں، بصورت دیگر حربی تو واجب القتل ہوتا ہے۔ اس کے متعلق جمہور کا مسلک یہ ہے کہ معاہد جادوگر کو قتل نہ کیا جائے بلکہ اسے سزا دی جائے۔ اگر وہ جادو سے کسی کو قتل کرے تو قصاص کے طور پر اسے قتل کیا جائے گا اور اگر کسی حادثے کا باعث بنے تو اسے گرفتار کیا جائے۔

٣١٧٥ - حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى: حَدَّثَنَا يَحْيٰى: حَدَّثَنَا هِشَامٌ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ سُحِرَ حَتّٰى كَانَ يُخَيَّلُ إِلَيْهِ أَنَّهُ صَنَعَ شَيْئًا وَلَمْ يَصْنَعْهُ. [انظر: ٣٢٦٨، ٥٧٦٣، ٥٧٦٥، ٥٧٦٦، ٦٠٦٣، ٦٣٩١]

[3175] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ پر جادو کیا گیا یہاں تک آپ کو خیال گزرتا کہ میں نے فلاں کام کر لیا ہے، حالانکہ آپ نے وہ کام نہیں کیا ہوتا تھا۔

فائدہ: اس حدیث میں اگرچہ جادوگر کے متعلق کوئی حکم بیان نہیں ہوا، تاہم یہ حدیث سابق کا نتیجہ اور تکملہ ہے۔ گزشتہ حدیث میں اس کی پوری پوری وضاحت ہے۔

(١٥) بَابُ مَا يُحْذَرُ مِنَ الْغَدْرِ

باب: 16- دغابازی سے اجتناب کرنا

وَقَوْلِ اللهِ تَعَالٰى: ﴿وَإِن يُرِيدُوٓا أَن يَخْدَعُوكَ

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”اگر کافر، آپ کو دھوکا دینا چاہیں

فَإِنَّ حَسْبَكَ اللَّهُ﴾ اَلْآيَةَ [الأنفال: ٦٢].

تو اللہ تعالیٰ آپ کے لیے کافی ہے۔"

وضاحت: اس آیت میں اشارہ ہے کہ اگر کوئی دشمن بدعہدی کا ارادہ رکھے ہوئے ہو اور اس کی طرف سے دغا بازی کا خطرہ ہو تو بھی صلح کو رد نہیں کرنا چاہیے بلکہ اللہ پر توکل کرتے ہوئے صلح پر قائم رہنا چاہیے کیونکہ اللہ کی مدد ہی فیصلہ کن کردار ادا کرتی ہے جو عزم اور توکل سے حاصل ہوتی ہے۔[1]

٣١٧٦ - حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ: حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ الْعَلَاءِ بْنِ زَبْرٍ قَالَ: سَمِعْتُ بُسْرَ بْنَ عُبَيْدِ اللهِ: أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا إِدْرِيسَ قَالَ: سَمِعْتُ عَوْفَ بْنَ مَالِكٍ قَالَ: أَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ فِي غَزْوَةِ تَبُوكَ - وَهُوَ فِي قُبَّةٍ مِّنْ أَدَمٍ - فَقَالَ: «اعْدُدْ سِتًّا بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ: مَوْتِي، ثُمَّ فَتْحُ بَيْتِ الْمَقْدِسِ، ثُمَّ مُوتَانٌ يَأْخُذُ فِيكُمْ كَقُعَاصِ الْغَنَمِ، ثُمَّ اسْتِفَاضَةُ الْمَالِ حَتَّى يُعْطَى الرَّجُلُ مِائَةَ دِينَارٍ فَيَظَلُّ سَاخِطًا، ثُمَّ فِتْنَةٌ لَّا يَبْقَى بَيْتٌ مِّنَ الْعَرَبِ إِلَّا دَخَلَتْهُ، ثُمَّ هُدْنَةٌ تَكُونُ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ بَنِي الْأَصْفَرِ فَيَغْدِرُونَ، فَيَأْتُونَكُمْ تَحْتَ ثَمَانِينَ غَايَةً، تَحْتَ كُلِّ غَايَةٍ اثْنَا عَشَرَ أَلْفًا».

[3176] حضرت عوف بن مالک ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں غزوۂ تبوک کے موقع پر نبی ﷺ کے پاس آیا جبکہ آپ چمڑے کے ایک خیمے میں تشریف فرما تھے۔ آپ نے فرمایا: "قیامت سے پہلے چھ نشانیاں (ہوں گی انھیں) شمار کر لو: ایک تو میری وفات، دوسری فتح بیت المقدس، تیسری دبا جو تم میں اس طرح پھیلے گی جیسے بکریوں کی بیماری قعاص پھیلتی ہے۔ چوتھی مال کی اس قدر فراوانی کہ اگر کسی کو سو اشرفیاں دی جائیں گی تو بھی خوش نہیں ہو گا۔ پانچویں ایک فتنہ جس سے عرب کا کوئی گھر نہیں بچے گا۔ چھٹی نشانی وہ صلح جو تمھارے اور رومیوں کے درمیان ہو گی۔ وہ بے وفائی کریں گے اور اَسّی (80) جھنڈے لے کر تم سے لڑنے آئیں گے اور ہر جھنڈے تلے بارہ ہزار فوج ہو گی۔"

فوائد و مسائل: ① چھٹی علامت ابھی واقع نہیں ہوئی۔ اہل اسلام اور روم کے عیسائیوں کے درمیان جنگ بندی کی صلح ہو گی جس پر عملدرآمد نہیں ہو گا بلکہ عیسائیوں کی نو لاکھ ساٹھ ہزار فوج مسلمانوں پر حملہ آور ہو گی۔ اس وقت مسلمانوں کا بہت نقصان ہو گا۔ بالآخر حضرت مہدی کی قیادت میں مسلمانوں کو فتح نصیب ہو گی۔ ② امام بخاری ؒ نے اس حدیث سے ثابت کیا ہے کہ دغا دینا کافروں کا کام ہے اور اس قسم کی بدعہدی قرب قیامت کے وقت ہو گی۔ مسلمانوں کو اس سے بچنا چاہیے۔

(١٦) بَابُ كَيْفَ يُنْبَذُ إِلَى أَهْلِ الْعَهْدِ؟

باب: 16- اہل عہد سے عہد کیسے ختم کیا جائے؟

وَقَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿وَإِمَّا تَخَافَنَّ مِن قَوْمٍ

ارشاد باری تعالیٰ: "اگر آپ کو کسی قوم کی طرف سے

1 فتح الباري: 333/6.

خِيَانَةً فَانْبِذْ إِلَيْهِمْ عَلَىٰ سَوَآءٍ﴾ اَلْآيَةَ [الأنفال:٥٨].

خیانت (بدعہدی) کا اندیشہ ہو تو آپ ان کا عہد انھیں ویسا ہی واپس کر دیں۔"

وضاحت: آیت کریمہ کا مفہوم یہ ہے کہ جب تم کسی قوم سے جنگ بندی کر دو اور تمھیں پتہ چل جائے کہ وہ عہد توڑ دیں گے تو عہد شکنی میں جلدی نہ کرو بلکہ پہلے انھیں اطلاع دو کہ عہد ختم کر دیا گیا ہے تا کہ فریقین کو نقض عہد، یعنی عہد ختم ہونے کا یقین ہو جائے، پھر اس کے بعد ان کے ساتھ جو کرنا ہے کیا جائے۔

٣١٧٧ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ: أَخْبَرَنَا حُمَيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ: أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: بَعَثَنِي أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فِيمَنْ يُؤَذِّنُ يَوْمَ النَّحْرِ بِمِنًى: لَا يَحُجُّ بَعْدَ الْعَامِ مُشْرِكٌ، وَلَا يَطُوفُ بِالْبَيْتِ عُرْيَانٌ، وَيَوْمُ الْحَجِّ الْأَكْبَرِ يَوْمُ النَّحْرِ، وَإِنَّمَا قِيلَ: الْأَكْبَرُ، مِنْ أَجْلِ قَوْلِ النَّاسِ: اَلْحَجُّ الْأَصْغَرُ، فَنَبَذَ أَبُو بَكْرٍ إِلَى النَّاسِ فِي ذٰلِكَ الْعَامِ، فَلَمْ يَحُجَّ عَامَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ الَّذِي حَجَّ فِيهِ النَّبِيُّ ﷺ مُشْرِكٌ. [راجع: ٣٦٩]

[3177] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ مجھے بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کے ساتھ روانہ کیا جنھوں نے منیٰ کے مقام پر قربانی کے دن یہ اعلان کیا تھا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کرے گا اور کوئی شخص ننگا ہو کر بیت اللہ کا طواف نہیں کرے گا اور حج اکبر کا دن دسویں ذی الحجہ کا دن ہے۔ اسے حج اکبر اس لیے کہا گیا کہ لوگ عمرے کو حج اصغر کہنے لگے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس سال مشرکین سے جو عہد و پیمان لیا تھا اسے واپس کر دیا اور دوسرے سال حجۃ الوداع میں جب نبی ﷺ نے حج کیا تو کوئی مشرک شریک نہ ہوا۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حج اکبر حج ہی کا نام ہے اور عوام میں جو مشہور ہے کہ حج اکبر وہ حج ہوتا ہے جس میں عرفے کا دن جمعے کو آئے، یہ بات زبان زد خاص و عام ہے حدیث سے ثابت نہیں۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ اگر عہد واپس کرنا ہو تو پہلے اطلاع دینی چاہیے کہ آئندہ سے ہمارا تمھارا معاہدہ ختم ہے۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ اچانک حملہ کر دیا جائے۔ ③ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ امیر حج تھے۔ انھوں نے مشرکین کے عہد کو ختم کرنے کے لیے باضابطہ منادی کرائی کہ ہمارا تم سے کوئی عہد و پیمان نہیں ہے۔ واللہ أعلم.

(١٧) بَابُ إِثْمِ مَنْ عَاهَدَ ثُمَّ غَدَرَ

باب: 17- اس شخص کا گناہ جس نے عہد کیا پھر دغا بازی کی

وَقَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿ٱلَّذِينَ عَٰهَدتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنقُضُونَ عَهْدَهُمْ فِى كُلِّ مَرَّةٍ وَهُمْ لَا

ارشاد باری تعالیٰ ہے: "جن لوگوں سے آپ نے عہد کیا، پھر وہ ہر دفعہ اپنے عہد کو توڑ ڈالتے ہیں اور وہ باز نہیں

يَنْقُونَ﴾ [الأنفال: ٥٦]. آتے۔"

وضاحت: عہد شکنی کی سنگینی اس قدر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کو "بدترین جانور" قرار دیا ہے اور ان کے متعلق رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا ہے کہ ایسے عہد شکن لوگ اگر آپ کو میدان جنگ میں مل جائیں تو انھیں عبرتناک سزا دیں تاکہ ان کے پچھلے سبق حاصل کریں۔[1]

٣١٧٨ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مُرَّةَ، عَنْ مَّسْرُوقٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أَرْبَعُ خِلَالٍ مَّنْ كُنَّ فِيهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا: مَنْ إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ، وَإِذَا عَاهَدَ غَدَرَ، وَإِذَا خَاصَمَ فَجَرَ، وَمَنْ كَانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِّنْهُنَّ كَانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِّنَ النِّفَاقِ حَتَّى يَدَعَهَا». [راجع: ٣٤]

[3178] حضرت عبداللہ بن عمرو ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "چار خصلتیں ایسی ہیں جس میں وہ پائی جائیں وہ خالص منافق ہوتا ہے: وہ جب بھی بات کرے تو جھوٹ بولے، وعدہ کرے تو اس کے خلاف کرے، جب عہد و پیمان کرے تو اسے توڑ دے اور جب جھگڑا کرے تو فسق و فجور پر اتر آئے۔ اور جس میں ان خصلتوں میں سے کوئی خصلت پائی جائے گی، جب تک اسے چھوڑے گا نہیں یہ نفاق کی خصلت اس میں باقی رہے گی۔"

فوائد و مسائل: ① وعدہ خلافی یا عہد شکنی کرنا ایک مسلمان کی شان نہیں بلکہ منافقوں کا کام ہے، خواہ وہ عہد و پیمان کفار ہی سے کیوں نہ کیا گیا ہو۔ جو وعدہ اغیار سے سیاسی سطح پر کیا گیا ہو اس کی حیثیت اور بڑھ جاتی ہے۔ اسے پورا کرنا مسلمان کے لیے ضروری ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کفار قریش کے ساتھ کیے گئے عہد و پیمان کو پوری طرح نبھایا، خواہ اپنے بندوں کو ان کے حوالے کرنا پڑا، حالانکہ صلح حدیبیہ میں کفار قریش کی کئی ایک شرائط سراسر نامعقول تھیں اس کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے انھیں پورا کیا۔ ② حدیث میں مذکور برے اعمال کسی مومن کو زیب نہیں دیتے، حقیقتاً ان کو سرانجام دینے والا منافق ہی ہوسکتا ہے۔

٣١٧٩ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ: أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ التَّيْمِيِّ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: مَا كَتَبْنَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ إِلَّا الْقُرْآنَ، وَمَا فِي هٰذِهِ الصَّحِيفَةِ، قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «اَلْمَدِينَةُ حَرَامٌ مَّا بَيْنَ عَائِرٍ إِلَى

[3179] حضرت علی ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ ہم نے نبی ﷺ سے بس یہی قرآن لکھا اور جو کچھ اس صحیفے میں درج ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا تھا: "مدینہ جبل عائر سے فلاں پہاڑی تک حرم ہے۔ جس نے اس میں کسی بدعت کو رواج دیا یا کسی بدعتی کو جگہ دی تو اس پر اللہ کی، اس

[1] الأنفال 8: 57.

كَذَا، فَمَنْ أَحْدَثَ حَدَثًا أَوْ آوٰى مُحْدِثًا فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ، لَا يُقْبَلُ مِنْهُ عَدْلٌ وَّلَا صَرْفٌ، وَّذِمَّةُ الْمُسْلِمِينَ وَاحِدَةٌ يَّسْعٰى بِهَا أَدْنَاهُمْ، فَمَنْ أَخْفَرَ مُسْلِمًا فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ، لَا يُقْبَلُ مِنْهُ صَرْفٌ وَّلَا عَدْلٌ، وَّمَنْ وَالٰى قَوْمًا بِغَيْرِ إِذْنِ مَوَالِيهِ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ، لَا يُقْبَلُ مِنْهُ صَرْفٌ وَّلَا عَدْلٌ».

[راجع: ١١١]

کے فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی پھٹکار ہے۔ اس کی نہ تو کوئی فرض اور نہ نفل عبادت قبول ہو گی۔ تمام مسلمان کسی کو پناہ دینے میں برابر ہیں، اس کے لیے کوئی کم تر آدمی بھی کوشش کر سکتا ہے، لہٰذا جس شخص نے بھی کسی مسلمان سے بدعہدی کی اس پر اللہ تعالیٰ کی، اس کے فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہو گی۔ اس کی کوئی نفل یا فرض عبادت قبول نہیں ہو گی۔ اور جس نے اپنے آقاؤں کے بغیر کسی دوسرے کو اپنا آقا ظاہر کیا اس پر بھی اللہ تعالیٰ کی، اس کے فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔ اس کی بھی کوئی فرض یا نفل عبادت قبول نہیں ہو گی۔''

٣١٨٠ - قَالَ أَبُو مُوسٰى: حَدَّثَنَا هَاشِمُ بْنُ الْقَاسِمِ: حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ سَعِيدٍ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: كَيْفَ أَنْتُمْ إِذَا لَمْ تَجْتَبُوا دِينَارًا وَّلَا دِرْهَمًا؟ فَقِيلَ لَهُ: وَكَيْفَ تَرٰى ذٰلِكَ كَائِنًا يَا أَبَا هُرَيْرَةَ؟ قَالَ: إِيْ وَالَّذِي نَفْسُ أَبِي هُرَيْرَةَ بِيَدِهِ عَنْ قَوْلِ الصَّادِقِ الْمَصْدُوقِ، قَالُوا: عَمَّ ذٰلِكَ؟ قَالَ: تُنْتَهَكُ ذِمَّةُ اللهِ وَذِمَّةُ رَسُولِهِ ﷺ فَيَشُدُّ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ قُلُوبَ أَهْلِ الذِّمَّةِ فَيَمْنَعُونَ مَا فِي أَيْدِيهِمْ.

[3180] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے لوگوں سے کہا کہ تمھارا اس وقت کیا حال ہو گا جب تم جزیے کے طور پر دینار حاصل کر سکو گے نہ درہم؟ ان سے دریافت کیا گیا: ابوہریرہ! تم کیا خیال کرتے ہو کہ ایسا کس طرح ہو گا؟ انھوں نے کہا: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں ابوہریرہ کی جان ہے! یہ بات میں صادق و مصدوق ﷺ کے ایک فرمان کی وجہ سے کہہ رہا ہوں۔ لوگوں نے پوچھا: ایسا کس وجہ سے ہو گا؟ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: جب اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ذمے کو توڑ دیا جائے گا، یعنی مسلمان دغابازی کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان ذمیوں کے دل سخت کر دے گا اور جو کچھ ان کے ہاتھوں میں ہے وہ جزیے کے طور پر نہیں دیں گے۔

فوائد و مسائل: ① اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان، اہل ذمہ سے بدعہدی کریں گے اور ان پر ہر قسم کا ظلم و تشدد روا رکھیں گے تو وہ لوگ اطاعت اور جزیے کی ادائیگی سے رک جائیں گے، چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اس بے حرمتی میں ہر قسم کا جور و ظلم شامل ہے جس کی وجہ سے اہل ذمہ ادائے جزیہ سے رک جائیں گے۔ صحیح مسلم کی ایک روایت ہے: اہل عراق سے نقدی اور

غلہ روک لیا جائے گا۔[1] ② دور حاضر میں مسلمان اسی قسم کے حالات سے دوچار ہیں کہ انھوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے عہد و پیمان کو توڑا تو اس غداری کے نتیجے میں سخت نقصان اٹھایا ہے۔ اب کفار سے جزیہ لینا تو درکنار بلکہ اس کے برعکس عالمی غنڈہ امریکہ مسلمانوں سے ٹیکس وصول کر رہا ہے اور ان پر اقتصادی پابندیاں لگا رہا ہے، گویا اس نے مسلمان حکومتوں کو اپنے گھر کی لونڈی بنا رکھا ہے۔

(١٨) بَابٌ:

باب: 18- بلا عنوان

٣١٨١ - حَدَّثَنَا عَبْدَانُ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَمْزَةَ قَالَ: سَمِعْتُ الْأَعْمَشَ قَالَ: سَأَلْتُ أَبَا وَائِلٍ: شَهِدْتَ صِفِّينَ؟ قَالَ: نَعَمْ، فَسَمِعْتُ سَهْلَ بْنَ حُنَيْفٍ يَقُولُ: اتَّهِمُوا رَأْيَكُمْ، رَأَيْتُنِي يَوْمَ أَبِي جَنْدَلٍ، وَلَوْ أَسْتَطِيعُ أَنْ أَرُدَّ أَمْرَ النَّبِيِّ ﷺ لَرَدَدْتُهُ، وَمَا وَضَعْنَا أَسْيَافَنَا عَلَى عَوَاتِقِنَا لِأَمْرٍ يُفْظِعُنَا إِلَّا أَسْهَلْنَ بِنَا إِلَى أَمْرٍ نَعْرِفُهُ غَيْرِ أَمْرِنَا هٰذَا. [انظر: ٣١٨٢، ٤١٨٩، ٤٨٤٤، ٧٣٠٨]

[3181] حضرت اعمش سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے ابووائل سے پوچھا: کیا آپ جنگ صفین میں حاضر تھے؟ انھوں نے کہا: جی ہاں! میں نے وہاں حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ تم لوگ خود اپنی رائے کو غلط خیال کرو۔ میں نے خود کو ابوجندل (صلح حدیبیہ) کے دن دیکھا، اگر میں نبی ﷺ کا حکم مسترد کرنے کی طاقت رکھتا تو مسترد کر دیتا۔ ہم نے جب بھی کسی مصیبت سے گھبرا کر تلواریں اپنے کندھوں پر رکھیں تو وہ مصیبت آسان ہو گئی سوائے اس کام کے کہ یہ نہ ہو سکا۔

٣١٨٢ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ آدَمَ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ، عَنْ أَبِيهِ: حَدَّثَنَا حَبِيبُ بْنُ أَبِي ثَابِتٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو وَائِلٍ قَالَ: كُنَّا بِصِفِّينَ فَقَامَ سَهْلُ ابْنُ حُنَيْفٍ فَقَالَ: أَيُّهَا النَّاسُ! اتَّهِمُوا أَنْفُسَكُمْ، فَإِنَّا كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ يَوْمَ الْحُدَيْبِيَةِ وَلَوْ نَرَى قِتَالًا لَقَاتَلْنَا، فَجَاءَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! أَلَسْنَا عَلَى الْحَقِّ وَهُمْ عَلَى بَاطِلٍ؟ فَقَالَ: «بَلَى»، فَقَالَ: أَلَيْسَ قَتْلَانَا فِي الْجَنَّةِ وَقَتْلَاهُمْ فِي النَّارِ؟ قَالَ:

[3182] حضرت ابووائل سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ ہم مقام صفین میں ڈیرے ڈالے ہوئے تھے کہ حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور فرمایا: لوگو! تم خود اپنی رائے کو غلط خیال کرو۔ ہم نبی ﷺ کے ہمراہ مقام حدیبیہ میں تھے، اگر ہمیں لڑنا ہوتا تو اس وقت ضرور لڑتے۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے اور عرض کیا: اللہ کے رسول! کیا ہم حق پر اور وہ باطل پر نہیں ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیوں نہیں!'' عرض کیا: آیا ہمارے مقتول جنت میں اور ان کے مقتول جہنم میں نہیں جائیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیوں نہیں!'' عرض کیا: پھر ہم اپنے دین کے معاملے

1 صحيح مسلم، الفتن، حديث: 7315 (2913).

«بَلٰى»، قَالَ: فَعَلَامَ نُعْطِي الدَّنِيَّةَ فِي دِينِنَا؟ أَنَرْجِعُ وَلَمْ يَحْكُمِ اللهُ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ؟ فَقَالَ: «يَا ابْنَ الْخَطَّابِ! إِنِّي رَسُولُ اللهِ وَلَنْ يُضَيِّعَنِي اللهُ أَبَدًا»، فَانْطَلَقَ عُمَرُ إِلٰى أَبِي بَكْرٍ فَقَالَ لَهُ مِثْلَ مَا قَالَ لِلنَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: إِنَّهُ رَسُولُ اللهِ وَلَنْ يُضَيِّعَهُ اللهُ أَبَدًا، فَنَزَلَتْ سُورَةُ الْفَتْحِ فَقَرَأَهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ عَلٰى عُمَرَ إِلٰى آخِرِهَا، قَالَ عُمَرُ: يَا رَسُولَ اللهِ! أَوَ فَتْحٌ هُوَ؟ قَالَ: «نَعَمْ». [راجع: ٣١٨١]

میں کس لیے کمزوری کا اظہار کر رہے ہیں؟ کیا ہم واپس چلے جائیں گے، ہمارے اور ان کے درمیان اللہ تعالیٰ کوئی فیصلہ نہیں کرے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے ابن خطاب! میں اللہ کا رسول ہوں اور اللہ تعالیٰ مجھے کبھی ضائع نہیں کرے گا۔'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہاں سے چلے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچ گئے اور ان سے وہی سوالات کیے جو نبی ﷺ سے کر چکے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور اللہ تعالیٰ آپ کو ہرگز ضائع نہیں کرے گا۔ پھر سورۂ فتح نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو وہ آخر تک پڑھ کر سنائی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! کیا یہی فتح ہے؟ آپ نے فرمایا: ''ہاں (یہی فتح ہے)۔''

فوائد و مسائل: ① صفین، رقہ کے مغرب میں دریائے فرات کے کنارے ایک مقام ہے جہاں حضرت معاویہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے درمیان جنگ ہوئی تھی۔ اس جنگ میں حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں تھے لیکن عملی طور پر وہ جنگ میں شریک نہیں تھے تو ان کے ساتھی انھیں عدم دلچسپی کا الزام دے رہے تھے۔ اس وقت انھوں نے لوگوں کو وعظ کرتے ہوئے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے ہمیں لڑنے کا حکم نہیں دیا۔ یہ تمھاری غلطی ہے کہ تم اپنی تلواروں سے اپنے ہی بھائیوں کو قتل کرنے پر تلے ہوئے ہو۔ جب رسول اللہ ﷺ نے صلح حدیبیہ کے موقع پر کفار سے لڑنے کے لیے جلدی نہیں کی اور ان سے صلح کر لی تو تم مسلمانوں سے لڑنے کے لیے کیوں پر تول رہے ہو؟ خوب سوچ لو، یہ جنگ جائز ہے یا نہیں؟ اس کا انجام کیا ہوگا؟ ② مذکورہ احادیث پر کوئی عنوان نہیں بلکہ ان کا عنوانِ سابق سے تعلق ہے کہ جب قریش نے عہد شکنی کی تو اللہ تعالیٰ نے انھیں سزا دی اور مسلمانوں کو ان پر غالب کر دیا۔ افسوس کہ آج مسلمانوں کا حال قابل رحم ہے۔ قرون اولیٰ کے مسلمان فتنہ کچلنے کے لیے تلواریں اٹھاتے تھے لیکن ہم مسلمان فتنے کو فروغ دینے کے لیے ہتھیار اٹھائے پھرتے ہیں۔ آج دشمنانِ اسلام موجودہ صورت حال دیکھ کر خوش ہو رہے ہیں۔ مسلمانوں کے باہمی جنگ و قتال اور خانہ جنگی کی وجہ سے یہودیوں نے قبلۂ اوّل پر قبضہ جما رکھا ہے اور وہ مسلمانوں کے کندھوں پر سوار ہیں اور ان سے اپنی مرضی کے کام کروا رہے ہیں۔ إنا لله وإنا إليه راجعون.

٣١٨٣ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا حَاتِمُ ابْنُ إِسْمَاعِيلَ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا

[3183] حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ قریش نے جس وقت رسول اللہ ﷺ سے جنگ بندی کی صلح کر رکھی تھی، اس مدت میں میری والدہ

قَالَتْ: قَدِمَتْ عَلَيَّ أُمِّي وَهِيَ مُشْرِكَةٌ فِي عَهْدِ قُرَيْشٍ إِذْ عَاهَدُوا رَسُولَ اللهِ ﷺ وَمُدَّتِهِمْ مَعَ أَبِيهَا، فَاسْتَفْتَتْ رَسُولَ اللهِ ﷺ فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنَّ أُمِّي قَدِمَتْ عَلَيَّ وَهِيَ رَاغِبَةٌ فَأَصِلُهَا؟ قَالَ: «نَعَمْ، صِلِيهَا». [راجع: ٢٦٢٠]

اپنے باپ کے ہمراہ میرے ہاں مدینہ طیبہ آئی جبکہ وہ اس وقت مشرکہ تھی۔ حضرت اسماء ؓ نے اس کے متعلق مسئلہ دریافت کیا: اللہ کے رسول! میری والدہ میرے پاس آئی ہے اور وہ مجھ سے (کچھ مال لینے کی) رغبت رکھتی ہے تو کیا میں ایسے حالات میں اس سے صلہ رحمی کر سکتی ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں، اس کے ساتھ صلہ رحمی کرو۔''

فوائد و مسائل: ① سیدہ اسماء اور حضرت عائشہ ؓ دونوں پدری بہنیں ہیں۔ ان کے والد گرامی حضرت ابوبکر ؓ ہیں جبکہ ان کی مائیں الگ الگ ہیں۔ حضرت اسماء ؓ کی والدہ کفار قریش میں شامل تھیں اور ان سے رسول اللہ ﷺ کی ان دنوں صلح تھی، اس لیے آپ نے حضرت اسماء ؓ کو اپنی والدہ سے اچھا سلوک کرنے کی اجازت دی۔ ② عنوان سابق سے اس حدیث کا اس طرح تعلق ہے کہ کفار سے ایفائے عہد کا تقاضا ہے کہ قریبی رشتہ داروں سے بہتر سلوک کیا جائے اگرچہ وہ صلہ رحمی کرنے والے کے دین کے مخالف ہی کیوں نہ ہوں۔ ③ ان احادیث کا خلاصہ یہ ہے کہ عہد شکنی مذموم ہے اور اس کے مقابلے میں ایفائے عہد قابل تعریف اور پسندیدہ خصلت ہے۔ والله أعلم.

(١٩) بَابُ الْمُصَالَحَةِ عَلَى ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ أَوْ وَقْتٍ مَعْلُومٍ

باب: 19- تین دن یا اس سے کم و بیش معین مدت کے لیے صلح کرنا

٣١٨٤ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عُثْمَانَ بْنِ حَكِيمٍ: حَدَّثَنِي شُرَيْحُ بْنُ مَسْلَمَةَ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ يُوسُفَ بْنِ أَبِي إِسْحَاقَ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ قَالَ: حَدَّثَنِي الْبَرَاءُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَمَّا أَرَادَ أَنْ يَعْتَمِرَ أَرْسَلَ إِلَى أَهْلِ مَكَّةَ يَسْتَأْذِنُهُمْ لِيَدْخُلَ مَكَّةَ فَاشْتَرَطُوا عَلَيْهِ أَنْ لَا يُقِيمَ بِهَا إِلَّا ثَلَاثَ لَيَالٍ، وَلَا يَدْخُلَهَا إِلَّا بِجُلُبَّانِ السِّلَاحِ، وَلَا يَدْعُوَ مِنْهُمْ أَحَدًا، قَالَ: فَأَخَذَ يَكْتُبُ الشَّرْطَ بَيْنَهُمْ عَلِيُّ ابْنُ أَبِي طَالِبٍ، فَكَتَبَ: هٰذَا مَا قَاضٰى عَلَيْهِ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللهِ ﷺ، فَقَالُوا: لَوْ عَلِمْنَا أَنَّكَ

[3184] حضرت براء ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے جب عمرہ کرنے کا ارادہ فرمایا تو مکہ میں داخلے کے لیے اہل مکہ سے اجازت لینے کی خاطر ایک آدمی بھیجا تو انھوں نے اس شرط کے ساتھ اجازت دی کہ آپ مکہ میں تین دن سے زیادہ قیام نہیں کریں گے۔ مکہ میں ہتھیار بند داخل ہوں گے اور کسی کو دین اسلام کی دعوت نہیں دیں گے۔ حضرت علی بن ابی طالب ؓ نے ان کے مابین شرائط لکھنا شروع کیں تو مضمون لکھا: یہ وہ صلح نامہ ہے جس پر محمد رسول اللہ ﷺ نے صلح کی ہے۔ مکہ والوں نے کہا: اگر ہمیں یقین ہو کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو ہم آپ کو نہ روکتے بلکہ آپ کی بیعت کر لیتے لیکن مضمون اس طرح لکھو: اس شرط پر محمد بن

رَسُولُ اللهِ لَمْ نَمْنَعْكَ وَلَتَابَعْنَاكَ، وَلٰكِنِ اكْتُبْ: هٰذَا مَا قَاضٰى عَلَيْهِ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ، فَقَالَ: «أَنَا وَاللهِ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ، وَأَنَا وَاللهِ رَسُولُ اللهِ»، قَالَ: وَكَانَ لَا يَكْتُبُ، قَالَ: فَقَالَ لِعَلِيٍّ: «امْحُ رَسُولَ اللهِ»، فَقَالَ عَلِيٌّ: وَاللهِ لَا أَمْحَاهُ أَبَدًا، قَالَ: «فَأَرِنِيهِ»، قَالَ: فَأَرَاهُ إِيَّاهُ فَمَحَاهُ النَّبِيُّ ﷺ بِيَدِهِ، فَلَمَّا دَخَلَ وَمَضَتِ الْأَيَّامُ أَتَوْا عَلِيًّا فَقَالُوا: مُرْ صَاحِبَكَ فَلْيَرْتَحِلْ، فَذَكَرَ ذٰلِكَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ لِرَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالَ: «نَعَمْ» فَارْتَحَلَ. [راجع: ١٧٨١]

عبداللہ نے صلح کی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! میں محمد بن عبداللہ ہوں اور اللہ کی قسم! میں اللہ کا رسول بھی ہوں۔'' آپ تو لکھنا نہیں جانتے تھے، اس لیے آپ نے حضرت علی ؓ سے فرمایا: ''(لفظ) رسول اللہ مٹا دو۔'' حضرت علی نے عرض کیا: اللہ کی قسم! میں تو اسے ہرگز نہیں مٹاؤں گا۔ آپ نے فرمایا: ''اچھا وہ (لفظ) مجھے دکھاؤ۔'' حضرت علی ؓ نے وہ (لفظ) دکھایا تو نبی ﷺ نے اپنے دست مبارک سے اسے مٹا دیا۔ پھر جب آپ مکہ میں داخل ہوئے اور (تین) دن گزر گئے تو اہل مکہ حضرت علی ؓ کے پاس آئے اور کہنے لگے: اپنے صاحب سے کہیں کہ وہ اب یہاں سے چلے جائیں۔ حضرت علی ؓ نے رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: ''ہاں۔'' پھر آپ نے مکہ مکرمہ سے کوچ فرمایا۔

فوائد و مسائل: ① اس معاہدے میں یہ بھی تحریر تھا کہ اہل مکہ میں سے کوئی بھی آپ کے ساتھ جانے کو تیار ہوا تو آپ اسے مکہ سے باہر نہیں لے جاسکیں گے اور اگر آپ کے ساتھیوں میں سے کوئی شخص مکہ میں رہنا چاہے گا تو آپ اسے نہیں روکیں گے۔[1] بہرحال رسول اللہ ﷺ نے اس صلح نامے کی پاسداری کی۔ ② اس حدیث سے تین دن یا اس سے کم وبیش معین مدت کے لیے صلح کا جواز ثابت ہوا۔ ③ حضرت علی ؓ کے انکار سے بظاہر رسول اللہ ﷺ کی مخالفت معلوم ہوتی ہے لیکن حضرت علی ؓ نے قرائن سے معلوم کر لیا تھا کہ آپ کا یہ امر وجوب کے لیے نہیں۔ حضرت علی ؓ نے ایسا صرف جوش ایمان اور آپ سے محبت کی بنا پر کیا تھا جیسا کہ حضرت عمر ؓ نے حدیث قرطاس سے ایسا سمجھ لیا تھا کہ آپ کا امر وجوب کے لیے نہیں بلکہ وہاں بھی آپ سے خیر خواہی پیش نظر تھی، لیکن حضرت عمر ؓ کے معاملے میں بہت شور کیا جاتا ہے جبکہ حضرت علی ؓ کے سلسلے میں نرم گوشہ اختیار کیا جاتا ہے، حالانکہ دونوں حضرات کی نیت بخیر تھی، اس لیے ایک مقام پر حسن ظن سے کام لینا اور دوسری جگہ بدظنی کرنا ناانصافی ہے۔

(٢٠) بَابُ الْمُوَادَعَةِ مِنْ غَيْرِ وَقْتٍ

باب: 20- غیر معینہ مدت کے لیے صلح کرنا

وَقَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ: «أُقِرُّكُمْ عَلٰى مَا أَقَرَّكُمُ اللهُ».

نبی ﷺ نے (یہود خیبر سے) فرمایا تھا: ''میں اس وقت تک تمھیں یہاں رہنے دوں گا، جب تک اللہ چاہے گا۔''

[1] صحيح البخاري، الصلح، حديث: 2699.

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ نے اس معلق روایت کو اپنی صحیح میں متصل سند سے بیان کیا ہے۔[1] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے غیر معینہ مدت کے لیے یہود خیبر سے معاملہ طے کیا تھا جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت تک رہا، پھر یہودیوں کی مسلسل شرارتوں اور ناپاک سازشوں کی بنا پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں تیماء اور اریحاء کی طرف ملک بدر کر دیا۔ افسوس صد افسوس! آج وہی یہودی مسلمانوں کے قبلۂ اوّل پر ناجائز قابض ہو کر اہل اسلام کو آنکھیں دکھا رہے ہیں، لیکن مسلمانوں کو اپنی خواہشات کی تکمیل سے فرصت نہیں ملتی۔ إنا لله و إنا إليه راجعون.

(٢١) بَابُ طَرْحِ جِيَفِ الْمُشْرِكِينَ فِي الْبِئْرِ، وَلَا يُؤْخَذُ لَهُمْ ثَمَنٌ

باب: 21- مشرکین کی لاشوں کو کنویں میں پھینک دینا اور ان کی کوئی قیمت وصول نہ کرنا

٣١٨٥ - حَدَّثَنَا عَبْدَانُ بْنُ عُثْمَانَ قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبِي عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ عَمْرِو بْنِ مَيْمُونٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: بَيْنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ سَاجِدٌ وَّحَوْلَهُ نَاسٌ مِّنْ قُرَيْشٍ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ إِذْ جَاءَ عُقْبَةُ بْنُ أَبِي مُعَيْطٍ بِسَلَى جَزُورٍ وَّقَذَفَهُ عَلَى ظَهْرِ النَّبِيِّ ﷺ فَلَمْ يَرْفَعْ رَأْسَهُ حَتَّى جَاءَتْ فَاطِمَةُ عَلَيْهَا السَّلَامُ فَأَخَذَتْ مِنْ ظَهْرِهِ، وَدَعَتْ عَلَى مَنْ صَنَعَ ذٰلِكَ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «اَللّٰهُمَّ عَلَيْكَ الْمَلَأَ مِنْ قُرَيْشٍ، اَللّٰهُمَّ عَلَيْكَ أَبَا جَهْلِ بْنَ هِشَامٍ، وَعُتْبَةَ بْنَ رَبِيعَةَ، وَشَيْبَةَ بْنَ رَبِيعَةَ، وَعُقْبَةَ بْنَ أَبِي مُعَيْطٍ وَّأُمَيَّةَ بْنَ خَلَفٍ - أَوْ أُبَيَّ ابْنَ خَلَفٍ -» فَلَقَدْ رَأَيْتُهُمْ قُتِلُوا يَوْمَ بَدْرٍ فَأُلْقُوا فِي بِئْرٍ غَيْرَ أُمَيَّةَ أَوْ أُبَيٍّ فَإِنَّهُ كَانَ رَجُلًا ضَخْمًا فَلَمَّا جَرُّوهُ تَقَطَّعَتْ أَوْصَالُهُ قَبْلَ أَنْ يُلْقَى فِي الْبِئْرِ. [راجع: ٢٤٠]

[3185] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک دفعہ بحالت سجدہ تھے اور قریب ہی قریش کے کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ اچانک عقبہ بن ابی معیط ایک ذبح شدہ اونٹنی کی وہ جھلی جس میں بچہ لپٹا ہوتا ہے گندگی سمیت اٹھا لایا اور نبی ﷺ کی پشت مبارک پر اسے ڈال دیا۔ آپ سجدے سے اپنا سر مبارک نہ اٹھا سکے حتی کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا تشریف لائیں اور اس کو آپ کی پشت سے ہٹایا اور جس نے یہ حرکت کی تھی اسے برا بھلا کہا۔ نبی ﷺ نے بایں الفاظ بددعا کی: ''اے اللہ! قریش کی جماعت کو پکڑ لے۔ اے اللہ! ابوجہل بن ہشام، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، عقبہ بن ابی معیط، امیہ بن خلف یا ابی بن خلف کو برباد کر۔'' حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے ان لوگوں کو دیکھا کہ وہ بدر کی جنگ میں قتل ہو گئے اور ان کی لاشوں کو ایک اندھے کنویں میں پھینک دیا گیا، البتہ امیہ یا ابی بن خلف موٹا آدمی تھا جب اسے (کنویں میں پھینکنے کے لیے) کھینچا گیا تو کنویں میں پھینکنے سے پہلے اس کے سارے جوڑ الگ الگ ہو گئے۔

1 صحيح البخاري، المزارعة، حديث: 2338.

فوائد و مسائل: ① امیہ بن خلف غزوۂ بدر میں قتل ہوا اور اس کا بھائی ابی بن خلف احد کی جنگ میں جہنم واصل ہوا۔ اسی طرح عقبہ بن ابی معیط بدر میں قتل نہیں ہوا بلکہ وہ جنگی قیدی بنا اور رسول اللہ ﷺ نے اسے قتل کروایا۔ گرم ترین دن کی وجہ سے مشرکین کی لاشیں پھٹ چکی تھیں اور ورم آجانے کی بنا پر ان کا رنگ سیاہ ہو گیا تھا۔ مشرکین کی لاشوں کی قیمت لینے کی بجائے انھیں ایک بے آباد اندھے کنویں میں پھینک دیا گیا کیونکہ خرید و فروخت کرتے وقت بکنے والی چیز کا کچھ نہ کچھ اعزاز ضرور ہوتا ہے جس کی بنا پر اس کی قیمت پڑتی ہے۔ ہمیں مشرکین کی لاشیں فروخت کرنے سے اس لیے منع کیا گیا کہ ان کا اعزاز نہ ہو۔ ② امام بخاری ؒ نے عنوان سے اس روایت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مشرکین کا ایک آدمی غزوۂ خندق کے موقع پر خندق میں گھس آیا تھا جسے مار دیا گیا تو مشرکین نے اس کی لاش کو خریدنا چاہا تو آپ نے فرمایا: ”ہمیں نہ تو اس لاش کی ضرورت ہے اور نہ ہم اس کی قیمت ہی وصول کرنا چاہتے ہیں۔“[1] سیرت ابن ہشام میں ہے: مشرکین اس کی دس ہزار درہم قیمت ادا کرنا چاہتے تھے۔[2] ③ رسول اللہ ﷺ مقتولین بدر کی لاشیں فروخت کر سکتے تھے کیونکہ وہ مکہ کے رئیس تھے اور ان کے رشتہ دار بہت امیر تھے۔ وہ بھاری قیمت ادا کر کے انھیں خرید سکتے تھے لیکن رسول اللہ ﷺ نے ایسا نہیں کیا بلکہ انھیں کنویں میں پھینک کر نیست و نابود کیا۔

(۲۲) بَابُ إِثْمِ الْغَادِرِ لِلْبَرِّ وَالْفَاجِرِ

باب: 22- ہر برے بھلے سے غداری کرنے والے کا گناہ

وضاحت: اس عنوان میں عموم ہے کہ خواہ غداری کوئی نیکوکار بدکار سے کرے یا کوئی بدکار کسی نیکوکار سے یا بدکار سے کرے، غداری ہر صورت میں ناجائز ہے۔ امام بخاری ؒ نے قبل ازیں غداری کے جرم کی برائی بیان کرنے کے لیے چند عنوان قائم کیے تھے۔ چونکہ گناہ کی نوعیت مختلف ہے، اس لیے امام بخاری ؒ نے نوعیت کے اختلاف کو واضح کرنے کے لیے مذکورہ عنوان قائم کیا ہے۔

٣١٨٦، ٣١٨٧ - حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سُلَيْمَانَ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ وَعَنْ ثَابِتٍ، عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «لِكُلِّ غَادِرٍ لِوَاءٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ - قَالَ أَحَدُهُمَا: يُنْصَبُ، وَقَالَ الْآخَرُ: يُرَى يَوْمَ الْقِيَامَةِ - يُعْرَفُ بِهِ».

[3187،3186] حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت انس ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ”قیامت کے دن ہر غدار کے لیے ایک جھنڈا ہوگا۔“ ان راویوں میں سے ایک کا بیان ہے: ”وہ جھنڈا نصب کیا جائے گا اور دوسرے کا بیان ہے: ”وہ قیامت کے دن دکھایا جائے گا جس سے دغا باز کی شناخت ہوگی۔“

٣١٨٨ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ: حَدَّثَنَا

[3188] حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے،

---

① جامع الترمذي، الجهاد، حديث: 1715. ② السيرة النبوية لابن هشام: 186/3، و فتح الباري: 340/6.

حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: «لِكُلِّ غَادِرٍ لِوَاءٌ يُنْصَبُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِغَدْرَتِهِ». [انظر: ٦١٧٧، ٦١٧٨، ٦٩٦٦، ٧١١١]

انھوں نے کہا کہ میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''ہر غدار کے لیے ایک جھنڈا ہو گا جو اس کی دغابازی کے سبب گاڑا جائے گا۔''

فوائد و مسائل: ① زمانۂ جاہلیت میں یہ طریقہ رائج تھا کہ جو شخص غداری کرتا تو حج کے ایام میں اس کے لیے جھنڈا بلند کیا جاتا تاکہ لوگ اسے پہچان کر اس کی مذمت کریں اور اس سے بچ جائیں۔ ایک دوسری روایت میں ہے: ''یہ جھنڈا غدار کی مقعد پر لگایا جائے گا۔''[1] تاکہ اہل محشر اس کی غداری سے مطلع ہوں اور اس پر نفرین و لعنت کریں۔[2] ② مقصد یہ ہے کہ غدار انسان کو قیامت کے دن بہت ذلیل کیا جائے گا اور اس کی بری صفت کی وجہ سے اس کی خوب شہرت کی جائے گی۔ ③ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ غداری حرام ہے، خاص طور پر اگر وقت کا حکمران ملک و ملت سے غداری کرتا ہے تو اس کی سنگینی مزید بڑھ جاتی ہے کیونکہ اس کے غدر کی وجہ سے ملک کا نقصان اور قوم کی اذیت بڑھ جاتی ہے۔

٣١٨٩ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنْ طَاوُسٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ: «لَا هِجْرَةَ وَلٰكِنْ جِهَادٌ وَنِيَّةٌ، وَإِذَا اسْتُنْفِرْتُمْ فَانْفِرُوا»، وَقَالَ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ: «إِنَّ هٰذَا الْبَلَدَ حَرَّمَهُ اللهُ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ، فَهُوَ حَرَامٌ بِحُرْمَةِ اللهِ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَإِنَّهُ لَمْ يَحِلَّ الْقِتَالُ فِيهِ لِأَحَدٍ قَبْلِي، وَلَمْ يَحِلَّ لِي إِلَّا سَاعَةً مِنْ نَهَارٍ، فَهُوَ حَرَامٌ بِحُرْمَةِ اللهِ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، لَا يُعْضَدُ شَوْكُهُ، وَلَا يُنَفَّرُ صَيْدُهُ، وَلَا يَلْتَقِطُ لُقَطَتَهُ إِلَّا مَنْ عَرَّفَهَا، وَلَا يُخْتَلٰى خَلَاهُ». فَقَالَ الْعَبَّاسُ: يَا رَسُولَ اللهِ! إِلَّا الْإِذْخِرَ فَإِنَّهُ لِقَيْنِهِمْ وَلِبُيُوتِهِمْ، قَالَ: «إِلَّا الْإِذْخِرَ». [راجع: ١٣٤٩]

[3189] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دن فرمایا: ''اب (مکہ سے) ہجرت نہیں رہی، البتہ جہاد کی نیت اور اس کا حکم باقی ہے، اس لیے جب تمھیں جہاد کے لیے نکلنے کا حکم دیا جائے تو فوراً نکل پڑو۔'' آپ نے فتح مکہ کے دن یہ بھی فرمایا: ''جس دن اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو پیدا کیا اسی دن اس شہر کو حرام قرار دے دیا، اس لیے یہ شہر اللہ کی حرمت کے باعث قیامت تک کے لیے حرام ہی رہے گا۔ واقعہ یہ ہے کہ مجھ سے پہلے یہاں کسی کے لیے لڑنا جائز نہیں ہوا اور میرے لیے بھی دن کی صرف ایک گھڑی کے لیے جائز کیا گیا۔ یہ شہر اللہ تعالیٰ کی حرمت کی وجہ سے قیامت تک کے لیے حرام ہے، لہٰذا اس کا کانٹا نہ توڑا جائے اور نہ اس کا شکار ہی ستایا جائے، نیز یہاں کی گری پڑی چیز بھی نہ اٹھائی جائے، البتہ جو شخص (مالک تک پہنچانے کے لیے) اس کی

[1] صحيح مسلم، الجهاد، حديث: 4537 (1738). [2] فتح الباري: 6/341.

شہرت کرے وہ اٹھا سکتا ہے۔ اس جگہ کی گھاس بھی نہ کاٹی جائے۔'' حضرت عباس ؓ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! اذخر کی اجازت دیں کیونکہ یہ لوہاروں کے لیے اور گھروں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اچھا اذخر کاٹنے کی اجازت ہے۔''

فوائد و مسائل: ① مذکورہ حدیث متعدد مرتبہ پہلے بیان ہو چکی ہے۔ امام بخاری ؒ نے اس سے کئی ایک مسائل کا استنباط کیا ہے۔ اس مقام پر مقصود یہ ہے کہ بلاشبہ مکہ حرم ہے اور اس میں لڑائی حرام ہے لیکن اہل مکہ نے رسول اللہ ﷺ سے غداری کی اور انھوں نے آپ کے ساتھ جو عہد و پیمان باندھا تھا اسے پامال کیا۔ بنوخزاعہ کے مقابلے میں بنوبکر کی مدد کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اس جرم کی پاداش میں حرمت والے شہر اور حرمت والے مہینے میں ان کا مارنا اور قتل کرنا اپنے رسول مقبول ﷺ کے لیے جائز قرار دیا۔ ② اس سے معلوم ہوا کہ دغا بازی بہت بڑا گناہ ہے اور اس کی سزا بہت سخت ہے۔ بعض شارحین نے عنوان سے مناسبت اس طرح بیان کی ہے کہ اس حدیث میں امام کے کہنے پر جہاد کے لیے کوچ کرنے کا حکم ہے۔ اس کا تقاضا ہے کہ امام کی اطاعت کی جائے اور اس سے روگردانی کر کے غداری کا ثبوت نہ دیا جائے۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اہل مکہ سے لڑائی کرنے میں ان سے غدر نہیں کیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے کچھ وقت کے لیے حلال کر دیا تھا۔ اگر اللہ تعالیٰ اسے حلال نہ کرتا تو آپ ہرگز اس حرمت والی جگہ اور حرمت والے مہینے میں جنگ نہ کرتے۔[1]

[1] فتح الباري : 342/6.

آغاز تخلیق اور مخلوقات

محدثین کرام نے کتب حدیث کو مضامین کے اعتبار سے مختلف قسموں میں تقسیم کیا ہے جن میں سے ایک "الجامع" ہے۔ اس سے مراد وہ کتاب ہے جس میں مؤلف نے عقائد، عبادات، معاملات، سیرت، جہاد، مناقب، رقاق، آداب، فتن، تاریخ اور احوال آخرت سے متعلقہ احادیث کو ایک خاص ترتیب سے جمع کیا ہو۔ امام بخاری رحمہ اللہ کی تالیف بھی "الجامع" کہلاتی ہے جس میں مختلف قسم کے علوم و فنون جمع ہیں۔ ان میں سے ایک تاریخ بھی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے یہاں سے تاریخ بیان کرنا شروع کی ہے۔ یہ سلسلہ کتاب التفسیر تک چلے گا۔ ہمارے نزدیک کتاب المغازی کوئی الگ نوعیت کی مستقل کتاب نہیں بلکہ وہ رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ ہی کا ایک حصہ ہے۔ چونکہ اس کے ابواب بہت پھیلے ہوئے ہیں، اس لیے اسے الگ کتاب کا نام دیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس میں رسول اللہ ﷺ کی بیماری اور آپ کی وفات کے ابواب بھی بیان ہوئے ہیں کیونکہ یہ سب سیرت طیبہ کے احوال کا تکملہ ہے۔ بہر حال اسے آغاز تخلیق سے شروع کیا ہے۔

اس کے بعد احادیث انبیاء، پھر مناقب وغیرہ بیان ہوں گے۔ اس کے بعد مغازی کا ذکر ہوگا۔ بہرحال امام بخاری رحمہ اللہ نے تاریخی حقائق بیان کرنے کے لیے ایک سو ساٹھ احادیث کا انتخاب کیا ہے جن میں بائیس معلق اور باقی ایک سو اڑتیس احادیث متصل سند سے مروی ہیں۔ ان مرفوع احادیث میں ترانوے احادیث مکرر اور تریسٹھ خالص ہیں۔ پندرہ احادیث کے علاوہ دیگر احادیث کو امام مسلم رحمہ اللہ نے بھی روایت کیا ہے۔ مرفوع احادیث کے علاوہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمہم اللہ سے مروی چالیس آثار بھی ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے ان احادیث و آثار پر تقریباً سترہ چھوٹے چھوٹے عنوان قائم کیے ہیں جن سے مختلف تاریخی حقائق پر روشنی ڈالنا مقصود ہے۔

اس میں تاریخ کا وہ حصہ بیان کیا گیا ہے جس کا تعلق اللہ تعالیٰ کی تخلیق سے ہے۔ اس کے بعد حضرات انبیاء علیہم السلام کا ذکر ہوگا جسے ایک الگ عنوان سے بیان کیا جائے گا۔ بہرحال آغاز تخلیق اور مخلوقات کے متعلق امام بخاری رحمہ اللہ نے جو احادیث پیش کی ہیں وہ دلچسپ اور معلومات افزا ہیں۔ ان کے متعلق تشریحی فوائد بھی ہم نے بڑی محنت سے مرتب کیے ہیں۔ قارئین کرام سے درخواست ہے کہ وہ خلوص نیت سے پیش کردہ احادیث اور تشریحی فوائد کا مطالعہ کریں۔ امید ہے کہ یہ مطالعہ آپ کی معلومات میں اضافے کا باعث ہوگا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں قیامت کے دن گروہ محدثین سے اٹھائے اور خدام حدیث کی رفاقت اور ان کا ساتھ نصیب کرے۔ آمین.

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

59 - كِتَابُ بَدْءِ الْخَلْقِ

آغاز تخلیق کا بیان

(١) بَابُ مَا جَاءَ فِي قَوْلِ اللهِ تَعَالَى: ﴿وَهُوَ الَّذِي يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِ﴾ [الروم: ٢٧]

باب: 1- ارشاد باری تعالیٰ: ''اللہ وہی ہے جو خلق کو پہلی مرتبہ پیدا کرتا ہے، پھر وہی اسے دوبارہ پیدا کرے گا اور وہ اس پر زیادہ آسان ہے'' کا بیان

وَقَالَ الرَّبِيعُ بْنُ خُثَيْمٍ وَالْحَسَنُ: كُلٌّ عَلَيْهِ هَيِّنٌ؛ وَهَيْنٌ وَهَيِّنٌ مِثْلُ لَيْنٍ وَلَيِّنٍ وَمَيْتٍ وَمَيِّتٍ، وَضَيِّقٍ وَضَيْقٍ.

ربیع بن خثیم اور امام حسن بصری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ابتدا اور اعادہ دونوں اس پر آسان ہیں۔ هَيِّنٌ کو مشدد اور مخفف دونوں طرح پڑھا جا سکتا ہے۔ الغرض هَيِّنٌ اور هَيْنٌ، لَيِّنٌ اور لَيْنٌ، مَيِّتٌ اور مَيْتٌ، نیز ضَيِّقٌ اور ضَيْقٌ کی طرح ہے۔

﴿أَفَعَيِينَا﴾ [ق: ١٥]: أَفَأَعْيَا عَلَيْنَا حِينَ أَنْشَأَكُمْ وَأَنْشَأَ خَلْقَكُمْ.

﴿أَفَعَيِينَا﴾ کیا ہم تھک گئے، یعنی کیا ہمیں پہلی بار پیدا کرنے نے عاجز کر دیا تھا جب اس نے تمھیں پیدا کیا اور تمھارے مادے کو پیدا کیا۔

﴿لُغُوبٍ﴾ [فاطر: ٣٥، ق: ٣٨]: النَّصَبُ.

﴿لُغُوب﴾ کے معنی تھکاوٹ اور مشقت کے ہیں۔

﴿أَطْوَارًا﴾ [نوح: ١٤]، طَوْرًا كَذَا، وَطَوْرًا كَذَا. عَدَا طَوْرَهُ: أَيْ: قَدْرَهُ.

﴿أَطْوَارًا﴾ کے معنی ہیں: کبھی ایک حال کبھی دوسرا حال۔ عَدَا طَوْرَهُ کے معنی ہیں: وہ اپنی قدر و منزلت سے بڑھ گیا۔

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ کا مطلب یہ ہے کہ أهون تفضیل کا صیغہ ہے لیکن اس میں تفضیل کے معنی نہیں بلکہ هين

کے معنی ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ کے لیے ابتدا اور اعادے میں کوئی فرق نہیں۔ سہولت میں یہ دونوں برابر ہیں۔ ربیع اور حسن کے قول میں لفظ ھین آیا تھا اس مناسبت سے امام بخاری رحمہ اللہ نے ﴿وَهُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ﴾ [1] کی لغوی تشریح کر دی۔ پھر ﴿أَفَعَيِينَا﴾ [2] ﴿لُغُوبٍ﴾ [3] ﴿أَطْوَارًا﴾ [4] ان الفاظ کی تشریح اس لیے کی کہ ان آیات میں زمین و آسمان اور انسان کی پیدائش کا ذکر ہے جو مذکورہ عنوان کا ماحصل ہے۔

٣١٩٠ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ: أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنْ جَامِعِ بْنِ شَدَّادٍ، عَنْ صَفْوَانَ بْنِ مُحْرِزٍ، عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: جَاءَ نَفَرٌ مِّنْ بَنِي تَمِيمٍ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: «يَا بَنِي تَمِيمٍ! أَبْشِرُوا». فَقَالُوا: بَشَّرْتَنَا فَأَعْطِنَا، فَتَغَيَّرَ وَجْهُهُ، فَجَاءَهُ أَهْلُ الْيَمَنِ فَقَالَ: «يَا أَهْلَ الْيَمَنِ! اِقْبَلُوا الْبُشْرٰى إِذْ لَمْ يَقْبَلْهَا بَنُو تَمِيمٍ»، قَالُوا: قَبِلْنَا، فَأَخَذَ النَّبِيُّ ﷺ يُحَدِّثُ بَدْءَ الْخَلْقِ وَالْعَرْشِ فَجَاءَ رَجُلٌ فَقَالَ: يَا عِمْرَانُ! رَاحِلَتُكَ تَفَلَّتَتْ، لَيْتَنِي لَمْ أَقُمْ. [انظر: ٣١٩١، ٤٣٦٥، ٤٣٨٦، ٧٤١٨]

[3190] حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ بنوتمیم کے کچھ لوگ نبی اکرم ﷺ کے پاس آئے تو آپ نے ان سے فرمایا: ''اے بنوتمیم! تم خوش ہو جاؤ۔'' انھوں نے کہا کہ آپ نے ہمیں بشارت تو دے دی مال بھی دیجیے! اس سے آپ کے چہرے مبارک کا رنگ بدل گیا۔ پھر آپ کے پاس یمن کے کچھ لوگ آئے تو آپ نے ان سے فرمایا: ''اے اہل یمن! تم بشارت قبول کرو، جبکہ بنوتمیم نے اسے قبول نہیں کیا۔'' انھوں نے عرض کیا کہ ہم نے اسے قبول کیا۔ پھر نبی ﷺ نے ابتدائے آفرینش اور عرش سے متعلقہ باتیں بیان فرمائیں۔ اتنے میں ایک شخص آیا اور اس نے (مجھ سے) کہا: عمران! تمھاری اونٹنی بھاگ گئی ہے (تو میں اٹھ کر چلا گیا) لیکن میرے دل میں حسرت رہ گئی کہ کاش میں نہ اٹھتا تو بہتر ہوتا۔

فوائد و مسائل: ① اہل یمن سے مراد وفد حمیر ہے۔ اس سے مراد حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی نہیں ہیں کیونکہ امام بخاری رحمہ اللہ نے آئندہ ایک عنوان ان الفاظ میں قائم کیا ہے: [بَابُ قُدُومِ الْأَشْعَرِيِّينَ وَأَهْلِ الْيَمَنِ] ''اشعریین اور اہل یمن کے وفد کی آمد۔'' [5] اس کا مطلب یہ ہے کہ اشعریین اور اہل یمن دونوں الگ ہیں۔ اس کے علاوہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ 7 ہجری میں فتح خیبر کے وقت آئے تھے جبکہ اہل یمن 9 ہجری میں بطور وفد آئے تھے تاکہ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کریں اور رسول اللہ ﷺ کے پاس بنوتمیم کے ساتھ اسی وفد کا اجتماع ہوا تھا، اشعریین بنوتمیم کے ساتھ جمع نہیں ہوئے۔ [6] ② رسول اللہ ﷺ نے بنوتمیم کو قبول اسلام کی وجہ سے اخروی کامیابی کی بشارت دی۔ انھوں نے اسے دنیا کے مال ومتاع کی خوشخبری خیال کیا۔ رسول اللہ ﷺ ان کی حرص اور دنیا طلبی پر پریشان ہوئے یا اس لیے رنجیدہ ہوئے کہ وہ لوگ نئے

1 مريم 19: 9. 2 قٓ 50: 15. 3 قٓ 50: 38. 4 نوح 71: 14. 5 صحيح البخاري، المغازي، باب: 75. 6 فتح الباري: 8/122.

نئے مسلمان تھے۔ ان کی تالیف قلبی کے لیے آپ کے پاس مال نہ تھا، اس لیے آپ افسردہ ہوئے لیکن پہلی توجیہ زیادہ وزنی معلوم ہوتی ہے۔ واللہ أعلم.

٣١٩١ - حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصِ بْنِ غِيَاثٍ: حَدَّثَنَا أَبِي: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ: حَدَّثَنَا جَامِعُ بْنُ شَدَّادٍ عَنْ صَفْوَانَ بْنِ مُحْرِزٍ: أَنَّهُ حَدَّثَهُ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: دَخَلْتُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ وَعَقَلْتُ نَاقَتِي بِالْبَابِ، فَأَتَاهُ نَاسٌ مِّنْ بَنِي تَمِيمٍ فَقَالَ: «اِقْبَلُوا الْبُشْرٰى يَا بَنِي تَمِيمٍ!»، قَالُوا: قَدْ بَشَّرْتَنَا فَأَعْطِنَا، مَرَّتَيْنِ، ثُمَّ دَخَلَ عَلَيْهِ نَاسٌ مِّنَ الْيَمَنِ فَقَالَ: «اقْبَلُوا الْبُشْرٰى يَا أَهْلَ الْيَمَنِ أَنْ لَّمْ يَقْبَلْهَا بَنُو تَمِيمٍ»، قَالُوا: قَبِلْنَا يَا رَسُولَ اللهِ! قَالُوا: جِئْنَا نَسْأَلُكَ عَنْ هٰذَا الْأَمْرِ، قَالَ: «كَانَ اللهُ وَلَمْ يَكُنْ شَيْءٌ غَيْرُهُ، وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ، وَكَتَبَ فِي الذِّكْرِ كُلَّ شَيْءٍ، وَخَلَقَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ» فَنَادٰى مُنَادٍ: ذَهَبَتْ نَاقَتُكَ يَا ابْنَ الْحُصَيْنِ! فَانْطَلَقْتُ فَإِذَا هِيَ يَقْطَعُ دُونَهَا السَّرَابُ، فَوَاللهِ لَوَدِدْتُ أَنِّي كُنْتُ تَرَكْتُهَا.

[راجع: ٣١٩٠]

[3191] حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما ہی سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی اونٹنی کو میں نے دروازے ہی پر باندھ دیا تھا۔ آپ کے پاس بنوتمیم کے کچھ لوگ آئے تو آپ نے ان سے فرمایا: ''اے بنوتمیم! بشارت قبول کرو۔'' انھوں نے دو مرتبہ کہا: آپ نے ہمیں خوشخبری دی ہے، اب ہمیں مال بھی دیں۔ اس دوران میں یمن کے چند لوگ حاضر خدمت ہوئے تو آپ نے ان سے بھی یہی فرمایا: ''اے یمن والو! خوشخبری قبول کرلو، بنوتمیم نے اسے مسترد کردیا ہے۔'' انھوں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! ہم نے آپ کی بشارت قبول کی ہے۔ پھر وہ کہنے لگے: ہم اس لیے حاضر ہوئے ہیں تاکہ آپ سے اس عالم کی پیدائش کے حالات پوچھیں۔ آپ نے فرمایا: ''اول اللہ کی ذات تھی اس کے سوا کوئی چیز نہیں تھی اور اس کا عرش پانی پر تھا اور لوح محفوظ میں اس نے ہر چیز لکھ دی تھی اور اسی نے ہی زمین و آسمان کو پیدا فرمایا۔'' ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ ایک شخص نے آواز دی: اے ابن حصین! تمھاری اونٹنی بھاگ گئی ہے۔ میں وہاں سے چلا گیا تو دیکھا کہ وہ اونٹنی سراب سے آگے جا چکی تھی۔ اللہ کی قسم! میری خواہش تھی کہ کاش! میں نے اس اونٹنی کو چھوڑ دیا ہوتا (اور وہاں سے نہ اٹھتا تو بہتر تھا)۔

فوائد و مسائل: ① اللہ کا عرش پانی پر تھا، اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے پانی کو پیدا کیا، پھر عرش کو اس کے اوپر پیدا کیا اور عرش کے نیچے صرف پانی تھا، دوسری کوئی چیز نہ تھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پانی اور عرش، زمین و آسمان سے پہلے پیدا ہوئے ہیں۔ ② اس حدیث میں ہے: ''اللہ کے سوا کوئی چیز نہیں تھی'' اس کے معنی ہیں کہ اللہ قدیم اور ازل سے ہے، اس سے پہلے کوئی چیز نہیں تھی نہ پانی، نہ عرش اور نہ روح کیونکہ یہ سب اشیاء غیر اللہ ہیں۔ بہر حال آغاز تخلیق کی ترتیب اسی طرح معلوم

ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے پانی، پھر عرش کو پیدا فرمایا، اس کے بعد دیگر کائنات کی تخلیق فرمائی۔ ③ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کا عرش بھی مخلوق ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا محتاج ہے اور اللہ تعالیٰ اس کا محتاج نہیں۔

٣١٩٢ - وَرَوٰى عِيسٰى عَنْ رَّقَبَةَ، عَنْ قَيْسِ ابْنِ مُسْلِمٍ، عَنْ طَارِقِ بْنِ شِهَابٍ قَالَ: سَمِعْتُ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ: قَامَ فِينَا النَّبِيُّ ﷺ مَقَامًا فَأَخْبَرَنَا عَنْ بَدْءِ الْخَلْقِ حَتّٰى دَخَلَ أَهْلُ الْجَنَّةِ مَنَازِلَهُمْ وَأَهْلُ النَّارِ مَنَازِلَهُمْ، حَفِظَ ذٰلِكَ مَنْ حَفِظَهُ وَنَسِيَهُ مَنْ نَّسِيَهُ.

[3192] حضرت عمر ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ایک مرتبہ نبی ﷺ ہمارے درمیان ایک مقام پر کھڑے ہوئے اور ہمیں مخلوق کی ابتدا سے بیان کرنا شروع فرمایا حتی کہ جنتی اپنی منازل میں اور اہل جہنم اپنے ٹھکانوں میں داخل ہو گئے، یعنی وہاں تک پوری تفصیل آپ نے بیان فرمائی، جس نے اس تفصیل کو یاد رکھنا تھا اس نے یاد رکھا اور جس نے اسے بھولنا تھا وہ بھول گیا۔

فائدہ: رسول اللہ ﷺ نے تخلیق کی ابتدا، معاش اور معاد تک تمام خبریں بتا دیں۔ یہ رسول اللہ ﷺ کا معجزہ تھا کہ ان سب اخبار کو ایک ہی مجلس میں بیان فرما دیا۔ صحیح مسلم میں اس کی مزید وضاحت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز فجر پڑھائی اور ایک مقام پر کھڑے ہو کر خطبہ دیا حتی کہ نماز کا وقت ہو گیا، آپ منبر سے نیچے تشریف لائے، نماز ظہر پڑھی، پھر منبر پر تشریف لائے اور خطبہ دیا، پھر نماز عصر پڑھی حتی کہ سورج غروب ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس خطاب میں، جو کچھ ہو چکا تھا اور جو کچھ قیامت تک ہونے والا تھا، سب کا سب بیان فرمایا۔ ہم میں سے زیادہ عالم وہ شخص تھا جو ان باتوں کو زیادہ یاد کرنے والا تھا۔[1] اتنے قلیل وقت میں قیامت تک ہونے والی ہر چیز کا بیان کرنا رسول اللہ ﷺ کا معجزہ ہے اگرچہ بظاہر عقل کے خلاف ہے۔

٣١٩٣ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ عَنْ أَبِي أَحْمَدَ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «قَالَ اللهُ تَعَالٰى: يَشْتِمُنِي ابْنُ آدَمَ، وَمَا يَنْبَغِي لَهُ أَنْ يَّشْتِمَنِي، وَيُكَذِّبُنِي، وَمَا يَنْبَغِي لَهُ، أَمَّا شَتْمُهُ فَقَوْلُهُ: إِنَّ لِي وَلَدًا، وَأَمَّا تَكْذِيبُهُ فَقَوْلُهُ: لَيْسَ يُعِيدُنِي كَمَا بَدَأَنِي».

[انظر: ٤٩٧٤، ٤٩٧٥]

[3193] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: ابن آدم مجھے گالی دیتا ہے، حالانکہ اسے زیبا نہیں کہ مجھے گالی دے۔ اور میری تکذیب کرتا ہے، حالانکہ اسے لائق نہیں (کہ میری تکذیب کرے)۔ اس کا مجھے گالی دینا تو اس کا یہ کہنا ہے کہ میری اولاد ہے۔ اور اس کا میری تکذیب کرنا اس کا یہ کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ دوبارہ مجھے زندہ نہیں کرے گا جیسے اس نے مجھے پہلے پیدا کیا تھا۔''

فوائد و مسائل: ① یہ حدیث قدسی ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی ہے۔ ② گالی یہ ہے کہ کسی کی طرف وہ چیز منسوب کی جائے جس کی وجہ سے اس کی تذلیل و تحقیر ہو۔ چونکہ انسان کو اپنی نمود و نمائش کے لیے اولاد کی

1 صحیح مسلم، الفتن، حدیث: 7267 (2892).

ضرورت ہے جبکہ اللہ تعالیٰ اس قسم کے تمام عیوب سے پاک ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ کی طرف اولاد کی نسبت کرنا گویا اس کی طرف نقص کو منسوب کرنا ہے اور یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ ہمیں دوبارہ زندہ نہیں کرے گا، بعثت کا انکار ہے جس کی خبر اللہ تعالیٰ نے قرآن میں دی ہے، یہ اس کی تکذیب کرنا ہے۔ ③ امام بخاری رحمہ اللہ نے آخری جملے سے عنوان کو ثابت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کائنات کو ختم کرنے بعد دوبارہ زندہ کرے گا اور اس سے وہ عاجز نہیں ہے۔ واللّٰہ أعلم.

٣١٩٤ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا مُغِيرَةُ ابْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْقُرَشِيُّ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَمَّا قَضَى اللهُ الْخَلْقَ كَتَبَ فِي كِتَابِهِ فَهُوَ عِنْدَهُ فَوْقَ الْعَرْشِ إِنَّ رَحْمَتِي غَلَبَتْ غَضَبِي». [انظر: ٧٤٠٤، ٧٤١٢، ٧٤٥٣، ٧٥٥٣، ٧٥٥٤]

[3194] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب اللہ تعالیٰ سب خلق کو پیدا کر چکا تو اس نے اپنی کتاب (لوح محفوظ) میں، جو اسی کے پاس عرش پر ہے، یہ لکھا: میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے۔''

فوائد و مسائل: ① ایک روایت میں ہے کہ میری رحمت، میرے غضب سے پہلے ہے[1] جبکہ صفات باری تعالیٰ میں تقدیم و تاخیر نہیں ہے۔ دراصل رحمت کا تعلق غضب کے تعلق سے مقدم ہے کیونکہ رحمت اللہ کی ذات مقدسہ سے متعلق ہے اور غضب انسان کے عمل پر موقوف ہے۔ یہ تعلق حادث ہے اور اس میں تقدیم و تاخیر ممکن ہے۔ ② اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عرش کی تخلیق، قلم سے پہلے ہوئی جس کے ذریعے سے نوشتۂ تقدیر کو ضبط تحریر میں لایا گیا۔ ③ واضح رہے کہ رحمت کے غالب ہونے میں اشارہ ہے کہ رحمت کے مستحقین بھی مقدار کے اعتبار سے غضب کے مستحقین پر غالب رہیں گے۔ رحمت ایسے لوگوں پر بھی ہوگی جن سے نیکیوں کا صدور ہی نہیں ہوا جبکہ اس کا غضب صرف ان لوگوں پر ہوگا جن سے گناہوں کا صدور ہوا ہوگا۔ بہرحال امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث سے ابتدائے خلق کو ثابت کیا ہے۔ واللّٰہ أعلم.

(٢) بَابُ مَا جَاءَ فِي سَبْعِ أَرَضِينَ

باب:2- سات زمینوں سے متعلق روایات کا بیان

وَقَوْلِ اللهِ تَعَالَى: ﴿اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ وَمِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ يَتَنَزَّلُ الْأَمْرُ بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ وَأَنَّ اللَّهَ قَدْ أَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا﴾ [الطلاق: ١٢] ﴿وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوعِ﴾ [الطور: ٥]: السَّمَاءُ. ﴿سَمْكَهَا﴾ [النازعات: ٢٨]: بِنَاءَهَا

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اللہ وہ ذات ہے جس نے سات آسمان پیدا کیے اور اسی طرح زمینیں بھی۔ احکام ان کے درمیان نازل ہوتے ہیں تاکہ تمھیں معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر خوب قادر ہے۔ اور یقیناً اس نے علم سے ہر چیز کا احاطہ کر رکھا ہے۔'' ﴿وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوعِ﴾ ''بلند چھت کی

[1] صحيح البخاري، التوحيد، حديث: 7453.

وَ﴿الْحُبُكِ﴾ [الذاريات:٧]: إِسْتِوَاؤُهَا وَحُسْنُهَا. ﴿وَأَذِنَتْ﴾ [الانشقاق:٢،٥]: سَمِعَتْ وَأَطَاعَتْ. ﴿وَأَلْقَتْ﴾ [٤]: أَخْرَجَتْ ﴿مَا فِيهَا﴾: مِنَ الْمَوْتٰى. ﴿وَتَخَلَّتْ﴾: أَيْ عَنْهُمْ. ﴿طَحَاهَا﴾ [الشمس:٦]: دَحَاهَا. ﴿بِالسَّاهِرَةِ﴾ [النازعات:١٤]: وَجْهُ الْأَرْضِ، كَانَ فِيهَا الْحَيَوَانُ، نَوْمُهُمْ وَسَهَرُهُمْ.

قسم!" سے مراد آسمان ہے۔ ﴿سَمْكَهَا﴾ سے مراد آسمان کی عمارت ہے۔ ﴿الْحُبُكِ﴾ اس سے مراد آسمانوں کا ہموار اور خوبصورت ہونا ہے۔ ﴿اَذِنَتْ﴾ اس سے مراد اللہ کے احکام سن لینا اور مان لینا ہے۔ ﴿اَلْقَتْ مَا فِيهَا وَ تَخَلَّتْ﴾ اس کے معنی یہ ہیں کہ زمین میں جتنے مردے تھے انھیں باہر نکال دیا اور خود خالی ہوگئی۔ ﴿طَحٰهَا﴾ اس کے معنی ہیں: بچھایا ہے۔ ﴿بِالسَّاهِرَةِ﴾ کے معنی روئے زمین کے ہیں جہاں جاندار رہتے، سوتے اور جاگتے ہیں۔

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ نے سات زمینیں ثابت کرنے کے لیے پہلی آیت کریمہ پیش کی ہے باقی آیات اس کی تائید میں ہیں۔ پہلی آیت میں ہے: ''اللہ نے سات آسمان بنائے اور زمین کی قسم سے انھی (آسمانوں) کے مانند'' اس سے سات زمینوں کا ثبوت ملتا ہے۔ ہمارے نزدیک اس آیت کے دو مفہوم ہیں: (ا) اس سے ہماری اس زمین ہی کے سات طبقات یا سات پرت مراد ہیں جنھیں طبقات الارض کہا جاتا ہے اور ان میں سے ہر طبقہ اوپر والے طبقے کے مقابلے میں ارض ہے۔ (ب) عین ممکن ہے کہ ہماری زمین جیسی چھ اور زمینیں کائنات میں موجود ہوں اور وہاں کسی جاندار مخلوق کی آبادی بھی ہو۔ انسان آج تک کائنات کی وسعت کا اندازہ نہیں لگا سکا اور نہ آئندہ کبھی لگا سکے گا۔ ہمارے رجحان کے مطابق پہلا مفہوم زیادہ قرین قیاس ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ نے غالباً اسی مفہوم کو ثابت کرنے کے لیے چند ایک احادیث پیش کی ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

٣١٩٥ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: أَخْبَرَنَا ابْنُ عُلَيَّةَ عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْمُبَارَكِ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ بْنِ الْحَارِثِ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ - وَكَانَتْ بَيْنَهُ وَبَيْنَ أُنَاسٍ خُصُومَةٌ فِي أَرْضٍ، فَدَخَلَ عَلَى عَائِشَةَ فَذَكَرَ لَهَا ذَاكَ - فَقَالَتْ: يَا أَبَا سَلَمَةَ! اِجْتَنِبِ الْأَرْضَ فَإِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «مَنْ ظَلَمَ قِيدَ شِبْرٍ طُوِّقَهُ مِنْ سَبْعِ أَرَضِينَ». [راجع: ٢٤٥٣]

[3195] حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن سے روایت ہے... ان کا دوسرے لوگوں کے ساتھ ایک قطعۂ زمین کے متعلق جھگڑا تھا وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انھیں سارا واقعہ بیان کیا... ام المومنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا: زمین (کے جھگڑے) سے بچتے رہو کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے ظلم کے طور پر ایک بالشت زمین پر ناجائز قبضہ کیا تو سات زمینوں کا طوق اس کے گلے میں ڈالا جائے گا۔''

٣١٩٦ - حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا

[3196] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے،

عَبْدُ اللهِ عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ، عَنْ سَالِمٍ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «مَنْ أَخَذَ شَيْئًا مِّنَ الْأَرْضِ بِغَيْرِ حَقِّهِ خُسِفَ بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَى سَبْعِ أَرَضِينَ». [راجع: ٢٤٥٤]

انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص کسی دوسرے کی تھوڑی سی بھی زمین ناحق لے لے تو وہ قیامت کے دن سات زمینوں میں دھنستا چلا جائے گا۔''

٣١٩٧ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ: حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ مُّحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ، عَنِ ابْنِ أَبِي بَكْرَةَ عَنْ أَبِي بَكْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «إِنَّ الزَّمَانَ قَدِ اسْتَدَارَ كَهَيْئَتِهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ، اَلسَّنَةُ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا، مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ، ثَلَاثَةٌ مُّتَوَالِيَاتٌ: ذُو الْقَعْدَةِ، وَذُو الْحِجَّةِ، وَالْمُحَرَّمُ، وَرَجَبُ مُضَرَ، الَّذِي بَيْنَ جُمَادٰى وَشَعْبَانَ». [راجع: ٦٧]

[3197] حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''زمانہ گھومتا ہوا اپنی اصلی حالت پر آ گیا ہے جس دن اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا تھا۔ سال بارہ مہینوں کا ہے جن میں چار مہینے عزت والے ہیں۔ تین تو مسلسل ہیں، یعنی ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم اور ایک رجب مضر جو جمادی اور شعبان کے درمیان ہے۔''

٣١٩٨ - حَدَّثَنَا عُبَيْدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ زَيْدِ ابْنِ عَمْرِو بْنِ نُفَيْلٍ: أَنَّهُ خَاصَمَتْهُ أَرْوٰى - فِي حَقٍّ زَعَمَتْ أَنَّهُ انْتَقَصَهُ لَهَا - إِلَى مَرْوَانَ، فَقَالَ سَعِيدٌ: أَنَا أَنْتَقِصُ مِنْ حَقِّهَا شَيْئًا؟ أَشْهَدُ لَسَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «مَنْ أَخَذَ شِبْرًا مِّنَ الْأَرْضِ ظُلْمًا فَإِنَّهُ يُطَوَّقُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ سَبْعِ أَرَضِينَ».

[3198] سعید بن زید بن عمرو بن نفیل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مسماۃ اروی سے ان کا کسی حق کے متعلق جھگڑا ہو گیا۔ اس کا دعویٰ تھا کہ انھوں نے اس کی زمین کم کر دی ہے۔ وہ اپنا معاملہ مروان کے پاس لے کر گئی۔ حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں اس کا حق کس طرح کم کر سکتا ہوں جبکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے: ''جس شخص نے زمین کا کچھ حصہ بھی ظلم سے لے لیا تو اسے قیامت کے دن سات زمینوں کا طوق پہنایا جائے گا۔''

قَالَ ابْنُ أَبِي الزِّنَادِ عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: قَالَ لِي سَعِيدُ بْنُ زَيْدٍ: دَخَلْتُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ. [راجع: ٢٤٥٢]

ابن ابی زناد، ہشام سے اور وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ نے مجھے کہا کہ میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔

فوائد و مسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ نے ان احادیث سے [وَمِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ] کی تفسیر کی ہے کہ آسمانوں کی طرح

زمین کے بھی سات طبقات ہیں اور وہ آسمانوں کی طرح ایک دوسرے کے اوپر ہیں۔ ② تیسری حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ لوگ جاہلیت میں محرم کو صفر تک مؤخر کر دیتے تھے۔ قرآن کریم نے ان کے اس عمل کو نسیئی سے تعبیر کیا ہے۔ وہ تقدیم وتاخیر اس لیے کرتے تھے کہ اس مہینے میں جنگ اور لوٹ مار کر سکیں، اس لیے وہ محرم کو صفر بنا لیتے۔ وہ ہر سال اسی طرح کرتے اور محرم کو دوسرے مہینے کی طرف منتقل کرتے رہتے حتی کہ وہ اپنے مخصوص وقت میں گھوم آتا جس سے وہ اسے آگے لے گئے تھے۔ الغرض رسول اللہ ﷺ کے حج کے موقع پر مہینے اسی حالت کی طرف لوٹ آئے تھے جس حالت میں اللہ تعالیٰ نے انھیں ترتیب دیا تھا۔ اور حج ذوالحجہ میں ہوا جو اس کا وقت ہے جبکہ حضرت ابوبکر ؓ کا اس سے پہلے حج ذوالقعدہ میں ہوا تھا۔ واللّٰه أعلم. الغرض نص قرآنی سے سات آسمانوں اور انھی کی طرح سات زمینوں کا وجود ثابت ہوا۔ جو ان کا انکار کرتا ہے وہ گویا قرآن کا انکار کرتا ہے۔ اب سات آسمانوں اور سات زمینوں کی کھوج لگانا انسانی اختیارات سے تجاوز کرنا ہے۔

(٣) بَابٌ فِي النُّجُومِ

باب:3- ستاروں کا بیان

وَقَالَ قَتَادَةُ: ﴿وَلَقَدْ زَيَّنَّا ٱلسَّمَآءَ ٱلدُّنْيَا بِمَصَٰبِيحَ﴾ [الملك: ٥]: خَلَقَ هٰذِهِ النُّجُومَ لِثَلَاثٍ: جَعَلَهَا زِينَةً لِّلسَّمَاءِ، وَرُجُومًا لِّلشَّيَاطِينِ، وَعَلَامَاتٍ يُهْتَدٰى بِهَا، فَمَنْ تَأَوَّلَ [فِيهَا] بِغَيْرِ ذٰلِكَ أَخْطَأَ وَأَضَاعَ نَصِيبَهُ وَتَكَلَّفَ مَا لَا عِلْمَ لَهُ بِهِ.

حضرت قتادہ ارشاد باری تعالیٰ: ''ہم نے آسمان دنیا کو چراغوں، یعنی ستاروں سے زینت بخشی ہے۔'' کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ یہ ستارے تین مقاصد کے لیے پیدا کیے گئے ہیں: انھیں آسمان کے لیے زینت بنایا، دوسرے شیاطین کے لیے انگارے اور تیسرے نشانیاں جن سے راستہ معلوم کیا جاتا ہے۔ جس نے ان فوائد کے علاوہ کوئی اور تاویل کی تو اس نے غلطی کی اور اپنا حصہ ضائع کر دیا اور وہ تکلف کیا جس کا اسے علم نہیں۔

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ﴿هَشِيمًا﴾ [الكهف:٤٥]: مُتَغَيِّرًا. وَالْأَبُّ: مَا تَأْكُلُ الْأَنْعَامُ. وَالْأَنَامُ: اَلْخَلْقُ. ﴿بَرْزَخٌ﴾ [المؤمنون:١٠٠، الرحمٰن:٢٠]: حَاجِبٌ. وَقَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿أَلْفَافًا﴾ [النبأ:١٦]: مُلْتَفَّةً. وَالْغُلْبُ: اَلْمُلْتَفَّةُ. ﴿فِرَٰشًا﴾ [البقرة:٢٢]: مِهَادًا؛ كَقَوْلِهِ: ﴿وَلَكُمْ فِي ٱلْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ﴾ [البقرة:٣٦]. ﴿نَكِدًا﴾ [الأعراف: ٥٨]: قَلِيلًا.

حضرت ابن عباس ؓ فرماتے ہیں: هَشِيمًا کے معنی ہیں: ''بدلا ہوا'' اور الأبّ کے معنی ہیں مویشیوں کا چارا۔ الأنام کے معنی مخلوق اور برزخ کے معنی پردہ ہیں۔ حضرت مجاہد نے کہا کہ ألفَافًا کے معنی لپٹے ہوئے اور یہی معنی غُلب کے ہیں۔ فِرَاشًا کے معنی ہیں: بچھونا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''زمین میں تمھارے لیے ٹھکانا ہے'' اور نَكِدًا کے معنی ''قلیل'' کے ہیں۔

وضاحت: ستاروں کے متعلق جاہل لوگوں نے بہت سی باتیں مشہور کر رکھی ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ فلاں ستارہ طلوع ہو تو سفر باعث برکت ہوتا ہے اور فلاں ستارے کے وقت درخت لگانے موزوں ہیں۔ شریعت مطہرہ میں ستاروں کے متعلق ایسے عقائد رکھنے کی سخت ممانعت ہے۔ قرآن کریم میں ستاروں کے صرف تین فوائد بیان ہوئے ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے: ○ آسمان دنیا کے لیے زینت: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''ہم نے آسمان دنیا کو ستاروں سے زینت بخشی ہے۔''[1] ○ شیاطین کے لیے انگارے: قرآن مجید میں ہے: ''اور ہم نے ان ستاروں کو شیاطین کے مار بھگانے کا ذریعہ بنایا ہے۔''[2] ○ راستہ معلوم کرنے کا ذریعہ: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''بعض لوگ ستاروں سے راستہ معلوم کر لیتے ہیں۔''[3] ستاروں کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا کہ یہ امور کائنات میں مؤثر ہیں سخت مذموم ہے، البتہ کوئی یہ عقیدہ رکھے کہ تاثیر کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور ستارے صرف امور کے ظہور کی علامت ہیں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے جس کا مفہوم یہ ہے: ''اگر کسی نے بارش کے وقت ستاروں کی تاثیر کا عقیدہ رکھا تو اس نے اللہ کے ساتھ کفر کیا کیونکہ بارش تو صرف اللہ کے فضل وکرم سے ہوتی ہے۔''[4] امام بخاری رحمہ اللہ کی یہ عادت ہے کہ جب وہ عنوان ثابت کرنے کے لیے کوئی آیت یا حدیث ذکر کرتے ہیں تو بالتبع ایسی آیات کا حوالہ بھی دیتے ہیں جن کی مذکورہ آیت یا حدیث سے معمولی سی مناسبت ہوتی ہے تاکہ قارئین کو زیادہ سے زیادہ فائدہ ہو، چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس اصول کے تحت چند آیات کے الفاظ کی لغوی تشریح فرمائی ہے۔ ان آیات کی تفصیل کی یہاں ضرورت نہیں، اس لیے انھیں چھوڑ دیا گیا ہے۔

(٤) بَابُ صِفَةِ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ

﴿بِحُسْبَانٍ﴾ [الرحمٰن:٥]: قَالَ مُجَاهِدٌ: كَحُسْبَانِ الرَّحَى؛ وَقَالَ غَيْرُهُ: بِحِسَابٍ وَّمَنَازِلَ لَا يَعْدُوَانِهَا؛ حُسْبَانٌ: جَمَاعَةُ الْحِسَابِ مِثْلُ شِهَابٍ وَّشُهْبَانٍ. ﴿ضُحَٰهَا﴾ [الشمس:١]: ضَوْؤُهَا ﴿أَن تُدْرِكَ ٱلْقَمَرَ﴾ [يس:٤٠]: لَا يَسْتُرُ ضَوْءُ أَحَدِهِمَا ضَوْءَ الْآخَرِ وَلَا يَنْبَغِي لَهُمَا ذٰلِكَ. ﴿سَابِقُ ٱلنَّهَارِ﴾ يَتَطَالَبَانِ حَثِيثَيْنِ. ﴿نَسْلَخُ﴾ [٣٧]: نُخْرِجُ أَحَدَهُمَا مِنَ الْآخَرِ وَيَجْرِي كُلٌّ مِّنْهُمَا. ﴿وَاهِيَةٌ﴾ [الحاقة:١٦]: وَهْيُهَا: تَشَقُّقُهَا. ﴿أَرْجَآئِهَا﴾ [١٧]: مَا لَمْ يَنْشَقَّ

باب:4- سورج اور چاند کے اوصاف کا بیان

﴿حُسْبَان﴾ کی تفسیر کرتے ہوئے مجاہد نے کہا کہ سورج اور چاند چکی کی طرح گردش کرتے ہیں۔ مجاہد کے علاوہ دوسروں نے کہا ہے کہ حُسبان سے مراد حساب اور منازل ہیں۔ یہ دونوں ان منازل سے تجاوز نہیں کرتے۔ لفظ حسبان، حساب کی جمع ہے جیسا کہ شِہابٌ کی جمع شُہْبَان ہے۔ ﴿ضُحَاهَا﴾ اس کے معنی روشنی کے ہیں۔ قرآن میں ہے کہ ''سورج، چاند کو نہیں پا سکتا'' یعنی ایک کی روشنی دوسرے کو ماند نہیں کر سکتی۔ یہ بات ان کے شایان شان نہیں ہے۔ ﴿سَابِقُ النَّهَارِ﴾ کے معنی ہیں کہ دونوں جلدی جلدی ایک دوسرے کا پیچھا کرتے ہیں۔ ﴿نَسْلَخُ﴾ کے معنی ہیں

---

① الملك 67:5. ② الملك 67:5. ③ النحل 16:16. ④ صحيح البخاري، الأذان، حديث: 846.

مِنْهَا فَهُوَ عَلٰى حَافَتَيْهَا كَقَوْلِكَ: عَلٰى أَرْجَاءِ الْبِئْرِ. ﴿أَغْطَشَ﴾ [النازعات:٢٩]: وَ﴿جَنَّ﴾ [الأنعام:٧٦]: أَظْلَمَ. وَقَالَ الْحَسَنُ: ﴿كُوِّرَتْ﴾ [التكوير:١] تُكَوَّرُ حَتّٰى يَذْهَبَ ضَوْؤُهَا. ﴿وَاللَّيْلِ وَمَا وَسَقَ﴾ [الانشقاق:١٧]: أَيْ: جَمَعَ: مِنْ دَابَّةٍ. ﴿اتَّسَقَ﴾ [الانشقاق:١٨]: اِسْتَوٰى. ﴿بُرُوجًا﴾ [الحجر:١٦، الفرقان:٦١]: مَنَازِلَ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ. ﴿الْحَرُورُ﴾ [فاطر:٢١]: بِالنَّهَارِ مَعَ الشَّمْسِ. وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَرُؤْبَةُ: اَلْحَرُورُ بِاللَّيْلِ، وَالسَّمُومُ بِالنَّهَارِ. يُقَالُ: ﴿يُولِجُ﴾ [الحج:٦١]: يُكَوِّرُ. ﴿وَلِيجَةً﴾ [التوبة:١٦]: كُلُّ شَيْءٍ أَدْخَلْتَهُ فِي شَيْءٍ.

کہ ہم دن کو رات سے اور رات کو دن سے نکالتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک چلتا رہتا ہے۔ ﴿وَاهِيَةٌ﴾ وَهْيٌ کے معنی پھٹ جانا ہیں۔ ﴿أَرْجَائِهَا﴾ کے معنی ہیں کہ جو حصہ نہیں پھٹے گا وہ اس کے دونوں کناروں پر ہوگا جیسا کہ تم کہتے ہو: علٰی أرجاء البئر وہ کنویں کے کنارے پر ہے۔ ﴿أَغْطَشَ﴾ اور ﴿جَنَّ﴾ کے معنی وہ تاریک ہو گیا ہیں۔ امام حسن بصری نے کہا ہے: ﴿كُوِّرَت﴾ کے معنی جب سورج لپیٹ کر تاریک کر دیا جائے گا۔ ﴿وَاللَّيْلِ وَمَا وَسَقَ﴾ جو جانوروں کو جمع کرتی ہے اور ﴿اتَّسَقَ﴾ کے معنی ہیں: سیدھا ہوا۔ ﴿بُرُوجًا﴾ سورج اور چاند کی منازل۔ ﴿الْحَرُورُ﴾ دن میں دھوپ کے وقت جو لو چلتی ہے وہ حَرُور ہے۔ حضرت ابن عباس ؓ اور جناب رؤبہ کہتے ہیں کہ حَرُور رات کی گرمی کو اور سَمُوم دن کی گرمی کو کہا جاتا ہے۔ ﴿یولج﴾ کے معنی یُکَوِّرُ یعنی لپیٹتا ہے، داخل کرتا ہے۔ ﴿وَلِیجَةً﴾ ہر وہ چیز جسے تو دوسری چیز میں داخل کرے۔

وضاحت: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''سورج اور چاند ایک مقررہ حساب سے چل رہے ہیں۔''[1] اس آیت کریمہ میں سورج اور چاند کی صفت حسبان بیان کی گئی ہے۔ امام بخاری ؒ نے اس کی جو تفسیر بیان کی ہے وہ دو طرح سے ہے: (ا) سورج اور چاند دونوں اپنے مقرر شدہ پروگرام کے خلاف نہیں کرتے جیسے چکی اپنے مقررہ دور کے خلاف چکر نہیں لگاتی بلکہ اس کی سلاخ سے قرب و بعد مقرر ہے۔ اس کے خلاف اس کا گھومنا ممکن ہی نہیں۔ (ب) ان کی منازل طے شدہ ہیں۔ وہ مقررہ حساب سے اپنی منازل میں چلتے ہیں۔ اس سے تجاوز نہیں کرتے۔ بہرحال سورج اور چاند کا ایک مقررہ رفتار اور طے شدہ اندازے سے چلنا، پھر اس میں ایک لحظے اور لمحے کی بھی تاخیر نہ ہونا انسان کے لیے ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ سورج سے دن اور رات ادل بدل کر آتے رہتے ہیں۔ موسموں میں بتدریج تبدیلی آتی ہے۔ نمازوں کے اوقات کا تعلق بھی سورج سے ہے، نیز فصلوں کے پکنے کا انحصار بھی سورج پر ہے۔ چاند سے ہمیں روشنی ملتی ہے۔ ہم مہینوں اور سالوں کا حساب رکھتے ہیں، پھر سورج اور زمین کے درمیان ایسا مناسب فاصلہ رکھا گیا ہے کہ اس میں کمی بیشی سے اس زمین پر انسان اور دوسرے حیوانات کی زندگی ممکن ہے۔ یہ سب

[1] الرحمٰن 5:55.

فائدے اس صورت میں حاصل ہو رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان بڑے بڑے کُروں کو ایسے طبعی قوانین میں جکڑ رکھا ہے جس سے وہ اِدھر اُدھر ہو ہی نہیں سکتے اور اپنے مقررہ مداروں پر مقررہ رفتار سے ہر وقت محوِ گردش رہتے ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے سورج اور چاند کی مناسبت سے چند ایک دوسرے الفاظ کی بھی لغوی تشریح کی ہے۔

٣١٩٩ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ التَّيْمِيِّ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي ذَرٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ لِأَبِي ذَرٍّ حِينَ غَرَبَتِ الشَّمْسُ: «أَتَدْرِي أَيْنَ تَذْهَبُ؟» قُلْتُ: اَللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ. قَالَ: «فَإِنَّهَا تَذْهَبُ حَتَّى تَسْجُدَ تَحْتَ الْعَرْشِ فَتَسْتَأْذِنَ فَيُؤْذَنَ لَهَا، وَيُوشِكُ أَنْ تَسْجُدَ فَلَا يُقْبَلَ مِنْهَا، وَتَسْتَأْذِنَ فَلَا يُؤْذَنَ لَهَا، فَيُقَالُ لَهَا: ارْجِعِي مِنْ حَيْثُ جِئْتِ، فَتَطْلُعُ مِنْ مَغْرِبِهَا». فَذٰلِكَ قَوْلُهُ تَعَالَى: ﴿وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ﴾ [يس:٣٨]. [انظر: ٤٨٠٢، ٤٨٠٣، ٧٤٢٤، ٧٤٣٣]

[3199] حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ جب سورج غروب ہوا تو نبی ﷺ نے پوچھا: ”کیا تمھیں معلوم ہے کہ یہ سورج کہاں جاتا ہے؟“ میں نے عرض کیا: اللہ اور اس کے رسول ہی کو خوب علم ہے۔ آپ نے فرمایا: ”یہ سورج جا کر عرش کے نیچے سجدہ کرتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ سے اجازت مانگتا ہے تو اسے اجازت دی جاتی ہے۔ اور وہ دن بھی قریب ہے جب یہ سجدہ کرے گا اور اس کا سجدہ قبول نہ ہو گا اور اجازت طلب کرے گا لیکن اسے اجازت نہ ملے گی بلکہ اسے کہا جائے گا: جہاں سے آئے ہو ادھر چلے جاؤ تو وہ مغرب سے طلوع ہو گا۔“ اسی لیے اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: ”یہ سورج اپنے ٹھکانے کی طرف رواں دواں ہے۔ یہ عزیز و علیم کا مقرر کردہ نظام الاوقات ہے۔“

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں: (ا) سورج اور اسی طرح دوسرے سیاروں کی گردش محض کشش ثقل کا نتیجہ نہیں بلکہ اجرام فلکی اور ان کے نظام پر اللہ حکیم وخبیر کا زبردست کنٹرول ہے کہ ان میں نہ تو تصادم ہوتا ہے اور نہ ان کی مقررہ گردش ہی میں کمی بیشی ہوتی ہے اور یہ سب اجرام حکم الٰہی کے تحت گردش کر رہے ہیں۔ (ب) قیامت سے پہلے ایسا وقت آنے والا ہے جب سورج مغرب سے طلوع ہو گا اور اس کے بعد نظام کائنات بگڑ جائے گا۔ مغربی اقوام آج مرکز ثقل اور گردشی محور کی تلاش میں ہیں۔ ممکن ہے کہ انھیں اس کا کوئی سراغ مل جائے اور وہ اس پر کنٹرول کر کے زمین کی گردش کچھ وقت کے لیے روک دیں اور جب کنٹرول کرنے کے بعد اسے چھوڑیں گے تو زمین آہستہ آہستہ اپنی اصل گردش پر رواں ہو گی۔ ایسے حالات میں ایک دن ایک سال کے برابر ہو سکتا ہے اور ایسا دجال کی آمد کے وقت ہو گا۔ ② آج مغرب زدہ لوگ سورج کے طلوع وغروب ہونے اور عرش کے نیچے سجدہ کرنے کے بعد دوبارہ طلوع ہونے کی اجازت مانگنے پر اعتراض کرتے ہیں کہ سورج تو اپنی جگہ پر قائم ہے اور ہمیں جو طلوع وغروب نظر آتا ہے یہ تو محض زمین کی محوری گردش کی وجہ سے ہے؟ یہ اعتراض بہت ہی سطحی قسم کا ہے کیونکہ اللہ کا عرش اتنا وسیع ہے کہ ایک سورج کی کیا بات ہے کائنات کی ایک ایک چیز اس کے عرش کے نیچے ہے اور

اس کے حضور سجدہ ریز ہے۔ بہر حال ہر مقام پر سورج عرش کے نیچے ہے اور وہ ہر وقت اپنے مالک کے لیے سجدہ کر رہا ہے اور اس سے آگے بڑھنے کی اجازت مانگ رہا ہے۔ چونکہ ہر ملک کا مغرب و مشرق مختلف ہے، اس لیے طلوع و غروب کے وقت کو خاص کیا۔ واللہ أعلم.

٣٢٠٠ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ الْمُخْتَارِ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ الدَّانَاجُ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ مُكَوَّرَانِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ».

[3200] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''قیامت کے دن سورج اور چاند لپیٹ دیے جائیں گے۔'' (یعنی وہ دونوں تاریک ہو جائیں گے۔)

فائدہ: ایک روایت میں ہے: ''قیامت کے روز شمس و قمر کو بے نور کر کے آگ میں پھینک دیا جائے گا۔''[1] آگ میں پھینک کر انھیں عذاب دینا مقصود نہیں بلکہ ان کی عبادت کرنے والوں کو شرمسار کیا جائے گا کہ جن کی تم عبادت کرتے تھے ان کا حال دیکھ لو۔ اور یہ ضروری نہیں کہ جو دوزخ میں ہوگا اسے ضرور عذاب ہوگا کیونکہ دوزخ میں عذاب دینے والے فرشتے اور آگ کو تیز کرنے والے پتھر بھی ہوں گے، حالانکہ فرشتے معصوم ہیں اور پتھر وغیرہ بے جان اور بے قصور ہیں۔ بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ چونکہ ان کی پیدائش آگ سے ہوئی تھی، اس لیے آخر کار انھیں آگ ہی میں لوٹا دیا جائے گا۔[2]

٣٢٠١ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمَانَ قَالَ: حَدَّثَنِي ابْنُ وَهْبٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي عَمْرٌو: أَنَّ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ الْقَاسِمِ حَدَّثَهُ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّهُ كَانَ يُخْبِرُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَا يَخْسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَّلَا لِحَيَاتِهِ، وَلٰكِنَّهُمَا آيَةٌ مِّنْ آيَاتِ اللهِ، فَإِذَا رَأَيْتُمُوهُ فَصَلُّوا».

[راجع: ١٠٤٢]

[3201] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''سورج اور چاند کو کسی شخص کی موت اور پیدائش کے سبب گرہن نہیں لگتا بلکہ یہ تو اللہ کی نشانیوں میں سے نشانیاں ہیں، اس لیے جب تم ان دونوں کو اس حالت میں دیکھو تو نماز پڑھو۔''

٣٢٠٢ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبِي أُوَيْسٍ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا

[3202] حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''بلاشبہ سورج اور چاند اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں۔ کسی شخص کی

1 سلسلة الأحاديث الصحيحة: 242/1. 2 فتح الباري: 361/6.

قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللهِ لَا يَخْسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَّلَا لِحَيَاتِهِ، فَإِذَا رَأَيْتُمْ ذٰلِكَ فَاذْكُرُوا اللهَ». [راجع: ٢٩]

موت یا پیدائش کی وجہ سے ان کو گرہن نہیں لگتا۔ جب تم یہ دیکھو تو اللہ کا ذکر کرو۔"

٣٢٠٣ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ أَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا أَخْبَرَتْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَوْمَ خَسَفَتِ الشَّمْسُ قَامَ فَكَبَّرَ وَقَرَأَ قِرَاءَةً طَوِيلَةً، ثُمَّ رَكَعَ رُكُوعًا طَوِيلًا، ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ فَقَالَ: «سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ»، وَقَامَ كَمَا هُوَ فَقَرَأَ قِرَاءَةً طَوِيلَةً وَّهِيَ أَدْنٰى مِنَ الْقِرَاءَةِ الْأُولٰى، ثُمَّ رَكَعَ رُكُوعًا طَوِيلًا وَّهِيَ أَدْنٰى مِنَ الرَّكْعَةِ الْأُولٰى، ثُمَّ سَجَدَ سُجُودًا طَوِيلًا، ثُمَّ فَعَلَ فِي الرَّكْعَةِ الْآخِرَةِ مِثْلَ ذٰلِكَ، ثُمَّ سَلَّمَ وَقَدْ تَجَلَّتِ الشَّمْسُ. فَخَطَبَ النَّاسَ فَقَالَ فِي كُسُوفِ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ: «إِنَّهُمَا آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللهِ لَا يَخْسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَّلَا لِحَيَاتِهِ، فَإِذَا رَأَيْتُمُوهُمَا فَافْزَعُوا إِلَى الصَّلَاةِ». [راجع: ١٠٤٤]

[3203] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے بتایا کہ جس روز سورج کو گرہن لگا رسول اللہ ﷺ نماز کے لیے کھڑے ہوئے۔ آپ نے تکبیر تحریمہ کہی اور لمبی قراءت فرمائی۔ پھر آپ نے طویل رکوع کیا۔ اس کے بعد سرمبارک اٹھایا اور سمع اللّٰه لمن حمده کہا۔ پھر اسی حالت میں کھڑے رہے اور لمبی قراءت فرمائی اور وہ پہلی قراءت سے کمتر تھی۔ پھر لمبا رکوع کیا جو پہلے رکوع سے کمتر تھا۔ پھر آپ نے طویل سجدہ کیا۔ اس کے بعد دوسری رکعت میں بھی ایسا ہی کیا۔ پھر آپ نے سلام پھیرا تو سورج روشن ہو چکا تھا۔ اس کے بعد سورج گرہن اور چاند گرہن کے متعلق خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: "یہ دونوں اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں۔ یہ دونوں کسی کی موت و حیات کے باعث بے نور نہیں ہوتے۔ جب تم ان دونوں کو بے نور ہوتے دیکھو تو التجا کرتے ہوئے نماز کی طرف جاؤ۔"

٣٢٠٤ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى: حَدَّثَنَا يَحْيٰى عَنْ إِسْمَاعِيلَ قَالَ: حَدَّثَنِي قَيْسٌ عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ لَا يَنْكَسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ، وَّلٰكِنَّهُمَا آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللهِ فَإِذَا رَأَيْتُمُوهَا فَصَلُّوا». [راجع: ١٠٤١]

[3204] حضرت ابومسعود ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: "سورج اور چاند کسی کے مرنے یا کسی کے پیدا ہونے کی وجہ سے بے نور نہیں ہوتے بلکہ یہ تو اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں۔ جب تم انھیں اس حالت میں دیکھو تو نماز پڑھو۔"

فوائد ومسائل: ① ان تمام احادیث میں کسی نہ کسی حوالے سے سورج اور چاند کا ذکر آیا ہے، اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے انھیں بیان فرمایا ہے۔ چونکہ یہ تمام انقلابات قدرت الٰہی کے تحت ہوتے رہتے ہیں، لہٰذا ایسے مواقع پر خصوصیت کے ساتھ اللہ کو یاد کرنا، نماز پڑھنا اور صدقہ وخیرات کرنا ایمان کی ترقی کا باعث ہے۔ ② دور حاضر میں چاند اور سورج کے گرہن کی جو وجہ بیان کی جاتی ہے کہ سورج اور چاند کے درمیان زمین حائل ہو جاتی ہے وہ شان قدرت ہی کا مظاہرہ ہے، لہٰذا قرآن وحدیث میں کہیں بھی تضاد اور اختلاف نہیں ہے۔ دراصل اللہ تعالیٰ انھیں بے نور کر کے اہل دنیا کو یہ پیغام دینا چاہتا ہے کہ اگر اسکی فرمانبردار اور تابع فرمان مخلوق کو بے نور کیا جا سکتا ہے تو انسان جو سراسر نافرمانی اور طغیانی میں مصروف ہیں انھیں بھی کسی وقت صفحۂ ہستی سے مٹایا جا سکتا ہے۔ دوسرا سبق یہ ہے کہ یہ دونوں اس قابل نہیں کہ انھیں معبود کا درجہ دیا جائے اور انھیں سجدہ کیا جائے بلکہ سجدے کے لائق صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جس نے انھیں پیدا فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ﴾ ”تم سورج اور چاند کو سجدہ نہ کرو بلکہ صرف اللہ کو سجدہ کرو جس نے انھیں پیدا کیا ہے اگر تمھیں اس کی عبادت کرنا منظور ہے۔“[1] مقصد یہ ہے کہ سورج اور چاند دونوں عروج وزوال سے دوچار ہوتے رہتے ہیں، وہ الٰہ نہیں ہو سکتے، لہٰذا تم اگر فی الواقع اللہ کی عبادت کرنا چاہتے ہو تو براہ راست اللہ کی عبادت کرو جو ان کا خالق اور مالک ہے۔

(٥) بَابُ مَا جَاءَ فِي قَوْلِهِ: ﴿وَهُوَ الَّذِي يُرْسِلُ الرِّيَاحَ نُشُرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ﴾

باب:5- ارشاد باری تعالیٰ: ”اور وہ اللہ ہی ہے جو ہر طرف سے جدا جدا اور متفرق طور پر چلنے والی ہواؤں کو اپنی رحمت (بارش) کے آگے آگے بھیجتا ہے“ کا بیان

﴿قَاصِفًا﴾ [الإسراء: ٦٩]: تَقْصِفُ كُلَّ شَيْءٍ. ﴿لَوَاقِحَ﴾ [الحجر: ٢٢]: مَلَاقِحَ مُلْقِحَةً. ﴿إِعْصَارٌ﴾ [البقرة: ٢٦٦]: رِيحٌ عَاصِفٌ تَهُبُّ مِنَ الْأَرْضِ إِلَى السَّمَاءِ كَعَمُودٍ فِيهِ نَارٌ. ﴿صِرٌّ﴾ [آل عمران: ١١٧]: بَرْدٌ. (نُشُرًا): مُتَفَرِّقَةً.

﴿قاصفا﴾ کے معنی سخت آندھی کے ہیں جو ہر چیز کو توڑ ڈالے۔ ﴿لواقح﴾ اس کے معنی ہیں مَلَاقِح جو مُلْقِحَة کی جمع ہے، یعنی حاملہ کر دینے والی ہوائیں۔ ﴿إعصار﴾ وہ بگولا جو زمین سے آسمان کی طرف ستون کی طرح اٹھے جس میں آگ ہو۔ ﴿صر﴾ اس کے معنی سخت سردی کے ہیں۔ (نشرا) کے معنی ہیں: متفرق اور جدا جدا۔

وضاحت: اس عنوان کے تحت امام بخاری رحمہ اللہ نے چند آیات کا حوالہ دیا ہے جو ہواؤں کی مختلف صفات پر مشتمل ہیں۔ پہلی آیت کریمہ میں ہوا کی یہ صفت بیان ہوئی ہے کہ وہ بارش سے قبل خوشخبری کے طور پر چلتی ہیں اور جب بھاری بادلوں کو اٹھا لاتی ہیں تو اللہ تعالیٰ ان سے بارش برساتا ہے جس سے بنجر زمین لہلہا اٹھتی ہے۔ یہ معنی ہیں جب ﴿بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ﴾ پڑھا

[1] حٰم السجدة 41: 37.

جائے اور عاصم کی قراءت بُشْرًا باء کے ساتھ ہی ہے۔ واضح رہے کہ اس لفظ کو نُشْرًا بھی پڑھا گیا ہے جس کے معنی ہیں: ہر طرف سے جدا جدا اور متفرق طور پر چلنے والی ہوائیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے نون کے ساتھ ہی بیان کیا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے لفظ لواقح کو ملاقح کے معنی میں لیا ہے، یعنی ہوائیں لاقحہ نہیں بلکہ ملقحہ ہوتی ہیں۔ لازم بمعنی متعدی ہے، یعنی خود حاملہ نہیں بلکہ حاملہ کرنے والی ہوتی ہیں۔ یہ معنی اصول نباتات کے اعتبار سے صحیح ہیں کیونکہ علم نباتات میں یہ ثابت شدہ حقیقت ہے کہ ہوا نر درخت کا مادہ اڑا کر مادہ درخت پر لے جاتی ہے۔ اسے عمل "تأبیر" کہا جاتا ہے۔ اس سے درخت خوب پھلتا پھولتا ہے، گویا ہوائیں درختوں کو حاملہ کرتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عذاب کی ہوا کو ریحٌ عقیمٌ کہا جاتا ہے۔ بعض حضرات نے اسے لازم معنی ہی میں استعمال کیا ہے، یعنی لاقحة کی جمع لواقح ہے جس کے معنی "حاملہ" کے ہیں، یعنی پانی اٹھائے آتی ہیں۔ امام طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہوائیں ایک طرح سے لاقحہ ہیں کہ وہ پانی اٹھا کر لاتی ہیں اور ایک وجہ سے ملقحہ ہیں کہ بادلوں پر اثر انداز ہو کر انھیں پانی برسانے کے قابل کر دیتی ہیں۔ انھوں نے اس موقف کی تائید میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی تفسیر بیان کی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہواؤں کو پھیلاتا ہے جو پانی اٹھا کر لاتی ہیں پھر بادلوں کو چھیر دیتی ہیں۔[1]

٣٢٠٥ - حَدَّثَنَا آدَمُ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْحَكَمِ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «نُصِرْتُ بِالصَّبَا، وَأُهْلِكَتْ عَادٌ بِالدَّبُورِ». [راجع: ١٠٣٥]

[3205] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: "بادصبا سے میری مدد کی گئی اور پچھم کی ہوا سے قوم عاد کو ہلاک کیا گیا۔"

فائدہ: بادصبا مشرق کی طرف سے چلتی ہے اور پچھم مغربی جانب سے آتی ہے، گویا رسول اللہ ﷺ نے اس ارشاد گرامی سے قرآن کریم کی درج ذیل آیت کی طرف اشارہ فرمایا ہے: ﴿فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا وَّجُنُودًا لَّمْ تَرَوْهَا﴾ "ہم نے آندھی اور ایسے لشکر بھیج دیے جو تمھیں نظر نہ آتے تھے۔"[2] اللہ تعالیٰ نے اس ہوا کے ذریعے سے کفار کو نیست و نابود کیا اور رسول اللہ ﷺ کی مدد فرمائی۔[3] یہ ہوا اتنی تیز تھی کہ اس نے دشمنوں کے خیمے اکھاڑ دیے اور گھوڑوں کے رسے ٹوٹ گئے، ان کی ہنڈیاں ٹوٹ پھوٹ گئیں اور آگ بجھ گئی اور ہوا اتنی ٹھنڈی تھی کہ کفار کے بدن کو چھید کرتی اور آر پار ہوتی معلوم ہوتی تھی۔ واللہ أعلم.

٣٢٠٦ - حَدَّثَنَا مَكِّيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ: حَدَّثَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ عَنْ عَطَاءٍ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا رَأَى مَخِيلَةً فِي السَّمَاءِ أَقْبَلَ وَأَدْبَرَ، وَدَخَلَ وَخَرَجَ، وَتَغَيَّرَ وَجْهُهُ، فَإِذَا أَمْطَرَتِ السَّمَاءُ سُرِّيَ عَنْهُ فَعَرَّفَتْهُ

[3206] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ جب آسمان پر بادل دیکھتے تو آپ کبھی آگے آتے اور کبھی پیچھے جاتے، کبھی گھر کے اندر داخل ہوتے اور کبھی باہر تشریف لے جاتے۔ اور آپ کے چہرۂ انور کا رنگ فق ہو جاتا لیکن جب بارش ہونے لگتی تو پھر یہ

---

[1] فتح الباري: 6/362. [2] الأحزاب 33:9. [3] فتح الباري: 6/363.

عَائِشَةُ ذٰلِكَ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «مَا أَدْرِي لَعَلَّهُ كَمَا قَالَ قَوْمٌ: ﴿فَلَمَّا رَأَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ أَوْدِيَتِهِمْ﴾ اَلْآيَةَ [الاحقاف: ٢٤]». [انظر: ٤٨٢٩]

کیفیت باقی نہ رہتی۔ حضرت عائشہ ؓ نے اس کیفیت کو بھانپا (تو آپ سے عرض کیا) آپ نے فرمایا: ''کیا پتہ شاید یہ بادل اس طرح کا ہو جس کے متعلق قوم (عاد) نے کہا تھا: ''پھر جب انھوں نے بادل کو اپنے میدانوں کی طرف بڑھتے دیکھا (تو کہنے لگے یہ بادل ہے جو ہم پر برسے گا بلکہ یہ وہ چیز تھی جس کے لیے تم جلدی مچا رہے تھے، یعنی ایسی آندھی جس میں دردناک عذاب تھا)۔''

فوائد ومسائل: ① ہوا بھی اللہ تعالیٰ کی ایک مخلوق ہے جو مختلف تاثیر رکھتی ہے اور قوموں کے عروج وزوال میں اس کا بڑا دخل ہے۔ قوم عاد پر اللہ تعالیٰ نے قحط نازل فرمایا۔ یہ لوگ بڑی مدت سے بارش کو ترس رہے تھے۔ انھوں نے اس دوران میں ایک کالی گھٹا کو دیکھا جوان کے علاقے کی طرف بڑھ رہی تھی۔ وہ خوشی سے جھوم اٹھے کہ اب خوشحالی آئے گی۔ انھیں کیا خبر تھی کہ یہ گھٹا بارانِ رحمت کی گھٹا ہے یا انھیں نیست ونابود کرنے کے لیے اللہ کا عذاب ہے۔ یہ آندھی انتہائی تیز رفتار اور سخت ٹھنڈی تھی جو آٹھ دن اور سات راتیں مسلسل ان پر چلتی رہی۔ ② اس واقعے سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ کسی چیز کی ظاہری شکل وصورت پر فریفتہ نہیں ہونا چاہیے بلکہ ہر وقت اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا چاہیے۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو الفاظ میں تسلی دے رکھی تھی: ﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ﴾ ''جب تک آپ ان میں موجود ہیں اللہ انھیں عذاب نہیں دے گا۔''[1] اس کے باوجود آپ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہتے تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ جن لوگوں میں میری شخصیت نہیں ہوگی انھیں یہ بادل، عذاب کی شکل اختیار کر کے نیست ونابود کر دے۔

(٦) بَابُ ذِكْرِ الْمَلَائِكَةِ صَلَوَاتُ اللهِ عَلَيْهِمْ

باب: 6- فرشتوں کا بیان

وَقَالَ أَنَسٌ: قَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ سَلَامٍ لِلنَّبِيِّ ﷺ: إِنَّ جِبْرِيلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَدُوُّ الْيَهُودِ مِنَ الْمَلَائِكَةِ.

حضرت انس بن مالک ؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن سلام ؓ نے نبی ﷺ سے عرض کیا کہ فرشتوں میں سے حضرت جبرئیل علیہ السلام یہودیوں کے دشمن ہیں۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ﴿لَنَحْنُ الصَّآفُّونَ﴾ [الصافات: ١٦٥]: اَلْمَلَائِكَةُ.

حضرت ابن عباس ؓ نے فرمایا: آیت کریمہ ''ہم تو صف باندھنے والے ہیں۔'' سے مراد فرشتے ہیں۔

وضاحت: اس عنوان کے تحت جتنی بھی احادیث لائی گئی ہیں وہ سب اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ فرشتے موجود ہیں اور ان کا ثبوت ہے۔ یہی اس عنوان کی غرض ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں نور سے پیدا کیا ہے۔ انھیں لطیف جسم دیا گیا ہے اور انھیں ہر

1 الأنفال 8:33.

قسم کی شکل اختیار کرنے کی قدرت ہے۔ ان کا مسکن آسمان ہے۔ اللہ کے فرشتوں پر ایمان لانا اصول ایمان میں سے ہے۔ ان کا انکار کفر ہے۔ یہودی اپنی جہالت کی بنا پر حضرت جبریل علیہ السلام کو اپنا دشمن سمجھتے تھے کہ یہ ہماری راز کی باتیں رسول اللہ ﷺ کو بتاتا ہے اور ہمیشہ عذاب ہی لے کر آتا ہے۔ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے اثر کو امام بخاری رحمہ اللہ نے (كتاب أحاديث الأنبياء، حديث: 3329) میں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اثر کو طبری نے اپنی تفسیر (133/23) میں متصل سند سے بیان کیا ہے۔

٣٢٠٧ - حَدَّثَنَا هُدْبَةُ بْنُ خَالِدٍ: حَدَّثَنَا هَمَّامٌ عَنْ قَتَادَةَ، وَقَالَ لِي خَلِيفَةُ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ: حَدَّثَنَا سَعِيدٌ وَّهِشَامٌ قَالَا: حَدَّثَنَا قَتَادَةُ: حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ، عَنْ مَّالِكِ بْنِ صَعْصَعَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «بَيْنَا أَنَا عِنْدَ الْبَيْتِ بَيْنَ النَّائِمِ وَالْيَقْظَانِ، وَذَكَرَ يَعْنِي رَجُلًا بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ، فَأُتِيتُ بِطَسْتٍ مِّنْ ذَهَبٍ مَلْآنَ حِكْمَةً وَّإِيمَانًا فَشُقَّ مِنَ النَّحْرِ إِلَى مَرَاقِّ الْبَطْنِ، ثُمَّ غُسِلَ الْبَطْنُ بِمَاءِ زَمْزَمَ ثُمَّ مُلِئَ حِكْمَةً وَّإِيمَانًا، وَأُتِيتُ بِدَابَّةٍ أَبْيَضَ دُونَ الْبَغْلِ وَفَوْقَ الْحِمَارِ الْبُرَاقُ، فَانْطَلَقْتُ مَعَ جِبْرِيلَ، فَلَمَّا جِئْتُ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا قَالَ جِبْرِيلُ لِخَازِنِ السَّمَاءِ افْتَحْ قَالَ: مَنْ هٰذَا؟ قِيلَ: جِبْرِيلُ، قِيلَ: وَمَنْ مَّعَكَ؟ قِيلَ: مُحَمَّدٌ، قِيلَ: وَقَدْ أُرْسِلَ إِلَيْهِ؟ قَالَ: نَعَمْ، قِيلَ: مَرْحَبًا بِهِ وَلَنِعْمَ الْمَجِيءُ جَاءَ، فَأَتَيْتُ عَلٰى آدَمَ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ، فَقَالَ: مَرْحَبًا بِكَ مِنِ ابْنٍ وَّنَبِيٍّ، فَأَتَيْنَا السَّمَاءَ الثَّانِيَةَ، قِيلَ: مَنْ هٰذَا؟ قَالَ: جِبْرِيلُ، قِيلَ: مَنْ مَّعَكَ؟ قَالَ: مُحَمَّدٌ ﷺ، قِيلَ: أُرْسِلَ إِلَيْهِ؟ قَالَ: نَعَمْ، قِيلَ: مَرْحَبًا بِهِ وَلَنِعْمَ الْمَجِيءُ جَاءَ، فَأَتَيْتُ عَلٰى عِيسٰى وَيَحْيٰى

[3207] حضرت مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''میں ایک دفعہ بیت اللہ کے نزدیک نیند اور بیداری کی درمیانی حالت میں تھا۔'' پھر آپ ﷺ نے دو آدمیوں کے درمیان ایک تیسرے آدمی کا ذکر کیا، یعنی اپنی ذات کریمہ کو دو فرشتوں کے درمیان ذکر کیا تو فرمایا: ''میرے پاس سونے کا ایک طشت لایا گیا جو حکمت اور ایمان سے لبریز تھا۔ میرے سینے کو پیٹ کے آخری حصے تک چاک کیا گیا۔ پھر (میرے) پیٹ (کے اندرونی حصے) کو زمزم کے پانی سے دھویا گیا اور اسے ایمان و حکمت سے بھر دیا گیا۔ اس کے بعد میرے پاس ایک سواری لائی گئی جس کا رنگ سفید، خچر سے چھوٹی اور گدھے سے بڑی تھی، یعنی براق، چنانچہ میں اس پر سوار ہو کر حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ہمراہ چل پڑا۔ جب میں آسمان دنیا پر پہنچا تو جبرئیل علیہ السلام نے آسمان کے نگران فرشتے سے (دروازہ) کھولنے کو کہا تو اس نے پوچھا: کون ہے؟ کہا گیا: جبرئیل۔ پوچھا گیا: آپ کے ہمراہ اور کون ہے؟ کہا گیا کہ محمد ﷺ ہیں۔ پوچھا گیا: انھیں بلانے کے لیے آپ کو بھیجا گیا تھا؟ انھوں نے کہا: ہاں۔ اس پر جواب آیا: خوش آمدید، آنے والے کیا ہی مبارک ہیں۔ پھر میں حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آیا، انھیں سلام کیا تو انھوں نے کہا: اے بیٹے اور پیارے نبی! آپ کا آنا مبارک ہو۔ پھر ہم دوسرے آسمان پر آئے تو کہا گیا: یہ کون ہے؟ کہا: میں جبرئیل ہوں۔ پوچھا گیا:

فَقَالَا : مَرْحَبًا بِكَ مِنْ أَخٍ وَّنَبِيٍّ ، فَأَتَيْنَا السَّمَاءَ الثَّالِثَةَ ، قِيلَ : مَنْ هٰذَا؟ قِيلَ : جِبْرِيلُ ، قِيلَ : مَنْ مَّعَكَ؟ قَالَ : مُحَمَّدٌ ، قَالَ : وَقَدْ أُرْسِلَ إِلَيْهِ؟ قَالَ : نَعَمْ ، قِيلَ : مَرْحَبًا بِهِ وَلَنِعْمَ الْمَجِيءُ جَاءَ ، فَأَتَيْتُ عَلٰى يُوسُفَ فَسَلَّمْتُ فَقَالَ : مَرْحَبًا بِكَ مِنْ أَخٍ وَّنَبِيٍّ ، فَأَتَيْنَا السَّمَاءَ الرَّابِعَةَ ، قِيلَ : مَنْ هٰذَا؟ قَالَ : جِبْرِيلُ ، قِيلَ : مَنْ مَّعَكَ؟ قِيلَ : مُحَمَّدٌ ﷺ ، قِيلَ : وَقَدْ أُرْسِلَ إِلَيْهِ؟ قَالَ : نَعَمْ ، قِيلَ : مَرْحَبًا بِهِ ، وَنِعْمَ الْمَجِيءُ جَاءَ ، فَأَتَيْتُ عَلٰى إِدْرِيسَ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَقَالَ : مَرْحَبًا مِّنْ أَخٍ وَّنَبِيٍّ ، فَأَتَيْنَا السَّمَاءَ الْخَامِسَةَ ، قِيلَ : مَنْ هٰذَا؟ قِيلَ : جِبْرِيلُ ، قِيلَ : وَمَنْ مَّعَكَ؟ قِيلَ : مُحَمَّدٌ ، قِيلَ : وَقَدْ أُرْسِلَ إِلَيْهِ؟ قَالَ : نَعَمْ ، قِيلَ : مَرْحَبًا بِهِ ، وَلَنِعْمَ الْمَجِيءُ جَاءَ ، فَأَتَيْنَا عَلٰى هَارُونَ فَسَلَّمْتُ ، فَقَالَ : مَرْحَبًا بِكَ مِنْ أَخٍ وَّنَبِيٍّ ، فَأَتَيْنَا عَلَى السَّمَاءِ السَّادِسَةِ ، قِيلَ : مَنْ هٰذَا؟ قِيلَ : جِبْرِيلُ ، قِيلَ : مَنْ مَّعَكَ؟ قِيلَ : مُحَمَّدٌ ، قِيلَ : وَقَدْ أُرْسِلَ إِلَيْهِ؟ مَرْحَبًا بِهِ ، نِعْمَ الْمَجِيءُ جَاءَ ، فَأَتَيْتُ عَلٰى مُوسٰى فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَقَالَ : مَرْحَبًا بِكَ مِنْ أَخٍ وَّنَبِيٍّ ، فَلَمَّا جَاوَزْتُ بَكٰى ، فَقِيلَ : مَا أَبْكَاكَ؟ قَالَ : يَا رَبِّ! هٰذَا الْغُلَامُ الَّذِي بُعِثَ بَعْدِي يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ أُمَّتِهِ أَفْضَلُ مِمَّا يَدْخُلُ مِنْ أُمَّتِي ، فَأَتَيْنَا السَّمَاءَ السَّابِعَةَ ، قِيلَ : مَنْ هٰذَا؟ قِيلَ : جِبْرِيلُ ، قِيلَ : مَنْ مَّعَكَ؟ قِيلَ : مُحَمَّدٌ ، قِيلَ : وَقَدْ أُرْسِلَ إِلَيْهِ؟

تمھارے ساتھ کون ہیں؟ انھوں نے کہا: محمد ﷺ۔ کہا گیا: آپ کو تشریف آوری کا پیغام بھیجا گیا تھا؟ جبرئیل علیہ السلام نے کہا: ہاں۔ کہا گیا: مرحبا، آپ کی تشریف آوری مبارک ہو۔ میں وہاں حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ علیہما السلام کے پاس آیا تو انھوں نے کہا: اے برادر مکرم اور نبیٔ محترم خوش آمدید! پھر ہم تیسرے آسمان پر آئے تو کہا گیا: کون ہے؟ کہا: میں جبرئیل ہوں۔ کہا گیا: آپ کے ساتھ کون ہے؟ کہا: حضرت محمد ﷺ۔ پوچھا گیا: آپ کو تشریف لانے کا پیغام بھیجا گیا تھا؟ جبرئیل نے کہا: ہاں۔ کہا گیا: مرحبا، آپ کا آنا بہت اچھا ہے۔ میں وہاں حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس آیا اور ان کو سلام کیا تو انھوں نے کہا: اے برادر عزیز اور نبیٔ معظم! خوش آمدید۔ پھر ہم چوتھے آسمان پر آئے تو کہا گیا: یہ کون ہے؟ کہا: جبرئیل ہوں۔ کہا گیا: تمھارے ساتھ کون ہے؟ جبرئیل علیہ السلام نے کہا حضرت محمد ﷺ۔ کہا گیا: انھیں تشریف لانے کا پیغام بھیجا گیا تھا؟ جبرئیل علیہ السلام نے کہا: ہاں۔ کہا گیا: مرحبا، آپ کی تشریف آوری مبارک ہو۔ میں وہاں حضرت ادریس علیہ السلام کے پاس آیا اور انھیں سلام کیا تو انھوں نے کہا: برادر مکرم اور نبیٔ معظم کو خوش آمدید۔ پھر ہم پانچویں آسمان پر آئے تو کہا گیا: یہ کون ہے؟ اس نے کہا: جبرئیل ہوں۔ کہا گیا: آپ کے ساتھ کون ہے؟ کہا گیا: حضرت محمد مجتبیٰ ﷺ۔ کہا گیا: کیا آپ کو بلایا گیا ہے؟ جبرئیل علیہ السلام نے کہا: ہاں۔ کہا گیا: مرحبا، تشریف آوری بابرکت ہو۔ ہم وہاں حضرت ہارون علیہ السلام کے پاس آئے تو میں نے سلام کہا۔ انھوں نے کہا: پیارے بھائی اور نبیٔ معظم! خوش آمدید۔ پھر ہم چھٹے آسمان پر آئے تو کہا گیا: یہ کون ہے؟ کہا: جبرئیل ہوں۔ کہا گیا: آپ کے ساتھ کون ہے؟ کہا گیا: حضرت محمد

مَرْحَبًا بِهِ، وَلَنِعْمَ الْمَجِيءُ جَاءَ، فَأَتَيْتُ عَلٰى إِبْرَاهِيمَ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَقَالَ: مَرْحَبًا بِكَ مِنِ ابْنٍ وَنَبِيٍّ، فَرُفِعَ لِيَ الْبَيْتُ الْمَعْمُورُ فَسَأَلْتُ جِبْرِيلَ فَقَالَ: هٰذَا الْبَيْتُ الْمَعْمُورُ يُصَلِّي فِيهِ كُلَّ يَوْمٍ سَبْعُونَ أَلْفَ مَلَكٍ إِذَا خَرَجُوا لَمْ يَعُودُوا إِلَيْهِ آخِرَ مَا عَلَيْهِمْ، وَرُفِعَتْ لِي سِدْرَةُ الْمُنْتَهٰى فَإِذَا نَبِقُهَا كَأَنَّهُ قِلَالُ هَجَرَ، وَوَرَقُهَا كَأَنَّهُ آذَانُ الْفُيُولِ، فِي أَصْلِهَا أَرْبَعَةُ أَنْهَارٍ: نَهْرَانِ بَاطِنَانِ، وَنَهْرَانِ ظَاهِرَانِ، فَسَأَلْتُ جِبْرِيلَ، فَقَالَ: أَمَّا الْبَاطِنَانِ فَفِي الْجَنَّةِ، وَأَمَّا الظَّاهِرَانِ: النِّيلُ وَالْفُرَاتُ، ثُمَّ فُرِضَتْ عَلَيَّ خَمْسُونَ صَلَاةً، فَأَقْبَلْتُ حَتّٰى جِئْتُ مُوسٰى فَقَالَ: مَا صَنَعْتَ؟ قُلْتُ: فُرِضَتْ عَلَيَّ خَمْسُونَ صَلَاةً، قَالَ: أَنَا أَعْلَمُ بِالنَّاسِ مِنْكَ، عَالَجْتُ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَشَدَّ الْمُعَالَجَةِ وَإِنَّ أُمَّتَكَ لَا تُطِيقُ، فَارْجِعْ إِلٰى رَبِّكَ فَسَلْهُ، فَرَجَعْتُ فَسَأَلْتُهُ فَجَعَلَهَا أَرْبَعِينَ، ثُمَّ مِثْلَهُ، ثُمَّ ثَلَاثِينَ، ثُمَّ مِثْلَهُ، فَجَعَلَ عِشْرِينَ، ثُمَّ مِثْلَهُ، فَجَعَلَ عَشْرًا، فَأَتَيْتُ مُوسٰى فَقَالَ مِثْلَهُ، فَجَعَلَهَا خَمْسًا، فَأَتَيْتُ مُوسٰى فَقَالَ: مَا صَنَعْتَ؟ قُلْتُ: جَعَلَهَا خَمْسًا، فَقَالَ مِثْلَهُ، قُلْتُ: فَسَلَّمْتُ فَنُودِيَ إِنِّي قَدْ أَمْضَيْتُ فَرِيضَتِي وَخَفَّفْتُ عَنْ عِبَادِي، وَأَجْزِي الْحَسَنَةَ عَشْرًا».

کریم ﷺ۔ کہا گیا: آپ کو تشریف لانے کا پیغام بھیجا گیا تھا؟ (کہا جی ہاں۔) کہا گیا: مرحبا، آپ کی تشریف آوری باعث عزت ہے۔ میں وہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا اور انھیں سلام کیا تو انھوں نے کہا: اے برادر عزیز اور نبی مکرم! خوش آمدید۔ جب میں وہاں سے آگے بڑھا تو موسیٰ علیہ السلام رو پڑے۔ ان سے پوچھا گیا: آپ کس لیے رو رہے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا: اے میرے رب! یہ ایک نوجوان ہے جو میرے بعد مبعوث ہوا، اس کی امت کے افراد میری امت کے لوگوں سے زیادہ جنت میں داخل ہوں گے۔ پھر ہم ساتویں آسمان پر آئے تو کہا گیا: کون ہے؟ کہا گیا: میں جبرئیل ہوں۔ پوچھا گیا: آپ کے ساتھ کون ہے؟ کہا گیا: حضرت محمد ﷺ ہیں۔ کہا گیا: آپ کو تشریف آوری کا پیغام بھیجا گیا تھا؟ (کہا: ہاں) کہا گیا: مرحبا، آپ کا تشریف لانا مبارک ہو۔ پھر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آیا اور انھیں سلام کیا تو انھوں نے کہا: اے فرزند ارجمند اور نبیٔ محترم! مرحبا، پھر بیت المعمور میرے لیے کھول دیا گیا۔ میں نے اس کے متعلق حضرت جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا تو انھوں نے بتایا کہ یہ بیت المعمور ہے۔ اس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے نماز پڑھتے ہیں۔ جو ایک دفعہ عبادت کر کے باہر نکل جائیں تو دوبارہ واپس نہیں آتے، یعنی آخر تک ان کی باری نہیں آئے گی۔ پھر سدرۃ المنتہیٰ کو میرے سامنے کیا گیا۔ اس کے بیر مقام ہجر کے مٹکوں کی طرح تھے اور اس کے پتے ہاتھیوں کے کان معلوم ہوتے تھے۔ اس کی جڑ میں چار نہریں جاری تھیں: ان میں سے دو باطنی اور دو ظاہری ہیں۔ میں نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا تو انھوں نے بتایا کہ باطنی نہریں تو جنت کی ہیں اور ظاہری نہریں نیل اور

فرات ہیں۔ پھر مجھ پر پچاس نمازیں فرض کی گئیں۔ میں واپس آیا حتی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزر ہوا تو انھوں نے کہا کہ آپ کیا کر کے آئے ہیں؟ میں نے کہا: مجھ پر پچاس نمازیں فرض کی گئی ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: میں لوگوں کے حال کو آپ سے زیادہ جاننے والا ہوں کیونکہ میں نے بنی اسرائیل کا سخت تجربہ کیا ہے۔ آپ کی امت اسے پورا کرنے کی طاقت نہیں رکھے گی، لہٰذا آپ اپنے رب کے پاس واپس جائیں اور وہاں عرض کریں، چنانچہ میں واپس چلا آیا اور اللہ تعالیٰ سے (تخفیف کا) سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے چالیس نمازیں کر دیں۔ پھر اسی طرح کیا تو تیس کر دیں۔ پھر اسی طرح ہوا تو بیس رہ گئیں۔ پھر بات چیت ہوئی تو دس رہ گئیں۔ پھر موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا تو انھوں نے پہلے کی طرح کہا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے پانچ کر دیں۔ پھر میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا تو انھوں نے پوچھا: آپ نے کیا بنایا ہے؟ میں نے کہا: اللہ تعالیٰ نے پانچ نمازیں کر دی ہیں تو انھوں نے پھر اسی طرح کہا۔ میں نے کہا: اب میں نے تسلیم کر لیا ہے۔ اب ندا آئی کہ میں نے اپنا فریضہ نافذ کر دیا ہے اور اپنے بندوں سے تخفیف کر دی ہے۔ میں ایک نیکی کے بدلے میں دس گنا اجر دوں گا۔

وَقَالَ هَمَّامٌ عَنْ قَتَادَةَ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: «فِي الْبَيْتِ الْمَعْمُورِ». [انظر: ٣٣٩٣، ٣٤٣٠، ٣٨٨٧]

ہمام نے اپنی سند سے حضرت ابو ہریرہ کی روایت بیان کی جنھوں نے بیت المعمور کے متعلق نبی ﷺ سے بیان کیا ہے۔

فوائد و مسائل: ① یہ طویل حدیث واقعۂ معراج سے متعلق ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے یہاں اس لیے بیان کیا ہے کہ اس میں فرشتوں کا ذکر ہے کہ وہ اس قدر کثرت سے ہیں جو حد و د شمار سے باہر ہیں۔ کثرت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ بیت المعمور میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں۔ ان میں جب کوئی فرشتہ عبادت کر کے باہر نکلتا ہے تو قیامت تک اسے دوبارہ داخل ہونے کا موقع نہیں ملے گا۔ ایک دوسری حدیث میں ہے: ''آسمان میں چار انگلیوں کے برابر جگہ ایسی نہیں

جہاں اللہ کے حضور فرشتہ سجدہ ریز نہ ہو۔''[1] ② امام بخاری ؒ نے ملائکہ کا ذکر حضرات انبیاء ؑ سے پہلے کیا ہے، حالانکہ اس امر پر اجماع ہے کہ حضرات انبیائے کرام ؑ ملائکہ سے افضل ہیں؟ اس کی تین وجوہات بیان کی جاتی ہیں: * ملائکہ کی خلقت پہلے ہے، یعنی انھیں انسانوں سے پہلے پیدا کیا گیا ہے۔ اس اعتبار سے ان کا ذکر پہلے کر دیا۔ * قرآنی آیات اور متعدد احادیث میں ان کا ذکر انبیائے کرام ؑ سے پہلے ہے جیسا کہ آیت کریمہ میں ہے: ''ہم سب اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے۔''[2] * فرشتے، اللہ تعالیٰ اور انبیائے کرام ؑ کے درمیان ایک واسطے کی حیثیت رکھتے ہیں، بنابریں مناسب معلوم ہوا کہ ان کا ذکر انبیائے کرام سے پہلے کیا جائے۔ بہرحال ملائکہ کے حالات اور ان کی کثرت کے متعلق بہت سی احادیث کتب حدیث میں مروی ہیں۔ ان کی دو قسمیں ہیں: ایک تو وہ ہیں جو ہر وقت اللہ کی عبادت میں مصروف رہتے ہیں، گویا وہ ذات حق کی معرفت میں مستغرق ہیں۔ انھیں ملائکہ مقربین کہا جاتا ہے۔ اور دوسری وہ قسم ہے جو آسمان سے زمین تک قضا و قدر کے فیصلوں کے مطابق امور کو انجام دیتے ہیں۔ ان کی مختلف ڈیوٹیاں ہیں جن کا ذکر قرآن و حدیث میں موجود ہے۔ معراج سے متعلقہ دیگر مباحث آئندہ بیان ہوں گے۔ بہرحال معراج برحق ہے اور اس کا منکر گمراہ اور دین سے خارج ہے۔

٣٢٠٨ - حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ الرَّبِيعِ: حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ زَيْدِ بْنِ وَهْبٍ: قَالَ عَبْدُ اللهِ: حَدَّثَنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ - وَهُوَ الصَّادِقُ الْمَصْدُوقُ - قَالَ: «إِنَّ أَحَدَكُمْ يُجْمَعُ خَلْقُهُ فِي بَطْنِ أُمِّهِ أَرْبَعِينَ يَوْمًا، ثُمَّ يَكُونُ عَلَقَةً مِثْلَ ذٰلِكَ، ثُمَّ يَكُونُ مُضْغَةً مِثْلَ ذٰلِكَ، ثُمَّ يَبْعَثُ اللهُ مَلَكًا وَيُؤْمَرُ بِأَرْبَعِ كَلِمَاتٍ، وَيُقَالُ لَهُ: اُكْتُبْ عَمَلَهُ وَرِزْقَهُ وَأَجَلَهُ، وَشَقِيٌّ أَوْ سَعِيدٌ، ثُمَّ يُنْفَخُ فِيهِ الرُّوحُ، فَإِنَّ الرَّجُلَ مِنْكُمْ لَيَعْمَلُ حَتّٰى مَا يَكُونُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجَنَّةِ إِلَّا ذِرَاعٌ، فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ كِتَابُهُ يَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ، وَيَعْمَلُ حَتّٰى مَا يَكُونُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ النَّارِ إِلَّا ذِرَاعٌ، فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ فَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ». [انظر: ٣٣٣٢، ٦٥٩٤، ٧٤٥٤]

[3208] حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں بتایا جو کہ صادق و مصدوق ہیں: ''تم میں سے ہر ایک کی پیدائش اس کی ماں کے پیٹ میں مکمل کی جاتی ہے۔ چالیس دن تک نطفہ رہتا ہے، پھر اتنے ہی وقت تک منجمد خون کی شکل اختیار کرتا ہے۔ پھر اتنے ہی روز تک گوشت کا لوتھڑا رہتا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ بھیجتا ہے اور اسے چار باتوں کا حکم دیا جاتا ہے اور اسے کہا جاتا ہے کہ اس کا عمل، اس کا رزق اور اس کی عمر لکھ دے اور یہ بھی لکھ دے کہ بدبخت یا نیک بخت۔ اس کے بعد اس میں روح پھونک دی جاتی ہے۔ پھر تم میں سے کوئی ایسا ہوتا ہے جو نیک عمل کرتا ہے کہ اس کے اور جنت کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے مگر اس پر نوشتۂ تقدیر غالب آ جاتا ہے اور وہ اہل جہنم کا کام کر بیٹھتا ہے۔ ایسے ہی کوئی شخص برے کام کرتا

① جامع الترمذي، الزهد، حديث: 2312. ② البقرة 2: 285.

رہتا ہے حتی کہ اس کے اور دوزخ کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے۔ پھر تقدیر کا فیصلہ غالب آجاتا ہے تو وہ اہل جنت کے کاموں جیسے کام کرنے لگتا ہے۔"

فوائد و مسائل: ① حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں ہے: "جب مرد، عورت سے صحبت کرتا ہے تو مرد کا پانی عورت کے ہر رگ و ریشے میں سما جاتا ہے، پھر ساتویں دن اللہ تعالیٰ اسے اکٹھا کر کے اس سے ایک صورت جوڑتا ہے۔"[1] ② جدید طب کا دعویٰ ہے کہ چار ماہ سے پہلے ہی حمل میں جان پڑ جاتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث میں روح سے مراد نفس ناطقہ مدرکہ ہے جو ختم نہیں ہوتا بلکہ موت کے وقت نکلتا ہے۔ اسے روح انسانی بھی کہتے ہیں اور قرآن کریم نے اسے "أمر ربي" قرار دیا ہے۔ اس کے برعکس روح حیوانی پہلے ہی سے بلکہ نطفے کے اندر بھی موجود رہتی ہے۔ یہ روح حیوانی موت کے وقت ختم ہو جاتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں چار ماہ سے پہلے حرکت، حرکت نمو اور بڑھوتری ہوتی ہے۔ ③ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث سے فرشتوں کا وجود ثابت کیا ہے کہ وہ اللہ کی مخلوق ہیں اور ان کی کئی ایک قسمیں ہیں جن کی تعداد اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ ان میں سے فرشتوں کی ایک قسم رحم مادر سے متعلق ہے، چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے عورت کے رحم پر ایک فرشتہ مقرر کر رکھا ہے جو کہتا ہے: پروردگار! اب نطفہ پڑا۔ پروردگا! اب یہ خون بن گیا۔ پروردگار! اب یہ لوتھڑا بن گیا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ اس کی پیدائش کے متعلق حکم کر دیتا ہے تو فرشتہ پوچھتا ہے کہ یہ مرد ہے یا عورت؟ بدبخت ہے یا نیک بخت؟ اس کی روزی کیا ہے؟ اس کی عمر کیا ہے؟ پھر ماں کے پیٹ ہی میں اس بچے کے ہوتے ہوئے یہ سب کچھ لکھ دیا جاتا ہے۔"[2]

٣٢٠٩ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ: أَخْبَرَنَا مَخْلَدٌ: أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ عَنْ نَافِعٍ قَالَ: قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: عَنِ النَّبِيِّ ﷺ. وَتَابَعَهُ أَبُو عَاصِمٍ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «إِذَا أَحَبَّ اللهُ الْعَبْدَ نَادَى جِبْرِيلَ: إِنَّ اللهَ يُحِبُّ فُلَانًا فَأَحْبِبْهُ، فَيُحِبُّهُ جِبْرِيلُ، فَيُنَادِي جِبْرِيلُ فِي أَهْلِ السَّمَاءِ: إِنَّ اللهَ يُحِبُّ فُلَانًا فَأَحِبُّوهُ، فَيُحِبُّهُ أَهْلُ السَّمَاءِ، ثُمَّ يُوضَعُ لَهُ الْقَبُولُ فِي

[3209] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: "جب اللہ تعالیٰ بندے سے محبت کرتا ہے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام کو آواز دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فلاں شخص کو دوست رکھتا ہے، لہٰذا تم بھی اسے دوست رکھو، تو حضرت جبرئیل علیہ السلام اس کو دوست رکھتے ہیں۔ پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام تمام اہل آسمان میں اعلان کر دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں شخص سے محبت کرتا ہے، لہٰذا تم بھی اس سے محبت رکھو، چنانچہ تمام اہل آسمان اس سے محبت رکھتے ہیں۔ پھر زمین میں بھی اس کی مقبولیت رکھ دی جاتی ہے۔"

---

[1] فتح الباري: 11/ 585، والسلسلة الصحيحة للألباني، حديث: 3330. [2] صحيح البخاري، الحيض، حديث: 318.

الْأَرْضِ». [انظر: ٦٠٤٠، ٧٤٨٥]

فوائد و مسائل: ① اس روایت کا دوسرا حصہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے عداوت رکھتا ہے تو حضرت جبریل علیہ السلام کو آواز دیتا ہے کہ میں فلاں شخص سے عداوت رکھتا ہوں تو بھی اس سے عداوت رکھ تو جبریل علیہ السلام اس سے دشمنی رکھتے ہیں۔ پھر حضرت جبریل علیہ السلام تمام اہل آسمان میں اعلان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں شخص سے دشمنی رکھتا ہے، لہٰذا تم بھی اس سے عداوت رکھو، چنانچہ تمام اہل آسمان اس سے عداوت رکھتے ہیں۔ پھر اس کے متعلق یہ نفرت و عداوت زمین میں بھی رکھ دی جاتی ہے۔[1] ② اس سے معلوم ہوا کہ جس شخص کے متعلق لوگوں کے دلوں میں بغض ہو وہ اللہ کے نزدیک بھی مبغوض ہوتا ہے۔ ③ اس حدیث میں اہل آسمان سے مراد فرشتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی عبادت میں مصروف رہتے ہیں۔ ④ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث سے فرشتوں کا وجود ثابت کیا ہے کہ وہ اللہ کی مخلوق ہیں اور ان کا مسکن آسمان میں ہے۔

٣٢١٠ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي مَرْيَمَ: أَخْبَرَنَا اللَّيْثُ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي جَعْفَرٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا أَنَّهَا قَالَتْ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «إِنَّ الْمَلَائِكَةَ تَنْزِلُ فِي الْعَنَانِ - وَهُوَ السَّحَابُ - فَتَذْكُرُ الْأَمْرَ قُضِيَ فِي السَّمَاءِ، فَتَسْتَرِقُ الشَّيَاطِينُ السَّمْعَ فَتَسْمَعُهُ، فَتُوحِيهِ إِلَى الْكُهَّانِ، فَيَكْذِبُونَ مَعَهَا مِائَةَ كَذْبَةٍ مِّنْ عِنْدِ أَنْفُسِهِمْ». [انظر: ٣٢٨٨، ٥٧٦٢، ٦٢١٣، ٧٥٦١]

[3210] ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''فرشتے ابر (بادلوں) میں آتے ہیں اور اس کام کا ذکر کرتے ہیں جس کا فیصلہ آسمانوں میں ہو چکا ہوتا ہے تو شیاطین چپکے سے فرشتوں کی باتیں اڑا لیتے ہیں اور کاہنوں کو بتا دیتے ہیں اور وہ کم بخت سچی بات میں اپنی طرف سے سو جھوٹ ملا دیتے ہیں۔ (پھر اسے اپنے مریدوں میں بیان کرتے ہیں)۔''

فوائد و مسائل: ① کاہن وہ ہوتا ہے جو کائنات کے اسرار و رموز کا دعویٰ کرے اور مستقبل کی خبریں دے۔ جب سے رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے ہیں آسمانوں پر سخت پہرا بٹھا دیا گیا ہے۔ اس بنا پر کہانت باطل ہے۔ ② اس حدیث میں ان فنکاروں کی شعبدہ بازی سے پردہ اٹھایا گیا ہے جو آئے روز ضعیف الاعتقاد لوگوں کی گمراہی کا باعث بنتے ہیں، نیز اس میں قضا و قدر کے فرشتوں کا ذکر ہے جو کائنات میں اوامر الٰہیہ کو نافذ کرنے کے لیے زمین پر اترتے ہیں۔ اس سے صرف فرشتوں کا وجود ثابت کرنا مقصود ہے۔

٣٢١١ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ: حَدَّثَنَا

[3211] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے،

---

① عمدة القاري: 573/10.

إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ: حَدَّثَنَا ابْنُ شِهَابٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ وَالْأَغَرِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «إِذَا كَانَ يَوْمُ الْجُمُعَةِ كَانَ عَلَى كُلِّ بَابٍ مِّنْ أَبْوَابِ الْمَسْجِدِ مَلَائِكَةٌ يَكْتُبُونَ الْأَوَّلَ فَالْأَوَّلَ، فَإِذَا جَلَسَ الْإِمَامُ طَوَوُا الصُّحُفَ وَجَاؤُوا يَسْتَمِعُونَ الذِّكْرَ».

[راجع: ٩٢٩]

انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جب جمعے کا دن ہوتا ہے تو مسجد کے ہر دروازے پر فرشتے مقرر ہو جاتے ہیں جو پہلے پہلے آنے والوں کا نام لکھتے ہیں۔ پھر جب امام منبر پر بیٹھ جاتا ہے تو وہ اپنے صحیفے لپیٹ کر خطبہ سننے کے لیے آ جاتے ہیں۔''

فوائد ومسائل: ① اس حدیث میں ان فرشتوں کا ذکر ہے جو جمعہ کے دن مسجد میں آنے والوں کا نام لکھتے ہیں اور انھیں اللہ کے حضور پیش کرتے ہیں، لیکن جب خطبہ شروع کرنے کے لیے امام منبر پر بیٹھ جاتا ہے تو وہ اپنی ڈیوٹی ختم کر دیتے ہیں۔ ② اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آغاز خطبہ کے وقت یا اس کے بعد آنے والے لوگ جمعہ کے اضافی ثواب سے محروم رہتے ہیں، اس لیے ہمیں اس پہلو پر خاص غور کرنا چاہیے۔

٣٢١٢ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ: حَدَّثَنِي الزُّهْرِيُّ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ قَالَ: مَرَّ عُمَرُ فِي الْمَسْجِدِ وَحَسَّانُ يُنْشِدُ فَقَالَ: كُنْتُ أُنْشِدُ فِيهِ، وَفِيهِ مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِّنْكَ، ثُمَّ الْتَفَتَ إِلَى أَبِي هُرَيْرَةَ فَقَالَ: أَنْشُدُكَ بِاللهِ، أَسَمِعْتَ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «أَجِبْ عَنِّي، اَللّٰهُمَّ أَيِّدْهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ»؟ قَالَ: نَعَمْ.

[راجع: ٤٥٣]

[3212] حضرت سعید بن مسیب سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک دفعہ مسجد میں سے گزرے تو حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ اشعار پڑھ رہے تھے۔ (انھوں نے مسجد میں شعر پڑھنے پر اظہار ناپسندیدگی فرمایا تو) حسان رضی اللہ عنہ نے کہا: میں تو اس وقت یہاں شعر پڑھا کرتا تھا جب آپ سے بہتر ستودہ صفات یہاں تشریف رکھتے تھے۔ پھر وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا کہ میں تم سے اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں، کیا آپ نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: ''اے حسان! میری طرف سے کفار مکہ کو جواب دو۔ اے اللہ! روح القدس کے ذریعے سے اس کی مدد فرما۔'' ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ہاں (بلاشبہ میں نے سنا تھا)۔

٣٢١٣ - حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَدِيِّ بْنِ ثَابِتٍ، عَنِ الْبَرَاءِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ لِحَسَّانَ: «اهْجُهُمْ - أَوْ

[3213] حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے حضرت حسان رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''تم مشرکین کی ہجو کرو یا ان کی ہجو کا جواب دو، بہرصورت حضرت

هَاجِهِمْ - وَجِبْرِيلُ مَعَكَ». [انظر: ٤١٢٣، ٤١٢٤، ٦١٥٣] جبرئیل تمھارے ساتھ ہیں۔"

فوائد ومسائل: ① ان احادیث سے معلوم ہوا کہ مسجد میں اسلامی اشعار یا اسلام کے دفاع پر مبنی منظوم کلام پڑھا جا سکتا ہے، نیز یہ بھی پتہ چلا کہ ابتداءً کفار سے الجھاؤ درست نہیں، البتہ جوابی کارروائی کے طور پر ان کی ہجو اور مذمت کی جا سکتی ہے۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے جب جوابی اشعار پڑھے تو مشرکین مکہ کو پسینہ اتر آیا۔ حسان رضی اللہ عنہ کا ایک شعر یہ ہے:

لَنَا فِي كُلِّ يَوْمٍ مِّنْ مَّعْرِكٍ سِبَابٌ أَوْ قِتَالٌ أَوْ هِجَاءٌ

"ہم تو ہر روز سامان کی تیاری میں مصروف ہیں، تم سے جنگ کرنے میں یا تمھیں جوابی طور پر گالی دینے میں، یا تمھاری مذمت کرنے میں۔"

② امام بخاری رحمہ اللہ نے ثابت کیا کہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کو جوابی کارروائی کرتے وقت حضرت جبریل علیہ السلام کی تائید حاصل ہوتی تھی۔ اس تائید کا فائدہ یہ ہوتا کہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ مشرکین کی ہجو کرتے وقت فحش اور بدگوئی سے محفوظ رہتے تھے، یعنی ان کی ہجو صرف ان کے جواب تک محدود رہتی، اس سے تجاوز نہیں کرتی تھی۔

٣٢١٤ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ؛ ح: وَحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ: أَخْبَرَنَا وَهْبُ بْنُ جَرِيرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِي قَالَ: سَمِعْتُ حُمَيْدَ بْنَ هِلَالٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى غُبَارٍ سَاطِعٍ فِي سِكَّةِ بَنِي غَنْمٍ. زَادَ مُوسَى: مَوْكِبَ جِبْرِيلَ.

[3214] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ گویا میں اب بھی وہ غبار دیکھ رہا ہوں جو بنوغنم کی گلیوں میں بلند ہو رہا تھا۔

(راویٔ حدیث) موسیٰ نے یہ اضافہ بیان کیا ہے کہ وہ غبار حضرت جبرئیل علیہ السلام کے لشکر کی وجہ سے تھا۔

فوائد ومسائل: ① کرمانی نے کہا ہے: بنوغنم ایک قبیلہ ہے جس کا تعلق بنوتغلب سے ہے۔ یہ وہم ہے کیونکہ وہ اس وقت مدینہ میں نہیں تھے۔ اس سے مراد قبیلۂ خزرج کی ایک شاخ ہے جو انصار میں سے تھے۔ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ بھی اسی خاندان سے ہیں۔[1] ② راویٔ حدیث موسیٰ بن اسماعیل کی روایت کو امام بخاری رحمہ اللہ نے متصل سند سے بیان کیا ہے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنوقریظہ سے نمٹنے کے لیے روانہ ہوئے تھے۔[2] ③ چونکہ اس میں حضرت جبریل اور اس کے لشکر کا بیان ہے، اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث سے فرشتوں کے وجود پر دلیل لی ہے۔

٣٢١٥ - حَدَّثَنَا فَرْوَةُ: حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ

[3215] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت حارث بن ہشام رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے وحی کے متعلق سوال

① عمدة القاري: 10/576. ② صحيح البخاري، المغازي، حديث: 4118.

رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: أَنَّ الْحَارِثَ بْنَ هِشَامٍ سَأَلَ النَّبِيَّ ﷺ: كَيْفَ يَأْتِيكَ الْوَحْيُ؟ قَالَ: «كُلُّ ذَاكَ، يَأْتِينِي الْمَلَكُ أَحْيَانًا فِي مِثْلِ صَلْصَلَةِ الْجَرَسِ فَيَفْصِمُ عَنِّي وَقَدْ وَعَيْتُ مَا قَالَ، وَهُوَ أَشَدُّهُ عَلَيَّ، وَيَتَمَثَّلُ لِيَ الْمَلَكُ أَحْيَانًا رَجُلًا فَيُكَلِّمُنِي فَأَعِي مَا يَقُولُ». [راجع: ٢]

کیا کہ وہ کیسے آتی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ کئی طرح سے آتی ہے۔ ہر دفعہ فرشتہ آتا ہے۔ کبھی تو وہ گھنٹی بجنے کی طرح ہوتی ہے۔ جب وحی ختم ہوتی ہے تو جو کچھ فرشتے نے نازل کیا ہوتا ہے میں نے اسے پوری طرح یاد کر لیا ہوتا ہے۔ وحی کی یہ صورت میرے لیے انتہائی دشوار ہوتی ہے۔ اور کبھی میرے سامنے فرشتۂ وحی مرد کی صورت اختیار کر لیتا ہے اور وہ میرے ساتھ کلام کرتا ہے تو جو کچھ وہ کہتا ہے میں اسے یاد کر لیتا ہوں۔''

فوائد و مسائل: ① وحی کے لیے سامع اور قائل میں مناسبت کا ہونا ضروری ہے۔ اس کی دو صورتیں ہیں: (ا) سامع پر روحانیت کا غلبہ ہو اور وہ وصف قائل سے متصف ہو۔ یہ وحی کی پہلی قسم ہے۔ اس وحی کی آواز گھنٹی بجنے کی طرح ہوتی۔ اس قسم کے کلام کو سنبھالنا بہت دشوار ہوتا تھا۔ (ب) قائل، سامع کے وصف سے متصف ہو۔ اس قسم میں فرشتۂ وحی کسی انسان کی صورت میں آتا۔ اس صورت میں وحی کا سنبھالنا آسان ہوتا کیونکہ اس طرح کی گفتگو سے انسان مانوس ہوتا ہے۔ ② وحی کی ایک تیسری صورت خواب بھی ہے۔ چونکہ سوال بیداری کی حالت میں وحی سے متعلق تھا، اس لیے آپ نے تیسرے طریقے کو بیان نہیں کیا۔ ③ اس حدیث کے مطابق فرشتہ انسان کی صورت اختیار کرتا، اسی سے امام بخاری ؒ نے اپنا مدعا ثابت کیا ہے۔ واللہ أعلم.

٣٢١٦ - حَدَّثَنَا آدَمُ: حَدَّثَنَا شَيْبَانُ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: «مَنْ أَنْفَقَ زَوْجَيْنِ فِي سَبِيلِ اللهِ دَعَتْهُ خَزَنَةُ الْجَنَّةِ: أَيْ فُلُ، هَلُمَّ». فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ: ذَاكَ الَّذِي لَا تَوَى عَلَيْهِ. فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «أَرْجُو أَنْ تَكُونَ مِنْهُمْ». [راجع: ١٨٩٧]

[3216] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''جو شخص اللہ کی راہ میں کسی بھی چیز کا جوڑا خرچ کرے تو جنت کے پاسبان اسے ہر دروازے سے دعوت دیں گے کہ اے فلاں! اس دروازے سے اندر آ جاؤ۔'' حضرت ابوبکر ؓ نے عرض کیا: یہ تو وہ شخص ہوگا جسے کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''مجھے امید ہے کہ تم انھی میں سے ہو گے۔''

فوائد و مسائل: ① اللہ کی راہ میں جو چیزیں بھی خرچ کی جائیں وہ جوڑے کی شکل میں خرچ کرنا زیادہ بہتر ہے، مثلاً: دو کپڑے، دو چادریں، دو برتن اور دو قرآن مجید کسی کو دینا۔ اللہ کے ہاں یہ بہترین صدقہ ہے۔ ② یہاں فرشتوں کا اہل جنت کو بلانا، اس سے فرشتوں کے وجود کو ثابت کرنا مقصود ہے، نیز اس حدیث سے سیدنا ابوبکر ؓ کی فضیلت بھی ثابت ہوتی ہے۔

٣٢١٧ - حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا

[3217] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ

هِشَامٌ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لَهَا: «يَا عَائِشَةُ! هٰذَا جِبْرِيلُ يَقْرَأُ عَلَيْكِ السَّلَامَ». فَقَالَتْ: وَعَلَيْهِ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ، تَرٰى مَا لَا أَرٰى، تُرِيدُ النَّبِيَّ ﷺ. [انظر: ٣٧٦٨، ٦٢٠١، ٦٢٤٩، ٦٢٥٣]

نے ان سے فرمایا: ''اے عائشہ! یہ حضرت جبریل علیہ السلام ہیں اور تمھیں سلام کہتے ہیں۔'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب میں کہا: وَعَلَيْهِ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وبركاته. آپ وہ کچھ دیکھتے ہیں جو میں نہیں دیکھ سکتی۔ اس سے ان (حضرت عائشہ) کی مراد نبی ﷺ کی ذات گرامی تھی۔

فوائد ومسائل: ① حضرت جبریل علیہ السلام نے حضرت مریم علیہا السلام سے خطاب کیا تھا جبکہ سلام کہتے وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو براہ راست خطاب نہیں کیا کیونکہ حضرت مریم کا شوہر نہیں تھا، اس لیے ان سے براہ راست خطاب کیا، لیکن رسول اللہ ﷺ کے باعث حضرت جبریل علیہ السلام نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا احترام کیا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے جنت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا محل دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا احترام کیا تاکہ انھیں غیرت نہ آئے۔ ② اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اجنبی عورت کو سلام کہنا جائز ہے بشرطیکہ فتنے میں پڑنے کا اندیشہ نہ ہو۔ اس پرفتن دور میں اس سے بچنا ہی چاہیے۔ ③ اس حدیث میں حضرت جبریل علیہ السلام کے سلام کہنے کا ذکر ہے، اسی سے امام بخاری رحمہ اللہ نے قائم کردہ عنوان ثابت کیا ہے۔

٣٢١٨ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ: حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ ذَرٍّ؛ ح: قَالَ: وَحَدَّثَنَا يَحْيٰى: حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ عُمَرَ بْنِ ذَرٍّ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لِجِبْرِيلَ: «أَلَا تَزُورُنَا أَكْثَرَ مِمَّا تَزُورُنَا؟» قَالَ: فَنَزَلَتْ ﴿وَمَا نَتَنَزَّلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ لَهُ مَا بَيْنَ أَيْدِينَا وَمَا خَلْفَنَا﴾ الْآيَةَ [مريم: ٦٤]. [انظر: ٤٧٣١، ٧٤٥٥]

[3218] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے فرمایا: ''تم ہمارے پاس جتنا اب آتے ہو اس سے زیادہ مرتبہ کیوں نہیں آتے؟'' راوی کا بیان ہے کہ اس پر یہ آیت نازل ہوئی: ''ہم تو اس وقت آتے ہیں جب آپ کے پروردگار کا حکم ہوتا ہے۔ جو کچھ ہمارے سامنے یا پیچھے ہے سب اسی کا ہے......'' آخر آیت تک۔

فوائد ومسائل: ① قرآن کریم کے سیاق وسباق سے اس آیت کا کوئی مفہوم سمجھ میں نہیں آ سکتا۔ رسول اللہ ﷺ کی وضاحت سے یہ عقدہ حل ہوا کہ یہ حضرت جبریل علیہ السلام کا مقولہ ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ احادیث سے بالا قرآن فہمی کا دعویٰ کرنا ضلالت وگمراہی کے علاوہ کچھ نہیں۔ ② اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فرشتے ایک صاحب شعور مخلوق ہیں اور وہ اللہ کے حکم کے تابع ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے ان کا وجود ثابت کرنے کے لیے اس حدیث کو پیش کیا ہے۔

٣٢١٩ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ: حَدَّثَنِي

[3219] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی سے روایت ہے کہ

سُلَيْمَانُ عَنْ يُونُسَ ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «أَقْرَأَنِي جِبْرِيلُ عَلٰى حَرْفٍ فَلَمْ أَزَلْ أَسْتَزِيدُهُ حَتَّى انْتَهٰى عَلٰى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ». [انظر: ٤٩٩١]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ایک قراءت میں قرآن پڑھایا تھا۔ پھر میں ان سے مسلسل مزید قراءتوں کی خواہش کا اظہار کرتا رہا یہاں تک کہ معاملہ سات قراءتوں تک پہنچ گیا۔''

فوائد و مسائل: ① فن قراءت سے ناآشنا لوگ کہتے ہیں کہ قراءت سبعہ خاکم بدہن قراء حضرات کی ''بدمعاشی'' ہے۔ ہمارے نزدیک فن قراءت کے ساتھ یہ سنگین قسم کا مذاق ہے۔ اس سلسلے میں دو باتوں پر علماء کا اتفاق ہے۔ قرآن کریم کو حروف سبعہ سے پڑھنے کا یہ مطلب نہیں کہ قرآن کریم کے ہر لفظ کو سات طریقوں سے پڑھنا جائز ہے کیونکہ چند ایک کلمات کے علاوہ بیشتر کلمات اس اصول کے تحت نہیں آتے۔ سبعہ احرف سے مراد ان سات ائمہ کی قراءت ہرگز نہیں جو فن قراءت میں مشہور ہوئے ہیں کیونکہ پہلا پہلا شخص جس نے ان سات قراءتوں کو جمع کرنے کا اہتمام کیا وہ ابن مجاہد ہے جس کا تعلق چوتھی صدی ہجری سے ہے۔ ② واضح رہے کہ قرآن کریم میں کسی بھی قراءت کے مستند ہونے کے لیے درج ذیل قاعدہ ہے۔ جو قراءت قواعد عربیہ کے مطابق ہو اگرچہ وہ موافقت بوجہ ہو، مصاحف عثمانیہ میں سے کسی ایک کے مطابق ہو، خواہ یہ مطابقت احتمالاً ہو، نیز وہ متواتر سند سے ثابت ہو۔ اس اصول کے مطابق جو بھی قراءت ہوگی وہ قراءت صحیحہ اور ان احرف سبعہ میں سے ہے جن پر قرآن کریم نازل ہوا۔ مسلمانوں کو اس کا قبول کرنا واجب ہے اور اگر تینوں شرائط میں سے کسی میں خلل آ جائے تو وہ قراءت شاذ، ضعیف یا باطل ہوگی۔[1] حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم کے متن میں تمام قراءت متواترہ کی گنجائش موجود ہے۔ اہل علم جانتے ہیں کہ موجودہ مصاحف کے قرآنی الفاظ رسم عثمانی کے مطابق لکھے گئے ہیں۔ اس رسم الخط کی خوبی یہ ہے کہ اس میں تمام قراءت متواترہ کے پڑھنے کا امکان موجود ہے اور یہ ساری قراءات حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اطراف عالم میں بھیجے ہوئے نسخوں کے رسم الخط میں سما جاتی ہیں۔ ③ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث میں حضرت جبرئیل علیہ السلام اور ان کے مختلف کارناموں کو ثابت کیا ہے، خاص طور پر وحی لانے کے لیے بھی یہی فرشتہ مقرر ہے جیسا کہ متعدد آیات اور مختلف احادیث سے ثابت ہے۔ واللّٰہ أعلم.

٣٢٢٠ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ: أَخْبَرَنَا يُونُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: حَدَّثَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ أَجْوَدَ النَّاسِ، وَكَانَ أَجْوَدُ مَا يَكُونُ فِي

[3220] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ سب لوگوں سے زیادہ سخی تھے اور آپ بہت زیادہ سخاوت رمضان المبارک میں کرتے تھے جبکہ آپ سے حضرت جبرئیل علیہ السلام ملاقات کرتے تھے۔ اور وہ رمضان المبارک میں ہر رات آپ سے ملاقات کرتے اور

1 النشر: 9/1.

رَمَضَانَ حِينَ يَلْقَاهُ جِبْرِيلُ، وَكَانَ جِبْرِيلُ يَلْقَاهُ فِي كُلِّ لَيْلَةٍ مِّنْ رَّمَضَانَ فَيُدَارِسُهُ الْقُرْآنَ، فَإِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ حِينَ يَلْقَاهُ جِبْرِيلُ أَجْوَدُ بِالْخَيْرِ مِنَ الرِّيحِ الْمُرْسَلَةِ.

آپ سے قرآن کریم کا دور کیا کرتے تھے۔ اور جب حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ سے ملاقات کرتے تو آپ صدقہ وخیرات کرنے میں کھلی تیز ہوا (تیز آندھی) سے بھی زیادہ سخی ہو جاتے تھے۔

وَعَنْ عَبْدِ اللهِ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ نَحْوَهُ. وَرَوَى أَبُو هُرَيْرَةَ وَفَاطِمَةُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّ جِبْرِيلَ كَانَ يُعَارِضُهُ الْقُرْآنَ. [راجع: ٦]

حضرت معمر نے بھی اپنی سند سے اسی طرح بیان کیا ہے، نیز حضرت ابوہریرہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما نے نبی ﷺ سے بیان کیا ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ سے قرآن مجید کا دور کیا کرتے تھے۔

فوائد ومسائل: ① حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی روایت کو امام بخاری رحمہ اللہ نے متصل سند سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انھیں راز داری کے طور پر فرمایا: ''میرے ساتھ حضرت جبریل علیہ السلام ہر سال قرآن مجید کا دور کرتے تھے اور اس سال انھوں نے دو مرتبہ دور کیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ میری وفات کا وقت آ چکا ہے۔''[1] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے: جس سال رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی تو آپ کے ساتھ حضرت جبریل علیہ السلام نے دو مرتبہ دور کیا۔[2] ② اس حدیث سے امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد حضرت جبریل کے وجود اور ان کی کارکردگی کو ثابت کرنا ہے۔

٣٢٢١ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ: حَدَّثَنَا لَيْثٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ: أَنَّ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيزِ أَخَّرَ الْعَصْرَ شَيْئًا فَقَالَ لَهُ عُرْوَةُ: أَمَا إِنَّ جِبْرِيلَ قَدْ نَزَلَ فَصَلَّى أَمَامَ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالَ عُمَرُ: اِعْلَمْ مَا تَقُولُ يَا عُرْوَةُ! قَالَ: سَمِعْتُ بَشِيرَ بْنَ أَبِي مَسْعُودٍ يَقُولُ: سَمِعْتُ أَبَا مَسْعُودٍ يَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «نَزَلَ جِبْرِيلُ فَأَمَّنِي فَصَلَّيْتُ مَعَهُ، ثُمَّ صَلَّيْتُ مَعَهُ، ثُمَّ صَلَّيْتُ مَعَهُ، ثُمَّ صَلَّيْتُ مَعَهُ، ثُمَّ صَلَّيْتُ مَعَهُ» يَحْسُبُ بِأَصَابِعِهِ خَمْسَ صَلَوَاتٍ. [راجع: ٥٢١]

[3221] ابن شہاب زہری رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے ایک دن نماز عصر کچھ دیر سے پڑھائی تو حضرت عروہ بن زبیر نے ان سے کہا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے اور رسول اللہ ﷺ کے آگے کھڑے ہو کر انھیں نماز پڑھائی۔ اس پر حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے فرمایا: عروہ! آپ کو معلوم ہے کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ عروہ نے کہا: میں نے بشیر بن ابومسعود سے سنا، انھوں نے اپنے والد گرامی حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ سے سنا، انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ فرما رہے تھے: ''حضرت جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے، انھوں نے مجھے نماز پڑھائی اور میں نے ان کے ساتھ نماز پڑھی۔ پھر (دوسرے وقت) میں نے

① صحيح البخاري، المناقب، حديث: 3624. ② صحيح البخاري، فضائل القرآن، حديث: 4998.

ان کے ساتھ نماز ادا کی، پھر میں نے ان کی معیت میں نماز پڑھی، پھر میں نے ان کی اقتدا میں نماز پڑھی اور پھر ان کے ساتھ نماز ادا کی۔'' آپ نے اپنی انگلیوں پر پانچوں نمازوں کو گن کر بتایا۔

فوائد و مسائل: ① حضرت عروہ بن زبیر نے جناب عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کو نماز عصر کی تاخیر پر ٹوکا اور حدیث بطور دلیل پیش فرمائی، پھر حضرت عمر بن عبدالعزیز کے استفسار پر حدیث کی سند بیان کر دی، جسے سن کر حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کو کامل یقین حاصل ہو گیا۔ ② اس حدیث سے نماز عصر کا اول وقت میں پڑھنا ثابت ہوا جیسا کہ جماعت اہل حدیث کا معمول ہے۔ اس سے اوقات نماز کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کو ان اوقات کی عملی تعلیم دینے کے لیے خود تشریف لائے اور اول و آخر دونوں وقتوں میں پانچوں نمازیں پڑھ کر تعلیم دی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کو اس امر پر تعجب ہوا کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے رسول اللہ ﷺ کی امامت کرائی تھی۔ اس پر جناب عروہ نے سند کے ساتھ حدیث بیان کر دی۔[1] ③ حضرت ابومسعود کا نام عقبہ بن عمرو انصاری ہے جو زید بن حسن کے دادا اور غزوۂ بدر میں شریک ہوئے تھے۔[2] ④ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث سے حضرت جبریل علیہ السلام کا وجود اور ان کی کارکردگی ثابت کی ہے۔ والله أعلم.

٣٢٢٢ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ حَبِيبِ بْنِ أَبِي ثَابِتٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ وَهْبٍ، عَنْ أَبِي ذَرٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «قَالَ لِي جِبْرِيلُ: مَنْ مَاتَ مِنْ أُمَّتِكَ لَا يُشْرِكُ بِاللهِ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ، أَوْ لَمْ يَدْخُلِ النَّارَ». قَالَ: وَإِنْ زَنٰى وَإِنْ سَرَقَ؟ قَالَ: «وَإِنْ». [راجع: ١٢٣٧]

[3222] حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''مجھے حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا ہے: آپ کی امت کا جو فرد اس حالت میں فوت ہو کہ اس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا ہو تو وہ ضرور جنت میں داخل ہو گا یا (فرمایا کہ) وہ جہنم میں داخل نہیں ہو گا۔'' حضرت ابوذر نے کہا: اگرچہ اس نے زنا اور چوری کا ارتکاب کیا ہو؟ آپ نے فرمایا: ''خواہ وہ چوری اور زنا کا مرتکب ہی کیوں نہ ہو۔''

فوائد و مسائل: ① مشرک کے لیے اللہ تعالیٰ نے جنت حرام کر دی ہے۔ اس کے برعکس جس شخص نے شرک کا ارتکاب نہ کیا ہو وہ بہر حال جنت میں ضرور جائے گا، خواہ اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف کر کے پہلے ہی مرحلے میں اسے جنت میں داخل کر دے یا وہ اپنے گناہوں کی سزا بھگت کر بالآخر جنت میں پہنچ جائے۔ بہر حال ایسا شخص جہنم میں ہمیشہ نہیں رہے گا۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث سے حضرت جبریل علیہ السلام کے وجود کو ثابت کیا ہے اور ان کی کارکردگی بیان کی ہے۔ والله أعلم.

---

[1] صحیح البخاري، المواقيت، حديث: 521. [2] صحیح البخاري، المغازي، حديث: 4007.

٣٢٢٣ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ: حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: «اَلْمَلَائِكَةُ يَتَعَاقَبُونَ: مَلَائِكَةٌ بِاللَّيْلِ، وَمَلَائِكَةٌ بِالنَّهَارِ، وَيَجْتَمِعُونَ فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ وَفِي صَلَاةِ الْعَصْرِ، ثُمَّ يَعْرُجُ إِلَيْهِ الَّذِينَ بَاتُوا فِيكُمْ، فَيَسْأَلُهُمْ وَهُوَ أَعْلَمُ: كَيْفَ تَرَكْتُمْ عِبَادِي؟ فَقَالُوا: تَرَكْنَاهُمْ يُصَلُّونَ وَأَتَيْنَاهُمْ يُصَلُّونَ».

[راجع: ٥٥٥]

[3223] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''فرشتے لگاتار ایک دوسرے کے بعد آتے جاتے ہیں۔ کچھ فرشتے رات کو آتے ہیں اور کچھ دن کے وقت اترتے ہیں۔ یہ سب نماز فجر اور نماز عصر میں جمع ہو جاتے ہیں۔ پھر جو فرشتے تم میں رات بھر رہتے ہیں وہ اللہ کے حضور جاتے ہیں تو اللہ ان سے پوچھتا ہے، حالانکہ وہ سب کچھ جانتا ہے: تم نے میرے بندوں کو کس حالت پر چھوڑا؟ وہ عرض کرتے ہیں: ہم نے ان کو (فجر کی) نماز پڑھتے ہوئے چھوڑا ہے اور جب ہم ان کے پاس گئے تھے تب بھی وہ نماز (عصر) پڑھ رہے تھے۔''

فوائد ومسائل: ① فرشتے اپنی ڈیوٹی ادا کرنے کے لیے یکے بعد دیگرے آتے جاتے ہیں۔ ایک گروہ آتا ہے تو دوسرا چلا جاتا ہے۔ ② ان تمام احادیث سے امام بخاری رحمہ اللہ کی غرض فرشتوں کا وجود ثابت کرنا ہے جن پر ایمان لانا ارکان ایمان میں سے ہے۔ فرشتوں میں حضرت جبریل، حضرت میکائیل اور حضرت اسرافیل علیہم السلام زیادہ مشہور ہیں۔ باقی تعداد میں اتنے ہیں کہ انھیں اللہ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ وہ سب اللہ کے عاجز بندے اور اس کے اطاعت گزار ہیں۔ وہ اللہ کی اجازت کے بغیر دم بھی نہیں مار سکتے اور نہ وہ کسی کے لیے نفع ونقصان ہی کے مالک ہیں۔ وہ شب و روز اللہ کی اطاعت اور اس کی عبادت میں مصروف ہیں۔ یہی ان کا کام اور اوڑھنا بچھونا ہے۔

(٧) بَابٌ: إِذَا قَالَ أَحَدُكُمْ: آمِينَ وَالْمَلَائِكَةُ فِي السَّمَاءِ فَوَافَقَتْ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَى غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ

باب: 7- اس حدیث کے بیان میں کہ جب تم میں سے کوئی آمین کہتا ہے تو فرشتے بھی آسمان میں آمین کہتے ہیں۔ جب اس طرح دونوں کی زبان سے ایک ساتھ آمین نکلتی ہے تو بندے کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ نے اس عنوان سے اس حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے جس میں باآواز بلند آمین کہنے کی فضیلت آئی ہے، چنانچہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی آمین کہتا ہے تو فرشتے آسمان میں آمین کہتے ہیں۔ اس طرح جب دونوں کی آمین ہم آہنگ ہو جائے تو بندے کے سابقہ گناہ معاف ہو جاتے

ہیں۔"[1] امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث پر آمین کی فضیلت کا عنوان قائم کیا ہے۔[2] اس کے متعلق آپ نے دو مزید عنوان قائم کیے ہیں: ایک امام کا بآواز بلند آمین کہنا اور دوسرا مقتدی کا بآواز بلند آمین کہنا۔ یہاں امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث سے فرشتوں کا وجود اور ان کا کلام ثابت کیا ہے جیسا کہ سلسلۂ احادیث سے واضح ہے لیکن یہ نمایاں عنوان صرف آمین بالجہر کی اہمیت بتانے کے لیے قائم کیا ہے کیونکہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ایک حدیث میں ہے: "یہودیوں کو سب سے زیادہ غصہ تمھارے آمین کہنے سے آتا ہے۔"[3] ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں اتنا اضافہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تم کثرت سے آمین کہا کرو۔"[4] امام بخاری رحمہ اللہ کی عنوان بندی کے متعلق عادت ہے کہ سلسلۂ احادیث میں اگر کوئی حدیث ایسی ہو جس سے عنوان کے علاوہ کوئی دوسرا اہم مسئلہ ثابت ہوتا ہو تو اس پر ایک اضافی عنوان قائم کر دیتے ہیں۔ اس بنا پر علامہ عینی کا اس عنوان کو غیر متعلق قرار دینا محل نظر ہے۔ واللہ أعلم.

٣٢٢٤ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ: أَخْبَرَنَا مَخْلَدٌ: أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ أُمَيَّةَ: أَنَّ نَافِعًا حَدَّثَهُ: أَنَّ الْقَاسِمَ بْنَ مُحَمَّدٍ حَدَّثَهُ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: حَشَوْتُ لِلنَّبِيِّ ﷺ وِسَادَةً فِيهَا تَمَاثِيلُ كَأَنَّهَا نُمْرُقَةٌ، فَجَاءَ فَقَامَ بَيْنَ النَّاسِ وَجَعَلَ يَتَغَيَّرُ وَجْهُهُ، فَقُلْتُ: مَا لَنَا يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: «مَا بَالُ هٰذِهِ الْوِسَادَةِ؟» قُلْتُ: وِسَادَةٌ جَعَلْتُهَا لَكَ لِتَضْطَجِعَ عَلَيْهَا، قَالَ: «أَمَا عَلِمْتِ أَنَّ الْمَلَائِكَةَ لَا تَدْخُلُ بَيْتًا فِيهِ صُورَةٌ، وَأَنَّ مَنْ صَنَعَ الصُّورَةَ يُعَذَّبُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيَقُولُ: أَحْيُوا مَا خَلَقْتُمْ».

[راجع: ٢١٠٥]

[3224] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے نبی ﷺ کے لیے ایک تکیہ تیار کیا جس پر تصویریں بنی ہوئی تھیں گویا وہ منقش تکیہ تھا۔ آپ ﷺ تشریف لائے تو لوگوں کے درمیان کھڑے ہو گئے اور آپ کے چہرۂ انور کا رنگ تبدیل ہونے لگا: میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! ہم سے کیا غلطی ہوئی ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "یہ تکیہ کیسا ہے؟" میں نے عرض کیا: یہ تکیہ آپ کے لیے میں نے تیار کیا ہے تاکہ آپ اس پر آرام فرمایا کریں۔ آپ نے فرمایا: "کیا تمھیں معلوم نہیں کہ جس گھر میں تصویر ہو اس گھر میں فرشتے نہیں آتے۔ اور جو تصویر بنائے اسے قیامت کے دن عذاب دیا جائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ اس سے کہے گا: جو تصویر تم نے بنائی ہے اسے زندہ کر کے دکھاؤ۔"

٣٢٢٥ - حَدَّثَنَا ابْنُ مُقَاتِلٍ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، أَنَّهُ سَمِعَ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا

[3225] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ کہتے تھے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ نے فرمایا: "فرشتے اس گھر

1 صحيح البخاري، الأذان، حديث : 781. 2 صحيح البخاري، الأذان، باب : 112. 3 سنن ابن ماجه، إقامة الصلوات، حديث : 856. 4 سنن ابن ماجه، إقامة الصلوات، حديث : 857.

يَقُولُ: سَمِعْتُ أَبَا طَلْحَةَ يَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «لَا تَدْخُلُ الْمَلَائِكَةُ بَيْتًا فِيهِ كَلْبٌ وَّلَا صُورَةُ تَمَاثِيلَ». [انظر: ٣٢٢٦، ٣٣٢٢، ٤٠٠٢، ٥٩٤٩، ٥٩٥٨]

میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا ہو اور اس میں بھی نہیں جاتے جس میں تصویر ہو۔"

٣٢٢٦ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ: حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ: أَخْبَرَنَا عَمْرٌو: أَنَّ بُكَيْرَ بْنَ الْأَشَجِّ حَدَّثَهُ: أَنَّ بُسْرَ بْنَ سَعِيدٍ حَدَّثَهُ: أَنَّ زَيْدَ بْنَ خَالِدٍ الْجُهَنِيَّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ حَدَّثَهُ - وَمَعَ بُسْرِ بْنِ سَعِيدٍ عُبَيْدُ اللهِ الْخَوْلَانِيُّ الَّذِي كَانَ فِي حِجْرِ مَيْمُونَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ - حَدَّثَهُمَا زَيْدُ ابْنُ خَالِدٍ: أَنَّ أَبَا طَلْحَةَ حَدَّثَهُ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «لَا تَدْخُلُ الْمَلَائِكَةُ بَيْتًا فِيهِ صُورَةٌ». قَالَ بُسْرٌ: فَمَرِضَ زَيْدُ بْنُ خَالِدٍ فَعُدْنَاهُ فَإِذَا نَحْنُ فِي بَيْتِهِ بِسِتْرٍ فِيهِ تَصَاوِيرُ. فَقُلْتُ لِعُبَيْدِ اللهِ الْخَوْلَانِيِّ: أَلَمْ يُحَدِّثْنَا فِي التَّصَاوِيرِ؟ فَقَالَ: إِنَّهُ قَالَ: «إِلَّا رَقْمٌ فِي ثَوْبٍ»، أَلَا سَمِعْتَهُ؟ قُلْتُ: لَا، قَالَ: بَلَى قَدْ ذَكَرَ. [راجع: ٣٢٢٥]

[3226] بسر بن سعید اور عبیداللہ خولانی، جو نبی ﷺ کی زوجۂ محترمہ حضرت میمونہ ؓ کے زیر تربیت تھے، ان دونوں سے حضرت زید بن خالد ؓ نے بیان کیا، انھیں حضرت ابوطلحہ نے خبر دی کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "فرشتے اس گھر میں نہیں جاتے جس میں کسی جاندار کی تصویر ہو۔" بسر بن سعید نے کہا کہ ایک دفعہ حضرت زید بن خالد ؓ بیمار ہو گئے تو ہم ان کی تیمارداری کے لیے گئے۔ ہم نے ان کے گھر میں ایک پردہ دیکھا جس میں تصویریں تھیں۔ میں نے عبیداللہ خولانی سے کہا: کیا انھوں نے ہمیں تصاویر کے متعلق خبر نہیں دی تھی؟ عبیداللہ نے جواب دیا کہ انھوں نے کہا تھا کپڑے کے نقوش اس سے مستثنیٰ ہیں۔ کیا تم نے یہ الفاظ نہیں سنے تھے؟ میں نے کہا: نہیں۔ انھوں نے بتایا: کیوں نہیں، انھوں نے یہ بھی بیان کیا تھا۔

٣٢٢٧ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمَانَ قَالَ: حَدَّثَنِي ابْنُ وَهْبٍ قَالَ: حَدَّثَنِي عَمْرٌو عَنْ سَالِمٍ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: وَعَدَ النَّبِيَّ ﷺ جِبْرِيلُ فَقَالَ: «إِنَّا لَا نَدْخُلُ بَيْتًا فِيهِ صُورَةٌ وَّلَا كَلْبٌ». [انظر: ٥٩٦٠]

[3227] حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ سے جبریل ؑ نے آنے کا وعدہ کیا پھر (وہ نہ آئے تو نبی ﷺ نے وجہ پوچھی) انھوں بتایا: "ہم اس گھر میں نہیں جاتے جس میں تصویر یا کتا ہو۔"

فوائد و مسائل: ① فرشتوں کے متعلق کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ یہ نفوس مجردہ ہیں جن میں عقل و شعور اور ادراک و احساس نہیں ہوتا۔ یہ موقف جمہور اہل سنت کی رائے کے مخالف ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ فرشتے اجسام لطیفہ رکھتے ہیں اور مختلف شکلیں اختیار کر سکتے ہیں۔ ان کا مسکن آسمانوں میں ہے اور وہ کبھی اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے بلکہ ہر وقت وہ اللہ کی عبادت اور اس کی

اطاعت میں مصروف رہتے ہیں۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ نے ان احادیث سے جمہور اہل سنت کی تائید کی ہے کہ وہ روحانی مخلوق ہیں۔ اپنی روحانیت کے مطابق کارنامے سرانجام دیتے ہیں۔ انھیں شعور و ادراک حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انھیں گناہ کے کاموں سے نفرت ہوتی ہے۔ جاندار کی تصویر بنانا بھی اللہ کے ہاں معصیت ہے، اس لیے جس گھر میں تصاویر ہوں اس میں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے۔ نیکی اور بدی سے وہ متاثر ہوتے ہیں، نیکی دیکھ کر خوش اور بدی دیکھ کر ناخوش ہوتے ہیں جیسا کہ ان احادیث سے ثابت ہوتا ہے۔ تصاویر کے متعلق ہم اپنا موقف آئندہ بیان کریں گے۔ إن شاء الله.

٣٢٢٨ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ سُمَيٍّ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «إِذَا قَالَ الْإِمَامُ سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، فَقُولُوا: اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ، فَإِنَّهُ مَنْ وَّافَقَ قَوْلُهُ قَوْلَ الْمَلَائِكَةِ، غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ». [راجع: ٧٩٦]

[3228] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب امام سمع الله لمن حمده کہے تو تم اللّٰهم ربنا لك الحمد کہو کیونکہ جس کا کلام فرشتوں کے کلام سے ہم آہنگ ہو جائے، اس کے سابقہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔“

فوائد و مسائل: ① اس حدیث کا یہ مطلب قطعاً نہیں کہ مقتدی کو سمع الله لمن حمده نہیں کہنا چاہیے بلکہ امام کی اتباع کا تقاضا ہے کہ مذکورہ ذکر امام کے ساتھ ہونا چاہیے جیسا کہ آمین امام کے ساتھ کہی جاتی ہے۔ نماز میں امام کی متابعت کی جاتی ہے، مخالفت اور مسابقت سخت منع ہے۔ امام سے موافقت صرف دو امور میں ہے: ایک آمین کہنے میں اور دوسرے سمع الله لمن حمده کہنے میں۔ اس موافقت کی فضیلت یہ ہے کہ اس سے سابقہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد فرشتوں کا وجود اور ان کی کارکردگی ثابت کرنا ہے۔ والله أعلم.

٣٢٢٩ - حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ: حَدَّثَنَا ابْنُ فُلَيْحٍ: حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ هِلَالِ بْنِ عَلِيٍّ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي عَمْرَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «أَحَدُكُمْ فِي صَلَاةٍ مَّا دَامَتِ الصَّلَاةُ تَحْبِسُهُ، وَالْمَلَائِكَةُ تَقُولُ: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُ وَارْحَمْهُ، مَا لَمْ يَقُمْ مِّنْ صَلَاتِهِ أَوْ يُحْدِثْ». [راجع: ١٧٦]

[3229] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ”جو شخص نماز کی وجہ سے کہیں ٹھہرا رہے تو سارا وقت نماز ہی میں شمار ہوتا ہے اور فرشتے اس کے لیے دعا کرتے ہیں: اے اللہ! اس کی مغفرت فرما اور اس پر رحم فرما۔ یہ سلسلہ جاری رہتا ہے جب تک وہ نماز سے فارغ نہ ہو یا بے وضو نہ ہو۔“

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فرشتے نیکی کے کام دیکھ کر متاثر ہوتے ہیں اور خوش ہو کر نیکی کرنے والے

کو ڈھیروں دعائیں دیتے ہیں۔ جب نیکی کا سلسلہ ختم ہو جائے تو ساتھ ہی ان کی دعاؤں کا سلسلہ بھی موقوف ہو جاتا ہے۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ بھی یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ فرشتے ایسی مخلوق نہیں جنھیں ادراک و شعور نہ ہو بلکہ وہ صاحب شعور مخلوق ہیں۔

٣٢٣٠ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرٍو، عَنْ عَطَاءٍ، عَنْ صَفْوَانَ بْنِ يَعْلَى، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقْرَأُ عَلَى الْمِنْبَرِ: ﴿وَنَادَوْا يَـٰمَـٰلِكُ﴾ [الزخرف: ٧٧] قَالَ سُفْيَانُ: فِي قِرَاءَةِ عَبْدِ اللهِ: (وَنَادَوْا يَا مَالِ).

[انظر: ٣٢٦٦، ٤٨١٩]

[3230] حضرت یعلی بن امیہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے نبی ﷺ کو منبر پر یہ آیت پڑھتے ہوئے سنا ہے: ”وہ پکاریں گے: اے مالک! (تیرا پروردگار ہمارا کام تمام کر دے تو اچھا ہے)۔“

(راویٔ حدیث) سفیان نے کہا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت میں یوں ہے: (وَنَادَوْا يَا مَالِ)

فوائد ومسائل: ① جسے آواز دی جائے اسے منادی کہتے ہیں۔ منادی کے آخری حرف کو حذف کرنا ترخیم کہلاتا ہے۔ ترخیم کے بعد منادی کے اعراب کی دو صورتیں ہیں: اس کی ذاتی حرکت ہی کو مستقل کر دیا جائے اور دوسری یہ ہے کہ آخری حرف کو مستقل قرار دے کر اس پر رفع پڑھا جائے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے لفظ مالک کو ترخیم سے پڑھا ہے۔ اب اس لفظ کو پڑھنے کی تین صورتیں ہیں: ○ یامالك (رفع کے ساتھ) ○ یامال (زیر کے ساتھ) ○ یامالُ (پیش کے ساتھ)۔ یہ اختلاف اعراب کی حد تک ہے، معنی میں کوئی تبدیلی نہیں آتی۔ ② واضح رہے کہ مالک وہ فرشتہ ہے جو دوزخ کی جنرل نگرانی کے لیے تعینات ہے۔ ③ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث سے بھی فرشتوں کا وجود ثابت کیا ہے۔

٣٢٣١ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ: حَدَّثَنِي عُرْوَةُ: أَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا حَدَّثَتْهُ: أَنَّهَا قَالَتْ لِلنَّبِيِّ ﷺ: هَلْ أَتَى عَلَيْكُمْ يَوْمٌ كَانَ أَشَدَّ مِنْ يَوْمِ أُحُدٍ؟ قَالَ: «لَقَدْ لَقِيتُ مِنْ قَوْمِكِ مَا لَقِيتُ، وَكَانَ أَشَدُّ مَا لَقِيتُ مِنْهُمْ يَوْمَ الْعَقَبَةِ إِذْ عَرَضْتُ نَفْسِي عَلَى ابْنِ عَبْدِ يَالِيلَ بْنِ عَبْدِ كُلَالٍ فَلَمْ يُجِبْنِي إِلَى مَا أَرَدْتُ، فَانْطَلَقْتُ وَأَنَا مَهْمُومٌ عَلَى وَجْهِي فَلَمْ أَسْتَفِقْ إِلَّا وَأَنَا بِقَرْنِ الثَّعَالِبِ، فَرَفَعْتُ رَأْسِي، فَإِذَا أَنَا بِسَحَابَةٍ قَدْ أَظَلَّتْنِي، فَنَظَرْتُ فَإِذَا فِيهَا

[3231] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے نبی ﷺ سے عرض کیا: کیا آپ پر اُحد کے دن سے سخت دن بھی کبھی آیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ”میں نے تمھاری قوم کی طرف سے سخت تکالیف کا سامنا کیا ہے اور لوگوں سے سخت تکلیف جو میں نے اٹھائی وہ عقبہ کے دن تھی۔ جب میں نے خود کو ابن عبد یالیل بن عبد کلال کے سامنے پیش کیا تو اس نے میری خواہش کے مطابق جواب نہ دیا۔ میں رنجیدہ منہ چلتا ہوا وہاں سے لوٹا۔ (مجھے ہوش نہیں تھا کہ کدھر جا رہا ہوں؟) جب قرن ثعالب پہنچا تو ذرا ہوش آیا۔ میں نے اوپر سر اٹھایا تو دیکھا کہ بادل کے ایک ٹکڑے نے مجھ پر سایہ کر دیا ہے۔ پھر میں نے دیکھا کہ اس میں حضرت جبرئیل

جِبْرِيلُ، فَنَادَانِي فَقَالَ: إِنَّ اللهَ قَدْ سَمِعَ قَوْلَ قَوْمِكَ لَكَ وَمَا رَدُّوا عَلَيْكَ، وَقَدْ بَعَثَ اللهُ إِلَيْكَ مَلَكَ الْجِبَالِ لِتَأْمُرَهُ بِمَا شِئْتَ فِيهِمْ، فَنَادَانِي مَلَكُ الْجِبَالِ فَسَلَّمَ عَلَيَّ ثُمَّ قَالَ: يَا مُحَمَّدُ! فَقَالَ: ذٰلِكَ فِيمَا شِئْتَ إِنْ شِئْتَ أَنْ أُطْبِقَ عَلَيْهِمُ الْأَخْشَبَيْنِ»، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «بَلْ أَرْجُو أَنْ يُخْرِجَ اللهُ مِنْ أَصْلَابِهِمْ مَنْ يَعْبُدُ اللهَ وَحْدَهُ لَا يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا». [انظر: ٧٣٨٩]

علیہ السلام موجود ہیں۔ انھوں نے مجھے آواز دی کہ اللہ تعالیٰ نے وہ جواب سن لیا ہے جو آپ کی قوم نے آپ کو دیا ہے اور اس نے آپ کے پاس پہاڑوں کے فرشتے کو بھیجا ہے۔ آپ اسے کافروں کے متعلق جو چاہیں حکم دیں؟ پھر مجھے پہاڑوں کے فرشتے نے آواز دی اور سلام کیا۔ پھر اس نے کہا: اے محمد! آپ جو چاہیں (میں تعمیل حکم کے لیے حاضر ہوں۔) اگر آپ چاہیں تو مکہ کے دونوں جانب جو پہاڑ ہیں ان پر رکھ دوں۔'' نبی ﷺ نے فرمایا: ''(نہیں) بلکہ میں امید رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی نسل سے ایسے لوگ پیدا کرے گا جو صرف اللہ وحدہ کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔''

فوائد و مسائل: ① یہ واقعہ نبوت کے دسویں سال پیش آیا جب حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا اور جناب ابوطالب فوت ہو چکے تھے اور کفار کی ایذا رسانی میں شدت آ گئی تھی۔ آپ اس امید پر طائف تشریف لے گئے کہ وہاں کچھ سہارا ملے گا۔ آپ وہاں قبیلۂ ثقیف کے تین سرداروں کے پاس گئے اور اپنی قوم کے مظالم کی ان سے شکایت کی تو انھوں نے آپ کی مدد کرنے کی بجائے آپ سے سخت رویہ اختیار کیا جس سے آپ کو شدید دھچکا لگا۔ آپ وہاں دس روز ٹھہرے۔ ② عقبہ، منیٰ کے میدان میں ایک وادی کا نام ہے۔ اسی طرح قرن ثعالب بھی مکہ سے دو مراحل پر واقع ہے۔ طائف میں سرداروں نے آپ سے بدتمیزی کی اور اوباش لڑکوں کو آپ کے پیچھے لگا دیا۔ انھوں نے آپ کو پتھر مارے۔ ایک پتھر آپ کی ایڑی پر لگا جس سے آپ زخمی ہو گئے۔ اس قدر ستائے جانے کے باوجود آپ نے ان کے لیے دعائے خیر کی جو اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول ہوئی۔ ③ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث سے فرشتوں کا وجود اور ان کی کارکردگی ثابت کی ہے۔

٣٢٣٢ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ: حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحَاقَ الشَّيْبَانِيُّ قَالَ: سَأَلْتُ زِرَّ ابْنَ حُبَيْشٍ عَنْ قَوْلِ اللهِ تَعَالَى: ﴿فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ ○ فَأَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ مَا أَوْحَىٰ﴾ [النجم: ٩، ١٠] قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ مَسْعُودٍ: أَنَّهُ رَأَى جِبْرِيلَ لَهُ سِتُّمِائَةِ جَنَاحٍ. [انظر: ٤٨٥٦، ٤٨٥٧]

[3232] حضرت ابواسحاق شیبانی رحمہ اللہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے زر بن حبیش سے اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی: ''وہ دو کمانوں کے فاصلے پر بلکہ اس سے بھی قریب تر ہو گیا۔ پھر اس نے وحی کی اس (اللہ کے) بندے کی طرف جو وحی کی۔'' کی تفسیر پوچھی تو انھوں نے کہا: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ آپ ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو (ان کی اصلی صورت میں) دیکھا

تھا ان کے چھ سو پَر تھے۔

٣٢٣٣ - حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَلْقَمَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: ﴿لَقَدْ رَأَىٰ مِنْ ءَايَٰتِ رَبِّهِ ٱلْكُبْرَىٰٓ﴾ [النجم:١٨] قَالَ: رَأَى رَفْرَفًا أَخْضَرَ سَدَّ أُفُقَ السَّمَاءِ. [انظر: ٤٨٥٨]

[3233] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی: ''بلاشبہ اس (رسول اللہ) نے اپنے رب کی بعض بہت بڑی نشانیاں دیکھیں۔'' کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ ﷺ نے ایک سبز قالین دیکھا تھا، جس نے آسمان کے کناروں کو ڈھانپ لیا تھا۔

٣٢٣٤ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ الْأَنْصَارِيُّ عَنِ ابْنِ عَوْنٍ: أَنْبَأَنَا الْقَاسِمُ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: مَنْ زَعَمَ أَنَّ مُحَمَّدًا رَأَى رَبَّهُ فَقَدْ أَعْظَمَ، وَلٰكِنْ قَدْ رَأَى جِبْرِيلَ فِي صُورَتِهِ وَخَلْقِهِ سَادًّا مَّا بَيْنَ الْأُفُقِ.
[انظر: ٣٢٣٥، ٤٦١٢، ٤٨٥٥، ٧٣٨٠، ٧٥٣١]

[3234] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: جو شخص دعویٰ کرتا ہے کہ محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا تو اس نے بہت بڑی (جھوٹی) بات کی جبکہ آپ نے تو حضرت جبریل علیہ السلام کو ان کی اصلی پیدائشی شکل وصورت میں اس حالت میں دیکھا کہ انھوں نے آسمان کے کناروں کو بھر دیا تھا۔

٣٢٣٥ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ: حَدَّثَنَا زَكَرِيَّا بْنُ أَبِي زَائِدَةَ عَنِ ابْنِ أَشْوَعَ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ مَسْرُوقٍ، قَالَ: قُلْتُ لِعَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: فَأَيْنَ قَوْلُهُ: ﴿ثُمَّ دَنَا فَتَدَلَّىٰ ○ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ﴾ [النجم:٨، ٩] قَالَتْ: ذَاكَ جِبْرِيلُ، كَانَ يَأْتِيهِ فِي صُورَةِ الرَّجُلِ وَإِنَّمَا أَتَى هٰذِهِ الْمَرَّةَ فِي صُورَتِهِ الَّتِي هِيَ صُورَتُهُ فَسَدَّ الْأُفُقَ. [راجع: ٣٢٣٤]

[3235] حضرت مسروق سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے عرض کیا: اس آیت کریمہ کے کیا معنی ہیں؟ ''پھر وہ نزدیک ہوا اور اتر آیا۔ پھر وہ دو کمانوں کے فاصلے پر بلکہ اس سے بھی قریب تر ہو گیا۔'' حضرت ام المومنین صدیقہ کائنات رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اس سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام ہیں جو آپ کے پاس کسی انسان کی شکل میں آیا کرتے تھے تو اس دفعہ وہ اپنی اصلی صورت میں سامنے آئے اور انھوں نے تمام کنارے ڈھانپ رکھے تھے۔

فوائد ومسائل: ① ان تمام احادیث کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو ان کی اصل شکل وصورت میں دیکھا۔ انھوں نے آسمانوں کے کنارے بھر دیے تھے۔ ان کے چھ سو پَر تھے اور ان کے دو پروں کے درمیان اتنا فاصلہ تھا جتنا مشرق اور مغرب کے درمیان ہے۔ سنن نسائی کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بہت وسیع وعریض سبز قالین پر

حضرت جبریل کو بیٹھے دیکھا تھا۔[1] اکثر اوقات وہ حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ اور کسی اعرابی کی شکل میں آیا کرتے تھے۔ صرف دو مرتبہ اپنی اصلی شکل میں سامنے آئے: ایک بار فضائے آسمان سے اترے اور دوسری مرتبہ سدرۃ المنتہیٰ پر ظاہر ہوئے۔ صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ تو ایک نور ہے میں اسے کیسے دیکھ سکتا ہوں؟''[2] اس سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے موقف کی تائید ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے رب کو کھلی آنکھ سے نہیں دیکھا۔ اس کے متعلق مکمل بحث ہم آئندہ کریں گے۔ إن شاء اللہ. ② ان احادیث سے مقصود صرف فرشتوں کا وجود ثابت کرنا ہے، نیز اللہ تعالیٰ نے انھیں یہ سہولت دی ہے کہ وہ انسانی شکل وصورت بھی اختیار کر سکتے ہیں۔ واللہ أعلم.

٣٢٣٦ - حَدَّثَنَا مُوسٰى: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ: حَدَّثَنَا أَبُو رَجَاءٍ عَنْ سَمُرَةَ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «رَأَيْتُ اللَّيْلَةَ رَجُلَيْنِ أَتَيَانِي، فَقَالَا: اَلَّذِي يُوقِدُ النَّارَ مَالِكٌ خَازِنُ النَّارِ، وَأَنَا جِبْرِيلُ، وَهٰذَا مِيكَائِيلُ». [راجع: ٨٤٥]

[3236] حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''میں نے آج رات دو آدمی دیکھے جو میرے پاس آئے۔ انھوں نے (مجھ سے) کہا: جو شخص آگ روشن کر رہا تھا وہ مالک، جہنم کا داروغہ تھا۔ میں جبرئیل ہوں اور یہ حضرت میکائیل ہیں۔''

فوائد ومسائل: ① مذکورہ حدیث ایک طویل حدیث کا آخری حصہ ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے بحالت خواب مختلف جرائم پیشہ لوگوں کو سنگین سزاؤں سے دوچار ہوتے دیکھا۔ اس خواب میں آپ نے ایک آدمی کو آگ روشن کرتے دیکھا۔ اس حدیث میں اس آدمی کے متعلق نشاندہی کی گئی کہ وہ جہنم کا نگران (مالک) فرشتہ ہے۔ اس خواب کا آغاز اس طرح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میرے پاس دو آدمی آئے۔ وہ میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے ارض مقدس لے گئے۔'' اس حدیث میں بتایا گیا ہے کہ وہ دو آدمی حضرت جبریل اور حضرت میکائیل علیہما السلام تھے۔ اس طویل حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب الجنائز (حدیث: 1386) میں بیان کیا ہے۔ ② اس مقام پر یہ بتانا مقصود ہے کہ فرشتے اپنا وجود رکھتے ہیں اور وہ اللہ کی مخلوق ہیں جنھیں مختلف صورتیں اختیار کر لینے کی سہولت ہے۔ اس سے ان لوگوں کی تردید ہوتی ہے جو فرشتوں کو ''عقول مجردہ'' سے تعبیر کرتے ہیں۔

٣٢٣٧ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِذَا دَعَا الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ إِلٰى فِرَاشِهِ فَأَبَتْ فَبَاتَ غَضْبَانَ عَلَيْهَا، لَعَنَتْهَا الْمَلَائِكَةُ حَتّٰى تُصْبِحَ».

[3237] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب کوئی مرد اپنی بیوی کو اپنے بستر پر بلائے اور وہ نہ آئے جس کی وجہ سے خاوند رات بھر اس سے ناراض رہے تو فرشتے اس عورت پر صبح تک لعنت کرتے رہتے ہیں۔''

تَابَعَهُ شُعْبَةُ وَأَبُو حَمْزَةَ، وَابْنُ دَاوُدَ وَأَبُو

شعبہ بن حجاج، ابوحمزہ، ابن داود اور ابومعاویہ نے

---

(1) السنن الكبرى للنسائي: 473/6. (2) صحيح مسلم، الإيمان، حديث: 443 (178).

مُعَاوِيَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ. [انظر: ٥١٩٣، ٥١٩٤]

اعمش سے روایت کرنے میں ابوعوانہ کی متابعت کی ہے۔

فوائد و مسائل: ① ممکن ہے کہ اس ملاپ میں عورت کو اولاد کی نعمت حاصل ہو جو عورت کے لیے دنیا میں سب سے بڑی زینت ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سے مصالح ہیں جن کی بنا پر عورت کے لیے مرد کی خواہش کا احترام کرنا ضروری ہے۔ عدم اطاعت کی صورت میں بہت سے مفاسد پیدا ہو سکتے ہیں۔ ② حدیث میں رات کا ذکر عام حالات کے پیش نظر ہے بصورت دیگر یہ وعید تو حقوق زوجیت کے انکار پر ہے، خواہ دن کے وقت ہو۔ ③ اس حدیث سے مقصود فرشتوں کا وجود ثابت کرنا ہے کہ وہ ایسی نافرمان عورت پر اللہ کے حکم سے رات بھر لعنت و نفرین بھیجتے رہتے ہیں۔

٣٢٣٨ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا اللَّيْثُ: حَدَّثَنِي عُقَيْلٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا سَلَمَةَ قَالَ: أَخْبَرَنِي جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: «ثُمَّ فَتَرَ عَنِّي الْوَحْيُ فَتْرَةً فَبَيْنَا أَنَا أَمْشِي سَمِعْتُ صَوْتًا مِّنَ السَّمَاءِ فَرَفَعْتُ بَصَرِي قِبَلَ السَّمَاءِ فَإِذَا الْمَلَكُ الَّذِي جَاءَنِي بِحِرَاءٍ قَاعِدٌ عَلَى كُرْسِيٍّ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ فَجُئِثْتُ مِنْهُ حَتَّى هَوَيْتُ إِلَى الْأَرْضِ، فَجِئْتُ أَهْلِي فَقُلْتُ: زَمِّلُونِي زَمِّلُونِي، فَأَنْزَلَ اللهُ تَعَالَى: ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَأَنذِرْ﴾ إِلَى قَوْلِهِ: ﴿وَٱلرُّجْزَ فَٱهْجُرْ﴾ [المدثر: ١-٥]

[3238] حضرت جابر بن عبداللہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے نبی ﷺ سے سنا، آپ فرمار ہے تھے: "مجھ پر وحی کا نزول کچھ عرصہ بند رہا۔ اس دوران میں کہیں جا رہا تھا کہ میں نے آسمان میں سے ایک آواز سنی۔ میں نے آسمان کی طرف نظر اٹھائی تو اسی فرشتے کو دیکھا جو میرے پاس غار حراء میں آیا تھا کہ وہ زمین و آسمان کے درمیان کرسی پر بیٹھا ہے۔ میں اسے دیکھ کر اس قدر گھبرایا کہ زمین پر گر پڑا۔ پھر میں اپنے گھر والوں کے پاس آیا اور کہا: مجھے کمبل اوڑھا دو۔ مجھے کمبل اوڑھا دو۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیات اتاریں: "اے کمبل اوڑھنے والے! کھڑے ہو جاؤ، پھر انھیں متنبہ کرو...... اور بتوں سے دور رہو۔" تک

قَالَ أَبُو سَلَمَةَ: وَالرُّجْزُ: الْأَوْثَانُ. [راجع: ٤]

(راویٔ حدیث) حضرت ابوسلمہ نے کہا کہ آیت میں الرجز سے بت مراد ہیں۔

فوائد و مسائل: ① دین اسلام میں بت پرستی ایک گندا عمل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بت پرستوں کو نجس اور پلید قرار دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ﴾ "مشرکین نجس اور پلید ہیں۔ انھیں مسجد حرام کے قریب نہ آنے دو۔"[1] شرک کرنے والے اللہ کے ہاں گندے اور پلید ہیں، خواہ بتوں کے پجاری ہوں یا قبروں کے مجاور۔ اللہ کے ہاں دونوں کا ایک ہی درجہ ہے۔ ② بہر حال امام بخاری ؒ نے اس حدیث سے فرشتوں کے وجود پر دلیل لی

[1] التوبة 9:28.

ہے اوران کی کارکردگی بیان کی ہے۔

٣٢٣٩ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ: حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ. وَقَالَ لِي خَلِيفَةُ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ: حَدَّثَنَا سَعِيدٌ عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَبِي الْعَالِيَةِ: حَدَّثَنَا ابْنُ عَمِّ نَبِيِّكُمْ - يَعْنِي ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا - عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «رَأَيْتُ لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِي مُوسٰى رَجُلًا آدَمَ طُوَالًا جَعْدًا كَأَنَّهُ مِنْ رِجَالِ شَنُوءَةَ، وَرَأَيْتُ عِيسٰى رَجُلًا مَرْبُوعًا، مَرْبُوعَ الْخَلْقِ إِلَى الْحُمْرَةِ وَالْبَيَاضِ، سَبِطَ الرَّأْسِ، وَرَأَيْتُ مَالِكًا خَازِنَ النَّارِ، وَالدَّجَّالَ فِي آيَاتٍ أَرَاهُنَّ اللهُ إِيَّاهُ، فَلَا تَكُنْ فِي مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَائِهِ»، قَالَ أَنَسٌ وَأَبُو بَكْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: «تَحْرُسُ الْمَلَائِكَةُ الْمَدِينَةَ مِنَ الدَّجَّالِ». [انظر: ٣٣٩٦]

[3239] حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ”جس رات مجھے معراج ہوئی میں نے حضرت موسیٰ ؑ کو دیکھا کہ وہ گندمی رنگ، دراز قامت، مضبوط اور گھنگریالے بالوں والے ہیں، گویا وہ قبیلۂ شنوءہ کے مرد ہیں۔ اور میں نے حضرت عیسیٰ ؑ کو بھی دیکھا کہ وہ میانہ قامت، متوسط بدن، سرخ وسفید رنگت اور سیدھے بالوں والے ہیں۔ میں نے مالک (فرشتے) کو بھی دیکھا جو دوزخ کا داروغہ ہے اور دجال کو بھی دیکھا۔ یہ سب نشانیاں اللہ تعالیٰ نے مجھے دکھلائیں، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”اے نبی! آپ ان سے ملاقات کے بارے میں کسی قسم کے شک وشبہ میں مبتلا نہ ہوں۔“ حضرت انس اور ابوبکرہ ؓ نے نبی ﷺ سے یوں بیان کیا ہے: ”فرشتے دجال سے مدینہ طیبہ کی حفاظت کریں گے۔“

فوائد ومسائل: ① شنوءہ، عرب کے ایک قبیلے کا نام ہے جس کے لوگ دراز قد والے تھے۔ ② امام بخاری ؒ نے حسب سابق اس حدیث سے ثابت کیا ہے کہ فرشتے محض ”عقول مجردہ“ نہیں بلکہ صاحب شعور مخلوق ہیں۔ وہ اللہ کے احکام بجا لاتے ہیں اور انھیں گناہوں سے سخت نفرت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دجال جو بدی کا سرچشمہ ہے اسے مدینہ طیبہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے کیونکہ مدینہ طیبہ نور ہدایت کا سرچشمہ ہے۔ اسے دجال گدلا نہیں کر سکے گا۔ واللّٰہ المستعان.

(٨) بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ الْجَنَّةِ وَأَنَّهَا مَخْلُوقَةٌ

باب:8- اوصاف جنت کا بیان، نیز اس امر کی صراحت کہ وہ پیدا ہو چکی ہے

وَقَالَ أَبُو الْعَالِيَةِ: ﴿مُطَهَّرَةٌ﴾ مِنَ الْحَيْضِ وَالْبَوْلِ وَالْبُصَاقِ. ﴿كُلَّمَا رُزِقُوا﴾: أُتُوا بِشَيْءٍ، ثُمَّ أُتُوا بِآخَرَ. ﴿قَالُوا هَٰذَا الَّذِي رُزِقْنَا مِن قَبْلُ﴾: أُوتِينَا مِنْ قَبْلُ. ﴿وَأُتُوا بِهِ

ابو العالیہ نے کہا کہ ﴿مُطَهَّرَةٌ﴾ کے معنی ہیں: ایسی حوریں جو حیض، بول و براز اور تھوک سے پاک ہوں گی۔ ﴿كُلَّمَا رُزِقُوا﴾ کے معنی ہیں: جب اہل جنت کے پاس ایک پھل کے بعد دوسرا لایا جائے گا۔ ﴿قَالُوا هَٰذَا الَّذِي رُزِقْنَا

مُتَشَٰبِهًاۖ﴾ [البقرة:٢٥]: يُشْبِهُ بَعْضُهُ بَعْضًا وَيَخْتَلِفُ فِي الطَّعْمِ. ﴿قُطُوفُهَا﴾ - يَقْطِفُونَ كَيْفَ شَاؤُوا - ﴿دَانِيَةٌ﴾ [الحاقة: ٢٣]: قَرِيبَةٌ. ﴿ٱلْأَرَآئِكِ﴾ [الكهف: ٣١]: السُّرُرِ.

مِنْ قَبْلُ﴾ تو وہ کہیں گے یہ تو وہی پھل ہے جو ہمیں پہلے مل چکا ہے۔ ﴿وَأُتُوْا بِهِ مُتَشَابِهًا﴾ کے معنی ہیں: صورت اور رنگت میں ملے جلے لیکن ذائقے میں مختلف ہوں گے۔ ﴿قُطُوْفُهَا دَانِيَةٌ﴾ کے معنی ہیں: وہ پھل اتنے قریب ہوں گے کہ اہل جنت حسب منشا انھیں توڑ سکیں گے۔ ﴿الأرَائِكِ﴾ کے معنی تخت کے ہیں۔

وَقَالَ الْحَسَنُ: النَّضْرَةُ فِي الْوُجُوهِ، وَالسُّرُورُ فِي الْقَلْبِ.

امام حسن بصری ؒ نے کہا: چہرے کی تر وتازگی کو (نَضْرَةٌ) اور دل کی خوشی کو (سُرُوْرًا) کہا جاتا ہے۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿سَلْسَبِيلًا﴾ [الإنسان:١٨]: حَدِيدَةُ الْجِرْيَةِ. ﴿غَوْلٌ﴾: وَجَعُ الْبَطْنِ. ﴿يُنزَفُونَ﴾ [الصافات:٤٧]: لَا تَذْهَبُ عُقُولُهُمْ.

مجاہد نے کہا: ﴿سَلْسَبِيْلًا﴾ کا مطلب ہے: تیز بہنے والا پانی۔ ﴿غَوْلٌ﴾ کے معنی دردِ شکم کے ہیں۔ ﴿يُنْزَفُوْنَ﴾ کے معنی ہیں: ان کی عقل میں فتور نہیں آئے گا۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ﴿دِهَاقًا﴾ [النبأ:٣٤]: مُمْتَلِئًا. ﴿وَكَوَاعِبَ﴾ [٣٣]: نَوَاهِدَ. ﴿ٱلرَّحِيقُ﴾: [المطففين: ٢٥] الْخَمْرُ. ﴿تَسْنِيمٍ﴾ [المطففين:٢٧]: يَعْلُو شَرَابَ أَهْلِ الْجَنَّةِ. ﴿خِتَٰمُهُۥ﴾ [٢٦]: طِينُهُ مِسْكٌ. ﴿نَضَّاخَتَانِ﴾ [الرحمن:٦٦]: فَيَّاضَتَانِ. يُقَالُ: ﴿مَّوْضُونَةٍ﴾ [الواقعة:١٥]: مَنْسُوجَةٍ؛ مِنْهُ وَضِينُ النَّاقَةِ. وَالْكُوبُ مَا لَا أُذُنَ لَهُ وَلَا عُرْوَةَ. وَالْأَبَارِيقُ ذَوَاتُ الْآذَانِ وَالْعُرٰى. ﴿عُرُبًا﴾ [٣٧]: مُثَقَّلَةً، وَاحِدُهَا عَرُوبٌ، مِثْلُ صَبُورٍ وَصُبُرٍ، يُسَمِّيهَا أَهْلُ مَكَّةَ: الْعَرِبَةَ، وَأَهْلُ الْمَدِينَةِ: الْغَنِجَةَ، وَأَهْلُ الْعِرَاقِ: الشَّكِلَةَ.

حضرت ابن عباس ؓ نے فرمایا: ﴿دِهَاقًا﴾ کے معنی ہیں: چھلکتے ہوئے۔ ﴿كَوَاعِبَ﴾ کے معنی ہیں: وہ عورتیں جن کی چھاتی ابھری ہوئی ہو۔ ﴿الرحيق﴾ کے معنی ہیں: شراب۔ ﴿تسنيم﴾ کے معنی ہیں: وہ عرق جو اہل جنت کی شراب کے اوپر چھڑکا جائے گا۔ ﴿خِتَامُهُ﴾ کے معنی ہیں: اس کی مٹی کستوری ہوگی۔ ﴿نَضَّاخَتَان﴾ جوش مارتے ہوئے دو چشمے۔ ﴿مَوْضُوْنَةٍ﴾ بُنا ہوا۔ اس سے وَضِينُ النَّاقَةِ بنا ہے، یعنی اونٹنی کی جھول جو بُنی ہوتی ہے۔ الكُوب کے معنی جام جس کا دستہ نہ ہو اور الأَبَارِيق وہ آبخورے جن کے دستے ہوں۔ لفظ ﴿عُرُبًا﴾ جس کا واحد عَرُوبٌ ہے جیسا کہ صَبُورٌ کی جمع صُبُرٌ آتی ہے۔ اہل مکہ اسے عَرِبَة، اہل مدینہ غَنِجَة اور اہل عراق اسے شَكِلَة کہتے ہیں۔ (اس سے مراد وہ عورت جو اپنے خاوند پر فریفتہ ہو۔)

وَقَالَ مُجَاهِدٌ: رَوْحٌ: جَنَّةٌ وَرَخَاءٌ.

حضرت مجاہد نے کہا: روح سے مراد جنت اور اچھی

وَالرَّيْحَانُ: اَلرِّزْقُ. وَالْمَنْضُودُ: اَلْمَوْزُ. وَالْمَخْضُودُ هُوَ: الْمُوقَرُ حَمْلًا. وَيُقَالُ أَيْضًا: لَا شَوْكَ لَهُ. وَالْعُرُبُ: اَلْمُحَبَّبَاتُ إِلَى أَزْوَاجِهِنَّ. وَيُقَالُ: ﴿مَّسْكُوبٍ﴾ [٣١]: جَارٍ. وَ﴿وَفُرُشٍ مَّرْفُوعَةٍ﴾ [٣٤]: بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ. ﴿لَغْوًا﴾ [٢٥]: بَاطِلًا. ﴿تَأْثِيمًا﴾: كَذِبًا. ﴿أَفْنَانٍ﴾ [الرحمن: ٤٨]: أَغْصَانٍ. ﴿وَجَنَى الْجَنَّتَيْنِ دَانٍ﴾ [٥٤]: مَا يُجْتَنَى قَرِيبٌ. ﴿مُدْهَامَّتَانِ﴾ [٦٤]: سَوْدَاوَانِ مِنَ الرِّيِّ.

زندگی ہے اور الریحان کے معنی رزق کے ہیں۔ المَنضُود کے معنی ہیں: کیلے۔ المَخضُود کے معنی پھلوں سے جھکی ہوئی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جس کا کانٹا نہ ہو۔ العُرُب کے معنی ہیں: وہ عورتیں جو اپنے خاوندوں کی محبوب اور پیاری ہوں۔ ﴿مَسْكُوب﴾ کے معنی ہیں: بہتا ہوا پانی (آبشاریں)۔ ﴿فُرُشٍ مَّرْفُوعَةٍ﴾ اوپر تلے بچھے ہوئے بچھونے ﴿لَغْوًا﴾ غلط اور ﴿تَأْثِيمًا﴾ جھوٹ۔ ﴿أَفْنَان﴾ کے معنی ہیں: ڈالیاں۔ ﴿وَجَنَى الْجَنَّتَيْنِ دَانٍ﴾ دونوں باغوں کا پھل قریب سے توڑا جائے گا۔ ﴿مُدْهَآمَّتَانِ﴾ کے معنی ہیں: سیرابی کی وجہ سے سیاہی مائل ہوں گے۔

وضاحت: جملہ اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ جنت اور دوزخ دونوں مخلوق ہیں اور اب موجود ہیں۔ اس عنوان سے معتزلہ کی تردید مقصود ہے جو کہتے ہیں کہ جنت اور جہنم قیامت کے دن پیدا ہوں گی، اب ان کا کوئی وجود نہیں ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس عنوان کے تحت بہت سی ایسی احادیث ذکر کی ہیں جن سے جنت کا وجود ثابت ہوتا ہے جبکہ بعض احادیث میں جنت کی صفات کا ذکر ہے۔ جنت کے مخلوق ہونے کے متعلق زیادہ صریح وہ روایت ہے جسے امام احمد اور امام ترمذی رحمہما اللہ نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب اللہ تعالیٰ نے جنت کو پیدا کیا تو حضرت جبریل علیہ السلام سے فرمایا: جاؤ اور جنت کو دیکھ کر آؤ۔''[1] امام بخاری رحمہ اللہ نے اس عنوان کے تحت اکثر ایسے الفاظ کے معانی ذکر کیے ہیں جو جنت کی تعریف میں اللہ تعالیٰ نے بیان کیے ہیں۔ یہ الفاظ ایسی آیات سے متعلق ہیں جو جنت کے اوصاف پر مشتمل ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ صحیح بخاری اور دیگر کتب احادیث سے فائدہ اٹھانے والوں کو روز قیامت جنت میں جگہ دے۔ آمین.

٣٢٤٠ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ نَّافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِذَا مَاتَ أَحَدُكُمْ، فَإِنَّهُ يُعْرَضُ عَلَيْهِ مَقْعَدُهُ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ، فَإِنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَمِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ، وَإِنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ فَمِنْ أَهْلِ النَّارِ». [راجع: ١٣٧٩]

[3240] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی فوت ہو جاتا ہے تو اسے اس کا ٹھکانا صبح شام دکھایا جاتا ہے۔ اگر وہ جنتی ہے تو جنت اور اگر جہنمی ہے تو اسے جہنم دکھائی جاتی ہے۔''

[1] جامع الترمذي، صفة الجنة، حديث: 2560.

فوائد و مسائل: ① حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مذکورہ حدیث واضح دلیل ہے کہ جنت اور دوزخ اس وقت موجود ہیں اور وہ ان کے اہل کو روزانہ صبح و شام دکھائی جاتی ہیں۔ جنت اور جہنم میں مکمل داخلہ تو قیامت کے دن حساب کے بعد ہوگا۔ ایک روایت میں ہے: یہاں تک کہ اسے قیامت کے دن اٹھایا جائے گا۔[1] ② فرعون اور آل فرعون کے متعلق قرآن کریم کی صراحت ہے: ”وہ صبح و شام آگ پر پیش کیے جاتے ہیں اور جس دن قیامت قائم ہوگی تو حکم ہوگا کہ آل فرعون کو شدید ترین عذاب میں داخل کرو۔“[2]

٣٢٤١ - حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ: حَدَّثَنَا سَلْمُ بْنُ زَرِيرٍ: حَدَّثَنَا أَبُو رَجَاءٍ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «اطَّلَعْتُ فِي الْجَنَّةِ فَرَأَيْتُ أَكْثَرَ أَهْلِهَا الْفُقَرَاءَ، وَاطَّلَعْتُ فِي النَّارِ فَرَأَيْتُ أَكْثَرَ أَهْلِهَا النِّسَاءَ». [انظر: ٥١٩٨، ٦٤٤٩، ٦٥٤٦]

[3241] حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ”میں نے جنت میں جھانک کر دیکھا تو وہاں اکثریت فقراء کی تھی اور جہنم میں جھانکا تو وہاں عورتیں زیادہ تھیں۔“

فوائد و مسائل: ① حدیث میں فقراء سے مراد موحد اور متبع سنت غریب ہیں جو دیندار اغنیاء سے کتنے ہی برس پہلے جنت میں داخل کر دیے جائیں گے۔ اس کی وجہ یہ ہوگی کہ دنیا میں انھیں اتنا مال میسر نہیں آیا جس کے سبب وہ بداعمالیوں کی طرف مائل ہوتے کیونکہ کثرت مال گناہوں کا ذریعہ بنتے ہیں، نیز مال کی بہتات سے انسان کا دل سخت ہو جاتا ہے جو اسے ظلم و ستم پر آمادہ کرتا ہے۔ اس بنا پر نادار لوگ ان آلائشوں سے محفوظ رہیں گے۔ اور جہنم میں عورتوں کی اکثریت اس لیے ہوگی کہ وہ عام طور پر لعن طعن کرنے والی اور ناشکر گزار ہوتی ہیں، نیز آپس میں حسد و بغض رکھنا ان کی عادت ہے جو جہنم میں جانے کا باعث ہوگا۔ اس کے علاوہ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ عورتیں جلدی بے دین لوگوں کے جھانسے میں آ جاتی ہیں کیونکہ زیب و زینت کی طرف ان کا میلان زیادہ ہوتا ہے۔ اگر انھیں آخرت کی طرف توجہ دلائی جائے تو کان نہیں دھرتیں۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ جنت موجود ہے تبھی تو رسول اللہ ﷺ نے اسے دیکھا۔ ممکن ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے معراج کی رات یہ مشاہدہ کیا ہو۔

٣٢٤٢ - حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ قَالَ: حَدَّثَنِي عُقَيْلٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ: أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: بَيْنَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُولِ اللهِ ﷺ إِذْ قَالَ: «بَيْنَا أَنَا نَائِمٌ رَأَيْتُنِي فِي الْجَنَّةِ فَإِذَا امْرَأَةٌ تَتَوَضَّأُ إِلَى جَانِبِ قَصْرٍ فَقُلْتُ: لِمَنْ

[3242] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ ایک دفعہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس تھے تو آپ نے فرمایا: ”میں نے بحالت نیند خود کو جنت میں دیکھا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ وہاں ایک عورت محل کے گوشے میں وضو کر رہی ہے۔ میں نے پوچھا: یہ محل کس کا ہے؟ فرشتوں نے جواب دیا: یہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا ہے۔ مجھے ان کی

① فتح الباري: 6/389. ② المؤمن 40:46.

هٰذَا الْقَصْرُ؟ فَقَالُوا: لِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، فَذَكَرْتُ غَيْرَتَهُ فَوَلَّيْتُ مُدْبِرًا»، فَبَكٰى عُمَرُ وَقَالَ: أَعَلَيْكَ أَغَارُ يَا رَسُولَ اللهِ؟. [انظر: ٣٦٨٠، ٥٢٢٧، ٧٠٢٣، ٧٠٢٥]

غیرت کا خیال آیا تو میں پیچھے کی طرف واپس آ گیا۔" اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ رو پڑے اور عرض کیا: اللہ کے رسول! کیا میں آپ پر غیرت کر سکتا ہوں۔

فوائد و مسائل: ① جنت میں وضو کرنا میل کچیل کے ازالے کے لیے نہیں تھا کیونکہ جنت میں یہ چیزیں نہیں ہوں گی جنھیں دور کیا جائے بلکہ عورت کا وضو کرنا اس لیے تھا کہ اس کے حسن میں اضافہ ہو جائے اور نورانیت پہلے سے بڑھ جائے۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ جنت محض خواب و خیال کی چیز نہیں بلکہ وہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے جو پیدا کر دی گئی ہے، وہاں ہر ایک جنتی کے مکانات مع ساز و سامان تیار ہیں، نیز اس سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قطعی طور پر جنتی ہونا ثابت ہوتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خوشی کے مارے رو دیے اور غیرت کا ذکر اس لیے کیا کہ آپ تو میرے بزرگ اور مربی ہیں۔ غیرت تو برابر والے سے ہوتی ہے نہ کہ مالک اور مربی سے۔ ③ بہرحال جنت اب بھی موجود ہے اور اسے ساز و سامان سمیت اللہ نے پیدا کر دیا ہے۔

٣٢٤٣ - حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ: حَدَّثَنَا هَمَّامٌ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا عِمْرَانَ الْجَوْنِيَّ يُحَدِّثُ عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ قَيْسٍ الْأَشْعَرِيِّ، عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «اَلْخَيْمَةُ دُرَّةٌ مُجَوَّفَةٌ طُولُهَا فِي السَّمَاءِ ثَلَاثُونَ مِيلًا، فِي كُلِّ زَاوِيَةٍ مِّنْهَا لِلْمُؤْمِنِ مِنْ أَهْلٍ لَّا يَرَاهُمُ الْآخَرُونَ».

[3243] حضرت عبداللہ بن قیس اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "جنت میں خیمے کی حقیقت یہ ہے کہ وہ ایک خولدار موتی ہوگا جو اوپر کو تیس میل تک بلند ہوگا۔ اس کے ہر کونے میں مومن کی بیویاں ہوں گی جسے دوسرے اہل جنت نہیں دیکھ سکیں گے۔"

قَالَ أَبُو عَبْدِ الصَّمَدِ وَالْحَارِثُ بْنُ عُبَيْدٍ عَنْ أَبِي عِمْرَانَ: «سِتُّونَ مِيلًا». [انظر: ٤٨٧٩]

ایک روایت میں ہے کہ (آپ ﷺ نے فرمایا:) "اس کی بلندی ساٹھ میل ہوگی۔"

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جنت میں عورتیں جو حوروں اور دنیاوی بیویوں پر مشتمل ہوں گی وہ مردوں سے زیادہ ہیں۔ ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جنت کا خیمہ جو ایک خولدار موتی سے ہوگا اس کے ستر دروازے ہوں گے۔[1] خیمے کے لفظ سے اس آیت کریمہ کی طرف اشارہ ہے: ﴿حُوْرٌ مَّقْصُوْرَاتٌ فِي الْخِيَامِ﴾ "وہاں خیموں میں ٹھہرائی ہوئی حوریں ہوں گی۔"[2] چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں اس حدیث کو ذکر کیا ہے۔ اس میں صراحت ہے کہ وہ

1 الزهد لابن المبارك، ص: 487، طبع دار الكتب العلميه. 2 الرحمٰن 55: 72.

خولدار موتی کا خیمہ ساٹھ میل بلند ہوگا۔[1] ② امام بخاری ؒ نے جنت کی صفات ذکر کی ہیں کہ وہاں خیمے اس قسم کے ہوں گے جو ایک ہی موتی سے تیار شدہ ہیں۔ بہر حال اہل جنت کو جنت میں محلات ملیں گے۔ غالباً یہ خیمے دوران سفر میں استعمال کے لیے ہوں گے۔ واللہ أعلم.

٣٢٤٤ - حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ: حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «قَالَ اللهُ: أَعْدَدْتُ لِعِبَادِيَ الصَّالِحِينَ مَا لَا عَيْنٌ رَأَتْ، وَلَا أُذُنٌ سَمِعَتْ، وَلَا خَطَرَ عَلَى قَلْبِ بَشَرٍ، فَاقْرَؤُوا إِنْ شِئْتُمْ: ﴿فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ﴾» [السجدة:١٧]. [انظر: ٤٧٧٩، ٤٧٨٠، ٧٤٩٨]

[3244] حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے کہ میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے وہ چیزیں تیار کر رکھی ہیں جنھیں نہ کسی کی آنکھوں نے دیکھا، نہ کانوں نے سنا اور نہ کبھی کسی انسان کے دل میں ان کا خیال ہی گزرا۔ اگر چاہتے ہو تو یہ آیت پڑھ لو: ''کوئی نہیں جانتا کہ اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے لیے کیا کیا چیزیں چھپا کر رکھی گئی ہیں۔''

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ابھی تک کوئی بندہ بشر جنت کی نعمتوں پر مطلع نہیں ہوا اور نہ کسی مقرب فرشتے اور نبی مرسل ہی کو اس کی خبر ہے۔ لیکن رسول اللہ اس سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ آپ نے ایک مرتبہ نماز کسوف میں جنت اور اس کے پھل دیکھے اور انھیں توڑنا چاہا لیکن بعض مصالح کے پیش نظر اپنا ارادہ ترک کر دیا۔ معراج کے موقع پر بھی آپ نے جنت اور اس کی نعمتوں کا مشاہدہ فرمایا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نعیم جنت پر مطلع ہیں۔ ② آیت کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح اللہ کے نیک بندے رات کو چھپ کر اللہ کی عبادت کیا کرتے اور تہجد پڑھا کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے بھی ان کے لیے بیش قیمت انعامات چھپا کر رکھے ہیں جس کا کسی کو علم ہی نہیں۔

٣٢٤٥ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أَوَّلُ زُمْرَةٍ تَلِجُ الْجَنَّةَ صُورَتُهُمْ عَلَى صُورَةِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ، لَا يَبْصُقُونَ فِيهَا وَلَا يَمْتَخِطُونَ، وَلَا يَتَغَوَّطُونَ، آنِيَتُهُمْ فِيهَا الذَّهَبُ، أَمْشَاطُهُمْ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ،

[3245] حضرت ابو ہریرہ ؓ ہی سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سب سے پہلا گروہ جو جنت میں داخل ہوگا ان کی صورت چودھویں رات کے چاند جیسی ہوگی۔ وہ نہ تو وہاں تھوکیں گے نہ بلغم نکالیں گے اور نہ بول و براز ہی کریں گے۔ ان کے برتن سونے کے ہوں گے۔ اور ان کی کنگھیاں سونے اور چاندی کی ہوں گی۔ ان کی انگیٹھیوں میں عود سلگے گا اور ان کا پسینہ مشک

① صحيح البخاري، التفسير، حديث : 4879.

وَمَجَامِرُهُمُ الْأَلُوَّةُ، وَرَشْحُهُمُ الْمِسْكُ، وَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمْ زَوْجَتَانِ يُرٰى مُخُّ سُوقِهِمَا مِنْ وَّرَاءِ اللَّحْمِ مِنَ الْحُسْنِ، لَا اخْتِلَافَ بَيْنَهُمْ وَلَا تَبَاغُضَ، قُلُوبُهُمْ قَلْبٌ وَّاحِدٌ، يُسَبِّحُونَ اللهَ بُكْرَةً وَّعَشِيًّا». [انظر: ٣٢٤٦، ٣٢٥٤، ٣٣٢٧]

جیسا ہوگا۔ ان میں سے ہر ایک کی دو بیویاں ہوں گی۔ لطافت حسن کی وجہ سے ان (بیویوں) کی پنڈلیوں کا گودا گوشت کے اوپر سے دکھائی دے گا۔ ان میں کوئی باہمی اختلاف نہیں ہوگا اور نہ دشمنی ہی رکھیں گے۔ ان سب کے دل ایک ہوں گے اور وہ صبح و شام اللہ کی تسبیح میں مشغول رہا کریں گے۔"

فوائد و مسائل: ① "ان میں سے ہر ایک کی دو بیویاں ہوں گی" اس کا مطلب ہے کہ کم از کم دو ہوں گی یا حوریں دو ہوں گی۔ ② جنت میں صبح و شام سے مراد دوام اور استمرار ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے: تمھارا صبح و شام یہی کام ہے، یعنی تم ہمیشہ اسی طرح کرتے رہتے ہو۔ ③ اہل جنت کا تسبیح و تہلیل کرنا اس طرح ہوگا کہ جب سانس لیں گے تو خود بخود ان کی زبان سے تسبیح و تہلیل کی آواز برآمد ہوگی۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ان کے دل اللہ کی محبت سے لبریز ہوں گے جس کے باعث وہ بکثرت اللہ کا ذکر کریں گے، یعنی اہل جنت ہمیشہ اللہ کے ذکر سے لذت و سرور پاتے رہیں گے۔ ④ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جنت میں عورتوں کی تعداد زیادہ ہوگی۔ دراصل شفاعت کے بعد جنت میں عورتوں کی تعداد زیادہ ہو جائے گی۔ شفاعت سے پہلے جہنم میں ان کی اکثریت ہوگی۔[1]

٣٢٤٦ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ: حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «أَوَّلُ زُمْرَةٍ تَدْخُلُ الْجَنَّةَ عَلٰى صُورَةِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ، وَالَّذِينَ عَلٰى إِثْرِهِمْ كَأَشَدِّ كَوْكَبٍ إِضَاءَةً، قُلُوبُهُمْ عَلٰى قَلْبِ رَجُلٍ وَّاحِدٍ لَا اخْتِلَافَ بَيْنَهُمْ وَلَا تَبَاغُضَ، لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ زَوْجَتَانِ، كُلُّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُمَا يُرٰى مُخُّ سَاقِهَا مِنْ وَّرَاءِ اللَّحْمِ مِنَ الْحُسْنِ، يُسَبِّحُونَ اللهَ بُكْرَةً وَّعَشِيًّا، لَا يَسْقَمُونَ وَلَا يَمْتَخِطُونَ، وَلَا يَبْصُقُونَ، آنِيَتُهُمُ الذَّهَبُ وَالْفِضَّةُ،

[3246] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "پہلی جماعت جو جنت میں داخل ہوگی ان کے چہرے بدر منیر کی طرح چمکتے ہوں گے۔ اور جو ان کے بعد داخل ہوں گے وہ جگمگاتے ستاروں کی طرح ہوں گے۔ ان سب کے دل (الفت اور محبت میں) ایک شخص کے دل کی طرح ہوں گے۔ ان میں نہ کسی بات کا اختلاف ہوگا اور نہ باہمی دشمنی۔ ان میں سے ہر ایک کے لیے دو، دو بیویاں ہوں گی۔ لطیف حسن کی وجہ سے ان کی پنڈلیوں کا مغز گوشت کے اوپر سے دکھائی دے گا۔ اہل جنت صبح و شام اللہ کی تسبیح و تہلیل کریں گے۔ نہ کبھی بیمار ہوں گے اور نہ ناک سے ریزش ہی گرائیں گے۔ ان کے برتن سونے

[1] عمدة القاري: 10/604.

وَأَمْشَاطُهُمُ الذَّهَبُ، وَوَقُودُ مَجَامِرِهِمُ الْأَلُوَّةُ - قَالَ أَبُو الْيَمَانِ: يَعْنِي الْعُودَ - وَرَشْحُهُمُ الْمِسْكُ». وَقَالَ مُجَاهِدٌ: اَلْإِبْكَارُ: أَوَّلُ الْفَجْرِ، وَالْعَشِيُّ مَيْلُ الشَّمْسِ إِلَى أَنْ - أُرَاهُ - تَغْرُبَ. [راجع ٣٢٤٥]

چاندی کے اور ان کی کنگھیاں سونے کی ہوں گی۔ ان کی انگیٹھیوں میں عود سلگتا رہے گا...... راوی ابوالیمان نے کہا کہ اَلْأَلُوَّةُ سے مراد عود ہندی ہے...... اور ان کا پسینہ مشک (کستوری) جیسا ہوگا۔'' امام مجاہد نے کہا: اَلْإِبْكَارُ سے مراد اول فجر اور اَلْعَشِيُّ سے مراد سورج کا اس قدر ڈھل جانا ہے کہ وہ غروب ہوتا نظر آئے۔

فوائد و مسائل: ① امام مسلم ؒ نے حضرت جابر ؓ سے ایک روایت بیان کی ہے کہ اہل جنت، جنت میں کھائیں پئیں گے اور بول و براز (پیشاب پاخانہ) نہیں کریں گے بلکہ ان کا کھانا ایک ڈکار سے ہضم ہو جائے گا اور وہ ڈکار بھی کستوری جیسا ہو گا۔[1] اس کی مزید تفصیل امام احمد ؒ نے حضرت زید بن ارقم ؓ سے مروی ایک روایت میں ذکر کی ہے کہ اہل کتاب میں سے ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی: ابوالقاسم! آپ کہتے ہیں جنتی کھائیں پئیں گے؟ آپ نے فرمایا: ''ہاں، ایک آدمی کو کھانے، پینے اور جماع کرنے میں سو آدمی کی طاقت دی جائے گی۔'' اس نے کہا: جو شخص کھائے پیے گا اسے رفع حاجت کی ضرورت ہوگی، حالانکہ جنت میں اس طرح کی آلائشیں نہیں ہوں گی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ان کے جسم سے کستوری کی طرح خوشبودار پسینہ برآمد ہوگا، یہی ان کی قضائے حاجت ہوگی۔''[2] دراصل دنیا کے کھانے کثیف ہوتے ہیں، اس لیے اہل دنیا کو رفع حاجت کی ضرورت لاحق ہوتی ہے لیکن جنت میں کھانے پینے کا سامان لطافت سے بھرپور ہوگا، اس لیے ان کی رفع حاجت بھی لطیف انداز سے ہوگی۔ واللہ أعلم. ② اس حدیث میں کنگھیوں کا ذکر ہے۔ جنت میں اپنے حسن کو دوبالا کرنے کے لیے کنگھی کی جائے گی کیونکہ بالوں میں میل کچیل کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوگا۔ اللّٰھم ارزقنا جنة الفردوس بغیر حساب و عذاب.

٣٢٤٧ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي بَكْرٍ الْمُقَدَّمِيُّ: حَدَّثَنَا فُضَيْلُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «لَيَدْخُلَنَّ مِنْ أُمَّتِي سَبْعُونَ أَلْفًا - أَوْ سَبْعُمِائَةِ أَلْفٍ - لَا يَدْخُلُ أَوَّلُهُمْ حَتَّى يَدْخُلَ آخِرُهُمْ، وُجُوهُهُمْ عَلَى صُورَةِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ». [انظر: ٦٥٤٣، ٦٥٥٤]

[3247] حضرت سہل بن سعد ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''یقیناً میری امت میں سے ستر ہزار یا سات لاکھ آدمی ایک ساتھ جنت میں داخل ہوں گے۔ ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح (پرنور) ہوں گے۔''

فائدہ: ایک حدیث میں ان خوش قسمت حضرات کے یہ وصف بیان ہوئے ہیں: ''وہ دم جھاڑ کا کسی سے مطالبہ نہیں کریں

(1) صحیح مسلم، الجنة و صفة نعيمها و أهلها، حديث: 7154(2835). (2) مسند أحمد: 4/367.

گے، آگ سے داغنے کو ذریعہ علاج نہیں بنائیں گے، بدشگونی نہیں لیں گے اور اپنے رب ہی پر بھروسا کریں گے۔[1] جامع ترمذی کی روایت میں ہے: ''ایک ہزار کے ساتھ ستر ہزار ہوں گے۔''[2] اس طرح بلاحساب جنت میں داخل ہونے والوں کی تعداد انچاس لاکھ بنتی ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ ان ستر ہزار میں سے ہر ایک کے ساتھ مزید ستر، ستر ہزار ہوں گے۔[3] اس حساب سے یہ تعداد 4 ارب نوے کروڑ بنتی ہے۔ اس تعداد پر اللہ کی طرف سے مزید اضافہ بھی ہوگا۔

٣٢٤٨ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْجُعْفِيُّ: حَدَّثَنَا يُونُسُ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا شَيْبَانُ عَنْ قَتَادَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا أَنَسٌ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: أُهْدِيَ لِلنَّبِيِّ ﷺ جُبَّةُ سُنْدُسٍ، وَكَانَ يَنْهَى عَنِ الْحَرِيرِ، فَعَجِبَ النَّاسُ مِنْهَا، فَقَالَ: «وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَمَنَادِيلُ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ فِي الْجَنَّةِ لَأَحْسَنُ مِنْ هٰذَا». [راجع: ٢٦١٥]

[3248] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ کو ایک ریشمی جبہ بطور تحفہ پیش کیا گیا جبکہ آپ ریشم پہننے سے منع فرماتے تھے۔ لوگ (اس کی عمدگی اور بناوٹ دیکھ کر) بہت خوش ہوئے تو آپ نے فرمایا: ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے! حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو جنت میں ملنے والے رومال اس سے کہیں زیادہ خوبصورت ہیں۔''

٣٢٤٩ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ سُفْيَانَ: حَدَّثَنِي أَبُو إِسْحَاقَ قَالَ: سَمِعْتُ الْبَرَاءَ بْنَ عَازِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: أُتِيَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بِثَوْبٍ مِّنْ حَرِيرٍ فَجَعَلُوا يَعْجَبُونَ مِنْ حُسْنِهِ وَلِينِهِ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَمَنَادِيلُ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ فِي الْجَنَّةِ أَفْضَلُ مِنْ هٰذَا». [انظر: ٣٨٠٢، ٥٨٣٦، ٦٦٤٠]

[3249] حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک ریشمی کپڑا پیش کیا گیا تو لوگ اس کی خوبصورتی اور نرمی دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جنت میں سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے رومال اس سے بہتر اور افضل ہیں۔''

فائدہ: لباس میں رومال کی حیثیت بہت کم تر خیال کی جاتی ہے کیونکہ اس سے ہاتھ صاف کیے جاتے ہیں یا چہرے کی گرد و غبار دور کی جاتی ہے۔ جنت میں گھٹیا کپڑے کی یہ حیثیت ہوگی کہ اس کے مقابلے میں دنیا کی بڑی سے بڑی نعمت کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ جب یہ قدر و قیمت ایک ادنیٰ کپڑے کی ہے تو جنت کے بہترین اور اعلیٰ کپڑوں کی خوبصورتی اور زیبائش تو ہمارے تصورات سے بالا ہے۔

٣٢٥٠ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا

[3250] حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت

1 صحيح البخاري، الرقاق، حديث: 6541. 2 جامع الترمذي، صفة القيامة، حديث: 2437. 3 مسند أحمد: 6/1، والسلسلة الأحاديث الصحيحة، حديث: 1484.

سُفْيَانُ عَنْ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَوْضِعُ سَوْطٍ فِي الْجَنَّةِ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا». [راجع: ٢٧٩٤]

ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جنت میں ایک کوڑے کی مقدار جگہ دنیا اور دنیا کی ہر چیز سے بہتر ہے۔''

فائدہ: کوڑے کا اس لیے ذکر کیا ہے کہ جب سوار گھوڑے سے نیچے اترنے کا ارادہ کرتا ہے تو پہلے اپنا کوڑا زمین پر پھینکتا ہے تاکہ اس جگہ پر اور کوئی قبضہ نہ کرے۔ جنت میں کوڑے کی مقدار جگہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہے کیونکہ یہ جگہ ہمیشہ رہے گی اور کبھی فنا سے دوچار نہیں ہوگی۔ اس کے برعکس دنیا اور اس کی ہر چیز فانی ہے اور تباہی سے دوچار ہونے والی ہے۔ واللّٰہ أعلم.

٣٢٥١ - حَدَّثَنَا رَوْحُ بْنُ عَبْدِ الْمُؤْمِنِ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ: حَدَّثَنَا سَعِيدٌ عَنْ قَتَادَةَ: حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «إِنَّ فِي الْجَنَّةِ لَشَجَرَةً يَسِيرُ الرَّاكِبُ فِي ظِلِّهَا مِائَةَ عَامٍ لَّا يَقْطَعُهَا».

[3251] حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''جنت میں ایک درخت اتنا بڑا ہے کہ اگر سوار اس کے سائے میں سو برس تک چلتا رہے تب بھی اسے طے نہ کر سکے گا۔''

٣٢٥٢ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سِنَانٍ: حَدَّثَنَا فُلَيْحُ ابْنُ سُلَيْمَانَ: حَدَّثَنَا هِلَالُ بْنُ عَلِيٍّ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي عَمْرَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «إِنَّ فِي الْجَنَّةِ لَشَجَرَةً يَسِيرُ الرَّاكِبُ فِي ظِلِّهَا مِائَةَ سَنَةٍ وَّاقْرَؤُوا إِنْ شِئْتُمْ ﴿وَظِلٍّ مَّمْدُودٍ﴾» [الواقعة: ٣٠]. [انظر: ٤٨٨١]

[3252] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''جنت میں ایک ایسا درخت ہے جس کے سائے میں سوار سو سال تک چلتا رہے گا۔ اگر تم اس کی صداقت چاہتے ہو تو اللہ کا یہ ارشاد پڑھ لو: ''اور لمبے لمبے سائے۔''

٣٢٥٣ - «وَلَقَابُ قَوْسِ أَحَدِكُمْ فِي الْجَنَّةِ خَيْرٌ مِّمَّا طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ أَوْ تَغْرُبُ». [راجع: ٢٧٩٣]

[3253] ''بے شک جنت میں تمھاری کمان رکھنے کی جگہ ہر اس چیز سے بہتر ہے جس پر سورج طلوع یا غروب ہوتا ہے۔''

فوائد و مسائل: ① ایک روایت میں اس درخت کا نام طوبیٰ بتایا گیا ہے۔[1] ایک دوسری روایت میں ہے: ''اگر تیار شدہ

[1] فتح الباري: 393/6.

تیز رفتار گھوڑا سو سال تک بھی سرپٹ دوڑتا رہے تو بھی اسے طے نہیں کر سکے گا۔"[1] سورۂ واقعہ میں اللہ تعالیٰ نے جنت کے سائے کے متعلق فرمایا ہے: "وہاں جنت میں درختوں کا سایہ دور دراز تک پھیلا ہوا ہوگا۔"[2] ② مذکورہ احادیث و آیات سے روز روشن کی طرح واضح ہے کہ جنت ایک مجسم حقیقت کا نام ہے اور جو لوگ جنت کو محض خواب و خیال کی حد تک مانتے ہیں وہ خطرناک غلطی پر ہیں۔ ممکن ہے کہ ایسے لوگوں کے لیے جنت محض ایک خواب ناقابل تعبیر ہی بن جائے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایسے وساوس سے محفوظ رکھے۔ ③ بعض حضرات نے سائے سے مراد راحت و نعمت لیا ہے لیکن اس تاویل کی بجائے حقیقی معنی مراد لینا ہی زیادہ صحیح ہے کیونکہ دنیا اور جنت کی چیزوں کا موازنہ ممکن نہیں۔

٣٢٥٤ - حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُلَيْحٍ: حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ هِلَالٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي عَمْرَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: «أَوَّلُ زُمْرَةٍ تَدْخُلُ الْجَنَّةَ عَلٰى صُورَةِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ، وَالَّذِينَ عَلٰى آثَارِهِمْ كَأَحْسَنِ كَوْكَبٍ دُرِّيٍّ فِي السَّمَاءِ إِضَاءَةً، قُلُوبُهُمْ عَلٰى قَلْبِ رَجُلٍ وَّاحِدٍ، لَا تَبَاغُضَ بَيْنَهُمْ وَلَا تَحَاسُدَ، لِكُلِّ امْرِئٍ زَوْجَتَانِ مِنَ الْحُورِ الْعِينِ، يُرٰى مُخُّ سُوقِهِنَّ مِنْ وَّرَاءِ الْعَظْمِ وَاللَّحْمِ». [راجع: ٣٢٤٥]

[3254] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: "سب سے پہلا گروہ جو جنت میں داخل ہوگا ان کے چہرے بدر منیر کی طرح روشن ہوں گے۔ ان کے بعد جو گروہ داخل ہوگا ان کے چہرے آسمان میں روشن ستارے کی طرح تابناک ہوں گے۔ سب کے دل ایک جیسے ہوں گے۔ ان میں نہ تو باہم بغض و فساد ہوگا اور نہ حسد و عناد ہی ہوگا۔ ہر جنتی کی حور عین میں سے دو بیویاں ہوں گی۔ وہ اس قدر حسین کہ ان کی پنڈلیوں کا گودا ہڈی اور گوشت کے اوپر سے دیکھا جا سکے گا۔"

فوائد و مسائل: ① کوکب دری بہت بڑا چمکدار ستارہ ہے۔ چمک کی وجہ سے اس کو موتی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ وہ ستاروں میں اس طرح نمایاں ہوتا ہے جس طرح جواہرات میں موتی بلند مقام رکھتا ہے۔ ② اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اہل جنت میں درجہ بندی ہوگی۔ کچھ اعلیٰ درجے پر فائز ہوں گے اور کچھ ان سے نچلے درجے میں ہوں گے۔ ③ امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد جنت اور اہل جنت کے اوصاف بیان کرنا ہے جو اس حدیث میں ذکر ہوئے ہیں۔

٣٢٥٥ - حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: عَدِيُّ بْنُ ثَابِتٍ أَخْبَرَنِي قَالَ: سَمِعْتُ الْبَرَاءَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ

[3255] حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ جب صاحبزادہ ابراہیم علیہ السلام فوت ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "جنت میں اس کے لیے ایک دودھ

---

[1] عمدة القاري: 10/609. [2] الواقعة 56: 30.

قَالَ: لَمَّا مَاتَ إِبْرَاهِيمُ قَالَ: «إِنَّ لَهُ مُرْضِعًا فِي الْجَنَّةِ». [راجع: ١٣٨٢]

پلانے والی ہے (جو اسے دودھ پلاتی ہے)۔"

فوائد ومسائل: ① ایک روایت میں ہے کہ راویٔ حدیث اسماعیل نے حضرت ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا تم نے رسول اللہ ﷺ کے لخت جگر ابراہیم رضی اللہ عنہ کو دیکھا تھا؟ تو انھوں نے فرمایا: وہ تو صغرسنی ہی میں فوت ہو گئے تھے۔ اگر رسول اللہ ﷺ کے بعد ان کا نبی ہونا مقدر ہوتا تو وہ ضرور زندہ رہتے لیکن رسول اللہ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔[1] ② امام بخاری رحمہ اللہ نے جنت کا وصف بیان کیا ہے کہ اگر دنیا میں کوئی بچہ دودھ پینے کی عمر میں فوت ہو جائے تو جنت میں اسے دودھ پلانے کا اہتمام بھی کیا جاتا ہے جیسا کہ آپ کے بیٹے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے لیے کیا گیا تھا۔ واللّٰه أعلم.

٣٢٥٦ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ صَفْوَانَ بْنِ سُلَيْمٍ، عَنْ عَطَاءِ ابْنِ يَسَارٍ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «إِنَّ أَهْلَ الْجَنَّةِ يَتَرَاءَيُونَ أَهْلَ الْغُرَفِ مِنْ فَوْقِهِمْ، كَمَا تَتَرَاءَوْنَ الْكَوْكَبَ الدُّرِّيَّ الْغَابِرَ فِي الْأُفُقِ مِنَ الْمَشْرِقِ أَوِ الْمَغْرِبِ لِتَفَاضُلِ مَا بَيْنَهُمْ»، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ! تِلْكَ مَنَازِلُ الْأَنْبِيَاءِ لَا يَبْلُغُهَا غَيْرُهُمْ؟ قَالَ: «بَلَى، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ رِجَالٌ آمَنُوا بِاللهِ وَصَدَّقُوا الْمُرْسَلِينَ». [انظر: ٦٥٥٦]

[3256] حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: "اہل جنت بالائی منزل والوں کو اس طرح دیکھیں گے جس طرح لوگ آسمان کے مشرقی یا مغربی کنارے پر چمکتا ہوا ستارہ دیکھتے ہیں کیونکہ اہل جنت کا آپس میں فرق مراتب ضرور ہوگا۔" لوگوں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! یہ تو انبیاء علیہم السلام کے مقام ہیں، ان کے مراتب پر کوئی اور نہیں پہنچ سکتا؟ آپ نے فرمایا: "کیوں نہیں، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور رسولوں کی تصدیق کی (وہ یقیناً ان مراتب کو حاصل کریں گے۔")

فوائد ومسائل: ① تمام امتوں کے مومن جنت میں ہوں گے لیکن بلند منازل صرف اس امت مرحومہ کے اہل ایمان کو ملیں گی کیونکہ تمام رسولوں کی تصدیق صرف انھی سے متصور ہو سکتی ہے۔ جامع ترمذی کی روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما ان لوگوں میں سے ہوں گے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جنت میں بلند منازل ہوں گی جن کا بیرون، اندر سے اور اندرون، باہر سے دیکھا جائے گا۔" ایک دیہاتی نے کہا: اللہ کے رسول! یہ منازل کن لوگوں کی ہوں گی، فرمایا: "یہ منازل ان لوگوں کے لیے ہیں جو نرم بات کرتے ہیں، ہمیشہ روزے سے رہتے ہیں اور رات کو اٹھ کر نماز پڑھتے ہیں جبکہ تمام لوگ سو رہے ہوتے ہیں۔"[2] ② واضح رہے کہ جنت میں تمام اہل ایمان اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی تصدیق کرنے والے ہی ہوں گے لیکن یہ لوگ مذکورہ صفت کے باعث ان سے ممتاز اور نمایاں ہوں گے کیونکہ انھوں نے ایمان و

---

① صحيح البخاري، الأدب، حديث: 6194. ② جامع الترمذي، البر والصلة، حديث: 1984.

تصدیق کا حق ادا کیا ہوگا۔[1]

(٩) بَابُ صِفَةِ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ

باب:9- جنت کے دروازوں کا بیان

وَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «مَنْ أَنْفَقَ زَوْجَيْنِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الْجَنَّةِ»، فِيهِ عُبَادَةُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.

نبی ﷺ نے فرمایا: ''جس نے اللہ کے راستے میں کسی چیز کا جوڑا خرچ کیا اسے جنت کے دروازے سے بلایا جائے گا۔'' اس کے متعلق حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے بھی نبی ﷺ سے حدیث بیان کی ہے۔

وضاحت: اس عنوان سے مراد جنت کے دروازوں کی تعداد یا ان کے نام بتانا مقصود ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک معلق روایت بیان کی ہے جس کی تفصیل کتاب الصلاۃ اور کتاب الجهاد میں گزر چکی ہے کہ جہاد کرنے والے کو باب الجهاد سے اور نمازی کو باب الصلاۃ سے اندر آنے کی دعوت دی جائے گی۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث آگے موصولاً آئے گی۔ اس میں آٹھ دروازوں کا ذکر ہے۔[2]

٣٢٥٧ - حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُطَرِّفٍ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «فِي الْجَنَّةِ ثَمَانِيَةُ أَبْوَابٍ، فِيهَا بَابٌ يُسَمَّى الرَّيَّانَ لَا يَدْخُلُهُ إِلَّا الصَّائِمُونَ».

[راجع: ١٨٩٦]

[3257] حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''جنت کے آٹھ دروازے ہیں۔ ان میں سے ایک دروازے کا نام ''ریان'' ہے۔ اس میں سے صرف روزہ دار ہی داخل ہوں گے۔''

فوائد ومسائل: ① ریان، اس دروازے کا نام اس لیے رکھا گیا ہے کہ روزے داروں نے دنیا میں پیاس برداشت کی ہوگی۔ جب وہ باب ریان سے گزر کر جنت میں داخل ہوں گے اور جنت کی نہر سے پانی نوش کریں گے تو انھیں ایسی سیرابی حاصل ہوگی کہ پھر انھیں پیاس محسوس نہیں ہوگی۔ بہرحال جنت کے آٹھ دروازے متعدد احادیث میں بیان ہوئے ہیں۔ یہ تمام دروازے لوگوں کے اعمال کے مطابق منقسم ہیں۔ جو کوئی بکثرت نمازیں پڑھتا ہوگا وہ باب الصلاۃ سے گزرے گا اور جو کوئی کثرت سے جہاد کرتا ہوگا اسے باب الجهاد سے جنت میں جانے کی دعوت دی جائے گی۔[3] ② جنت کے دروازوں کا وصف احادیث میں اس طرح آیا ہے کہ اس کے دونوں کواڑ ایک دوسرے سے چالیس سال کی مسافت پر ہوں گے۔[4]

---

1 عمدة القاري: 610/10. 2 صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، حديث: 3435 (2967). 3 عمدة القاري: 612/10.
4 فتح الباري: 396/6.

(١٠) بَابُ صِفَةِ النَّارِ وَأَنَّهَا مَخْلُوقَةٌ

باب:10- جہنم کے اوصاف اور اس امر کی صراحت کہ وہ پیدا ہو چکی ہے

﴿غَسَّاقًا﴾ [النبا:٢٥]: يُقَالُ: غَسَقَتْ عَيْنُهُ وَيَغْسِقُ الْجُرْحُ وَكَأَنَّ الْغَسَاقَ وَالْغَسِيقَ وَاحِدٌ. ﴿غِسْلِينٍ﴾ [الحاقة:٣٦]: كُلُّ شَيْءٍ غَسَلْتَهُ فَخَرَجَ مِنْهُ شَيْءٌ فَهُوَ غِسْلِينٌ، فِعْلِينٌ مِّنَ الْغَسْلِ مِنَ الْجُرْحِ وَالدَّبَرِ.

﴿غَسَّاقًا﴾ اہل جہنم کے جسم سے نکلنے والے بدبودار مادے کو کہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اس کی آنکھ بہہ رہی ہے، زخم بہہ رہا ہے۔ غسّاق اور غسیق دونوں ایک ہی چیز ہیں۔ ﴿غِسْلِيْن﴾ کسی چیز کو دھویا جائے تو جو چیز برآمد ہو وہ غسلین ہے۔ فِعْلِین کے وزن پر غَسْل سے مشتق ہے، جو آدمی یا اونٹ کے زخم سے نکلے۔

وَقَالَ عِكْرِمَةُ: ﴿حَصَبُ جَهَنَّمَ﴾ [الأنبياء:٩٨]: حَطَبٌ بِالْحَبَشِيَّةِ، وَقَالَ غَيْرُهُ: ﴿حَاصِبًا﴾ [الإسراء:٦٨]: اَلرِّيحُ الْعَاصِفُ وَالْحَاصِبُ مَا يَرْمِي بِهِ الرِّيحُ. وَمِنْهُ: ﴿حَصَبُ جَهَنَّمَ﴾: يُرْمٰى بِهِ فِي جَهَنَّمَ، هُمْ حَصَبُهَا. وَيُقَالُ: حَصَبَ فِي الْأَرْضِ: ذَهَبَ، وَالْحَصَبُ مُشْتَقٌّ مِنْ حَصْبَاءِ الْحِجَارَةِ. ﴿صَدِيدٍ﴾ [إبراهيم:١٦]: قَيْحٌ وَدَمٌ. ﴿خَبَتْ﴾ [الإسراء:٩٧]: طَفِئَتْ. ﴿تُورُونَ﴾ [الواقعة:٧١]: تَسْتَخْرِجُونَ. أَوْرَيْتُ: أَوْقَدْتُ. ﴿لِلْمُقْوِينَ﴾ [٧٣]: لِلْمُسَافِرِينَ. وَالْقِيُّ: اَلْقَفْرُ.

حضرت عکرمہ نے کہا: ﴿حَصَبُ جَهَنَّمَ﴾ حبشی زبان میں اس کے معنی ایندھن کے ہیں۔ دوسروں نے کہا: اس کے معنی ہیں: تند ہوا اور آندھی۔ اور حاصب اس کو بھی کہتے ہیں جو ہوا اڑا کر لائے، اسی سے ﴿حَصَبُ جَهَنَّمَ﴾ بنا ہے، یعنی دوزخ میں جھونکے جائیں گے۔ وہ اس کا ایندھن بنیں گے۔ کہا جاتا ہے: حَصَبَ فِي الْأَرْضِ، وہ زمین میں دور چلا گیا۔ حَصَبٌ، حَصْبَاءِ الْحِجَارَةِ سے نکلا ہے، یعنی پتھریلی کنکریاں۔ ﴿صَدِيْدٍ﴾ "خون اور پیپ۔" ﴿خَبَتْ﴾ "وہ بجھ جائے گی۔" ﴿تُوْرُوْنَ﴾ "تم سلگاتے ہو۔" کہا جاتا ہے: أَوْرَيْتُ، یعنی میں نے آگ سلگائی۔ ﴿لِلْمُقْوِيْنَ﴾ مسافروں کے لیے۔ یہ لفظ قِيّ سے نکلا ہے جس کے معنی ہیں: چٹیل میدان۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ﴿صِرَاطِ الْجَحِيمِ﴾ [الصافات:٢٣] سَوَاءِ الْجَحِيمِ وَوَسَطِ الْجَحِيمِ. ﴿لَشَوْبًا مِّنْ حَمِيمٍ﴾ [٦٧]: يُخْلَطُ طَعَامُهُمْ وَيُسَاطُ بِالْحَمِيمِ. ﴿زَفِيرٌ وَشَهِيقٌ﴾ [هود:١٠٦]: صَوْتٌ شَدِيدٌ وَّصَوْتٌ ضَعِيفٌ. ﴿وِرْدًا﴾ [مريم:٨٦]:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ﴿صِرَاطِ الْجَحِيْمِ﴾ کے متعلق کہا: اس کے معنی ہیں: دوزخ کا بیچ اور دوزخ کا وسط۔ ﴿لَشَوْبًا مِّنْ حَمِيْمٍ﴾ "ان کے کھانے میں گرم پانی ملایا جائے گا جو کھولتا ہوگا۔" ﴿زَفِيْرٌ وَ شَهِيْقٌ﴾ آواز بلند رونا اور آہستہ سے رونا ہے۔ ﴿وِرْدًا﴾ "پیاسے"۔ ﴿غَيًّا﴾

عِطَاشًا . ﴿غَيًّا﴾ [٥٩]: خُسْرَانًا .

"نقصان اور خسارہ۔"

وَقَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿يُسْجَرُونَ﴾ [غافر:٧٢] تُوقَدُ لَهُمُ النَّارُ، ﴿وَنُحَاسٌ﴾ [الرحمن:٣٥] اَلصُّفْرُ يُصَبُّ عَلٰى رُؤُسِهِمْ، يُقَالُ: ﴿ذُوقُوا﴾ [الحج:٢٢]: بَاشِرُوا وَجَرِّبُوا، وَلَيْسَ هٰذَا مِنْ ذَوْقِ الْفَمِ. ﴿مَارِجٌ﴾ [الرحمن:١٥]: خَالِصٌ مِّنَ النَّارِ؛ مَرَجَ الْأَمِيرُ رَعِيَّتَهُ: إِذَا خَلَاهُمْ يَعْدُو بَعْضُهُم عَلٰى بَعْضٍ؛ ﴿مَرِيجٍ﴾ [ق:٥]: مُلْتَبِسٍ؛ مَرِجَ أَمْرُ النَّاسِ: اِخْتَلَطَ؛ ﴿مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ﴾ [الرحمن:١٩]؛ مَرَجْتَ دَابَّتَكَ: تَرَكْتَهَا .

امام مجاہد نے کہا: ﴿يُسْجَرُونَ﴾ ان پر آگ جلائی جائے گی، یعنی وہ ایندھن بنیں گے۔ ﴿نُحَاسٌ﴾ کے معنی ہیں: تانبا، جو (پگھلا کر) ان کے سروں پر ڈالا جائے گا۔ ﴿ذُوقُوا﴾ کے معنی ہیں: دیکھو اور تجربہ کرو۔ یہ منہ سے چکھنے کے معنی میں نہیں ہے۔ ﴿مَارِجٌ﴾ "خالص آگ۔" "مَرَجَ الْأَمِيرُ رَعِيَّتَهُ" اس وقت کہا جاتا ہے جب امیر اپنی رعیت کو چھوڑ دے کہ وہ ایک دوسرے پر ظلم کریں۔ ﴿مَرِيجٍ﴾ "ملا ہوا، مشتبہ۔" کہا جاتا ہے: مَرِجَ أَمْرُ النَّاسِ، لوگوں کا معاملہ خلط ملط ہوگیا۔ ﴿مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ﴾ "دونوں سمندروں کو ملا دیا۔" یہ لفظ مَرَجْتَ دَابَّتَكَ سے مشتق ہے۔ اس کے معنی ہیں: تو نے اپنا جانور چھوڑ دیا۔

وضاحت: اس عنوان سے یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ جہنم اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ ہے اور وہ اب موجود ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے مذکورہ الفاظ میں ان آیات کی طرف اشارہ کیا ہے جن میں دوزخ کا تذکرہ ہے اور اس کے اوصاف بیان ہوئے ہیں۔ اس کے متعلق جو کوائف جن الفاظ میں بیان ہوئے ہیں انھیں ظاہری معنی ہی پر محمول کرنا چاہیے۔ اس کی کوئی تاویل نہیں کرنی چاہیے۔ راسخین فی العلم کی یہی شان ہے کہ وہ اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کہتے۔ بہرحال امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصود معتزلہ کی تردید ہے جو کہتے ہیں کہ جہنم کو قیامت کے دن پیدا کیا جائے گا، وہ اب موجود نہیں ہے۔

٣٢٥٨ - حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ مُّهَاجِرٍ أَبِي الْحَسَنِ قَالَ: سَمِعْتُ زَيْدَ بْنَ وَهْبٍ يَّقُولُ: سَمِعْتُ أَبَا ذَرٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقُولُ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ فِي سَفَرٍ فَقَالَ: «أَبْرِدْ»، ثُمَّ قَالَ: «أَبْرِدْ» حَتّٰى فَاءَ الْفَيْءُ - يَعْنِي لِلتُّلُولِ - ثُمَّ قَالَ: «أَبْرِدُوا بِالصَّلَاةِ فَإِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ». [راجع: ٥٣٥]

[3258] حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ نبی ﷺ ایک سفر میں تھے تو آپ نے (مؤذن سے) فرمایا: "نماز کو ٹھنڈا کر کے پڑھو۔" پھر فرمایا: "وقت کو ٹھنڈا ہو لینے دو۔" یہاں تک کہ ٹیلوں کے نیچے سایہ اتر آیا۔ پھر آپ نے فرمایا: "نماز ٹھنڈے اوقات میں پڑھا کرو کیونکہ گرمی کی شدت جہنم کی بھاپ سے ہے۔"

٣٢٥٩ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ: حَدَّثَنَا

[3259] حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے،

سُفْيَانُ عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ ذَكْوَانَ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «أَبْرِدُوا بِالصَّلَاةِ فَإِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ». [راجع: ٥٣٨]

انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''نماز (ظہر) ٹھنڈے وقت میں پڑھا کرو کیونکہ گرمی کی شدت دوزخ کے جوش و خروش سے ہے۔''

فائدہ: مذکورہ احادیث پہلے کتاب المواقیت میں گزر چکی ہیں۔ ان احادیث کو یہاں بیان کرنے سے مقصود یہ ہے کہ جہنم اب بھی موجود ہے اور اس میں آگ جلتی ہے اور اس کے جوش و خروش سے دنیا میں گرمی بڑھ جاتی ہے جیسا کہ آئندہ حدیث میں اس کی مزید وضاحت ہے۔

٣٢٦٠ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ: أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «اِشْتَكَتِ النَّارُ إِلٰى رَبِّهَا فَقَالَتْ: رَبِّ أَكَلَ بَعْضِي بَعْضًا، فَأَذِنَ لَهَا بِنَفَسَيْنِ: نَفَسٍ فِي الشِّتَاءِ وَنَفَسٍ فِي الصَّيْفِ. فَأَشَدُّ مَا تَجِدُونَ مِنَ الْحَرِّ، وَأَشَدُّ مَا تَجِدُونَ مِنَ الزَّمْهَرِيرِ». [راجع: ٥٣٧]

[3260] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جہنم نے اپنے رب کے حضور شکایت کی تو عرض کیا: اے میرے رب! میرے ایک حصے نے دوسرے کو کھا لیا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اسے دو سانس لینے کی اجازت دے دی: ایک سانس سردیوں میں اور ایک سانس گرمیوں میں۔ تم جو سخت گرمی یا سخت سردی پاتے ہو وہ اسی وجہ سے ہے۔''

فوائد و مسائل: ① مذکورہ احادیث میں دوزخ کی گرمی اور سردی کا ذکر ہے۔ اس سے امام بخاری رحمہ اللہ نے عنوان ثابت کیا ہے کہ جہنم اب بھی موجود ہے۔ ② حدیث میں آگ سے مراد دوزخ ہے اور اس میں دونوں قسم کے عذاب ہیں: سخت گرم اور سخت سرد، اس کے علاوہ عذاب کی اور قسمیں بھی ہیں۔ ③ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جہنم میں ادراک اور شعور ہے جسے منکرین حدیث نے ہدف تنقید بنایا ہے، حالانکہ اس قسم کے استعارات خود قرآن نے بھی بیان کیے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''کائنات کی ہر چیز اللہ کی تسبیح پڑھتی ہے مگر تم اس کی کیفیت نہیں سمجھ سکتے۔''[1] نیز قرآن میں ہے: ''ہم قیامت کے دن جہنم سے پوچھیں گے: کیا تو بھر گئی ہے؟ تو وہ جواب دے گی: کیا کچھ اور بھی ہے؟''[2] منکرین جو احادیث کا مذاق اڑاتے ہیں وہ ان آیات کا کیا جواب دیں گے؟ قاتلهم الله أنّى يؤفكون.

٣٢٦١ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا أَبُو عَامِرٍ - هُوَ الْعَقَدِيُّ -: حَدَّثَنَا هَمَّامٌ عَنْ أَبِي

[3261] ابو جمرہ ضُبَعی سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں مکہ مکرمہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں بیٹھا

1 بنيٓ إسرآءيل 17:44. 2 قٓ 50:30.

جَمْرَةَ الضُّبَعِيِّ قَالَ: كُنْتُ أُجَالِسُ ابْنَ عَبَّاسٍ بِمَكَّةَ فَأَخَذَتْنِي الْحُمَّى فَقَالَ: أَبْرِدْهَا عَنْكَ بِمَاءِ زَمْزَمَ، فَإِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «هِيَ الْحُمَّى مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ فَأَبْرِدُوهَا بِالْمَاءِ - أَوْ قَالَ: - بِمَاءِ زَمْزَمَ»، شَكَّ هَمَّامٌ.

کرتا تھا۔ وہاں مجھے بخار آنے لگا تو انھوں نے فرمایا: اس بخار کو زمزم کے پانی سے ٹھنڈا کرو کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ''بخار، دوزخ کی بھاپ کے اثر سے ہوتا ہے، اس لیے اسے عام پانی یا زمزم کے پانی سے ٹھنڈا کر لیا کرو۔'' (راویٔ حدیث) حضرت ہمام کو پانی کے متعلق یہ شک ہوا ہے۔

٣٢٦٢ - حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ عَبَّاسٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَبَايَةَ ابْنِ رِفَاعَةَ قَالَ: أَخْبَرَنِي رَافِعُ بْنُ خَدِيجٍ قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: «اَلْحُمَّى مِنْ فَوْرِ جَهَنَّمَ فَأَبْرِدُوهَا عَنْكُمْ بِالْمَاءِ». [انظر: ٥٧٢٦]

[3262] حضرت رافع بن خدیج ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے نبی ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا: ''بخار، جہنم کے جوش مارنے کے اثر سے ہوتا ہے، اس لیے اسے پانی سے ٹھنڈا کر لیا کرو۔''

٣٢٦٣ - حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «اَلْحُمَّى مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ فَأَبْرِدُوهَا بِالْمَاءِ». [انظر: ٥٧٢٥]

[3263] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتی ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''بخار، جہنم کی بھاپ کے اثر سے ہوتا ہے، لہٰذا تم اسے پانی سے ٹھنڈا کرو۔''

٣٢٦٤ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ عَنْ يَحْيٰى، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنِي نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «اَلْحُمَّى مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ فَأَبْرِدُوهَا بِالْمَاءِ». [انظر: ٥٧٢٣]

[3264] حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''بخار، دوزخ کے جوش و خروش کی وجہ سے آتا ہے، لہٰذا اسے پانی سے ٹھنڈا کر لیا کرو۔''

فوائد و مسائل: ① صفراوی بخار میں ٹھنڈے پانی سے غسل کرنا مفید ہے۔ آج کل شدید بخار کی حالت میں ڈاکٹر حضرات مریض کے سر پر برف سے ٹھنڈی کی ہوئی پٹیاں رکھنے کا مشورہ دیتے ہیں اور مریض کے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے پانی سے دھونے کی تلقین کرتے ہیں۔ لیکن یہ علاج ہر قسم کے بخار کا نہیں بلکہ گرمی کے بخار میں ایسا کرنا بہتر ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اہل حجاز اور اس کے قرب و جوار میں رہنے والوں کو یہ علاج بتایا ہے کیونکہ انھیں بکثرت گرمی سے بخار ہوتا تھا، لہٰذا ایسے مریض کے لیے ٹھنڈے پانی سے غسل کرنا مفید ہے۔ ② ان احادیث میں بخار کو ٹھنڈا کرنے کا طریقہ بیان نہیں ہوا، البتہ حضرت اسماء بنت ابی بکر ؓ کے پاس جب بخار کی مریضہ پیش کی جاتی تو وہ اس کے سینے پر پانی ڈالا کرتی تھیں۔ [1] چونکہ یہ خاتون، حضرت عائشہ ؓ

1 صحيح البخاري، الطب، حديث: 5724.

کی بڑی ہمشیر ہیں اور اکثر رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا جایا کرتی تھیں اس بنا پر وہ اسے دوسروں کی نسبت زیادہ جانتی ہیں۔ اس کے متعلق دیگر تفاصیل کتاب الطب میں ذکر کی جائیں گی۔ بإذن الله تعالٰى.

٣٢٦٥ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبِي أُوَيْسٍ قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «نَارُكُمْ جُزْءٌ مِّنْ سَبْعِينَ جُزْءًا مِّنْ نَّارِ جَهَنَّمَ»، قِيلَ: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنْ كَانَتْ لَكَافِيَةً، قَالَ: «فُضِّلَتْ عَلَيْهِنَّ بِتِسْعَةٍ وَّسِتِّينَ جُزْءًا كُلُّهُنَّ مِثْلُ حَرِّهَا».

[3265] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تمھاری دنیا کی آگ، جہنم کی آگ کا سترواں (70) حصہ ہے۔'' عرض کیا گیا: اللہ کے رسول! یہ دنیا کی آگ ہی کافی تھی۔ آپ نے فرمایا: ''وہ آگ اس پر انہتر (69) حصے زیادہ کر دی گئی ہے اور اس کا ہر حصہ دنیا کی آگ کے برابر گرم ہے۔''

فوائد و مسائل: ① دنیا کی آگ، دوزخ کی آگ کا سترواں حصہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ساری دنیا کی آگ جسے لوگ جلاتے ہیں اگر اسے جمع کیا جائے تو یہ دوزخ کی آگ کا ایک حصہ ہوتی ہے اور دوزخ کی آگ اس آگ سے ستر گنا زیادہ گرم ہے بلکہ مسند احمد کی روایت کے مطابق دوزخ کی آگ دنیا کی آگ کے مقابلے میں سو درجے زیادہ اپنے اندر جلانے کی صلاحیت رکھتی ہے۔[1] ② واضح رہے کہ دنیوی آگ کی بعض اقسام ایسی ہیں کہ چند منٹوں میں لوہے کو پانی بنا کر پگھلا دیتی ہیں۔ أعاذنا الله منها. مسند احمد کی مرفوع روایت میں ہے: اگر اس آگ کو پانی میں دو بار ٹھنڈا نہ کیا جاتا تو تم اس سے فائدہ نہ اٹھا سکتے۔[2]

٣٢٦٦ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرٍو: سَمِعَ عَطَاءً يُخْبِرُ عَنْ صَفْوَانَ بْنِ يَعْلَى، عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ ﷺ يَقْرَأُ عَلَى الْمِنْبَرِ: ﴿وَنَادَوْا يَـٰمَـٰلِكُ﴾ [الزخرف: ٧٧].

[راجع: ٣٢٣٠]

[3266] حضرت یعلی بن امیہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے نبی ﷺ کو منبر پر یہ آیت تلاوت کرتے ہوئے سنا: ''دوزخی آواز دیں گے: اے مالک!''

فائدہ: مالک، جہنم کا نگران ہے جو دوزخ پر مامور ہے۔ اہل جہنم اس سے بار بار درخواست کریں گے کہ آپ اپنے رب سے کہیں وہ ہمیں موت سے دوچار کر دے۔ وہ انھیں جواب دے گا کہ تم اس میں ہمیشہ رہو گے۔[3] یعنی مالک فرشتہ انھیں کہے گا: تمھارے جرائم کی فہرست بہت لمبی اور طویل ہے، لہٰذا تمھیں سزا دینے کے لیے بھی لمبی مدت درکار ہے، اس لیے مرجانے کا تصور ذہن سے نکال دو۔ تمھیں زندہ رکھ کر ہی سزا دی جا سکتی ہے، لہٰذا تمھیں یہیں رہنا ہو گا اور زندہ ہی رکھا جائے گا۔ حضرت ابن

① مسند أحمد: 379/2. ② مسند أحمد: 244/2. ③ الزخرف 43: 77.

عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مالک فرشتہ اہل جہنم کی آہ و بکا سن کر ہزار سال تک خاموش رہے گا، پھر انھیں دو الفاظ سے جواب دے گا کہ تم نے یہیں رہنا ہے۔[1]

٣٢٦٧ - حَدَّثَنَا عَلِيٌّ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ قَالَ: قِيلَ لِأُسَامَةَ: لَوْ أَتَيْتَ فُلَانًا فَكَلَّمْتَهُ، قَالَ: إِنَّكُمْ لَتَرَوْنَ أَنِّي لَا أُكَلِّمُهُ، إِلَّا أُسْمِعُكُمْ إِنِّي أُكَلِّمُهُ فِي السِّرِّ دُونَ أَنْ أَفْتَحَ بَابًا لَّا أَكُونُ أَوَّلَ مَنْ فَتَحَهُ، وَلَا أَقُولُ لِرَجُلٍ - أَنْ كَانَ عَلَيَّ أَمِيرًا: - إِنَّهُ خَيْرُ النَّاسِ بَعْدَ شَيْءٍ سَمِعْتُهُ مِنْ رَّسُولِ اللهِ ﷺ، قَالُوا: وَمَا سَمِعْتَهُ يَقُولُ؟ قَالَ: سَمِعْتُهُ يَقُولُ: «يُجَاءُ بِالرَّجُلِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيُلْقَى فِي النَّارِ فَتَنْدَلِقُ أَقْتَابُهُ فِي النَّارِ، فَيَدُورُ كَمَا يَدُورُ الْحِمَارُ بِرَحَاهُ فَيَجْتَمِعُ أَهْلُ النَّارِ عَلَيْهِ فَيَقُولُونَ: يَا فُلَانُ! مَا شَأْنُكَ؟ أَلَيْسَ كُنْتَ تَأْمُرُ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَانَا عَنِ الْمُنْكَرِ؟ قَالَ: كُنْتُ آمُرُكُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَلَا آتِيهِ، وَأَنْهَاكُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَآتِيهِ».

[3267] حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، ان سے کہا گیا: اگر آپ فلاں (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ) کے پاس جائیں اور ان سے بات کریں۔ اس پر حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے کہا: تم لوگ یہ سمجھتے ہو کہ میں ان سے تمھارے سامنے ہی گفتگو کروں گا۔ میں ان سے تنہائی میں بات کرتا ہوں تاکہ کسی قسم کے فساد کا دروازہ نہ کھلے۔ میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ سب سے پہلے میں ہی فتنے کا دروازہ کھولوں۔ میں رسول اللہ ﷺ سے ایک حدیث سننے کے بعد یہ بھی نہیں کہتا کہ جو شخص میرا حاکم ہے وہ سب لوگوں سے بہتر ہے۔ لوگوں نے پوچھا: آپ نے رسول اللہ ﷺ کو کیا فرماتے سنا ہے؟ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''قیامت کے دن ایک شخص کو لایا جائے گا اور اسے جہنم میں ڈال دیا جائے گا تو دوزخ میں اس کی انتڑیاں نکل پڑیں گی اور وہ اس طرح گھومتا پھرے گا جس طرح گدھا اپنی چکی کے گرد گھومتا ہے۔ پھر اہل جہنم اس کے پاس جمع ہو کر کہیں گے: اے فلاں! تیرا کیا حال ہے؟ کیا تو ہمیں اچھی باتوں کا حکم نہ دیتا تھا اور برے کاموں سے نہ روکتا تھا؟ وہ جواب دے گا: ہاں، میں تمھیں اچھی باتوں کا حکم دیتا تھا مگر خود ان پر عمل نہیں کرتا تھا اور تمھیں برے کاموں سے روکتا تھا مگر خود ان کا مرتکب ہوتا تھا۔''

رَوَاهُ غُنْدَرٌ عَنْ شُعْبَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ.

[انظر: ٧٠٩٨]

اس حدیث کو غندر نے شعبہ سے اور انھوں نے اعمش سے بیان کیا ہے۔

---

1 تفسیر ابن کثیر: 160/4.

فوائد و مسائل: ① حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے لوگوں نے کہا: آپ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ولید بن عقبہ کے متعلق گفتگو کریں تاکہ چہ میگوئیاں ختم ہو جائیں تو انھوں نے کہا: میں ان سے علانیہ گفتگو کرنے کی بجائے تنہائی میں بات کرتا ہوں کیونکہ علانیہ بات کرنے سے فتنے کی آگ بھڑک اٹھے گی اور میں اس کا آغاز کرنے والا بن جاؤں گا۔ میں جس طرح لوگوں کو اچھی باتوں کا کہتا ہوں اور بری باتوں سے روکتا ہوں بعینہ اپنے حکمرانوں پر بھی اچھی بات واضح کر دیتا ہوں۔ اگر میں امر بالمعروف ترک کر دوں تو میری مثال بھی اس شخص جیسی ہو جائے گی جس کا حدیث میں ذکر ہوا ہے۔ ② آپ کا مقصد یہ تھا کہ علانیہ طور پر امراء کے خلاف بات کرنا بے ادبی ہے۔ اس سے یہ باور نہ کر لیا جائے کہ میں ان سے بات ہی نہیں کرتا کیونکہ ایسا انداز اختیار کرنا امر بالمعروف کے خلاف ہے۔ اس سخت وعید، جو حدیث میں بیان ہوئی ہے کے پیش نظر، ہمارے ان خطباء و علماء کو غور کرنا چاہیے جو اپنے علم اور وعظ کے مطابق عمل نہیں کرتے ۔

دیگراں را نصیحت خود را فضیحت

(١١) بَابُ صِفَةِ إِبْلِيسَ وَجُنُودِهِ

وَقَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿وَيُقْذَفُونَ﴾ [الصافات: ٨]: يُرْمَوْنَ. ﴿دُحُورًا﴾ [٩]: مَطْرُودِينَ. ﴿وَاصِبٌ﴾: دَائِمٌ.

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ﴿مَدْحُورًا﴾ [الأعراف: ١٨]: مَطْرُودًا. وَيُقَالُ: ﴿مَرِيدًا﴾ [النساء: ١١٧]: مُتَمَرِّدًا. بَتَّكَهُ: قَطَّعَهُ. ﴿وَاسْتَفْزِزْ﴾: اِسْتَخِفَّ ﴿بِخَيْلِكَ﴾ [الإسراء: ٦٤]: اَلْفُرْسَانُ. وَالرَّجْلُ: اَلرَّجَّالَةُ، وَاحِدُهَا رَاجِلٌ مِّثْلُ صَاحِبٍ وَّصَحْبٍ، وَّتَاجِرٍ وَّتَجْرٍ. ﴿لَأَحْتَنِكَنَّ﴾ [٦٢]: لَأَسْتَأْصِلَنَّ. ﴿قَرِينٌ﴾ [الزخرف: ٣٦]: شَيْطَانٌ.

باب: 11- ابلیس اور اس کے لشکر کا بیان

مجاہد نے کہا: ﴿وَ يُقْذَفُوْنَ﴾ اور انھیں پھینکا جاتا ہے۔ ﴿دُحُوْرًا﴾ کے معنی ہیں: دھتکارے ہوئے۔ ﴿وَاصِبٌ﴾ ہمیشہ۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ﴿مَدْحُوْرًا﴾ کے معنی ہیں: راندہ ہوا، مردود۔ ﴿مَرِيْدًا﴾ کے معنی سرکش اور شریر کے ہیں۔ [بَتَّكَهُ] کے معنی ہیں: اس کو کاٹ ڈالا۔ ﴿وَاسْتَفْزِزْ﴾ ہلکا کر دے۔ ﴿بِخَيْلِكَ﴾ اپنے سواروں کو۔ اور رَجل کے معنی ہیں: پیادے۔ الرَّجل کا واحد راجل ہے جیسا کہ صَحْب کا مفرد صَاحِب ہے اور تَجْر کا واحد تَاجِر ہے۔ ﴿لَاَحْتَنِكَنَّ﴾ میں جڑ سے اکھاڑ دوں گا۔ ﴿قَرِيْنٌ﴾ شیطان۔

وضاحت: قرآن کی صراحت کے مطابق ابلیس، جنوں میں سے ہے۔ اسے ابوالشیاطین بھی کہا جاتا ہے۔ اسے آگ سے پیدا کیا گیا اور یہ جنوں اور شیاطین کا باپ ہے جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام انسانوں کے باپ ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس عنوان سے ان ملحدوں کا رد کیا ہے جو شیطان کے وجود کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں: ہمارا نفس ہی شیطان ہے، اس کے علاوہ ابلیس کا کوئی وجود نہیں۔ مذکورہ الفاظ ان آیات کا حصہ ہیں جن میں ابلیس کی بری صفات اور اس کے گندے کردار کا بیان ہے۔

٣٢٦٨ - حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسٰى: أَخْبَرَنَا عِيسٰى عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ [رَضِيَ اللهُ عَنْهَا] قَالَتْ: سُحِرَ النَّبِيُّ ﷺ. وَقَالَ اللَّيْثُ: كَتَبَ إِلَيَّ هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ أَنَّهُ سَمِعَهُ وَوَعَاهُ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: سُحِرَ النَّبِيُّ ﷺ حَتّٰى كَانَ يُخَيَّلُ إِلَيْهِ أَنَّهُ يَفْعَلُ الشَّيْءَ وَمَا يَفْعَلُهُ حَتّٰى كَانَ ذَاتَ يَوْمٍ دَعَا وَدَعَا ثُمَّ قَالَ: «أَشَعَرْتِ أَنَّ اللهَ أَفْتَانِي فِيمَا فِيهِ شِفَائِي، أَتَانِي رَجُلَانِ فَقَعَدَ أَحَدُهُمَا عِنْدَ رَأْسِي وَالْآخَرُ عِنْدَ رِجْلَيَّ، فَقَالَ أَحَدُهُمَا لِلْآخَرِ: مَا وَجَعُ الرَّجُلِ؟ قَالَ: مَطْبُوبٌ، قَالَ: وَمَنْ طَبَّهُ؟ قَالَ: لَبِيدُ بْنُ الْأَعْصَمِ. قَالَ: فِيمَاذَا؟ قَالَ: فِي مُشْطٍ وَمُشَاقَةٍ وَجُفِّ طَلْعَةٍ ذَكَرٍ، قَالَ: فَأَيْنَ هُوَ؟ قَالَ: فِي بِئْرِ ذَرْوَانَ»، فَخَرَجَ إِلَيْهَا النَّبِيُّ ﷺ ثُمَّ رَجَعَ فَقَالَ لِعَائِشَةَ حِينَ رَجَعَ: «نَخْلُهَا كَأَنَّهُ رُؤُوسُ الشَّيَاطِينِ»، فَقُلْتُ: اسْتَخْرَجْتَهُ؟ فَقَالَ: «لَا، أَمَّا أَنَا فَقَدْ شَفَانِيَ اللهُ وَخَشِيتُ أَنْ يُثِيرَ ذٰلِكَ عَلَى النَّاسِ شَرًّا» ثُمَّ دُفِنَتِ الْبِئْرُ. [راجع: ٣١٧٥]

[3268] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: نبی ﷺ پر جادو کیا گیا تو آپ کو یہ محسوس ہوتا تھا کہ آپ نے کوئی کام کیا ہے، حالانکہ وہ نہ کیا ہوتا تھا۔ پھر آپ نے ایک دن دعا فرمائی، پھر دعا فرمائی (خوب دعا فرمائی)۔ اس کے بعد آپ نے (مجھ سے) فرمایا: ''(عائشہ!) کیا تمھیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آج مجھے ایسی چیز بتائی ہے جس میں میری شفا ہے۔ میرے پاس دو آدمی آئے۔ ان میں سے ایک میرے سر کے پاس اور دوسرا میرے پاؤں کے پاس بیٹھ گیا۔ ایک نے دوسرے سے کہا: انھیں کیا تکلیف ہے؟ اس نے کہا: یہ سحر زدہ ہیں۔ اس نے کہا: ان پر کس نے جادو کیا ہے؟ دوسرے نے کہا: لبید بن اعصم (یہودی) نے۔ اس نے کہا: کس چیز میں جادو کیا ہے؟ دوسرے نے جواب دیا: کنگھی، بالوں اور نرکھجور کے خوشئہ پوست میں۔ اس نے کہا: یہ کہاں رکھا ہے؟ دوسرے نے جواب دیا: ذروان نامی کنویں میں۔'' اس کے بعد نبی ﷺ کنویں کے پاس تشریف لے گئے اور واپس آ کر حضرت عائشہ ؓ سے فرمایا: ''وہاں کی کھجوریں شیاطین کے سر کی مانند ہیں۔'' حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا: کیا آپ نے اسے باہر نکالا ہے؟ آپ نے فرمایا: ''نہیں، اللہ تعالیٰ نے مجھے شفا دے دی ہے اور مجھے اندیشہ ہے کہ اس سے لوگوں میں فساد پھیلے گا۔'' اس کے بعد وہ کنواں بند کر دیا گیا۔

فوائد و مسائل: ① رسول اللہ ﷺ پر جادو بیویوں کے سلسلے میں ہوا تھا کہ آپ ان کے پاس نہ جا سکیں۔ آپ سمجھتے تھے کہ میں ان سے تعلق قائم کر سکتا ہوں لیکن تعلق قائم نہیں کر سکتے تھے، چنانچہ ایک روایت میں ہے: اس جادو کے اثر سے آپ کو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ عورتوں سے صحبت کر رہے ہیں لیکن ایسا نہیں ہوتا تھا۔[1] الغرض اس جادو کا اثر آپ کے خیالات پر ہوا لیکن وحی اور تبلیغ رسالت میں اس کا کوئی اثر نہ ہو سکا۔ اتنا سا جو اثر ہوا اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مصلحت تھی۔ ایک روایت

1 صحيح البخاري، الأدب، حديث : 6063.

میں ہے: آپ نے اس جادو کو کنویں سے نکلوایا لیکن ردعمل کے طور پر اس یہودی سے کوئی باز پرس نہ کی، کہیں ایسا نہ ہو کہ مسلمان جذبات میں آ کر اسے قتل کر دیں، جبکہ اس روایت میں ہے کہ آپ نے اسے نکالا نہیں تھا۔ ان میں تطبیق کی یہ صورت ممکن ہے کہ اس وقت آپ نے نہیں نکلوایا تھا، بعد میں کسی دوسرے وقت اسے نکلوایا اور اس کی تفصیل سے آپ مطلع ہوئے۔ اس کے متعلق مکمل بحث کتاب الطب میں ہوگی۔ ② امام بخاری ؒ کا اس حدیث سے مقصود یہ ہے کہ جادو کی تکمیل میں شیاطین کا ہاتھ ہوتا ہے اور یہ ان کی بری صفات میں سے ہے کہ جادو کے ذریعے سے خاوند اور بیوی کے درمیان اختلاف ڈال دیں۔ نتیجے کے طور پر ان میں تفریق ہو جائے۔

٣٢٦٩ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ: حَدَّثَنِي أَخِي عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ بِلَالٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «يَعْقِدُ الشَّيْطَانُ عَلَى قَافِيَةِ رَأْسِ أَحَدِكُمْ - إِذَا هُوَ نَامَ - ثَلَاثَ عُقَدٍ، يَضْرِبُ عَلَى كُلِّ عُقْدَةٍ مَكَانَهَا: عَلَيْكَ لَيْلٌ طَوِيلٌ فَارْقُدْ، فَإِنِ اسْتَيْقَظَ فَذَكَرَ اللهَ انْحَلَّتْ عُقْدَةٌ، فَإِنْ تَوَضَّأَ انْحَلَّتْ عُقْدَةٌ، فَإِنْ صَلَّى انْحَلَّتْ عُقَدُهُ كُلُّهَا، فَأَصْبَحَ نَشِيطًا طَيِّبَ النَّفْسِ وَإِلَّا أَصْبَحَ خَبِيثَ النَّفْسِ كَسْلَانَ».

[راجع: ١١٤٢]

[3269] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی سویا ہوا ہوتا ہے تو شیطان اس کی گدی پر تین گرہیں لگا دیتا ہے اور ہر گرہ پر یہ افسوں پھونک دیتا ہے کہ ابھی بہت رات باقی ہے، اس لیے سوئے رہو۔ لیکن اگر وہ بیدار ہو کر اللہ کا ذکر کرے تو ایک گرہ کھل جاتی ہے۔ پھر جب وضو کرتا ہے تو دوسری گرہ کھل جاتی ہے۔ پھر جب نماز فجر پڑھتا ہے تو تیسری گرہ بھی کھل جاتی ہے اور وہ صبح کو خوش مزاج اور ہشاش بشاش رہتا ہے، بصورت دیگر وہ بدمزاج اور سست رہ کر اپنا دن گزارتا ہے۔''

فوائد و مسائل: ① امام بخاری ؒ نے کتاب التہجد میں اس پر ایک عنوان ان الفاظ میں قائم کیا ہے: [بَابُ عَقْدِ الشَّيْطَانِ عَلَى قَافِيَةِ الرَّأْسِ إِذَا لَمْ يُصَلِّ بِاللَّيْلِ] ''جب کوئی تہجد نہ پڑھے تو شیطان کا اس کی گدی پر گرہ لگانا۔'' ان گرہوں کے متعلق دو مشہور قول ہیں: ایک یہ کہ حقیقی گرہ مراد ہے اور وہ انسان کو مسحور کر دیتی ہے تاکہ وہ تہجد نہ پڑھ سکے۔ دوسرا یہ کہ گرہ لگانے سے مراد اسے غافل کر دینا ہے، گویا اسے وسوسہ ڈالتا ہے کہ ابھی رات بہت باقی ہے۔ بیدار ہونے کی ضرورت نہیں۔ اس طرح وہ رات کی نماز سے محروم ہو جاتا ہے، تاہم گرہ کے حقیقی معنی مراد لینا ہی اقرب الی الصواب ہے۔ ② سر کی گدی کی تخصیص اس لیے ہے کہ یہ شیطان کے تصرف کا محل ہے اور شیطانی عمل دخل کو یہ جگہ جلد قبول کرتی ہے۔ ③ امام بخاری ؒ نے اس حدیث سے شیطان کا وجود اور اس کی کارکردگی ثابت کی ہے کہ اس کا انسان کی گدی پر گرہ لگا کر اسے خیر کثیر سے محروم کرنا اس کی ایسی گندی صفات میں سے ہے جو انتہائی مذموم اور قابل نفرت ہیں۔

٣٢٧٠ - حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: ذُكِرَ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ رَجُلٌ نَامَ لَيْلَةً حَتَّى أَصْبَحَ، قَالَ: «ذَاكَ رَجُلٌ بَالَ الشَّيْطَانُ فِي أُذُنَيْهِ - أَوْ قَالَ -: فِي أُذُنِهِ». [راجع: ١١٤٤]

[3270] حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ کے پاس ایک ایسے آدمی کا ذکر کیا گیا جو رات سے لے کر صبح تک سویا رہا۔ آپ نے فرمایا: ''اس کے دونوں یا ایک کان میں شیطان نے پیشاب کر دیا ہے۔''

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں شیطان کے پیشاب کرنے سے مراد حقیقتاً پیشاب کرنا ہے۔ اس طرح وہ بے نماز کی توہین کرتا ہے کیونکہ ایسے شخص کے ساتھ ذلت و رسوائی ہی کا معاملہ ہونا چاہیے اور کان کو اس لیے خاص کیا کہ یہ سننے کی جگہ ہیں۔ جب یہ بوجھل ہوں گے تو بیدار نہیں ہو سکے گا اور پیشاب کو اس لیے خاص کیا کہ سوراخوں اور مساموں میں جلدی سرائیت کر کے سستی پیدا کرتا ہے۔ ② بعض حضرات نے یہ معنی کیے ہیں کہ شیطان اس کے کانوں کو باطل سے بھر دیتا ہے اور حق بات سننے سے روک دیتا ہے۔ ③ امام بخاری ؒ نے اس حدیث سے شیطان، اس کے کردار اور اس کی گندی صفات سے پردہ اٹھایا ہے۔

٣٢٧١ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا هَمَّامٌ عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ، عَنْ كُرَيْبٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «أَمَا إِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا أَتَى أَهْلَهُ، وَقَالَ: بِسْمِ اللهِ، اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا، فَرُزِقَا وَلَدًا لَمْ يَضُرَّهُ الشَّيْطَانُ». [راجع: ١٤١]

[3271] حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی اپنی بیوی کے پاس آئے اور بسم اللہ پڑھ کر یہ دعا کرے: ''اے اللہ! ہمیں شیطان سے علیحدہ رکھ اور تو جو اولاد ہمیں عنایت فرمائے اسے بھی شیطان سے دور رکھ۔'' پھر اگر انھیں بچہ دیا گیا تو شیطان اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔''

فوائد و مسائل: ① شریعت کا تقاضا ہے کہ ہر کام کرتے وقت اللہ کا نام لیا جائے تا کہ شیطان کو دخل اندازی کا موقع نہ ملے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَنْ يَعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهُ شَيْطٰنًا﴾ ''جو شخص رحمٰن کے ذکر سے آنکھیں بند کر لیتا ہے تو ہم اس پر شیطان مسلط کر دیتے ہیں۔''[1] اس حدیث میں ایک مسلمان کو ہدایت دی گئی ہے کہ اپنی بیوی سے ہم بستر ہوتے وقت اللہ کا ذکر کرنا چاہیے تا کہ شیطان اس پر اور اس کی اولاد پر مسلط نہ ہو سکے، چنانچہ ایک روایت میں ہے: ''مذکورہ دعا پڑھنے سے اس کی ہونے والی اولاد پر شیطان مسلط نہیں ہو سکے گا۔''[2] ② امام بخاری ؒ نے اس حدیث سے ثابت کیا ہے کہ شیطان ہر وقت اہل ایمان کو تکلیف دینے کے درپے رہتا ہے اور یہ اس کی بری صفات میں سے ہے۔ واللّٰہ أعلم.

---

1 الزخرف 43:36. ② صحيح البخاري، بدء الخلق، حديث: 3283.

٣٢٧٢ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ: أَخْبَرَنَا عَبْدَةُ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِذَا طَلَعَ حَاجِبُ الشَّمْسِ فَدَعُوا الصَّلَاةَ حَتَّى تَبْرُزَ، وَإِذَا غَابَ حَاجِبُ الشَّمْسِ فَدَعُوا الصَّلَاةَ حَتَّى تَغِيبَ». [راجع: ٥٨٣]

[3272] حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب سورج کا کنارہ نکل آئے تو نماز نہ پڑھو جب تک وہ پوری طرح نمایاں نہ ہو جائے اور جب غروب ہونے لگے تو بھی اس وقت تک نماز نہ پڑھو جب تک بالکل غروب نہ ہو جائے۔''

٣٢٧٣ - «وَلَا تَحَيَّنُوا بِصَلَاتِكُمْ طُلُوعَ الشَّمْسِ وَلَا غُرُوبَهَا، فَإِنَّهَا تَطْلُعُ بَيْنَ قَرْنَيْ شَيْطَانٍ، أَوِ الشَّيْطَانِ»، لَا أَدْرِي أَيَّ ذٰلِكَ قَالَ هِشَامٌ. [راجع: ٥٨٢]

[3273] ''سورج کے طلوع و غروب کے وقت نماز نہ پڑھو کیونکہ وہ شیطان کے دونوں سینگوں کے درمیان سے طلوع ہوتا ہے۔''

(راوی کا بیان ہے:) میں نہیں جانتا کہ ہشام نے شیطان کہا یا الشیطان فرمایا۔

فائدہ: ہوتا یہ ہے کہ شیطان طلوع وغروب کے وقت اپنا سر سورج پر رکھ دیتا ہے تاکہ سورج کے پجاریوں کا سجدہ شیطان لعین کو ہو۔ اس سے بھی شیطان کی ایک گندی اور بری حرکت کا پتہ چلتا ہے کہ وہ اولاد آدم کو گمراہ کرنے کے لیے کیسی کیسی ترکیبیں لڑاتا رہتا ہے، اس لیے ہمیں ہمیشہ شریعت کی ہدایت پر عمل کرتے رہنا چاہیے۔

٣٢٧٤ - حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ: حَدَّثَنَا يُونُسُ عَنْ حُمَيْدِ بْنِ هِلَالٍ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «إِذَا مَرَّ بَيْنَ يَدَيْ أَحَدِكُمْ شَيْءٌ، وَهُوَ يُصَلِّي فَلْيَمْنَعْهُ، فَإِنْ أَبَى فَلْيَمْنَعْهُ فَإِنْ أَبَى فَلْيُقَاتِلْهُ، فَإِنَّمَا هُوَ شَيْطَانٌ». [راجع: ٥٠٩]

[3274] حضرت ابوسعید خدری ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی نماز پڑھ رہا ہو اور کوئی چیز اس کے آگے سے گزرے تو اس کو گزرنے سے منع کرے۔ اگر وہ انکار کرے تو وہ دوبارہ روکے۔ اگر پھر بھی انکار کرے تو اب اس کے ساتھ لڑ پڑے کیونکہ بلاشبہ وہ شیطان ہے۔''

فوائد و مسائل: ① نمازی کا فرض ہے کہ وہ اپنے سامنے سترہ رکھ کر نماز پڑھے، اگر اس کے باوجود بھی کوئی اس کے آگے سے گزرتا ہے تو اسے روکنا چاہیے، چنانچہ اسی روایت کے ایک طریق میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے اگر کوئی کسی چیز کو لوگوں سے سترہ بنا کر نماز پڑھے، پھر کوئی اس کے سامنے سے گزرنے کی کوشش کرے تو اسے روکے۔ اگر وہ نہ رُکے تو اس سے لڑے کیونکہ وہ شیطان ہے۔''[1] لڑنے سے مراد ہتھیار سے قتل کرنا نہیں بلکہ گزرنے والے کو سختی سے روکنا ہے۔ اس سے

[1] صحيح البخاري، الصلاة، حديث: 509.

ثابت ہوا کہ نمازی کے آگے سے گزرنا شیطانی فعل ہے کیونکہ اس سے نمازی کی نماز خراب ہوگی۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث سے شیطانی کردار کو ثابت کیا ہے۔ والله أعلم.

٣٢٧٥ - وَقَالَ عُثْمَانُ بْنُ الْهَيْثَمِ: حَدَّثَنَا عَوْفٌ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: وَكَّلَنِي رَسُولُ اللهِ ﷺ بِحِفْظِ زَكَاةِ رَمَضَانَ، فَأَتَانِي آتٍ فَجَعَلَ يَحْثُو مِنَ الطَّعَامِ فَأَخَذْتُهُ فَقُلْتُ: لَأَرْفَعَنَّكَ إِلٰى رَسُولِ اللهِ ﷺ - فَذَكَرَ الْحَدِيثَ - فَقَالَ: إِذَا أَوَيْتَ إِلٰى فِرَاشِكَ فَاقْرَأْ آيَةَ الْكُرْسِيِّ، لَنْ يَزَالَ مِنَ اللهِ حَافِظٌ وَّلَا يَقْرَبُكَ شَيْطَانٌ حَتّٰى تُصْبِحَ. فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «صَدَقَكَ وَهُوَ كَذُوبٌ، ذَاكَ شَيْطَانٌ». [راجع: ٢٣١١]

[3275] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ فطرانے کی نگہداشت پر مقرر فرمایا تو میرے پاس کوئی آنے والا آیا اور دونوں ہاتھ بھر کر غلہ لینے لگا۔ میں نے اسے پکڑ لیا اور کہا: میں تجھے رسول اللہ ﷺ کے پاس ضرور لے کر جاؤں گا، پھر انھوں نے پوری حدیث ذکر کی۔ آخر کار اس (چور) نے کہا: جب تو اپنے بستر پر سونے لگے تو آیت الکرسی پڑھ لیا کر۔ اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ تمھاری حفاظت کرتا رہے گا اور صبح تک شیطان تمھارے قریب نہیں آ سکے گا۔ نبی ﷺ نے یہ ماجرا سن کر فرمایا: ''تھا وہ بہت جھوٹا لیکن تجھ سے سچ کہہ گیا ہے۔ وہ شیطان تھا۔''

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے شیطان کی ایک دوسری کارکردگی کا پتہ چلتا ہے کہ وہ بنی آدم کو مالی نقصان پہنچانے کی بھی کوشش کرتا ہے اگرچہ وہ اس میں کامیاب نہ ہو۔ ② آیت الکرسی کی عظمت کا پتہ چلا کہ یہ آیت اسم اعظم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رات کے وقت پڑھنے والے کی خود اللہ تعالیٰ حفاظت کرتا ہے۔ یہ وظیفہ اگرچہ شیطان کا بتایا ہوا ہے لیکن اگر رسول اللہ ﷺ اس کی تائید و تصدیق نہ فرماتے تو کسی کام کا نہیں تھا اگرچہ آیت قرآنی پر مشتمل ہے۔ ③ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عملیات کے میدان میں خود ساختہ وظائف و اوراد بے کار ہوتے ہیں جب تک رسول اللہ ﷺ کی تائید انھیں حاصل نہ ہو۔ ہمیں چاہیے کہ مسنون وظائف کو اپنی زندگی کا معمول بنائیں۔ والله المستعان.

٣٢٧٦ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ: قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «يَأْتِي الشَّيْطَانُ أَحَدَكُمْ فَيَقُولُ: مَنْ خَلَقَ كَذَا؟ مَنْ خَلَقَ كَذَا؟ حَتّٰى يَقُولَ: مَنْ خَلَقَ رَبَّكَ؟ فَإِذَا بَلَغَهُ فَلْيَسْتَعِذْ

[3276] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''شیطان تم میں سے کسی کے پاس آتا ہے اور اس سے کہتا ہے: یہ کس نے پیدا کیا؟ وہ کس نے پیدا کیا؟ حتی کہ سوال کرنے لگتا ہے کہ تیرے رب کو کس نے پیدا کیا؟ لہٰذا جب نوبت یہاں تک پہنچ جائے تو اسے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آنا چاہیے اور اس

بِاللهِ وَلْيَنْتَهِ».

شیطانی خیال کو ترک کر دینا چاہیے۔''

فوائد و مسائل: شیطانی خیالات دو طرح کے ہوتے ہیں: ایک وہ جو دل میں نہیں جمتے اور نہ ان سے کوئی شبہ ہی جنم لیتا ہے۔ ایسے خیالات تو عدم دلچسپی سے ختم ہو جاتے ہیں۔ دوسرے وہ ہیں جو دل میں جم جائیں اور شبہات کا پیش خیمہ ہوں تو ان کا واحد علاج یہ ہے کہ انسان أعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھے، یعنی ایسے خیالات کا علاج صرف اللہ کی پناہ ہے۔ اس کی طاقت ہی سے ایسے خیالات سے بچاؤ حاصل کیا جا سکتا ہے۔ وہی اس قسم کے شیطانی وسوسے دور کر سکتا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ہے: ﴿إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَٰنٌ﴾ ''میرے خاص بندوں پر تیرا کوئی زور نہیں چلے گا۔''[1] ② اس حدیث سے ایک دوسری شیطانی کارستانی کا پتہ چلتا ہے کہ وہ مسببات کے چکر میں ڈال کر اولاد آدم کو گمراہ کرتا ہے کہ آخر کار اللہ تعالیٰ کے ظہور کی کوئی علت یا سبب ہوگا، حالانکہ اللہ تعالیٰ ایک ایسی پاک ذات ہے جو کسی کی معلول نہیں بلکہ وہ موجود بالذات ہے، وہ اپنے وجود میں کسی کا محتاج نہیں۔ واللہ أعلم.

٣٢٧٧ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ قَالَ: حَدَّثَنِي عُقَيْلٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ: حَدَّثَنِي ابْنُ أَبِي أَنَسٍ مَّوْلَى التَّيْمِيِّينَ: أَنَّ أَبَاهُ حَدَّثَهُ: أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِذَا دَخَلَ رَمَضَانُ فُتِّحَتْ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ، وَغُلِّقَتْ أَبْوَابُ جَهَنَّمَ، وَسُلْسِلَتِ الشَّيَاطِينُ». [راجع: ١٨٩٨]

[3277] حضرت ابو ہریرہ ؓ سے ہی ایک اور روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب رمضان کا مہینہ آتا ہے تو جنت کے دروازے چوپٹ کھول دیے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بالکل بند کر دیے جاتے ہیں اور شیاطین کو بھی پابند سلاسل (قید) کر دیا جاتا ہے۔''

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں اہل ایمان کے لیے ایک فضیلت کا بیان ہے کہ ان کے لیے جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں کہ مرتے ہی جنت میں پہنچ جائیں گے۔ اس کے لیے عقیدے کی درستی اور اعمال کا سنت کے مطابق ہونا بنیادی شرط ہے۔ اس کا یہ مطلب قطعاً نہیں کہ جو بھی اس مہینے میں مر جائے اس کا حساب کتاب نہیں ہوتا بلکہ وہ سیدھا جنت میں پہنچ جاتا ہے۔ اس خود ساختہ فارمولے کے مطابق ابوجہل ملعون اور اس کے بدبخت ساتھیوں کا حساب نہیں ہونا چاہیے کیونکہ وہ رمضان میں مرے تھے، لیکن ان کا حساب تو مرتے ہی شروع ہو گیا تھا جب انھیں گھسیٹ کر میدان بدر کے ایک اندھے کنویں میں ڈال دیا گیا تھا۔ ② امام بخاری ؒ کا اس حدیث سے یہ مقصود ہے کہ ماہ رمضان کے حوالے سے شیطان کے ایک وصف سے آگاہ کر دیا جائے کہ اسے پابند سلاسل کر دیا جاتا ہے، البتہ جن لوگوں کے اپنے نفس ہی شیطان بن چکے ہیں وہ اس میں شامل نہیں ہیں۔

٣٢٧٨ - حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ:

[3278] حضرت ابی بن کعب ؓ سے روایت ہے،

① الحجر 42:15.

حَدَّثَنَا عَمْرٌو قَالَ: أَخْبَرَنِي سَعِيدُ بْنُ جُبَيْرٍ قَالَ: قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ فَقَالَ: حَدَّثَنَا أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ: أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «إِنَّ مُوسَى قَالَ لِفَتَاهُ: آتِنَا غَدَاءَنَا، قَالَ: أَرَأَيْتَ إِذْ أَوَيْنَا إِلَى الصَّخْرَةِ فَإِنِّي نَسِيتُ الْحُوتَ وَمَا أَنْسَانِيهِ إِلَّا الشَّيْطَانُ أَنْ أَذْكُرَهُ، وَلَمْ يَجِدْ مُوسَى النَّصَبَ حَتَّى جَاوَزَ الْمَكَانَ الَّذِي أَمَرَ اللهُ بِهِ». [راجع: ٧٤]

انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''حضرت موسیٰ ؑ نے اپنے رفیق سفر سے فرمایا: ہمارا ناشتہ لاؤ۔ تو اس نے کہا: دیکھیے! جب ہم نے چٹان کے پاس پڑاؤ کیا تھا تو میں مچھلی وہیں بھول گیا۔ اور مجھے اسے یاد رکھنے سے صرف شیطان نے غافل رکھا۔ حضرت موسیٰ ؑ کو اس وقت تک کوئی تھکاوٹ محسوس نہ ہوئی جب تک اس جگہ سے آگے نہ گزر گئے جس کا اللہ تعالیٰ نے انھیں حکم دیا تھا۔''

فائدہ: شیطان کا یہ بنیادی مقصد ہے کہ اس نے ہر طرح سے اولاد آدم کو سیدھے راستے سے ہٹاتا ہے اور انسانی کاموں میں دخل اندازی کر کے اللہ کی یاد سے انھیں غافل کرنا ہے جیسا کہ مذکورہ واقعے میں ہے کہ مچھلی گم ہونے کو ایک علامت ٹھہرایا گیا تھا کہ تمھاری خضر ؑ سے وہاں ملاقات ہوگی۔ اس سفر کا بنیادی مقصد حضرت خضر ؑ سے ملاقات کرنا تھا اور اس کے لیے مچھلی کو بطور علامت مقرر کیا گیا تھا، اس کے باوجود بھی شیطان نے انھیں غافل کر دیا اور وہ خواہ مخواہ پریشانی میں مبتلا ہوئے، پھر مزید سفر کرنا پڑا، پریشانی الگ ہوئی۔ اگرچہ رسول، شیطانی کارستانیوں سے محفوظ ہوتے ہیں، تاہم شیطان ان کے ساتھ چلنے والوں کو پریشان کر کے ان کی پریشانی کا سبب مہیا کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے محفوظ رکھے۔ آمین.

٣٢٧٩ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يُشِيرُ إِلَى الْمَشْرِقِ فَقَالَ: «هَا إِنَّ الْفِتْنَةَ هَاهُنَا، إِنَّ الْفِتْنَةَ هَاهُنَا مِنْ حَيْثُ يَطْلُعُ قَرْنُ الشَّيْطَانِ». [راجع: ٣١٠٤]

[3279] حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا، آپ نے مشرق کی جانب اشارہ کر کے فرمایا: ''فتنہ یہاں ہے۔ فساد اسی جگہ سے برپا ہوگا جہاں سے شیطان کا سینگ طلوع ہوتا ہے۔''

فوائد و مسائل: ① اس سے مراد سرزمین عراق ہے جو مدینہ طیبہ سے مشرق کی جانب ہے اور شروع سے آج تک فتنوں کی آماجگاہ ہے۔ ② یہ حدیث اعلام نبوت میں سے ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے خبر دی تھی کہ مشرق کی طرف سے فتنوں کا آغاز ہو گا، چنانچہ جیسے آپ نے فرمایا تھا ویسے ہی ہوا اور مشرق کی طرف سے فتنوں کا آغاز ہوا۔ ان فتنوں کی تفصیل ہم پہلے بیان کر آئے ہیں۔ ③ اس حدیث میں طلوع کی نسبت سینگ کی طرف کی گئی ہے، حالانکہ طلوع تو سورج ہوتا ہے؟ درحقیقت طلوع آفتاب کے وقت شیطان کا سینگ بھی ساتھ ہوتا ہے، اس لیے طلوع کی نسبت سورج کے بجائے سینگ کی طرف کر دی گئی ہے۔

٣٢٨٠ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ جَعْفَرٍ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ الْأَنْصَارِيُّ: حَدَّثَنِي ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي عَطَاءٌ عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «إِذَا اسْتَجْنَحَ - أَوْ كَانَ جُنْحُ اللَّيْلِ - فَكُفُّوا صِبْيَانَكُمْ فَإِنَّ الشَّيَاطِينَ تَنْتَشِرُ حِينَئِذٍ، فَإِذَا ذَهَبَ سَاعَةٌ مِّنَ الْعِشَاءِ فَخَلُّوهُمْ، وَأَغْلِقْ بَابَكَ وَاذْكُرِ اسْمَ اللهِ، وَأَطْفِئْ مِصْبَاحَكَ وَاذْكُرِ اسْمَ اللهِ، وَأَوْكِ سِقَاءَكَ وَاذْكُرِ اسْمَ اللهِ، وَخَمِّرْ إِنَاءَكَ وَاذْكُرِ اسْمَ اللهِ، وَلَوْ تَعْرُضُ عَلَيْهِ شَيْئًا». [انظر: ٣٣٠٤، ٣٣١٦، ٥٦٢٣، ٥٦٢٤، ٦٢٩٥، ٦٢٩٦]

[3280] حضرت جابر ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''جب رات شروع ہو یا رات کا اندھیرا چھا جائے تو اپنے بچوں کو باہر نکلنے سے روک لو کیونکہ اس وقت شیاطین پھیل جاتے ہیں۔ پھر جب رات کا کچھ حصہ گزر جائے تو اس وقت بچوں کو چھوڑ دو، نیز بسم اللہ پڑھ کر دروازہ بند کرو۔ بسم اللہ پڑھ کر ہی چراغ گل کرو اور اللہ کا نام لے کر مشکیزے کا منہ بند کرو۔ پھر اللہ کا نام لے کر کھانے کا برتن ڈھانپ دو، خواہ (ڈھکن کے علاوہ) کوئی اور چیز رکھ دو۔''

فوائد و مسائل: ① رات کے وقت شیاطین کے پھیلنے کا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ روشنی کی نسبت اندھیرے میں ان کی حرکات زیادہ ہوتی ہیں۔ وہ اندھیرے میں فائدہ اٹھاتے ہیں اور روشنی کو مکروہ جانتے ہیں، اسی طرح ہر سیاہ چیز کو وہ اچھا جانتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے سیاہ کتے کو شیطان کہا ہے، اس کی وجہ بھی ان کا سیاہ چیز سے مانوس ہونا ہے۔ ② اس وقت بچوں پر خوف کا سبب یہ ہے کہ بچوں کے ساتھ نجاست وغیرہ لگی ہوتی ہے جس سے شیاطین کو بڑی دلچسپی ہے۔ ان سے اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ذریعے سے بچا جا سکتا ہے جس کی صلاحیت بچوں میں نہیں ہوتی۔ اس بنا پر شیاطین جب پھیلتے ہیں تو جو چیز ان کے مناسب ہوتی ہے اس کے ساتھ متعلق ہو جاتے ہیں۔ رات کو سوتے وقت اگر نقصان کا اندیشہ نہ ہو، مثلاً: قندیل چھت سے لٹک رہی ہے یا بجلی کا بلب جل رہا ہے تو ضرورت کے پیش نظر رات کے وقت ان کو جلانا جائز ہے۔ بہر حال انسان کو چاہیے کہ ان احکام پر عمل پیرا رہے کیونکہ ایسا کرنے سے اللہ کی مدد شامل حال ہوتی ہے اور انسان تکلیف سے محفوظ رہتا ہے۔ واللّٰہ المستعان.

٣٢٨١ - حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنٍ، عَنْ صَفِيَّةَ بِنْتِ حُيَيٍّ قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مُعْتَكِفًا فَأَتَيْتُهُ أَزُورُهُ لَيْلًا فَحَدَّثْتُهُ، ثُمَّ قُمْتُ فَانْقَلَبْتُ فَقَامَ مَعِيَ لِيَقْلِبَنِي - وَكَانَ مَسْكَنُهَا فِي دَارِ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ - فَمَرَّ رَجُلَانِ مِنَ الْأَنْصَارِ فَلَمَّا رَأَيَا النَّبِيَّ ﷺ أَسْرَعَا

[3281] حضرت صفیہ بنت حیی ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ معتکف تھے تو میں ایک رات آپ سے ملاقات کے لیے آئی اور آپ سے باتیں کرتی رہی۔ پھر میں اٹھی اور اپنے گھر جانے لگی تو آپ بھی میرے ساتھ اٹھے تاکہ مجھے گھر چھوڑ آئیں۔ ان کی رہائش حضرت اسامہ بن زید ؓ کی حویلی میں تھی۔ اس دوران میں دو انصاری مرد وہاں سے گزرے۔ جب انھوں نے

فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «عَلٰى رِسْلِكُمَا، إِنَّهَا صَفِيَّةُ بِنْتُ حُيَيٍّ». فَقَالَا: سُبْحَانَ اللهِ، يَا رَسُولَ اللهِ! قَالَ: «إِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِي مِنَ الْإِنْسَانِ مَجْرَى الدَّمِ، وَإِنِّي خَشِيتُ أَنْ يَقْذِفَ فِي قُلُوبِكُمَا سُوءًا - أَوْ قَالَ - : شَيْئًا». [راجع: ٢٠٣٥]

نبی ﷺ کو دیکھا تو تیزی سے چلنے لگے۔ تب رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: ''اپنی جگہ ٹھہر جاؤ۔ یہ میری بیوی صفیہ بنت حیی ہے۔'' انھوں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! سبحان اللہ (ہم ایسا ویسا گمان کر سکتے ہیں؟) آپ نے فرمایا: ''شیطان، انسان کے اندر خون کی طرح دوڑتا رہتا ہے۔ مجھے اندیشہ ہوا، مبادا تمھارے دلوں میں کوئی برائی یا اور کوئی چیز ڈال دے۔''

فوائد و مسائل: ① رسول اللہ ﷺ اپنی امت پر بہت مہربانی اور شفقت کرتے تھے، اس لیے آپ نے وضاحت کر دی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ شیطان ان کے دلوں میں کوئی ایسی ویسی بات ڈال دے جو ان کی ہلاکت کا باعث ہو۔ ② اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انسان کو کسی بھی ایسی حالت سے بچنا چاہیے جس سے شبہات پیدا ہوں اور اگر بظاہر ایسا موقع بن جائے تو اس کی وضاحت کر دینی چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ نے یہی سوچ کر ان کے سامنے اصل معاملہ رکھ دیا اور انھیں غلط وسوسے سے بچا لیا۔ ③ انسان کے جسم میں شیطان کا گردش کرنا حقیقت پر محمول ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے انسان کے جسم میں خون کی طرح گردش کرنے کی قوت دی ہے، تاہم کچھ علماء کا خیال ہے کہ وہ کثرت وساوس کی بنا پر انسان کے ساتھ لگا رہتا ہے اور اس سے علیحدہ نہیں ہوتا۔ ④ امام بخاری ؒ نے اس حدیث سے ہمیں متنبہ کیا ہے کہ شیطانی وسوسہ اندازی سے ہمیں چوکس رہنا چاہیے۔ وہ بڑے خفیہ اور لطیف انداز سے لوگوں کو گمراہ کرتا ہے۔ اس کی خفیہ سازش کو قرآن کریم نے آخری سورت میں بیان کیا ہے۔

٣٢٨٢ - حَدَّثَنَا عَبْدَانُ عَنْ أَبِي حَمْزَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ عَدِيِّ بْنِ ثَابِتٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ ابْنِ صُرَدٍ قَالَ: كُنْتُ جَالِسًا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ وَرَجُلَانِ يَسْتَبَّانِ، فَأَحَدُهُمَا احْمَرَّ وَجْهُهُ وَانْتَفَخَتْ أَوْدَاجُهُ. فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «إِنِّي لَأَعْلَمُ كَلِمَةً لَوْ قَالَهَا ذَهَبَ عَنْهُ مَا يَجِدُ، لَوْ قَالَ: أَعُوذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطَانِ ذَهَبَ عَنْهُ مَا يَجِدُ»، فَقَالُوا لَهُ: إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: تَعَوَّذْ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطَانِ، فَقَالَ: وَهَلْ بِي جُنُونٌ؟. [انظر: ٦٠٤٨، ٦١١٥]

[3282] حضرت سلیمان بن صرد ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نبی ﷺ کے پاس بیٹھا ہوا تھا، اتنے میں دو آدمی ایک دوسرے سے گالی گلوچ کرنے لگے۔ پھر ان میں سے ایک کا چہرا سرخ ہو گیا اور رگیں پھول گئیں تو نبی ﷺ نے فرمایا: ''میں ایک ایسی دعا جانتا ہوں، اگر یہ شخص اسے پڑھ لے تو اس کا غصہ جاتا رہے۔ یہ (شخص) أعوذ باللّٰه من الشيطان پڑھ لے تو اس کا غصہ ختم ہو جائے گا۔'' لوگوں نے اس شخص سے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ تو شیطان سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کر۔ اس نے کہا: کیا میں دیوانہ ہوں (کہ شیطان سے پناہ مانگوں؟)

فوائد و مسائل: ① استعاذہ، شیطان کے ہتھیاروں کو کند کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ ② غالباً وہ شخص منافق یا جاہل

دیہاتی تھا جو آدابِ رسالت سے واقف نہیں تھا۔ اس کے خیال کے مطابق شیطان سے اس وقت پناہ مانگی جاتی ہے جب انسان دیوانگی میں گرفتار ہو۔ شاید اسے معلوم نہ تھا کہ غصہ کوئی عقل مندی کی علامت نہیں بلکہ یہ بھی جنون اور دیوانہ پن ہی کی ایک قسم ہے۔ ایک روایت کے مطابق غصے کے وقت انسان کو وضو کر لینا چاہیے، اس سے بھی غصے کی آگ ٹھنڈی ہو جاتی ہے۔[1]

٣٢٨٣ - حَدَّثَنَا آدَمُ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ: حَدَّثَنَا مَنْصُورٌ عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ، عَنْ كُرَيْبٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «لَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا أَتَى أَهْلَهُ قَالَ: اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنِي الشَّيْطَانَ، وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنِي، فَإِنْ كَانَ بَيْنَهُمَا وَلَدٌ لَّمْ يَضُرُّهُ الشَّيْطَانُ وَلَمْ يُسَلَّطْ عَلَيْهِ».

قَالَ: وَحَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ سَالِمٍ، عَنْ كُرَيْبٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ مِّثْلَهُ. [راجع: ١٤١]

[3283] حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اگر تم میں سے کوئی اپنی بیوی کے پاس آنا چاہے تو کہے: ''اے اللہ! مجھے شیطان سے دور رکھ اور شیطان کو اس اولاد سے بھی دور رکھ جو تو مجھے عطا کرے۔'' اگر اس صحبت سے کوئی بچہ پیدا ہوا تو شیطان اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا اور نہ اس پر قابو ہی پا سکے گا۔'' ہم سے اعمش نے بیان کیا، ان سے حضرت سالم نے، ان سے کریب نے اور ان سے حضرت ابن عباس ؓ نے ایسی ہی روایت بیان کی ہے۔

فوائد و مسائل: ① یہ حدیث پہلے بھی بیان ہو چکی ہے۔ شیطان کے نقصان نہ پہنچانے سے مراد یہ ہے کہ اس پر شیطان اس طرح مسلط نہیں ہو سکے گا کہ اسے کوئی نیک عمل ہی نہ کرنے دے۔ اس سے ہر قسم کی وسوسہ اندازی سے حفاظت مراد نہیں۔ بہرحال اس قسم کے اعمال و وظائف کو زندگی کا حصہ بنانا چاہیے۔ ② واضح رہے کہ مذکورہ دعا صرف خاوند کے لیے ہی نہیں بلکہ بیوی کو بھی اسے پڑھنا چاہیے۔ ③ حدیث کے آخر میں ایک دوسری سند بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ حضرت شعبہ کے دو استاد ہیں: ایک منصور اور دوسرے اعمش۔ یہ دونوں حضرت سالم سے بیان کرتے ہیں۔ واللہ أعلم.

٣٢٨٤ - حَدَّثَنَا مَحْمُودٌ: حَدَّثَنَا شَبَابَةُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ زِيَادٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ صَلَّى صَلَاةً فَقَالَ: «إِنَّ الشَّيْطَانَ عَرَضَ لِي فَشَدَّ عَلَيَّ يَقْطَعُ الصَّلَاةَ عَلَيَّ فَأَمْكَنَنِيَ اللهُ مِنْهُ»، فَذَكَرَهُ. [راجع: ٤٦١]

[3284] حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے نماز پڑھی تو فرمایا: ''شیطان میرے سامنے آیا اور مجھ پر اس نے پورا زور لگایا کہ میری نماز قطع کرے لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے اس پر قدرت عطا فرمائی۔'' اس کے بعد حضرت ابو ہریرہ ؓ نے پوری حدیث بیان کی۔

فوائد و مسائل: ① رسول اللہ ﷺ پر بڑے سرکش قسم کے شیطان نے حملہ کیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے پکڑ کر اس کا گلا

① سنن أبي داود، الأدب، حديث : 4784.

دبایا، پھر آپ نے اسے مسجد کے ستون کے ساتھ باندھنے کا ارادہ فرمایا تاکہ صحابۂ کرام ؓ اس منحوس کو دیکھیں لیکن آپ کو حضرت سلیمان ؑ کی دعا یاد آ گئی کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی: ﴿رَبِّ اغْفِرْ لِي وَهَبْ لِي مُلْكًا لَّا يَنبَغِي لِأَحَدٍ مِّنْ بَعْدِي﴾ ''اے اللہ! مجھے معاف کر دے اور مجھے ایسی حکومت دے جو میرے بعد کسی کے لائق نہ ہو۔''[1] رسول اللہ ﷺ نے اسے شرمسار کر کے چھوڑ دیا۔ اس طرح وہ اپنے مقصد میں بری طرح ناکام رہا۔[2] ② مقصد یہ ہے کہ لعین شیطان ایسی گندی فطرت کا حامل ہے کہ اس نے رسول اللہ ﷺ پر بھی حملہ کرنے سے گریز نہیں کیا۔

٣٢٨٥ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ: حَدَّثَنَا الْأَوْزَاعِيُّ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «إِذَا نُودِيَ بِالصَّلَاةِ أَدْبَرَ الشَّيْطَانُ وَلَهُ ضُرَاطٌ، فَإِذَا قُضِيَ أَقْبَلَ، فَإِذَا ثُوِّبَ بِهَا أَدْبَرَ، فَإِذَا قُضِيَ أَقْبَلَ حَتَّى يَخْطِرَ بَيْنَ الْإِنْسَانِ وَقَلْبِهِ فَيَقُولُ: اذْكُرْ كَذَا وَكَذَا، حَتَّى لَا يَدْرِي أَثَلَاثًا صَلَّى أَمْ أَرْبَعًا، فَإِذَا لَمْ يَدْرِ ثَلَاثًا صَلَّى أَوْ أَرْبَعًا، سَجَدَ سَجْدَتَيِ السَّهْوِ». [راجع: ٦٠٨]

[3285] حضرت ابوہریرہ ؓ ہی سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جب نماز کے لیے اذان کہی جاتی ہے تو شیطان گوز مارتا ہوا بھاگ جاتا ہے۔ جب اذان پوری ہو جاتی ہے تو واپس آ جاتا ہے۔ پھر جب اقامت کہی جاتی ہے تو پھر دم دبا کر بھاگ نکلتا ہے۔ جب وہ ختم ہو جاتی ہے تو پھر واپس آ جاتا ہے اور نمازی کے دل میں وسوسے اور خیالات ڈالنے شروع کر دیتا ہے اور کہتا ہے: فلاں کام یاد کرو، فلاں چیز یاد کرو حتی کہ نمازی کو یاد نہیں رہتا کہ اس نے تین رکعتیں پڑھی ہیں یا چار، تو جب نوبت یہاں تک پہنچ جائے کہ اسے تین یا چار رکعتیں پڑھنے کا پتہ نہ چلے تو سہو کے دو سجدے کر لے۔''

فوائد و مسائل: ① شیطان، اذان سے نفرت کر کے اتنی زور سے بھاگتا ہے کہ اس کی ہوا نکلنے لگ جاتی ہے۔ اس سے شیطان کے وجود اور اس کی گندی صفت اذان کی آواز سن کر پادنا ثابت ہوا۔ اس دور میں بہت سے شیطان نما انسان بھی ایسے ہیں جو اذان جیسی پیاری آواز سے نفرت کرتے ہیں اور اذان کو روکنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایسے لوگ بظاہر انسان لیکن درحقیقت شیطان کی اولاد ہیں۔ ② واضح رہے کہ جب نمازی کو تعداد رکعات کے متعلق شک پڑے تو یقینی تعداد پر بنیاد رکھ کر اپنی نماز پوری کرے اور بعد میں دو سجدۂ سہو کرے تاکہ بھول کی تلافی ہو جائے۔

٣٢٨٦ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «كُلُّ بَنِي

[3286] حضرت ابوہریرہ ؓ سے ایک اور روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''ہر انسان کی پیدائش کے وقت شیطان اپنی انگلیوں سے اس کے پہلو میں کچوکے

---

[1] صٓ 38:35. [2] صحيح البخاري، الصلاة، حديث: 461.

آدَمَ يَطْعُنُ الشَّيْطَانُ فِي جَنْبِهِ بِإِصْبَعَيْهِ حِينَ يُولَدُ، غَيْرَ عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ ذَهَبَ يَطْعُنُ، فَطَعَنَ فِي الْحِجَابِ». [انظر: ٣٤٣١، ٤٥٤٨]

لگاتا ہے، سوائے عیسیٰ ابن مریم کے۔ وہ انھیں کچوکا لگانے لگا تو وہ کچوکا اس پردے پر ہی لگ لیا جس میں وہ لپٹے ہوئے تھے۔"

فائدہ: مریم ؑ کی والدہ نے حضرت مریم کی پیدائش پر دعا کی تھی: ﴿إِنِّىٓ أُعِيذُهَا بِكَ وَ ذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيمِ﴾ "اے اللہ! میں اسے اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔"[1] اس دعا کی برکت سے شیطان انھیں کچوکا لگانے میں کامیاب نہ ہو سکا بلکہ اس جھلی ہی کو کچوکا لگایا جس میں عیسیٰ علیہ السلام تھے، چنانچہ ایک روایت میں ہے: جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو شیطان اس کی پیدائش کے وقت (اپنے غلیظ ہاتھوں سے) اسے چھوتا ہے تو وہ چلا کر رونے لگتا ہے، صرف مریم اور اس کے بیٹے کو شیطان نے نہیں چھوا۔ پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے مذکورہ بالا آیت کی تلاوت فرمائی۔[2]

٣٢٨٧ - حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا إِسْرَائِيلُ عَنِ الْمُغِيرَةِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَلْقَمَةَ قَالَ: قَدِمْتُ الشَّامَ، قَالُوا: أَبُو الدَّرْدَاءِ قَالَ: أَفِيكُمُ الَّذِي أَجَارَهُ اللهُ مِنَ الشَّيْطَانِ عَلٰى لِسَانِ نَبِيِّهِ ﷺ؟.

[3287] حضرت علقمہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں شام گیا تو لوگوں نے کہا: یہاں حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ موجود ہیں۔ (ہم ان سے ملنے گئے تو) انھوں نے پوچھا: کیا تم میں وہ شخص ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی زبانی شیطان سے محفوظ رکھا ہے؟

حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ مُغِيرَةَ، وَقَالَ: الَّذِي أَجَارَهُ اللهُ عَلٰى لِسَانِ نَبِيِّهِ ﷺ، يَعْنِي عَمَّارًا. [انظر: ٣٧٤٢، ٣٧٤٣، ٣٧٦١، ٤٩٤٣، ٤٩٤٤، ٦٢٧٨]

مغیرہ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: جنھیں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اکرم ﷺ کی زبانی شیطان سے پناہ دینے کا اعلان کیا ہے، یعنی حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما۔

فوائد و مسائل: ① یہ حدیث مختصر ہے۔ تفصیل اس طرح ہے کہ حضرت علقمہ رحمہ اللہ جب شام گئے تو انھوں نے اللہ سے دعا کی کہ مجھے کوئی اچھا ساتھی مل جائے۔ کہتے ہیں: میں نے دیکھا میرے پہلو میں ایک شیخ محترم بیٹھے ہیں۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ ہیں۔ پھر انھوں نے یہ حدیث بیان کی۔ ② اس حدیث کو ظاہر پر محمول کیا جائے کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ شیطانی اغوا میں نہیں آئیں گے، چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ خلیفۂ راشد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ شریک نہ ہوئے۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو یہ فضیلت حاصل ہے کہ شیطان ان پر مسلط نہیں ہوگا۔ ممکن ہے حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کی طرف اشارہ کیا ہو جس میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے لیے فرمایا: "انھیں باغی گروہ قتل کرے گا، افسوس کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ انھیں جنت کی دعوت دیں گے اور وہ انھیں جہنم کی طرف بلائیں گے۔"[3]

---

① آل عمران 3:36. ② صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، حديث: 3431. ③ صحيح البخاري، الصلاة، حديث: 447.

٣٢٨٨ - قَالَ: وَقَالَ اللَّيْثُ: حَدَّثَنِي خَالِدُ ابْنُ يَزِيدَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي هِلَالٍ: أَنَّ أَبَا الْأَسْوَدِ أَخْبَرَهُ عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «اَلْمَلَائِكَةُ تَحَدَّثُ فِي الْعَنَانِ - وَالْعَنَانُ: الْغَمَامُ - بِالْأَمْرِ يَكُونُ فِي الْأَرْضِ فَتَسْمَعُ الشَّيَاطِينُ الْكَلِمَةَ فَتَقُرُّهَا فِي آذَانِ الْكَاهِنِ كَمَا تُقَرُّ الْقَارُورَةُ فَيَزِيدُونَ مَعَهَا مِائَةَ كِذْبَةٍ». [راجع: ٣٢١٠]

[3288] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتی ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''فرشتے اس معاملے کے متعلق بادل میں ایک دوسرے سے باتیں کرتے ہیں جو زمین میں واقع ہونے والا ہوتا ہے تو شیاطین ان میں سے کوئی ایک بات سن لیتے ہیں اور اس کو کاہن کے منہ میں اس طرح ڈالتے ہیں جیسے شیشی میں (پانی) ڈالا جاتا ہے۔ پھر کاہن اس میں سو جھوٹ اپنی طرف سے ملا لیتے ہیں۔''

فوائد ومسائل: ① اگر شیشی میں کوئی عرق یا تیل وغیرہ ڈالنا ہو تو اس کے منہ کے قریب سے اس میں ڈالا جاتا ہے تا کہ کوئی قطرہ باہر نہ گرے، اسی طرح شیطان کاہن کے کان سے اپنا منہ لگا کر چپکے سے وہ بات اس کے کان میں ڈال دیتا ہے۔ ② اس حدیث میں ان شعبدہ باز لوگوں کی فنکاری سے پردہ اٹھایا گیا ہے جو آئے دن ضعیف الاعتقاد لوگوں کے مال ہڑپ کرتے بلکہ ان کی عزتوں سے کھیلتے ہیں۔ ③ امام بخاری ؒ نے شیاطین کا وجود اور ان کی کارستانیاں بیان کرنے کے لیے یہ حدیث بیان کی ہے۔

٣٢٨٩ - حَدَّثَنَا عَاصِمُ بْنُ عَلِيٍّ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ عَنْ سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «التَّثَاؤُبُ مِنَ الشَّيْطَانِ، فَإِذَا تَثَاءَبَ أَحَدُكُمْ فَلْيَرُدَّهُ مَا اسْتَطَاعَ، فَإِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا قَالَ: هَا، ضَحِكَ الشَّيْطَانُ». [انظر: ٦٢٢٣، ٦٢٢٦]

[3289] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''جمائی لینا، شیطان کی طرف سے ہے۔ جب تم میں سے کوئی شخص جمائی لے تو جس قدر ممکن ہو اسے روکے کیونکہ جب کوئی (جمائی کے وقت) ہا، ہا کرتا ہے تو شیطان اس پر ہنستا ہے۔''

فائدہ: جمائی کی حقیقت سانس ہے جس سے منہ زور سے کھلنے لگتا ہے تا کہ وہ جبڑوں کے درمیان رُکے ہوئے بخارات کو نکالے جو معدے کے زیادہ بھر جانے اور بدن کے بھاری ہونے سے پیدا ہوتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سبب سے نفرت دلائی جو اس کے پیدا ہونے کا ذریعہ ہے۔ یاد رہے کہ کھانے پینے میں وسعت کی وجہ سے انسان کا جسم بوجھل، پھر وہ سستی کا شکار ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد اللہ کی عبادت بارگراں محسوس ہوتی ہے، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اسے شیطان کی طرف منسوب کیا ہے کیونکہ وہ نفس کو خواہشات وشہوت کی طرف مائل کرتا ہے۔ جب انسان اس قسم کی حالت سے دو چار ہو تو اسے حتی المقدور روکے، اگر نہ رکے تو اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لے، منہ کھلا چھوڑ کر جمائی لینا اور ہا، ہا کی آوازیں نکالنا انسانی وقار کے منافی ہے۔

٣٢٩٠ - حَدَّثَنَا زَكَرِيَّا بْنُ يَحْيَى: حَدَّثَنَا أَبُو

[3290] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے

أُسَامَةَ قَالَ: هِشَامٌ أَخْبَرَنَا عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: لَمَّا كَانَ يَوْمُ أُحُدٍ هُزِمَ الْمُشْرِكُونَ فَصَاحَ إِبْلِيسُ: أَيْ عِبَادَ اللهِ! أُخْرَاكُمْ، فَرَجَعَتْ أُولَاهُمْ فَاجْتَلَدَتْ هِيَ وَأُخْرَاهُمْ فَنَظَرَ حُذَيْفَةُ فَإِذَا هُوَ بِأَبِيهِ الْيَمَانِ فَقَالَ: أَيْ عِبَادَ اللهِ! أَبِي أَبِي، فَوَاللهِ مَا احْتَجَزُوا حَتَّى قَتَلُوهُ. فَقَالَ حُذَيْفَةُ: غَفَرَ اللهُ لَكُمْ.

فرمایا: جب غزوۂ احد میں مشرکین شکست خوردہ ہوئے تو ابلیس نے چلا کر کہا: اللہ کے بندو! اپنے پیچھے والوں کی خبر لو۔ آگے والے پچھلوں پر ٹوٹ پڑے اور آپس میں الجھ گئے۔ اس دوران میں حضرت حذیفہ ؓ نے دیکھا کہ ان کے والد حضرت یمان ؓ بھی پیچھے تھے۔ انھوں نے کہا: اللہ کے بندو! یہ میرے والد ہیں، یہ میرے والد ہیں، لیکن اللہ کی قسم! مسلمان نہ رکے حتی کہ انھوں نے ان کو قتل کر دیا۔ حضرت حذیفہ نے صرف اتنا کہا: اللہ تمھیں معاف کرے (یہ تم نے کیا کیا ہے؟)

قَالَ عُرْوَةُ: فَمَا زَالَتْ فِي حُذَيْفَةَ مِنْهُ بَقِيَّةُ خَيْرٍ حَتَّى لَحِقَ بِاللهِ. [انظر: ٣٨٢٤، ٤٠٦٥، ٦٦٦٨، ٦٨٨٣، ٦٨٩٠]

حضرت عروہ فرماتے ہیں: پھر حضرت حذیفہ ؓ ہمیشہ (آخری دم تک اپنے والد کے قاتلوں کے لیے) دعائے خیر کرتے رہے یہاں تک کہ اللہ سے جا ملے۔

فوائد و مسائل: ① ابلیس لعین کا یہ مقصد تھا کہ مسلمانوں کو غلط فہمی میں مبتلا کر کے انھیں آپس میں لڑا دے، چنانچہ اگلے لوگوں نے پچھلوں کو مشرک سمجھتے ہوئے ان پر حملہ کر دیا اور وہ آپس میں الجھ کر رہ گئے۔ اس بھگدڑ کے نتیجے میں حضرت یمان ؓ قتل کر دیے گئے۔ ② بہرحال یہ ابلیس کا ایک فریب تھا جس میں وہ کامیاب ہوا جو کہ شدت کی جنگ تھی۔ مسلمان غلط فہمی کا شکار ہو گئے تھے، اس لیے اس غلطی میں حضرت حذیفہ ؓ کے والد گرامی قتل ہو گئے۔ حضرت حذیفہ ؓ نے اپنے باپ کے قاتلوں کو معاف کر دیا اور ہمیشہ ان کے لیے دعا اور استغفار کرتے رہے۔ اگر ہمارے جیسا کوئی ہوتا تو ایسے موقع پر ہنگامہ کھڑا کر دیتا لیکن یہ صحابۂ کرام ؓ کی عظمت تھی کہ وہ مشکل حالات میں بھی آپے سے باہر نہیں ہوتے تھے...... رضی اللہ عنہم أجمعین ......

٣٢٩١ - حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ الرَّبِيعِ: حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ عَنْ أَشْعَثَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ مَسْرُوقٍ قَالَ: قَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: سَأَلْتُ النَّبِيَّ ﷺ عَنِ الْتِفَاتِ الرَّجُلِ فِي الصَّلَاةِ، فَقَالَ: «هُوَ اخْتِلَاسٌ يَخْتَلِسُهُ الشَّيْطَانُ مِنْ صَلَاةِ أَحَدِكُمْ». [راجع: ٧٥١]

[3291] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے نبی ﷺ سے اس شخص کے متعلق دریافت کیا جو نماز میں اِدھر اُدھر دیکھتا رہتا ہے تو آپ نے فرمایا: ''یہ شیطان کی ایک جھپٹ ہے۔ (اس کے ذریعے سے) وہ تم میں سے کسی ایک کی نماز اُچک لے جاتا ہے۔''

فوائد و مسائل: ① امام بخاری ؒ نے کتاب الصلاۃ میں اس حدیث پر ان الفاظ میں باب قائم کیا ہے: [بَابُ الْاِلْتِفَاتِ

فِي الصَّلَاةِ] ''نماز میں اِدھر اُدھر دیکھنا'' اور ثابت کیا ہے کہ نماز میں اس طرح کی حرکت کرنا سخت منع ہے۔ اس سے ثواب میں بہت کمی ہو جاتی ہے اور شیطان بندے کی نماز کو نقصان پہنچانے کے لیے کچھ حصہ جھپٹ لیتا ہے۔ ② امام بخاری ؒ نے اس حدیث سے شیطانی حرکت سے ہمیں آگاہ کیا ہے، نیز اس سے شیطان کے وجود کا اثبات مقصود ہے۔ واللہ أعلم.

٣٢٩٢ - حَدَّثَنَا أَبُو الْمُغِيرَةِ: حَدَّثَنَا الْأَوْزَاعِيُّ قَالَ: حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ، عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.

وَحَدَّثَنِي سُلَيْمَانُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ: حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ: حَدَّثَنَا الْأَوْزَاعِيُّ قَالَ: حَدَّثَنِي يَحْيَى ابْنُ أَبِي كَثِيرٍ: حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي قَتَادَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «اَلرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ مِنَ اللهِ وَالْحُلْمُ مِنَ الشَّيْطَانِ، فَإِذَا حَلَمَ أَحَدُكُمْ حُلْمًا يَخَافُهُ فَلْيَبْصُقْ عَنْ يَسَارِهِ وَلْيَتَعَوَّذْ بِاللهِ مِنْ شَرِّهَا فَإِنَّهَا لَا تَضُرُّهُ». [انظر: ٥٧٤٧، ٦٩٨٤، ٦٩٩٥، ٦٩٩٦، ٧٠٠٥، ٧٠٤٤]

[3292] حضرت ابوقتادہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اچھا خواب اللہ کی طرف سے ہے جبکہ برا خواب شیطان کی طرف سے ہوتا ہے، لہٰذا اگر تم میں سے کوئی پریشان خواب دیکھے جس سے وہ ڈر محسوس کرے تو اسے چاہیے کہ اپنی بائیں جانب تھوک دے اور اس کی برائی سے اللہ کی پناہ مانگے، اس طرح وہ اس کو نقصان نہیں دے گا۔''

فوائد و مسائل: ① راوی حدیث ابوسلمہ کہتے ہیں: مجھے ایسے پریشان کن خواب آتے جن سے میں بیمار ہو جاتا۔ میں نے حضرت ابوقتادہ ؓ سے ان کے متعلق دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا: مجھے بھی یہی شکایت تھی۔ میں نے یہ مسئلہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیش کیا تو آپ نے مذکورہ حدیث بیان کی۔[1] حضرت ابوسلمہ مزید فرماتے ہیں: مجھے ایسے خواب آتے جو مجھ پر پہاڑ سے بھی زیادہ گراں بار ہوتے۔ جب سے میں نے یہ حدیث سنی ہے تو میں ان کی کوئی پروا نہیں کرتا۔[2] ② دراصل شیطان چاہتا ہے کہ برے خواب کے ذریعے سے مسلمان کو پریشان کر کے اپنے رب سے اس کو بدگمان کر دیا جائے۔ ایسی حالت میں رسول اللہ ﷺ نے ہمیں تلقین فرمائی ہے کہ اللہ کی پناہ میں آنا چاہیے۔ واللہ المستعان. ③ اس حدیث میں شیطانی کارروائیوں کا علاج بتایا گیا ہے۔ آئندہ احادیث میں بھی انھی کارستانیوں کا توڑ بیان کیا جائے گا۔

٣٢٩٣ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ سُمَيٍّ مَوْلَى أَبِي بَكْرٍ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ

[3293] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص دن بھر یہ دعا سو مرتبہ پڑھے گا: ''اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ وہ وحدہ لاشریک ہے۔

① صحيح البخاري، التعبير، حديث: 7044. ② صحيح البخاري، الطب، حديث: 5747.

رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «مَنْ قَالَ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ؛ فِي يَوْمٍ مِّائَةَ مَرَّةٍ كَانَ لَهُ عَدْلَ عَشْرِ رِقَابٍ، وَّكُتِبَتْ لَهُ مِائَةُ حَسَنَةٍ، وَّمُحِيَتْ عَنْهُ مِائَةُ سَيِّئَةٍ، وَّكَانَتْ لَهُ حِرْزًا مِّنَ الشَّيْطَانِ يَوْمَهُ ذٰلِكَ حَتّٰى يُمْسِيَ، وَلَمْ يَأْتِ أَحَدٌ بِأَفْضَلَ مِمَّا جَاءَ بِهِ إِلَّا أَحَدٌ عَمِلَ أَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ». [انظر: ٦٤٠٣]

بادشاہت اسی کی ہے اور ہر قسم کی تعریف بھی اسی کے لیے ہے۔ اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔" اسے دس غلاموں کو آزاد کرنے کا ثواب دیا جائے گا۔ سو نیکیاں اس کے نامۂ اعمال میں لکھی جائیں گی اور سو برائیاں اس سے مٹا دی جائیں گی۔ مزید برآں وہ شخص سارا دن شام تک شیطان سے محفوظ رہے گا، نیز کوئی شخص اس سے بہتر عمل نہیں لے کر آئے گا، البتہ وہ شخص جو اس سے زیادہ عمل کرے (اسے زیادہ ثواب ملے گا)۔"

فوائد ومسائل: ① مذکورہ وظیفہ شیطانی کارروائیوں کا تیر بہدف توڑ ہے۔ اسے ہر روز سو بار مسلسل پڑھ لیا جائے یا تھوڑا تھوڑا کر کے اس تعداد کو پورا کر لے ثواب اور تاثیر میں کوئی فرق نہیں ہوگا، تاہم بہتر ہے کہ صبح سویرے اور رات ہوتے ہی سو، سو بار پڑھ لیا جائے تاکہ رات اور دن دونوں میں شیطان کے شر سے محفوظ رہا جا سکے۔ ② حدیث کے آخر میں ہے کہ جو شخص اس تعداد سے زیادہ مرتبہ پڑھے گا اسے زیادہ ثواب سے نوازا جائے گا، یعنی دو سو یا تین سو مرتبہ پڑھے تو اس سے بھی زیادہ ثواب ملے گا۔ بہرحال اللہ تعالیٰ نے ہمیں شیطان کے طریقۂ واردات سے آگاہ کیا ہے اور رسول اللہ ﷺ کے ذریعے سے اس سے بچاؤ کا طریقہ بھی بتا دیا ہے۔ واللہ المستعان.

٣٢٩٤ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ صَالِحٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي عَبْدُ الْحَمِيدِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ زَيْدٍ: أَنَّ مُحَمَّدَ بْنَ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ أَخْبَرَهُ: أَنَّ أَبَاهُ سَعْدَ بْنَ أَبِي وَقَّاصٍ قَالَ: اسْتَأْذَنَ عُمَرُ عَلٰى رَسُولِ اللهِ ﷺ وَعِنْدَهُ نِسَاءٌ مِّنْ قُرَيْشٍ يُكَلِّمْنَهُ وَيَسْتَكْثِرْنَهُ عَالِيَةً أَصْوَاتُهُنَّ، فَلَمَّا اسْتَأْذَنَ عُمَرُ قُمْنَ يَبْتَدِرْنَ الْحِجَابَ فَأَذِنَ لَهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَرَسُولُ اللهِ ﷺ يَضْحَكُ فَقَالَ عُمَرُ: أَضْحَكَ اللهُ سِنَّكَ يَا رَسُولَ اللهِ، قَالَ: «عَجِبْتُ مِنْ هٰؤُلَاءِ اللَّاتِي كُنَّ عِنْدِي فَلَمَّا سَمِعْنَ صَوْتَكَ

[3294] حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت طلب کی۔ اس وقت آپ کے پاس چند قریشی عورتیں (ازواج مطہرات) آپ کے پاس بیٹھی آپ سے محو گفتگو تھیں اور آواز بلند آپ سے خرچہ بڑھانے کا مطالبہ کر رہی تھیں۔ لیکن جونھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اجازت طلب کی تو وہ اٹھیں اور جلدی سے پس پردہ چلی گئیں۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے مسکراتے ہوئے انھیں اجازت دی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ خوش رکھے (یہ مسکراہٹ کیسی ہے؟) آپ نے فرمایا: "میں ان عورتوں پر تعجب کر رہا ہوں جو میرے پاس بیٹھی تھیں، جب انھوں

ابْتَدَرْنَ الْحِجَابَ»، قَالَ عُمَرُ: فَأَنْتَ يَا رَسُولَ اللهِ كُنْتَ أَحَقَّ أَنْ يَهَبْنَ، ثُمَّ قَالَ: أَيْ عَدُوَّاتِ أَنْفُسِهِنَّ! أَتَهَبْنَنِي وَلَا تَهَبْنَ رَسُولَ اللهِ ﷺ؟ قُلْنَ: نَعَمْ، أَنْتَ أَفَظُّ وَأَغْلَظُ مِنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ. قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ مَا لَقِيَكَ الشَّيْطَانُ قَطُّ سَالِكًا فَجًّا إِلَّا سَلَكَ فَجًّا غَيْرَ فَجِّكَ». [انظر: ٣٦٨٣، ٦٠٨٥]

نے تمھاری آواز سنی تو جلدی سے حجاب میں چلی گئی ہیں۔'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! آپ اس امر کے زیادہ حق دار تھے کہ یہ آپ سے ڈریں۔ پھر انھوں نے کہا: اے اپنی جانوں سے دشمنی کرنے والیو! تم مجھ سے ڈرتی ہو اور رسول اللہ ﷺ سے نہیں ڈرتیں۔ انھوں نے کہا: واقعہ یہی ہے کیونکہ تم رسول اللہ کے برعکس مزاج میں بہت زیادہ سخت ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے اس اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ اگر تمھیں شیطان راستے میں چلتا ہوا دیکھ لے تو وہ اپنا راستہ تبدیل کر کے دوسرے راستے پر چلنے لگتا ہے۔''

فوائد و مسائل: ① اس حقیقت کے علاوہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی دو خصوصیات نمایاں تھیں جو حسب ذیل ہیں: (ا) آپ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرنے میں کسی ملامت گر کی ملامت سے نہیں ڈرتے تھے اور نہ اس کی پروا ہی کرتے تھے۔ کتب حدیث میں اس کی متعدد مثالیں موجود ہیں اور یہ عنوان تو مستقل تصنیف کا تقاضا کرتا ہے۔ (ب) آپ دینی معاملات میں بہت سخت تھے۔ ان دو خصوصیات کی بنا پر آپ کو اللہ کی طرف سے یہ اعزاز ملا کہ شیطان آپ کا سامنا نہیں کر سکتا تھا۔ ② واضح رہے کہ اس سے آپ کا معصوم ہونا ثابت نہیں ہوتا کیونکہ یہ تو حضرات انبیاء علیہم السلام کا خاصا ہے جس میں اور کوئی شریک نہیں ہے۔ ③ شیطان کے فرار سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ وسوسہ اندازی سے بھی عاجز ہو گیا تھا۔[1] ④ دینی پختگی اور فریضۂ امر بالمعروف کی ادائیگی سے کسی حد تک شیطان کی شرارتوں سے محفوظ رہا جا سکتا ہے۔ اگرچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسا امتیاز تو حاصل نہیں ہو سکتا، تاہم ان صفات سے شیطانی وساوس پر کنٹرول ہو سکتا ہے۔

٣٢٩٥ - حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ حَمْزَةَ قَالَ: حَدَّثَنِي ابْنُ أَبِي حَازِمٍ عَنْ يَزِيدَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عِيسَى بْنِ طَلْحَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «إِذَا اسْتَيْقَظَ [أُرَاهُ أَحَدُكُمْ] مِنْ مَنَامِهِ فَتَوَضَّأَ فَلْيَسْتَنْثِرْ ثَلَاثًا فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَبِيتُ عَلَى خَيْشُومِهِ».

[3295] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی اپنی نیند سے بیدار ہو تو وضو کرے اور تین مرتبہ ناک میں پانی ڈال کر اسے صاف کرے کیونکہ شیطان اس کی ناک کے بانسے میں رات گزارتا ہے۔''

فوائد و مسائل: ① شیطان کا رات گزارنا حقیقت پر مبنی ہے کیونکہ دل اور دماغ تک جانے کا یہی ایک راستہ ہے۔ بیداری

[1] فتح الباري: 61/7.

کے وقت اگر ہدایت نبوی کے مطابق عمل کیا جائے تو اس کی شب باشی کے اثرات زائل ہو سکتے ہیں، نیز ہر سونے والے کی ناک پر رات بسر نہیں کرتا، البتہ جو شخص اللہ کا ذکر کیے بغیر سو جائے تو اس کی ناک پر شیطان رات گزارتا ہے۔② ان جملہ احادیث سے امام بخاری رحمہ اللہ نے شیطان کا وجود ثابت کیا ہے اور جن جن صورتوں سے وہ بنی آدم کو گمراہ کرتا ہے ان میں سے اکثر کا بیان ان احادیث میں ہوا ہے۔ شیطان کے وجود کا انکار کرنے والے دراصل خود شیطان ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے شر سے ہمیں محفوظ رکھے۔ آمین۔ **ابلیس کے متعلق چند حقائق:** امام بخاری رحمہ اللہ نے ابلیس، اس کے کارندوں، اس کی کارستانیوں اور اس کے علاج سے متعلق اٹھائیس احادیث ذکر کی ہیں۔ اب اس کے متعلق کچھ ناقابل تردید حقائق پیش کیے جاتے ہیں تاکہ ہم اس سے چوکس رہیں:

○ اللہ تعالیٰ نے اسے کھلا دشمن قرار دیا ہے اور اسے دشمن خیال کرنے کی تلقین کی ہے کیونکہ جب ہم اسے دشمن نہیں سمجھیں گے تو اس سے بچاؤ کی کوئی تدبیر بھی نہیں کر سکیں گے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿إِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا إِنَّمَا يَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِيَكُوْنُوْا مِنْ أَصْحٰبِ السَّعِيْرِ﴾ ''(لوگو!) شیطان یقیناً تمھارا دشمن ہے، لہٰذا اسے دشمن ہی سمجھو۔ وہ تو اپنے پیروکاروں کو صرف اس لیے بلاتا ہے کہ وہ دوزخی بن جائیں۔''① ○ یہ دھوکے باز سامنے آ کر دلائل سے قائل نہیں کرتا بلکہ سبز باغ دکھا کر وسوسے ڈالتا ہے۔ موت تک یہ پیچھا نہیں چھوڑتا، کسی نہ کسی انداز سے گمراہ کرنے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی یہ رحمت ہے کہ اس نے ہمیں اس کے طریقۂ واردات سے آگاہ کر دیا ہے۔ جب کسی پیش آمدہ خطرے کا علم ہو تو اس کا سدباب آسان ہوتا ہے۔ یہ شیطان کسی کا ہاتھ پکڑ کر راہ ہدایت سے دور نہیں کرتا بلکہ راہ ہدایت پر بیٹھ کر وسوسہ اندازی کرتا ہے۔ بس اسے یہی اختیار دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی چال کے متعلق ہمیں ان الفاظ میں آگاہ کیا ہے: ﴿مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ ○ الَّذِيْ يُوَسْوِسُ فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ﴾ ''اس وسوسہ ڈالنے والے کی شر سے (پناہ چاہتا ہوں) جو وسوسہ ڈال کر پیچھے ہٹ جاتا ہے جو لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا رہتا ہے۔''② ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اس کے تعارف کے لیے دو لفظ استعمال کیے ہیں: ﴿اَلْوَسْوَاس﴾ غیر محسوس طریقے سے دل میں بار بار بری بات ڈالنے والا۔ ﴿اَلْخَنَّاس﴾ ظاہر ہو کر پھر چھپ جانے والا اور دل میں بری بات ڈال کر پیچھے ہٹ جانے والا۔ ○ وہ اپنے مقاصد میں کسی حد تک کامیاب بھی ہوا ہے کیونکہ اس عالم رنگ و بو میں اللہ کے شکر گزار بندے بہت کم ہیں جبکہ اس سے دور رہنے والوں سے زمین بھری پڑی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿قَالَ فَبِمَا أَغْوَيْتَنِيْ لَأَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ○ ثُمَّ لَآتِيَنَّهُمْ مِنْ بَيْنِ أَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ أَيْمٰنِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ وَلَا تَجِدُ أَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ﴾ ''ابلیس نے کہا: چونکہ تو نے مجھے گمراہ کیا ہے، لہٰذا میں ان (لوگوں کو گمراہ کرنے) کے لیے تیرے سیدھے راستے پر ضرور بیٹھوں گا۔ پھر میں ان کے سامنے سے، پیچھے سے، دائیں سے اور بائیں سے انھیں گمراہ کروں گا اور آپ ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہ پائیں گے۔''③ چنانچہ اس نے اپنا دعویٰ سچا کر دکھایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ إِبْلِيْسُ ظَنَّهٗ فَاتَّبَعُوْهُ إِلَّا فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ ''ان لوگوں کے متعلق ابلیس نے اپنا گمان سچا کر دکھایا، چنانچہ اہل ایمان کے ایک گروہ کے سوا سب نے اس کا کہا مان لیا۔''④ ○ قیامت کے دن کھلے طور پر اعلان براءت کر دے گا اور

① فاطر 35:6. ② الناس 114: 4، 5. ③ الأعراف 7: 16، 17. ④ سبا 34:20.

صحت جزم سے صاف انکار کر دے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَ وَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ مَآ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ اِنِّيْ كَفَرْتُ بِمَآ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ ''اور جب تمام امور کا فیصلہ چکا دیا جائے گا تو شیطان کہے گا: بے شک اللہ نے تم سے جو وعدہ کیا تھا وہ سچا تھا اور میں نے تم سے جو وعدہ کیا تھا اس کی تم سے خلاف ورزی کی اور میرا تم پر کوئی زور نہ تھا سوائے اس کے کہ میں نے تمھیں اپنی طرف بلایا تو تم نے میری بات مان لی، لہٰذا آج تم مجھے ملامت نہ کرو بلکہ اپنے آپ کو ملامت کرو۔ میں تمھاری فریاد رسی کر سکتا ہوں نہ تم میرے کسی کام آ سکتے ہو۔ اس سے پہلے جو تم مجھے اللہ کا شریک بناتے رہے ہو میں اس کا انکار کرتا ہوں۔ بلاشبہ ظالموں کے لیے دردناک عذاب ہے۔''[1]

(١٢) بَابُ ذِكْرِ الْجِنِّ وَثَوَابِهِمْ وَعِقَابِهِمْ

باب: 12- جنات اور ان کے ثواب و عذاب کا بیان

لِقَوْلِهِ: ﴿يَٰمَعْشَرَ ٱلْجِنِّ وَٱلْإِنسِ أَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنكُمْ يَقُصُّونَ عَلَيْكُمْ ءَايَٰتِى﴾ اَلْآيَةَ [الأنعام: ١٣٠]

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اے جنوں اور انسانوں کے گروہ! کیا تمھارے پاس تم ہی سے رسول نہیں آئے تھے جو تم پر میری آیات بیان کرتے......''

﴿بَخْسًا﴾ [الجن: ١٣]: نَقْصًا. وَقَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿وَجَعَلُوا۟ بَيْنَهُۥ وَبَيْنَ ٱلْجِنَّةِ نَسَبًا﴾: قَالَ كُفَّارُ قُرَيْشٍ: اَلْمَلَائِكَةُ بَنَاتُ اللهِ وَأُمَّهَاتُهُمْ بَنَاتُ سَرَوَاتِ الْجِنِّ؛ قَالَ اللهُ: ﴿وَلَقَدْ عَلِمَتِ ٱلْجِنَّةُ إِنَّهُمْ لَمُحْضَرُونَ﴾ [الصافات: ١٥٨]: سَيُحْضَرُونَ لِلْحِسَابِ؛ ﴿جُندٌ مُّحْضَرُونَ﴾ [يس: ٧٥]. عِنْدَ الْحِسَابِ.

﴿بخسًا﴾ کے معنی نقص کے ہیں۔ امام مجاہد نے فرمایا: ارشاد باری تعالیٰ: ''انھوں نے اللہ اور جنوں کے درمیان قرابت قائم کی۔'' اس کی تفسیر یہ ہے کہ کفار قریش نے کہا تھا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں اور ان کی مائیں سردار جنوں کی بیٹیاں ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''بلاشبہ جنات نے جان لیا ہے کہ وہ ضرور حاضر کیے جائیں گے۔'' انھیں عنقریب حساب دینے کے لیے حاضر ہونا پڑے گا، نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وہ جتھے بھی پیش کیے جائیں گے۔'' یعنی حساب کے وقت حاضر کیے جائیں گے۔

وضاحت: دہریوں نے جہاں فرشتوں اور شیطان کا انکار کیا ہے وہاں وہ جنات کے بھی انکاری ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے ان آیات اور پیش کردہ احادیث سے جنات کے وجود اور ان کے ثواب وعقاب کو ثابت کیا ہے۔ اس بنا پر ان فلاسفہ اور ملاحدہ کا

1 إبراهيم 14:22.

انکار نا قابل التفات ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ جنات میں تابع فرمان اور نافرمان دونوں پائے جاتے ہیں۔ ان میں نیک جنات کو ثواب اور گناہ گاروں کو عذاب دیا جائے گا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے جنات کا قول نقل کیا ہے: ﴿وَاَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا الْقَاسِطُوْنَ فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰٓئِكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا○ وَاَمَّا الْقَاسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا﴾ ''ہم میں سے کچھ مسلمان اور کچھ بے انصاف ہیں اور جو فرمانبردار بن گیا تو ایسے لوگوں نے بھلائی کا راستہ اختیار کیا اور جو بے انصاف ہیں تو وہ جہنم کا ایندھن بنیں گے۔''[1] پہلے عنوان سے یہ وہم ہوسکتا ہے کہ جب شیطان، جنات میں سے ہے، تو ان سے شر کے علاوہ کسی نیکی کی امید نہیں کی جاسکتی۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس عنوان سے اس وہم کو دور کیا ہے کہ جنات بھی انسانوں کی طرح مکلف ہیں اور مکلف ہونے کی وجہ سے جزا و سزا کے مستحق ہوں گے۔ شیطان، اگرچہ انھی جنات میں سے ہے لیکن وہ اپنی شیطنت کی وجہ سے راندہ درگاہ ہوا ہے۔ جن ہونے کی وجہ سے اسے بارگاہ الٰہی سے دور نہیں کیا گیا۔ واللہ أعلم.

٣٢٩٦ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ عَنْ مَّالِكٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي صَعْصَعَةَ الْأَنْصَارِيِّ، عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ أَخْبَرَهُ: أَنَّ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ لَهُ: إِنِّي أَرَاكَ تُحِبُّ الْغَنَمَ وَالْبَادِيَةَ فَإِذَا كُنْتَ فِي غَنَمِكَ أَوْ بَادِيَتِكَ فَأَذَّنْتَ بِالصَّلَاةِ فَارْفَعْ صَوْتَكَ بِالنِّدَاءِ، فَإِنَّهُ لَا يَسْمَعُ مَدٰى صَوْتِ الْمُؤَذِّنِ جِنٌّ وَّلَا إِنْسٌ وَّلَا شَيْءٌ إِلَّا شَهِدَ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

[3296] حضرت عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابوصعصعہ انصاری سے روایت ہے کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: میں تمھیں دیکھتا ہوں کہ تمھیں جنگل میں رہ کر بکریاں چرانا بہت پسند ہے، اس لیے جب کبھی تم اپنی بکریوں کے ساتھ جنگل میں ہوا کرو تو نماز کے لیے اذان کہہ لیا کرو۔ اور اذان دیتے وقت اپنی آواز کو خوب بلند کیا کرو کیونکہ مؤذن کی آواز کو جو بھی انسان، جن یا اور کوئی چیز سنے گی تو قیامت کے دن اس کے لیے گواہی دے گی۔

قَالَ أَبُو سَعِيدٍ: سَمِعْتُهُ مِنْ رَّسُولِ اللهِ ﷺ.

[راجع: ٦٠٩]

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے یہ حدیث رسول اللہ ﷺ سے سنی تھی۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں مؤذن کی آواز کو جنوں کے بھی سننے کا ذکر ہے۔ اس سے جنوں کا وجود ثابت ہوا۔ پھر اس حدیث میں ان کی گواہی کا ذکر ہے اور گواہی اچھے عمل کی دی جاتی ہے۔ اور گواہی بھی وہ دیتا ہے جو قابل اعتماد ہو۔ اس سے ان کے اچھے ہونے کا ثبوت ہے کیونکہ شیطان کے متعلق تو پہلے ذکر ہوا ہے کہ وہ اذان کی آواز سن کر پادتا ہوا بھاگ جاتا ہے۔ ② بہرحال اس حدیث سے ان کے وجود اور ان کے اچھے ہونے کا ذکر ملتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے کہ جنوں نے کہا: ﴿وَاَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ كُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا﴾ ''ہم میں سے کچھ نیک لوگ ہیں اور کچھ اس سے کم درجہ کے ہیں اور ہم مختلف گروہوں میں بٹے ہوئے ہیں۔''[2] اس آیت کریمہ سے بھی ان کے ثواب و عقاب کا پتہ چلتا ہے۔ واللہ أعلم.

① الجن 72:11 ② الجن 72:14،15

(۱۳) بَابُ قَوْلِهِ عَزَّوَجَلَّ : ﴿وَإِذْ صَرَفْنَآ إِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ﴾ إِلٰى قَوْلِهِ : ﴿أُولَٰئِكَ فِي ضَلَٰلٍ مُّبِينٍ﴾ [الأحقاف: ۲۹-۳۲]

باب:13- ارشاد باری تعالیٰ: ''جب ہم نے آپ کی طرف جنوں کا گروہ پھیر دیا ... یہی لوگ صریح گمراہی میں ہیں۔'' کا بیان

﴿مَصْرِفًا﴾ [الكهف: ٥٣]: مَعْدِلًا، ﴿صَرَفْنَآ﴾ أَيْ وَجَّهْنَا.

﴿مَصْرِفًا﴾ کے معنی ہیں: لوٹنے کی جگہ اور ﴿صَرَفْنَا﴾ کے معنی ہیں: ہم نے متوجہ کیا۔

وضاحت: اس آیت کریمہ میں کئی امور کی طرف امام بخاری ؒ نے اشارہ کیا ہے، یعنی ان آیات میں جنات کے وجود پر دلالت ہے۔ دوسرے یہ کہ جن، مومن اور کافر دونوں قسموں کے ہوتے ہیں۔ تیسرے مومن جنوں کو ثواب اور کافروں کو عذاب ہوگا۔ واقعہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب قبیلۂ ثقیف سے ناامید ہو کر طائف سے مکہ مکرمہ آئے تو ایک نخلستان میں قیام فرمایا۔ وہاں آدھی رات کو اٹھ کر نماز پڑھنا شروع کی اور قرآن کی تلاوت کا آغاز فرمایا۔ نصیبین علاقے کے جن وہاں سے گزرے تو انھوں نے قرآن سنا۔ ان کا یہ واقعہ ان آیات میں بیان ہوا ہے۔ امام بخاری ؒ نے صرف آیت قرآنی کے نقل پر اکتفا کیا ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ جنوں کا وجود قرآن سے ثابت ہے۔

(١٤) بَابُ قَوْلِ اللهِ تَعَالٰى : ﴿وَبَثَّ فِيهَا مِن كُلِّ دَآبَّةٍ﴾ [البقرة: ١٦٤]

باب:14- ارشاد باری تعالیٰ: ''اور اس نے زمین میں ہر قسم کے جانور پھیلا دیے'' کا بیان

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: اَلثُّعْبَانُ: اَلْحَيَّةُ الذَّكَرُ مِنْهَا؛ يُقَالُ: اَلْحَيَّاتُ أَجْنَاسٌ: اَلْجَانُّ وَالْأَفَاعِي وَالْأَسَاوِدُ. ﴿ءَاخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَآ﴾ [هود: ٥٦]: فِي مُلْكِهِ وَسُلْطَانِهِ. وَيُقَالُ: ﴿صَٰٓفَّٰتٍ﴾ [الملك: ١٩]: بُسُطٌ أَجْنِحَتَهُنَّ. ﴿وَيَقْبِضْنَ﴾ يَضْرِبْنَ بِأَجْنِحَتِهِنَّ.

حضرت ابن عباس ؓ نے فرمایا: [ثُعبان] سانپوں میں سے نر سانپ ہے۔ کہا جاتا ہے کہ سانپوں کی کئی اقسام ہیں: اَلجانّ باریک سانپ، الأفاعي اژدھے اور الأساوِد کالے ناگ کو کہا جاتا ہے۔ ﴿آخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا﴾ یعنی سب اس کی ملک اور اس کے زیر قبضہ ہیں۔ اور کہا جاتا ہے: ﴿صَافَّاتٍ﴾ اپنے پروں کو پھیلائے ہوئے۔ ﴿وَيَقْبِضْنَ﴾ اپنے پروں کو پھڑ پھڑا کر مارتے ہیں۔

وضاحت: عام عادت ہے کہ حقیر چیزوں کو عظیم ذات کی طرف منسوب نہیں کیا جاتا، چنانچہ فلاسفہ کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے تو محض عقل اول کو پیدا کیا، باقی جو کچھ اس عالم رنگ و بو میں ہے وہ سب عقل عاشر کی پیداوار ہے۔ امام بخاری ؒ نے اس عنوان سے ان ملحدین کا رد کیا ہے کہ کائنات کا ذرہ ذرہ، اور زمین پر چلنے والے سب جانور، خواہ چھوٹے ہوں یا بڑے، ذلیل ہوں یا عزیز

سب اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں۔ پھر مذکورہ آیات کے الفاظ سے حیوانات کی قسموں کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ وہ تین قسموں پر مشتمل ہیں: ○ جن کا مسکن زمین ہے، جیسے: حشرات الارض وغیرہ۔ اس کی طرف ثعبان اور حیات کے الفاظ سے اشارہ کیا۔ ○ وہ حیوان جو زمین پر چلتے پھرتے ہیں۔ ان کی طرف دابة کے الفاظ سے اشارہ کیا کیونکہ آخذ بناصيتها میں اس کا ذکر ہے۔ ○ تیسری قسم ان حیوانات کی ہے جو ہوا میں اڑتے ہیں۔ ان کی طرف صافات اور یقبضن کے الفاظ سے اشارہ کیا ہے۔ بہرحال امام بخاری ؒ نے اس عنوان کے تحت ان احادیث کا انتخاب کیا ہے جن میں مختلف حیوانات کا ذکر ہے۔

٣٢٩٧ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ يُوسُفَ: حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَالِمٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ ﷺ يَخْطُبُ عَلَى الْمِنْبَرِ يَقُولُ: «اقْتُلُوا الْحَيَّاتِ، وَاقْتُلُوا ذَا الطُّفْيَتَيْنِ وَالْأَبْتَرَ فَإِنَّهُمَا يَطْمِسَانِ الْبَصَرَ وَيَسْتَسْقِطَانِ الْحَبَلَ».

[انظر: ٣٣١٠، ٣٣١٢، ٤٠١٦]

[3297] حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے، انھوں نے نبی ﷺ سے سنا، آپ منبر پر خطبہ دیتے ہوئے فرما رہے تھے: ”سانپوں کو مار ڈالو، خصوصاً وہ سانپ جن کے سر پر دو نقطے ہوں اور وہ جو دم بریدہ ہوں کیونکہ یہ دونوں نور بصارت زائل کر دیتے ہیں اور حاملہ کا حمل تک گرا دیتے ہیں۔“

٣٢٩٨ - قَالَ عَبْدُ اللهِ: فَبَيْنَا أَنَا أُطَارِدُ حَيَّةً لِأَقْتُلَهَا فَنَادَانِي أَبُو لُبَابَةَ: لَا تَقْتُلْهَا فَقُلْتُ: إِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَدْ أَمَرَ بِقَتْلِ الْحَيَّاتِ، فَقَالَ: إِنَّهُ نَهَى بَعْدَ ذٰلِكَ عَنْ ذَوَاتِ الْبُيُوتِ، وَهِيَ الْعَوَامِرُ. [انظر: ٣٣١١، ٣٣١٣]

[3298] حضرت عبداللہ بن عمر ؓ نے مزید فرمایا کہ میں ایک مرتبہ کسی سانپ کو مارنے کی کوشش کر رہا تھا کہ مجھے حضرت ابولبابہ ؓ نے آواز دی: اسے مت قتل کرو۔ میں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے تو سانپوں کے مارنے کا حکم دیا ہے۔ انھوں نے بتایا کہ اس کے بعد آپ نے گھروں میں رہنے والے سانپوں کو مارنے سے روک دیا تھا۔ ایسے سانپوں کو ”عوامر“ کہتے ہیں۔

٣٢٩٩ - وَقَالَ عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ: فَرَآنِي أَبُو لُبَابَةَ أَوْ زَيْدُ بْنُ الْخَطَّابِ. وَتَابَعَهُ يُونُسُ وَابْنُ عُيَيْنَةَ وَإِسْحَاقُ الْكَلْبِيُّ وَالزُّبَيْدِيُّ. وَقَالَ صَالِحٌ وَابْنُ أَبِي حَفْصَةَ وَابْنُ مُجَمِّعٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَالِمٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ: فَرَآنِي أَبُو لُبَابَةَ وَزَيْدُ بْنُ الْخَطَّابِ.

[3299] عبدالرزاق نے معمر سے روایت کرتے ہوئے بایں الفاظ اس حدیث کو بیان کیا کہ مجھے ابولبابہ یا زید بن خطاب نے دیکھا۔ معمر کے ساتھ اس حدیث کو یونس، ابن عیینہ، اسحاق کلبی اور زبیدی نے بھی زہری سے بیان کیا ہے، البتہ صالح، ابن ابی حفصہ اور ابن مجمع نے امام زہری سے، انھوں نے سالم سے اور انھوں نے ابن عمر ؓ سے اس طرح روایت کیا کہ مجھے ابولبابہ اور زید بن خطاب

(دونوں) نے دیکھا۔

فوائد و مسائل: ① ذو طفیتین سے مراد وہ سانپ ہے جس کے سر پر دو نقطے سیاہ اور سفید ہوں یا اس کی پشت پر دو خطوط ہوں۔ اور ابتر وہ سانپ جس کی دم چھوٹی گویا کٹی ہوتی ہے۔ یہ دونوں شرارتی سانپ ہیں۔ ان کی آنکھوں میں اس قدر تیز زہر ہوتا ہے کہ حاملہ عورت سے ان کی نگاہیں دوچار ہوتے ہی اس کا حمل گر جاتا ہے۔ اور جب ان کی آنکھیں کسی انسان کی آنکھوں سے مل جائیں تو انسان اندھا ہو جاتا ہے۔ ② ذوات البیوت وہ سفید سانپ ہیں جو گھروں میں رہتے ہیں۔ وہ کسی کو تکلیف نہیں پہنچاتے۔ انھیں ''عوامر'' بھی کہا جاتا ہے۔ ③ سانپوں میں ایک کالا ناگ ہوتا ہے۔ اس کے کاٹنے سے انسان دم بھر میں مر جاتا ہے۔ گھر میں رہنے والے سانپوں کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تین دن تک انھیں خبردار کرو، یعنی ان سے کہو کہ گھر سے چلے جاؤ۔ اس مدت کے بعد اگر وہ ظاہر ہوں تو انھیں قتل کر دو کیونکہ وہ شیطان ہیں۔''[1] جنگلات کے سانپوں کو خبردار کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ''پانچ خبیث جانور ہیں انھیں حل و حرم میں جہاں پاؤ قتل کر دو۔'' ان میں سانپ بھی ہے۔[2]

(١٥) بَابٌ: خَيْرُ مَالِ الْمُسْلِمِ غَنَمٌ يَتْبَعُ بِهَا شَعَفَ الْجِبَالِ

باب: 15- مسلمان کا بہترین مال بکریاں ہیں جنھیں چرانے کے لیے پہاڑوں کی چوٹیوں پر لے جاتا ہے

٣٣٠٠ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبِي أُوَيْسٍ قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي صَعْصَعَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «يُوشِكُ أَنْ يَكُونَ خَيْرَ مَالِ الرَّجُلِ غَنَمٌ يَتْبَعُ بِهَا شَعَفَ الْجِبَالِ وَمَوَاقِعَ الْقَطْرِ، يَفِرُّ بِدِينِهِ مِنَ الْفِتَنِ». [راجع: ١٩]

[3300] حضرت ابو سعید خدری ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''عنقریب مسلمان کا بہترین مال بکریاں ہوں گی جن کو وہ پہاڑوں کی چوٹیوں اور بارش کی وادیوں میں لے کر چلا جائے گا، اس طرح وہ اپنے دین کو فتنوں سے بچائے گا۔''

فائدہ: امام بخاری ؒ کے قائم کردہ عنوان دو طرح کے ہیں: ایک تو بنیادی ہیں جو اصل مقصود ہیں اور دعویٰ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ دوسرے اضافی ہیں جو اصل مقصود نہیں بلکہ حدیث میں کسی اضافی فائدے کے پیش نظر قائم کیے جاتے ہیں، چنانچہ اس مقام پر بنیادی عنوان کا مقصد یہ ہے کہ ان آیات و احادیث کا ذکر کیا جائے جن میں مختلف حیوانات کا ذکر آیا ہے، البتہ بعض احادیث میں اس قدر سے زائد فائدہ تھا تو اس پر آپ نے عنوان قائم کر کے متنبہ فرمایا ہے۔ مذکورہ عنوان بھی اسی قبیل سے ہے

---

[1] صحیح مسلم، السلام، حدیث: 5839 (2236). [2] صحیح مسلم، الحج، حدیث: 2861 (1198).

کہ اصل مقصد تو بکریوں کا ذکر تھا لیکن بکریاں رکھنے میں خیر و برکت کا پہلو بیان کرنے کے لیے مذکورہ اضافی عنوان قائم کیا گیا ہے۔ واللّٰہ أعلم.

٣٣٠١ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «رَأْسُ الْكُفْرِ نَحْوَ الْمَشْرِقِ، وَالْفَخْرُ وَالْخُيَلَاءُ فِي أَهْلِ الْخَيْلِ وَالْإِبِلِ، وَالْفَدَّادِينَ أَهْلِ الْوَبَرِ؛ وَالسَّكِينَةُ فِي أَهْلِ الْغَنَمِ». [انظر: ٣٤٩٩، ٤٣٨٨، ٤٣٨٩، ٤٣٩٠]

[3301] حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کفر کا سرچشمہ مشرق کی طرف ہے۔ اور فخر و تکبر گھوڑے اور اونٹ رکھنے والے ان چرواہوں میں ہے جو جنگلات میں رہتے ہیں اور اونٹ کے بالوں سے گھر بناتے ہیں۔ اور بکریاں رکھنے والوں میں سکینت اور تواضع ہوتی ہے۔''

٣٣٠٢ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ إِسْمَاعِيلَ قَالَ: حَدَّثَنِي قَيْسٌ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَمْرٍو أَبِي مَسْعُودٍ قَالَ: أَشَارَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بِيَدِهِ نَحْوَ الْيَمَنِ فَقَالَ: «الْإِيمَانُ يَمَانٍ هَاهُنَا، أَلَا إِنَّ الْقَسْوَةَ وَغِلَظَ الْقُلُوبِ فِي الْفَدَّادِينَ عِنْدَ أُصُولِ أَذْنَابِ الْإِبِلِ حَيْثُ يَطْلُعُ قَرْنَا الشَّيْطَانِ فِي رَبِيعَةَ وَمُضَرَ». [انظر: ٣٤٩٨، ٤٣٨٧، ٥٣٠٣]

[3302] حضرت ابو مسعود عقبہ بن عمرو ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے یمن کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: ''ایمان، ادھر یمن میں ہے۔ آگاہ رہو کہ سختی اور سنگدلی ان کاشتکاروں میں ہے جو اونٹوں کے پیچھے آوازیں بلند کرنے والے ہیں جہاں شیطان کے دوسینگ نکلتے ہیں، یعنی ربیعہ اور مضر قبیلوں میں۔''

فوائد و مسائل: ① اہل یمن بلا جنگ و جدال بلکہ برضا و رغبت مسلمان ہوئے تھے، اس بنا پر رسول اللہ ﷺ نے ان کی تعریف فرمائی ہے۔ ویسے بھی وہاں بڑے بڑے اہل علم اور عاملین بالحدیث گزرے ہیں جیسا کہ علامہ شوکانی اور علامہ صنعانی وغیرہ۔ اس دور میں شیخ مقبل بن ہادی ؒ گزرے ہیں جو کتاب وسنت کی ترویج و اشاعت کے لیے ہر وقت مصروف رہتے تھے۔ راقم نے ایک یمنی دیکھا تھا جو کتب ستہ کی احادیث مع اسناد کا حافظ تھا۔ ② فَدَّادِین کی تفسیر دو طرح سے ہے: ایک یہ کہ فداد کی جمع ہے۔ اس کے معنی سخت آواز، یعنی وہ اونٹوں کے پیچھے آوازیں بلند کرنے والے ہوں گے۔ دوسرے یہ فدان کی جمع ہے۔ اس کے معنی کھیتی باڑی کا آلہ ہے۔ آپ نے کھیتی باڑی کرنے والوں کی مذمت اس لیے کی کہ اس کے باعث دینی امور کی طرف توجہ نہیں رہتی اور آخرت سے غفلت ہو جاتی ہے، پھر سنگدلی پیدا ہو جاتی ہے۔ ③ بہر حال ان احادیث میں گھوڑوں، اونٹوں اور بکریوں کا ذکر ہے، اس لیے امام بخاری ؒ نے انھیں ذکر کیا ہے۔ واللّٰہ أعلم.

٣٣٠٣ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ جَعْفَرِ

[3303] حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ نبی

ابْنِ رَبِيعَةَ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «إِذَا سَمِعْتُمْ صِيَاحَ الدِّيَكَةِ فَاسْأَلُوا اللهَ مِنْ فَضْلِهِ فَإِنَّهَا رَأَتْ مَلَكًا، وَإِذَا سَمِعْتُمْ نَهِيقَ الْحَمِيرِ فَتَعَوَّذُوا بِاللهِ مِنَ الشَّيْطَانِ فَإِنَّهَا رَأَتْ شَيْطَانًا».

ﷺ نے فرمایا: ''جب تم مرغ کی آواز سنو تو اللہ سے اس کا فضل طلب کرو کیونکہ اس نے فرشتے کو دیکھا ہے۔ اور جب گدھے کی آواز سنو تو اللہ تعالیٰ کے ذریعے سے شیطان کی پناہ مانگو کیونکہ اس نے شیطان کو دیکھا ہے۔''

فوائد و مسائل: ① مرغ میں کچھ خصوصیت ہے جو دوسرے جانوروں میں نہیں پائی جاتی کہ اسے رات کی پہچان ہوتی ہے کیونکہ رات چھوٹی ہو یا بڑی، اس کی اذان میں خطا نہیں ہوتی اور وہ فجر سے پہلے اور بعد بدستور اذانیں کہتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے فہم و ادراک دیا ہے۔ اسی طرح گدھے کو بھی ادراک ہے۔ ایک روایت میں ہے: ''مرغ کو برا بھلا مت کہو کیونکہ وہ تمھیں نماز کے وقت بیدار کرتا ہے۔''[1] ایک دوسری روایت میں ہے: ''جب کتا بھونکے تو بھی شیطان مردود سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرو۔''[2] ② مرغ کی آواز کے وقت اللہ کا فضل مانگنے کا حکم اس لیے دیا ہے کہ اس وقت فرشتے آمین کہتے ہیں اور بندے کے لیے مغفرت کی دعا کرتے ہیں، نیز وہ بندے کے عجز و انکسار پر گواہ بن جائیں گے۔[3]

٣٣٠٤ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ: أَخْبَرَنَا رَوْحٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي عَطَاءٌ: سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِذَا كَانَ جُنْحُ اللَّيْلِ أَوْ أَمْسَيْتُمْ فَكُفُّوا صِبْيَانَكُمْ فَإِنَّ الشَّيَاطِينَ تَنْتَشِرُ حِينَئِذٍ فَإِذَا ذَهَبَتْ سَاعَةٌ مِنَ اللَّيْلِ فَحُلُّوهُمْ، وَأَغْلِقُوا الْأَبْوَابَ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللهِ، فَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَفْتَحُ بَابًا مُغْلَقًا». قَالَ: وَأَخْبَرَنِي عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ: سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ نَحْوَ مَا أَخْبَرَنِي عَطَاءٌ وَلَمْ يَذْكُرْ: «وَاذْكُرُوا اسْمَ اللهِ». [راجع: ٣٢٨٠]

[3304] حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب رات کا اندھیرا چھانے لگے یا شام ہونے لگے تو اپنے بچوں کو (باہر نکلنے سے) روک لو کیونکہ اس وقت شیاطین پھیل جاتے ہیں۔ پھر جب رات کا کچھ حصہ گزر جائے تو بچوں کو آزاد کر دو، البتہ اللہ کا نام لے کر دروازوں کو بند کر دو کیونکہ شیطان بند دروازہ نہیں کھول سکتا۔''

عمرو بن دینار نے بھی اس روایت کو عطاء کی روایت کی طرح بیان کیا ہے لیکن یہ ذکر نہیں کیا: ''اللہ کا نام لے کر (دروازے بند کر دو)۔''

فوائد و مسائل: ① ایک دوسری روایت میں ہے: ''رات کے وقت اللہ کا نام لے کر بتیاں گل کر دو اور اللہ کا نام لے کر

1 سنن أبي داود، الأدب، حديث: 5101. 2 سنن أبي داود، الأدب، حديث: 5103. 3 فتح الباري: 425/6.

مشکیزے کا منہ بند کرو۔ اللہ کا نام لے کر برتن پر ڈھکن دے دو۔ اگر ڈھکن نہ ملے تو کوئی بھی چیز رکھ دو۔"[1] ② بچوں کو روک لینے کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ بچے نجاست آلود ہوتے ہیں اور اللہ کے ذکر کے ذریعے سے بچاؤ کی صلاحیت ان میں نہیں ہوتی۔ جب شیاطین ایسی حالت میں بچے کو دیکھتے ہیں تو ان کے چمٹ جانے کا اندیشہ ہے کیونکہ شیاطین گندگی سے زیادہ مانوس ہوتے ہیں۔ رات کے وقت ان کے پھیلنے کا سبب یہ ہے کہ روشنی کی نسبت اندھیرے میں ان کی حرکات زیادہ ہوتی ہیں اور وہ اندھیرے سے زیادہ فائدہ اٹھاتے ہیں، نیز وہ ہر سیاہ چیز سے مانوس ہوتے ہیں جیسا کہ سیاہ کتے کو شیطان کہا گیا ہے۔ ③ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس روایت کی طرف اشارہ کیا ہے جس میں ہے: "رات کو چراغ بجھا دو کیونکہ سوتے وقت چوہا بتی نکال لیتا ہے جس سے گھر جل کر راکھ ہو جاتا ہے۔"[2] اس میں چوہے کا ذکر ہے، اس لیے مذکورہ عنوان کے تحت اسے ذکر کیا ہے۔ واللہ أعلم.

٣٣٠٥ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ عَنْ خَالِدٍ، عَنْ مُحَمَّدٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «فُقِدَتْ أُمَّةٌ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ لَا يُدْرَى مَا فَعَلَتْ وَإِنِّي لَا أُرَاهَا إِلَّا الْفَأْرَ إِذَا وُضِعَ لَهَا أَلْبَانُ الْإِبِلِ لَمْ تَشْرَبْ، وَإِذَا وُضِعَ لَهَا أَلْبَانُ الشَّاءِ شَرِبَتْ». فَحَدَّثْتُ كَعْبًا فَقَالَ: أَنْتَ سَمِعْتَ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُهُ؟ قُلْتُ: نَعَمْ، فَقَالَ لِي مِرَارًا، فَقُلْتُ: أَفَأَقْرَأُ التَّوْرَاةَ؟.

[3305] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: "بنی اسرائیل کا ایک گروہ گم ہو گیا تھا نہ معلوم ان کا کیا حشر ہوا۔ میرے خیال کے مطابق وہ چوہے ہی ہیں کیونکہ جب ان کے سامنے اونٹ کا دودھ رکھا جاتا ہے تو اسے نہیں پیتے اور جب ان کے سامنے بکریوں کا دودھ رکھا جاتا ہے تو اسے پی جاتے ہیں۔" (حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:) میں نے یہ حدیث حضرت کعب احبار سے بیان کی تو انھوں نے کہا: کیا تم نے خود نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے؟ میں نے کہا: ہاں۔ پھر انھوں نے مجھ سے بار بار پوچھا تو میں نے کہا: کیا میں تورات پڑھا کرتا ہوں؟

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ چوہے دراصل مسخ شدہ انسان ہیں۔ قبل ازیں چوہوں کا وجود نہیں تھا جیسا کہ صحیح مسلم کی روایت میں صراحت ہے۔[3] لیکن ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس بندروں اور خنزیروں کا ذکر کیا گیا (کہ یہ بھی انسانوں سے مسخ شدہ ہیں) تو آپ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے مسخ شدہ قوموں کی نسل باقی نہیں رکھی، بندر اور خنزیر ان سے پہلے بھی موجود تھے۔"[4] ان دونوں میں تطبیق کی یہ صورت ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت کعب کو یہ حدیث نہیں پہنچی تھی اور رسول اللہ ﷺ نے یہ بات اپنے خیال سے ارشاد فرمائی تھی۔ بعد میں بذریعۂ وحی بتایا گیا کہ مسخ شدہ قوموں کی نسل باقی نہیں رہتی بلکہ انھیں چند دنوں کے بعد صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جاتا ہے۔[5] ② چونکہ اس حدیث میں چوہوں کا ذکر ہے، اس

---

① صحيح البخاري، بدء الخلق، حديث: 3280. ② صحيح البخاري، بدء الخلق، حديث: 3316. ③ صحيح مسلم، الزهد والرقائق، حديث: 7497(2997). ④ صحيح مسلم، القدر، حديث: 6772(2663). ⑤ فتح الباري: 426/6.

لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے بیان کیا ہے۔ اس حدیث کا بنیادی عنوان سے تعلق واضح ہے۔ واللہ أعلم.

٣٣٠٦ - حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عُفَيْرٍ عَنِ ابْنِ وَهْبٍ قَالَ: حَدَّثَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ يُحَدِّثُ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لِلْوَزَغِ: «الْفُوَيْسِقُ»، وَلَمْ أَسْمَعْهُ أَمَرَ بِقَتْلِهِ. [راجع: ١٨٣١]

[3306] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے چھپکلی کے متعلق فرمایا: ''وہ موذی جانور ہے۔'' لیکن میں نے آپ سے یہ نہیں سنا کہ آپ نے اسے مار ڈالنے کا حکم دیا ہو۔

وَزَعَمَ سَعْدُ بْنُ أَبِي وَقَّاصٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَمَرَ بِقَتْلِهِ.

البتہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ نبی ﷺ نے اسے مار ڈالنے کا حکم دیا ہے۔

٣٣٠٧ - حَدَّثَنَا صَدَقَةُ بْنُ الْفَضْلِ: أَخْبَرَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْحَمِيدِ بْنُ جُبَيْرِ بْنِ شَيْبَةَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ: أَنَّ أُمَّ شَرِيكٍ أَخْبَرَتْهُ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَمَرَهَا بِقَتْلِ الْأَوْزَاغِ. [انظر: ٣٣٥٩]

[3307] حضرت ام شریک رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے بتایا کہ نبی ﷺ نے چھپکلی کو مار ڈالنے کا حکم فرمایا ہے۔

فائدہ: ایک حدیث میں اسے مار ڈالنے کی وجہ بھی بیان ہوئی ہے کہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آگ کو پھونکیں مار مار کر تیز کرتی تھی۔[1] ایک روایت میں مزید وضاحت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب حضرت ابراہیم علیہ السلام آتش نمرود میں ڈالے گئے تو زمین کا ہر جانور اسے بجھانے کی کوشش کرتا تھا، البتہ چھپکلی اسے پھونکیں مار، مار کر تیز کرنے میں کوشاں تھی تو رسول اللہ ﷺ نے اسے مار دینے کا حکم دیا۔''[2] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کا کام تمام کرنے کے لیے اپنے گھر میں ایک نیزہ رکھا ہوا تھا۔[3] حضرت ام شریک رضی اللہ عنہا نے انھیں مارنے کی باقاعدہ رسول اللہ ﷺ سے اجازت حاصل کی تھی۔ واضح رہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اسے پہلی ضرب سے قتل کرنے میں سو نیکیاں ملتی ہیں، دوسری ضرب سے مار دینے میں اس سے کم، پھر تیسری ضرب سے ختم کرنے میں اس سے کم نیکیاں ملتی ہیں۔''[4]

٣٣٠٨ - حَدَّثَنَا عُبَيْدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «اُقْتُلُوا

[3308] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''دودھاری سانپ کو مار ڈالو کیونکہ وہ انسان کو اندھا کر دیتا ہے اور حاملہ عورت کا حمل

---

[1] صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، حديث: 3359. [2] سنن ابن ماجه، الصيد، حديث: 3231. [3] صحيح مسلم، السلام، حديث: 5842(2237). [4] صحيح مسلم، السلام، حديث: 5847 (2240).

ذَا الطُّفْيَتَيْنِ فَإِنَّهُ يَطْمِسُ الْبَصَرَ وَيُصِيبُ الْحَبَلَ». تَابَعَهُ حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ: أَخْبَرَنَا أُسَامَةُ. [انظر: ۳۳۰۹]

گرا دیتا ہے۔ ابو اسامہ کے ساتھ اس کو حماد بن سلمہ نے بھی روایت کیا ہے۔

۳۳۰۹ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا يَحْيٰى عَنْ هِشَامٍ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: أَمَرَ النَّبِيُّ ﷺ بِقَتْلِ الْأَبْتَرِ، وَقَالَ: «إِنَّهُ يُصِيبُ الْبَصَرَ وَيُذْهِبُ الْحَبَلَ». [راجع: ۳۳۰۸]

[3309] حضرت عائشہ ؓ ہی سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے دُم کٹے سانپ کو قتل کر دینے کا حکم دیا کیونکہ وہ اندھا کر دیتا ہے اور حمل ساقط کر دیتا ہے۔

۳۳۱۰ - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ عَنْ أَبِي يُونُسَ الْقُشَيْرِيِّ، عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يَقْتُلُ الْحَيَّاتِ ثُمَّ نَهٰى، قَالَ: إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ هَدَمَ حَائِطًا لَهُ فَوَجَدَ فِيهِ سِلْخَ حَيَّةٍ، فَقَالَ: «انْظُرُوا أَيْنَ هُوَ؟» فَنَظَرُوا فَقَالَ: «اقْتُلُوهُ» فَكُنْتُ أَقْتُلُهَا لِذَاكَ. [راجع: ۳۲۹۷]

[3310] حضرت ابن عمر ؓ سے روایت ہے کہ وہ سانپوں کو قتل کیا کرتے تھے، پھر منع کرنے لگے اور کہا: (ایک مرتبہ) نبی ﷺ نے اپنی دیوار گرائی تو اس میں سانپ کی کینچلی ملی تو آپ نے فرمایا: ”دیکھو سانپ کہاں ہے؟“ صحابۂ کرام ؓ نے دیکھ لیا تو آپ نے فرمایا: ”اسے مار ڈالو۔“ اس لیے میں انھیں مارا کرتا تھا۔

۳۳۱۱ - فَلَقِيتُ أَبَا لُبَابَةَ فَأَخْبَرَنِي أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «لَا تَقْتُلُوا الْجِنَّانَ إِلَّا كُلَّ أَبْتَرَ ذِي طُفْيَتَيْنِ، فَإِنَّهُ يُسْقِطُ الْوَلَدَ وَيُذْهِبُ الْبَصَرَ فَاقْتُلُوهُ». [راجع: ۳۲۹۸]

[3311] لیکن اس کے بعد میں جب حضرت ابولبابہ ؓ سے ملا تو انھوں نے مجھے بتایا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”سفید سانپوں کو مت مارو، ان کے علاوہ ہر دم کٹا، دو دھاری سانپ مار ڈالو کیونکہ وہ حمل گرا دیتا ہے اور بینائی کو ختم کر دیتا ہے۔“

۳۳۱۲ - حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا جَرِيرُ بْنُ حَازِمٍ عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهُ كَانَ يَقْتُلُ الْحَيَّاتِ. [راجع: ۳۲۹۷]

[3312] حضرت ابن عمر ؓ سے روایت ہے کہ وہ سانپوں کو مارا کرتے تھے۔

۳۳۱۳ - فَحَدَّثَهُ أَبُو لُبَابَةَ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهٰى عَنْ قَتْلِ جِنَّانِ الْبُيُوتِ، فَأَمْسَكَ عَنْهَا. [راجع: ۳۲۹۸]

[3313] انھیں حضرت ابولبابہ ؓ نے بتایا کہ نبی ﷺ نے گھروں میں رہنے والے سانپوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے تو وہ ان کے قتل کرنے سے رُک گئے۔

فوائد و مسائل: ① ان روایات میں مختلف سانپوں کا ذکر ہے، اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے انھیں بیان کیا ہے۔ ② سلخ کے معنی وہ کینچلی ہے جو سانپ اتار پھینکتا ہے۔ وہ سفید ملائم کاغذ کی طرح ہوتی ہے۔ الجان ان سانپوں کو کہا جاتا ہے جو گھروں میں رہتے ہیں اور سفید رنگ کے ہوتے ہیں۔ ان کے متعلق تفصیل ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں۔ ③ سابقہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دو دھاری اور دم کٹے سانپوں کی دو قسمیں ہیں جبکہ حدیث: 3310 سے پتہ چلتا ہے کہ یہ ایک ہی قسم ہے کیونکہ ان کے درمیان حرف عطف نہیں۔ ہمارے رجحان کے مطابق سانپوں کے متعلق یہ دو وصف کبھی تو ایک ہی سانپ میں جمع ہوتے ہیں اور کبھی علیحدہ علیحدہ دو سانپوں میں پائے جاتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا حکم ہر دو قسموں کے لیے ہے۔ اور واؤ عطف کبھی کبھی دو وصف کو بھی جمع کرتی ہے، اس بنا پر حدیث کے معنی یہ ہیں کہ اس سانپ کو مارو جو دُم کٹا اور دو دھاری ہو۔ واللہ أعلم.

(١٦) بَابٌ: إِذَا وَقَعَ الذُّبَابُ فِي شَرَابِ أَحَدِكُمْ فَلْيَغْمِسْهُ فَإِنَّ فِي أَحَدِ جَنَاحَيْهِ دَاءً وَفِي الْأُخْرَى شِفَاءً، وَخَمْسٌ مِّنَ الدَّوَابِّ فَوَاسِقُ يُقْتَلْنَ فِي الْحَرَمِ

باب: 16- جب مکھی کسی کے مشروب میں گر جائے تو اسے ڈبو دے کیونکہ اس کے ایک پر میں بیماری اور دوسرے میں شفا ہے، نیز پانچ موذی جانوروں کو حرم میں بھی قتل کر دیا جائے

٣٣١٤ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ: حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «خَمْسٌ فَوَاسِقُ يُقْتَلْنَ فِي الْحَرَمِ: اَلْفَأْرَةُ، وَالْعَقْرَبُ، وَالْحُدَيَّا، وَالْغُرَابُ، وَالْكَلْبُ الْعَقُورُ». [راجع: ١٨٢٩]

[3314] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتی ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''پانچ جانور موذی ہیں، انھیں حرم میں بھی مارا جا سکتا ہے: چوہا، بچھو، چیل، کوا اور باؤلا کتا۔''

٣٣١٥ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «خَمْسٌ مِّنَ الدَّوَابِّ مَنْ قَتَلَهُنَّ وَهُوَ مُحْرِمٌ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ: اَلْعَقْرَبُ، وَالْفَأْرَةُ، وَالْكَلْبُ الْعَقُورُ، وَالْغُرَابُ، وَالْحِدَأَةُ».

[راجع: ١٨٢٦]

[3315] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''پانچ جانور ایسے ہیں جنھیں اگر کوئی شخص حالت احرام میں بھی مار ڈالے تو اس پر کوئی گناہ نہیں: وہ بچھو، چوہا، باؤلا کتا، کوا اور چیل ہیں۔''

فوائد و مسائل: ① یہ احادیث دراصل بنیادی عنوان کے اثبات کے لیے ہیں جن میں حیوانات کا ذکر ہے۔ ان احادیث میں چونکہ ایک اضافی فائدہ بھی تھا، اس لیے الگ عنوان قائم کر کے اس پر متنبہ کیا ہے۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ کا بنیادی مقصد تو زمین میں پائے جانے والے حیوانات کا ذکر کرنا ہے اور وہ ان احادیث سے روز روشن کی طرح ثابت ہو رہا ہے کہ ان احادیث میں پانچ جانوروں کا ذکر ہے، البتہ یہ جانور انسانی صحت کے لیے انتہائی نقصان دہ ہیں، اس لیے اس اضافی فائدے کے پیش نظر اضافی عنوان قائم کیا۔ اس وضاحت کے بعد حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے تنبیہ کے عنوان سے جو بیان کیا ہے[1] اس میں ذرا بھر بھی وزن نہیں ہے کہ اس باب کو حذف کر دینا مناسب ہے کیونکہ یہ بے محل ہے۔ ③ ان پانچ جانوروں کو فاسق اس لیے کہا گیا ہے کہ فسق کے معنی خروج کے ہیں۔ یہ جانور اذیت پہنچانے اور تکلیف دینے کے باعث اچھے جانوروں کی راہ سے نکل چکے ہیں، چنانچہ کوا اونٹ کی پشت پر چونچیں مار کر اسے زخمی کر دیتا ہے، چیل گوشت چھین لیتی ہے، بچھو ڈس لیتا ہے، چوہا کپڑے اور کتابیں کتر دیتا ہے اور کاٹنے والا کتا لوگوں کو کاٹتا ہے۔ بعض دفعہ اس کے کاٹنے سے آدمی بھی باؤلا ہو جاتا ہے۔ انھیں بحالت احرام، حرم میں بھی قتل کیا جا سکتا ہے۔ غیر محرم کے لیے تو بطریق اولیٰ انھیں مارنا جائز ہے۔ اس پر تمام امت کا اتفاق ہے۔

٣٣١٦ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ: حَدَّثَنَا كَثِيرٌ عَنْ عَطَاءٍ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا رَفَعَهُ قَالَ: «خَمِّرُوا الْآنِيَةَ، وَأَوْكِئُوا الْأَسْقِيَةَ، وَأَجِيفُوا الْأَبْوَابَ، وَاكْفِتُوا صِبْيَانَكُمْ عِنْدَ الْمَسَاءِ، فَإِنَّ لِلْجِنِّ انْتِشَارًا وَّخَطْفَةً، وَأَطْفِئُوا الْمَصَابِيحَ عِنْدَ الرُّقَادِ، فَإِنَّ الْفُوَيْسِقَةَ رُبَّمَا اجْتَرَّتِ الْفَتِيلَةَ فَأَحْرَقَتْ أَهْلَ الْبَيْتِ».

[3316] حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے اس حدیث کو مرفوع ذکر کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''(شام کے وقت) برتنوں کو ڈھانک دو، مشکیزوں کے منہ باندھ لیا کرو، دروازے بند کر لو اور بچوں کو باہر جانے سے منع کرو کیونکہ شام کے وقت جن پھیلتے اور اچک لیتے ہیں، نیز سونے کے وقت چراغ گل کر دیا کرو کیونکہ موذی چوہا بعض اوقات جلتی بتی کھینچ لاتا ہے اور سارے گھر کو جلا دیتا ہے۔''

قَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ وَّحَبِيبٌ عَنْ عَطَاءٍ: «فَإِنَّ لِلشَّيَاطِينِ». [راجع: ٣٢٨٠]

ابن جریج اور حبیب نے حضرت عطاء سے جنات کی بجائے شیاطین کے الفاظ ذکر کیے ہیں۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کے جتنے اوامر ہیں وہ استحباب پر محمول ہیں۔ ان پر عمل کرنے سے انسان تکلیفوں سے محفوظ رہتا ہے۔ ② برتنوں کو ڈھانپنے کے کئی فوائد ہیں: وہ شیاطین اور ان کی نجاستوں سے محفوظ رہتے ہیں۔ ان میں کیڑے مکوڑے داخل نہیں ہوتے اور وبائی امراض بھی ان سے دور رہتی ہیں۔ اگر کوئی ڈھکن وغیرہ نہ ملے تو برتن پر کوئی لکڑی وغیرہ رکھ دی جائے۔ چراغ بجھا دینے کا حکم اس لیے دیا کہ چوہے کی شرارت سے گھر کے جلنے کا اندیشہ ہے۔ اگر قندیل یا

---

① فتح الباري: 429/6.

بجلی کا بلب ہے جس کی وجہ سے جلنے جلانے تک معاملہ نہ پہنچے تو کوئی حرج نہیں۔ بہر حال بجلی کی اشیاء کو بھی بجھا دینا بہتر ہے کیونکہ کسی تار کے شارٹ ہونے سے آگ لگنے کا خطرہ بدستور موجود رہتا ہے۔ ③ واضح رہے کہ جن اور شیطان کی حقیقت ایک ہے، البتہ ان کی صفات مختلف ہیں۔ روایت میں دونوں کا ذکر صحیح ہے۔

٣٣١٧ - حَدَّثَنَا عَبْدَةُ بْنُ عَبْدِ اللهِ: أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ آدَمَ عَنْ إِسْرَائِيلَ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَلْقَمَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ: كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ فِي غَارٍ فَنَزَلَتْ: ﴿وَالْمُرْسَلَتِ عُرْفًا﴾ [المرسلات: ١] فَإِنَّا لَنَتَلَقَّاهَا مِنْ فِيهِ إِذْ خَرَجَتْ حَيَّةٌ مِنْ جُحْرِهَا فَابْتَدَرْنَاهَا لِنَقْتُلَهَا فَسَبَقَتْنَا فَدَخَلَتْ جُحْرَهَا، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «وُقِيَتْ شَرَّكُمْ كَمَا وُقِيتُمْ شَرَّهَا». وَعَنْ إِسْرَائِيلَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَلْقَمَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ مِثْلَهُ قَالَ: فَإِنَّا لَنَتَلَقَّاهَا مِنْ فِيهِ رَطْبَةً.

[3317] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ ایک غار میں ٹھہرے ہوئے تھے کہ یہ سورت نازل ہوئی: ﴿وَالْمُرْسَلَتِ عُرْفًا﴾ ابھی ہم آپ کی زبان مبارک سے اسے سن ہی رہے تھے، کیا دیکھتے ہیں کہ غار کے سوراخ سے ایک سانپ نکلا۔ ہم اسے مارنے کے لیے اس کے پیچھے بھاگے۔ وہ ہم سے آگے بڑھ گیا اور اپنے بل میں داخل ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''وہ تمھاری اذیت سے بچ گیا جس طرح تم اس کی ایذا رسانی سے محفوظ رہے۔''

اسرائیل نے اعمش سے، انھوں نے ابراہیم سے، انھوں نے علقمہ سے، انھوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے اسی طرح روایت کیا اور کہا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی زبان اطہر سے اس سورت کو تازہ بتازہ سن رہے تھے۔

وَتَابَعَهُ أَبُو عَوَانَةَ عَنْ مُغِيرَةَ. وَقَالَ حَفْصٌ وَأَبُو مُعَاوِيَةَ وَسُلَيْمَانُ بْنُ قَرْمٍ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنِ الْأَسْوَدِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ. [راجع: ١٨٣٠]

ابو عوانہ نے مغیرہ کے طریق سے اسرائیل کی متابعت کی ہے، نیز حفص، ابو معاویہ اور سلیمان بن قرم اعمش سے، انھوں نے ابراہیم سے، انھوں نے اسود سے، انھوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

فوائد و مسائل: ① سانپ اگر گھروں سے برآمد ہوں تو انھیں مارنے سے پہلے کہا جائے کہ یہاں سے چلے جاؤ، اگر نہ جائیں تو انھیں قتل کر دیا جائے لیکن اگر بے آباد، جنگل وغیرہ میں سامنے آئیں تو انھیں وارننگ دیے بغیر قتل کر دیا جائے جیسا کہ اس حدیث میں مذکور ہے۔ اگرچہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اسے مارنے میں کامیاب نہ ہو سکے، تاہم رسول اللہ ﷺ نے وارننگ دینے کا حکم نہیں دیا۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد صرف اس قدر ہے کہ اس حدیث میں سانپ کا ذکر ہے اور آپ ان احادیث کو ذکر کر رہے ہیں جن میں حیوانات کا کسی نہ کسی حوالے سے تذکرہ ہے۔

٣٣١٨ - حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى: حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ قَالَ: «دَخَلَتِ امْرَأَةٌ النَّارَ فِي هِرَّةٍ رَبَطَتْهَا فَلَمْ تُطْعِمْهَا وَلَمْ تَدَعْهَا تَأْكُلُ مِنْ خَشَاشِ الْأَرْضِ». [راجع: ٢٣٦٥]

[3318] حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''ایک عورت محض ایک بلی کی وجہ سے دوزخ میں ڈال دی گئی جس نے اسے باندھ رکھا تھا، نہ تو اس کو خود کچھ کھلایا اور نہ اسے آزاد ہی کیا کہ وہ زمین کے کیڑے مکوڑے کھا کر اپنی جان بچالیتی۔''

قَالَ: وَحَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ عَنْ سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ مِثْلَهُ.

(راویٔ حدیث) عبدالاعلیٰ نے کہا: ہم سے عبیداللہ نے بیان کیا، انھوں نے سعید مقبری سے، انھوں نے حضرت ابو ہریرہ ؓ سے، انھوں نے نبی ﷺ سے اسی طرح روایت کیا ہے۔

فوائد و مسائل: ① حضرت اسماء بنت ابی بکر ؓ سے مروی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سورج گرہن کی نماز پڑھی تو آپ کو اس دوران میں دوزخ کا مشاہدہ کرایا گیا۔ اس میں آپ نے ایک عورت دیکھی جسے بلی نوچ رہی تھی۔ آپ کے دریافت کرنے پر فرشتوں نے بتایا کہ اس نے ایک بلی کو بلاوجہ قید کر رکھا تھا حتی کہ وہ بھوک کی وجہ سے مرگئی۔[1] ② اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بلی کو تکلیف پہنچانا کبیرہ گناہ ہے۔ ③ امام بخاری ؒ نے حیوانات کے حوالے سے یہ حدیث بیان کی ہے کیونکہ اس میں بلی کا ذکر ہے۔ واللہ أعلم. حضرت ابو ہریرہ ؓ کی روایت کو امام مسلم ؒ نے متصل سند سے بیان کیا ہے۔[2]

٣٣١٩ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبِي أُوَيْسٍ قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «نَزَلَ نَبِيٌّ مِّنَ الْأَنْبِيَاءِ تَحْتَ شَجَرَةٍ فَلَدَغَتْهُ نَمْلَةٌ فَأَمَرَ بِجَهَازِهِ فَأُخْرِجَ مِنْ تَحْتِهَا، ثُمَّ أَمَرَ بِبَيْتِهَا، فَأُحْرِقَ بِالنَّارِ فَأَوْحَى اللهُ إِلَيْهِ: فَهَلَّا نَمْلَةً وَّاحِدَةً؟». [راجع: ٣٠١٩]

[3319] حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سابقہ انبیاء میں سے کسی نبی نے ایک درخت کے نیچے پڑاؤ کیا تو انھیں ایک چیونٹی نے کاٹ لیا۔ انھوں نے اپنے سامان کے متعلق حکم دیا کہ اسے درخت کے نیچے سے نکال لیا جائے۔ پھر چیونٹیوں کے جتھے کے متعلق حکم دیا کہ اسے آگ سے جلا دیا جائے، اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے انھیں وحی آئی کہ آپ نے صرف ایک ہی چیونٹی کو کیوں نہ جلایا؟''

---

(1) صحيح البخاري، المساقاة، حديث: 2364. 2 صحيح مسلم، البر والصلة والأدب، حديث: 6678 (2242).

فوائد و مسائل: ① سابقہ شریعتوں میں چیونٹی کو قتل کرنا اور اسے آگ سے جلانا جائز تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''آپ نے صرف ایک ہی چیونٹی کو کیوں نہ جلایا؟'' یعنی صرف اسی کو عذاب دینا تھا جس نے تکلیف پہنچائی تھی، لیکن ہماری شریعت میں جانداروں کو آگ سے جلانا جائز نہیں۔ اگرچہ موذی جانور کو مارنا جائز ہے لیکن آگ سے جلانے کی ممانعت ہے۔ ② چیونٹی کی خصوصیت یہ ہے کہ اگر وہ تھوڑی سی چیز بھی دیکھ لے تو دوسری چیونٹیوں کو بلا لاتی ہے اور اسے کھینچ کر اپنے بل میں لے جاتی ہے اور گرمیوں میں سردیوں کی خوراک جمع کر لیتی ہے اور جب اسے معلوم ہو کہ دانا وغیرہ بدبودار ہو جائے گا تو اس کو باہر نکال پھینکتی ہے۔ واللہ أعلم.

(١٧) بَابٌ: إِذَا وَقَعَ الذُّبَابُ فِي شَرَابِ أَحَدِكُمْ فَلْيَغْمِسْهُ فَإِنَّ فِي إِحْدٰى جَنَاحَيْهِ دَاءً وَفِي الْأُخْرٰى شِفَاءً

باب: 17- جب تم میں سے کسی کے مشروب میں مکھی گر جائے اس کو ڈبو لے کیونکہ اس کے ایک پر میں بیماری اور دوسرے میں شفا ہے

٣٣٢٠ - حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ: حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ قَالَ: حَدَّثَنِي عُتْبَةُ بْنُ مُسْلِمٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ بْنُ حُنَيْنٍ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «إِذَا وَقَعَ الذُّبَابُ فِي شَرَابِ أَحَدِكُمْ فَلْيَغْمِسْهُ ثُمَّ لِيَنْزِعْهُ، فَإِنَّ فِي إِحْدٰى جَنَاحَيْهِ دَاءً وَالْأُخْرٰى شِفَاءً». [انظر: ٥٧٨٢]

[3320] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کسی کے مشروب میں مکھی گر جائے تو اسے چاہیے کہ اس کو ڈبو دے، پھر نکال پھینکے کیونکہ اس کے دونوں پروں میں سے ایک میں بیماری اور دوسرے میں شفا ہے۔''

فوائد و مسائل: ① حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے: اس عنوان کا حذف کر دینا بہتر ہے کیونکہ مذکورہ حدیث کے علاوہ دیگر آگے آنے والی احادیث کا اس عنوان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔[1] حالانکہ ہم پہلے وضاحت کر آئے ہیں کہ اس طرح کے عنوان بنیادی نہیں بلکہ اضافی ہیں جو کسی خاص فائدے کے پیش نظر قائم کیے جاتے ہیں۔ بنیادی طور پر ان احادیث کا گزشتہ عنوان ہی سے تعلق ہے کیونکہ امام بخاری رحمہ اللہ کا ایک اصل مقصد ان احادیث کو بیان کرنا ہے جن میں کسی نہ کسی حوالے سے حیوانات کا ذکر ہے، چنانچہ اس حدیث میں مکھی کا ذکر ہے، البتہ اس کی ایک عجیب و غریب عادت سے آگاہ کرنے کے لیے ایک اضافی عنوان قائم کر دیا ہے۔ ② حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مکھی کے ایک پر میں زہر اور دوسرے میں تریاق ہے، اس لیے جب کسی کھانے کی چیز میں مکھی گر جائے تو اسے ڈبو لیا جائے۔ وہ زہر والے پر کو نیچے اور شفا والے کو اوپر رکھتی ہے۔''[2] طب جدید نے بھی اس بات کی تصدیق کر دی ہے کہ مکھی کے ایک پر میں زہر اور دوسرے میں تریاق

1 فتح الباري : 434/6. 2 سنن ابن ماجه، الطب، حديث : 3505.

ہے۔ اگرچہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی فرنگی طب کی تصدیق کا محتاج نہیں، تاہم حدیث پر اعتراض کرنے والوں کو آئینہ دکھایا جاسکتا ہے۔ ③ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں اس طرح کے عجائبات بے شمار ہیں جیسا کہ شہد کی مکھی کے پیٹ میں شہد اور اس کے ڈنگ میں زہر ہے۔ اژدہے کے منہ میں زہر بھی ہے اور تریاق بھی ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ آج کل روشن خیال طبقہ ایسی احادیث کا مذاق اڑاتا ہے، حالانکہ وہ حقائق سے بالکل ناواقف اور جدید معلومات سے کورے ہیں۔

٣٣٢١ - حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ الصَّبَّاحِ: حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ الْأَزْرَقُ: حَدَّثَنَا عَوْفٌ عَنِ الْحَسَنِ وَابْنِ سِيرِينَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ قَالَ: «غُفِرَ لِامْرَأَةٍ مُومِسَةٍ مَرَّتْ بِكَلْبٍ عَلَى رَأْسِ رَكِيٍّ يَلْهَثُ - قَالَ: كَادَ يَقْتُلُهُ الْعَطَشُ - فَنَزَعَتْ خُفَّهَا فَأَوْثَقَتْهُ بِخِمَارِهَا فَنَزَعَتْ لَهُ مِنَ الْمَاءِ فَغُفِرَ لَهَا بِذٰلِكَ». [انظر: ٣٤٦٧]

[3321] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے، وہ رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ”ایک زانیہ عورت صرف اس لیے بخش دی گئی کہ اس کا گزر ایک کتے پر ہوا جو ایک کنویں کے کنارے بیٹھا پیاس کی وجہ سے زبان نکالے ہانپے جا رہا تھا اور مرنے کے قریب تھا تو اس عورت نے اپنا موزہ اتارا اور اسے اپنے دوپٹے سے باندھ کر اس کے لیے کنویں سے پانی نکالا، بس اسی وجہ سے اسے معاف کر دیا گیا۔“

فوائد و مسائل: ① یہ اللہ تعالیٰ کی شان کریمی ہے کہ بڑے بڑے گناہوں کو معمولی سے کار خیر کی بنا پر معاف کر دیتا ہے بشرطیکہ وہ کام خلوص سے کیا گیا ہو، چنانچہ اس بدکار عورت کو اس کے خلوص کی بنا پر معاف کر دیا گیا۔ نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو مسلمان کبیرہ گناہ کا مرتکب ہو اس کا کوئی چھوٹا سا عمل قبول ہوسکتا ہے جو اس کی مغفرت کا باعث ہو۔ ② واضح رہے کہ امام بخاری ؒ نے حضرت ابوہریرہ ؓ سے مروی ایک آدمی سے متعلق بھی اس طرح کا واقعہ بیان کیا ہے۔[1] ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مستقل طور پر یہ دو واقعات ہیں اور دونوں کی حیثیت الگ الگ ہے۔ ③ امام بخاری ؒ نے یہ حدیث صرف اس لیے بیان کی ہے کہ اس میں ایک حیوان کا ذکر ہے۔

٣٣٢٢ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ: حَفِظْتُهُ مِنَ الزُّهْرِيِّ. كَمَا أَنَّكَ هَاهُنَا أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ أَبِي طَلْحَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «لَا تَدْخُلُ الْمَلَائِكَةُ بَيْتًا فِيهِ كَلْبٌ وَلَا صُورَةٌ». [راجع: ٣٢٢٥]

[3322] حضرت ابوطلحہ ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ”اس گھر میں فرشتے داخل نہیں ہوتے جس میں کتا اور تصویر ہو۔“

① صحيح البخاري، المساقاة، حديث: 2363.

فوائد و مسائل: ① فرشتوں سے مراد رحمت کے فرشتے ہیں کیونکہ کچھ فرشتے ایسے ہیں جو کسی وقت بھی انسان سے الگ نہیں ہوتے۔ ② کھیتی باڑی اور مویشیوں کی حفاظت کرنے والے یا شکار کرنے والے کتے اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔ وہ تصاویر جنھیں پاؤں تلے روندا جائے اور ان کی عظمت وعزت مقصود نہ ہو وہ رحمت کے فرشتوں کے لیے رکاوٹ کا باعث نہیں ہیں۔ واللّٰہ أعلم.

٣٣٢٣ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ أَمَرَ بِقَتْلِ الْكِلَابِ.

[3323] حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کتوں کو مار ڈالنے کا حکم فرمایا۔

فائدہ: باؤلے کتے اور سیاہ کتے کو مارنے پر اتفاق ہے، دوسرے کتوں کو مارنے کا آپ نے حکم دیا تھا لیکن بعد میں منع کر دیا۔

٣٣٢٤ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا هَمَّامٌ عَنْ يَحْيَى: حَدَّثَنِي أَبُو سَلَمَةَ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ حَدَّثَهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَنْ أَمْسَكَ كَلْبًا يَنْقُصُ مِنْ عَمَلِهِ كُلَّ يَوْمٍ قِيرَاطٌ إِلَّا كَلْبَ حَرْثٍ أَوْ مَاشِيَةٍ». [راجع: ٢٣٢٢]

[3324] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس شخص نے کتا پالا، اس کے عمل سے ہر روز ایک قیراط کم ہوتا رہتا ہے سوائے اس کتے کے جو کھیتی باڑی یا بھیڑ بکریوں کی حفاظت کرتا ہو۔“

٣٣٢٥ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ: حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ قَالَ: أَخْبَرَنِي يَزِيدُ بْنُ خُصَيْفَةَ قَالَ: أَخْبَرَنِي السَّائِبُ بْنُ يَزِيدَ: سَمِعَ سُفْيَانَ بْنَ أَبِي زُهَيْرٍ [الشَّنَوِيَّ] أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «مَنِ اقْتَنَى كَلْبًا لَّا يُغْنِي عَنْهُ زَرْعًا وَّلَا ضَرْعًا نَّقَصَ مِنْ عَمَلِهِ كُلَّ يَوْمٍ قِيرَاطٌ»، فَقَالَ السَّائِبُ: أَنْتَ سَمِعْتَ هٰذَا مِنْ رَّسُولِ اللهِ ﷺ؟ قَالَ: إِي وَرَبِّ هٰذِهِ الْقِبْلَةِ. [راجع: ٢٣٢٣]

[3325] حضرت سفیان بن ابو زہیر شنوی ؓ سے روایت ہے، انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا: ”جس نے کوئی کتا پالا، جس سے نہ تو کسی کو فائدہ پہنچتا ہے اور نہ مویشیوں ہی کے کام آتا ہے تو اس کے اعمال میں سے ہر روز ایک قیراط کم ہوتا رہتا ہے۔“ حضرت سائب بن یزید ؓ نے پوچھا: کیا اس حدیث کو آپ نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے؟ تو انھوں نے کہا: جی ہاں، مجھے اس قبلے کے رب کی قسم ہے۔

فوائد و مسائل: ① جو کتے مویشیوں یا کھیتی کی حفاظت یا شکار کے لیے رکھے گئے ہوں وہ اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔ ان کے علاوہ جو کتے شوقیہ طور پر رکھے جائیں، ان کے لیے مذکورہ وعید ہے۔ ② بعض روایات میں ہے کہ شوقیہ کتے رکھنے والے کے نیک

اعمال سے روزانہ دو قیراط کم ہوتے رہیں گے۔[1] ان دونوں روایات میں تضاد نہیں ہے کیونکہ جب لوگ اس سے باز نہ آئے تو بطور زجر و توبیخ دو قیراط فرمایا یا کتے کی اذیت کے پیش نظر فرمایا کہ جس کتے سے اذیت زیادہ ہو اسے پالنے سے دو قیراط ثواب کم اور جس سے اذیت کم ہو، اس کے پالنے سے ایک قیراط ثواب کم ہوتا رہتا ہے یا یہ اختلاف جگہ کے اعتبار سے ہوگا کہ مدینہ طیبہ میں ایسے کتے پالنے سے دو قیراط اور دیگر مقامات پر ایک قیراط ثواب کم ہوتا رہے گا۔ قیراط کی مقدار اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔[2] ③ کتے کبھی نہ کبھی کسی کا ضرور نقصان کر دیتے ہیں، اس نقصان کے عوض اس کے پالنے والے پر ذمہ داری ہوگی۔ حفاظت یا شکار کے لیے جو کتے رکھے جائیں، ان پر مالک کا ضرور کنٹرول ہوتا ہے، اس لیے انھیں مستثنیٰ کر دیا گیا ہے۔ یہ کتاب بدء الخلق کا آخری باب ہے، اس لیے ان احادیث کا ذکر ہوا جس میں کسی نہ کسی حوالے سے حیوانات کا تذکرہ ہے۔

(1) صحيح البخاري، الذبائح والصيد، حديث: 5480. 2 عمدة القاري: 671/10.

لفظ انبیاء کا معنی و مفہوم اور انبیائے کرام کی تعداد

لفظ انبیاء نبی کی جمع ہے اور نبأ سے ماخوذ ہے جس کے معنی ''خبر عظیم'' کیے جاتے ہے۔ بعض لغوی حضرات نے اس لفظ کا اشتقاق نبوۃ یا نباوۃ بتایا ہے جس کے معنی ہیں: ''بلند زمین اور اونچا مقام''۔ ہمارے رجحان کے مطابق یہ دونوں معانی اس لغوی اصطلاح میں ملحوظ ہیں کیونکہ نبی، اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر عظیم لے کر آتا ہے اور ایسے ہی وہ اللہ تعالیٰ اور اہل ایمان کے ہاں بلند مقام اور اونچی شان والا ہوتا ہے، نیز وہ اپنی قوم کے معزز افراد میں سے ہوتا ہے جیسا کہ حدیث ہرقل میں شاہ روم نے گواہی دی تھی کہ رسول اپنی قوم کے حسب و نسب والے افراد میں سے ہوتے ہیں۔ [1]

اصطلاحی طور پر نبی کی تعریف اس طرح کی گئی ہے: نبی وہ انسان ہے جسے اللہ تعالیٰ نئی شریعت دے کر بھیجے اور وہ اس کی لوگوں کو دعوت دے یا اسے کسی سابقہ نبی کی تائید و حمایت کے لیے بھیجا گیا ہو۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: نبوت اللہ تعالیٰ کا انعام ہے جس پر چاہے وہ احسان کر دیتا ہے۔ کوئی شخص اپنے علم یا کشف کی بنیاد پر یہ مقام حاصل نہیں کر سکتا اور نہ کوئی صلاحیت و استعداد ہی کی بنا پر اس کا مستحق قرار پاتا ہے۔ [2] ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسٰلَتَهٗ﴾ ''اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ رسالت کا کام کس سے لے؟'' [3] یعنی یہ بات تو اللہ ہی جانتا ہے کہ انسانوں میں سے کون بار نبوت اٹھانے والا ہے کیونکہ ہر انسان اس کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ یہ منصب اللہ کی طرف سے وہبی طور پر ملتا ہے۔ محنت و مشقت اور ریاضتوں سے حاصل نہیں ہو سکتا۔

انبیاء و رسل علیہم السلام کی تعداد کے متعلق حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ابن حبان کے حوالے سے ایک روایت بیان کی ہے کہ ان کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے۔ جن میں تین سو تیرہ رسول اور باقی سب نبی ہیں۔ [4] لیکن اس قسم کی روایت محدثین کے قائم کردہ معیار صحت پر پوری نہیں اتری۔ قرآن کریم میں ہے: ''آپ سے پہلے ہم کئی رسول بھیج چکے ہیں۔ ان میں سے کچھ تو ایسے ہیں جن کا حال ہم نے آپ سے بیان کیا اور کچھ ایسے ہیں جن کا حال بیان نہیں کیا۔'' [5]

اللہ تعالیٰ نے جن انبیائے کرام کے واقعات قرآن میں بیان فرمائے ہیں، ان کی تعداد پچیس ہے۔ سورۂ انعام میں اٹھارہ انبیاء کا تذکرہ ہے۔ [6] ان کے علاوہ باقی سات کا ذکر دیگر مقامات پر ہے۔ ان میں سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام اور

---

1 صحيح البخاري، بدء الوحي، حديث: 5. 2 فتح الباري: 435/6. 3 الأنعام 124:5. 4 فتح الباري: 435/6.
5 المؤمن 78:40. 6 الأنعام 6:84-87.

آخری خاتم الانبیاء حضرت محمد ﷺ ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام انبیائے کرام علیہم السلام برگزیدہ، پسندیدہ اور خلاصۂ کائنات ہیں، لیکن یہودی عقیدہ رکھتے ہیں کہ حضرات انبیاء علیہم السلام گناہوں اور غلطیوں سے معصوم نہیں بلکہ انھوں نے انبیاء علیہم السلام کے لیے منکرات، مثلاً: زنا، شراب نوشی اور عورتوں کو ان کے خاوندوں سے چھین لینے کے ارتکاب کو ممکن قرار دیا ہے۔ اس کے متعلق یہودی اپنے ہاں موجودہ تورات پر اعتماد کرتے ہیں، چنانچہ نوح علیہ السلام کے متعلق بائبل میں ہے: نوح کاشتکاری کرنے لگا اور اس نے انگور کا ایک باغ لگایا۔ اس نے مے نوشی کی اور اسے نشہ آیا تو وہ اپنے ڈیرے میں برہنہ ہو گیا۔[1]

حضرت لوط علیہ السلام کے متعلق لکھا ہے: لوط کی دونوں بیٹیاں اپنے باپ سے حاملہ ہوئیں۔ بڑی کے ہاں ایک بیٹا ہوا اور چھوٹی نے بھی ایک بیٹے کو جنم دیا۔[2]

حضرت داود علیہ السلام کے متعلق لکھا ہے: ان کی نظر ایک نہاتی ہوئی پڑوسن پر پڑی تو وہ اس پر فریفتہ ہو گئے اور اسے بلا کر اس سے بدکاری کی۔ وہ اس سے حاملہ ہو گئی، پھر انھوں نے کوشش کی کہ یہ حمل اس کے خاوند کے ذمے لگ جائے۔ بالآخر انھوں نے اس کے خاوند کو جنگ میں بھیج کر مروا ڈالا اور عورت سے شادی رچالی۔[3]

حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعلق بائبل میں ہے: جب سلیمان بڈھا ہو گیا تو اس کی بیویوں نے اس کے دل کو غیر معبودوں کی طرف مائل کر دیا اور اس کا دل اپنے خدا کے ساتھ کامل نہ رہا جیسا کہ اس کے باپ داود کا تھا۔[4]

امام بخاری رحمہ اللہ نے جب حضرات انبیاء علیہم السلام کے متعلق یہودیوں کی بکواس کو ملاحظہ کیا تو کتاب الانبیاء میں قرآنی آیات اور احادیث سے مزین ان کی سیرت و اخلاق کو مرتب کیا۔ اس گلدستے کی تشکیل میں دو سو نو احادیث ذکر کی ہیں۔ آپ نے صحیح احادیث کی روشنی میں تقریباً بیس انبیائے کرام علیہم السلام کے حالات و واقعات اور اخلاق و کردار کو بیان کیا ہے۔ ضمنی طور پر حضرت مریم، ذوالقرنین، حضرت لقمان، اصحاب کہف اور اصحاب غار کا ذکر بھی کیا ہے۔ ان کے علاوہ بنی اسرائیل کے حالات بیان کرتے ہوئے یأجوج اور مأجوج سے متعلق احادیث ذکر کی ہیں۔

الغرض امام بخاری رحمہ اللہ نے مؤرخین کی طرح تاریخی معلومات فراہم کرتے ہوئے نرمی اور تساہل سے کام نہیں لیا بلکہ سیرت انبیاء مرتب کرتے ہوئے راویوں کی عدالت و ثقاہت کے معیار کو قائم رکھا ہے۔ یہ بھی واضح رہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ جس طرح فقہی مسائل میں مجتہد ہیں اسی طرح تاریخی حقائق بیان کرنے میں منصب اجتہاد پر فائز نظر آتے ہیں۔ اس سلسلے میں مؤرخین کی پروا نہیں کرتے۔ بہرحال امام بخاری رحمہ اللہ نے ان احادیث پر چون (54) کے قریب

① پیدائش، باب : 9، آیت : 21,20. ② پیدائش، باب : 9، آیت : 36. ③ سموئیل، باب : 11، آیت : 1-6. ④ بائبل، کتاب سلاطین، باب : 11، آیت : 4.

چھوٹے چھوٹے عنوان قائم کر کے حضرات انبیاء ﷺ کے متعلق متعدد واقعات وحقائق سے پردہ اٹھایا ہے۔ ان احادیث میں ایک سو ستائیس مکرر اور بیاسی احادیث خالص ہیں۔ مرفوع احادیث کے علاوہ صحابۂ کرام اور تابعین عظام سے تقریباً چھیاسی آثار بھی مروی ہیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس وافر اور مستند خزانے سے فیض یاب ہونے کی توفیق دے اور ان پاکیزہ لوگوں کی سیرت کے مطابق اپنے اخلاق و کردار کو ڈھالنے کی ہمت عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین.

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

60 - كِتَابُ أَحَادِيثِ الْأَنْبِيَاءِ

سیرتِ انبیاء علیہم السلام کا بیان

(١) بَابُ خَلْقِ آدَمَ وَذُرِّيَّتِهِ

﴿صَلْصَٰلٍ﴾ [الحجر:٢٦]: طِينٌ خُلِطَ بِرَمْلٍ فَصَلْصَلَ كَمَا يُصَلْصِلُ الْفَخَّارُ. وَيُقَالُ: مُنْتِنٌ، يُرِيدُونَ بِهِ صَلَّ، كَمَا يَقُولُونَ: صَرَّ الْبَابُ وَصَرْصَرَ - عِنْدَ الْإِغْلَاقِ - مِثْلُ كَبْكَبْتُهُ يَعْنِي كَبَبْتُهُ. ﴿فَمَرَّتْ بِهِۦ﴾ [الأعراف:١٨٩]: اِسْتَمَرَّ بِهَا الْحَمْلُ فَأَتَمَّتْهُ. ﴿أَلَّا تَسْجُدَ﴾ [١٢]: أَنْ تَسْجُدَ، وَقَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَٰٓئِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي ٱلْأَرْضِ خَلِيفَةً﴾ [البقرة:٣٠] قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ﴿لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ﴾ [الطارق:٤]: إِلَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ. ﴿فِي كَبَدٍ﴾ [البلد:٤]: فِي شِدَّةِ خَلْقٍ. (وَرِيَاشًا): اَلْمَالُ؛ وَقَالَ غَيْرُهُ: اَلرِّيَاشُ وَالرِّيشُ وَاحِدٌ، وَهُوَ مَا ظَهَرَ مِنَ اللِّبَاسِ. ﴿مَا تُمْنُونَ﴾ [الواقعة:٥٨]: اَلنُّطْفَةُ فِي أَرْحَامِ النِّسَاءِ. وَقَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿عَلَىٰ رَجْعِهِۦ لَقَادِرٌ﴾ [الطارق:٨]: اَلنُّطْفَةُ فِي الْإِحْلِيلِ،

باب:1- حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کی پیدائش کا بیان

﴿صَلْصَالٍ﴾ کے معنی ایسی مٹی کے ہیں جس میں ریت ملی ہوئی ہو اور وہ اس طرح بجنے لگے جیسے پختہ مٹی بجتی ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس کے معنی ہیں: خمیر کی ہوئی بدبودار مٹی۔ اصل میں یہ لفظ صَلَّ سے مأخوذ ہے، جیسے صَرْصَرَ، صَرَّ سے بنا ہے۔ کہا جاتا ہے: صَرَّ الْبَابُ وَ صَرْصَرَ عِنْدَ الْإِغْلَاقِ ''دروازے نے بند ہوتے وقت آواز دی''، یعنی صَلَّ اور صَلْصَلَ ہم معنی ہیں جیسا کہ كَبْكَبْتُهُ اور كَبَبْتُهُ کے ایک معنی ہیں، یعنی میں نے اسے اوندھا کر دیا۔ ﴿فَمَرَّتْ بِهِ﴾ کے معنی ہیں: چلتی پھرتی رہی اور حمل کی مدت پوری کی، نیز ﴿أَلَّا تَسْجُدَ﴾ کے معنی أَنْ تَسْجُدَ ہیں، یعنی تجھے آدم کو سجدہ کرنے سے کس بات نے روکا؟ (لا کا لفظ یہاں زائد ہے۔) اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اور جب آپ کے رب نے فرشتوں سے کہا: میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ﴿لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ﴾

كُلُّ شَيْءٍ خَلَقَهُ فَهُوَ شَفْعٌ، اَلسَّمَاءُ شَفْعٌ. وَالْوَتْرُ: اَللهُ عَزَّ وَجَلَّ. ﴿فِيٓ أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ﴾ [التين: ٤]: فِي أَحْسَنِ خَلْقٍ. ﴿أَسْفَلَ سَافِلِينَ﴾ [٥]: إِلَّا مَنْ آمَنَ. ﴿خُسْرٍ﴾ [العصر: ٢]: ضَلَالٍ. ثُمَّ اسْتَثْنٰى فَقَالَ إِلَّا مَنْ آمَنَ. ﴿لَّازِبٍ﴾ [الصافات: ١١]: لَازِمٌ. ﴿وَنُنشِئَكُمْ﴾ [الواقعة: ٦١]: فِي أَيِّ خَلْقٍ نَشَاءُ. ﴿نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ﴾ [البقرة: ٣٠]: نُعَظِّمُكَ.

میں لَمَّا، اِلَّا کے معنی میں ہے، یعنی کوئی جان نہیں مگر اس پر اللہ کی طرف سے ایک نگہبان مقرر ہے۔ ﴿فِیْ کَبَدٍ﴾ اس کے معنی ہیں: شدتِ خلق۔ (رِیَاشًا) ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک اس کے معنی مال کے ہیں۔ دوسروں نے کہا ہے: رِیَاش اور رِیش کے ایک ہی معنی ہیں، یعنی ظاہری لباس۔ ﴿مَا تُمْنُونَ﴾ اس کے معنی ہیں: وہ نطفہ جو تم (جماع کرکے) عورتوں کے رحم میں ڈالتے ہو۔ ﴿عَلٰی رَجْعِهٖ لَقَادِرٌ﴾ مجاہد نے کہا: اللہ تعالیٰ نطفے کو آلۂ تناسل میں واپس کرنے پر قادر ہے۔ (دوسرے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انسان کو دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے۔) (اَلشَّفْع) ہر چیز کو اللہ تعالیٰ نے جوڑا جوڑا پیدا کیا ہے جیسا کہ آسمان جوڑا ہے زمین کے لیے۔ اور (اَلْوَتْر) وتر صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ ﴿فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ﴾ اس سے مراد اچھی خلقت ہے۔ ﴿اَسْفَلَ سَافِلِیْنَ﴾ پھر انسان کو ہم نے پست سے پست تر بنا دیا، یعنی دوزخ میں دھکیل دیا مگر جو ایمان لایا۔ ﴿خُسْرٍ﴾ تمام انسان خسارے میں ہیں، پھر ایمان والوں کو مستثنیٰ کیا۔ ﴿لَازِبٍ﴾ چمٹی ہوئی لیس دار مٹی۔ ﴿نُنْشِئَكُمْ﴾ جونسی صورت میں ہم چاہیں تم کو بنا دیں۔ ﴿نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ﴾ ہم تیری تعظیم اور بڑائی بجالاتے ہیں۔

وَقَالَ أَبُو الْعَالِيَةِ: ﴿فَتَلَقَّىٰٓ ءَادَمُ مِن رَّبِّهِۦ كَلِمَٰتٍ﴾ [٣٧] فَهُوَ قَوْلُهُ: ﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَآ أَنفُسَنَا﴾ [الأعراف: ٢٣]. وَقَالَ: ﴿فَأَزَلَّهُمَا﴾ [البقرة: ٣٦]: فَاسْتَزَلَّهُمَا. ﴿يَتَسَنَّهْ﴾ [٢٥٩]: يَتَغَيَّرْ. ﴿آسِنٍ﴾ [محمد: ١٥]: اَلْمَسْنُونُ: الْمُتَغَيِّرُ. ﴿حَمَإٍ﴾ [الحجر: ٢٦] جَمْعُ حَمْأَةٍ: وَهُوَ الطِّينُ الْمُتَغَيِّرُ. ﴿يَخْصِفَانِ﴾ [الأعراف: ٢٢]: أَخْذُ

ابوالعالیہ نے کہا: ﴿فتلقّٰی آدَمُ مِنْ رَبِّهٖ كَلِمَاتٍ﴾ حضرت آدم نے اپنے رب سے چند کلمات سیکھے، وہ کلمات یہ ہیں: ﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا﴾۔ ﴿فَاَزَلَّهُمَا﴾ کے معنی ہیں: اِسْتَزَلَّهُمَا، یعنی انھیں پھسلا دیا۔ ﴿لَمْ يَتَسَنَّهْ﴾ وہ بدبودار نہیں ہوا۔ ﴿آسِنٍ﴾ اس کے معنی تغیر ہیں۔ ﴿مَسْنُوْن﴾ بدبودار مٹی۔ ﴿حَمَإٍ﴾ یہ حَمْأَةٌ کی جمع ہے۔ اس کے معنی ہیں: متغیر مٹی۔ ﴿يَخْصِفَانِ﴾ وہ چپکانے لگے۔ ﴿مِنْ وَرَقِ

الْخِصَافِ. ﴿مِن وَرَقِ ٱلْجَنَّةِ﴾ : يُؤَلِّفَانِ الْوَرَقَ وَيَخْصِفَانِ بَعْضَهُ إِلَى بَعْضٍ. ﴿سَوْءَاتِهِمَا﴾ : كِنَايَةٌ عَنْ فَرْجَيْهِمَا. ﴿وَمَتَٰعٌ إِلَىٰ حِينٍ﴾ [٢٤]: اَلْحِينُ عِنْدَ الْعَرَبِ مِنْ سَاعَةٍ إِلَى مَا لَا يُحْصَى عَدَدُهُ وَهُوَ هَاهُنَا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ. ﴿قَبِيلُهُ﴾ [٢٧]: جِيلُهُ الَّذِي هُوَ مِنْهُمْ.

الْجَنَّةِ﴾ دونوں نے جنت کے پتوں کو جوڑنا شروع کر دیا اور ایک پر دوسرا رکھ کر اپنا ستر چھپانے لگے۔ ﴿سَوْاٰتِهِمَا﴾ یہ شرمگاہ سے کنایہ ہے۔ ﴿وَمَتَاعٌ إِلٰى حِيْنٍ﴾ حین سے مراد یہاں قیامت تک ہے اور عرب لوگ لفظ حین کو ایک گھڑی اور لمحے سے لے کر بے انتہا مدت تک استعمال کرتے ہیں۔ ﴿قَبِيْلُهُ﴾ سے مراد اس کی جماعت ہے جس میں وہ خود شامل ہے۔

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ نے اس عنوان کے تحت چند آیات کا حوالہ دیا ہے جن میں حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کی پیدائش کا ذکر ہے، چنانچہ پہلی آیت اس طرح ہے: ''اللہ تعالیٰ نے انسان کو ٹھیکری کی طرح بجنے والی مٹی سے پیدا کیا۔''[1] یہاں انسان سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور یہاں اس کے پتلے کی تخلیق کا ساتواں اور آخری مرحلہ بیان ہوا ہے۔ وہ مراحل حسب ذیل ہیں: ﴿تراب﴾[2] ''خشک مٹی۔'' ﴿ارض﴾[3] ''عام مٹی یا زمین۔'' ﴿طین﴾[4] ''گیلی مٹی یا گارا۔'' ﴿طین لازب﴾[5] ''لیس دار اور چمک دار مٹی۔'' ﴿حمأ مسنون﴾[6] ''بدبودار کیچڑ۔'' ﴿صلصال﴾[7] ''ٹھیکرا یا حرارت سے پکائی ہوئی مٹی۔'' ﴿صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ﴾[8] ''ٹن سے بجنے والی ٹھیکری۔'' پھر جب اللہ تعالیٰ نے اس میں اپنی روح پھونکی تو یہ بشر بن گیا۔ اسے مسجود ملائکہ بنایا، پھر آگے نسل چلانے کے لیے اس کا زوج پیدا کیا گیا۔[9] امام بخاری رحمہ اللہ نے سورۂ اعراف کی آیت:189 سے اولادِ آدم کی پیدائش کی طرف اشارہ کیا ہے، یعنی حضرت آدم علیہ السلام کا زوج بنانے کے بعد حقیر پانی کے ساتھ اس کی نسل چلائی گئی، جس کے لیے دوسرے مقامات پر نطفے کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے ﴿مَا مَنَعَكَ أَلَّا تَسْجُدَ﴾[10] کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اس میں لا زائد ہے اور یہ أن تسجد کے معنی میں ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ: ﴿إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً﴾ میں لفظ خلیفہ کے کئی مفہوم ہیں: کسی کا نائب ہونا، ایک کے بعد دوسرے کا آنا، حکومت وخلافت سپرد کرنا، اس بنا پر اس آیت کی تفسیر میں بھی اختلاف ہوا۔ ہمارے رجحان کے مطابق اس کی تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں زمین میں ایسی مخلوق پیدا کرنے والا ہوں جسے اختیار کی قوت بھی تفویض ہوگی۔ وہ حضرت آدم ہیں یا ان میں سلسلہ وار ایک کے بعد دوسرے ان کے قائم مقام ہوتے رہیں گے، یعنی وہ مخلوق نسل درنسل چلتی رہے گی۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی عادت کے مطابق قرآن کریم کی مختلف سورتوں کے مختلف الفاظ کا انتخاب کیا ہے۔ ان الفاظ کا ذکر ایسے ایسے مقامات پر آیا ہے جو کسی نہ کسی طرح آدم علیہ السلام کی پیدائش سے متعلق ہیں۔ حدیث کے متن میں ان سورتوں کا آیات سمیت حوالہ دیا گیا ہے تاکہ آیات کے سیاق وسباق سے مطالب کو معلوم کیا جاسکے۔ ان آیات کی پوری تفصیل طوالت کا باعث ہے، اس بنا پر ہم نے اس تفصیل سے پہلو تہی کی ہے۔

---

[1] الرحمٰن 14:55. [2] المؤمن 67:40. [3] نوح 17:71. [4] الأنعام 2:6. [5] الصّٰفّٰت 11:37. [6] الحجر 26:15.
[7] الحجر 26:15. [8] الرحمٰن 14:55. [9] النسآء 1:4. [10] الأعراف 12:7.

٣٣٢٦ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ، عَنْ هَمَّامٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «خَلَقَ اللهُ آدَمَ وَطُولُهُ سِتُّونَ ذِرَاعًا، فَلَمَّا خَلَقَهُ قَالَ: اذْهَبْ فَسَلِّمْ عَلَى أُولَئِكَ مِنَ الْمَلَائِكَةِ. فَاسْتَمِعْ مَا يُحَيُّونَكَ، تَحِيَّتُكَ وَتَحِيَّةُ ذُرِّيَّتِكَ، فَقَالَ: السَّلَامُ عَلَيْكُمْ، فَقَالُوا: السَّلَامُ عَلَيْكَ وَرَحْمَةُ اللهِ، فَزَادُوهُ: وَرَحْمَةُ اللهِ. فَكُلُّ مَنْ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ عَلَى صُورَةِ آدَمَ، فَلَمْ يَزَلِ الْخَلْقُ يَنْقُصُ حَتَّى الْآنَ». [انظر: ٦٢٢٧]

[3326] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم ؑ کو پیدا کیا تو ان کا قد ساٹھ ہاتھ تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا کہ جاؤ اور ان فرشتوں کو سلام کرو، نیز غور سے سنو وہ تمھیں کیا جواب دیتے ہیں؟ وہی تمھارا اور تمھاری اولاد کا سلام ہوگا، چنانچہ حضرت آدم ؑ نے کہا: ''السلام علیکم'' تم پر اللہ کی سلامتی ہو۔ فرشتوں نے جواب دیا: ''السلام علیک ورحمۃ اللہ'' تجھ پر سلامتی اور اللہ کی رحمت ہو۔ انھوں نے ورحمة الله کا اضافہ کیا۔ بہرحال جو لوگ جنت میں داخل ہوں گے وہ سب حضرت آدم ؑ کی شکل و صورت پر ہوں گے گویا یہ لوگ ابتدائے پیدائش سے اب تک جسامت میں کم ہو رہے ہیں۔

٣٣٢٧ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ عُمَارَةَ، عَنْ أَبِي زُرْعَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِنَّ أَوَّلَ زُمْرَةٍ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ عَلَى صُورَةِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ عَلَى أَشَدِّ كَوْكَبٍ دُرِّيٍّ فِي السَّمَاءِ إِضَاءَةً، لَا يَبُولُونَ وَلَا يَتَغَوَّطُونَ، وَلَا يَتْفِلُونَ وَلَا يَتَمَخَّطُونَ، أَمْشَاطُهُمُ الذَّهَبُ وَرَشْحُهُمُ الْمِسْكُ، وَمَجَامِرُهُمُ الْأَلُوَّةُ - الْأَلَنْجُوجُ عُودُ الطِّيبِ - وَأَزْوَاجُهُمُ الْحُورُ الْعِينُ، عَلَى خَلْقِ رَجُلٍ وَاحِدٍ، عَلَى صُورَةِ أَبِيهِمْ آدَمَ سِتُّونَ ذِرَاعًا فِي السَّمَاءِ». [راجع: ٣٢٤٥]

[3327] حضرت ابوہریرہ ؓ ہی سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سب سے پہلے جو جماعت جنت میں داخل ہوگی ان کے چہرے بدر منیر کی طرح چمکتے ہوں گے۔ اور جو ان کے بعد داخل ہوں گے ان کے چہرے آسمان میں روشن ستارے کی طرح تابناک ہوں گے۔ وہ نہ تو بول و براز کریں گے، نہ وہ تھوکیں گے اور نہ ناک سے ریزش ہی نکالیں گے۔ ان کی کنگھیاں سونے کی ہوں گی اور پسینہ کستوری کی طرح مہکے گا۔ ان کی انگیٹھیوں میں عود سلگتا رہے گا...... یہ نہایت پاکیزہ، خوشبودار عود ہو گا...... ان کی بیویاں موٹی موٹی سیاہ آنکھوں والی ہوں گی۔ سب کی شکل و صورت ایک جیسی ہوگی، یعنی اپنے والد حضرت آدم ؑ کے قد و قامت کے مطابق ساٹھ ساٹھ ہاتھ اونچے ہوں گے۔''

فوائد و مسائل: ① حضرت آدم ؑ کا پیدائشی قد ساٹھ ہاتھ تھا۔ ان کی اولاد کا قد آہستہ آہستہ کم ہونا شروع ہوا حتی کہ

موجودہ صورت حال سامنے آئی لیکن ان کی اولاد جنت میں جائے گی تو اصل قدو قامت لوٹا دیا جائے گا۔ایک روایت میں ہے: اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اس کی صورت پر پیدا کیا ہے۔[1] ② اس حدیث سے ڈارون کے نظریے کی تردید ہوتی ہے کہ انسان پہلے بندر کی شکل میں تھا، آہستہ آہستہ اس نے انسانی شکل اختیار کی، نیز یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آدم علیہ السلام پیدائش کے وقت اسی شکل وصورت میں تھے۔ چونکہ ان احادیث سے حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کی پیدائش کا ذکر ہے، اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے انھیں یہاں بیان کیا ہے۔

٣٣٢٨ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا يَحْيٰى عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ: أَنَّ أُمَّ سُلَيْمٍ قَالَتْ: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنَّ اللهَ لَا يَسْتَحِي مِنَ الْحَقِّ فَهَلْ عَلَى الْمَرْأَةِ الْغُسْلُ إِذَا احْتَلَمَتْ؟ قَالَ: «نَعَمْ، إِذَا رَأَتِ الْمَاءَ». فَضَحِكَتْ أُمُّ سَلَمَةَ. فَقَالَتْ: تَحْتَلِمُ الْمَرْأَةُ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «فَبِمَ يُشْبِهُ الْوَلَدُ؟». [راجع: ١٣٠]

[3328] حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ حق بات سے نہیں شرماتا تو کیا جب عورت کو احتلام ہو جائے تو اس پر بھی غسل واجب ہے؟ آپ نے فرمایا: ''ہاں، یعنی اس پر بھی غسل واجب ہے جب وہ پانی (منی) کو دیکھ لے۔'' حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو اس بات پر ہنسی آ گئی اور عرض کرنے لگیں: کیا عورت کو بھی احتلام ہوتا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''(اگر ایسا نہیں تو) بچہ اس کے مشابہ کیسے ہوتا ہے؟''

فوائد ومسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مرد کی طرح عورت کی منی اور نطفہ ہے اور ان دونوں کے مادے کے ملنے سے بچہ پیدا ہوتا ہے۔ اگر عورت کا نطفہ نہ ہو اور بچہ صرف مرد کے نطفے سے پیدا ہو تو وہ عورت کے مشابہ کبھی نہ ہو۔ اگر مرد کا نطفہ عورت کی منی پر غالب آ جائے اور رحم میں پہلے پہنچ جائے تو بچہ مرد کے مشابہ ہو گا اور لڑکا پیدا ہو گا اور اگر عورت کا نطفہ مرد کی منی پر غلبہ کرے اور رحم میں پہلے پہنچ جائے تو بچہ عورت کے مشابہ ہو گا اور لڑکی پیدا ہو گی۔ اس کی تفصیل ہم آئندہ حدیث کے ذیل میں بیان کریں گے۔ ② اس حدیث میں اولاد آدم کی خلقت کا ذکر ہے، اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے بیان کیا ہے۔ واللّٰہ أعلم.

٣٣٢٩ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ: أَخْبَرَنَا الْفَزَارِيُّ عَنْ حُمَيْدٍ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: بَلَغَ عَبْدَ اللهِ بْنَ سَلَامٍ مَقْدَمُ النَّبِيِّ ﷺ الْمَدِينَةَ فَأَتَاهُ فَقَالَ: إِنِّي سَائِلُكَ عَنْ ثَلَاثٍ لَا يَعْلَمُهُنَّ إِلَّا نَبِيٌّ قَالَ: قَالَ: مَا أَوَّلُ أَشْرَاطِ

[3329] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: جب حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کو نبی ﷺ کے مدینہ طیبہ تشریف لانے کی خبر ملی تو وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: میں آپ سے تین سوال کرنا چاہتا ہوں، انھیں نبی کے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا: قیامت کی

① صحيح البخاري، الاستئذان، حديث: 6227.

السَّاعَةِ؟ وَمَا أَوَّلُ طَعَامٍ يَأْكُلُهُ أَهْلُ الْجَنَّةِ؟ وَمِنْ أَيِّ شَيْءٍ يَنْزِعُ الْوَلَدُ إِلَى أَبِيهِ، وَمِنْ أَيِّ شَيْءٍ يَنْزِعُ إِلَى أَخْوَالِهِ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «خَبَّرَنِي بِهِنَّ آنِفًا جِبْرِيلُ»، قَالَ: فَقَالَ عَبْدُ اللهِ: ذَاكَ عَدُوُّ الْيَهُودِ مِنَ الْمَلَائِكَةِ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أَمَّا أَوَّلُ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ فَنَارٌ تَحْشُرُ النَّاسَ مِنَ الْمَشْرِقِ إِلَى الْمَغْرِبِ، وَأَمَّا أَوَّلُ طَعَامٍ يَأْكُلُهُ أَهْلُ الْجَنَّةِ فَزِيَادَةُ كَبِدِ حُوتٍ، وَأَمَّا الشَّبَهُ فِي الْوَلَدِ فَإِنَّ الرَّجُلَ إِذَا غَشِيَ الْمَرْأَةَ فَسَبَقَهَا مَاؤُهُ كَانَ الشَّبَهُ لَهُ، وَإِذَا سَبَقَ مَاؤُهَا كَانَ الشَّبَهُ لَهَا». قَالَ: أَشْهَدُ أَنَّكَ رَسُولُ اللهِ. ثُمَّ قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنَّ الْيَهُودَ قَوْمٌ بُهُتٌ، إِنْ عَلِمُوا بِإِسْلَامِي قَبْلَ أَنْ تَسْأَلَهُمْ بَهَتُونِي عِنْدَكَ، فَجَاءَتِ الْيَهُودُ وَدَخَلَ عَبْدُ اللهِ الْبَيْتَ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أَيُّ رَجُلٍ فِيكُمْ عَبْدُ اللهِ بْنُ سَلَامٍ؟» قَالُوا: أَعْلَمُنَا وَابْنُ أَعْلَمِنَا، وَأَخْيَرُنَا وَابْنُ أَخْيَرِنَا، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أَفَرَأَيْتُمْ إِنْ أَسْلَمَ عَبْدُ اللهِ؟» قَالُوا: أَعَاذَهُ اللهُ مِنْ ذٰلِكَ، فَخَرَجَ عَبْدُ اللهِ إِلَيْهِمْ فَقَالَ: أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللهِ. فَقَالُوا: شَرُّنَا وَابْنُ شَرِّنَا، وَوَقَعُوا فِيهِ. [انظر: ٣٩١١، ٣٩٣٨، ٤٤٨٠]

سب سے پہلی نشانی کیا ہے؟ وہ کون سا کھانا ہے جو اہل جنت کو سب سے پہلے دیا جائے گا؟ کس وجہ سے بچہ اپنے باپ کے مشابہ ہوتا ہے اور کس لیے اپنے ماموؤں کے مشابہ ہوتا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے ابھی ابھی حضرت جبریل علیہ السلام نے ان کے متعلق بتایا ہے۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: وہ فرشتہ تو قوم یہود کا دشمن ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کی پہلی نشانی آگ ہے جو لوگوں کو مشرق سے مغرب کی طرف ہانک لے جائے گی۔ سب سے پہلا کھانا جو اہل جنت تناول کریں گے وہ مچھلی کے جگر کے ساتھ کا بڑھا ہوا ٹکڑا ہو گا۔ اور بچے میں مشابہت اس طرح ہوتی ہے کہ مرد، جب بیوی سے جماع کرتا ہے تو اگر اس کا نطفہ عورت کے نطفے سے پہلے رحم میں چلا جائے تو بچہ مرد کے مشابہ ہوتا ہے اور اگر عورت کا نطفہ سبقت لے جائے تو بچہ عورت کے مشابہ ہوتا ہے۔'' حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے (تسلی کرنے کے بعد) کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ پھر انھوں نے کہا: اللہ کے رسول! یہودی بہت بہتان طراز ہیں۔ اگر انھیں میرے مسلمان ہونے کا علم ہو گیا تو آپ کے دریافت کرنے سے پہلے ہی آپ کے سامنے مجھ پر ہر طرح کی تہمت لگائیں گے۔ اس دوران میں یہودی آ گئے اور عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کمرے میں روپوش ہو کر بیٹھ گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا: ''بتاؤ تم میں عبداللہ بن سلام کیسا شخص ہے؟'' انھوں نے کہا: وہ ہم میں سب سے بڑے عالم اور سب سے بڑے عالم کے صاحبزادے ہیں، نیز وہ ہم سب سے زیادہ بہتر اور سب سے زیادہ بہتر کے بیٹے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے بتاؤ اگر عبداللہ بن سلام مسلمان ہو جائے (تو تمھارا کیا خیال ہو گا؟)'' انھوں نے

کہا: اللہ تعالیٰ اسے اسلام سے محفوظ رکھے۔ اتنے میں عبداللہ بن سلام ؓ نے ان کے سامنے آ کر کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ اب (یہودی یک زبان ہوکر ان کے متعلق) کہنے لگے: یہ ہم میں سب سے بدتر اور سب سے بدتر کا بیٹا ہے اور وہ ہیں انھیں برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔

فوائد و مسائل: ① امام بخاری ؒ نے اس حدیث کو تخلیق اولاد آدم کی بنیاد ثابت کرنے کے لیے بیان کیا ہے۔ حضرت عائشہ ؓ سے مروی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب عورت کا پانی مرد کے پانی پر غالب آ جائے تو بچے کی مشابہت ماموؤں سے ہوتی ہے اور جب مرد کا پانی عورت کے پانی پر غالب آ جائے تو بچے کی شکل و صورت چچاؤں سے ملتی جلتی ہے۔''[1] ایک روایت میں مزید وضاحت ہے کہ آدمی کا پانی گاڑھا سفید ہوتا ہے جبکہ عورت کا پانی پتلا زرد ہوتا ہے۔ ان میں سے جو بھی غالب آ جائے اس سے بچے کی مشابہت ہو جاتی ہے۔[2] ② ان روایات میں ''علو'' سے مراد سبقت ہے، یعنی شکل و صورت کی بنیاد رحم مادر میں پانی کا پہلے پہنچنا ہے، البتہ حضرت ثوبان ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر آدمی کی منی، عورت کی منی پر غالب آ جائے تو اللہ کے حکم سے نر پیدا ہوتا ہے اور اگر عورت کا نطفہ مرد کے نطفے پر غلبہ پالے تو اللہ کے حکم سے لڑکی پیدا ہوتی ہے۔''[3] ان احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ پانی کی سبقت سے شکل و صورت اور اس کے غلبے سے نر و مادہ ہوتا ہے۔ اس طرح چھ صورتیں ہمارے سامنے آتی ہیں: ○ رحم مادر میں آدمی کا پانی پہلے پہنچے اور وہی غالب بھی آ جائے تو لڑکا جو اپنے ددھیال کے مشابہ ہوگا۔ ○ رحم مادر میں عورت کا پانی سبقت کرے اور وہی غالب بھی آئے تو لڑکی جو اپنے ننھیال سے ملتی جلتی ہوگی۔ ○ رحم مادر میں آدمی کا پانی پہلے پہنچے لیکن غلبہ عورت کے پانی کو ہو تو لڑکی جو ددھیال کے مشابہ ہوگی۔ ○ رحم مادر میں عورت کا پانی سبقت کرے لیکن غالب مرد کا پانی آئے تو لڑکا جو ننھیال سے ملتا جلتا ہوگا۔ ○ رحم مادر میں آدمی کا پانی پہلے جائے لیکن کسی کو غلبہ نہ ملے تو شکل و صورت ددھیال کی لیکن اس کا نر و مادہ واضح نہیں ہوگا۔ ○ رحم مادر میں عورت کا پانی پہلے پہنچ جائے لیکن غلبہ کسی کو نہ ہو تو شکل و صورت ننھیال کی لیکن اس کا مذکر و مؤنث ہونا واضح نہ ہوگا۔[4] شاید آخری دو صورتیں تیسری مخلوق (ہیجڑے) پیدا ہونے کا باعث ہوں یا مستور الاعضاء بچے پیدا ہونے کا سبب ہوں جن کے آپریشن کے ذریعے سے اعضائے تناسلی ظاہر کیے جاتے ہیں۔ اس پر مزید تحقیق کی ضرورت ہے۔

[3330] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے، وہ نبی

٣٣٣٠ - حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ مُحَمَّدٍ: أَخْبَرَنَا

① صحيح مسلم، الحيض، حديث: 715 (313). ② صحيح مسلم، الحيض، حديث: 710 (311). ③ صحيح مسلم، الحيض، حديث: 716 (315). ④ فتح الباري: 342/7.

عَبْدُ اللهِ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ نَحْوَهُ، يَعْنِي: «لَوْلَا بَنُو إِسْرَائِيلَ لَمْ يَخْنَزِ اللَّحْمُ، وَلَوْلَا حَوَّاءُ لَمْ تَخُنْ أُنْثَى زَوْجَهَا». [انظر: ٣٣٩٩]

ﷺ سے اس طرح بیان کرتے ہیں، یعنی: ''اگر بنی اسرائیل نہ ہوتے تو کبھی گوشت خراب ہو کر بدبودار نہ ہوتا اور اگر حواء نہ ہوتیں تو کوئی عورت اپنے خاوند سے خیانت نہ کرتی۔''

فائدہ: اس حدیث کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ گوشت میں خراب ہونے کی خاصیت بنی اسرائیل کے بعد پیدا ہوئی بلکہ خاصیت تو پہلے بھی تھی لیکن اس کا ظہور بنی اسرائیل کی اس حرکت سے ہوا کہ انھوں نے من وسلویٰ کی ذخیرہ اندوزی شروع کر دی تھی۔ انھیں منع کیا گیا لیکن وہ باز نہ آئے تو انھیں سزا دی گئی کہ ان کا کھانا اور گوشت گل، سڑ جاتا تھا۔ ان سے پہلے کسی نے بھی گوشت کی ذخیرہ اندوزی نہیں کی تھی اور نہ گوشت کی اس خصوصیت کا اظہار ہوا۔ اسی طرح حضرت حواء ؑ نے شیطان کی چکنی چپڑی باتوں سے متاثر ہو کر حضرت آدم ؑ کو ممنوعہ درخت کا پھل کھانے پر آمادہ کیا۔ چونکہ وہ بنات آدم کی والدہ ہیں تو ولادت کی وجہ سے بیٹیاں اس کے مشابہ ہو گئیں۔ وہ بھی بات کو بنا سنوار کر اپنے خاوند کے سامنے پیش کرتی ہیں۔ یہ بات تجربے سے ثابت ہے کہ کوئی عورت ایسی نہیں جو اپنے قول وفعل سے خاوند کو بات ماننے پر آمادہ نہ کر لیتی ہو۔ یہی اس کی خیانت ہے۔ اس خیانت سے مراد بے حیائی اور بے شرمی نہیں صرف ایسی بات کا مشورہ دینا مراد ہے جو خاوند کے لیے نقصان دہ ہو۔ یہ عورت کی طبیعت اور عادت میں داخل ہونے کی وجہ سے حوا کی تمام بیٹیوں میں موجود ہے۔[1]

٣٣٣١ - حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ وَمُوسَى بْنُ حِزَامٍ قَالَا: حَدَّثَنَا حُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ عَنْ زَائِدَةَ، عَنْ مَيْسَرَةَ الْأَشْجَعِيِّ، عَنْ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «اسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ، فَإِنَّ الْمَرْأَةَ خُلِقَتْ مِنْ ضِلَعٍ، وَإِنَّ أَعْوَجَ شَيْءٍ فِي الضِّلَعِ أَعْلَاهُ، فَإِنْ ذَهَبْتَ تُقِيمُهُ كَسَرْتَهُ، وَإِنْ تَرَكْتَهُ لَمْ يَزَلْ أَعْوَجَ، فَاسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ». [انظر: ٥١٨٤، ٥١٨٦]

[3331] حضرت ابو ہریرہ ؓ ہی سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''عورتوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو کیونکہ عورت پسلی سے پیدا شدہ ہے اور پسلی میں سب سے زیادہ ٹیڑھا حصہ اس کے اوپر والا ہے۔ اگر تم اسے سیدھا کرنا شروع کر دو گے تو اسے توڑ ڈالو گے اور اگر اسے اس کے حال پر چھوڑ دو تو وہ ہمیشہ ٹیڑھی رہے گی، لہٰذا عورتوں کے متعلق بھلائی کی وصیت قبول کرو اور ان سے حسن سلوک کے ساتھ پیش آؤ۔''

فوائد ومسائل: ① عورتوں کی تخلیق میں ٹیڑھا پن ہے، لہٰذا اسی حالت میں ان سے فائدہ اٹھاؤ اور انھیں اپنے مزاج کے

[1] فتح الباري: 444/6.

مطابق سیدھا کرنے کی کوشش نہ کرو کیونکہ ہوسکتا ہے کہ وہ اپنے اصلی مزاج کے اعتبار سے تمھارے خیالات سے اتفاق نہ کریں اور جھگڑے تک نوبت پہنچ جائے تو ان میں جدائی کا باعث بن جائے، چنانچہ ایک حدیث میں اس کی وضاحت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر تم اسے سیدھا کرنا چاہو گے تو اسے توڑ بیٹھو گے اور اس کا ٹوٹنا یہ ہے کہ اسے طلاق ہو جائے گی۔''[1] اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عورت کا ٹیڑھا پن اس کے اوپر والے حصے، یعنی زبان میں ہے۔ یہ زبان سے اپنے ٹیڑھے پن کا اظہار کرے گی، نیز عورت زبان کے متعلق اصلاحی تربیت قبول کرنے پر جلدی آمادہ نہیں ہوتی بلکہ بعض اوقات معاملہ پہلے سے زیادہ تیز ہو جاتا ہے، لہٰذا اس کے ٹیڑھے پن پر صبر کرنا چاہیے، اسی میں خیر و برکت ہے۔ ② واضح رہے کہ عورت کا ضرورت سے زیادہ خاموش رہنا اور شہادت حق کے وقت اپنی زبان پر مہر سکوت لگا لینا بھی اس ٹیڑھے پن کے برگ و بار ہیں۔ زبان کے متعلق اس قسم کے افراط و تفریط کا اکثر عورتیں ہی شکار ہوتی ہیں۔

٣٣٣٢ - حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ: حَدَّثَنَا أَبِي: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ: حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ وَهْبٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ: حَدَّثَنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ وَهُوَ الصَّادِقُ الْمَصْدُوقُ: «إِنَّ أَحَدَكُمْ يُجْمَعُ فِي بَطْنِ أُمِّهِ أَرْبَعِينَ يَوْمًا، ثُمَّ يَكُونُ عَلَقَةً مِّثْلَ ذٰلِكَ، ثُمَّ يَكُونُ مُضْغَةً مِّثْلَ ذٰلِكَ، ثُمَّ يَبْعَثُ اللهُ إِلَيْهِ مَلَكًا بِأَرْبَعِ كَلِمَاتٍ فَيَكْتُبُ عَمَلَهُ وَأَجَلَهُ وَرِزْقَهُ وَشَقِيٌّ أَوْ سَعِيدٌ، ثُمَّ يُنْفَخُ فِيهِ الرُّوحُ، فَإِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ حَتّٰى مَا يَكُونُ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا إِلَّا ذِرَاعٌ، فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ فَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَيَدْخُلُ الْجَنَّةَ، وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ حَتّٰى مَا يَكُونُ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا إِلَّا ذِرَاعٌ فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ فَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ فَيَدْخُلُ النَّارَ». [راجع: ٣٢٠٨]

[3332] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ، جو صادق اور مصدوق ہیں، نے بیان فرمایا: ''تم میں سے ہر ایک کی بنیادِ پیدائش اس کی ماں کے پیٹ میں (نطفۂ امتزاج کی شکل میں) چالیس دن تک رہتی ہے۔ پھر اتنے ہی دنوں تک گاڑھے اور جامد خون کی صورت میں رہتی ہے۔ اس کے بعد اتنے ہی دنوں تک گوشت کے لوتھڑے کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ ایک فرشتے کو چار باتوں کا حکم دے کر بھیجتا ہے: وہ اس کا عمل و کردار، اس کی موت، اس کا رزق اور اس کا نیک بخت یا بد بخت ہونا لکھتا ہے۔ اس کے بعد اس میں روح پھونک دی جاتی ہے۔ پھر انسان زندگی بھر اہل جہنم کے کام کرتا رہتا ہے اور جب اس کے اور دوزخ کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے تو لکھی ہوئی اس کی تقدیر اس کے آگے آجاتی ہے تو وہ اہل جنت کے عمل کر کے جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح کوئی شخص زندگی بھر اہل جنت کے عمل کرتا ہے اور جب اس کے اور جنت کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے تو لکھی ہوئی تقدیر اس کے آگے آجاتی

① صحيح مسلم، الرضاع، حديث: 3643 (715).

ہے تو وہ اہل جہنم کے عمل کر کے جہنم میں پہنچ جاتا ہے۔"

٣٣٣٣ - حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ أَبِي بَكْرِ بْنِ أَنَسٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «إِنَّ اللهَ وَكَّلَ فِي الرَّحِمِ مَلَكًا فَيَقُولُ: يَا رَبِّ! نُطْفَةٌ، يَا رَبِّ! عَلَقَةٌ، يَا رَبِّ! مُضْغَةٌ. فَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَخْلُقَهَا قَالَ: يَا رَبِّ! أَذَكَرٌ أَمْ أُنْثَى؟ يَا رَبِّ! شَقِيٌّ أَمْ سَعِيدٌ؟ فَمَا الرِّزْقُ، فَمَا الْأَجَلُ؟ فَيُكْتَبُ كَذٰلِكَ فِي بَطْنِ أُمِّهِ».

[راجع: ٣١٨]

[3333] حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: "اللہ نے رحم مادر کے لیے ایک فرشتہ مقرر کر رکھا ہے جو عرض کرتا ہے: اے پروردگار! یہ نطفہ ہے۔ اے میرے مالک! یہ خون بستہ ہو گیا ہے۔ اے میرے رب! یہ اب گوشت کا ٹکڑا بن گیا ہے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ اس کی اتمام تخلیق کا ارادہ فرماتا ہے تو فرشتہ عرض کرتا ہے: اے میرے پروردگار! یہ مرد ہے یا عورت؟ اے میرے رب! یہ نیک بخت ہے یا بد بخت؟ اس کی روزی کتنی ہے؟ اور مدت زندگی کس قدر ہے؟ چنانچہ یہ تمام تفاصیل اس کی ماں کے پیٹ ہی میں لکھ دی جاتی ہیں۔"

فوائد و مسائل: ① دوسری حدیث میں عمل کا ذکر نہیں کیونکہ سعادت و شقاوت (نیک بختی اور بد بختی) کے ضمن میں عمل بھی آ جاتا ہے۔ رحم پر دو فرشتے مقرر ہیں: ایک مستقل طور پر ڈیوٹی دیتا ہے اور ایک ہنگامی طور پر تقدیر لکھنے کے لیے آتا ہے۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ تو ازل سے ہو چکا ہوتا ہے، تاہم اللہ تعالیٰ اس فیصلے کو فرشتے کے لیے ظاہر کرتا ہے اور اس کے لکھنے کا حکم دیتا ہے۔ ② اس حدیث کے مطابق حمل ٹھہرنے کے چوتھے مہینے میں روح ڈال دی جاتی ہے جبکہ طب جدید کا کہنا ہے کہ بچے میں حرکت وغیرہ اس سے پہلے پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ چار ماہ سے پہلے حرکت، نمو اور بڑھوتری کی حرکت ہوتی ہے جو نباتات میں بھی پائی جاتی ہے، جہاں تک روح کا تعلق ہے جو امر ربی ہے، جس سے انسان میں ادراک اور شعور پیدا ہوتا ہے، جس کی بنیاد پر جزا و سزا کا حق دار ہو گا اور مرنے کے بعد وہ اس سے الگ ہو جاتی ہے اور قیامت کے دن ہمیشہ کے لیے اسے جسم کے ساتھ جوڑ دیا جائے گا، وہ چوتھے مہینے ہی ڈالی جاتی ہے۔ ③ ان احادیث میں انسان کی تخلیق کے مراحل بیان ہوئے ہیں، اس لیے امام بخاری ؒ نے انھیں ذکر کیا ہے۔

٣٣٣٤ - حَدَّثَنَا قَيْسُ بْنُ حَفْصٍ: حَدَّثَنَا خَالِدُ ابْنُ الْحَارِثِ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي عِمْرَانَ الْجَوْنِيِّ، عَنْ أَنَسٍ يَرْفَعُهُ: «أَنَّ اللهَ تَعَالَى يَقُولُ لِأَهْوَنِ أَهْلِ النَّارِ عَذَابًا: لَوْ أَنَّ لَكَ مَا فِي الْأَرْضِ مِنْ شَيْءٍ كُنْتَ تَفْتَدِي بِهِ؟ قَالَ: نَعَمْ. قَالَ: فَقَدْ سَأَلْتُكَ مَا هُوَ أَهْوَنُ مِنْ هٰذَا

[3334] حضرت انس ؓ سے روایت ہے، وہ اسے مرفوع بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس شخص سے پوچھے گا جسے دوزخ میں سب سے ہلکا عذاب دیا جا رہا ہو گا: اگر تیرے لیے روئے زمین کی سب چیزیں ہوں تو کیا وہ سب چیزیں اس عذاب سے چھٹکارے کے لیے قربان کر دے گا؟ وہ کہے گا: جی ہاں۔ اللہ تعالیٰ

وَأَنْتَ فِي صُلْبِ آدَمَ، أَنْ لَا تُشْرِكَ بِي فَأَبَيْتَ إِلَّا الشِّرْكَ». [انظر: ٦٥٣٨، ٦٥٥٧]

فرمائے گا: جب تو آدم کی پشت میں تھا تو میں نے اس سے بھی آسان چیز کا مطالبہ کیا تھا کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا لیکن تو نے شرک کے سوا ہر چیز کا انکار کر دیا۔"

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں انسان سے اللہ تعالیٰ کے ایک مطالبے کا ذکر ہے جبکہ وہ ابھی آدم علیہ السلام کی پشت میں تھا۔ عنوان سے اسی قدر مطابقت ہے کہ اولاد آدم کی تخلیق کے وقت ہی اسے کہا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا، کیونکہ یہ ناقابل معافی جرم ہے اور شرک کے علاوہ ہر گناہ معاف ہو سکتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ "اللہ تعالیٰ شرک معاف نہیں کرے گا اور اس کے علاوہ جسے چاہے جو چاہے معاف کر دے۔"[1] ② آدم کی پشت میں انسان سے جس چیز کا مطالبہ کیا گیا تھا اس کا ذکر اس آیت کریمہ میں ہے: ﴿وَ اِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِيْۤ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَ اَشْهَدَهُمْ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى شَهِدْنَا﴾ "اور جب تمھارے رب نے بنی آدم کی پشتوں سے ان کی نسل کو نکالا اور انھیں خود ان کے اوپر گواہ بناتے ہوئے پوچھا: کیا میں تمھارا رب نہیں ہوں؟ انھوں نے کہا: ضرور! تو ہی ہمارا رب ہے۔ ہم اس پر گواہی دیتے ہیں۔"[2] بہر حال انسان کو چاہیے کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی بھی صورت میں کوئی شریک نہ بنائے کیونکہ مشرک پر جنت حرام ہے۔

٣٣٣٥ - حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصِ بْنِ غِيَاثٍ: حَدَّثَنَا أَبِي: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ قَالَ: حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ مُرَّةَ عَنْ مَسْرُوقٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَا تُقْتَلُ نَفْسٌ ظُلْمًا إِلَّا كَانَ عَلَى ابْنِ آدَمَ الْأَوَّلِ كِفْلٌ مِّنْ دَمِهَا، لِأَنَّهُ أَوَّلُ مَنْ سَنَّ الْقَتْلَ».

[انظر: ٦٨٦٧، ٧٣٢١]

[3335] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو شخص ظلم سے ناحق قتل کیا جاتا ہے، اس کا کچھ وبال حضرت آدم علیہ السلام کے پہلے بیٹے پر ضرور ہوتا ہے کیونکہ وہ پہلا شخص ہے جس نے قتل ناحق کی رسم ڈالی۔"

فوائد و مسائل: ① آدم علیہ السلام کے پہلے بیٹے نے جو قتل ناحق کیا تھا اس کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔[3] بہر حال انسان کا خون ناحق تمام انبیاء علیہم السلام کی شریعتوں میں سنگین جرم قرار دیا گیا ہے۔ اگر کوئی مسلمان انفرادی یا اجتماعی طور پر اس جرم کا ارتکاب کرتا ہے تو وہ خود اس کا ذمے دار ہے۔ اسلام کی نظر میں وہ سخت مجرم ہے۔ چونکہ قابیل نے اس جرم کا راستہ سب سے پہلے اختیار کیا، لہٰذا اب جو بھی یہ راستہ اختیار کرے گا اس کا گناہ قابیل پر بھی ڈالا جائے گا اور وہ اپنا حصہ ضرور حاصل کرے گا۔ ہر نیکی اور بدی کے لیے یہی اصول ہے۔ ② واضح رہے کہ قیامت کے دن جو لوگ مختلف سزاؤں سے دوچار ہوں گے ان کے دو بنیادی سبب حسب ذیل ہیں: (ا) جرم کی ابتدا۔ (ب) ارتکاب جرم۔ حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے قابیل کو قتل ناحق سے جو حصہ ملے گا وہ

① النسآء 4:48. ② الأعراف 7:172. ③ المآئدة 5:27.

ابتدائے جرم کی وجہ سے ہوگا، ارتکاب جرم کی بنیاد پر نہیں ہوگا، لہٰذا یہ سزا مندرجہ ذیل آیت کریمہ کے خلاف نہیں: ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی﴾ ''کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔''[1] قیامت کے دن تو جو کرے گا وہی بھرے گا۔ واللہ المستعان.

(٢) بَابٌ: اَلْأَرْوَاحُ جُنُودٌ مُّجَنَّدَةٌ

باب:2-تمام ارواح جمع شدہ لشکر تھیں

وضاحت: حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس عنوان کا مقصد یہ بتانا ہے کہ آدم اور اس کی اولاد، بدن اور روح سے مرکب ہے۔ اس طرح یہ عنوان سابق ہی سے متعلق ہے۔[2]

٣٣٣٦ - قَالَ: وَقَالَ اللَّيْثُ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ عَمْرَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: «اَلْأَرْوَاحُ جُنُودٌ مُّجَنَّدَةٌ فَمَا تَعَارَفَ مِنْهَا ائْتَلَفَ وَمَا تَنَاكَرَ مِنْهَا اخْتَلَفَ».

[3336] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''تمام ارواح مجتمع لشکر تھیں، جس جس نے ایک دوسرے کو پہچانا وہ دنیا میں ایک دوسرے سے محبت کرتی ہیں اور جس جس روح نے وہاں ایک دوسرے کی پہچان نہ کی وہ یہاں ایک دوسرے سے بیگانہ رہتی ہیں۔''

وَقَالَ يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ: حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ بِهٰذَا.

یحییٰ بن ایوب نے اس حدیث کو بیان کرتے وقت یحییٰ بن سعید سے سماع کی تصریح کی ہے۔

فوائد ومسائل: ① اس حدیث کا سبب ورود بیان ہوا ہے کہ مکہ مکرمہ میں ایک خوش طبع عورت تھی۔ جب وہ مدینہ طیبہ آئی تو اس نے ایک ہنس مکھ عورت کے ہاں قیام کیا۔ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس کا علم ہوا تو انھوں نے فرمایا: میرے محبوب نے سچ فرمایا تھا۔ اس کے بعد انھوں نے یہ حدیث بیان کی۔[3] ② اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جب روحوں کو پیدا کیا گیا تو وہ ایک دوسرے کے سامنے آئیں اور ایک دوسرے سے محبت کرنے لگیں یا انھوں نے نفرت کا اظہار کیا۔ جب یہی روحیں، جسموں سے مرکب ہوئیں تو ابتدائی خلقت کے اعتبار سے آپس میں محبت یا نفرت ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نیک آدمی، نیکوں کو پسند کرتا ہے اور ان کی طرف جھکاؤ رکھتا ہے اور شریر انسان بروں سے محبت کرتا ہے اور ان کی طرف جھکاؤ رکھتا ہے۔ ③ اس حدیث سے یہ بھی پتہ چلا کہ روحوں کی ابتدا جسموں سے پہلے ہے۔ ④ کتاب الانبیاء سے اس عنوان کی مناسبت یہ ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام اور ان کے متبعین میں مناسبت قدیمہ ہے۔ اسی قدیمی اور پرانی آشنائی کی وجہ سے یہ لوگ اپنے انبیاء علیہم السلام سے مانوس ہوتے ہیں۔ واللہ أعلم.

---

(1) فاطر 35:18. (2) فتح الباري: 446/6. (3) مسند أبي يعلٰى: 344/7، طبع در المأمون للتراث، دمشق.

(٣) بَابُ قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِۦٓ﴾ [هود: ٢٥].

باب: 3- ارشاد باری تعالیٰ: ''ہم نے نوح کو ان کی قوم کے پاس اپنا رسول بنا کر بھیجا'' کا بیان

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ﴿بَادِيَ ٱلرَّأْيِ﴾ [٢٧]: مَا ظَهَرَ لَنَا. ﴿أَقْلِعِي﴾ [٤٤]: أَمْسِكِي. ﴿وَفَارَ ٱلتَّنُّورُ﴾ [٤٠]: نَبَعَ الْمَاءُ. وَقَالَ عِكْرِمَةُ: وَجْهُ الْأَرْضِ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ﴿بَادِيَ الرَّأْيِ﴾ سے مراد وہ چیز ہے جو ہمارے سامنے ظاہر ہوئی۔ اس کے معنی ہیں: سرسری نظر۔ ﴿أَقْلِعِي﴾ روک لے، ٹھہر جا۔ ﴿وَ فَارَ التَّنُّورُ﴾ کے معنی ہیں: تنور سے پانی اُبل پڑا۔ حضرت عکرمہ نے کہا: تنور کے معنی سطح زمین کے ہیں، یعنی ساری زمین سے پانی نکل پڑا۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿ٱلْجُودِيِّ﴾ [٤٤]: جَبَلٌ بِالْجَزِيرَةِ. ﴿دَأْبِ﴾ [غافر: ٣١]: حَالِ.

امام مجاہد نے کہا: ﴿الجُوْدِيّ﴾ سے مراد جزیرے کا ایک پہاڑ ہے اور ﴿دَأْبِ﴾ کے معنی ہیں: حالت، یعنی قوم نوح کی عادت کی طرح۔

﴿وَٱتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ نُوحٍ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِۦ يَٰقَوْمِ إِن كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُم مَّقَامِى وَتَذْكِيرِى بِـَٔايَٰتِ ٱللَّهِ﴾ إِلَى قَوْلِهِ: ﴿مِنَ ٱلْمُسْلِمِينَ﴾ [يونس: ٧١، ٧٢]. ﴿إِنَّآ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِۦٓ﴾ [نوح: ١] إِلَى آخِرِ السُّورَةِ.

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''انھیں نوح کا واقعہ پڑھ کر سناؤ، جب اس نے اپنی قوم سے کہا: اے میری قوم! اگر تمھیں میرا یہاں قیام کرنا اور اللہ کی آیات سے تمھیں نصیحت کرنا ناگوار گزرتا ہے...... مسلمین تک۔'' نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا...... آخر سورت تک۔''

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت آدم علیہ السلام کے ذکر کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کا تذکرہ شروع کیا ہے جنھیں قرآن کریم نے عبد شکور کے نام سے یاد کیا ہے۔[1] آپ بہت رقیق القلب تھے۔ اکثر رویا کرتے تھے، اس لیے لفظ نوح کے نام سے مشہور ہوئے۔ قرآن مجید نے صراحت کی ہے کہ وہ پچاس برس کم ایک ہزار سال اپنی قوم کے پاس رہے اور انھیں تبلیغ کرتے رہے۔[2] روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو چالیس سال کی عمر میں نبوت عطا ہوئی اور طوفان کے بعد آپ ساٹھ سال تک زندہ رہے، اس طرح آپ کی عمر ایک ہزار پچاس برس بنتی ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام اولوالعزم پیغمبروں میں سے ہیں کیونکہ انھوں نے اللہ کے راستے میں سخت ترین آزمائشوں کو برداشت کیا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس عنوان کے تحت مختلف سورتوں کے متعدد الفاظ ذکر کیے

① بنيٓ إسرآئيل 17:3. ② العنكبوت 29:14.

ہیں جن کا حضرت نوح علیہ السلام کی زندگی سے تعلق ہے۔ متن میں سورتوں کو آیات کے حوالے سے ذکر کر دیا گیا ہے۔ قارئین کرام کسی ترجمے والے قرآن سے ان آیات کا ضرور مطالعہ کریں۔ واللہ المستعان.

٣٣٣٧ - حَدَّثَنَا عَبْدَانُ قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ عَنْ يُونُسَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ؛ قَالَ سَالِمٌ: وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: قَامَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فِي النَّاسِ فَأَثْنَى عَلَى اللهِ بِمَا هُوَ أَهْلُهُ ثُمَّ ذَكَرَ الدَّجَّالَ فَقَالَ: «إِنِّي لَأُنْذِرُكُمُوهُ، وَمَا مِنْ نَبِيٍّ إِلَّا أَنْذَرَهُ قَوْمَهُ، وَلَقَدْ أَنْذَرَهُ نُوحٌ قَوْمَهُ، وَلٰكِنِّي أَقُولُ لَكُمْ فِيهِ قَوْلًا لَمْ يَقُلْهُ نَبِيٌّ لِقَوْمِهِ، تَعْلَمُونَ أَنَّهُ أَعْوَرُ، وَأَنَّ اللهَ لَيْسَ بِأَعْوَرَ». [راجع: ٣٠٥٧]

[3337] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ ایک مرتبہ لوگوں میں کھڑے ہوئے تو اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی جس کا وہ مستحق ہے، پھر دجال کا ذکر کیا اور فرمایا: ''میں تمھیں اس (دجال) سے ڈراتا ہوں۔ کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جس نے اپنی قوم کو اس سے نہ ڈرایا ہو۔ بلاشبہ حضرت نوح علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کو اس سے خبردار کیا لیکن میں تمھیں اس کے متعلق ایک ایسی بات کہتا ہوں جو کسی نبی نے اپنی قوم کو نہیں بتائی، آگاہ رہو کہ وہ (دجال) کانا ہوگا اور اللہ تعالیٰ یک چشم نہیں ہے۔''

٣٣٣٨ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ: حَدَّثَنَا شَيْبَانُ عَنْ يَحْيَى، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ: سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أَلَا أُحَدِّثُكُمْ حَدِيثًا عَنِ الدَّجَّالِ مَا حَدَّثَ بِهِ نَبِيٌّ قَوْمَهُ؟ إِنَّهُ أَعْوَرُ وَإِنَّهُ يَجِيءُ مَعَهُ بِمِثَالِ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ، فَالَّتِي يَقُولُ: إِنَّهَا الْجَنَّةُ، هِيَ النَّارُ وَإِنِّي أُنْذِرُكُمْ كَمَا أَنْذَرَ بِهِ نُوحٌ قَوْمَهُ».

[3338] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیا میں تمھیں دجال کے متعلق ایسی خبر نہ دوں جو کسی نبی نے آج تک اپنی قوم کو نہیں بتائی؟ بے شک وہ کانا ہے اور اپنے ساتھ جنت اور دوزخ کی شبیہ بھی لائے گا۔ درحقیقت جسے وہ جنت کہے گا وہ آگ ہوگی اور جس کو وہ جہنم کہے گا وہ دراصل جنت ہو گی، نیز میں تمھیں اس سے خبردار کرتا ہوں جس طرح حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو اس سے ڈرایا تھا۔''

فوائد ومسائل: ① دجال کا لفظ دجل سے ماخوذ ہے جس کے معنی جھوٹی بات کو خوبصورتی سے پیش کرنا ہیں۔ دجال کا نام اس لیے رکھا گیا ہے کہ وہ بہت بڑا مکار، جھوٹ بولنے والا اور فریب کرنے والا ہوگا۔ ان احادیث میں حضرت نوح علیہ السلام کی خصوصیت کی وجہ یہ ذکر ہوئی ہے کہ وہ پہلے نبی ہیں جنھوں نے اپنی قوم کو دجال سے ڈرایا ہے۔ ان سے پہلے تمام انبیاء لوگوں کی تربیت کرتے تھے جس طرح باپ اپنی اولاد کی تربیت کرتا ہے۔ ② دجال کے متعلق بہت سے اوصاف دیگر احادیث میں بیان ہوئے ہیں لیکن ان میں کوئی تضاد نہیں کیونکہ دجال کی ایک آنکھ ختم ہوگی اور دوسری میں عیب ہوگا، اسے ہر صورت میں یک چشم، یعنی کانا کہا جا سکتا ہے جبکہ اللہ رب العزت ایسا نہیں ہے۔ ③ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو آزمانے کے لیے دجال کو پہلے کچھ کاموں کی طاقت دے گا، پھر بعد میں اس کی عاجزی ظاہر کر دے گا۔ ایسی صورت حال خود ظاہر کر دے گی کہ وہ رب نہیں۔ چونکہ ان

احادیث میں حضرت نوح ؑ کا ذکر ہے، اس لیے عنوان سے اتنی سی مطابقت کافی ہے۔ واللہ أعلم.

٣٣٣٩ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ زِيَادٍ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «يَجِيءُ نُوحٌ وَأُمَّتُهُ فَيَقُولُ اللهُ تَعَالَى: هَلْ بَلَّغْتَ؟ فَيَقُولُ: نَعَمْ أَيْ رَبِّ. فَيَقُولُ لِأُمَّتِهِ: هَلْ بَلَّغَكُمْ؟ فَيَقُولُونَ: لَا، مَا جَاءَنَا مِنْ نَبِيٍّ، فَيَقُولُ لِنُوحٍ: مَنْ يَشْهَدُ لَكَ؟ فَيَقُولُ: مُحَمَّدٌ ﷺ وَأُمَّتُهُ، فَتَشْهَدُ أَنَّهُ قَدْ بَلَّغَ، وَهُوَ قَوْلُهُ جَلَّ ذِكْرُهُ: ﴿وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَٰكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِّتَكُونُوا۟ شُهَدَآءَ عَلَى ٱلنَّاسِ﴾ [البقرة:١٤٣]» وَالْوَسَطُ: الْعَدْلُ. [انظر: ٤٤٨٧، ٧٣٤٩]

[3339] حضرت ابوسعید خدری ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”قیامت کے دن حضرت نوح ؑ اور ان کی امت آئے گی تو اللہ تعالیٰ دریافت فرمائے گا: کیا تم نے انھیں میرا پیغام پہنچا دیا تھا؟ حضرت نوح ؑ عرض کریں گے: میں نے ان کو تیرا پیغام پہنچا دیا تھا اے رب العزت! اب اللہ تعالیٰ ان کی امت سے دریافت فرمائے گا: کیا انھوں نے تمھیں میرا پیغام دیا تھا؟ وہ جواب دیں گے: نہیں! ہمارے پاس تیرا کوئی نبی نہیں آیا۔ اللہ تعالیٰ حضرت نوح ؑ سے دریافت فرمائے گا: تمھارا کوئی گواہ ہے؟ وہ کہیں گے کہ حضرت محمد ﷺ اور آپ کی امت کے لوگ میرے گواہ ہیں، چنانچہ وہ (میری امت) اس امر کی گواہی دے گی کہ نوح ؑ نے لوگوں کو اللہ کا پیغام پہنچا دیا تھا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: اور اسی طرح ہم نے تمھیں امت وسط بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہی دو۔“

وسط کے معنی عدل کے ہیں، یعنی تم عدل و انصاف کے علمبردار ہو۔

فوائد و مسائل: ① قرآن کریم میں ہے: آج ہم ان کی زبانوں پر مہر لگا دیں گے تاکہ وہ بات نہ کر سکیں۔[1] سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب ان کی زبان بندی ہوگی تو وہ اللہ کے حضور کلام کیسے کریں گے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ قیامت کے دن لوگ کئی قسم کے حالات سے دوچار ہوں گے: ایک وقت ایسا ہوگا کہ وہ باتیں کریں گے اور ایک وقت ایسا آئے گا کہ ان کی زبانوں پر مہر لگا دی جائے گی اور ان کے اعضاء ان کے خلاف گواہی دیں گے۔ ② اس حدیث میں بھی حضرت نوح ؑ کا ذکر خیر ہے، لہٰذا اسے مذکورہ عنوان کے تحت ذکر کیا گیا ہے۔

٣٣٤٠ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ نَصْرٍ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدٍ: حَدَّثَنَا أَبُو حَيَّانَ عَنْ أَبِي زُرْعَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: كُنَّا

[3340] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ہم ایک دعوت میں نبی ﷺ کے ہمراہ تھے، آپ کو دستی کا گوشت پیش کیا گیا جو آپ کو انتہائی پسند تھا۔ آپ

[1] یٰسٓ 65:36.

مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي دَعْوَةٍ فَرُفِعَتْ إِلَيْهِ الذِّرَاعُ وَكَانَتْ تُعْجِبُهُ فَنَهَسَ مِنْهَا نَهْسَةً. وَقَالَ: «أَنَا سَيِّدُ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، هَلْ تَدْرُونَ بِمَنْ يَجْمَعُ اللهُ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ فِي صَعِيدٍ وَاحِدٍ فَيُبْصِرُهُمُ النَّاظِرُ وَيُسْمِعُهُمُ الدَّاعِي وَتَدْنُو مِنْهُمُ الشَّمْسُ فَيَقُولُ بَعْضُ النَّاسِ: أَلَا تَرَوْنَ إِلٰى مَا أَنْتُمْ فِيهِ؟ إِلٰى مَا بَلَغَكُمْ؟ أَلَا تَنْظُرُونَ إِلٰى مَنْ يَشْفَعُ لَكُمْ إِلٰى رَبِّكُمْ؟ فَيَقُولُ بَعْضُ النَّاسِ: أَبُوكُمْ آدَمُ، فَيَأْتُونَهُ فَيَقُولُونَ: يَا آدَمُ! أَنْتَ أَبُو الْبَشَرِ، خَلَقَكَ اللهُ بِيَدِهِ وَنَفَخَ فِيكَ مِنْ رُوحِهِ، وَأَمَرَ الْمَلَائِكَةَ فَسَجَدُوا لَكَ، وَأَسْكَنَكَ الْجَنَّةَ، أَلَا تَشْفَعُ لَنَا إِلٰى رَبِّكَ، أَلَا تَرٰى مَا نَحْنُ فِيهِ وَمَا بَلَغَنَا؟ فَيَقُولُ: رَبِّي غَضِبَ غَضَبًا لَمْ يَغْضَبْ قَبْلَهُ مِثْلَهُ، وَلَا يَغْضَبُ بَعْدَهُ مِثْلَهُ، وَنَهَانِي عَنِ الشَّجَرَةِ فَعَصَيْتُ، نَفْسِي نَفْسِي، اِذْهَبُوا إِلٰى غَيْرِي، اِذْهَبُوا إِلٰى نُوحٍ، فَيَأْتُونَ نُوحًا فَيَقُولُونَ: يَا نُوحُ! أَنْتَ أَوَّلُ الرُّسُلِ إِلٰى أَهْلِ الْأَرْضِ، وَسَمَّاكَ اللهُ عَبْدًا شَكُورًا، أَمَا تَرٰى إِلٰى مَا نَحْنُ فِيهِ؟ أَلَا تَرٰى إِلٰى مَا بَلَغَنَا؟ أَلَا تَشْفَعُ لَنَا إِلٰى رَبِّكَ؟ فَيَقُولُ: رَبِّي غَضِبَ الْيَوْمَ غَضَبًا لَمْ يَغْضَبْ قَبْلَهُ مِثْلَهُ، وَلَا يَغْضَبُ بَعْدَهُ مِثْلَهُ، نَفْسِي نَفْسِي، اِئْتُوا النَّبِيَّ ﷺ فَيَأْتُونِي فَأَسْجُدُ تَحْتَ الْعَرْشِ. فَيُقَالُ: يَا مُحَمَّدُ! اِرْفَعْ رَأْسَكَ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ، وَسَلْ تُعْطَهْ»، قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدٍ: لَا أَحْفَظُ سَائِرَهُ. [انظر: ٣٣٦١، ٤٧١٢]

اسے اپنے دانتوں سے نوچ نوچ کر کھانے لگے اور فرمایا: ”میں قیامت کے دن تمام لوگوں کا سردار ہوں گا۔ کیا تمھیں معلوم ہے کہ یہ کس لیے؟ وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پہلے اور پچھلے لوگوں کو ایک میدان میں جمع کرے گا، دیکھنے والا ان کو دیکھ سکے گا اور ہر پکارنے والا ان کو اپنی آواز سنا سکے گا اور سورج ان کے قریب آچکا ہوگا تو کچھ لوگ کہیں گے: کیا تم اپنا حال نہیں دیکھتے کہ کیا (غم اور کرب) تمھیں لاحق ہوا ہے؟ کوئی ایسا آدمی تلاش کرو جو تمھارے رب کے حضور تمھاری سفارش کر سکے؟ تو کچھ کہیں گے: تمھارا باپ آدم موجود ہے، چنانچہ لوگ ان کے پاس آئیں گے اور عرض کریں گے: اے آدم! آپ ابوالبشر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے ہاتھ سے بنایا، پھر آپ کے اندر اپنی روح پھونکی اور فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ آپ کو سجدہ کریں اور آپ کو جنت میں ٹھہرایا۔ کیا آپ اپنے رب کے حضور ہماری سفارش نہیں کرتے؟ کیا آپ دیکھتے نہیں کہ ہم کس حال میں ہیں اور ہمیں کس قدر مشقت پہنچ رہی ہے؟ وہ فرمائیں گے: آج میرا رب اتنا غضبناک ہے کہ اتنا غضب ناک نہ اس سے پہلے ہوا اور نہ کبھی بعد میں ہوگا۔ اس نے مجھے درخت کے قریب جانے سے منع فرمایا تھا لیکن مجھ سے نافرمانی ہوگئی۔ اب تو مجھے اپنی جان کی فکر ہے۔ تم میرے علاوہ کسی اور کے پاس جاؤ۔ تم حضرت نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ، چنانچہ لوگ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور عرض کریں گے: اے نوح! روئے زمین پر بسنے والے لوگوں کے آپ پہلے رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو شکر گزار بندہ کہا ہے۔ کیا آپ دیکھتے نہیں کہ ہم کس حالت میں ہیں؟ ہمیں کتنی تکلیف پہنچ رہی ہے؟ کیا آپ اپنے

رب کے حضور ہماری سفارش نہیں کرتے؟ وہ فرمائیں گے: آج میرا رب بہت غضبناک ہے، اتنا پہلے کبھی غضبناک نہیں ہوا اور نہ اس کے بعد ہوگا۔ میں تو اپنی جان کی امان چاہتا ہوں۔ تم نبئ کریم ﷺ کے پاس جاؤ، چنانچہ لوگ میرے پاس آئیں گے۔ میں عرش الٰہی کے نیچے سجدہ ریز ہو جاؤں گا۔ مجھ سے کہا جائے گا: اے محمد! سجدے سے اپنا سر اٹھائیں۔ آپ سفارش کریں اسے قبول کیا جائے گا۔ آپ مانگیں آپ کو دیا جائے گا۔'' (راوئ حدیث) محمد بن عبید کہتے ہیں: مجھے پوری حدیث یاد نہیں رہی۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث کے مطابق رسول اللہ ﷺ مطلق طور پر تمام کائنات کے سردار ہیں اور قیامت کے دن صرف آپ کی سیادت ظاہر ہوگی۔ تمام انبیاء اور دیگر لوگ آپ کے جھنڈے تلے ہوں گے۔ ② اس حدیث میں حضرت نوح علیہ السلام کے متعلق آیا ہے کہ آپ اول الرسل ہیں، یعنی اولو العزم رسولوں میں سے پہلے ہیں، جنھیں اللہ کے راستے میں سخت آزمائشوں سے دوچار ہونا پڑا، نیز حضرت نوح علیہ السلام وہ پہلے رسول ہیں جو اہل ارض کے لیے مبعوث ہوئے تھے۔ حقیقت کے اعتبار سے حضرت آدم علیہ السلام پہلے رسول ہیں لیکن ان کی رسالت صرف اپنی اولاد تک تھی، وہ بھی ان کی تعلیم و تربیت کے لیے تھی۔ اس کے برعکس حضرت نوح علیہ السلام کی رسالت تمام امت کے لیے تھی جو تمام شہروں میں پھیل چکی تھی جبکہ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد صرف ایک شہر تک محدود تھی۔ چونکہ اس روایت میں حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر ہے، اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے بیان کیا ہے۔ قرآن کریم میں ان کا تذکرہ متعدد مرتبہ آیا ہے۔

٣٣٤١ - حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيِّ بْنِ نَصْرٍ: أَخْبَرَنَا أَبُو أَحْمَدَ عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ يَزِيدَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَرَأَ ﴿فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ﴾ [القمر: ١٥] مِثْلَ قِرَاءَةِ الْعَامَّةِ. [انظر: ٣٣٤٥، ٣٣٧٦، ٤٨٦٩، ٤٨٧٠، ٤٨٧١، ٤٨٧٢، ٤٨٧٣، ٤٨٧٤]

[3341] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ﴿فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ﴾ کی تلاوت فرمائی جیسا کہ عام لوگوں کی قراءت ہے۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث کی عنوان سے مطابقت اس طرح بنتی ہے کہ اس میں ایک آیت کا ذکر ہے جو حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کی شان میں نازل ہوئی، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَقَد تَّرَكْنَاهَا آيَةً فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ﴾ ''ہم نے اس کشتی کو

لوگوں کی عبرت کے لیے باقی رکھا، کیا ہے کوئی اس سے نصیحت لینے والا۔''[1] بعض احادیث میں ہے کہ کشتیٔ نوح کو اس امت کے پہلے لوگوں نے دیکھا ہے۔ واللہ أعلم۔ ② اس آیت کریمہ میں لفظ ﴿مدکر﴾ ادغام اور دال کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ یہ مشہور قراءت ہے اور اسے ادغام اور ذال کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔ یہ شاذ قراءت ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لفظ کو ادغام اور دال کے ساتھ پڑھا تھا اور یہی لوگوں میں عام ہے۔

(٤) بَابُ ﴿وَإِنَّ إِلْيَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ○ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ أَلَا تَتَّقُونَ﴾ إِلَى ﴿وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ﴾ [الصافات: ١٢٣-١٢٩]

باب: 4- ارشاد باری تعالیٰ: ''بے شک حضرت الیاس رسولوں میں سے ہیں۔ جب انھوں نے اپنی قوم سے کہا: تم ڈرتے کیوں نہیں؟...... اور ہم نے بعد میں آنے والے لوگوں میں ان کا ذکر خیر چھوڑا۔''

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: يُذْكَرُ بِخَيْرٍ. ﴿سَلَامٌ عَلَى إِلْ يَاسِينَ ○ إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ○ إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ﴾ [الصافات: ١٣٠-١٣٢]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ﴿وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ﴾ کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا کہ بھلائی کے ساتھ انھیں یاد کیا جاتا رہے گا۔ ''سلام ہو الیاسین پر۔ بے شک ہم نیکی کرنے والوں کو ایسا ہی صلہ دیتے ہیں۔ بلاشبہ وہ ہمارے اعلیٰ درجے کے کامل ایمان بندوں سے ہیں۔''

وَيُذْكَرُ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ وَّ ابْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ إِلْيَاسَ هُوَ إِدْرِيسُ.

حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے منقول ہے کہ الیاس، حضرت ادریس علیہ السلام کا نام ہے۔

وضاحت: حضرت الیاس علیہ السلام جنھیں الیاسین بھی کہا گیا ہے حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں، ان کا زمانۂ نبوت نویں صدی قبل مسیح ہے۔ ان کا تبلیغی مرکز بعلبک نامی شہر تھا جو شام میں واقع ہے۔ ان کی قوم بعل نامی بت کی پوجا کرتی تھی۔ اس کے معنی خاوند اور سردار کے ہیں۔ گویا یہ بت انھوں نے دیگر تمام بتوں کا سردار مقرر کیا ہوا تھا۔ ② حضرت ابن مسعود اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے منقول ہے کہ حضرت الیاس علیہ السلام ہی حضرت ادریس علیہ السلام ہیں، لیکن امام بخاری رحمہ اللہ اسے تسلیم نہیں کرتے، اس لیے انھوں نے حضرت ادریس علیہ السلام کے متعلق مستقل ایک عنوان قائم کیا ہے۔ جمہور علماء کے نزدیک بھی حضرت الیاس اور حضرت ادریس علیہما السلام علیحدہ علیحدہ نبی ہیں۔ واللہ أعلم۔

[1] القمر 15:54.

(٥) بَابُ ذِكْرِ إِدْرِيسَ عَلَيْهِ السَّلَامُ، وَهُوَ جَدُّ أَبِي نُوحٍ وَيُقَالُ: جَدُّ نُوحٍ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ

باب: 5- حضرت ادریس علیہ السلام کا ذکر، اور وہ حضرت نوح علیہ السلام کے باپ کے دادا ہیں اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ حضرت نوح علیہ السلام کے دادا ہیں

وَقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿وَرَفَعْنَٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا﴾ [مريم: ٥٧].

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اور ہم نے اسے بلند مقام پر اٹھالیا تھا۔''

وضاحت: حضرت نوح علیہ السلام کا نسب نامہ ہے: نوح بن لامک بن متوشلخ بن خنوخ۔ اس نسب میں خنوخ کا نام ادریس ہے، اس لیے وہ حضرت نوح علیہ السلام کے پردادا ہیں، اور ان کے دادا متوشلخ ہیں۔ ہمارے رجحان کے مطابق امام بخاری رحمہ اللہ کی بات وزنی معلوم ہوتی ہے۔ اگر پردادا پر مجازی طور پر دادا کا اطلاق کر دیا جائے تو دوسری بات بھی صحیح ہے۔ ذکر کردہ آیت کریمہ حضرت ادریس علیہ السلام کے بارے میں ہے۔ اس سے بعض مفسرین نے یہ موقف کشید کیا ہے کہ حضرت ادریس علیہ السلام کو بھی جسم سمیت آسمان پر اٹھا لیا گیا ہے مگر قرآن کریم میں اس کی صراحت نہیں۔ غالبًا یہ اسرائیلی روایات کا اثر ہے۔ ان کا مرکز تبلیغ بابل شہر تھا۔ معراج کی رات رسول اللہ ﷺ نے انھیں چوتھے آسمان پر دیکھا تھا اور انھوں نے آپ ﷺ کو خوش آمدید کہا تھا۔

٣٣٤٢ - قَالَ عَبْدَانُ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ: أَخْبَرَنَا يُونُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ؛ ح: وَأَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَنْبَسَةُ: حَدَّثَنَا يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ: قَالَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ: كَانَ أَبُو ذَرٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يُحَدِّثُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «فُرِجَ عَنْ سَقْفِ بَيْتِي وَأَنَا بِمَكَّةَ فَنَزَلَ جِبْرِيلُ فَفَرَجَ صَدْرِي ثُمَّ غَسَلَهُ بِمَاءِ زَمْزَمَ، ثُمَّ جَاءَ بِطَسْتٍ مِّنْ ذَهَبٍ مُّمْتَلِئٍ حِكْمَةً وَّإِيمَانًا فَأَفْرَغَهَا فِي صَدْرِي ثُمَّ أَطْبَقَهُ، ثُمَّ أَخَذَ بِيَدِي فَعَرَجَ بِي إِلَى السَّمَاءِ فَلَمَّا جَاءَ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا، قَالَ جِبْرِيلُ لِخَازِنِ السَّمَاءِ: افْتَحْ، قَالَ: مَنْ هٰذَا؟ قَالَ: هٰذَا جِبْرِيلُ، قَالَ: مَعَكَ

[3342] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب میں مکہ میں تھا تو میرے گھر کی چھت کھول دی گئی۔ پھر حضرت جبریل علیہ السلام نازل ہوئے اور انھوں نے میرے سینے کو چاک کیا، پھر اسے آب زم زم سے دھویا۔ اس کے بعد سونے کا ایک تھال لائے جو حکمت اور ایمان سے بھرا ہوا تھا، اسے میرے سینے میں انڈیل دیا۔ پھر چاک شدہ سینے کو بند کر دیا۔ پھر انھوں نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے آسمان پر لے گئے۔ جب آسمان اول کے قریب آئے تو انھوں نے آسمان کے نگران سے کہا: دروازہ کھولو۔ اس نے پوچھا: یہ کون ہے؟ کہا: میں جبریل ہوں۔ اس نے پوچھا: آپ کے ہمراہ کوئی ہے؟ انھوں نے بتایا: میرے ہمراہ حضرت محمد

أَحَدٌ؟ قَالَ: مَعِي مُحَمَّدٌ، قَالَ: أُرْسِلَ إِلَيْهِ؟ قَالَ: نَعَمْ، فَافْتَحْ، فَلَمَّا عَلَوْنَا السَّمَاءَ إِذَا رَجُلٌ عَنْ يَمِينِهِ أَسْوِدَةٌ وَعَنْ يَسَارِهِ أَسْوِدَةٌ، فَإِذَا نَظَرَ قِبَلَ يَمِينِهِ ضَحِكَ، وَإِذَا نَظَرَ قِبَلَ شِمَالِهِ بَكٰى، فَقَالَ: مَرْحَبًا بِالنَّبِيِّ الصَّالِحِ وَالِابْنِ الصَّالِحِ. قُلْتُ: مَنْ هٰذَا يَا جِبْرِيلُ؟ قَالَ: هٰذَا آدَمُ، وَهٰذِهِ الْأَسْوِدَةُ عَنْ يَمِينِهِ وَعَنْ شِمَالِهِ نَسَمُ بَنِيهِ، فَأَهْلُ الْيَمِينِ مِنْهُمْ أَهْلُ الْجَنَّةِ، وَالْأَسْوِدَةُ الَّتِي عَنْ شِمَالِهِ أَهْلُ النَّارِ، فَإِذَا نَظَرَ قِبَلَ يَمِينِهِ ضَحِكَ، وَإِذَا نَظَرَ قِبَلَ شِمَالِهِ بَكٰى، ثُمَّ عَرَجَ بِي جِبْرِيلُ حَتّٰى أَتَى السَّمَاءَ الثَّانِيَةَ فَقَالَ لِخَازِنِهَا: افْتَحْ، فَقَالَ لَهُ خَازِنُهَا مِثْلَ مَا قَالَ الْأَوَّلُ فَفَتَحَ»! قَالَ أَنَسٌ: فَذَكَرَ أَنَّهُ وَجَدَ فِي السَّمٰوَاتِ إِدْرِيسَ وَمُوسٰى وَعِيسٰى وَإِبْرَاهِيمَ، وَلَمْ يُثْبِتْ لِي كَيْفَ مَنَازِلُهُمْ غَيْرَ أَنَّهُ ذَكَرَ أَنَّهُ وَجَدَ آدَمَ فِي السَّمَاءِ الدُّنْيَا وَإِبْرَاهِيمَ فِي السَّادِسَةِ.

ﷺ ہیں۔ اس نے پوچھا: کیا آپ کی طرف پیغام بھیجا گیا تھا؟ کہا: ہاں، دروازہ کھولو۔ (اس نے دروازہ کھول دیا۔) جب ہم آسمان دنیا پر چڑھے تو وہاں ایک شخص تھا جس کے دائیں بائیں کچھ لوگ تھے۔ جب وہ اپنی دائیں طرف دیکھتا تو ہنس پڑتا اور جب بائیں جانب نظر کرتا تو رو دیتا۔ اس نے مجھے دیکھ کر کہا: خوش آمدید! اے نبیٔ محترم اور پسر مکرم! میں نے حضرت جبریل علیہ السلام سے پوچھا: یہ کون ہے؟ انھوں نے بتایا کہ یہ حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور یہ ان کے دائیں بائیں انسانی روحیں ہیں۔ یہ سب ان کی اولاد کی ارواح ہیں۔ ان میں سے دائیں طرف والے جنتی ہیں اور بائیں جانب والے دوزخی۔ جب وہ دائیں طرف دیکھتے ہیں تو خوشی سے ہنس دیتے ہیں اور جب بائیں طرف نظر کرتے ہیں تو انھیں رونا آجاتا ہے۔ پھر حضرت جبریل علیہ السلام مجھے چڑھا کر اوپر لے گئے حتی کہ ہم دوسرے آسمان تک پہنچ گئے۔ انھوں نے آسمان کے نگران سے کہا: دروازہ کھولو۔ اس نے وہی کہا جو پہلے آسمان کے نگران نے کہا تھا۔ پھر اس نے دروازہ کھولا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ آپ ﷺ نے مختلف آسمانوں پر حضرت ادریس، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ اور حضرت ابراہیم علیہم السلام سے ملاقات فرمائی لیکن انھوں نے ان انبیائے کرام علیہم السلام کے مقامات کی کوئی تخصیص نہیں کی، صرف اتنا بتایا کہ آپ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پہلے آسمان میں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو چھٹے آسمان میں دیکھا۔

وَقَالَ أَنَسٌ: «فَلَمَّا مَرَّ جِبْرِيلُ بِإِدْرِيسَ قَالَ: مَرْحَبًا بِالنَّبِيِّ الصَّالِحِ وَالْأَخِ الصَّالِحِ، فَقُلْتُ: مَنْ هٰذَا؟ قَالَ: هٰذَا إِدْرِيسُ، ثُمَّ مَرَرْتُ بِمُوسٰى، فَقَالَ: مَرْحَبًا بِالنَّبِيِّ الصَّالِحِ

نیز حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا: ”جب حضرت جبریل علیہ السلام (رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ) حضرت ادریس علیہ السلام کے پاس سے گزرے تو انھوں نے کہا: اے نبی مکرم اور برادر محترم خوش آمدید! میں نے پوچھا: یہ کون صاحب ہیں؟ تو حضرت

وَالْأَخِ الصَّالِحِ، قُلْتُ: مَنْ هٰذَا؟ قَالَ: هٰذَا مُوسٰى، ثُمَّ مَرَرْتُ بِعِيسٰى. فَقَالَ: مَرْحَبًا بِالنَّبِيِّ الصَّالِحِ وَالْأَخِ الصَّالِحِ، قُلْتُ: مَنْ هٰذَا؟ قَالَ: عِيسٰى، ثُمَّ مَرَرْتُ بِإِبْرَاهِيمَ فَقَالَ: مَرْحَبًا بِالنَّبِيِّ الصَّالِحِ وَالْاِبْنِ الصَّالِحِ، قُلْتُ: مَنْ هٰذَا؟ قَالَ: هٰذَا إِبْرَاهِيمُ». قَالَ: وَأَخْبَرَنِي ابْنُ حَزْمٍ، أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ وَّأَبَا حَيَّةَ الْأَنْصَارِيَّ كَانَا يَقُولَانِ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «ثُمَّ عُرِجَ بِي حَتّٰى ظَهَرْتُ لِمُسْتَوًى أَسْمَعُ صَرِيفَ الْأَقْلَامِ».

جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ حضرت ادریس علیہ السلام ہیں۔ پھر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا تو انھوں نے کہا: خوش آمدید! اے نیک نبی اور نیک بھائی۔ میں نے پوچھا: یہ کون ہیں؟ تو حضرت جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں۔ پھر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا تو انھوں نے بھی کہا: اے نیک نبی اور نیک بھائی، مرحبا! میں نے کہا: یہ کون ہیں؟ تو جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ پھر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس سے گزرا تو انھوں نے کہا: مرحبا، اے نبیٔ محترم اور پسر مکرم! میں نے کہا: یہ کون ہیں؟ تو حضرت جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔'' ابن شہاب کہتے ہیں: مجھ سے ابن حزم نے بیان کیا کہ حضرت ابن عباس اور ابوحیہ انصاری رضی اللہ عنہم ذکر کرتے تھے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''پھر مجھے اوپر لے جایا گیا اور میں اتنے بلند مقام پر پہنچ گیا کہ وہاں اقلام کی آواز سن رہا تھا۔''

قَالَ ابْنُ حَزْمٍ وَّأَنَسُ بْنُ مَالِكٍ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «فَفَرَضَ اللهُ عَلَيَّ خَمْسِينَ صَلَاةً، فَرَجَعْتُ بِذٰلِكَ حَتّٰى أَمُرَّ بِمُوسٰى فَقَالَ لِي مُوسٰى: مَا الَّذِي فُرِضَ عَلٰى أُمَّتِكَ؟ قُلْتُ: فَرَضَ عَلَيْهِمْ خَمْسِينَ صَلَاةً، قَالَ: فَرَاجِعْ رَبَّكَ، فَإِنَّ أُمَّتَكَ لَا تُطِيقُ، فَرَجَعْتُ فَرَاجَعْتُ رَبِّي فَوَضَعَ شَطْرَهَا، فَرَجَعْتُ إِلٰى مُوسٰى فَقَالَ: رَاجِعْ رَبَّكَ، فَذَكَرَ مِثْلَهُ، فَوَضَعَ شَطْرَهَا، فَرَجَعْتُ إِلٰى مُوسٰى فَأَخْبَرْتُهُ فَقَالَ: رَاجِعْ رَبَّكَ فَإِنَّ أُمَّتَكَ لَا تُطِيقُ ذٰلِكَ فَرَجَعْتُ فَرَاجَعْتُ رَبِّي فَقَالَ: هِيَ خَمْسٌ وَّهِيَ

ابن حزم اور حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''پھر اللہ تعالیٰ نے پچاس وقت کی نمازیں مجھ پر فرض کیں۔ میں اس فریضے کو لے کر واپس آیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا۔ انھوں نے کہا: اللہ تعالیٰ نے آپ کی امت پر کیا فرض کیا ہے؟ میں نے کہا: پچاس نمازیں۔ انھوں نے کہا: آپ اپنے رب کے پاس تشریف لے جائیں کیونکہ آپ کی امت میں اتنی نمازیں پڑھنے کی طاقت نہیں ہے، چنانچہ میں واپس آیا اور اپنے رب سے نظرثانی کی اپیل کی تو اللہ تعالیٰ نے کچھ نمازیں کم کر دیں۔ پھر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا تو انھوں نے کہا: اپنے رب کے پاس واپس جائیں اور نظرثانی کی اپیل کریں،

خَمْسُونَ، لَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ. فَرَجَعْتُ إِلٰى مُوسٰى فَقَالَ: رَاجِعْ رَبَّكَ، فَقُلْتُ: قَدِ اسْتَحْيَيْتُ مِنْ رَبِّي، ثُمَّ انْطَلَقَ حَتّٰى أَتٰى بِيَ السِّدْرَةَ الْمُنْتَهٰى فَغَشِيَهَا أَلْوَانٌ لَّا أَدْرِي مَا هِيَ، ثُمَّ أُدْخِلْتُ الْجَنَّةَ فَإِذَا فِيهَا جَنَابِذُ اللُّؤْلُؤِ، وَإِذَا تُرَابُهَا الْمِسْكُ». [راجع: ۳٤۹]

چنانچہ میں نے اپنے رب سے نظر ثانی کی اپیل کی تو اللہ تعالیٰ نے کچھ نمازیں کم دیں۔ پھر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا اور انھیں بتایا (کہ اللہ نے نمازوں کا کچھ اور حصہ کم کر دیا ہے۔) موسیٰ علیہ السلام نے کہا: آپ اپنے رب سے پھر مراجعت کریں کیونکہ آپ کی امت اس کی طاقت نہیں رکھے گی۔ (اسی طرح بار بار آنے جانے کا سلسلہ جاری رہا) بالآخر میں رب العالمین کے حضور گیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: نمازیں پانچ ہیں مگر ثواب پچاس نمازوں ہی کا باقی رکھا گیا ہے۔ ہمارے ہاں بات بدلا نہیں کرتی۔ پھر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس واپس آیا تو انھوں نے اب بھی اسی پر زور دیا کہ اپنے رب سے آپ کو پھر مراجعت کرنی چاہیے۔ میں نے کہا کہ اب مجھے اپنے رب کریم سے حیا آتی ہے۔ پھر حضرت جبریل علیہ السلام میرے ساتھ ہم سفر ہوئے حتی کہ سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے۔ کیا دیکھتا ہوں کہ اسے مختلف رنگوں نے ڈھانپ رکھا ہے نہ معلوم وہ کیا تھے۔ پھر مجھے جنت میں داخل کیا گیا۔ وہاں کیا دیکھتا ہوں کہ موتیوں کے گنبد ہیں اور اس کی مٹی مشک کی طرح خوشبودار ہے۔"

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں حضرت ادریس علیہ السلام کا ذکر ہے، اس مناسبت سے اسے یہاں بیان کیا گیا ہے۔ ② معراج کا واقعہ اور اس کی تفصیلات آئندہ بیان کی جائیں گی۔ صرف دو باتیں یہاں بیان کی جاتی ہیں: (ا) معراج کے متعلق ہمارا عقیدہ ہے کہ یہ نیند کی حالت میں نہیں بلکہ بیداری کے عالم میں ہوا اور روحانی نہیں بلکہ جسمانی ہے۔ اس میں سینہ چاک ہونے کے جو کوائف بیان ہوئے ہیں وہ اپنے ظاہری معانی کے اعتبار سے برحق ہیں۔ ہم اس کے ظاہر پر ایمان رکھتے ہیں اور باقی معاملات ہم اللہ کے حوالے کرتے ہیں۔ ان کے متعلق کرید کرنا جائز نہیں۔ (ب) دیگر روایات کی روشنی میں ساتویں آسمان پر جانے کے بعد واقعات کی ترتیب اس طرح ہے: پہلے سدرۃ المنتہیٰ، پھر بیت المعمور، پھر پانچ نمازیں فرض کی گئیں۔ اس روایت میں ترتیب ذکری ہے مکانی نہیں کیونکہ نمازوں کی فرضیت کے بعد آپ اوپر نہیں گئے جیسا کہ اس حدیث میں مذکور ہے بلکہ آپ نیچے آئے ہیں۔ واللہ أعلم.

(٦) بَابُ قَوْلِ اللهِ تَعَالَى: ﴿وَإِلَىٰ عَادٍ أَخَاهُمْ هُودًا﴾ [الأعراف: ٦٥] وَقَوْلِهِ: ﴿إِذْ أَنذَرَ قَوْمَهُ بِالْأَحْقَافِ﴾ إِلَى قَوْلِهِ: ﴿كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِينَ﴾ [الأحقاف: ٢١-٢٥]

باب: 6- ارشاد باری تعالیٰ: ''قوم عاد کی طرف ہم نے ان کے بھائی حضرت ہود کو بھیجا۔'' نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''جب اس (حضرت ہود علیہ السلام) نے مقام احقاف میں اپنی قوم کو ڈرایا...... اسی طرح ہم جرم پیشہ قوم کو سزا دیتے ہیں۔'' کا بیان

فِيهِ عَطَاءٌ وَسُلَيْمَانُ عَنْ عَائِشَةَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.

اس باب میں حضرت عطاء اور حضرت سلیمان کی ایک روایت ہے جو انھوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے، انھوں نے نبی ﷺ سے بیان کی ہے۔

وَقَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿وَأَمَّا عَادٌ فَأُهْلِكُوا بِرِيحٍ صَرْصَرٍ﴾ شَدِيدَةٍ ﴿عَاتِيَةٍ﴾ قَالَ ابْنُ عُيَيْنَةَ: عَتَتْ عَلَى الْخُزَّانِ؛ ﴿سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَثَمَانِيَةَ أَيَّامٍ حُسُومًا﴾: مُتَتَابِعَةً؛ ﴿فَتَرَى الْقَوْمَ فِيهَا صَرْعَىٰ كَأَنَّهُمْ أَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ﴾: أُصُولُهَا؛ ﴿فَهَلْ تَرَىٰ لَهُم مِّن بَاقِيَةٍ﴾ [الحاقة: ٦-٨]: بَقِيَّةٍ.

ارشاد باری تعالیٰ: ''لیکن قوم عاد، تو انھیں ایک نہایت تیز و تند آندھی سے ہلاک کیا گیا۔'' یعنی جو بڑی غضبناک تھی۔ اس میں لفظ ﴿عَاتِيَةٍ﴾ کے متعلق ابن عیینہ نے کہا کہ اس کا مطلب ہے: وہ اپنے نگران فرشتوں کے قابو سے باہر ہوگئی۔ ''جسے اللہ تعالیٰ نے ان پر متواتر سات رات اور آٹھ دن تک مسلط کیے رکھا'' یعنی وہ پے در پے چلتی رہی۔ ایک لحظہ کے لیے بھی نہیں رُکی۔ ''آپ (اگر وہاں ہوتے تو) دیکھتے کہ وہاں لوگ یوں (چاروں شانے) چت گرے پڑے ہیں جیسے وہ کھجوروں کے کھوکھلے تنے ہوں۔ کیا آپ ان میں کوئی بھی باقی بچا دیکھتے ہیں۔''

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ہود علیہ السلام کی سیرت کے حوالے سے سورۂ احقاف اور سورۂ حاقہ کی آیات ذکر کی ہیں۔ سیاق و سباق کے حوالے سے ان آیات کا ترجمہ یہ ہے: (ا) ''اور ان سے قوم عاد کے بھائی (ہود) کا ذکر کریں۔ جب اس نے احقاف میں اپنی قوم کو ڈرایا، جبکہ ان سے پہلے بھی ڈرانے والے آئے اور اس کے بعد بھی آتے رہے۔ انھوں نے کہا: اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ بلاشبہ میں تمھیں ایک بڑے دن کے عذاب سے ڈراتا ہوں۔ وہ کہنے لگے: کیا تم ہمارے پاس اس لیے آئے ہو کہ ہمیں ہمارے معبودوں سے پھیر دو؟ اگر تم سچے ہو تو جس عذاب کی ہمیں دھمکی دیتے ہو وہ لے آؤ۔ ہود نے کہا: اس کا علم تو اللہ ہی کے پاس ہے۔ میں تو تمھیں وہ پیغام پہنچا رہا ہوں جو مجھے دے کر بھیجا گیا ہے مگر میں دیکھ رہا ہوں کہ تم نادان لوگ ہو۔ پھر جب انھوں نے اس بادل کو اپنے میدانوں کی طرف بڑھتے دیکھا تو کہنے لگے: یہ بادل ہے جو ہم پر برسے گا، بلکہ

وہ یہ چیز تھی جس کے لیے تم جلدی مچا رہے تھے، یعنی ایسی آندھی جس میں دردناک عذاب تھا۔ وہ اپنے پروردگار کے حکم سے ہر چیز کو تہس نہس کر رہی تھی۔ آخر ان کا یہ حال ہوا کہ ان کے گھروں کے سوا کوئی چیز نظر نہ آتی تھی۔ ہم مجرموں کو ایسے ہی سزا دیا کرتے ہیں۔''[1] أحقاف، حقف کی جمع ہے۔ اس کے معنی ریت کے بڑے بڑے ٹیلوں کے ہیں۔ یہ علاقہ قوم عاد کا مسکن تھا جو کسی زمانے میں سرسبز و شاداب خطہ تھا۔ قوم عاد نے اس جگہ زمین دوز مکانات بنا رکھے تھے۔ یہ علاقہ جنوبی عرب میں حضر موت کے شمال کی طرف واقع ہے اور آج کل وہاں ریت کے بڑے بڑے ٹیلے ہیں جو میلوں تک پھیلے ہوئے ہیں۔ اسے آج کل ربع خالی کہا جاتا ہے۔ کوئی شخص اس صحراء میں داخل ہونے کی جرأت نہیں کرتا اور جو چیز اس ریت میں گر پڑے وہ بھی ریت میں دھنس کر ریت ہی بن جاتی ہے۔ اس قوم پر اللہ کا عذاب سخت آندھی کی شکل میں آیا۔ اس کی تیزی کا یہ عالم تھا کہ وہ بڑے بڑے تناور درختوں کو جڑوں سے اکھاڑ کر پرے پھینک دیتی تھی۔ یہی آندھی ان کے زمین دوز مکانوں میں گھس گئی۔ اس دوران میں وہ اپنے محلات سے نکل بھی نہیں سکتے تھے۔ سردی کی شدت سے وہیں ٹھٹھر ٹھٹھر کر مر گئے۔ تباہی کا یہ عالم تھا کہ اگر کوئی چیز وہاں نظر آتی تھی تو وہ ان کے مکانات تھے جن میں دراڑیں پڑ چکی تھیں جیسا کہ آیات بالا میں ان کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ (ب) ''رہے عاد! تو وہ سناٹے کی سخت آندھی سے ہلاک کیے گئے، اللہ تعالیٰ نے اس آندھی کو ان پر متواتر سات راتیں اور آٹھ دن تک مسلط کیے رکھا۔ آپ (وہاں ہوتے تو) دیکھتے کہ وہاں لوگ یوں (چاروں شانے) چت گرے پڑے ہیں جیسے وہ کھجوروں کے کھوکھلے تنے ہوں۔ کیا آپ ان میں سے کسی کو باقی بچا دیکھتے ہیں؟''[2] واضح رہے کہ قوم ہود پر جو عذاب آیا وہ سخت آندھی کا عذاب تھا۔ ہوا نہایت سرد اور اتنی سرکش تھی جس پر کسی مخلوق کا زور نہ چلتا تھا حتی کہ فرشتے جو ہوا کے انتظام پر مامور ہیں ان کا بھی اس پر کنٹرول نہیں تھا جیسا کہ لفظ عاتية سے معلوم ہوتا ہے۔

٣٣٤٣ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَرْعَرَةَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْحَكَمِ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «نُصِرْتُ بِالصَّبَا. وَأُهْلِكَتْ عَادٌ بِالدَّبُورِ».

[راجع: ١٠٣٥]

[3343] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''بادِ صبا سے میری مدد کی گئی اور قوم عاد کو پچھم کی ہوا سے ہلاک کر دیا گیا۔''

فائدہ: غزوۂ احزاب کے موقع پر بادِ صبا سے رسول اللہ ﷺ کی مدد کی گئی اور قوم عاد کو پچھم کی ہوا سے ہلاک کیا گیا جو مسلسل آٹھ دن اور سات راتیں چلتی رہی۔ وہ ہوا اس قدر سرکش تھی کہ وہ ہوا کو کنٹرول کرنے والے فرشتوں کے قابو سے بھی باہر تھی اور وہ سرکش اللہ کے حکم اور اس کی اجازت سے تھی۔ أعاذنا الله منها.

٣٣٤٤ - قَالَ: وَقَالَ ابْنُ كَثِيرٍ عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ ابْنِ أَبِي نُعْمٍ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ

[3344] حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کی خدمت میں

[1] الأحقاف 46:21-25. [2] الحاقة 69:6-9.

رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: بَعَثَ عَلِيٌّ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ بِذُهَيْبَةٍ فَقَسَمَهَا بَيْنَ الْأَرْبَعَةِ: اَلْأَقْرَعِ بْنِ حَابِسٍ الْحَنْظَلِيِّ ثُمَّ الْمُجَاشِعِيِّ، وَعُيَيْنَةَ بْنِ بَدْرٍ الْفَزَارِيِّ، وَزَيْدٍ الطَّائِيِّ ثُمَّ أَحَدِ بَنِي نَبْهَانَ، وَعَلْقَمَةَ بْنِ عُلَاثَةَ الْعَامِرِيِّ ثُمَّ أَحَدِ بَنِي كِلَابٍ. فَغَضِبَتْ قُرَيْشٌ وَالْأَنْصَارُ، قَالُوا: يُعْطِي صَنَادِيدَ أَهْلِ نَجْدٍ وَيَدَعُنَا؟ قَالَ: «إِنَّمَا أَتَأَلَّفُهُمْ». فَأَقْبَلَ رَجُلٌ غَائِرُ الْعَيْنَيْنِ، مُشْرِفُ الْوَجْنَتَيْنِ، نَاتِئُ الْجَبِينِ، كَثُّ اللِّحْيَةِ، مَحْلُوقٌ فَقَالَ: اتَّقِ اللهَ يَا مُحَمَّدُ، فَقَالَ: «مَنْ يُطِعِ اللهَ إِذَا عَصَيْتُ؟ أَيَأْمَنُنِي اللهُ عَلَى أَهْلِ الْأَرْضِ وَلَا تَأْمَنُونِي؟» فَسَأَلَهُ رَجُلٌ قَتْلَهُ، أَحْسِبُهُ خَالِدَ بْنَ الْوَلِيدِ فَمَنَعَهُ، فَلَمَّا وَلَّى قَالَ: «إِنَّ مِنْ ضِئْضِئِ هٰذَا - أَوْ فِي عَقِبِ هٰذَا - قَوْمٌ يَقْرَؤُونَ الْقُرْآنَ لَا يُجَاوِزُ حَنَاجِرَهُمْ، يَمْرُقُونَ مِنَ الدِّينِ مُرُوقَ السَّهْمِ مِنَ الرَّمِيَّةِ، يَقْتُلُونَ أَهْلَ الْإِسْلَامِ وَيَدَعُونَ أَهْلَ الْأَوْثَانِ، لَئِنْ أَنَا أَدْرَكْتُهُمْ لَأَقْتُلَنَّهُمْ قَتْلَ عَادٍ». [انظر: ٣٦١٠، ٤٣٥١، ٤٦٦٧، ٥٠٥٨، ٦١٦٣، ٦٩٣١، ٦٩٣٣، ٦٩٣٤، ٧٤٣٢]

(خام) سونے کا ایک ٹکڑا بھیجا تو آپ نے اسے چار اشخاص میں تقسیم کر دیا: اقرع بن حابس حنظلی مجاشعی، عیینہ بن بدر فزاری، زید طائی جو بنونبہان کا ایک آدمی تھا اور علقمہ بن علاثہ عامری جو بنوکلاب کا ایک فرد تھا۔ اس تقسیم پر قریش اور انصار غصے سے بھر گئے کہ آپ اہل نجد کے سرداروں کو عطیات دیتے ہیں اور ہمیں نظرانداز کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں انھیں تالیف قلوب کے لیے دیتا ہوں۔'' اس دوران میں ایک آدمی سامنے آیا جس کی آنکھیں دھنسی ہوئی، رخسار ابھرے ہوئے، پیشانی اونچی، ڈاڑھی گھنی اور سر منڈا ہوا تھا۔ اس نے کہا: اے محمد! اللہ سے ڈریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے لگوں تو اور کون فرمانبرداری کرے گا؟ اللہ تعالیٰ نے تو مجھے اہل زمین پر امین بنایا ہے لیکن تم مجھے امین نہیں سمجھتے۔'' ایک شخص نے اسے قتل کرنے کی اجازت مانگی۔ میرے خیال میں وہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ تھے۔ آپ نے انھیں روک دیا۔ جب وہ شخص چلا گیا تو آپ نے فرمایا: ''اس شخص کی نسل یا اس کے نسب سے ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو قرآن کریم تو پڑھیں گے لیکن قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔ وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے نکل جاتا ہے۔ وہ مسلمانوں کو قتل کریں گے اور بت پرستوں کو چھوڑ دیں گے۔ اگر میں انھیں پا لوں تو ضرور انھیں ایسے قتل کروں جیسے قوم عاد نیست و نابود ہوئی ہے۔''

فوائد و مسائل: ① قبیلہ بنوتمیم کے اس نامراد انسان کو ذوالخویصرہ کہا جاتا تھا۔ حرقوص بن زہیر کے نام سے موسوم اور ذوالثدیہ اس کا لقب تھا۔ اس نے رسول اللہ ﷺ کے حضور تباہ و برباد کر دینے والی انتہائی ذلیل اور گھٹیا حرکت کی جسارت کی تھی۔ اس وقت بعض مصلحتوں کی بنا پر آپ نے اسے قتل کرنے سے منع فرما دیا۔ یہی شخص بعد میں خارجیوں کا سرپرست بنا اور اس نے مسلمانوں کے خلاف علم بغاوت بلند کیا، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کیا۔ ② رسول اللہ ﷺ کے ارشاد گرامی کا مطلب یہ تھا کہ

انھیں ایسا قتل کیا جائے گا جس کے بعد ان کا کوئی فرد باقی نہ رہے۔ اس آیت کریمہ کی طرف اشارہ ہے: ''کیا تم ان میں سے کسی کو باقی بچا ہوا دیکھتے ہو؟''[1] ③ رسول اللہ ﷺ نے إدراك زمان سے مراد ان کا غلبہ اور ظہور لیا ہے، یعنی جب وہ بکثرت ہوں گے اور لوگوں کا مقابلہ تلوار سے کریں گے۔ چونکہ زمانۂ مستقبل میں ایسا ہونے والا تھا، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اس وقت اسے قتل کرنے کا حکم نہ دیا۔ ④ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کو یہاں بیان کیا ہے کیونکہ اس میں قتل عاد کا ذکر ہے۔ واللہ أعلم.

٣٣٤٥ - حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ يَزِيدَ: حَدَّثَنَا إِسْرَائِيلُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنِ الْأَسْوَدِ قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقْرَأُ ﴿فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ﴾ [القمر: ١٥]. [راجع: ٣٣٤١]

[3345] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: میں نے نبی ﷺ کو یہ آیت پڑھتے سنا: ﴿فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ﴾ ''کیا ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا۔''

فائدہ: یہ آیت کریمہ قوم عاد کی ہلاکت کے واقعے کے ضمن میں بیان ہوئی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اسی مناسبت سے اس حدیث کو بیان کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَ نُذُرِ ○ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْ يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ ○ تَنْزِعُ النَّاسَ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ ○ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ○ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ﴾ ''قوم عاد نے جھٹلایا، پھر میرا عذاب اور میرا ڈرانا کیسا تھا؟ ہم نے ایک منحوس دن میں ان پر سناٹے کی آندھی چھوڑ دی جو مسلسل چلی۔ وہ لوگوں کو یوں اکھاڑ کر پھینک رہی تھی جیسے جڑ سے اکھڑے ہوئے کھجوروں کے تنے ہوں، پھر میرا عذاب اور ڈرانا کیسا رہا؟ ہم نے اس قرآن کو نصیحت کے لیے آسان بنا دیا، پھر کیا ہے کوئی نصیحت ماننے والا؟''[2] یہ عذاب ٹھنڈی یخ آندھی کا تھا جو مضبوط قلعوں میں گھس کر لوگوں کو پٹخ پٹخ کر زمین پر مارتی اور ان کی گردن توڑ کر رکھ دیتی تھی۔ أعاذنا اللہ منها.

(١٧) بَابُ قَوْلِ اللهِ تَعَالَى: ﴿وَإِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَٰلِحًا﴾ [هود: ٦١] وَقَوْلِهِ: ﴿كَذَّبَ أَصْحَٰبُ ٱلْحِجْرِ﴾ [الحجر: ٨٠]

باب: 17- ارشاد باری تعالیٰ: ''ہم نے قوم ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو رسول بنا کر بھیجا'' اور ''حجر والوں نے (رسولوں کو) جھٹلایا'' کا بیان

اَلْحِجْرُ مَوْضِعُ ثَمُودَ؛ وَأَمَّا ﴿حَرْثٌ حِجْرٌ﴾ [الأنعام: ١٣٨]: حَرَامٌ؛ وَكُلُّ مَمْنُوعٍ فَهُوَ حِجْرٌ؛ وَمِنْهُ: ﴿حِجْرًا مَّحْجُورًا﴾ [الفرقان: ٢٢، ٥٣]؛ وَالْحِجْرُ: كُلُّ بِنَاءٍ بَنَيْتَهُ، وَمَا حَجَرْتَ عَلَيْهِ مِنَ

حجر، قوم ثمود کے رہنے کی جگہ کا نام ہے لیکن ایک دوسرے مقام ﴿حَرْثٌ حِجْرٌ﴾ پر اس کے معنی ممنوع اور حرام کے ہیں۔ ہر ممنوع چیز حجر، یعنی حرام ہوتی ہے۔ اسی سے ﴿حِجْرًا مَّحْجُورًا﴾ ہے۔ اس کے معنی ہیں: رکاوٹ

1 الحآقّة 69:8. 2 القمر 54:18-22.

الْأَرْضِ فَهُوَ حِجْرٌ؛ وَمِنْهُ: سُمِّيَ حَطِيمُ الْبَيْتِ حِجْرًا كَأَنَّهُ مُشْتَقٌّ مِّنْ مَّحْطُومٍ، مِثْلُ قَتِيلٍ مِّنْ مَّقْتُولٍ؛ وَيُقَالُ لِلْأُنْثَى مِنَ الْخَيْلِ: حِجْرٌ؛ وَيُقَالُ لِلْعَقْلِ: حِجْرٌ وَّحِجًى؛ وَأَمَّا حَجْرُ الْيَمَامَةِ فَهُوَ الْمَنْزِلُ.

جو کھڑی کی گئی ہو۔ حجر، ہر اس عمارت کو کہتے ہیں جس کی تم تعمیر کرو اور زمین سے اس پر کوئی آڑ کھڑی کر دو تو یہ بھی حجر ہے۔ بیت اللہ کے حطیم کو بھی حجر کہا جاتا ہے کیونکہ وہ بھی بیت اللہ سے الگ کر دیا گیا ہے۔ گویا حَطِیم، مَحْطُوم کے معنی میں ہے جیسا کہ قتیل کے معنی مقتول آتے ہیں۔ گھوڑی کو بھی حجر کہتے ہیں (اس لیے کہ وہ بھی لڑائیوں سے روکی ہوتی ہے۔) عقل کو بھی حجر اور حجی کہتے ہیں کیونکہ وہ بھی بری باتوں سے روکتی ہے، لیکن حجر الیمامہ (حجاز اور یمن کے درمیان) ایک منزل کا نام ہے۔

وضاحت: حجر، ایک تو نام اور علم ہے جو قوم ثمود کا مسکن تھا اور ایک حجر عام ہے جس کے معنی ممنوع اور حرام کے ہیں۔ ہر ممنوع چیز محجور اور حجر کہلاتی ہے۔ حطیم کو حجر اس لیے کہا جاتا ہے کہ اسے بیت اللہ سے کاٹ کر الگ کر دیا گیا ہے۔ بہرحال اس قوم کا مسکن مدینہ اور شام کے درمیان تھا۔ اور حجر یمامہ، وادی القری کے پاس ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے قوم ثمود اور ان کے رسول حضرت صالح علیہ السلام کے حالات بیان کرنے کے لیے دو آیات کا انتخاب کیا ہے۔ ایک سورۂ اعراف، آیت: 73 اور دوسری سورۂ حجر، آیت: 80 ہے۔ متعلقہ آیات کے سیاق وسباق کا مطالعہ کسی ترجمے والے قرآن سے کر لیا جائے۔ قوم عاد کی ہلاکت کے بعد ان کے شہروں میں قوم ثمود آباد ہوئی۔ انھوں نے بلند و بالا اور مضبوط محلات تعمیر کیے۔ جب ان کی تعداد زیادہ ہو گئی تو انھوں نے پہاڑوں کو کرید کرید کر وہاں مکانات تعمیر کر لیے۔ ان کی معاشی حالت بہت اچھی تھی۔ مال و دولت کی فراوانی کی وجہ سے وہ تکبر و غرور میں آ گئے۔ زمین میں فساد کرنا شروع کر دیا اور بت پرستی میں مبتلا ہو گئے۔ ان کی طرف اللہ تعالیٰ نے حضرت صالح علیہ السلام کو رسول بنا کر بھیجا۔ ان کے مطالبے پر اونٹنی بطور معجزہ دی گئی جسے انھوں نے قتل کر دیا۔ اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کا عذاب آیا تو وہ لوگ صفحۂ ہستی سے مٹا دیے گئے۔

٣٣٧٧ - حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ: حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ ابْنِ زَمْعَةَ قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ - وَذَكَرَ الَّذِي عَقَرَ النَّاقَةَ - فَقَالَ: «فَانْتَدَبَ لَهَا رَجُلٌ ذُو عِزٍّ وَّمَنَعَةٍ فِي قَوْمِهِ كَأَبِي زَمْعَةَ». [انظر: ٤٩٤٢، ٥٢٠٤، ٦٠٤٢]

[3377] حضرت عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے نبی ﷺ سے سنا، آپ نے اس شخص کا ذکر کیا جس نے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو قتل کیا تھا تو فرمایا: ''اس اونٹنی کو قتل کرنے کے لیے وہ شخص تیار ہوا جو غلبہ و طاقت اور مرتبے و عزت کے اعتبار سے اپنی قوم میں ابوزمعہ کی طرح تھا۔''

فائدہ: قرآن کریم نے اس اونٹنی کے قتل کا واقعہ ان الفاظ میں بیان کیا ہے: ﴿كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِطَغْوٰهَآ ۝ اِذِ انْبَعَثَ

اَشْقٰهَا○ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَسُقْيٰهَا○ فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰهَا﴾

''(قومِ) ثمود نے اپنی سرکشی کی وجہ سے جھٹلا دیا۔ جب اس قوم کا سب سے بڑا بدبخت اٹھ کھڑا ہوا تو ان سے اللہ کے رسول (صالح) نے کہا: اللہ کی اونٹنی اور اس کے پینے کی باری کا خیال رکھو۔ انھوں نے اس (رسول) کو جھٹلایا اور اونٹنی کو مار ڈالا تو ان کے رب نے ان کے گناہ کی وجہ سے انھیں پیس کر ہلاک کر دیا، پھر اس (بستی) کو برابر، یعنی ملیامیٹ کر دیا۔''[1] روایات میں اس کا نام قدار بن سالف بتایا گیا ہے جو بڑا شریر اور مضبوط جسم والا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے عزت وقوت میں اسے ابوزمعہ جیسا قرار دیا ہے جس کا نام اسود بن مطلب تھا جو اپنی قوم میں رسہ گیر تھا اور رسول اللہ ﷺ کا مذاق اڑانے والے ان لوگوں میں سے تھا جن کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ﴾ ''یقیناً آپ کی طرف سے ہم مذاق کرنے والوں کو کافی ہیں۔''[2] حضرت جبریل علیہ السلام نے اپنا پر مار کر اسے اندھا کر دیا تھا۔[3]

٣٣٧٨ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مِسْكِينٍ أَبُو الْحَسَنِ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ حَسَّانَ بْنِ حَيَّانَ أَبُو زَكَرِيَّا: حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ لَمَّا نَزَلَ الْحِجْرَ فِي غَزْوَةِ تَبُوكَ أَمَرَهُمْ أَنْ لَّا يَشْرَبُوا مِنْ بِئْرِهَا وَلَا يَسْتَقُوا مِنْهَا، فَقَالُوا: قَدْ عَجَنَّا مِنْهَا وَاسْتَقَيْنَا، فَأَمَرَهُمْ أَنْ يَّطْرَحُوا ذٰلِكَ الْعَجِينَ وَيُهْرِيقُوا ذٰلِكَ الْمَاءَ.

[3378] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب غزوۂ تبوک کے موقع پر مقام حجر پر پڑاؤ کیا تو مجاہدین کو حکم دیا کہ اس مقام کے کنویں سے پانی نہ پئیں اور نہ پانی بھر کر ہی رکھیں۔ صحابۂ کرام نے عرض کیا کہ ہم نے اس سے آٹا گوندھ لیا ہے اور مشکیزوں میں پانی بھر لیا ہے تو آپ نے انھیں حکم دیا کہ وہ آٹا پھینک دیں اور پانی بہا دیں۔

وَيُرْوٰى عَنْ سَبْرَةَ بْنِ مَعْبَدٍ وَّأَبِي الشُّمُوسِ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَمَرَ بِإِلْقَاءِ الطَّعَامِ. وَقَالَ أَبُو ذَرٍّ: عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: «مَنِ اعْتَجَنَ بِمَائِهِ». [انظر: ٣٣٧٩]

سبرہ بن معبد اور ابوشموس سے منقول ہے کہ نبی ﷺ نے کھانا پھینک دینے کا حکم دیا اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جس نے اس کے پانی سے آٹا گوندھا ہے (وہ اسے پھینک دے۔)

فائدہ: رسول اللہ ﷺ نے مقام حجر کے کنویں کا پانی پینے سے اس لیے منع کیا کہ وہ منحوس مقام تھا اور وہاں ایک قوم پر عذاب نازل ہوا تھا، کہیں ایسا نہ ہو کہ اس پانی کی وجہ سے لوگ سنگدلی کا شکار ہو جائیں یا جسمانی طور پر کسی بیماری میں مبتلا ہو جائیں۔

٣٣٧٩ - حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ: حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ عِيَاضٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ، عَنْ نَافِعٍ: أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَخْبَرَهُ أَنَّ

[3379] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے بتایا کہ صحابۂ کرام نے رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ قوم ثمود کی سرزمین میں مقام حجر پر پڑاؤ کیا۔ انھوں نے

---

1 الشمس 91:11-14. 2 الحجر 15:95. 3 عمدة القاري: 11/97، 98.

النَّاسَ نَزَلُوا مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ أَرْضَ ثَمُودَ الْحِجْرَ وَاسْتَقَوْا مِنْ بِئْرِهَا وَاعْتَجَنُوا بِهِ، فَأَمَرَهُمْ رَسُولُ اللهِ ﷺ أَنْ يُهْرِيقُوا مَا اسْتَقَوْا مِنْ بِيَارِهَا، وَأَنْ يَعْلِفُوا الْإِبِلَ الْعَجِينَ، وَأَمَرَهُمْ أَنْ يَسْتَقُوا مِنَ الْبِئْرِ الَّتِي كَانَ تَرِدُهَا النَّاقَةُ. تَابَعَهُ أُسَامَةُ عَنْ نَافِعٍ. [راجع: ٣٣٧٨]

وہاں کے کنویں سے پانی بھرلیا اور آٹا گوندھ لیا۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں حکم دیا کہ ان کنوؤں سے جنھوں نے پانی بھرا ہے اسے بہا دیں اور گوندھا ہوا آٹا اونٹوں کو کھلا دیں اور انھیں حکم دیا کہ اس کنویں سے پانی بھریں جہاں سے اونٹنی پانی پیتی تھی۔

نافع سے روایت کرنے میں اسامہ بن زید نے عبیداللہ کی متابعت کی ہے۔

فوائد ومسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جن مقامات پر اللہ کا عذاب آیا ہو وہاں کے کنویں سے پانی لینا اور اسے استعمال کرنا مکروہ ہے، نیز یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہاں ایک سے زیادہ کنویں تھے، البتہ ایک کنواں اس عورت کے متعلقین کا تھا جس نے اپنے عاشق قدار کو کہا تھا: اس اونٹنی کو مار دیا جائے، یہ ہمارے کنویں کا پانی ختم کر دیتی ہے، چنانچہ اس خبیث نے اونٹنی کو قتل کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے صرف اس کنویں سے پانی لینے کی اجازت دی جہاں سے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی پانی پیتی تھی۔ ② کہا جاتا ہے: قدار، ولد الزنا تھا اور سالف کے بستر پر پیدا ہونے کی وجہ سے اس کی طرف منسوب ہوا۔ واللہ أعلم.

٣٣٨٠ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ عَنْ مَعْمَرٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللهِ عَنْ أَبِيهِ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَمَّا مَرَّ بِالْحِجْرِ قَالَ: «لَا تَدْخُلُوا مَسَاكِنَ الَّذِينَ ظَلَمُوا إِلَّا أَنْ تَكُونُوا بَاكِينَ أَنْ يُصِيبَكُمْ مَا أَصَابَهُمْ»، ثُمَّ تَقَنَّعَ بِرِدَائِهِ وَهُوَ عَلَى الرَّحْلِ. [راجع: ٤٣٣]

[3380] سالم بن عبداللہ اپنے باپ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ جب مقام حجر سے گزرے تو فرمایا: ''جن لوگوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے ان کی رہائش گاہوں میں مت جاؤ، مگر روتے ہوئے وہاں سے گزر جاؤ، مبادا تم اسی عذاب سے دوچار ہو جاؤ جو ان پر آیا تھا۔'' پھر آپ نے سواری پر بیٹھے بیٹھے اپنی چادر سے چہرے کو ڈھانپ لیا۔

٣٣٨١ - حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا وَهْبٌ: حَدَّثَنَا أَبِي: سَمِعْتُ يُونُسَ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَالِمٍ: أَنَّ ابْنَ عُمَرَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَا تَدْخُلُوا مَسَاكِنَ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ إِلَّا أَنْ تَكُونُوا بَاكِينَ أَنْ يُصِيبَكُمْ مَا أَصَابَهُمْ». [راجع: ٤٣٣]

[3381] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہی سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ان لوگوں کے مقامات میں مت جاؤ جنھوں نے اپنے آپ پر ظلم کیا تھا، ہاں وہاں سے گریہ و زاری کرتے ہوئے گزر جاؤ، مبادا تمھیں وہ مصیبت پہنچے جس سے وہ دوچار ہوئے تھے۔''

فائدہ: یہ احادیث تمام بدکرداروں کو شامل ہیں اگرچہ آپ نے یہ حکم اس وقت دیا جب آپ مقام حجر سے گزرے تھے جو قوم ثمود کا مسکن تھا۔ بہرحال اللہ کے عذاب سے ڈرتے رہنا چاہیے اور شریعت کی مخالفت کرنے والوں کی صحبت سے بچ کر رہنا چاہیے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابۂ کرام ؓ کو ایسے ظلم پیشہ لوگوں کے گھروں میں داخل ہونے سے روکا بلکہ آپ نے وہاں کے کنوؤں کا پانی استعمال کرنے سے بھی منع فرما دیا اور اس پانی سے جو آٹا گوندھا گیا تھا، اسے بھی جانوروں کو ڈال دینے کا حکم دیا۔ واللہ المستعان۔ ○ تنبیہ: صحیح بخاری کے درسی نسخے میں مذکورہ عنوان اور اس کے تحت ذکر کردہ احادیث حضرت لوط علیہ السلام کے تذکرے کے بعد ہیں۔ وہ مقام اس عنوان اور احادیث کے لیے بالکل غیر موزوں اور نامناسب تھا۔ چونکہ قرآن کریم میں سیدنا نوح علیہ السلام کے بعد حضرت ہود علیہ السلام اور ان کے بعد حضرت صالح علیہ السلام کا ذکر ہے اسی ترتیب کے مطابق ہم نے حضرت صالح علیہ السلام کے ذکر کو درج کیا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی اسی ترتیب کو ملحوظ رکھا ہے اور اس پر ایک نوٹ لکھا ہے۔[1]

(٧) بَابُ قِصَّةِ يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ

وَقَوْلِ اللهِ تَعَالٰى: ﴿قَالُوا يَٰذَا ٱلْقَرْنَيْنِ إِنَّ يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ مُفْسِدُونَ فِي ٱلْأَرْضِ﴾ وَ قَوْلِ اللهِ تَعَالٰى: ﴿وَيَسْـَٔلُونَكَ عَن ذِى ٱلْقَرْنَيْنِ﴾ إِلٰى قَوْلِهِ ﴿سَبَبًا﴾ [الكهف: ٨٣-٩٢] سَبَبًا: طَرِيقًا. إِلٰى قَوْلِهِ: ﴿ءَاتُونِى زُبَرَ ٱلْحَدِيدِ﴾ [٩٦] وَاحِدُهَا زُبْرَةٌ وَهِيَ الْقِطَعُ.

﴿حَتَّىٰٓ إِذَا سَاوَىٰ بَيْنَ ٱلصَّدَفَيْنِ﴾ يُقَالُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: اَلْجَبَلَيْنِ؛ وَالسَّدَّيْنِ: اَلْجَبَلَيْنِ. ﴿خَرْجًا﴾ [٩٤]: أَجْرًا؛ قَالَ: ﴿ٱنفُخُوا۟ حَتَّىٰٓ إِذَا جَعَلَهُۥ نَارًا قَالَ ءَاتُونِىٓ أُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا﴾ [٩٦]: أَصُبُّ عَلَيْهِ رَصَاصًا؛ وَيُقَالُ: الْحَدِيدُ؛ وَيُقَالُ الصُّفْرُ. وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: اَلنُّحَاسُ. ﴿فَمَا ٱسْطَٰعُوٓا۟ أَن يَظْهَرُوهُ﴾ [٩٧]: يَعْلُوهُ، اِسْطَاعَ: اِسْتَفْعَلَ مِنْ طُعْتُ لَهُ، فَلِذٰلِكَ فُتِحَ أَسْطَاعَ يَسْطِيعُ؛ وَقَالَ بَعْضُهُمْ: اِسْتَطَاعَ يَسْتَطِيعُ: ﴿فَمَا ٱسْطَٰعُوٓا۟ أَن يَظْهَرُوهُ وَمَا ٱسْتَطَٰعُوا۟ لَهُۥ نَقْبًا ○

باب: 7- یاجوج وماجوج کا بیان

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”انھوں نے کہا: اے ذوالقرنین! یاجوج وماجوج زمین میں فساد کرتے ہیں۔“ نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”اور آپ سے ذوالقرنین کے متعلق پوچھتے ہیں...... مجھے لوہے کی چادریں لا دو“ تک۔ زُبر کا واحد زُبْرَةٌ ہے۔ اس کے معنی ہیں: لوہے کے ٹکڑے۔

”یہاں تک کہ جب اس نے دونوں پہاڑوں کے خلا کو برابر کر دیا۔“ حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ صَدَفَيْن سے مراد دو پہاڑ ہیں۔ السَّدَّيْن سے مراد بھی دو پہاڑ ہیں۔ ﴿خَرجًا﴾ کے معنی اجرت کے ہیں۔ ذوالقرنین نے کہا: ”دھونکو (دہکاؤ) حتی کہ جب اس نے اسے آگ بنا دیا تو کہا کہ میرے پاس پگھلا ہوا تانبا لاؤ میں اس پر ڈال (کر پیوست) کر دوں۔“ اس پر رصاص ڈال دوں۔ رصاص لوہے اور تانبے کو کہا جاتا ہے۔ حضرت ابن عباس ؓ نے کہا: اس سے مراد پیتل ہے۔ ”وہ (یاجوج وماجوج) اس پر نہیں چڑھ سکیں گے۔“ اِسْطَاعَ باب استفعال سے ہے۔ یہ

---

[1] فتح الباري: 460/6.

قَالَ هَٰذَا رَحْمَةٌ مِّن رَّبِّي فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ رَبِّي جَعَلَهُ دَكَّاءَ﴾ [٩٧، ٩٨]: أَلْزَقَهُ بِالْأَرْضِ؛ وَنَاقَةٌ دَكَّاءُ: لَا سَنَامَ لَهَا؛ وَالدَّكْدَاكُ مِنَ الْأَرْضِ: مِثْلُهُ؛ حَتَّى صَلُبَ وَتَلَبَّدَ؛ ﴿وَكَانَ وَعْدُ رَبِّي حَقًّا ۝ وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَمُوجُ فِي بَعْضٍ﴾ [٩٨، ٩٩]: ﴿حَتَّىٰٓ إِذَا فُتِحَتْ يَأْجُوجُ وَمَأْجُوجُ وَهُم مِّن كُلِّ حَدَبٍ يَنسِلُونَ﴾ [الأنبياء: ٩٦]

طُعْتُ له سے ماخوذ ہے۔ اسی لیے مفتوح پڑھا گیا ہے اور اَسْطَاعَ يَسْطِيعُ ہے اور بعض نے کہا کہ اِسْتَطَاعَ يَسْتَطِيعُ کے باب سے ہے۔ ''وہ اس پر چڑھ نہیں سکیں گے اور نہ اس میں سوراخ ہی کر سکیں گے۔ اس (ذوالقرنین) نے کہا: یہ میرے رب کی رحمت ہے مگر جب میرے رب کا وعدہ آجائے گا تو وہ اسے پیوند خاک کر دے گا۔'' اس کے معنی ہیں کہ اللہ اسے زمین کے ساتھ ملا دے گا۔ جس اونٹنی کی کوہان نہ ہو اسے نَاقَةٌ دَكَّاء کہا جاتا ہے۔ اسی طرح دَكْدَاك وہ صاف زمین ہے جو سخت ہو گئی ہو اور اس میں اونچائی نہ رہے۔ ''اور میرے رب کا وعدہ برحق ہے اور اس دن ہم انھیں چھوڑ دیں گے، وہ ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو جائیں گے۔'' ''حتی کہ جب یاجوج و ماجوج کو کھول دیا جائے گا اور وہ ہر بلندی سے نیچے کو دوڑتے آئیں گے۔''

وَقَالَ قَتَادَةُ: حَدَبٌ: أَكَمَةٌ؛ قَالَ رَجُلٌ لِّلنَّبِيِّ ﷺ: رَأَيْتُ السَّدَّ مِثْلَ الْبُرْدِ الْمُحَبَّرِ، قَالَ: «قَدْ رَأَيْتَهُ».

حضرت قتادہ نے کہا: حَدَبٌ سے مراد ٹیلہ ہے۔ ایک شخص نے نبی ﷺ سے عرض کیا: میں نے ایک دیوار دیکھی ہے جو منقش چادر کی طرح ہے تو آپ نے فرمایا: ''یقیناً تو نے اسے دیکھ لیا ہے۔''

وضاحت: یاجوج و ماجوج کے متعلق صحیح موقف یہ ہے کہ ان کی حقیقت حال اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ اہل ایمان کا کام یہ ہے کہ جو کچھ قرآن و حدیث میں ہے اسے تسلیم کر لیا جائے اور مزید کرید سے گریز کیا جائے۔ قرآن و حدیث کے مطابق ان کے متعلق دوٹوک حقائق مندرجہ ذیل ہیں: ○ ان کا تعلق آدم علیہ السلام کی اولاد سے ہے۔ وہ آدم علیہ السلام کے علاوہ کسی اور سے پیدا شدہ نہیں۔ ○ وہ اس قدر کثرت سے ہیں کہ ملت اسلامیہ ان کافروں کا ہزارواں حصہ ہو گی۔ ○ دنگا فساد ان کی عادت ہے۔ ذوالقرنین نے ان کے حملوں سے بچاؤ کے لیے ان دروں کو لوہے سے بند کر دیا تھا جن کے ذریعے سے وہ دوسروں پر حملہ آور ہوتے تھے۔ ○ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں ایک شخص نے اس سدِ سکندری کو دیکھا تھا جو منقش چادر کی طرح تھی۔ ○ رسول اللہ ﷺ کے دور میں وہ دیوار کچھ کمزور ہو چکی تھی کہ اس میں معمولی سا سوراخ ہو گیا تھا۔ ○ قیامت کے نزدیک وہ دیوار ختم ہو جائے گی اور یاجوج و ماجوج سمندر کی موجوں کی طرح ٹھاٹھیں مارتے ہوئے نکلیں گے۔ ○ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہو گی جب تک دس نشانیاں ظاہر نہ ہو جائیں، ان میں سے ایک یاجوج و ماجوج کا حملہ آور ہونا

ہے۔[1] ان کے حملے کے بعد جلد ہی قیامت آ جائے گی۔ جو روایات ان کے قد و قامت کے متعلق منقول ہیں وہ محدثین کے معیار صحت پر پوری نہیں اترتیں۔ مسلم مؤرخین کے بیان کے مطابق وہ انتہائی شمال مشرق کے علاقے میں وحشی اقوام ہیں جو پہاڑی دروں کے راستوں سے یورپ اور ایشیا کی مہذب اقوام پر حملہ آور ہوتی رہی ہیں اور جنھیں مؤرخین سیدنا نوح علیہ السلام کے بیٹے یافث کی اولاد قرار دیتے ہیں۔ واللہ أعلم. امام بخاری رحمہ اللہ نے ان سورتوں کے منتخب الفاظ کی تفسیر کی ہے جن میں یاجوج و ماجوج کا تذکرہ ہے اور اس سلسلے میں کچھ احادیث بیان کی ہیں۔

٣٣٤٦ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ: أَنَّ زَيْنَبَ بِنْتَ أَبِي سَلَمَةَ حَدَّثَتْهُ عَنْ أُمِّ حَبِيبَةَ بِنْتِ أَبِي سُفْيَانَ، عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُنَّ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ دَخَلَ عَلَيْهَا فَزِعًا يَقُولُ: «لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، وَيْلٌ لِّلْعَرَبِ مِنْ شَرٍّ قَدِ اقْتَرَبَ، فُتِحَ الْيَوْمَ مِنْ رَدْمِ يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ مِثْلُ هٰذِهِ» - وَحَلَّقَ بِإِصْبَعِهِ الْإِبْهَامِ وَالَّتِي تَلِيهَا - قَالَتْ زَيْنَبُ بِنْتُ جَحْشٍ: فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! أَنَهْلِكُ وَفِينَا الصَّالِحُونَ؟ قَالَ: «نَعَمْ، إِذَا كَثُرَ الْخَبَثُ».

[انظر: ٣٥٩٨، ٧٠٥٩، ٧١٣٥]

[3346] حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی ﷺ گھبرائے ہوئے ان کے پاس آئے اور فرمایا: "اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ عرب کی تباہی اس آفت کی وجہ سے ہونے والی ہے جو بالکل قریب آ گئی ہے۔ آج یاجوج و ماجوج کی دیوار میں اتنا سوراخ ہو گیا ہے۔" آپ ﷺ نے انگوٹھے اور شہادت کی انگلی سے سوراخ بنا کر اس کی مقدار بتائی۔ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! کیا ہم نیک لوگوں کی موجودگی میں ہلاک ہو جائیں گے؟ آپ نے فرمایا: "ہاں، جب برائی زیادہ پھیل جائے گی۔"

٣٣٤٧ - حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ: حَدَّثَنَا ابْنُ طَاوُسٍ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «فَتَحَ اللهُ مِنْ رَدْمِ يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ مِثْلَ هٰذِهِ»، وَعَقَدَ بِيَدِهِ تِسْعِينَ. [انظر: ٧١٣٦]

[3347] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے یاجوج و ماجوج کی دیوار سے اتنا سا کھول دیا ہے۔" اور اپنے ہاتھ سے نوے کی گرہ لگائی۔

فوائد و مسائل: ① مؤرخین اسلام اس دیوار کو سد یاجوج و ماجوج کہتے ہیں جسے نیک سیرت اور ہمدرد بادشاہ ذوالقرنین نے جبل الطائی کے کسی درے کو بند کرنے کے لیے بنوایا تھا۔ اس پہاڑ کے بیچ میں ایک درہ کشادہ تھا جہاں سے یاجوج و ماجوج کی

① جامع الترمذي، الفتن، حديث: 2183.

قومیں حملہ آور ہوتی تھیں۔ ذوالقرنین حمیری نے پہلے لوہے کے بڑے بڑے تختوں کی اوپر نیچے تہیں جمائیں۔ جب ان کی بلندی دونوں طرف سے پہاڑوں کے برابر ہوگئی تو لکڑی اور کوئلے سے خوب آگ کو دہکایا۔ جب لوہا آگ کی طرح سرخ ہوگیا تو پگھلا ہوا تانبا اوپر سے ڈالا گیا جو لوہے کی چادروں کی درزوں میں جم کر پیوست ہوگیا۔ یہ سب کچھ مل کر پہاڑ سا بن گیا۔ تانبے کے رنگ اور لوہے کی سیاہی سے یہ دیوار نقش دار چادر کی طرح بن گئی جس کا ایک صحابی نے تذکرہ کیا ہے اور اہل مدینہ میں سے ایک آدمی نے کہا: اللہ کے رسول! میں نے سد یاجوج و ماجوج کو دیکھا ہے۔ آپ نے دریافت فرمایا: ''وہ کس طرح کا تھا؟'' عرض کی: منقش چادر کی طرح جس میں سرخ اور سیاہ دھاریاں تھیں۔ آپ نے فرمایا: ''واقعی تو نے اسے دیکھا ہے۔''[1] ② رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں اس میں دراڑیں پڑ چکی تھیں اور قیامت سے پہلے وہ ختم ہو جائے گی۔ ③ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ گناہوں کی کثرت کے نتیجے میں جب اللہ کا عذاب نازل ہوتا ہے تو بروں کے ساتھ نیکوں کو بھی صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جاتا ہے۔ أعاذنا الله منه.

٣٣٤٨ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ نَصْرٍ: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ: حَدَّثَنَا أَبُو صَالِحٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «يَقُولُ اللهُ تَعَالَى: يَا آدَمُ! فَيَقُولُ: لَبَّيْكَ، وَسَعْدَيْكَ، وَالْخَيْرُ فِي يَدَيْكَ. فَيَقُولُ: أَخْرِجْ بَعْثَ النَّارِ، قَالَ: وَمَا بَعْثُ النَّارِ؟ قَالَ: مِنْ كُلِّ أَلْفٍ تِسْعَمِائَةٍ وَتِسْعَةً وَتِسْعِينَ، فَعِنْدَهُ يَشِيبُ الصَّغِيرُ ﴿وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى ٱلنَّاسَ سُكَـٰرَىٰ وَمَا هُم بِسُكَـٰرَىٰ وَلَـٰكِنَّ عَذَابَ ٱللَّهِ شَدِيدٌ﴾ [الحج: ٢]» قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ! وَأَيُّنَا ذٰلِكَ الْوَاحِدُ؟ قَالَ: «أَبْشِرُوا فَإِنَّ مِنْكُمْ رَجُلٌ وَمِنْ يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ أَلْفٌ، ثُمَّ قَالَ: وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ إِنِّي أَرْجُو أَنْ تَكُونُوا رُبُعَ أَهْلِ الْجَنَّةِ، فَكَبَّرْنَا، فَقَالَ: أَرْجُو أَنْ تَكُونُوا ثُلُثَ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَكَبَّرْنَا، فَقَالَ: أَرْجُو أَنْ تَكُونُوا نِصْفَ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَكَبَّرْنَا، فَقَالَ: مَا أَنْتُمْ فِي النَّاسِ إِلَّا

[3348] حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا: اے آدم! وہ عرض کریں گے: میں حاضر ہوں اور اس حاضری میں میری سعادت ہے۔ ہر قسم کی بھلائی تیرے ہاتھ میں ہے۔ ارشاد ہوگا: دوزخ کا لشکر الگ کر دو۔ حضرت آدم علیہ السلام عرض کریں گے: دوزخ کا لشکر کتنا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ہر ہزار میں سے نوسو ننانوے۔ اس وقت مارے خوف کے بچے بوڑھے ہو جائیں گے اور ''ہر حاملہ عورت اپنا حمل گرا دے گی اور تم لوگوں کو بے ہوش ہوتے دیکھو گے، حالانکہ وہ بے ہوش نہ ہوں گے بلکہ اللہ کا عذاب سخت ہوگا۔'' صحابۂ کرام نے عرض کیا: اللہ کے رسول! وہ ایک آدمی ہم میں سے کون ہوگا؟ آپ نے فرمایا: ''تم خوش ہو جاؤ کیونکہ وہ ایک شخص تم میں سے ہوگا اور ایک ہزار یاجوج و ماجوج کے ہوں گے۔'' پھر آپ نے فرمایا: ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ اہل جنت میں ایک چوتھائی تم ہو گے۔'' ہم نے اس پر نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ آپ نے فرمایا:

① عمدة القاري: 47/11.

كَالشَّعْرَةِ السَّوْدَاءِ فِي جِلْدِ ثَوْرٍ أَبْيَضَ، أَوْ كَشَعْرَةٍ بَيْضَاءَ فِي جِلْدِ ثَوْرٍ أَسْوَدَ». [انظر: ٤٧٤١، ٦٥٣٠، ٧٤٨٣]

''میں امید کرتا ہوں کہ تم اہل جنت کا تیسرا حصہ ہو گے۔'' پھر ہم نے اللہ اکبر کہا تو آپ نے فرمایا: ''میں امید کرتا ہوں کہ تم اہل جنت کا نصف ہو گے۔'' یہ سن کر ہم نے پھر اللہ اکبر کہا تو آپ نے فرمایا: ''لوگوں میں تم ایسے ہو جیسے ایک سیاہ بال، سفید بیل کی کھال پر، یا ایک سفید بال، سیاہ بیل کی کھال پر۔''

فوائد و مسائل: ① معلوم ہوتا ہے کہ یاجوج و ماجوج اس کثرت سے ہوں گے کہ امت محمدیہ ان کے مقابلے میں ہزارواں حصہ ہو گی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ان کی کثرت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے: ﴿حَتَّىٰ إِذَا فُتِحَتْ يَأْجُوجُ وَمَأْجُوجُ وَهُم مِّن كُلِّ حَدَبٍ يَنسِلُونَ﴾ ''حتی کہ جب یاجوج و ماجوج کو کھول دیا جائے گا تو وہ ہر بلندی سے نیچے دوڑتے آئیں گے۔''[1] اس کا مطلب یہ ہے کہ جب سد ذوالقرنین ٹوٹے گا تو یاجوج ماجوج اس طرح حملہ آور ہوں گے جیسے کوئی شکاری جانور اپنے پنجرے سے آزاد ہو کر شکار پر جھپٹتا ہے۔ یہ لوگ اپنی کثرت کی وجہ سے ہر بلندی و پستی پر چھا جائیں گے۔ جدھر دیکھو انھی کا ہجوم نظر آئے گا۔ ان کا بے پناہ سیلاب ایسی شدت اور تیز رفتاری سے آئے گا کہ کوئی انسانی طاقت اسے روک نہ سکے گی۔ یوں معلوم ہو گا کہ ان کی فوجیں پہاڑوں اور ٹیلوں سے پھیلتی لڑھکتی چلی آ رہی ہیں۔ ممکن ہے کہ یہ دونوں قومیں آپس ہی میں بھڑ جائیں، پھر ان کی لڑائی ایک عالمگیر فساد کا موجب بن جائے۔ یاجوج و ماجوج کے حملے کے بعد جلدی قیامت آ جائے گی اور قیامت سے پہلے نیک لوگوں کو اٹھا لیا جائے گا جیسا کہ احادیث میں ہے کہ قیامت گندے اور بدترین لوگوں پر قائم ہو گی۔[2] بہر حال یاجوج و ماجوج کی اقوام تعداد کے لحاظ سے بہت زیادہ افراد پر مشتمل ہوں گی، البتہ ان کے متعلق جو بے سروپا حکایات مشہور ہیں واعظین کو انھیں بیان کرنے سے گریز کرنا چاہیے۔ ② ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت آدم علیہ السلام سے فرمائے گا: اے آدم! اپنی اولاد میں سے جہنم کا لشکر الگ کر دو۔[3] اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یاجوج و ماجوج حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد سے ہوں گے۔ واللہ أعلم.

(٨) بَابُ قَوْلِ اللهِ تَعَالَى: ﴿وَاتَّخَذَ اللَّهُ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلًا﴾ [النساء: ١٢٥] وَقَوْلِهِ: ﴿إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا لِّلَّهِ﴾ [النحل: ١٢٠] وَقَوْلِهِ: ﴿إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَأَوَّاهٌ حَلِيمٌ﴾ [التوبة: ١١٤]

باب: 8- ارشاد باری تعالیٰ: ''اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو خلیل بنا لیا''۔ (نیز فرمایا:) ''بے شک ابراہیم ایک امت اور اللہ کے فرمانبردار بندے تھے۔'' نیز ارشاد الٰہی: ''بلاشبہ ابراہیم نہایت نرم مزاج اور بڑے ہی بردبار تھے'' کا بیان

1 الأنبياء 21: 96. 2 صحيح مسلم، الإمارة، حديث: 4957 (1924). 3 صحيح البخاري، التفسير، حديث: 4741.

وَقَالَ أَبُو مَيْسَرَةَ -: الرَّحِيمُ، بِلِسَانِ الْحَبَشَةِ.

ابو میسرہ نے کہا: (اَوَّاہٌ) حبشی زبان میں رحیم کے معنی میں ہے۔

وضاحت: اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بہت سے اوصاف ذکر کیے ہیں، مثلاً: اواہ، حلیم، منیب، حنیف، قانع اور شاکر وغیرہ۔ آپ نے اس دور کے مشرکین کو دعوتِ توحید دی اور انھیں چاند، ستاروں، سورج اور بتوں کی عبادت سے منع کیا تو آپ کو سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا حتی کہ آپ کو آتش نمرود میں کودنا پڑا۔ اللہ کی رضا کے لیے اپنا گھر بار چھوڑا اور اپنے بیٹے کی قربانی دینے کے لیے تیار ہو گئے۔ ایک دفعہ آپ نے اپنی بیوی اور شیر خوار لخت جگر کو بے آب و گیاہ وادی میں اللہ کے حوالے کر دیا۔ لوگوں کی مہمانی آپ کا شیوہ تھا۔ یہ وہ امور ہیں جو اللہ کو بہت پسند آئے، اس بنا پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنا خلیل بنایا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے ان آیات سے سیرت خلیل اللہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔ آئندہ احادیث بھی اسی موضوع سے متعلق ہیں۔

٣٣٤٩ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ: أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ: حَدَّثَنَا الْمُغِيرَةُ بْنُ النُّعْمَانِ قَالَ: حَدَّثَنِي سَعِيدُ بْنُ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «إِنَّكُمْ تُحْشَرُونَ حُفَاةً عُرَاةً غُرْلًا»، ثُمَّ قَرَأَ ﴿كَمَا بَدَأْنَآ أَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيدُهُۥ وَعْدًا عَلَيْنَآ إِنَّا كُنَّا فَٰعِلِينَ﴾ [الأنبياء:١٠٤] «وَأَوَّلُ مَنْ يُكْسٰى يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِبْرَاهِيمُ، وَإِنَّ أُنَاسًا مِنْ أَصْحَابِي يُؤْخَذُ بِهِمْ ذَاتَ الشِّمَالِ فَأَقُولُ: أَصْحَابِي أَصْحَابِي، فَيُقَالُ: إِنَّهُمْ لَنْ يَزَالُوا مُرْتَدِّينَ عَلٰى أَعْقَابِهِمْ مُنْذُ فَارَقْتَهُمْ، فَأَقُولُ كَمَا قَالَ الْعَبْدُ الصَّالِحُ: ﴿وَكُنتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ﴾ إِلٰى قَوْلِهِ: ﴿ٱلْحَكِيمُ﴾ [المائدة: ١١٧، ١١٨]». [انظر: ٣٤٤٧، ٤٦٢٥، ٤٦٢٦، ٤٧٤٠، ٦٥٢٤، ٦٥٢٥، ٦٥٢٦]

[3349] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''قیامت کے دن تم لوگ ننگے پاؤں، برہنہ بدن اور بغیر ختنہ جمع کیے جاؤ گے۔'' پھر آپ نے یہ آیت پڑھی: ''جیسے ہم نے پہلی بار پیدا کیا، اسی طرح ہم دوبارہ لوٹائیں گے۔ یہ وعدہ ہمارے ذمے ہے۔ یقیناً (اسے) ہم پورا کریں گے۔'' (پھر فرمایا:) ''قیامت کے دن سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنایا جائے گا۔ پھر ایسا ہو گا کہ میرے چند اصحاب بائیں طرف کھینچ لیے جائیں گے۔ میں کہوں گا: یہ تو میرے اصحاب ہیں۔ جواب دیا جائے گا کہ جب تمھاری وفات ہوئی تو یہ لوگ اسلام سے برگشتہ ہو گئے تھے۔ پھر میں وہی کہوں گا جیسا کہ ایک نیک بندے نے کہا تھا: ''میں جب تک ان لوگوں میں رہا ان کا حال دیکھتا رہا'' آخر آیت تک۔

فوائد و مسائل: ① حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خصوصیت یہ تھی کہ انھیں ننگا کر کے آتش نمرود میں ڈالا گیا تھا۔ چونکہ یہ اللہ کے لیے تھا، اس لیے قیامت کے دن تمام لوگوں سے پہلے انھیں لباس پہنایا جائے گا۔ اگرچہ رسول اللہ ﷺ تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل ہیں، تاہم یہ جزوی فضیلت کلی فضیلت کے منافی نہیں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے دن جب میں ہوش

میں آؤں گا تو حضرت موسیٰ ﷤ کو عرش الٰہی کا کنارا پکڑے ہوئے پاؤں گا۔"[1] یہ بھی ایک اصول ہے کہ متکلم اپنے عمومی خطاب میں داخل نہیں ہوتا۔ چونکہ رسول اللہ ﷺ متکلم ہیں، اس لیے مذکورہ حکم سے خارج ہیں۔ ② حدیث کے آخر میں جن لوگوں کا حال بیان کیا گیا ہے ان سے غالباً وہ لوگ مراد ہیں جو رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد خلافت صدیقی میں مرتد ہو گئے اور حضرت ابوبکر ؓ نے ان کے خلاف جہاد کیا تھا۔ ③ رسول اللہ ﷺ حضرت عیسیٰ ﷤ کی بات دہرائیں گے جسے قرآن نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے: "جب تک میں ان کے اندر رہا ان کا حال دیکھتا رہا، پھر جب تو نے مجھے واپس بلا لیا تو پھر تو ہی ان پر نگران تھا اور تو تو ساری چیزوں پر شاہد ہے۔ اگر تو انھیں سزا دے تو وہ تیرے ہی بندے ہیں اور اگر تو انھیں معاف کر دے تو بلاشبہ تو ہی غالب اور دانا ہے۔"[2] ④ بہرحال اس حدیث سے امام بخاری ؒ نے حضرت ابراہیم ﷤ کی ایک جزوی فضیلت کو ثابت کیا ہے۔

٣٣٥٠ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ: أَخْبَرَنِي أَخِي عَبْدُ الْحَمِيدِ عَنِ ابْنِ أَبِي ذِئْبٍ، عَنْ سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «يَلْقَى إِبْرَاهِيمُ أَبَاهُ آزَرَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَعَلَى وَجْهِ آزَرَ قَتَرَةٌ وَّغَبَرَةٌ فَيَقُولُ لَهُ إِبْرَاهِيمُ: أَلَمْ أَقُلْ لَّكَ: لَا تَعْصِنِي؟ فَيَقُولُ أَبُوهُ: فَالْيَوْمَ لَا أَعْصِيكَ، فَيَقُولُ إِبْرَاهِيمُ: يَا رَبِّ! إِنَّكَ وَعَدْتَنِي أَنْ لَّا تُخْزِيَنِي يَوْمَ يُبْعَثُونَ، فَأَيُّ خِزْيٍ أَخْزَى مِنْ أَبِي الْأَبْعَدِ؟ فَيَقُولُ اللهُ تَعَالَى: إِنِّي حَرَّمْتُ الْجَنَّةَ عَلَى الْكَافِرِينَ، ثُمَّ يُقَالُ: يَا إِبْرَاهِيمُ! مَا تَحْتَ رِجْلَيْكَ؟ فَيَنْظُرُ فَإِذَا هُوَ بِذِيخٍ مُّلْتَطِخٍ فَيُؤْخَذُ بِقَوَائِمِهِ فَيُلْقَى فِي النَّارِ». [انظر: ٤٧٦٨، ٤٧٦٩]

[3350] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: "قیامت کے دن جب حضرت ابراہیم ﷤ اپنے باپ آزر سے ملیں گے تو آزر کے چہرے پر سیاہی اور گرد و غبار پڑی ہو گی۔ حضرت ابراہیم ﷤ اس سے کہیں گے: میں نے تم سے یہ نہ کہا تھا کہ میری نافرمانی نہ کرو۔ ان کا باپ جواب دے گا: اب میں تمھاری نافرمانی نہیں کروں گا۔ پھر حضرت ابراہیم ﷤ عرض کریں گے: اے میرے رب! تو نے مجھ سے وعدہ فرمایا تھا کہ قیامت کے دن تجھے ذلیل نہیں کروں گا اور اب رحمت سے انتہائی دور میرے باپ کی ذلت سے زیادہ اور کون سی رسوائی ہو گی؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں نے کافروں پر جنت حرام کر دی ہے۔ پھر انھیں کہا جائے گا: اے ابراہیم! تمھارے پاؤں کے نیچے کیا چیز ہے؟ وہ دیکھیں گے تو ایک بجو نجاست میں لتھڑا ہوا پائیں گے۔ پھر اس کی ٹانگوں سے گھسیٹ کر اسے دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔"

فوائد و مسائل: ① حضرت ابراہیم ﷤ کے باپ آزر کو بجو کی شکل میں مسخ کر دیا جائے گا کیونکہ یہ تمام جانوروں میں سے

[1] صحيح البخاري، الخصومات، حديث: 2411. [2] المآئدة 5:117، 118.

زیادہ بے وقوف ہے۔ وہ ضروری چیزوں سے بھی غافل ہو جاتا ہے جن سے غفلت نہیں برتی جاتی۔ جب آپ کے باپ نے آپ کی نصیحت کو قبول نہ کیا اور شیطان کے فریب میں پھنسا رہا، نیز وہ ضروری امر سے غافل رہا تو قیامت کے دن اسے بجو بنا دیا جائے گا۔ ② اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انسان اگر کفر پر مرا ہو تو اس کے بیٹے کا بلند مرتبہ ہونا اسے کوئی فائدہ نہیں دے گا اور نہ بیٹے کو باپ کا بلند مرتبہ ہونا ہی فائدہ دے سکتا ہے جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے بیٹے کا واقعہ ہے۔ ③ اس حدیث سے ان نام نہاد مسلمانوں کو عبرت پکڑنی چاہیے جو اولیائے کرام کے بارے میں جھوٹی کرامات بیان کر کے ان کی بدنامی کا باعث بنتے ہیں۔ ④ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام قیامت کے دن اپنے باپ کے کام نہیں آسکیں گے تو کسی کی کیا مجال ہے کہ وہ اپنے کسی عقیدت مند یا تعلق دار کو اللہ کے ہاں پروانہ نجات دے سکے۔ واللہ المستعان.

٣٣٥١ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمَانَ قَالَ: حَدَّثَنِي ابْنُ وَهْبٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي عَمْرٌو أَنَّ بُكَيْرًا حَدَّثَهُ عَنْ كُرَيْبٍ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: دَخَلَ النَّبِيُّ ﷺ الْبَيْتَ وَجَدَ فِيهِ صُورَةَ إِبْرَاهِيمَ وَصُورَةَ مَرْيَمَ فَقَالَ ﷺ: «أَمَا لَهُمْ: فَقَدْ سَمِعُوا أَنَّ الْمَلَائِكَةَ لَا تَدْخُلُ بَيْتًا فِيهِ صُورَةٌ، هٰذَا إِبْرَاهِيمُ مُصَوَّرٌ فَمَا لَهُ يَسْتَقْسِمُ؟». [راجع: ٣٩٨]

[3351] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ بیت اللہ میں داخل ہوئے تو اس میں حضرت ابراہیم اور حضرت مریم علیہما السلام کی تصویریں دیکھیں۔ آپ نے فرمایا: ''کیا انھوں نے نہیں سنا کہ فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں تصویریں رکھی ہوں۔ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تصویر، انھیں تیروں کے ذریعے سے قرعہ اندازی کرنے کی کیا ضرورت تھی؟''

٣٣٥٢ - حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى: أَخْبَرَنَا هِشَامٌ عَنْ مَعْمَرٍ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَمَّا رَأَى الصُّوَرَ فِي الْبَيْتِ لَمْ يَدْخُلْ حَتّٰى أَمَرَ بِهَا فَمُحِيَتْ، وَرَأَى إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ بِأَيْدِيهِمَا الْأَزْلَامُ فَقَالَ: «قَاتَلَهُمُ اللهُ، وَاللهِ إِنِ اسْتَقْسَمَا بِالْأَزْلَامِ قَطُّ». [راجع: ٣٩٨]

[3352] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے جب بیت اللہ میں تصویریں دیکھیں تو اندر داخل نہ ہوئے حتی کہ آپ کے حکم سے وہ مٹا دی گئیں۔ پھر آپ اندر گئے تو حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کے ہاتھوں میں تیر دیکھے تو فرمایا: ''اللہ تعالیٰ قریش کو برباد کرے، اللہ کی قسم! ان حضرات نے کبھی قسمت آزمائی کے لیے تیر نہیں پھینکے۔''

فوائد و مسائل: ① دور جاہلیت میں لوگ تیروں کے ذریعے سے جوا کھیلتے اور فال نکالتے تھے، اسے قرآنی اصطلاح میں اَلْاِسْتِقْسَام بِالْاَزْلَام کہا گیا ہے۔ مشرکین عرب نے حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی تصویریں بنا کر ان کے ہاتھوں میں

قسمت آزمائی کا تیر دے دیا تھا تاکہ لوگوں کو یہ تأثر دیا جائے کہ ہمارے بزرگ بھی فال نکالنے کے لیے تیر استعمال کرتے تھے۔ یہ حرکت دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: پانسہ بنانا، اس سے جوا کھیلنا یا فال نکالنا کسی بھی پیغمبر کے شایانِ شان نہیں ہے۔ وہ ایسی بے ہودہ حرکات سے خود ہی بے زار تھے، ایسے ہی وہ بزرگ جن کی قبروں پر آج ڈھول تاشے بجائے جاتے ہیں۔ ② اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بطور معبود کسی بت کو پوجا جائے یا کسی نبی، ولی کی قبر یا تصویر یا مجسمے کو، شرک میں دونوں ایک جیسے ہیں۔ اب جو لوگ کہتے ہیں کہ قرآن کریم میں جس شرک کی مذمت بیان کی گئی ہے اس سے مراد بت پرستی ہے، اس کہانی کی کیا حیثیت باقی رہ جاتی ہے۔ ③ امام بخاری ﷫ نے ان احادیث سے سیدنا ابراہیم ﷤ کی سیرت بیان کی ہے کہ ان کا تیروں کے ذریعے سے قسمت آزمائی کرنا کفار مکہ کی طرف سے ان پر بے بنیاد افترا ہے۔ آپ اس قسم کی آلائش سے پاک تھے۔

٣٣٥٣ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا يَحْيَى ابْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنِي سَعِيدُ ابْنُ أَبِي سَعِيدٍ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قِيلَ: يَا رَسُولَ اللهِ! مَنْ أَكْرَمُ النَّاسِ؟ قَالَ: «أَتْقَاهُمْ». فَقَالُوا: لَيْسَ عَنْ هٰذَا نَسْأَلُكَ. قَالَ: «فَيُوسُفُ نَبِيُّ اللهِ ابْنُ نَبِيِّ اللهِ ابْنِ نَبِيِّ اللهِ ابْنِ خَلِيلِ اللهِ» قَالُوا: لَيْسَ عَنْ هٰذَا نَسْأَلُكَ، قَالَ: «فَعَنْ مَعَادِنِ الْعَرَبِ تَسْأَلُونَ؟ خِيَارُهُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ خِيَارُهُمْ فِي الْإِسْلَامِ إِذَا فَقُهُوا».

[3353] حضرت ابوہریرہ ﷜ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا گیا: اللہ کے رسول! لوگوں میں سب سے زیادہ مکرم کون ہے؟ آپ نے فرمایا: ''جو ان میں اللہ تعالیٰ سے زیادہ ڈرنے والا ہو۔'' لوگوں نے عرض کیا: ہم نے یہ سوال نہیں کیا۔ تو آپ نے فرمایا: ''سب سے زیادہ بزرگ اللہ کے نبی حضرت یوسف ﷤ ہیں جو خود نبی تھے، باپ نبی، دادا نبی اور پردادا بھی نبی جو اللہ کے خلیل ہیں۔'' لوگوں نے عرض کیا: ہم نے آپ سے یہ نہیں پوچھا۔ آپ نے فرمایا: ''تم خاندان عرب کے متعلق پوچھتے ہو؟ ان سب سے جو زمانۂ جاہلیت میں بہتر تھے وہی اسلام میں بھی بہتر ہیں بشرطیکہ وہ دین میں فقاہت حاصل کرلیں۔''

قَالَ أَبُو أُسَامَةَ وَمُعْتَمِرٌ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ، عَنْ سَعِيدٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ. [انظر: ٣٣٧٤، ٣٣٨٣، ٣٤٩٠، ٤٦٨٩]

ابواسامہ اور معتمر نے عبیداللہ، سعید اور ابوہریرہ ﷜ کے واسطے سے اسے نبی ﷺ سے روایت کیا ہے۔

فوائد و مسائل: ① حافظ ابن حجر ﷫ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کے پہلے جواب میں اعمال صالحہ کے شرف کی طرف اشارہ تھا۔ جب لوگوں نے اس سے انکار کیا تو آپ نے نسب صالح کے اعتبار سے جو شرف حاصل ہوتا ہے اسے بیان فرمایا۔ جب لوگوں نے اسے بھی تسلیم نہ کیا تو آپ نے وہ صفات بیان فرمائیں جو انسان میں جبلی اور فطری طور پر موجود ہوتی ہیں۔ کسب کا ان میں دخل نہیں ہوتا اور لوگ ان پر فخر بھی کرتے ہیں۔ پھر آپ نے دین کی فقاہت بیان کرکے حسب و نسب دونوں کو جمع کر

دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہر حالت میں عالم دین کو شریف جاہل پر فوقیت حاصل ہے۔ ② بہر حال شرافت کی درجہ بندی یوں ہے کہ جو دور جاہلیت میں شریف النفس تھا اور اسلام لانے کے بعد بھی اس نے اپنی پیدائشی شرافت کو داغدار نہیں کیا وہ اللہ کے ہاں بلند مرتبہ ہے۔ اگر اس کے ساتھ دینی فقاہت و بصیرت بھی شامل ہو جائے تو اس کا مقام تو بہت ہی اونچا ہے، گویا سونے پر سہاگا ہے، البتہ بے دینی کی صورت میں شرافت نسبی کا کوئی مقام نہیں۔ لیکن افسوس کہ ہمارے ہاں صرف حسب و نسب ہی شرافت کا معیار بنا ہوا ہے، خواہ وہ معاشرے میں رسہ گیر ہی کیوں نہ ہو۔ واللہ المستعان.

٣٣٥٤ - حَدَّثَنَا مُؤَمَّلٌ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ: حَدَّثَنَا عَوْفٌ: حَدَّثَنَا أَبُو رَجَاءٍ: حَدَّثَنَا سَمُرَةُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أَتَانِي اللَّيْلَةَ آتِيَانِ، فَأَتَيْنَا عَلَى رَجُلٍ طَوِيلٍ لَّا أَكَادُ أَرَى رَأْسَهُ طُولًا وَّإِنَّهُ إِبْرَاهِيمُ ﷺ». [راجع: ٨٤٥]

[3354] حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''آج رات میرے پاس دو آدمی آئے (اور مجھے اپنے ساتھ لے گئے۔) پھر ہم ایک آدمی کے پاس آئے جس کا قد بہت لمبا تھا۔ میں اس کے دراز قد ہونے کی وجہ سے اس کا سر نہیں دیکھ سکتا تھا۔ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے۔''

فوائد و مسائل: ① مذکورہ حدیث ایک طویل حدیث کا حصہ ہے جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب التعبیر (حدیث: 7047) میں بیان کیا ہے۔ اس میں ہے کہ اس طویل القامت آدمی کے اردگرد بہت سے بچے تھے۔ ان کے متعلق بتایا گیا کہ یہ وہ بچے ہیں جو فطرت اسلام پر فوت ہوئے ہیں۔ اس حدیث میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طویل القامت ہونے سے مراد ان کا عالی مرتبہ ہونا ہے۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ نے ان کی فضیلت کے سلسلے میں یہ حدیث بیان کی ہے۔ ③ اگلی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ شکل و صورت اور اخلاق و سیرت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملتے جلتے تھے۔

٣٣٥٥ - حَدَّثَنِي بَيَانُ بْنُ عَمْرٍو: حَدَّثَنَا النَّضْرُ: أَخْبَرَنَا ابْنُ عَوْنٍ عَنْ مُّجَاهِدٍ: أَنَّهُ سَمِعَ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا - وَذَكَرُوا لَهُ الدَّجَّالَ بَيْنَ عَيْنَيْهِ مَكْتُوبٌ كَافِرٌ أَوْ ك ف ر - قَالَ: لَمْ أَسْمَعْهُ وَلٰكِنَّهُ قَالَ: «أَمَّا إِبْرَاهِيمُ فَانْظُرُوا إِلٰى صَاحِبِكُمْ، وَأَمَّا مُوسٰى فَجَعْدٌ آدَمُ عَلٰى جَمَلٍ أَحْمَرَ مَخْطُومٍ بِخُلْبَةٍ كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَيْهِ انْحَدَرَ فِي الْوَادِي». [راجع: ١٥٥٥]

[3355] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، ان کے پاس لوگوں نے دجال کا ذکر کیا کہ اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان ''کافر، یا: ک، ف، ر'' لکھا ہوا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: میں نے یہ الفاظ تو نہیں سنے، البتہ آپ ﷺ نے فرمایا تھا: ''اگر تم حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھنا چاہتے ہو تو اپنے صاحب، یعنی میری طرف دیکھ لو۔ رہے حضرت موسیٰ علیہ السلام تو وہ گھنے ہوئے جسم والے گندمی رنگ کے آدمی تھے جو سرخ اونٹ پر سوار تھے جس کی نکیل کھجور کی چھال کی بنی ہوئی رسی کی تھی، گویا میں ان کی طرف دیکھ رہا ہوں، وہ اللہ کی بڑائی بیان کرتے ہوئے نشیبی علاقے میں

اتر رہے ہیں۔"

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں دجال کا ذکر جملہ معترضہ کے طور پر ہے۔ اہل سنت کا مسلک یہ ہے کہ دجال کی پیشانی پر حقیقی طور پر لفظ کافر لکھا ہوگا جو مومن کو نظر آئے گا اگرچہ وہ پڑھا لکھا نہ ہو جس سے وہ اس کی اصلیت سے واقف ہو جائے گا۔ ② عربی زبان میں لفظ جعد دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے: ایک مضبوط اور گٹھے ہوئے جسم والا، دوسرا گھنگر یالے بالوں والا۔ ہم نے ترجمے میں پہلے معنی کو ترجیح دی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام گٹھے ہوئے جسم والے ہیں کیونکہ بالوں کے متعلق دیگر احادیث میں آیا ہے کہ وہ سیدھے بالوں والے تھے۔[1] ③ اس حدیث کے مطابق رسول اللہ ﷺ اپنے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام سے سیرت و کردار اور شکل وصورت میں ملتے جلتے تھے۔ اسی مناسبت سے امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ حدیث یہاں بیان کی ہے۔

٣٣٥٦ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا مُغِيرَةُ ابْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْقُرَشِيُّ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «اِخْتَتَنَ إِبْرَاهِيمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَهُوَ ابْنُ ثَمَانِينَ سَنَةً بِالْقَدُّومِ». [انظر: ٦٢٩٨]

[3356] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنا ختنہ خود ایک بسولے سے کیا تھا جبکہ آپ اسی برس کے تھے۔"

حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ: حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ وَقَالَ: «بِالْقَدُومِ» مُخَفَّفَةً، تَابَعَهُ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ إِسْحَاقَ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ. وَتَابَعَهُ عَجْلَانُ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، وَرَوَاهُ مُحَمَّدُ ابْنُ عَمْرٍو عَنْ أَبِي سَلَمَةَ.

ایک روایت میں قَدُوم کا لفظ دال کی تخفیف کے ساتھ آیا ہے۔ عبدالرحمٰن بن اسحاق نے ابوزناد سے روایت کرنے میں شعیب کی متابعت کی ہے۔ اسی طرح عجلان نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور محمد بن عمرو نے ابوسلمہ سے، انھوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس روایت کو بیان کیا ہے۔

فوائد و مسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ نے خود وضاحت کی ہے کہ قدوم دال کی تشدید کے ساتھ ایک جگہ کا نام ہے۔[2] البتہ صحیح مسلم کی تمام روایات میں یہ لفظ تخفیف کے ساتھ مروی ہے[3] جس کے معنی ہیں: بسولا۔ ان دونوں روایات میں کوئی تضاد نہیں کیونکہ ممکن ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام اس حکم کے وقت مقام قدوم میں ہوں اور وہیں آپ نے بسولے کے ساتھ تعمیل حکم کی ہو۔ ② مقام غور ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اسی برس کے ہیں، اور اپنے گھر میں نہیں بلکہ کسی دوسرے مقام پر اپنا ختنہ کرنے کا انھیں حکم ملتا ہے، پھر ختنہ کرنے کے لیے وہاں کوئی استرا وغیرہ موجود نہیں، تعمیل حکم کے لیے بسولے کے ساتھ خود ہی نازک عضو کے کچھ

① صحيح البخاري، الأنبياء، حديث: 3394. ② صحيح البخاري، الاستئذان، حديث: 6298. ③ صحيح مسلم، الفضائل، حديث: 8141 (2370).

حصے کو کاٹ دیتے ہیں جس کی ٹیس دیر تک محسوس ہوتی رہتی ہے۔ لیکن منکرین حدیث اس کا مذاق اڑاتے ہیں کہ اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟ جب انسان خودکشی کر سکتا ہے، خود اپنے ہاتھ سے اپنی گردن کاٹ سکتا ہے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اگر اس عمر میں ختنہ کر لیا تو کون سی عزیمت ہے؟ بہرحال حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس عمل کو خودکشی سے تشبیہ دینا حماقت سے کم نہیں۔ ایک روایت میں ہے: ختنہ کرنے سے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تکلیف ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ آپ نے جلدی کی ہے۔ عرض کی: الٰہی! تیرے حکم میں تاخیر کرنا مجھے گوارا نہ تھا، اس لیے تعمیل حکم میں جلدی کی ہے۔[1]

٣٣٥٧ - حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ تَلِيدٍ الرُّعَيْنِيُّ: أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي جَرِيرُ بْنُ حَازِمٍ عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ مُحَمَّدٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَمْ يَكْذِبْ إِبْرَاهِيمُ إِلَّا ثَلَاثًا». [راجع: ٢٢١٧]

[3357] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”حضرت ابراہیم علیہ السلام نے زندگی میں صرف تین مرتبہ خلاف واقعہ بات کی ہے۔“

٣٣٥٨ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مَحْبُوبٍ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ مُحَمَّدٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: «لَمْ يَكْذِبْ إِبْرَاهِيمُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ إِلَّا ثَلَاثَ كَذَبَاتٍ: ثِنْتَيْنِ مِنْهُنَّ فِي ذَاتِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ، قَوْلُهُ: ﴿إِنِّي سَقِيمٌ﴾ [الصافات:٨٩] وَقَوْلُهُ: ﴿بَلْ فَعَلَهُۥ كَبِيرُهُمْ هَٰذَا﴾ [الأنبياء:٦٣] وَقَالَ: بَيْنَا هُوَ ذَاتَ يَوْمٍ وَسَارَةُ إِذْ أَتَى عَلَى جَبَّارٍ مِنَ الْجَبَابِرَةِ، فَقِيلَ لَهُ: إِنَّ هٰذَا رَجُلٌ مَعَهُ امْرَأَةٌ مِنْ أَحْسَنِ النَّاسِ فَأَرْسَلَ إِلَيْهِ فَسَأَلَهُ عَنْهَا فَقَالَ: مَنْ هٰذِهِ؟ قَالَ: أُخْتِي، فَأَتَى سَارَةَ فَقَالَ: يَا سَارَةُ! لَيْسَ عَلَى وَجْهِ الْأَرْضِ مُؤْمِنٌ غَيْرِي وَغَيْرُكِ، وَإِنَّ هٰذَا سَأَلَنِي عَنْكِ فَأَخْبَرْتُهُ أَنَّكِ أُخْتِي فَلَا تُكَذِّبِينِي، فَأَرْسَلَ إِلَيْهَا، فَلَمَّا

[3358] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے، انھوں نے کہا: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے صرف تین مرتبہ خلاف واقعہ بات کی ہے۔ ان میں سے دو تو اللہ کی ذات ستودہ صفات کے متعلق تھیں: پہلی آپ کا یہ کہنا: ”میں بیمار ہوں۔“ دوسری بات ان کا کہنا: ”بلکہ یہ ان کے بڑے بت نے کیا ہے۔“ اور آپ نے فرمایا: (تیسری بات یہ ہے کہ) ایک دن وہ اور (ان کی بیوی) سارہ (سفر کرتے کرتے) ایک ظالم بادشاہ کے پاس سے گزرے تو اس (بادشاہ) سے کہا گیا: یہاں ایک مرد آیا ہے، اس کے ساتھ بہت خوبصورت عورت ہے، چنانچہ اس بادشاہ نے ان کے پاس ایک آدمی بھیجا اور سارہ کے متعلق پوچھا کہ وہ کون ہے؟ انھوں نے (حضرت ابراہیم علیہ السلام نے) جواب دیا: یہ میری بہن ہے۔ اس کے بعد آپ سارہ کے پاس تشریف لے گئے اور ان سے فرمایا: اے سارہ! میرے اور تیرے سوا اس

[1] السنن الكبرىٰ للبيهقي : 326/8.

دَخَلَتْ عَلَيْهِ ذَهَبَ يَتَنَاوَلُهَا بِيَدِهِ فَأُخِذَ، فَقَالَ: أُدْعِي اللهَ لِي وَلَا أَضُرُّكِ، فَدَعَتِ اللهَ فَأُطْلِقَ ثُمَّ تَنَاوَلَهَا الثَّانِيَةَ فَأُخِذَ مِثْلَهَا أَوْ أَشَدَّ، فَقَالَ: أُدْعِي اللهَ لِي وَلَا أَضُرُّكِ، فَدَعَتِ اللهَ فَأُطْلِقَ، فَدَعَا بَعْضَ حَجَبَتِهِ فَقَالَ: إِنَّكَ لَمْ تَأْتِنِي بِإِنْسَانٍ، إِنَّمَا أَتَيْتَنِي بِشَيْطَانٍ، فَأَخْدَمَهَا هَاجَرَ، فَأَتَتْهُ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي فَأَوْمَأَ بِيَدِهِ: مَهْيَمْ؟ قَالَتْ: رَدَّ اللهُ كَيْدَ الْكَافِرِ - أَوِ الْفَاجِرِ - فِي نَحْرِهِ وَأَخْدَمَ هَاجَرَ».

سرزمین میں کوئی مومن نہیں ہے۔ اس ظالم بادشاہ نے مجھ سے پوچھا تھا تو میں نے اسے بتایا کہ تو میری بہن ہے، لہٰذا تو نے مجھے جھٹلانا نہیں۔ اس دوران میں اس ظالم نے سارہ کی طرف آدمی بھیجا۔ جب آپ اس کے پاس گئیں تو اس نے اپنے ہاتھ سے سارہ کو پکڑنا چاہا تو وہ زمین میں دھنس گیا۔ اس نے سارہ سے کہا: میرے لیے اللہ سے دعا کرو، میں تجھے کوئی تکلیف نہیں پہنچاؤں گا۔ سارہ نے اللہ سے دعا کی تو اسے نجات مل گئی۔ اس نے دوبارہ حضرت سارہ کو پکڑنا چاہا تو پہلے سے زیادہ گرفت میں آ گیا۔ اس نے سارہ سے کہا: میرے لیے اللہ سے دعا کرو، میں تمھیں کوئی بھی نقصان نہیں پہنچاؤں گا، چنانچہ انھوں نے دعا کی تو اس کی خلاصی ہو گئی۔ پھر اس نے اپنے خادم کو بلایا اور کہا: تم میرے پاس انسان نہیں بلکہ کوئی شیطان لائے ہو اور سارہ کو بطور خدمت ہاجرہ دے کر واپس بھیج دیا۔ وہ (حضرت سارہ ان) حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس واپس آئیں تو آپ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔ انھوں نے ہاتھ سے اشارہ کر کے پوچھا: تمھارا حال کیسے رہا؟ سارہ نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے کافر یا فاجر کی تدبیر کو الٹا اس کے خلاف کر دیا اور اس نے خدمت کے لیے ہاجرہ بھی دی ہے۔''

قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: تِلْكَ أُمُّكُمْ يَا بَنِي مَاءِ السَّمَاءِ. [راجع: ٢٢١٧]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے آسمانی پانی کی اولاد! تمھاری والدہ یہی ہاجرہ ہیں۔

فوائد ومسائل: ① حضرت ہاجرہ علیہا السلام اس بادشاہ کی بیٹی تھیں جسے اس نے حصول برکت کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حرم میں دے دیا تھا۔ یہی عرب کی والدہ ہیں اور انھیں آسمان کا پانی پینے والے کہا گیا ہے کیونکہ اہل عرب کا زیادہ تر گزارا بارش کے پانی پر ہی تھا۔ اگرچہ آج کل وہاں کنویں اور نہریں بنا دی گئیں ہیں اور یہ سب سعودی حکومت کے کارنامے ہیں۔ أیدها الله بنصره العزیز۔ ② حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''وہ انتہائی سچے انسان اور ایک نبی تھے۔''[1] بعض لوگوں

1 مریم 19:41.

نے اس آیت کریمہ کے پیش نظر صحیح بخاری کی مذکورہ حدیث پر اعتراض کرتے اور اس کی صحت کے متعلق زبان درازی کرتے ہوئے لکھا ہے: ایک گروہ روایت پرستی میں غلو کر کے اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ اسے بخاری و مسلم کے چند راویوں کی صداقت زیادہ عزیز ہے اور اسے اس بات کی پروا نہیں کہ اس سے ایک نبی پر جھوٹ بولنے کا الزام عائد ہوتا ہے، حالانکہ ان تین میں سے دو کا ذکر تو قرآن کریم میں ہے۔ بتوں کو آپ نے توڑا لیکن پوچھنے پر آپ نے کہہ دیا: ''اس بڑے بت نے انھیں توڑا ہے۔''[1] اسی طرح جب ان کی قوم جشن منانے کے لیے باہر گئی تو آپ کو ساتھ لے جانے کو کہا، آپ نے کہہ دیا: ''میں بیمار ہوں۔''[2] پھر اسی وقت جا کر ان کے بت بھی توڑ ڈالے تو پھر بیمار کیسے تھے؟ کیا یہ باتیں خلاف واقعہ نہیں تھیں؟ دراصل معترضین کا اصل رخ قرآن کریم کی طرف ہونا چاہیے نہ کہ تکذیب حدیث کی طرف، پھر رسول اللہ ﷺ نے آغاز حدیث میں یہ الفاظ فرمائے ہیں کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے کبھی جھوٹ نہیں بولا، یہ ان کے فی الواقع صدیق ہونے کی بہت بڑی شہادت ہے کہ ان سے 175 سالہ زندگی میں تین سے زیادہ مرتبہ خلاف واقعہ بات سرزد نہیں ہوئی جبکہ ہم لوگ ساری زندگی میں نہیں بلکہ ایک دن رات میں کئی مرتبہ جھوٹ بولتے ہیں۔ اعتراض کرنے والے خود ہی فیصلہ کریں کہ ایک شخص اپنی طویل تر زندگی میں تین سے زیادہ مرتبہ خلاف واقعہ نہ بولے تو اسے صدیق کہا جا سکتا یا نہیں؟ پھر ان تینوں واقعات کے لیے ٹھوس بنیادیں بھی موجود ہیں، ان میں سے دو باتیں تو آپ نے مشرکین پر حجت قائم کرنے اور کلمۂ حق سربلند کرنے کے لیے کیں جیسا کہ حدیث بالا سے ثابت ہے۔ سارہ کا واقعہ اگرچہ یہ بھی اللہ کے لیے تھا لیکن اس میں کچھ حظ انسان بھی پایا جاتا ہے۔ یہ بات بھی انھوں نے اپنی جان بچانے کے لیے کہی تھی۔ اس بادشاہ کا دستور تھا کہ وہ حسین عورت کو زبردستی چھین لیتا۔ اگر اس کے ساتھ اس کا خاوند ہوتا تو اسے مروا ڈالتا اور اگر اس کے ساتھ اس کا بھائی یا کوئی دوسرا رشتے دار ہوتا تو اس سے صرف عورت چھینتا مگر اس کی جان لینے سے درگزر کرتا تھا۔ اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی جان بچانے کے لیے خلاف واقعہ بات کی تو اس میں کون سی قیامت آ گئی، حالانکہ وہ بھی ایک طرح سے جھوٹ نہیں بنتا جیسا کہ حدیث کے الفاظ بتا رہے ہے کہ وہ آپ کی دینی بہن تھی۔ اگر جان بچانے کی خاطر مردار کھانا جائز ہے تو خلاف واقعہ بولنے کی اجازت کیوں نہیں۔ جان بچانے کے لیے تو اللہ تعالیٰ نے کلمۂ کفر تک کہنے کی بھی اجازت دی ہے بشرطیکہ دل میں کوئی ایسی بات نہ ہو۔[3] ہمیشہ سچ بولنا، جھوٹ اور خلاف واقعہ بات سے پرہیز کرنا ایک شرعی حکم ہے، تاہم بعض اوقات شریعت میں خلاف واقعہ بات کی اجازت دی گئی ہے، مثلاً: میاں بیوی کے درمیان صلح کرانے کے لیے باتیں بنانے اور خلاف واقعہ باتیں کرنے کی اجازت ہے کیونکہ اس میں خیر اور اصلاح کا پہلو نمایاں ہوتا ہے، اسی طرح جہاد میں دشمن کو ہراساں کرنے کے لیے بھی ایسی باتوں کی اجازت ہے جو خلاف واقعہ ہوں، حالانکہ لغوی اعتبار سے ان باتوں پر بھی کذب کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ بہر حال کسی دینی مقصد کے لیے بطور تعریض والزام ایسی گفتگو کرنا جو بظاہر خلاف واقعہ ہو ایسا جھوٹ نہیں جس پر وعید آئی ہو۔ ایسا کرنا نہ صرف جائز بلکہ بعض اوقات ضروری ہوتا ہے۔ ایسی گفتگو کو ظاہر اعتبار سے تو جھوٹ کہا جا سکتا ہے لیکن حقیقت میں یہ جھوٹ نہیں بلکہ اسے توریہ کہا جاتا ہے۔ بہر حال یہ حدیث حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عظمت کی دلیل ہے، اسی لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے بیان فرمایا ہے۔ اس پر طعن یا اس کی صحت سے انکار کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں بلکہ سب بے بنیاد باتیں ہیں جو

---

[1] الأنبياء 21:63. [2] الصّٰفّٰت 37:89. [3] النحل 16:106.

منکرین حدیث نے حدیث سے نفرت پیدا کرنے کے لیے مشہور کر رکھی ہیں۔

٣٣٥٩ - حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُوسَى - أَوِ ابْنُ سَلَامٍ عَنْهُ - أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ عَنْ عَبْدِ الْحَمِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أُمِّ شَرِيكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ أَمَرَ بِقَتْلِ الْوَزَغِ وَقَالَ: «كَانَ يَنْفُخُ عَلَى إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ». [٣٣٠٧]

[3359] حضرت ام شریک ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے چھپکلی کو مار ڈالنے کا حکم دیا تھا کیونکہ وہ حضرت ابراہیم ؑ پر پھونکیں مار مار کر آگ تیز کرتی تھی۔

فائدہ: رسول اللہ ﷺ نے اسے مارنے کا حکم دیا ہے بلکہ اسے پہلی ضرب سے مارنے میں سو نیکیاں ملتی ہیں، دوسری ضرب سے مارنے میں اس سے کم، پھر تیسری ضرب سے اسے ختم کرنے سے اس سے بھی کم نیکیاں ملتی ہیں۔ بہرحال اسے مارنا کار ثواب ہے۔[1] حضرت ام شریک ؓ نے انھیں مارنے کے لیے باضابطہ رسول اللہ ﷺ سے اجازت لی تھی جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے۔[2]

٣٣٦٠ - حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصِ بْنِ غِيَاثٍ: حَدَّثَنَا أَبِي: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ قَالَ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ عَنْ عَلْقَمَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: لَمَّا نَزَلَتْ ﴿ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَلَمْ يَلْبِسُوٓا۟ إِيمَـٰنَهُم بِظُلْمٍ﴾ [الأنعام: ٨٢] قُلْنَا: يَا رَسُولَ اللهِ! أَيُّنَا لَا يَظْلِمُ نَفْسَهُ؟ قَالَ: «لَيْسَ كَمَا تَقُولُونَ، لَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ بِشِرْكٍ، أَوَ لَمْ تَسْمَعُوا إِلَى قَوْلِ لُقْمَانَ لِابْنِهِ: ﴿يَـٰبُنَىَّ لَا تُشْرِكْ بِٱللَّهِ إِنَّ ٱلشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ﴾ [لقمان: ١٣]». [راجع: ٣٢]

[3360] حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے روایت ہے کہ جب درج ذیل آیت کریمہ نازل ہوئی: ''جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کو ظلم سے آلودہ نہ کیا تو ان کے لیے امن و سلامتی ہے۔'' ہم نے عرض کیا: اللہ کے رسول! ہم میں سے کون سا شخص ہے جس نے اپنے آپ پر ظلم نہیں کیا؟ تو آپ نے فرمایا: ''ایسا نہیں جیسا تم نے سمجھ لیا ہے۔ اس آیت سے مراد یہ ہے کہ انھوں نے اپنے ایمان کو شرک سے آلودہ نہ کیا ہو۔ کیا تم نے نہیں سنا کہ حضرت لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا تھا: اے لخت جگر! اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ کیونکہ شرک بہت بڑا ظلم ہے۔''

فائدہ: اس آیت سے پہلے سورۂ انعام کی آیت: 74 سے حضرت ابراہیم ؑ کا ذکر شروع ہوتا ہے۔ جب آپ نے ستاروں، چاند اور سورج کی بے بسی بیان کر دی کہ یہ سب چیزیں غروب وطلوع ہوتی ہیں، لہٰذا عبادت کے لائق نہیں، پھر فرمایا: ''اور جنھیں تم اللہ کے شریک بناتے ہوئے اللہ سے نہیں ڈرتے، میں ان سے کیسے ڈروں جس کے لیے اللہ نے کوئی دلیل بھی نازل نہیں کی؟ پھر ہم دونوں فریقوں میں سے امن کا حق دار کون ہے۔ اگر تم جانتے ہو تو جواب دو؟''[3] اس کے بعد فرمایا: ''جو

[1] صحیح مسلم، السلام، حدیث: 5846 (2240). [2] صحیح مسلم، السلام، حدیث: 5843 (2237). [3] الأنعام 6:81.

لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کو ظلم سے آلودہ نہ کیا تو ان کے لیے امن و سلامتی ہے۔"[1] ان آیات کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "یہی وہ ہماری دلیل تھی جو ہم نے ابراہیم کو اس کی قوم کے خلاف دی تھی۔"[2] مستدرک حاکم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے حدیث میں ذکر کردہ آیت کو پڑھا اس کے بعد فرمایا: یہ آیت حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے صحابہ کے متعلق نازل ہوئی تھی۔[3] اس تفصیل سے پتہ چلا کہ مذکورہ حدیث عنوان سے غیر متعلق نہیں جیسا کہ بعض شارحین نے تاثر دیا ہے۔

(٩) [بَابٌ ﴿يَزِفُّونَ﴾ [الصافات : ٩٤]: اَلنَّسَلَانُ فِي الْمَشْيِ]

باب: 9- يَزِفُّونَ کے معنی ہیں: "رفتار میں تیزی کرنا"

وضاحت: ہمارے رجحان کے مطابق مذکورہ عنوان، پہلے عنوان کا تکملہ ہے۔ اس عنوان کے تحت سیرت ابراہیم سے متعلق احادیث ذکر ہوں گی، لیکن یہ ایسے واقعات پر مشتمل ہیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنی قوم سے نجات کے بعد پیش آئے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس لفظ سے اِس آیت کی طرف اشارہ کیا ہے: "بتوں کے پرستار حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف دوڑتے ہوئے آئے۔"[4] یہ اس وقت ہوا جب سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے ان کے بتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا۔

٣٣٦١ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ نَصْرٍ: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ أَبِي حَيَّانَ، عَنْ أَبِي زُرْعَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: أُتِيَ النَّبِيُّ ﷺ يَوْمًا بِلَحْمٍ فَقَالَ: «إِنَّ اللهَ يَجْمَعُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ فِي صَعِيدٍ وَّاحِدٍ فَيُسْمِعُهُمُ الدَّاعِي وَيُنْفِذُهُمُ الْبَصَرُ وَتَدْنُو الشَّمْسُ مِنْهُمْ - فَذَكَرَ حَدِيثَ الشَّفَاعَةِ - فَيَأْتُونَ إِبْرَاهِيمَ فَيَقُولُونَ: أَنْتَ نَبِيُّ اللهِ وَخَلِيلُهُ مِنَ الْأَرْضِ، اِشْفَعْ لَنَا إِلَى رَبِّكَ. وَيَقُولُ - فَذَكَرَ كَذَبَاتِهِ -: نَفْسِي نَفْسِي، اِذْهَبُوا إِلَى مُوسَى». تَابَعَهُ أَنَسٌ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ. [راجع: ٣٣٤٠]

[3361] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ کی خدمت میں ایک مرتبہ گوشت پیش کیا گیا تو آپ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ قیامت کے دن پہلے اور پچھلے لوگوں کو ایک ہموار اور وسیع میدان میں جمع کرے گا، اس طرح کہ پکارنے والا سب کو اپنی بات سنا سکے گا اور دیکھنے والا سب کو ایک ساتھ دیکھ سکے گا اور سورج لوگوں کے بالکل قریب ہو گا۔ پھر آپ نے پوری حدیث شفاعت کا ذکر کیا (اور فرمایا:) لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے کہ آپ روئے زمین پر اللہ کے نبی اور اس کے خلیل تھے، ہمارے لیے اپنے رب کے حضور سفارش کریں تو انھیں اپنی خلاف واقعہ باتیں یاد آ جائیں گی تو وہ فرمائیں گے: آج تو مجھے اپنی فکر ہے تم لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ۔" حضرت انس رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے یہ حدیث بیان کرنے میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی

---

[1] الأنعام 82:6. [2] الأنعام 83:6. [3] المستدرك للحاكم: 316/2. [4] الصّٰفّٰت 94:37.

متابعت کی ہے۔

فوائد و مسائل: ① عنوان سابق میں تھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم ؑ کو اپنا خلیل بنایا، اس حدیث میں اس کی وضاحت فرمائی کہ لوگ بھی قیامت کے دن اس بات کی گواہی دیں گے کہ واقعی آپ اللہ کے خلیل ہیں۔ ② حضرت انس ؓ کی متابعت کو امام بخاری ؒ نے خود ہی متصل سند سے بیان کیا ہے۔ اس کے الفاظ ہیں کہ حضرت نوح ؑ لوگوں سے کہیں گے: تم حضرت ابراہیم ؑ کے پاس جاؤ جو خلیل الرحمٰن ہیں۔[1] اس حدیث میں حضرت ابراہیم ؑ کے خلیل اللہ ہونے کا ذکر ہے، اور عنوان بھی اسی سے متعلق ہے۔ واللہ أعلم.

٣٣٦٢ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ سَعِيدٍ أَبُو عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ جَرِيرٍ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «يَرْحَمُ اللهُ أُمَّ إِسْمَاعِيلَ لَوْلَا أَنَّهَا عَجِلَتْ لَكَانَ زَمْزَمُ عَيْنًا مَعِينًا». [راجع: ٢٣٦٨]

[3362] حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ حضرت اسماعیل ؑ کی والدہ ماجدہ پر رحم کرے! اگر انھوں نے جلدی نہ کی ہوتی تو آج زم زم ایک بہتا ہوا چشمہ ہوتا۔''

٣٣٦٣ - وَقَالَ الْأَنْصَارِيُّ: حَدَّثَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ: أَمَّا كَثِيرُ بْنُ كَثِيرٍ فَحَدَّثَنِي قَالَ: إِنِّي وَعُثْمَانَ بْنَ أَبِي سُلَيْمَانَ جُلُوسٌ مَّعَ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ فَقَالَ: مَا هٰكَذَا حَدَّثَنِي ابْنُ عَبَّاسٍ وَّلٰكِنَّهُ قَالَ: أَقْبَلَ إِبْرَاهِيمُ بِإِسْمَاعِيلَ وَأُمِّهِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ وَهِيَ تُرْضِعُهُ مَعَهَا شَنَّةٌ - لَمْ يَرْفَعْهُ - ثُمَّ جَاءَ بِهَا إِبْرَاهِيمُ وَبِابْنِهَا إِسْمَاعِيلَ. [راجع: ٢٣٦٨]

[3363] حضرت کثیر بن کثیر سے روایت ہے، انھوں نے بیان کیا کہ میں اور عثمان بن ابو سلیمان دونوں حضرت سعید بن جبیر کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، انھوں نے کہا کہ حضرت ابن عباس ؓ نے مجھ سے اس طرح حدیث بیان نہیں کی تھی بلکہ انھوں نے فرمایا: حضرت ابراہیم ؑ اپنے بیٹے اسماعیل ؑ اور اس کی والدہ کو لے کر آئے، جبکہ وہ ان کو دودھ پلایا کرتی تھیں، ان کے پاس ایک چھوٹی سی پرانی مشک تھی۔ حضرت ابن عباس ؓ نے اس حدیث کو مرفوع بیان نہیں کیا۔ بہر حال اس حدیث میں ہے کہ حضرت ابراہیم ؑ اپنی بیوی ہاجرہ کو اس کے بیٹے اسماعیل سمیت یہاں لے آئے۔

فائدہ: اس حدیث سے متعلق تفصیل اگلی حدیث میں آ رہی ہے۔

1 صحيح البخاري، التوحيد، حديث: 7440.

٣٣٦٤ - وَحَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنْ أَيُّوبَ السَّخْتِيَانِيِّ وَكَثِيرِ بْنِ كَثِيرِ بْنِ الْمُطَّلِبِ بْنِ أَبِي وَدَاعَةَ، يَزِيدُ أَحَدُهُمَا عَلَى الْآخَرِ، عَنْ سَعِيدِ ابْنِ جُبَيْرٍ: قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: أَوَّلَ مَا اتَّخَذَ النِّسَاءُ الْمِنْطَقَ مِنْ قِبَلِ أُمِّ إِسْمَاعِيلَ، اتَّخَذَتْ مِنْطَقًا لَتُعَفِّيَ أَثَرَهَا عَلَى سَارَةَ، ثُمَّ جَاءَ بِهَا إِبْرَاهِيمُ وَبِابْنِهَا إِسْمَاعِيلَ وَهِيَ تُرْضِعُهُ حَتَّى وَضَعَهُمَا عِنْدَ الْبَيْتِ عِنْدَ دَوْحَةٍ فَوْقَ الزَّمْزَمِ فِي أَعْلَى الْمَسْجِدِ وَلَيْسَ بِمَكَّةَ يَوْمَئِذٍ أَحَدٌ، وَلَيْسَ بِهَا مَاءٌ فَوَضَعَهُمَا هُنَالِكَ، وَوَضَعَ عِنْدَهُمَا جِرَابًا فِيهِ تَمْرٌ وَسِقَاءً فِيهِ مَاءٌ ثُمَّ قَفَّى إِبْرَاهِيمُ مُنْطَلِقًا، فَتَبِعَتْهُ أُمُّ إِسْمَاعِيلَ فَقَالَتْ: يَا إِبْرَاهِيمُ! أَيْنَ تَذْهَبُ وَتَتْرُكُنَا فِي هٰذَا الْوَادِي الَّذِي لَيْسَ فِيهِ أَنِيسٌ وَلَا شَيْءٌ؟ فَقَالَتْ لَهُ ذٰلِكَ مِرَارًا، وَجَعَلَ لَا يَلْتَفِتُ إِلَيْهَا فَقَالَتْ لَهُ: آللهُ أَمَرَكَ بِهٰذَا؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَتْ: إِذَنْ لَا يُضَيِّعُنَا، ثُمَّ رَجَعَتْ، فَانْطَلَقَ إِبْرَاهِيمُ حَتَّى إِذَا كَانَ عِنْدَ الثَّنِيَّةِ حَيْثُ لَا يَرَوْنَهُ اسْتَقْبَلَ بِوَجْهِهِ الْبَيْتَ ثُمَّ دَعَا بِهٰؤُلَاءِ الدَّعَوَاتِ وَرَفَعَ يَدَيْهِ فَقَالَ: ﴿رَبَّنَآ إِنِّىٓ أَسْكَنتُ مِن ذُرِّيَّتِى بِوَادٍ غَيْرِ ذِى زَرْعٍ عِندَ بَيْتِكَ ٱلْمُحَرَّمِ﴾ حَتَّى بَلَغَ ﴿يَشْكُرُونَ﴾ [إبراهيم: ٣٧]

[3364] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: عورتوں نے جب کمر بند تیار کیا تو انھوں نے وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام سے سیکھا ہے، سب سے پہلے انھوں نے ہی کمر بند استعمال کیا تھا۔ ان کی غرض یہ تھی کہ حضرت سارہ علیہا السلام ان کا سراغ نہ پاسکیں۔ واقعہ یہ ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اسے اور اس کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو لے آئے۔ اس وقت حضرت ہاجرہ علیہا السلام حضرت اسماعیل علیہ السلام کو دودھ پلاتی تھیں۔ انھوں نے ان دونوں کو خانہ کعبہ کے پاس ایک بڑے درخت کے قریب، چاہ زمزم پر، مسجد حرام کی بلند جانب والی جگہ پر بٹھا دیا۔ اس وقت مکہ مکرمہ میں کسی آدمی کا نام ونشان تک نہ تھا اور نہ وہاں پانی ہی موجود تھا۔ بہر حال حضرت ابراہیم علیہ السلام ان دونوں کو وہاں چھوڑ گئے اور ان کے قریب ہی ایک تھیلا کھجوروں کا اور ایک مشکیزہ پانی کا رکھ دیا۔ پھر وہ وہاں سے واپس ہوئے تو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ آپ کے پیچھے روانہ ہوئیں اور کہنے لگیں: اے ابراہیم! آپ کہاں جارہے ہیں؟ ہمیں ایک ایسے جنگل میں چھوڑ کر جارہے ہیں جہاں آدمی کا پتہ نہیں اور نہ کوئی چیز ہی یہاں ملتی ہے۔ انھوں نے کئی مرتبہ پکار کر یہ کہا مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کی طرف پلٹ کر دیکھا تک نہیں۔ پھر حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ نے ان سے عرض کیا: کیا یہ حکم آپ کو اللہ تعالیٰ نے دیا ہے؟ انھوں نے جواب دیا: ''ہاں۔'' پھر حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ نے کہا: تب وہ ہمیں ضائع نہیں کرے گا۔ اس کے بعد وہ واپس آگئیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام (وہاں سے) روانہ ہوگئے۔ پھر جب وہ ثنیہ (گھاٹی) کے پاس پہنچے جہاں وہ آپ کو نہیں دیکھ سکتے تھے تو آپ نے کعبہ کی طرف منہ کر کے ہاتھ اٹھائے اور ان الفاظ میں دعا کرنے لگے: ''اے

ہمارے رب! میں نے اپنی اولاد کو بے آب وگیاہ وادی میں تیرے محترم گھر کے پاس چھوڑ دیا ہے...... یشکرون تک۔

وَجَعَلَتْ أُمُّ إِسْمَاعِيلَ تُرْضِعُ إِسْمَاعِيلَ وَتَشْرَبُ مِنْ ذٰلِكَ الْمَاءِ حَتّٰى إِذَا نَفِدَ مَا فِي السِّقَاءِ عَطِشَتْ وَعَطِشَ ابْنُهَا فَجَعَلَتْ تَنْظُرُ إِلَيْهِ يَتَلَوّٰى - أَوْ قَالَ: يَتَلَبَّطُ - فَانْطَلَقَتْ كَرَاهِيَةَ أَنْ تَنْظُرَ إِلَيْهِ، فَوَجَدَتِ الصَّفَا أَقْرَبَ جَبَلٍ فِي الْأَرْضِ يَلِيهَا، فَقَامَتْ عَلَيْهِ ثُمَّ اسْتَقْبَلَتِ الْوَادِيَ تَنْظُرُ هَلْ تَرٰى أَحَدًا فَلَمْ تَرَ أَحَدًا، فَهَبَطَتْ مِنَ الصَّفَا حَتّٰى إِذَا بَلَغَتِ الْوَادِيَ رَفَعَتْ طَرَفَ دِرْعِهَا، ثُمَّ سَعَتْ سَعْيَ الْإِنْسَانِ الْمَجْهُودِ حَتّٰى جَاوَزَتِ الْوَادِيَ، ثُمَّ أَتَتِ الْمَرْوَةَ فَقَامَتْ عَلَيْهَا فَنَظَرَتْ هَلْ تَرٰى أَحَدًا فَلَمْ تَرَ أَحَدًا، فَفَعَلَتْ ذٰلِكَ سَبْعَ مَرَّاتٍ.

ادھر حضرت ام اسماعیل ؑ (پر یہ بیتی کہ وہ) حضرت اسماعیل ؑ کو دودھ پلاتی اور اس پانی میں سے خود پیتی رہتی لیکن جب مشک کا پانی ختم ہوگیا تو خود بھی پیاسی ہوئی اور بچے کو بھی پیاس لگی۔ اس نے بچے کو دیکھا کہ وہ پیاس کے مارے لوٹ پوٹ ہو رہا ہے، یعنی تڑپ رہا ہے، بچے کی یہ حالت ان کے لیے ناقابل دید تھی، اس لیے اٹھ کر چلیں تو صفا پہاڑی کو دوسرے پہاڑوں کے اعتبار سے قریب پایا، وہ اس پر کھڑی ہو کر وادی کی طرف دیکھنے لگیں تاکہ انھیں کوئی نظر آئے لیکن انھیں وہاں کوئی چیز دکھائی نہ دی، مجبوراً وہاں سے اتر کر نشیب میں پہنچیں تو اپنا دامن اٹھا کر بہت تیزی کے ساتھ دوڑیں جیسے کوئی سخت مصیبت زدہ اور پریشان حال انسان دوڑتا ہے۔ پھر نشیب سے گزر کر مروہ پہاڑی پر چڑھیں۔ اس پر کھڑے ہو کر دیکھا کہ کوئی آدمی نظر آجائے لیکن وہاں بھی کوئی آدمی نہ دکھائی دیا۔ پھر انھوں نے اس طرح سات چکر لگائے۔

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «فَذٰلِكَ سَعْيُ النَّاسِ بَيْنَهُمَا»، فَلَمَّا أَشْرَفَتْ عَلَى الْمَرْوَةِ سَمِعَتْ صَوْتًا فَقَالَتْ: صَهٍ، تُرِيدُ نَفْسَهَا، ثُمَّ تَسَمَّعَتْ فَسَمِعَتْ أَيْضًا، فَقَالَتْ: قَدْ أَسْمَعْتَ إِنْ كَانَ عِنْدَكَ غُوَاثٌ فَإِذَا هِيَ بِالْمَلَكِ عِنْدَ مَوْضِعِ زَمْزَمَ فَبَحَثَ بِعَقِبِهِ - أَوْ قَالَ: بِجَنَاحِهِ - حَتّٰى ظَهَرَ الْمَاءُ فَجَعَلَتْ تُحَوِّضُهُ وَتَقُولُ بِيَدِهَا هٰكَذَا، وَجَعَلَتْ تَغْرِفُ مِنَ الْمَاءِ فِي سِقَائِهَا وَهُوَ يَفُورُ بَعْدَ مَا تَغْرِفُ.

حضرت ابن عباس ؓ نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”لوگ اس لیے ان دونوں (صفا و مروہ) کے درمیان سعی کرتے ہیں۔“ پھر (اسی طرح ساتویں مرتبہ) جب وہ مروہ پر چڑھیں تو انھوں نے وہاں ایک آواز سنی تو خود اپنے آپ سے کہنے لگیں: خاموش! پھر انھوں نے خوب کان لگا کر سنا تو ایک آواز سنائی دی۔ اس کے بعد کہنے لگیں: تو نے آواز تو سنا دی لیکن کیا تو ہماری فریاد رسی کر سکتا ہے؟ پھر اچانک انھوں نے زم زم کی جگہ ایک فرشتہ دیکھا جس نے اپنی ایڑی یا پَر سے زمین کھودی، فوراً وہاں سے پانی نکل کر بہنے

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «يَرْحَمُ اللهُ أُمَّ إِسْمَاعِيلَ لَوْ تَرَكَتْ زَمْزَمَ - أَوْ قَالَ: لَوْ لَمْ تَغْرِفْ مِنْ زَمْزَمَ - لَكَانَتْ زَمْزَمُ عَيْنًا مَّعِينًا».

لگا۔ تب وہ اس کے گرد منڈیر بنا کر اسے حوض کی شکل دینے لگیں اور پانی کے چلو بھر بھر کر اپنی مشک میں ڈالنے لگیں مگر ان کے چلو بھرنے کے بعد پانی کا چشمہ جوش مارنے لگا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ پر رحم کرے! اگر وہ زم زم کو اس کے حال پر چھوڑ دیتیں۔'' یا فرمایا: ''وہ پانی کے چلو نہ بھرتیں تو زم زم سطح زمین پر ایک بہنے والا چشمہ رہتا۔''

قَالَ: فَشَرِبَتْ وَأَرْضَعَتْ وَلَدَهَا، فَقَالَ لَهَا الْمَلَكُ: لَا تَخَافُوا الضَّيْعَةَ، فَإِنَّ هٰذَا بَيْتُ اللهِ يَبْنِي هٰذَا الْغُلَامُ وَأَبُوهُ، وَإِنَّ اللهَ لَا يُضِيعُ أَهْلَهُ، وَكَانَ الْبَيْتُ مُرْتَفِعًا مِّنَ الْأَرْضِ كَالرَّابِيَةِ تَأْتِيهِ السُّيُولُ فَتَأْخُذُ عَنْ يَّمِينِهِ وَشِمَالِهِ، فَكَانَتْ كَذٰلِكَ حَتّٰى مَرَّتْ بِهِمْ رُفْقَةٌ مِّنْ جُرْهُمَ - أَوْ أَهْلُ بَيْتٍ مِّنْ جُرْهُمَ - مُقْبِلِينَ مِنْ طَرِيقِ كَدَاءٍ فَنَزَلُوا فِي أَسْفَلِ مَكَّةَ فَرَأَوْا طَائِرًا عَائِفًا فَقَالُوا: إِنَّ هٰذَا الطَّائِرَ لَيَدُورُ عَلٰى مَاءٍ، لَعَهْدُنَا بِهٰذَا الْوَادِي وَمَا فِيهِ مَاءٌ، فَأَرْسَلُوا جَرِيًّا أَوْ جَرِيَّيْنِ فَإِذَا هُمْ بِالْمَاءِ، فَرَجَعُوا فَأَخْبَرُوهُمْ بِالْمَاءِ فَأَقْبَلُوا - قَالَ: وَأُمُّ إِسْمَاعِيلَ عِنْدَ الْمَاءِ - فَقَالُوا: أَتَأْذَنِينَ لَنَا أَنْ نَّنْزِلَ عِنْدَكِ؟ قَالَتْ: نَعَمْ، وَلٰكِنْ لَّا حَقَّ لَكُمْ فِي الْمَاءِ، قَالُوا: نَعَمْ.

راوی کہتے ہیں کہ پھر حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے پانی پیا اور اپنے بچے کو دودھ پلایا۔ اس کے بعد فرشتے نے ان سے کہا: تم ہلاکت کا خوف نہ کرو، یہاں اللہ کا گھر ہے، جس کو یہ بچہ اور ان کے والد تعمیر کریں گے۔ اللہ تعالیٰ کسی صورت میں اپنے ماننے والوں کو ضائع نہیں کرتا۔ اس وقت کعبہ کا یہ حال تھا کہ وہ ایک ٹیلے کی طرح سطح زمین سے اونچا تھا۔ جب سیلاب آتے تو اس کی دائیں اور بائیں جانب کٹ جاتے تھے۔ پھر ہاجرہ علیہا السلام نے ایک مدت اسی طرح گزاری حتی کہ قبیلۂ جرہم کے کچھ لوگ یا خاندان ان کی طرف سے گزرے، وہ کداء کے راستے سے واپس آ رہے تھے تو وہ مکہ مکرمہ کے نشیب میں اتر گئے۔ اتنے میں انھوں نے ایک پرندے کو ایک جگہ منڈلاتے دیکھا تو کہنے لگے: یہ پرندہ ضرور پانی پر گھوم رہا ہے، حالانکہ ہم اس وادی کو جانتے ہیں اور یہاں ہم نے کبھی پانی دیکھا تک نہیں۔ تب انھوں نے ایک دو آدمی بھیجے تو وہ پانی پر پہنچ گئے۔ پھر انھوں نے لوٹ کر ان لوگوں کو اطلاع دی تو سب لوگ ادھر کو چل پڑے۔ ان لوگوں نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ کو پانی پر موجود پا کر پوچھا: کیا آپ ہمیں اپنے پاس قیام کرنے کی اجازت دیتی ہیں؟ انھوں نے کہا: ہاں، لیکن اس شرط پر کہ تمھارا پانی

پر کوئی حق نہیں ہوگا۔ انھوں نے کہا: ٹھیک ہے۔

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «فَأَلْفَى ذٰلِكَ أُمَّ إِسْمَاعِيلَ وَهِيَ تُحِبُّ الْأُنْسَ» فَنَزَلُوا وَأَرْسَلُوا إِلٰى أَهْلِيهِمْ فَنَزَلُوا مَعَهُمْ حَتّٰى إِذَا كَانَ بِهَا أَهْلُ أَبْيَاتٍ مِّنْهُمْ، وَشَبَّ الْغُلَامُ وَتَعَلَّمَ الْعَرَبِيَّةَ مِنْهُمْ، وَأَنْفَسَهُمْ وَأَعْجَبَهُمْ حِينَ شَبَّ، فَلَمَّا أَدْرَكَ زَوَّجُوهُ امْرَأَةً مِّنْهُمْ، وَمَاتَتْ أُمُّ إِسْمَاعِيلَ فَجَاءَ إِبْرَاهِيمُ بَعْدَمَا تَزَوَّجَ إِسْمَاعِيلُ يُطَالِعُ تَرِكَتَهُ فَلَمْ يَجِدْ إِسْمَاعِيلَ، فَسَأَلَ امْرَأَتَهُ عَنْهُ فَقَالَتْ: خَرَجَ يَبْتَغِي لَنَا، ثُمَّ سَأَلَهَا عَنْ عَيْشِهِمْ وَهَيْئَتِهِمْ، فَقَالَتْ: نَحْنُ بِشَرٍّ، نَحْنُ فِي ضِيقٍ وَّشِدَّةٍ، فَشَكَتْ إِلَيْهِ، قَالَ: فَإِذَا جَاءَ زَوْجُكِ اقْرَئِي عَلَيْهِ السَّلَامَ وَقُولِي لَهُ يُغَيِّرْ عَتَبَةَ بَابِهِ، فَلَمَّا جَاءَ إِسْمَاعِيلُ كَأَنَّهُ آنَسَ شَيْئًا فَقَالَ: هَلْ جَاءَكُمْ مِنْ أَحَدٍ؟ قَالَتْ: نَعَمْ، جَاءَنَا شَيْخٌ كَذَا وَكَذَا فَسَأَلَنَا عَنْكَ فَأَخْبَرْتُهُ، وَسَأَلَنِي كَيْفَ عَيْشُنَا، فَأَخْبَرْتُهُ أَنَّا فِي جَهْدٍ وَّشِدَّةٍ، قَالَ: فَهَلْ أَوْصَاكِ بِشَيْءٍ؟ قَالَتْ: نَعَمْ، أَمَرَنِي أَنْ أَقْرَأَ عَلَيْكَ السَّلَامَ وَيَقُولُ: غَيِّرْ عَتَبَةَ بَابِكَ. قَالَ: ذَاكِ أَبِي، وَقَدْ أَمَرَنِي أَنْ أُفَارِقَكِ، اِلْحَقِي بِأَهْلِكِ فَطَلَّقَهَا، وَتَزَوَّجَ مِنْهُمُ امْرَأَةً أُخْرٰى، فَلَبِثَ عَنْهُمْ إِبْرَاهِيمُ مَا شَاءَ اللهُ ثُمَّ أَتَاهُمْ بَعْدُ فَلَمْ يَجِدْهُ، فَدَخَلَ عَلَى امْرَأَتِهِ فَسَأَلَهَا عَنْهُ فَقَالَتْ: خَرَجَ يَبْتَغِي لَنَا، قَالَ: كَيْفَ أَنْتُمْ؟ وَسَأَلَهَا عَنْ عَيْشِهِمْ وَهَيْئَتِهِمْ، فَقَالَتْ: نَحْنُ بِخَيْرٍ وَّسَعَةٍ، وَأَثْنَتْ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اس قبیلے نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ کو الفت پسند پایا۔'' اس لیے انھوں نے اپنے اہل و عیال بلا کر وہاں رہائش اختیار کر لی حتی کہ وہاں ان لوگوں کے کئی گھر آباد ہو گئے اور لڑکا، یعنی حضرت اسماعیل علیہ السلام بھی جوان ہو گیا اور انھوں نے ان لوگوں (قبیلۂ جرہم) سے عربی زبان بھی سیکھ لی۔ بہر حال ان لوگوں کے نزدیک حضرت اسماعیل علیہ السلام ایک پسندیدہ اخلاق اور انتہائی نفیس انسان ثابت ہوئے، چنانچہ جب وہ اچھی طرح جوان ہو گئے تو انھوں نے اپنے خاندان کی ایک عورت سے ان کی شادی کر دی۔ اس دوران میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ ماجدہ انتقال کر گئیں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی شادی کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے بیوی بچوں کو دیکھنے آئے تو اس وقت حضرت اسماعیل علیہ السلام سے ان کی ملاقات نہ ہو سکی۔ انھوں نے (اپنی بہو) ان کی بیوی سے ان کا حال دریافت کیا تو اس نے کہا: وہ ہمارے لیے اسباب معاش کی تلاش میں باہر گئے ہیں۔ پھر آپ نے اس سے گھر کی گزر اوقات کے متعلق دریافت کیا تو اس (بیوی) نے کہا: ہم سخت مصیبت اور تکلیف میں ہیں اور ہمارے حالات بہت ہی دگرگوں ہیں۔ الغرض اس نے ان (حضرت ابراہیم علیہ السلام) سے بہت شکایت کی۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا: جب تمھارے شوہر آئیں تو انھیں میرا اسلام کہنا اور انھیں کہنا کہ اپنے دروازے کی دہلیز بدل دیں۔ پھر جب حضرت اسماعیل علیہ السلام گھر آئے تو انھوں نے کوئی مانوس سی چیز گھر میں محسوس کی۔ اہلیہ سے پوچھا: یہاں کوئی آیا تھا؟ اس نے کہا: ہاں، اس اس طرح ایک بزرگ آئے تھے اور انھوں

عَلَى اللهِ عَزَّ وَجَلَّ، فَقَالَ: مَا طَعَامُكُمْ؟ قَالَتِ: اللَّحْمُ، قَالَ: فَمَا شَرَابُكُمْ؟ قَالَتِ: الْمَاءُ، قَالَ: اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَهُمْ فِي اللَّحْمِ وَالْمَاءِ.

نے آپ کے متعلق مجھ سے پوچھا تو میں نے انھیں آپ کے متعلق بتا دیا تھا۔ پھر انھوں نے احوال زندگی کے متعلق پوچھا تو میں نے بتایا کہ ہماری زندگی بڑی تنگی اور مصیبت سے گزرتی ہے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اس سے دریافت کیا کہ انھوں نے تمھیں کوئی وصیت فرمائی تھی؟ اہلیہ نے کہا: ہاں، انھوں نے مجھے کہا ہے کہ آپ کو سلام کہہ دوں اور وہ یہ بھی کہہ رہے تھے کہ اپنے دروازے کی دہلیز بدل دیں۔ تب حضرت اسماعیل علیہ السلام نے کہا: وہ میرے والد محترم تھے اور انھوں نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تم سے علیحدگی اختیار کر لوں، لہٰذا تم اپنے گھر والوں کے پاس چلی جاؤ۔ الغرض حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اسے طلاق دے کر اسی قبیلے میں سے ایک دوسری عورت کو اپنے نکاح میں لے لیا۔ پھر اللہ تعالیٰ کو جتنے دن منظور تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے ملک میں ٹھہرے۔ اس کے بعد دوبارہ تشریف لائے لیکن اس دفعہ بھی حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اپنے گھر نہ پایا۔ ان کی بیوی کے پاس گئے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے متعلق دریافت کیا کہ وہ کہاں ہیں؟ اس نے بتایا کہ وہ ہمارے لیے تلاش معاش کے سلسلے میں باہر گئے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دریافت کیا: تمھاری گزراوقات کیسی ہوتی ہے؟ اور دیگر حالات کے متعلق بھی پوچھا تو اس نے کہا: اللہ کا شکر ہے کہ ہم اچھی حالت اور کشادگی میں ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا: تم کیا کیا کھاتے ہو؟ اس نے جواب دیا: گوشت کھاتے ہیں۔ پھر پوچھا: کیا پیتے ہو؟ اس نے بتایا کہ پانی پیتے ہیں۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے لیے دعا کی: اے اللہ! ان کے گوشت اور پانی میں برکت عطا فرما۔

قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ يَوْمَئِذٍ

نبی ﷺ نے فرمایا: ''اس وقت وہاں غلہ نہیں ہوتا تھا۔

حَبٌّ، وَلَوْ كَانَ لَهُمْ دَعَا لَهُمْ فِيهِ». قَالَ: فَهُمَا لَا يَخْلُو عَلَيْهِمَا أَحَدٌ بِغَيْرِ مَكَّةَ إِلَّا لَمْ يُوَافِقَاهُ، قَالَ: فَإِذَا جَاءَ زَوْجُكِ فَاقْرَئِي عَلَيْهِ السَّلَامَ وَمُرِيهِ يُثْبِتُ عَتَبَةَ بَابِهِ، فَلَمَّا جَاءَ إِسْمَاعِيلُ قَالَ: هَلْ أَتَاكُمْ مِّنْ أَحَدٍ؟ قَالَتْ: نَعَمْ، أَتَانَا شَيْخٌ حَسَنُ الْهَيْئَةِ - وَأَثْنَتْ عَلَيْهِ - فَسَأَلَنِي عَنْكَ فَأَخْبَرْتُهُ، فَسَأَلَنِي كَيْفَ عَيْشُنَا؟ فَأَخْبَرْتُهُ أَنَّا بِخَيْرٍ، قَالَ: فَأَوْصَاكِ بِشَيْءٍ؟ قَالَتْ: نَعَمْ، هُوَ يَقْرَأُ عَلَيْكَ السَّلَامَ وَيَأْمُرُكَ أَنْ تُثْبِتَ عَتَبَةَ بَابِكَ، قَالَ: ذَاكَ أَبِي وَأَنْتِ الْعَتَبَةُ، أَمَرَنِي أَنْ أُمْسِكَكِ، ثُمَّ لَبِثَ عَنْهُمْ مَّا شَاءَ اللهُ، ثُمَّ جَاءَ بَعْدَ ذٰلِكَ وَإِسْمَاعِيلُ يَبْرِي نَبْلًا لَّهُ تَحْتَ دَوْحَةٍ قَرِيبًا مِّنْ زَمْزَمَ، فَلَمَّا رَآهُ قَامَ إِلَيْهِ فَصَنَعَا كَمَا يَصْنَعُ الْوَالِدُ بِالْوَلَدِ وَالْوَلَدُ بِالْوَالِدِ، ثُمَّ قَالَ: يَا إِسْمَاعِيلُ! إِنَّ اللهَ أَمَرَنِي بِأَمْرٍ، قَالَ: فَاصْنَعْ مَا أَمَرَكَ رَبُّكَ، قَالَ: وَتُعِينُنِي؟ قَالَ: وَأُعِينُكَ، قَالَ: فَإِنَّ اللهَ أَمَرَنِي أَنْ أَبْنِيَ هَاهُنَا بَيْتًا - وَأَشَارَ إِلٰى أَكَمَةٍ مُّرْتَفِعَةٍ عَلٰى مَا حَوْلَهَا - قَالَ: فَعِنْدَ ذٰلِكَ رَفَعَا الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ، فَجَعَلَ إِسْمَاعِيلُ يَأْتِي بِالْحِجَارَةِ وَإِبْرَاهِيمُ يَبْنِي حَتّٰى إِذَا ارْتَفَعَ الْبِنَاءُ جَاءَ بِهٰذَا الْحَجَرِ فَوَضَعَهُ لَهُ فَقَامَ عَلَيْهِ وَهُوَ يَبْنِي وَإِسْمَاعِيلُ يُنَاوِلُهُ الْحِجَارَةَ وَهُمَا يَقُولَانِ: ﴿رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّآ إِنَّكَ أَنتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾ [البقرة:١٢٧] قَالَ: فَجَعَلَا يَبْنِيَانِ حَتّٰى يَدُورَا حَوْلَ الْبَيْتِ وَهُمَا يَقُولَانِ: ﴿رَبَّنَا تَقَبَّلْ

اگر غلہ ہوتا تو اس میں بھی ان کے لیے برکت کی دعا کرتے۔" آپ نے مزید فرمایا کہ اہل مکہ کے علاوہ جو شخص بھی ان دو چیزوں پر ہمیشگی کرے گا اسے یہ چیزیں موافق نہیں آئیں گی۔ بہرحال حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: جب تمھارے شوہر واپس آئیں تو انھیں میرا سلام کہہ دینا اور انھیں اپنے دروازے کی دہلیز باقی رکھنے کا پیغام دینا۔ پھر جب حضرت اسماعیل علیہ السلام گھر آئے تو انھوں نے دریافت کیا کہ تمھارے پاس کوئی آیا تھا؟ اس (بیوی) نے کہا: ہاں، ایک خوش وضع بزرگ شخص ہمارے ہاں آئے تھے اور اس نے ان کی تعریف کرتے ہوئے بتایا کہ انھوں نے مجھ سے تمھارے متعلق پوچھا تھا۔ میں نے بتایا کہ وہ فلاں کام گئے ہیں۔ پھر انھوں نے ہماری گزر بسر کے متعلق پوچھا تو میں نے کہہ دیا کہ ہم اچھی حالت میں ہیں۔ حضرت اسماعیل نے اہلیہ سے پوچھا کہ انھوں نے تمھیں کسی بات کی وصیت کی تھی؟ بیوی نے کہا: ہاں، وہ آپ کو سلام کہہ رہے تھے اور اپنے دروازے کی دہلیز قائم رکھنے کا حکم دے رہے تھے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے فرمایا: وہ میرے والد گرامی تھے اور دروازے کی دہلیز تم ہو۔ انھوں نے مجھے حکم دیا ہے کہ تمھیں اپنے پاس رکھوں۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام جس قدر اللہ نے چاہا اپنے ملک میں ٹھہرے، اس کے بعد تشریف لائے تو اس وقت حضرت اسماعیل علیہ السلام زم زم کے پاس ایک بڑے درخت کے نیچے بیٹھے اپنے تیر درست کر رہے تھے۔ جب حضرت اسماعیل علیہ السلام نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا تو تعظیم کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ پھر دونوں نے ملاقات کرتے وقت وہی کچھ کیا جو باپ بیٹے کے ساتھ اور بیٹا اپنے باپ کے ساتھ کرتا ہے۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا: اے اسماعیل! اللہ

مِنَّآ إِنَّكَ أَنتَ ٱلسَّمِيعُ ٱلْعَلِيمُ﴾». [راجع: ٢٣٦٨]

تعالیٰ نے مجھے ایک کام کرنے کا حکم دیا ہے۔ انھوں نے عرض کیا: جو کچھ آپ کے رب نے حکم دیا ہے آپ اسے ضرور کریں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا: اس کام میں تم میرا ہاتھ بٹاؤ گے؟ انھوں نے عرض کیا: جی ہاں، میں آپ کی مدد کروں گا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں یہاں ایک گھر تعمیر کروں اور انھوں نے ایک ٹیلے کی طرف اشارہ فرمایا جو اپنے آس پاس کی چیزوں سے قدرے اونچا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس وقت ان دونوں نے بیت اللہ کی بنیادوں کو اٹھایا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام پتھر لاتے اور حضرت ابراہیم تعمیر کرتے تھے یہاں تک کہ جب دیواریں اونچی ہو گئیں تو حضرت اسماعیل علیہ السلام یہ پتھر (جسے مقام ابراہیم کہا جاتا ہے) لائے اور اسے ان کے لیے رکھ دیا، چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس پر کھڑے ہو کر تعمیر کرنے لگے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام انھیں پتھر پکڑاتے تھے اور وہ دونوں اس طرح دعا کرتے تھے: ''اے ہمارے رب! ہم سے اس خدمت کو قبول فرما۔ یقیناً تو ہی سب کچھ سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے۔'' راوی کہتا ہے: وہ دونوں کعبہ کی تعمیر کر رہے تھے اور بیت اللہ کے اردگرد گھومتے ہوئے یہ کہہ رہے تھے: ''اے ہمارے رب! ہم سے یہ خدمت قبول فرما۔ بے شک تو ہی سب کچھ سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے۔''

فوائد و مسائل: ① اس حدیث کا آغاز کمر بند باندھنے سے ہوا ہے۔ خدمت کرتے وقت خدام اپنی کمر کو جس کپڑے سے باندھتے ہیں عربی زبان میں اسے مِنطق کہا جاتا ہے۔ عورتیں گھروں میں کمر بند اس لیے باندھتی ہیں تاکہ گھر میں جلدی چل پھر کر کام کاج آسانی سے کیا جائے۔ ② سیدہ ہاجرہ نے کمر بند کیوں باندھا؟ شارحین نے اس کے دو مقاصد بیان کیے ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے: (أ) یہ کمر بند باندھ کر حضرت سارہ کو خوش کرنا مقصود تھا، اس طرح انھوں نے اپنی حالت خادمہ جیسی بنائی تاکہ حضرت سارہ پر یہ ظاہر کیا جائے کہ وہ ان کی خدمت گزار ہے، سوتن کی طرح نہیں۔ (ب) حضرت سارہ کے ہاں کوئی اولاد نہیں تھی اور حضرت ہاجرہ جو ایک شاہ مصر کی بیٹی تھیں اور جسے اس بادشاہ نے اس خاندان کی برکات دیکھ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے

حرم میں داخل کر دیا تھا۔ حرم میں آنے کے بعد انھیں حمل ٹھہر گیا اور ان کے بطن سے حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے تو حضرت سارہ کے رشک میں بہت اضافہ ہو گیا۔ اللہ کے حکم سے حضرت ہاجرہ اپنے لخت جگر کو لے کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہمراہ آپ کے گھر سے نکلیں اور کمر بند باندھا تاکہ اس کے ذریعے سے ان کے قدموں کے نشانات مٹتے رہیں۔ اس طرح حضرت سارہ کو ان کا سراغ نہ مل سکے۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انھیں مکہ کی بے آب و گیاہ سرزمین میں لا بسایا جہاں اللہ تعالیٰ نے باپ بیٹے کے ہاتھوں اپنا گھر از سر نو تعمیر کروایا۔ ③ کچھ لوگوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ ذبیح اللہ حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں کیونکہ اس حدیث کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو شیر خوارگی کی حالت میں چھوڑ گئے تھے، پھر جب دیکھنے آئے تو وہ شادی شدہ تھے، اگر حضرت اسماعیل کو ذبح کرنے کا ذکر ہوتا تو اس حدیث میں اس کا ذکر ضرور ہوتا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کی شادی سے پہلے بھی آیا کرتے تھے لیکن ہمارے نزدیک یہ استدلال محل نظر ہے کیونکہ اس حدیث میں یہ قطعاً مذکور نہیں کہ زمانۂ رضاعت سے لے کر شادی کے زمانے تک حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹے سے ملاقات کے لیے نہیں آئے بلکہ آپ کا بار بار آنا ثابت ہے جیسا کہ ابوجہم کی روایت میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہر مہینے براق پر سوار ہو کر صبح کے وقت مکہ مکرمہ آتے، پھر واپس چلے جاتے اور قیلولہ اپنے ملک شام میں جا کر کرتے تھے،[1] نیز جب اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے پیدا ہونے کی خوش خبری دی تو اس کے ساتھ صفت حلیم کا ذکر کیا اور اس کا تعلق قربانی سے ہے کیونکہ اس موقع پر ان کے بردبار ہونے کی طرف لطیف اشارہ ہے لیکن جب سیدنا اسحاق علیہ السلام کی خوش خبری دی گئی تو صفت علیم ذکر کی گئی جس کا قربانی سے کوئی تعلق نہیں۔ اس کے علاوہ سورۂ صافات میں پہلے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے اس بیٹے کا ذکر آیا جو فی الواقع ذبیح اللہ تھے۔ اس کے بعد سیدنا اسحاق علیہ السلام کا ذکر ہے۔ یہ ذکر واقعہ قربانی کے بعد ہے۔ اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ ذبیح اللہ حضرت اسحاق علیہ السلام نہیں بلکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں، نیز اسحاق علیہ السلام کی خوش خبری کے وقت ان کے بیٹے یعقوب علیہ السلام کی خوش خبری کا بھی ذکر ہے، یعنی وہ جوان ہوں گے اور آگے ان کی اولاد ہوگی تو پھر انھیں ذبح کرنے کا حکم دینے کا کیا مطلب؟ اس لیے ذبیح سیدنا اسماعیل علیہ السلام ہی تھے۔

٣٣٦٥ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا أَبُو عَامِرٍ عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ عَمْرٍو قَالَ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ نَافِعٍ عَنْ كَثِيرِ بْنِ كَثِيرٍ، عَنْ سَعِيدِ ابْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: لَمَّا كَانَ بَيْنَ إِبْرَاهِيمَ وَبَيْنَ أَهْلِهِ مَا كَانَ؛ خَرَجَ بِإِسْمَاعِيلَ وَأُمِّ إِسْمَاعِيلَ وَمَعَهُمْ شَنَّةٌ فِيهَا مَاءٌ، فَجَعَلَتْ أُمُّ إِسْمَاعِيلَ تَشْرَبُ مِنَ الشَّنَّةِ فَيَدِرُّ لَبَنُهَا عَلَى صَبِيِّهَا، حَتَّى قَدِمَ مَكَّةَ

[3365] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی بیوی (سارہ) کے درمیان کچھ جھگڑا ہو گیا تو آپ حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ ماجدہ کو ساتھ لے کر باہر نکل آئے جبکہ ان کے پاس صرف ایک مشکیزہ پانی کا تھا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ اس میں سے پانی پیتی رہیں اور ان کا دودھ بچے کے لیے جوش مارتا رہا حتی کہ جب وہ (حضرت ابراہیم علیہ السلام) مکہ مکرمہ آئے تو انھیں ایک بڑے درخت کے نیچے بٹھا دیا۔

1. فتح الباري: 489/6.

فَوَضَعَهَا تَحْتَ دَوْحَةٍ، ثُمَّ رَجَعَ إِبْرَاهِيمُ إِلٰى أَهْلِهِ فَاتَّبَعَتْهُ أُمُّ إِسْمَاعِيلَ حَتّٰى لَمَّا بَلَغُوا كَدَاءَ نَادَتْهُ مِنْ وَّرَائِهِ: يَا إِبْرَاهِيمُ! إِلٰى مَنْ تَتْرُكُنَا؟ قَالَ: إِلَى اللهِ، قَالَتْ: رَضِيتُ بِاللهِ. قَالَ: فَرَجَعَتْ فَجَعَلَتْ تَشْرَبُ مِنَ الشَّنَّةِ وَيَدِرُّ لَبَنُهَا عَلٰى صَبِيِّهَا حَتّٰى لَمَّا فَنِيَ الْمَاءُ قَالَتْ: لَوْ ذَهَبْتُ فَنَظَرْتُ لَعَلِّي أُحِسُّ أَحَدًا، فَذَهَبَتْ فَصَعِدَتِ الصَّفَا فَنَظَرَتْ، وَنَظَرَتْ هَلْ تُحِسُّ أَحَدًا فَلَمْ تُحِسَّ أَحَدًا، فَلَمَّا بَلَغَتِ الْوَادِيَ سَعَتْ أَتَتِ الْمَرْوَةَ وَفَعَلَتْ ذٰلِكَ أَشْوَاطًا، ثُمَّ قَالَتْ: لَوْ ذَهَبْتُ فَنَظَرْتُ مَا فَعَلَ - تَعْنِي الصَّبِيَّ - فَذَهَبَتْ فَنَظَرَتْ فَإِذَا هُوَ عَلٰى حَالِهِ كَأَنَّهُ يَنْشَغُ لِلْمَوْتِ، فَلَمْ تُقِرَّهَا نَفْسُهَا، فَقَالَتْ: لَوْ ذَهَبْتُ فَنَظَرْتُ لَعَلِّي أُحِسُّ أَحَدًا، فَذَهَبَتْ، فَصَعِدَتِ الصَّفَا، فَنَظَرَتْ وَنَظَرَتْ فَلَمْ تُحِسَّ أَحَدًا، حَتّٰى أَتَمَّتْ سَبْعًا، ثُمَّ قَالَتْ: لَوْ ذَهَبْتُ فَنَظَرْتُ مَا فَعَلَ فَإِذَا هِيَ بِصَوْتٍ، فَقَالَتْ: أَغِثْ إِنْ كَانَ عِنْدَكَ خَيْرٌ، فَإِذَا جِبْرِيلُ، قَالَ: فَقَالَ بِعَقِبِهِ هٰكَذَا وَغَمَزَ عَقِبَهُ عَلَى الْأَرْضِ، قَالَ: فَانْبَثَقَ الْمَاءُ فَدَهَشَتْ أُمُّ إِسْمَاعِيلَ فَجَعَلَتْ تَحْفِرُ.

پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی بیوی سارہ کی طرف واپس چلے تو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ ان کے پیچھے آئیں حتی کہ وہ مقام کداء میں پہنچے تو ان کے پیچھے سے آواز دی: اے ابراہیم! ہمیں کس کے پاس چھوڑ کر جا رہے ہو؟ انھوں نے جواب دیا: اللہ کے پاس۔ حضرت ہاجرہ نے کہا: میں اللہ پر راضی ہوں۔ یہ کہہ کر وہ واپس چلی آئیں اور مشکیزے سے پانی پیتی رہیں اور بچے کے لیے دودھ جوش مارتا رہا حتی کہ جب پانی ختم ہو گیا تو کہنے لگیں: اب اِدھر اُدھر دیکھنا چاہیے شاید کوئی آدمی نظر آ جائے۔ یہ سوچ کر وہ چلیں اور صفا پہاڑی پر چڑھ کر دیکھنے لگیں لیکن کوئی شخص نظر نہ آیا۔ پھر وادی میں اتریں تو دوڑیں اور مروہ پر آئیں۔ اسی طرح انھوں نے کئی چکر لگائے۔ پھر سوچا کہ جاؤں اور بچے کو دیکھوں وہ کس حالت میں ہے؟ چنانچہ آئیں اور دیکھا تو بچہ اسی حالت میں تھا، گویا وہ موت کے لیے تڑپ رہا ہے۔ یہ حالت دیکھ کر دل بے قرار کو قرار نہ آیا تو خیال کیا کہ میں جاؤں شاید کوئی شخص نظر آ جائے۔ وہ چلیں اور صفا پہاڑی پر چڑھ کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگیں حتی کہ سات چکر پورے کیے۔ پھر سوچا جاؤں اور دیکھوں بچہ کس حالت میں ہے؟ اس وقت انھیں وہاں ایک آواز سنائی دی تو انھوں نے کہا: اگر تمھارے پاس کچھ بھلائی ہے تو میری مدد کرو۔ وہاں حضرت جبریل علیہ السلام موجود تھے۔ انھوں نے اپنی ایڑی سے اشارہ کیا، یعنی زمین پر ایڑی ماری تو پانی پھوٹ پڑا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ حیران رہ گئیں۔ پھر زمین کھودنے لگیں۔

قَالَ: فَقَالَ أَبُو الْقَاسِمِ ﷺ: «لَوْ تَرَكَتْهُ كَانَ الْمَاءُ ظَاهِرًا»، قَالَ: فَجَعَلَتْ تَشْرَبُ مِنَ الْمَاءِ وَيَدِرُّ لَبَنُهَا عَلٰى صَبِيِّهَا، قَالَ: فَمَرَّ نَاسٌ مِّنْ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ حضرت ابوالقاسم ﷺ نے فرمایا: ''اگر وہ پانی کو یوں ہی رہنے دیتیں تو پانی سطح زمین پر بہتا رہتا۔'' الغرض حضرت ہاجرہ وہ پانی پیتی رہیں

جُرْهُمَ بِبَطْنِ الْوَادِي، فَإِذَا هُمْ بِطَيْرٍ كَأَنَّهُمْ أَنْكَرُوا ذَاكَ، وَقَالُوا: مَا يَكُونُ الطَّيْرُ إِلَّا عَلٰى مَاءٍ، فَبَعَثُوا رَسُولَهُمْ فَنَظَرُوا فَإِذَا هُمْ بِالْمَاءِ، فَأَتَاهُمْ فَأَخْبَرَهُمْ فَأَتَوْا إِلَيْهَا فَقَالُوا: يَا أُمَّ إِسْمَاعِيلَ! أَتَأْذَنِينَ لَنَا أَنْ نَكُونَ مَعَكِ أَوْ نَسْكُنَ مَعَكِ؟ فَبَلَغَ ابْنُهَا فَنَكَحَ فِيهِمُ امْرَأَةً. قَالَ: ثُمَّ إِنَّهُ بَدَا لِإِبْرَاهِيمَ فَقَالَ لِأَهْلِهِ: إِنِّي مُطَّلِعٌ تَرِكَتِي، قَالَ: فَجَاءَ فَسَلَّمَ فَقَالَ: أَيْنَ إِسْمَاعِيلُ؟ فَقَالَتِ امْرَأَتُهُ: ذَهَبَ يَصِيدُ، قَالَ: قُولِي لَهُ إِذَا جَاءَ: غَيِّرْ عَتَبَةَ بَيْتِكَ، فَلَمَّا جَاءَ أَخْبَرَتْهُ فَقَالَ: أَنْتِ ذَاكِ، فَاذْهَبِي إِلٰى أَهْلِكِ.

اور اپنا دودھ بچے کو پلاتی رہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس وادی سے قبیلۂ جرہم کے کچھ لوگ گزرے تو انھوں نے پرندہ دیکھا تو حیران رہ گئے اور کہنے لگے کہ یہ پرندہ تو پانی ہی پر اڑتا ہے، تاہم انھوں نے اپنے قاصد کو بھیجا تو اس نے دیکھا کہ وہاں پانی تھا۔ وہ قاصد ان کے پاس آیا اور انھیں پانی سے آگاہ کیا، چنانچہ وہ لوگ حضرت ہاجرہ کے پاس آئے اور عرض کرنے لگے: اے اسماعیل علیہ السلام کی والدہ! کیا آپ ہمیں اجازت دیتی ہیں کہ ہم آپ کے پاس رہائش رکھیں یا آپ کے قریب سکونت کر لیں؟ (اجازت کے بعد یہ لوگ وہاں رہ گئے۔) جب ان (حضرت حاجرہ) کا بچہ بالغ ہوا تو اس قبیلے کی ایک عورت سے نکاح کر لیا۔ ادھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خیال آیا تو اپنی بیوی (سارہ) سے کہا: میں اپنے چھوڑے ہوئے بیوی بچوں کی خبر لینا چاہتا ہوں، چنانچہ وہ مکہ آئے، سلام کہا اور پوچھا کہ اسماعیل کہاں ہیں؟ ان کی بیوی نے کہا: وہ شکار کرنے گئے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پیغام دیا کہ جب وہ آئیں تو انھیں کہنا کہ اپنے دروازے کی دہلیز کو تبدیل کر دیں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام تشریف لائے تو بیوی نے انھیں سارا واقعہ بتایا۔ انھوں نے فرمایا کہ تو ہی دہلیز ہے، لہٰذا اپنے گھر چلی جاؤ۔

قَالَ: ثُمَّ إِنَّهُ بَدَا لِإِبْرَاهِيمَ فَقَالَ لِأَهْلِهِ: إِنِّي مُطَّلِعٌ تَرِكَتِي، قَالَ: فَجَاءَ فَقَالَ: أَيْنَ إِسْمَاعِيلُ؟ فَقَالَتِ امْرَأَتُهُ: ذَهَبَ يَصِيدُ، فَقَالَتْ: أَلَا تَنْزِلُ فَتَطْعَمَ وَتَشْرَبَ؟ فَقَالَ: وَمَا طَعَامُكُمْ وَمَا شَرَابُكُمْ؟ قَالَتْ: طَعَامُنَا اللَّحْمُ وَشَرَابُنَا الْمَاءُ، قَالَ: اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَهُمْ فِي طَعَامِهِمْ وَشَرَابِهِمْ قَالَ: فَقَالَ أَبُو الْقَاسِمِ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: پھر دوبارہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل میں خیال آیا تو اپنی بیوی (سارہ) سے فرمایا کہ میں اپنے چھوڑے ہوئے بیوی بچوں کو دیکھنا چاہتا ہوں، چنانچہ آپ تشریف لائے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے متعلق دریافت کیا کہ وہ کہاں ہیں؟ ان کی بیوی نے بتایا: وہ شکار کرنے گئے ہیں۔ آپ ہمارے ہاں ٹھہریں، کھانا کھائیں اور پانی نوش کریں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا: تمھارا

ﷺ: «بَرَكَةٌ بِدَعْوَةِ إِبْرَاهِيمَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِمَا وَسَلَّمَ».

خورونوش کیا ہے؟ اس نے بتایا کہ ہم گوشت کھاتے اور پانی پیتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا فرمائی: اے اللہ! ان کے کھانے پینے میں برکت عطا فرما۔ حضرت ابوالقاسم ﷺ نے فرمایا: ''یہ سب کچھ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کی برکت ہے۔''

قَالَ: ثُمَّ إِنَّهُ بَدَا لِإِبْرَاهِيمَ فَقَالَ لِأَهْلِهِ: إِنِّي مُطَّلِعٌ تَرِكَتِي، فَجَاءَ فَوَافَقَ إِسْمَاعِيلَ مِنْ وَرَاءِ زَمْزَمَ يُصْلِحُ نَبْلًا لَّهُ، فَقَالَ: يَا إِسْمَاعِيلُ! إِنَّ رَبَّكَ أَمَرَنِي أَنْ أَبْنِيَ لَهُ بَيْتًا، قَالَ: أَطِعْ رَبَّكَ، قَالَ: إِنَّهُ قَدْ أَمَرَنِي أَنْ تُعِينَنِي عَلَيْهِ، قَالَ: إِذَنْ أَفْعَلَ، أَوْ كَمَا قَالَ، قَالَ: فَقَامَا فَجَعَلَ إِبْرَاهِيمُ يَبْنِي، وَإِسْمَاعِيلُ يُنَاوِلُهُ الْحِجَارَةَ وَيَقُولَانِ: ﴿رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّآ إِنَّكَ أَنتَ ٱلسَّمِيعُ ٱلْعَلِيمُ﴾ [البقرة: ١٢٧]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خیال آیا تو اپنی بیوی حضرت (سارہ) سے فرمایا کہ میں اپنے چھوڑے ہوئے بچوں کو دیکھنا چاہتا ہوں، چنانچہ آپ تشریف لائے تو حضرت اسماعیل علیہ السلام سے زم زم کے پیچھے ملاقات ہو گئی جو اپنے تیروں کو درست کر رہے تھے۔ انھوں (حضرت ابراہیم علیہ السلام) نے فرمایا: اے اسماعیل! تیرے رب نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں بیت اللہ کی تعمیر کروں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے عرض کیا: اباجان! آپ اپنے رب کی فرمانبرداری کریں۔ فرمایا: اس نے مجھے یہ بھی حکم دیا ہے کہ آپ تعمیر کعبہ میں میری مدد کریں۔ انھوں نے (حضرت اسماعیل علیہ السلام نے) عرض کیا: میں اس خدمت کے لیے حاضر ہوں۔ بہرحال یہ دونوں حضرات اٹھ کھڑے ہوئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام تعمیر کرتے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام انھیں پتھر پکڑاتے تھے اور دونوں یہ دعا مانگتے تھے: ''اے ہمارے رب! ہماری طرف سے اس خدمت کو قبول فرما۔ یقیناً تو ہی سب کچھ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے۔''

قَالَ: حَتَّى ارْتَفَعَ الْبِنَاءُ وَضَعُفَ الشَّيْخُ عَنْ نَقْلِ الْحِجَارَةِ فَقَامَ عَلَى حَجَرِ الْمَقَامِ فَجَعَلَ يُنَاوِلُهُ الْحِجَارَةَ وَيَقُولَانِ: ﴿رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّآ إِنَّكَ أَنتَ ٱلسَّمِيعُ ٱلْعَلِيمُ﴾. [راجع: ٢٣٦٨]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: جب دیواریں اونچی ہو گئیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام پتھروں کی نقل وحرکت سے عاجز ہو گئے تو وہ مقام ابراہیم پر کھڑے ہو گئے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام انھیں پتھر اٹھا کر دینے لگے۔ ساتھ ساتھ وہ دونوں دعا کر رہے تھے: ''اے ہمارے پروردگار! ہمارا عمل قبول فرما۔ بے شک تو ہی سب کچھ خوب سننے والا

خوب جاننے والا ہے۔''

فائدہ: حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل ؑ جب بیت اللہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے تو انھوں نے مذکورہ دعا کے ساتھ مزید دعائیں بھی کیں جنھیں قرآن کریم نے بیان کیا ہے۔ اللہ کے حضور ان الفاظ میں دعائیں کیں: ''اے ہمارے پروردگار! ہم دونوں کو اپنا فرمانبردار بنا اور ہماری اولاد میں سے ایک مسلم جماعت بنا۔ ہمیں اپنی عبادت کے طریقے بتا اور ہماری توبہ قبول فرما۔ بلاشبہ تو بڑا توبہ قبول کرنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔ اے ہمارے رب! ان میں ایک رسول بھیج جو انھی میں سے ہو۔ وہ ان پر تیری آیات تلاوت کرے۔ انھیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور ان کو پاکیزہ بنائے۔ بلاشبہ تو نہایت غالب اور خوب حکمت والا ہے۔''[1] اللہ تعالیٰ نے ان کی ایک ایک دعا کو شرف قبولیت سے نوازا، چنانچہ آپ سراپا تسلیم و رضا تھے۔ اللہ تعالیٰ نے جب ان سے فرمایا: ''ابراہیم! تم فرمانبردار بن جاؤ تو انھوں نے فوراً جواب دیا: میں جہانوں کے رب کا فرمانبردار بنتا ہوں۔''[2] اس فرمانبرداری کی جھلک نمایاں طور پر اس وقت نظر آتی ہے جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم ؑ کو خواب میں اشارے سے کہا: اپنے بیٹے کو میری خاطر ذبح کر دو تو فوراً تعمیل حکم کے لیے تیار ہو گئے۔ ان کی فرمانبرداری کو قرآن نے بیان کیا ہے: ''جب وہ بیٹا (اسماعیل ؑ) ان کے ہمراہ دوڑ دھوپ کی عمر کو پہنچا تو ابراہیم ؑ نے کہا: پیارے بیٹے! میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تمھیں ذبح کر رہا ہوں، اب بتاؤ تمھاری کیا رائے ہے؟ بیٹے نے کہا: ابا جان! وہی کچھ کریں جو آپ کو حکم ہوا ہے۔ ان شاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والا پائیں گے۔ پھر جب دونوں نے سر تسلیم خم کر دیا اور ابراہیم ؑ نے اپنے بیٹے کو پیشانی کے بل گرا دیا، تب ہم نے پکارا: اے ابراہیم! تم نے اپنا خواب سچا کر دکھایا، ہم یقیناً نیکی کرنے والوں کو ایسے ہی صلہ دیتے ہیں، بلاشبہ یہ ایک صریح آزمائش تھی اور ہم نے ایک بڑی قربانی ان کا فدیہ دیا اور پچھلے لوگوں میں ان کا ذکر خیر چھوڑ دیا۔ ابراہیم پر سلامتی ہو۔''[3] چنانچہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل ؑ کی اطاعت گزاری کے متعلق قائم کردہ مثال اللہ تعالیٰ کو اتنی پسند آئی کہ قربانی کو مستقل سنت بنا دیا۔ قیامت تک لوگ قربانی کر کے اس سنت کو زندہ کرتے رہیں گے۔ واللّٰہ أعلم.

(۱۰) [بَابٌ]:

باب:10- بلاعنوان

وضاحت: اس عنوان کے تحت حضرت ابراہیم ؑ سے متعلقہ احادیث ذکر کی جائیں گی لیکن ان کی نوعیت پہلی احادیث کے اعتبار سے مختلف ہوگی۔ یہ عنوان پہلے عنوان کا تتمہ اور تکملہ ہے۔

٣٣٦٦ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ التَّيْمِيُّ عَنْ أَبِيهِ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا ذَرٍّ رَضِيَ اللهُ

[3366] حضرت ابوذر ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! روئے زمین پر سب سے پہلے کون سی مسجد بنائی گئی؟ آپ نے فرمایا: ''مسجد

1 البقرة 2:128، 129. 2 البقرة 2:131. 3 الصّٰفّٰت 37:102-109.

عَنْهُ قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! أَيُّ مَسْجِدٍ وُضِعَ فِي الْأَرْضِ أَوَّلُ؟ قَالَ: «الْمَسْجِدُ الْحَرَامُ»، قَالَ: قُلْتُ: ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ: «الْمَسْجِدُ الْأَقْصٰى». قُلْتُ: كَمْ كَانَ بَيْنَهُمَا؟ قَالَ: «أَرْبَعُونَ سَنَةً، ثُمَّ أَيْنَمَا أَدْرَكَتْكَ الصَّلَاةُ بَعْدُ فَصَلِّهْ فَإِنَّ الْفَضْلَ فِيهِ». [انظر: ٣٤٢٥]

حرام۔'' میں نے عرض کیا: پھر کون سی؟ آپ نے فرمایا: ''مسجد اقصیٰ۔'' میں نے دریافت کیا: ان دونوں میں کتنی مدت کا فاصلہ تھا؟ آپ نے فرمایا: ''چالیس سال کا، مگر جہاں بھی تمھیں نماز کا وقت آ جائے وہیں نماز پڑھ لو کیونکہ فضیلت اسی میں ہے۔''

فائدہ: اس مقام پر ایک مشہور اشکال ہے کہ سب سے پہلا گھر جو لوگوں کے لیے تعمیر ہوا وہی ہے جو مکہ میں ہے۔ برکت والا اور تمام جہانوں کے لیے ہدایت ہے۔[1] اور اس کی تعمیر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کی جبکہ مسجد اقصیٰ کو حضرت سلیمان علیہ السلام نے تعمیر کیا اور ان کے درمیان ایک ہزار سے بھی زیادہ سال کا فاصلہ ہے جبکہ اس حدیث میں چالیس سال مذکور ہیں۔ دراصل آیت کریمہ اور حدیث مذکور کا یہ مدلول نہیں کہ حضرت ابراہیم اور حضرت سلیمان علیہما السلام نے ان کو سب سے پہلے بنایا تھا بلکہ انھوں نے تو پہلی بنیادوں کی تجدید کی تھی کیونکہ بیت اللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور بیت المقدس حضرت سلیمان علیہ السلام سے پہلے تعمیر ہو چکے تھے۔ روایات میں ہے کہ سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام نے بیت اللہ تعمیر کیا، لہٰذا ممکن ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے کسی نے اپنی ضرورت کے پیش نظر اس کے چالیس سال بعد بیت المقدس کی تعمیر کی ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ کو سب سے پہلے فرشتوں نے بنایا ہو اور ان کی تعمیر میں چالیس سال کا فرق ہو، البتہ حضرت ابراہیم اور حضرت سلیمان علیہما السلام کی طرف نسبت اس لیے کی گئی کہ انھوں نے ان کی تجدید کی تھی۔[2] واللّٰہ أعلم.

٣٣٦٧ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ أَبِي عَمْرٍو مَوْلَى الْمُطَّلِبِ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ طَلَعَ لَهُ أُحُدٌ فَقَالَ: «هٰذَا جَبَلٌ يُحِبُّنَا وَنُحِبُّهُ، اَللّٰهُمَّ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ حَرَّمَ مَكَّةَ وَإِنِّي أُحَرِّمُ مَا بَيْنَ لَابَتَيْهَا».

[3367] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کے سامنے جبل اُحد آیا تو آپ نے فرمایا: ''یہ پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔ اے اللہ! حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم بنایا تھا اور میں مدینہ طیبہ کے دونوں پتھریلے میدانوں کے درمیان والی جگہ کو حرم قرار دیتا ہوں۔''

وَرَوَاهُ عَبْدُ اللهِ بْنُ زَيْدٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ. [راجع: ٣٧١]

اس روایت کو عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے بھی نبی ﷺ سے بیان کیا ہے۔

فوائد و مسائل: ① اُحد پہاڑ کی ہم سے محبت حقیقی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز میں اس کی شان کے مطابق علم و ادراک

[1] آل عمران 3:96. [2] فتح الباري: 495/6.

رکھا ہے جیسا کہ قرآن میں ہے: ﴿وَإِنْ مِّنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ وَلَٰكِنْ لَّا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ﴾ ''کوئی چیز ایسی نہیں جو اللہ کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح نہ کر رہی ہو لیکن تم ان کی تسبیح کو سمجھتے نہیں ہو۔''[1] ② اس حدیث سے مدینہ طیبہ کی حرمت ثابت ہوتی ہے۔ چونکہ اس میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا ذکر ہے کہ انھوں نے مکے کو حرم قرار دیا تھا، اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کو یہاں بیان کیا ہے۔

٣٣٦٨ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ أَنَّ ابْنَ أَبِي بَكْرٍ أَخْبَرَ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «أَلَمْ تَرَيْ أَنَّ قَوْمَكِ لَمَّا بَنَوُا الْكَعْبَةَ اقْتَصَرُوا عَنْ قَوَاعِدِ إِبْرَاهِيمَ؟» فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! أَلَا تَرُدُّهَا عَلَى قَوَاعِدِ إِبْرَاهِيمَ، فَقَالَ: «لَوْلَا حِدْثَانُ قَوْمِكِ بِالْكُفْرِ». فَقَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ: لَئِنْ كَانَتْ عَائِشَةُ سَمِعَتْ هٰذَا مِنْ رَّسُولِ اللهِ ﷺ مَا أُرَى أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ تَرَكَ اسْتِلَامَ الرُّكْنَيْنِ اللَّذَيْنِ يَلِيَانِ الْحِجْرَ إِلَّا أَنَّ الْبَيْتَ لَمْ يُتَمَّمْ عَلَى قَوَاعِدِ إِبْرَاهِيمَ. وَقَالَ إِسْمَاعِيلُ: عَبْدُ اللهِ بْنُ [مُحَمَّدِ ابْنِ] أَبِي بَكْرٍ. [راجع: ١٢٦]

[3368] نبی ﷺ کی زوجۂ محترمہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے عائشہ! تم نے دیکھا نہیں کہ تمھاری قوم نے جب کعبہ کی تعمیر کی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنیادوں پر تعمیر کرنے سے قاصر ہو گئے۔ میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! آپ بیت اللہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنیادوں پر کیوں نہیں تعمیر کر دیتے؟ آپ نے فرمایا: ''اگر تمھاری قوم کا زمانہ کفر کے قریب نہ ہوتا (تو میں ایسا کر دیتا۔'') حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: چونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ بات رسول اللہ ﷺ سے سنی تھی، اس لیے میرا گمان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حطیم کی جانب بیت اللہ کے دونوں کونوں کو ہاتھ لگانا چھوڑ دیا کیونکہ بیت اللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنیادوں پر تعمیر نہیں کیا گیا۔

(راویٔ حدیث) اسماعیل بن ابو اویس نے اس حدیث میں عبداللہ بن محمد بن ابوبکر کہا ہے۔

فوائد و مسائل: ① ایک روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے حطیم کی دیواروں کے متعلق دریافت کیا: آیا یہ بیت اللہ کا حصہ ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: ''ہاں! لیکن تیری قوم کے پاس اس قدر اخراجات نہیں تھے کہ وہ اسے بیت اللہ میں شامل کر کے تعمیر کرتے۔''[2] رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ''اگر مجھے تیری قوم کے جذبات کی پاسداری مقصود نہ ہوتی اور میرے پاس اخراجات کا بندوبست بھی ہوتا تو میں حطیم والی جگہ بیت اللہ میں شامل کر دیتا اور اسے زمین کے برابر کر کے اس میں دو دروازے رکھ دیتا، ایک داخل ہونے کے لیے اور ایک نکلنے کے لیے، لیکن مذکورہ امور کی بنا پر میں اسے موجودہ حالت پر چھوڑ تا ہوں۔''[3] ② اس حدیث میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اٹھائی ہوئی بیت اللہ کی بنیادوں کا ذکر ہے، اس لیے

---

1 بني إسرآءيل 17:44. 2 صحيح البخاري، الحج، حديث: 1584. 3 صحيح مسلم، الحج، حديث: 3245 (1333).

امام بخاری ؒ نے اس حدیث کو یہاں ذکر کیا ہے۔

٣٣٦٩ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي بَكْرِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَمْرِو بْنِ سُلَيْمٍ الزُّرَقِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبُو حُمَيْدٍ السَّاعِدِيُّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّهُمْ قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ! كَيْفَ نُصَلِّي عَلَيْكَ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «قُولُوا: اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّأَزْوَاجِهِ وَذُرِّيَّتِهِ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى آلِ إِبْرَاهِيمَ، وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّأَزْوَاجِهِ وَذُرِّيَّتِهِ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى آلِ إِبْرَاهِيمَ، إِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ». [انظر: ٦٣٦٠]

[3369] حضرت ابوحمید ساعدی ؓ سے روایت ہے کہ صحابۂ کرام ؓ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! ہم آپ پر درود کیسے پڑھیں؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس طرح کہا کرو: اے اللہ! حضرت محمد اور ان کی ازواج و اولاد پر رحمت نازل فرما، جس طرح تو نے حضرت ابراہیم ؑ کی اولاد پر رحمت نازل فرمائی تھی۔ اور حضرت محمد اور ان کی ازواج و اولاد پر برکت نازل فرما جس طرح تو نے حضرت ابراہیم ؑ کی اولاد پر برکت نازل فرمائی تھی۔ بلاشبہ تو خوبیوں والا اور عظمت والا ہے۔''

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں درود سے مراد دین و دنیا کی وہ برکتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم ؑ اور ان کی اولاد کو عطا فرمائیں۔ آج بیشتر اقوام عالم کا نسلی تعلق حضرت ابراہیم ؑ سے ملتا ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ نے یہی برکات سیدنا محمد ﷺ کو عطا فرمائی ہیں کہ آپ کا کلمہ پڑھنے والے آج روئے زمین پر لاتعداد موجود ہیں اور روزانہ نماز پنجگانہ کے وقت آپ کی رسالت کا اعلان اس شان سے کیا جاتا ہے کہ دنیا کے تمام پیشوایان مذہب میں اس کی مثال ناممکن ہے۔ ② اس درود میں حضرت ابراہیم ؑ بھی مراد ہیں کیونکہ آل کا لفظ زائد ہے یا ابراہیم ؑ بھی آل میں داخل ہیں یا ابراہیم ؑ بطریق اولیٰ مراد ہیں۔ معنی یہ ہیں کہ اے اللہ! جس طرح تو نے حضرت ابراہیم ؑ پر اپنی رحمتیں نازل فرمائی ہیں، ہم تجھ سے سوال کرتے ہیں کہ ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ پر بطریق اولیٰ اپنی رحمتیں نازل فرما۔ چونکہ حضرت ابراہیم ؑ اور آپ کی اولاد پر درود معروف ہے، لہٰذا رسول اللہ ﷺ پر رحمتیں نازل کرنے کی تشبیہ سے مراد شہرت کے اعتبار سے ہے۔ قرآن کریم میں ہے: ''اے اہل بیت! تم پر اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں نازل ہوں۔''[1] اس آیت کریمہ میں اہل بیت سے مراد حضرت ابراہیم ؑ کی آل و اولاد ہے جیسا کہ سیاق اس پر دلالت کرتا ہے۔ واللّٰہ أعلم.

٣٣٧٠ - حَدَّثَنَا قَيْسُ بْنُ حَفْصٍ وَّمُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَا: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ زِيَادٍ: حَدَّثَنَا أَبُو فَرْوَةَ مُسْلِمُ بْنُ سَالِمٍ الْهَمْدَانِيُّ: قَالَ: حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ عِيسَى: سَمِعَ عَبْدَ

[3370] حضرت عبدالرحمٰن بن ابولیلیٰ سے روایت ہے، انھوں نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ میری حضرت کعب بن عجرہ ؓ سے ملاقات ہوئی تو انھوں نے فرمایا: کیا میں تمھیں ایک تحفہ نہ دوں جو میں نے نبی ﷺ سے حاصل کیا ہے؟ میں

① هود 11:73.

الرَّحْمٰنِ بْنَ أَبِي لَيْلٰى قَالَ: لَقِيَنِي كَعْبُ بْنُ عُجْرَةَ، فَقَالَ: أَلَا أُهْدِي لَكَ هَدِيَّةً سَمِعْتُهَا مِنَ النَّبِيِّ ﷺ؟ فَقُلْتُ: بَلٰى، فَأَهْدِهَا لِي، فَقَالَ: سَأَلْنَا رَسُولَ اللهِ ﷺ فَقُلْنَا: يَا رَسُولَ اللهِ! كَيْفَ الصَّلَاةُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ؟ فَإِنَّ اللهَ قَدْ عَلَّمَنَا كَيْفَ نُسَلِّمُ، قَالَ: «قُولُوا: اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيمَ وَعَلٰى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ، اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيمَ وَ[عَلٰى] آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ». [انظر: ٤٧٩٧، ٦٣٥٧]

نے کہا: ہاں، مجھے وہ تحفہ ضرور عنایت کریں۔ انھوں نے بیان کیا کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تھا: اللہ کے رسول! ہم آپ پر اور آپ کے اہل بیت پر کس طرح درود بھیجا کریں؟ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر سلام بھیجنے کا طریقہ تو خود ہی ہمیں سکھا دیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یوں کہا کرو: اے اللہ! حضرت محمد اور آپ کی آل پر رحمت نازل فرما جس طرح تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد پر رحمت نازل فرمائی تھی۔ بلاشبہ تو خوبیوں والا، عظمت والا ہے۔ اور حضرت محمد اور آپ کی ازواج واولاد پر برکت نازل فرما جس طرح تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد پر برکت نازل فرمائی تھی۔ بلاشبہ تو خوبیوں والا عظمت والا ہے۔''

فوائد ومسائل: ① رسول اللہ ﷺ پر صلاۃ وسلام پڑھنے کا خود اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾ ''اے ایمان والو! تم اپنے نبی پر درود وسلام بھیجا کرو۔''[1] ② ہمارے ہاں بعض حضرات اس حکم کی تعمیل میں ایک خودساختہ درود وسلام پڑھتے ہیں، یعنی الصلاة والسلام علیك یا رسول اللّٰه کہتے ہیں۔ اس سے فاسد اور شرکیہ عقیدے کا اظہار ہوتا ہے، لہٰذا یہ پڑھنا درست نہیں بلکہ مسنون درود وسلام پڑھنا چاہیے۔ مذکورہ درود و سلام رسول اللہ ﷺ سے یا آپ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت نہیں ہے۔ حدیث میں ذکر کردہ درود کی تعلیم خود رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمائی ہے اور سلام پڑھنا ہمیں تشہد میں سکھایا گیا ہے اور وہ یہ ہے: اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُه. ③ اس حدیث میں آل سے مراد وہ لوگ ہیں جن پر مال زکاۃ حرام ہے۔ درود سے مراد یہ ہے کہ آپ کی آل واولاد خیر وبرکت کے ساتھ دنیا میں ہمیشہ باقی رہے گی۔ ④ اس درود میں ابراہیم اور آل ابراہیم کا ذکر ہے، اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کو ذکر کیا ہے۔

٣٣٧١ - حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ مَّنْصُورٍ، عَنِ الْمِنْهَالِ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُعَوِّذُ الْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ،

[3371] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ کلمات ذیل سے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کو دم کرتے اور فرماتے تھے: ''تمھارے دادا حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی انھی کلمات سے حضرت اسماعیل اور

---

1 الأحزاب 33:56.

وَيَقُولُ: «إِنَّ أَبَاكُمَا كَانَ يُعَوِّذُ بِهَا إِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ، أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللهِ التَّامَّةِ، مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَّهَامَّةٍ، وَّمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَّامَّةٍ».

حضرت اسحاق ﷤ کو دم کرتے تھے: میں اللہ کے کلمات تامہ کے ذریعے سے ہر شیطان، زہریلے جانور اور ہر ضرر رساں نظر کے شر سے پناہ مانگتا ہوں۔"

فوائد و مسائل: ① تعوذ، استعاذہ اور تعویذ سب کے ایک ہی معنی ہیں کہ میں تمھیں ان کلمات کے ذریعے سے مذکورہ اشیاء سے اللہ کی پناہ میں دیتا ہوں۔ التامۃ اللہ کے کلمات کی صفت لازمہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے تمام کلمات تامہ ہیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کلمات اللہ غیر مخلوق ہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ کسی مخلوق کی پناہ نہیں لیتے تھے۔ ② واضح رہے کہ امام بخاری ؒ نے اس عنوان کے تحت جس قدر احادیث بیان فرمائی ہیں، ان سب میں کسی نہ کسی پہلو سے حضرت ابراہیم ؑ اور آپ کی آل و اولاد کا ذکر ہے۔ عنوان اور احادیث میں یہی مناسبت ہے۔ ضمنی طور پر احادیث میں اور بھی بہت سے مسائل کا ذکر آ گیا ہے جو ان احادیث پر غور وفکر کرنے سے معلوم کیے جا سکتے ہیں۔ واللہ أعلم.

(١١) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿وَنَبِّئْهُمْ عَن ضَيْفِ إِبْرَاهِيمَ﴾ اَلْآيَةَ [الحجر: ٥١] ﴿لَا تَوْجَلْ﴾ [٥٣]: لَا تَخَفْ. ﴿وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتَىٰ﴾ [البقرة: ٢٦٠].

باب: 11- ارشاد باری تعالیٰ: "اور آپ انھیں حضرت ابراہیم کے مہمانوں کی خبر دیں۔" ﴿لَا تَوْجَلْ﴾ کے معنی لَا تَخَفْ کے ہیں، یعنی خوف نہ کر۔ ارشاد باری تعالیٰ: "اور جب ابراہیم نے کہا تھا: اے میرے رب! مجھے دکھا تو مُردوں کو کیسے زندہ کرے گا" کا بیان

وضاحت: امام بخاری ؒ نے اس عنوان کے تحت حضرت ابراہیم ؑ سے متعلق دو واقعات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ایک واقعے کے لیے تو صرف آیت کریمہ پر اکتفا کیا جبکہ دوسرے کے لیے آیت کریمہ کی تفسیر میں ایک حدیث بھی نقل کی ہے۔ پہلا واقعہ حضرت ابراہیم ؑ کے معزز مہمانوں کا ہے۔ دراصل جو فرشتے قوم لوط کی ہلاکت کے لیے بھیجے گئے تھے وہ پہلے سیدنا ابراہیم ؑ کے پاس ایک بیٹے کی خوشخبری دینے کے لیے انسانی شکل میں آئے۔ آپ چونکہ بہت مہمان نواز تھے، اس لیے آپ نے ان سے نہیں پوچھا کہ جناب آپ کھانا تناول فرمائیں گے؟ کیونکہ عام طور پر ایسے موقع پر مہمان کہہ دیتے ہیں کہ پُر باش تکلیف کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ آپ چپکے سے اپنے گھر تشریف لے گئے اور ایک موٹا تازہ بچھڑا ذبح کر کے اسے بھون کر مہمانوں کی ضیافت کے لیے لے آئے۔ جب فرشتوں نے کھانے کی طرف ہاتھ تک نہ بڑھائے تو سیدنا ابراہیم ؑ کو دال میں کچھ کالا کالا محسوس ہوا اور ان سے ڈرنے لگے۔ اس ڈر کی دو وجہیں ہو سکتی ہیں: (ا) عرب میں قبائلی دستور یہ تھا کہ اگر مہمان کھانا نہ کھاتا تو یہ خیال کیا جاتا کہ یہ کسی بری نیت سے آیا ہے۔ ایسا کرنے سے وہ نمک حرام نہیں بننا چاہتا تھا۔ (ب) حضرت ابراہیم ؑ کو معلوم ہو گیا کہ یہ انسان نہیں بلکہ فرشتے ہیں اور فرشتے غیر معمولی حالات کے سوا انسانی شکل میں نہیں آیا کرتے، اس لیے آپ

کو خوف لاحق ہوا کہ کوئی خوفناک معاملہ درپیش ہے۔ ایک اور وجہ بھی ممکن ہے۔ چونکہ فرشتے قوم لوط کو تباہ کرنے کی نیت سے آئے تھے، اس لیے ان کے چہروں پر غصے کے آثار نمایاں تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خطرہ محسوس ہوا شاید مجھ سے یا اہل خانہ سے کوئی غلطی ہوگئی ہے جس کی وجہ سے یہ انسان غضبناک دکھائی دے رہے ہیں۔ بہرحال فرشتوں کی وضاحت کے بعد آپ کا خوف دور ہوگیا۔ بہرحال اس واقعے کی تفصیل سورۂ ہود، سورۂ حجر، سورۂ عنکبوت اور سورۂ ذاریات میں دیکھی جاسکتی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے چونکہ سورۂ حجر کی آیت کا حوالہ دیا ہے، اس لیے متعلقہ آیات کا ترجمہ پیش خدمت ہے: ''اور آپ انھیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مہمانوں کا حال بتائیں، جب وہ ان کے ہاں آئے تو انھوں نے ابراہیم علیہ السلام کو سلام کیا۔ ابراہیم علیہ السلام نے کہا: ہمیں تو تم سے ڈر لگتا ہے۔ وہ کہنے لگے: ڈرو نہیں، ہم تمھیں ایک بہت بڑے صاحب علم لڑکے کی خوش خبری دیتے ہیں۔''[1]

٣٣٧٢ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ: حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ وَسَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «نَحْنُ أَحَقُّ بِالشَّكِّ مِنْ إِبْرَاهِيمَ إِذْ قَالَ: ﴿رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِ ٱلْمَوْتَىٰ قَالَ أَوَلَمْ تُؤْمِن قَالَ بَلَىٰ وَلَٰكِن لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِي﴾ [البقرة: ٢٦٠] وَيَرْحَمُ اللهُ لُوطًا، لَقَدْ كَانَ يَأْوِي إِلَى رُكْنٍ شَدِيدٍ، وَلَوْ لَبِثْتُ فِي السِّجْنِ طُولَ مَا لَبِثَ يُوسُفُ لَأَجَبْتُ الدَّاعِيَ». [انظر: ٣٣٧٥، ٣٣٨٧، ٤٥٣٧، ٤٦٩٤، ٦٩٩٢]

[3372] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام سے شک کرنے کے زیادہ حق دار تھے جب انھوں نے کہا: اے میرے رب! مجھے دکھا تو مردوں کو کس طرح زندہ کرتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا تجھے یقین نہیں ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا: کیوں نہیں، (یقین ہے) لیکن چاہتا ہوں کہ میرے دل کو قرار آجائے۔'' اور اللہ تعالیٰ حضرت لوط علیہ السلام پر رحم فرمائے! وہ ایک زبردست رکن کی پناہ لینا چاہتے تھے۔ اور اگر میں قید خانے میں اتنا عرصہ رہتا جتنا حضرت یوسف علیہ السلام رہے تو میں فوراً بلانے والے کی بات کو مان لیتا۔''

فوائد و مسائل: ① حدیث کے معنی یہ ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مردوں کو زندہ کرنے کے متعلق سوال کرنا شک کی بنیاد پر نہ تھا بلکہ وہ مشاہدے اور معائنے سے علم میں اضافہ چاہتے تھے کیونکہ آنکھوں دیکھی چیز سے جو معرفت اور طمانیت حاصل ہوتی ہے وہ استدلال سے نہیں ہوتی۔ دوسرے الفاظ میں وہ علم الیقین سے عین الیقین تک جانا چاہتے تھے۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر ابراہیم علیہ السلام کا سوال شک کی بنا پر ہوتا تو ہم اس شک کے زیادہ حق دار تھے لیکن جب ہمیں شک نہیں تو وہ شک نہ کرنے کے زیادہ حق دار ہیں، لیکن ان کا سوال مشاہدے کے لیے تھا تاکہ کسی سے اس موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے اطمینان کے ساتھ اپنا اظہار مافی ضمیر کرسکیں۔ کہا جاتا ہے: ''شنیدہ کے بود مانند دیدہ۔'' ② اسی طرح حضرت لوط علیہ السلام جو اپنے تبلیغی مرکز ''سدوم'' میں غریب الدیار تھے، ان کا یہاں کوئی کنبہ قبیلہ نہیں تھا، بیوی بھی کافر اور بے وفا تھی، ایسے حالات میں معزز مہمانوں کے ساتھ قوم

① الحجر 15:51-53.

نے جوطوفان بدتمیزی اٹھایا وہ انسانی عزت وشرافت کے بالکل برعکس تھا۔ اس وقت حضرت لوط علیہ السلام نے ظاہری اسباب کے فقدان کا اظہار ان الفاظ میں کیا: ''کاش میرے پاس تمھارے مقابلے کے لیے قوت ہوتی یا کسی مضبوط سہارے کی طرف پناہ لے لیتا۔'' یہ الفاظ سن کر فرشتے خاموش نہ رہ سکے اور کہنے لگے: آپ اتنے پریشان نہ ہوں۔ ہم لڑکے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ ہمیں چھیڑنا تو درکنار تمھارا بھی کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ ''قوۃ'' سے مراد وہ طاقت جو کسی کی مدد کے بغیر انھیں حاصل ہو اور ''رکن شدید'' سے وہ قوت مراد ہے جو کسی دوسرے کی مدد سے حاصل ہو۔ اللہ تعالیٰ کی مدد کا ذکر اس لیے نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کو عالم اسباب بنایا ہے یہاں کوئی چیز اسباب سے خالی نہیں۔ اللہ تعالیٰ تو ہر حال اور بہر مکان مددگار وفریاد رس ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی مدح فرمائی کہ وہ تو زبردست رکن کی پناہ لینا چاہتے تھے مگر وہ جانتے تھے کہ اس دار دنیا میں اعانت صرف دو میں منحصر ہے: اپنی اور غیر کی، اس لیے ان دو کا ذکر فرمایا۔ بہر حال حضرت لوط علیہ السلام کا مذکورہ الفاظ کہنا ظاہری اسباب کے اعتبار سے تھا بصورت دیگر ایک نبی اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر قوم یا قبیلے سے کیسے مدد طلب کر سکتا ہے؟[3] حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق آپ نے جس قسم کے جذبات کا اظہار فرمایا وہ اپنی تواضع اور فروتنی کے طور پر فرمایا۔ آپ کے اندر تو صبر واستقلال بدرجۂ اتم موجود تھا کسی نے سچ کہا ہے۔

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

بہر حال حضرت یوسف علیہ السلام نے قید سے آزادی کو ٹھکرا دیا۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ جب تک میرے اس جرم بے گناہی کی تحقیق نہ ہو جائے اور میری پوری طرح بریت نہ ہو جائے میں قید سے باہر آنے کو تیار نہیں کیونکہ میں کسی ناواقف کے دل میں یہ شائبہ نہیں چاہتا کہ شاید اس معاملے میں یوسف علیہ السلام کا بھی کچھ قصور تھا۔ بہر حال رسول اللہ ﷺ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے صبر وتحمل اور ثابت قدمی ومتانت کی تعریف کی ہے کہ اتنا عرصہ قید میں رہنے کے باوجود جلدی سے کام لے کر اپنی عزت پر حرف نہیں آنے دیا۔

(١٢) بَابُ قَوْلِ اللهِ تَعَالَى: ﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتَٰبِ إِسْمَٰعِيلَ إِنَّهُۥ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ﴾ [مريم: ٥٤].

باب: 12- ارشاد باری تعالیٰ: ''اور کتاب میں حضرت اسماعیل کا ذکر کیجیے، یقیناً وہ وعدے کے سچے تھے'' کا بیان

٣٣٧٣ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا حَاتِمٌ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي عُبَيْدٍ، عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: مَرَّ رَسُولُ اللهِ ﷺ عَلَى نَفَرٍ مِّنْ أَسْلَمَ يَنْتَضِلُونَ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «ارْمُوا بَنِي إِسْمَاعِيلَ فَإِنَّ أَبَاكُمْ كَانَ رَامِيًا،

[3373] حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ کا گزر قبیلۂ اسلم کے چند لوگوں کے پاس سے ہوا جو تیراندازی کر رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے اولاد اسماعیل! تیراندازی کرو کیونکہ تمھارے باپ بھی بڑے تیرانداز تھے۔ اور میں فلاں فریق کی طرف

وَأَنَا مَعَ ابْنِ فُلَانٍ»، قَالَ: فَأَمْسَكَ أَحَدُ الْفَرِيقَيْنِ بِأَيْدِيهِمْ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَا لَكُمْ لَا تَرْمُونَ؟» فَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ! نَرْمِي وَأَنْتَ مَعَهُمْ؟ قَالَ: «اِرْمُوا وَأَنَا مَعَكُمْ كُلِّكُمْ». [راجع: ٢٨٩٩]

ہوں۔" راوی کہتے ہیں: یہ سن کر دوسرے فریق نے ہاتھ روک لیے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تمھیں کیا ہوا، تیراندازی کیوں نہیں کرتے؟" انھوں نے کہا: اللہ کے رسول! ہم کس طرح تیراندازی کریں جبکہ آپ دوسرے فریق کے ساتھ ہیں؟ پھر آپ نے فرمایا: "تیراندازی کرو، میں تم سب کے ساتھ ہوں۔"

فوائد و مسائل: ① جزیرۂ عرب کے باشندے بنواسماعیل اور شام و فلسطین کے باشندے بنواسرائیل ہیں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے یمن کے ایک جرہم نامی قبیلے سے عربی زبان سیکھی اور آپ بہترین تیر ساز اور تیز انداز تھے۔ عنوان میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ذکر تھا اور حدیث بھی آپ کے ذکر خیر پر مشتمل ہے۔ ② اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ باپ دادا کے اچھے کاموں کو عمل میں لانا باعث تعریف ہے، باتوں میں "پدرم سلطان بود" کہنا قابل مذمت ہے۔ ③ ذکر کردہ آیت کے آخر میں ہے کہ حضرت اسماعیل رسول نبی تھے۔ آپ کو ابراہیمی شریعت دے کر بنو جرہم کی طرف بھیجا گیا۔ رسول اللہ ﷺ انھی کی اولاد سے ہیں۔ آپ کا صادق الوعد ہونا مشہور تھا۔ اللہ سے یا بندوں سے جو وعدہ کیا اسے ضرور پورا کرتے، خواہ اس وعدہ وفائی میں جان تک قربان کرنا پڑے۔ واللّٰہ المستعان.

(١٣) [بَابُ] قِصَّةِ إِسْحَاقَ بْنِ إِبْرَاهِيمَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

باب: 13- اللہ کے نبی اسحاق بن ابراہیم علیہ السلام کا قصہ

فِيهِ ابْنُ عُمَرَ وَأَبُو هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.

ان کے متعلق حضرت ابن عمر اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔

وضاحت: سیدہ سارہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں کے ذریعے سے حضرت اسحاق کے پیدا ہونے کی خوشخبری دی اور اسحاق علیہ السلام کے بعد یعقوب علیہ السلام کے پیدا ہونے کی بھی نوید سنائی، یعنی بیٹے اور پوتے دونوں کی بیک وقت خوش خبری دی۔[1] حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بشارت دی گئی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "اور ہم نے ابراہیم کو اسحاق کی خوش خبری دی جو صالح لوگوں میں سے نبی ہوگا۔"[2] جبکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام رسول اور نبی تھے جیسا کہ قرآن میں ہے: "وہ وعدے کے سچے اور رسول نبی تھے۔"[3] ② امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت اسحاق علیہ السلام کے متعلق دو حدیثوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث جس میں سیدنا یوسف کو کریم بن کریم ..... کہا گیا ہے۔[4] اس سلسلۃ الذہب میں حضرت اسحاق علیہ السلام کا نام نامی اسم گرامی بھی ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "لوگوں میں سے زیادہ معزز خاندان حضرت یوسف علیہ السلام کا ہے جو

1 هود 11:71. 2 الصّٰفّٰت 37:112. 3 مريم 19:54. 4 صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، حديث: 3390.

خود اللہ کے نبی، اللہ کے نبی کے بیٹے اللہ کے نبی کے پوتے اور اللہ کے نبی کے پڑپوتے ہیں۔''[1] اس سنہری لڑی میں بھی حضرت اسحاق علیہ السلام کا نام ہے کہ وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے دادا ہیں۔

(١٤) بَابٌ: ﴿أَمْ كُنتُمْ شُهَدَآءَ إِذْ حَضَرَ يَعْقُوبَ ٱلْمَوْتُ إِذْ قَالَ لِبَنِيهِ﴾ الْآيَةَ: [البقرة: ١٣٣].

باب: 14- (ارشاد باری تعالیٰ:) ''کیا تم اس وقت موجود تھے جب حضرت یعقوب پر موت کا وقت آیا، جب انھوں نے اپنے بیٹوں سے کہا......'' الآیة کا بیان

وضاحت: پوری آیت اس طرح ہے: ''حضرت یعقوب علیہ السلام نے موت کے وقت اپنے بیٹوں سے پوچھا: میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے؟ انھوں نے جواب دیا: ہم اس ایک الٰہ کی بندگی کریں گے جو آپ کا اور آپ کے آباؤ اجداد ابراہیم، اسماعیل اور اسحاق کا الٰہ ہے اور ہم اس کے فرمانبردار رہیں گے۔''[2] یہود کہتے تھے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے ہمیں یہودی رہنے کی وصیت کی تھی۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی: ﴿وَوَصَّى بِهَا إِبْرَاهِيمُ بَنِيهِ وَيَعْقُوبُ يَـٰبَنِيَّ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَى لَكُمُ الدِّينَ فَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ﴾ ''حضرت ابراہیم اور حضرت یعقوب نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی کہ اے میرے بیٹو! اللہ نے تمھارے لیے یہی دین پسند کیا ہے، لہٰذا تم مرتے دم تک مسلمان ہی رہنا۔''[3] پھر اللہ تعالیٰ نے یہود سے پوچھا کہ کیا تم اس وقت موجود تھے جب حضرت یعقوب کو موت آئی ہے؟ پھر اس کی خود حقیقت بیان فرما دی۔ بہرحال حضرت یعقوب علیہ السلام نے موت کے وقت بھی اسلام پر قائم رہنے کی وصیت فرمائی اور حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں میں سے ایک حضرت یوسف علیہ السلام بھی ہیں جن کا نسب صالح درج ذیل حدیث میں بیان ہوا ہے۔

٣٣٧٤ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ: سَمِعَ الْمُعْتَمِرَ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قِيلَ لِلنَّبِيِّ ﷺ: مَنْ أَكْرَمُ النَّاسِ؟ قَالَ: «أَكْرَمُهُمْ أَتْقَاهُمْ»، قَالُوا: يَا نَبِيَّ اللهِ! لَيْسَ عَنْ هٰذَا نَسْأَلُكَ، قَالَ: «فَأَكْرَمُ النَّاسِ يُوسُفُ نَبِيُّ اللهِ ابْنُ نَبِيِّ اللهِ ابْنِ نَبِيِّ اللهِ ابْنِ خَلِيلِ اللهِ». قَالُوا: لَيْسَ عَنْ هٰذَا نَسْأَلُكَ، قَالَ: «أَفَعَنْ مَعَادِنِ الْعَرَبِ تَسْأَلُونِي؟» قَالُوا: نَعَمْ،

[3374] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ سے عرض کیا گیا: لوگوں میں سے سب سے زیادہ مکرم کون ہے؟ آپ نے فرمایا: ''ان میں زیادہ معزز و محترم وہ ہے جو اللہ تعالیٰ سے زیادہ ڈرنے والا ہو۔'' انھوں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! ہم آپ سے یہ نہیں پوچھتے۔ آپ نے فرمایا: ''لوگوں میں سب سے زیادہ مکرم یوسف بن نبی اللہ بن نبی اللہ بن خلیل اللہ ہیں۔'' لوگوں نے کہا: ہم آپ سے اس کے متعلق بھی نہیں پوچھ رہے۔ (ہمارا مقصد یہ بھی نہیں۔) تو آپ نے فرمایا: ''تم

① صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، حديث: 3374. ② البقرة 2:133. ③ البقرة 2:132.

قَالَ: «فَخِيَارُكُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ خِيَارُكُمْ فِي الْإِسْلَامِ إِذَا فَقُهُوا». [راجع: ٣٣٥٣]

خاندان عرب کے متعلق پوچھ رہے ہو؟'' انھوں نے کہا: جی ہاں۔ تو آپ نے فرمایا: ''تم میں سے جو جاہلیت میں اچھے تھے وہ اسلام میں بھی اچھے ہیں بشرطیکہ وہ دین میں فقاہت حاصل کریں۔''

فوائد و مسائل: ① لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرب کے خاندان کے متعلق پوچھا کہ ان میں معزز کون سا خاندان ہے؟ کیونکہ لوگ ان کی طرف خود کو منسوب کرتے تھے اور آپس میں اسے فخر کا ذریعہ خیال کرتے تھے۔ ② ان خاندان کو معادن اس لیے کہا کہ ان میں مختلف استعداد و قابلیت پائی جاتی ہے جیسا کہ کانوں میں نفیس اور غیر نفیس دونوں قسم کے جواہر ہوتے ہیں یا انھیں کانوں سے تشبیہ دی کہ وہ شرف و عزت کے محل ہیں جس طرح کانوں میں مختلف جواہرات پائے جاتے ہیں۔[1] ③ اس حدیث کی مزید تشریح قبل ازیں حدیث: 3358 میں ملاحظہ کریں۔ اس حدیث میں حضرت یوسف ؑ کا نسب نامہ بیان ہوا ہے کہ وہ یعقوب کے بیٹے ہیں، نیز اس میں صراحت ہے کہ بیٹا، باپ، دادا اور پردادا چاروں اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں۔ ؊۔

(١٥) بَابٌ: ﴿وَلُوطًا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ أَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ﴾ إِلَى قَوْلِهِ ﴿فَسَاءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِينَ﴾ [النمل: ٥٤-٥٨].

باب: 15- (ارشاد باری تعالیٰ): ''ہم نے حضرت لوط کو بھیجا، جب اس نے اپنی قوم سے کہا: کیا تم بے حیائی پر اتر آئے ہو ...... تو ڈرائے گئے لوگوں پر (پتھروں کی) بدترین بارش برسائی گئی تھی'' کا بیان

وضاحت: پوری آیات کا ترجمہ یہ ہے: ''اور حضرت لوط نے جب اپنی قوم سے کہا: کیا تم سمجھ رکھنے کے باوجود بدکاری کرتے ہو؟ کیا تم شہوت رانی کے لیے عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے پاس جاتے ہو؟ بلکہ تم تو جہالت کے کام کرتے ہو، چنانچہ ان کی قوم سے کوئی جواب نہ بن پایا ماسوائے اس کے کہ انھوں نے یہ کہہ دیا: لوط اور اس کے ساتھیوں کو اپنے شہر سے نکال دو، یہ بڑے پاکباز بنتے ہیں، چنانچہ ہم نے لوط اور اس کے گھر والوں کو بچا لیا ماسوائے ان کی بیوی کے، جس کے لیے پیچھے رہ جانا ہم نے مقدر کر دیا تھا۔ ہم نے ان پر پتھروں کی بارش برسائی، کیسی بری بارش ان پر ہوئی جنھیں ڈرایا گیا تھا۔''[2] حضرت لوط ؑ حضرت ابراہیم ؑ کے بھتیجے تھے۔ آپ کی قوم میں سے صرف لوط ؑ ہی ایمان لائے تھے۔ آپ نے انھیں سدوم کے علاقے میں دعوت و تبلیغ کے لیے بھیج دیا۔ قوم لوط میں دیگر برائیوں کے علاوہ ہم جنس پرستی (لونڈے بازی) کا مرض بھی تھا بلکہ وہ اس کے موجد تھے۔ قرآن کریم میں حضرت لوط ؑ کا تفصیل سے ذکر آیا ہے، چنانچہ سورۂ اعراف، ہود، شعراء، نمل اور صافات میں اس قوم کی سرگزشت موجود ہے۔ اس قوم پر اللہ تعالیٰ کے چار عذاب آئے: پہلے انھیں اندھا کر دیا گیا، پھر سخت چنگھاڑ سے ان کے دل پھٹے، بالآخر انھیں زمین سے اٹھا کر الٹا کر کے زمین پر پٹخ دیا گیا، اوپر سے پتھروں کی بارش برسائی گئی۔ آج وہاں بحر مردار ہے جس کا

[1] فتح الباري: 502/6. [2] النمل 27: 54-58.

پانی بدبودار ہے، جس سے کسی قسم کا فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا بلکہ اس کے اردگرد تمام اشیاء بھی بے کار اور بے سود ہیں۔

٣٣٧٥ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ: حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «يَغْفِرُ اللهُ لِلُوطٍ إِنْ كَانَ لَيَأْوِي إِلَى رُكْنٍ شَدِيدٍ». [راجع: ٣٣٧٢]

[3375] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ حضرت لوط علیہ السلام پر رحم فرمائے! وہ ایک مضبوط رکن کی پناہ لینا چاہتے تھے۔''

فوائد و مسائل: ① رسول اللہ ﷺ کا اشارہ اس آیت کریمہ کی طرف تھا: ''لوط نے کہا: کاش! میں تمھارا مقابلہ اپنی قوت بازو سے کر سکتا یا کسی مضبوط سہارے کی طرف پناہ لے سکتا۔''[1] جیسا کہ پہلے بیان ہوا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انھیں علاقۂ سدوم کی طرف دعوت و تبلیغ کے لیے روانہ کیا۔ وہاں آپ غریب الدیار تھے کیونکہ یہ بستی شام کے علاقے میں تھی اور آپ عراق کے رہائشی تھے، نیز وہاں ان کے خاندان کا کوئی فرد نہ تھا صرف ایک بیوی وہ بھی در پردہ قوم کے ساتھ تھی اور حضرت لوط سے انتہائی بے وفا تھی۔ جب قوم، لوط علیہ السلام کے مہمانوں کے ساتھ بدتمیزی کرنے پر اتر آئی تو انھوں نے کہا: کاش! میرے پاس ذاتی قوت ہوتی یا میرا یہاں کوئی خاندان یا قبیلہ ہوتا جو آج میری عزت کا دفاع کرتا۔ اس کے بعد جتنے بھی نبی مبعوث ہوئے ہیں وہ بڑے جتھے اور قبیلے والے تھے۔ غالباً قوم شعیب نے خاندانی اثر ورسوخ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا: ''اگر تمھاری برادری نہ ہوتی تو ہم تمھیں سنگسار کر دیتے۔''[2] ② امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب حضرت لوط علیہ السلام اپنے مہمانوں کا حال دیکھ کر گھبرائے تو اس وقت فرمایا: وہ کسی مضبوط سہارے کی پناہ لینا چاہتے ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ انھوں نے در پردہ اللہ کی پناہ ہی حاصل کی ہو لیکن معذرت خواہی کے طور پر مہمانوں کے سامنے یہ کلام ظاہر کیا ہو، اس کے بعد فرشتے بھی خاموش نہ رہ سکے اور کہنے لگے: آپ اتنے پریشان نہ ہوں ہم لڑکے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں۔ یہ لوگ ہمیں چھیڑنا تو درکنار تمھارا بھی کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ جب رات کا کچھ حصہ گزر جائے تو آپ اپنے گھر والوں کو لے کر اس بستی سے نکل جائیں اور تم میں سے کوئی بھی پیچھے مڑ کر نہ دیکھے، البتہ تمھاری بیوی پر وہی کچھ گزرنا ہے جو ان پر گزرے گا۔ ان پر عذاب کے لیے صبح کا وقت مقرر ہو چکا ہے، چنانچہ پھر انھیں صفحۂ ہستی سے مٹا دیا گیا۔

(١٦) بَابٌ: ﴿فَلَمَّا جَآءَ ءَالَ لُوطٍ ٱلْمُرْسَلُونَ ۝ قَالَ إِنَّكُمْ قَوْمٌ مُّنكَرُونَ﴾ [الحجر: ٦١، ٦٢]

باب: 16- (ارشاد باری تعالیٰ:) ''جب یہ فرستادہ (فرشتے) لوط کے گھر آئے تو لوط نے ان سے کہا: تم تو اجنبی معلوم ہوتے ہو'' کا بیان

﴿بِرُكْنِهِ﴾ [الذاريات: ٣٩] بِمَنْ مَعَهُ لِأَنَّهُمْ

﴿بِرُكْنِهِ﴾ (فرعون) اپنے ساتھیوں سمیت کیونکہ وہ اس

① ہود 11:80. ② ہود 11:91.

قُوَّتُهُ. ﴿تَرْكَنُوٓا﴾ [هود:١١٣]: تَمِيلُوا. فَأَنْكَرَهُمْ وَ ﴿نَكِرَهُمْ﴾ [هود:٧٠]: وَاسْتَنْكَرَهُمْ وَاحِدٌ. ﴿يُهْرَعُونَ﴾ [هود:٧٨]: يُسْرِعُونَ. ﴿دَابِرَ﴾ [الحجر:٦٦]: آخِرَ. ﴿صَيْحَةً﴾ [يس: ٢٩]: هَلَكَةٌ. ﴿لِلْمُتَوَسِّمِينَ﴾ [الحجر:٧٥]: لِلنَّاظِرِينَ. ﴿لَبِسَبِيلٍ﴾ [٧٦]: لَبِطَرِيقٍ.

کی طاقت تھے۔ ﴿تَرْكَنُوا﴾ تم جھکو، فَأَنْكَرَهُمْ، وَنَكِرَهُمْ اور اِسْتَنْكَرَهُمْ کے معنی ایک ہی ہیں، یعنی انھیں اجنبی خیال کیا۔ ﴿يُهْرَعُونَ﴾ کے معنی ہیں: تیزی سے دوڑتے ہوئے۔ ﴿دَابِرَ﴾ اس کی جڑ یا آخری انسان۔ ﴿صَيْحَةً﴾ ہلاکت خیز دھماکہ۔ ﴿لِلْمُتَوَسِّمِينَ﴾ صاحب بصیرت لوگوں کے لیے ﴿لَبِسَبِيلٍ﴾ شارع عام۔

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ نے چند الفاظ کا انتخاب کیا ہے جو ان سورتوں میں ہیں جن میں لوط علیہ السلام اور ان کی قوم کا تفصیلی تذکرہ ہے۔ حضرت لوط علیہ السلام کا تبلیغی مرکز سدوم کا شہر تھا۔ یہ علاقہ عراق اور فلسطین کے درمیان ہے جسے آج کل مشرقی اردن کہا جاتا ہے۔ جہاں عذاب آیا تھا وہ چار بستیاں تھیں جن میں تقریباً چار لاکھ کی آبادی تھی۔ یہ سب بدکار اور مجرم قسم کے لوگ تھے۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے اس پورے خطۂ زمین کو اپنے پروں پر اٹھایا، پھر فضا میں بلندی پر لے جا کر انھیں زمین پر دے مارا۔ اوپر سے پتھروں کی بارش کی گئی۔ وہ پتھر عام نہ تھے بلکہ نشان زدہ تھے، چنانچہ وہ خطۂ زمین سطح سمندر سے 400 کلومیٹر نیچے چلا گیا اور پانی اوپر آ گیا یہی پانی بحر مردار کہلاتا ہے۔ اس سے بدبو آتی ہے اور کسی کام میں استعمال ہونے کے قابل نہیں ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلے میں چند تنبیہات ذکر کریں: ○ سیدنا ابراہیم علیہ السلام بھی ان فرشتوں کو دیکھ کر پریشان ہوئے اور انھیں اجنبی خیال کیا اور حضرت لوط علیہ السلام نے بھی انھیں اجنبی سمجھا لیکن دونوں حضرات کے خطرے کی نوعیت مختلف تھی۔ (ل) حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ خطرہ تھا کہ انھوں نے کھانا نہیں کھایا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی بری نیت سے ان کے گھر آئے ہیں۔ (ب) حضرت لوط علیہ السلام اپنی قوم کا حال جانتے تھے اور یہ نوجوان مہمان بھی بہت خوبصورت تھے، اس لیے آپ دل ہی دل میں سخت خوفزدہ تھے۔ ○ حضرت لوط علیہ السلام نے قوم کی بدتمیزی اور علانیہ دیدہ دلیری دیکھ کر کہا: کاش میرے پاس ذاتی قوت ہوتی یا میرا کوئی مضبوط سہارا ہوتا۔ اس میں لفظ ''رکن'' آیا تھا، اسی مناسبت سے امام بخاری رحمہ اللہ نے رکن کی لغوی تشریح کر دی۔ ایسا قطعاً نہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ کو وہم ہوا اور ان آیات کو یہاں درج کر دیا ہے۔ ○ صحیح بخاری کے بعض نسخوں میں اس کے بعد قوم ثمود اور حضرت صالح علیہ السلام کا ذکر ہے۔ لیکن قرآنی ترتیب کے مطابق ہم نے اسے اپنے مقام پر رکھا ہے۔ سورۂ حجر میں چونکہ اصحاب الحجر کا واقعہ لوط علیہ السلام کے بعد ہے، ممکن ہے کہ اس لیے قوم ثمود کا واقعہ یہاں درج کر دیا گیا ہو، لیکن ہم نے اسے اس کے مقام پر ذکر کیا ہے۔ اس کے متعلق ہم پہلے بھی تنبیہ لکھ آئے ہیں۔

٣٣٧٦ - حَدَّثَنَا مَحْمُودٌ: حَدَّثَنَا أَبُو أَحْمَدَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنِ الْأَسْوَدِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَرَأَ النَّبِيُّ ﷺ ﴿فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ﴾ [القمر:١٥]. [راجع: ٣٣٤١]

[3376] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے ﴿فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ﴾ پڑھا تھا۔

فائدہ: چونکہ یہ آیت کریمہ حضرت لوط علیہ السلام کے واقعے کے بعد ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''قوم لوط نے بھی ڈرانے والوں کو جھٹلایا تو ہم نے ان پر پتھر برسائے مگر لوط کے گھر والوں کو ہم نے سحری کے وقت بچا کر وہاں سے نکال دیا۔''[1] اس واقعے کے آخر میں ہے: ''پھر کیا ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا؟''[2] اس مناسبت سے امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کو یہاں ذکر کیا ہے۔

(١٨) بَابٌ: ﴿أَمْ كُنتُمْ شُهَدَآءَ إِذْ حَضَرَ يَعْقُوبَ ٱلْمَوْتُ﴾ [البقرة: ١٣٣]

باب: 18- (ارشاد باری تعالیٰ:) ''کیا تم اس وقت موجود تھے جب یعقوب کو موت آئی'' کا بیان

٣٣٨٢ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَبْدِ اللهِ عَنْ أَبِيهِ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ قَالَ: «الْكَرِيمُ ابْنُ الْكَرِيمِ ابْنِ الْكَرِيمِ ابْنِ الْكَرِيمِ: يُوسُفُ بْنُ يَعْقُوبَ بْنِ إِسْحَاقَ بْنِ إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ». [انظر: ٣٣٩٠، ٤٦٨٨]

[3382] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''کریم بن کریم بن کریم بن کریم: حضرت یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام ہیں۔''

فائدہ: اس حدیث میں حضرت یعقوب علیہ السلام کا ذکر ہے کہ وہ کریم النفس باپ کے بیٹے تھے۔ یہ عنوان اور حدیث مکرر ہے، اس لیے ہم اسی پر اکتفا کرتے ہیں، نیز باب: 16 کے بعد باب: 18 اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ باب: 17 پہلے گزر چکا ہے۔

(١٩) بَابُ قَوْلِ اللهِ تَعَالَى: ﴿لَقَدْ كَانَ فِى يُوسُفَ وَإِخْوَتِهِۦٓ ءَايَـٰتٌ لِّلسَّآئِلِينَ﴾ [يوسف: ٧].

باب: 19- ارشاد باری تعالیٰ: ''یوسف اور ان کے بھائیوں کے واقعے میں سوال کرنے والوں کے لیے متعدد نشانیاں ہیں'' کا بیان

وضاحت: اہل مکہ نے یہود مدینہ سے کہا کہ ہمیں کوئی ایسا سوال بتاؤ جو حضرت محمد ﷺ کو لاجواب کر دے اور ان کی نبوت کا بھرم کھل جائے۔ انھوں نے سوچ کر ایک تاریخی قسم کا سوال اہل مکہ کو بتایا کہ حضرت ابراہیم، حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہم السلام کا مسکن تو شام و فلسطین کا علاقہ تھا پھر حضرت یعقوب (اسرائیل) کی اولاد مصر کیسے جا پہنچی جنھیں اہل مصر (فرعون) کی غلامی سے آزاد کرانے کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام بھیجے گئے تھے؟ کفار مکہ کے سوال کے جواب میں سورۂ یوسف پوری کی پوری نازل ہوگئی اور حقیقت یہ ہے کہ اس سوال کے جواب سے نہ تو اس وقت رسول اللہ ﷺ آگاہ تھے اور نہ اہل مکہ کو اس کا علم ہی تھا۔

---

① القمر 54:33، 34. ② القمر 54:40.

اس سورت میں حضرت یوسف علیہ السلام کے حالاتِ زندگی کی پوری داستان بھی آ گئی اور کئی ایسی باتوں کی طرف واضح اشارات بھی آ گئے جو کفار مکہ اور برادران یوسف کے درمیان مشترک طور پر پائے جاتے تھے اور اس میں کفار مکہ کے لیے عبرت کے کئی نشان بھی تھے۔ پہلا نشان تو رسول اللہ ﷺ کی صداقت تھی کہ آپ نے فوراً ان کے سوال کا جواب دے کر ثابت کر دیا کہ آپ فی الحقیقت اللہ کی طرف سے بھیجے گئے ہیں کیونکہ وحی الٰہی کے علاوہ آپ کے پاس معلومات حاصل کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا لیکن پھر بھی یہ لوگ مسلمان نہ ہوئے بلکہ اپنی ہٹ دھرمی پر قائم رہے۔ واضح رہے کہ عنوان میں سوال کرنے والوں سے مراد اہل مکہ ہیں۔

٣٣٨٣ - حَدَّثَنِي عُبَيْدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ عَنْ أَبِي أُسَامَةَ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ قَالَ: أَخْبَرَنِي سَعِيدُ بْنُ أَبِي سَعِيدٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: سُئِلَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: مَنْ أَكْرَمُ النَّاسِ؟ قَالَ: «أَتْقَاهُمْ لِلّٰهِ»، قَالُوا: لَيْسَ عَنْ هٰذَا نَسْأَلُكَ، قَالَ: «فَأَكْرَمُ النَّاسِ يُوسُفُ نَبِيُّ اللهِ ابْنُ نَبِيِّ اللهِ ابْنِ نَبِيِّ اللهِ ابْنِ خَلِيلِ اللهِ»، قَالُوا: لَيْسَ عَنْ هٰذَا نَسْأَلُكَ، قَالَ: «فَعَنْ مَعَادِنِ الْعَرَبِ تَسْأَلُونِي؟ اَلنَّاسُ مَعَادِنُ: خِيَارُهُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ خِيَارُهُمْ فِي الْإِسْلَامِ إِذَا فَقُهُوا».

[3383] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا: لوگوں میں کون سب سے زیادہ معظم ہے؟ آپ نے فرمایا: ''جو اللہ تعالیٰ سے زیادہ ڈرنے والا ہے۔'' انھوں نے کہا: ہم نے اس کے متعلق نہیں پوچھا۔ آپ نے فرمایا: ''لوگوں میں سب سے زیادہ قابل احترام اللہ کے نبی حضرت یوسف بن نبی اللہ بن نبی اللہ بن خلیل اللہ ہیں۔'' انھوں نے کہا: ہم نے اس کے متعلق عرض نہیں کیا۔ آپ نے فرمایا: ''تم خاندان عرب کے متعلق سوال کرتے ہو؟ لوگ تو معدنوں کی طرح ہیں۔ جو زمانۂ جاہلیت میں اچھے تھے وہ اسلام میں بھی اچھے ہیں بشرطیکہ وہ دین میں فقاہت حاصل کریں۔''

أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ: أَخْبَرَنِي عَبْدَةُ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ، عَنْ سَعِيدٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ بِهٰذَا. [راجع: ٣٣٥٣]

محمد بن سلام نے بھی اپنی سند کے ساتھ بواسطۂ حضرت ابو ہریرہ نبی ﷺ سے اسی طرح بیان کیا ہے۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں خاندانی شرافت کے اعتبار سے حضرت یوسف علیہ السلام کو لوگوں میں قابل احترام قرار دیا گیا ہے کہ آپ سلسلۂ نبوت کا ایک حلقہ ہیں، یعنی آپ کے نسب میں مسلسل چار انبیائے کرام علیہم السلام ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں دنیاوی حکومت اور نبوت سے سرفراز فرمایا۔ ② اس حدیث کے مطابق دین اسلام میں شرافت کی بنیاد دینداری اور دین میں سمجھ حاصل کرنا ہے جسے حدیث میں لفظ فقاہت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ایک دوسری حدیث میں ہے: ''اللہ تعالیٰ جس بندے کے ساتھ خیر خواہی کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین میں سمجھ عطا کرتا ہے۔''[1] اس کی زندہ مثال محدثین کرام کی جماعت ہے جنھیں اللہ تعالیٰ

[1] صحيح البخاري، العلم، حديث: 71.

نے دین میں فہم وبصیرت سے نوازا۔ ان کی مساعیٔ جمیلہ سے آج اسلام زندہ ہے اور احادیث صحیحہ کی روشنی میں سیرت طیبہ کا مکمل طور پر مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ہم سب کو رسول اللہ ﷺ کے جھنڈے تلے جمع کرے اور محدثین کی جماعت سے اٹھائے۔ آمین.

٣٣٨٤ - حَدَّثَنَا بَدَلُ بْنُ الْمُحَبَّرِ: أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنْ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: سَمِعْتُ عُرْوَةَ بْنَ الزُّبَيْرِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لَهَا: «مُرِي أَبَا بَكْرٍ يُصَلِّي بِالنَّاسِ»، قَالَتْ: إِنَّهُ رَجُلٌ أَسِيفٌ مَتَى يَقُمْ مَقَامَكَ رَقَّ، فَعَادَ فَعَادَتْ. قَالَ شُعْبَةُ: فَقَالَ فِي الثَّالِثَةِ - أَوِ الرَّابِعَةِ - «إِنَّكُنَّ صَوَاحِبُ يُوسُفَ، مُرُوا أَبَا بَكْرٍ». [راجع: ١٩٨]

[3384] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ان سے فرمایا: ”ابوبکر ؓ سے کہو وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔“ حضرت عائشہ ؓ نے عرض کیا: وہ رقیق القلب آدمی ہیں۔ جب وہ آپ کی جگہ پر کھڑے ہوں گے تو ان پر رقت طاری ہو جائے گی۔ آپ ﷺ نے دوبارہ یہی حکم دیا تو حضرت عائشہ ؓ نے بھی دوبارہ وہی عذر پیش کیا۔ (راویٔ حدیث) شعبہ نے اپنی روایت میں بیان کیا کہ آپ ﷺ نے تیسری یا چوتھی مرتبہ فرمایا: ”تم تو یوسف ؑ (پر فریفتہ ہونے) والی عورتوں کی طرح (بے جا اصرار کرنے والی) معلوم ہوتی ہو۔ ابوبکر ؓ سے کہو وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔“

٣٣٨٥ - حَدَّثَنَا الرَّبِيعُ بْنُ يَحْيَى [الْبَصْرِيُّ]: حَدَّثَنَا زَائِدَةُ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ بْنِ أَبِي مُوسَى، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: مَرِضَ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ: «مُرُوا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ»، فَقَالَتْ عَائِشَةُ: إِنَّ أَبَا بَكْرٍ رَجُلٌ كَذَا - فَقَالَ مِثْلَهُ، فَقَالَتْ مِثْلَهُ - فَقَالَ: «مُرُوا أَبَا بَكْرٍ فَإِنَّكُنَّ صَوَاحِبُ يُوسُفَ». فَأَمَّ أَبُو بَكْرٍ فِي حَيَاةِ النَّبِيِّ ﷺ.

[3385] حضرت ابوموسیٰ اشعری ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: جب نبی ﷺ بیمار ہوئے تو فرمایا: ”ابوبکر ؓ کو (میری طرف سے) حکم دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔“ حضرت عائشہ ؓ نے عرض کیا کہ حضرت ابوبکر ؓ اس طرح کے آدمی ہیں۔ آپ ﷺ نے دوبارہ یہی حکم دیا تو حضرت عائشہ ؓ نے بھی وہی عذر دہرا دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”انھیں حکم دو کہ وہ نماز پڑھائیں۔ تم تو حضرت یوسف ؑ (پر فریفتہ ہونے) والی عورتوں کی طرح (بے جا اصرار کرنے والی) ہو۔“ بہر حال حضرت ابوبکر ؓ نے نبی ﷺ کی زندگی میں لوگوں کی امامت کرائی۔

وَقَالَ حُسَيْنٌ عَنْ زَائِدَةَ: رَجُلٌ رَقِيقٌ. [راجع: ٦٧٨]

حسین نے زائدہ سے رَجُلٌ كَذَا کی جگہ رَجُلٌ رَقِيقٌ ”نرم دل آدمی“ ذکر کیا ہے۔

فوائد ومسائل: ① حضرت یوسف ؑ پر فریفتہ ہونے والی عورتوں سے مراد وہ بیگمات مصر ہیں جنھیں عزیز مصر کی بیوی نے

بڑے اہتمام سے اپنے گھر جمع کیا تھا۔ جنھوں نے بظاہر اس کو حضرت یوسف علیہ السلام سے محبت کرنے پر ملامت کی تھی مگر وہ خود بھی دل کی گہرائی سے حسن یوسف سے متاثر تھیں۔ بیگمات مصر حضرت یوسف علیہ السلام کا حسن و جمال دیکھ کر اس قدر محو نظارہ اور بے خود ہو گئیں کہ ان کی چھریاں پھلوں پر چلنے کی بجائے ان کے اپنے ہاتھوں پر چل گئیں۔ ان میں سے ہر ایک حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کر رہی تھی، لیکن یوسف علیہ السلام نے تمام دلکشیوں اور رعنائیوں کے باوجود ان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنا بھی گوارا نہ کیا۔ یہ منظر دیکھ کر وہ بے ساختہ پکار اٹھیں کہ یہ انسان نہیں بلکہ کوئی معزز فرشتہ ہے کیونکہ ان کے نزدیک یہ ناممکن تھا کہ ایک نوجوان انسان جنسی خواہشات سے اس قدر بالاتر ہو کہ دل پھینک قسم کے ماحول میں وہ ہماری طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھے۔ اس واقعے سے اس دور کی اخلاقی حالت پر بھی خاصی روشنی پڑتی ہے کہ بے حیائی کس قدر عام تھی اور فحاشی پھیلانے میں عورتوں کو کس قدر آزادی اور بے باکی حاصل تھی اور ان کے مقابلے میں مرد کتنے کمزور یا کس قدر دیوث تھے؟ بہر حال اللہ تعالیٰ نے سیدنا یوسف علیہ السلام کو ایسا عزم و استقلال بخشا کہ مصر کی عورتوں کا ان پر جادو نہ چل سکا۔ ② صواحب یوسف کہنے سے رسول اللہ ﷺ کا مقصد یہ تھا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے متعلق تمھاری یہ رائے ظاہری رکھ رکھاؤ کے طور پر ہے، بصورت دیگر تم بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی امامت کو تسلیم کر چکی ہو۔

٣٣٨٦ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ: حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «اَللّٰهُمَّ أَنْجِ عَيَّاشَ بْنَ أَبِي رَبِيعَةَ، اَللّٰهُمَّ أَنْجِ سَلَمَةَ بْنَ هِشَامٍ، اَللّٰهُمَّ أَنْجِ الْوَلِيدَ، اَللّٰهُمَّ أَنْجِ الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ، اَللّٰهُمَّ اشْدُدْ وَطْأَتَكَ عَلٰى مُضَرَ، اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهَا سِنِينَ كَسِنِي يُوسُفَ».

[3386] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے بایں الفاظ دعا فرمائی: ''اے اللہ! عیاش بن ابی ربیعہ کو نجات دے۔ اے اللہ! سلمہ بن ہشام کو نجات دے۔ اے اللہ! ولید بن ولید کو رہائی دلا۔ اے اللہ تمام کمزور اور ناتواں مسلمانوں کو نجات دلا۔ اے اللہ! قبیلۂ مضر پر اپنی گرفت سخت کر دے۔ اے اللہ! انھیں قحط سالی میں مبتلا کر دے جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے میں قحط سالی پڑی تھی۔''

فوائد و مسائل: ① جن دنوں حضرت یوسف علیہ السلام جیل میں قید تھے، عزیز مصر کو ایک خواب آیا جسے حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے ان الفاظ میں بیان کیا گیا: ''اے راست باز ساتھی جناب یوسف! ہمیں اس خواب کی تعبیر بتائیے: سات موٹی گائیں ہیں جنھیں سات دبلی گائیں کھائے جا رہی ہیں اور سات ہری بالیاں ہیں اور سات دوسری خشک ہیں۔'' یوسف علیہ السلام نے فرمایا: ''تم سات سال لگاتار کھیتی باڑی کرو گے، جو کھیتی تم کاٹو، اس میں سے کھانے کے لیے تھوڑا بہت اناج چھوڑ کر باقی کو بالیوں ہی میں رہنے دو، پھر اس کے بعد سات سال بہت سخت آئیں گے اور جو اناج تم نے ان سالوں کے لیے پہلے سے جمع کیا ہوگا وہ سب کھا لیا جائے گا سوائے اس تھوڑے سے اناج کے جو تم بچا لو گے، پھر اس کے بعد ایک ایسا سال آئے گا جس میں بارانِ رحمت سے

لوگوں کی فریادرسی کی جائے گی اور وہ اس میں رس نچوڑیں گے۔"[1] سیدنا یوسف علیہ السلام نے قحط سالی اور اس سے محفوظ رہنے کی تدبیر بھی انھیں بتادی۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی قبیلۂ مضر پر اسی طرح کے قحط اور خشک سالی کی بددعا کی جو قبول ہوئی۔ ② اس حدیث میں حضرت یوسف علیہ السلام کی سیرت کا ایک پہلو بیان ہوا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اسی لیے یہاں اس حدیث کو بیان کیا ہے۔

٣٣٨٧ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ أَسْمَاءَ ابْنِ أَخِي جُوَيْرِيَةَ: حَدَّثَنَا جُوَيْرِيَةُ بْنُ أَسْمَاءَ عَنْ مَّالِكٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ: أَنَّ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ وَأَبَا عُبَيْدٍ أَخْبَرَاهُ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «يَرْحَمُ اللهُ لُوطًا، لَقَدْ كَانَ يَأْوِي إِلَى رُكْنٍ شَدِيدٍ، وَلَوْ لَبِثْتُ فِي السِّجْنِ مَا لَبِثَ يُوسُفُ ثُمَّ أَتَانِي الدَّاعِي لَأَجَبْتُهُ». [راجع: ٣٣٧٢]

[3387] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ حضرت لوط علیہ السلام پر رحم فرمائے کہ وہ ایک مضبوط سہارے کی پناہ لینا چاہتے تھے۔ اور اگر میں اتنی مدت تک قید خانے میں رہتا جتنی دیر حضرت یوسف علیہ السلام رہے تھے، پھر میرے پاس (رہائی کے لیے) کوئی بلانے والا آتا تو میں فوراً اس کی دعوت پر لبیک کہتا۔"

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے سیدنا یوسف علیہ السلام کی تعریف فرمائی ہے کہ انھوں نے اپنی براءت کا صاف شاہی اعلان ہوئے بغیر جیل خانہ چھوڑنا پسند نہیں فرمایا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اللہ سے دعا کی تھی: "اے میرے پروردگار! جس چیز کی طرف مجھے مصر کی عورتیں بلا رہی ہیں، اس سے تو مجھے قید ہی زیادہ پسند ہے۔"[2] ② حضرت یوسف علیہ السلام نے جب خواب کی تعبیر اور اس سے نپٹنے کی تدبیر بتائی تو عزیز مصر عش عش کر اٹھا۔ کہنے لگا: ایسے شخص کو میرے پاس لایا جائے تاکہ میں اس کی زیارت سے فیض یاب ہوسکوں، لیکن یوسف علیہ السلام نے قید سے باہر آنے سے انکار کر دیا۔ مقصد یہ تھا کہ جب تک اس جرم کی تحقیق نہ کی جائے اور پوری طرح میری بریت واضح نہ ہو جائے میں قید سے باہر آنے کو تیار نہیں ہوں کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ کسی ناواقف کے دل میں یہ شائبہ تک نہ رہے کہ شاید اس معاملے میں یوسف کا بھی کچھ قصور تھا۔ ③ رسول اللہ ﷺ نے انکسار اور تواضع کے طور پر ایسا فرمایا، بصورت دیگر آپ تو عزم و استقلال کے پہاڑ تھے...... ﷺ......

٣٣٨٨ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ: أَخْبَرَنَا ابْنُ فُضَيْلٍ: حَدَّثَنَا حُصَيْنٌ عَنْ شَقِيقٍ، عَنْ مَّسْرُوقٍ قَالَ: سَأَلْتُ أُمَّ رُومَانَ وَهِيَ أُمُّ عَائِشَةَ لَمَّا قِيلَ فِيهَا مَا قِيلَ، قَالَتْ: بَيْنَمَا أَنَا مَعَ عَائِشَةَ جَالِسَتَانِ إِذْ وَلَجَتْ عَلَيْنَا امْرَأَةٌ مِّنَ الْأَنْصَارِ،

[3388] حضرت مسروق سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی والدہ ماجدہ حضرت ام رومان رضی اللہ عنہا سے صدیقۂ کائنات پر لگائے گئے بہتان کے متعلق پوچھا تو انھوں نے بتایا کہ میں ایک دفعہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہمراہ بیٹھی ہوئی تھی کہ ایک انصاری

① یوسف 12:47-49. ② یوسف 12:33.

وَهِيَ تَقُولُ: فَعَلَ اللهُ بِفُلَانٍ وَّفَعَلَ، قَالَتْ: فَقُلْتُ: لِمَ؟ قَالَتْ: إِنَّهُ نَمٰى ذِكْرَ الْحَدِيثِ. فَقَالَتْ عَائِشَةُ: أَيُّ حَدِيثٍ؟ فَأَخْبَرَتْهَا، قَالَتْ: فَسَمِعَهُ أَبُو بَكْرٍ وَّرَسُولُ اللهِ ﷺ؟ قَالَتْ: نَعَمْ، فَخَرَّتْ مَغْشِيًّا عَلَيْهَا، فَمَا أَفَاقَتْ إِلَّا وَعَلَيْهَا حُمّٰى بِنَافِضٍ، فَجَاءَ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ: «مَا لِهٰذِهِ؟» قُلْتُ: حُمّٰى أَخَذَتْهَا مِنْ أَجْلِ حَدِيثٍ تُحُدِّثَ بِهِ، فَقَعَدَتْ فَقَالَتْ: وَاللهِ لَئِنْ حَلَفْتُ لَا تُصَدِّقُونَنِي، وَلَئِنِ اعْتَذَرْتُ لَا تَعْذِرُونَنِي، فَمَثَلِي وَمَثَلُكُمْ كَمَثَلِ يَعْقُوبَ وَبَنِيهِ وَاللهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُونَ، فَانْصَرَفَ النَّبِيُّ ﷺ فَأَنْزَلَ اللهُ مَا أَنْزَلَ فَأَخْبَرَهَا، فَقَالَتْ: بِحَمْدِ اللهِ لَا بِحَمْدِ أَحَدٍ. [انظر: ٤١٤٣، ٤٦٩١، ٤٧٥١]

عورت آئی اور کہنے لگی: اللہ تعالیٰ فلاں کو تباہ کرے اور وہ تباہ ہو بھی چکا۔ میں نے کہا: کیوں؟ انھوں نے بتایا کہ اسی نے تو یہ (جھوٹی) بات مشہور کی ہے۔ حضرت عائشہ نے پوچھا: کون سی بات؟ پھر اس نے تمام واقعہ بیان کیا۔ حضرت عائشہ ؓ نے پوچھا: کیا یہ واقعہ حضرت ابوبکر ؓ اور رسول اللہ ﷺ کو بھی معلوم ہو گیا ہے؟ ان کی والدہ نے بتایا کہ ہاں۔ یہ سنتے ہی حضرت عائشہ ؓ بے ہوش ہو کر گر پڑیں۔ جب ہوش آیا تو سردی اور کپکپی کے ساتھ بخار چڑھا ہوا تھا۔ نبی ﷺ تشریف لائے تو فرمایا: ''انھیں کیا ہوا ہے؟'' میں نے عرض کیا: جو باتیں کہی جا رہی ہیں ان کے باعث انھیں بخار ہو گیا ہے۔ اس دوران میں حضرت عائشہ ؓ اٹھ کر بیٹھ گئیں اور عرض کرنے لگیں: اگر میں قسم اٹھاؤں تو بھی آپ لوگ میری بات نہیں مان سکتے اور اگر کوئی عذر خواہی کروں تو بھی نہیں سنو گے، لہٰذا میری اور آپ لوگوں کی مثال حضرت یعقوب ؑ اور ان کے بیٹوں کی سی ہے۔ انھوں نے فرمایا کہ جو کچھ تم کہہ رہے ہو میں اس پر اللہ تعالیٰ ہی کی مدد چاہتا ہوں۔ اس کے بعد نبی ﷺ واپس تشریف لے گئے اور اللہ تعالیٰ کو جو منظور تھا اس نے وہ نازل فرمایا۔ جب آپ ﷺ نے اس کی خبر حضرت عائشہ ؓ کو دی تو انھوں نے کہا: میں اس کے لیے صرف اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتی ہوں کسی اور کی تعریف نہیں کرتی۔

فوائد و مسائل: ① اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسروق کا ام رومان ؓ سے سماع ثابت ہے، چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ مجھ سے ام رومان ؓ نے بیان کیا۔[1] اس لیے یہ کہنا کہ مسروق کا سماع ام رومان ؓ سے ثابت نہیں، محل نظر ہے۔ ② اس حدیث میں برادران یوسف کا ذکر ہے، اس لیے امام بخاری ؒ نے اسے یہاں ذکر کیا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے آپ نے اس حدیث کے دوسرے طریق کی طرف اشارہ کیا ہو جس میں حضرت عائشہ ؓ نے فرمایا: مجھے دوران گفتگو میں حضرت یعقوب ؑ کا نام یاد نہ آیا تو میں نے یوسف کا باپ کہہ دیا۔[2] حضرت یعقوب ؑ کے سامنے جب برادران یوسف نے

---

1. صحيح البخاري، التفسير، حديث: 4691. 2. صحيح البخاري، المغازي، حديث: 4141.

جعلی خون سے آلودہ قمیص پیش کی اور کہا: یوسف کو بھیڑیے نے لقمہ بنالیا ہے تو انھوں نے اپنے بیٹوں کو کچھ نہ کہا اور نہ انھیں کوئی طعن و ملامت ہی کی، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ کوئی غلط حرکت کر بیٹھیں صرف اتنا ہی کہا: میری فریاد تو اللہ ہی سے ہے اور میں اسی سے مدد چاہتا ہوں۔ امی عائشہ ؓ نے بھی اللہ ہی سے فریاد کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی براءت میں قرآن مجید کی اٹھارہ آیات نازل فرمائیں۔

٣٣٨٩ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ : حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ: أَنَّهُ سَأَلَ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ: أَرَأَيْتِ قَوْلَ اللهِ: ﴿حَتَّىٰٓ إِذَا ٱسْتَيْـَٔسَ ٱلرُّسُلُ وَظَنُّوٓا۟ أَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوا۟﴾ [يوسف:١١٠] أَوْ: كُذِبُوا؟ قَالَتْ: بَلْ كَذَّبَهُمْ قَوْمُهُمْ، فَقُلْتُ: وَاللهِ لَقَدِ اسْتَيْقَنُوا أَنَّ قَوْمَهُمْ كَذَّبُوهُمْ وَمَا هُوَ بِالظَّنِّ، فَقَالَتْ: يَا عُرَيَّةُ! لَقَدِ اسْتَيْقَنُوا بِذٰلِكَ، قُلْتُ: فَلَعَلَّهَا أَوْ كُذِبُوا، قَالَتْ: مَعَاذَ اللهِ، لَمْ تَكُنِ الرُّسُلُ تَظُنُّ ذٰلِكَ بِرَبِّهَا، وَأَمَّا هٰذِهِ الْآيَةُ قَالَتْ: هُمْ أَتْبَاعُ الرُّسُلِ الَّذِينَ آمَنُوا بِرَبِّهِمْ وَصَدَّقُوهُمْ وَطَالَ عَلَيْهِمُ الْبَلَاءُ وَاسْتَأْخَرَ عَنْهُمُ النَّصْرُ حَتَّى إِذَا اسْتَيْأَسَتْ مِمَّنْ كَذَّبَهُمْ مِنْ قَوْمِهِمْ، وَظَنُّوا أَنَّ أَتْبَاعَهُمْ كَذَّبُوهُمْ جَاءَهُمْ نَصْرُ اللهِ.

[3389] حضرت عروہ بن زبیر سے روایت ہے، انھوں نے نبی ﷺ کی زوجۂ محترمہ حضرت عائشہ ؓ سے اس آیت کے متعلق سوال کیا: ﴿حَتّٰى إِذَا اسْتَيْئَسَ الرُّسُلُ ......﴾ والی آیت میں کُذِبُوا تشدید کے ساتھ ہے یا بغیر تشدید کے؟ انھوں نے فرمایا: (یہ تشدید کے ساتھ ہے اور مطلب یہ ہے کہ) ان کی قوم نے انھیں جھٹلایا تھا۔ میں نے عرض کیا: اللہ کی قسم! انھیں تو یقین تھا کہ ان کی قوم انھیں جھٹلا رہی ہے پھر لفظ "ظن" کیوں استعمال ہوا؟ حضرت عائشہ ؓ نے فرمایا: اے چھوٹے سے عروہ! بلاشبہ ان کو تو اس کا یقین تھا۔ میں نے عرض کیا: شاید یہ لفظ تشدید کے بغیر ہو، یعنی پیغمبروں نے خیال کیا کہ ان کے ساتھ جو مدد کا وعدہ کیا گیا تھا وہ صحیح نہیں تھا۔ حضرت عائشہ ؓ نے فرمایا: معاذ اللہ! انبیائے کرام اپنے رب کے متعلق ایسا گمان ہرگز نہیں کر سکتے، البتہ اس آیت سے مراد یہ ہے کہ رسولوں کے اتباع (پیروکار) جو اپنے پروردگار پر ایمان لائے تھے اور انھوں نے اپنے رسول کی تصدیق کی تھی، وہ جب عرصۂ دراز تک آزمائش میں رہے اور اللہ کی مدد آنے میں دیر ہوئی اور انبیائے کرام بھی اپنی قوم کے جھٹلانے والوں (کے ایمان لانے) سے ناامید ہو گئے، انھوں نے یہ گمان کیا کہ جو لوگ انھیں ماننے والے ہیں اب وہ بھی انھیں جھوٹا سمجھنے لگیں گے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ کی مدد آ پہنچی۔

قَالَ أَبُو عَبْدِاللهِ: اسْتَيْأَسُوا: اِسْتَفْعَلُوا مِنْ

ابوعبداللہ (امام بخاری ؒ) نے کہا: اِسْتَيْأَسُوا،

﴿وَلَا تَاْيْـَٔسُوا مِن رَّوْحِ اللَّهِ﴾ [يوسف:٨٧]: مَعْنَاهُ مِنَ الرَّجَاءِ. [انظر: ٤٥٢٥، ٤٦٩٥، ٤٦٩٦]

اِسْتَفْعَلُوا کے وزن پر ہے جو يَئِسْتُ مِنْهُ سے نکلا ہے۔ يَئِسْتُ مِنْهُ، مِنْ يُوسُفَ برادرانِ یوسف، حضرت یوسف سے ناامید ہوگئے تھے۔ ﴿لَاتَايْـَٔسُوا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ﴾ اللہ کی رحمت سے ناامید نہ رہو بلکہ امیدوار رہو۔

فوائد ومسائل: ① آیت کریمہ میں ﴿قد كذبوا﴾ کو دو طرح سے پڑھا گیا ہے، تشدید سے، اس کے معنی ہیں: ''انبیائے کرام کی تکذیب کی گئی۔'' دوسرا تشدید کے بغیر جس کے معنی ہیں: ''ان سے وعدہ خلافی کی گئی۔'' حضرت عائشہ ؓ نے اسے تشدید کے ساتھ پڑھا اور حدیث میں اس کے معنی متعین کیے کہ انبیائے کرام ﷺ کو ان کی قوم نے جھٹلایا تھا۔ حضرت عروہ نے عرض کی: اگر اس کے معنی قوم کا جھٹلانا ہے تو اس میں ظن و گمان کی کیا بات ہے؟ حضرت عائشہ ؓ نے بتایا: اس مقام پر ظن، یقین کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ حضرت عائشہ ؓ نے دوسری قراءت سے انکار نہیں کیا بلکہ ان کے نزدیک اس صورت میں یہ معنی ہوں گے کہ حضرات انبیائے کرام ﷺ کو اپنے پیروکاروں کے متعلق یہ گمان ہوا کہ شاید وہ بھی انھیں جھوٹا خیال کریں گے، یعنی کذب بیانی یا وعدہ خلافی کی نسبت اللہ کی طرف نہیں بلکہ انبیائے کرام ﷺ کے متبعین کی طرف ہوگی۔ دراصل اس آیت کے متعلق حضرت ابن عباس ؓ کا موقف ہے: جب رسول مایوس ہو گئے اور انھوں نے گمان کیا کہ ان سے جھوٹا وعدہ کیا گیا تھا تو اس وقت ان کے پاس اللہ کی مدد آ پہنچی۔ حضرت عروہ نے حضرت ابن عباس ؓ کا مذکورہ موقف جب حضرت عائشہ ؓ سے بیان کیا تو آپ نے وضاحت فرمائی۔ یہ کوئی فقہی اختلاف نہیں بلکہ قراءت کے اختلاف کی وجہ سے اس آیت کے معنی میں اختلاف ہوا، ایک نظریاتی موقف کی وضاحت مطلوب ہے۔ اس کی تفصیل ہم کتاب التفسیر میں بیان کریں گے۔ باذن اللہ تعالٰی۔ ② حضرت یوسف ؑ بلاوجہ سات سال تک جیل میں پڑے رہے۔ ایسے حالات میں انسان مایوس ہو جاتا ہے، پھر اللہ کی مدد آئی اور ان کی رہائی کا سبب پیدا ہوا۔ چونکہ مذکورہ آیت سورۂ یوسف میں ہے اور خود ان کے ساتھ اس طرح کا واقعہ پیش آیا، اس لیے امام بخاری ؒ نے اس روایت کو یہاں ذکر کیا ہے۔[1]

٣٣٩٠ - أَخْبَرَنِي عَبْدَةُ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «الْكَرِيمُ ابْنُ الْكَرِيمِ ابْنِ الْكَرِيمِ ابْنِ الْكَرِيمِ: يُوسُفُ ابْنُ يَعْقُوبَ بْنِ إِسْحَاقَ بْنِ إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ». [راجع: ٣٣٨٢]

[3390] حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''شریف بن شریف بن شریف بن شریف حضرت یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم ﷺ ہیں۔''

فوائد ومسائل: ① اس حدیث میں حضرت یوسف ؑ کی خاندانی شرافت کا ذکر ہے کہ وہ شریف باپ کے بیٹے، شریف

1 فتح الباري: 6/509.

دادا کے پوتے اور شریف پردادا کے پڑپوتے تھے۔ اس کی وضاحت ہم پہلے بھی کر آئے ہیں۔ ② بہرحال ان جملہ آیات اور روایات میں کسی نہ کسی حوالے سے حضرت یوسف علیہ السلام کا ذکر خیر آیا ہے، اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے ان احادیث کو مذکورہ عنوان کے تحت بیان کیا ہے۔

(۲۰) بَابُ قَوْلِ اللهِ تَعَالَى: ﴿وَأَيُّوبَ إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُۥٓ أَنِّى مَسَّنِىَ ٱلضُّرُّ وَأَنتَ أَرْحَمُ ٱلرَّٰحِمِينَ﴾ [الأنبياء: ٨٣]

باب: 20- اللہ تعالیٰ کے فرمان: اور (یاد کریں) ایوب کو جب انھوں نے اپنے رب کو پکارا کہ بے شک مجھے بیماری لگ گئی ہے اور تو سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے" کا بیان

﴿ارْكُضْ﴾ [ص: ٤٢]: اِضْرِبْ؛ ﴿يَرْكُضُونَ﴾ [الأنبياء: ١٢]: يَعْدُونَ.

﴿ارْكُضْ﴾ کے معنی تو مار۔ ﴿يَرْكُضُونَ﴾ کے معنی ہیں: وہ بھاگنے لگے۔

وضاحت: صبر ایوب ضرب المثل ہے۔ حضرت ایوب علیہ السلام اپنی زندگی کے ابتدائی ایام میں بڑے خوشحال تھے۔ انھیں اللہ کی تمام نعمتیں میسر تھیں۔ مال و دولت، بیویاں، اولاد اور صحت و فراغت، الغرض ہر چیز کی فراوانی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کا امتحان لیا اور ان پر جلدی بیماری نے حملہ کر دیا۔ مال و دولت ختم ہو گیا۔ اہل و عیال نے ساتھ چھوڑ دیا۔ صرف ایک بیوی ساتھ رہ گئی۔ آزمائش کا عرصہ تقریباً 13 سال تک محیط رہا۔ وہ عرصۂ ابتلا میں انتہائی صبر و استقامت سے دعا کرتے رہے۔ اس دعا میں کوئی شکوہ یا مطالبہ نہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی انتہائی صابر و شاکر اور خود دار آدمی اپنے آقا کو کچھ یاد کرا رہا ہے۔ آخر اللہ کی رحمت نے جوش مارا۔ صحت و تندرستی کے ساتھ دوسری نعمتیں پہلے سے زیادہ میسر آ گئیں، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "اپنا پاؤں زمین پر مارو، یہ نہانے اور پینے کے لیے ٹھنڈا پانی ہے۔ پھر ہم نے انھیں ان کے اہل و عیال عطا کیے اور اپنی مہربانی سے ان کے ساتھ اتنے اور دیے اور یہ اہل عقل کے لیے نصیحت ہے۔"[1]

٣٣٩١ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْجُعْفِيُّ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ [رَضِيَ اللهُ عَنْهُ] عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «بَيْنَمَا أَيُّوبُ يَغْتَسِلُ عُرْيَانًا خَرَّ عَلَيْهِ رِجْلُ جَرَادٍ مِنْ ذَهَبٍ فَجَعَلَ يَحْثِي فِي ثَوْبِهِ فَنَادَاهُ رَبُّهُ: يَا أَيُّوبُ! أَلَمْ أَكُنْ أَغْنَيْتُكَ عَمَّا

[3391] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: "ایک دفعہ حضرت ایوب علیہ السلام برہنہ غسل کر رہے تھے کہ ان پر سونے کی بہت سی ٹڈیاں گریں۔ وہ انھیں اپنے کپڑے میں سمیٹنے لگے تو ان کے رب نے انھیں آواز دی: اے ایوب! کیا میں نے تجھے ان چیزوں سے بے پروا نہیں کر دیا جنھیں تم دیکھ رہے

① صٓ 38:42، 43.

تَرَى؟ قَالَ: بَلٰى يَا رَبِّ! وَلٰكِنْ لَّا غِنٰى لِي عَنْ بَرَكَتِكَ». [راجع: ٢٧٩]

ہو؟ حضرت ایوب علیہ السلام نے عرض کیا: کیوں نہیں، اے میرے رب! لیکن تیری برکت سے کس طرح بے پروا ہو سکتا ہوں؟"

فائدہ: حضرت ایوب علیہ السلام نے جب اللہ تعالیٰ سے دعا کی جس کا ذکر امام بخاری رحمہ اللہ نے عنوان میں کیا ہے تو اللہ کی طرف سے وحی آئی کہ اپنا پاؤں زمین پر مارو، چنانچہ انھوں نے جب حکم الٰہی کی تعمیل کی تو پانی کا چشمہ ابل پڑا۔ جس سے انھوں نے ننگے بدن غسل کیا۔ جلدی بیماری ختم ہوگئی اور اس پانی کو نوش کرنے سے آپ کی جوانی اور حسن و جمال لوٹ آیا۔ آپ پہلے سے بھی زیادہ خوبصورت ہوگئے۔ پانی پینے سے پیٹ کی سب بیماریاں جاتی رہیں۔ پھر مال و دولت کی فراوانی ہوئی جیسا کہ اس روایت میں ہے: "اللہ تعالیٰ نے ان پر سونے کی ٹڈیوں کی بارش برسادی۔" واقعی اللہ تعالیٰ ارحم الراحمین ہے۔

(٢١) بَابٌ: ﴿وَٱذْكُرْ فِى ٱلْكِتَٰبِ مُوسَىٰٓ إِنَّهُۥ كَانَ مُخْلَصًا وَكَانَ رَسُولًا نَّبِيًّا ۝ وَنَٰدَيْنَٰهُ مِن جَانِبِ ٱلطُّورِ ٱلْأَيْمَنِ وَقَرَّبْنَٰهُ نَجِيًّا﴾ [مريم: ٥١، ٥٢]

باب: 21- (ارشاد باری تعالیٰ:) "اور اس کتاب میں موسیٰ کا قصہ بھی یاد کیجیے، بلاشبہ وہ ایک برگزیدہ انسان اور رسول نبی تھے۔ اور ہم نے انھیں کوہ طور کی دائیں جانب سے پکارا اور راز کی گفتگو کرنے کے لیے اسے قرب عطا کیا" کا بیان

كَلَّمَهُ؛ يُقَالُ لِلْوَاحِدِ وَالْاِثْنَيْنِ، [وَالْجَمِيعِ: نَجِيٌّ]؛ وَيُقَالُ: ﴿خَلَصُوا﴾ [يوسف: ٨٠]: اِعْتَزَلُوا نَجِيًّا؛ وَالْجَمِيعُ أَنْجِيَةٌ، يَتَنَاجَوْنَ. (تَلَقَّفُ): تَلَقَّمُ

یعنی اللہ تعالیٰ نے ان سے کلام کیا۔ واحد، تثنیہ اور جمع سب کے لیے لفظ نَجِيٌّ بولا جاتا ہے، چنانچہ قرآن میں ہے: ﴿خَلَصُوا﴾ "الگ ہو کر آپس میں مشورہ کرنے لگے۔" اگر نَجِيٌّ سے مراد فرد واحد ہو تو اس کی جمع أَنْجِيَةٌ آتی ہے۔ يَتَنَاجَوْنَ بھی اسی سے ہے۔ تَلَقَّفُ کے معنی تَلَقَّمُ کے ہیں، یعنی وہ ان کو لقمہ بنانے لگا۔

وضاحت: حضرت موسیٰ علیہ السلام شیخ مدین کی صحبت میں دس سال رہنے کے بعد واپس آ رہے تھے تو راستے میں کوہ طور کے پاس اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت عطا کرنے کے لیے بلایا اور رسالت و نبوت کے منصب پر فائز فرمایا۔ شرعی طور پر نبی اور رسول کو ایک دوسرے کے لیے متبادل کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ علماء نے ان کے متعلق کچھ فرق بتائے ہیں: (ا) آنے والے رسول کی پہلے بشارت دی جاتی ہے جبکہ نبی کے لیے ایسا اہتمام ضروری نہیں ہوتا۔ (ب) رسول پر اللہ کی طرف سے کتاب یا صحیفہ نازل ہوتا ہے اور وہ اپنی الگ امت تشکیل دیتا ہے جبکہ نبی اپنے سے پہلی کتاب کا اتباع کرتا اور کراتا ہے۔ (ج) رسول کی حفاظت براہ راست اللہ تعالیٰ اپنے ذمے لیتا ہے جبکہ کئی ایک انبیاء کو ان کی قوم نے قتل کر دیا تھا۔ (د) ہر رسول، نبی تو ہوتا ہے مگر ہر نبی، رسول نہیں ہوتا۔

٣٣٩٢ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ : حَدَّثَنَا اللَّيْثُ قَالَ: حَدَّثَنِي عُقَيْلٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ: سَمِعْتُ عُرْوَةَ قَالَ: قَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: فَرَجَعَ النَّبِيُّ ﷺ إِلَى خَدِيجَةَ يَرْجُفُ فُؤَادُهُ، فَانْطَلَقَتْ بِهِ إِلَى وَرَقَةَ بْنِ نَوْفَلٍ - وَكَانَ رَجُلًا تَنَصَّرَ يَقْرَأُ الْإِنْجِيلَ بِالْعَرَبِيَّةِ - فَقَالَ وَرَقَةُ: مَاذَا تَرَى؟ فَأَخْبَرَهُ فَقَالَ وَرَقَةُ: هٰذَا النَّامُوسُ الَّذِي أَنْزَلَ اللهُ عَلَى مُوسَى، وَإِنْ أَدْرَكَنِي يَوْمُكَ أَنْصُرْكَ نَصْرًا مُؤَزَّرًا.

[3392] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: پھر نبی ﷺ (وحی آنے کے بعد) حضرت خدیجہ ؓ کی طرف لوٹے تو آپ کا دل کانپ رہا تھا، چنانچہ وہ آپ کو حضرت ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ وہ شخص نصرانی ہو گیا تھا۔ انجیل کا عربی زبان میں ترجمہ کرتا تھا، ورقہ نے آپ سے پوچھا: آپ نے کیا دیکھا؟ تو آپ نے اس سے سارا واقعہ بیان کر دیا۔ ورقہ نے کہا: یہ تو وہی راز دان ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ ؑ پر اتارا تھا۔ اگر مجھے آپ کا زمانہ (ظہور نبوت) مل گیا تو میں آپ کی بھرپور مدد کروں گا۔

اَلنَّامُوسُ: صَاحِبُ السِّرِّ الَّذِي يُطْلِعُهُ بِمَا يَسْتُرُهُ عَنْ غَيْرِهِ. [راجع: ٣]

ناموس، اس راز دان کو کہتے ہیں جو دوسروں سے راز میں رکھتے ہوئے کسی چیز کی اطلاع دے۔

فوائد و مسائل: ① انبیائے بنی اسرائیل میں سے حضرت موسیٰ ؑ بڑے جلیل القدر پیغمبر ہیں۔ ان کا ذکر خیر متعدد آیات میں آیا ہے۔ ان کی پیدائش اور بعد کی پوری زندگی قدرت الٰہی کی بڑی بڑی نشانیوں میں سے تھی۔ انھوں نے وقت کے جابر حکمران سے ٹکر لی جو خود کو رب اعلیٰ (سب سے بڑا رب) کہتا تھا۔ آسمانی کتاب کے بغیر صرف وحی خفی، یعنی احادیث مبارکہ سے اس کا مقابلہ کیا۔ آخر وہ صفحۂ ہستی سے مٹ گیا اور بعد میں آنے والوں کے لیے نشانِ عبرت بنا۔ حضرت موسیٰ ؑ کا یہ وہ کارنامہ ہے جو رہتی دنیا تک یاد رہے گا۔ ② اس حدیث میں ورقہ بن نوفل کا ایک مقولہ محل استشہاد ہے: ''یہ تو وہی راز دان ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ ؑ پر نازل کیا تھا۔'' اس سے مراد فرشتۂ وحی حضرت جبریل ؑ ہیں۔ ③ فرعون کو غرق کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے انھیں تورات جیسی مقدس کتاب عطا فرمائی جو سراپا ہدایت اور روشنی تھی۔

(٢٢) بَابُ قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿وَهَلْ أَتَىٰكَ حَدِيثُ مُوسَىٰٓ إِذْ رَءَا نَارًا﴾ إِلَى قَوْلِهِ: ﴿بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى﴾ [طه: ٩-١٢]

باب: 22- اللہ عزوجل کے فرمان: ''کیا تمھارے پاس موسیٰ کی خبر آئی جب اس نے آگ دیکھی ...... تو مقدس وادی طویٰ میں ہے'' کا بیان

﴿ءَانَسْتُ﴾ [١٠]: أَبْصَرْتُ ﴿نَارًا لَّعَلِّيٓ ءَاتِيكُم مِّنْهَا بِقَبَسٍ﴾ اَلْآيَةَ. قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ﴿الْمُقَدَّسِ﴾ [١٢]: اَلْمُبَارَكُ. ﴿طُوًى﴾: اِسْمُ الْوَادِي.

﴿آنَسْتُ﴾ کے معنی ہیں: میں نے دیکھی ہے۔ شاید میں وہاں سے تمھارے لیے کوئی انگارہ لاسکوں۔ حضرت ابن عباس ؓ نے کہا: ﴿الْمُقَدَّسِ﴾ کے معنی بابرکت اور

﴿سِيرَتَهَا﴾ [٢١]: حَالَتَهَا . وَ﴿النُّهَىٰ﴾ [٥٤]: اَلتُّقَى . ﴿بِمَلْكِنَا﴾ [٨٧]: بِأَمْرِنَا . ﴿هَوَىٰ﴾ [٨١]: شَقِيَ . ﴿فَارِغًا﴾ [القصص:١٠] إِلَّا مِنْ ذِكْرِ مُوسٰى . ﴿رِدْءًا﴾ [٣٤]: كَيْ يُصَدِّقَنِي، وَيُقَالُ: مُغِيثًا أَوْ مُعِينًا . يَبْطُشُ وَيَبْطِشُ، ﴿يَأْتَمِرُونَ﴾ [٢٠]: يَتَشَاوَرُونَ . وَالْجِذْوَةُ: قِطْعَةٌ غَلِيظَةٌ مِّنَ الْخَشَبِ لَيْسَ لَهَا لَهَبٌ، ﴿سَنَشُدُّ﴾ [٣٥]: سَنُعِينُكَ، كُلَّمَا عَزَّزْتَ شَيْئًا فَقَدْ جَعَلْتَ لَهُ عَضُدًا . وَقَالَ غَيْرُهُ: كُلَّمَا لَمْ يَنْطِقْ بِحَرْفٍ أَوْ فِيهِ تَمْتَمَةٌ أَوْ فَأْفَأَةٌ فَهِيَ عُقْدَةٌ . ﴿أَزْرِي﴾ [طه:٣١]: ظَهْرِي . ﴿فَيُسْحِتَكُم﴾ [٦١]: فَيُهْلِكَكُمْ . ﴿الْمُثْلَىٰ﴾ [٦٣]: تَأْنِيثُ الْأَمْثَلِ . يَقُولُ: بِدِينِكُمْ . يُقَالُ: خُذِ الْمُثْلٰى، خُذِ الْأَمْثَلَ . ﴿ثُمَّ ائْتُوا صَفًّا﴾ [٦٤]: يُقَالُ: هَلْ أَتَيْتَ الصَّفَّ الْيَوْمَ؟ يَعْنِي الْمُصَلَّى الَّذِي يُصَلّٰى فِيهِ . ﴿فَأَوْجَسَ﴾ [٦٧]: أَضْمَرَ خَوْفًا فَذَهَبَتِ الْوَاوُ مِنْ ﴿خِيفَةً﴾ لِكَسْرَةِ الْخَاءِ ﴿فِي جُذُوعِ النَّخْلِ﴾ [٧١]: عَلٰى جُذُوعٍ . ﴿خَطْبُكَ﴾ [٩٥]: بَالُكَ . ﴿مِسَاسَ﴾ [٩٧]: مَصْدَرُ مَاسَّهُ مِسَاسًا . ﴿لَنَنسِفَنَّهُ﴾: لَنُذْرِيَنَّهُ . اَلضَّحَاءُ: اَلْحَرُّ . ﴿قُصِّيهِ﴾ [القصص:١١]: اِتَّبِعِي أَثَرَهُ، وَقَدْ يَكُونُ أَنْ يَقُصَّ الْكَلَامَ ﴿نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ﴾ [يوسف:٣]. ﴿عَن جُنُبٍ﴾ [القصص:١١]: عَنْ بُعْدٍ، وَعَنْ جَنَابَةٍ وَعَنِ اجْتِنَابٍ، وَاحِدٌ .

﴿طُوًى﴾ ایک وادی کا نام ہے۔ ﴿سِيرَتَهَا﴾ کے معنی ہیں: اس کی حالت۔ ﴿اَلنُّهٰى﴾ عقل۔ ﴿بِمَلْكِنَا﴾ اپنے اختیار سے۔ ﴿هَوٰى﴾ وہ بد بخت ہوا۔ ﴿فٰرِغًا﴾ موسیٰ کے علاوہ اور کوئی خیال دل میں نہ رہا۔ ﴿رِدْءًا﴾ معاون بنا تاکہ وہ میری تصدیق کرے۔ اس کی تفسیر فریاد رس اور مددگار سے بھی کی جاتی ہے۔ يَبْطِشُ حملہ کرے۔ اسے طا پر پیش سے بھی پڑھا جاتا ہے۔ ﴿يَأْتَمِرُوْنَ﴾ مشورہ کر رہے ہیں۔ جذوۃ: لکڑی کا سخت کوئلہ جس میں روشنی کی تیزی نہ ہو۔ ﴿سَنَشُدُّ﴾ عنقریب ہم تیری مدد کریں گے، جب بھی تو کسی چیز کو مضبوط کرے، گویا تو نے اس کے لیے بازو بنا دیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے علاوہ دوسروں نے کہا کہ جو کوئی حرف نہ بول سکے اور تا تا یا فا فا کرے، یعنی زبان سے لفظ ''ت'' اور ''ف'' بھی ادا نہ ہو سکے تو یہ زبان کی گرہ ہے۔ ﴿اَزْرِيْ﴾ میری کمر۔ ﴿فَيُسْحِتَكُمْ﴾ تم کو وہ ہلاک کرے گا۔ ﴿اَلْمُثْلٰى﴾ أَمْثَلُ کی تانیث ہے۔ تمھارے بہترین دین کو ختم کر دے۔ کہا جاتا ہے: خُذِ الْمُثْلٰى، خُذِ الْأَمْثَلَ، یعنی بہترین چیز کو لو۔ ﴿ثُمَّ ائْتُوا صَفًّا﴾ کہا جاتا ہے: کیا آج تم اپنی صف پر آئے؟ یعنی صف سے مراد وہ مصلّٰی ہے جہاں نماز پڑھی جائے۔ (جادوگروں کو کہا گیا کہ تم اکٹھے ہو کر آؤ۔) ﴿فَاَوْجَسَ﴾ دل میں خوف محسوس کیا۔ ﴿خِيْفَةً﴾ کے معنی ہیں: خوف۔ واؤ، خاء کے کسرے کی وجہ سے یا سے بدل گئی۔ ﴿فِيْ جُذُوْعِ النَّخْلِ﴾ اس میں حرف فی، علی کے معنی میں ہے۔ ﴿خَطْبُكَ﴾ تیرا حال۔ ﴿مِسَاسَ﴾ مَاسَّهُ سے مصدر ہے۔ اسے ہاتھ نہ لگاؤ۔ ﴿لَنَنْسِفَنَّهُ﴾ ہم اسے ریزہ ریزہ کر کے (دریا میں) بہا دیں گے۔ اَلضَّحَاءُ سے مراد گرمی ہے، یعنی گرمی کے وقت لوگ اکٹھے ہوں۔ ﴿قُصِّيْهِ﴾ اس کے نشان کے پیچھے چلو۔ یہ لفظ بیان کے معنی

میں بھی آتا ہے، جیسے ﴿نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ﴾ ہم تم پر بیان کرتے ہیں۔ ﴿عَنْ جُنُبٍ﴾ دور سے۔ عَنْ جَنَابَةٍ اور عَنِ اجْتِنَابٍ کے معنی بھی یہی ہیں۔

قَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿عَلَىٰ قَدَرٍ﴾ [طه: ٤٠]: مَوْعِدٍ. ﴿لَا تَنِيَا﴾ [٤٢]: لَا تَضْعُفَا ﴿مَكَانًا سُوًى﴾ [٥٨] مَنْصَفٌ بَيْنَهُمْ. ﴿يَبَسًا﴾ [٧٧]: يَابِسًا. ﴿مِن زِينَةِ ٱلْقَوْمِ﴾ [٨٧] اَلْحُلِيُّ الَّذِي اسْتَعَارُوا مِنْ آلِ فِرْعَوْنَ. ﴿فَقَذَفْنَـٰهَا﴾ [طه: ٨٧]: أَلْقَيْتُهَا، ﴿أَلْقَى﴾: صَنَعَ. ﴿فَنَسِيَ﴾ [٨٨]: مُوسَى، هُمْ يَقُولُونَهُ: أَخْطَأَ الرَّبَّ. ﴿أَلَّا يَرْجِعُ إِلَيْهِمْ قَوْلًا﴾ [٨٩]: فِي الْعِجْلِ.

امام مجاہد نے کہا: ﴿عَلٰى قَدَرٍ﴾ وعدے کی جگہ یا وعدے کا وقت ﴿لَا تَنِيَا﴾ کمزور نہ پڑو۔ ﴿مَكَانًا سُوًى﴾ دونوں فریقوں کے درمیان مسافت۔ ﴿يَبَسًا﴾ خشک۔ ﴿مِنْ زِيْنَةِ الْقَوْمِ﴾ زیورات جو قوم فرعون سے مانگ کر لائے تھے۔ ﴿فَقَذَفْتُهَا﴾ میں نے ان کو ڈال دیا۔ ﴿اَلْقَى﴾ بنایا۔ ﴿فَنَسِيَ﴾ وہ کہتے تھے کہ موسیٰ اپنے رب سے چوک گئے۔ ﴿اَلَّا يَرْجِعُ اِلَيْهِمْ قَوْلًا﴾ بچھڑے کے بارے میں ہے (کہ وہ انھیں کسی بات کا جواب نہیں دیتا)۔

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ نے اس مقام پر قرآن مجید کے بہت سے الفاظ کی لغوی تشریح اور تفسیر فرمائی ہے جو مختلف آیات میں بسلسلۂ ذکر موسیٰ آئے ہیں۔ قرآن مجید کا مطالعہ کرنے والوں کے لیے ان الفاظ کا سمجھنا انتہائی ضروری ہے۔ ایسے شائقین کو بخاری شریف کے اس مقام سے بہترین روشنی مل سکے گی۔ قارئین کو چاہیے کہ وہ مترجم قرآن مجید سے سیاق وسباق کو پیش نظر رکھتے ہوئے ایک مرتبہ ضرور دیکھیں۔ قرآن و حدیث کو سمجھنے کے لیے سرسری مطالعہ کافی نہیں بلکہ انھیں گہری نظر سے دیکھنے کی ضرورت ہے۔ ہم ایک بات کی وضاحت کرنا ضروری خیال کرتے ہیں کہ لفظ ضُحٰی کے متعلق علامہ عینی نے اعتراض کیا ہے کہ اس کا تعلق قصۂ آدم سے ہے اس مقام پر اسے لانا بے محل ہے،[1] حالانکہ امام بخاری رحمہ اللہ نے ﴿اَنْ يُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى﴾[2] کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اس سے مراد مطلق اول طلوع آفتاب نہیں بلکہ وہ وقت مراد ہے جس میں گرمی زیادہ ہوتی ہے تاکہ گندھک وغیرہ کی وجہ سے ان کی رسیوں اور لاٹھیوں میں حرکت پیدا ہو کیونکہ ساحرانِ فرعون کا جادو طلسم کی قسم سے تھا جس میں معدنیات وغیرہ استعمال کی جاتی ہیں۔ ہمارے ہاں اسے شعبدہ بازی کہا جاتا ہے۔ شعبدہ باز اپنے ہاتھ کی صفائی سے لوگوں کو دھوکا دیتا ہے اور ان کی نگاہیں پھیر دیتا ہے۔ قرآن کریم میں ہے: ''ساحرانِ فرعون کے جادو کی وجہ سے ان کی رسیوں اور لاٹھیوں کے متعلق خیال پڑتا تھا کہ وہ دوڑ رہی ہیں۔''[3] ان جادوگروں نے رسیوں اور لاٹھیوں کی اصلیت کو تبدیل نہیں کیا تھا بلکہ فریب نظر اور شعبدہ بازی کی وجہ سے وہ دوڑتی ہوئی نظر آتی تھیں۔ لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب اپنا عصا پھینکا تو ان کا طلسم ٹوٹا اور شعبدہ بازی ختم ہوگئی جسے دیکھ کر ضمیر فروش جادوگر جان فروش ایمان دار بن گئے اور وہ ہر قسم کے ظلم کے سامنے سینہ سپر ہو گئے۔ ان کی جاں نثاری کی داستان سورۂ طٰہٰ میں ہے۔

---

[1] عمدة القاري: 117/11. [2] طٰهٰ 59:20. [3] طٰهٰ 66:20.

٣٣٩٣ - حَدَّثَنَا هُدْبَةُ بْنُ خَالِدٍ: حَدَّثَنَا هَمَّامٌ: حَدَّثَنَا قَتَادَةُ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، عَنْ مَالِكِ بْنِ صَعْصَعَةَ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ حَدَّثَهُمْ عَنْ لَيْلَةِ أُسْرِيَ بِهِ حَتَّى أَتَى السَّمَاءَ الْخَامِسَةَ فَإِذَا هَارُونُ قَالَ: «هٰذَا هَارُونُ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَرَدَّ، ثُمَّ قَالَ: مَرْحَبًا بِالْأَخِ الصَّالِحِ وَالنَّبِيِّ الصَّالِحِ».

[3393] حضرت مالک بن صعصعہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انھیں اس رات کے متعلق بتایا جس میں آپ کو سیر کرائی گئی تھی اور فرمایا کہ پانچویں آسمان پر پہنچے تو وہاں حضرت ہارون ؑ سے ملاقات ہوئی۔ حضرت جبریل ؑ نے کہا: یہ حضرت ہارون ؑ ہیں ان کو سلام کریں۔ میں نے ان کو سلام کیا، انھوں نے جواب دیتے ہوئے کہا: اے برادر محترم و نبیٔ مکرم! خوش آمدید۔"

تَابَعَهُ ثَابِتٌ وَعَبَّادُ بْنُ أَبِي عَلِيٍّ عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ. [راجع: ٣٢٠٧]

ثابت اور عباد بن ابوعلی نے، حضرت انس ؓ سے، انھوں نے نبی ﷺ سے بیان کرنے میں، حضرت قتادہ کی متابعت کی ہے۔

فوائد و مسائل: ① حضرت ہارون ؑ سیدنا موسیٰ ؑ کے بڑے بھائی تھے۔ اس حدیث میں ان کا ذکر ہے، نیز حدیث اسراء میں موسیٰ ؑ کا بھی ذکر خیر ہے۔ اسی مناسبت سے امام بخاری ؒ نے اسے یہاں بیان کیا ہے۔ ② واضح رہے کہ ثابت اور عباد نے صرف ہارون ؑ کے پانچویں آسمان میں ہونے کے بارے میں متابعت کی ہے۔ تمام حدیث میں متابعت مقصود نہیں۔ حضرت ثابت کی روایت کو امام مسلم ؒ نے متصل سند سے بیان کیا ہے[1] لیکن اس میں مالک بن صعصعہ کا ذکر نہیں ہے۔ قاضی شریک نے بھی اپنی روایت میں حضرت ہارون ؑ کے متعلق بیان کیا ہے کہ وہ پانچویں آسمان میں ہیں۔[2]

(٢٣) بَابٌ: ﴿وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ إِيمَانَهُ﴾ إِلَى قَوْلِهِ: ﴿مُسْرِفٌ كَذَّابٌ﴾ [غافر: ٢٨]

باب: 23- (ارشاد باری تعالیٰ:) "فرعون کے خاندان میں سے ایک مرد مومن نے کہا، جس نے اپنے ایمان کو چھپایا ہوا تھا...... حد سے بڑھنے والا کذاب ہو" کا بیان

وضاحت: یہ مرد مومن فرعون کے خاندان سے تھا کیونکہ اگر وہ بنی اسرائیل سے ہوتا تو فرعون اس کی لمبی چوڑی تقریر سننے کی زحمت نہ اٹھاتا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ ؑ کی تبلیغ کے اثرات خود آل فرعون میں بھی نفوذ کر چکے تھے۔ مکمل آیت کا ترجمہ درج ذیل ہے: "کیا تم ایسے آدمی کو قتل کرنا چاہتے ہو جو کہتا ہے کہ میرا رب اللہ تعالیٰ ہے، حالانکہ وہ تمھارے رب کی طرف سے تمھارے پاس واضح دلائل لایا ہے؟ اگر وہ جھوٹا ہے تو اپنے جھوٹ کا وبال خود بھگتے گا اور اگر وہ سچا ہے تو

---

1 صحيح مسلم، الإيمان، حديث: 411 (162). 2 فتح الباري: 519/6.

جس عذاب سے تمھیں ڈراتا ہے اس کا کچھ نہ کچھ حصہ تمھیں پہنچ کر رہے گا۔ اللہ تعالیٰ یقیناً ایسے شخص کو راہ راست پر نہیں لاتا جو حد سے گزرنے والا انتہائی جھوٹا فریبی ہو۔"[1] ترجمۂ قرآن سے اس مردِ مومن کی تقریر کا ضرور مطالعہ کیا جائے کیونکہ اس سے مرد مومن کی جرأت اور دلیری کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ امام بخاری رضی اللہ عنہ نے صرف آیت کریمہ پر اکتفا کیا ہے تاکہ بتایا جائے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تبلیغ کا اثر کہاں تک ہوا۔ شاید آپ کو اس کے متعلق کوئی ایسی حدیث نہیں مل سکی جو آپ کی شرط کے مطابق ہو۔ واللہ أعلم.

(٢٤) بَابُ قَوْلِ اللهِ تَعَالَى: ﴿وَهَلْ أَتَىٰكَ حَدِيثُ مُوسَىٰٓ﴾ [طه: ٩] ﴿وَكَلَّمَ ٱللَّهُ مُوسَىٰ تَكْلِيمًا﴾ [النساء: ١٦٤]

باب: 24- ارشاد باری تعالیٰ: ''کیا آپ کو موسیٰ کی خبر پہنچی ہے۔'' (اور) ''اللہ تعالیٰ نے موسیٰ سے کلام کیا'' کا بیان

٣٣٩٤ - حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى: أَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِي رَأَيْتُ مُوسَى وَإِذَا رَجُلٌ ضَرْبٌ رَجِلٌ كَأَنَّهُ مِنْ رِجَالِ شَنُوءَةَ، وَرَأَيْتُ عِيسَى فَإِذَا هُوَ رَجُلٌ رَبْعَةٌ أَحْمَرُ كَأَنَّمَا خَرَجَ مِنْ دِيمَاسٍ، وَأَنَا أَشْبَهُ وُلْدِ إِبْرَاهِيمَ بِهِ، ثُمَّ أُتِيتُ بِإِنَاءَيْنِ فِي أَحَدِهِمَا لَبَنٌ وَفِي الْآخَرِ خَمْرٌ فَقَالَ: اشْرَبْ أَيَّهُمَا شِئْتَ، فَأَخَذْتُ اللَّبَنَ فَشَرِبْتُهُ، فَقِيلَ: أَخَذْتَ الْفِطْرَةَ، أَمَا إِنَّكَ لَوْ أَخَذْتَ الْخَمْرَ غَوَتْ أُمَّتُكَ». [انظر: ٣٤٣٧، ٤٧٠٩، ٥٥٧٦، ٥٦٠٣]

[3394] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس رات مجھے معراج ہوئی تو میں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا وہ ایک دبلے پتلے، سیدھے بالوں والے آدمی ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ قبیلۂ شنوءہ سے ہوں۔ اور میں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی دیکھا وہ ایسے تروتازہ اور پاک وصاف جیسے ابھی غسل خانے سے نکلے ہیں۔ اور میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے ان کے ساتھ بہت ملتا جلتا ہوں۔ اس دوران میں میرے پاس دو برتن لائے گئے۔ ان میں سے ایک میں دودھ اور دوسرے میں شراب تھی۔ جبریل علیہ السلام نے کہا: آپ ان میں سے جسے چاہیں نوش کریں۔ میں نے دودھ کا پیالہ ہاتھ میں لیا اور اسے نوش کیا۔ تو مجھ سے کہا گیا: آپ نے فطرت کو اختیار کیا ہے۔ اگر آپ شراب پیتے تو آپ کی امت گمراہ ہو جاتی۔''

فائدہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''حضرت موسیٰ علیہ السلام گندمی رنگ کے دراز قد والے تھے، ان کے بال سیدھے گویا وہ زط قبیلے کے فرد ہیں۔''[2] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں رسول

---

(1) المؤمن 40:28. (2) صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، حديث: 3438.

اللہ ﷺ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو طویل ہونے کے اعتبار سے قبیلۂ شنوءہ کے لوگوں سے تشبیہ دی ہے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں بھی لمبا ہونے کے لحاظ سے قبیلۂ زط کے لوگوں سے مشابہ قرار دیا ہے کیونکہ حبشی لمبے ہوتے ہیں۔ ان دونوں احادیث میں کوئی مخالفت یا تضاد نہیں ہے۔[1]

٣٣٩٥ - حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ: حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا الْعَالِيَةِ: حَدَّثَنَا ابْنُ عَمِّ نَبِيِّكُمْ - يَعْنِي ابْنَ عَبَّاسٍ - عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «لَا يَنْبَغِي لِعَبْدٍ أَنْ يَقُولَ: أَنَا خَيْرٌ مِّنْ يُونُسَ بْنِ مَتَّى»، وَنَسَبَهُ إِلَى أَبِيهِ. [انظر: ٣٤١٣، ٤٦٣٠، ٧٥٣٩]

[3395] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''کسی انسان کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ کہے: میں یونس بن متی سے بہتر ہوں۔'' آپ ﷺ نے انھیں ان کے والد کی طرف منسوب کیا۔

٣٣٩٦ - وَذَكَرَ النَّبِيُّ ﷺ لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِهِ فَقَالَ: «مُوسَى آدَمُ طُوَالٌ كَأَنَّهُ مِنْ رِجَالِ شَنُوءَةَ». وَقَالَ: «عِيسَى جَعْدٌ مَّرْبُوعٌ». وَذَكَرَ مَالِكًا خَازِنَ النَّارِ، وَذَكَرَ الدَّجَّالَ. [راجع: ٣٢٣٩]

[3396] نبی ﷺ نے شب معراج کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ''حضرت موسیٰ علیہ السلام گندم گوں اور دراز قد تھے، گویا آپ شنوءہ قبیلے کے فرد ہیں۔'' نیز فرمایا: ''حضرت عیسیٰ علیہ السلام گھنگریالے بالوں والے درمیانے قد کے تھے۔'' ان کے علاوہ آپ نے دوزخ کے نگران مالک اور مسیح دجال کا بھی ذکر کیا۔

فائدہ: ایک ہی حدیث کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر خیر ہے، نیز آپ نے فرمایا: ''کوئی انسان میرے متعلق یہ نہ کہے کہ میں یونس بن متی سے بڑھ کر ہوں۔'' آپ کا یہ کلام تواضع اور انکسار پر محمول ہے۔ اور میں اولاد آدم کا سردار ہوں، اس کے منافی نہیں کیونکہ آپ نے فخر ومباہات کے طور پر نہیں بلکہ اسے تحدیث نعمت کے طور پر کہا ہے۔ اور سیادت سے مراد قیامت کے دن آپ کی عظمت ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام کے متعلق دیگر گزارشات ہم آئندہ بیان کریں گے۔ بإذن اللہ تعالیٰ.

٣٣٩٧ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ: حَدَّثَنَا أَيُّوبُ السَّخْتِيَانِيُّ عَنِ ابْنِ سَعِيدِ ابْنِ جُبَيْرٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَمَّا قَدِمَ الْمَدِينَةَ وَجَدَهُمْ

[3397] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ جب مدینہ طیبہ تشریف لائے تو وہاں کے لوگوں کو عاشوراء کا روزہ رکھتے ہوئے پایا۔ انھوں نے بتایا کہ یہ بڑی عظمت والا دن ہے۔ اس دن اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام

[1] فتح الباري: 521/6.

يَصُومُونَ يَوْمًا - يَعْنِي يَوْمَ عَاشُورَاءَ - فَقَالُوا: هٰذَا يَوْمٌ عَظِيمٌ، وَهُوَ يَوْمٌ نَجَّى اللهُ فِيهِ مُوسٰى، وَأَغْرَقَ آلَ فِرْعَوْنَ فَصَامَ مُوسٰى شُكْرًا لِلّٰهِ. فَقَالَ: «أَنَا أَوْلٰى بِمُوسٰى مِنْهُمْ» فَصَامَهُ، وَأَمَرَ بِصِيَامِهِ. [راجع: ٢٠٠٤]

کو نجات دی تھی اور آلِ فرعون کو غرق کیا تھا۔ اس بنا پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شکر ادا کرنے کے لیے اس دن کا روزہ رکھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ہم ان کی نسبت موسیٰ علیہ السلام سے زیادہ قرب رکھتے ہیں، چنانچہ آپ نے خود بھی روزہ رکھا اور دوسروں کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا۔“

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں یوم عاشوراء کے حوالے سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر خیر ہوا ہے کہ انھوں نے اس دن بطور شکر روزہ رکھا تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انھیں فرعون اور آل فرعون سے نجات دی تھی۔ ویسے یہ دن بڑی تاریخی حیثیت کا حامل ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی بھی اسی دن لنگر انداز ہوئی تھی۔ انھوں نے بھی اس دن کا روزہ رکھا تھا۔ اہل مکہ بھی عاشوراء کا روزہ رکھتے تھے اور اس دن کعبے کو غلاف پہناتے تھے۔ ② رسول اللہ ﷺ نے اس کے ساتھ نویں محرم کا روزہ رکھنے کا حکم دیا تاکہ یہودیوں سے مشابہت نہ رہے۔ عاشوراء کے متعلق دیگر مباحث کتاب الصوم میں گزر چکی ہیں۔ واللہ أعلم.

(٢٥) بَابُ قَوْلِ اللهِ تَعَالٰى: ﴿وَوٰعَدْنَا مُوسٰى ثَلٰثِينَ لَيْلَةً﴾ إِلٰى قَوْلِهِ: ﴿وَأَنَا أَوَّلُ الْمُؤْمِنِينَ﴾ [الأعراف: ١٤٣]

باب: 25- ارشاد باری تعالیٰ: ”اور ہم نے موسیٰ سے تیس راتوں کا وعدہ کیا ...... اور میں سب سے پہلا ایمان لانے والا ہوں“ کا بیان

يُقَالُ: دَكَّهُ: زَلْزَلَهُ. ﴿فَدُكَّتَا﴾ [الحاقة: ١٤]: فَدُكِكْنَ، جَعَلَ الْجِبَالَ كَالْوَاحِدَةِ. كَمَا قَالَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿أَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا﴾ [الأنبياء: ٣٠] - وَلَمْ يَقُلْ: كُنَّ رَتْقًا -: مُلْتَصِقَتَيْنِ. ﴿أُشْرِبُوا﴾ [البقرة: ٩٣] ثَوْبٌ مُشَرَّبٌ: مَصْبُوغٌ.

کہا جاتا ہے: دَكَّهُ ”اسے ہلا دیا“ ﴿فَدُكَّتَا﴾ کے معنی ہیں: دُكِكْنَ (یعنی جمع مونث غائب والا)۔ لیکن تثنیہ کا صیغہ اس طرح درست ہوا کہ یہاں پہاڑوں کو ایک چیز (اور زمین کو دوسری چیز) قرار دیا گیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”بے شک آسمان اور زمین دونوں ملے ہوئے تھے۔“ وہاں كُنَّ رَتْقًا نہیں کہا بلکہ تثنیہ کا صیغہ استعمال ہوا ہے۔ رَتْقًا کے معنی ہیں: دونوں ملے ہوئے تھے۔ ﴿أُشْرِبُوا﴾ ان کے دلوں میں رچ گئی، جیسے کہا جاتا ہے: ثَوْبٌ مُشَرَّبٌ ”رنگا ہوا کپڑا۔“

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: انْبَجَسَتْ: انْفَجَرَتْ. ﴿وَإِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ﴾ [الأعراف: ١٧١]: رَفَعْنَا.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ﴿انْبَجَسَتْ﴾ کے معنی ہیں: پھٹ جانا۔ ﴿وَإِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ﴾ کے معنی ہیں: جب

ہم نے ان پر پہاڑ اٹھایا۔

وضاحت: عنوان میں درج کردہ پوری آیات کا ترجمہ درج ذیل ہے: ''اور ہم نے موسیٰ سے تیس راتوں کا وعدہ کیا، پھر اسے دس مزید راتوں سے پورا کیا تو اس کے رب کی مقررہ مدت چالیس راتیں پوری ہوگئی۔ اور (جاتے وقت) موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہا: تم میری قوم میں میرے جانشین ہو، اصلاح کرتے رہنا اور فساد کرنے والوں کی راہ پر نہ چلنا اور جب موسیٰ ہمارے مقررہ وقت اور طے شدہ مقام پر آئے اور ان سے ان کے رب نے کلام کیا تو موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی: میرے رب! مجھے دکھلا کہ میں ایک نظر تجھے دیکھ سکوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تو مجھے نہیں دیکھ سکے گا، البتہ اس پہاڑ کی طرف دیکھ اگر یہ اپنی جگہ پر برقرار رہا تو، تو بھی مجھے دیکھ سکے گا، پھر جب اس کے رب کا جلوہ پہاڑ پر ہوا تو اسے ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰ غش کھا کر گر پڑے، پھر جب کچھ افاقہ ہوا تو عرض کرنے لگے! تیری ذات پاک ہے، میں تیرے حضور توبہ کرتا ہوں اور میں سب سے پہلا ایمان لانے والا ہوں۔''[1] چونکہ ان آیات میں ﴿دَكًّا﴾ کا لفظ آیا تھا، اسی مناسبت سے سورۂ حاقہ کی آیت کی تفسیر فرما دی، پھر ایک فنی نکتے کے لیے سورۂ انبیاء کی آیت کا حوالہ دیا۔ اس کے بعد جو الفاظ ہیں وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات ہی سے متعلق ہیں۔

٣٣٩٨ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرِو بْنِ يَحْيٰى، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «اَلنَّاسُ يَصْعَقُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَأَكُونُ أَوَّلَ مَنْ يُفِيقُ، فَإِذَا أَنَا بِمُوسٰى آخِذٌ بِقَائِمَةٍ مِّنْ قَوَائِمِ الْعَرْشِ فَلَا أَدْرِي أَفَاقَ قَبْلِي أَمْ جُوزِيَ بِصَعْقَةِ الطُّورِ؟». [راجع: ٢٤١٢]

[3398] حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''قیامت کے دن لوگ بے ہوش ہوں گے اور مجھے سب سے پہلے ہوش آئے گا تو میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھوں گا کہ وہ عرش کے پائے کو پکڑے ہوں گے۔ نہ معلوم وہ مجھ سے پہلے ہوش میں آ جائیں گے یا انھیں کوہ طور کی بے ہوشی کا بدلہ ملا ہوگا؟''

فوائد ومسائل: ① اس حدیث میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق وضاحت ہے کہ وہ کوہ طور کے دامن میں بے ہوش ہوئے تھے۔ عنوان میں یہی واقعہ تفصیل سے بیان ہوا ہے۔ ② اس حدیث میں ایک جزوی فضیلت بیان ہوئی ہے جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق حدیث میں ہے کہ انھیں سب سے پہلے لباس پہنایا جائے گا۔ اس قسم کی جزوی فضیلت سے کلی فضیلت پر فوقیت لازم نہیں آتی۔ بہرحال رسول اللہ ﷺ سب سے پہلے اپنی قبر مبارک سے اٹھیں گے اور اپنے رب کے حضور پیش ہوں گے۔

٣٣٩٩ - حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْجُعْفِيُّ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامٍ،

[3399] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اگر بنی اسرائیل نہ ہوتے تو

1 الأعراف 7:142، 143.

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «لَوْلَا بَنُو إِسْرَائِيلَ لَمْ يَخْنَزِ اللَّحْمُ، وَلَوْلَا حَوَّاءُ لَمْ تَخُنْ أُنْثَى زَوْجَهَا الدَّهْرَ».

[راجع: ۳۳۳۰]

گوشت میں سڑاند پیدا نہ ہوتی۔ اور اگر حواء نہ ہوتیں تو کوئی عورت اپنے شوہر کی کبھی (زندگی بھر) خیانت نہ کرتی۔"

فائدہ: گوشت ذخیرہ کرنے کی عادت بنی اسرائیل میں پیدا ہوئی۔ اس وقت گوشت خراب ہو گیا۔ اگر وہ یہ عادت اختیار نہ کرتے تو اس کے خراب ہونے کی نوبت ہی نہ آتی۔ اگرچہ اس میں خراب ہونے کی صلاحیت پہلے بھی موجود تھی لیکن کبھی خراب نہیں ہوا تھا۔ اسی طرح اگر حضرت حواء اپنے خاوند حضرت آدم علیہ السلام سے خیانت نہ کرتیں تو ان کی بیٹیوں میں یہ عادت پیدا نہ ہوتی۔ یہاں خیانت کا مطلب بدکاری نہیں بلکہ اس سے مراد انھیں پھل کھانے پر اکسانا ہے۔ منکرین حدیث فہم حدیث کے لیے عقل سلیم سے کام نہیں لیتے۔ صرف اعتراض برائے اعتراض کرتے ہیں جیسا کہ اس حدیث کے متعلق انھوں نے خبث باطن کا اظہار کیا ہے۔

(٢٦) - بَابُ طُوفَانٍ مِنَ السَّيْلِ

باب: 26- "طوفان" اس سے مراد سیلاب کا طوفان ہے

وَيُقَالُ لِلْمَوْتِ الْكَثِيرِ: طُوفَانٌ. ﴿الْقُمَّلَ﴾ [الأعراف:١٣٣]: الْحُمْنَانُ يُشْبِهُ صِغَارَ الْحَلَمِ. ﴿حَقِيقٌ﴾ [الأعراف:١٠٥]: حَقٌّ. ﴿سُقِطَ﴾ [الأعراف:١٤٩] كُلُّ مَنْ نَدِمَ فَقَدْ سُقِطَ فِي يَدِهِ.

کثرت اموات کو بھی طوفان کہا جاتا ہے۔ ﴿الْقُمَّلَ﴾ اس کے معنی وہ چیچڑی ہے جو چھوٹی جوں کے مشابہ ہوتی ہے۔ ﴿حَقِيقٌ﴾ کے معنی ہیں: لائق ہے اور حق لازم ہے۔ ﴿سُقِطَ﴾ اس کے معنی "پشیمان ہوا" ہیں۔ ہر وہ شخص جو شرمسار ہوتا ہے وہ اپنے ہاتھوں پر گر پڑتا ہے۔

وضاحت: پوری آیت کا ترجمہ حسب ذیل ہے: "آخر ہم نے ان پر طوفان، ٹڈیاں، جوئیں، مینڈک اور خون کا عذاب ایک ایک کر کے مختلف اوقات میں بطور نشانیاں بھیجا، پھر وہ اکڑے ہی رہے کیونکہ وہ جرم پیشہ لوگ تھے۔"[1] لفظ طوفان کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے تعیین فرما دی کہ اس جگہ طوفان سے مراد سیلاب ہے جو موسلا دھار بارش سے آتا ہے۔ طوفان سے اگر موت مراد ہو تو یہ ضروری نہیں کہ سب کے سب لوگ مر جائیں بلکہ اگر کثرت سے اموات واقع ہوں تو اس کو بھی وباء اور طوفان سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ عنوان مستقل نہیں بلکہ پہلے عنوان کا تکملہ اور نتیجہ ہے جیسا کہ علامہ عینی نے اس کی صراحت کی ہے۔[2]

---

[1] الأعراف 7:133. [2] عمدة القاري: 127/11.

(٢٧) - بَابُ حَدِيثِ الْخَضِرِ مَعَ مُوسٰى عَلَيْهِمَا السَّلَامُ

٣٤٠٠ - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ صَالِحٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ: أَنَّ عُبَيْدَ اللهِ بْنَ عَبْدِ اللهِ أَخْبَرَهُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّهُ تَمَارٰى هُوَ وَالْحُرُّ بْنُ قَيْسٍ الْفَزَارِيُّ فِي صَاحِبِ مُوسٰى، قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: هُوَ خَضِرٌ، فَمَرَّ بِهِمَا أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ فَدَعَاهُ ابْنُ عَبَّاسٍ فَقَالَ: إِنِّي تَمَارَيْتُ أَنَا وَصَاحِبِي هٰذَا فِي صَاحِبِ مُوسَى الَّذِي سَأَلَ السَّبِيلَ إِلٰى لُقِيِّهِ، هَلْ سَمِعْتَ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَذْكُرُ شَأْنَهُ؟ قَالَ: نَعَمْ، سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «بَيْنَمَا مُوسٰى فِي مَلَإٍ مِّنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ جَاءَهُ رَجُلٌ فَقَالَ: هَلْ تَعْلَمُ أَحَدًا أَعْلَمَ مِنْكَ؟ قَالَ: لَا، فَأَوْحَى اللهُ إِلٰى مُوسٰى: بَلٰى، عَبْدُنَا خَضِرٌ، فَسَأَلَ مُوسَى السَّبِيلَ إِلَيْهِ، فَجُعِلَ لَهُ الْحُوتُ آيَةً، وَقِيلَ لَهُ: إِذَا فَقَدْتَّ الْحُوتَ فَارْجِعْ فَإِنَّكَ سَتَلْقَاهُ، فَكَانَ يَتْبَعُ الْحُوتَ فِي الْبَحْرِ. فَقَالَ لِمُوسٰى فَتَاهُ: أَرَأَيْتَ إِذْ أَوَيْنَا إِلَى الصَّخْرَةِ فَإِنِّي نَسِيتُ الْحُوتَ وَمَا أَنْسَانِيهِ إِلَّا الشَّيْطَانُ أَنْ أَذْكُرَهُ. فَقَالَ مُوسٰى: ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ فَارْتَدَّا عَلٰى آثَارِهِمَا قَصَصًا، فَوَجَدَا خَضِرًا فَكَانَ مِنْ شَأْنِهِمَا الَّذِي قَصَّ اللهُ فِي كِتَابِهِ». [راجع: ٧٤]

باب : 27- حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ حضرت خضر علیہ السلام کا واقعہ

[3400] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ان کا اور حضرت حر بن قیس فزاری کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی کے متعلق اختلاف ہوا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ وہ حضرت خضر علیہ السلام ہیں۔ اس دوران میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ وہاں سے گزرے تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے انھیں بلایا اور کہا کہ میرا اور میرے اس ساتھی کا صاحب موسیٰ کے متعلق اختلاف ہو گیا ہے جس سے ملاقات کا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا تھا۔ کیا آپ نے رسول اللہ ﷺ سے اس کے متعلق کوئی حدیث سنی ہے؟ حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں، میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا تھا: ''ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے مجمع میں وعظ کر رہے تھے کہ ایک شخص نے ان سے آ کر کہا: کیا آپ کسی کو اپنے سے زیادہ عالم جانتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا: (مجھ سے زیادہ کوئی عالم) نہیں۔ (اس پر) اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی: کیوں نہیں، ہمارا بندہ خضر ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے ان تک پہنچنے کا راستہ پوچھا تو اللہ تعالیٰ نے مچھلی کو ان کے لیے ملاقات کی علامت قرار دیا۔ اور ان سے کہہ دیا گیا کہ تم جہاں مچھلی کو گم پاؤ تو واپس آ جاؤ، وہیں ان سے ملاقات ہو گی، چنانچہ وہ مچھلی کی نگرانی کرتے ہوئے سمندر کے کنارے سفر کرنے لگے۔ آخر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے رفیق سفر نے ان سے کہا: کیا آپ نے خیال نہیں کیا کہ ہم چٹان کے پاس بیٹھے تھے تو میں مچھلی کے متعلق آپ کو بتانا بھول گیا تھا اور مجھے شیطان

نے اسے یاد رکھنے سے غافل کر دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اسی کو تو ہم تلاش کر رہے تھے، چنانچہ وہ دونوں بزرگ اپنے قدموں کے نشانات دیکھتے ہوئے واپس پلٹے تو حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات ہوگئی۔ آگے ان دونوں کا وہی قصہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے۔''

فوائد ومسائل: ① حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا حر بن قیس سے اختلاف یہ تھا کہ وہ صاحب کون ہیں جن سے ملاقات کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا، پھر اس کے لیے سمندری سفر اختیار کیا۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث سے ثابت کیا کہ وہ صاحب حضرت خضر علیہ السلام ہیں۔ پھر اس کا پس منظر بھی ذکر کیا ہے۔ ② درحقیقت قرآن مجید کی سورۂ کہف میں حضرت خضر اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کی اس ملاقات کا تفصیلی ذکر ہے۔ وہاں مطالعہ کرنے سے بہت سے ظاہری اور قابل اعتراض امور نظر آتے ہیں مگر ان کی حقیقت کھلنے پر ان کا برحق ہونا تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ ہمیں ان واقعات سے بصیرت حاصل کرنی چاہیے۔ اس واقعے میں ہمارے لیے بہت سے اسباق ہیں۔ ③ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ایک اختلاف نوف بکالی سے بھی ہوا۔ اس کی نوعیت یہ تھی کہ حضرت خضر علیہ السلام سے جس موسیٰ نے ملاقات کی ہے وہ بنی اسرائیل کے پیغمبر موسیٰ علیہ السلام نہیں بلکہ کوئی اور موسیٰ ہیں، چنانچہ اس اختلاف کی تفصیل اگلی حدیث میں بیان ہوگی۔

٣٤٠١ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ: حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي سَعِيدُ بْنُ جُبَيْرٍ قَالَ: قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ: إِنَّ نَوْفًا الْبِكَالِيَّ يَزْعُمُ أَنَّ مُوسَى صَاحِبَ الْخَضِرِ لَيْسَ هُوَ مُوسَى بَنِي إِسْرَائِيلَ، إِنَّمَا هُوَ مُوسَى آخَرُ فَقَالَ: كَذَبَ عَدُوُّ اللهِ، حَدَّثَنَا أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: «أَنَّ مُوسَى قَامَ خَطِيبًا فِي بَنِي إِسْرَائِيلَ فَسُئِلَ: أَيُّ النَّاسِ أَعْلَمُ؟ فَقَالَ: أَنَا، فَعَتَبَ اللهُ عَلَيْهِ إِذْ لَمْ يَرُدَّ الْعِلْمَ إِلَيْهِ، فَقَالَ لَهُ: بَلَى، لِي عَبْدٌ بِمَجْمَعِ الْبَحْرَيْنِ هُوَ أَعْلَمُ مِنْكَ. قَالَ: أَيْ رَبِّ! وَمَنْ لِي بِهِ؟ - وَرُبَّمَا قَالَ سُفْيَانُ: أَيْ رَبِّ! وَكَيْفَ لِي بِهِ؟ - قَالَ: تَأْخُذُ حُوتًا، فَتَجْعَلُهُ فِي مِكْتَلٍ حَيْثُمَا فَقَدْتَّ

[3401] حضرت سعید بن جبیر سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے عرض کیا: نوف بکالی کہتا ہے کہ وہ موسیٰ جو حضرت خضر کے ساتھ ہیں وہ بنی اسرائیل کے پیغمبر موسیٰ علیہ السلام نہیں بلکہ کوئی اور موسیٰ ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس اللہ کے دشمن نے غلط کہا ہے۔ ہمیں ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے خبر دی ہے: ''ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل میں کھڑے تقریر کر رہے تھے کہ ان سے دریافت کیا گیا: کون سا شخص سب سے زیادہ علم والا ہے؟ انھوں نے فرمایا: میں (سب سے بڑا عالم ہوں)۔ اس پر اللہ تعالیٰ ناراض ہوا کہ انھوں نے علم کی نسبت اللہ کی طرف کیوں نہیں کی۔ اور فرمایا: کیوں نہیں، میرا ایک بندہ ہے جہاں دو دریا ملتے ہیں وہ وہاں رہتا ہے۔ وہ تم سے زیادہ علم رکھتا ہے۔ انھوں

الْحُوتَ فَهُوَ ثَمَّ - وَرُبَّمَا قَالَ: فَهُوَ ثَمَّهْ - وَأَخَذَ حُوتًا فَجَعَلَهُ فِي مِكْتَلٍ، ثُمَّ انْطَلَقَ هُوَ وَفَتَاهُ يُوشَعُ بْنُ نُونٍ حَتَّى أَتَيَا الصَّخْرَةَ وَضَعَا رُءُوسَهُمَا، فَرَقَدَ مُوسٰى وَاضْطَرَبَ الْحُوتُ فَخَرَجَ فَسَقَطَ فِي الْبَحْرِ فَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا، فَأَمْسَكَ اللهُ عَنِ الْحُوتِ جِرْيَةَ الْمَاءِ فَصَارَ مِثْلَ الطَّاقِ - فَقَالَ هٰكَذَا مِثْلَ الطَّاقِ - فَانْطَلَقَا يَمْشِيَانِ بَقِيَّةَ لَيْلَتِهِمَا وَيَوْمَهُمَا حَتَّى إِذَا كَانَ مِنَ الْغَدِ قَالَ لِفَتَاهُ: آتِنَا غَدَاءَنَا لَقَدْ لَقِينَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا، وَلَمْ يَجِدْ مُوسَى النَّصَبَ حَتَّى جَاوَزَ حَيْثُ أَمَرَهُ اللهُ. قَالَ لَهُ فَتَاهُ: أَرَأَيْتَ إِذْ أَوَيْنَا إِلَى الصَّخْرَةِ فَإِنِّي نَسِيتُ الْحُوتَ وَمَا أَنْسَانِيهِ إِلَّا الشَّيْطَانُ أَنْ أَذْكُرَهُ وَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ عَجَبًا، فَكَانَ لِلْحُوتِ سَرَبًا وَلَهُمَا عَجَبًا، قَالَ لَهُ مُوسٰى: ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِي، فَارْتَدَّا عَلٰى آثَارِهِمَا قَصَصًا - رَجَعَا يَقُصَّانِ آثَارَهُمَا - حَتَّى انْتَهَيَا إِلَى الصَّخْرَةِ، فَإِذَا رَجُلٌ مُسَجًّى بِثَوْبٍ فَسَلَّمَ مُوسٰى فَرَدَّ عَلَيْهِ فَقَالَ: وَأَنّٰى بِأَرْضِكَ السَّلَامُ، قَالَ: أَنَا مُوسٰى، قَالَ: مُوسٰى بَنِي إِسْرَائِيلَ؟ قَالَ: نَعَمْ، أَتَيْتُكَ لِتُعَلِّمَنِي مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا. قَالَ: يَا مُوسٰى! إِنِّي عَلٰى عِلْمٍ مِّنْ عِلْمِ اللهِ عَلَّمَنِيهِ اللهُ لَا تَعْلَمُهُ، وَأَنْتَ عَلٰى عِلْمٍ مِّنْ عِلْمِ اللهِ عَلَّمَكَهُ اللهُ لَا أَعْلَمُهُ قَالَ: هَلْ أَتَّبِعُكَ؟ قَالَ: ﴿إِنَّكَ لَن تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلَىٰ مَا لَمْ تُحِطْ بِهِۦ خُبْرًا﴾ إِلٰى قَوْلِهِ: ﴿أَمْرًا﴾ [الكهف: ٦٧-٦٩]

(موسیٰ علیہ السلام) نے عرض کیا: اے میرے رب! میرے لیے اس تک پہنچانے کا کون ضامن ہے؟...... کبھی سفیان نے یوں کہا: میں ان سے کس طرح ملاقات کروں گا......؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ایک مچھلی لو اور اسے (بھون کر) اپنے توشہ دان (ٹوکری) میں رکھ لو جہاں تم سے وہ مچھلی گم ہو جائے بس وہ میرا بندہ وہیں ہو گا، چنانچہ انھوں (موسیٰ علیہ السلام) نے ایک مچھلی لی اور اسے ٹوکری میں رکھ لیا۔ پھر وہ اور ان کے خادم یوشع بن نون سفر پر روانہ ہوئے حتی کہ ایک چٹان کے پاس پہنچ گئے۔ وہاں آرام کرنے کے لیے دونوں نے اپنے سر اس پر رکھ دیے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وہاں نیند آ گئی۔ اس دوران میں مچھلی نے حرکت کی۔ توشہ دان سے باہر نکلی اور سمندر کے اندر چلی گئی۔ اس نے سمندر میں اپنا راستہ سرنگ جیسا بنا لیا۔ اللہ تعالیٰ نے مچھلی سے پانی کا بہاؤ روک دیا اور وہ طاق کی مانند ہو گیا۔ آپ نے اشارے سے بتایا کہ ایسے طاق کی طرح ہو گیا۔ پھر وہ دونوں حضرات باقی رات چلتے رہے حتی کہ جب دوسرا دن ہوا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے خادم سے کہا: ناشتہ لاؤ ہمیں تو اس سفر میں بڑی تھکاوٹ محسوس ہوئی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اس وقت تک کوئی تھکاوٹ محسوس نہیں کی جب تک وہ اس مقررہ جگہ سے آگے نہ بڑھ گئے جس کا اللہ نے انھیں حکم دیا تھا۔ خادم نے کہا: دیکھیے جہاں ہم نے چٹان کے پاس آرام کیا تھا وہاں میں مچھلی کے متعلق آپ کو بتانا بھول گیا تھا اور مجھے اس کے بارے میں شیطان نے غافل رکھا اور اس مچھلی نے تو سمندر میں اپنا راستہ عجیب طور پر بنایا تھا۔ مچھلی کے لیے تو جانے کا راستہ تھا لیکن ان دونوں کے لیے تعجب کا باعث بن گیا۔ وہ دونوں حیران تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: یہی وہ جگہ تھی

جس کی تلاش میں ہم دونوں نکلے تھے، چنانچہ یہ دونوں اسی راستے سے پہلے کی طرف واپس ہوئے اور جب اس چٹان کے پاس پہنچے تو ایک بزرگ اپنا سارا بدن ایک کپڑے میں لپیٹے ہوئے موجود تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انھیں سلام کہا اور انھوں نے اس کا جواب دیا، پھر کہا کہ تمھاری سرزمین میں سلام کہاں سے آیا؟ فرمایا: میں موسیٰ ہوں۔ انھوں نے پوچھا: بنی اسرائیل کے موسیٰ؟ فرمایا: ہاں (وہی ہوں۔) میں آپ کی خدمت میں اس لیے حاضر ہوا ہوں کہ آپ مجھے وہ علم ہدایت سکھائیں جو آپ کو سکھایا گیا ہے۔ وہ فرمانے لگے: اے موسیٰ! میں اللہ کی طرف سے ایک ایسے علم کا حامل ہوں جو اللہ نے مجھے سکھایا ہے آپ اسے نہیں جانتے اور آپ اللہ کی طرف سے ایک ایسے علم شریعت کے حامل ہیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو سکھایا ہے میں اسے نہیں جانتا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: کیا میں آپ کے ساتھ رہ سکتا ہوں؟ انھوں نے فرمایا: آپ ہرگز میرے ساتھ صبر نہیں کر سکیں گے۔ واقعی آپ اس چیز پر کیسے صبر کر سکتے ہیں جس کا آپ کے علم نے احاطہ نہیں کیا...... اَمرًا تک؟

فَانْطَلَقَا يَمْشِيَانِ عَلٰى سَاحِلِ الْبَحْرِ فَمَرَّتْ بِهِمَا سَفِينَةٌ كَلَّمُوهُمْ أَنْ يَحْمِلُوهُمْ فَعَرَفُوا الْخَضِرَ فَحَمَلُوهُ بِغَيْرِ نَوْلٍ، فَلَمَّا رَكِبَا فِي السَّفِينَةِ جَاءَ عُصْفُورٌ فَوَقَعَ عَلٰى حَرْفِ السَّفِينَةِ فَنَقَرَ فِي الْبَحْرِ نَقْرَةً أَوْ نَقْرَتَيْنِ، قَالَ لَهُ الْخَضِرُ: يَا مُوسٰى! مَا نَقَصَ عِلْمِي وَعِلْمُكَ مِنْ عِلْمِ اللّٰهِ إِلَّا مِثْلَ مَا نَقَصَ هٰذَا الْعُصْفُورُ بِمِنْقَارِهِ مِنَ الْبَحْرِ، إِذْ أَخَذَ الْفَأْسَ فَنَزَعَ لَوْحًا فَلَمْ يَفْجَأْ مُوسٰى إِلَّا وَقَدْ قَلَعَ لَوْحًا بِالْقَدُومِ،

پھر دونوں حضرات ساحل سمندر پر چل پڑے تو ان کے قریب سے ایک کشتی گزری۔ انھوں نے ان (کشتی والوں) سے بات چیت کی کہ ان کو بھی سوار کر لیں تو انھوں نے حضرت خضر علیہ السلام کو پہچان لیا اور کرایہ لیے بغیر انھیں سوار کر لیا۔ جب یہ حضرات اس میں سوار ہو گئے تو ایک چڑیا آئی اور کشتی کے ایک کنارے بیٹھ کر اس نے پانی میں اپنی چونچ کو ایک یا دو مرتبہ ڈالا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا: اے موسیٰ میرا اور آپ کا علم اللہ کے علم سے اتنی بھی کمی نہیں کر پایا جس قدر اس چڑیا نے اپنی چونچ سے سمندر کے پانی میں کمی کی

فَقَالَ لَهُ مُوسٰى: مَا صَنَعْتَ؟ قَوْمٌ حَمَلُونَا بِغَيْرِ نَوْلٍ عَمَدْتَّ إِلٰى سَفِينَتِهِمْ فَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ أَهْلَهَا لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا إِمْرًا. قَالَ: أَلَمْ أَقُلْ: إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا. قَالَ: لَا تُؤَاخِذْنِي بِمَا نَسِيتُ وَلَا تُرْهِقْنِي مِنْ أَمْرِي عُسْرًا، فَكَانَتِ الْأُولٰى مِنْ مُوسٰى نِسْيَانًا، فَلَمَّا خَرَجَا مِنَ الْبَحْرِ مَرُّوا بِغُلَامٍ يَلْعَبُ مَعَ الصِّبْيَانِ فَأَخَذَ الْخَضِرُ بِرَأْسِهِ فَقَلَعَهُ بِيَدِهِ هٰكَذَا، - وَأَوْمَأَ سُفْيَانُ بِأَطْرَافِ أَصَابِعِهِ كَأَنَّهُ يَقْطِفُ شَيْئًا - فَقَالَ لَهُ مُوسٰى: أَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةً بِغَيْرِ نَفْسٍ لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا نُكْرًا؟ قَالَ: أَلَمْ أَقُلْ لَكَ: إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا. قَالَ: إِنْ سَأَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍ بَعْدَهَا فَلَا تُصَاحِبْنِي قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَدُنِّي عُذْرًا، فَانْطَلَقَا حَتّٰى إِذَا أَتَيَا أَهْلَ قَرْيَةٍ اسْتَطْعَمَا أَهْلَهَا فَأَبَوْا أَنْ يُضَيِّفُوهُمَا فَوَجَدَا فِيهَا جِدَارًا يُرِيدُ أَنْ يَنْقَضَّ مَائِلًا - أَوْمَأَ بِيَدِهِ هٰكَذَا، وَأَشَارَ سُفْيَانُ كَأَنَّهُ يَمْسَحُ شَيْئًا إِلٰى فَوْقُ، فَلَمْ أَسْمَعْ سُفْيَانَ يَذْكُرُ مَائِلًا إِلَّا مَرَّةً - قَالَ: قَوْمٌ أَتَيْنَاهُمْ فَلَمْ يُطْعِمُونَا وَلَمْ يُضَيِّفُونَا عَمَدْتَّ إِلٰى حَائِطِهِمْ، لَوْ شِئْتَ لَاتَّخَذْتَ عَلَيْهِ أَجْرًا؟ قَالَ: هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِي وَبَيْنِكَ سَأُنَبِّئُكَ بِتَأْوِيلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَلَيْهِ صَبْرًا». قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «وَدِدْنَا أَنَّ مُوسٰى كَانَ صَبَرَ فَقَصَّ اللهُ عَلَيْنَا مِنْ خَبَرِهِمَا». قَالَ سُفْيَانُ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «يَرْحَمُ اللهُ مُوسٰى لَوْ كَانَ صَبَرَ يُقَصُّ عَلَيْنَا مِنْ أَمْرِهِمَا» قَالَ: وَقَرَأَ ابْنُ عَبَّاسٍ (أَمَامَهُمْ مَلِكٌ يَأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ

ہے۔ اس دوران میں حضرت خضر علیہ السلام نے کلہاڑی اٹھائی اور اس کے ذریعے سے کشتی میں سے ایک تختہ نکال لیا۔ اچانک موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ کلہاڑی سے کشتی کا ایک تختہ اکھڑ چکا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا: آپ نے یہ کیا کیا؟ ان لوگوں نے ہم سے کرایہ لیے بغیر ہمیں کشتی میں سوار کیا۔ آپ نے دانستہ تختہ نکال کر کشتی میں شگاف کر دیا تاکہ سارے کشتی والے ڈوب جائیں، اس طرح آپ نے نہایت ہی ناگوار کام سرانجام دیا ہے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا: میں نے آپ سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ آپ میرے ساتھ رہ کر صبر نہیں کر سکیں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: بھول چوک پر آپ میری گرفت نہ کریں اور میرے معاملے میں مجھ پر تنگی نہ فرمائیں۔ یہ پہلی غلطی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بھول کر ہوئی تھی، چنانچہ جب سمندری سفر ختم ہوا تو ان دونوں کا گزر ایک بچے کے پاس سے ہوا جو دوسرے بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے اس کا سر پکڑا اور اپنے ہاتھ سے اسے دھڑ سے جدا کر دیا۔

...... راویٔ حدیث سفیان نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا جیسے وہ کوئی چیز توڑ رہے ہوں...... حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: آپ نے ایک معصوم جان کو بغیر کسی جان کے بدلے قتل کر دیا ہے۔ اس طرح آپ نے ایک ناپسندیدہ حرکت کی ہے۔ حضرت خضر نے کہا: میں نے آپ کو پہلے سے نہیں کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ رہ کر صبر نہیں کر سکیں گے۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اس کے بعد اگر میں نے آپ سے کسی چیز کے متعلق پوچھا تو آپ مجھے ساتھ نہ لے جائیں، میری طرف سے تمھارا عذر پورا ہو چکا ہے، چنانچہ وہ دونوں چلتے چلتے ایک گاؤں والوں کے پاس پہنچے۔ ان سے کھانا طلب کیا تو انھوں نے میزبانی سے انکار کر دیا۔ ان حضرات کو بستی میں

صَالِحَةٍ غَصْبًا) (وَأَمَّا الْغُلَامُ فَكَانَ كَافِرًا وَكَانَ أَبَوَاهُ مُؤْمِنَيْنِ).

ایک ایسی دیوار نظر آئی جو گرنے کے قریب تھی۔ حضرت خضر نے اسے اپنے ہاتھ سے سیدھا کر دیا...... سفیان نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کر کے بتایا کہ وہ جھک رہی تھی۔ انھوں نے اشارہ کیا گویا وہ کسی چیز کو اوپر کی طرف پھیر رہے ہیں۔ میں نے سفیان سے مَائِلاً کا لفظ صرف ایک مرتبہ سنا ہے...... بہر حال حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ہم ان لوگوں کے پاس آئے، انھوں نے نہ تو ہمیں کھانا کھلایا اور نہ میزبانی ہی کا حق ادا کیا، آپ نے مفت میں ان کی دیوار درست کر دی، آپ چاہتے تو اس پر کچھ مزدوری لے سکتے تھے؟ حضرت خضر نے فرمایا: بس یہاں سے میرے اور آپ کے درمیان جدائی ہوگی۔ آپ جن باتوں پر صبر نہیں کر سکے میں اب آپ کو ان کی حقیقت بتاتا ہوں۔'' نبی ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ موسیٰ پر رحم کرے اگر وہ تھوڑا سا صبر کر لیتے تو اللہ تعالیٰ ہم سے ان کا مزید حال بیان کرتا۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بایں طور اس آیت کو پڑھا ہے: ''ان کے آگے ایک بادشاہ تھا جو صحیح و سالم کشتی ان سے چھین لیتا تھا۔'' ''اور وہ لڑکا کافر تھا اور اس کے والدین مومن تھے۔''

ثُمَّ قَالَ لِي سُفْيَانُ: سَمِعْتُهُ مِنْهُ مَرَّتَيْنِ وَحَفِظْتُهُ مِنْهُ، قِيلَ لِسُفْيَانَ: حَفِظْتَهُ قَبْلَ أَنْ تَسْمَعَهُ مِنْ عَمْرٍو أَوْ تَحَفَّظْتَهُ مِنْ إِنْسَانٍ؟ فَقَالَ: مِمَّنْ أَتَحَفَّظُهُ؟ وَرَوَاهُ أَحَدٌ عَنْ عَمْرٍو غَيْرِي؟! سَمِعْتُهُ مِنْهُ مَرَّتَيْنِ - أَوْ ثَلَاثًا - وَحَفِظْتُهُ مِنْهُ. [راجع: ٧٤]

سفیان نے مجھ سے کہا: میں نے یہ حدیث عمرو بن دینار سے دو دفعہ سنی اور انھی سے یاد کی۔ سفیان سے پوچھا گیا: کیا عمرو بن دینار سے سننے سے پہلے آپ نے اس کو یاد کر لیا تھا یا کسی اور انسان سے اسے یاد کیا ہے؟ سفیان نے کہا: میں کس سے اس حدیث کو یاد کرتا؟ کیا اس حدیث کو عمرو بن دینار سے میرے سوا کسی اور نے روایت کیا ہے؟ میں نے ہی اسے عمرو بن دینار سے دو بار یا تین بار سنا اور اس کو ان سے یاد کیا ہے۔

فوائد و مسائل: ① نوف بکالی بڑا عالم فاضل اور واعظ قسم کا آدمی تھا۔ اس کا خیال تھا کہ خضر کے ساتھی حضرت موسیٰ بن

عمران نہیں بلکہ موسیٰ بن میشا ہیں، مگر صحیح بات یہی ہے کہ وہ موسیٰ بن عمران ہیں جو بنی اسرائیل کی طرف بھیجے گئے تھے۔ حضرت خضر علیہ السلام کے معاملات پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اعتراضات ظاہری حالات کی بنا پر تھے۔ ② حضرت خضر علیہ السلام نے جب حقائق سے پردہ اٹھایا تو موسیٰ علیہ السلام کو ماننے کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا۔ مزید تفصیلات کتب تفسیر میں ملاحظہ کی جا سکتی ہیں۔ ③ حضرت خضر علیہ السلام کے متعلق اکثر صوفیاء اور اہل باطن کا خیال ہے کہ وہ زندہ ہیں اور سمندروں پر حکومت کرتے ہیں۔ لیکن امام بخاری رحمہ اللہ اور دیگر محققین امت کا موقف ہے کہ وہ فوت ہو چکے ہیں اور اب وہ موجود نہیں ہیں۔ ہم نے اس موضوع پر ''حقیقت حیات خضر'' کے نام سے ایک پمفلٹ شائع کیا تھا۔ افسوس کہ وہ تلاش بسیار کے باوجود دستیاب نہیں ہو سکا۔ خیال تھا کہ اس کے چند اقتباسات یہاں نقل کیے جاتے۔ ماشاء اللّٰہ کان وما لم یشأ لم یکن.

٣٤٠٢ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَعِيدٍ الْأَصْبَهَانِيُّ: أَخْبَرَنَا ابْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ مَعْمَرٍ، عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «إِنَّمَا سُمِّيَ الْخَضِرَ لِأَنَّهُ جَلَسَ عَلَى فَرْوَةٍ بَيْضَاءَ فَإِذَا هِيَ تَهْتَزُّ مِنْ خَلْفِهِ خَضْرَاءَ».

[3402] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''خضر کا نام اس لیے خضر رکھا گیا کہ وہ ایک مرتبہ خشک زمین پر بیٹھے، جب وہاں سے اٹھے تو وہ سرسبز ہو کر لہلہانے لگی۔''

قَالَ الْحَمَوِيُّ: قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ بْنِ مَطَرٍ الْفَرَبْرِيُّ: حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ خَشْرَمٍ عَنْ سُفْيَانَ بِطُولِهِ.

علی بن خشرم نے حضرت سفیان کے حوالے سے طویل حدیث بیان کی ہے۔

فوائد و مسائل: ① حضرت خضر کے بیٹھنے سے اس زمین کا سرسبز ہونا، ان کی کرامت تھی۔ اولیاء کی کرامت برحق ہے بشرطیکہ وہ صحیح طور پر ثابت ہو، من گھڑت اور خود ساختہ نہ ہو۔ واضح رہے کہ اولیاء کی کرامات محض اللہ کا عطیہ ہوتی ہیں اور اولیاء ہر وقت اللہ کے محتاج ہوتے ہیں۔ اولیاء اللہ کی تعریف اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں فرمائی ہے: ﴿الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ﴾ ''جو ایمان لائے اور اللہ سے ڈرتے رہے۔''[1] چونکہ ایمان اور تقویٰ کے کئی درجات ہیں، اس اعتبار سے اولیاء اللہ کے بھی کئی درجے ہیں۔ عرف عام میں اولیاء اللہ ان لوگوں کو کہتے ہیں جو ایمان و تقویٰ کے بلند درجات پر فائز ہوں۔ ہمارے اسلاف میں کچھ کی طبیعتیں زہد و تقویٰ اور عبادت کی طرف مائل تھیں انھیں زہاد اور صالحین کا نام دیا جاتا تھا۔ ② تیسری صدی میں جب مسلمانوں پر یونانی اور ہندی فلسفے کے اثرات پڑنے لگے تو یہ طبقہ ترک دنیا اور رہبانیت کی طرف مائل ہو گیا۔ اس کے بعد ولایت کا مفہوم بھی یکسر بدل گیا بلکہ یہ لفظ صرف ان لوگوں کے لیے خاص ہو گیا جو ریاضت اور چلہ کشی کرتے اور باقاعدہ کسی شیخ کی بیعت میں منسلک ہوتے۔ ان سے کرامات کا ظہور لازمی قرار دیا گیا۔ پھر جب غیر اسلامی عقائد، وحدت الوجود، وحدت الشہود اور حلول ہماری تہذیب میں گھس آئے تو ولایت کا معیار یہ قرار پایا کہ جس کسی سے کرامات کا ظہور جتنا زیادہ ہو وہ اسی درجے کا ولی

1. یونس 10:63.

ہوگا۔ بعض نے یہ دعویٰ بھی کر دیا کہ ہمارا براہ راست اللہ سے رابطہ ہے اور ہمیں رسول اللہ ﷺ سے ملنے والی شریعت کی ضرورت نہیں۔ اس طرح ایک باطنی نظام کی داغ بیل رکھ دی گئی۔ پیری مریدی کا دھندا شروع ہوا۔ اس کے بعد اپنے دین طریقت کو مغز اور شریعت کو ہڈیاں قرار دے کر ایک طرف پھینک دیا گیا۔ شرعی اعتبار سے یہ تفریق بے بنیاد اور خودساختہ ہے۔

(٢٨) بَابٌ:

باب: 28- بلاعنوان

٣٤٠٣ - حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ نَصْرٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ، عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ: أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «قِيلَ لِبَنِي إِسْرَائِيلَ: ﴿ٱدْخُلُوا ٱلْبَابَ سُجَّدًا وَقُولُوا حِطَّةٌ﴾ [البقرة:٥٨] فَبَدَّلُوا فَدَخَلُوا يَزْحَفُونَ عَلَى أَسْتَاهِهِمْ وَقَالُوا: حَبَّةٌ فِي شَعْرَةٍ». [انظر: ٤٤٧٩، ٤٦٤١]

[3403] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بنی اسرائیل سے کہا گیا کہ تم سجدہ کرتے ہوئے دروازے سے داخل ہو جاؤ اور حطة کہو، یعنی ہمارے گناہ معاف کر دے۔ انھوں نے اسے تبدیل کر دیا اور اپنے سرینوں کو گھسیٹتے ہوئے داخل ہوئے جبکہ زبان سے حَبَّةٌ فِي شَعْرَةٍ کہہ رہے تھے۔ اس کے معنی ہیں: بالیوں میں دانے خوب ہوں۔

فوائد ومسائل: ① بنی اسرائیل سے کہا گیا تھا کہ جب تم بیت المقدس میں داخل ہو تو سر جھکاتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے گناہوں کی معافی مانگتے ہوئے اندر جاؤ، لیکن انھوں نے سارا پروگرام ہی تبدیل کر دیا۔ سر جھکانے کے بجائے اکڑ اکڑ کر داخل ہوئے اور زبان سے اپنے گناہوں کی معافی مانگنے کی بجائے مہمل کلام بکنے لگے۔ یہ ان کی نادانی اور سرکشی تھی اور ان کا مقصد اللہ کے حکم کی مخالفت کرنا تھا۔ اس بنا پر وہ اللہ کے غضب میں گرفتار ہوئے۔ ان پر طاعون کی بیماری مسلط کر دی گئی، چنانچہ ستر ہزار بنی اسرائیل ایک گھڑی میں لقمۂ اجل بن گئے۔ ② اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انسان کو ہمیشہ عجز وانکسار اختیار کرتے ہوئے اللہ سے اپنے گناہوں کی بخشش طلب کرنی چاہیے، ان پر اصرار کرتے ہوئے اکڑنا اللہ کی طرف سے عذاب کا پیش خیمہ بن سکتا ہے۔ أعاذنا الله منها.

٣٤٠٤ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ: حَدَّثَنَا رَوْحُ بْنُ عُبَادَةَ: حَدَّثَنَا عَوْفٌ عَنِ الْحَسَنِ وَمُحَمَّدٍ وَخِلَاسٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِنَّ مُوسَى كَانَ رَجُلًا حَيِيًّا سِتِّيرًا لَا يُرَى مِنْ جِلْدِهِ شَيْءٌ اسْتِحْيَاءً مِنْهُ، فَآذَاهُ مَنْ آذَاهُ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ،

[3404] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''موسیٰ ؑ بڑے حیادار اور ستر پوش تھے۔ ان کے حیا کی وجہ سے ان کے جسم کا کوئی حصہ بھی نہیں دیکھا جا سکتا تھا۔ بنی اسرائیل کے جو لوگ انھیں اذیت پہنچانے کے درپے تھے انھوں نے کہا کہ اس قدر بدن چھپانے کا اہتمام صرف اس لیے ہے کہ ان کے

فَقَالَ: مَا يَسْتَتِرُ هٰذَا التَّسَتُّرَ إِلَّا مِنْ عَيْبٍ بِجِلْدِهِ، إِمَّا بَرَصٌ وَّإِمَّا أُدْرَةٌ، وَّإِمَّا آفَةٌ. وَإِنَّ اللهَ أَرَادَ أَنْ يُّبَرِّئَهُ مِمَّا قَالُوا لِمُوسٰى، فَخَلَا يَوْمًا وَّحْدَهُ فَوَضَعَ ثِيَابَهُ عَلَى الْحَجَرِ ثُمَّ اغْتَسَلَ فَلَمَّا فَرَغَ أَقْبَلَ إِلٰى ثِيَابِهِ لِيَأْخُذَهَا وَإِنَّ الْحَجَرَ عَدَا بِثَوْبِهِ، فَأَخَذَ مُوسٰى عَصَاهُ وَطَلَبَ الْحَجَرَ فَجَعَلَ يَقُولُ: ثَوْبِي حَجَرُ! ثَوْبِي حَجَرُ! حَتّٰى انْتَهٰى إِلٰى مَلَإٍ مِّنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ فَرَأَوْهُ عُرْيَانًا أَحْسَنَ مَا خَلَقَ اللهُ وَأَبْرَأَهُ مِمَّا يَقُولُونَ. وَقَامَ حَجَرٌ فَأَخَذَ بِثَوْبِهِ فَلَبِسَهُ وَطَفِقَ بِالْحَجَرِ ضَرْبًا بِعَصَاهُ فَوَاللهِ إِنَّ بِالْحَجَرِ لَنَدَبًا مِّنْ أَثَرِ ضَرْبِهِ ثَلَاثًا أَوْ أَرْبَعًا أَوْ خَمْسًا فَذٰلِكَ قَوْلُهُ تَعَالٰى: ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَكُونُوا۟ كَٱلَّذِينَ ءَاذَوْا۟ مُوسَىٰ فَبَرَّأَهُ ٱللَّهُ مِمَّا قَالُوا۟ ۚ وَكَانَ عِندَ ٱللَّهِ وَجِيهًا﴾» [الأحزاب: ٦٩]، [راجع: ٢٧٨]

جسم میں کوئی عیب ہے۔ انھیں برص ہے یا فتق (خصیتین کے بڑا چھوٹا ہونے یا پھول جانے) کی یا کوئی اور بیماری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو ان کی تکلیف دہ باتوں (اور ایذا رسانیوں) سے پاک کرنا چاہا، چنانچہ ایک دن موسیٰ علیہ السلام اکیلے غسل کرنے کے لیے آئے تو ایک پتھر پر اپنے کپڑے اتار کر رکھ دیے، پھر غسل کرنے لگے۔ فراغت کے بعد کپڑے اٹھانے کے لیے پتھر کی طرف بڑھے تو پتھر ان کے کپڑے لے کر بھاگ نکلا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا لیا اور پتھر کے پیچھے یہ کہتے ہوئے دوڑے: اے پتھر! میرے کپڑے دے دے۔ اے پتھر! میرے کپڑے دے دے۔ حتی کہ بنی اسرائیل کی ایک جماعت کے پاس پہنچے تو انھوں نے موسیٰ علیہ السلام کو برہنہ حالت میں دیکھا، وہ اللہ کی مخلوق میں سب سے زیادہ خوبصورت تھے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے انھیں اس تہمت سے بری کر دیا جس کی طرف وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو منسوب کرتے تھے۔ اب پتھر بھی وہاں ٹھہر گیا اور آپ نے اپنے کپڑے لے کر زیب تن کر لیے، پھر اپنے عصا سے پتھر کو مارنا شروع کر دیا۔ اللہ کی قسم! موسیٰ کے مارنے کی وجہ سے پتھر پر تین، چار یا پانچ نشان بھی پڑ گئے تھے۔ اسی لیے ارشاد باری تعالیٰ ہے: اے ایمان والو! ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنھوں نے موسیٰ کو اذیت پہنچائی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں ان کی باتوں سے بری کیا۔ وہ اللہ کے نزدیک بڑے معزز اور باوقار تھے۔"

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کا ذکر ہے، اس مناسبت سے امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے یہاں بیان کیا ہے۔ ② اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ضرورت کے وقت برہنہ چلنا جائز ہے، نیز علاج کے لیے یا آپریشن کے وقت مریض کو برہنہ دیکھنا جائز ہے اور حضرات انبیاء علیہم السلام ظاہری اور باطنی عیوب سے پاک ہوتے ہیں اور جو کوئی کسی نبی کی خلقت میں عیب لگائے وہ اپنے ایمان کی خیر منائے۔ ایسے کام کرنا نبی کو اذیت پہنچانا ہے اور اذیت رسانی حرام ہے۔ واللہ أعلم. ③ جو لوگ خرق عادت واقعات یا معجزات کے منکر ہیں انھیں مذکورہ بالا تفسیر راس نہیں آ سکتی، تاہم اس حدیث کے الفاظ

میں اتنی گنجائش موجود ہے کہ وہ بھی اسے مان لیں کیونکہ عربی زبان میں حجر کے معنی گھوڑی کے بھی ہیں۔ اس اعتبار سے واقعہ یوں ہوگا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام گھوڑی پر سوار تھے۔ کسی تنہائی کے مقام پر نہانے لگے تو گھوڑی کو کھڑا کیا اور اسی پر اپنے کپڑے رکھ دیے۔ جب فراغت کے بعد اپنے کپڑے لینے کے لیے آگے بڑھے تو گھوڑی دوڑ پڑی اور موسیٰ علیہ السلام اس کے پیچھے ثوبي حجر، ثوبي حجر کہتے ہوئے دوڑ پڑے یہاں تک کہ کچھ لوگوں نے آپ کو ننگے بدن دیکھ لیا کہ آپ بالکل بے داغ اور ان کی مزعومہ بیماری سے پاک ہیں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان لوگوں کے الزام سے بری کر دیا۔ اسے تسلیم کرنے میں کوئی امر مانع نہیں۔

٣٤٠٥ - حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْأَعْمَشِ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا وَائِلٍ قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَسَمَ النَّبِيُّ ﷺ قَسْمًا فَقَالَ رَجُلٌ: إِنَّ هٰذِهِ الْقِسْمَةَ مَا أُرِيدَ بِهَا وَجْهُ اللهِ، فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ فَأَخْبَرْتُهُ فَغَضِبَ حَتَّى رَأَيْتُ الْغَضَبَ فِي وَجْهِهِ، ثُمَّ قَالَ: «يَرْحَمُ اللهُ مُوسَى قَدْ أُوذِيَ بِأَكْثَرَ مِنْ هٰذَا فَصَبَرَ». [راجع: ٣١٥٠]

[3405] حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے مال تقسیم کیا تو ایک شخص نے کہا کہ اس تقسیم سے اللہ کی رضا مقصود نہیں ہے۔ میں یہ سن کر نبی ﷺ کی خدمت میں آیا اور آپ کو بتایا تو آپ اس قدر ناراض ہوئے کہ میں نے چہرۂ انور پر غصے کے آثار دیکھے۔ پھر آپ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر رحمت کرے! انھیں اس سے بھی زیادہ اذیت پہنچائی گئی، تاہم انھوں نے صبر سے کام لیا۔''

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں هذا کا اشارہ اس کلام کی طرف ہے جو ابھی رسول اللہ ﷺ کو لوگوں کی طرف سے پہنچا تھا جنھوں نے آپ کی تقسیم کو رضائے الٰہی کے خلاف قرار دیا تھا۔ ایسا قطعاً نہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے رسول اللہ ﷺ سے زیادہ تکلیفیں اور دکھ درد برداشت کیے کیونکہ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے اللہ تعالیٰ کی خاطر اس قدر تکالیف کا سامنا کرنا پڑا کہ اس قدر کسی دوسرے کو تکالیف کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔''[1] ② واضح رہے کہ ایذائے موسیٰ سے مراد حدیث غسل کی طرف اشارہ بھی ہوسکتا ہے۔ بعض شارحین نے قارون کی شرارت کو ایذائے موسیٰ قرار دیا ہے کہ اس نے ایک عورت کو تیار کیا جو لوگوں کے سامنے اس بات کا اقرار کرتی تھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مجھ سے بدکاری کی ہے۔ بہرحال مسلمانوں کو ہر اس کام سے بچنا چاہیے جو رسول اللہ ﷺ کی ایذا رسانی کا باعث ہو۔

(٢٩) بَابٌ: ﴿يَعْكُفُونَ عَلَىٰ أَصْنَامٍ لَهُمْ﴾ [الأعراف: ١٣٨]

باب: 29- (ارشاد باری تعالیٰ:) ''وہ اپنے بتوں کے پاس ڈیرہ ڈالے بیٹھے تھے'' کا بیان

﴿مُتَبَّرٌ﴾ [١٣٩]: خُسْرَانٌ ﴿وَلِيُتَبِّرُوا﴾

﴿مُتَبَّرٌ﴾ تباہ شدہ ﴿وَلِيُتَبِّرُوا مَا عَلَوْا﴾ اور جہاں وہ

① سلسلة الأحاديث الصحيحة، حديث: 2222.

[الإسراء: ۷]: لِيُدَمِّرُوا، ﴿مَا عَلَوْا﴾ [۷]: مَا غَلَبُوا. غلبہ پائیں اسے تہس نہس کر دیں۔

وضاحت: فرعون کی قوم کے ساتھ رہتے ہوئے بنی اسرائیل میں بت پرستی کے جراثیم سرایت کر چکے تھے جیسا کہ درج ذیل آیت سے معلوم ہوتا ہے: ''اور جب ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر کے پار اتار دیا تو وہ ایک ایسی قوم کے پاس آئے جو اپنے بتوں کی عبادت میں لگے ہوئے تھے۔ کہنے لگے: اے موسیٰ! ہمیں بھی ایک ایسا الٰہ بنا دو جیسے ان لوگوں کا الٰہ ہے۔ موسیٰ نے کہا: بلاشبہ تم بڑے جاہل لوگ ہو۔ یہ لوگ جس کام میں مصروف ہیں وہ جلد اپنے انجام کو پہنچنے والا ہے اور جو کچھ وہ کر رہے ہیں سراسر باطل ہے۔''[1] امام بخاری رحمہ اللہ نے متبر کی نسبت سے سورۂ بنی اسرائیل کے الفاظ کی لغوی تفسیر فرمائی ہے۔

٣٤٠٦ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ يُونُسَ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ: أَنَّ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ نَجْنِي الْكَبَاثَ وَإِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «عَلَيْكُمْ بِالْأَسْوَدِ مِنْهُ فَإِنَّهُ أَطْيَبُهُ»، قَالُوا: أَكُنْتَ تَرْعَى الْغَنَمَ؟ قَالَ: «وَهَلْ مِنْ نَبِيٍّ إِلَّا وَقَدْ رَعَاهَا؟».

[انظر: ٥٤٥٣]

[3406] حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ہم (ایک مرتبہ) رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ پیلو کا پھل چن رہے تھے تو آپ نے فرمایا: ''سیاہ سیاہ دانے تلاش کرو کیونکہ وہ اچھے اور عمدہ ہوتے ہیں۔'' لوگوں نے عرض کیا: آیا آپ نے بکریاں چرائی ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں۔''

فوائد و مسائل: ① اس حدیث کی باب سے مناسبت اس طرح ہے کہ موسیٰ علیہ السلام ان لوگوں میں داخل ہیں جنھوں نے بکریاں چرائی ہیں، بلکہ نسائی کی روایت میں صراحت ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو بکریاں چرانے کے دوران میں ہی نبوت عطا کی گئی۔[2] اللہ تعالیٰ کا طریقہ یہ ہے کہ وہ دنیا داروں اور متکبرین کو نبوت نہیں دیتا بلکہ تواضع و انکسار اختیار کرنے والوں اور بکریاں چرانے والوں کو نبوت سے نوازتا ہے۔ ② اس میں حکمت یہ ہے کہ منتشر بکریوں کو جمع کر کے ایک نظم میں رکھنے سے امت کے مختلف افراد کو یکجا کرنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔ بہرحال تمام پیغمبروں کو بکریاں چرانے کا موقع فراہم کیا گیا تاکہ انھیں لوگوں کی نگہبانی کرنے کا طریقہ آ جائے۔[3]

(٣٠) بَابٌ: ﴿وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِۦٓ إِنَّ ٱللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تَذْبَحُوا۟ بَقَرَةً﴾ ٱلْآيَةَ [البقرة: ٦٧]

باب: 30- (ارشاد باری تعالیٰ:) ''اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا: اللہ تمھیں حکم دیتا ہے کہ ایک گائے ذبح کرو'' کا بیان

---

① الأعراف 7:138، 139. ② السنن الکبرٰی للنسائي: 6/396، طبع دارالکتب العلمیة، بیروت. ③ فتح الباري: 6/534.

قَالَ أَبُو الْعَالِيَةِ: ﴿عَوَانٌ﴾ النَّصَفُ بَيْنَ الْبِكْرِ وَالْهَرِمَةِ. ﴿فَاقِعٌ﴾ [البقرة:٦٩]: صَافٍ. ﴿لَا ذَلُولٌ﴾: لَمْ يُذَلِّلْهَا الْعَمَلُ. ﴿تُثِيرُ الْأَرْضَ﴾ [٧١]: لَيْسَتْ بِذَلُولٍ تُثِيرُ الْأَرْضَ وَلَا تَعْمَلُ فِي الْحَرْثِ. ﴿مُسَلَّمَةٌ﴾ مِنَ الْعُيُوبِ. ﴿لَا شِيَةَ﴾: بَيَاضَ ﴿صَفْرَاءُ﴾ [٦٩]: إِنْ شِئْتَ سَوْدَاءُ، وَيُقَالُ: صَفْرَاءُ، كَقَوْلِهِ: ﴿جِمَٰلَتٌ صُفْرٌ﴾ [المرسلات:٣٣]. ﴿فَادَّارَءْتُمْ﴾ [البقرة:٧٢]: اخْتَلَفْتُمْ.

ابو العالیہ نے کہا: ﴿عَوَانٌ﴾ کے معنی ہیں: نوجوان اور بڑھیا کے درمیان ﴿فَاقِعٌ﴾ کے معنی صاف اور ﴿لَاذَلُولٌ﴾ کے معنی ہیں کہ کام نے اسے کمزور نہ کیا ہو۔ ﴿تثیر الْأَرْضَ﴾ نہ تو زمین میں ہل چلاتی ہو اور نہ کھیتی باڑی ہی میں کام آتی ہو۔ ﴿مُسَلَّمَةٌ﴾ کے معنی ہیں: ہر قسم کے عیب سے پاک۔ ﴿لَاشِيَةَ﴾ اس میں سفید داغ نہ ہو۔ ﴿صَفْرَاءُ﴾ اس کو سیاہ کے معنی میں لیا جا سکتا ہے اور زرد کو بھی کہتے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿جِمَالَاتٌ صُفْرٌ﴾ اس کے معنی ہیں: وہ سیاہ اونٹ جو زردی مائل ہوں۔ ﴿فَادَّرَءْتُمْ﴾ کے معنی ہیں: تم نے اختلاف کیا۔

وضاحت: بنی اسرائیل میں ایک مال دار شخص قتل ہو گیا مگر قاتل کا سراغ نہ مل سکا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ ایک گائے ذبح کر کے اس کے گوشت کا کوئی حصہ لاش پر مارا جائے تو وہ خود بول کر قاتل کا نام و پتہ بتا دے گی مگر بنی اسرائیل نے حیلے بہانے اور قیل و قال شروع کر دی۔ امام بخاری رحمہ اللہ کے پیش کردہ الفاظ انھی آیات سے متعلق ہیں جن میں بنی اسرائیل کی حجت بازی بیان کی گئی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کو اس سلسلے میں اپنی شرائط کے مطابق کوئی مرفوع حدیث نہیں مل سکی، لہٰذا آیات قرآنی کی طرف اشارہ کرنے کو کافی خیال کیا۔ قارئین کرام سورۂ بقرہ آیت: 67 تا آیت: 73 کا مطالعہ کریں۔ واضح رہے کہ قاتل نے مقتول کا مال ہتھیانے کے لیے قتل کیا تھا لیکن اسے وراثت سے محروم کر دیا گیا۔ ہماری شریعت میں یہ قانون قرار پایا کہ قاتل کسی صورت میں وراثت کا حق دار نہیں ہو سکتا۔

(٣١) [بَابٌ]: وَفَاةُ مُوسَى وَذِكْرُهُ بَعْدُ

باب: 31- حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات اور اس کے بعد کے حالات

٣٤٠٧ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مُوسَى: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ ابْنِ طَاوُسٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: أُرْسِلَ مَلَكُ الْمَوْتِ إِلَى مُوسَى عَلَيْهِمَا السَّلَامُ فَلَمَّا جَاءَهُ صَكَّهُ، فَرَجَعَ إِلَى رَبِّهِ فَقَالَ: أَرْسَلْتَنِي إِلَى عَبْدٍ لَا يُرِيدُ الْمَوْتَ، قَالَ: ارْجِعْ إِلَيْهِ فَقُلْ

[3407] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس موت کا فرشتہ بھیجا گیا۔ جب وہ آپ کے ہاں آیا تو آپ نے اسے تھپڑ رسید کیا۔ فرشتہ اپنے رب کے پاس چلا گیا اور عرض کیا: اے اللہ! تو نے مجھے ایک ایسے بندے کی طرف بھیجا ہے جو مرنا نہیں چاہتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم واپس اس کے پاس جا کر اسے کہو کہ وہ اپنا

لَهُ يَضَعُ يَدَهُ عَلَى مَتْنِ ثَوْرٍ فَلَهُ بِمَا غَطَّى يَدُهُ بِكُلِّ شَعْرَةٍ سَنَةٌ، قَالَ: أَيْ رَبِّ! ثُمَّ مَاذَا؟ قَالَ: ثُمَّ الْمَوْتُ، قَالَ: فَالْآنَ، قَالَ: فَسَأَلَ اللهَ أَنْ يُدْنِيَهُ مِنَ الْأَرْضِ الْمُقَدَّسَةِ رَمْيَةً بِحَجَرٍ.

ہاتھ کسی بیل کی پشت پر رکھیں۔ ان کے ہاتھ کے نیچے جتنے بال آ جائیں، ہر بال کے بدلے ایک سال عمر انھیں دے دی جائے گی۔ انھوں (موسیٰ علیہ السلام) نے عرض کیا: اے اللہ! پھر کیا ہوگا؟ فرمایا: پھر بھی موت ہوگی۔ عرض کیا: پھر ابھی کیوں نہ آ جائے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ سے سوال کیا کہ انھیں بیت المقدس سے ایک پتھر پھینکنے کے برابر قریب کر دے۔

قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «فَلَوْ كُنْتُ ثَمَّ لَأَرَيْتُكُمْ قَبْرَهُ مِنْ جَانِبِ الطَّرِيقِ، تَحْتَ الْكَثِيبِ الْأَحْمَرِ».

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر میں وہاں موجود ہوتا تو میں تمھیں ان کی قبر دکھاتا جو ایک سرخ ٹیلے کے نیچے راستے کے ایک کنارے پر واقع ہے۔''

قَالَ: وَأَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامٍ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ نَحْوَهُ. [راجع: ١٣٣٩]

راویٔ حدیث معمر نے ہمام سے کہا: ہمیں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے اسی طرح خبر دی۔

فوائد و مسائل: ① حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس موت کا فرشتہ انسانی شکل میں حاضر ہوا تھا۔ انھوں نے یہ خیال کر کے کہ ایک آدمی میرے گھر میں اجازت کے بغیر گھس آیا ہے اسے تھپڑ مارا۔ مسند احمد میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے تھپڑ مارنے سے ملک الموت کی ایک آنکھ ضائع ہوگئی۔[1] شریعت نے ایسے آدمی کی آنکھ پھوڑ دینے کی اجازت دی ہے جو اجازت کے بغیر تانک جھانک کرتا ہے۔[2] امام بغوی نے بھی حافظ ابن حبان رحمہ اللہ کی تائید کی ہے۔[3] الغرض موسیٰ علیہ السلام کو یہ معلوم نہ تھا کہ یہ موت کا فرشتہ ہے اور ان کی روح قبض کرنے آیا ہے۔ جب انھیں معلوم ہوا کہ یہ فرشتہ ہے اور روح قبض کرنا چاہتا ہے تو سر تسلیم خم کر دیا۔ ② موسیٰ علیہ السلام نے یہ خواہش ظاہر کی کہ مجھے ارض مقدسہ کے قریب دفن کیا جائے تاکہ ان کی قبر پوشیدہ رہے اور امت کے جاہل لوگ اس کی عبادت شروع نہ کر دیں۔ یہ بھی احتمال ہے کہ بنی اسرائیل اپنی شرارتوں کی وجہ سے بیت المقدس میں داخلے سے محروم کر دیے گئے تھے۔ وہ چالیس سال تک میدان تیہ میں گھومتے رہے حتی کہ ہارون علیہ السلام کی وفات اسی میدان میں ہوئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک سال بعد جب فوت ہونے لگے تو تمنا کا اظہار کیا: اے اللہ! اگر داخلہ نہیں ہو سکا تو کم از کم اس کا قرب ہی حاصل ہو جائے۔ واللہ أعلم.

٣٤٠٨ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ

[3408] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں

1 مسند أحمد: 315/2. 2 صحيح ابن حبان (الإحسان): 115/14. 3 شرح السنة: 266/5.

عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ وَسَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ: أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: اسْتَبَّ رَجُلٌ مِّنَ الْمُسْلِمِينَ وَرَجُلٌ مِّنَ الْيَهُودِ فَقَالَ الْمُسْلِمُ: وَالَّذِي اصْطَفٰى مُحَمَّدًا ﷺ عَلَى الْعَالَمِينَ، فِي قَسَمٍ يُقْسِمُ بِهِ، فَقَالَ الْيَهُودِيُّ: وَالَّذِي اصْطَفٰى مُوسٰى عَلَى الْعَالَمِينَ، فَرَفَعَ الْمُسْلِمُ يَدَهُ عِنْدَ ذٰلِكَ فَلَطَمَ الْيَهُودِيَّ، فَذَهَبَ الْيَهُودِيُّ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَأَخْبَرَهُ بِالَّذِي كَانَ مِنْ أَمْرِهِ وَأَمْرِ الْمُسْلِمِ، فَقَالَ: «لَا تُخَيِّرُونِي عَلٰى مُوسٰى، فَإِنَّ النَّاسَ يَصْعَقُونَ فَأَكُونُ أَوَّلَ مَنْ يُفِيقُ، فَإِذَا مُوسٰى بَاطِشٌ بِجَانِبِ الْعَرْشِ فَلَا أَدْرِي أَكَانَ مِمَّنْ صَعِقَ فَأَفَاقَ قَبْلِي أَوْ كَانَ مِمَّنِ اسْتَثْنَى اللهُ». [راجع: ٢٤١١]

نے کہا کہ ایک مسلمان اور ایک یہودی آپس میں لڑ پڑے۔ مسلمان نے کہا: اس ذات کی قسم جس نے حضرت محمد ﷺ کو تمام جہانوں پر برتری دی ہے! یہودی نے کہا: اس ذات کی قسم جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سب اہل جہاں پر فضیلت دی ہے! اس وقت مسلمان نے ہاتھ اٹھایا اور یہودی کو طمانچہ رسید کر دیا۔ یہودی نبی ﷺ کے پاس آیا اور اس واقعے کی اطلاع دی جو اس کے اور مسلمان کے درمیان ہوا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر برتری نہ دو کیونکہ جب تمام لوگ بے ہوش ہو جائیں گے تو سب سے پہلے میں ہوش میں آؤں گا۔ میں دیکھوں گا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام عرش کا کنارہ پکڑے ہوئے ہوں گے۔ مجھے نہیں معلوم کہ وہ ان لوگوں میں سے تھے جو بے ہوش ہو گئے تھے لیکن مجھ سے پہلے ہوش میں آ گئے یا وہ ان لوگوں میں سے تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے بے ہوشی سے مستثنیٰ کر رکھا ہے؟''

فوائد و مسائل: ① مذکورہ واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے متعلق ہے لیکن آپ کی زندگی کے بعد پیش آیا۔ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد گرامی کا مطلب یہ ہے کہ مجھے دوسرے انبیائے کرام علیہم السلام پر اس طرح فضیلت نہ دو کہ ان کی توہین کا پہلو نکلے۔ ② حشر میں بے ہوش نہ ہونے والوں کا استثنا درج ذیل آیت میں ہے: ''اور صور میں پھونکا جائے گا تو آسمان و زمین کی تمام مخلوق بے ہوش جائے گی مگر وہ جسے اللہ تعالیٰ چاہے۔''[1] ممکن ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی اس استثنا میں شامل ہوں۔ واللہ أعلم.

٣٤٠٩ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ: أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «اِحْتَجَّ آدَمُ وَمُوسٰى فَقَالَ لَهُ مُوسٰى: أَنْتَ آدَمُ الَّذِي أَخْرَجَتْكَ خَطِيئَتُكَ مِنَ الْجَنَّةِ؟ فَقَالَ لَهُ آدَمُ: أَنْتَ مُوسَى الَّذِي

[3409] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''حضرت موسیٰ اور حضرت آدم علیہما السلام نے آپس میں بحث کی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا: آپ وہی آدم ہیں کہ آپ کی لغزش نے آپ کو جنت سے نکالا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے انھیں جواب دیا کہ تم وہی موسیٰ ہو کہ تمھیں اللہ تعالیٰ نے اپنی رسالت اور

① الزمر 39:68.

اصْطَفَاكَ اللهُ بِرِسَالَاتِهِ وَبِكَلَامِهِ، ثُمَّ تَلُومُنِي عَلٰى أَمْرٍ قُدِّرَ عَلَيَّ قَبْلَ أَنْ أُخْلَقَ؟» فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «فَحَجَّ آدَمُ مُوسٰى» مَرَّتَيْنِ. [انظر: ٤٧٣٦، ٤٧٣٨، ٦٦١٤، ٧٥١٥]

کلام سے نوازا، پھر تم مجھے ایک ایسی بات پر ملامت کرتے ہو جو میرے پیدا ہونے سے پہلے میرا مقدر بن چکی تھی؟" رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "حضرت آدم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام پر غالب آ گئے۔" آپ نے یہ جملہ دو مرتبہ فرمایا۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر خیر ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ مباحثہ ان حضرات کی وفات کے بعد ہوا۔ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں شہداء کی طرح زندہ کر دیا ہو اور انھوں نے یہ گفتگو کی ہو۔ ② حضرت آدم علیہ السلام کے کہنے کا مطلب یہ نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر درخت کا پھل کھانا لازم کر دیا تھا کہ انھوں نے بے اختیار اور مجبور ہو کر اسے کھایا بلکہ مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس امر کو میری زندگی سے پہلے ہی مقدر کر دیا تھا اور اپنے علم کی بنیاد پر یہ فیصلہ کر دیا تھا کہ یہ ہو کر رہے گا، اس لیے میں اللہ کے علم اور فیصلے کی خلاف ورزی کیونکر کر سکتا تھا اور آپ اللہ کے علم سابق سے بے خبر ہو کر صرف میرے اختیار اور کسب کا ذکر کرتے ہو جو ایک سبب کی حیثیت رکھتا ہے اور اصل معاملے کو بھول گئے ہو جو تقدیر سے عبارت ہے۔[1]

٣٤١٠ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا حُصَيْنُ بْنُ نُمَيْرٍ عَنْ حُصَيْنِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ يَوْمًا فَقَالَ: «عُرِضَتْ عَلَيَّ الْأُمَمُ وَرَأَيْتُ سَوَادًا كَثِيرًا سَدَّ الْأُفُقَ فَقِيلَ: هٰذَا مُوسٰى فِي قَوْمِهِ». [انظر: ٥٧٠٥، ٥٧٥٢، ٦٤٧٢، ٦٥٤١]

[3410] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ ایک دن ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا: "تمام امتیں میرے سامنے پیش کی گئیں۔ میں نے دیکھا کہ ایک بہت بڑی جماعت آسمان کے کناروں پر چھائی ہوئی ہے۔ مجھے بتایا گیا کہ یہ اپنی قوم کے ہمراہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں۔"

فوائد و مسائل: ① بہت بڑی جماعت کو سواد سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی امت کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت تمام انبیاء علیہم السلام کی امتوں سے زیادہ ہو گی۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے مفصل طور پر یہ روایت کتاب الطب میں بیان کی ہے۔ آپ نے فرمایا: "ایک نبی ایسا بھی سامنے آئے گا جس کے ساتھ کوئی امتی نہیں ہو گا۔" موسیٰ علیہ السلام کی امت کے بعد آپ اپنی امت کو دیکھیں گے جو تمام امتوں سے زیادہ ہو گی۔[2] ② اس حدیث میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی امت کا ذکر ہے جو قیامت کے دن پیش کی جائے گی، اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے مذکورہ عنوان کے تحت اسے بیان فرمایا ہے۔

---

[1] عمدة القاري: 143/11. [2] صحيح البخاري، الطب، حديث: 5705.

(٣٢) بَابُ قَوْلِ اللهِ تَعَالَى: ﴿وَضَرَبَ ٱللَّهُ مَثَلًا لِّلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱمْرَأَتَ فِرْعَوْنَ﴾ إِلَى قَوْلِهِ: ﴿وَكَانَتْ مِنَ ٱلْقَـٰنِتِينَ﴾ [التحريم: ١١، ١٢]

باب: 32- ارشاد باری تعالیٰ: ''اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے لیے فرعون کی بیوی کی مثال بیان کی ہے...... وہ فرمانبرداروں میں سے تھی'' کا بیان

وضاحت: پوری آیات کا ترجمہ درج ذیل ہے: ''اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کے لیے فرعون کی بیوی کی مثال بیان کی جب اس نے دعا کی: ''اے میرے رب! میرے لیے اپنے پاس جنت میں ایک گھر بنا اور مجھے فرعون اور اس کے عمل (شر) سے نجات دے اور مجھے ظالم لوگوں سے نجات دے۔ اور (مثال بیان کی) مریم بنت عمران کی جس نے اپنی عصمت کی حفاظت کی تو ہم نے اس (کے گریبان) میں اپنی ایک روح پھونک دی اور اس نے اپنے رب کے کلمات اور اس کی کتابوں کی تصدیق کی اور وہ اطاعت کرنے والوں میں سے تھی۔''[1]

٣٤١١ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ جَعْفَرٍ: حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ، عَنْ مُرَّةَ الْهَمْدَانِيِّ، عَنْ أَبِي مُوسَى رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «كَمُلَ مِنَ الرِّجَالِ كَثِيرٌ وَلَمْ يَكْمُلْ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا آسِيَةُ امْرَأَةُ فِرْعَوْنَ، وَمَرْيَمُ بِنْتُ عِمْرَانَ، وَإِنَّ فَضْلَ عَائِشَةَ عَلَى النِّسَاءِ كَفَضْلِ الثَّرِيدِ عَلَى سَائِرِ الطَّعَامِ».

[انظر: ٣٤٣٣، ٣٧٦٩، ٥٤١٨]

[3411] حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مردوں میں سے تو بہت لوگ کامل ہوئے ہیں لیکن عورتوں میں سے فرعون کی بیوی آسیہ اور مریم بنت عمران کے سوا کوئی کامل نہیں ہوئی۔ البتہ عورتوں پر عائشہ (رضی اللہ عنہا) کی فضیلت ایسی ہے جیسے تمام کھانوں پر ثرید کی فضیلت ہے۔''

فوائد و مسائل: ① اس کمال میں نبوت شامل نہیں کیونکہ عورتوں کے نبی نہ ہونے پر امت کا اجماع ہے بلکہ اس سے وہ فضائل مراد ہیں جو عورتوں کے لیے خاص ہیں۔ ② سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو دوسری عورتوں سے ممتاز کرنے کے لیے ان کا موازنہ ثرید سے کیا ہے۔ ③ ثرید اس کھانے کو کہا جاتا ہے جو روٹی اور شوربا ملا کر بنایا جائے۔ اس کی فضیلت اس لیے ہے کہ اس میں غذائیت، لذت، طاقت، چبانے میں آسان اور زود ہضم ہوتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی حسن خلق، شیریں کلام، فصاحت و بلاغت، رائے کی پختگی میں دوسری عورتوں سے ممتاز تھیں۔ اور آپ نے وہ باتیں سمجھیں جو دوسری عورتوں کی سمجھ میں نہ آسکیں۔ آپ سوالات کے جوابات اس انداز سے دیتی تھیں کہ ایسے جوابات دیگر کئی صحابہ بھی نہیں دے سکتے تھے۔

---

[1] التحریم 66:11، 12.

(۳۳) بَابٌ: ﴿إِنَّ قَـٰرُونَ كَانَ مِن قَوْمِ مُوسَىٰ﴾ اَلْآيَةَ [القصص: ٧٦]

﴿لَتَنُوأُ﴾: لَتُثْقِلُ. قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ﴿أُولِي الْقُوَّةِ﴾: لَا يَرْفَعُهَا الْعُصْبَةُ مِنَ الرِّجَالِ. يُقَالُ: ﴿الْفَرِحِينَ﴾ [٧٦]: اَلْمَرِحِينَ. ﴿وَيْكَأَنَّ اللَّهَ﴾ [٨٢]: مِثْلُ (أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ) يُوَسِّعُ عَلَيْهِ وَيُضَيِّقُ.

باب: 33- (ارشاد باری تعالیٰ:) ''قارون، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم سے تھا'' کا بیان

﴿لَتَنُوأُ﴾ بھاری ہوتی تھیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ﴿أُولِي الْقُوَّةِ﴾ جن کی چابیوں کو مردوں کی ایک طاقتور جماعت بھی نہ اٹھا سکے۔ کہا جاتا ہے کہ ﴿الْفَرِحِينَ﴾ کے معنی ہیں: اَلْمَرِحِينَ، یعنی فخر کرنے والے۔ ﴿وَيْكَأَنَّ اللَّهَ﴾ کا لفظ «اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاءُ وَ يَقْدِرُ» ''اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہتا ہے روزی فراخ کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے۔'' کی طرح ہے۔

وضاحت: متعلقہ آیات کا ترجمہ حسب ذیل ہے: ''بے شک قارون موسیٰ کی قوم سے تھا، پھر اس نے ان پر ظلم کیا، اور ہم نے اسے اس قدر خزانے دیے تھے کہ بلاشبہ اس کی چابیاں ایک طاقتور (مردوں کی) جماعت پر بھاری ہوتی تھیں۔ (یاد کرو) جب اس کی قوم نے اس سے کہا: تو اِترا مت، بے شک اللہ اِترانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اور جو کچھ اللہ نے تجھے دیا ہے، تو اس سے آخرت کا گھر تلاش کر، اور تو دنیا سے اپنا حصہ مت بھول، اور تو (لوگوں سے) ایسے احسان کر جیسے اللہ نے تجھ پر احسان کیا ہے، اور تو زمین میں فساد نہ کر، بے شک اللہ فسادیوں کو پسند نہیں کرتا۔ قارون نے کہا: مجھے تو یہ (مال) محض اس علم کی بنا پر دیا گیا ہے جو میرے پاس ہے۔ کیا وہ نہیں جانتا تھا کہ بے شک اللہ نے اس سے پہلے ایسے بہت سے لوگ ہلاک کر دیے تھے جو قوت میں اس سے زیادہ تھے اور لاؤ لشکر میں بڑھ کر تھے، اور مجرموں سے ان کے گناہوں کے بارے میں نہیں پوچھا جاتا۔''[1] قارون صرف یہی نہیں کہ وہ بنی اسرائیل سے تعلق رکھتا تھا بلکہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا چچا زاد بھائی تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے بے پناہ دولت دے رکھی تھی، گویا وہ پورے علاقے کا رئیس اعظم تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس سے زکاۃ کا مطالبہ کیا۔ وہ بھی کروڑوں کے حساب سے بنتی تھی، لہٰذا اس نے زکاۃ دینے سے انکار کر دیا بلکہ وہ بنی اسرائیل سے نکل کر مخالف پارٹی، یعنی فرعون اور اس کے درباریوں سے مل گیا۔ آدمی مال دار بھی تھا اور ہوشیار بھی، اس نے فرعون کے دربار میں بھی ممتاز مقام حاصل کر لیا۔ اس کا فرعون اور ہامان کے بعد تیسرے نمبر پر شمار ہونے لگا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی نشانیوں اور کھلی دلیل کے ساتھ فرعون، ہامان اور قارون کی طرف بھیجا تو وہ کہنے لگے: یہ تو ایک سخت جھوٹا جادوگر ہے۔''[2] کہتے ہیں کہ قارون جب سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا مخالف بن کر فرعون سے جا ملا تو اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بدنام کرنے کی سازش تیار کی کہ ایک فاحشہ عورت کو کچھ دے دلا کر اس بات

---

1 القصص 28:76-78. ② المؤمن 40:23،24.

پر آمادہ کیا کہ وہ آپ پر زنا کی تہمت لگا دے، چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب اس عورت کو قسم دے کر سچ سچ بات بتانے کو کہا تو اس نے بتا دیا کہ اس سازش کے پیچھے قارون کا ہاتھ تھا۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو اس حرکت پر سخت غصہ آیا اور اس کے لیے بددعا کی، چنانچہ قارون اپنے محل، اپنے خزانوں اور خدام سمیت زمین میں دھنسا دیا گیا۔ زمین کا اتنا ٹکڑا ہی سارے کا سارا عام سطح زمین سے بہت نیچے چلا گیا۔ جب اس پر یہ قہر الٰہی نازل ہوا تو اس کے خزانے کچھ کام نہ آسکے اور نہ فرعون اور اس کے درباری ہی اس کی مدد کو پہنچ سکے کہ وہ اسے زمین میں دھنس جانے سے بچا لیتے۔ قارئین کرام سورۂ قصص آیت: 76 تا 83 کا مطالعہ ضرور کریں۔

(٣٤) بَابُ قَوْلِ اللهِ تَعَالَى: ﴿وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا﴾ [هود: ٨٤]:

باب: 34- ارشاد باری تعالیٰ: ''اور اہل مدین کی طرف ہم نے ان کے بھائی شعیب کو بھیجا'' کا بیان

إِلَى أَهْلِ مَدْيَنَ، لِأَنَّ مَدْيَنَ بَلَدٌ وَمِثْلُهُ ﴿وَسْـَٔلِ ٱلْقَرْيَةَ﴾ ﴿وَ﴾ اسْأَلِ ﴿الْعِيرَ﴾ [يوسف: ٨٢] يَعْنِي أَهْلَ الْقَرْيَةِ وَأَهْلَ الْعِيرِ. ﴿وَرَآءَكُمْ ظِهْرِيًّا﴾ [هود: ٩٢] لَمْ يَلْتَفِتُوا إِلَيْهِ، وَيُقَالُ إِذَا لَمْ تَقْضِ حَاجَتَهُ: ظَهَرْتَ حَاجَتِي، وَجَعَلْتَنِي ظِهْرِيًّا. قَالَ: الظِّهْرِيُّ: أَنْ تَأْخُذَ مَعَكَ دَابَّةً أَوْ وِعَاءً تَسْتَظْهِرُ بِهِ. مَكَانَتُهُمْ وَمَكَانُهُمْ وَاحِدٌ. ﴿يَغْنَوْا﴾ [الأعراف: ٩٢]: يَعِيشُوا، ﴿تَأْسَ﴾ [المائدة: ٢٦ و٦٨]: تَحْزَنْ، ﴿ءَاسَىٰ﴾ [الأعراف: ٩٣] أَحْزَنُ. وَقَالَ الْحَسَنُ: ﴿إِنَّكَ لَأَنتَ ٱلْحَلِيمُ ٱلرَّشِيدُ﴾ [هود: ٨٧] يَسْتَهْزِئُونَ بِهِ.

﴿مَدْيَنَ﴾ سے مراد اہل مدین ہیں کیونکہ مدین تو ایک شہر کا نام ہے۔ اسی طرح ﴿وَسْئَلِ الْقَرْيَةَ﴾ اور ﴿وَ الْعِيرَ﴾ سے مراد یہ ہے کہ بستی والوں اور قافلے والوں سے پوچھیے۔ ﴿وَرَاءَ كُمْ ظِهْرِيًّا﴾ انھوں نے ان کی طرف التفات نہ کیا۔ محاورہ ہے کہ جب وہ اس کی حاجت پوری نہ کرے تو اسے کہا جاتا ہے: تو نے میری حاجت کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ جَعَلْتَنِي ظِهْرِيًّا کے معنی ہیں: تو نے مجھے نظرانداز کر دیا ہے۔ ظِهْرِيّ اس جانور یا برتن کو کہتے ہیں جس کو تو اپنی قوت بڑھانے کے لیے اپنے ساتھ رکھے۔ مَكَانَتُهُمْ اور مَكَانُهُمْ دونوں کے ایک ہی معنی ہیں، یعنی تمھارا طریقہ۔ ﴿يَغْنَوْا﴾ زندہ رہے۔ ﴿تَأْسَ﴾ حزن و ملال۔ ﴿آسٰى﴾ افسوس کروں۔ حسن بصری نے کہا: وہ مذاق کے طور پر کہتے تھے: ﴿إِنَّكَ لَأَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ﴾ تم تو بڑے بردبار اور بھلے مانس ہو۔''

وَقَالَ مُجَاهِدٌ: لَيْكَةُ: الْأَيْكَةُ، ﴿يَوْمِ ٱلظُّلَّةِ﴾ [الشعراء: ١٨٩] إِظْلَالُ الْعَذَابِ عَلَيْهِمْ.

امام مجاہد نے کہا: لَيْكَةُ سے مراد أَيْكَة ہے۔ (یہاں قوم شعیب آباد تھی۔) ﴿يَوْمِ الظُّلَّةِ﴾ یعنی جس دن عذاب ایک سائبان کی شکل میں نمودار ہوا۔

وضاحت: ایکہ گھنے درخت یا جنگل کو کہا جاتا ہے۔ اصحاب الایکہ اور اصحاب مدین دونوں ایک ہی بستی والے ہیں۔ یہ ممکن

ہے کہ قرب و جوار میں دو بستیاں ہوں اور دونوں کی طرف حضرت شعیب علیہ السلام مبعوث ہوئے ہوں۔ ان کی قوم دو بڑی تجارتی شاہراہوں، یعنی یمن تا شام اور عراق تا مصر کے سنگم پر آباد تھی۔ ان کی اس جغرافیائی حیثیت کی وجہ سے انھوں نے تجارت میں بہت ترقی کی، پھر وہ شدید قسم کی تجارتی بدعنوانیوں میں مبتلا ہو گئے۔ شرک کی بیماری تو ان کے اندر بدرجۂ اتم موجود تھی۔ کچھ مفسرین کے خیال کے مطابق حضرت شعیب علیہ السلام کو دو الگ الگ قوموں کی طرف بھیجا گیا تھا، یعنی اصحاب مدین الگ ہیں اور اصحاب الایکہ الگ قوم ہیں کیونکہ ان دونوں کے عذاب کی نوعیت مختلف بیان ہوئی ہے۔ اصحاب مدین کے متعلق فرمایا: انھیں سخت دھماکے نے آلیا اور اصحاب الایکہ کے متعلق فرمایا: ان پر سائبان کی شکل میں عذاب آیا۔ لیکن جمہور اہل علم کہتے ہیں: ایک ہی قوم کو دو ناموں سے یاد کیا گیا ہے اور انھیں کئی قسم کے عذاب سے دوچار ہونا پڑا کیونکہ پہلے گھروں میں سخت حبس اور گرمی ہوئی تو وہ گھروں سے نکل پڑے، پھر ان پر ایک بادل آیا تو سب اس کے نیچے جمع ہو گئے، پھر اوپر سے شعلے اور چنگاریاں نکلنے لگیں۔ اس کے بعد ایک ہولناک اور دلخراش، کرخت قسم کی آواز برآمد ہوئی۔ اسی دوران میں انھیں نیچے سے زلزلے نے آلیا تو یہ سب لوگ موت کی آغوش میں چلے گئے۔ اس وقت ان کی حالت یہ تھی کہ انھوں نے اپنے سینوں کو زمین سے چمٹا رکھا تھا تاکہ انھیں عذاب سے کم از کم تکلیف ہو۔ حضرت شعیب اور ان پر ایمان لانے والوں کو اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی اس بستی سے نکلنے کا حکم دے دیا تھا۔ قارئین کرام سے گزارش ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام کے متعلق تفصیلی حالات معلوم کرنے کے لیے سورۂ اعراف آیت: 85 تا 93، سورۂ ہود آیت: 84 تا 95، سورۂ شعراء آیت: 176 تا 191 اور سورۂ عنکبوت آیت: 36 تا 37 کا مطالعہ ضرور کریں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے صرف ان الفاظ کی تفسیر کی ہے جو ان آیات میں واقع ہیں جہاں حضرت شعیب علیہ السلام کا ذکر خیر ہے۔

(٣٥) بَابُ قَوْلِ اللهِ تَعَالَى: ﴿وَإِنَّ يُونُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ﴾ إِلَى قَوْلِهِ: ﴿وَهُوَ مُلِيمٌ﴾ [الصافات: ١٣٩-١٤٢]

باب: 35- ارشاد باری تعالیٰ: ”بے شک حضرت یونس علیہ السلام رسولوں میں سے تھے..... جبکہ وہ (خود کو) ملامت کر رہا تھا“ کا بیان

قَالَ مُجَاهِدٌ: مُذْنِبٌ. اَلْمَشْحُونُ: اَلْمُوقَرُ ﴿فَلَوْلَآ أَنَّهُۥ كَانَ مِنَ ٱلْمُسَبِّحِينَ﴾ اَلْآيَةَ [١٤٣] ﴿فَنَبَذْنَٰهُ بِٱلْعَرَآءِ﴾ [١٤٥]، بِوَجْهِ الْأَرْضِ ﴿وَهُوَ سَقِيمٌ ۝ وَأَنۢبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّن يَقْطِينٍ﴾ [١٤٥، ١٤٦] مِنْ غَيْرِ ذَاتِ أَصْلٍ الدُّبَّاءِ وَنَحْوِهِ. ﴿وَأَرْسَلْنَٰهُ إِلَىٰ مِاْئَةِ أَلْفٍ أَوْ يَزِيدُونَ ۝ فَـَٔامَنُوا۟ فَمَتَّعْنَٰهُمْ إِلَىٰ حِينٍ﴾ [١٤٧، ١٤٨]. ﴿وَلَا تَكُن كَصَاحِبِ ٱلْحُوتِ إِذْ نَادَىٰ وَهُوَ مَكْظُومٌ﴾ [القلم: ٤٨]:

امام مجاہد نے کہا: ﴿مُلِيمٌ﴾ کے معنی ہیں: گناہ گار۔ ﴿المشحون﴾ بھری ہوئی۔ ”اگر وہ تسبیح پڑھنے والے نہ ہوتے (تو قیامت تک مچھلی کے پیٹ میں رہتے)۔“ ﴿فَنَبَذْنَاهُ بِالْعَرَآءِ﴾ ”ہم نے انھیں زمین کی سطح پر ڈال دیا۔“ ﴿وَهُوَ سَقِيمٌ ۝ وَأَنْبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّنْ يَّقْطِينٍ﴾ ”اور وہ بیمار تھے، پھر ہم نے ان پر یقطین کا درخت اگا دیا۔“ اس سے مراد ایسا درخت جس کا تنا نہ ہو اور وہ کدو وغیرہ ہے۔ (فرمایا:) ”ہم نے ان کو ایک لاکھ یا اس سے زیادہ آبادی

﴿كَظِيمٌ﴾: مَغْمُومٌ

کی طرف بھیجا، وہ ایمان لائے تو ہم نے ان کو کچھ مقررہ مدت تک کے لیے مزید مہلت دی۔" (نیز فرمایا:) "اور آپ مچھلی والے (یونس) کی طرح نہ ہوں جب اس نے (اللہ کو) پکارا تھا جبکہ وہ غم سے بھرا ہوا تھا۔" ﴿كَظِيمٌ﴾ کے معنی ہیں: مَغْمُومٌ.

وضاحت: آیات کا ترجمہ درج ذیل ہے: "اور بے شک یونس یقیناً رسولوں میں سے تھا۔ جب وہ ایک بھری ہوئی کشتی کی طرف بھاگ کر گیا۔ پھر (کشتی والوں نے) قرعہ ڈالا تو وہ ہارنے والوں میں سے ہو گیا۔ پھر اسے مچھلی نے نگل لیا جبکہ وہ (خود کو) ملامت کرنے والا تھا۔ پھر اگر یہ بات نہ ہوتی کہ بے شک وہ تسبیح کرنے والوں میں سے تھا۔ تو یقیناً وہ لوگوں کے دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے جانے کے دن (روز قیامت) تک اسی (مچھلی) کے پیٹ میں رہتا۔ پھر ہم نے اسے چٹیل میدان میں ڈال دیا جبکہ وہ بیمار تھا۔ اور ہم نے اس پر ایک بیل دار درخت (کدو) اگا دیا۔ اور ہم نے اسے ایک لاکھ (انسانوں) کی طرف بھیجا، یا وہ (اس سے کچھ) زیادہ ہوں گے، چنانچہ وہ لوگ ایمان لے آئے تو ہم نے انھیں ایک (مقرر) وقت تک فائدہ (اٹھانے کا موقع) دیا۔"[1] حضرت یونس علیہ السلام کو اہل نینوا موجودہ موصل کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا۔ قوم کی ہٹ دھرمی دیکھ کر اللہ کے حکم کے بغیر ہی ہجرت کر کے وہاں سے نکل کھڑے ہوئے۔ جب ساحل سمندر پر پہنچے تو انھیں ایک بھری ہوئی کشتی ملی۔ ان کے کہنے پر انھیں بھی سوار کر لیا گیا۔ کشتی تھوڑا ہی چلی تھی کہ چکر کھانے لگی۔ ان لوگوں میں یہ بات مشہور تھی کہ کشتی اس طرح چکر اس وقت کھاتی ہے جب بھاگا ہوا غلام اس میں سوار ہو، یا انھوں نے کشتی کا وزن کم کرنے کے لیے قرعہ اندازی کی تو حضرت یونس کا نام نکل آیا۔ انھوں نے اٹھا کر انھیں سمندر میں پھینک دیا۔ ادھر ایک وہیل مچھلی منہ کھولے کھڑی تھی، چنانچہ اس نے فوراً ہی ان کو نگل لیا۔ پھر انھوں نے اندھیروں میں اللہ کو پکارا: "تیرے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ تو پاک ہے۔ میں ہی قصور وار تھا۔"[2] اللہ تعالیٰ نے ان کی التجا قبول فرمائی اور اس پریشانی سے انھیں نجات دی۔ ادھر ان کی قوم نے اس قدر گریہ زاری کی کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے عذاب ٹال دیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "پھر کیوں نہ ہوئی کوئی بستی ایسی کہ وہ (عذاب سے پہلے) ایمان لائی ہو، پھر اس کے ایمان نے اسے نفع دیا ہو، سوائے قوم یونس کے۔ جب وہ ایمان لے آئے تو ہم نے ان سے دنیاوی زندگی میں ذلت کا عذاب ٹال دیا، اور ہم نے ایک (مقرر) وقت تک انھیں (اس سے) فائدہ (اٹھانے) دیا۔"[3] حضرت یونس علیہ السلام کو قرآن نے ﴿ذو النون﴾ یعنی مچھلی والا بھی کہا۔ انھیں آیت کریمہ کا ورد کرنے سے نجات ملی۔ اس ورد میں اب بھی یہی تاثیر ہے۔ ہم نے اس کا کئی مرتبہ تجربہ کیا ہے۔ واللہ المستعان.

٣٤١٢ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ سُفْيَانَ قَالَ: حَدَّثَنِي الْأَعْمَشُ؛ ح: وَحَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ

[3412] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: "تم میں سے کوئی یہ نہ کہے کہ میں یونس علیہ السلام سے بہتر ہوں۔"

---

(1) الصّٰفّٰت 37:139-148. (2) الأنبيآء 21:87. (3) يونس 10:98.

أَبِي وَائِلٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «لَا يَقُولَنَّ أَحَدُكُمْ: إِنِّي خَيْرٌ مِّنْ يُونُسَ».

زَادَ مُسَدَّدٌ: «يُونُسَ بْنِ مَتَّى». [انظر: ٤٦٠٣، ٤٨٠٤]

(راویٔ حدیث) مسدد نے اپنی روایت میں یونس بن متی کا اضافہ کیا ہے۔

٣٤١٣ - حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَبِي الْعَالِيَةِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَا يَنْبَغِي لِعَبْدٍ أَنْ يَقُولَ: إِنِّي خَيْرٌ مِّنْ يُونُسَ بْنِ مَتَّى»، وَنَسَبَهُ إِلٰى أَبِيهِ. [راجع: ٣٣٩٥]

[3413] حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''کسی شخص کو یہ زیبا نہیں کہ وہ کہے: میں (رسول اللہ ﷺ) یونس بن متی سے بہتر ہوں۔'' آپ نے ان کو باپ کی طرف منسوب کیا۔

فائدہ: رسول اللہ ﷺ نے یہ اس لیے فرمایا کہ حضرت یونس علیہ السلام کا قصہ سن کر کوئی ان کی تحقیر و تنقیص نہ کرے اور آپ کا یہ ارشاد عجز و انکسار اور تواضع کے طور پر ہے، بصورت دیگر آپ تمام انبیاء ﷺ سے افضل ہیں۔ بعض مؤرخین نے متی کو حضرت یونس علیہ السلام کی والدہ کا نام بتایا ہے۔ امام بخاری ؒ نے اس کی تردید فرمائی کہ متی ان کے والد کا نام ہے، والدہ کا نہیں۔

٣٤١٤ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ عَنِ اللَّيْثِ، عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْفَضْلِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: بَيْنَمَا يَهُودِيٌّ يَعْرِضُ سِلْعَتَهُ أُعْطِيَ بِهَا شَيْئًا كَرِهَهُ، فَقَالَ: لَا وَالَّذِي اصْطَفٰى مُوسٰى عَلَى الْبَشَرِ، فَسَمِعَهُ رَجُلٌ مِّنَ الْأَنْصَارِ فَقَامَ فَلَطَمَ وَجْهَهُ وَقَالَ: تَقُولُ: وَالَّذِي اصْطَفٰى مُوسٰى عَلَى الْبَشَرِ، وَالنَّبِيُّ ﷺ بَيْنَ أَظْهُرِنَا؟ فَذَهَبَ إِلَيْهِ فَقَالَ: أَبَا الْقَاسِمِ، إِنَّ لِي ذِمَّةً وَّعَهْدًا، فَمَا بَالُ فُلَانٍ لَّطَمَ وَجْهِي؟ فَقَالَ: «لِمَ لَطَمْتَ وَجْهَهُ؟» فَذَكَرَهُ فَغَضِبَ النَّبِيُّ ﷺ حَتّٰى رُئِيَ فِي وَجْهِهِ ثُمَّ قَالَ: «لَا تُفَضِّلُوا بَيْنَ أَنْبِيَاءِ اللهِ فَإِنَّهُ

[3414] حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: ایک دفعہ ایک یہودی نے اپنا سامان فروخت کرنے کے لیے رکھا۔ اس کو اس کی قیمت تھوڑی دی جا رہی تھی جس سے وہ ناخوش تھا۔ اس نے کہا: نہیں، قسم ہے اس ذات کی جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تمام انسانوں پر فضیلت دی! یہ جملہ ایک انصاری مرد نے سن لیا، چنانچہ وہ کھڑا ہوا اور یہودی کے منہ پر طمانچہ دے مارا اور کہا کہ تو یہ بات کہتا ہے: قسم ہے اس ذات کی جس نے موسیٰ علیہ السلام کو تمام انسانوں پر فضیلت دی، حالانکہ نبی ﷺ ہم میں موجود ہیں؟ وہ یہودی آپ ﷺ کے پاس آیا اور عرض کیا: اے ابوالقاسم! مجھے امان اور عہد مل چکا ہے۔ اس کے باوجود فلاں شخص کا کیا حال ہے کہ اس نے میرے منہ پر طمانچہ مارا ہے؟ آپ نے

يُنْفَخُ فِي الصُّورِ فَيَصْعَقُ مَنْ فِي السَّمٰوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَنْ شَاءَ اللهُ، ثُمَّ يُنْفَخُ فِيهِ أُخْرٰى فَأَكُونُ أَوَّلَ مَنْ بُعِثَ فَإِذَا مُوسٰى آخِذٌ بِالْعَرْشِ، فَلَا أَدْرِي أَحُوسِبَ بِصَعْقَتِهِ يَوْمَ الطُّورِ، أَمْ بُعِثَ قَبْلِي؟». [راجع: ٢٤١١]

فرمایا: ”تم نے اس کے منہ پر کیوں طمانچہ مارا؟“ راوی نے بیان کیا کہ نبی ﷺ یہ سن کر غصے سے بھر گئے حتی کہ آپ کے چہرۂ انور پر اس کے اثرات دیکھے گئے۔ پھر آپ نے فرمایا: ”اللہ کی طرف سے بھیجے ہوئے انبیائے کرام ؑ کے درمیان ایک کو دوسرے پر فضیلت نہ دو۔ واقعہ یہ ہے کہ جب صور میں پھونکا جائے گا اور تمام زمین و آسمان والے بے ہوش ہو جائیں گے مگر جسے اللہ چاہے (وہ بے ہوش نہ ہو گا) پھر اس میں دوبارہ پھونکا جائے گا تو میں سب سے پہلے اٹھایا جاؤں گا، میں دیکھوں گا کہ موسیٰ ؑ عرش کو پکڑے ہوں گے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ ان کو طور کے دن کی بے ہوشی کا عوض ملا ہے یا ان کو مجھ سے پہلے اٹھا دیا گیا۔“

٣٤١٥ - «وَلَا أَقُولُ: إِنَّ أَحَدًا أَفْضَلُ مِنْ يُونُسَ بْنِ مَتّٰى». [انظر: ٣٤١٦، ٤٦٠٤، ٤٦٣١، ٤٨٠٥]

[3415] آپ ﷺ نے فرمایا: ”میں یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ کوئی یونس بن متی سے افضل ہے۔“

٣٤١٦ - حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: سَمِعْتُ حُمَيْدَ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «لَا يَنْبَغِي لِعَبْدٍ أَنْ يَقُولَ: أَنَا خَيْرٌ مِّنْ يُونُسَ بْنِ مَتّٰى». [راجع: ٣٤١٥]

[3416] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ”کسی بندے کے لیے مناسب نہیں کہ وہ یہ کہے: میں، یعنی رسول اللہ ﷺ حضرت یونس بن متی سے بہتر ہوں۔“

فوائد و مسائل: ① ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”آپ اپنے پروردگار کے حکم کے انتظار میں صبر کریں اور مچھلی والے کی طرح نہ ہو جائیں جب انھوں نے پکارا تو وہ غم سے بھرے ہوئے تھے۔“[1] حضرت یونس ؑ نے اپنی قوم کی مخالفت سے تنگ آ کر بے صبری کا مظاہرہ کیا تھا، انھیں وحی الٰہی کا انتظار کیے بغیر خود ہی عذاب کی دھمکی دے دی تھی اور پھر وہاں سے اذن الٰہی کے بغیر ہی چل دیے تھے۔ ② سیدنا یونس ؑ کو اپنی اجتہادی غلطی کا احساس تو نینوا سے نکلنے کے فوراً بعد ہی ہو گیا تھا، چنانچہ ان واقعات سے ان کے ایک کمزور پہلو کی نشاندہی ہوتی ہے، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تمام انبیاء ؑ نبی ہونے کے اعتبار سے برابر ہیں، خاص طور پر حضرت یونس ؑ کے متعلق کوئی اس انداز سے تبصرہ نہ کرے کہ ان کی تنقیص کا پہلو نمایاں ہو۔“ مندرجہ بالا

---

[1] القلم 68:48.

احادیث کا مطالعہ ہمارے بیان کردہ پس منظر میں کیا جائے۔ ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے مجھے یونس بن متی پر فضیلت دی، اس نے جھوٹ بولا۔''[1] ③ اجتہادی غلطی حضرات انبیاء ﷺ سے ہو سکتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ ان کی فوراً اصلاح فرما دیتا ہے اور انھیں اس غلطی پر برقرار نہیں رہنے دیا جاتا کیونکہ مقربین کی معمولی لغزش بھی اللہ کے ہاں بڑی اور قابل مؤاخذہ ہوتی ہے اسی بنا پر ان حضرات کا اللہ تعالیٰ مؤاخذہ کرتا ہے۔

(٣٦) بَابُ: قَوْلُهُ تَعَالَى: ﴿وَسْـَٔلْهُمْ عَنِ ٱلْقَرْيَةِ ٱلَّتِى كَانَتْ حَاضِرَةَ ٱلْبَحْرِ إِذْ يَعْدُونَ فِى ٱلسَّبْتِ﴾

باب: 36- ارشاد باری تعالیٰ: ''اور ان سے اس بستی کا حال بھی پوچھیے جو سمندر کے کنارے واقع تھی۔ جب وہ لوگ ہفتے کے دن کے بارے میں حد سے گزر جاتے تھے'' کا بیان

يَتَعَدَّوْنَ: يَتَجَاوَزُونَ فِي السَّبْتِ. ﴿إِذْ تَأْتِيهِمْ حِيتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا﴾ شَوَارِعَ، إِلَى قَوْلِهِ: ﴿كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ﴾ [الأعراف: ١٦٣-١٦٦]

﴿إِذْ يَعْدُونَ فِي السَّبْتِ﴾ کے معنی ہیں: وہ لوگ ہفتے کے دن احکام الٰہی کی خلاف ورزی کرتے تھے۔ ''ہفتے کے دن تو مچھلیاں (سینہ تان کر) پانی پر ظاہر ہوتیں۔'' ﴿شُرَّعًا﴾ کے معنی ہیں: شوارع، یعنی پانی پر تیرتی ہوئی...... آخر آیت: ''ذلیل و خوار بندر بن جاؤ'' تک۔

وضاحت: متعلقہ تمام آیات کا ترجمہ حسب ذیل ہے: ''اور (اے نبی!) ان سے اس بستی کا حال دریافت فرمائیں جو سمندر کے کنارے واقع تھی۔ وہ لوگ ہفتے کے دن احکام الٰہی کی خلاف ورزی کرتے تھے۔ وہ یوں کہ ہفتے کے دن تو مچھلیاں بلند ہو کر پانی پر ظاہر ہوتی تھیں اور ہفتے کے علاوہ باقی دنوں میں غائب رہتی تھیں۔ اسی طرح ہم نے انھیں ان کی نافرمانیوں کی وجہ سے آزمائش میں ڈال دیا تھا۔ اور جب ان میں سے کچھ لوگوں نے دوسروں سے کہا: تم ایسے لوگوں کو وعظ کیوں کرتے ہو جنھیں اللہ ہلاک کرنے والا ہے یا سخت عذاب دینے والا ہے؟ انھوں نے جواب دیا: اس لیے کہ (ہم) تمھارے رب کے پاس معذرت کر سکیں اور اس لیے بھی کہ شاید وہ (اللہ سے) ڈریں۔ پھر جب انھوں نے وہ باتیں بھلا دیں جن کی انھیں نصیحت کی گئی تھی تو ہم نے ان لوگوں کو نجات دی جو برے کام سے روکتے تھے، اور ہم نے ان لوگوں کو بدترین عذاب کے ساتھ پکڑ لیا جنھوں نے زیادتی کی تھی، اس لیے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے۔ پھر جب انھوں نے اس معاملے میں سرکشی کی جس سے انھیں روکا گیا تھا تو ہم نے ان سے کہا: ہو جاؤ ذلیل بندر۔''[2] بنی اسرائیل کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ ہفتے کے دن کاروبار نہیں کریں گے بلکہ اس دن آرام اور اللہ کی عبادت کیا کریں گے۔ لیکن انھوں نے یہ حیلہ سازی کی کہ وہ ہفتے کے دن مچھلیوں کو ان کھائیوں میں جمع کر لیتے جو انھوں نے ساحل سمندر کے ساتھ کھود رکھی تھیں، پھر دوسرے دن انھیں پکڑ لیتے۔ پھر ان کے تین گروہ بن گئے: ○ مجرم گروہ جو اس حیلہ سازی

1 صحيح البخاري، التفسير، حديث: 4604. 2 الأعراف 7:163-166.

سے مچھلیاں پکڑتا تھا۔ ○ وہ گروہ جو انھیں اس حیلہ سازی سے منع کرتا تھا۔ ○ وہ گروہ جو خود تو مچھلیاں نہیں پکڑتا تھا مگر پکڑنے والوں کو روکتا بھی نہیں تھا۔ جب اس قوم پر عذاب آیا تو اس عذاب سے صرف روکنے والا گروہ بچا لیا گیا۔ خاموش رہنے والے اور مجرم دونوں گروہوں پر عذاب نازل ہوا کہ انھیں ذلیل وخوار بندر بنا دیا گیا، تاہم ان کے دماغ وہی رہے اور ان میں فہم وشعور انسانی موجود تھا وہ ایک دوسرے کو پہچانتے اور ایک دوسرے کو دیکھ کر روتے تھے مگر کلام نہیں کر سکتے تھے۔ تین دن کے بعد سب مر گئے اور انھیں صفحۂ ہستی سے مٹا دیا گیا۔

(٣٧) بَابٌ: قَوْلُ اللهِ تَعَالَى: ﴿وَءَاتَيْنَا دَاوُدَ زَبُورًا﴾ [النساء: ١٦٣]

الزُّبُرُ: الْكُتُبُ وَاحِدُهَا زَبُورٌ، زَبَرْتَ: كَتَبْتَ. ﴿وَلَقَدْ ءَاتَيْنَا دَاوُدَ مِنَّا فَضْلًا يَٰجِبَالُ أَوِّبِى مَعَهُۥ﴾ قَالَ مُجَاهِدٌ: سَبِّحِي مَعَهُ ﴿وَالطَّيْرَ وَأَلَنَّا لَهُ الْحَدِيدَ ○ أَنِ اعْمَلْ سَٰبِغَٰتٍ﴾ الدُّرُوعَ ﴿وَقَدِّرْ فِى السَّرْدِ﴾ [سبا: ١٠، ١١] الْمَسَامِيرِ وَالْحِلَقِ، وَلَا تُرِقَّ الْمِسْمَارَ فَيَسْلَسَ وَلَا تُعَظِّمْ فَيَنْفَصِمَ. ﴿أَفْرِغْ﴾ [البقرة: ٢٥٠]. أَنْزِلْ. ﴿بَسْطَةً﴾: [البقرة: ٢٤٧] زِيَادَةً وَفَضْلًا، ﴿وَاعْمَلُوا صَٰلِحًا إِنِّى بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ﴾ [سبا: ١١].

باب: 37- ارشاد باری تعالیٰ: ”اور ہم نے حضرت داود علیہ السلام کو زبور عطا کی“ کا بیان

﴿الزُّبُرُ﴾ کے معنی کتابیں اور صحیفے ہیں۔ اس کا واحد زبور ہے۔ زبرت کے معنی ہیں: تو نے لکھا۔ (فرمایا:) ”اور ہم نے داود کو اپنے ہاں سے بزرگی عطا کی تھی۔ اے پہاڑو! ان کے ساتھ تسبیح پڑھا کرو۔“ امام مجاہد نے اس کے یہی معنی کیے ہیں۔ (نیز فرمایا:) ”اور پرندوں کو بھی ہم نے ان کے ساتھ تسبیح پڑھنے کا حکم دیا، نیز لوہے کو ان کے ہاتھوں نرم کر دیا کہ اس سے زرہیں بنائیں۔“ ﴿سَابِغَاتٍ﴾ کے معنی ہیں: زرہیں۔ (نیز فرمایا:) ”اور بنانے میں ایک خاص انداز اختیار کریں۔“ یعنی زرہوں کے کیل اور حلقے بنانے میں، کیلوں کو اتنا باریک نہ کریں کہ وہ ڈھیلی ہو جائیں اور نہ اتنی بڑی ہوں کہ حلقہ ٹوٹ جائے۔ ﴿أَفْرِغْ﴾ کے معنی فیضان کر۔ ﴿بَسْطَةً﴾ اس کے معنی ہیں: زیادہ اور فضیلت۔ ”نیک عمل کرو۔ تم جو بھی عمل کرو گے میں اسے دیکھ رہا ہوں۔“

وضاحت: متعلقہ آیات کا ترجمہ حسب ذیل ہے: ”اور یقیناً ہم نے داود کو اپنی طرف سے فضیلت عطا کی۔ (ہم نے حکم دیا:) اے پہاڑو! اس کے ساتھ تسبیح دہراؤ، اور (اے) پرندو! (تم بھی) اور ہم نے اس کے لیے لوہا نرم کر دیا کہ تو کامل کشادہ (زرہیں) بنا اور کڑیاں جوڑنے میں (مناسب) اندازہ رکھ اور تم (سب) نیک عمل کرو۔ تم جو کرتے ہو بلاشبہ اسے میں خوب دیکھنے والا ہوں۔“[1] حضرت داود علیہ السلام کے دیگر حالات معلوم کرنے کے لیے سورۂ بقرہ، آیت: 251، سورۂ انبیاء، آیت: 80,79 اور سورۂ

[1] سبا 34: 11,10.

ص ٓ، آیت: 17-26 کا مطالعہ مفید رہے گا۔

٣٤١٧ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «خُفِّفَ عَلَى دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ الْقُرْآنُ فَكَانَ يَأْمُرُ بِدَوَابِّهِ فَتُسْرَجُ فَيَقْرَأُ الْقُرْآنَ قَبْلَ أَنْ تُسْرَجَ دَوَابُّهُ، وَلَا يَأْكُلُ إِلَّا مِنْ عَمَلِ يَدِهِ».

[3417] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''حضرت داود علیہ السلام پر زبور کا پڑھنا آسان کر دیا گیا تھا۔ وہ اپنی سواری کے متعلق حکم دیتے تو اس پر زین کسی جاتی، سواری پر زین کسنے سے پہلے پہلے وہ زبور پڑھ لیتے تھے۔ اور اپنے ہاتھ سے محنت کر کے کھاتے تھے۔''

رَوَاهُ مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ عَنْ صَفْوَانَ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.

[راجع: ٢٠٧٣]

اس روایت کو موسیٰ بن عقبہ نے صفوان سے، انھوں نے عطاء بن یسار سے، انھوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں۔

فائدہ: زبور کو قرآن کہا گیا ہے کیونکہ اس میں احکام جمع تھے، یا لغوی معنی کے اعتبار سے کہ اسے بکثرت پڑھا جاتا تھا۔ زبور کو اتنی جلدی پڑھ لینا حضرت داود علیہ السلام کا معجزہ تھا لیکن ہماری شریعت میں قرآن مجید کو تین دن سے پہلے ختم کرنا خلاف سنت ہے۔ حدیث کے مطابق جس نے قرآن کریم تین دن سے پہلے ختم کیا اس نے قرآن فہمی کا حق ادا نہیں کیا۔ حضرت داود علیہ السلام اپنے ہاتھ کی کمائی استعمال کرتے تھے۔ ان کی کمائی یہ تھی کہ وہ لوہے کی زرہیں بنا کر فروخت کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے لوہے کو ان کے ہاتھوں موم کر دیا تھا، وہ اس سے مختلف سامان تیار کرتے اور یہی ان کا ذریعۂ معاش تھا۔

٣٤١٨ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ: أَنَّ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ أَخْبَرَهُ وَأَبَا سَلَمَةَ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ: أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَمْرٍو رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: أُخْبِرَ رَسُولُ اللهِ ﷺ أَنِّي أَقُولُ: وَاللهِ لَأَصُومَنَّ النَّهَارَ وَلَأَقُومَنَّ اللَّيْلَ مَا عِشْتُ، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أَنْتَ الَّذِي تَقُولُ: وَاللهِ لَأَصُومَنَّ النَّهَارَ وَلَأَقُومَنَّ اللَّيْلَ مَا عِشْتُ؟» قُلْتُ: قَدْ قُلْتُهُ، قَالَ: «إِنَّكَ لَا تَسْتَطِيعُ ذٰلِكَ، فَصُمْ وَأَفْطِرْ، وَقُمْ وَنَمْ، وَصُمْ

[3418] حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ کو میرے متعلق بتایا گیا کہ میں کہتا ہوں: اللہ کی قسم! میں جب تک زندہ رہوں گا دن کو روزہ رکھوں گا اور رات کو قیام کروں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا: ''تو نے ایسا کہا ہے کہ اللہ قسم! میں زندگی بھر دن کو روزے سے رہوں گا اور رات قیام میں گزاروں گا؟'' میں نے عرض کیا: میں نے ایسا کہا ہے۔ آپ نے فرمایا: ''تو اس کی طاقت نہیں رکھتا۔ روزہ رکھو اور افطار بھی کرو، رات کو نماز پڑھو اور نیند بھی کرو، ہر ماہ تین روزے رکھ لیا کرو۔ چونکہ ہر نیکی کا دس گنا اجر ملتا ہے، اس لیے یہ عمل سال بھر

مِنَ الشَّهْرِ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ فَإِنَّ الْحَسَنَةَ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا، وَذٰلِكَ مِثْلُ صِيَامِ الدَّهْرِ». فَقُلْتُ: إِنِّي أُطِيقُ أَفْضَلَ مِنْ ذٰلِكَ يَا رَسُولَ اللهِ، قَالَ: «فَصُمْ يَوْمًا وَّأَفْطِرْ يَوْمَيْنِ». قَالَ: قُلْتُ: إِنِّي أُطِيقُ أَفْضَلَ مِنْ ذٰلِكَ، قَالَ: «فَصُمْ يَوْمًا وَّأَفْطِرْ يَوْمًا، وَذٰلِكَ صِيَامُ دَاوُدَ وَهُوَ أَعْدَلُ الصِّيَامِ، قُلْتُ: إِنِّي أُطِيقُ أَفْضَلَ مِنْهُ يَا رَسُولَ اللهِ، قَالَ: «لَا أَفْضَلَ مِنْ ذٰلِكَ». [راجع: ١١٣١]

کے روزوں کی طرح ہے۔'' میں نے کہا: اللہ کے رسول! میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: ''ایک دن روزہ رکھو اور دو دن افطا کرو۔'' میں نے عرض کیا: میں اس سے بھی زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں۔ آپ نے فرمایا:''ایک دن روزہ رکھواور ایک دن افطار کرو۔ یہ حضرت داود علیہ السلام کے روزے ہیں اور ایسا کرنا افضل عمل ہے۔'' میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! میں اس سے بھی زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: ''اس سے افضل کوئی (روزہ) نہیں ہے۔''

٣٤١٩ - حَدَّثَنَا خَلَّادُ بْنُ يَحْيٰى: حَدَّثَنَا مِسْعَرٌ: حَدَّثَنَا حَبِيبُ بْنُ أَبِي ثَابِتٍ عَنْ أَبِي الْعَبَّاسِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ: قَالَ لِيَ النَّبِيُّ ﷺ: «أَلَمْ أُنَبَّأْ أَنَّكَ تَقُومُ اللَّيْلَ وَتَصُومُ النَّهَارَ؟» فَقُلْتُ: نَعَمْ، فَقَالَ: «فَإِنَّكَ إِذَا فَعَلْتَ ذٰلِكَ هَجَمَتِ الْعَيْنُ وَنَفِهَتِ النَّفْسُ، صُمْ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ فَذٰلِكَ صَوْمُ الدَّهْرِ أَوْ كَصَوْمِ الدَّهْرِ». قُلْتُ: إِنِّي أَجِدُنِي - قَالَ مِسْعَرٌ: يَعْنِي قُوَّةً - قَالَ: «فَصُمْ صَوْمَ دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ، وَكَانَ يَصُومُ يَوْمًا وَّيُفْطِرُ يَوْمًا وَّلَا يَفِرُّ إِذَا لَاقٰى». [راجع: ١١٣١]

[3419] حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: مجھ سے نبی ﷺ نے فرمایا:''کیا یہ بات صحیح ہے کہ تم رات بھر نماز پڑھتے رہتے ہو اور دن کو روزے سے رہتے ہو؟'' میں نے کہا: جی ہاں۔ آپ نے فرمایا:''اگر تم ایسا کرو گے تو نظر کمزور ہو جائے گی اور جسم نحیف ہو جائے گا۔ تم ہر مہینے میں تین روزے رکھ لیا کرو، یہ سال بھر کے روزے ہیں یا فرمایا کہ سال بھر کے روزوں جیسے ہیں۔'' میں نے عرض کیا: میں اپنے اندر طاقت محسوس کرتا ہوں، آپ نے فرمایا: ''تم حضرت داود علیہ السلام جیسے روزے رکھو۔ وہ ایک دن روزے سے ہوتے اور ایک دن افطار کرتے تھے لیکن جب وہ دشمن کا مقابلہ کرتے تو (میدان جنگ سے) نہیں بھاگتے تھے۔''

فائدہ: قرآن مجید میں حضرت داود علیہ السلام کے متعلق صراحت ہے کہ وہ عبادت گزار اور شب بیدار تھے۔ ان کی عبادت و ریاضت اور انابت الی اللہ کو بڑے اچھے انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''ہمارے بندے داود کو بھی یاد کریں بلاشبہ وہ صاحب قوت اور بہت رجوع کرنے والے تھے۔''[1] اللہ تعالیٰ نے انھیں اتنی سریلی آواز دی تھی کہ جب وہ اللہ کی حمد وثنا کے ترانے گاتے تو ساری فضا مسحور ہو جاتی، اردگرد پرندے جمع ہو جاتے اور وہ بھی آپ کے ہم نوا بن جاتے اور پہاڑوں سے بھی

[1] صٓ 38:17.

ان نغموں کی آواز آتی تھی۔ مندرجہ ذیل احادیث میں ان کے روزے کی تعریف کی گئی ہے۔ وہ روزوں کا اس قدر اہتمام کرنے کے باوجود دشمن کے سامنے ڈٹ جاتے اور کبھی راہ فرار اختیار نہ کرتے تھے۔ واللہ أعلم.

(٣٨) بَابٌ: أَحَبُّ الصَّلَاةِ إِلَى اللهِ صَلَاةُ دَاوُدَ، وَأَحَبُّ الصِّيَامِ إِلَى اللهِ صِيَامُ دَاوُدَ، كَانَ يَنَامُ نِصْفَ اللَّيْلِ وَيَقُومُ ثُلُثَهُ وَيَنَامُ سُدُسَهُ، وَيَصُومُ يَوْمًا وَيُفْطِرُ يَوْمًا

باب: 38- اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ پسندیدہ نماز حضرت داود علیہ السلام کی نماز ہے اور پسندیدہ روزہ حضرت داود علیہ السلام کا روزہ ہے۔ وہ آدھی رات سوتے اور ایک تہائی رات نماز پڑھتے، پھر رات کا چھٹا حصہ محو استراحت رہتے، نیز ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن روزہ چھوڑتے تھے

قَالَ عَلِيٌّ، وَهُوَ قَوْلُ عَائِشَةَ: مَا أَلْفَاهُ السَّحَرُ عِنْدِي إِلَّا نَائِمًا.

حضرت علی بن مدینی رحمہ اللہ نے کہا: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا (رسول اللہ ﷺ کے متعلق بھی یہی) فرمان ہے کہ آپ ﷺ جب بھی سحری کے وقت میرے ہاں موجود ہوتے تو سوئے ہوتے تھے۔

وضاحت: حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: علی سے مراد امام بخاری رحمہ اللہ کے استاد علی بن مدینی ہیں۔ وہ حضرت داود علیہ السلام کے متعلق ان کے اس عمل کی وضاحت کرنا چاہتے ہیں کہ آپ رات کا چھٹا حصہ سوتے تھے۔ اس سے رات کا آخری چھٹا حصہ مراد ہے اور رسول اللہ ﷺ کے عمل سے اس کی تائید بھی پیش کی ہے جسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ جب بھی سحری کے وقت میرے ہاں موجود ہوتے تو سوئے ہوتے تھے۔[1]

٣٤٢٠ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ أَوْسٍ الثَّقَفِيِّ: سَمِعَ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَمْرٍو قَالَ: قَالَ لِي رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أَحَبُّ الصِّيَامِ إِلَى اللهِ صِيَامُ دَاوُدَ، كَانَ يَصُومُ يَوْمًا وَيُفْطِرُ يَوْمًا، وَأَحَبُّ الصَّلَاةِ إِلَى اللهِ صَلَاةُ دَاوُدَ، كَانَ يَنَامُ نِصْفَ اللَّيْلِ وَيَقُومُ ثُلُثَهُ وَيَنَامُ سُدُسَهُ». [راجع: ١١٣١]

[3420] حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: ''اللہ کے ہاں پسندیدہ روزے حضرت داود علیہ السلام کے روزے ہیں۔ وہ ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن چھوڑتے تھے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ نماز حضرت داود علیہ السلام کی نماز ہے۔ وہ آدھی رات تک سوتے تھے اور پھر ایک تہائی رات کی عبادت کرتے اور آخری چھٹا حصہ پھر سو جاتے تھے۔''

[1] فتح الباري: 555/6.

فوائد و مسائل: ① حضرت داود علیہ السلام کا روزہ، ہمیشہ روزہ رکھنے سے افضل ہے کیونکہ ہمیشہ روزہ رکھنے میں نفس کو روزے کی عادت ہو جاتی ہے اور عادت کی وجہ سے عبادت کے لیے جو مشقت ہونی چاہیے وہ باقی نہیں رہتی، نیز ایسا کرنے سے کمزوری ہو جاتی ہے جو میدان جنگ میں جم کر مقابلہ کرنے میں رکاوٹ کا باعث ہے۔ ② حضرت داود علیہ السلام کی نماز اس طرح ہوتی کہ آپ آدھی رات کے بعد اٹھ کر تہجد پڑھتے پھر سو جاتے، اس کے بعد نماز فجر کے لیے بیدار ہوتے ایسا کرنا زیادہ مشکل اور نفس پر شاق ہے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ کو حضرت داود علیہ السلام کا روزہ اور آپ کی نماز پسند تھی جیسا کہ اس حدیث میں اس کی وضاحت ہے۔

(٣٩) بَابٌ: ﴿وَٱذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوُۥدَ ذَا ٱلْأَيْدِ إِنَّهُۥٓ أَوَّابٌ﴾ إِلَى قَوْلِهِ: ﴿وَفَصْلَ ٱلْخِطَابِ﴾ [ص: ١٧-٢٠]

باب: 39- (ارشاد باری تعالیٰ:) ''ہمارے بندے داود کو یاد کرو، وہ طاقتور اور بہت رجوع کرنے والا تھا ...... اور فیصلہ کن بات (کی صلاحیت) دی تھی'' کا بیان

قَالَ مُجَاهِدٌ: الْفَهْمُ فِي الْقَضَاءِ ﴿وَهَلْ أَتَىٰكَ نَبَؤُا۟ ٱلْخَصْمِ﴾ إِلَى ﴿وَلَا تُشْطِطْ﴾ [٢١، ٢٢]: لَا تُسْرِفْ ﴿وَٱهْدِنَآ إِلَىٰ سَوَآءِ ٱلصِّرَٰطِ ۝ إِنَّ هَٰذَآ أَخِى لَهُۥ تِسْعٌ وَتِسْعُونَ نَعْجَةً﴾ [٢٣] يُقَالُ لِلْمَرْأَةِ: نَعْجَةٌ، وَيُقَالُ لَهَا أَيْضًا: شَاةٌ، ﴿وَلِىَ نَعْجَةٌ وَٰحِدَةٌ فَقَالَ أَكْفِلْنِيهَا﴾ مِثْلُ: ﴿وَكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا﴾ [آل عمران: ٣٧] ضَمَّهَا ﴿وَعَزَّنِى﴾ [ص: ٢٣]: غَلَبَنِي، صَارَ أَعَزَّ مِنِّي، أَعْزَزْتُهُ جَعَلْتُهُ عَزِيزًا ﴿فِى ٱلْخِطَابِ﴾ يُقَالُ: الْمُحَاوَرَةُ، ﴿قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ إِلَىٰ نِعَاجِهِۦ ۖ وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ ٱلْخُلَطَآءِ﴾ [٢٤] الشُّرَكَاءِ ﴿لَيَبْغِى﴾ إِلَى قَوْلِهِ: ﴿أَنَّمَا فَتَنَّٰهُ﴾: قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: اخْتَبَرْنَاهُ. وَقَرَأَ عُمَرُ (فَتَّنَّاهُ) بِتَشْدِيدِ التَّاءِ ﴿فَٱسْتَغْفَرَ رَبَّهُۥ وَخَرَّ رَاكِعًا وَأَنَابَ﴾.

امام مجاہد نے کہا: ﴿فَصْلَ الْخِطَابِ﴾ کے معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں فیصلہ کرنے کی قوت عطا فرمائی تھی۔ ﴿وَلَاتُشْطِطْ﴾ اسراف نہ کیجیے۔ ﴿وَاهْدِنَا إِلَى سَوَآءِ الصِّرَاطِ﴾ ہمیں سیدھی راہ بتائیے۔ ﴿إِنَّ هٰذَا أَخِىْ لَهُ تِسْعٌ وَ تِسْعُوْنَ نَعْجَةً﴾ یہ میرا بھائی ہے۔ اس کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں۔ عورت کو بھی نَعْجَةٌ کہا جاتا ہے۔ اور نَعْجَةٌ بکری کو بھی کہتے ہیں۔ ﴿وَلِيَ نَعْجَةٌ وَّاحِدَةٌ فَقَالَ اَكْفِلْنِيْهَا﴾ اور میرے پاس صرف ایک دنبی ہے۔ اب مجھے کہتا ہے کہ وہ بھی مجھے دے دے۔'' (یہ) ﴿كَفَّلَهَا زَكَرِيَّا﴾ کی طرح ہے، بمعنی ''ضَمَّهَا'' یعنی زکریا نے مریم کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ ﴿وَعَزَّنِىْ﴾ کے معنی ہیں: مجھے دباتا ہے۔ مجھ سے زیادہ عزت والا ہو گیا۔ اَعْزَزْتُهُ ''میں نے اسے غالب کر دیا۔'' ﴿فِى الْخِطَابِ﴾ بات چیت کرنے میں۔ ''انھوں نے کہا: تیری ایک دنبی کو اپنی ننانوے دنبیوں کے ساتھ ملانے کا سوال کر کے اس نے تجھ پر ظلم کیا ہے۔ بے شک اکثر شرکاء ایک دوسرے پر زیادتی کرتے ہیں۔'' ﴿الْخُلَطَاءُ﴾

کے معنی ہیں: شرکاء۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ﴿أَنَّمَا فَتَنَّاهُ﴾ کے معنی کیے ہیں: ہم نے اس کا امتحان لیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے تا کی تشدید سے پڑھا ہے۔ ''تو انھوں نے اپنے رب سے معافی مانگی، رکوع کرتے ہوئے نیچے گر پڑے اور اللہ کی طرف خوب متوجہ ہوئے۔''

وضاحت: آیات کا ترجمہ حسب ذیل ہے: ''(اے نبی!) جو کچھ یہ کہتے ہیں آپ اس پر صبر کیجیے اور ہمارے بندے داود کو یاد کیجیے جو صاحب قوت تھا، بے شک وہ بہت رجوع کرنے والا تھا۔ بے شک ہم نے پہاڑ اس کے تابع کر دیے تھے، جبکہ وہ (اس کے ساتھ) صبح و شام تسبیح کرتے رہتے تھے۔ اور پرندے بھی (تابع کر دیے تھے) اکٹھے کیے ہوئے، سب اس کے مطیع و فرماں بردار تھے۔ اور ہم نے اس کی بادشاہی مستحکم کر دی تھی، اور ہم نے اسے حکمت اور فیصلہ کن بات (کی صلاحیت) دی تھی۔'' امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کے بعد جو الفاظ ذکر کیے ہیں وہ ایسی آیات میں ہیں جن کا ایک مقدمے سے تعلق ہے جو حضرت داود علیہ السلام کے حضور پیش ہوا۔ اس کی نوعیت یوں معلوم ہوتی ہے کہ حضرت داود علیہ السلام نے اپنے ایک فوجی افسر کی بیوی کے متعلق سن لیا کہ وہ اچھی عادات اور بہترین خصائل کی مالکہ ہے، انھیں دل میں خیال آ گیا ہوگا کہ اگر یہ عورت میرے نکاح میں ہوتی تو کیا اچھا ہوتا، بس اس خیال کا آنا تھا کہ اللہ کی طرف سے گرفت ہوگئی۔ یہ تسلیم شدہ بات ہے کہ حضرت داود علیہ السلام کی ننانوے بیویاں تھیں۔ مقدمہ اس طرح پیش ہوا کہ مدعی نے کہا: یہ میرا بھائی ہے۔ اس کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں اور میرے پاس ایک دنبی ہے۔ وہ میری دنبی پر بھی قبضہ کرنا چاہتا ہے۔ مدعی کا بیان سننے کے بعد جب مدعا علیہ خاموش رہا اور اس نے مدعی کے بیان پر کوئی تبصرہ نہ کیا تو حضرت داود علیہ السلام نے سمجھا کہ مقدمے کی نوعیت وہی ہے جو مدعی نے بیان کی ہے تو آپ نے فرمایا: واقعی مدعا علیہ نے سوال کر کے تم پر ظلم اور زیادتی کا ارتکاب کیا ہے۔ اس کے فوراً بعد حضرت داود علیہ السلام کو اپنی غلطی کا احساس ہوگیا اور اللہ تعالیٰ سے اس غلطی پر استغفار کیا۔ اگرچہ خیالات کا آنا عام انسان کے لیے قابل گرفت نہیں مگر انبیاء علیہم السلام کا مقام اور ہے۔ انھیں چھوٹی چھوٹی لغزشوں پر فوراً تنبیہ کی جاتی ہے۔ واقعہ اسی قدر ہے جو ہم نے بیان کر دیا ہے لیکن اسرائیلی روایات میں بہت لغو اور شرمناک باتیں مذکور ہیں جنھیں ہمارے مفسرین نے بھی ذکر کر دیا ہے کہ حضرت داود علیہ السلام مکان کی چھت پر چڑھے تو ایک عورت کے بال کھلے دیکھ کر اس پر عاشق ہو گئے، پھر اس کے خاوند کو قتل کرا دیا۔ ان روایات میں حضرات انبیاء علیہم السلام کی عصمت کو داغدار کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم.

٣٤٢١ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ: حَدَّثَنَا سَهْلُ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: سَمِعْتُ الْعَوَّامَ عَنْ مُجَاهِدٍ قَالَ: قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ: أَنَسْجُدُ فِي صٓ؟ فَقَرَأَ ﴿وَمِن ذُرِّيَّتِهِۦ دَاوُۥدَ وَسُلَيْمَـٰنَ﴾ حَتّٰى أَتٰى ﴿فَبِهُدَىٰهُمُ ٱقْتَدِهْ﴾ [الأنعام: ٨٤-٩٠] فَقَالَ:

[3421] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ان سے حضرت مجاہد نے پوچھا: کیا ہم سورۂ صٓ میں سجدہ تلاوت کریں؟ تو انھوں نے ﴿وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِ دَاوُدَ وَ سُلَيْمٰنَ﴾ سے لے کر ﴿فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ﴾ تک آیات تلاوت کیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے پھر فرمایا: تمھارے نبی ﷺ ان

نَبِيُّكُم ﷺ مِمَّنْ أُمِرَ أَنْ يَقْتَدِيَ بِهِمْ. [انظر: ٤٦٣٢، ٤٨٠٦، ٤٨٠٧]

لوگوں میں سے ہیں جنھیں پہلے انبیاء ؑ کی پیروی کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

فوائد ومسائل: ① ایک روایت میں ہے کہ حضرت داود ؑ نے اس وقت سجدہ کیا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے اس سورت میں سجدہ کیا ہے۔[1] ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابن عباس ؓ نے خود اس سورت میں سجدہ کیا تھا۔[2] یعنی رسول اللہ ﷺ نے حضرت داود ؑ کی موافقت کے لیے سجدہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت داود ؑ کی توبہ قبول کی تو انھوں نے شکرانے کے طور پر سجدہ کیا اور ہم بھی شکر کے طور پر سجدہ کرتے ہیں۔ ② واضح رہے کہ رسولوں کی اقتدا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ عقائد واصول میں تمام انبیائے کرام ؑ برابر ہیں، البتہ فروعات میں قدرے اختلاف ہے۔ واللہ أعلم.

٣٤٢٢ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ: حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: لَيْسَ ﴿ص﴾ مِنْ عَزَائِمِ السُّجُودِ، وَرَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَسْجُدُ فِيهَا. [راجع: ١٠٦٩]

[3422] حضرت ابن عباس ؓ ہی سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: سورۂ صٓ کا سجدہ عزائم (ضروری) سجود میں سے نہیں ہے۔ میں نے دیکھا کہ نبی ﷺ اس میں سجدہ کیا کرتے تھے۔

فوائد ومسائل: ① چونکہ سورۂ صٓ میں حضرت داود ؑ اور ان کے سجدہ کرنے کا بیان ہے، اس مناسبت سے اس حدیث کو یہاں بیان کیا گیا ہے۔ ② عزائم سجود کا مطلب یہ ہے کہ مؤکدات سجود سے نہیں، یعنی سورۂ صٓ کا سجدہ ضروری نہیں بلکہ سجدۂ شکر ہے۔ حضرت ابوسعید خدری ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منبر پر سورۂ صٓ تلاوت فرمائی، جب مقام سجدہ پر پہنچے تو اترے اور سجدہ کیا، پھر کسی اور دن اسے تلاوت فرمایا تو جب آیت سجدہ پر پہنچے تو لوگ سجدے کے لیے تیار ہوئے، آپ نے فرمایا: ''یہ تو ایک نبی کی توبہ کے نتیجے میں تھا لیکن میں نے تمھیں دیکھا ہے کہ تم سجدے کے لیے تیار ہو، آپ اترے اور سجدہ کیا۔''[3] ③ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ صٓ کا سجدہ مؤکدات سجود سے نہیں۔ واللہ أعلم.

(٤٠) [بَابُ] قَوْلِ اللهِ تَعَالَى: ﴿وَوَهَبْنَا لِدَاوُدَ سُلَيْمَانَ نِعْمَ الْعَبْدُ إِنَّهُ أَوَّابٌ﴾ [ص: ٣٠]

باب: 40- ارشاد باری تعالیٰ: ''ہم نے داود کو سلیمان (بیٹا) عطا کیا۔ وہ اچھا بندہ اور بہت رجوع کرنے والا تھا'' کا بیان

الرَّاجِعُ: الْمُنِيبُ. وَقَوْلُهُ: ﴿هَبْ لِي مُلْكًا

اَوَّابٌ کے معنی ہیں: اللہ کی طرف رجوع اور توجہ کرنے

---

① صحيح البخاري، التفسير، حديث: 4807. ② صحيح البخاري، التفسير، حديث: 4806. ③ سنن أبي داود، السجود، حديث: 1410.

لَا يَنۢبَغِي لِأَحَدٖ مِّنۢ بَعۡدِيٓ﴾ [ص:٣٥] وَقَوْلُهُ: ﴿وَٱتَّبَعُواْ مَا تَتۡلُواْ ٱلشَّيَٰطِينُ عَلَىٰ مُلۡكِ سُلَيۡمَٰنَ﴾ [البقرة:١٠٢] ﴿وَلِسُلَيۡمَٰنَ ٱلرِّيحَ غُدُوُّهَا شَهۡرٞ وَرَوَاحُهَا شَهۡرٞۖ وَأَسَلۡنَا لَهُۥ عَيۡنَ ٱلۡقِطۡرِ﴾ [سبأ:١٢]: أَذَبْنَا لَهُ عَيْنَ الْحَدِيدِ ﴿وَمِنَ ٱلۡجِنِّ مَن يَعۡمَلُ بَيۡنَ يَدَيۡهِ بِإِذۡنِ رَبِّهِۦۖ وَمَن يَزِغۡ مِنۡهُمۡ عَنۡ أَمۡرِنَا نُذِقۡهُ مِنۡ عَذَابِ ٱلسَّعِيرِ ○ يَعۡمَلُونَ لَهُۥ مَا يَشَآءُ مِن مَّحَٰرِيبَ﴾ قَالَ مُجَاهِدٌ: بُنْيَانٌ مَّا دُونَ الْقُصُورِ ﴿وَتَمَٰثِيلَ وَجِفَانٖ كَٱلۡجَوَابِ﴾: كَالْحِيَاضِ لِلْإِبِلِ. وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: كَالْجَوْبَةِ مِنَ الْأَرْضِ.

والا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا یہ کہنا: ”(اے میرے رب!) مجھے ایسی سلطنت دے جو میرے بعد کسی کو میسر نہ ہو۔“ نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”ان لوگوں نے اس چیز کی پیروی کی جسے شیاطین حضرت سلیمان علیہ السلام کے دور حکومت میں پڑھا کرتے تھے۔“ نیز فرمایا: ”ہم نے ہوا کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے تابع کر دیا تھا۔ وہ صبح کے وقت ایک ماہ کی مسافت اور شام کو ایک ماہ کی مسافت طے کر لیتی تھی۔ ہم نے ان کے لیے لوہے کا چشمہ بہا دیا تھا۔“ یعنی لوہے کو ان کے لیے چشمے کی صورت میں پگھلا دیا تھا۔ ”اور کچھ جن بھی اپنے رب کے حکم سے ان کے سامنے کام کرتے تھے۔ اور ان میں سے جو ہمارے حکم سے سرکشی کرتا تو ہم اسے خوب بھڑکتی آگ کے عذاب کا مزہ چکھاتے۔ وہ (جن) اس (سلیمان علیہ السلام) کے لیے بناتے تھے جو وہ چاہتا تھا، بڑی بڑی عالی شان عمارتیں۔“ مجاہد نے کہا: مَحَارِيبَ سے مراد وہ عمارتیں ہیں جو محلات سے کم ہوں ﴿وَتَمَاثِيلَ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ﴾ مجسمے اور بڑے بڑے حوض، لگن کی طرح، یعنی اس سے مراد بڑے بڑے حوض ہیں جہاں اونٹ پانی پیتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس کے معنی ہیں: زمین کا وہ حصہ جو حوض کی طرح ہو۔

﴿وَقُدُورٖ رَّاسِيَٰتٍۚ ٱعۡمَلُوٓاْ ءَالَ دَاوُۥدَ شُكۡرٗاۚ وَقَلِيلٞ مِّنۡ عِبَادِيَ ٱلشَّكُورُ ○ فَلَمَّا قَضَيۡنَا عَلَيۡهِ ٱلۡمَوۡتَ مَا دَلَّهُمۡ عَلَىٰ مَوۡتِهِۦٓ إِلَّا دَآبَّةُ ٱلۡأَرۡضِ﴾ الْأَرَضَةُ، ﴿تَأۡكُلُ مِنسَأَتَهُۥ﴾: عَصَاهُ، ﴿فَلَمَّا خَرَّ﴾ إِلَى قَوْلِهِ: ﴿فِي ٱلۡعَذَابِ ٱلۡمُهِينِ﴾. [١٤،١٣]: ﴿حُبَّ ٱلۡخَيۡرِ عَن ذِكۡرِ رَبِّي﴾ [ص:٣٢]: ﴿فَطَفِقَ مَسۡحَۢا بِٱلسُّوقِ وَٱلۡأَعۡنَاقِ﴾ [٣٣]: يَمْسَحُ أَعْرَافَ الْخَيْلِ وَعَرَاقِيبَهَا. ﴿ٱلۡأَصۡفَادِ﴾

نیز فرمایا: ”اور ایک جگہ پر جمی (ٹکی) ہوئی دیگیں۔ اے آل داود! شکر کے طور پر عمل کرو کیونکہ میرے بندوں میں کم ہی شکر گزار ہوتے ہیں۔ پھر جب ہم نے سلیمان پر موت کا فیصلہ کیا تو گھن (دیمک) کے کیڑے کے علاوہ کسی چیز نے جنوں کو سلیمان کی موت کا پتہ نہ دیا جو ان کے عصا کو کھائے جا رہا تھا، پھر جب وہ (سلیمان علیہ السلام) گر پڑے تو جنوں پر واضح ہو گیا کہ اگر وہ غیب جانتے تو ایسے ذلت کے عذاب میں نہ پڑے رہتے۔“ ﴿دَآبَّةُ الْأَرْضِ﴾ سے مراد

[٣٨]: الْوَثَاقُ. قَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿ٱلصَّـٰفِنَـٰتُ﴾ [٣١]: صَفَنَ الْفَرَسُ، رَفَعَ إِحْدٰى رِجْلَيْهِ حَتّٰى يَكُونَ عَلٰى طَرَفِ الْحَافِرِ. ﴿ٱلْجِيَادُ﴾: السِّرَاعُ. ﴿جَسَدًا﴾ [٣٤]: شَيْطَانًا. ﴿رُخَآءً﴾ [٣٦]: طَيِّبَةً. ﴿حَيْثُ أَصَابَ﴾: حَيْثُ شَاءَ. ﴿فَٱمْنُنْ﴾ [٣٩]: أَعْطِ. ﴿بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾: بِغَيْرِ حَرَجٍ.

لکڑی کا کیڑا، یعنی دیمک وغیرہ۔ ﴿مِنْسَأَتَهُ﴾ سے مراد ان کی لاٹھی ہے۔

(نیز فرمایا:) ”میں نے اس مال کو اپنے رب کی یاد کے مقابلے میں پسند کیا ہے (حتی کہ وہ دستہ سامنے سے اوجھل ہو گیا۔ آپ نے کہا: ان کو میرے پاس واپس لاؤ) تو آپ ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنے لگے۔“ یعنی حضرت سلیمان گھوڑوں کی گردنوں اور ایڑیوں کو چھوتے تھے۔ ﴿الْأَصْفَاد﴾ سے مراد بندھن ہیں۔ امام مجاہد نے کہا: ﴿الصّٰفِنٰتُ﴾ کا لفظ صَفَنَ الْفَرَسُ سے مشتق ہے۔ جب گھوڑا ایک پاؤں اٹھا کر سم کی نوک پر کھڑا ہو۔ ﴿الْجِيَاد﴾ کے معنی تیز رفتار ﴿جَسَدًا﴾ سے مراد شیطان ہے۔ ﴿رُخَآءً﴾ کے معنی نرمی کے ساتھ ﴿حَيْثُ أَصَابَ﴾ جہاں آپ چاہتے ﴿فَامْنُنْ﴾ کے معنی کسی پر احسان کر کے کچھ دو ﴿بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ کسی قسم کا مؤاخذہ نہیں ہوگا۔

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ نے اس عنوان کے تحت لغوی تشریح کے لیے جن آیات یا الفاظ کا انتخاب کیا ہے، ان میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے معجزات اور واقعات کا ذکر ہے جو مختصر طور پر حسب ذیل ہیں: (ا) حضرت سلیمان کے لیے ہوا کو مسخر کر دیا گیا تھا۔ اس ہوا کی قرآن کریم میں دو صفات ذکر کی گئی ہیں: ﴿عَاصِفَةً﴾[1] ”تیز و تند ہوا۔“ اس سے یہ کام لیا جاتا کہ جب اپنے تخت کو تیزی سے اڑانا مقصود ہوتا تاکہ منزل مقصود پر جلدی پہنچ جائیں تو تیز ہوا کو کام میں لایا جاتا۔ اس کی رفتار اس قدر تیز ہوتی کہ مہینوں کا سفر چند گھنٹوں میں طے کر لیا جاتا۔[2] ﴿رُخَآءً﴾[3] ”نرم ہوا۔“ جب تخت کو نیچے اتارنا ہوتا تو نرم ہوا کام آتی، نیز لشکروں کے لیے جو وسیع پیمانے پر کھانا تیار ہوتا تھا اسے تازہ رکھنے کے لیے بھی نرم اور خوشگوار ہوا کام آتی تھی۔ (ب) سرکش جنوں کو ان کے تابع کر دیا گیا تھا۔ وہ سمندروں سے موتی اور جواہرات نکالنے کے لیے غوطے لگاتے تھے، پھر انھیں امور مملکت چلانے کے لیے استعمال کیا جاتا،[4] نیز جنات بڑے بڑے محلات، قلعے اور مساجد تعمیر کرتے تھے۔[5] ان سے اور کام بھی لیے جاتے تھے۔[6] (ج) ان کے لیے پگھلے ہوئے تانبے کا ایک چشمہ جاری کر دیا گیا تھا۔ جنات اسے مختلف سانچوں میں ڈال کر بڑے بڑے برتن، زمین پر جمی ہوئی دیگیں اور حوض نما لگن تیار کرتے تھے۔[7] (د) بیت المقدس (ہیکل سلیمانی) کی تعمیر کا وقت

---

1 الأنبيآء 81:21. 2 سبا 12:34. 3 صٓ 36:38. 4 الأنبيآء 82:21. 5 سبا 13:34. 6 الأنبيآء 82:21. 7 سبا 12:34، 13.

قریب آیا تو ابھی خاصا کام باقی تھا، لیکن فرشتے نے کھڑے کھڑے ہی سلیمان علیہ السلام کی روح قبض کر لی۔ آپ لاٹھی کے سہارے کھڑے رہے اور جنات مسلسل کام میں لگے رہے۔ جب تعمیر مکمل ہوگئی تو لاٹھی کو بھی دیمک نے چاٹ کر ختم کر دیا تھا۔ جب لاٹھی ٹوٹی تو آپ کی میت بھی گر پڑی۔ اس واقعے کی تفصیل کے لیے سورۂ سبا آیت: 14 کی تفسیر دیکھی جائے۔ بڑے بڑے واقعات کی تفصیل حسب ذیل ہے: (ا) آپ نے جہاد کے لیے چاق چوبند گھوڑوں کا دستہ تیار کر رکھا تھا۔ آپ ان کی بہت دیکھ بھال کرتے تھے۔ ایک دفعہ وہ گھوڑے آپ کے پاس لائے گئے حتی کہ وہ نظروں سے اوجھل ہوگئے یا سورج غروب ہوگیا۔ اس کے متعلق مفسرین کے مختلف اقوال ہیں تفصیل کے لیے سورۂ ص کی آیات: 33,32,31 کا مطالعہ کریں۔ (ب) حضرت سلیمان علیہ السلام کے تخت پر ایک بے جان جسد ڈال کر انھیں آزمائش میں ڈالا گیا۔ اس سے مراد ادھورا بچہ ہے یا کوئی جن۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ایک طویل واقعہ ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ اس جن کا نام آصف تھا لیکن ہمیں اس واقعے کی صحت کے متعلق تامل ہے۔ اگرچہ امام بخاری رحمہ اللہ نے جسد کے معنی شیطان کیا ہے۔ تفصیل کے لیے سورۂ ص آیت: 34 کی تفسیر دیکھیں۔ (ج) آپ کے دور حکومت میں شیاطین جادو سیکھتے سکھاتے تھے۔ یہودی ان طلسمات و عملیات کے پیچھے پڑ گئے تھے۔ جب حضرت سلیمان علیہ السلام کو اس مکروہ دھندے کا علم ہوا تو جادوگروں کی تمام کتابیں داخل دفتر کر دیں۔ اس کی تفصیل معلوم کرنے کے لیے سورۂ بقرہ آیت: 102 کا مطالعہ کیا جائے۔ مندرجہ ذیل واقعات کی طرف امام بخاری رحمہ اللہ نے کوئی اشارہ تک نہیں کیا، حالانکہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے ساتھ ان کا گہرا تعلق ہے۔ قصۂ نمل[1] قصۂ ہدہد[2] قصۂ ملکہ سبا۔[3]

٣٤٢٣ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ ابْنُ جَعْفَرٍ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ زِيَادٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: «إِنَّ عِفْرِيتًا مِّنَ الْجِنِّ تَفَلَّتَ عَلَيَّ الْبَارِحَةَ لِيَقْطَعَ عَلَيَّ صَلَاتِي فَأَمْكَنَنِي اللهُ مِنْهُ فَأَخَذْتُهُ فَأَرَدْتُ أَنْ أَرْبِطَهُ عَلَى سَارِيَةٍ مِّنْ سَوَارِي الْمَسْجِدِ حَتَّى تَنْظُرُوا إِلَيْهِ كُلُّكُمْ، فَذَكَرْتُ دَعْوَةَ أَخِي سُلَيْمَانَ ﴿رَبِّ اغْفِرْ لِي وَهَبْ لِي مُلْكًا لَّا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ مِّنْ بَعْدِي﴾ [ص: ٣٥] فَرَدَدْتُهُ خَاسِئًا». [راجع: ٤٦١]

[3423] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ”آج رات ایک سرکش جن مجھ پر حملہ آور ہوا تا کہ میری نماز قطع کرے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس پر قدرت دے دی تو میں نے اسے پکڑ لیا۔ میں نے اسے مسجد کے ستونوں میں سے کسی ستون کے ساتھ باندھ دینے کا ارادہ کیا تا کہ تم سب کے سب اسے دیکھ لو۔ پھر مجھے اپنے بھائی سلیمان کی دعا یاد آ گئی: ”اے میرے رب! مجھے ایسی حکومت عطا فرما جو میرے بعد کسی کو نہ ملے۔“ تو میں نے اسے ذلیل و خوار کر کے چھوڑ دیا۔“

عِفْرِيتٌ: مُتَمَرِّدٌ مِّنْ إِنْسٍ أَوْ جَانٍّ مِثْلُ زِبْنِيَةٍ جَمَاعَتُهُ زَبَانِيَةٌ.

عِفْرِيتٌ کے معنی سرکش ہیں، خواہ وہ انسان ہو یا جن۔ یہ زِبْنِيَة کی طرح ہے جس کی جمع زَبَانِيَة ہے۔

1 النمل 27:11. 2 النمل 27:20-23. 3 النمل 27:29-44.

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر ہے، اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے ذکر کر دیا ہے۔ حضرت سلیمان کی دعا درج ذیل آیت میں ہے: ''میرے رب! مجھے معاف کر دے اور مجھے ایسی حکومت دے جو میرے بعد کسی کے لائق نہ ہو۔''[1] ② اس حدیث میں اشارہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی رعایت کرتے ہوئے اس سرکش جن کو چھوڑ دیا۔ یہ بھی احتمال ہے کہ جنات کو کام میں لانا حضرت سلیمان علیہ السلام کی خصوصیت ہو۔ قرآن کریم کی صراحت ہے کہ ہم جنوں کو نہیں دیکھ سکتے وہ ہمیں دیکھتے ہیں۔[2] واقعی اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے تمام جنوں کو تابع کر دیا تھا، وہ ان سے مختلف کام لیتے تھے۔

٣٤٢٤ - حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ: حَدَّثَنَا مُغِيرَةُ ابْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «قَالَ سُلَيْمَانُ بْنُ دَاوُدَ: لَأَطُوفَنَّ اللَّيْلَةَ عَلَى سَبْعِينَ امْرَأَةً تَحْمِلُ كُلُّ امْرَأَةٍ فَارِسًا يُجَاهِدُ فِي سَبِيلِ اللهِ، فَقَالَ لَهُ صَاحِبُهُ: إِنْ شَاءَ اللهُ، فَلَمْ يَقُلْ وَلَمْ تَحْمِلْ شَيْئًا إِلَّا وَاحِدًا سَاقِطًا أَحَدَ شِقَّيْهِ»، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «لَوْ قَالَهَا لَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللهِ».

[3424] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''حضرت سلیمان بن داود علیہ السلام نے کہا: میں آج ستر بیویوں کے پاس جاؤں گا۔ ہر عورت کو ایک گھوڑ سوار کا حمل ٹھہرے گا (یعنی ہر ہر عورت ایک شہسوار کو جنم دے گی) جو اللہ کی راہ میں جہاد کرے گا۔ ان کے ساتھی نے کہا: آپ ان شاء اللہ کہہ دیں، لیکن انھوں نے ان شاء اللہ نہ کہا تو ایک عورت کے سوا کسی کو حمل نہ ٹھہرا۔ وہ بھی (ایسا کہ) جس کا ایک پہلو ساقط تھا۔'' نبی ﷺ نے فرمایا: ''اگر وہ ان شاء اللہ کہہ دیتے تو وہ سب کے سب جوان ہو کر اللہ کی راہ میں جہاد کرتے۔''

قَالَ شُعَيْبٌ وَّابْنُ أَبِي الزِّنَادِ: «تِسْعِينَ» وَهُوَ أَصَحُّ.

شعیب اور ابوزناد نے ستر کے بجائے نوے عورتوں کا ذکر کیا ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے۔

فوائد و مسائل: ① قرآن کریم میں ہے کہ ہم نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو آزمائش میں ڈالا اور اس کے تخت پر ایک جسد لا کر ڈال دیا۔[3] کچھ لوگوں نے اس آیت کی تفسیر مذکورہ بالا حدیث سے کی ہے، حالانکہ اس حدیث کا آیت کریمہ سے کوئی تعلق نہیں جس کی درج ذیل وجوہات ہیں: ○ یہ حدیث صحیح بخاری کے علاوہ دیگر کتب حدیث میں بھی ہے لیکن کسی محدث نے اس حدیث کو مذکورہ آیت کی تفسیر میں بیان نہیں کیا۔ ○ خود امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کو متعدد مقامات پر ذکر کیا ہے لیکن انھوں نے بھی اسے کتاب التفسیر میں بیان نہیں کیا۔ ○ کسی حدیث میں یہ اشارہ تک نہیں کہ یہ ادھورا بچہ کسی نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے تخت یا کرسی پر لا کر ڈال دیا ہو۔ یہ مفسرین کا اپنی طرف سے اضافہ ہے۔ یہ بات یقینی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی آزمائش کا

---

① صٓ 38:35. ② الأعراف 7:27. ③ صٓ 38:34.

تعلق اسی بات سے ہے۔ اب اس بے جان دھڑ سے کیا مراد ہے؟ اس کے متعلق کوئی معقول توجیہ ہمیں ابھی تک دستیاب نہیں ہوسکی، البتہ مفسرین کی بے سروپا اور غیر معقول باتوں سے ہمیں اتفاق نہیں ہے جو انھوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف منسوب کی ہیں۔ باعث تعجب ہے کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ جیسے ثقہ محدث نے بھی انھیں نقل کر کے خاموشی اختیار کی ہے۔ ② روایات میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی بیویوں کی تعداد مختلف بیان ہوئی ہے۔ جمع کی صورت یہ ہے کہ بیویاں ساٹھ تھیں اور ان سے زائد عورتیں لونڈیاں تھیں۔ واللہ أعلم.

٣٤٢٥ - حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ: حَدَّثَنَا أَبِي: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ التَّيْمِيُّ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي ذَرٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! أَيُّ مَسْجِدٍ وُضِعَ أَوَّلُ؟ قَالَ: «الْمَسْجِدُ الْحَرَامُ»، قُلْتُ: ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ: «ثُمَّ الْمَسْجِدُ الْأَقْصَى»، قُلْتُ: كَمْ كَانَ بَيْنَهُمَا؟ قَالَ: «أَرْبَعُونَ»، ثُمَّ قَالَ: «حَيْثُمَا أَدْرَكَتْكَ الصَّلَاةُ فَصَلِّ وَالْأَرْضُ لَكَ مَسْجِدٌ». [راجع: ٣٣٦٦]

[3425] حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! سب سے پہلے کون سی مسجد بنائی گئی ہے؟ آپ نے فرمایا: ''مسجد حرام۔'' میں نے عرض کیا: اس کے بعد کون سی؟ آپ نے فرمایا: ''مسجد اقصیٰ۔'' میں عرض کیا: ان دونوں کی تعمیر کا درمیانی عرصہ کتنا تھا؟ آپ نے فرمایا: ''چالیس (سال)۔'' پھر آپ نے فرمایا: ''جس جگہ بھی نماز کا وقت آ جائے فوراً نماز پڑھ لو۔ تمھارے لیے تمام روئے زمین مسجد ہے۔''

فوائد ومسائل: ① اس حدیث میں مسجد اقصیٰ کا ذکر ہے جس کی بنائے اول بہت قدیم ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کی تجدید فرمائی، اس طرح مسجد حرام کی بھی بنائے اول بہت قدیم ہے مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے لخت جگر حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اس کی تجدید فرمائی۔ دونوں عمارتوں کی پہلی بنیادوں میں چالیس سال کا فاصلہ ہے۔ ممکن ہے کہ کعبہ مکرمہ کو سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام نے تعمیر کیا ہو مگر جب ان کی اولاد ارض مقدس تک پھیل گئی تو چالیس سال بعد مسجد اقصیٰ کی بنیاد رکھ دی گئی ہو۔ ② مسجد اقصیٰ کا نام اس لیے رکھا گیا کہ یہ بیت اللہ سے کافی فاصلے پر ہے یا اس لیے کہ یہ مبارک خطہ خباثت اور ارتداد سے پاک ہے۔ ایک روایت میں چالیس کے عدد کے بعد ''سال'' کی صراحت بھی ہے۔[1]

٣٤٢٦ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ: حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ حَدَّثَهُ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «مَثَلِي وَمَثَلُ النَّاسِ كَمَثَلِ رَجُلٍ

[3426] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''میری اور لوگوں کی مثال اس شخص جیسی ہے جو آگ جلائے تو پروانے اور کیڑے پتنگے اس میں گرنے لگیں۔''

1 صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، حديث: 3366.

اسْتَوْقَدَ نَارًا فَجَعَلَ الْفَرَاشُ وَهٰذِهِ الدَّوَابُّ تَقَعُ فِي النَّارِ».

٣٤٢٧ - وَقَالَ: «كَانَتِ امْرَأَتَانِ مَعَهُمَا ابْنَاهُمَا جَاءَ الذِّئْبُ فَذَهَبَ بِابْنِ إِحْدَاهُمَا فَقَالَتْ صَاحِبَتُهَا: إِنَّمَا ذَهَبَ بِابْنِكِ، وَقَالَتِ الْأُخْرٰى: إِنَّمَا ذَهَبَ بِابْنِكِ، [فَتَحَاكَمَتَا] إِلٰى دَاوُدَ فَقَضٰى بِهِ لِلْكُبْرٰى، فَخَرَجَتَا عَلٰى سُلَيْمَانَ ابْنِ دَاوُدَ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ فَأَخْبَرَتَاهُ فَقَالَ: ائْتُونِي بِالسِّكِّينِ أَشُقُّهُ بَيْنَهُمَا، فَقَالَتِ الصُّغْرٰى: لَا تَفْعَلْ يَرْحَمُكَ اللهُ، هُوَ ابْنُهَا، فَقَضٰى بِهِ لِلصُّغْرٰى».

[3427] پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''دو عورتیں تھیں، جن کے ساتھ ان کے دو بچے بھی تھے۔ بھیڑیا آیا اور ان میں سے ایک کے بچے کو اٹھا کر لے گیا۔ اس کی سہیلی نے کہا: بھیڑیا تیرے بچے کو لے گیا ہے۔ دوسری بولی: نہیں، وہ بھیڑیا تیرا بچہ لے گیا ہے۔ پھر دونوں حضرت داود علیہ السلام کے پاس مقدمہ لے کر گئیں اور انھیں واقعہ سے مطلع کیا تو انھوں نے بڑی عورت کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ پھر وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس آئیں اور ان سے واقعہ عرض کیا تو انھوں نے کہا: میرے پاس چھری لاؤ تاکہ میں بچے کے دو ٹکڑے (کر کے ان کے درمیان تقسیم) کر دوں۔ چھوٹی نے کہا: اللہ تعالیٰ آپ پر رحم کرے! آپ ایسا نہ کریں۔ یہ اسی کا بیٹا ہے (اس کو دے دیں)۔ تب حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس (بچے) کا فیصلہ چھوٹی کے حق میں کر دیا۔''

قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: وَاللهِ إِنْ سَمِعْتُ بِالسِّكِّينِ إِلَّا يَوْمَئِذٍ وَّمَا كُنَّا نَقُولُ إِلَّا الْمُدْيَةَ. [انظر: ٦٧٦٩]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! میں نے اس دن چھری کا نام سکین سنا تھا۔ ہم اسے ''مدیہ'' کہا کرتے تھے۔

فوائد و مسائل: ① زندہ رہنے والا بچہ بڑی عورت کے پاس تھا اور چھوٹی عورت کے پاس اپنے دعویٰ کے ثبوت کے لیے کوئی دلیل نہیں تھی، اس لیے حضرت داود علیہ السلام نے اپنے اجتہاد سے بڑی کے حق میں فیصلہ دے دیا لیکن فہم و فراست کسی کی میراث نہیں بلکہ یہ اللہ کا عطیہ ہے وہ جسے چاہتا ہے دے دیتا ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے فہم و بصیرت کے خزانے سے وافر حصہ عطا کیا تھا جیسا کہ قرآن کریم نے بھی اشارہ کیا ہے۔[1] انھوں نے چھوٹی عورت کی گھبراہٹ دیکھی تو حقیقت حال معلوم کرنے کے لیے ایک حیلہ نکالا، چنانچہ اس کے نتیجے میں وہ معاملے کی تہ تک پہنچ گئے اور وہ بچہ چھوٹی کے حوالے کر دیا۔ ② چھری کو مدیہ اس لیے کہتے ہیں کہ یہ حیوان کی مدتِ حیات ختم کر دیتی ہے اور سکین اس لیے کہتے ہیں کہ اس کے ذریعے سے حیوان کی حرکت کو ساکن کر دیا جاتا ہے۔

---

1 الأنبيآء 79:21.

(٤١) بَابُ قَوْلِ اللهِ تَعَالَى: ﴿وَلَقَدْ ءَاتَيْنَا لُقْمَٰنَ ٱلْحِكْمَةَ﴾ إِلَى قَوْلِهِ: ﴿عَظِيمٌ﴾ [لقمان: ١٢، ١٣]

باب: 41- ارشاد باری تعالیٰ: ''اور یقیناً ہم نے لقمان کو حکمت عطا کی ...... (بے شک شرک تو ظلم) عظیم ہے'' کا بیان

﴿وَلَا تُصَعِّرْ﴾ [لقمان: ١٨]: الْإِعْرَاضُ بِالْوَجْهِ.

﴿وَلَا تُصَعِّرْ﴾ تصعر کے معنی ہیں: روگردانی کرنا

وضاحت: آیات کا ترجمہ مندرجہ ذیل ہے: ''اور بلاشبہ ہم نے لقمان کو حکمت دی تھی کہ تو اللہ کا شکر کر، اور جو کوئی شکر کرے تو یقیناً وہ اپنی ہی ذات کے لیے شکر کرتا ہے، اور جس نے ناشکری کی تو بلاشبہ اللہ بے پروا ہے، تعریف کیا ہوا ہے۔ اور (یاد کریں) جب لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا تھا، جبکہ وہ اسے نصیحت کر رہا تھا: اے میرے پیارے بیٹے! تو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرا، بے شک شرک تو بہت بڑا ظلم ہے۔''[1] ان آیات کے بعد حضرت لقمان علیہ السلام کی حکمت بھری نصیحتوں کا ذکر ہے۔ قارئین کرام سے گزارش ہے کہ وہ سورۂ لقمان کی آیت: 19 تک کا ضرور مطالعہ کریں۔

٣٤٢٨ - حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَلْقَمَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ: لَمَّا نَزَلَتْ ﴿ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَلَمْ يَلْبِسُوٓا۟ إِيمَٰنَهُم بِظُلْمٍ﴾ [الأنعام: ٨٢] قَالَ أَصْحَابُ النَّبِيِّ ﷺ: أَيُّنَا لَمْ يَلْبِسْ إِيمَانَهُ بِظُلْمٍ، فَنَزَلَتْ ﴿لَا تُشْرِكْ بِٱللَّهِ إِنَّ ٱلشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ﴾ [لقمان: ١٣] [راجع: ٣٢]

[3428] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: جب یہ آیت نازل ہوئی: ''جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کو ظلم سے آلودہ نہ کیا......'' نبی ﷺ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ہم میں سے کون ایسا ہے جس نے اپنے ایمان کو ظلم سے آلودہ نہ کیا ہو تو یہ آیت نازل ہوئی: ''اللہ کے ساتھ شرک نہ کر کیونکہ شرک ظلم عظیم ہے۔''

٣٤٢٩ - حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ: أَخْبَرَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَلْقَمَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: لَمَّا نَزَلَتْ ﴿ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَلَمْ يَلْبِسُوٓا۟ إِيمَٰنَهُم بِظُلْمٍ﴾ شَقَّ ذَٰلِكَ عَلَى الْمُسْلِمِينَ فَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ! أَيُّنَا لَا يَظْلِمُ نَفْسَهُ؟ قَالَ: «لَيْسَ ذَٰلِكَ إِنَّمَا

[3429] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے، انھوں نے کہا: جب یہ آیت نازل ہوئی: ''جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کو ظلم سے آلودہ نہ کیا......'' تو مسلمانوں (صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم) پر بہت شاق گزری اور عرض کرنے لگے: اللہ کے رسول! ہم میں سے کون ایسا ہے جس نے اپنی جان پر ظلم نہ کیا ہو؟ آپ نے فرمایا: ''اس سے مراد

1 لقمٰن 31:12،13.

هُوَ الشِّرْكُ، أَلَمْ تَسْمَعُوا مَا قَالَ لُقْمَانُ لِابْنِهِ وَهُوَ يَعِظُهُ ﴿يَٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِٱللَّهِ إِنَّ ٱلشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ﴾ [لقمان: ١٣]. [راجع: ٣٢]

عام ظلم نہیں بلکہ شرک مراد ہے۔ کیا تم نے حضرت لقمان کا قول نہیں سنا جو انھوں نے اپنے لخت جگر کو نصیحت کرتے ہوئے کہا تھا: اے پیارے بیٹے! شرک نہ کرنا کیونکہ شرک ظلم عظیم ہے۔"

فوائد و مسائل: ① حضرت لقمان عرب کے ایک دانا اور صاحب بصیرت انسان تھے۔ شعرائے عرب کے کلام میں ان کا ذکر ملتا ہے۔ بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ انھوں نے حضرت داود علیہ السلام کا زمانہ پایا اور ان سے فیض بھی حاصل کیا۔ ② اس کے متعلق علمائے امت میں اختلاف ہے کہ آیا وہ نبی تھے یا عام صاحب بصیرت انسان۔ جمہور کا کہنا ہے کہ وہ ایک دانا حکیم تھے، نبی نہیں تھے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کے اختیار کردہ اسلوب سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جمہور کے فیصلے سے اختلاف کر رہے ہیں اور وہ انھیں حضرات انبیائے کرام علیہم السلام میں شمار کرتے ہیں کیونکہ ایمان کی دعوت اور شرک سے ممانعت صرف نبی ہی کر سکتا ہے، لیکن یہ کوئی نبوت کی اتنی مضبوط دلیل نہیں ہے۔ ایمان کی دعوت اور شرک سے ممانعت، ایک نبی کا امتی بھی یہ فریضہ ادا کر سکتا ہے۔ ③ بہرحال صحابۂ کرام نے لفظ "ظلم" کو عام معنوں میں لیا جو شرک اور غیر شرک سب کو شامل ہے لیکن آیت کریمہ سے ظلم کو شرک کے ساتھ خاص کر دیا گیا اور بطور دلیل ایک آیت کو بھی پیش کیا گیا۔

(٤٢) بَابٌ: ﴿وَٱضْرِبْ لَهُم مَّثَلًا أَصْحَٰبَ ٱلْقَرْيَةِ﴾ [يس: ١٣] الْآيَةَ.

باب: 42- (ارشاد باری تعالیٰ:) آپ ان کے لیے بستی والوں کی مثال بیان کریں....." کا بیان

﴿فَعَزَّزْنَا﴾ [١٤]: قَالَ مُجَاهِدٌ: شَدَّدْنَا. وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ﴿طَٰٓئِرُكُم﴾ [١٩]: مَصَائِبُكُمْ.

مجاہد نے ﴿فَعَزَّزْنَا﴾ کی تفسیر شَدَّدْنَا سے کی ہے، یعنی ہم نے ان کو قوت دی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ﴿طَائِرُكُمْ﴾ سے مراد "تمھاری مصیبتیں" ہیں۔

وضاحت: مکمل آیات کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں: "اور آپ ان کے لیے بستی والوں کی مثال بیان کیجیے جب ان کے پاس (اللہ کے) بھیجے ہوئے آئے۔ جب ہم نے ان کی طرف دو (رسول) بھیجے تو انھوں نے انھیں جھٹلایا، پھر ہم نے (انھیں) تیسرے کے ساتھ تقویت دی، تب انھوں نے کہا: بلاشبہ ہم تمھاری طرف بھیجے گئے (رسول) ہیں۔"[1] ان آیات سے مقصود کفار مکہ کو سمجھانا ہے کیونکہ بستی والوں کے حالات میں ان سے بہت سی باتوں میں مماثلت پائی جاتی تھی۔ آخر کار بستی والوں نے انھیں کہہ دیا: اگر تم اس وعظ و نصیحت سے باز نہ آئے تو ہم تمھیں سنگسار کر دیں گے اور ہمارے ہاتھوں تمھیں دردناک سزا ملے گی۔[2] چونکہ ان کی دعوت چند دنوں پر مشتمل نہ تھی بلکہ یہ عرصہ کئی سالوں پر محیط تھا اور ان کی دعوت کا چرچا بستی کے باہر مضافات میں بھی پھیل چکا تھا، چنانچہ باہر سے ایک مرد صالح اٹھا اور اس نے انتہائی ہمدردی اور خیر خواہی کے جذبے سے اپنی قوم کو سمجھایا، نیز اپنے ایمان کا

① یٰسٓ 36:13، 14۔ ② یٰسٓ 36:18۔

برملا اعلان بھرے مجمع میں کیا تو انھوں نے اسے فوراً قتل کر دیا۔ چونکہ وہ صحیح معنوں میں شہید تھا اور اس نے اللہ کے دین کی خاطر اپنی جان، جان آفریں کے حوالے کر دی تھی، اس لیے فرشتوں نے شہید ہوتے ہی اسے خوشخبری دے دی کہ جنت تمھاری منتظر ہے۔ اس میں داخل ہو جاؤ۔ یہ بیان بہت ہی ایمان افروز اور دلنشین ہے۔ قارئین کرام سے گزارش ہے کہ وہ سورۂ یٰسین آیت: 14 سے آیت: 32 تک ضرور مطالعہ کریں۔ امام بخاری رحمہ اللہ کے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ واقعات قبل مسیح کے ہیں۔ انھوں نے اس عنوان کے تحت کوئی مرفوع حدیث پیش نہیں کی بلکہ صرف آیات پر اکتفا کیا ہے۔ ممکن ہے انھیں کوئی حدیث اپنی شرائط کے مطابق نہ ملی ہو۔ اب یہ سوالات کہ وہ بستی کون سی تھی؟ یا رسول کون سے تھے؟ تیسرا تائید کنندہ کون تھا؟ نیز اس کی حیثیت رسول کی تھی یا نمائندۂ رسول کی، یعنی مبلغ کی؟ پھر وہ مرد صالح جسے شہید کر دیا گیا تھا اس کا نام کیا تھا؟ ان کے متعلق قرآن و حدیث میں کوئی صراحت نہیں ملتی کیونکہ ان میں سے کوئی بھی چیز مقصود بالذات نہیں جس کی تحقیق ضروری ہو۔ اکثر مفسرین نے بستی کا نام انطاکیہ بتایا ہے لیکن آثار و قرائن اس کی تائید نہیں کرتے کیونکہ اس بستی کو ایک دھماکے سے تباہ کر دیا گیا تھا جیسا کہ قرآن کریم میں اس کی صراحت ہے۔[1] موجودہ انطاکیہ شہر میں تباہی کے کوئی اثرات یا کھنڈرات موجود نہیں جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے۔[2]

(٤٣) بَابُ قَوْلِ اللهِ تَعَالَى: ﴿ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهُۥ زَكَرِيَّآ﴾ إِلَى قَوْلِهِ: ﴿لَمْ نَجْعَل لَّهُۥ مِن قَبْلُ سَمِيًّا﴾ [مريم: ٢-٧].

باب: 43- ارشاد باری تعالیٰ: ''(یہ) آپ کے رب کی رحمت کا ذکر ہے جو اس نے اپنے بندے زکریا پر کی تھی ...... ہم نے اس سے پہلے اس کا کوئی ہم نام نہیں بنایا'' کا بیان

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: مِثْلًا، يُقَالُ ﴿رَضِيًّا﴾ [٦]: مَرْضِيًّا، ﴿عِتِيًّا﴾ [٨]: عَصِيًّا، عَتَا، يَعْتُو.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ﴿سَمِيًّا﴾ کے معنی ہیں: مثال۔ کہا جاتا ہے کہ ﴿رَضِيًّا﴾ کے معنی پسندیدہ اور ﴿عِتِيًّا﴾ کے معنی نافرمان ہیں۔ عَتَا يَعْتُو اس کا باب ہے۔

﴿قَالَ رَبِّ أَنَّىٰ يَكُونُ لِى غُلَٰمٌ وَكَانَتِ ٱمْرَأَتِى عَاقِرًا وَقَدْ بَلَغْتُ مِنَ ٱلْكِبَرِ عِتِيًّا﴾ إِلَى قَوْلِهِ: ﴿ثَلَٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا﴾ [١٠]: وَيُقَالُ: صَحِيحًا.

(نیز فرمایا:) ''اس (حضرت زکریا علیہ السلام) نے کہا: میرے رب! میرے ہاں لڑکا کیسے پیدا ہوگا جبکہ میری بیوی بانجھ ہے اور میں خود بڑھاپے کی انتہا کو پہنچ چکا ہوں ...... تو تین رات تک (لوگوں سے کلام نہ کر سکے گا۔'') ﴿سَوِيًّا﴾ کے معنی صحیح اور تندرست کے ہیں۔

﴿فَخَرَجَ عَلَىٰ قَوْمِهِۦ مِنَ ٱلْمِحْرَابِ فَأَوْحَىٰٓ إِلَيْهِمْ

(فرمایا:) ''چنانچہ حضرت زکریا اپنے حجرے سے نکل کر

1 یٰسٓ 36:29. 2 فتح الباري: 569/6.

أَنْ سَبِّحُوا بُكْرَةً وَعَشِيًّا﴾ [١١] فَأَوْحٰى : فَأَشَارَ. ﴿يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ﴾ إِلٰى قَوْلِهِ : ﴿وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا﴾ [مريم: ١٢-١٥] ﴿حَفِيًّا﴾ [مريم: ٤٧]: لَطِيفًا، ﴿عَاقِرًا﴾ [٨]: الذَّكَرُ وَالْأُنْثٰى سَوَاءٌ.

اپنی قوم کے پاس آئے تو انھیں اشارہ کیا کہ صبح و شام تسبیح بیان کیا کرو۔" اَوْحٰی کے معنی ہیں: اشارہ کرنا۔

(نیز فرمایا:) "اے یحییٰ! کتاب کو مضبوطی سے پکڑو...... اور جب دوبارہ اٹھائے جائیں گے۔" ﴿حَفِيًّا﴾ کے معنی مہربان اور ﴿عَاقِرًا﴾ کے بانجھ ہیں۔ (یہ) مذکر اور مؤنث دونوں کے لیے آتا ہے۔

وضاحت: عنوان میں درج کردہ آیت کا ترجمہ حسب ذیل ہے: "یہ آپ کے رب کی اپنے بندے زکریا پر رحمت کا ذکر ہے۔ جب اس نے اپنے رب کو نہایت آہستہ آواز سے پکارا تھا۔ زکریا نے کہا: اے میرے رب! بے شک میری ہڈیاں کمزور ہوگئیں اور میرا سر بڑھاپے (کی سفیدی) سے بھڑک اٹھا اور اے میرے رب! میں تجھ سے دعا کر کے کبھی محروم نہیں رہا۔ اور بے شک میں اپنے پیچھے قرابت داروں سے ڈرتا ہوں، اور میری بیوی بانجھ ہے، چنانچہ تو مجھے اپنے پاس سے ایک وارث عطا کر جو میرا وارث بنے اور آل یعقوب کا وارث بنے اور اے میرے رب! تو اسے پسندیدہ بنا۔ (اللہ نے فرمایا:) اے زکریا! بے شک ہم تجھے ایک لڑکے کی خوش خبری دیتے ہیں، جس کا نام یحییٰ ہے۔ ہم نے اس سے پہلے اس کا کوئی ہم نام نہیں بنایا۔"[1] حضرت زکریا علیہ السلام بے اولاد تھے، خود بوڑھے، ناتواں اور بیوی بانجھ تھی، اولاد کی کوئی توقع نہ تھی کیونکہ ظاہری اسباب کا فقدان تھا مگر اولاد کی خواہش ضرور تھی۔ جب انھوں نے حضرت مریم علیہا السلام کے پاس بغیر موسم کے پھل دیکھے اور مریم کا ان کے متعلق جواب سنا تو فوراً خیال آیا کہ اللہ تعالیٰ تو ظاہری اسباب سے بلند خرق عادت امور پر بھی قادر ہے، کیوں نہ اپنے لیے اولاد کی دعا کر لوں مگر دعا چپکے چپکے کی تاکہ بڑھاپے میں طلب اولاد پر آپ کو ملامت نہ کی جائے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ بڑھاپے نے آپ کی آواز ہی کمزور کر دی ہو، چنانچہ ایک دفعہ آپ جب محراب میں کھڑے نماز ادا کر رہے تھے تو فرشتوں نے آپ کو بیٹے کی خوشخبری دی جس کی درج ذیل صفات بیان کیں: * اس کا نام اللہ کی طرف سے تجویز کردہ ہوگا اور اس سے پہلے اس نام کا کوئی آدمی پیدا نہیں ہوا ہوگا۔ * کلمۃ اللہ، یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کرے گا۔ * بنی اسرائیل کا سردار ہوگا اور ان کی اصلاح کرے گا۔ * وہ حصور ہوگا، یعنی عورتوں کی طرف اسے رغبت نہیں ہوگی اور نہ گناہوں کی طرف اس کا دھیان ہی ہوگا۔ * وہ پاکباز لوگوں میں سے ہوگا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ نبی ہوگا۔ حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ علیہما السلام کے حالات معلوم کرنے کے لیے سورۂ آل عمران آیت: 38 تا 41 اور سورۂ مریم آیت: 2 تا 15 کا مطالعہ کیا جائے۔

٣٤٣٠ - حَدَّثَنَا هُدْبَةُ بْنُ خَالِدٍ : حَدَّثَنَا هَمَّامُ ابْنُ يَحْيٰى : حَدَّثَنَا قَتَادَةُ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، عَنْ مَالِكِ بْنِ صَعْصَعَةَ : أَنَّ نَبِيَّ اللهِ ﷺ

[3430] حضرت مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو شب معراج کا واقعہ بیان فرمایا: "جب حضرت جبریل علیہ السلام اوپر چڑھے حتی کہ وہ

[1] مریم 19:2-7.

حَدَّثَهُمْ عَنْ لَيْلَةَ أُسْرِيَ (بِهِ) «ثُمَّ صَعِدَ حَتَّى أَتَى السَّمَاءَ الثَّانِيَةَ فَاسْتَفْتَحَ، قِيلَ : مَنْ هٰذَا؟ قَالَ : جِبْرِيلُ، قِيلَ : وَمَنْ مَّعَكَ؟ قَالَ : مُحَمَّدٌ، قِيلَ : وَقَدْ أُرْسِلَ إِلَيْهِ؟ قَالَ : نَعَمْ، فَلَمَّا خَلَصْتُ فَإِذَا يَحْيٰى وَعِيسٰى وَهُمَا ابْنَا خَالَةٍ. قَالَ : هٰذَا يَحْيٰى وَعِيسٰى فَسَلِّمْ عَلَيْهِمَا، فَسَلَّمْتُ فَرَدَّا ثُمَّ قَالَا : مَرْحَبًا بِالْأَخِ الصَّالِحِ وَالنَّبِيِّ الصَّالِحِ». [راجع: ٣٢٠٧]

دوسرے آسمان پر آئے، پھر دروازہ کھولنے کے لیے کہا گیا تو پوچھا گیا: یہ کون ہے؟ کہا: میں جبریل ہوں۔ پھر پوچھا گیا: تمھارے ساتھ کون ہے؟ انھوں نے کہا: حضرت محمد ﷺ ہیں۔ دریافت کیا گیا: کیا انھیں (آپ ﷺ کو) بلایا گیا تھا؟ کہا: جی ہاں۔ (رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:) پھر جب میں وہاں پہنچا تو حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ ﷺ وہاں موجود تھے۔ یہ دونوں آپس میں خالہ زاد بھائی ہیں۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ یحییٰ اور عیسیٰ ﷺ ہیں، آپ انھیں سلام کریں۔ میں نے انھیں سلام کیا تو انھوں نے جواب دیا۔ پھر ان دونوں نے فرمایا: ''اے نیک سیرت بھائی اور خوش خصال نبی! خوش آمدید۔''

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کا ذکر خیر ہے۔ اسی مناسبت سے امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے بیان کیا ہے۔ ② حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ حضرت مریم علیہا السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کی والدہ حضرت ایشاع بنت حنا ہیں۔ یہ دونوں مادری بہنیں ہیں، اس بنا پر یہ دونوں آپس میں خالہ زاد بھائی ہیں۔ یہ قرابت ہی ان دونوں کے دوسرے آسمان میں اکٹھے رہنے کا سبب بنی ہے۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے، حضرت مریم کی کفالت کی تھی، قرابت داری کے علاوہ روحانی تعلق بھی تھا، اس لیے حضرت زکریا، ان کے لخت جگر حضرت یحییٰ علیہ السلام، نیز حضرت مریم اور ان کے جگر گوشے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قرآن میں یکجا ذکر آتا ہے۔

(٤٤) بَابُ قَوْلِ اللهِ تَعَالَى: ﴿وَٱذْكُرْ فِى ٱلْكِتَـٰبِ مَرْيَمَ إِذِ ٱنتَبَذَتْ مِنْ أَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا﴾ [مريم: ١٦] ﴿إِذْ قَالَتِ ٱلْمَلَـٰٓئِكَةُ يَـٰمَرْيَمُ إِنَّ ٱللَّهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ﴾ [آل عمران: ٤٥] ﴿إِنَّ ٱللَّهَ ٱصْطَفَىٰٓ ءَادَمَ وَنُوحًا وَءَالَ إِبْرَٰهِيمَ وَءَالَ عِمْرَٰنَ عَلَى ٱلْعَـٰلَمِينَ﴾ إِلَى قَوْلِهِ: ﴿يَرْزُقُ مَن يَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ [آل عمران: ٣٣-٣٧]

باب: 44- ارشاد باری تعالیٰ: ''اس کتاب میں مریم کا بھی ذکر کیجیے، جب وہ اپنے گھر والوں سے الگ مشرقی جانب گوشہ نشین ہوئیں۔'' (فرمایا:) ''جب فرشتوں نے (مریم سے) کہا: اے مریم! یقیناً اللہ تعالیٰ تجھے اپنے کلمے کی بشارت دیتا ہے۔'' (نیز فرمایا:) ''اللہ تعالیٰ نے آدم کو، نوح کو، آل ابراہیم کو اور آل عمران کو تمام اہل جہان میں سے منتخب کیا ہے...... بلاشبہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے'' کا بیان

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ﴿وَءَالَ عِمْرَٰنَ﴾: الْمُؤْمِنُونَ مِنْ آلِ إِبْرَاهِيمَ وَآلِ عِمْرَانَ وَآلِ يَاسِينَ وَآلِ مُحَمَّدٍ ﷺ يَقُولُ: ﴿إِنَّ أَوْلَى ٱلنَّاسِ بِإِبْرَٰهِيمَ لَلَّذِينَ ٱتَّبَعُوهُ﴾ [آل عمران: ٦٨] وَهُمُ الْمُؤْمِنُونَ، وَيُقَالُ: آلُ يَعْقُوبَ أَهْلُ يَعْقُوبَ فَإِذَا صَغَّرُوا آلَ رَدُّوهُ إِلَى الْأَصْلِ قَالُوا: أُهَيْلٌ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: آل عمران سے مراد ایماندار لوگ ہیں جو عمران کی اولاد سے ہوں، جیسے آل ابراہیم، آل یاسین اور آل محمد ﷺ سے بھی وہی لوگ مراد ہیں جو اہل ایمان ہوں، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''ابراہیم کے زیادہ قریب وہ لوگ ہیں جنھوں نے ان کی پیروی کی۔'' اور وہ لوگ اہل ایمان ہی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ آل یعقوب سے مراد اہل یعقوب ہیں۔ جب لفظ آل کی تصغیر بنائی جاتی ہے تو اسے اصل کی طرف رد کر کے اُہیل کہا جاتا ہے۔

وضاحت: حضرت یحییٰ علیہ السلام کی خرق عادت پیدائش کے بیان کے بعد اب سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی معجزانہ پیدائش کے بیان کا آغاز ہو رہا ہے۔ حضرت مریم بیت المقدس کے مشرقی جانب ایک حجرے میں گوشہ نشین ہو کر اللہ کی عبادت میں مشغول رہا کرتی تھیں، پھر اس کمرے میں بھی ایک پردہ ڈال لیا تھا تاکہ دوسرے لوگوں سے الگ تھلگ ہو کر پوری یکسوئی سے اللہ کے ذکر اور اس کی عبادت میں مصروف رہیں، ایک دن اچانک حضرت جبریل ایک نوجوان اور خوبصورت مرد کی شکل میں اس پردہ کے مقام پر ظاہر ہوئے تو حضرت مریم سخت خوفزدہ ہوئیں۔ ان سے کہنے لگیں: ''اگر تمھیں اللہ کا خوف ہے تو میں تم سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں۔ فرشتے نے جواب دیا: میں تو تمھارے پروردگار کا بھیجا ہوا ہوں اور اس لیے آیا ہوں کہ تمھیں ایک پاک سیرت لڑکا دوں۔ وہ بولیں: میرے ہاں لڑکا کیسے ہوگا جبکہ مجھے کسی انسان نے چھوا تک نہیں اور میں بدکار بھی نہیں ہوں؟ فرشتے نے جواب دیا: ہاں ایسا ہی ہوگا۔ تمھارے پروردگار نے فرمایا ہے کہ میرے لیے یہ آسان سی بات ہے۔''[1] قارئین کرام سورۂ مریم آیت: 21 تا 34 کا ضرور مطالعہ کریں۔

٣٤٣١ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: حَدَّثَنِي سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ قَالَ: قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «مَا مِنْ بَنِي آدَمَ مَوْلُودٌ إِلَّا يَمَسُّهُ الشَّيْطَانُ حِينَ يُولَدُ فَيَسْتَهِلُّ صَارِخًا مِنْ مَسِّ الشَّيْطَانِ، غَيْرَ مَرْيَمَ وَابْنِهَا». ثُمَّ يَقُولُ أَبُو هُرَيْرَةَ: ﴿وَإِنِّىٓ أُعِيذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ ٱلشَّيْطَٰنِ ٱلرَّجِيمِ﴾ [آل عمران: ٣٦]. [راجع: ٣٢٨٦]

[3431] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا: ''بنو آدم میں سے جب کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے تو پیدائش کے وقت اسے شیطان چھوتا ہے اور بچہ شیطان کے مس کرنے کی وجہ سے چیخنے لگتا ہے۔ مریم اور ان کے بیٹے حضرت عیسیٰ کے علاوہ۔'' پھر ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا (اس کی وجہ یہ دعا ہے:) ''میں اسے (مریم) اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔''

---

[1] مریم 19:21.

فوائد و مسائل: ① ایک حدیث میں ہے کہ جب بھی بچہ پیدا ہوتا ہے شیطان اس کے پہلو میں اپنی انگلی مارتا ہے لیکن حضرت عیسیٰ ﷤ اس سے محفوظ رہے۔[1] ② اس حدیث میں حضرت مریم کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ دراصل پہلی حدیث میں بچے کے پہلو میں انگلی مارنے کے اعتبار سے حصر تھا اور اس حدیث میں مس کے لحاظ سے حصر ہے اور یہ دونوں حکم مختلف اور الگ الگ ہیں۔ واللہ أعلم.

(٤٥) بَابٌ: ﴿وَإِذْ قَالَتِ الْمَلَٰٓئِكَةُ يَٰمَرْيَمُ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰكِ﴾ الْآيَةَ إِلَى قَوْلِهِ ﴿أَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ﴾ [آل عمران: ٤٢-٤٤]

باب: 45- (ارشاد باری تعالیٰ:) ”اور جب فرشتوں نے (مریم سے) کہا: اے مریم! اللہ تعالیٰ نے تمھیں چن لیا ہے...... مریم کی کفالت کون کرے گا“ کا بیان

يُقَالُ: يَكْفُلُ: يَضُمُّ، كَفَلَهَا: ضَمَّهَا، مُخَفَّفَةٌ لَيْسَ مِنْ كَفَالَةِ الدُّيُونِ وَشِبْهِهَا.

کہا جاتا ہے: یَکْفُلُ ”ملاتا ہے۔“ کَفَلَهَا ”اس کو ملایا“ اسے فا کی تخفیف سے پڑھا جائے۔ اسے قرض وغیرہ کی کفالت نہ خیال کیا جائے۔

وضاحت: عنوان میں درج کردہ آیات کا ترجمہ حسب ذیل ہے: ”اور (یاد کرو) جب فرشتوں نے کہا: اے مریم! بے شک اللہ نے تجھے چن لیا ہے اور تجھے پاکیزگی عطا کی ہے اور دنیا بھر کی عورتوں میں سے تجھے منتخب کیا ہے۔ اے مریم! اپنے رب کی فرمانبرداری کر، سجدہ کر اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کر۔ (اے نبی!) یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں اور آپ اس وقت ان کے پاس موجود نہ تھے جب وہ اپنے قلم ڈال رہے تھے کہ ان میں سے کون مریم کا سرپرست ہو اور نہ آپ اس وقت ان کے پاس تھے جب وہ آپس میں جھگڑ رہے تھے۔“[2] آخری آیت کریمہ میں لفظ یکفل دو طرح سے پڑھا گیا ہے۔ فا کی تخفیف اور تشدید کے ساتھ۔ دونوں متواتر قراءات ہیں۔ امام بخاری ﷫ فرماتے ہیں: جب اسے تخفیف سے پڑھا جائے گا تو اس کے معنی ملانا اور سرپرستی کرنا ہیں۔ یہ قرضوں کی ضمانت کے معنی میں نہیں، چنانچہ حضرت زکریا ﷤ نے حضرت مریم ﷙ کی کفالت اپنے ذمے لی کیونکہ وہ یتیم تھیں۔ اس عنوان میں بھی حضرت مریم کے حالات بیان کرنا مقصود ہے۔

٣٤٣٢ - حَدَّثَنِي أَحْمَدُ بْنُ أَبِي رَجَاءٍ: حَدَّثَنَا النَّضْرُ عَنْ هِشَامٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبِي قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ جَعْفَرٍ قَالَ: سَمِعْتُ عَلِيًّا رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ:

[3432] حضرت علی ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ”دنیا کی عورتوں میں سے سب سے بہتر مریم بنت عمران ہیں۔ اور سب خواتین سے بہتر حضرت خدیجہ ہیں۔“

---

1 صحيح البخاري، بدء الخلق، حديث: 3286. 2 آل عمران 3:42-44.

«خَيْرُ نِسَائِهَا مَرْيَمُ ابْنَةُ عِمْرَانَ، وَخَيْرُ نِسَائِهَا خَدِيجَةُ». [انظر: ٣٨١٥]

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں حضرت مریم بنت عمران کی فضیلت بیان ہوئی ہے لیکن اس فضیلت کے باوجود آپ نبیہ نہیں ہیں کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''آپ سے پہلے ہم نے جتنے رسول بھیجے وہ آدمی ہی ہوتے تھے۔''[1] حضرت مریم، عورت ہونے کی وجہ سے نبیہ نہیں ہیں کیونکہ حضرات انبیاء ؑ تمام کے تمام آدمیوں سے آئے ہیں۔ نسائی میں حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جنت کی عورتوں میں سے افضل سیدہ خدیجہ، فاطمہ، مریم اور آسیہ ہیں۔''[2] نیز مستدرک حاکم میں حضرت حذیفہ ؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس فرشتہ آیا اور اس نے بشارت دی کہ حضرت فاطمہ ؓ جنت میں عورتوں کی سردار ہوں گی۔[3]

(٤٦) بَابُ قَوْلِ اللهِ تَعَالَى: ﴿إِذْ قَالَتِ ٱلْمَلَٰٓئِكَةُ يَٰمَرْيَمُ إِنَّ ٱللَّهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ٱسْمُهُ ٱلْمَسِيحُ عِيسَى ٱبْنُ مَرْيَمَ﴾ إِلَى قَوْلِهِ: ﴿كُن فَيَكُونُ﴾ [آل عمران: ٤٥-٤٧]

باب: 46- ارشاد باری تعالیٰ: ''جب فرشتوں نے کہا: اے مریم! بلاشبہ اللہ تجھے اپنے کلمے کی بشارت دیتا ہے جس کا نام عیسیٰ ابن مریم ہوگا...... ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے'' کا بیان

يَبْشُرُكِ وَيُبَشِّرُكِ وَاحِدٌ. ﴿وَجِيهًا﴾: شَرِيفًا. وَقَالَ إِبْرَاهِيمُ: الْمَسِيحُ: الصِّدِّيقُ، وَقَالَ مُجَاهِدٌ: الْكَهْلُ: الْحَلِيمُ. وَ﴿ٱلْأَكْمَهَ﴾ [٤٩]: مَنْ يُبْصِرُ بِالنَّهَارِ وَلَا يُبْصِرُ بِاللَّيْلِ. وَقَالَ غَيْرُهُ: مَنْ يُولَدُ أَعْمَى.

يَبْشُرُكِ اور يُبَشِّرُكِ کے معنی ایک ہیں۔ ﴿وَجِيهًا﴾ شریف۔ اور ابراہیم نخعی نے کہا: اَلْمَسِيح کے معنی راست باز کے ہیں۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں: اَلْكَهْل کے معنی بردبار اور ﴿ٱلْأَكْمَهَ﴾ وہ ہے جو دن کو دیکھے لیکن رات کو نہ دیکھ سکے۔ مجاہد کے علاوہ دوسرے حضرات کہتے ہیں: جو مادر زاد اندھا ہو اسے اکمہ کہا جاتا ہے۔

وضاحت: عنوان میں درج کردہ آیات کا ترجمہ حسب ذیل ہے: ''جب فرشتوں نے کہا: اے مریم! بے شک اللہ تجھے اپنی طرف سے ایک کلمے کی خوشخبری دیتا ہے۔ اس کا نام مسیح عیسیٰ ابن مریم ہوگا۔ وہ دنیا اور آخرت میں بڑے مرتبے والا اور اللہ کے قریبی بندوں میں سے ہوگا۔ اور وہ لوگوں سے ماں کی گود میں اور بڑی عمر میں بھی کلام کرے گا اور نیکوکاروں میں سے ہوگا۔ مریم نے کہا: اے میرے رب! میرے ہاں لڑکا کیسے ہوگا، حالانکہ مجھے کسی شخص نے نہیں چھوا؟ فرشتے نے کہا: اسی طرح اللہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، جب وہ کسی کام کا فیصلہ کر لیتا ہے تو اسے صرف یہ کہتا ہے کہ ہو جا، تو وہ ہو جاتا ہے۔''[4] اس عنوان میں حضرت

---

① النمل 44:27. ② السنن الكبرى للنسائي: 93/5، طبع دار الكتب العلمية، بيروت. ③ المستدرك على الصحيحين: 164/3. ④ آل عمران 3:45-47.

مریم اور عیسیٰ علیہ السلام دونوں کے حالات بیان ہوں گے۔ واضح رہے کہ انسانی مخلوق کی چار قسمیں ہیں: ○ ماں اور باپ دونوں سے پیدا ہونے والے۔ عام انسان اسی قسم سے تعلق رکھتے ہیں۔ ○ بغیر باپ کے پیدا ہونا: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش خرق عادت ہے، یعنی بغیر باپ کے پیدا ہوئے۔ ○ بغیر ماں کے پیدا ہونا: حضرت حوا کو حضرت آدم علیہ السلام کی پسلی سے ماں کے بغیر ہی پیدا کیا گیا۔ ○ ماں اور باپ دونوں کے بغیر پیدا ہونا: حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے براہ راست مٹی سے پیدا کیا، ان کی ماں یا باپ نہیں تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مسیح اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ زمین میں سیاحت کرنے والے تھے یا ہاتھ پھیر کر بیماروں کو تندرست کر دیتے تھے۔ اور دجال کو مسیح اس لیے کہتے ہیں کہ وہ ساری دنیا کا چکر کاٹے گا یا اس کی ایک آنکھ مٹی ہوئی ہوگی۔

٣٤٣٣ - حَدَّثَنَا آدَمُ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَمْرِو ابْنِ مُرَّةَ قَالَ: سَمِعْتُ مُرَّةَ الْهَمْدَانِيَّ يُحَدِّثُ عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «فَضْلُ عَائِشَةَ عَلَى النِّسَاءِ كَفَضْلِ الثَّرِيدِ عَلَى سَائِرِ الطَّعَامِ، كَمُلَ مِنَ الرِّجَالِ كَثِيرٌ وَلَمْ يَكْمُلْ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَرْيَمُ بِنْتُ عِمْرَانَ وَآسِيَةُ امْرَأَةُ فِرْعَوْنَ». [راجع: ٣٤١١]

[3433] حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے فرمایا: ''عورتوں پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت ایسی ہے جیسے تمام کھانوں پر ثرید کی۔ اور مَردوں میں سے تو بہت کامل ہو گزرے ہیں لیکن عورتوں میں مریم بنت عمران اور فرعون کی بیوی آسیہ کے سوا اور کوئی کامل پیدا نہیں ہوئی۔''

فوائد و مسائل: ① یہ حدیث پہلے بھی گزر چکی ہے۔ واضح رہے کہ ثرید کی فضیلت باقی کھانوں پر اس لیے ہے کہ اس میں غذائیت، لذت، طاقت اور چبانے میں سہولت ہوتی ہے، نیز یہ زود ہضم ہوتا ہے۔ ② اس حدیث سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت اور برتری ثابت ہوتی ہے۔ آپ حسن خلق، شیریں کلام اور رائے کی پختگی میں درجۂ کمال کو پہنچی ہوئی تھیں۔ ③ اس حدیث میں کمال سے مراد ولایت کا آخری درجہ ہے جو نبوت سے نیچے ہوتا ہے کیونکہ نبوت صرف مردوں کے لیے ہے کوئی عورت منصب نبوت پر فائز نہیں ہوئی اگرچہ ابوالحسن اشعری سے منقول ہے کہ چھ عورتیں نبیہ ہیں: حوا، سارہ، ام موسیٰ، ہاجرہ، آسیہ اور مریم لیکن ان کا موقف اجماع امت کے خلاف ہے۔ واللہ أعلم.

٣٤٣٤ - وَقَالَ ابْنُ وَهْبٍ: أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ: حَدَّثَنِي سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ: أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «نِسَاءُ قُرَيْشٍ خَيْرُ نِسَاءٍ رَكِبْنَ الْإِبِلَ، أَحْنَاهُ عَلَى طِفْلٍ، وَأَرْعَاهُ عَلَى زَوْجٍ فِي ذَاتِ

[3434] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''قریش کی عورتیں ان تمام عورتوں (عربی خواتین) سے بہتر ہیں جو اونٹ پر سوار ہوتی ہیں۔ یہ سب عورتوں سے زیادہ اپنے بچوں پر شفقت کرتی ہیں اور اپنے شوہر کے مال کا

يَدِهِ». يَقُولُ أَبُو هُرَيْرَةَ عَلَى إِثْرِ ذٰلِكَ: وَلَمْ تَرْكَبْ مَرْيَمُ بِنْتُ عِمْرَانَ بَعِيرًا قَطُّ.

زیادہ خیال رکھنے والی ہیں۔" یہ حدیث بیان کرنے کے بعد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ مریم بنت عمران کبھی اونٹ پر سوار نہیں ہوئیں۔

تَابَعَهُ ابْنُ أَخِي الزُّهْرِيِّ وَإِسْحَاقُ الْكَلْبِيُّ عَنِ الزُّهْرِيِّ. [انظر: ٥٠٨٢، ٥٣٦٥]

امام زہری رحمہ اللہ کے بھتیجے اور اسحاق کلبی نے زہری سے روایت کرنے میں یونس کی متابعت کی ہے۔

فائدہ: اس حدیث میں قریشی عورتوں کی واضح فضیلت ہے کہ وہ اپنی اولاد پر بہت شفقت کرتی ہیں اور ان کی اچھی تربیت کرتی ہیں۔ اپنے شوہر کے مال میں اس کے حق کی رعایت کرتی اور اس کی حفاظت کرتی ہیں۔ اسے بطور امانت محفوظ رکھتی ہیں، فضول خرچی نہیں کرتیں اور نہایت سنجیدگی سے اسے خرچ کرتی ہیں، جبکہ کچھ احادیث سے حضرت مریم علیہا السلام کی برتری ثابت ہوتی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی وضاحت سے بظاہر تعارض کو دور کیا گیا ہے کہ عرب عورتوں میں سے قریش کی عورتوں کو افضل قرار دیا گیا ہے کیونکہ عرب عورتیں ہی اونٹوں پر سوار ہوتی ہیں۔ حضرت مریم علیہا السلام نے تو کبھی اونٹ پر سواری نہیں کی کیونکہ گھر میں خدمت میں لگی رہیں، کبھی سفر کے لیے نہیں نکلیں، یعنی وہ تو عرب عورتوں میں شامل ہی نہیں تو حضرت خدیجہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما پر ان کی فضیلت کیسے لازم آئے گی؟ حضرت مریم کی اس فضیلت کے باوجود وہ نبیہ نہیں کیونکہ قرآن کریم کی صراحت کے مطابق نبوت، مردوں کے ساتھ خاص ہے۔ والله أعلم.

(٤٧) بَابُ قَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ﴾ إِلَى ﴿وَكِيلًا﴾ [النساء: ١٧١]

باب: 47- ارشاد باری تعالیٰ: "اے اہل کتاب! تم اپنے دین میں غلو نہ کرو......" اور اللہ بطور کارساز کافی ہے" کا بیان

قَالَ أَبُو عُبَيْدٍ: كَلِمَتُهُ كُنْ فَكَانَ. وَقَالَ غَيْرُهُ: ﴿وَرُوحٌ مِنْهُ﴾ أَحْيَاهُ فَجَعَلَهُ رُوحًا، ﴿وَلَا تَقُولُوا ثَلَاثَةٌ﴾.

ابو عبیدہ نے کہا: اس (اللہ) کا کلمہ "کن" ہے جسے کہنے سے کام ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ دوسروں نے کہا ہے: "روح منہ" کے معنی ہیں: اللہ نے ان کو زندہ کیا اور اس میں روح پھونکی۔ "اور تم تین الٰہ نہ کہو۔"

وضاحت: اس عنوان میں ولادت عیسیٰ کا ذکر ہے کہ انھیں باپ کے بغیر صرف کلمۂ کن کے ذریعے سے پیدا کیا۔ گویا حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی دوسروں کی طرح اللہ کی مخلوق ہیں تو انھیں معبود قرار دینا کیسے درست ہو سکتا ہے۔ آیت کریمہ میں اللہ کی روح سے مراد یہ نہیں کہ خود اللہ کی ذات حضرت عیسیٰ میں حلول کر گئی جو گمراہ عیسائیوں کا عقیدہ ہے بلکہ یہ تشریفی اضافت ہے جیسا کہ بیت اللہ میں ہے کیونکہ اس کا قطعاً مطلب یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ وہاں رہتا ہے۔ نعوذ باللہ، بلکہ اس سے مراد وہ گھر جہاں اللہ کی

عبادت کی جاتی ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق بھی قرآن میں ہے کہ میں نے اس میں اپنی روح پھونکی،[1] چنانچہ اس مقام پر روح سے مراد ایسی پھونک ہے جو اللہ کے حکم سے پھونکی گئی۔ واللّٰہ أعلم.

٣٤٣٥ - حَدَّثَنَا صَدَقَةُ بْنُ الْفَضْلِ: حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ: حَدَّثَنِي عُمَيْرُ بْنُ هَانِيءٍ قَالَ: حَدَّثَنِي جُنَادَةُ بْنُ أَبِي أُمَيَّةَ، عَنْ عُبَادَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَنْ شَهِدَ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ وَأَنَّ عِيسٰى عَبْدُ اللهِ وَرَسُولُهُ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلٰى مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِّنْهُ، وَالْجَنَّةُ حَقٌّ وَّالنَّارُ حَقٌّ أَدْخَلَهُ اللهُ الْجَنَّةَ عَلٰى مَا كَانَ مِنَ الْعَمَلِ».

[3435] حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''جس نے یہ گواہی دی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، وہ یکتا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور حضرت محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، نیز وہ اللہ کا ایسا کلمہ ہیں جسے مریم صدیقہ تک پہنچایا اور اس کی طرف سے روح ہیں، جنت بھی حق ہے اور دوزخ بھی حق ہے، تو اس نے جو بھی عمل کیا ہوگا اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل کرے گا۔''

قَالَ الْوَلِيدُ: حَدَّثَنِي ابْنُ جَابِرٍ عَنْ عُمَيْرٍ، عَنْ جُنَادَةَ وَزَادَ: «مِنْ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ الثَّمَانِيَةِ أَيِّهَا شَاءَ».

ایک روایت میں یہ اضافہ ہے: ''ایسا شخص جنت کے آٹھوں دروازوں میں سے جس سے چاہے گزرے گا۔''

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کی طرف سے روح ہیں، اس سے یہ وہم نہ کیا جائے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا جز اور اس کا حصہ ہیں جیسا کہ کچھ عیسائیوں کا عقیدہ ہے بلکہ اس مقام پر من ابتدا کے معنی دیتا ہے۔ اس کے حصہ ہونے کے معنی نہیں دیتا، یعنی یہ روح اللہ کی طرف سے تھی اگرچہ پھونک تو حضرت جبریل نے ماری تھی لیکن یہ سب کچھ اللہ کے حکم سے تھا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اور جو کچھ زمین و آسمان میں ہے سب کچھ اسی کی طرف سے ہے، اس نے تمھارے لیے کام پر لگا رکھا ہے۔''[2] اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ تمام چیزیں اللہ کا جز ہیں، اسی طرح حضرت عیسیٰ کے متعلق روح منه کا مطلب یہ نہیں کہ وہ اللہ کا جز ہیں بلکہ وہ روح، اللہ کی طرف سے ہے۔ دراصل عیسائیوں کے عقیدۂ تثلیث کی تردید مقصود ہے۔ یہ ایک ایسا عقیدہ ہے جس پر عقل اور نقل سے کوئی صحیح اور معقول دلیل پیش نہیں کی جاسکتی لیکن افسوس کہ عیسائی دنیا اسی باطل عقیدے پر جمی ہوئی ہے۔ ② اس حدیث کے مطابق یہ عقیدہ رکھنے والا شخص مختار ہے جنت کے جس دروازے سے چاہے داخل ہو۔ لیکن وہ دیکھے گا کہ جو دروازہ اس کے لیے مختص ہے، وہ اس کے حق میں دوسروں سے افضل ہے تو وہ اسے پسند کرے گا اور اپنے اختیار سے جنت میں داخل ہوگا۔ اس میں نہ تو وہ مجبور ہوگا اور نہ اس کو کوئی داخل ہونے سے منع ہی کرے گا۔

---

1 الحجر 29:15. ② الجاثية 13:45.

(٤٨) بَابُ قَوْلِ اللهِ تَعَالَى: ﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مَرْيَمَ إِذِ انتَبَذَتْ مِنْ أَهْلِهَا﴾ [مريم:١٦]

باب: 48- ارشاد باری تعالیٰ: ''اور اس کتاب میں مریم کا ذکر کیجیے جب وہ اپنے گھر والوں سے الگ ہوگئیں'' کا بیان

﴿فَنَبَذْنَهُ﴾ [الصافات:١٤٥] أَلْقَيْنَاهُ: اعْتَزَلَتْ ﴿شَرْقِيًّا﴾ مِمَّا يَلِي الشَّرْقَ، ﴿فَأَجَاءَهَا﴾ [٢٣]: أَفْعَلْتُ مِنْ جِئْتُ، وَيُقَالُ: أَلْجَأَهَا اضْطَرَّهَا. ﴿تُسَاقِطْ﴾[٢٥]: تُسْقِطْ. ﴿قَصِيًّا﴾[٢٢]: قَاصِيًا. ﴿فَرِيًّا﴾ [٢٧]: عَظِيمًا. قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: (نِسْيًا): لَمْ أَكُنْ شَيْئًا. وَقَالَ غَيْرُهُ: النِّسْيُ: الْحَقِيرُ.

﴿فنبذْناهُ﴾ ''ہم نے اسے پھینک دیا۔'' مریم صدیقہ کے متعلق اس لفظ کے معنی ہیں: جب وہ گوشہ نشین ہوگئیں۔ ﴿شَرْقِيًّا﴾ کے معنی ہیں: وہ جانب جو طرف مشرق سے متصل تھی۔ ﴿فَأَجَآءَ هَا﴾ یہ جِئْتُ سے باب افعال ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس کے معنی أَلْجَأَهَا ہیں، یعنی اسے مجبور کر دیا۔ ﴿تُسَاقِطْ﴾ کے معنی گرائے گی۔ ﴿قَصِيًّا﴾ کے معنی بہت دور اور ﴿فَرِيًّا﴾ کے معنی بڑی بات۔ حضرت ابن عباس ؓ نے کہا: نِسْيًا کے معنی: ''میں کوئی چیز نہ ہوتی۔'' ابن عباس ؓ کے علاوہ دوسروں نے اس کے معنی ''حقیر'' کیے ہیں۔

وَقَالَ أَبُو وَائِلٍ: عَلِمَتْ مَرْيَمُ أَنَّ التَّقِيَّ ذُو نُهْيَةٍ حِينَ قَالَتْ: ﴿إِن كُنتَ تَقِيًّا﴾ [١٨]: وَقَالَ وَكِيعٌ عَنْ إِسْرَائِيلَ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنِ الْبَرَاءِ: ﴿سَرِيًّا﴾ [٢٤]: نَهْرٌ صَغِيرٌ بِالسُّرْيَانِيَّةِ.

ابو وائل نے کہا: مریم صدیقہ کو معلوم تھا کہ متقی انسان ہی عقلمند ہوتا ہے جبکہ انھوں نے فرشتے سے کہا تھا: ''اگر تو متقی ہے'' یعنی اگر تو عقلمند ہے۔ (کسی اجنبی عورت سے چھیڑ چھاڑ نہیں کرے گا۔) حضرت وکیع اپنے استاد اسرائیل سے، وہ ابو اسحاق سے اور وہ براء بن عازب ؓ سے بیان کرتے ہیں کہ ﴿سَرِيًّا﴾ سریانی زبان میں چھوٹی نہر کو کہتے ہیں (جبکہ عربی زبان میں سَرِيًّا کے معنی ''سردار'' ہیں۔)

وضاحت: عنوان: 44 سے عنوان: 48 تک تمام ملتے جلتے عنوان قائم کیے گئے ہیں۔ حافظ ابن حجر ؒ نے لکھا ہے: آخری عنوان حضرت عیسیٰ ؑ کے واقعات کے لیے خاص ہے جبکہ باقی عناوین میں ان کی والدہ حضرت مریم ؑ کے حالات بیان ہوئے ہیں۔[1] لیکن ہمارا رجحان یہ ہے کہ پہلے عنوان میں حضرت مریم ؑ کے حالات بتانا مقصود تھا جبکہ دوسرا عنوان بھی حالات مریم پر مشتمل ہے لیکن اس کی نوعیت پہلے سے مختلف ہے۔ تیسرے اور چوتھے عنوان میں ولادت عیسیٰ کا ذکر ہے اور اس آخری

[1] فتح الباري: 584/6.

عنوان میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حالات بیان ہوں گے۔ واللّٰه أعلم. قارئین سے گزارش ہے کہ وہ ولادت عیسیٰ کے متعلق سورۂ مریم کی آیت: 15 تا 36 کا مطالعہ ضرور کریں۔

٣٤٣٦ - حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ: حَدَّثَنَا جَرِيرُ بْنُ حَازِمٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «لَمْ يَتَكَلَّمْ فِي الْمَهْدِ إِلَّا ثَلَاثَةٌ: عِيسٰى، وَكَانَ فِي بَنِي إِسْرَائِيلَ رَجُلٌ يُقَالُ لَهُ: جُرَيْجٌ، كَانَ يُصَلِّي جَاءَتْهُ أُمُّهُ فَدَعَتْهُ فَقَالَ: أُجِيبُهَا أَوْ أُصَلِّي، فَقَالَتِ: اللّٰهُمَّ لَا تُمِتْهُ حَتّٰى تُرِيَهُ وُجُوهَ الْمُومِسَاتِ، وَكَانَ جُرَيْجٌ فِي صَوْمَعَتِهِ فَتَعَرَّضَتْ لَهُ امْرَأَةٌ فَكَلَّمَتْهُ فَأَبٰى فَأَتَتْ رَاعِيًا فَأَمْكَنَتْهُ مِنْ نَفْسِهَا فَوَلَدَتْ غُلَامًا فَقَالَتْ: مِنْ جُرَيْجٍ، فَأَتَوْهُ فَكَسَرُوا صَوْمَعَتَهُ وَأَنْزَلُوهُ وَسَبُّوهُ فَتَوَضَّأَ وَصَلّٰى ثُمَّ أَتَى الْغُلَامَ فَقَالَ: مَنْ أَبُوكَ يَا غُلَامُ؟ فَقَالَ: الرَّاعِي، قَالُوا: نَبْنِي صَوْمَعَتَكَ، مِنْ ذَهَبٍ. قَالَ: لَا، إِلَّا مِنْ طِينٍ، وَكَانَتِ امْرَأَةٌ تُرْضِعُ ابْنًا لَّهَا مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ فَمَرَّ بِهَا رَجُلٌ رَّاكِبٌ ذُو شَارَةٍ فَقَالَتْ: اللّٰهُمَّ اجْعَلِ ابْنِي مِثْلَهُ فَتَرَكَ ثَدْيَهَا فَأَقْبَلَ عَلَى الرَّاكِبِ، فَقَالَ: اللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْنِي مِثْلَهُ، ثُمَّ أَقْبَلَ عَلٰى ثَدْيِهَا يَمُصُّهُ».

[3436] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''صرف تین بچوں نے گہوارے (پنگورے، جھولے) میں گفتگو کی ہے: حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے۔ دوسرے بنی اسرائیل میں جریج نامی ایک شخص تھا، وہ نماز پڑھ رہا تھا کہ اس کی ماں آئی اور اس نے اسے بلایا۔ جریج نے (دل میں) سوچا کہ نماز پڑھوں یا والدہ کو جواب دوں (آخر اس نے جواب نہ دیا)۔ اس کی والدہ نے بددعا دی اور کہا: اے اللہ! یہ اس وقت تک نہ مرے تا آنکہ تو اسے زنا کار عورتوں کی صورت دکھائے۔ پھر ایسا ہوا کہ جریج اپنے عبادت خانے میں تھا، ایک فاحشہ عورت آئی اور اس نے بدکاری کے متعلق گفتگو کی لیکن جریج نے انکار کر دیا۔ پھر وہ ایک چرواہے کے پاس گئی تو اس سے منہ کالا کیا۔ آخر اس نے ایک بچہ جنم دیا اور یہ کہہ دیا کہ بچہ جریج کا ہے، چنانچہ لوگ جریج کے پاس آئے اور اس کے عبادت خانے کو توڑ پھوڑ دیا، اسے نیچے اتارا اور خوب گالیاں دیں۔ جریج نے وضو کیا اور نماز پڑھی، پھر اس بچے کے پاس آ کر کہا: اے بچے! تیرا باپ کون ہے؟ اس نے کہا: فلاں چرواہا۔ یہ حال دیکھ کر لوگوں نے کہا: ہم تیرا عبادت خانہ سونے (کی اینٹوں) سے بنا دیتے ہیں۔ اس نے کہا: نہیں، مٹی سے ہی (بنا دو)۔ تیسرے یہ کہ بنی اسرائیل کی ایک عورت اپنے بچے کو دودھ پلا رہی تھی کہ اِدھر سے ایک خوش وضع سوار گزرا تو عورت اسے دیکھ کر کہنے لگی: اے اللہ! تو میرے بچے کو بھی ایسا کر دے۔ اس بچے نے ماں کا پستان چھوڑ کر سوار کی طرف منہ کر کے کہا: اے اللہ! مجھے اس جیسا نہ کرنا۔ پھر وہ اپنی ماں کا پستان چوسنے لگا۔''

قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ يَمُصُّ إِصْبَعَهُ. «ثُمَّ مُرَّ بِأَمَةٍ فَقَالَتْ: اللَّهُمَّ لَا تَجْعَلِ ابْنِي مِثْلَ هٰذِهِ، فَتَرَكَ ثَدْيَهَا وَقَالَ: اللَّهُمَّ اجْعَلْنِي مِثْلَهَا، فَقَالَتْ: لِمَ ذَاكَ؟ فَقَالَ: الرَّاكِبُ جَبَّارٌ مِّنَ الْجَبَابِرَةِ وَهٰذِهِ الْأَمَةُ يَقُولُونَ: سَرَقْتِ، زَنَيْتِ، وَلَمْ تَفْعَلْ». [راجع: ١٢٠٦]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: گویا میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھ رہا ہوں وہ اپنی انگلی چوس کر دودھ پینے کی کیفیت بیان کر رہے ہیں۔ "پھر ایک لونڈی ادھر سے گزری تو ماں نے کہا: اے اللہ! میرے بیٹے کو اس جیسا نہ کرنا۔ بچے نے پھر پستان چھوڑ کر کہا: اے اللہ! مجھے اس جیسا کر دے۔ اس کی ماں نے کہا: میرے بچے بات کیا ہے؟ بچے نے کہا: وہ سوار متکبرین میں سے ایک متکبر اور خود پسند تھا اور یہ لونڈی بے قصور ہے۔ لوگ اسے کہتے ہیں کہ تو نے چوری کی ہے، تو نے زنا کیا ہے، حالانکہ اس نے کچھ نہیں کیا۔"

فوائد و مسائل: ① حدیث جریج سے معلوم ہوتا ہے کہ ماں کی خدمت میں عظمت ہے اور بچوں کے حق میں اس کی دعا قبول ہوتی ہے۔ اس کی دل آزاری سے پرہیز کرنا چاہیے، نیز وہ لونڈی جسے بلاوجہ مارا پیٹا جا رہا تھا وہ اللہ تعالیٰ کی نیک بندی تھی۔ ② ان تین بچوں کے علاوہ بھی مختلف احادیث میں بچوں کی گفتگو کا ذکر ہے، مثلاً: صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ گہوارے میں اس بچے نے بھی گفتگو کی تھی جس کی ماں کو "اصحاب الاخدود" آگ کے آلاؤ میں ڈالنے لگے تو وہ کچھ سہم گئی۔ اس وقت شیر خوار بچے نے کہا: اے میری ماں! صبر کر تو حق پر ہے۔"[1] ③ ممکن ہے کہ گہوارے میں صرف تین بچوں نے گفتگو کی ہو اور باقی بچوں نے گہوارے کے علاوہ باتیں کی ہوں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس حدیث میں مذکورہ تین بچوں کے کلام کرنے کا تعلق صرف بنی اسرائیل سے ہو اور باقی بچے غیر بنی اسرائیل سے ہوں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حالات سے آگاہی کے لیے اسے بیان کیا ہے۔ قرآن کریم میں بھی اس کی صراحت ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "پھر وہ (مریم) بچے کو اٹھائے اپنی قوم میں لے آئیں تو وہ کہنے لگے: اے مریم! یقیناً تو نے بہت برا کام کیا ہے۔ اے ہارون کی بہن! نہ تو تیرا باپ کوئی برا آدمی تھا اور نہ تیری ماں ہی بدکار تھی۔ مریم نے اس بچے کی طرف اشارہ کر دیا۔ وہ کہنے لگے: ہم اس سے کیسے کلام کریں جو ابھی گود میں بچہ ہے۔ وہ (بچہ) بول اٹھا: بے شک میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اس نے مجھے کتاب دی اور مجھے نبی بنایا ہے۔"[2]

٣٤٣٧ - حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسٰى: أَخْبَرَنَا هِشَامٌ عَنْ مَعْمَرٍ؛ ح: وَحَدَّثَنَا مَحْمُودٌ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «لَيْلَةَ

[3437] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے فرمایا: "جس رات مجھے آسمانوں کی سیر کرائی گئی تو میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملا۔ آپ ﷺ نے ان کا وصف اس طرح بیان فرمایا کہ وہ مرد، دراز قد اور سیدھے بالوں والے تھے۔ گویا وہ قبیلۂ شنوءہ کے لوگوں

① صحیح مسلم، الزھد والرقائق، حدیث: 7511 (3005). ② مریم 19: 27-30.

أُسْرِيَ بِي لَقِيتُ مُوسٰى - قَالَ: فَنَعَتَهُ - فَإِذَا رَجُلٌ - حَسِبْتُهُ قَالَ -: مُضْطَرِبٌ، رَجِلُ الرَّأْسِ كَأَنَّهُ مِنْ رِجَالِ شَنُوءَةَ، قَالَ: وَلَقِيتُ عِيسٰى - فَنَعَتَهُ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ -: رَبْعَةٌ أَحْمَرُ كَأَنَّمَا خَرَجَ مِنْ دِيمَاسٍ - يَعْنِي الْحَمَّامَ - وَرَأَيْتُ إِبْرَاهِيمَ وَأَنَا أَشْبَهُ وَلَدِهِ بِهِ، قَالَ: وَأُتِيتُ بِإِنَاءَيْنِ، أَحَدُهُمَا لَبَنٌ وَّالْآخَرُ فِيهِ خَمْرٌ، فَقِيلَ لِي: خُذْ أَيَّهُمَا شِئْتَ، فَأَخَذْتُ اللَّبَنَ فَشَرِبْتُهُ، فَقِيلَ لِي: هُدِيتَ الْفِطْرَةَ - أَوْ أَصَبْتَ الْفِطْرَةَ - أَمَا إِنَّكَ لَوْ أَخَذْتَ الْخَمْرَ غَوَتْ أُمَّتُكَ». [راجع: ٣٣٩٤]

میں سے ہیں۔ میں نے حضرت عیسیٰ سے بھی ملاقات کی۔ ان کا میانہ قد اور سرخ رنگ تھا۔ گویا وہ ابھی ابھی حمام سے باہر آئے ہیں۔ میں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی دیکھا۔ میں آپ کی اولاد میں سب سے زیادہ آپ کے ہم شکل ہوں۔ اس دوران میں میرے پاس دو برتن لائے گئے: ایک میں دودھ اور دوسرے میں شراب تھی۔ مجھ سے کہا گیا: ان میں سے جو چاہیں پسند کر لیں تو میں نے دودھ والا برتن لے کر اسے نوش کر لیا۔ مجھ سے کہا گیا: آپ کو فطرت کی راہ دکھائی گئی ہے یا آپ نے فطرت کو پا لیا ہے۔ اگر آپ شراب پی لیتے تو آپ کی امت گمراہ ہو جاتی۔"

فوائد و مسائل: ① بخاری شریف کے بعض نسخوں میں یہ روایت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ ② اس حدیث میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق بیان ہوا کہ ان کا درمیانہ قد تھا اور وہ سرخ رنگ والے تھے۔ ایک دوسری حدیث میں ہے: نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے آج رات سوتے میں کعبہ کے قریب دکھایا، میں نے ایک شخص کو دیکھا جو ایسے گندمی رنگ کا تھا کہ گندمی رنگ والوں میں اس سے بہتر کوئی اور شخص نہ تھا۔ اس کے سر کے بال کان کی لو سے نیچے لٹکے ہوئے دونوں شانوں کے درمیان پڑتے تھے۔ مگر وہ بال سیدھے تھے۔ اس کے سر سے پانی ٹپک رہا تھا۔ وہ اپنے دونوں ہاتھ دو آدمیوں کے شانوں پر رکھے ہوئے بیت اللہ کا طواف کر رہا تھا۔[1] ③ رسول اللہ ﷺ کو جنت کی شراب طہور پیش کی گئی تھی لیکن دنیا کے اعتبار سے اس کی تاویل یہی تھی جو حضرت جبریل علیہ السلام نے بیان فرمائی، بصورت دیگر یہ ناممکن ہے کہ آپ کو پلید اور نجس شراب پیش کی گئی ہو، لہٰذا پیش کی جانے والی شراب کو "شراب طہور" پر ہی محمول کرنا چاہیے جو آپ کے منصب رسالت کے عین مطابق ہے۔ واللّٰه أعلم.

٣٤٣٨ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ: أَخْبَرَنَا إِسْرَائِيلُ: أَخْبَرَنَا عُثْمَانُ بْنُ الْمُغِيرَةِ عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «رَأَيْتُ عِيسٰى وَمُوسٰى وَإِبْرَاهِيمَ، فَأَمَّا عِيسٰى فَأَحْمَرُ جَعْدٌ عَرِيضُ الصَّدْرِ، وَأَمَّا مُوسٰى فَآدَمُ جَسِيمٌ سَبْطٌ كَأَنَّهُ مِنْ

[3438] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے فرمایا: "میں نے (شب معراج) عیسیٰ، موسیٰ اور ابراہیم علیہم السلام کو دیکھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سرخ رنگ، گھٹے بدن اور چوڑے سینے والے ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام گندمی رنگ کے دراز قد سیدھے بالوں والے ہیں، گویا قبیلۂ زُط کے لوگوں میں سے ہیں۔"

1 صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، حديث: 3440.

رِّجَالِ الزُّطِّ».

فوائد ومسائل: ① قبل ازیں حدیث میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا وصف ''مضطرب'' بیان ہوا ہے، جس کے معنی ہیں خفیف اور ہلکا پھلکا جسم اور یہ وصف جسیم کے خلاف ہے جو اس حدیث میں بیان ہوا ہے۔ دراصل جسامت کبھی موٹاپے کو ظاہر کرتی ہے اور کبھی طویل القامت ہونے کو، حضرت موسیٰ علیہ السلام دراز قد تھے، لہٰذا ان پر جسیم کا اطلاق بھی درست ہے، اس لیے فرمایا: گویا وہ قبیلۂ زط کے لوگوں میں سے ہیں کیونکہ ان لوگوں کا تعلق حبشہ سے ہے اور وہ لمبے قد والے ہوتے ہیں۔ ② واضح رہے کہ زط دراصل جٹ کا معرب ہے جنھیں جاٹ بھی کہا جاتا ہے۔ برصغیر میں یہ لوگ دراز قد، جسامت اور طاقت میں مشہور ہیں۔

٣٤٣٩ - حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ: حَدَّثَنَا أَبُو ضَمْرَةَ: حَدَّثَنَا مُوسَى عَنْ نَافِعٍ، قَالَ عَبْدُ اللهِ: ذَكَرَ النَّبِيُّ ﷺ يَوْمًا بَيْنَ ظَهْرَانَيِ النَّاسِ الْمَسِيحَ الدَّجَّالَ فَقَالَ: «إِنَّ اللهَ لَيْسَ بِأَعْوَرَ، أَلَا إِنَّ الْمَسِيحَ الدَّجَّالَ أَعْوَرُ الْعَيْنِ الْيُمْنَى كَأَنَّ عَيْنَهُ عِنَبَةٌ طَافِيَةٌ». [راجع: ٣٠٥٧]

[3439] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے لوگوں میں ایک دن مسیح دجال کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ یک چشم نہیں، البتہ مسیح دجال دائیں آنکھ سے کانا ہوگا۔ اس کی آنکھ پھولے ہوئے انگور جیسی ہوگی۔''

٣٤٤٠ - «وَأَرَانِي اللَّيْلَةَ عِنْدَ الْكَعْبَةِ فِي الْمَنَامِ فَإِذَا رَجُلٌ آدَمُ كَأَحْسَنِ مَا يُرَى مِنْ أُدْمِ الرِّجَالِ، تَضْرِبُ لِمَّتُهُ بَيْنَ مَنْكِبَيْهِ، رَجِلُ الشَّعْرِ يَقْطُرُ رَأْسُهُ مَاءً، وَاضِعًا يَدَيْهِ عَلَى مَنْكِبَيْ رَجُلَيْنِ وَهُوَ يَطُوفُ بِالْبَيْتِ فَقُلْتُ: مَنْ هٰذَا؟ فَقَالُوا: هٰذَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ، ثُمَّ رَأَيْتُ رَجُلًا وَرَاءَهُ جَعْدًا قَطِطًا أَعْوَرَ الْعَيْنِ الْيُمْنَى كَأَشْبَهِ مَنْ رَأَيْتُ بِابْنِ قَطَنٍ، وَاضِعًا يَدَيْهِ عَلَى مَنْكِبَيْ رَجُلٍ يَطُوفُ بِالْبَيْتِ فَقُلْتُ: مَنْ هٰذَا: فَقَالُوا: الْمَسِيحُ الدَّجَّالُ».

[3440] (اور آپ ﷺ نے فرمایا:) ''اللہ تعالیٰ نے مجھے آج رات سوتے میں کعبہ کے قریب دکھایا، میں نے ایک شخص کو دیکھا جو ایسے گندمی رنگ کا تھا کہ گندمی رنگ والوں میں اس سے بہتر کوئی اور شخص نہ تھا۔ اس کے سر کے بال کان کی لو سے نیچے لٹکے ہوئے دونوں شانوں کے درمیان پڑتے تھے۔ مگر وہ بال سیدھے تھے۔ اس کے سر سے پانی ٹپک رہا تھا۔ وہ اپنے دونوں ہاتھ دو آدمیوں کے شانوں پر رکھے ہوئے بیت اللہ کا طواف کر رہا تھا۔ میں نے کہا: یہ کون ہے؟ تو لوگوں نے بتایا کہ یہ مسیح ابن مریم ہیں۔ پھر میں نے ان کے پیچھے ایک اور شخص کو دیکھا جو بہت سخت پیچ دار (گھنگریالے) بالوں والا، داہنی آنکھ سے کانا اور ابن قطن (کافر) سے بہت ملتا جلتا تھا۔ وہ بھی اپنے دونوں ہاتھ ایک شخص کے دونوں کندھوں پر رکھے کعبہ کا طواف کر رہا تھا۔ میں نے پوچھا: یہ کون ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ مسیح

دجال ہے۔''

تَابَعَهُ عُبَيْدُ اللهِ عَنْ نَافِعٍ. [انظر: ٣٤٤١، ٥٩٠٢، ٦٩٩٩، ٧٠٢٦، ٧١٢٨]

عبیداللہ نے نافع سے بیان کرنے میں موسیٰ کی متابعت کی ہے۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حلیہ بیان ہوا ہے کہ وہ لمبے بالوں والے تھے اور ان کے بال سیدھے تھے جبکہ پہلے (حدیث:3438 میں) ان کی صفت ''جعد'' بیان ہوئی ہے جو گھنگریالے بالوں کو کہا جاتا ہے۔ دراصل اس لفظ کے دو معنی ہیں: ایک بالوں کا وصف اور دوسرا جسم کا کہ وہ مضبوط اور گھٹا ہوا ہو۔ پہلی حدیث میں لفظ جعد سے بالوں کی نہیں بلکہ ان کے جسم کی صفت بیان ہوئی ہے۔ ② اس حدیث کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے دجال کو بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے دیکھا، حالانکہ حرم مکہ میں اس کا داخلہ ممنوع ہے۔ دراصل دجال کا داخلہ مکہ مکرمہ میں اس وقت حرام ہوگا جب وہ خروج کر کے الوہیت کا جھوٹا دعویٰ کرے گا۔ واللہ أعلم.

٣٤٤١ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْمَكِّيُّ قَالَ: سَمِعْتُ إِبْرَاهِيمَ بْنَ سَعْدٍ قَالَ: حَدَّثَنِي الزُّهْرِيُّ عَنْ سَالِمٍ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: لَا وَاللهِ مَا قَالَ النَّبِيُّ ﷺ لِعِيسٰى: أَحْمَرُ، وَلٰكِنْ قَالَ: «بَيْنَمَا أَنَا نَائِمٌ أَطُوفُ بِالْكَعْبَةِ فَإِذَا رَجُلٌ آدَمُ، سَبْطُ الشَّعْرِ يُهَادٰى بَيْنَ رَجُلَيْنِ يَنْطِفُ رَأْسُهُ مَاءً، أَوْ يُهْرَاقُ رَأْسُهُ مَاءً، فَقُلْتُ: مَنْ هٰذَا؟ قَالُوا: ابْنُ مَرْيَمَ، فَذَهَبْتُ أَلْتَفِتُ فَإِذَا رَجُلٌ أَحْمَرُ جَسِيمٌ جَعْدُ الرَّأْسِ أَعْوَرُ عَيْنِهِ الْيُمْنٰى، كَأَنَّ عِنَبَةٌ طَافِيَةٌ، قُلْتُ: مَنْ هٰذَا؟ قَالُوا: هٰذَا الدَّجَّالُ، وَأَقْرَبُ النَّاسِ بِهِ شَبَهًا ابْنُ قَطَنٍ».

[3441] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: اللہ کی قسم! نبی ﷺ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق نہیں فرمایا کہ وہ سرخ رنگ کے تھے بلکہ آپ نے یہ فرمایا تھا: ''اس وقت جب میں بحالت خواب کعبہ کا طواف کر رہا تھا تو اچانک دیکھا کہ ایک آدمی گندمی رنگ کا ہے جس کے بال سیدھے ہیں اور وہ دو آدمیوں کے درمیان چل رہا ہے اور اس کے سر سے پانی ٹپک رہا ہے، میں نے پوچھا: یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا: یہ ابن مریم ہیں۔ میں پیچھے مڑ کر دیکھنے لگا تو مجھے ایک اور شخص نظر آیا جو سرخ رنگ، فربہ جسم اور پیچ دار (گھنگریالے) بالوں والا، دائیں آنکھ سے کانا گویا اس کی آنکھ ایک پھولا ہوا انگور ہے۔ میں نے کہا: یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا: یہ دجال ہے۔ وہ لوگوں میں ابن قطن (کافر) سے زیادہ مشابہت رکھتا تھا۔''

قَالَ الزُّهْرِيُّ: رَجُلٌ مِنْ خُزَاعَةَ هَلَكَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ. [راجع: ٣٤٤٠]

امام زہری نے کہا: ابن قطن قبیلۂ خزاعہ کا ایک آدمی تھا جو دور جاہلیت میں مر گیا تھا۔

فوائد ومسائل: ① حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حلیہ بیان کرتے ہوئے فرمایا: ''وہ سرخ رنگ کے تھے'' جبکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اس سے انکار کرتے ہیں ممکن ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے حضرت عیسیٰ کے متعلق ان الفاظ میں نہ سنا ہو یا سننے کے بعد سہو ونسیان کا شکار ہو گئے ہوں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے دونوں روایات کو اس طرح جمع کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خالص سرخ رنگ کے نہ تھے بلکہ اس میں سفیدی بھی تھی کیونکہ عرب کے ہاں احمر اس سفید آدمی کو کہتے ہیں جس میں سرخ رنگ کی ملاوٹ ہو اور آدم، گندم گوں رنگ والے کو کہا جاتا ہے۔ بلکہ ایک روایت میں صراحت ہے کہ آپ کے رنگ میں سرخ اور سفید کی جھلک تھی۔[1] ② ابن قطن کا نام عبدالعزیٰ بن قطن بن عمرو بن جندب ہے اور اس کی ماں کا نام ہالہ بنت خویلد ہے۔ واللہ أعلم.

٣٤٤٢ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ: أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «أَنَا أَوْلَى النَّاسِ بِابْنِ مَرْيَمَ وَالْأَنْبِيَاءُ أَوْلَادُ عَلَّاتٍ، لَيْسَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ نَبِيٌّ». [انظر: ٣٤٤٣]

[3442] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''میں ابن مریم کے سب لوگوں سے زیادہ قریب ہوں۔ اور تمام انبیاء علیہم السلام باہمی پدری بھائی ہیں۔ میرے اور عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان کوئی نبی نہیں۔''

فوائد ومسائل: ① اقتدا اور پیروی کے لحاظ سے رسول اللہ ﷺ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قریب ہیں اور زمانے اور وقت کے اعتبار سے آپ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قریب ہیں۔ ② حضرات انبیاء علیہم السلام علاتی، یعنی پدری بھائی اس بنا پر ہیں کہ عقیدۂ توحید میں سب متحد ہیں اور توحید بمنزلہ باپ کے ہے کیونکہ تمام شریعتیں اس کی محتاج ہیں، البتہ شریعتیں الگ الگ ہیں۔ شریعت ماں کے قائم مقام ہے۔ علامہ عینی کا کہنا ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام کے اصولی مسائل ایک ہیں، البتہ فروع میں اختلاف ہے۔ اصول ادیان میں توحید سرفہرست ہے۔[2]

٣٤٤٣ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سِنَانٍ: حَدَّثَنَا فُلَيْحُ ابْنُ سُلَيْمَانَ: حَدَّثَنَا هِلَالُ بْنُ عَلِيٍّ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي عَمْرَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أَنَا أَوْلَى النَّاسِ بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، وَالْأَنْبِيَاءُ إِخْوَةٌ لِعَلَّاتٍ، أُمَّهَاتُهُمْ شَتَّى وَدِينُهُمْ وَاحِدٌ».

[3443] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں دنیا اور آخرت میں سب سے زیادہ عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام سے قریب تر ہوں۔ تمام انبیائے کرام علیہم السلام آپس میں پدری بھائی ہیں۔ ان کی مائیں، یعنی شریعتیں مختلف ہیں مگر دین سب کا ایک ہے۔''

---

① سنن أبي داود، الملاحم، حديث: 4324، و فتح الباري: 6/593. ② عمدة القاري: 10/198.

وَقَالَ إِبْرَاهِيمُ بْنُ طَهْمَانَ عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ، عَنْ صَفْوَانَ بْنِ سُلَيْمٍ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ. [راجع: ٣٤٤٢]

ایک دوسری سند سے حضرت عطاء ؒ بھی یہ روایت حضرت ابوہریرہ ؓ سے بیان کرتے ہیں، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

فوائد و مسائل: ① حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قریب تر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے ہی دنیا میں آ کر یہ خوشخبری سنائی کہ میرے بعد نبی آخر الزمان تشریف لا رہے ہیں جن کا اسم گرامی احمد ہے، پھر وہ دوبارہ تشریف لا کر آپ کی شریعت کے تابع ہوں گے اور آپ کے دین کی تبلیغ کریں گے۔ ② پدری بھائی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ عقائد و اصولِ دین میں تمام انبیاء علیہم السلام متفق ہیں، یعنی عقیدۂ توحید سب کا ایک ہے، البتہ فروعات و مسائل میں الگ الگ ہیں، گویا وہ علاتی بھائی ہیں جن کا والد ایک اور مائیں مختلف ہوتی ہیں۔ واللہ أعلم.

٣٤٤٤ - وَحَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «رَأَى عِيسَى رَجُلًا يَسْرِقُ فَقَالَ لَهُ: أَسَرَقْتَ؟ قَالَ: كَلَّا وَالَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ، فَقَالَ عِيسَى: آمَنْتُ بِاللهِ، وَكَذَّبْتُ عَيْنِي».

[3444] حضرت ابوہریرہ ؓ ہی سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ”حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کسی کو چوری کرتے ہوئے دیکھا تو اس سے کہا: کیا تو نے چوری کی ہے؟ اس نے کہا: ہرگز نہیں، اس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں! میں نے ایسا نہیں کیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: میں اللہ پر ایمان لاتا ہوں اور اپنی آنکھ کی تکذیب کرتا ہوں۔“

فوائد و مسائل: ① چونکہ چور نے اللہ کے نام کی قسم اٹھا کر اپنی براءت کا اظہار کیا تھا، اس لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ کے نام کی لاج رکھتے ہوئے اسے سچا خیال کیا اور اپنی آنکھ کو جھوٹا قرار دیا کیونکہ ممکن ہے اس مال مسروقہ میں چوری کرنے والے کا حق ہو یا صرف دیکھنے کے لیے مال پکڑا ہو غصب کرنا مقصود نہ ہو۔ ② حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ظاہری حکم کے اعتبار سے تکذیب کی، باطن حکم میں نہیں کیونکہ کسی چیز کا مشاہدہ یقین و اذعان کی اعلیٰ قسم ہے، اس کی تکذیب کیسے ہو سکتی ہے۔ ③ اس حدیث میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سیرت کا ایک پہلو بیان ہوا ہے، اس لیے امام بخاری ؒ نے اسے یہاں بیان کیا ہے۔

٣٤٤٥ - حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ: سَمِعْتُ الزُّهْرِيَّ يَقُولُ: أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: سَمِعَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ عَلَى الْمِنْبَرِ: سَمِعْتُ

[3445] حضرت عمر ؓ سے روایت ہے، انھوں نے برسر منبر کہا: میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ”مجھے ایسا نہ بڑھاؤ جس طرح نصاریٰ نے عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کو بڑھایا۔ بس میں تو اللہ کا بندہ ہوں، اس لیے تم یوں

النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: «لَا تُطْرُونِي كَمَا أَطْرَتِ النَّصَارَى ابْنَ مَرْيَمَ، فَإِنَّمَا أَنَا عَبْدُهُ فَقُولُوا: عَبْدُ اللهِ وَرَسُولُهُ». [انظر: ٦٨٣٠]

کہا کرو: آپ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔“

فوائد و مسائل: ① رسول اللہ ﷺ نے ہماری رہنمائی فرمائی ہے کہ آپ کی مدح سرائی میں مبالغے سے کام نہ لیا جائے جیسا کہ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو منصب الوہیت تک پہنچایا اور انھیں اللہ کا بیٹا قرار دیا۔ یہ آپ کی تعریف میں انتہائی مبالغہ تھا جس سے آپ نے منع فرمایا۔ ② سورۂ جن میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو ”اللہ کا بندہ“ کہا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”جب اللہ کا بندہ، اپنے اللہ کو پکارنے کے لیے کھڑا ہوا تو لوگ اس پر ٹوٹ پڑنے کے لیے تیار ہو گئے۔“ [1] لیکن افسوس کہ آج نام نہاد مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ کے متعلق مدح سرائی میں اس قدر مبالغہ اور غلو کیا ہے کہ انھیں منصب الوہیت پر پہنچا دیا ہے، چنانچہ مسلمانوں کے ایک طبقے نے رسول اللہ ﷺ کو نورًا من نور اللّٰه قرار دیا اور کچھ لوگوں نے آپ کی مدح سرائی میں انتہائی مبالغہ آمیز اور غلو پر مبنی اشعار کہے، مثلاً:

وہی جو مستویٔ عرش تھا خدا ہو کر
اتر پڑا ہے مدینے میں مصطفیٰ ہو کر

یہود و نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں حلول کا عقیدہ رکھا لیکن ہمارے ہاں مسلمانوں نے حضرات انبیاء علیہم السلام کے علاوہ دوسرے بزرگوں میں بھی اللہ کے حلول کا عقیدہ اپنا لیا، چنانچہ اسی طرح ایک دوسرا شعر ملاحظہ کریں:

اپنا اللہ میاں نے ہند میں نام
رکھ لیا خواجہ غریب نواز

کچھ لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ عقیدہ رکھا ہے کہ وہ اللہ کی ذات کا مظہر ہیں اور اللہ ان کے بدن میں حلول کر گیا ہے۔ حسین بن منصور حلاج پہلا وہ شخص ہے جس نے خود اپنی ذات کے متعلق کھل کر یہ دعویٰ کیا کہ اللہ تعالیٰ اس کی ذات میں حلول کر گیا ہے اور اس نے أنا الحق کا نعرہ بلند کیا۔ سمجھانے کے باوجود جب وہ اپنے عقیدے پر ڈٹا رہا تو خلیفۂ بغداد المقتدر باللہ نے بغداد میں اسے قتل کر کے اس کی لاش کو جلا کر دریا میں پھینک دیا۔ لیکن افسوس کہ حلول کا عقیدہ آج بھی مسلمانوں میں متوارث چلا آ رہا ہے۔ تعالَى اللّٰه عما يقول الظالمون علوًّا كبيرًا.

٣٤٤٦ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ: أَخْبَرَنَا صَالِحُ بْنُ حَيٍّ أَنَّ رَجُلًا مِّنْ أَهْلِ خُرَاسَانَ قَالَ لِلشَّعْبِيِّ، فَقَالَ الشَّعْبِيُّ: أَخْبَرَنِي أَبُو بُرْدَةَ عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ

[3446] حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب کوئی آدمی اپنی لونڈی کی اچھی تربیت کرے اور اسے اچھے طریقے سے تعلیم دے، پھر اس کو آزاد کر کے اس سے نکاح کر لے تو

① الجن 72: 19.

رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِذَا أَدَّبَ الرَّجُلُ أَمَتَهُ فَأَحْسَنَ تَأْدِيبَهَا، وَعَلَّمَهَا فَأَحْسَنَ تَعْلِيمَهَا ثُمَّ أَعْتَقَهَا فَتَزَوَّجَهَا كَانَ لَهُ أَجْرَانِ، وَإِذَا آمَنَ بِعِيسَى، ثُمَّ آمَنَ بِي فَلَهُ أَجْرَانِ، وَالْعَبْدُ إِذَا اتَّقَى رَبَّهُ وَأَطَاعَ مَوَالِيَهُ فَلَهُ أَجْرَانِ». [راجع: ٩٧]

اس کو دوگنا ثواب ملے گا۔ اور جو شخص حضرت عیسیٰ ﷤ پر ایمان لایا، پھر مجھے تسلیم کیا تو اسے بھی دوگنا ثواب ملے گا۔ اور بندہ جب اپنے رب سے ڈرتا ہے اور اپنے آقاؤں کی بھی خدمت گزاری کرتا ہے تو اسے بھی دوگنا ثواب ملے گا۔''

فوائد ومسائل: ① ایک روایت میں ہے اہل کتاب میں سے جو آدمی اپنے نبی پر ایمان لایا ہو، پھر اس نے مجھے تسلیم کیا تو اسے دوگنا ثواب ملے گا۔[1] اس حدیث میں لفظ کتاب اگرچہ عام ہے لیکن اس کے خاص معنی، یعنی انجیل مراد ہے کیونکہ نصرانیت، یہودیت کے لیے ناسخ ہے، اس لیے یہودی مومن کا ایمان حضرت عیسیٰ ﷤ کی بعثت کے بعد معتبر نہیں ہوگا بشرطیکہ اسے حضرت عیسیٰ ﷤ کی دعوت پہنچ چکی ہو۔ چونکہ حضرت عیسیٰ ﷤ کی دعوت تمام لوگوں کے لیے نہ تھی بلکہ وہ صرف بنی اسرائیل کے آخری نبی تھے، اس لیے یہود مدینہ جنھیں ان کی دعوت نہ پہنچی ہو تو اب اگر وہ اپنے نبی حضرت موسیٰ ﷤ کے بعد حضرت محمد ﷺ پر ایمان لے آئیں تو انھیں بھی دوہرا اجر ملے گا بصورت دیگر وہ اس فضیلت کے حق دار نہیں ہوں گے۔ ② خراسان کے ایک شخص نے حضرت شعبی ﷫ سے کہا: اگر کوئی آدمی ام ولد کو آزاد کر کے اس سے نکاح کرے تو ایسا ہے جیسا وہ اپنے قربانی کے جانور پر سوار ہوا تو امام شعبی ﷫ نے اسے یہ حدیث سنائی۔[2] حدیث سنانے کے بعد امام شعبی ﷫ نے فرمایا: ہم نے تجھے یہ حدیث مفت میں سنا دی ہے لوگ تو اس سے کمتر علم کے لیے مدینہ طیبہ کا سفر کرتے تھے، تجھے سفر کے بغیر ہی یہ تحفہ مل گیا ہے۔[3]

٣٤٤٧ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ النُّعْمَانِ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «تُحْشَرُونَ حُفَاةً عُرَاةً غُرْلًا ثُمَّ قَرَأَ: ﴿كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيدُهُ وَعْدًا عَلَيْنَا إِنَّا كُنَّا فَاعِلِينَ﴾ [الأنبياء: ١٠٤] فَأَوَّلُ مَنْ يُكْسَى إِبْرَاهِيمُ، ثُمَّ يُؤْخَذُ بِرِجَالٍ مِّنْ أَصْحَابِي ذَاتَ الْيَمِينِ وَذَاتَ الشِّمَالِ، فَأَقُولُ: أَصْحَابِي، فَيُقَالُ: إِنَّهُمْ لَمْ يَزَالُوا

[3447] حضرت ابن عباس ﷠ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''(قیامت کے دن) تم لوگ ننگے پاؤں، ننگے بدن اور ختنے کے بغیر اٹھائے جاؤ گے۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ''جس طرح ہم نے انھیں پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا اسی طرح ہم دوبارہ بھی پیدا کریں گے۔ یہ ہمارا وعدہ ہے جسے ہم ضرور پورا کریں گے۔'' سب سے پہلے سیدنا ابراہیم ﷤ کو لباس پہنایا جائے گا۔ پھر میرے اصحاب میں سے کچھ لوگوں کو دائیں (جنت کی) جانب لے جایا جائے گا۔ لیکن کچھ کو بائیں (جہنم کی) جانب

1 صحيح البخاري، العلم، حديث: 97. 2 فتح الباري: 6/599. 3 صحيح البخاري، العلم، حديث: 97.

مُرْتَدِّينَ عَلٰى أَعْقَابِهِمْ مُنْذُ فَارَقْتَهُمْ فَأَقُولُ كَمَا قَالَ الْعَبْدُ الصَّالِحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ: ﴿وَكُنتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ ۖ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنتَ أَنتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ ۚ وَأَنتَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ○ إِن تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۖ وَإِن تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾ [المائدة: ۱۱۷، ۱۱۸]

لے جایا جائے گا تو میں کہوں گا: یہ میرے اصحاب ہیں، لیکن مجھے بتایا جائے گا کہ آپ جب ان سے جدا ہوئے تو اس وقت انھوں نے ارتداد اختیار کر لیا تھا۔ میں اس وقت وہی کچھ کہوں گا جو عبد صالح عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام نے کہا تھا: ''جب تک میں ان کے اندر موجود رہا ان کی نگرانی کرتا رہا لیکن جب تو نے مجھے اٹھا لیا تو تو ہی ان کی نگہبانی کرنے والا تھا اور تو ہر چیز پر نگہبان ہے۔ اگر تو انھیں سزا دے تو وہ تیرے ہی بندے ہیں۔ اور اگر تو انھیں معاف فرما دے تو بلاشبہ تو ہی سب پر غالب اور کمال حکمت والا ہے۔''

قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ الْفِرَبْرِيُّ: ذُكِرَ عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ، عَنْ قَبِيصَةَ قَالَ: هُمُ الْمُرْتَدُّونَ الَّذِينَ ارْتَدُّوا عَلٰى عَهْدِ أَبِي بَكْرٍ فَقَاتَلَهُمْ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ. [راجع: ۳۳٤۹]

محمد بن یوسف فربری بیان کرتے ہیں کہ ابوعبداللہ (امام بخاری رحمہ اللہ) نے قبیصہ سے بیان کیا ہے کہ ان سے مراد وہ مرتد لوگ ہیں جنھوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں کفر اختیار کیا تھا، پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان سے جنگ لڑی تھی۔

فوائد و مسائل: ① وہ اہل بدعت بھی حوض کوثر سے روک دیے جائیں گے جنھوں نے بدعات کو رواج دے کر چہرۂ اسلام کو مسخ کر ڈالا تھا کیونکہ ایک روایت میں ہے: ان لوگوں کے لیے دوری ہو جنھوں نے میرے جانے کے بعد میرے دین کو بدل ڈالا۔[1] ② ان تمام احادیث میں کسی نہ کسی پہلو سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر آیا ہے، اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے انھیں اس عنوان کے تحت درج کیا ہے۔ ان سے مقصود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تعارف کروانا اور ان کے حالات بیان کرنا ہے۔ واللّٰہ أعلم.

(٤٩) [بَابُ] نُزُولِ عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ

باب: 49- حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کا آسمان سے نزول فرمانا

٣٤٤٨ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ: أَخْبَرَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ: حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ صَالِحٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ: أَنَّ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ، سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ

[3448] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! عنقریب حضرت عیسیٰ علیہ السلام تمھارے درمیان ایک عادل حاکم کی حیثیت سے نازل

① صحيح البخاري، الرقاق، حديث: 6584.

ﷺ: «وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَيُوشِكَنَّ أَنْ يَنْزِلَ فِيكُمُ ابْنُ مَرْيَمَ حَكَمًا عَدْلًا، فَيَكْسِرَ الصَّلِيبَ وَيَقْتُلَ الْخِنْزِيرَ، وَيَضَعَ الْجِزْيَةَ، وَيَفِيضَ الْمَالُ حَتّٰى لَا يَقْبَلَهُ أَحَدٌ، حَتّٰى تَكُونَ السَّجْدَةُ الْوَاحِدَةُ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا». ثُمَّ يَقُولُ أَبُو هُرَيْرَةَ: وَاقْرَؤُوا إِنْ شِئْتُمْ ﴿وَإِن مِّنْ أَهْلِ ٱلْكِتَٰبِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِۦ قَبْلَ مَوْتِهِۦ ۖ وَيَوْمَ ٱلْقِيَٰمَةِ يَكُونُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا﴾ [النساء: ١٥٩]. [راجع: ٢٢٢٢]

ہوں گے۔ وہ صلیب کو توڑ ڈالیں گے، خنزیر کو قتل کریں گے اور جزیہ موقوف کر دیں گے۔ اس وقت مال و دولت کی فراوانی ہوگی حتی کہ اسے کوئی بھی قبول نہیں کرے گا۔ اس وقت کا ایک سجدہ دنیا اور اس کی ساری نعمتوں سے قیمتی ہو گا۔" پھر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر چاہو تو یہ آیت پڑھو: "اور کوئی بھی اہل کتاب ایسا نہیں ہوگا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات سے پہلے ان پر ایمان نہ لے آئے اور وہ قیامت کے دن ان پر گواہ ہوں گے۔"

فوائد و مسائل: ① آیت کریمہ کا مطلب یہ ہوا کہ قیامت کے قریب جو یہود و نصاریٰ ہوں گے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کے زمانے میں نازل ہوں گے۔ اس وقت تمام اہل کتاب ان پر ایمان لے آئیں گے۔ صلیب توڑنے سے مراد نصرانیت کو ختم کرنا ہے۔ ساری دنیا میں صرف ایک ہی دین، یعنی اسلام نافذ ہوگا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسلام کے علاوہ کسی دوسرے دین کو قبول نہیں کریں گے۔ ان کے نازل ہونے سے پہلے جزیہ (ٹیکس) باقی رہے گا کیونکہ ہم مال کے محتاج ہیں جبکہ ان کے نازل ہونے کے بعد اس قدر مال کی بہتات ہو جائے گی کہ جزیے وغیرہ کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں ہوگی، اس لیے اسے ختم کر دیا جائے گا، نیز جب اہل کتاب مسلمان ہو جائیں گے تو جزیہ کن لوگوں سے لینا ہے۔ عدل و انصاف کے باعث برکات نازل ہوں گی اور خیرات کی بارشیں ہوں گی۔ اس وقت زمین اپنے تمام خزانے باہر نکال دے گی۔ چونکہ اس وقت کوئی بھی مال و دولت کی طرف خیال نہیں کرے گا، اس لیے اس زمانے میں اللہ کا قرب مال خرچ کرنے سے نہیں بلکہ عبادات بدنیہ سے ملے گا، حتی کہ ایک سجدہ دنیا و مافیہا سے بڑھ کر ہوگا۔ ② بہر حال قرب قیامت کے وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان سے نازل ہونے پر امت اسلامیہ کا اجماع ہے اور اس سلسلے میں احادیث حد تواتر کو پہنچتی ہیں جنھیں ہم آئندہ بیان کریں گے۔

٣٤٤٩ - حَدَّثَنَا ابْنُ بُكَيْرٍ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ يُونُسَ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ نَافِعٍ مَّوْلٰى أَبِي قَتَادَةَ الْأَنْصَارِيِّ: أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «كَيْفَ أَنْتُمْ إِذَا نَزَلَ ابْنُ مَرْيَمَ فِيكُمْ وَإِمَامُكُمْ مِنْكُمْ؟».

[3449] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تمھاری اس وقت کیسی شان ہوگی جب تمھارے درمیان عیسیٰ ابن مریم نازل ہوں گے اور تمھارا امام تم میں سے ہوگا؟"

تَابَعَهُ عُقَيْلٌ وَّالْأَوْزَاعِيُّ. [راجع: ٢٢٢٢]

عقیل اور اوزاعی نے یونس کی متابعت کی ہے۔

فوائد و مسائل: ① "تمھارا امام تم میں سے ہوگا۔" نزول مسیح کے وقت نماز ادا کرنے کا وقت ہوگا اور جماعت تمھارا امام،

یعنی حضرت مہدی کرائیں گے جیسا کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے تو مسلمانوں کا امیر ان سے کہے گا: آئیں، ہمیں نماز پڑھائیں۔ وہ جواب دیں گے: نہیں، تم ایک دوسرے کے امیر ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو یہ بزرگی بخشی ہے۔[1] واضح رہے کہ پہلی نماز تو امام مہدی پڑھائیں گے اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام ان کی اقتدا میں نماز پڑھیں گے لیکن اس کے بعد دوسری نمازیں خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام پڑھائیں گے جیسا کہ دوسری احادیث میں اس کی صراحت ہے۔ اس جملے کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تمھارے خلیفہ ہوں گے اور تمھارے دین پر ہوں گے اور قرآن کے مطابق فیصلہ کریں گے، انجیل پر عمل نہیں کریں گے۔ لیکن پہلے معنی زیادہ وزنی معلوم ہوتے ہیں۔ ② حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نازل ہونے کی کیفیت یہ ہوگی کہ آپ ہلکے زرد رنگ کی چادریں پہنے ہوئے، دو فرشتوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھے ہوئے سفید مینار کے پاس مشرقی دمشق میں نزول فرمائیں گے۔ جب سر نیچا کریں گے تو موتیوں کی طرح قطرے ٹپکتے نظر آئیں گے اور جب اپنا سر اٹھائیں گے تو بھی یہی کیفیت ہوگی۔ کافر ان کی سانس کی بو پاتے ہی مر جائے گا اور ان کی سانس حد نظر تک پہنچے گی، پھر وہ دجال کو تلاش کریں گے تو اسے باب لد پر پائیں گے پھر اسے قتل کریں گے۔[2] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''دجال میری امت میں نکلے گا اور چالیس تک رہے گا...... راوی کہتا ہے کہ مجھے معلوم نہیں چالیس دن فرمایا یا چالیس سال...... پھر اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھیجے گا۔ وہ ایسے ہوں گے جیسے عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دجال کو تلاش کر کے اسے ہلاک کر دیں گے۔ پھر سات سال تک لوگ اس طرح رہیں گے کہ دو آدمیوں کے درمیان کوئی دشمنی نہیں ہوگی۔''[3] حضرت نواس بن سمعان کی روایت میں ہے کہ دجال اس دنیا میں چالیس دن رہے گا۔[4] بہر حال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ آسمان پر اٹھالیا گیا تھا۔ وہ آسمانوں میں زندہ ہیں اور قیامت کے قریب نازل ہوں گے اور دجال کو قتل کر کے اس زمین میں کتاب وسنت کا جھنڈا گاڑیں گے۔ مشہور تابعی حضرت حسن فرماتے ہیں: اللہ کی قسم! حضرت عیسیٰ اللہ کے پاس زندہ ہیں، لیکن جب وہ نازل ہوں گے تو سب لوگ آپ پر ایمان لے آئیں گے۔[5] مشہور امام ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس امر پر امت کا اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان کی طرف اٹھالیا ہے۔[6] حضرت عیسیٰ علیہ السلام زمین پر اترنے کے بعد چالیس سال تک امام عادل اور حاکم منصف کی حیثیت سے رہیں گے اور شریعت محمدیہ کے مطابق فیصلہ کریں گے۔[7] رسول اللہ کو جب معراج ہوا تو آپ نے سیدنا ابراہیم، سیدنا موسیٰ اور سیدنا عیسیٰ علیہم السلام سے ملاقات کی اور باہم قیامت کا تذکرہ ہوا۔ بالآخر حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے قیامت کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: میرے ساتھ قیامت سے پہلے (نزول کا) وعدہ کیا گیا ہے لیکن اس کا وقت اللہ ہی کو معلوم ہے۔ آپ نے خروج دجال کا ذکر کیا اور فرمایا: میں نازل ہو کر اسے قتل کروں گا۔[8] رسول اللہ نے قیامت سے

---

[1] صحيح مسلم، الإيمان، حديث : 395 (156). [2] صحيح مسلم، الفتن، حديث : 7373 (2937). [3] صحيح مسلم، الفتن، حديث : 7381 (2940). [4] صحيح مسلم، الفتن، حديث : 7373 (2937). [5] تفسير الطبري : 14/6. [6] الإبانه عن أصول الديانه، ص : 34. [7] مسند أحمد : 75/6. [8] سنن ابن ماجه، الفتن، حديث : 4081، والمستدرك للحاكم : 384/2.

پہلے دس نشانیوں کا ذکر کیا ہے ان میں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نازل ہونا بھی ہے۔[1] قرب قیامت کے وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اترنے میں یہ حکمت ہے کہ اس میں یہودیوں کی تردید ہے جنھوں نے کہا کہ ہم نے انھیں قتل کر دیا ہے تو اللہ تعالیٰ اس طرح ان کی تکذیب کرے گا کہ انھوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل نہیں کیا بلکہ وہ خود انھیں (یہودیوں کو) قتل کریں گے، نیز عیسائیوں کے باطل دعووں کے بطلان کا اظہار کریں گے۔ واللّٰہ أعلم.

(٥٠) بَابُ مَا ذُكِرَ عَنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ

باب: 50- بنی اسرائیل کے حالات و واقعات کا بیان

٣٤٥٠ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ عَنْ رِبْعِيِّ بْنِ حِرَاشٍ قَالَ: قَالَ عُقْبَةُ بْنُ عَمْرٍو لِحُذَيْفَةَ: أَلَا تُحَدِّثُنَا مَا سَمِعْتَ مِنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ؟ قَالَ: إِنِّي سَمِعْتُهُ يَقُولُ: «إِنَّ مَعَ الدَّجَّالِ إِذَا خَرَجَ مَاءً وَنَارًا، فَأَمَّا الَّتِي يَرَى النَّاسُ أَنَّهَا النَّارُ فَمَاءٌ بَارِدٌ، وَأَمَّا الَّذِي يَرَى النَّاسُ أَنَّهُ مَاءٌ بَارِدٌ فَنَارٌ تُحْرِقُ، فَمَنْ أَدْرَكَ مِنْكُمْ فَلْيَقَعْ فِي الَّذِي يَرَى أَنَّهَا نَارٌ فَإِنَّهُ عَذْبٌ بَارِدٌ». [انظر: ٧١٣٠]

[3450] حضرت عقبہ بن عمرو انصاری رضی اللہ عنہ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے کہا: کیا آپ ہم سے وہ حدیث بیان نہیں کریں گے جو آپ نے رسول اللہ ﷺ سے سنی تھی؟ انھوں (حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ) نے کہا: میں نے آپ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''جب دجال خروج کرے گا تو اس کے ساتھ پانی اور آگ ہوگی لیکن جس کو لوگ دیکھیں گے کہ آگ ہے وہ درحقیقت ٹھنڈا پانی ہوگا اور جسے لوگ ٹھنڈا پانی خیال کریں گے وہ آگ ہوگی جو جلائے گی، لہٰذا تم میں سے جو شخص اسے پائے تو اسے چاہیے کہ جس کو وہ آگ خیال کرتا ہے، اس میں کود جائے کیونکہ وہ تو بہت ٹھنڈا اور شیریں پانی ہوگا۔''

فائدہ: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث تین احادیث پر مشتمل ہے۔ یہ پہلی حدیث دجال سے متعلق ہے باقی دو احادیث میں بنی اسرائیل کے دو آدمیوں کے حالات بیان ہوں گے۔ اس حدیث کے مطابق دجال اکبر کو اللہ تعالیٰ کچھ خرق عادت اشیاء دے گا۔ اس قسم کی شعبدہ بازی سے بندوں کا امتحان لیا جائے گا۔ بالآخر اس ملعون کی عاجزی اور درماندگی کو اللہ تعالیٰ نمایاں کر دے گا۔ اسے برسرعام ذلیل وخوار کرے گا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسے قتل کریں گے۔

٣٤٥١ - قَالَ حُذَيْفَةُ: وَسَمِعْتُهُ يَقُولُ: «إِنَّ رَجُلًا كَانَ فِيمَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ أَتَاهُ الْمَلَكُ لِيَقْبِضَ رُوحَهُ فَقِيلَ لَهُ: هَلْ عَمِلْتَ مِنْ خَيْرٍ؟ قَالَ: مَا أَعْلَمُ، قِيلَ لَهُ: انْظُرْ، قَالَ: مَا أَعْلَمُ شَيْئًا غَيْرَ

[3451] حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے آپ ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا: ''تم سے پہلے ایک شخص تھا اس کے پاس فرشتہ آیا تاکہ اس کی روح قبض کرے تو اس سے پوچھا گیا: کیا تو نے کوئی نیک عمل بھی کیا ہے؟ اس نے کہا:

[1] صحيح مسلم، الفتن، حديث: 7285 (2901).

أَنِّي كُنْتُ أُبَايِعُ النَّاسَ فِي الدُّنْيَا وَأُجَازِيهِمْ فَأُنْظِرُ الْمُوسِرَ وَأَتَجَاوَزُ عَنِ الْمُعْسِرِ، فَأَدْخَلَهُ اللهُ الْجَنَّةَ». [راجع: ٢٠٧٧]

میں نہیں جانتا۔ اسے دوبارہ کہا گیا: ذرا نظر تو ڈال۔ اس نے کہا: میں اس کے سوا کچھ نہیں جانتا کہ میں دنیا میں لوگوں سے لین دین کرتا تھا اور قرض بھی دیتا تھا تو تقاضا کرتے وقت مال دار کو مہلت دے دیتا تھا اور تنگ دست کو معاف کر دیتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس عمل کے طفیل اسے جنت میں داخل کر دیا۔"

فائدہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی اس طرح کی ایک روایت مروی ہے، وہ رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: "ایک تاجر لوگوں سے لین دین اور خرید و فروخت کیا کرتا تھا۔ اگر کسی تنگ دست کو دیکھتا تو اپنے اہل کار عملے سے کہہ دیتا کہ اس سے درگزر کرو اور اسے معاف کر دو، شاید اللہ تعالیٰ اس عمل کی وجہ سے درگزر کرے اور ہمیں معاف کر دے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسے معاف کر دیا اور اس کے گناہوں سے درگزر فرمایا۔"[1] ایک دوسری حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جس نے کسی تنگ دست کو مہلت دی یا اسے معاف کر دیا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے اپنے سائے تلے جگہ دے گا۔"[2]

٣٤٥٢ - قَالَ: وَسَمِعْتُهُ يَقُولُ: «إِنَّ رَجُلًا حَضَرَهُ الْمَوْتُ فَلَمَّا يَئِسَ مِنَ الْحَيَاةِ أَوْصَى أَهْلَهُ إِذَا أَنَا مُتُّ فَاجْمَعُوا لِي حَطَبًا كَثِيرًا وَأَوْقِدُوا فِيهِ نَارًا حَتَّى إِذَا أَكَلَتْ لَحْمِي وَخَلَصَتْ إِلَى عَظْمِي فَامْتَحَشْتُ فَخُذُوهَا فَاطْحَنُوهَا، ثُمَّ انْظُرُوا يَوْمًا رَاحًا فَاذْرُوهُ فِي الْيَمِّ، فَفَعَلُوا، فَجَمَعَهُ اللهُ فَقَالَ لَهُ: لِمَ فَعَلْتَ ذٰلِكَ؟ قَالَ: مِنْ خَشْيَتِكَ، فَغَفَرَ اللهُ لَهُ» قَالَ عُقْبَةُ بْنُ عَمْرٍو: وَأَنَا سَمِعْتُهُ يَقُولُ ذَاكَ وَكَانَ نَبَّاشًا. [انظر: ٣٤٧٩، ٦٤٨٠]

[3452] حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے آپ ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا: "ایک شخص مرنے لگا، جب وہ زندگی سے بالکل مایوس ہو گیا تو اس نے اپنے اہل خانہ کو وصیت کی کہ جب میں مر جاؤں تو میرے لیے بہت سی لکڑیاں جمع کر کے، ان میں آگ لگا دینا اور مجھے جلا دینا۔ اور جب آگ میرے گوشت کو کھا جائے اور میری ہڈیوں تک پہنچ جائے اور وہ بھی جل کر کوئلہ ہو جائیں تو اس کوئلے کو پیس لینا۔ پھر کسی تیز ہوا والے دن اسے دریا میں بہا دینا، چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے ذرات کو جمع کر کے اس سے پوچھا: تو نے ایسا کیوں کیا؟ اس نے کہا: تیرے خوف سے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اسے معاف کر دیا۔"

عقبہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے آپ کو یہ فرماتے بھی سنا تھا: "وہ شخص کفن چور تھا۔"

فوائد و مسائل: ① یہ واقعہ بھی بنی اسرائیل سے متعلق ہے کیونکہ ایک روایت میں وضاحت ہے کہ حضرت حذیفہ اور

[1] صحيح البخاري، البيوع، حديث: 2078. [2] صحيح مسلم، الزهد والرقائق، حديث: 7512 (3006).

ابومسعود ؓ دونوں بیٹھے ہوئے تھے تو ایک نے دوسرے سے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''بنی اسرائیل میں سے ایک شخص قبرستان سے کفن چوری کرتا تھا۔''[1] اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کفن چور ہونے کی صراحت صرف ابومسعود عقبہ بن عمرو کا اضافہ نہیں بلکہ حضرت حذیفہ ؓ بھی اسے بیان کرتے ہیں جیسا کہ ابن حبان میں ہے۔ حضرت حذیفہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص مرگیا جو کفن چور تھا تو اس نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی۔[2] ② مردوں کو جلانا خلاف فطرت ہے۔ اور ایسے ہی غلط تصورات کا نتیجہ ہے جو حدیث میں بیان کیے گئے ہیں۔ انسان کی اصل مٹی ہے، لہٰذا مرنے کے بعد اسے مٹی ہی میں دفن کرنا فطرت کا تقاضا ہے۔

٣٤٥٣، ٣٤٥٤ - حَدَّثَنِي بِشْرُ بْنُ مُحَمَّدٍ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ: أَخْبَرَنِي مَعْمَرٌ وَّيُونُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ أَنَّ عَائِشَةَ وَابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ قَالَا: لَمَّا نَزَلَ بِرَسُولِ اللهِ ﷺ طَفِقَ يَطْرَحُ خَمِيصَةً عَلٰى وَجْهِهِ فَإِذَا اغْتَمَّ كَشَفَهَا عَنْ وَّجْهِهِ فَقَالَ، وَهُوَ كَذٰلِكَ: «لَعْنَةُ اللهِ عَلَى الْيَهُودِ وَالنَّصَارَى اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَّسَاجِدَ»، يُحَذِّرُ مَا صَنَعُوا. [راجع: ٤٣٥، ٤٣٦]

[3453,3454] حضرت عائشہ اور حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے بیان کیا: جب رسول اللہ ﷺ پر نزع کی حالت طاری ہوئی تو آپ اپنی چادر چہرۂ مبارک پر بار بار ڈال لیتے، جب گھبراہٹ محسوس ہوتی تو اسے ہٹا دیتے تھے۔ آپ ﷺ نے اسی حالت میں فرمایا: ''اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر لعنت کرے، انھوں نے اپنے انبیاء ﷺ کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا۔'' آپ اس بیان سے اپنی امت کو ان کے فعل شنیع (برے کام) سے بچانا چاہتے تھے۔

فائدہ: اس حدیث میں بنی اسرائیل یہود و نصاریٰ کا ایک کردار بیان ہوا ہے کہ انھوں نے اپنے انبیاء اور صالحین کی قبروں کو عبادت گاہ بنا لیا۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمایا: ''میری قبر پر اس طرح جمگھٹا نہ کرنا اور اس پر جشن کا سا سماں نہ پیدا کرنا'' جبکہ علامہ حالی نے کہا ہے۔ بنانا نہ تربت کو میری صنم تم۔ افسوس! نام نہاد مسلمانوں نے قبروں اور مزاروں کے ساتھ وہی کچھ کر دکھایا ہے جس سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا تھا اور حدیث میں جس خطرے کا اظہار کیا تھا اس کے مطابق عمل کر کے اپنی تباہی کا سامان پیدا کیا ہے۔

٣٤٥٥ - حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ فُرَاتٍ الْقَزَّازِ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا حَازِمٍ قَالَ: قَاعَدْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ خَمْسَ سِنِينَ فَسَمِعْتُهُ يُحَدِّثُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «كَانَتْ بَنُو إِسْرَائِيلَ

[3455] حضرت ابو حازم (سلمان اشجعی) ؒ بیان کرتے ہیں: میں پانچ سال حضرت ابوہریرہ ؓ کی مجلس میں بیٹھا ہوں، میں نے انھیں نبی ﷺ کی یہ حدیث بیان کرتے ہوئے سنا کہ آپ نے فرمایا: ''بنی اسرائیل کی حکومت حضرات انبیاء ﷺ چلاتے اور ان کے امور کا انتظام

1 المعجم الأوسط للطبراني: 80/4. 2 صحيح ابن حبان بترتيب ابن بلبان: 387/3.

تَسُوسُهُمُ الْأَنْبِيَاءُ، كُلَّمَا هَلَكَ نَبِيٌّ خَلَفَهُ نَبِيٌّ، وَإِنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِي، وَسَيَكُونُ خُلَفَاءُ فَيَكْثُرُونَ»، قَالُوا: فَمَا تَأْمُرُنَا؟ قَالَ: «فُوا بِبَيْعَةِ الْأَوَّلِ فَالْأَوَّلِ، أَعْطُوهُمْ حَقَّهُمْ، فَإِنَّ اللهَ سَائِلُهُمْ عَمَّا اسْتَرْعَاهُمْ».

کرتے تھے۔ جب ایک نبی کی وفات ہو جاتی تو اس کا جانشین دوسرا نبی ہو جاتا تھا لیکن میرے بعد کوئی نبی تو نہیں ہوگا، البتہ خلفاء ہوں گے اور وہ بھی بکثرت ہوں گے۔'' صحابۂ کرام ؓ نے عرض کیا: پھر آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''جب کوئی خلیفہ ہو جائے (اور تم نے اس سے بیعت کر لی ہو) تو اس سے کی ہوئی بیعت پوری کرو۔ پھر اس کے بعد جو پہلے ہو اس کی بیعت پوری کرو۔ انھیں ان کا حق دو۔ اگر وہ ظلم کریں گے تو اللہ ان سے پوچھے گا کہ انھوں نے اپنی رعایا کا حق کیسے ادا کیا؟''

فوائد و مسائل: ① سیاست کے معنی کسی چیز کی اصلاح کرنے کے ہیں۔ بنی اسرائیل کی اصلاح حضرات انبیاء ؑ کرتے تھے۔ جب ان میں کوئی فتنہ و فساد رونما ہوتا تو اللہ تعالیٰ اسے دور کرنے کے لیے کسی نبی کا بندوبست کر دیتا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا جو پہلے انبیاء ؑ جیسا فریضہ ادا کرے، البتہ میرے خلفاء، بکثرت ہوں گے۔ ان کی اطاعت کرنا امت پر واجب ہے۔'' ② اس عالم رنگ و بو میں مسلمانوں کے بیک وقت دو خلیفے نہیں ہو سکتے، جب ایک خلیفے کی خلافت شرعی طریقے سے منعقد ہو جائے تو وفاداری اور جاں نثاری اسی سے وابستہ کی جائے، اس کی موجودگی میں اگر کوئی دوسرا خلیفہ بن بیٹھے تو اس کی گردن اڑا دینے کا حکم ہے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ جب دو خلیفوں کی بیعت کی جائے تو دوسرے کو قتل کر دیا جائے۔[1] افسوس کہ اقتدار کی بندر بانٹ نے مسلمانوں کو تقسیم کر دیا ہے۔ مغربی جمہوریت نے مسلمانوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے ہیں۔ مسلم ممالک اسی طوائف الملوکی کی پیداوار ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جہاں جمہوریت کے نتیجے میں اسمبلیاں قائم ہوتی ہیں وہ دراصل مچھلی بازار کا نمونہ ہیں۔ پھر ممبران اسمبلی کی قیمت لگتی ہے۔ اس کے بعد کارروائی کے دوران میں گالی گلوچ اور بازاری زبان استعمال کی جاتی ہے۔ ایک دوسرے کے خلاف آوازے کسے جاتے ہیں۔ جوتے اور کرسیاں چلتی ہیں۔ بالآخر اسمبلی کی کارروائی سے غیر پارلیمانی جملے حذف کرنا پڑتے ہیں۔ اسلام اس تقسیم در تقسیم کی اجازت نہیں دیتا۔ واللّٰہ المستعان. ③ اس حدیث میں خلفاء کی اطاعت کے ساتھ ساتھ ان کی ذمے داریوں سے بھی آگاہ کیا گیا ہے۔ اگر وہ اپنی ذمے داری ادا نہیں کریں گے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی عدالت میں سخت ترین رسوائی کا سامنا کرنا ہوگا۔ آج نام نہاد جمہوری دور میں کرسیوں پر براجمان ہونے والوں کے لیے بھی یہی حکم ہے کہ وہ اپنی ذمے داریوں کا احساس کریں مگر کتنے کرسی نشیں ہیں جو اقتدار میں آنے کے بعد اپنی ذمے داریوں کے متعلق سوچتے ہیں؟ انھیں جب ووٹ لینے ہوتے ہیں تو اس وقت کچھ یاد آتا ہے، غریبوں سے ہمدردی کا درد اٹھتا ہے، بعد میں سب بھول جاتے ہیں۔ إنا للّٰہ و إنا إلیہ راجعون.

---

[1] صحیح مسلم، الإمارة، حدیث: 4799 (1853).

٣٤٥٦ - حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ: حَدَّثَنَا أَبُو غَسَّانَ قَالَ: حَدَّثَنِي زَيْدُ بْنُ أَسْلَمَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «لَتَتَّبِعُنَّ سُنَنَ مَنْ قَبْلَكُمْ شِبْرًا بِشِبْرٍ، وَذِرَاعًا بِذِرَاعٍ حَتَّى لَوْ سَلَكُوا جُحْرَ ضَبٍّ لَسَلَكْتُمُوهُ». قُلْنَا: يَا رَسُولَ اللهِ! الْيَهُودَ وَالنَّصَارٰى؟ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «فَمَنْ؟».

[انظر: ٧٣٢٠]

[3456] حضرت ابو سعید ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''یقیناً تم (مسلمان بھی) اپنے سے پہلے لوگوں کی بالشت بالشت اور ہاتھ ہاتھ (قدم بقدم) پیروی کرو گے۔ اگر وہ کسی سانڈے کے بل میں داخل ہوئے ہوں گے تو تم بھی اس میں گھس جاؤ گے۔'' ہم نے عرض کیا: اللہ کے رسول! پہلے لوگوں سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں؟ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اور کون ہو سکتے ہیں؟''

فائدہ: افسوس کہ دور حاضر کے مسلمان اس حدیث کے مصداق اندھا دھند یہود و نصاریٰ کی پیروی کرنے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ ملکی سطح پر ہمارے ہاں انگریز کا قانون رائج ہے اگرچہ اس پر اسلامی ہونے کا لیبل لگا دیا گیا ہے۔ ہم لوگ لباس، اخلاق اور عادات میں یہودیوں اور عیسائیوں کی تقلید کرتے ہیں۔

٣٤٥٧ - حَدَّثَنَا عِمْرَانُ بْنُ مَيْسَرَةَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ: حَدَّثَنَا خَالِدٌ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: ذَكَرُوا النَّارَ وَالنَّاقُوسَ فَذَكَرُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارٰى، فَأُمِرَ بِلَالٌ أَنْ يَّشْفَعَ الْأَذَانَ وَأَنْ يُّوتِرَ الْإِقَامَةَ.

[راجع: ٦٠٣]

[3457] حضرت انس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: (نماز کے اعلان کے لیے) صحابۂ کرام ؓ نے آگ جلانے اور ناقوس بجانے کا مشورہ دیا۔ کچھ حضرات نے کہا: یہ تو یہود و نصاریٰ کا طریقہ ہے تو حضرت بلال ؓ کو حکم دیا گیا کہ اذان میں کلمات دو دو بار اور اقامت میں ایک ایک بار کہیں۔

فوائد و مسائل: ① عبادت کے لیے آگ جلانا یا ناقوس بجانا آج بھی اکثر ادیان کا معمول ہے۔ چند سال پہلے مساجد میں نقارہ رکھا ہوتا تھا جو جمعہ اور افطاری کے وقت بجایا جاتا ہے۔ یہ بھی یہودیوں کی غیر شعوری طور پر تقلید تھی جو رفتہ رفتہ ختم ہو گئی ہے۔ ② اسلام نے عبادت اور نماز کی دعوت کے لیے اذان کا بہترین طریقہ جاری کیا جو پانچ وقت بآواز بلند کہی جاتی ہے۔ اس میں عقیدۂ توحید و رسالت کا بار بار اعلان ہوتا ہے۔ ③ اس روایت میں یہود و نصاریٰ کے ایک پہلو کو نمایاں کیا گیا ہے، اس لیے امام بخاری ؒ نے حالات بنی اسرائیل کے تحت اس حدیث کو ذکر کیا ہے۔

٣٤٥٨ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي الضُّحٰى، عَنْ مَّسْرُوقٍ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: كَانَتْ

[3458] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ وہ کوکھ پر ہاتھ رکھنے کو مکروہ خیال کرتی تھیں اور فرمایا کرتی تھیں کہ ایسا کرنا یہودیوں کا فعل ہے۔

تَكْرَهُ أَنْ يَجْعَلَ يَدَهُ فِي خَاصِرَتِهِ وَتَقُولُ: إِنَّ الْيَهُودَ تَفْعَلُهُ.

تَابَعَهُ شُعْبَةُ عَنِ الْأَعْمَشِ.

شعبہ نے اعمش سے روایت کرنے میں سفیان کی متابعت کی ہے۔

فوائد و مسائل: ① حدیث میں اگرچہ مطلق طور پر کوکھ پر ہاتھ رکھنے کو مکروہ کہا گیا ہے، تاہم یہ نماز کی حالت سے مقید ہے کیونکہ ایک روایت میں صراحت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا دوران نماز میں کوکھ پر ہاتھ رکھنے کو ناپسند کرتی تھیں اور فرمایا: اس طرح یہودی کرتے ہیں۔[1] ② کہا جاتا ہے کہ اس طرح اہل جہنم آرام کے وقت کریں گے، نیز اس طرح وہ شخص کرتا ہے جسے مصیبت نے نڈھال کر دیا ہو۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جب شیطان کو زمین پر اتارا گیا تو اس کی یہی حالت تھی۔ چونکہ اس میں تکبر بھی ہے، اس لیے اسے ناپسند قرار دیا گیا ہے۔[2] واللہ أعلم. ③ چونکہ ضمناً اس حدیث میں یہودیوں کا ذکر آیا ہے، اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے اس روایت کو ذکر فرمایا ہے۔

٣٤٥٩ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا لَيْثٌ عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ قَالَ: «إِنَّمَا أَجَلُكُمْ - فِي أَجَلِ مَنْ خَلَا مِنَ الْأُمَمِ - مَا بَيْنَ صَلَاةِ الْعَصْرِ إِلَى مَغْرِبِ الشَّمْسِ، وَإِنَّمَا مَثَلُكُمْ وَمَثَلُ الْيَهُودِ وَالنَّصَارَى كَرَجُلٍ اسْتَعْمَلَ عُمَّالًا فَقَالَ: مَنْ يَعْمَلُ لِي إِلَى نِصْفِ النَّهَارِ عَلَى قِيرَاطٍ قِيرَاطٍ، فَعَمِلَتِ الْيَهُودُ إِلَى نِصْفِ النَّهَارِ عَلَى قِيرَاطٍ قِيرَاطٍ. ثُمَّ قَالَ: مَنْ يَعْمَلُ لِي مِنْ نِصْفِ النَّهَارِ إِلَى صَلَاةِ الْعَصْرِ عَلَى قِيرَاطٍ قِيرَاطٍ، فَعَمِلَتِ النَّصَارَى مِنْ نِصْفِ النَّهَارِ إِلَى صَلَاةِ الْعَصْرِ عَلَى قِيرَاطٍ قِيرَاطٍ. ثُمَّ قَالَ: مَنْ يَعْمَلُ لِي مِنْ صَلَاةِ الْعَصْرِ إِلَى مَغْرِبِ الشَّمْسِ عَلَى قِيرَاطَيْنِ قِيرَاطَيْنِ؟ قَالَ: أَلَا فَأَنْتُمُ الَّذِينَ

[3459] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ”تمھارا زمانہ پہلی امتوں کے مقابلے میں ایسا ہے جیسے عصر سے مغرب کا وقت ہے۔ تمھاری مثال، یہود و نصاریٰ کے ساتھ ایسی ہے جیسے کسی شخص نے چند مزدوروں کو اجرت پر رکھا اور ان سے کہا: تم میں سے کون ہے جو نصف دن تک ایک ایک قیراط پر میرا کام کرے؟ تو یہود نے آدھے دن تک ایک ایک قیراط کی مزدوری پر کام کرنا طے کر لیا۔ پھر اس نے کہا: کون ہے جو نصف دن سے عصر تک ایک ایک قیراط پر میرا کام کرے؟ تو عیسائیوں نے نصف دن سے عصر تک ایک ایک قیراط پر کام کیا۔ پھر اس نے کہا: کون ہے جو نماز عصر سے غروب آفتاب تک دو دو قیراط پر میرا کام کرے؟ دیکھو، تم وہ لوگ ہو جو نماز عصر سے غروب آفتاب تک دو دو قیراط پر کام کرتے ہو۔ تم آگاہ رہو کہ تمھاری مزدوری دوگنی ہے۔

① فتح الباري: 608/6. ② عمدة القاري: 209/11.

تَعْمَلُونَ مِنْ صَلَاةِ الْعَصْرِ إِلٰى مَغْرِبِ الشَّمْسِ، أَلَا لَكُمُ الْأَجْرُ مَرَّتَيْنِ، فَغَضِبَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارٰى فَقَالُوا: نَحْنُ أَكْثَرُ عَمَلًا، وَأَقَلُّ عَطَاءً، قَالَ اللهُ: وَهَلْ ظَلَمْتُكُمْ مِنْ حَقِّكُمْ شَيْئًا؟ قَالُوا: لَا، قَالَ: فَإِنَّهُ فَضْلِي أُعْطِيهِ مَنْ شِئْتُ». [راجع: ٥٥٧]

(یہ دیکھ کر) یہود و نصاریٰ غصے سے بھر گئے اور کہنے لگے: ہم نے کام زیادہ کیا اور اجرت کم ملی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا: کیا میں نے تمھیں تمھارا حق دینے میں کوئی کمی کی ہے؟ انھوں نے کہا: ایسا تو نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: پھر یہ میرا فضل ہے جسے چاہوں عطا کروں۔"

فوائد و مسائل: ① یہود و نصاریٰ اور مسلمان مذہبی دنیا کی یہ تین قومیں ہیں جنھیں آسمانی کتابیں دی گئیں۔ ان کے علاوہ دوسری قوموں میں بھی الہام ربانی کا القا ہوا ہے مگر ان کی تاریخ مستند ذرائع سے مرتب نہیں ہو سکی۔ بہر حال یہ تین مذہبی قومیں دنیا میں اپنے قدیم دعووں کے ساتھ موجود ہیں، جن میں مسلمان قوم ایک ایسے دین کی علمبردار ہے جس نے سابقہ تمام ادیان کو منسوخ کر دیا ہے۔ انھیں اللہ تعالیٰ نے یہ برتری بخشی ہے کہ ہر نیک کام کرنے پر ان کو نہ صرف دوگنا بلکہ دس گنا تک اجر ملتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''جو کوئی اللہ کے ہاں نیکی لے کر آئے گا اسے اس کا دس گنا ثواب ملے گا۔''[1] بلکہ بعض اعمال صالحہ کا ثواب دس سے بھی زیادہ کئی سو گنا تک ملتا ہے۔ بعض اعمال ایسے ہیں جن کے اجر کے لیے کوئی پیمانہ مقرر نہیں بلکہ بلا حد و حساب اس کا اجر ملتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''بلاشبہ صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بلا حساب دیا جائے گا۔''[2] احادیث کے مطابق روزہ بھی انھی اعمال سے ہے جن کا اجر اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے بلا حساب دے گا۔ ② بہر حال اس حدیث میں یہود و نصاریٰ کا ایک کردار نمایاں طور پر بیان ہوا ہے، اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے بیان کیا ہے۔

٣٤٦٠ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرٍو، عَنْ طَاوُسٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: سَمِعْتُ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ: قَاتَلَ اللهُ فُلَانًا، أَلَمْ يَعْلَمْ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «لَعَنَ اللهُ الْيَهُودَ حُرِّمَتْ عَلَيْهِمُ الشُّحُومُ فَجَمَّلُوهَا فَبَاعُوهَا».

[3460] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: اللہ تعالیٰ فلاں کو ہلاک کرے! کیا اسے معلوم نہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا تھا: ''یہودیوں پر اللہ تعالیٰ لعنت کرے ان کے لیے چربی حرام ہوئی تو انھوں نے اسے پگھلا کر فروخت کرنا شروع کر دیا۔''

تَابَعَهُ جَابِرٌ وَأَبُو هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ. [راجع: ٢٢٢٣]

اس روایت کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے علاوہ حضرت جابر اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما نے بھی نبی ﷺ سے روایت کیا ہے۔

---

1 الأنعام 6:160. 2 الزمر 39:10.

فوائد و مسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کو کتاب البیوع میں تفصیل سے بیان کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ بات پہنچی کہ فلاں آدمی نے شراب فروخت کی ہے۔[1] دراصل حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ نے کفار سے جزیے کے عوض شراب لی اور اسے فروخت کر کے اس کی قیمت بیت المال میں جمع کرا دی۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تنبیہ فرمائی کہ یہ تو یہودیوں کا کردار ہے کہ وہ اللہ کی حرام کردہ اشیاء کی قیمت کھا جاتے تھے، حالانکہ جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہو اس کی خرید و فروخت بھی حرام ہوتی ہے۔ چونکہ حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ نے اپنی رائے سے اجتہاد کیا تھا کہ ایسا کرنے میں کوئی خرابی نہیں اور انھیں یہ حدیث نہیں پہنچی تھی، اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے مزید باز پرس نہیں فرمائی۔ ② بہر حال اس حدیث میں یہودیوں کے ایک کردار سے پردہ اٹھایا گیا ہے کہ ان پر چربی حرام تھی لیکن انھوں نے اسے پگھلا کر بیچنا شروع کر دیا جو اللہ تعالیٰ کے حکم کی صریح خلاف ورزی تھی۔ واللہ أعلم.

٣٤٦١ - حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ الضَّحَّاكُ بْنُ مَخْلَدٍ: أَخْبَرَنَا الْأَوْزَاعِيُّ: حَدَّثَنَا حَسَّانُ بْنُ عَطِيَّةَ عَنْ أَبِي كَبْشَةَ السَّلُولِيِّ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً، وَحَدِّثُوا عَنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَلَا حَرَجَ، وَمَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ».

[3461] حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''میرا پیغام لوگوں کو پہنچاؤ اگرچہ وہ ایک آیت پر مشتمل ہو۔ اور بنی اسرائیل سے (جو واقعات سنو، انھیں) بھی بیان کرو، اس میں کوئی حرج نہیں۔ اور جو شخص مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ باندھے تو وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔''

فائدہ: آغاز اسلام میں رسول اللہ ﷺ نے اسرائیلی روایات سے منع کر دیا تھا لیکن جب لوگوں کے دلوں میں اسلام کی حقانیت بیٹھ گئی تو محدود پیمانے پر صرف ایسی باتیں بیان کرنے کی اجازت دی جو قرآن و حدیث کے خلاف نہ ہوں۔ بنی اسرائیل کے واقعات بیان کرتے وقت ان کی تصدیق یا تکذیب نہ کی جائے۔ ہاں اگر کسی واقعے کی تصدیق یا تکذیب قرآن و حدیث سے معلوم ہو تو اس کی تصدیق و تکذیب کرنے میں کوئی حرج نہیں، لیکن جب رسول اللہ کے حوالے سے کوئی واقعہ بیان کرنا ہو تو ضروری ہے کہ ثقہ راویوں سے روایت کی جائے تاکہ رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ نہ بولا جائے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ ﷺ سے احادیث بیان کرنے میں بہت احتیاط کرتے تھے تاکہ ایسا نہ ہو کہ اس وعید کی زد میں آ جائیں۔ ہمیں بھی احادیث بیان کرنے میں اس پہلو پر نظر رکھنی ہوگی۔ اپنی تقریروں میں رطب و یابس بیان کرنے سے پرہیز کرنا چاہیے۔

٣٤٦٢ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ صَالِحٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ: قَالَ أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ:

[3462] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یہود و نصاریٰ بالوں کو خضاب نہیں لگاتے، تم لوگ ان کے خلاف طریقہ اختیار کرو۔''

(1) صحيح البخاري، البيوع، حديث: 2223.

إِنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: إِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «إِنَّ الْيَهُودَ وَالنَّصَارٰى لَا يَصْبُغُونَ فَخَالِفُوهُمْ». [انظر: ٥٨٩٩]

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں یہود و نصاریٰ کی مخالفت کا ذکر ہے، عنوان سے یہی مناسبت ہے، نیز خضاب سے مراد مہندی لگانا ہے۔ اس وقت کریم کی شکل میں رنگ، بازار میں دستیاب نہیں تھے، آج ہر قسم کے رنگ، بازار سے مل جاتے ہیں۔ بالوں کو سیاہ رنگ کرنے کی ممانعت ہے جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بالوں کو رنگ کرو لیکن انھیں سیاہ کرنے سے پرہیز کرو۔''[1] ② اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہود و نصاریٰ کی تہذیب اختیار کرنے کی بجائے اسلامی تہذیب اور اسلامی طرز معاشرت اختیار کرنی چاہیے، مگر افسوس کہ ہمارے معاشرے میں اکثر نام نہاد مسلمان اسی تہذیب مغرب کے دلدادہ ہیں۔ ③ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس موضوع پر مستقل ایک کتاب ''اقتضاء الصراط المستقيم في مخالفة أصحاب الجحيم'' لکھی ہے۔ اس کا مطالعہ ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے۔ اس کا اردو ترجمہ بھی بازار میں دستیاب ہے۔ ④ بعض روایات میں سفیدی زائل کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ اس سے مراد سفید بالوں کو اکھاڑنا ہے۔ مہندی یا خضاب سے بالوں کی سفیدی کو ختم نہیں کیا جاتا بلکہ اسے ڈھانپا جاتا ہے اس کی شریعت میں اجازت ہے۔ والله أعلم.

٣٤٦٣ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا حَجَّاجٌ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنِ الْحَسَنِ قَالَ: حَدَّثَنَا جُنْدَبُ ابْنُ عَبْدِ اللهِ فِي هٰذَا الْمَسْجِدِ وَمَا نَسِينَا مُنْذُ حَدَّثَنَا وَمَا نَخْشٰى أَنْ يَكُونَ جُنْدَبٌ كَذَبَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «كَانَ فِيمَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ رَجُلٌ بِهِ جُرْحٌ فَجَزِعَ فَأَخَذَ سِكِّينًا فَحَزَّ بِهَا يَدَهُ فَمَا رَقَأَ الدَّمُ حَتّٰى مَاتَ، قَالَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ: بَادَرَنِي عَبْدِي بِنَفْسِهِ حَرَّمْتُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ». [راجع: ١٣٦٤]

[3463] حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ہمیں حضرت جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اس مسجد میں حدیث بیان کی جسے ہم بھولے نہیں اور ہمیں اس بات کا بھی اندیشہ نہیں کہ حضرت جندب رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ پر جھوٹ باندھا ہو۔ انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم سے پہلے ایک شخص کو بہت زخم آئے۔ وہ ان کی تاب نہ لا کر گھبرا گیا۔ اس نے چھری پکڑی اور اپنا ہاتھ کاٹ دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خون بند نہ ہونے سے اس کی موت واقع ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق فرمایا: میرے بندے نے خود میرے پاس آنے میں جلدی کی، لہٰذا میں نے جنت کو اس پر حرام کر دیا ہے۔''

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں [من قبلكم] کے الفاظ ہیں جو بنی اسرائیل کو بھی شامل ہیں۔ ② اس حدیث میں ہے کہ خودکشی کرنے والے پر جنت حرام ہے، یہ حکم زجر و توبیخ پر مبنی ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس نے خودکشی کو جائز خیال کیا ہو،

1 صحيح مسلم، اللباس والزينة، حديث: 5509 (2102).

ایسا کرنا کفر ہے اور کافر پر جنت حرام ہے، یا اس پر خاص جنت حرام کر دی گئی ہو، یعنی وہ جنت الفردوس میں داخل نہیں ہوگا۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس طرح کے سات محمل بیان کیے ہیں۔ بہر حال خودکشی کرنا بہت سنگین جرم ہے، اس اقدام سے انسان جنت سے محروم ہوسکتا ہے۔[1] ③ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سابقہ امتوں کے واقعات بیان کرنا درست ہے بشرطیکہ ان میں عبرت ونصیحت کا کوئی پہلو ہو، ویسے تفریح طبع کے طور پر واقعات سننا اور بیان کرنا درست نہیں۔ واللہ أعلم. ④ ان تمام احادیث میں کسی نہ کسی حوالے سے اہل کتاب کا ذکر ہے، اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے ان احادیث کو بیان کرنے کا اہتمام کیا ہے۔

(٥١) [بَابٌ]: حَدِيثُ أَبْرَصَ وَأَعْمَى وَأَقْرَعَ فِي بَنِي إِسْرَائِيلَ

٣٤٦٤ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ إِسْحَاقَ: حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَاصِمٍ: حَدَّثَنَا هَمَّامٌ: حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ ابْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ أَبِي عَمْرَةَ: أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ حَدَّثَهُ: أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ ﷺ؛ ح: وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدٌ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ رَجَاءٍ: أَخْبَرَنَا هَمَّامٌ عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ: أَخْبَرَنِي عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ أَبِي عَمْرَةَ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ حَدَّثَهُ: أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «إِنَّ ثَلَاثَةً فِي بَنِي إِسْرَائِيلَ: أَبْرَصَ وَأَعْمَى، وَأَقْرَعَ بَدَا لِلّٰهِ عَزَّوَجَلَّ أَنْ يَبْتَلِيَهُمْ فَبَعَثَ إِلَيْهِمْ مَلَكًا فَأَتَى الْأَبْرَصَ فَقَالَ: أَيُّ شَيْءٍ أَحَبُّ إِلَيْكَ؟ قَالَ: لَوْنٌ حَسَنٌ وَجِلْدٌ حَسَنٌ، قَدْ قَذِرَنِي النَّاسُ، قَالَ: فَمَسَحَهُ فَذَهَبَ عَنْهُ، فَأُعْطِيَ لَوْنًا حَسَنًا وَجِلْدًا حَسَنًا. فَقَالَ: وَأَيُّ الْمَالِ أَحَبُّ إِلَيْكَ؟ قَالَ: الْإِبِلُ - أَوْ قَالَ: الْبَقَرُ، هُوَ شَكَّ فِي ذٰلِكَ: أَنَّ الْأَبْرَصَ وَالْأَقْرَعَ قَالَ أَحَدُهُمَا:

باب: 51- بنی اسرائیل کے ایک کوڑھی، اندھے اور گنجے کی کہانی

[3464] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''بنی اسرائیل میں تین شخص تھے: ایک کوڑھی، دوسرا اندھا اور تیسرا گنجا۔ اللہ تعالیٰ نے ان تینوں کو آزمانا چاہا، چنانچہ ان کی طرف ایک فرشتہ بھیجا جو پہلے کوڑھی کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ تجھے کیا چیز پیاری ہے؟ اس نے کہا: اچھا رنگ اور خوبصورت جلد کیونکہ لوگ مجھ سے نفرت اور کراہت کرتے ہیں۔'' آپ نے فرمایا: ''فرشتے نے اس پر ہاتھ پھیرا تو اس کا مرض جاتا رہا اور اسے اچھے رنگ کے ساتھ خوبصورت جلد عنایت ہو گئی۔ پھر فرشتے نے کہا: تجھے کون سا مال پسند ہے؟ اس نے اونٹ یا گائے کہا۔ راوی کو شک ہے کہ کوڑھی اور گنجے میں سے ایک نے اونٹ اور دوسرے نے گائے کا کہا تھا، تاہم اسے دس ماہ کی حاملہ اونٹنی دے دی گئی۔ فرشتے نے کہا: تجھے اس میں برکت دی گئی۔ پھر وہ فرشتہ گنجے کے پاس گیا اور اس سے کہا: تو کیا چاہتا ہے؟ اس نے کہا: مجھ سے یہ گنجا پن جاتا رہے اور میرے خوبصورت بال ہوں کیونکہ لوگ مجھ سے نفرت کرتے ہیں۔'' آپ نے فرمایا: ''فرشتے نے اس

---

① فتح الباري: 611/6.

الْإِبِلُ، وَقَالَ الْآخَرُ: الْبَقَرُ - فَأُعْطِيَ نَاقَةً عُشَرَاءَ، فَقَالَ: يُبَارَكُ لَكَ فِيهَا، وَأَتَى الْأَقْرَعَ فَقَالَ: أَيُّ شَيْءٍ أَحَبُّ إِلَيْكَ؟ قَالَ: شَعْرٌ حَسَنٌ، وَيَذْهَبُ هٰذَا عَنِّي، قَدْ قَذِرَنِيَ النَّاسُ. قَالَ: فَمَسَحَهُ فَذَهَبَ، وَأُعْطِيَ شَعْرًا حَسَنًا، قَالَ: فَأَيُّ الْمَالِ أَحَبُّ إِلَيْكَ؟ قَالَ: الْبَقَرُ. قَالَ: فَأَعْطَاهُ بَقَرَةً حَامِلًا، وَقَالَ: يُبَارَكُ لَكَ فِيهَا، وَأَتَى الْأَعْمٰى فَقَالَ: أَيُّ شَيْءٍ أَحَبُّ إِلَيْكَ؟ قَالَ: يَرُدُّ اللهُ إِلَيَّ بَصَرِي فَأُبْصِرُ بِهِ النَّاسَ، قَالَ: فَمَسَحَهُ فَرَدَّ اللهُ إِلَيْهِ بَصَرَهُ. قَالَ: فَأَيُّ الْمَالِ أَحَبُّ إِلَيْكَ؟ قَالَ: الْغَنَمُ، فَأَعْطَاهُ شَاةً وَّالِدًا، فَأُنْتِجَ هٰذَانِ وَوَلَّدَ هٰذَا فَكَانَ لِهٰذَا وَادٍ مِّنْ إِبِلٍ، وَلِهٰذَا وَادٍ مِّنْ بَقَرٍ، وَلِهٰذَا وَادٍ مِّنَ الْغَنَمِ، ثُمَّ إِنَّهُ أَتَى الْأَبْرَصَ فِي صُورَتِهِ وَهَيْئَتِهِ فَقَالَ: رَجُلٌ مِّسْكِينٌ تَقَطَّعَتْ بِهِ الْحِبَالُ فِي سَفَرِهِ فَلَا بَلَاغَ الْيَوْمَ إِلَّا بِاللهِ ثُمَّ بِكَ، أَسْأَلُكَ بِالَّذِي أَعْطَاكَ اللَّوْنَ الْحَسَنَ وَالْجِلْدَ الْحَسَنَ وَالْمَالَ بَعِيرًا أَتَبَلَّغُ عَلَيْهِ فِي سَفَرِي. فَقَالَ لَهُ: إِنَّ الْحُقُوقَ كَثِيرَةٌ. فَقَالَ لَهُ: كَأَنِّي أَعْرِفُكَ، أَلَمْ تَكُنْ أَبْرَصَ يَقْذَرُكَ النَّاسُ؟ فَقِيرًا فَأَعْطَاكَ اللهُ؟ فَقَالَ: لَقَدْ وَرِثْتُ لِكَابِرٍ عَنْ كَابِرٍ، فَقَالَ: إِنْ كُنْتَ كَاذِبًا فَصَيَّرَكَ اللهُ إِلٰى مَا كُنْتَ، وَأَتَى الْأَقْرَعَ فِي صُورَتِهِ وَهَيْئَتِهِ فَقَالَ لَهُ مِثْلَ مَا قَالَ لِهٰذَا فَرَدَّ عَلَيْهِ مِثْلَ مَا رَدَّ عَلَيْهِ هٰذَا، فَقَالَ: إِنْ كُنْتَ كَاذِبًا فَصَيَّرَكَ اللهُ إِلٰى مَا كُنْتَ، وَأَتَى الْأَعْمٰى فِي صُورَتِهِ فَقَالَ: رَجُلٌ مِّسْكِينٌ وَّابْنُ سَبِيلٍ وَّتَقَطَّعَتْ بِهِ

پر بھی ہاتھ پھیرا تو اس کا گنجا پن جاتا رہا اور خوبصورت بال اُگ آئے۔ پھر فرشتے نے اسے کہا: تجھے کون سا مال زیادہ پسند ہے؟ اس نے کہا: مجھے گائے پسند ہے، چنانچہ فرشتے نے اسے ایک حاملہ گائے دے کر کہا: تجھے اس میں برکت دی جائے گی۔ اس کے بعد وہ فرشتہ اندھے کے پاس گیا اور اس سے پوچھا: تجھے کون سی چیز زیادہ پسند ہے؟ اس نے کہا: اللہ تعالیٰ میری بینائی مجھے واپس کر دے تاکہ میں اس کے ذریعے سے لوگوں کو دیکھ سکوں۔" آپ نے فرمایا: "فرشتے نے اس پر ہاتھ پھیرا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی بینائی واپس کر دی۔ فرشتے نے دریافت کیا کہ تجھے کون سا مال زیادہ پسند ہے؟ اس نے کہا: مجھے بکری پسند ہے، چنانچہ فرشتے نے اسے ایک حاملہ بکری دے دی۔ پھر ان دونوں کی اونٹنی اور گائے بچے جننے لگیں اور بکری نے بھی بچے دینے شروع کر دیے تو اس کوڑھی کے پاس جنگل بھر (ریوڑ) اونٹ ہو گئے، گنجے کے پاس جنگل بھر گائیں اور اندھے کے پاس جنگل بھر بکریاں ہو گئیں۔ اس کے بعد وہی فرشتہ انسانی شکل و صورت میں کوڑھی کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میں ایک مسکین آدمی ہوں، دوران سفر میں میرا سامان وغیرہ ختم ہو گیا ہے، آج میں اللہ کی مدد پھر تیرے تعاون کے بغیر اپنے ٹھکانے پر نہیں پہنچ سکتا، لہٰذا میں تجھ سے اس اللہ کے نام پر سوال کرتا ہوں جس نے تجھے اچھی رنگت، خوبصورت جلد اور بہترین مال دیا ہے، مجھے ایک اونٹ دے دے تاکہ میں اس پر سوار ہو کر سفر کر سکوں۔ کوڑھی نے کہا: مجھ پر اور بہت سی ذمہ داریاں ہیں۔ فرشتے نے کہا: غالباً میں تجھے پہچانتا ہوں۔ کیا تو کوڑھی نہ تھا؟ سب لوگ تجھ سے نفرت کرتے تھے؟ اور تو دست نگر بھی تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے تجھے سب کچھ دے دیا؟ اس نے کہا: واہ! میں تو جدی پشتی (باپ دادا

الْحِبَالُ فِي سَفَرِهِ فَلَا بَلَاغَ الْيَوْمَ إِلَّا بِاللهِ ثُمَّ بِكَ، أَسْأَلُكَ بِالَّذِي رَدَّ عَلَيْكَ بَصَرَكَ شَاةً أَتَبَلَّغُ بِهَا فِي سَفَرِي، وَقَالَ لَهُ: قَدْ كُنْتُ أَعْمٰى فَرَدَّ اللهُ بَصَرِي، وَفَقِيرًا فَقَدْ أَغْنَانِي، فَخُذْ مَا شِئْتَ، فَوَاللهِ لَا أَحْمَدُكَ الْيَوْمَ بِشَيْءٍ أَخَذْتَهُ لِلّٰهِ، فَقَالَ: أَمْسِكْ مَالَكَ، فَإِنَّمَا ابْتُلِيتُمْ فَقَدْ رَضِيَ عَنْكَ وَسَخِطَ عَلٰى صَاحِبَيْكَ». [انظر: ٦٦٥٣]

سے) مال دار چلا آ رہا ہوں۔ فرشتے نے کہا: اگر تو جھوٹ بولتا ہے تو اللہ تعالیٰ تجھے پھر ویسا ہی کر دے جیسا تو پہلے تھا۔ پھر وہی فرشتہ اس شکل وصورت میں گنجے کے پاس گیا۔ اس سے بھی وہی کہا جو اس نے کوڑھی سے کہا تھا۔ گنجے نے بھی ویسا ہی جواب دیا جیسا کوڑھی نے دیا تھا۔ فرشتے نے اس سے کہا: اگر تو جھوٹ بولتا ہے تو اللہ تجھے ویسا کر دے جیسا تو پہلے تھا۔ پھر فرشتہ اسی شکل وصورت میں نابینے کے پاس آیا اور اس سے کہا: میں ایک مسکین اور مسافر ہوں، دوران سفر میں زادسفر ختم ہو گیا ہے، لہٰذا اب میں اللہ کی مدد پھر تیری توجہ کے بغیر اپنے وطن نہیں پہنچ سکتا۔ میں تجھ سے اس اللہ کے نام پر ایک بکری مانگتا ہوں جس نے تیری آنکھیں دوبارہ روشن کیں تاکہ میں اس کے ذریعے سے اپنا سفر جاری رکھ سکوں۔ اس (اندھے) نے کہا: بے شک میں نابینا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے بینائی سے نوازا۔ میں محتاج تھا، اللہ تعالیٰ نے مجھے مالدار کر دیا، لہٰذا تو جو چاہے لے لے۔ اللہ کی قسم! آج جو ضرورت والی چیز بھی تو اللہ کے نام پر لے گا میرا تجھ پر کوئی احسان نہیں ہوگا۔ فرشتے نے کہا: تم اپنا مال اپنے پاس رکھو۔ صرف تم لوگوں کا امتحان مقصود تھا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ تجھ سے راضی ہو گیا ہے اور تیرے دونوں ساتھیوں سے ناراض ہو گیا ہے۔''

فوائد ومسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انسان کو کفرانِ نعمت سے پرہیز کرنا چاہیے کیونکہ اس کا انجام نعمت کا چھن جانا ہے جیسا کہ کوڑھی اور گنجے کا حشر ہوا۔ ہمیں اللہ کی نعمتوں کا اعتراف کرتے رہنا پھر ان کا شکر بجالاتے رہنا چاہیے کیونکہ اس طرح خیر وبرکت میں اضافہ ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اور جب تمھارے رب نے اعلان کیا تھا کہ اگر تم شکر کرو گے تو یقیناً میں تمھیں ضرور اور زیادہ دوں گا اور اگر تم ناشکری کرو گے تو یقیناً میرا عذاب بھی بڑا شدید ہے۔''[1] ② اس حدیث سے یہ بھی اشارہ ملتا ہے کہ گنجے پن کا علاج اگر حقیقی بالوں کے اُگانے سے کیا جائے تو شرعاً اس میں کوئی قباحت نہیں کیونکہ یہ ایک

---

① إبراهيم 14:7.

علاج کی صورت ہے لیکن اگر مصنوعی بالوں کی پیوند کاری سے کیا جائے یا اس کی جدید صورت وگ وغیرہ استعمال کی جائے تو اس کی شرعاً ممانعت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ کام کرنے والے پر لعنت کی ہے۔ ارشاد نبوی ہے: اللہ تعالیٰ نے بالوں کی پیوند کاری کرنے والے اور کروانے والی پر لعنت کی ہے۔[1] بہر حال جدید طب نے دور حاضر میں ان بالوں کی پیوند کاری کے ذریعے سے گنجے پن کا علاج دریافت کیا ہے۔ اگرچہ یہ علاج بہت مہنگا ہے، تاہم اس میں شرعاً کوئی خرابی معلوم نہیں ہوتی۔ واللہ أعلم.

③ انسان کی فطرت ہے کہ وہ بہت جلد اپنی پہلی حالت کو بھول جاتا ہے خاص طور پر وہ لوگ جو پہلے غریب ہوتے ہیں پھر کسی اتفاقی حادثے کی صورت میں مال دار بن جاتے ہیں۔ وہ اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ ہماری اصلیت کیا تھی؟ ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا چاہیے۔ جو اللہ تعالیٰ دولت دینے پر قادر ہے وہ اسے واپس لینے پر بھی قدرت رکھتا ہے۔ مذکورہ واقعے میں یہی درس عبرت دیا گیا ہے۔ واللہ المستعان.

(٥٢) [بَابٌ]: ﴿أَمْ حَسِبْتَ أَنَّ أَصْحَٰبَ ٱلْكَهْفِ وَٱلرَّقِيمِ﴾ [الكهف: ٩]

باب: 52- (ارشاد باری تعالیٰ:) ”کیا آپ سمجھتے ہیں کہ غار والوں اور کتبہ والوں (کا معاملہ ہماری ایک عجیب نشانی تھی)“ کا بیان

﴿ٱلْكَهْفِ﴾: الْفَتْحُ فِي الْجَبَلِ. ﴿وَٱلرَّقِيمِ﴾: الْكِتَابُ، ﴿مَّرْقُومٌ﴾ [المطففين: ٩]: مَكْتُوبٌ مِنَ الرَّقْمِ. ﴿وَرَبَطْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ﴾ [١٤]: أَلْهَمْنَاهُمْ صَبْرًا. ﴿شَطَطًا﴾: إِفْرَاطًا. (الْوَصِيدُ): الْفِنَاءُ وَجَمْعُهُ وَصَائِدُ وَوُصُدٌ. وَيُقَالُ: الْوَصِيدُ الْبَابُ، ﴿مُّؤْصَدَةٌ﴾ [البلد: ٢٠، الهمزة: ٨] مُطْبَقَةٌ، آصَدَ الْبَابَ وَأَوْصَدَ. ﴿بَعَثْنَٰهُمْ﴾ [١٩]: أَحْيَيْنَاهُمْ. ﴿أَزْكَىٰ﴾: أَكْثَرُ رَيْعًا. فَضَرَبَ اللهُ عَلَى آذَانِهِمْ فَنَامُوا ﴿رَجْمًۢا بِٱلْغَيْبِ﴾ [٢٢]: لَمْ يَسْتَبِنْ. وَقَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿تَّقْرِضُهُمْ﴾ [١٧]: تَتْرُكُهُمْ.

﴿اَلْكَهْف﴾ کے معنی ہیں: پہاڑ کی کھلی غار۔ رَقِیم کے معنی کتاب، یعنی فعیل بمعنی مفعول ہے۔ ﴿مَرْقُوْمٌ﴾ کے معنی مکتوب اور یہ رقم سے مشتق ہے۔ ﴿رَبَطْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ﴾ کے معنی ہیں: ہم نے ان پر صبر کا الہام کیا۔ ﴿شَطَطًا﴾ کے معنی ظلم اور زیادتی۔ اَلْوَصِيدُ کے معنی صحن۔ اس کی جمع وَصَائِد اور وُصُدٌ آتی ہے۔ وَصِید دروازے کی چوکھٹ کو بھی کہتے ہیں۔ ﴿مُؤْصَدَةٌ﴾ ڈھکی ہوئی۔ آصَدَ الْبَابَ اور أَوْصَدَ کے معنی ہیں: اس نے دروازہ بند کر دیا۔ ﴿بَعَثْنَاهُمْ﴾ ہم نے ان کو زندہ کیا۔ ﴿أَزْكٰی﴾ جو مزے میں خوشگوار اور غذائیت سے بھرپور ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر نیند مسلط کر دی اور وہ خوب گہری نیند سو گئے۔ ﴿رَجْمًا بِالْغَيْبِ﴾ غیر واضح، اٹکل لگانا۔ امام مجاہد نے کہا: ﴿تَقْرِضُهُمْ﴾ کے معنی ہیں: ان سے کترا جاتا تھا، یعنی سورج ان سے ایک

---

1 صحيح البخاري، اللباس، حديث: 5933.

طرف نکل جاتا تھا۔

وضاحت: اس عنوان کے تحت امام بخاری رحمہ اللہ نے اصحاب کہف کا واقعہ ذکر کیا ہے۔ آپ نے اس کے متعلق کوئی متصل حدیث بیان نہیں کی۔ شاید انھیں اپنی شرط کے مطابق کوئی حدیث نہ مل سکی ہو، اس لیے آپ نے سورۂ کہف کی چند آیات کے وہ الفاظ ذکر کیے ہیں جن کا تعلق اصحاب کہف سے ہے۔ اس کی تفصیل ہم کتاب التفسیر میں بیان کریں گے، البتہ تعارف کے طور پر ان کے متعلق چند سطور سپرد قلم کرتے ہیں۔ عام روایات اور قرآن کریم کے اشاروں کے مطابق یہ نوجوان سات تھے اور آٹھواں ان کا کتا تھا جو ان کے ساتھ ہو لیا تھا۔ یہ نوجوان توحید پرست اور عیسائی مذہب سے تعلق رکھتے تھے۔ اس وقت عیسائیوں میں عقیدۂ تثلیث واضح نہیں ہوا تھا، البتہ معاشرے میں ہر طرف بت پرستی اور شرک و بدعت کا دور دورہ تھا۔ یہ نوجوان روم کے شہر افسس یا افسوس سے تعلق رکھتے تھے۔ کچھ حضرات نے ایشیائے کوچک کو ان کا مسکن قرار دیا ہے۔ اس وقت کا رومی بادشاہ دقیانوس خود بت پرست اور مشرک تھا اور عیسائیوں پر ظلم و ستم ڈھانے میں اس کا دور بہت بدنام ہے۔ ان نوجوانوں نے جب دیکھا کہ توحید پرستوں پر سختیاں کر کے انھیں بت پرستی پر مجبور کیا جا رہا ہے تو انھوں نے اپنے ایمان کی حفاظت کے لیے مناسب یہی خیال کیا کہ لوگوں کی نگاہوں سے چھپ جائیں، چنانچہ انھوں نے ایک پہاڑ کی کھلی غار میں چھپنے کا پروگرام بنایا اور اپنا گھر بار چھوڑ کر منتخب کردہ غار میں جا پناہ لی اور آرام کرنے کے لیے وہاں لیٹ گئے تو اللہ تعالیٰ نے ایک لمبی مدت کے لیے ان پر نیند طاری کر دی اور ان کے کانوں پر یوں تھپکی دی جیسے ماں اپنے بچے کو تھپک تھپک کر سلاتی ہے، چنانچہ وہ سالہا سال تک اسی طرح پڑے سوئے رہے۔ اگرچہ ان لوگوں پر گہری نیند کا غلبہ تھا، تاہم ان کی آنکھیں کھلی رہتی تھیں جس سے دیکھنے والے کو یہ شبہ پڑتا کہ وہ جاگ رہے ہیں، پھر غار کے دہانے پر ان کا محافظ کتا بھی ایسے بیٹھا تھا جیسے جاگنے کی حالت میں کتے بیٹھتے ہیں۔ وہاں ایسا وحشت ناک منظر تھا کہ کوئی قریب جانے کی جرأت نہیں کرتا تھا۔ بہرحال یہ نوجوان اس غار میں شمسی تقویم کے حساب سے تین سو سال اور قمری تقویم کے اعتبار سے تین سو نو سال سوئے رہے۔ جب بیدار ہوئے تو حالات بدل چکے تھے۔ توحید پرستوں کا دشمن دقیانوس نامی بادشاہ مر کھپ چکا تھا اور موجودہ بادشاہ نے عیسائی مذہب قبول کر لیا تھا، گویا پوری رومی سلطنت میں عیسائیت کا بول بالا تھا۔ بہرحال جب یہ نوجوان اٹھے تو ایک ساتھی کو کھانا لانے کے لیے بازار بھیجا۔ وہ جب کھانا خریدنے کے بعد اس کی قیمت ادا کرنے لگا تو اس کے پاس تین صدیاں پرانا سکہ تھا، تب اس وقت راز کھلا کہ یہ تو وہی مسیح علیہ السلام کے پیروکار ہیں جو کئی صدیاں پیشتر یکدم روپوش ہو گئے تھے۔ ان کے متعلق تفصیلی حالات جاننے کے لیے سورۂ کہف آغاز سے آیت: 26 تک کا مطالعہ کریں۔

(٥٣) [بَابٌ]: حَدِيثُ الْغَارِ

باب: 53- غار والوں کا قصہ

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ نے اصحاب کہف کے بعد حدیث غار کا ذکر اس لیے کیا ہے کہ اس غار میں درج ذیل واقعہ پیش آیا جنھیں ان کے مخلصانہ اعمال اور اخلاص بھری دعاؤں کے نتیجے میں اس مصیبت سے نجات ملی۔ واللہ أعلم.

٣٤٦٥ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ خَلِيلٍ: أَخْبَرَنَا

[3465] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ

عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «بَيْنَمَا ثَلَاثَةُ نَفَرٍ مِّمَّنْ كَانَ قَبْلَكُمْ يَمْشُونَ إِذْ أَصَابَهُمْ مَطَرٌ فَأَوَوْا إِلٰى غَارٍ فَانْطَبَقَ عَلَيْهِمْ، فَقَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ: إِنَّهُ وَاللهِ يَا هٰؤُلَاءِ لَا يُنْجِيكُمْ إِلَّا الصِّدْقُ، فَلْيَدْعُ كُلُّ رَجُلٍ مِّنْكُمْ بِمَا يَعْلَمُ أَنَّهُ قَدْ صَدَقَ فِيهِ، فَقَالَ [وَاحِدٌ مِّنْهُمْ]: اَللّٰهُمَّ إِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّهُ كَانَ لِي أَجِيرٌ عَمِلَ لِي عَلٰى فَرَقٍ مِّنْ أَرُزٍّ فَذَهَبَ وَتَرَكَهُ وَإِنِّي عَمَدْتُ إِلٰى ذٰلِكَ الْفَرَقِ فَزَرَعْتُهُ فَصَارَ مِنْ أَمْرِهِ أَنِّي اشْتَرَيْتُ مِنْهُ بَقَرًا، وَأَنَّهُ أَتَانِي يَطْلُبُ أَجْرَهُ فَقُلْتُ لَهُ: اعْمِدْ إِلٰى تِلْكَ الْبَقَرِ فَسُقْهَا، فَقَالَ لِي: إِنَّمَا لِي عِنْدَكَ فَرَقٌ مِّنْ أَرُزٍّ، فَقُلْتُ لَهُ: اعْمِدْ إِلٰى تِلْكَ الْبَقَرِ فَإِنَّهَا مِنْ ذٰلِكَ الْفَرَقِ، فَسَاقَهَا، فَإِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنِّي فَعَلْتُ ذٰلِكَ مِنْ خَشْيَتِكَ فَفَرِّجْ عَنَّا، فَانْسَاخَتْ عَنْهُمُ الصَّخْرَةُ. فَقَالَ الْآخَرُ: اَللّٰهُمَّ إِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّهُ كَانَ لِي أَبَوَانِ شَيْخَانِ كَبِيرَانِ وَكُنْتُ آتِيهِمَا كُلَّ لَيْلَةٍ بِلَبَنِ غَنَمٍ لِّي، فَأَبْطَأْتُ عَنْهُمَا لَيْلَةً فَجِئْتُ وَقَدْ رَقَدَا وَأَهْلِي وَعِيَالِي يَتَضَاغَوْنَ مِنَ الْجُوعِ، وَكُنْتُ لَا أَسْقِيهِمْ حَتّٰى يَشْرَبَ أَبَوَايَ فَكَرِهْتُ أَنْ أُوقِظَهُمَا وَكَرِهْتُ أَنْ أَدَعَهُمَا فَيَسْتَكِنَّا لِشَرْبَتِهِمَا، فَلَمْ أَزَلْ أَنْتَظِرُ حَتّٰى طَلَعَ الْفَجْرُ، فَإِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنِّي فَعَلْتُ ذٰلِكَ مِنْ خَشْيَتِكَ فَفَرِّجْ عَنَّا، فَانْسَاخَتْ عَنْهُمُ الصَّخْرَةُ حَتّٰى نَظَرُوا إِلَى السَّمَاءِ. فَقَالَ الْآخَرُ: اَللّٰهُمَّ

ﷺ نے فرمایا: ''تم لوگوں سے پہلے کا واقعہ ہے کہ تین آدمی کہیں جا رہے تھے۔ اچانک انھیں بارش نے آلیا تو وہ ایک غار میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔ اس دوران میں ان پر غار کا منہ بند ہو گیا، تو وہ ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ اللہ کی قسم! ہمیں اس مصیبت سے صرف سچائی نجات دلائے گی۔ اب ہر شخص اپنے کسی ایسے عمل کو بیان کر کے دعا کرے جسے وہ جانتا ہو کہ اس میں وہ سچا ہے، چنانچہ ان میں سے ایک نے کہا: اے اللہ! تو خوب جانتا ہے کہ میں نے ایک مزدور رکھا تھا، جس نے ایک فَرَق (تین صاع) چاول کے عوض میرا کام کیا، وہ (غصے کی وجہ سے) چلا گیا اور اپنے چاول چھوڑ گیا۔ میں نے ان چاولوں کو کاشت کیا اور اس کی پیداوار سے گائے بیل خرید لیے۔ ایک دن وہی شخص میرے پاس آیا اور اپنی مزدوری طلب کی تو میں نے کہا: یہ گائے بیل تیرے ہیں، انھیں ہانک کر لے جاؤ۔ اس نے کہا کہ تمھارے پاس میری اجرت صرف ایک فرق (تین صاع) چاول ہیں۔ میں نے اسے کہا: یہ سب گائے بیل لے جاؤ کیونکہ یہ اسی ایک فَرَق (چاولوں) کی آمدنی ہے۔ آخر وہ گائے بیل لے کر چلا گیا۔ (اے اللہ!) اگر تو جانتا ہے کہ میں نے یہ عمل تیرے ڈر سے کیا تھا تو ہم سے یہ پتھر ہٹا دے، چنانچہ اسی وقت وہ پتھر اپنی جگہ سے تھوڑا سا ہٹ گیا۔ پھر دوسرے شخص نے کہا: اے اللہ! تو جانتا ہے کہ میرے ماں باپ بوڑھے تھے۔ میں ہر رات ان کے لیے بکریوں کا دودھ لے کر جاتا تھا۔ ایک رات اتفاق سے مجھے دیر ہو گئی۔ جب میں آیا تو وہ سو چکے تھے۔ ادھر میرے بیوی بچے بھوک کی وجہ سے بلبلا رہے تھے۔ اور میری عادت تھی کہ میں جب تک والدین کو دودھ نہ پلا لیتا، بیوی بچوں کو نہیں دیتا تھا۔ اب انھیں بیدار کرنا بھی مجھے گوارا نہ تھا اور انھیں اسی طرح

إِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّهُ كَانَ لِي ابْنَةُ عَمٍّ مَّنْ أَحَبِّ النَّاسِ إِلَيَّ وَأَنِّي رَاوَدْتُهَا عَنْ نَفْسِهَا فَأَبَتْ إِلَّا أَنْ آتِيَهَا بِمِائَةِ دِينَارٍ، فَطَلَبْتُهَا حَتّٰى قَدَرْتُ فَأَتَيْتُهَا بِهَا فَدَفَعْتُهَا إِلَيْهَا فَأَمْكَنَتْنِي مِنْ نَّفْسِهَا، فَلَمَّا قَعَدْتُ بَيْنَ رِجْلَيْهَا، قَالَتِ: اتَّقِ اللهَ وَلَا تَفُضَّ الْخَاتَمَ إِلَّا بِحَقِّهِ؛ فَقُمْتُ وَتَرَكْتُ الْمِائَةَ دِينَارٍ، فَإِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنِّي فَعَلْتُ ذٰلِكَ مِنْ خَشْيَتِكَ فَفَرِّجْ عَنَّا، فَفَرَّجَ اللهُ عَنْهُمْ فَخَرَجُوا». [راجع: ٢٢١٥]

چھوڑ دینا بھی مجھے پسند نہ تھا کہ وہ دونوں دودھ نہ پینے کی وجہ سے کم زور ہو جاتے، اس لیے میں ان کے بیدار ہونے کا انتظار کرتا رہا یہاں تک کہ صبح ہوگئی۔ اے اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ میں نے یہ کام تیرے خوف کی وجہ سے کیا تھا تو ہماری مشکل دور کر دے، چنانچہ اسی وقت پتھر کچھ مزید ہٹ گیا، جس سے انھیں آسمان نظر آنے لگا۔ پھر تیسرے شخص نے کہا: اے اللہ! تو جانتا ہے کہ میری ایک چچا زاد تھی جو مجھے سب سے زیادہ محبوب تھی۔ میں نے ایک دفعہ اس سے اپنی خواہش کو پورا کرنا چاہا مگر اس نے انکار کر دیا لیکن اس شرط پر کہ میں اسے سو دینار دوں۔ میں نے مطلوبہ رقم حاصل کرنے کے لیے کوشش کی تو وہ مجھے مل گئی، چنانچہ میں اس کے پاس آیا اور وہ رقم اس کے حوالے کر دی۔ اس نے خود کو میرے حوالے کر دیا۔ جب میں اس کی دونوں رانوں کے درمیان بیٹھ گیا تو کہنے لگی: اللہ سے ڈر اور اس مہر کو ناحق نہ توڑ۔ میں یہ سنتے ہی اٹھ کھڑا ہوا اور سو دینار بھی واپس نہ لیے۔ اے اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ میں نے یہ کام تیرے خوف کی وجہ سے کیا تھا تو ہماری مشکل آسان کر دے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان سے پتھر ہٹا دیا، اس طرح وہ تینوں باہر نکل آئے۔''

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دعا کرتے وقت اپنے نیک اعمال کو بطور وسیلہ پیش کرنا جائز ہے لیکن فوت شدہ کسی بزرگ کا وسیلہ دینا جائز نہیں۔ کتاب و سنت میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے، ہاں کسی زندہ بزرگ انسان سے دعا کرائی جاسکتی ہے۔ ② حدیث میں مذکور تینوں اشخاص میں سے افضل آخری شخص ہے کیونکہ اس میں تین چیزیں ایسی ہیں جو دوسروں میں نہیں: ایک تو یہ کہ جو شخص اسباب و ذرائع کی موجودگی میں محض اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے بدکاری سے باز رہا وہ قرآن کی نص کے مطابق اہل جنت سے ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈر گیا اور بری خواہشات سے خود کو روک لیا تو اس کا ٹھکانا جنت ہے۔''[1] دوسرا اس نے صلہ رحمی کی۔ احادیث میں اس عمل کی بہت فضیلت آئی ہے۔ تیسرا یہ

① النازعات 79:40، 41.

کہ اس نے ایک حاجت مند کی ضرورت کو پورا کیا۔ ان تینوں اعمال کی برکت سے پتھر اپنی جگہ سے ہٹ گیا اور وہ بخیر و عافیت باہر آ گئے، نیز مصیبت کے وقت دعا کرنا، والدین کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا، ان کی خدمت بجا لانا اور حرام کاری سے بچنا بہترین عمل ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایسے اعمال اختیار کرنے کی توفیق دے۔ آمین۔

(٥٤) بَابٌ:

باب: 54- بلاعنوان

وضاحت: اس عنوان کے تحت بنی اسرائیل کے عجیب و غریب واقعات بیان ہوں گے، گویا یہ پچھلے عنوان کا تتمہ ہے۔

٣٤٦٦ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ: حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ: حَدَّثَهُ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «بَيْنَا امْرَأَةٌ تُرْضِعُ ابْنَهَا إِذْ مَرَّ بِهَا رَاكِبٌ وَّهِيَ تُرْضِعُهُ فَقَالَتْ: اللّٰهُمَّ لَا تُمِتِ ابْنِي حَتّٰى يَكُونَ مِثْلَ هٰذَا، فَقَالَ: اللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْنِي مِثْلَهُ، ثُمَّ رَجَعَ فِي الثَّدْيِ، وَمُرَّ بِامْرَأَةٍ تُجَرَّرُ وَيُلْعَبُ بِهَا فَقَالَتْ: اللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلِ ابْنِي مِثْلَهَا، فَقَالَ: اللّٰهُمَّ اجْعَلْنِي مِثْلَهَا. فَقَالَ: أَمَّا الرَّاكِبُ فَإِنَّهُ كَافِرٌ وَّأَمَّا الْمَرْأَةُ فَإِنَّهُمْ يَقُولُونَ لَهَا: تَزْنِي، وَتَقُولُ: حَسْبِيَ اللهُ. وَيَقُولُونَ: تَسْرِقُ، وَتَقُولُ: حَسْبِيَ اللهُ».

[راجع: ١٢٠٦]

[3466] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ''ایک عورت اپنے بچے کو دودھ پلا رہی تھی کہ اس کے پاس سے ایک سوار گزرا جبکہ وہ اس وقت اسے دودھ پلانے میں مصروف تھی۔ اس نے (سوار کو دیکھ کر) دعا کی: یااللہ! میرے بچے کو اس وقت تک موت نہ آئے جب تک وہ اس سوار جیسا نہ ہو جائے۔ اسی وقت بچہ بول پڑا: اے اللہ! مجھے اس جیسا نہ کرنا۔ پھر وہ دودھ پینے لگا۔ اس دوران میں ایک عورت کو گھسیٹا جا رہا تھا اور اس سے ہنسی مذاق کیا جا رہا تھا۔ اس عورت نے دعا کی: اے اللہ! میرے بیٹے کو اس جیسا نہ کرنا، لیکن بچے نے کہا: اے اللہ! مجھے اس جیسا کر دے۔ پھر بچے نے (وضاحت کرتے ہوئے) کہا کہ سوار تو کافر و ظالم تھا اور عورت کے متعلق لوگ کہتے تھے: تو نے زنا کیا ہے۔ وہ جواب دیتی: میرے لیے اللہ کافی ہے۔ لوگ کہتے: تو نے چوری کی ہے تو وہ جواب دیتی: میرے لیے اللہ کافی ہے۔''

فائدہ: شیر خوارگی میں کئی ایک بچوں نے کلام کیا ہے۔ اس کی تفصیل ہم پہلے بیان کر آئے ہیں۔ اس واقعے میں ہمارے لیے بہت سے دروس پوشیدہ ہیں، خاص طور پر دیندار اور پرہیز گار لوگوں کو چاہیے کہ وہ دنیا داروں کو دیکھ کر حسرت بھری ٹھنڈی سانس نہ لیں، بلکہ انھیں دیکھ کر یہ خیال کریں کہ انھیں اللہ تعالیٰ نے مہلت دے رکھی ہے تاکہ اس سے اپنے پیمانے کو بھر لیں، جب موت آئے گی تو یہ سارا کھیل ختم ہو جائے گا۔ اس کے برعکس دین اسلام ایک ایسی لازوال دولت ہے جو کبھی ختم نہ ہو گی، بلکہ اس پر عمل پیرا ہونے سے دنیا و آخرت میں یقیناً عزت ملتی ہے۔ واللہ أعلم.

٣٤٦٧ - حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ تَلِيدٍ: حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي جَرِيرُ بْنُ حَازِمٍ عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «بَيْنَمَا كَلْبٌ يُطِيفُ بِرَكِيَّةٍ كَادَ يَقْتُلُهُ الْعَطَشُ إِذْ رَأَتْهُ بَغِيٌّ مِّنْ بَغَايَا بَنِي إِسْرَائِيلَ فَنَزَعَتْ مُوقَهَا فَسَقَتْهُ فَغُفِرَ لَهَا بِهِ». [راجع: ٣٣٢١]

[3467] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے فرمایا: ''ایک دفعہ کوئی کتا کسی کنویں کے چاروں طرف گھوم رہا تھا۔ قریب تھا کہ پیاس کی شدت سے اس کی جان نکل جائے۔ اچانک بنی اسرائیل کی ایک بدکار عورت نے اسے دیکھ لیا تو اس نے اپنا موزہ اتارا اور کتے کو پانی پلایا۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں اسی عمل کی وجہ سے اسے معاف کر دیا گیا۔''

فائدہ: ایک حدیث میں مزید وضاحت ہے کہ اس نے دوپٹہ اتارا اور موزے سے باندھ کر کنویں سے پانی نکال کر کتے کو پلایا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے معاف کر دیا۔[1] اسی طرح کا ایک واقعہ کسی مرد کے متعلق بھی حدیث میں آیا ہے کہ اس نے ایک پیاسے کتے کو پانی پلایا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی قدر کی اور اسے معاف کر دیا۔ صحابۂ کرام ؓ نے پوچھا: کیا ہمارے لیے جانوروں کی خدمت کرنے میں بھی اجر ملتا ہے؟ آپ نے فرمایا: ''ہر زندہ جگر کی خدمت گزاری میں اجر ہے۔''[2] ان متعدد واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ جانور کو پانی پلانے میں بھی اجر و ثواب ہے۔ مذکورہ واقعات سے خلوص کی برکات کا پتہ چلتا ہے۔

٣٤٦٨ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَّالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ: أَنَّهُ سَمِعَ مُعَاوِيَةَ بْنَ أَبِي سُفْيَانَ - عَامَ حَجَّ - عَلَى الْمِنْبَرِ، فَتَنَاوَلَ قُصَّةً مِّنْ شَعَرٍ - كَانَتْ فِي يَدَيْ حَرَسِيٍّ - فَقَالَ: يَا أَهْلَ الْمَدِينَةِ! أَيْنَ عُلَمَاؤُكُمْ؟ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَنْهٰى عَنْ مِّثْلِ هٰذِهِ وَيَقُولُ: «إِنَّمَا هَلَكَتْ بَنُو إِسْرَائِيلَ حِينَ اتَّخَذَهَا نِسَاؤُهُمْ». [انظر: ٣٤٨٨، ٥٩٣٢، ٥٩٣٨]

[3468] حضرت حمید بن عبدالرحمٰن سے روایت ہے کہ جس سال امیر معاویہ ؓ حج پر تشریف لے گئے تو انھوں نے منبر پر ان کو یہ فرماتے ہوئے سنا جبکہ انھوں نے مصنوعی بالوں کا گچھا لیا جو ان کے چوکیدار کے ہاتھ میں تھا۔ آپ نے فرمایا: اے اہل مدینہ! تمھارے علماء کہاں ہیں؟ میں نے نبی ﷺ کو اس سے منع کرتے ہوئے سنا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''بنی اسرائیل کی عورتوں نے جب اس طرح اپنے بال سنوارنے شروع کر دیے تو وہ ہلاک ہو گئے۔''

فوائد و مسائل: ① حضرت امیر معاویہ ؓ نے اہل مدینہ کو منکرات و فواحش پھیلنے اور ان کی روک تھام سے غفلت برتنے پر ڈانٹ پلائی کہ مدینہ طیبہ کے علماء ایسی بری چیزوں سے کیوں منع نہیں کرتے اور ایسی منکرات کو روکنے سے غافل کیوں ہیں۔ ② اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ خلاف شرع امور کا ازالہ حکمرانوں کا اہم فریضہ ہے کیونکہ ایسے امور قوموں کی تباہی کا باعث بنتے ہیں۔ اسی طرح عورتوں کا جاذب نظر لباس پہن کر بازاروں میں نکلنا اور لوگوں کو دعوت نظارہ دینا یہ اللہ تعالیٰ کے غضب کو

① صحيح البخاري، بدء الخلق، حديث: 3321. ② صحيح البخاري، المساقاة، حديث: 2363.

دعوت دیتا ہے۔ ③ مصنوعی بال لگانا کبیرہ گناہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے لگانے پر لعنت فرمائی ہے۔ بنی اسرائیل میں ان کا استعمال حرام تھا مگر جب ان کی عورتوں نے اس جرم کا ارتکاب کیا اور انھیں کوئی روکنے والا نہ تھا تو ایسی حرکتیں بنی اسرائیل کی تباہی کا باعث ہوئیں، ہمارے معاشرے میں بھی یہ وبا عام ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے بچنے کی توفیق دے۔

٣٤٦٩ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «إِنَّهُ قَدْ كَانَ فِيمَا مَضَى قَبْلَكُمْ مِّنَ الْأُمَمِ مُحَدَّثُونَ، وَإِنَّهُ إِنْ كَانَ فِي أُمَّتِي هٰذِهِ مِنْهُمْ فَإِنَّهُ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ». [انظر: ٣٦٨٩]

[3469] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''تم سے پہلی امتوں میں محدث ہوا کرتے تھے۔ اگر میری امت میں کوئی ایسا ہے تو وہ یقیناً عمر بن خطاب ہیں۔''

فوائد و مسائل: ① لفظ محدث دال کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ شارحین نے اس کے مختلف معانی بیان کیے ہیں: (ا) جس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی اچھی چیز ڈال دی جائے، گویا وہ جو گمان کرتا ہے درست ہوتا ہے اور اس کے دل میں کوئی بات آتی ہے تو نفس الامر کے مطابق ہوتی ہے۔ (ب) جس کی زبان پر حق جاری ہو جائے۔ (ج) جو اپنی فراست سے کسی بات کی تہ تک پہنچ جائے۔ یہ تمام معانی مدعا اور مقصد کے اعتبار سے قریب قریب ہیں۔ حضرت عمر ؓ کو ان تمام باتوں میں کامل درجہ حاصل تھا۔ کئی باتوں میں ان کی رائے کے مطابق اللہ کی طرف سے وحی نازل ہوئی۔ ② حافظ ابن حجر ؒ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کی امت، تمام امتوں سے افضل ہے۔ جب دوسری امتوں میں محدث ہوتے تھے تو آپ کی امت میں بطریق اولیٰ ہونے چاہئیں۔ رسول اللہ ﷺ نے توقع کے طور پر فرمایا، گویا آپ ابھی اس پر مطلع نہیں ہوئے تھے، چنانچہ آپ کی توقع کے مطابق ایسا ہی ہوا اور حضرت عمر ؓ اس معیار اور توقع پر پورے اترے۔[1]

٣٤٧٠ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَبِي الصِّدِّيقِ النَّاجِي، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «كَانَ فِي بَنِي إِسْرَائِيلَ رَجُلٌ قَتَلَ تِسْعَةً وَّتِسْعِينَ إِنْسَانًا، ثُمَّ خَرَجَ يَسْأَلُ، فَأَتَى رَاهِبًا فَسَأَلَهُ فَقَالَ لَهُ: تَوْبَةٌ؟ قَالَ: لَا، فَقَتَلَهُ، فَجَعَلَ يَسْأَلُ، فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ: ائْتِ

[3470] حضرت ابوسعید خدری ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''بنی اسرائیل کا ایک شخص تھا جس نے ننانوے قتل کیے تھے۔ پھر وہ مسئلہ پوچھنے نکلا تو پہلے ایک درویش کے پاس گیا اور اس سے کہا: کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ درویش نے کہا: نہیں! تو اس نے اسے بھی قتل کر دیا۔ پھر مسئلہ پوچھنے نکلا تو اس سے کسی نے کہا کہ تو فلاں بستی میں چلا جا، لیکن راستے ہی میں اسے

1 فتح الباري: 632/6.

قَرْيَةَ كَذَا وَكَذَا، فَأَدْرَكَهُ الْمَوْتُ فَنَاءَ بِصَدْرِهِ نَحْوَهَا فَاخْتَصَمَتْ فِيهِ مَلَائِكَةُ الرَّحْمَةِ وَمَلَائِكَةُ الْعَذَابِ، فَأَوْحَى اللهُ إِلَى هٰذِهِ أَنْ تَقَرَّبِي، وَأَوْحَى إِلَى هٰذِهِ أَنْ تَبَاعَدِي، وَقَالَ: قِيسُوا مَا بَيْنَهُمَا، فَوُجِدَ إِلَى هٰذِهِ أَقْرَبَ بِشِبْرٍ فَغُفِرَ لَهُ».

موت نے آ لیا تو مرتے وقت اس نے اپنا سینہ اس بستی کی طرف کر دیا۔ اب اس کے پاس رحمت اور عذاب کے دونوں فرشتے آئے اور جھگڑنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے اس بستی کو حکم دیا کہ اس شخص کے قریب ہو جا اور اس بستی کو جہاں سے وہ نکلا تھا یہ حکم دیا کہ اس سے دور ہو جا۔ پھر فرشتوں سے فرمایا کہ تم دونوں بستیوں کا درمیانی فاصلہ ناپ لو تو وہ اس بستی سے بالشت بھر قریب نکلا جہاں توبہ کرنے جا رہا تھا، اس بنا پر اسے معاف کر دیا گیا۔"

فوائد و مسائل: ① لفظ راہب سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے کے بعد کا ہے کیونکہ رہبانیت کی ابتدا ان لوگوں سے ہوئی جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکار تھے۔ ② بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی توبہ کے نتیجے میں تمام گناہ معاف کر دیے حتی کہ وہ گناہ بھی جو حقوق العباد سے تعلق رکھتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ اس شخص سے راضی ہو گیا تو وہ لوگ بھی اس سے راضی ہو جائیں گے جن کے حقوق اس نے غصب کر رکھے تھے۔ اللہ تعالیٰ حق داروں کو خود اپنی طرف سے اچھا بدلہ دے کر انھیں راضی کر دے گا، چنانچہ ایک حدیث میں ہے: رسول اللہ ﷺ نے یوم عرفہ کے پچھلے وقت اپنی امت کی بخشش کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے اسے شرف قبولیت سے نوازا اور فرمایا کہ میں نے حقوق العباد کے علاوہ ان کے سب گناہ معاف کر دیے۔ وہ حق ظالم سے لے کر مظلوم کو ضرور دوں گا۔ آپ نے اللہ تعالیٰ سے دوبارہ عرض کی: اے اللہ! اگر تو چاہے تو مظلوم کو جنت سے کچھ حصہ دے کر راضی کر دے اور ظالم کو معاف کر دے۔ لیکن اس وقت آپ کی یہ دعا قبول نہ ہوئی، بالآخر صبح کے وقت آپ نے مزدلفہ پہنچ کر پھر اس دعا کو دہرایا تو اللہ تعالیٰ نے اسے قبول کر لیا، یعنی حقوق العباد بھی معاف کر دینے کا وعدہ فرمایا۔[1] لیکن علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔[2] ③ بہر حال کبیرہ گناہ معاف ہونے کی چند شرائط ہیں: (ا) کبیرہ جرائم کو حلال سمجھ کر نہ کیا جائے۔ (ب) وہ بکثرت نیکیاں کرے۔ (ج) ان مواقع کو چھوڑ دے جہاں جہاں اس نے گناہوں کا ارتکاب کیا تھا تا کہ اس جدائی اور علیحدگی سے اس کی توبہ پکی ہو جائے۔ بہر حال اس حدیث سے ان لوگوں نے دلیل لی جو قاتل مومن کی توبہ کے متعلق یہ موقف رکھتے ہیں کہ وہ قبول کی جائے گی۔ واللہ أعلم.

٣٤٧١ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ: حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: صَلَّى رَسُولُ اللهِ ﷺ صَلَاةَ الصُّبْحِ ثُمَّ أَقْبَلَ

[3471] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ نماز صبح ادا کی، پھر لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: "ایک شخص بیل کو ہانکے لیے جا رہا تھا کہ وہ اس پر سوار ہو گیا اور اسے مارا۔

[1] سنن ابن ماجه، المناسك، حديث: 3013. [2] ضعيف سنن ابن ماجه، حديث: 651.

عَلَى النَّاسِ فَقَالَ: «بَيْنَا رَجُلٌ يَسُوقُ بَقَرَةً إِذْ رَكِبَهَا فَضَرَبَهَا، فَقَالَتْ: إِنَّا لَمْ نُخْلَقْ لِهٰذَا إِنَّمَا خُلِقْنَا لِلْحَرْثِ»، فَقَالَ النَّاسُ: سُبْحَانَ اللهِ بَقَرَةٌ تَكَلَّمُ! فَقَالَ: «فَإِنِّي أُومِنُ بِهٰذَا أَنَا وَأَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ» وَمَا هُمَا ثَمَّ. «وَبَيْنَمَا رَجُلٌ فِي غَنَمِهِ إِذْ عَدَا الذِّئْبُ فَذَهَبَ مِنْهَا بِشَاةٍ فَطَلَبَ حَتّٰى كَأَنَّهُ اسْتَنْقَذَهَا مِنْهُ، فَقَالَ لَهُ الذِّئْبُ: هٰذَا اسْتَنْقَذْتَهَا مِنِّي، فَمَنْ لَهَا يَوْمَ السَّبُعِ؟ يَوْمَ لَا رَاعِيَ لَهَا غَيْرِي؟» فَقَالَ النَّاسُ: سُبْحَانَ اللهِ، ذِئْبٌ يَتَكَلَّمُ! قَالَ: «فَإِنِّي أُومِنُ بِهٰذَا أَنَا وَأَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ» وَمَا هُمَا ثَمَّ. [راجع: ٢٣٢٤]

اس بیل نے کہا: ہم جانور سواری کے لیے پیدا نہیں کیے گئے بلکہ ہماری پیدائش تو کھیتی باڑی کے لیے ہے۔'' لوگوں نے کہا: سبحان اللہ! بیل نے باتیں کیں! آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں، ابوبکر اور عمر اس پر یقین رکھتے ہیں۔'' حالانکہ اس وقت وہ دونوں وہاں موجود نہ تھے۔''اسی طرح ایک دفعہ ایک شخص اپنی بکریوں میں موجود تھا کہ اچانک بھیڑیے نے حملہ کیا اور ان میں سے ایک بکری اٹھا کر لے بھاگا۔ چرواہے نے اس کا پیچھا کیا اور اس سے وہ بکری چھڑا لی۔ اس پر بھیڑیے نے اسے کہا: آج تو یہ بکری تو نے مجھ سے چھڑا لی ہے لیکن درندوں والے دن اسے کون بچائے گا، جس دن میرے علاوہ ان کا اور کوئی چرواہا نہیں ہوگا؟'' لوگوں نے کہا: سبحان اللہ! بھیڑیا باتیں کرتا ہے! آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں، ابوبکر اور عمر اس پر یقین رکھتے ہیں۔'' حالانکہ وہ دونوں وہاں موجود نہیں تھے۔

حَدَّثَنَا عَلِيٌّ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مِّسْعَرٍ، عَنْ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ بِمِثْلِهِ.

امام بخاری رحمہ اللہ نے کہا: ہم سے یہ حدیث علی بن عبداللہ نے، ان سے سفیان بن عیینہ نے، ان سے مسعر نے، ان سے سعد بن ابراہیم نے، ان سے ابوسلمہ نے، ان سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کی اور انھوں نے نبی ﷺ سے یہی حدیث بیان کی۔

فوائد و مسائل: ① رسول اللہ ﷺ کو حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی قوت ایمانی پر یقین تھا، اس لیے آپ نے ان کی عدم موجودگی میں ان کے ایمان و یقین کی شہادت دی۔ ② اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے، اس نے بیل اور بھیڑیے میں بولنے کی قوت پیدا کر دی۔ ③ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حیوانات کا استعمال انھی کاموں کے لیے ہونا چاہیے جن میں بطور عادت ان کو استعمال کیا جاتا ہے۔ بیلوں پر سواری نہیں کرنی چاہیے اور بھیڑ بکریوں کو کھیتی باڑی میں نہیں لگانا چاہیے۔[1]

٣٤٧٢ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ نَصْرٍ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مَّعْمَرٍ، عَنْ هَمَّامٍ، عَنْ أَبِي

[3472] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''ایک شخص نے دوسرے شخص

1 فتح الباري: 634/6.

هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «اشْتَرَى رَجُلٌ مِّنْ رَّجُلٍ عَقَارًا لَّهُ فَوَجَدَ الرَّجُلُ الَّذِي اشْتَرَى الْعَقَارَ فِي عَقَارِهِ جَرَّةً فِيهَا ذَهَبٌ، فَقَالَ لَهُ الَّذِي اشْتَرَى الْعَقَارَ: خُذْ ذَهَبَكَ مِنِّي، إِنَّمَا اشْتَرَيْتُ مِنْكَ الْأَرْضَ، وَلَمْ أَبْتَعْ مِنْكَ الذَّهَبَ، وَقَالَ الَّذِي لَهُ الْأَرْضُ: إِنَّمَا بِعْتُكَ الْأَرْضَ وَمَا فِيهَا، فَتَحَاكَمَا إِلَى رَجُلٍ، فَقَالَ الَّذِي تَحَاكَمَا إِلَيْهِ: أَلَكُمَا وَلَدٌ؟ قَالَ أَحَدُهُمَا: لِي غُلَامٌ، وَقَالَ الْآخَرُ: لِي جَارِيَةٌ. قَالَ: أَنْكِحُوا الْغُلَامَ الْجَارِيَةَ، وَأَنْفِقُوا عَلَى أَنْفُسِهِمَا مِنْهُ وَتَصَدَّقَا».

سے زمین خریدی۔ جس نے زمین خریدی تھی اس نے زمین میں ایک گھڑا پایا جو سونے سے بھرا ہوا تھا تو اس نے فروخت کنندہ سے کہا: تم اپنا سونا مجھ سے لے لو کیونکہ میں نے تجھ سے صرف زمین خریدی تھی سونا نہیں خریدا تھا۔ زمین کے مالک نے کہا: میں نے زمین اور جو کچھ اس میں تھا سب تجھے فروخت کر دیا تھا۔ آخر وہ دونوں ایک تیسرے شخص کے پاس اپنا مقدمہ لے گئے۔ فیصلہ کرنے والے نے ان سے پوچھا: کیا تم دونوں کی اولاد ہے؟ ان دونوں میں سے ایک نے کہا: میرا ایک لڑکا ہے۔ دوسرے نے کہا: میری ایک لڑکی ہے۔ اس (فیصلہ کرنے والے) نے کہا: اس لڑکے کا نکاح اس لڑکی سے کر دو اور اس مال کو ان دونوں پر خرچ کر دو، نیز کچھ صدقہ وخیرات کرتے ہوئے محتاجوں کو دے دو۔''

فوائد ومسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وہ لوگ بہت محتاط اور پرہیز گار تھے، البتہ ہمارے اس پُر آشوب دور میں معاملہ اس کے برعکس ہے۔ معمولی معمولی چیز میں بددیانتی کرتے ہیں اور لوگوں کے مال غصب کرنے میں فخر کرتے ہیں۔ ② ہماری شریعت میں ایسے مال کے متعلق یہ تفصیل ہے کہ اگر قرائن سے معلوم ہو جائے کہ وہ دور جاہلیت کا مدفون خزانہ ہے تو وہ رکاز ہے اور اس سے پانچواں حصہ بیت المال کو ادا کرنا ہوگا۔ اگر وہ مال دور اسلام کا ہے تو وہ لقطے کے حکم میں ہوگا اور اگر پتہ نہ چل سکے تو تمام مال بیت المال میں جمع کر دیا جائے جو مسلمانوں کی اجتماعی ضروریات میں صرف کیا جائے گا۔ ③ بعض حضرات کا موقف ہے کہ جو کوئی زمین کا مالک ہو جائے تو وہ عطا کردہ باطن کی ہر چیز کا مالک ہو جاتا ہے اور زمین کا مالک بنتے وقت اگر اسے زمین کے باطن میں کسی چیز کا علم نہ ہو تو یہ اس کی ملکیت کو ساقط نہیں کرتا۔ کچھ حضرات کہتے ہیں کہ اگر کوئی زمین بیچے پھر اس میں سے خزانہ نکل آئے تو وہ بیچنے والے کا ہوگا جیسا کہ گھر بیچنے کی صورت میں اس کا مال و اسباب بیچنے والے کا ہوتا ہے، ہاں اگر خریدنے والا شرط کر لے تو دوسری بات ہے۔ واللہ أعلم.

٣٤٧٣ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ وَعَنْ أَبِي النَّضْرِ مَوْلَى عُمَرَ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ، عَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ، عَنْ أَبِيهِ: أَنَّهُ سَمِعَهُ يَسْأَلُ أُسَامَةَ بْنَ زَيْدٍ: مَاذَا سَمِعْتَ مِنْ

[3473] حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے پوچھا: کیا آپ نے رسول اللہ ﷺ سے مرض طاعون کے متعلق کچھ سنا ہے؟ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''طاعون ایک عذاب ہے جو بنی اسرائیل کے ایک گروہ یا تم

رَسُولِ اللهِ ﷺ فِي الطَّاعُونِ؟ فَقَالَ أُسَامَةُ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «اَلطَّاعُونُ رِجْسٌ أُرْسِلَ عَلٰى طَائِفَةٍ مِّنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ - أَوْ عَلٰى مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ - فَإِذَا سَمِعْتُمْ بِهِ بِأَرْضٍ فَلَا تَقْدَمُوا عَلَيْهِ، وَإِذَا وَقَعَ بِأَرْضٍ وَّأَنْتُمْ بِهَا فَلَا تَخْرُجُوا فِرَارًا مِّنْهُ». قَالَ أَبُو النَّضْرِ: «لَا يُخْرِجُكُمْ إِلَّا فِرَارًا مِّنْهُ». [انظر: ٥٧٢٨، ٦٩٧٤]

سے پہلے لوگوں پر بھیجا گیا تھا، لہٰذا جب تم سنو کہ کسی ملک میں طاعون کی وبا پھیلی ہے تو وہاں مت جاؤ اور جب اس ملک میں پھیلے جہاں تم رہتے ہو تو وہاں سے بھاگ کر نہ جاؤ۔" راویٔ حدیث ابونضر نے کہا: "صرف طاعون سے بھاگنے کی نیت سے نہ نکلو۔"

فوائد و مسائل: ① طاعون ایک وبائی مرض ہے، جو سخت دردناک اور جلن کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ بغلوں میں ورم آتا ہے، پھر چاروں اطراف سیاہ یا سبز ہو جاتی ہیں۔ دل گھبراتا ہے، پھر قے آنا شروع ہو جاتی ہے۔ بالآخر اس سے انسان کی موت واقع ہو جاتی ہے۔ بنی اسرائیل پر عذاب کی شکل میں اس کا ظہور ہوا، البتہ اس امت کے لیے گناہوں کا کفارہ ہے۔ ② حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جس جگہ طاعون پھیلا ہو وہاں سے کسی دوسری جگہ راہ فرار اختیار کرتے ہوئے نہیں جانا چاہیے، البتہ بغرض تجارت، حصول علم اور جہاد وغیرہ کے لیے نکلنا جائز ہے۔ راویٔ حدیث ابونضر کی روایت کا مفہوم یہ ہے کہ جب تمھارا نکلنا صرف طاعون سے فرار کے لیے ہو تو وہاں سے مت نکلو، یعنی جس نکلنے سے منع کیا گیا ہے وہ محض فرار کے طور پر وہاں سے بھاگنا ہے۔ واللہ أعلم.

٣٤٧٤ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا دَاوُدُ بْنُ أَبِي الْفُرَاتِ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ بُرَيْدَةَ عَنْ يَحْيَى بْنِ يَعْمَرَ، عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَتْ: سَأَلْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ عَنِ الطَّاعُونِ فَأَخْبَرَنِي أَنَّهُ عَذَابٌ يَبْعَثُهُ اللهُ عَلٰى مَنْ يَّشَاءُ، وَأَنَّ اللهَ جَعَلَهُ رَحْمَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ، لَيْسَ مِنْ أَحَدٍ يَقَعُ الطَّاعُونُ فَيَمْكُثُ فِي بَلَدِهِ صَابِرًا مُّحْتَسِبًا يَعْلَمُ أَنَّهُ لَا يُصِيبُهُ إِلَّا مَا كَتَبَ اللهُ لَهُ إِلَّا كَانَ لَهُ مِثْلُ أَجْرِ شَهِيدٍ». [انظر: ٥٧٣٤، ٦٦١٩]

[3474] نبی ﷺ کی زوجۂ محترمہ حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ سے طاعون کے متعلق پوچھا تو آپ نے مجھے بتایا: "وہ ایک عذاب ہے، اللہ جن پر چاہتا ہے اسے مسلط کر دیتا ہے اور مسلمانوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے اسے باعث رحمت بنا دیا ہے۔ جب کہیں طاعون پھیلے تو جو بھی مسلمان اپنے اس شہر میں صبر کر کے بغرض ثواب قیام کرے، نیز اس کا یہ اعتقاد ہو کہ اللہ تعالیٰ نے جو مصیبت قسمت میں لکھ دی ہے وہی پیش آئے گی، اللہ کے ہاں اسے شہید کا ثواب ملے گا۔"

فوائد و مسائل: ① اس امت پر اللہ کی بہت مہربانی ہے کیونکہ جو بیماری دوسری امتوں کے لیے بطور عذاب مسلط کی گئی تھی وہ اس امت کے لیے باعث رحمت بنا دی گئی ہے۔ اس حدیث کے مطابق طاعون سے مرنا شہادت صغریٰ ہے۔ زمانۂ طاعون میں

ثواب کی نیت سے وہاں قیام کرنا بھی باعث خیر و برکت ہے۔ مذکورہ حدیث میں ایسے شخص کو شہادت کی بشارت دی گئی ہے اگرچہ وہ زمانۂ طاعون کے بعد کسی اور بیماری کی وجہ سے فوت ہو۔ ② حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ وہ طاعون کے زمانے میں اپنے بیٹوں کو دیہات روانہ کر دیتے تھے۔ شاید انھیں مذکورہ حدیث نہیں پہنچی ہو گی۔[1] واللہ أعلم.

٣٤٧٥ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا لَيْثٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: أَنَّ قُرَيْشًا أَهَمَّهُمْ شَأْنُ الْمَرْأَةِ الْمَخْزُومِيَّةِ الَّتِي سَرَقَتْ فَقَالُوا: وَمَنْ يُكَلِّمُ فِيهَا رَسُولَ اللهِ ﷺ؟ فَقَالُوا: وَمَنْ يَجْتَرِئُ عَلَيْهِ إِلَّا أُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ حِبُّ رَسُولِ اللهِ ﷺ؟ فَكَلَّمَهُ أُسَامَةُ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أَتَشْفَعُ فِي حَدٍّ مِّنْ حُدُودِ اللهِ؟» ثُمَّ قَامَ فَاخْتَطَبَ ثُمَّ قَالَ: «إِنَّمَا أَهْلَكَ الَّذِينَ قَبْلَكُمْ أَنَّهُمْ كَانُوا إِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الشَّرِيفُ تَرَكُوهُ، وَإِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الضَّعِيفُ أَقَامُوا عَلَيْهِ الْحَدَّ، وَايْمُ اللهِ لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا».

[راجع: ٢٦٤٨]

[3475] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: قبیلۂ مخزوم کی ایک عورت نے چوری کر لی تو قریش اس کے معاملے میں بہت پریشان ہوئے۔ انھوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ اس کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے کون گفتگو کرے؟ طے پایا کہ صرف حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما جو رسول اللہ ﷺ کے محبوب ہیں وہ آپ سے اس کے متعلق بات کرنے کی جرأت کر سکتے ہیں، چنانچہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے اس کے متعلق آپ سے سفارش کی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''(اے اسامہ!) کیا تم اللہ کی حدود میں سے کسی حد کے متعلق سفارش کرتے ہو؟'' پھر آپ نے کھڑے ہو کر یہ خطبہ دیا اور فرمایا: ''تم سے پہلے لوگوں کو اس امر نے تباہ کیا کہ جب ان میں سے کوئی دولت مند اور معزز آدمی چوری کرتا تو وہ اسے چھوڑ دیتے اور جب کوئی کمزور اور غریب آدمی چوری کرتا تو اس پر حد قائم کر دیتے تھے۔ اللہ کی قسم! اگر (میری لخت جگر) فاطمہ بنت محمد (ﷺ) بھی چوری کرے تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دوں گا۔''

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں ''تم سے پہلے لوگوں'' سے مراد بنی اسرائیل ہیں۔ ② چور کا ہاتھ کاٹنا شریعت موسوی میں بھی تھا۔ اب اگر کوئی اسے وحشیانہ سزا کہتا ہے تو وہ خود وحشی ہے اور جو کوئی مسلمان ہو کر اس سزا کو خلاف تہذیب کہے وہ کافر اور دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔ اس حدیث کی مکمل تشریح کتاب الحدود میں آئے گی۔ ③ جس مخزومیہ عورت نے چوری کی تھی اس کا نام فاطمہ بنت اسود تھا۔ اس نے فتح مکہ کے وقت کسی کا زیور چرا لیا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے بطور سزا اس کا ہاتھ کاٹ دیا تھا۔ ④ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب معاملہ حاکم وقت کے پاس پہنچ جائے تو حدود کے متعلق سفارش کرنا یا سفارش کرانا دونوں حرام ہیں۔ اگر ملزم، عادی مجرم نہ ہو اور نہ کبھی فساد انگیزی ہی میں ملوث ہوا ہو تو حاکم وقت کے پاس جانے سے پہلے معاملہ

[1] عمدة القاري: 228/11.

نمٹایا جاسکتا ہے۔ واللہ أعلم.

٣٤٧٦ - حَدَّثَنَا آدَمُ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ مَيْسَرَةَ قَالَ: سَمِعْتُ النَّزَّالَ بْنَ سَبْرَةَ الْهِلَالِيَّ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَجُلًا قَرَأَ آيَةً وَّسَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقْرَأُ خِلَافَهَا، فَجِئْتُ بِهِ النَّبِيَّ ﷺ فَأَخْبَرْتُهُ فَعَرَفْتُ فِي وَجْهِهِ الْكَرَاهِيَةَ وَقَالَ: «كِلَاكُمَا مُحْسِنٌ فَلَا تَخْتَلِفُوا فَإِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمُ اخْتَلَفُوا فَهَلَكُوا». [راجع: ٢٤١٠]

[3476] حضرت عبداللہ بن مسعود ﷜ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے ایک آدمی کو قرآنی آیت پڑھتے سنا جبکہ میں نے نبی ﷺ کو اس کے خلاف پڑھتے سنا تھا، چنانچہ میں اس شخص کو نبی ﷺ کی خدمت میں لے آیا اور آپ سے واقعہ عرض کیا۔ اس دوران مجھے آپ ﷺ کے چہرۂ انور پر ناپسندیدگی کے اثرات محسوس ہوئے۔ آپ نے فرمایا: ''تم دونوں درست پڑھتے ہو لیکن ایک دوسرے سے اختلاف نہ کرو کیونکہ تم سے پہلے لوگ اختلاف کا شکار ہوئے تو وہ تباہ و برباد ہو گئے۔''

فوائد و مسائل: ① رسول اللہ ﷺ نے جس اختلاف سے ڈرایا ہے اس سے مراد وہ اختلاف ہے جو انسان کو کفر و شرک یا بدعت تک پہنچا دے، مثلاً: نفس قرآن میں اختلاف کرنا، البتہ قراءات کے سلسلے میں آدمی کو اختیار ہے کہ جسے چاہے پڑھے۔ اسی طرح اظہار حق کے لیے جو مناظرات ہیں وہ ممنوع نہیں، نیز فروعی اور قیاسی مسائل میں لڑنا جھگڑنا اور بال کی کھال اتارنا کوئی مستحسن کام نہیں۔ اسی طرح قیاسی مسائل میں کسی ایک امام کے اجتہادات تسلیم کرنے پر کسی کو مجبور کرنا بھی درست نہیں۔ ② واضح رہے کہ ہمارے ہاں اختلافات کو برقرار رکھنے کے لیے ایک حدیث پیش کی جاتی ہے: ''میری امت کا اختلاف باعث رحمت ہے'' یہ خود ساختہ اور بناوٹی حدیث ہے۔ محدثین کے معیار صحت پر یہ پوری نہیں اترتی۔

٣٤٧٧ - حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ: حَدَّثَنَا أَبِي: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ قَالَ: حَدَّثَنِي شَقِيقٌ: قَالَ عَبْدُ اللهِ: كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ يَحْكِي نَبِيًّا مِّنَ الْأَنْبِيَاءِ ضَرَبَهُ قَوْمُهُ فَأَدْمَوْهُ وَهُوَ يَمْسَحُ الدَّمَ عَنْ وَّجْهِهِ وَيَقُولُ: «اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِي فَإِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ». [انظر: ٦٩٢٩]

[3477] حضرت عبداللہ ﷜ ہی سے روایت ہے، انھوں نے کہا: گویا میں نبی ﷺ کو دیکھ رہا ہوں۔ آپ انبیاء ﷩ میں سے کسی ایک نبی کا حال بیان کر رہے تھے۔ انھیں ان کی قوم نے اس قدر زد و کوب کیا کہ انھیں خون آلود کر دیا مگر وہ اپنے چہرے سے خون صاف کرتے اور کہتے جاتے تھے: ''اے اللہ! میری قوم کو بخش دے، کیونکہ وہ لاعلم ہیں۔''

فوائد و مسائل: ① امام بخاری ﷫ کے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ کسی بنی اسرائیل کے نبی کا ہے، لیکن امام مسلم ﷫ نے اس حدیث کی تخریج کے بعد لکھا ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ کا یہ واقعہ ہے، گویا آپ اس واقعے کے خود ہی بیان کرنے والے اور خود ہی صاحب واقعہ ہیں۔ غزوۂ اُحد کے وقت جب کفار مکہ نے آپ کا چہرہ خون آلود کر دیا تو آپ نے فرمایا: ''وہ قوم کیسے فلاح پائے گی جس نے اپنے نبی کا چہرہ خون آلود کر دیا اور اس کے اگلے دانت شہید کر دیے جبکہ وہ انھیں اللہ کی طرف بلاتے

ہیں۔'' اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ''آپ کا اس بات میں کوئی اختیار نہیں، اللہ چاہے تو انھیں معاف کر دے چاہے تو سزا دے۔ وہ بہرحال ظالم تو ہیں ہی۔''[1] امام نووی ؒ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے کسی گزشتہ نبی کا واقعہ بیان کیا ہے اگرچہ غزوۂ اُحد کے موقع پر آپ کے ساتھ بھی اس قسم کا واقعہ پیش آیا۔[2] ② اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دعوت وتبلیغ پر گالیاں سننا اور ماریں کھانا انبیاء ؑ کی سنت ہے۔

٣٤٧٨ - حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَبْدِ الْغَافِرِ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: «أَنَّ رَجُلًا كَانَ قَبْلَكُمْ رَغَسَهُ اللهُ مَالًا فَقَالَ لِبَنِيهِ لَمَّا حُضِرَ: أَيَّ أَبٍ كُنْتُ لَكُمْ؟ قَالُوا: خَيْرَ أَبٍ، قَالَ: فَإِنِّي لَمْ أَعْمَلْ خَيْرًا قَطُّ فَإِذَا مُتُّ فَأَحْرِقُونِي ثُمَّ اسْحَقُونِي ثُمَّ ذَرُّونِي فِي يَوْمٍ عَاصِفٍ، فَفَعَلُوا، فَجَمَعَهُ اللهُ عَزَّوَجَلَّ فَقَالَ: مَا حَمَلَكَ؟ قَالَ: مَخَافَتُكَ، فَتَلَقَّاهُ رَحْمَتُهُ».

[3478] حضرت ابوسعید خدری ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''تم سے پہلے ایک شخص کو اللہ تعالیٰ نے بہت کچھ مال و اسباب دے رکھا تھا۔ جب اس پر موت کے آثار ظاہر ہونے لگے تو اس نے اپنے بیٹوں سے کہا: میں تمھارا کیسا باپ ہوں؟ انھوں نے کہا: آپ ہمارے لیے بہترین باپ ہیں۔ اس نے کہا: میں نے اب تک کوئی اچھا کام نہیں کیا، لہٰذا جب میں مر جاؤں تو مجھے جلا دینا، پھر مجھے پیس کر تیز ہوا میں اُڑا دینا، چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا۔ اللہ تعالیٰ نے (اس کے بکھرے ہوئے ذرات کو) اکٹھا کر کے فرمایا: تجھے اس بات پر کس چیز نے آمادہ کیا؟ اس نے کہا: (اے اللہ!) تیرے خوف نے، چنانچہ اللہ نے اپنی رحمت سے اس کا استقبال کیا۔''

وَقَالَ مُعَاذٌ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ قَالَ: سَمِعْتُ عُقْبَةَ بْنَ عَبْدِ الْغَافِرِ: سَمِعْتُ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ. [انظر: ٦٤٨١، ٧٥٠٨]

معاذ نے کہا: ہمیں شعبہ نے قتادہ سے خبر دی، انھوں نے عقبہ بن عبدالغافر سے سنا، انھوں نے حضرت ابوسعید خدری ؓ سے اور انھوں نے نبی ﷺ سے اس حدیث کو بیان کیا۔

فائدہ: اس کا یہ کام قدرت الٰہی کے عقیدے کے منافی تھا لیکن یہ معاملہ اس وقت کیا جب اس پر خوف کا غلبہ تھا، اس بنا پر وہ تدبر اور سوچ و بچار سے محروم تھا اور اسے ہر چیز بھول چکی تھی۔ ایسے حالات کی وجہ سے اس پر کوئی مؤاخذہ نہیں ہوا۔ بہرحال اس شخص کا اللہ پر ایمان تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوال کرنے پر اس نے بتایا کہ مجھے تیرے خوف نے اس کام پر آمادہ کیا۔ شدت خوف کے وقت اگر کوئی ایسی بات یا ایسا کام کرے جو دائرۂ اسلام سے خارج ہونے کا باعث ہو تو اس پر مؤاخذہ نہیں ہوگا۔

① آل عمران 3: 128، وصحيح مسلم، الجهاد، حديث: 4645 (1791). ② فتح الباري: 6/637.

٣٤٧٩ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ، عَنْ رِبْعِيِّ بْنِ حِرَاشٍ قَالَ: قَالَ عُقْبَةُ لِحُذَيْفَةَ: أَلَا تُحَدِّثُنَا مَا سَمِعْتَ مِنَ النَّبِيِّ ﷺ؟ قَالَ: سَمِعْتُهُ يَقُولُ: «إِنَّ رَجُلًا حَضَرَهُ الْمَوْتُ لَمَّا أَيِسَ مِنَ الْحَيَاةِ أَوْصٰى أَهْلَهُ: إِذَا مُتُّ فَاجْمَعُوا لِي حَطَبًا كَثِيرًا، ثُمَّ أَوْرُوا نَارًا، حَتّٰى إِذَا أَكَلَتْ لَحْمِي وَخَلَصَتْ إِلٰى عَظْمِي فَخُذُوهَا فَاطْحَنُوهَا فَذَرُّونِي فِي الْيَمِّ فِي يَوْمٍ حَارٍّ - أَوْ رَاحٍ - فَجَمَعَهُ اللهُ فَقَالَ: لِمَ فَعَلْتَ؟ قَالَ: خَشْيَتَكَ، فَغَفَرَ لَهُ».

[3479] حضرت عقبہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے حضرت حذیفہ ؓ سے کہا: کیا آپ ہمیں کوئی ایسی حدیث سناتے ہیں جو آپ نے نبی ﷺ سے سنی ہو؟ انھوں نے کہا: میں نے آپ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''ایک شخص کی موت قریب آ گئی۔ جب وہ زندگی سے مایوس ہو گیا تو اپنے اہل خانہ کو اس نے یہ وصیت کی کہ جب میں مر جاؤں تو میرے لیے بہت سی لکڑیاں جمع کر کے آگ کا ایک الاؤ تیار کرنا۔ جب آگ میرا گوشت کھا جائے اور ہڈیوں تک پہنچ جائے تو ان ہڈیوں کو اکٹھا کر کے خوب پیس لینا۔ پھر کسی گرمی یا آندھی کے دن اسے دریا میں بہا دینا۔ (انھوں نے ایسے ہی کیا۔) اللہ تعالیٰ نے اس کے اجزاء کو جمع کر کے پوچھا: تو نے ایسا کیوں کیا؟ اس نے کہا: تیرے خوف سے ایسا کیا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسے معاف کر دیا۔''

قَالَ عُقْبَةُ: وَأَنَا سَمِعْتُهُ يَقُولُ. [راجع: ٣٤٥٢]

حضرت عقبہ نے کہا: میں نے حضرت حذیفہ ؓ کو یہ حدیث بیان کرتے ہوئے سنا۔

حَدَّثَنَا مُوسٰى: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ وَقَالَ: «فِي يَوْمٍ رَّاحٍ».

ایک روایت میں شک کے بغیر ''سخت آندھی کے دن'' کے الفاظ ہیں۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں حضرت عقبہ سے مراد حضرت ابو مسعود عقبہ بن عمرو بدری ؓ ہیں اور اس سے پہلے حدیث: 3478 میں عقبہ بن عبدالغافر ہیں۔ یہ دونوں الگ الگ ہیں۔ اس حدیث کی تشریح ہو چکی ہے۔ دیکھیں، حدیث: 3452، وہاں اس آدمی کے متعلق وضاحت تھی کہ وہ کفن چور تھا۔ بہر حال اس شخص نے اپنے خیال کے مطابق اخروی عذاب سے بچنے کا ایک خود ساختہ طریقہ تجویز کیا مگر اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ اس نے راکھ کے ایک ایک ذرے کو جمع کر کے اس شخص کو حساب کے لیے اپنے سامنے کھڑا کر لیا۔ ② اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایسے باطل خیالات سراسر فطرت انسانی کے خلاف ہیں۔

٣٤٨٠ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ

[3480] حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ایک شخص لوگوں کو قرض دیا کرتا تھا۔

عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «كَانَ الرَّجُلُ يُدَايِنُ النَّاسَ فَكَانَ يَقُولُ لِفَتَاهُ: إِذَا أَتَيْتَ مُعْسِرًا فَتَجَاوَزْ عَنْهُ لَعَلَّ اللهَ أَنْ يَتَجَاوَزَ عَنَّا، قَالَ: فَلَقِيَ اللهَ فَتَجَاوَزَ عَنْهُ». [راجع: ٢٠٧٨]

اس نے اپنے نوکر کو یہ کہہ رکھا تھا کہ جب تم کسی تنگدست کے پاس جاؤ تو اسے معاف کر دیا کرو، ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسا کرنے سے ہمیں بھی معاف کر دے، چنانچہ جب اس کی اللہ تعالیٰ سے ملاقات ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے اسے معاف کر دیا۔"

فائدہ: اس حدیث کی تشریح کے لیے حدیث: 3451 کے فوائد ملاحظہ کریں۔

٣٤٨١ - حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ حُمَيْدِ ابْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «كَانَ رَجُلٌ يُسْرِفُ عَلَى نَفْسِهِ فَلَمَّا حَضَرَهُ الْمَوْتُ قَالَ لِبَنِيهِ: إِذَا أَنَا مُتُّ فَأَحْرِقُونِي ثُمَّ اطْحَنُونِي ثُمَّ ذَرُّونِي فِي الرِّيحِ، فَوَاللهِ لَئِنْ قَدَرَ اللهُ عَلَيَّ لَيُعَذِّبَنِّي عَذَابًا مَا عَذَّبَهُ أَحَدًا، فَلَمَّا مَاتَ فُعِلَ بِهِ ذٰلِكَ فَأَمَرَ اللهُ تَعَالَى الْأَرْضَ فَقَالَ: اجْمَعِي مَا فِيكِ مِنْهُ، فَفَعَلَتْ. فَإِذَا هُوَ قَائِمٌ فَقَالَ: مَا حَمَلَكَ عَلَى مَا صَنَعْتَ؟ قَالَ: يَا رَبِّ! خَشْيَتُكَ حَمَلَتْنِي، فَغَفَرَ لَهُ»، وَقَالَ غَيْرُهُ: «مَخَافَتُكَ يَا رَبِّ!».

[انظر: ٧٥٠٦]

[3481] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: "ایک شخص بہت گناہ گار تھا۔ جب اس کی موت کا وقت آیا تو اس نے اپنے بیٹوں سے کہا: جب میں مر جاؤں تو مجھے جلا دینا۔ پھر مجھے باریک پیس کر ذرات کو ہوا میں اڑا دینا۔ اللہ کی قسم! اگر اللہ تعالیٰ مجھ پر قادر ہو گیا تو مجھے ایسا سخت عذاب دے گا جو اس نے کسی کو نہیں دیا ہو گا۔ جب وہ مر گیا تو اس کے ساتھ وہی کچھ کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے زمین کو حکم دیا کہ اس شخص کے تمام اجزاء جمع کر دے تو زمین نے ان ذرات کو جمع کر دیا۔ پھر اچانک وہ شخص کھڑا ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جو کچھ تو نے کیا اس پر تجھے کس چیز نے آمادہ کیا؟ اس نے کہا: اے پروردگار! تیرے خوف نے مجھے ایسا کرنے پر آمادہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے معاف کر دیا۔" راویٔ حدیث ہشام کے علاوہ جب کسی دوسرے (عبدالرزاق) نے اس حدیث کو بیان کیا تو خشیت کے بجائے خوف کے لفظ بیان کیے۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ کی قدرت کے متعلق شکوک وشبہات کا اظہار کرنا کفر ہے لیکن مذکورہ شخص نے اللہ کی قدرت کے متعلق شک کا اظہار کیا، اس کے باوجود اسے معاف کر دیا گیا کیونکہ یہ شک شدتِ غم کی وجہ سے تھا۔ کسی کو کافر قرار دینے کے لیے یہ ایک مانع ہے جس طرح شدتِ خوشی بھی کسی کو کافر قرار دینے کے لیے ایک رکاوٹ ہے جیسا کہ صحیح مسلم کی حدیث ہے: ایک آدمی

جنگل میں اپنی سواری زادِراہ سمیت گم کر بیٹھا، جب اچانک وہ اسے ملی تو شدت خوشی کی بنا پر اس نے کہا: [اَللّٰهُمَّ أَنْتَ عَبْدِي وَأَنَا رَبُّكَ] یعنی اے اللہ! تو میرا بندہ اور میں تیرا رب ہوں۔"[1] بظاہر یہ کفریہ کلمہ ہے لیکن شدت خوشی کی بنا پر اس سے سرزد ہوا، اس لیے اس سے اللہ نے درگزر کیا۔ واللہ أعلم.

٣٤٨٢ - حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ أَسْمَاءَ: حَدَّثَنَا جُوَيْرِيَةُ بْنُ أَسْمَاءَ عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «عُذِّبَتِ امْرَأَةٌ فِي هِرَّةٍ رَبَطَتْهَا حَتّٰى مَاتَتْ فَدَخَلَتْ فِيهَا النَّارَ، لَا هِيَ أَطْعَمَتْهَا وَلَا سَقَتْهَا إِذْ حَبَسَتْهَا، وَلَا هِيَ تَرَكَتْهَا تَأْكُلُ مِنْ خَشَاشِ الْأَرْضِ». [راجع: ٢٣٦٥]

[3482] حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ایک عورت کو اس بلی کی وجہ سے عذاب دیا گیا جس کو اس نے باندھ رکھا تھا حتی کہ وہ مر گئی۔ وہ اس وجہ سے جہنم میں داخل ہوئی۔ نہ تو وہ اسے کھلاتی تھی اور نہ پلاتی تھی جبکہ اس نے اسے باندھ رکھا تھا اور نہ اسے چھوڑتی تھی تاکہ وہ زمین کے کیڑے مکوڑے کھا لے۔"

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جانوروں کے بارے میں حساب کتاب ہوگا۔ اگر وہ عورت مومن تھی تو اپنے جرم کی سزا بھگت کر جہنم سے نکل آئے گی اور اگر وہ کافر تھی تو ہمیشہ کے لیے عذاب برداشت کرے گی۔ ② بعض مترجمین نے خشاش کے معنی گھاس پھونس کیا ہے جو صحیح نہیں کیونکہ بلی گھاس پھونس نہیں کھاتی بلکہ اس کے معنی زمین کے کیڑے مکوڑے ہیں۔ واللہ أعلم.

٣٤٨٣ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ عَنْ زُهَيْرٍ: حَدَّثَنَا مَنْصُورٌ عَنْ رِبْعِيِّ بْنِ حِرَاشٍ: حَدَّثَنَا أَبُو مَسْعُودٍ عُقْبَةُ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «إِنَّ مِمَّا أَدْرَكَ النَّاسُ مِنْ كَلَامِ النُّبُوَّةِ: إِذَا لَمْ تَسْتَحِ فَافْعَلْ مَا شِئْتَ». [انظر: ٣٤٨٤، ٦١٢٠]

[3483] حضرت ابو مسعود عقبہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "لوگوں نے (سابقہ) کلام نبوت میں سے جو کچھ پایا ہے، اس میں یہ جملہ بھی ہے: جب تم میں شرم و حیا نہ ہو تو جو چاہو کرو۔"

٣٤٨٤ - حَدَّثَنَا آدَمُ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ مَنْصُورٍ قَالَ: سَمِعْتُ رِبْعِيَّ بْنَ حِرَاشٍ يُحَدِّثُ عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «إِنَّ مِمَّا أَدْرَكَ النَّاسُ مِنْ كَلَامِ النُّبُوَّةِ: إِذَا لَمْ تَسْتَحْيِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ». [راجع: ٣٤٨٣]

[3484] حضرت ابو مسعود انصاری ؓ ہی سے روایت ہے، انھوں کہا: نبی ﷺ نے فرمایا: "(پہلے) انبیاء ﷺ کے کلام میں سے لوگوں نے جو پایا، اس میں یہ بھی ہے کہ تم میں حیا نہ ہو تو پھر جو جی میں آئے کر گزرو۔"

---

1 صحیح مسلم، التوبة، حدیث: 6960 (2747).

فوائد ومسائل: ① فارسی میں اس کا ترجمہ یوں ہے: ''بے حیا باش ہر چہ خواہی کن۔'' مطلب یہ ہے کہ جب شرم وحیا ہی نہ ہو تو تمام برے کام شوق سے کرتے رہو۔ اس قول زریں پر تمام انبیاء ﷺ کا اتفاق ہے۔ اسے ہر نبی نے بیان کیا ہے اور یہ دیگر احکام کی طرح منسوخ بھی نہیں ہوا کیونکہ اس جملے کے حسن وکمال پر تمام عقلاء کا اتفاق ہے۔ ② یہ امر ڈانٹ ڈپٹ کے لیے ہے، یعنی جو چاہے کرو اللہ تعالیٰ تمھیں اس کی سزا ضرور دے گا۔ ③ اس حدیث میں حیا کی فضیلت بیان ہوئی ہے جیسا کہ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ حیا ایمان کا حصہ ہے۔[1] والله أعلم.

٣٤٨٥ - حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ مُحَمَّدٍ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ: أَخْبَرَنَا يُونُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ: أَخْبَرَنِي سَالِمٌ: أَنَّ ابْنَ عُمَرَ حَدَّثَهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «بَيْنَمَا رَجُلٌ يَجُرُّ إِزَارَهُ مِنَ الْخُيَلَاءِ خُسِفَ بِهِ فَهُوَ يَتَجَلْجَلُ فِي الْأَرْضِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ».

[3485] حضرت ابن عمر ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''ایک شخص اپنی چادر کو تکبر سے لٹکاتا ہوا جا رہا تھا تو اسے زمین میں دھنسا دیا گیا۔ وہ قیامت تک زمین میں دھنستا ہی چلا جائے گا۔''

تَابَعَهُ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ خَالِدٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ. [انظر: ٥٧٩٠]

عبدالرحمٰن بن خالد نے زہری سے روایت کرنے میں یونس کی متابعت کی ہے۔

فوائد ومسائل: ① ٹخنوں سے نیچے کپڑا لٹکانا حرام ہے، خواہ تکبر کی بنا پر ہو یا عادت کے طور پر، البتہ چار مواقع اس سے مستثنیٰ ہیں: ○ عورتیں اس حکم میں شامل نہیں ہیں۔ ○ کوشش کے باوجود بعض اوقات کپڑے نیچے ہو جاتے ہیں۔ ○ جلدی میں اٹھتے وقت کپڑا ٹخنوں سے نیچے ہو جائے۔ ○ بیماری کی وجہ سے ایسا کرنا جائز ہے۔ اس کی تفصیل كتاب اللباس، حدیث: 5787 میں آئے گی۔ صحیح مسلم میں ہے کہ وہ شخص پہلے لوگوں، یعنی بنی اسرائیل سے تھا۔[2] ② بعض شارحین نے اس سزا کے بارے میں کہا ہے کہ یہ قارون کو ملی تھی۔ والله أعلم.

٣٤٨٦ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ قَالَ: حَدَّثَنِي ابْنُ طَاوُسٍ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «نَحْنُ الْآخِرُونَ السَّابِقُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، بَيْدَ كُلُّ أُمَّةٍ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِنَا وَأُوتِينَا مِنْ بَعْدِهِمْ، فَهٰذَا الْيَوْمُ الَّذِي اخْتَلَفُوا فِيهِ، فَغَدًا لِّلْيَهُودِ

[3486] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''ہم تمام امتوں کے آخر میں آئے ہیں لیکن (قیامت کے دن) تمام امتوں سے آگے ہوں گے۔ صرف اتنا فرق ہے کہ انھیں پہلے کتاب دی گئی اور ہمیں بعد میں کتاب ملی۔ یہ (جمعہ کا) وہ دن ہے جس میں انھوں نے اختلاف کیا، اس لیے

---

[1] صحيح البخاري، الإيمان، حديث: 24. [2] صحيح مسلم، اللباس والزينة، حديث: 5469 (2088).

وَبَعْدَ غَدٍ لِّلنَّصَارٰى». [راجع: ٢٣٨]

یہودیوں کے لیے کل، یعنی ہفتے کا دن اور عیسائیوں کے لیے پرسوں (اتوار) کا دن طے ہوا۔"

فائدہ: اختلاف یہ ہے کہ جمعے کا دن عبادت کے لیے مقرر کیا گیا تھا جس کی صرف اہل اسلام کو توفیق ہوئی۔ یہودیوں نے جمعہ کے بجائے ہفتے کے دن کو اختیار کیا اور عیسائیوں نے اتوار کے دن کو پسند کیا، حالانکہ تمام دنوں سے جمعے کا دن بڑی فضیلت کا حامل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہماری رہنمائی فرمائی کہ ہمارے لیے تہوار کے طور پر جمعہ مقرر ہوا، چنانچہ اس وجہ سے جمعے کے دن غسل کرنا سنت قرار دیا گیا۔

٣٤٨٧ - «عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ فِي كُلِّ سَبْعَةِ أَيَّامٍ يَوْمٌ يَغْسِلُ رَأْسَهُ وَجَسَدَهُ». [راجع: ٨٩٧]

[3487] (رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:) "ہر مسلمان کو ہفتے میں ایک دن (جمعے کے دن) تو اپنے جسم اور سر کو دھو لینا چاہیے۔"

٣٤٨٨ - حَدَّثَنَا آدَمُ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ: حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ مُرَّةَ: سَمِعْتُ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ قَالَ: قَدِمَ مُعَاوِيَةُ بْنُ أَبِي سُفْيَانَ الْمَدِينَةَ آخِرَ قَدْمَةٍ قَدِمَهَا فَخَطَبَنَا فَأَخْرَجَ كُبَّةً مِّنْ شَعَرٍ فَقَالَ: مَا كُنْتُ أُرٰى أَنَّ أَحَدًا يَفْعَلُ هٰذَا غَيْرَ الْيَهُودِ؟ إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ سَمَّاهُ الزُّورَ، يَعْنِي الْوِصَالَ فِي الشَّعَرِ.

[3488] حضرت سعید بن مسیب ؒ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: حضرت امیر معاویہ بن ابوسفیان ؓ جب آخری بار مدینہ طیبہ تشریف لائے تو انھوں نے ہمارے سامنے خطبہ پڑھا اور مصنوعی بالوں کی ایک لٹ نکالی، پھر فرمایا: میں نہیں سمجھتا تھا کہ یہودیوں کے علاوہ کوئی اور یہ کام کرتا ہو گا۔ بے شک نبی ﷺ نے اس کا نام جھوٹ اور فریب رکھا ہے، یعنی زینت کے لیے اپنے اصلی بالوں میں مصنوعی بال ملانا۔

تَابَعَهُ غُنْدَرٌ عَنْ شُعْبَةَ. [راجع: ٣٤٦٨]

غندر نے شعبہ سے روایت کرنے میں آدم کی متابعت کی ہے۔

فوائد ومسائل: ① زور سے مراد جھوٹ اور فریب ہے، یعنی غلط طریقے سے بالوں کی نمائش اور آرائش کرنا۔ مطلب یہ ہے کہ دوسروں کے بال اپنے بالوں میں ملا کر جھوٹ موٹ کی زینت حاصل کرنا۔ دراصل یہودیوں کی عورتوں میں بہت سی معاشرتی بیماریاں در آئی تھیں۔ ان میں ایک یہ تھی کہ وہ مصنوعی بالوں کا عام استعمال کرتی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے سختی سے منع فرما دیا۔ آپ نے اس عورت پر بھی لعنت کی ہے جو بالوں میں مصنوعی بال ملاتی ہے اور جس عورت کے لیے یہ کام کیا جائے اسے بھی لعنتی قرار دیا ہے۔[1] دور جدید میں اسے وِگ کہا جاتا ہے اور بازاروں میں عام دستیاب ہے۔ اس کے مختلف سٹائل

1 صحيح البخاري، اللباس، حديث: 5934.

ہوتے ہیں۔ پہلے تو اسے صرف گنجا پن چھپانے کے لیے استعمال کیا جاتا تھا لیکن اب اس معاشرے نے "ترقی" کرتے ہوئے بطور زینت اسے استعمال کرنا شروع کر دیا ہے۔ اس قسم کے فریب اور جھوٹ کی دین اسلام میں کوئی گنجائش نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بنی اسرائیل کی ہلاکت اور تباہی ایسے ہی کاموں سے ہوئی۔[1] بنی اسرائیل کی پست قد عورتیں لکڑی کی مصنوعی ٹانگیں بھی استعمال کرتی تھیں تاکہ خود کو دراز قد دکھایا جائے۔ ہمارے معاشرے میں اونچی ایڑی والی جوتی استعمال کی جاتی ہے۔ اسلام دین فطرت ہے اور جھوٹی زینت کی اجازت نہیں دیتا۔ ہمیں ایسے تمام کاموں سے بچنا چاہیے جس میں فریب کاری یا دھوکا دہی ہو کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی نظر میں ایسے تمام کام باعث لعنت ہیں۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ نے اس عنوان کے تحت ایسی احادیث جمع کی ہیں جن کا بنی اسرائیل کے ساتھ کسی نہ کسی حوالے سے تعلق ہے۔ ان احادیث میں یہود و نصاریٰ کا کردار پیش ہوا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی مخالفت کا حکم دیا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ ہم مسلمان ایسے کاموں سے بچیں جو یہود و نصاریٰ کی پہچان ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دین اسلام پر کاربند رکھے اور اس پر ہمارا خاتمہ کرے۔ آمین.

① صحيح البخاري، اللباس، حديث: 5932.

مناقب کا مفہوم اور فن سیرت نگاری کے تقاضے

مَنَاقِبْ، مَنْقَبَۃٌ کی جمع ہے جس کے معنی اچھی خصلت کے ہیں۔ عربی زبان میں اس کے برعکس صفت کو مَثْلَبَۃٌ کہا جاتا ہے جس کی جمع مَثَالِبْ ہے۔ امام بخاری ؒ کے پیش کردہ تاریخی مواد کا یہ تیسرا حصہ ہے۔ قبل ازیں سیرتِ انبیاء ؑ کے حوالے سے مستند مواد ایک خاص ترتیب سے سپرد قلم کیا تھا، اب خاتم الانبیاء رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ کو کتاب المناقب کے عنوان سے پیش کیا ہے۔ چونکہ اس عنوان کے تحت رسول اللہ ﷺ کی سیرت کے علاوہ حسب ونسب، قریش، دیگر قبائل اور زمانۂ جاہلیت سے تعلق رکھنے والے کچھ حضرات کی منقبت بیان کرنا مقصود تھی، اس لیے مناقب کو جمع کے صیغے سے ذکر کیا ہے۔ امام بخاری ؒ نے اس عنوان کو درج ذیل چار حصوں میں تقسیم کیا ہے:

① حسب ونسب: اس میں نسب کی افادیت واہمیت، قریش کی منقبت اور چند قبائل کا ذکر ہے، پھر دورِ جاہلیت کے ان نعروں کی تردید ہے جو حسب ونسب کے بل بوتے پر لگائے جاتے تھے۔

② سیرت نبوی: اس میں رسول اللہ ﷺ کا نام، کنیت، کردار، وفات اور آخر میں آپ کی خصوصی صفت ختم نبوت کا ذکر ہے۔

③ صورت واخلاق: اس میں رسول اللہ ﷺ کے حلیے مبارک کی جھلک اور آپ کے مکارم اخلاق کو بڑے خوبصورت انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

④ معجزات: اس میں متعدد ایسے معجزات کا ذکر ہے جو رسول اللہ ﷺ کی صداقت کا منہ بولتا ثبوت ہیں، جن کے سامنے انسان اپنی عقل کے ہتھیار پھینکنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

اس عنوان کے آخر میں متفرقات کے طور پر رسول اللہ ﷺ کے چند ایک صحابۂ کرام ؓ کی کچھ کرامات کا ذکر ہے پھر ان کی مجاہدانہ سرگرمیوں کے بیان پر اس عنوان کو ختم کر دیا گیا ہے۔

سیرت نگاری اپنے فن کے اعتبار سے بہت نازک موضوع ہے، گویا پل صراط پر چلنے کے مترادف ہے کیونکہ سیرت طیبہ رسول اللہ ﷺ کے اقوال وافعال اور اخلاق کریمانہ کا نام ہے جسے سیدہ عائشہ ؓ نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے: ''قرآن کریم ہی رسول اللہ ﷺ کا اخلاق تھا۔'' اسے بیان کرنے کے لیے بہت سے لوازمات کو پیش نظر رکھنا چاہیے جنھیں عام طور پر نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن کریم اور سیرت نبوی ہی وہ واحد منبع ہے جس

سے ایک مسلمان کی زندگی سنورتی ہے اور اسلامی معاشرہ تشکیل پاتا ہے۔ اس کے مطالعے سے رسول اللہ ﷺ کے کردار و اخلاق، طرز زندگی، عادات و اطوار، انداز تربیت اور دعوتی طریق کار کا پتہ چلتا ہے۔ دین کی سربلندی کے لیے آپ کی کاوشیں، مصائب و آلام برداشت کرنا، پھر جاں فشانی سے اس شجر کی آبیاری کرنا جسے رہتی دنیا تک قائم رہنا ہے۔ اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو کون کون سی نعمتوں سے نوازا؟ بے شمار معجزات آپ کے ہاتھوں ظاہر کر کے کس قدر عظیم الشان نصرت و تائید سے آپ کو ہمکنار کیا؟ یہ تمام چیزیں سیرت طیبہ ہی کے مطالعے سے معلوم ہو سکتی ہیں۔ لیکن افسوس کہ اس نازک موضوع پر قلم اٹھانے والے حضرات نے اس کی نزاکت کا خیال نہیں رکھا اور نہ صحت و صداقت ہی کا وہ معیار قائم رکھا جس کا یہ فن تقاضا کرتا ہے بلکہ افکار و خیالات اور جذبات و احساسات کے ہاں جو چیز پسند آ گئی اسے سیرتِ طیبہ کے موضوع میں داخل کر دیا گیا، یہاں تک کہ بعض ایسی چیزیں بھی کتبِ سیرت میں داخل کر دی گئیں جو فطرت اور عقل سلیم کے خلاف اور اصول دین سے ٹکراتی ہیں، اس لیے ضرورت تھی کہ اس موضوع پر صاف ستھرا مواد مہیا کیا جائے جس میں راویوں کی چھان پھٹک کا اہتمام کیا گیا ہو اور معیار محدثین کے مطابق اسے پیش کرتے وقت صحت و ثقاہت کا التزام کیا گیا ہو کیونکہ سیرت کے حوالے سے چند واقعات و حوادث کا ذکر کر دینا ہی کافی نہیں بلکہ اس کی روشنی میں ایک ایسا نظام مرتب کرنے کی ضرورت ہے جس کے سانچے میں ڈھل کر مسلمانوں کی رفتار و گفتار اور کردار و اطوار کو نکھرنا چاہیے اور اپنے پروردگار سے ان کا تعلق درج ذیل آیت کے عین مطابق ہونا چاہیے: ''یقیناً تمھارے ہر اس شخص کے لیے اللہ تعالیٰ کے رسول میں بہترین نمونہ ہے جو اللہ اور روز آخرت کی امید رکھتا ہو اور اللہ کو بہت زیادہ یاد کرتا ہو۔''[1]

امام بخاری رحمہ اللہ نے اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر اس موضوع کو اختیار کیا اور اس کا حق ادا کیا ہے۔ آپ نے اس حوالے سے ایک کم دو صد احادیث کا انتخاب کیا ہے، جن میں سترہ معلق اور ایک سو بیاسی احادیث متصل سند سے مروی ہیں۔ ان میں اٹھہتر (78) مکرر اور ایک سو اکیس خالص ہیں۔ امام مسلم رحمہ اللہ نے اٹھائیس احادیث کے علاوہ باقی احادیث کو اپنی صحیح میں بیان کیا ہے۔ مرفوع احادیث کے علاوہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام سے مروی تقریباً سات آثار بھی پیش کیے ہیں۔ آپ نے ان احادیث و آثار پر اٹھائیس چھوٹے چھوٹے عنوان قائم کر کے اس موضوع کی تکمیل کی ہے۔

واضح رہے کہ سیرت طیبہ ایک فکری متاع ہی نہیں بلکہ اللہ کی طرف رجوع کرنے کا واحد راستہ بھی ہے۔ اس کے مطابق زندگی بسر کرنے ہی میں لوگوں کی فلاح و اصلاح پوشیدہ ہے کیونکہ اخلاق و عمل کے میدان میں اللہ کی کتاب کی

[1] الأحزاب 21:33.

ترجمانی کا علمی اور عملی اسلوب یہی سیرت طیبہ ہے۔ اس پر عمل کرنے کے نتیجے میں انسان اللہ کا تابع فرمان اور زندگی کے تمام معاملات اس کے سپرد کرنے کا عادی بن جاتا ہے، چنانچہ اس عالم رنگ و بو میں انسان سے اسی بات کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ کے مطابق اپنے اعمال و کردار اور قول و گفتار کو ڈھالنے کی توفیق دے۔ آمین۔

بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ

61 - كِتَابُ الْمَنَاقِبِ

خاتم الانبیاء ﷺ کی سیرت طیبہ اور قبائل عرب کے مناقب

(١) بَابُ الْمَنَاقِبِ

وَقَوْلِ اللهِ تَعَالَى: ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ إِنَّا خَلَقۡنَٰكُم مِّن ذَكَرٖ وَأُنثَىٰ﴾ الْآيَةَ [الحجرات: ١٣]

وَقَوْلِهِ: ﴿وَٱتَّقُواْ ٱللَّهَ ٱلَّذِي تَسَآءَلُونَ بِهِۦ وَٱلۡأَرۡحَامَۚ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ عَلَيۡكُمۡ رَقِيبٗا﴾ [النساء: ١]

وَمَا يُنْهٰى عَنْ دَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ. الشُّعُوبُ: النَّسَبُ الْبَعِيدُ. وَالْقَبَائِلُ: دُونَ ذٰلِكَ.

٣٤٨٩ - حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ يَزِيدَ الْكَاهِلِيُّ: حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ عَنْ أَبِي حَصِينٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا ﴿وَجَعَلۡنَٰكُمۡ شُعُوبٗا وَقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوٓاْ﴾ [الحجرات: ١٣] قَالَ: الشُّعُوبُ: الْقَبَائِلُ الْعِظَامُ، وَالْقَبَائِلُ: الْبُطُونُ.

باب:1- مناقب کا بیان

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اے لوگو! ہم نے تمھیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا.....'' الآیۃ

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اور اللہ سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنا حق مانگتے ہو اور قریبی رشتوں کا بھی خیال کرو۔ بلاشبہ اللہ تم پر نظر رکھے ہوئے ہے۔''

دور جاہلیت کی طرح باپ دادا پر فخر کرنا منع ہے۔ [شُعُوب] کے معنی دور کا نسب اور قبائل کے معنی اس سے قریب کا نسب ہے۔

[3489] حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے درج ذیل آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا: ''ہم نے تمھارے خاندان اور قبیلے بنائے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔'' [شعوب] سے مراد بڑے قبیلے اور قبائل سے مراد بڑے قبیلوں کی شاخیں ہیں۔

فوائد و مسائل: ① عربوں کے ہاں خاندانی تقسیم اس طرح ہے کہ پہلے جذم، پھر شعب اس کے بعد قبیلہ اس کے بعد عمارہ

دغیرہ ہے۔ جذم کی مثال عدنان، شعب کی مضر، قبیلے کی کنانہ اور عمارہ کی قریش ہے۔ ہمارے برصغیر میں جٹ ایک قوم یا ذات ہے جسے عربی میں شعب کہتے ہیں جس کی جمع شعوب ہے اور پھر اس کی آگے برادریاں اور خاندان ہیں جیسے کھوکھر، چیمہ، چٹھہ یا سندھو وغیرہ۔ اسے یوں تعبیر کیا جاتا ہے کہ کھوکھر جٹ، چیمہ جٹ، چٹھہ جٹ اور سندھو جٹ وغیرہ۔ یہ محض پہچان اور تعارف کے لیے ہیں، مثلاً: دو شخصوں کے نام زید اور ان کی ولدیت بکر ہے تو الگ الگ قوم، قبیلہ یا برادری اور خاندان کی بنا پر ان میں امتیاز ہو سکتا ہے لیکن ہم نے یہ ظلم ڈھایا ہے کہ اس قوم اور قبیلے کے بت کو باہمی فخر اور آپس میں نفرت کا ذریعہ بنالیا ہے۔ کسی کو قومیت پر ناز ہے۔ کوئی رنگ اور نسل پر فخر کرتا ہے اور کوئی سید، فاروقی اور صدیقی ہونے کو وجہ عزت قرار دیتا ہے۔ ② دور حاضر میں قوم، وطن، نسل، رنگ اور زبان یہ پانچ بت ہیں جن کی پوجا کی جاتی ہے اور ان کو بنیاد بنا کر پوری انسانیت کو کئی گروہوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے ان سب چیزوں کے بجائے عزت و شرف کا معیار صرف تقویٰ کو قرار دیا ہے۔ اس بنا پر متقی آدمی اگر خاندانی اعتبار سے پست ہے لیکن اس غیر متقی خاندانی انسان سے اللہ کے ہاں زیادہ محترم و مکرم ہے۔ ③ علمائے تفسیر نے اس آیت کی وضاحت کرتے ہوئے یہ بھی لکھا ہے: نسب کی حفاظت کا اہتمام امر مطلوب ہے کیونکہ اس کے ذریعے سے باہمی تعارف ہوتا ہے، صلہ رحمی کا جذبہ جنم لیتا ہے، آپس میں وراثت تقسیم ہوتی ہے اور رشتے داریاں قائم ہوتی ہیں لیکن حسب و نسب اور خاندان و قبیلے کا غرور اور فخر دور جاہلیت کی یادگار ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر پاش پاش کیا تھا۔ آپ نے فرمایا: ''کسی گورے کو کالے پر اور کسی کالے کو گورے پر، کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت نہیں۔ فضیلت کی بنیاد صرف تقویٰ ہے کیونکہ تم سب آدم کی اولاد ہو اور حضرت آدم کو مٹی سے پیدا کیا گیا۔ (جس کی حیثیت تم سب کے لیے برابر ہے)۔''[1]

٣٤٩٠ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ: حَدَّثَنَا يَحْيَى ابْنُ سَعِيدٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنِي سَعِيدُ بْنُ أَبِي سَعِيدٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: قَالَ: قِيلَ: يَا رَسُولَ اللهِ! مَنْ أَكْرَمُ النَّاسِ؟ قَالَ: «أَتْقَاهُمْ». قَالُوا: لَيْسَ عَنْ هٰذَا نَسْأَلُكَ، قَالَ: «فَيُوسُفُ نَبِيُّ اللهِ». [راجع: ٣٣٥٣]

[3490] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ (ایک مرتبہ) پوچھا گیا: اللہ کے رسول! تمام لوگوں میں زیادہ عزت والا کون ہے؟ تو آپ نے فرمایا: ''جو سب سے زیادہ پرہیز گار ہو۔'' صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: ہم اس کے متعلق آپ سے سوال نہیں کر رہے۔ اس پر آپ نے فرمایا: ''پھر اللہ کے نبی حضرت یوسف علیہ السلام سب سے زیادہ شریف تھے۔''

فوائد و مسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کو یہاں مختصر طور پر بیان کیا ہے قبل ازیں یہ روایت پوری تفصیل کے ساتھ بیان ہو چکی ہے۔[2] ② اس حدیث میں حضرت یوسف علیہ السلام کی تخصیص دو وجہ سے ہے: ایک تو شان نبوت کی وجہ سے ہے، دوسرے نسلی اعتبار سے چار پشتوں میں نبوت چلی آ رہی ہے، یعنی ان کا نسب بھی عالی ہے اور حسب و کردار بھی بلند ہے۔ اگر عالی نسب کے ساتھ کردار اچھا ہو تو سونے پہ سہاگہ والی بات ہے۔ ہرقل نے بھی کہا تھا: انبیاء علیہم السلام ہمیشہ عالی نسب ہوتے ہیں۔ واللہ المستعان.

---

1 مسند أحمد: 411/5. 2 صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، حديث: 3374.

٣٤٩١ - حَدَّثَنَا قَيْسُ بْنُ حَفْصٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ: حَدَّثَنَا كُلَيْبُ بْنُ وَائِلٍ قَالَ: حَدَّثَتْنِي رَبِيبَةُ النَّبِيِّ ﷺ زَيْنَبُ ابْنَةُ أَبِي سَلَمَةَ قَالَ: قُلْتُ لَهَا: أَرَأَيْتِ النَّبِيَّ ﷺ أَكَانَ مِنْ مُضَرَ؟ قَالَتْ: مِمَّنْ كَانَ إِلَّا مِنْ مُضَرَ؟ مِنْ بَنِي النَّضْرِ بْنِ كِنَانَةَ. [انظر: ٣٤٩٢]

[3491] حضرت کلیب بن وائل سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے نبی ﷺ کے زیر پرورش حضرت زینب بنت ابی سلمہ ؓ سے پوچھا: آیا رسول اللہ ﷺ کا تعلق قبیلۂ مضر سے تھا؟ انھوں نے فرمایا: ہاں، آپ کا تعلق قبیلۂ مضر ہی سے تھا، اور کسی قبیلہ سے نہ تھے، یعنی آپ ﷺ نضر بن کنانہ کی اولاد سے تھے۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے آپ کا نسبِ عالی بیان کرنا مقصود ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا تعلق قبیلۂ مضر سے تھا جو عرب میں جود و سخا، شجاعت و دلیری اور شرافت و دیانت کے اعتبار سے مشہور تھا۔ اس کی کئی ایک شاخیں ہیں۔ جس شاخ سے رسول اللہ ﷺ کا نسبی تعلق ہے وہ نضر بن کنانہ کی شاخ ہے کیونکہ کنانہ خزیمہ کا بیٹا تھا اور خزیمہ کا باپ مدرکہ اور مدرکہ، الیاس کا بیٹا اور الیاس کا باپ مضر تھا، گویا مضر جدِ اعلیٰ ہے۔ اس طرح رسول اللہ ﷺ کا تعلق نسبی طور پر خاندان مضر سے ثابت ہوا۔ حضرت واثلہ ؓ سے ایک حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل ؑ کی اولاد سے کنانہ کو اور کنانہ سے قریش کو، قریش سے بنو ہاشم کو اور مجھے بنو ہاشم سے منتخب فرمایا۔''[1] ② واضح رہے کہ قبیلۂ مضر دور جاہلیت میں ملتِ ابراہیم پر عمل پیرا تھا اور حاجیوں کی خدمت کرنے میں مشہور تھا۔ واللہ أعلم.

٣٤٩٢ - حَدَّثَنَا مُوسَى: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ: حَدَّثَنَا كُلَيْبٌ: حَدَّثَتْنِي رَبِيبَةُ النَّبِيِّ ﷺ - وَأَظُنُّهَا زَيْنَبَ - قَالَتْ: نَهَى رَسُولُ اللهِ ﷺ عَنِ الدُّبَّاءِ وَالْحَنْتَمِ وَالْمُقَيَّرِ وَالْمُزَفَّتِ، وَقُلْتُ لَهَا: أَخْبِرِينِي النَّبِيُّ ﷺ مِمَّنْ كَانَ؟ مِنْ مُضَرَ كَانَ؟ قَالَتْ: فَمِمَّنْ كَانَ إِلَّا مِنْ مُضَرَ؟ كَانَ مِنْ وَلَدِ النَّضْرِ بْنِ كِنَانَةَ. [راجع: ٣٤٩١]

[3492] حضرت کلیب بن وائل ہی سے روایت ہے، انھوں نے کہا: مجھے نبی ﷺ کی رَبِیبَہ - میرے خیال کے مطابق حضرت زینب - نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے دُبّاء، حَنتَم، مُقیّر اور مزفّت کے استعمال سے منع فرمایا ہے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ نبی ﷺ کس قبیلے سے تھے؟ کیا آپ مضر قبیلے سے تھے؟ انھوں نے فرمایا کہ آپ مضر قبیلے ہی سے تھے۔ آپ نضر بن کنانہ کی اولاد سے تھے۔

فوائد و مسائل: ① دباء، کدو کا برتن، حنتم: سبز رنگ کا برتن، مقیر: کے بجائے یہ لفظ نقیر ہے۔ وہ برتن جو لکڑی کرید کر بنایا جائے اور مزفت روغنی برتن کو کہتے ہیں۔ دور جاہلیت میں یہ تمام برتن شراب کشید کرنے کے لیے استعمال ہوتے تھے۔ آغاز اسلام میں ان برتنوں کو نبیذ بنانے کے لیے استعمال کرنے کی ممانعت تھی، بعد ازاں ان میں نبیذ بنانے کی اجازت دے دی گئی۔ ② مضر، عرب کا ایک بہادر جاں نثار قبیلہ تھا۔ یہ قبیلہ نزار بن سعد بن عدنان سے شروع ہوا کیونکہ مضر اس کے بیٹے کا نام

[1] صحیح مسلم، الفضائل، حدیث: 5938 (2276).

تھا۔ انھیں نضر اس لیے کہا جاتا تھا کہ وہ خوبصورت تھے اور ان کا چہرہ چمکدار تھا، نیز انھوں نے عرب میں سب سے پہلے خوبصورت آواز سے اونٹوں کو چلانے کا طریقہ ایجاد کیا۔ ③ حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ عدنان کے والد، ان کے بیٹے معد، ربیعہ، مضر، قیس، تمیم، اسد، ضبہ اور وہ خود سب مسلمان حضرت ابراہیم ؑ کے دین پر تھے۔[1] ④ رسول اللہ ﷺ کا نسب یہ ہے: ''محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لؤی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان۔''[2] امام بخاری ؒ نے تاریخ الکبیر میں حضرت ابراہیم ؑ تک آپ کا نسب بیان کیا ہے۔

٣٤٩٣ - حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ: أَخْبَرَنَا جَرِيرٌ عَنْ عُمَارَةَ، عَنْ أَبِي زُرْعَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ قَالَ: «تَجِدُونَ النَّاسَ مَعَادِنَ، خِيَارُهُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ خِيَارُهُمْ فِي الْإِسْلَامِ إِذَا فَقِهُوا، وَتَجِدُونَ خَيْرَ النَّاسِ فِي هٰذَا الشَّأْنِ أَشَدَّهُمْ لَهُ كَرَاهِيَةً».

[انظر: ٣٤٩٦، ٣٥٨٨]

[3493] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے، وہ رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''تم لوگوں کو کان کی طرح پاؤ گے۔ جو لوگ دور جاہلیت میں بہتر تھے وہ زمانۂ اسلام میں بھی اچھی صفات کے حامل ہیں بشرطیکہ علم دین حاصل کریں۔ اور تم حکومت اور سرداری کے لائق اس شخص کو پاؤ گے جو اسے سخت ناپسند کرنے والا ہوگا۔''

فوائد و مسائل: ① کان سے جب سونا چاندی نکالا جاتا ہے تو اس کی ذاتی صفت میں کوئی تبدیلی نہیں آتی، اسی طرح لوگوں میں جو ذاتی شرافت ہوتی ہے وہ اسلام سے پہلے اور بعد دونوں زمانوں میں برقرار رہتی ہے۔ اگر وہ دین میں فقاہت اور سمجھ پیدا کر لے تو اس کی ذاتی شرافت میں مزید چمک اور رونق پیدا ہو جاتی ہے۔ اس اعتبار سے لوگوں کی اپنے مقابل کے اعتبار سے چار قسمیں ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے: ○ ایک آدمی دور جاہلیت میں شریف الطبع تھا وہ مسلمان ہوا اور دین میں خوب سمجھ پیدا کی تو اس کے مقابلے میں وہ شخص انتہائی برا ہے جو دور جاہلیت میں بدمعاش تھا، نہ اسلام لایا اور نہ اس نے کوئی اپنی سمجھ بوجھ ہی کو جلا بخشی۔ ○ جو شخص زمانۂ جاہلیت میں شریف الطبع تھا وہ مسلمان ہوا لیکن دینی معاملات میں بصیرت پیدا نہ کر سکا تو اس کے مقابلے میں وہ شخص ہے جو دور جاہلیت میں شرافت والا نہیں تھا، وہ مسلمان نہ ہوا، البتہ وہ صاحب بصیرت ضرور تھا۔ ○ دور جاہلیت میں شریف تھا لیکن وہ مسلمان نہ ہوا اور نہ فقاہت کا مالک ہی بنا، اس کے مقابلے میں وہ شخص ہے جو دور جاہلیت میں بدخصلت تھا، وہ مسلمان ہوا اور دین میں سمجھ بوجھ پیدا کی۔ ○ دور جاہلیت میں شرافت کا حامل تھا لیکن وہ مسلمان نہ ہوا، البتہ صاحب بصیرت تھا، اس کے مقابلے میں وہ شخص ہے جو زمانۂ جاہلیت میں شرارتی تھا، وہ مسلمان تو ہوا لیکن دینی معاملات میں سمجھ بوجھ پیدا نہ کر سکا۔ ان میں سب سے افضل وہ شخص ہے جو زمانۂ جاہلیت میں شریف الطبع تھا، پھر مسلمان ہوا اور اپنے دین میں فہم و بصیرت پیدا کی۔ اس کے بعد وہ شخص جو زمانۂ جاہلیت میں کمینہ خصلت تھا لیکن اسلام لایا اور علم دین حاصل کیا۔

1. فتح الباري: 647/6. 2. صحيح البخاري، مناقب الأنصار، باب مبعث النبي ﷺ، قبل الحديث: 3851.

اس کے بعد اس شخص کا درجہ ہے جو زمانۂ جاہلیت میں شریف تھا، اسلام لایا لیکن علم دین حاصل نہ کیا۔ سب سے آخر میں وہ شخص ہے جو زمانۂ جاہلیت میں بری خصلتوں کا حامل تھا، وہ مسلمان ہوا لیکن بصیرت حاصل نہ کر سکا۔ اگر کوئی مسلمان نہیں ہوا تو اسے دور جاہلیت کی شرافت کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا، خواہ وہ صاحب بصیرت ہو یا اس کے بغیر رہا ہو۔ شرافت سے مراد اچھے اخلاق، مثلاً: سخاوت، عفت اور بردباری سے متصف ہو اور اس کے برعکس بری صفات، مثلاً: بخل، فسق و فجور اور ظلم و ستم کرنے سے اجتناب کرنے والا ہو۔[1]

٣٤٩٤ - «وَتَجِدُونَ شَرَّ النَّاسِ ذَا الْوَجْهَيْنِ: الَّذِي يَأْتِي هٰؤُلَاءِ بِوَجْهٍ وَّيَأْتِي هٰؤُلَاءِ بِوَجْهٍ».

[انظر: ٦٠٥٨، ٧١٧٩]

[3494] (نیز آپ نے فرمایا:) ”تم لوگوں میں سب سے زیادہ برا اسے پاؤ گے جو دورخی پالیسی اختیار کرنے والا (دوغلا اور منافق) ہوگا، یعنی جو ان لوگوں میں ایک منہ لے کر آئے اور دوسروں میں دوسرا منہ لے کر جائے۔“

٣٤٩٥ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا الْمُغِيرَةُ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «النَّاسُ تَبَعٌ لِّقُرَيْشٍ فِي هٰذَا الشَّأْنِ، مُسْلِمُهُمْ تَبَعٌ لِّمُسْلِمِهِمْ، وَكَافِرُهُمْ تَبَعٌ لِّكَافِرِهِمْ».

[3495] حضرت ابو ہریرہ ؓ ہی سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”لوگ اس (حکومت کے) معاملے میں قریش کے تابع ہیں۔ عام مسلمان قریش مسلمانوں کے تابع ہیں جس طرح ان کے عام کفار قریش کفار کے تابع رہتے چلے آئے ہیں۔“

٣٤٩٦ - «وَالنَّاسُ مَعَادِنُ: خِيَارُهُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ خِيَارُهُمْ فِي الْإِسْلَامِ إِذَا فَقِهُوا، تَجِدُونَ مِنْ خَيْرِ النَّاسِ أَشَدَّهُمْ كَرَاهِيَةً لِّهٰذَا الشَّأْنِ حَتّٰى يَقَعَ فِيهِ». [راجع: ٣٤٩٣]

[3496] (نیز آپ نے فرمایا:) ”انسان کی مثال کان کی طرح ہے۔ جو لوگ دور جاہلیت میں بہتر تھے وہ زمانۂ اسلام میں بھی قابل تعریف ہیں، بشرطیکہ انھوں نے دینی معاملات میں سمجھ بوجھ حاصل کی ہو۔ تم دیکھو گے کہ حکومت اور سرداری کے لائق وہی ہوں گے جو شانِ امارت کو سخت ناپسند کرنے والے ہوں گے یہاں تک کہ ان پر اس کا بوجھ آ پڑے۔“

فوائد و مسائل: ① قریش نسب کے اعتبار سے بلند مرتبہ اور مکان کے اعتبار سے مرکزی حیثیت رکھتے تھے، نیز قبائل عرب، مجاورِ حرم ہونے کی وجہ سے ان کی بہت تعظیم کرتے تھے، یہی وجہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کی بعثت ہوئی تو اکثر عرب انتظار میں تھے کہ آپ کی قوم، یعنی قریش آپ کے ساتھ کیا برتاؤ کرتے ہیں۔ جب مکہ فتح ہوا اور قریش مسلمان ہو گئے تو لوگ بھی فوج در فوج اسلام میں داخل ہونا شروع ہو گئے۔ چونکہ قریش کو دیگر قبائل عرب پر فضیلت حاصل ہے اور وہ امامت و امارت

① فتح الباري: 638/6.

میں تمام عرب پر سبقت رکھتے ہیں، لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ ان کے پیچھے چلیں اور ان کے خلاف علم بغاوت بلند نہ کریں۔ مطلب یہ ہے کہ قریش کی شان و شوکت جو دور جاہلیت میں تھی، اسلام اس میں کوئی کمی نہیں کرے گا بلکہ وہ اسلام لانے کے بعد سردار ہی رہیں گے جیسے وہ زمانۂ کفر میں قائدین تھے۔ حافظ ابن حجر ؒ نے لکھا ہے: یہ خبر امر (حکم) کے معنی میں ہے، چنانچہ دوسری روایت میں ہے کہ قریش کو آگے کرو اور ان سے آگے مت بڑھو، جبکہ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ خبر اپنے ظاہر معنی پر ہے۔[1] واللّٰه أعلم. ③ اس حدیث کے آخری جملے کے معنی متعین کرنے میں بھی اختلاف ہے: بعض نے کہا ہے کہ جو شخص امارت کا حریص نہ ہو اور سوال کے بغیر اگر اسے حاصل ہو جائے تو اس سے کراہت زائل ہو جائے گی اور اللہ تعالیٰ اس کی مدد فرمائے گا۔ بعض نے کہا ہے کہ جب امارت سپرد ہو جائے گی تو پھر اس سے کراہت کرنا جائز نہیں۔[2] واللّٰه أعلم. ④ اس حدیث سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ شرافت نسبی، علم کے بغیر عزت و احترام کے لائق نہیں۔ اصل شرافت تو علم دین حاصل کرنے سے ملتی ہے، پھر دینی معاملات میں رائے زنی کرنا نری جہالت ہے۔ جو مسلمان عالم دین اور فقیہ ہوں وہی عنداللہ شریف ہیں۔ دینی فقاہت سے مراد کتاب و سنت کی فقاہت ہے۔

٣٤٩٧ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا يَحْيٰى عَنْ شُعْبَةَ: حَدَّثَنِي عَبْدُ الْمَلِكِ عَنْ طَاوُسٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا: ﴿إِلَّا ٱلْمَوَدَّةَ فِى ٱلْقُرْبَىٰ﴾ [الشورى:٢٣]، قَالَ: فَقَالَ سَعِيدُ بْنُ جُبَيْرٍ: قُرْبٰى مُحَمَّدٍ ﷺ، فَقَالَ: إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَمْ يَكُنْ بَطْنٌ مِّنْ قُرَيْشٍ إِلَّا وَلَهُ فِيهِ قَرَابَةٌ، فَنَزَلَتْ فِيهِ: إِلَّا أَنْ تَصِلُوا قَرَابَةً بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ.

[انظر: ٤٨١٨]

[3497] حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے ”البتہ میں قرابت کی محبت چاہتا ہوں“ کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا کہ قریش کا کوئی قبیلہ ایسا نہ تھا جس سے نبی ﷺ کی قرابت نہ ہو۔ اس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی کہ میرے اور اپنے درمیان قرابت کا خیال کرو اور صلہ رحمی کرو۔ سعید بن جبیر اس سے حضرت محمد ﷺ کی قرابت مراد لیتے تھے۔

فوائد و مسائل: ① حضرت طاؤس سے روایت ہے کہ حضرت ابن عباس ؓ سے اس آیت کے متعلق سوال ہوا تو حضرت سعید بن جبیر جھٹ سے بول پڑے کہ اس سے آپ کی آل مراد ہے۔ حضرت ابن عباس ؓ نے فرمایا: تم نے جلد بازی سے کام لیا ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ قریش کا کوئی قبیلہ ایسا نہ تھا جس کی رسول اللہ ﷺ سے قرابت نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے کہلوایا اگر تم کچھ اور نہیں کرتے تو کم از کم قرابت ہی کا لحاظ رکھو اور مجھے تکلیف پہنچانے سے باز رہو۔[3] ② پہلی روایت میں ذکر تھا کہ قریش کو تمام قبائل عرب پر فضیلت حاصل ہے اور اس حدیث سے پتہ چلا کہ رسول اللہ ﷺ کی قریش کے تمام قبائل سے قرابت داری ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کو تمام عرب پر فضیلت حاصل ہے۔

1 فتح الباري: 649/6. 2 فتح الباري: 648/6. ③ صحيح البخاري، التفسير، حديث: 4818.

٣٤٩٨ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ إِسْمَاعِيلَ، عَنْ قَيْسٍ، عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ يَبْلُغُ بِهِ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «مِنْ هَاهُنَا جَاءَتِ الْفِتَنُ - نَحْوَ الْمَشْرِقِ - وَالْجَفَاءُ وَغِلَظُ الْقُلُوبِ فِي الْفَدَّادِينَ أَهْلِ الْوَبَرِ عِنْدَ أُصُولِ أَذْنَابِ الْإِبِلِ وَالْبَقَرِ فِي رَبِيعَةَ وَمُضَرَ».

[راجع: ٣٣٠٢]

[3498] حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ اسے نبی ﷺ سے مرفوع بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''اس طرف، یعنی مشرق سے فتنے رونما ہوں گے۔ اور بے دفائی و سنگ دلی اونی خیمے والوں میں ہے جو اونٹوں اور بیلوں کی دموں کے پاس اونچی آوازیں لگانے والے (چلانے والے) ہیں، یعنی ربیعہ اور مضر (کے لوگوں) میں۔''

فوائد و مسائل: ① آغاز اسلام میں بیشتر کفار مشرق کی جانب رہتے تھے، وہاں سے دجال بھی خروج کرے گا، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''فتنے مشرق سے اٹھیں گے۔'' فدا دین سے مراد اونچی آوازیں نکالنے والے ہیں، اہل وبر اس کا بیان ہے۔ اونٹوں والے جنگلات میں رہائش پذیر ہوں گے۔ ان کی عادت ہے کہ وہ سخت آوازیں نکالتے ہیں، یعنی کھیتی باڑی اور اونٹوں میں مصروف رہنے کے باعث وہ امور آخرت سے غافل ہوں گے جس کی وجہ سے ان کے دل سخت ہو جائیں گے۔ ② اس حدیث میں ربیعہ اور مضر قبائل کا ذکر ہے کہ اکثر قبائل عرب ان کی طرف منسوب ہیں، اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کو بیان کیا ہے، نیز صفات و خصائل کے اعتبار سے قبائل کئی طرح کے ہیں۔ ان میں زیادہ باعزت وہ شخص اور قبیلہ ہوگا جو زیادہ تقویٰ شعار ہوگا۔ واللہ أعلم.

٣٤٩٩ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ: أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «الْفَخْرُ وَالْخُيَلَاءُ فِي الْفَدَّادِينَ أَهْلِ الْوَبَرِ، وَالسَّكِينَةُ فِي أَهْلِ الْغَنَمِ، وَالْإِيمَانُ يَمَانٍ، وَالْحِكْمَةُ يَمَانِيَةٌ».

[3499] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''فخر اور تکبر آواز بلند کرنے والوں (چلانے والوں) میں ہے جو اونی خیموں میں رہتے ہیں اور نرم دلی بکریاں چرانے والوں میں ہوتی ہے۔ ایمان بھی یمنی لوگوں کا قابل رشک ہے اور سوجھ بوجھ بھی اہل یمن کی معتبر ہے۔''

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: سُمِّيَتِ الْيَمَنَ لِأَنَّهَا عَنْ يَمِينِ الْكَعْبَةِ، وَالشَّامَ لِأَنَّهَا عَنْ يَسَارِ الْكَعْبَةِ. وَالْمَشْأَمَةُ: الْمَيْسَرَةُ، وَالْيَدُ الْيُسْرٰى: الشُّؤْمٰى، وَالْجَانِبُ الْأَيْسَرُ: الْأَشْأَمُ. [راجع: ٣٣٠١]

ابوعبداللہ (امام بخاری رحمہ اللہ) فرماتے ہیں کہ یمن کا نام اس لیے یمن رکھا گیا ہے کہ وہ بیت اللہ کے دائیں جانب ہے۔ اور شام کو شام اس لیے کہتے ہیں کہ وہ کعبہ کے بائیں طرف ہے۔ اَلْمَشْأَمَةُ بائیں جانب کو، بائیں ہاتھ کو

الشُوْمٰی اور بائیں جانب کو أَشْأَم کہا جاتا ہے۔

فوائد ومسائل: ① اس حدیث میں یمن والوں اور بکریوں والوں کی تعریف بیان کی گئی ہے۔ بکریوں میں عجز وانکسار زیادہ ہوتا ہے، ان کے چرانے والوں میں بھی یہ صفات سرایت کر جاتی ہیں۔ ② اہل یمن لڑائی کے بغیر مسلمان ہوئے تھے۔ انھیں راہ راست پر لانے کے لیے کوئی مشقت نہیں اٹھانا پڑی جبکہ اہل مشرق کے خلاف جنگیں لڑی گئیں، نقصان اٹھانے کے بعد یہ لوگ مسلمان ہوئے۔ ایک حدیث میں ہے: ''تمھارے پاس اہل یمن آئیں گے جن کے دل نرم اور گداز ہوں گے۔ اسی لیے ایمان اہل یمن اور حکمت و دانائی بھی اہل یمن کی قابل اعتبار ہے اور کفر کا مرکز مشرق کی جانب ہوگا۔''[1] یہ رسول اللہ ﷺ کے دور کی بات ہے۔ ہر زمانے میں ہر یمنی کے لیے یہ فضیلت نہیں ہے۔ حدیث کے الفاظ کا بھی یہ تقاضا نہیں ہے، اس کے باوجود یمن میں بڑے بڑے محدث پیدا ہوئے ہیں جنھوں نے کتاب وسنت کی اشاعت میں بڑی خدمات سرانجام دی ہیں۔ ③ کعبے کا چہرہ مشرق کی جانب ہے کیونکہ اس طرف دروازہ ہے، لہٰذا یمن اس کے یمین میں اور شام اس کے شمال میں ہے۔ ④ امام بخاری ؒ نے حدیث کے آخر میں یمن اور شام کی وجہ تسمیہ لکھی ہے۔ حافظ ابن حجر ؒ نے اس کی وجہ تسمیہ کے دیگر اقوال بھی ذکر کیے ہیں۔ ان میں ایک قول یہ بھی ہے کہ یمن، یمن بن قحطان کی وجہ سے یمن اور شام، سام بن نوح کی وجہ سے شام کہلایا۔ سام اصل میں شام تھا، جب اسے عربی میں منتقل کیا گیا تو شام بن گیا۔[2]

(٢) بَابُ مَنَاقِبِ قُرَيْشٍ

باب: 2- مناقب قریش کا بیان

وضاحت: قریش کا سلسلہ نضر بن کنانہ سے شروع ہوتا ہے۔ جو اس کی اولاد سے ہیں وہ قریشی ہیں جیسا کہ حضرت اشعث بن قیس ؓ رسول اللہ ﷺ کے پاس وفد کندہ کے ہمراہ آئے تو کہا: اللہ کے رسول! ہمارے خیال کے مطابق آپ کا سلسلۂ نسب ہم سے ملتا ہے۔ آپ نے فرمایا: ''ہم نضر بن کنانہ کی اولاد سے ہیں۔ ہم اپنی ماں کو تہمت نہیں لگاتے اور نہ اپنے باپ ہی کی نفی کرتے ہیں۔''[3] جمہور اہل علم کا یہی موقف ہے۔ قریش کو قریش کہنے کے متعلق کئی اقوال ہیں جن میں سے دو حسب ذیل ہیں: * قرش، ضرورت پوری کرنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے کیونکہ نضر بن کنانہ لوگوں کی ضروریات کا بہت خیال رکھتے تھے، خاص طور پر اس نے اپنے بیٹوں سے کہہ رکھا تھا کہ حج کے موسم میں لوگوں کی ضرورتوں کا خیال رکھیں اور ان کی دیکھ بھال کرتے رہیں، اس بنا پر اس کا لقب قریش ٹھہرا۔ * قریش ایک سمندری جانور ہے جو ہر چھوٹے بڑے جانور کو کھا جاتا ہے۔ چونکہ وہ دریائی جانوروں کا سردار ہوتا ہے، اسی طرح قریش بھی لوگوں کے سردار ہیں۔ حضرت ابن عباس ؓ سے یہ وجہ تسمیہ مروی ہے۔[4]

٣٥٠٠ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ

[3500] حضرت محمد بن جبیر سے روایت ہے، انھوں

1 صحيح مسلم، الإيمان، حديث: 190 (52). ② فتح الباري: 651/6. ③ مسند أحمد: 211/5. ④ عمدة القاري: 249/11.

عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: كَانَ مُحَمَّدُ بْنُ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ يُحَدِّثُ أَنَّهُ بَلَغَ مُعَاوِيَةَ - وَهُوَ عِنْدَهُ فِي وَفْدٍ مِّنْ قُرَيْشٍ - أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ يُحَدِّثُ أَنَّهُ سَيَكُونُ مَلِكٌ مِّنْ قَحْطَانَ فَغَضِبَ مُعَاوِيَةُ، فَقَامَ فَأَثْنٰى عَلَى اللهِ بِمَا هُوَ أَهْلُهُ، ثُمَّ قَالَ: أَمَّا بَعْدُ، فَإِنَّهُ بَلَغَنِي أَنَّ رِجَالًا مِّنْكُمْ يَتَحَدَّثُونَ أَحَادِيثَ لَيْسَتْ فِي كِتَابِ اللهِ وَلَا تُؤْثَرُ عَنْ رَّسُولِ اللهِ ﷺ، فَأُولٰئِكَ جُهَّالُكُمْ فَإِيَّاكُمْ وَالْأَمَانِيَّ الَّتِي تُضِلُّ أَهْلَهَا، فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «إِنَّ هٰذَا الْأَمْرَ فِي قُرَيْشٍ، لَا يُعَادِيهِمْ أَحَدٌ إِلَّا كَبَّهُ اللهُ عَلٰى وَجْهِهِ مَا أَقَامُوا الدِّينَ». [انظر: ٧١٣٩]

نے بیان کیا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ قریش کے ایک وفد میں تھے کہ انھیں حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کی بیان کردہ ایک بات پہنچی کہ عنقریب بنوقحطان سے ایک حکمران اٹھے گا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ یہ سن کر بہت ناراض ہوئے، پھر خطبہ دینے کے لیے اٹھے۔ اللہ تعالیٰ کے شایان شان حمد وثنا کے بعد فرمایا: لوگو! مجھے اس بات کا علم ہوا ہے کہ تم میں سے کچھ حضرات ایسی باتیں کرتے ہیں جو اللہ کی کتاب میں نہیں ہیں اور نہ وہ رسول اللہ ﷺ ہی سے منقول ہیں۔ دیکھو! تم میں سب سے جاہل یہی لوگ ہیں، لہٰذا ان سے اور ان کے خیالات سے بچتے رہو۔ اس قسم کے خیالات نے انھیں گمراہ کر دیا ہے۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: ''خلافت قریش میں رہے گی جب تک وہ دین کو قائم رکھیں گے اور ان سے جو بھی دشمنی کرے گا اللہ تعالیٰ اسے اوندھے منہ گرائے گا۔''

فوائد ومسائل: ① اس حدیث میں قریش کی تعریف بیان ہوئی ہے کہ جب تک وہ دین اسلام پر قائم رہیں گے حکومت و سرداری ان میں قائم رہے گی، چنانچہ پانچ چھ سو برس تک خلافت بنوامیہ اور بنوعباسیہ قائم رہی، یہ تمام حضرات قریشی تھے۔ اور جب انھوں نے شریعت پر چلنا چھوڑ دیا تو ان سے خلافت چھن گئی اور دوسرے لوگ بادشاہ بن گئے، پھر قریش کو حکومت نہیں ملی۔ ② حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی حدیث کا مطلب ہے کہ قیامت کے قریب ایک قحطانی عرب کا بادشاہ ہوگا جو لوگوں پر زبردستی حکومت کرے گا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ قحطان یمن میں ایک مشہور قبیلہ ہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ خیال کیا کہ لوگ اس حدیث کو بنیاد بنا کر خلافت کو قریش سے چھیننا چاہتے ہیں، اس بنا پر انھوں نے سخت نوٹس لیا اور ناراض ہوئے۔ انھوں نے سمجھا کہ مستقبل قریب میں قریش سے حکومت چھین لی جائے گی جبکہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی مراد یہ تھی کہ قرب قیامت کے وقت ایسا ہوگا اور تغیر زمان اور تبدیل احکام کی بڑی علامت ہوگی۔ وہ قحطانی قریشی نہیں ہوگا اور نہ کسی خاندان نبوت سے اس کا تعلق ہوگا۔[1]

٣٥٠١ - حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ: حَدَّثَنَا عَاصِمُ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ: سَمِعْتُ أَبِي عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ

[3501] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''یہ خلافت

[1] فتح الباري: 654/6.

اللهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «لَا يَزَالُ هٰذَا الْأَمْرُ فِي قُرَيْشٍ مَّا بَقِيَ مِنْهُمُ اثْنَانِ». [انظر: ٧١٤٠]

قریش میں رہے گی، جب تک ان میں دو آدمی بھی (دیندار) باقی رہیں گے۔"

فائدہ: اس حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ خلافت قریش کے ساتھ خاص ہے، لیکن یہ استحقاق اقامتِ دین سے مقید ہے، اس لیے جب خلفاء نے امور دین میں کمزوری ظاہر کی تو حالات تبدیل ہو گئے اور جب تک یہ قریشی حضرات دین کو درست رکھیں گے تو قیادت ان میں باقی رہے گی اگرچہ وہ تعداد میں دو ہی کیوں نہ ہوں۔ حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "قیامت قائم نہیں ہوگی حتی کہ قحطان سے ایک شخص نکلے گا جو اپنی لاٹھی سے لوگوں کو ہانکے گا۔"[1] اس پر امام بخاری ؒ نے عنوان قائم کیا ہے کہ حالات تبدیل ہو جائیں گے حتی کہ بتوں کی پوجا شروع ہو جائے گی۔ اس تبدیلی سے پہلے پہلے قریش ہی خلافت کے مستحق ہوں گے۔ دور حاضر میں اگرچہ قریش حکمران نہیں ہیں، تاہم ان کے استحقاق کے متعلق کسی کو بھی مجالِ انکار نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے مذکورہ حدیث میں کسی واقعے کی خبر نہیں دی بلکہ حکماً فرمایا کہ ان میں حکومت رہنی چاہیے۔ واللّٰہ أعلم.

٣٥٠٢ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنِ ابْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ قَالَ: مَشَيْتُ أَنَا وَعُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! أَعْطَيْتَ بَنِي الْمُطَّلِبِ وَتَرَكْتَنَا وَإِنَّمَا نَحْنُ وَهُمْ مِنْكَ بِمَنْزِلَةٍ وَّاحِدَةٍ؟ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «إِنَّمَا بَنُو هَاشِمٍ وَّبَنُو الْمُطَّلِبِ شَيْءٌ وَّاحِدٌ». [راجع: ٣١٤٠]

[3502] حضرت جبیر بن مطعم ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ میں اور حضرت عثمان بن عفان ؓ دونوں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت عثمان ؓ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! آپ نے بنو مطلب کو مال دیا ہے اور ہمیں نظرانداز کر دیا ہے، حالانکہ ہم اور وہ آپ کے لیے (رشتہ داری میں) برابر ہیں۔ اس پر نبی ﷺ نے فرمایا: "صرف بنو ہاشم اور بنو مطلب ایک ہیں۔"

فوائد و مسائل: ① رسول اللہ ﷺ مال خمس میں سے اپنی قرابت داری کا حصہ صرف بنو ہاشم اور بنو مطلب کو دیتے تھے اور اس سے بنو عبد شمس اور بنو نوفل کو کچھ نہیں عطا کرتے تھے جیسا کہ ایک حدیث میں اس کی صراحت ہے،[2] حالانکہ عبد شمس، ہاشم اور مطلب تینوں حقیقی بھائی تھے اور ان کی والدہ عاتکہ بنت مرہ تھی، البتہ نوفل کی ماں اور تھی اور یہ صرف باپ کی طرف سے ان کا بھائی تھا۔[3] رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بنو ہاشم اور بنو مطلب تو دور جاہلیت اور دور اسلام میں شئی واحد کی طرح رہے ہیں، البتہ بنو نوفل اور بنو عبد شمس ان سے الگ ہو گئے تھے، اس لیے وہ قرابت داری کا حصہ لینے کے حق دار نہیں ہیں۔ ② اس حدیث پر امام بخاری ؒ نے ایک عنوان قائم کیا ہے: "خمس کی تقسیم امام کی صوابدید پر موقوف ہے وہ جسے چاہے دے اور جسے چاہے نہ

1 صحيح البخاري، الفتن، حديث: 7117. 2 صحيح البخاري، فرض الخمس، حديث: 3140. 3 صحيح البخاري، فرض الخمس، حديث: 3140.

دے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے خمس خیبر سے صرف بنو ہاشم اور بنو مطلب کو دیا تھا۔''[1]

٣٥٠٣ - وَقَالَ اللَّيْثُ: حَدَّثَنِي أَبُو الْأَسْوَدِ مُحَمَّدٌ: عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ قَالَ: ذَهَبَ عَبْدُ اللهِ بْنُ الزُّبَيْرِ مَعَ أُنَاسٍ مِّنْ بَنِي زُهْرَةَ إِلَى عَائِشَةَ وَكَانَتْ أَرَقَّ شَيْءٍ لِّقَرَابَتِهِمْ مِّنْ رَّسُولِ اللهِ ﷺ. [انظر: ٣٥٠٥، ٦٠٧٣]

[3503] حضرت عروہ بن زبیر سے روایت ہے، انھوں نے کہا: (میرے بھائی) حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ بنو زہرہ کے لوگوں کے ساتھ حضرت عائشہ ؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ان لوگوں پر بڑی مہربانی کرتی تھیں کیونکہ وہ رسول اللہ ﷺ کے قریبی رشتہ دار تھے۔

فوائد ومسائل: ① بنو زہرہ سے مراد مغیرہ بن کلاب بن مرہ کی اولاد ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی والدہ ماجدہ بھی اسی خاندان سے تھیں کیونکہ نسب اس طرح ہے: آمنہ بنت وہب بن عبد مناف بن زہرہ۔ اسی بنا پر انصار مدینہ کو رسول اللہ ﷺ کے ماموں کہا جاتا ہے۔ ② امام بخاری ؒ نے اس مقام پر یہ حدیث انتہائی مختصر بیان کی ہے۔ اسے آئندہ حدیث: 3505 میں تفصیل سے بیان کیا جائے گا وہاں ہم اس کی تشریح کریں گے۔ بإذن الله.

٣٥٠٤ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ سَعْدٍ؛ ح: قَالَ يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ: حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ أَبِيهِ قَالَ: حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ هُرْمُزَ الْأَعْرَجُ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «قُرَيْشٌ وَّالْأَنْصَارُ وَجُهَيْنَةُ وَمُزَيْنَةُ وَأَسْلَمُ وَأَشْجَعُ وَغِفَارُ مَوَالِيَّ، لَيْسَ لَهُمْ مَوْلًى دُونَ اللهِ وَرَسُولِهِ». [انظر: ٣٥١٢]

[3504] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قریش، انصار، جہینہ، مزینہ، اسلم، اشجع اور غفار کے لوگ میرے دوست ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول کے سوا ان کا کوئی دوست نہیں۔''

فوائد ومسائل: ① حدیث میں مذکورہ قبائل دوسرے عرب قبائل کی طرح جنگ وقتال کے بعد مسلمان نہیں ہوئے بلکہ انھوں نے جلدی اسلام قبول کر لیا۔ انصار سے مراد اوس اور خزرج کے قبائل ہیں۔ ② ایک حدیث میں ہے: بنو عصیہ نے تو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی، غفار کو اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا اور اسلم قبیلے کو بھی اللہ تعالیٰ نے صلح کی توفیق عطا فرمائی۔ اس مقام پر صرف قبیلۂ قریش کی تعریف مقصود ہے دیگر قبائل کا ذکر آگے ایک مستقل عنوان کے تحت آئے گا۔

٣٥٠٥ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو الْأَسْوَدِ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ قَالَ: كَانَ عَبْدُ اللهِ بْنُ الزُّبَيْرِ أَحَبَّ الْبَشَرِ

[3505] حضرت عروہ بن زبیر سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ حضرت عائشہ ؓ کے ہاں نبی ﷺ اور ابوبکر ؓ کے بعد تمام لوگوں سے زیادہ

---

[1] صحيح البخاري، فرض الخمس، باب الدليل أن الخمس للإمام.....، قبل الحديث: 3140.

إِلَى عَائِشَةَ بَعْدَ النَّبِيِّ ﷺ وَأَبِي بَكْرٍ، وَكَانَ أَبَرَّ النَّاسِ بِهَا، وَكَانَتْ لَا تُمْسِكُ شَيْئًا مِمَّا جَاءَهَا مِنْ رِزْقِ اللهِ تَصَدَّقَتْ، فَقَالَ ابْنُ الزُّبَيْرِ: يَنْبَغِي أَنْ يُؤْخَذَ عَلَى يَدَيْهَا، فَقَالَتْ: أَيُؤْخَذُ عَلَى يَدَيَّ؟ عَلَيَّ نَذْرٌ إِنْ كَلَّمْتُهُ، فَاسْتَشْفَعَ إِلَيْهَا بِرِجَالٍ مِنْ قُرَيْشٍ وَبِأَخْوَالِ رَسُولِ اللهِ ﷺ خَاصَّةً فَامْتَنَعَتْ، فَقَالَ لَهُ الزُّهْرِيُّونَ أَخْوَالُ النَّبِيِّ ﷺ مِنْهُمْ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ الْأَسْوَدِ بْنِ عَبْدِ يَغُوثَ، وَالْمِسْوَرُ بْنُ مَخْرَمَةَ: إِذَا اسْتَأْذَنَّا فَاقْتَحِمِ الْحِجَابَ فَفَعَلَ، فَأَرْسَلَ إِلَيْهَا بِعَشْرِ رِقَابٍ فَأَعْتَقَتْهُمْ ثُمَّ لَمْ تَزَلْ تُعْتِقُهُمْ حَتَّى بَلَغَتْ أَرْبَعِينَ، وَقَالَتْ: وَدِدْتُ أَنِّي جَعَلْتُ - حِينَ حَلَفْتُ - عَمَلًا أَعْمَلُهُ فَأَفْرُغَ مِنْهُ. [راجع: ٣٥٠٣]

قابل احترام تھے۔ اور وہ بھی حضرت عائشہ ؓ کے بڑے خدمت گزار تھے۔ حضرت عائشہ ؓ کی عادت تھی کہ ان کے پاس جو رزق اللہ کی طرف سے آتا وہ اس میں سے کچھ نہ رکھتیں بلکہ سارے کا سارا صدقہ کر دیتی تھیں۔ حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ نے کہا: انھیں (ام المومنین ؓ کو) اس قدر خرچ کرنے سے روک دینا چاہیے۔ اس پر حضرت عائشہ ؓ نے فرمایا کہ وہ میرے ہاتھ پر پابندی لگانا چاہتا ہے؟ اب اگر میں نے ان سے بات کی تو مجھ پر نذر واجب ہے۔ حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ نے قریش کے چند لوگوں، خاص طور پر رسول اللہ ﷺ کے ماموؤں، سے سفارش کرائی لیکن آپ نہ مانیں۔ بنوزہرہ جو نبی ﷺ کے ماموں ہیں ان میں سے عبدالرحمٰن بن اسود بن عبدیغوث اور مسور بن مخرمہ ؓ نے حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ سے کہا کہ جب ہم ان کی اجازت سے وہاں جا بیٹھیں تو تم فوراً پردہ میں گھس آنا، چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا۔ (جب حضرت عائشہ ؓ خوش ہو گئیں) تو عبداللہ بن زبیر ؓ نے ان کے پاس دس غلام بھیجے۔ ام المومنین ؓ نے انھیں آزاد کر دیا۔ پھر آپ مسلسل غلام آزاد کرتی رہیں یہاں تک کہ چالیس غلام آزاد کر دیے۔ پھر انھوں نے فرمایا: کاش! میں نے جس وقت قسم اٹھائی تھی تو نذر خاص کر دیتی جس کو ادا کر کے میں فارغ ہو جاتی۔

فوائد و مسائل: ① حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ سیدہ عائشہ کی بڑی ہمشیر حضرت اسماء ؓ کے بڑے لڑکے ہیں۔ ان دونوں بہنوں کے باپ حضرت ابوبکر صدیق ؓ اور مائیں مختلف ہیں، یعنی یہ دونوں پدری بہنیں ہیں۔ حضرت عائشہ ؓ کے ہاں اولاد نہیں تھی، اس لیے انھوں نے اپنے بھانجے حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ کو اپنے پاس رکھا اور ان کی تعلیم و تربیت کا خصوصی اہتمام کیا۔ آپ ان سے بہت محبت کرتی تھیں۔ ناراضی اور پھر معافی کا واقعہ تو حدیث میں مذکور ہے۔ ② حضرت عائشہ ؓ نے مبہم نذر مانی تھی، اس لیے ایک دو غلام آزاد کرنے پر ان کا دل مطمئن نہ تھا، اس لیے انھوں نے چالیس غلام آزاد کیے، البتہ اگر

آپ نذر متعین کر لیتیں تو وہی غلام آزاد کرنے سے آپ فارغ ہو جاتیں۔ صحیح مسلم میں ہے: ''نذر کا کفارہ وہی ہے جو قسم کا ہے۔''[1] شاید انھیں یہ حدیث نہ پہنچی ہو، بصورت دیگر وہ ایسا نہ کرتیں اور نہ چالیس غلام ہی آزاد کرتیں۔ بہر حال آپ نے کسی قسم کی تفصیل کے بغیر مبہم نذر مانی تھی، اس لیے احتیاطاً چالیس غلام آزاد کیے۔ ③ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث سے قریش کی فضیلت ثابت کی ہے کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے چند قریشیوں کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس سفارش کے لیے بھیجا، یعنی وہ اس قابل تھے کہ ان سے سفارش کرائی جاتی تھی۔ واللہ أعلم.

(٣) بَابٌ: نَزَلَ الْقُرْآنُ بِلِسَانِ قُرَيْشٍ

باب: 3- قرآن مجید قریش کی زبان میں نازل ہوا

٣٥٠٦ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَنَسٍ: أَنَّ عُثْمَانَ دَعَا زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ، وَعَبْدَ اللهِ ابْنَ الزُّبَيْرِ، وَسَعِيدَ بْنَ الْعَاصِ، وَعَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ الْحَارِثِ بْنِ هِشَامٍ فَنَسَخُوهَا فِي الْمَصَاحِفِ. وَقَالَ عُثْمَانُ لِلرَّهْطِ الْقُرَشِيِّينَ الثَّلَاثَةِ: إِذَا اخْتَلَفْتُمْ أَنْتُمْ وَزَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ فِي شَيْءٍ مِّنَ الْقُرْآنِ فَاكْتُبُوهُ بِلِسَانِ قُرَيْشٍ فَإِنَّمَا نَزَلَ بِلِسَانِهِمْ، فَفَعَلُوا ذٰلِكَ. [انظر: ٤٩٨٤، ٤٩٨٧]

[3506] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت زید بن ثابت، حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت سعید بن عاص اور حضرت عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام رضی اللہ عنہم کو بلایا تو انھوں نے قرآن مجید کو مصاحف میں نقل فرمایا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تین قریشی صحابہ سے کہا: جب تمھارا اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا قرآن کے کسی مقام کے متعلق اختلاف ہو جائے تو اسے محاورۂ قریش کے مطابق لکھیں کیونکہ قرآن کریم انھی کے محاورے کے مطابق نازل ہوا ہے تو انھوں نے ایسا ہی کیا۔

فوائد و مسائل: ① رسول اللہ ﷺ خود قریشی تھے اور آپ پر قرآن مجید کا نزول اسی مادری زبان کے مطابق ہوا تھا تاکہ پہلے آپ خود اسے بخوبی سمجھیں، پھر دوسرے لوگوں کو احسن طریقے سے سمجھا سکیں۔ ② حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لکھوانے سے پہلے قرآن مجید لکھا ہوا موجود تھا اور اس کا نسخہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس موجود تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انھیں پیغام بھیجا کہ وہ قرآنی صحیفے بھیج دیں جو ان کے پاس ہیں، ہم مصاحف لکھنے کے بعد انھیں واپس کر دیں گے، چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قرآن کریم کی نقلیں تیار کروا کر اطراف عالم میں بھیج دیں۔ قرآن مجید لکھنے کی ہدایت کی اور فرمایا: اگر تمھارا کہیں قرآنی رسم الخط کے متعلق اختلاف ہو جائے تو اسے قریش کے محاورے کے مطابق تحریر کرنا، چنانچہ ان کا لفظ تابوت کے متعلق اختلاف ہوا۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ اسے تابوۃ لکھنا چاہتے تھے جبکہ قریش کے ہاں اس کا رسم الخط تابوت تھا، تو اسی محاورے کے مطابق لکھا گیا۔ ③ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث سے قریش کی فضیلت ثابت کی ہے۔ انھوں نے کتاب فضائل القرآن میں بھی اس حدیث پر اسی قسم کا عنوان قائم

[1] صحيح مسلم، النذر، حديث: 4253 (1645).

کیا ہے: قرآن قریش اور عرب کے محاورے کے مطابق نازل ہوا۔[1] مصاحف لکھنے کے بعد حضرت حفصہ ؓ کا صحیفہ واپس کر دیا گیا اور باقی ذاتی قسم کے صحائف جلا دیے گئے۔[2]

(٤) بَابُ نِسْبَةِ الْيَمَنِ إِلٰى إِسْمَاعِيلَ، مِنْهُمْ أَسْلَمُ بْنُ أَفْصَى بْنِ حَارِثَةَ بْنِ عَمْرِو بْنِ عَامِرٍ مِّنْ خُزَاعَةَ.

باب: 4- اہل یمن کی نسبت حضرت اسماعیل علیہ السلام کی طرف ہے ان میں سے اسلم بن افصیٰ بن حارثہ بن عمرو بن عامر ہیں، جن کا تعلق خزاعہ قبیلے سے ہے

٣٥٠٧ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا يَحْيٰى عَنْ يَّزِيدَ ابْنِ أَبِي عُبَيْدٍ: حَدَّثَنَا سَلَمَةُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: خَرَجَ رَسُولُ اللهِ ﷺ عَلٰى قَوْمٍ مِّنْ أَسْلَمَ يَتَنَاضَلُونَ بِالسُّوقِ. فَقَالَ: «ارْمُوا بَنِي إِسْمَاعِيلَ فَإِنَّ أَبَاكُمْ كَانَ رَامِيًا، وَأَنَا مَعَ بَنِي فُلَانٍ - لِأَحَدِ الْفَرِيقَيْنِ» - فَأَمْسَكُوا بِأَيْدِيهِمْ، فَقَالَ: «مَا لَهُمْ؟» قَالُوا: وَكَيْفَ نَرْمِي وَأَنْتَ مَعَ بَنِي فُلَانٍ؟ قَالَ: «ارْمُوا وَأَنَا مَعَكُمْ كُلِّكُمْ». [راجع: ٢٨٩٩]

[3507] حضرت سلمہ بن اکوع ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ قبیلۂ اسلم کے چند لوگوں کے پاس تشریف لائے جو بازار میں تیراندازی کا مقابلہ کر رہے تھے۔ آپ نے فرمایا: ''اے فرزندانِ اسماعیل! تیراندازی کرو کیونکہ تمھارا باپ (حضرت اسماعیل علیہ السلام) بھی تیرانداز تھا اور میں بنوفلاں کے ساتھ ہوں۔'' یہ فریقین میں سے کسی ایک کو کہا۔ ان لوگوں نے تیراندازی سے اپنے ہاتھ روک لیے۔ آپ نے فرمایا: ''انھیں کیا ہو گیا ہے؟'' وہ عرض کرنے لگے: ہم کیسے تیراندازی کریں جبکہ آپ فلاں قبیلے کے ہمراہ ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''تم تیراندازی کرو۔ میں تم سب کے ساتھ ہوں۔''

فوائد ومسائل: ① امام بخاری ؒ اس حدیث سے ثابت کرنا چاہتے تھے کہ حارثہ بن عمرو کا نسب اہل یمن سے متصل ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے بنواسلم سے فرمایا تھا: ''اے اولاد اسماعیل! تم تیراندازی کرو۔'' اس سے معلوم ہوا کہ اہل یمن بھی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔[3] کیونکہ بنواسلم اہل یمن سے ہیں۔ ② اس استدلال پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ بنواسلم کا یمن سے ہونا اس بات کی دلیل نہیں کہ تمام اہل یمن حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے ہوں۔ بہرحال قبیلۂ ربیعہ اور مضر کا نسب حضرت اسماعیل علیہ السلام سے ملتا ہے۔ اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے۔ تمام اہل یمن کا نسب قحطان تک یقینی ہے، اس کے آگے اختلاف ہے، البتہ امام بخاری ؒ کا رجحان یہ ہے کہ تمام اہل یمن حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔[4] واللہ أعلم.

1 فتح الباري: 659/6. 2 عمدة القاري: 257/11. 3 صحيح البخاري، فضائل القرآن، باب نزل القرآن بلسان قريش ..... قبل الحديث: 4984. 4 صحيح البخاري، فضائل القرآن، حديث: 4987.

(٥) بَابٌ:

باب:5- بلاعنوان

٣٥٠٨ - حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ عَنِ الْحُسَيْنِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ بُرَيْدَةَ: حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ يَعْمَرَ أَنَّ أَبَا الْأَسْوَدِ الدِّيلِيَّ حَدَّثَهُ عَنْ أَبِي ذَرٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: «لَيْسَ مِنْ رَجُلٍ ادَّعَى لِغَيْرِ أَبِيهِ وَهُوَ يَعْلَمُهُ إِلَّا كَفَرَ بِاللهِ، وَمَنِ ادَّعَى قَوْمًا لَيْسَ لَهُ فِيهِمْ نَسَبٌ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ». [انظر: ٦٠٤٥]

[3508] حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''جو شخص دانستہ طور پر اپنے آپ کو حقیقی باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف منسوب کرتا ہے تو وہ اللہ کے ساتھ کفر کرتا ہے۔ اور جو شخص ایسی قوم میں سے ہونے کا دعویٰ کرے جس میں اس کا کوئی رشتہ نہ ہو تو وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنا لے۔''

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی ایسی چیز کا دعویٰ کرنا حرام ہے جو اس کی نہ ہو، خواہ اس کا تعلق مال و متاع سے ہو یا علم و فضل سے یا حسب و نسب سے، چنانچہ بعض لوگ اپنی قوم کے علاوہ کسی دوسرے کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرتے ہیں وہ بھی اس وعید کی زد میں آتے ہیں جیسا کہ کچھ لوگ سادات کی طرف اپنی نسبت کر لیتے ہیں تاکہ عوام کی نگاہوں میں محترم ہوں۔ وہ اس حدیث کے مصداق ہیں۔ ② اس کفر سے مراد کفرانِ نعمت ہے یا اس کا مطلب یہ ہے کہ جو غیر کی نسبت کرنے کو اپنے لیے حلال سمجھتا ہے وہ واقعی کافر ہے یا مذکورہ کلمہ ڈانٹ ڈپٹ کے طور پر ہے۔ اگر وہ توبہ کر لے تو یہ گناہ ساقط ہو جائے گا۔ ③ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: جب ثابت ہوا کہ اہل یمن حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد ہیں تو ان کا کسی دوسرے کی طرف نسبت کرنا صحیح نہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا اس حدیث سے یہی مطلب معلوم ہوتا ہے۔[1]

٣٥٠٩ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَيَّاشٍ: حَدَّثَنَا حَرِيزٌ قَالَ: حَدَّثَنِي عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ عَبْدِ اللهِ النَّصْرِيُّ قَالَ: سَمِعْتُ وَاثِلَةَ بْنَ الْأَسْقَعِ يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِنَّ مِنْ أَعْظَمِ الْفِرَى أَنْ يَدَّعِيَ الرَّجُلُ إِلَى غَيْرِ أَبِيهِ، أَوْ يُرِيَ عَيْنَهُ مَا لَمْ تَرَ، أَوْ يَقُولَ عَلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ مَا لَمْ يَقُلْ».

[3509] حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سب سے بڑا بہتان یہ ہے کہ آدمی اپنے حقیقی باپ کے علاوہ کسی دوسرے کو باپ خیال کرے، یا اپنی آنکھ کی طرف ایسی بات دیکھنے کی نسبت کرے جو اس نے نہیں دیکھی، یا وہ رسول اللہ ﷺ پر ایسی بات لگائے جو آپ نے نہیں فرمائی۔''

فائدہ: جھوٹ بولنا تو حالتِ بیداری میں بھی گناہ ہے لیکن چونکہ رسول اللہ ﷺ نے سچے خواب کو نبوت کا چھیالیسواں جز قرار دیا ہے تو جھوٹا خواب بیان کرنے والا گویا اس جزو نبوت کو بھی مشکوک کرنا چاہتا ہے تو یہ بہت بڑا افترا ہوگا۔ یہی حال جھوٹی

① فتح الباري: 660/6.

حدیث بیان کرنے والے کا ہے جو رسول اللہ ﷺ پر ایک ایسی بات کا الزام لگاتا ہے جو آپ نے نہیں کہی۔ اگر ایسا شخص توبہ نہ کرے تو وہ دنیا میں چلتا پھرتا دوزخی ہے۔ اس کے علاوہ ہم دیکھتے ہیں کہ آج کل اکثر لوگ شیخ، سید، پٹھان وغیرہ فرضی طور پر بن جاتے ہیں، انھیں بھی مذکورہ ارشاد نبوی پر غور کرنا چاہیے کہ ایسا کرنا کس قدر سنگین جرم ہے۔

٣٥١٠ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ أَبِي جَمْرَةَ قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا يَقُولُ: قَدِمَ وَفْدُ عَبْدِ الْقَيْسِ عَلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنَّا هٰذَا الْحَيَّ مِنْ رَّبِيعَةَ، قَدْ حَالَتْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ كُفَّارُ مُضَرَ فَلَسْنَا نَخْلُصُ إِلَيْكَ إِلَّا فِي كُلِّ شَهْرٍ حَرَامٍ فَلَوْ أَمَرْتَنَا بِأَمْرٍ نَّأْخُذُهُ عَنْكَ وَنُبَلِّغُهُ مَنْ وَّرَاءَنَا، قَالَ ﷺ: «آمُرُكُمْ بِأَرْبَعَةٍ وَّأَنْهَاكُمْ عَنْ أَرْبَعَةٍ: الْإِيمَانِ بِاللهِ شَهَادَةِ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، وَإِقَامِ الصَّلَاةِ، وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ، وَأَنْ تُؤَدُّوا إِلَى اللهِ خُمُسَ مَا غَنِمْتُمْ. وَأَنْهَاكُمْ عَنِ الدُّبَّاءِ وَالْحَنْتَمِ، وَالنَّقِيرِ، وَالْمُزَفَّتِ». [راجع: ٥٣]

[3510] حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ قبیلۂ عبدقیس کا وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: اللہ کے رسول! ہمارا تعلق قبیلۂ ربیعہ سے ہے۔ ہمارے اور آپ کے درمیان قبیلۂ مضر کے کافر حائل ہیں، اس لیے ہم آپ کے پاس صرف حرمت والے مہینوں ہی میں آسکتے ہیں۔ مناسب ہے کہ آپ ہمیں فیصلہ کن باتیں بتائیں جن پر ہم خود بھی مضبوطی سے قائم رہیں اور جو لوگ ہمارے پیچھے رہ گئے ہیں انھیں بھی بتا دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں تمھیں چار چیزوں کا حکم دیتا ہوں اور چار کاموں سے منع کرتا ہوں: اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا، یعنی اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ نماز قائم کرنا، زکاۃ ادا کرنا اور جو کچھ بھی تمھیں مال غنیمت ملے اس میں سے اللہ کے لیے پانچواں حصہ ادا کرنا۔ اور میں تمھیں کدو کے برتن، سبز مٹکے، لکڑی کرید کر بنائے ہوئے برتنوں اور تارکول شدہ برتنوں (میں نبیذ بنانے) سے منع کرتا ہوں۔''

فائدہ: یہ حدیث پہلے کئی مرتبہ بیان ہو چکی ہے۔ اس مقام پر لانے کا مقصد یہ ہے کہ عرب کے لوگ قبیلۂ ربیعہ کی شاخ ہیں یا قبیلۂ مضر سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ دونوں قبیلے حضرت اسماعیل ؑ کی اولاد سے ہیں۔ وفد عبدقیس کی آمد کے وقت مضر قبیلہ مسلمان نہیں ہوا تھا اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے انھیں ہدایت دی اور مسلمان ہو گئے۔ الغرض آپ کی زندگی میں یہ دونوں مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے۔ واللہ أعلم.

٣٥١١ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَالِمٍ: أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ

[3511] حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو منبر پر یہ کہتے ہوئے سنا: ''آگاہ ہو جاؤ! اس طرف فتنہ رونما ہوگا۔ آپ

يَقُولُ وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ: «أَلَا إِنَّ الْفِتْنَةَ هَاهُنَا - ، يُشِيرُ إِلَى الْمَشْرِقِ - مِنْ حَيْثُ يَطْلُعُ قَرْنُ الشَّيْطَانِ». [راجع: ٣١٠٤]

نے مشرق کی طرف اشارہ کر کے فرمایا، جہاں سے شیطان کا سینگ طلوع ہوگا۔"

فائدہ: ایک روایت میں وضاحت ہے کہ آپ نے فرمایا: ''درشتی اور سنگ دلی اونی خیمے والوں میں ہے جو اونٹوں اور بیلوں کی دموں کے پاس آوازیں لگانے والے ہیں، یعنی ان کا تعلق ربیعہ اور مضر کے قبائل سے ہوگا۔''[1] امام بخاری رحمہ اللہ نے اس روایت کی طرف اشارہ کیا ہے کیونکہ مذکورہ الفاظ ہی عنوان سے مطابقت رکھتے ہیں۔ علماء نے کہا ہے: اس حدیث میں اس فساد کی طرف اشارہ ہے جو چنگیز خاں کے زمانے میں ہوا۔ انھوں نے مسلمانوں کو خوب لوٹا، بغداد کو تباہ کیا اور خلافت اسلامی کو نقصان ہی نہیں پہنچایا بلکہ ختم کر دیا۔ واللہ المستعان.

(٦) بَابُ ذِكْرِ أَسْلَمَ وَغِفَارَ وَمُزَيْنَةَ وَجُهَيْنَةَ وَأَشْجَعَ

باب:6- اسلم، غفار، مزینہ، جہینہ اور اشجع قبائل کا ذکر

وضاحت: مذکورہ پانچوں قبیلے عربوں میں بڑے زور آور تھے اور دوسرے قبائل سے پہلے ہی اسلام قبول کر چکے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی تعریف فرمائی ہے۔ ایسے بہادر اور جفاکش قبائل کے اسلام لانے سے عرب میں اشاعت اسلام کا دروازہ کھل گیا، پھر دوسرے قبائل خوشی خوشی اسلام میں داخل ہونا شروع ہو گئے کیونکہ عوام الناس اپنے بڑوں کے نقش قدم پر چلنے والے ہوتے ہیں۔[2]

٣٥١٢ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ هُرْمُزَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «قُرَيْشٌ وَالْأَنْصَارُ وَجُهَيْنَةُ وَمُزَيْنَةُ وَأَسْلَمُ وَغِفَارُ وَأَشْجَعُ مَوَالِيَّ، لَيْسَ لَهُمْ مَوْلًى دُونَ اللهِ وَرَسُولِهِ». [راجع: ٣٥٠٤]

[3512] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''قریش، انصار، جہینہ، مزینہ، اسلم، غفار اور اشجع میرے حمایتی اور دوست ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول کے سوا ان کا کوئی دوست نہیں۔''

فوائد و مسائل: ① عربی زبان میں مولیٰ کے کئی معنی ہیں، اس مقام پر مددگار اور حمایت کرنے والا مراد ہے، یعنی وہ رسول اللہ ﷺ کی حمایت کرنے والے ہیں اور اللہ اور اس کا رسول ان کا مددگار ہے اور اس کے مقابلے میں کافروں کا کوئی مددگار نہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''یہ اس لیے کہ ایمان لانے والے کا اللہ تعالیٰ حامی ہے اور کافروں کا کوئی بھی حامی نہیں۔''[3] ② چونکہ یہ

---

① صحيح البخاري، المناقب، حديث: 3498. ② فتح الباري: 664/6. ③ محمد 47: 11.

قبائل سب سے پہلے ایمان لائے تھے، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے ان کی تعریف کی ہے۔[1]

٣٥١٣ - حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ غُرَيْرٍ الزُّهْرِيُّ: حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ صَالِحٍ: حَدَّثَنَا نَافِعٌ: أَنَّ عَبْدَ اللهِ أَخْبَرَهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ عَلَى الْمِنْبَرِ: «غِفَارُ غَفَرَ اللهُ لَهَا، وَأَسْلَمُ سَالَمَهَا اللهُ، وَعُصَيَّةُ عَصَتِ اللهَ وَرَسُولَهُ».

[3513] حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے منبر پر فرمایا: ''قبیلۂ غفار کو اللہ تعالیٰ معاف فرمائے۔ قبیلۂ اسلم کو سلامتی دے اور قبیلۂ عصیہ نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی ہے۔''

فائدہ: رسول اللہ ﷺ نے قبیلۂ غفار اور قبیلۂ اسلم کے لیے دعا فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اچھی توفیق دے اور انھیں سلامت رکھے کیونکہ یہ دونوں قبیلے جنگ و جدال کے بغیر مسلمان ہوئے تھے۔ قبیلۂ غفار کے متعلق یہ معروف تھا کہ وہ حاجیوں کی چوری کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے مغفرت کی دعا فرمائی تا کہ آئندہ ان سے یہ تہمت جاتی رہے اور ان کے پہلے گناہ معاف ہو جائیں۔ قبیلۂ عصیہ والوں نے بئر معونہ پر ستر قاریوں کو دھوکے سے شہید کیا تھا جس سے رسول اللہ ﷺ انتہائی صدمے سے دوچار ہوئے تھے اور مہینہ بھر ان کے خلاف بددعا کرتے رہے، اس لیے فرمایا: ''عصیہ نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی ہے۔''[2]

٣٥١٤ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ الثَّقَفِيُّ عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ مُحَمَّدٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «أَسْلَمُ سَالَمَهَا اللهُ، وَغِفَارُ غَفَرَ اللهُ لَهَا».

[3514] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''قبیلۂ اسلم کو اللہ تعالیٰ سالم رکھے اور قبیلۂ غفار کو اللہ تعالیٰ معاف فرمائے۔''

فوائد و مسائل: ① مذکورہ دونوں حدیثوں کا سیاق انتہائی عمدہ ہے جس کے سننے سے کانوں کو لذت پہنچتی ہے اور دلوں میں کشش پیدا ہوتی ہے بلکہ یہ عجیب اتفاق ہے کہ ہر قبیلے کے پہلے حرف کے مطابق اس کی جنس کے حروف سے دعا فرمائی۔ بھلا ایسا کیوں نہ ہوتا جبکہ یہ اس ذات ستودہ صفات کا کلام ہے جو وحی کے بغیر گفتگو نہیں کرتے۔ بلاشبہ آپ کا کلام فصاحت و بلاغت کے آخری درجے کو پہنچتا ہے۔ ② رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے مجھے جوامع الکلم سے نوازا ہے۔''[3] اس کی زندہ مثال مذکورہ دعائیہ جملے ہیں۔[4]

٣٥١٥ - حَدَّثَنَا قَبِيصَةُ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ:

[3515] حضرت ابوبکرہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے

1 عمدة القاري: 254/11. 2 عمدة القاري: 261/11. 3 صحيح مسلم، المساجد ومواضع الصلاة، حديث: 1167 (523). 4 فتح الباري: 665/6.

وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ: حَدَّثَنَا ابْنُ مَهْدِيٍّ عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي بَكْرَةَ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «أَرَأَيْتُمْ إِنْ كَانَ جُهَيْنَةُ وَمُزَيْنَةُ وَأَسْلَمُ وَغِفَارُ خَيْرًا مِّنْ بَنِي تَمِيمٍ وَّبَنِي أَسَدٍ وَّمِنْ بَنِي عَبْدِ اللهِ بْنِ غَطَفَانَ وَمِنْ بَنِي عَامِرِ بْنِ صَعْصَعَةَ» فَقَالَ رَجُلٌ: خَابُوا وَخَسِرُوا. فَقَالَ: «هُمْ خَيْرٌ مِّنْ بَنِي تَمِيمٍ، وَّمِنْ بَنِي أَسَدٍ، وَّمِنْ بَنِي عَبْدِ اللهِ بْنِ غَطَفَانَ، وَمِنْ بَنِي عَامِرِ بْنِ صَعْصَعَةَ». [انظر: ٣٥١٦، ٦٦٣٥]

کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”تمھیں معلوم ہے کہ جہینہ، مزینہ، اسلم اور غفار قبائل بنوتمیم، بنو اسد، بنوعبداللہ بن غطفان اور بنوعامر بن صعصعہ سے بہتر ہیں۔“ ایک آدمی نے کہا: یہ قبیلے تو نقصان میں رہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”مذکورہ قبیلے، بنوتمیم، بنو اسد، بنوعبداللہ بن غطفان اور بنوعامر بن صعصعہ سے بہتر ہیں۔“

فائدہ: مذکورہ قبائل قابل تعریف اس لیے قرار دیے گئے کہ انھوں نے بہت جلد اسلام قبول کر لیا اور بہترین اخلاق کے حامل تھے، نیز ان کے دل نرم اور گداز تھے۔ اس کے برعکس بنواسد وغیرہ رسول اللہ ﷺ کے بعد طلحہ بن خویلد کے ساتھ مل کر مرتد ہو گئے تھے اور بنوتمیم بھی مدعیہ نبوت سجاح کے ساتھ مل کر دین اسلام سے پھر گئے تھے، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے ان قبائل کے مقابلے میں جہینہ، مزینہ، اسلم اور غفار کو بہتر قرار دیا ہے۔

٣٥١٦ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ: حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي يَعْقُوبَ قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ أَبِي بَكْرَةَ عَنْ أَبِيهِ: أَنَّ الْأَقْرَعَ بْنَ حَابِسٍ قَالَ لِلنَّبِيِّ ﷺ: إِنَّمَا بَايَعَكَ سُرَّاقُ الْحَجِيجِ مِنْ أَسْلَمَ وَغِفَارَ وَمُزَيْنَةَ - وَأَحْسِبُهُ: وَجُهَيْنَةَ، ابْنُ أَبِي يَعْقُوبَ شَكَّ - قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «أَرَأَيْتَ إِنْ كَانَ أَسْلَمُ وَغِفَارُ وَمُزَيْنَةُ - وَأَحْسِبُهُ وَجُهَيْنَةُ - خَيْرًا مِّنْ بَنِي تَمِيمٍ وَّمِنْ بَنِي عَامِرٍ وَّأَسَدٍ وَّغَطَفَانَ، خَابُوا وَخَسِرُوا». قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: «وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! إِنَّهُمْ لَأَخْيَرُ مِنْهُمْ». [راجع: ٣٥١٥]

[3516] حضرت ابوبکرہ ؓ ہی سے روایت ہے کہ اقرع بن حابس نے نبی ﷺ سے کہا کہ اسلم، غفار، مزینہ اور جہینہ میں سے ان لوگوں نے آپ کی بیعت کی ہے جو حاجیوں کا سامان چوری کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”مجھے بتاؤ اسلم، غفار، مزینہ اور جہینہ اگر بنوتمیم، بنو عامر، اسد اور غطفان سے بہتر ہوں تو کیا وہ خسارے میں رہیں گے؟ اقرع بن حابس نے کہا: ہاں! اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: ”مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! وہ قبائل ان قبائل سے بہت بہتر ہیں۔“

فائدہ: زمانۂ جاہلیت میں جہینہ، مزینہ، اسلم اور غفار کے قبیلے، بنوتمیم، بنواسد، بنوعبداللہ بن غطفان اور بنوعامر بن صعصعہ وغیرہ قبائل سے کم درجہ خیال کیے جاتے تھے۔ جب اسلام آیا تو انھوں نے اسے قبول کرنے میں پہل کی۔ اس شرف فضیلت میں بنوتمیم وغیرہ قبائل سے یہ لوگ آگے بڑھ گئے۔ غفار قبیلے سے حضرت ابوذر غفاری اور ان کے بھائی حضرت انیس غفاری سب سے پہلے مسلمان ہوئے۔ جہینہ سے عقبہ بن عامر جہنی پہلے مسلمان ہوئے۔ مزینہ قبیلے سے عبداللہ بن مغفل مزنی، ایاس بن ہلال اور ان کے بیٹے قرہ بن ایاس نے پہلے اسلام قبول کیا۔ اسی طرح اشجع قبیلے سے پہلے اسلام لانے والے نعیم بن مسعود اشجعی ہیں۔ بہرحال ان پانچوں قبائل جہینہ، مزینہ، اسلم، غفار اور اشجع کا تعلق مضر سے ہے اور ان کے مقابلے میں تمیم، اسد، غطفان اور ہوازن بھی مضر سے ہیں۔[1] واللہ أعلم.

٣٥١٦ م - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ مُحَمَّدٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ: «أَسْلَمُ وَغِفَارُ وَشَيْءٌ مِّنْ مُّزَيْنَةَ وَجُهَيْنَةَ - أَوْ قَالَ -: شَيْءٌ مِّنْ جُهَيْنَةَ أَوْ مُزَيْنَةَ خَيْرٌ عِنْدَ اللهِ - أَوْ قَالَ: يَوْمَ الْقِيَامَةِ - مِنْ أَسَدٍ وَّتَمِيمٍ وَّهَوَازِنَ وَغَطَفَانَ».

[3516] (م) حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''قبیلۂ اسلم، غفار اور بعض قبیلے مزینہ اور جہینہ اللہ کے ہاں قیامت کے دن اسد، تمیم، ہوازن اور غطفان سے بہتر ہیں۔''

(٧) بَابُ ذِكْرِ قَحْطَانَ

باب: 7- قحطان کا بیان

٣٥١٧ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنِي سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ عَنْ ثَوْرِ بْنِ زَيْدٍ، عَنْ أَبِي الْغَيْثِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يَخْرُجَ رَجُلٌ مِّنْ قَحْطَانَ يَسُوقُ النَّاسَ بِعَصَاهُ». [انظر: ٧١١٧]

[3517] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''قیامت نہیں آئے گی حتی کہ قحطان کا ایک شخص بادشاہ بنے گا اور اپنی لاٹھی سے لوگوں کو ہانکے گا۔''

فوائد و مسائل: ① اہل یمن سے قبیلۂ حمیر، کندہ اور ہمدان وغیرہ کا نسب قحطان تک پہنچتا ہے۔ پھر قحطان حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے ہے یا نہیں اس میں اختلاف ہے۔ بہرحال قرب قیامت کے وقت ایک قحطانی بادشاہ ہوگا جو لوگوں کو اپنی لاٹھی سے ہانکے گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگوں کو اپنی رعیت بنائے گا جیسے چرواہا اپنی بکریوں کو مسخر کرتا ہے۔ صحیح مسلم میں ایک

1. فتح الباري: 664/6.

روایت ہے: ''دنیا ختم نہ ہوگی حتی کہ ایک شخص دنیا کا مالک ہوگا جسے جہجاہ کہا جائے گا۔''[1] ممکن ہے قحطانی کا نام جہجاہ ہو۔ ② یہ شخص حضرت مہدی رحمہ اللہ کے بعد آئے گا اور انھی کے نقش قدم پر چل کر حکومت کرے گا۔ بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ وہ بیس سال تک حکومت کرے گا۔ یہ حدیث رسول اللہ ﷺ کی ایک پیشین گوئی ہے جس کا وقوع ابھی تک نہیں ہوا۔[2] واللہ أعلم.

(٨) بَابُ مَا يُنْهَى مِنْ دَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ

باب: 8- جاہلیت کی سی باتوں اور نعروں کی ممانعت کا بیان

٣٥١٨ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ: أَخْبَرَنَا مَخْلَدُ بْنُ يَزِيدَ: أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي عَمْرُو ابْنُ دِينَارٍ أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرًا رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ: غَزَوْنَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ وَقَدْ ثَابَ مَعَهُ نَاسٌ مِّنَ الْمُهَاجِرِينَ حَتَّى كَثُرُوا، وَكَانَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ رَجُلٌ لَّعَّابٌ فَكَسَعَ أَنْصَارِيًّا، فَغَضِبَ الْأَنْصَارِيُّ غَضَبًا شَدِيدًا حَتَّى تَدَاعَوْا. وَقَالَ الْأَنْصَارِيُّ: يَا لَلْأَنْصَارِ! وَقَالَ الْمُهَاجِرِيُّ: يَا لَلْمُهَاجِرِينَ! فَخَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ: «مَا بَالُ دَعْوَى أَهْلِ الْجَاهِلِيَّةِ؟» ثُمَّ قَالَ: «مَا شَأْنُهُمْ؟» فَأُخْبِرَ بِكَسْعَةِ الْمُهَاجِرِيِّ الْأَنْصَارِيَّ. قَالَ: فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «دَعُوهَا فَإِنَّهَا خَبِيثَةٌ». وَقَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ أُبَيٍّ ابْنُ سَلُولَ: أَقَدْ تَدَاعَوْا عَلَيْنَا، لَئِنْ رَّجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ. فَقَالَ عُمَرُ: أَلَا نَقْتُلُ يَا نَبِيَّ اللهِ! هٰذَا الْخَبِيثَ؟ لِعَبْدِ اللهِ. فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «لَا، يَتَحَدَّثُ النَّاسُ أَنَّهُ كَانَ يَقْتُلُ أَصْحَابَهُ». [انظر: ٤٩٠٥، ٤٩٠٧]

[3518] حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ ہم نبی ﷺ کے ہمراہ ایک غزوے میں شریک تھے جبکہ آپ کے ساتھ کثیر تعداد میں مہاجرین جمع ہوئے۔ مہاجرین میں سے ایک صاحب بڑے خوش طبع اور دل لگی کرنے والے تھے۔ انھوں نے انصاری کے سرین پر ہاتھ لگایا، اس سے انصاری کو بہت غصہ آیا، اس نے اپنی برادری کو مدد کے لیے پکارا حتی کہ انصاری نے کہا: اے انصار! مدد کو پہنچو۔ اور مہاجر نے آواز دے دی: اے مہاجرین! مدد کو آؤ۔ یہ شور وغل سن کر نبی ﷺ باہر تشریف لائے اور فرمایا: ''جاہلیت کے یہ نعرے کیسے ہیں؟'' پھر فرمایا: ''واقعہ کیا ہے؟'' عرض کیا گیا کہ ایک مہاجر نے انصاری کے سرین پر ہاتھ لگایا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جاہلیت کے ان بدبودار نعروں کو چھوڑ دو۔'' عبداللہ بن ابی ابن سلول (منافق) کہنے لگا: اب کیا ہمارے خلاف نعرے لگائے جا رہے ہیں؟ اگر ہم مدینہ واپس پہنچے تو ہم میں سے عزت والا ذلیل کو نکال باہر کرے گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اللہ کے نبی! ہم اس خبیث، یعنی عبداللہ بن ابی کو قتل نہ کریں؟ تو نبی ﷺ نے فرمایا: ''ایسا مت کرو، لوگ باتیں بناتے پھریں گے کہ وہ اپنے ساتھیوں کو قتل کرتا ہے۔''

---

1 صحيح مسلم، الفتن، حديث: 7309 (2911). 2 فتح الباري: 667/6.

فوائد و مسائل: ① دعوت جاہلیت سے مراد لڑائی کے وقت دوسروں کو آواز دے کر ان کی مدد طلب کرنا ہے۔ دور جاہلیت میں اس قسم کی پکار پر لوگ جمع ہو جاتے اور اس کی مدد کرتے، خواہ وہ ظالم ہوتا۔ جب اسلام آیا تو اس نے اس قسم کے نعروں سے منع فرما دیا جن میں عصبیت اور لڑائی جھگڑے کی بدبو تھی۔ مطلق طور پر کسی کو مدد کے لیے پکارنا حرام نہیں ہے، البتہ جس پکار سے قومیت یا عصبیت کا اظہار مقصود ہو وہ پکار قابل اعتراض ہے۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ نے اس عنوان سے ایک حدیث کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیا یہ جاہلیت کے نعرے ہیں؟'' کہا گیا: نہیں۔ آپ نے فرمایا: ''پھر کوئی حرج نہیں۔ آدمی کو چاہیے کہ وہ اپنے بھائی کی مدد کرے، خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔ ظالم کی مدد یہ ہے کہ اسے ظلم سے باز رکھا جائے۔''[1] ③ اس حدیث میں امور دین کا اہتمام اور آنے والے حالات پر نظر رکھنے کی طرف اشارہ ہے کیونکہ کچھ لوگ بظاہر دین اسلام قبول کر لیتے ہیں لیکن ان کے دلوں میں اس کی حقانیت جاگزیں نہیں ہوتی۔ اگر انھیں کسی وقت سزا دی جائے تو دشمنان دین دوسرے لوگوں کو نفرت دلائیں گے کہ دیکھو اب یہ مسلمانوں ہی کو قتل کر رہے ہیں۔ ممکن تھا کہ لوگ مسلمانوں پر باطنی کفر کا الزام عائد کر کے لڑنا شروع کر دیں۔ چونکہ عبداللہ بن ابی کو قتل کرنے سے اس طرح حالات پیدا ہو سکتے تھے، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اسے قتل کرنے سے روک دیا۔ واللہ أعلم.

٣٥١٩ - حَدَّثَنَا ثَابِتُ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مُرَّةَ، عَنْ مَسْرُوقٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ. وَعَنْ سُفْيَانَ، عَنْ زُبَيْدٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ مَسْرُوقٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «لَيْسَ مِنَّا مَنْ ضَرَبَ الْخُدُودَ وَشَقَّ الْجُيُوبَ وَدَعَا بِدَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ». [راجع: ١٢٩٤]

[3519] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''جو (مصیبت کے وقت) اپنے رخساروں کو پیٹے، گریباں پھاڑے اور دور جاہلیت کے نعرے لگائے وہ ہم سے نہیں ہے۔''

فائدہ: مصیبت کے وقت عصبیت کو ہوا دینا اور دوسروں کے جذبات کو اس پر ابھارنا دور جاہلیت کے نعرے ہیں۔ اگر انھیں حلال سمجھ کر کیا جائے تو انسان دین سے خارج ہو جاتا ہے، بصورت دیگر رسول اللہ ﷺ نے ڈانٹ ڈپٹ اور سرزنش کے طور پر فرمایا: ''وہ مسلمانوں کی روش پر نہیں ہے۔'' واللہ أعلم.

(٩) بَابُ قِصَّةِ خُزَاعَةَ

باب:9-قبیلۂ خزاعہ کا بیان

وضاحت: خزاعہ عرب کا ایک مشہور قبیلہ ہے۔ وہ عمرو بن لحی کی اولاد سے ہے۔ ان کا چچا اسلم تھا جو قبیلۂ اسلم کا جد اعلیٰ

[1] مسند أحمد: 323/3.

ہے۔اس عمرو بن لحی نے سب سے پہلے سائبہ، بحیرہ، وصیلہ اور حام وغیرہ کو ایجاد کیا، جن کا قرآن میں ذکر ہے کہ یہ بری رسمیں ہیں، نیز یہ شخص شام کے علاقے میں گیا، وہاں کے بت پرستوں سے ایک بت لیا اور اسے کعبے میں نصب کر دیا، اسی طرح اساف نامی ایک شخص نے نائلہ نامی عورت سے کعبے میں زنا کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو پتھر بنا دیا، اس نے ان دونوں پتھروں کو بھی کعبے میں لا کر نصب کر دیا۔ جو لوگ بیت اللہ کا طواف کرتے وہ اساف کے بوسے سے شروع کرتے اور نائلہ کے بوسے پر ختم کرتے۔ اس طرح عرب میں دین فطرت کے خلاف بت پرستی شروع ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ نے ان تمام رسومات کو ختم کیا اور بت پرستی کے بجائے توحید کا جھنڈا لہرایا۔ اسلامی دور میں حجاز کا علاقہ بت پرستی سے پاک رہا مگر کچھ عرصہ بعد حرمین شریفین میں قبر پرستی اور بزرگ پرستی کا آغاز ہوا۔ وہاں کے معلم، حاجیوں کو زیارت کے بہانے قبروں پر لے جاتے اور وہاں نذر و نیاز کا سلسلہ جاری ہوتا۔ الحمد للہ آج سعودی عرب کی حکومت نے حرمین شریفین کو اس قسم کی شرکیہ خرافات اور گندی بدعات سے پاک کر کے وہاں خالص توحید کی بنیاد پر اسلام کو استحکام بخشا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے تادیر قائم و دائم رکھے اور توحید کی نشر و اشاعت کی مزید توفیق عطا فرمائے۔ آمين يا رب العالمين.

٣٥٢٠ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ آدَمَ: أَخْبَرَنَا إِسْرَائِيلُ عَنْ أَبِي حَصِينٍ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «عَمْرُو بْنُ لُحَيِّ بْنِ قَمَعَةَ بْنِ خِنْدِفَ أَبُو خُزَاعَةَ».

[3520] حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''عمرو بن لحی بن قمعہ بن خندف قبیلۂ خزاعہ کا باپ تھا۔''

٣٥٢١ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: سَمِعْتُ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ قَالَ: الْبَحِيرَةُ الَّتِي يُمْنَعُ دَرُّهَا لِلطَّوَاغِيتِ وَلَا يَحْلُبُهَا أَحَدٌ مِّنَ النَّاسِ، وَالسَّائِبَةُ الَّتِي كَانُوا يُسَيِّبُونَهَا لِآلِهَتِهِمْ فَلَا يُحْمَلُ عَلَيْهَا شَيْءٌ. قَالَ: وَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «رَأَيْتُ عَمْرَو بْنَ عَامِرِ بْنِ لُحَيٍّ الْخُزَاعِيَّ يَجُرُّ قُصْبَهُ فِي النَّارِ، وَكَانَ أَوَّلَ مَنْ سَيَّبَ السَّوَائِبَ».

[انظر: ٤٦٢٣]

[3521] حضرت سعید بن مسیب سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ بحیرہ وہ اونٹنی ہے جس کا دودھ بتوں کے لیے روکا جاتا اور وہ بتوں کے لیے وقف ہوتی، اس لیے اس کا دودھ کوئی شخص نہیں دوہتا تھا۔ سائبہ وہ اونٹنی ہے جسے وہ اپنے معبودوں کے لیے وقف کرتے، اس پر کوئی بوجھ نہ لادا جاتا اور نہ اس پر کوئی سواری ہی کرتا۔ انھوں نے حضرت ابو ہریرہ ؓ سے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''میں نے عمرو بن عامر بن لحی خزاعی کو دیکھا کہ وہ جہنم میں اپنی انتڑیاں گھسیٹ رہا تھا۔ یہی وہ پہلا شخص ہے جس نے عرب میں سائبہ کی رسم ایجاد کی۔''

فائدہ: اس حدیث میں چند ایسے جانوروں کا ذکر ہے جنھیں مشرک اپنے معبودان باطلہ کی تعظیم کے لیے چھوڑ دیتے تھے اور انھیں اپنے لیے حرام کر لیتے تھے۔ قرآنِ کریم نے اس رسم بد کی خوب تردید کی ہے۔[1] ہمارے ہاں بھی اس طرح کی بد رسمیں رائج ہیں۔ لوگ اپنے نام نہاد پیروں کے نام پر جانور چھوڑ دیتے ہیں کہ یہ خواجہ کا بکرا ہے اور یہ جھولے لعل کی گائیں ہیں، یہ بڑے پیر کی دیگ ہے۔ جب گیارھویں آتی ہے تو لوگ بھینسوں کا دودھ فروخت نہیں کرتے بلکہ بڑے پیر جیلانی کے نام وقف کر دیتے ہیں۔ یہ سب جہالت وضلالت اور گمراہی کی باتیں ہیں، اسلام کا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اللہ ہمیں سیدھے راستے پر قائم رکھے اور ایسے شرکیہ امور سے بچائے۔ آمین.

(١٠) بَابُ قِصَّةِ إِسْلَامِ أَبِي ذَرٍّ الْغِفَارِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ

باب: 10- حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا واقعہ

٣٥٢٢ - حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ عَبَّاسٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ: حَدَّثَنَا الْمُثَنّٰى عَنْ أَبِي جَمْرَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: لَمَّا بَلَغَ أَبَا ذَرٍّ مَبْعَثُ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لِأَخِيهِ: ارْكَبْ إِلٰى هٰذَا الْوَادِي فَاعْلَمْ لِي عِلْمَ هٰذَا الرَّجُلِ الَّذِي يَزْعُمُ أَنَّهُ نَبِيٌّ يَأْتِيهِ الْخَبَرُ مِنَ السَّمَاءِ، وَاسْمَعْ مِنْ قَوْلِهِ ثُمَّ ائْتِنِي، فَانْطَلَقَ الْأَخُ حَتّٰى قَدِمَهُ وَسَمِعَ مِنْ قَوْلِهِ ثُمَّ رَجَعَ إِلٰى أَبِي ذَرٍّ فَقَالَ لَهُ: رَأَيْتُهُ يَأْمُرُ بِمَكَارِمِ الْأَخْلَاقِ وَكَلَامًا مَّا هُوَ بِالشِّعْرِ فَقَالَ: مَا شَفَيْتَنِي مِمَّا أَرَدْتُ، فَتَزَوَّدَ وَحَمَلَ شَنَّةً لَّهُ فِيهَا مَاءٌ حَتّٰى قَدِمَ مَكَّةَ فَأَتَى الْمَسْجِدَ فَالْتَمَسَ النَّبِيَّ ﷺ وَلَا يَعْرِفُهُ وَكَرِهَ أَنْ يَّسْأَلَ عَنْهُ حَتّٰى أَدْرَكَهُ بَعْضُ اللَّيْلِ، فَرَآهُ عَلِيٌّ فَعَرَفَ أَنَّهُ غَرِيبٌ، فَلَمَّا رَآهُ تَبِعَهُ فَلَمْ يَسْأَلْ وَاحِدٌ مِّنْهُمَا صَاحِبَهُ عَنْ شَيْءٍ حَتّٰى أَصْبَحَ، ثُمَّ احْتَمَلَ قِرْبَتَهُ وَزَادَهُ إِلَى

[3522] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ جب حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو نبی ﷺ کی نبوت کے متعلق معلوم ہوا تو انھوں نے اپنے بھائی (انیس) کو کہا: تم مکہ جانے کے لیے سواری تیار کرو اور اس شخص کے متعلق معلومات حاصل کر کے لاؤ جو نبوت کا دعوے دار ہے اور کہتا ہے کہ اس کے پاس آسمان سے خبریں آتی ہیں۔ اس کی باتوں کو خود غور سے سننا، پھر میرے پاس واپس آنا، چنانچہ ان کا بھائی وہاں سے روانہ ہوا اور مکہ پہنچ کر اس نے خود آپ ﷺ کی باتیں سنیں، پھر واپس جا کر اس نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو بتایا کہ میں نے انھیں خود دیکھا ہے۔ وہ اچھے اخلاق کا لوگوں کو حکم دیتے ہیں اور میں نے ان سے ایسا کلام سنا ہے جو شعر کی قسم نہیں ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا: جس مقصد کے لیے میں نے تجھے بھیجا تھا مجھے اس کے متعلق پوری تسلی نہیں ہوئی۔ آخر انھوں نے خود توشۂ سفر تیار کیا اور پانی سے بھرا ہوا ایک پرانا مشکیزہ اپنے ساتھ رکھ لیا، پھر مکہ آئے۔ مسجد حرام میں حاضری دی اور نبی ﷺ کو تلاش کرنا

[1] المآئدة 5:103.

الْمَسْجِدِ وَظَلَّ ذٰلِكَ الْيَوْمَ وَلَا يَرَاهُ النَّبِيُّ ﷺ حَتّٰى أَمْسٰى فَعَادَ إِلٰى مَضْجَعِهِ، فَمَرَّ بِهِ عَلِيٌّ فَقَالَ: أَمَا نَالَ لِلرَّجُلِ أَنْ يَعْلَمَ مَنْزِلَهُ؟ فَأَقَامَهُ فَذَهَبَ بِهِ مَعَهُ لَا يَسْأَلُ وَاحِدٌ مِّنْهُمَا صَاحِبَهُ عَنْ شَيْءٍ حَتّٰى إِذَا كَانَ يَوْمُ الثَّالِثِ فَعَادَ عَلِيٌّ عَلٰى مِثْلِ ذٰلِكَ فَأَقَامَ مَعَهُ ثُمَّ قَالَ: أَلَا تُحَدِّثُنِي مَا الَّذِي أَقْدَمَكَ؟ قَالَ: إِنْ أَعْطَيْتَنِي عَهْدًا وَّمِيثَاقًا لَتُرْشِدَنَّنِي فَعَلْتُ، فَفَعَلَ. فَأَخْبَرَهُ قَالَ: فَإِنَّهُ حَقٌّ وَّهُوَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فَإِذَا أَصْبَحْتَ فَاتَّبِعْنِي فَإِنِّي إِنْ رَأَيْتُ شَيْئًا أَخَافُ عَلَيْكَ قُمْتُ كَأَنِّي أُرِيقُ الْمَاءَ، فَإِنْ مَضَيْتُ فَاتَّبِعْنِي حَتّٰى تَدْخُلَ مَدْخَلِي، فَفَعَلَ فَانْطَلَقَ يَقْفُوهُ حَتّٰى دَخَلَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ وَدَخَلَ مَعَهُ فَسَمِعَ مِنْ قَوْلِهِ وَأَسْلَمَ مَكَانَهُ، فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ ﷺ: «ارْجِعْ إِلٰى قَوْمِكَ فَأَخْبِرْهُمْ حَتّٰى يَأْتِيَكَ أَمْرِي»، قَالَ: وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! لَأَصْرُخَنَّ بِهَا بَيْنَ ظَهْرَانَيْهِمْ، فَخَرَجَ حَتّٰى أَتَى الْمَسْجِدَ فَنَادٰى بِأَعْلٰى صَوْتِهِ: أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ، ثُمَّ قَامَ الْقَوْمُ فَضَرَبُوهُ حَتّٰى أَضْجَعُوهُ وَأَتَى الْعَبَّاسُ فَأَكَبَّ عَلَيْهِ، قَالَ: وَيْلَكُمْ، أَلَسْتُمْ تَعْلَمُونَ أَنَّهُ مِنْ غِفَارٍ وَّأَنَّ طَرِيقَ تِجَارِكُمْ إِلَى الشَّامِ؟ فَأَنْقَذَهُ مِنْهُمْ ثُمَّ عَادَ مِنَ الْغَدِ لِمِثْلِهَا فَضَرَبُوهُ وَثَارُوا إِلَيْهِ فَأَكَبَّ الْعَبَّاسُ عَلَيْهِ. [٣٨٦١]

شروع کر دیا۔ وہ آپ ﷺ کو پہچانتے نہیں تھے اور نہ آپ کے متعلق کسی سے پوچھنا ہی مناسب خیال کیا۔ اس طرح کچھ رات گزر گئی۔ وہ لیٹے ہوئے تھے کہ حضرت علی ؓ نے ان کو دیکھ لیا اور سمجھ گئے کہ کوئی مسافر ہے۔ پھر جب حضرت ابوذر نے حضرت علی ؓ کو دیکھا تو وہ ان کے پیچھے ہو لیے لیکن راستے میں کسی نے ایک دوسرے سے بات نہ کی۔ جب صبح ہوئی تو حضرت ابوذر ؓ نے اپنا مشکیزہ اور توشہ دان اٹھایا اور مسجد حرام میں آ گئے۔ یہ دن بھی اسی طرح گزر گیا اور وہ نبی ﷺ کی زیارت سے شرف یاب نہ ہو سکے۔ شام ہوئی تو سونے کی تیاری کرنے لگے تو پھر وہاں سے حضرت علی ؓ کا گزر ہوا تو سمجھ گئے کہ یہ وہی مسافر ہے جسے ابھی تک اپنا ٹھکانا نہیں مل سکا۔ وہ انھیں وہاں سے پھر اپنے ساتھ لے آئے اور حسب سابق آج بھی کسی نے ایک دوسرے سے بات چیت نہ کی۔ جب تیسرا دن ہوا تو حضرت علی ؓ نے ان کے ساتھ پھر وہی کام کیا اور اپنے ساتھ لے گئے اور ان سے پوچھا: تم مجھے بتا سکتے ہو کہ تمھارا یہاں آنے کا مقصد کیا ہے؟ حضرت ابوذر ؓ نے کہا: اگر تم مجھ سے پختہ وعدہ کرو کہ تم میری صحیح صحیح رہنمائی کرو گے تو میں تمھیں سب کچھ بتا سکتا ہوں، چنانچہ حضرت علی ؓ نے ان سے وعدہ کر لیا تو انھوں نے اپنے خیالات کا اظہار کر دیا۔ حضرت علی ؓ نے فرمایا: یقیناً وہ حق پر ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔ اب صبح کے وقت تم نے میرے پیچھے پیچھے آنا ہے۔ اگر میں کوئی ایسی بات دیکھوں جس سے مجھے تیرے متعلق کوئی خطرہ محسوس ہو تو میں وہاں کھڑا ہو جاؤں گا گویا میں نے پیشاب کرنا ہے۔ (اس وقت تم نے میرا انتظار نہیں کرنا تا کہ کسی کو پتہ نہ چلے یہ دونوں ایک ساتھ ہیں۔) اور اگر میں چلتا رہوں تو تم میرے پیچھے پیچھے آنا، اس طرح

میں جس گھر میں داخل ہو جاؤں وہاں تم بھی آ جانا، چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا اور ان کے پیچھے پیچھے چلے حتی کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہمراہ نبی ﷺ کے پاس پہنچ گئے۔ انھوں نے آپ ﷺ کی باتیں سنیں تو وہیں اسلام لے آئے۔ پھر نبی ﷺ نے انھیں فرمایا: ''تم اب اپنی قوم (قبیلۂ غفار) میں واپس چلے جاؤ اور انھیں میرے حال سے آگاہ کرو حتی کہ تمھیں میرا پیغام پہنچے۔'' حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: مجھے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں ان کے بھرے مجمع میں کلمۂ توحید کا اعلان کروں گا، چنانچہ وہ وہاں سے نکلے، سیدھے مسجد حرام میں آئے اور بآواز بلند کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ یہ کلمۂ حق سنتے ہی سارا مجمع ان پر ٹوٹ پڑا اور اتنا مارا کہ انھیں زمین پر لٹا دیا۔ اتنے میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ وہاں آ گئے اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ پر خود کو ڈال کر قریش سے کہا: افسوس! کیا تمھیں معلوم نہیں کہ یہ شخص قبیلۂ غفار سے ہے اور شام جاتے وقت تمھارے تاجروں کا راستہ ادھر ہی سے پڑتا ہے؟ اس طرح ان سے خلاصی ہوئی۔ پھر وہ (حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ) دوسرے دن مسجد حرام میں آئے اور اپنے اسلام کا اظہار کیا، قوم پھر بری طرح ان پر ٹوٹ پڑی اور انھیں خوب زد و کوب کیا۔ اس دن بھی حضرت عباس ان پر اوندھے پڑ گئے۔

فوائد و مسائل: ① حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا نام جندب تھا۔ اسلام میں داخل ہونے والے پانچویں شخص ہیں۔ ان کے بھائی کا نام انیس تھا جو حضرت ابوذر کے ساتھ ہی مسلمان ہوئے۔ قبیلۂ غفار کی نسبت سے ان کی سرگزشت بیان کی گئی ہے۔ اعلان نبوت کے طویل عرصے بعد مسلمان ہوئے۔ انھوں نے اسلام کا اظہار ڈنکے کی چوٹ کیا جبکہ رسول اللہ ﷺ نے انھیں ایسا کرنے سے روکا بھی تھا۔ بہرحال انھیں آثار و قرائن سے معلوم ہو گیا کہ آپ کا یہ حکم وجوب کے لیے نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ ان کا نعرۂ حق سن کر خاموش ہو گئے اور انھیں اس پر کوئی ملامت نہیں کی۔ ② حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے متعلق کسی سے نہیں پوچھتے تھے کیونکہ قریش ہر اس شخص کو تکلیف پہنچاتے تھے جو آپ کا ارادہ کرتا اور اس لیے بھی مارتے تھے کہ کہیں ان کا دین

پھیل نہ جائے، اس لیے وہ کسی سائل کی رہنمائی نہیں کرتے تھے اور نہ رسول اللہ ﷺ کے پاس لوگوں کو جمع ہی ہونے دیتے تھے، دھوکا دے کر اسے واپس ہونے پر مجبور کر دیتے تھے۔ ③ واضح رہے کہ قریش کے لوگ تجارت کے لیے سال میں دو مرتبہ شام کے علاقے میں جایا کرتے تھے اور راستے میں مکہ و مدینہ کے درمیان قبیلۂ غفار رہتا تھا۔ حضرت عباس ؓ نے قریش کو خبردار کیا کہ اگر تم نے اس کو مار ڈالا تو قوم غفار برہم ہو جائے گی، پھر تمھاری تجارت متأثر ہوگی اور وہاں سے گزرنا بھی مشکل ہو جائے گا۔ اس طرح قریش نے حضرت ابوذر ؓ کی جان بخشی کی۔

(۱۱) [بَابُ] قِصَّةِ زَمْزَمَ

باب: 11- آب زمزم کا واقعہ

٣٥٢٢م - حَدَّثَنَا زَيْدٌ - هُوَ ابْنُ أَخْزَمَ - : قَالَ أَبُو قُتَيْبَةَ سَالِمُ بْنُ قُتَيْبَةَ: حَدَّثَنِي مُثَنَّى بْنُ سَعِيدٍ الْقَصِيرُ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو جَمْرَةَ قَالَ: قَالَ لَنَا ابْنُ عَبَّاسٍ: أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِإِسْلَامِ أَبِي ذَرٍّ؟ قَالَ: قُلْنَا: بَلَى، قَالَ: قَالَ أَبُو ذَرٍّ: كُنْتُ رَجُلًا مِّنْ غِفَارٍ، فَبَلَغَنَا أَنَّ رَجُلًا قَدْ خَرَجَ بِمَكَّةَ يَزْعُمُ أَنَّهُ نَبِيٌّ فَقُلْتُ لِأَخِي: انْطَلِقْ إِلَى هٰذَا الرَّجُلِ كَلِّمْهُ وَائْتِنِي بِخَبَرِهِ، فَانْطَلَقَ فَلَقِيَهُ ثُمَّ رَجَعَ فَقُلْتُ: مَا عِنْدَكَ؟ فَقَالَ: وَاللهِ لَقَدْ رَأَيْتُ رَجُلًا يَأْمُرُ بِالْخَيْرِ وَيَنْهٰى عَنِ الشَّرِّ، فَقُلْتُ لَهُ: لَمْ تَشْفِنِي مِنَ الْخَبَرِ، فَأَخَذْتُ جِرَابًا وَّعَصًا، ثُمَّ أَقْبَلْتُ إِلَى مَكَّةَ فَجَعَلْتُ لَا أَعْرِفُهُ وَأَكْرَهُ أَنْ أَسْأَلَ عَنْهُ وَأَشْرَبُ مِنْ مَّاءِ زَمْزَمَ وَأَكُونُ فِي الْمَسْجِدِ قَالَ: فَمَرَّ بِي عَلِيٌّ فَقَالَ: كَأَنَّ الرَّجُلَ غَرِيبٌ؟ قَالَ: قُلْتُ: نَعَمْ، قَالَ: فَانْطَلَقَ إِلَى الْمَنْزِلِ، قَالَ: فَانْطَلَقْتُ مَعَهُ لَا يَسْأَلُنِي عَنْ شَيْءٍ وَّلَا أُخْبِرُهُ. فَلَمَّا أَصْبَحْتُ غَدَوْتُ إِلَى الْمَسْجِدِ لِأَسْأَلَ عَنْهُ، وَلَيْسَ أَحَدٌ يُخْبِرُنِي عَنْهُ بِشَيْءٍ. قَالَ: فَمَرَّ بِي عَلِيٌّ فَقَالَ:

[3522](م) ابوجمرہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ ہمیں حضرت ابن عباس ؓ نے فرمایا: کیا میں تمھیں حضرت ابوذر ؓ کے اسلام لانے کی خبر نہ دوں؟ ہم نے عرض کیا: کیوں نہیں، تو انھوں نے فرمایا کہ حضرت ابوذر ؓ نے کہا: میں قبیلۂ غفار کا ایک شخص تھا۔ ہمیں یہ خبر پہنچی کہ مکہ میں ایک شخص پیدا ہوا ہے جو نبوت کا مدعی ہے۔ میں نے اپنے بھائی سے کہا: تم جا کر ان سے ملاقات کرو اور ان سے گفتگو کر کے مجھے حقیقت حال سے آگاہ کرو، چنانچہ وہ گئے اور انھوں نے آپ ﷺ سے ملاقات کی۔ پھر واپس آئے تو میں نے ان سے کہا: بتاؤ کیا خبر لائے ہو؟ انھوں نے کہا: اللہ کی قسم! میں نے ایک ایسے شخص کو دیکھا ہے جو اچھی بات کا حکم دیتا ہے اور بری بات سے منع کرتا ہے۔ میں نے کہا: اتنی سی خبر سے تو میری تسلی نہیں ہوتی۔ آخر میں نے ایک سامان کی تھیلی اور ایک لاٹھی اٹھائی اور خود مکہ کی طرف روانہ ہوا لیکن وہاں آپ کو نہ پہچانتا تھا اور یہ بھی مناسب خیال نہ کیا کہ آپ کے متعلق کسی سے دریافت کروں، لہٰذا میں زمزم کا پانی پیتا اور مسجد میں آیا کرتا تھا۔ ایک دن حضرت علی ؓ میرے سامنے سے گزرے اور کہنے لگے: تم مسافر معلوم ہوتے ہو؟ میں نے کہا: ہاں (میں مسافر ہوں)۔ انھوں نے کہا: میرے

أَمَا نَالَ لِلرَّجُلِ يَعْرِفُ مَنْزِلَهُ بَعْدُ؟ قَالَ: قُلْتُ: لَا، قَالَ: انْطَلِقْ مَعِي، قَالَ: فَقَالَ: مَا أَمْرُكَ؟ وَمَا أَقْدَمَكَ هٰذِهِ الْبَلْدَةَ؟ قَالَ: قُلْتُ لَهُ: إِنْ كَتَمْتَ عَلَيَّ أَخْبَرْتُكَ، قَالَ: فَإِنِّي أَفْعَلُ. قَالَ: قُلْتُ لَهُ: بَلَغَنَا أَنَّهُ قَدْ خَرَجَ هَاهُنَا رَجُلٌ يَزْعُمُ أَنَّهُ نَبِيٌّ فَأَرْسَلْتُ أَخِي لِيُكَلِّمَهُ فَرَجَعَ وَلَمْ يَشْفِنِي مِنَ الْخَبَرِ فَأَرَدْتُ أَنْ أَلْقَاهُ. فَقَالَ لَهُ: أَمَا إِنَّكَ قَدْ رَشِدْتَ، هٰذَا وَجْهِي إِلَيْهِ فَاتَّبِعْنِي ادْخُلْ حَيْثُ أَدْخُلُ فَإِنِّي إِنْ رَأَيْتُ أَحَدًا أَخَافُهُ عَلَيْكَ قُمْتُ إِلَى الْحَائِطِ كَأَنِّي أُصْلِحُ نَعْلِي وَامْضِ أَنْتَ، فَمَضٰى وَمَضَيْتُ مَعَهُ حَتّٰى دَخَلَ وَدَخَلْتُ مَعَهُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقُلْتُ لَهُ: اعْرِضْ عَلَيَّ الْإِسْلَامَ فَعَرَضَهُ فَأَسْلَمْتُ مَكَانِي. فَقَالَ لِي: «يَا أَبَا ذَرٍّ! اكْتُمْ هٰذَا الْأَمْرَ، وَارْجِعْ إِلٰى بَلَدِكَ، فَإِذَا بَلَغَكَ ظُهُورُنَا فَأَقْبِلْ». فَقُلْتُ: وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ لَأَصْرُخَنَّ بِهَا بَيْنَ أَظْهُرِهِمْ، فَجَاءَ إِلَى الْمَسْجِدِ وَقُرَيْشٌ فِيهِ فَقَالَ: يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ! إِنِّي أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ. فَقَالُوا: قُومُوا إِلٰى هٰذَا الصَّابِئِ، فَقَامُوا فَضُرِبْتُ لِأَمُوتَ فَأَدْرَكَنِي الْعَبَّاسُ فَأَكَبَّ عَلَيَّ ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَيْهِمْ، فَقَالَ: وَيْلَكُمْ، تَقْتُلُونَ رَجُلًا مِّنْ غِفَارَ وَمَتْجَرُكُمْ وَمَمَرُّكُمْ عَلٰى غِفَارٍ؟ فَأَقْلَعُوا عَنِّي، فَلَمَّا أَنْ أَصْبَحْتُ الْغَدَ رَجَعْتُ فَقُلْتُ مِثْلَ مَا قُلْتُ بِالْأَمْسِ فَقَالُوا: قُومُوا إِلٰى هٰذَا الصَّابِئِ، فَصُنِعَ مِثْلُ مَا صُنِعَ بِالْأَمْسِ وَأَدْرَكَنِي الْعَبَّاسُ

ساتھ گھر چلو، چنانچہ میں ان کے ساتھ ہولیا۔ نہ تو وہ مجھ سے کوئی بات کرتے اور نہ میں ہی ان سے کچھ بیان کرتا۔ پھر جب صبح ہوئی تو میں کعبہ میں گیا تاکہ میں کسی سے آپ ﷺ کے متعلق دریافت کروں لیکن کوئی شخص مجھ سے آپ کے متعلق کچھ بیان نہ کرتا۔ پھر اتفاق سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا میری طرف سے گزر ہوا تو انھوں نے کہا: کیا ابھی تک اس شخص کو اپنا ٹھکانا نہیں ملا؟ ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے کہا: نہیں! انھوں نے پھر کہا: تم میرے ساتھ چلو۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مجھ سے کہا کہ تمھارا کام کیا ہے؟ اور اس شہر میں کیسے آئے ہو؟ میں نے کہا: اگر آپ میری بات کو پوشیدہ رکھیں تو میں آپ سے بیان کرتا ہوں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: میں ایسا ہی کروں گا۔ میں نے ان سے کہا: ہمیں یہ خبر ملی ہے کہ یہاں ایک شخص ہیں جو نبوت کا دعویٰ کرتے ہیں تو میں نے اپنے بھائی کو بھیجا کہ وہ ان سے بات کریں مگر وہ لوٹ آیا اور تسلی بخش کوئی خبر نہ لایا، چنانچہ میں نے چاہا کہ میں خود ان سے ملوں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: مطمئن رہو کہ تم اپنے مقصود کو پہنچ گئے ہو۔ میں اب انھی کے پاس جا رہا ہوں۔ تم بھی میرے ساتھ چلے آؤ۔ جہاں میں جاؤں وہاں تم بھی چلے آنا۔ اگر میں کسی ایسے شخص کو دیکھوں جس سے نقصان کا اندیشہ ہو تو میں کسی دیوار کے پاس کھڑا ہو جاؤں گا، گویا میں اپنا جوتا درست کر رہا ہوں مگر آپ وہاں سے چلتے رہیں، چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ وہاں سے روانہ ہوئے تو میں بھی ان کے ہمراہ چلا حتی کہ میں اور وہ دونوں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ میں نے آپ ﷺ سے عرض کیا: مجھ پر اسلام پیش کیجیے۔ آپ ﷺ نے مجھ پر اسلام پیش کیا تو میں فوراً ہی مسلمان ہو گیا، پھر آپ نے مجھ سے فرمایا: ''اے ابوذر! اپنے اسلام کو

فَأَكَبَّ عَلَيَّ وَقَالَ مِثْلَ مَقَالَتِهِ بِالْأَمْسِ، قَالَ: فَكَانَ هٰذَا أَوَّلَ إِسْلَامِ أَبِي ذَرٍّ رَّحِمَهُ اللهُ.

چھپاؤ۔ اپنے شہر لوٹ جاؤ اور جب تمھیں ہمارے غلبے کی خبر پہنچے تو واپس آ جانا۔'' میں نے عرض کیا: مجھے اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے! میں تو لوگوں میں اسلام کا اظہار پکار پکار کر کروں گا، چنانچہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیت اللہ گئے جہاں قریش تھے اور ان سے کہا: اے گروہ قریش! میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد ﷺ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ یہ سنتے ہی انھوں نے کہا کہ اس بے دین کی خبر لو، چنانچہ وہ اٹھے اور مجھے خوب زدوکوب کیا تاکہ میں مر جاؤں۔ اتنے میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے مجھے دیکھا اور مجھ پر گر پڑے اور کافروں کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے: تمھاری خرابی ہو! قبیلۂ غفار کے ایک آدمی کو مارتے ہو، حالانکہ یہ قبیلہ تمھاری تجارت گاہ اور گزرگاہ ہے؟ تب وہ لوگ میرے پاس سے ہٹے۔ پھر جب میں دوسرے روز صبح کو اٹھا تو واپس آ کر پھر وہی بات کہی جو گزشتہ روز کہی تھی تو انھوں نے پھر کہا: اس بے دین کی طرف کھڑے ہو جاؤ۔ پھر میرے ساتھ پہلے روز جیسا سلوک کیا گیا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے مجھے دیکھا تو مجھ پر جھک گئے اور انھوں نے ویسی ہی گفتگو کی جو گزشتہ کل کی تھی۔ انھوں نے (حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے) کہا: یہ ابوذر رضی اللہ عنہ کے اسلام کی ابتدا تھی۔ اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے۔

فوائد و مسائل: ① حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ مسجد حرام میں رہتے ہوئے کئی دن تک صرف زمزم کے پانی پر گزارا کرتے رہے اور اس بابرکت پانی نے ان کو کھانے اور پینے دونوں کا کام دیا۔ اس کی اہمیت اجاگر کرنے کے لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے قصۂ زمزم کا عنوان قائم کیا ہے۔ درحقیقت زمزم کے پانی پر اس طرح گزارا کرنا بھی حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی زندگی کا ایک اہم واقعہ ہے۔ بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اس طرح پانی نوش کرنے سے خوب موٹے تازے ہو گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے واقعی اس بابرکت پانی میں یہ تاثیر رکھی ہے کہ اسے پینے سے کھانا کھانے کی ضرورت نہیں رہتی۔ ② دور حاضر میں حکومت سعودیہ

نے زمزم کا بہت وسیع انتظام کر رکھا ہے کہ یہ ہر حاجی مرد ہو یا عورت جب چاہے آسانی کے ساتھ تازہ اور ٹھنڈا زمزم پی سکتا ہے۔ اب تو مدینہ طیبہ کی مسجد نبوی میں بھی آب زمزم کے ٹھنڈے اور تازہ کولر پڑے ہیں۔ نمازی جب چاہے اپنے دائیں بائیں سے پانی پی سکتا ہے۔ واقعی حکومت سعودیہ کا یہ ایک عظیم کارنامہ ہے جس کے لیے جس قدر بھی دعائیں کی جائیں کم ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس حکومت کو مزید استحکام اور ترقی عنایت فرمائے۔ ہم نے وہاں قیام کے دوران میں ایسا وقت بھی دیکھا ہے کہ یمنی حضرات ایک ریال کے عوض آب زمزم کی چھوٹی سی پیالی بھر کر دیتے تھے۔

(١٢) بَابُ قِصَّةِ زَمْزَمَ وَجَهْلِ الْعَرَبِ

باب: 12- زمزم کا قصہ اور عرب قوم کی جہالت کا بیان

٣٥٢٣ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ مُحَمَّدٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ: «أَسْلَمُ وَغِفَارٌ وَّشَيْءٌ مِّنْ مُّزَيْنَةَ وَجُهَيْنَةَ - أَوْ قَالَ: شَيْءٌ مِّنْ جُهَيْنَةَ أَوْ مُزَيْنَةَ - خَيْرٌ عِنْدَ اللهِ - أَوْ قَالَ: يَوْمَ الْقِيَامَةِ - مِنْ أَسَدٍ وَّتَمِيمٍ وَّهَوَازِنَ وَغَطَفَانَ».

[3523] حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”قبیلۂ اسلم، غفار اور بعض قبیلۂ مزینہ وجہینہ اللہ کے ہاں قیامت کے دن اسد، تمیم، ہوازن اور غطفان سے بہتر ہیں۔“

فائدہ: امام بخاری ؒ نے جہالت عرب بیان کرنے کے لیے مذکورہ حدیث کے ایک طریق کی طرف اشارہ کیا ہے، جس کے مطابق اقرع بن حابس نے رسول اللہ ﷺ سے کہا تھا کہ آپ کے پیروکار تو حاجیوں کی چوری کرنے والے ہیں۔[1] یہ عرب کی جہالت تھی کہ وہ حاجیوں کی خدمت کرنے کے بجائے ان کے سفر خرچ چوری کر کے انھیں بے سہارا کر دیتے تھے، حالانکہ حجاج کرام اللہ کے مہمان ہوتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے بنوغفار کے لیے دعا فرمائی تھی کہ اللہ تعالیٰ ان کی کوتاہی معاف کر دے تاکہ ان سے چوری کی تہمت دور ہو جائے اور اللہ کے حضور انھیں کسی قسم کی شرمساری کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ واللہ أعلم.

٣٥٢٤ - حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ أَبِي بِشْرٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: إِذَا سَرَّكَ أَنْ تَعْلَمَ جَهْلَ الْعَرَبِ فَاقْرَأْ مَا فَوْقَ الثَّلَاثِينَ وَمِائَةٍ فِي سُورَةِ الْأَنْعَامِ: ﴿قَدْ خَسِرَ ٱلَّذِينَ قَتَلُوٓا

[3524] حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: اگر تیری خواہش ہو کہ عربوں کی جہالت معلوم کرے تو سورۂ انعام میں ایک سوتیس (130) سے اوپر والی آیات پڑھو: ”جن لوگوں نے جہالت اور حماقت کی بنا پر اپنی اولاد کو مار ڈالا (اور اللہ پر افترا کرتے ہوئے اس رزق کو

1 صحيح البخاري، المناقب، حديث : 3516.

أَوْلَادَهُمْ سَفَهًا بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ إِلَى قَوْلِهِ: ﴿قَدْ ضَلُّوا وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ﴾ [الأنعام: ١٤٠]. حرام قرار دیا جو اللہ نے انھیں دیا تھا) یہ لوگ ایسے گمراہ ہیں جو ہدایت پر نہیں آ سکتے۔"

فائدہ: عربوں کے ہاں بت پرستی اور ڈاکا زنی دن رات کی جاتی، لیکن ان میں سب سے بڑی جہالت یہ تھی کہ کم بخت اپنی بیٹیوں کو اپنے ہاتھوں قتل کر دیتے تھے۔ اولاد کو قتل کرنے کی درج ذیل وجوہات تھیں: (ا) بیٹیوں کو اس لیے قتل کیا جاتا کہ وہ انھیں ذلت کی علامت خیال کرتے تھے، جہاں بھی بیٹی کی شادی ہو گی وہاں آنکھیں نیچی کرنی پڑیں گی۔ قرآن کریم نے اس پہلو کی بہت مذمت کی ہے۔[1] (ب) بیٹوں اور بیٹیوں دونوں کو معاش کے خوف سے قتل کیا جاتا کہ اگر اولاد زیادہ ہوئی تو معیار زندگی برقرار نہیں رہ سکے گا۔ قرآن کریم نے اس کی گندگی اور برائی بھی واضح کی ہے۔[2] موجودہ مہذب دنیا میں بھی یہ قتل برتھ کنٹرول کے نام سے جاری ہے۔ (ج) بتوں کے نام نذر مانی جاتی کہ اگر میرے ہاں اتنے بیٹے پیدا ہوئے تو ایک بیٹے کو فلاں بت کے نام پر قربان کر دیا جائے۔ اس روشن خیالی کے دور میں بھی بعض پڑھے لکھے لوگ اس طرح کی حماقت کر بیٹھتے ہیں۔ ان کفار کا اپنی اولاد کو قتل کرنا حماقت اس لیے تھا کہ قتل تو فیصلہ کن اذیت ہے جبکہ فقر اور تنگ دستی کی اذیت موہوم ہے، عرب کا قطعی اذیت کو اختیار کرنا اور موہوم اذیت کو ترک کرنا جہالت اور حماقت تھی۔ عرب کے قبائل تو اپنی بیٹیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے، البتہ قبیلۂ بنو کنانہ اس جرم میں شریک نہیں تھا۔ واللہ أعلم.

(١٣) بَابُ مَنِ انْتَسَبَ إِلَى آبَائِهِ فِي الْإِسْلَامِ وَالْجَاهِلِيَّةِ

باب: 13- کافر یا مسلمان باپ دادا کی طرف خود کو منسوب کرنا

وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ وَأَبُو هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: «إِنَّ الْكَرِيمَ ابْنَ الْكَرِيمِ ابْنِ الْكَرِيمِ ابْنِ الْكَرِيمِ: يُوسُفُ بْنُ يَعْقُوبَ بْنِ إِسْحَاقَ بْنِ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلِ اللهِ». وَقَالَ الْبَرَاءُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: «أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ».

حضرت ابن عمر اور حضرت ابو ہریرہ ؓ نے نبی ﷺ سے بیان کیا: "بلاشبہ کریم بن کریم بن کریم بن کریم، یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم خلیل اللہ ہیں۔" اور حضرت براء ؓ نے نبی ﷺ سے روایت کی کہ آپ نے فرمایا: "میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔"

وضاحت: یہ بیان کرنا کہ میں فلاں کی اولاد میں سے ہوں اگرچہ وہ آباء و اجداد غیر مسلم ہی کیوں نہ ہوں، مگر ایسا بیان کرنا جائز ہے بشرطیکہ فخر و ریا کا اظہار مقصود نہ ہو، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت یوسف ؑ کو ان کے آباء و اجداد کی طرف منسوب کیا اور یہ حضرات انبیاء ؑ تھے اور رسول اللہ ﷺ نے ایک موقع پر خود کو اپنے دادا عبدالمطلب کی طرف منسوب کیا جو کفر کی حالت میں مرا تھا۔ ان دونوں روایات سے عنوان کی مطابقت واضح ہے۔ پہلی روایت کو امام بخاری ؒ نے خود ہی متصل سند سے حدیث نمبر: 3382 کے تحت ذکر کیا ہے۔ اسی طرح دوسری روایت بھی متصل سند سے حدیث نمبر: 2364 کے تحت گزر چکی ہے۔

[1] النحل 16:58، 59. [2] بنی إسرآئیل 17:31.

٣٥٢٥ - حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ: حَدَّثَنَا أَبِي: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ سُلَيْمَانُ قَالَ: حَدَّثَنَا عَمْرُو ابْنُ مُرَّةَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: لَمَّا نَزَلَتْ ﴿وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ ٱلْأَقْرَبِينَ﴾ [الشعراء: ٢١٤] جَعَلَ النَّبِيُّ ﷺ يُنَادِي: «يَا بَنِي فِهْرٍ! يَا بَنِي عَدِيٍّ!»، بِبُطُونِ قُرَيْشٍ. [راجع: ١٣٩٤]

[3525] حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: (اے پیغمبر!) آپ اپنے رشتہ داروں کو خبردار کریں، تو نبی ﷺ نے بہ آواز بلند پکارا: ''اے بنوفہر! اے بنوعدی!'' یہ قریش کے چھوٹے قبیلے تھے۔

٣٥٢٦ - وَقَالَ لَنَا قَبِيصَةُ: أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنْ حَبِيبِ بْنِ أَبِي ثَابِتٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: لَمَّا نَزَلَتْ ﴿وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ ٱلْأَقْرَبِينَ﴾ جَعَلَ النَّبِيُّ ﷺ يَدْعُوهُمْ قَبَائِلَ قَبَائِلَ. [راجع: ١٣٩٤]

[3526] حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: ''(اے نبی!) اپنے قریبی رشتہ داروں کو (عذاب الٰہی سے) ڈرایئے۔'' تو نبی ﷺ نے الگ الگ قبائل کو دعوت دی۔

٣٥٢٧ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ: أَخْبَرَنَا أَبُو الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «يَا بَنِي عَبْدِ مَنَافٍ! اشْتَرُوا أَنْفُسَكُمْ مِّنَ اللهِ، يَا بَنِي عَبْدِ الْمُطَّلِبِ! اشْتَرُوا أَنْفُسَكُمْ مِّنَ اللهِ، يَا أُمَّ الزُّبَيْرِ ابْنِ الْعَوَّامِ! عَمَّةَ رَسُولِ اللهِ ﷺ! يَا فَاطِمَةُ بِنْتَ مُحَمَّدٍ! اشْتَرِيَا أَنْفُسَكُمَا مِنَ اللهِ، لَا أَمْلِكُ لَكُمَا مِنَ اللهِ شَيْئًا، سَلَانِي مِنْ مَّالِي مَا شِئْتُمَا». [راجع: ٢٧٥٣]

[3527] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اے فرزندانِ عبدمناف! اللہ کے عذاب سے اپنے آپ کو چھڑالو۔ اے فرزندانِ عبدالمطلب! تم بھی اپنے آپ کو اللہ کے عذاب سے بچالو۔ اے زبیر بن عوام کی والدہ! رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی! اے فاطمہ بنت محمد! تم دونوں بھی اپنے آپ کو اللہ کی پکڑ سے بچالو۔ میں تمھارے کام نہیں آسکوں گا۔ تم میرے مال سے جتنا چاہو مانگ سکتی ہو۔''

فوائد و مسائل: ① آیت کریمہ میں عشیرہ کی نسبت آپ کی طرف کی گئی ہے، حالانکہ دونوں قبائل کا فر تھے، پھر ان کو نام بنام پکار کر آپ کا دعوت دینا آپ کی طرف سے اس نسبت کو تسلیم کر لینا ہے کہ یہ قبائل آپ کے قریبی رشتے دار تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایسی نسبت عنداللہ معیوب نہیں۔ ہمارے ہاں اکثر مسلمان اپنے پرانے خاندانوں ہی کے نام سے خود کو منسوب کرتے ہیں۔ ② یاد رہے انبیاء ؑ اور اولیاء کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا کہ ان کی نسبت سے ہمیں قیامت کے دن جنت کا پروانہ مل جائے گا،

یہ عقیدہ سراسر باطل ہے۔ ③ بہرحال ان احادیث سے امام بخاری رحمہ اللہ نے ثابت کیا ہے کہ انسان اپنے آباء و اجداد کی طرف خود کو منسوب کر سکتا ہے، خواہ وہ کافر ہو یا مسلمان، البتہ ان کے متعلق غلط عقیدہ رکھنا درست نہیں۔ واللہ أعلم.

(١٤) بَابٌ: ابْنُ أُخْتِ الْقَوْمِ مِنْهُمْ، وَمَوْلَى الْقَوْمِ مِنْهُمْ

باب: 14- قوم کا بھانجا اور ان کا آزاد کردہ غلام انھی سے شمار ہوگا

٣٥٢٨ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: دَعَا النَّبِيُّ ﷺ الْأَنْصَارَ فَقَالَ: «هَلْ فِيكُمْ أَحَدٌ مِّنْ غَيْرِكُمْ؟» قَالُوا: لَا إِلَّا ابْنُ أُخْتٍ لَّنَا. فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «ابْنُ أُخْتِ الْقَوْمِ مِنْهُمْ».

[راجع: ٣١٤٦]

[3528] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے انصار کو بلایا اور فرمایا: ''کیا اس جگہ تمھارے علاوہ کوئی اور بھی موجود ہے؟'' انھوں نے کہا: نہیں صرف ہمارا بھانجا موجود ہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قوم کا بھانجا انھی میں شمار ہوتا ہے۔''

فوائد و مسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ کا یہ عنوان دو اجزاء پر مشتمل ہے: ○ قوم کا بھانجا انھی سے ہے۔ ○ اس سے پہلا جز ثابت ہوتا ہے۔ دوسرے جز کو ثابت کرنے کے لیے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ایک دوسری حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے جس کے الفاظ ہیں: ''قوم کا آزاد کردہ غلام بھی انھیں سے ہے۔''[1] ② امام صاحب رحمہ اللہ کا مقصود ذوی الارحام کی وراثت ثابت کرنا نہیں بلکہ نسب کی اہمیت بتانا ہے کہ اس سے مراد صرف آبائی تعلق ہی نہیں بلکہ والدہ کے ناتے سے جو رشتہ ہوگا یا ولاء سے جو تعلق پیدا ہوگا وہ بھی اسی طرح قابل احترام ہے جس طرح آبائی رشتہ قابل عزت ہے۔ انھیں کسی صورت میں پامال نہیں کرنا چاہیے۔ واللہ أعلم.

(١٥) بَابُ قِصَّةِ الْحَبَشِ وَقَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ: «يَا بَنِي أَرْفِدَةَ!»

باب: 15- حبشیوں کا واقعہ اور نبی ﷺ کا انھیں بنو ارفدہ کہنا

٣٥٢٩ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّ أَبَا بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ دَخَلَ عَلَيْهَا وَعِنْدَهَا جَارِيَتَانِ فِي أَيَّامِ مِنًى تُدَفِّفَانِ

[3529] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ان کے ہاں تشریف لائے تو وہاں دو بچیاں دف بجا کر گا رہی تھیں۔ یہ ایام منیٰ کا واقعہ ہے۔ اس دوران میں نبی ﷺ روئے مبارک پر کپڑا ڈالے لیٹے ہوئے تھے۔

(1) صحيح البخاري، الفرائض، حديث: 6761.

وَتَضْرِبَانِ وَالنَّبِيُّ ﷺ مُتَغَشٍّ بِثَوْبِهِ، فَانْتَهَرَهُمَا أَبُو بَكْرٍ فَكَشَفَ النَّبِيُّ ﷺ عَنْ وَجْهِهِ فَقَالَ: «دَعْهُمَا يَا أَبَا بَكْرٍ! فَإِنَّهَا أَيَّامُ عِيدٍ» وَتِلْكَ الْأَيَّامُ أَيَّامُ مِنًى. [راجع: ٤٥٤]

حضرت ابوبکر ؓ نے ان بچیوں کو ڈانٹا تو نبی ﷺ نے اپنے چہرۂ مبارک سے کپڑا ہٹا کر فرمایا: ''اے ابوبکر! ان بچیوں کو کچھ نہ کہو۔ یہ تو عید (خوشی) کے دن ہیں۔'' وہ دن منیٰ کے تھے۔

٣٥٣٠ - وَقَالَتْ عَائِشَةُ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَسْتُرُنِي وَأَنَا أَنْظُرُ إِلَى الْحَبَشَةِ وَهُمْ يَلْعَبُونَ فِي الْمَسْجِدِ فَزَجَرَهُمْ عُمَرُ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «دَعْهُمْ، أَمْنًا بَنِي أَرْفِدَةَ»، يَعْنِي مِنَ الْأَمْنِ. [راجع: ٩٤٩]

[3530] حضرت عائشہ ؓ ہی کا بیان ہے کہ میں نے نبی ﷺ کو دیکھا، آپ مجھے پردے میں رکھے ہوئے تھے اور میں حبشی جوانوں کو دیکھ رہی تھی جو مسجد میں نیزوں کا کھیل کر رہے تھے۔ حضرت عمر ؓ نے انھیں ڈانٹا تو نبی ﷺ نے فرمایا: ''انھیں کچھ نہ کہو۔ اے بنو ارفدہ! تم بے فکر ہو کر اپنا کھیل جاری رکھو۔''

فوائد و مسائل: ① ارفدہ، اہل حبشہ کے جد اعلیٰ کا نام ہے۔ مسجد میں حبشیوں کا یہ کھیل جنگی تعلیم اور مشق کے طور پر تھا۔ صوفیاء نے اس حدیث سے رقص و سماع کا جواز ثابت کیا ہے لیکن جمہور علماء نے اس موقف سے اتفاق نہیں کیا کیونکہ حبشی لوگ تو جنگی تربیت حاصل کرنے کے لیے چھوٹے نیزوں سے مشق کر رہے تھے۔ کہاں جنگی مشق اور کہاں رقص و سرود کے ساتھ گانا بجانا! رقص لہو ہے اور مشق مطلوب ہے۔ ② رسول اللہ ﷺ نے اہل حبشہ کو ان کے جد اعلیٰ کی طرف منسوب کیا۔ معلوم ہوا کہ نسب میں ایسا کرنا جائز ہے۔ امام بخاری ؒ کا یہی مقصود ہے۔ واللہ أعلم.

(١٦) بَابُ مَنْ أَحَبَّ أَنْ لَا يُسَبَّ نَسَبُهُ

باب: 16- جو اس بات کو پسند کرے کہ اس کے نسب کو گالی نہ دی جائے

٣٥٣١ - حَدَّثَنِي عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ: حَدَّثَنَا عَبْدَةُ عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: اسْتَأْذَنَ حَسَّانُ بْنُ ثَابِتٍ النَّبِيَّ ﷺ فِي هِجَاءِ الْمُشْرِكِينَ. قَالَ: «كَيْفَ بِنَسَبِي فِيهِمْ؟» فَقَالَ حَسَّانُ: لَأَسُلَّنَّكَ مِنْهُمْ كَمَا تُسَلُّ الشَّعْرَةُ مِنَ الْعَجِينِ.

[3531] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ حضرت حسان بن ثابت ؓ نے نبی ﷺ سے مشرکین کی ہجو کرنے کی اجازت مانگی تو آپ نے فرمایا: ''میرے نسب کا کیا کرو گے؟'' حضرت حسان ؓ نے عرض کیا: میں آپ کو ان سے ایسے نکال لوں گا جس طرح آٹے سے بال نکال لیا جاتا ہے۔

وَعَنْ أَبِيهِ، قَالَ: ذَهَبْتُ أَسُبُّ حَسَّانَ عِنْدَ

حضرت عروہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عائشہ ؓ کے

عَائِشَةَ فَقَالَتْ: لَا تَسُبَّهُ فَإِنَّهُ كَانَ يُنَافِحُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ. [انظر: ٤١٤٥، ٦١٥٠]

پاس حضرت حسان رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہنے لگا تو انھوں نے فرمایا: انھیں برا بھلا مت کہو کیونکہ وہ نبی ﷺ کا دفاع کیا کرتے تھے۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب شعروں کے ذریعے سے کسی کی ہجو کی جائے تو نسب سے چھیڑ چھاڑ ضرور کرنا پڑتی ہے، اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میرا نسب تو قریش کے نسب سے ملا ہوا ہے، اس کا کیا بنے گا؟" تو انھوں نے عرض کی: اللہ کے رسول! ان کی ہجو سے آپ کے نسب کو بہترین طریقے سے نکال لوں گا کہ آپ کے نسب کے کسی جز کو ہجو میں شامل نہیں ہونے دوں گا۔ ② جب گوندھے ہوئے آٹے سے بال نکالا جاتا ہے تو اس کے ساتھ آٹا نہیں لگتا بلکہ وہ صاف نکل آتا ہے۔ اگر شہد سے بال نکالا جائے تو بھی شہد اس کے ساتھ لگ جاتا ہے یا روئی سے نکالا جائے تو ٹوٹ جاتا ہے۔ اگر آٹے سے دھاگا نکالا جائے تو اس کے ساتھ کچھ نہ کچھ آٹا لگ جاتا ہے۔ یہ صرف آٹے اور بال کی خصوصیت ہے کہ اس کے ساتھ کچھ نہیں لگتا۔ ③ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تیروں کی بارش سے مشرکین کو اتنی تکلیف نہیں ہوتی جتنی ہجو یہ اشعار سے ہوتی ہے، چنانچہ آپ نے حضرت عبداللہ بن رواحہ، حضرت کعب بن مالک اور حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہم کو اس کام پر مقرر فرمایا۔[1]

(١٧) بَابُ مَا جَاءَ فِي أَسْمَاءِ رَسُولِ اللهِ ﷺ

باب: 17- رسول اللہ ﷺ کے ناموں کا بیان

وَقَوْلِهِ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿مُّحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُۥٓ أَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ﴾ [الفتح: ٢٩] وَقَوْلِهِ: ﴿مِنۢ بَعْدِي اسْمُهُۥٓ أَحْمَدُ﴾ [الصف: ٦].

ارشاد باری تعالیٰ ہے: "محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کفار کے مقابلے میں انتہائی سخت ہیں۔" اللہ تعالیٰ نے (حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بات نقل کرتے ہوئے) فرمایا: "میرے بعد آنے والے رسول کا نام احمد ہوگا۔"

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ نے حسب و نسب سے فراغت کے بعد اب اس عنوان کا دوسرا حصہ، یعنی سیرت نبویہ کو شروع کیا ہے جس میں نام سرفہرست ہے۔ ان دونوں آیات میں رسول اللہ ﷺ کے دو ناموں کا بیان ہے: محمد باب تفعیل سے مبالغے کا صیغہ ہے جبکہ احمد اسم تفضیل کا صیغہ ہے۔ آپ کا پہلا نام احمد ہے کیونکہ یہ پہلی کتابوں میں مذکور ہے اور دوسرا نام محمد ہے جو قرآن کریم میں آیا ہے۔ قیامت کے دن سب سے پہلے آپ ﷺ اللہ کی تعریف کریں گے اور اللہ تعالیٰ آپ کی سفارش قبول کرے گا، پھر لوگ آپ کی تعریف کریں گے۔

٣٥٣٢ - حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ قَالَ: حَدَّثَنِي مَعْنٌ عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ

[3532] حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میرے پانچ

[1] صحیح مسلم، الفضائل، حدیث: 6395 (2490).

مُحَمَّدِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ، عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لِي خَمْسَةُ أَسْمَاءٍ: أَنَا مُحَمَّدٌ، وَأَحْمَدُ، وَأَنَا الْمَاحِي الَّذِي يَمْحُو اللهُ بِيَ الْكُفْرَ، وَأَنَا الْحَاشِرُ الَّذِي يُحْشَرُ النَّاسُ عَلَى قَدَمِي، وَأَنَا الْعَاقِبُ».

[انظر: ٤٨٩٦]

نام ہیں: میں محمد ہوں، احمد ہوں اور ماحی ہوں کیونکہ میرے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کفر کو مٹاتا ہے۔ میں حاشر ہوں۔ تمام لوگ میرے پیچھے جمع کیے جائیں گے۔ اور میں عاقب ہوں، یعنی سب کے بعد آنے والا۔''

فوائد و مسائل: ① رسول اللہ ﷺ کے کئی نام ہیں۔ اس حدیث میں صرف پانچ ناموں پر اکتفا کیا گیا ہے کیونکہ یہ نام پہلی کتابوں میں موجود ہیں اور پہلی امتیں ان ناموں کو جانتی ہیں۔ پھر عدد کے مفہوم کا اعتبار نہیں ہوتا کیونکہ ایک عدد اپنے سے زیادہ عدد کی نفی نہیں کرتا۔ ② آخری نام عاقب ہے۔ اس کی تفسیر اس طرح کی گئی ہے کہ آپ کے بعد کوئی نیا پیغمبر نہیں آئے گا، گویا آپ تمام انبیائے کرام ﷺ کے بعد تشریف لائے ہیں، چنانچہ آپ کے بعد جو شخص بھی نبوت کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا دجال ہے۔ ③ رسول اللہ ﷺ کے بے شمار اسمائے گرامی قرآن میں مذکور ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے ننانوے ناموں کے مقابلے میں رسول اللہ ﷺ کے ننانوے ناموں کی کھوج لگانا محل نظر ہے۔ بدعتی حضرات نے آپ کی طرف چند ایسے نام منسوب کر رکھے ہیں جن میں انتہائی غلو پایا جاتا ہے، جیسے: اے عرش الٰہی کی قندیل! اس طرح کے اسلوب و انداز سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے۔

٣٥٣٣ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أَلَا تَعْجَبُونَ كَيْفَ يَصْرِفُ اللهُ عَنِّي شَتْمَ قُرَيْشٍ وَلَعْنَهُمْ؟ يَشْتِمُونَ مُذَمَّمًا وَيَلْعَنُونَ مُذَمَّمًا وَأَنَا مُحَمَّدٌ».

[3533] حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم تعجب نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ قریش کی گالیوں اور ان کے لعن وطعن کو مجھ سے کیسے دور کرتا ہے؟ وہ مذمم کو گالیاں دیتے اور مذمم پر لعنت کرتے ہیں جبکہ میں تو محمد ہوں۔''

فوائد و مسائل: ① کفار قریش شدت عداوت کی بنا پر آپ کو محمد کے نام سے یاد نہ کرتے تھے کیونکہ اس نام سے آپ کی تعریف اور مدح کا پہلو نمایاں ہوتا تھا۔ اس کے معنی ہیں بہت اچھی خصلتوں والا۔ یہ بات انھیں بہت ناگوار تھی، اس لیے وہ آپ کو محمد کے بجائے مذمم کہتے تھے، حالانکہ آپ کا نام مذمم نہیں اور نہ لوگ ہی اس نام سے آپ کو جانتے تھے تو جو کچھ وہ اس نام کے حوالے سے آپ کے متعلق کہتے تھے اللہ تعالیٰ اس کو آپ سے پھیر دیتا تھا، چنانچہ ابولہب کی بیوی کہا کرتی تھی: ہم مذمم سے بغض رکھتے ہیں۔ اس کے دین سے انکار کرتے ہیں اور اس کے حکم کی نافرمانی کرتے ہیں۔ ② حافظ ابن حجر ؒ لکھتے ہیں: امام نسائی ؒ نے اس حدیث سے استنباط کیا ہے کہ جو شخص ایسا کلام کرے جو طلاق یا فراق کے منافی ہو اور اس سے طلاق کا ارادہ کرے تو طلاق واقع نہیں ہوگی، جیسے کسی نے اپنی بیوی سے کہا تو کھا اور اس سے مراد طلاق لیتا ہے تو عورت مطلقہ نہیں ہوگی کیونکہ کھانے کی

تفسیر طلاق سے نہیں کی جاسکتی۔ اسی طرح محمد کی تفسیر کسی نے مذمم سے نہیں کی، اس بنا پر مذمم کو برا بھلا کہنے سے رسول اللہ ﷺ پر کوئی حرف نہیں آئے گا۔[1]

(١٨) بَابُ خَاتَمِ النَّبِيِّينَ ﷺ

باب: 18- خاتم النبیین ﷺ کا بیان

٣٥٣٤ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سِنَانٍ: حَدَّثَنَا سَلِيمٌ: حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ مِينَاءَ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «مَثَلِي وَمَثَلُ الْأَنْبِيَاءِ، كَرَجُلٍ بَنَى دَارًا فَأَكْمَلَهَا وَأَحْسَنَهَا إِلَّا مَوْضِعَ لَبِنَةٍ، فَجَعَلَ النَّاسُ يَدْخُلُونَهَا وَيَتَعَجَّبُونَ وَيَقُولُونَ: لَوْلَا مَوْضِعُ اللَّبِنَةِ».

[3534] حضرت جابر بن عبداللہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''میرا اور پہلے انبیاء ؑ کا حال اس شخص کی طرح ہے جس نے ایک مکان بنایا۔ اس نے اسے مکمل اور خوبصورت تیار کیا لیکن ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی۔ لوگ اس میں داخل ہو کر اس کی عمدگی پر اظہار تعجب کرتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں: کاش! اس اینٹ کی جگہ خالی نہ چھوڑی ہوتی۔''

فائدہ: امام بخاری ؒ نے مذکورہ عنوان سے ایک آیت کریمہ کی طرف اشارہ کیا ہے: ''محمد (ﷺ) تمھارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں بلکہ وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔''[2] حدیث کے آخری جملے کا مطلب یہ ہے کہ اگر اینٹ کی جگہ خالی نہ ہوتی تو مکان مکمل ہو جاتا۔ اگلی روایت میں ہے: ''میں وہ اینٹ ہوں کیونکہ میرے ذریعے سے نبوت کا سلسلہ ختم کر دیا گیا ہے۔'' اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ قادیانیوں کا دعویٰ کہ مرزا غلام احمد بھی نبی ہے محض فریب اور دھوکا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے بعد نبوت جاری رہنے کا امکان نہیں رہا اور نہ آپ کے بعد کسی اور نبی کو تجویز کرنا ہی ممکن ہے۔

٣٥٣٥ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «إِنَّ مَثَلِي وَمَثَلَ الْأَنْبِيَاءِ مِنْ قَبْلِي كَمَثَلِ رَجُلٍ بَنَى بَيْتًا فَأَحْسَنَهُ وَأَجْمَلَهُ إِلَّا مَوْضِعَ لَبِنَةٍ مِنْ زَاوِيَةٍ فَجَعَلَ النَّاسُ يَطُوفُونَ بِهِ وَيَعْجَبُونَ لَهُ وَيَقُولُونَ: هَلَّا وُضِعَتْ هٰذِهِ اللَّبِنَةُ؟ قَالَ: فَأَنَا اللَّبِنَةُ، وَأَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّينَ».

[3535] حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میری مثال اور مجھ سے پہلے انبیاء ؑ کی مثال اس شخص جیسی ہے جس نے ایک مکان بنایا اور اسے بہت خوبصورت تیار کیا مگر ایک کونے میں اینٹ کی جگہ خالی چھوڑ دی۔ اب لوگ آ کر اس کے اردگرد گھومتے ہیں اور اسے دیکھ کر خوش ہوتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ ایک اینٹ کیوں نہیں رکھی گئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں وہی اینٹ ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں۔''

---

(1) فتح الباري: 682/6. (2) الأحزاب 33: 40، وفتح الباري: 683/6.

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں ذکر کردہ مثال مسئلۂ ختم نبوت سمجھانے کے لیے ہے تاکہ اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے کہ قصر نبوت، رسول اللہ ﷺ کی ذات بابرکات کی آمد سے مکمل ہو چکا ہے اگرچہ اس میں نقب زنی کرنے والے بے شمار پیدا ہوئے۔ برصغیر میں انگریز کے گماشتے اور ان کے پروردہ غلام احمد قادیانی نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا۔ اللہ ہمارے اکابر کو اپنے ہاں اجر جزیل عطا فرمائے، انھوں نے اس کی زندگی میں منہ توڑ جواب دیا۔ مولانا محمد حسین بٹالوی اور شیر پنجاب مولانا ثناء اللہ امرتسری ؒ کی خدمات تو ناقابل فراموش ہیں۔ مسئلۂ ختم نبوت کے لیے مولانا محمد عبداللہ معمار امرتسری کی تالیف ''محمدیہ پاکٹ بک بجواب احمدیہ پاکٹ بک'' کا مطالعہ بہت مفید رہے گا جسے مکتبہ سلفیہ لاہور نے شائع کیا ہے۔ ② واضح رہے کہ وہ اینٹ مکان کے ایک کونے میں رکھی گئی جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اینٹ مکان کے لیے بنیادی حیثیت نہیں رکھتی کہ اس کے بغیر مکان کا وجود ہی باقی نہ رہے بلکہ اس اینٹ سے مکان کی خوبصورتی میں اضافہ ہوا ہے۔ اس کا قطعاً یہ مطلب نہیں کہ اس کے بغیر مکان ناقص تھا کیونکہ ہر نبی کی شریعت اپنے زمانے کے اعتبار سے کامل تھی۔ مقصد یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی شریعت تمام شریعتوں سے اکمل اور احسن ہے جبکہ پہلے انبیاء ؑ کی شریعتیں کامل اور حسن تھیں۔ [1] والله أعلم.

(١٩) بَابُ وَفَاةِ النَّبِيِّ ﷺ

باب:19- نبی ﷺ کی وفات کا بیان

٣٥٣٦ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ ابْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ تُوُفِّيَ وَهُوَ ابْنُ ثَلَاثٍ وَّسِتِّينَ.

[3536] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ جب نبی ﷺ کی وفات ہوئی تو اس وقت آپ کی عمر تریسٹھ برس تھی۔

وَقَالَ ابْنُ شِهَابٍ: وَأَخْبَرَنِي سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ مِثْلَهُ. [انظر: ٤٤٦٦]

(راویٔ حدیث) ابن شہاب نے کہا: مجھ سے سعید بن مسیب نے اسی طرح بیان کیا ہے۔

فائدہ: اس عنوان کی یہاں کوئی ضرورت نہ تھی بلکہ اس کا مقام کتاب المغازی کے آخر میں ہے جیسا کہ امام بخاری ؒ نے مستقل ایک عنوان: 86 اس کے متعلق قائم کیا ہے۔ یہاں آپ کے اسمائے گرامی اور آپ کی صفات بیان کرنا مقصود تھا اور اہل کتاب کے ہاں آپ کی جملہ صفات میں سے یہ بھی مشہور تھا کہ آخر الزماں نبی ﷺ کی عمر تریسٹھ برس ہوگی۔ اسی مناسبت سے امام بخاری ؒ نے اس عنوان اور اس کے تحت مذکورہ حدیث کو ذکر کیا ہے۔ وفات سے متعلقہ دیگر مباحث ہم آئندہ بیان کریں گے۔ بإذن الله تعالیٰ.

(٢٠) بَابُ كُنْيَةِ النَّبِيِّ ﷺ

باب:21- نبی ﷺ کی کنیت کا بیان

1 فتح الباري: 6/683.

٣٥٣٧ - حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ حُمَيْدٍ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ فِي السُّوقِ. فَقَالَ رَجُلٌ: يَا أَبَا الْقَاسِمِ! فَالْتَفَتَ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ: «سَمُّوا بِاسْمِي وَلَا تَكْتَنُوا بِكُنْيَتِي». [راجع: ٢١٢٠]

[3537] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ بازار میں تشریف فرما تھے کہ ایک شخص کی آواز آئی: ''اے ابوالقاسم! نبی ﷺ اس کی طرف متوجہ ہوئے (تو وہ کسی اور سے مخاطب تھا۔) آپ نے فرمایا: ''میرا نام رکھ لیا کرو مگر کنیت مت رکھو۔''

٣٥٣٨ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ سَالِمٍ، عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «تَسَمَّوْا بِاسْمِي وَلَا تَكْتَنُوا بِكُنْيَتِي». [راجع: ٣١١٤]

[3538] حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''میرے نام پر نام رکھا کرو لیکن میری کنیت نہ رکھا کرو۔''

٣٥٣٩ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَيُّوبَ، عَنِ ابْنِ سِيرِينَ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ: قَالَ أَبُو الْقَاسِمِ ﷺ: «سَمُّوا بِاسْمِي وَلَا تَكْتَنُوا بِكُنْيَتِي». [راجع: ١١٠]

[3539] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ ابوالقاسم ﷺ نے فرمایا: ''میرا نام تو رکھ لیا کرو لیکن میری کنیت اختیار نہ کرو۔''

فوائد و مسائل: ① کنیت، کنایہ سے ماخوذ ہے۔ اس سے مراد وہ لفظ ہے جو انسان کی شخصیت پر صراحت کے ساتھ دلالت نہ کرے، اس سے اشارہ ہو سکے۔ عربی زبان میں کنیت وہ ہے جس سے پہلے اب یا ام ہو۔ عربوں کے ہاں کنیت رکھنا مشہور تھا۔ بعض لوگ کنیت سے مشہور ہوتے اور ان کا نام غیر معروف ہوتا، جیسے: ابوطالب اور ابولہب وغیرہ۔ اور بعض پر ان کے نام کا غلبہ ہوتا، کنیت غیر معروف ہوتی، مثلاً: عمر رضی اللہ عنہ، ان کی کنیت ابوحفص غیر معروف ہے۔ بہر حال کنیت، نام اور لقب سب علم ہیں جن سے انسان کی شخصیت کا پتہ چلتا ہے۔ ② رسول اللہ ﷺ کی کنیت ابوالقاسم تھی۔ اس کی دو وجوہات بیان کی جاتی ہیں: (ا) آپ کے فرزند ارجمند کا نام قاسم تھا، اس لیے آپ اس کنیت سے مشہور ہوئے۔ (ب) آپ لوگوں میں اللہ کا مال تقسیم کرتے تھے، چنانچہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے: ''اللہ عطا کرتا ہے اور میں تقسیم کرتا ہوں۔''[1] اس بنا پر آپ کو ابوالقاسم کہا جاتا تھا۔ ③ احادیث میں اس کی ممانعت آپ کی زندگی کے ساتھ مخصوص تھی۔ اس کے متعلق دیگر مباحث کتاب الادب میں بیان ہوں گے۔ باذن اللہ تعالٰی.

(٢١) بَابٌ:

باب: 21- بلاعنوان

٣٥٤٠ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ: أَخْبَرَنَا

[3540] حضرت جعید بن عبدالرحمٰن سے روایت ہے،

[1] المستدرك على الصحيحين: 660/2، طبع دارالكتب العلمية، بيروت.

الْفَضْلُ بْنُ مُوسٰى عَنِ الْجُعَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ: رَأَيْتُ السَّائِبَ بْنَ يَزِيدَ ابْنَ أَرْبَعٍ وَّتِسْعِينَ جَلْدًا مُّعْتَدِلًا، فَقَالَ: قَدْ عَلِمْتُ مَا مُتِّعْتُ بِهِ - سَمْعِي وَبَصَرِي - إِلَّا بِدُعَاءِ رَسُولِ اللهِ ﷺ: إِنَّ خَالَتِي ذَهَبَتْ بِي إِلَيْهِ، فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنَّ ابْنَ أُخْتِي شَاكٍ فَادْعُ اللهَ لَهُ، قَالَ فَدَعَا لِي ﷺ. [راجع: ١٩٠]

انھوں نے کہا کہ میں نے حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کو چورانوے (94) سال کی عمر میں دیکھا جبکہ وہ اچھے خاصے طاقتور اور معتدل حالت میں تھے۔ انھوں نے فرمایا کہ مجھے خوب معلوم ہے کہ میرے حواس، کان اور آنکھ اب تک کام کر رہے ہیں۔ یہ صرف رسول اللہ ﷺ کی دعا کی برکت ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ میری خالہ مجھے ایک مرتبہ آپ ﷺ کی خدمت میں لے گئیں، انھوں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! میرا بھانجا بیمار ہے، آپ اس کے لیے اللہ سے دعا کریں تو نبی ﷺ نے میرے لیے دعا فرمائی تھی۔

فائدہ: یہ باب بلاعنوان ہے جو پہلے باب کا تکملہ ہے کیونکہ جن الفاظ سے رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کیا جاتا تھا وہ یا محمد، یا ابوالقاسم اور یا رسول اللہ تھے۔ لیکن ادب کا تقاضا ہے کہ آپ کو "رسول اللہ" سے یاد کیا جائے، چنانچہ حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کی خالہ نے آپ کو یارسول اللہ! سے پکارا تھا۔ مقصد یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں اگر آپ کی توجہ مبذول کرانا مقصد ہوتا تو یا رسول اللہ! کہا جاتا تھا، آپ کو عام طور پر نام یا کنیت سے نہیں پکارا جاتا تھا۔ یہ بھی مقصد بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت سائب رضی اللہ عنہ کی خالہ نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے بچے کا نام نہیں لیا بلکہ اسے ابن اختی کہہ کر پیش کیا تو ثابت ہوا کہ کنائے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ کنیت باپ اور بیٹا دونوں طرح سے مستعمل ہے، اس عنوان کو علیحدہ بیان کرنے کا یہی مقصد معلوم ہوتا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے عنوان کو مبہم رکھا ہے تا کہ قاری غور وفکر اور مغز ماری کر کے خود اس کا عنوان تجویز کرے۔ واللّٰہ أعلم.

(٢٢) بَابُ خَاتَمِ النُّبُوَّةِ

باب: 22- مہر نبوت کا بیان

٣٥٤١ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا حَاتِمٌ عَنِ الْجُعَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ قَالَ: سَمِعْتُ السَّائِبَ بْنَ يَزِيدَ قَالَ: ذَهَبَتْ بِي خَالَتِي إِلٰى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنَّ ابْنَ أُخْتِي وَقِعٌ فَمَسَحَ رَأْسِي وَدَعَا لِي بِالْبَرَكَةِ، وَتَوَضَّأَ فَشَرِبْتُ مِنْ وَّضُوئِهِ ثُمَّ قُمْتُ خَلْفَ ظَهْرِهِ فَنَظَرْتُ إِلٰى خَاتَمِ النُّبُوَّةِ بَيْنَ كَتِفَيْهِ.

[3541] حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ میری خالہ مجھے رسول اللہ ﷺ کے پاس لے گئیں اور عرض کیا: اللہ کے رسول! یہ میرا بھانجا بیمار ہے۔ آپ نے میرے سر پر اپنا دست مبارک پھیرا اور میرے لیے برکت کی دعا فرمائی۔ پھر آپ نے وضو کیا تو میں نے آپ کے وضو سے بچا ہوا پانی نوش کیا۔ پھر میں آپ کی پشت کی جانب کھڑا ہوا تو میں نے آپ کے دونوں کندھوں کے درمیان مہر نبوت کو دیکھا۔

قَالَ ابْنُ عُبَيْدِ اللهِ: الْحُجْلَةُ مِنْ حُجَلِ الْفَرَسِ الَّذِي بَيْنَ عَيْنَيْهِ.

(راویٔ حدیث) ابن عبیداللہ کہتے ہیں کہ حجلہ، حجل الفرس سے مشتق ہے جو گھوڑے کی اس سفیدی کو کہتے ہیں جو اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان ہوتی ہے۔

وَقَالَ إِبْرَاهِيمُ بْنُ حَمْزَةَ: مِثْلُ زِرِّ الْحَجَلَةِ. [راجع: ١٩٠]

(ایک دوسرے راویٔ حدیث) ابراہیم بن حمزہ نے کہا: وہ مہر نبوت مسہری کی گھنڈیوں جیسی تھی۔

فوائد و مسائل: ① حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے متعدد احادیث سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ یہ مہر نبوت رسول اللہ ﷺ کی ولادت کے موقع پر نہیں تھی، فرشتوں نے شق صدر کے وقت علامت کے طور پر دونوں کندھوں کے درمیان لگا دی تھی۔[1] واللہ أعلم. ② وہ مہر نبوت زر الحجلہ کی طرح تھی جیسا کہ دوسری روایات میں اس کی صراحت ہے۔[2] زرالحجلہ کی تفسیر دو طرح سے کی گئی ہے: (ا) حجلہ ایک پرندہ ہے جو کبوتر کی مانند ہوتا ہے۔ اس کی چونچ اور پاؤں سرخ ہوتے ہیں۔ اس کا گوشت بہت لذیذ ہوتا ہے۔ زر، اس کے انڈے کو کہتے ہیں۔ اس معنی کی تائید ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے جسے حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کی مہر نبوت آپ کے دونوں کندھوں کے درمیان دیکھی جو (مقدار میں) کبوتر کے انڈے جتنی اور (رنگت میں) آپ کے جسم جیسی تھی۔[3] (ب) حجلہ دلہن کی ڈولی کو کہتے ہیں جو خوبصورت کپڑوں سے سجائی جاتی ہے۔ اس کے بڑے بڑے بٹن ہوتے ہیں، یعنی مہر نبوت مسہری کی گھنڈیوں جیسی تھی جو کبوتر کے انڈے کے برابر بیضوی شکل میں اس پردے پر لگائی جاتی ہیں جو مسہری پر لٹکایا جاتا ہے۔ اکثر علماء نے اس آخری معنی کو راجح قرار دیا ہے۔ ③ حضرت عبداللہ بن سرجس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ مجھے رسول اللہ ﷺ سے گفتگو کرنے کا اعزاز حاصل ہوا، نیز مجھے آپ کے ساتھ بیٹھ کر کھانے کا شرف بھی ملا۔ میں نے اس علامت، یعنی مہر نبوت کو دیکھا جو آپ کے بائیں کندھے کی نرم ہڈی کے پاس تھی جو مقدار میں بند مٹھی کے برابر تھی۔ اس پر مسوں کی طرح تلوں کا جمگھٹا تھا۔[4] علامہ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بہت سی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مہر نبوت آپ کے بائیں کندھے کے پاس ایک ابھری ہوئی چیز تھی۔ اس کی مقدار کم ہونے کی صورت میں کبوتر کے انڈے کے برابر اور زیادہ ہونے کی شکل میں بند مٹھی جتنی تھی۔[5] اس سلسلے میں حضرت ابوزید عمرو بن اخطب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے ایک مرتبہ کمر پر ہاتھ پھیرنے کے لیے کہا: میں نے آپ کی کمر پر ہاتھ پھیرنا شروع کیا تو اچانک میری انگلیاں مہر نبوت سے جا لگیں۔ راوی کہتا ہے کہ ان سے پوچھا گیا: مہر نبوت کیا چیز تھی؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ چند بالوں کا مجموعہ تھا۔[6] ④ حضرت عبداللہ بن سرجس رضی اللہ عنہ سے ایک تفصیلی روایت مروی ہے، فرماتے ہیں: میں ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کے پاس اس وقت حاضر ہوا جب آپ کے ہاں لوگوں کا جمگھٹا تھا۔ میں نے یونہی رسول اللہ ﷺ کے پس پشت چکر لگایا تو آپ میرا مقصد سمجھ گئے۔ آپ نے اپنی پشت مبارک سے چادر اتاری تو میں نے آپ کے دونوں شانوں کے درمیان مٹھی کے برابر مہر نبوت کو دیکھا جس

1 فتح الباري : 6/687. 2 صحيح البخاري، المرضٰى، حديث : 5670. 3 صحيح مسلم، الفضائل، حديث : 6084(2344). 4 مسند أحمد : 5/82. 5 فتح الباري : 6/688. 6 مسند أحمد : 5/77.

کے چاروں طرف تل تھے جو گویا سوئی کے برابر معلوم ہوتے تھے، پھر میں رسول اللہ ﷺ کے سامنے آیا اور عرض کی: اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرمائے۔ آپ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ تجھے بھی بخش دے۔'' لوگوں نے مجھے کہا کہ (آپ خوش نصیب ہیں کیونکہ) رسول اللہ ﷺ نے تمھارے لیے دعا فرمائی ہے۔ میں نے کہا: ہاں! تم سب کے لیے بھی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے: اے محمد! آپ مغفرت کی دعا کریں اپنے لیے بھی اور اہل ایمان مرد و خواتین کے لیے بھی۔ [1] ⑤ علامہ سہیلی نے لکھا ہے کہ آپ شیطانی وسوسوں سے محفوظ تھے، اس لیے مہر نبوت کو بائیں کندھے کی نرم ہڈی کے پاس ثبت کیا گیا۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں سے شیطان کو مداخلت کا موقع ملتا ہے۔ [2]

(٢٣) بَابُ صِفَةِ النَّبِيِّ ﷺ

باب:23- نبی ﷺ کی سیرت وصورت کا بیان

وضاحت: اس عنوان کے تحت امام بخاری ؒ نے تقریباً 28 احادیث بیان کی ہیں جن میں رسول اللہ ﷺ کے حلیے مبارک کی جھلک اور آپ کے مکارم اخلاق کو بڑے خوبصورت انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ یہ دراصل کتاب المناقب کا تیسرا حصہ ہے جس میں صورت و سیرت کو ایک بہترین پیرائے میں بیان کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے حلیے مبارک کے متعلق ایک مستند کتاب "الرسول كأنك تراه" ہے جسے سرزمین حجاز کے عالم دین الشیخ ابراہیم بن عبداللہ الحازمی نے مرتب کیا ہے۔ راقم نے ''آئینۂ جمال نبوت'' کے نام سے اس کا اردو ترجمہ کیا اور دارالسلام لاہور نے شائع کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔ وللّٰہ الحمد۔

٣٥٤٢ - حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ عَنْ عُمَرَ بْنِ سَعِيدِ ابْنِ أَبِي حُسَيْنٍ، عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ، عَنْ عُقْبَةَ ابْنِ الْحَارِثِ قَالَ: صَلَّى أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ الْعَصْرَ ثُمَّ خَرَجَ يَمْشِي فَرَأَى الْحَسَنَ يَلْعَبُ مَعَ الصِّبْيَانِ فَحَمَلَهُ عَلَى عَاتِقِهِ وَقَالَ: بِأَبِي، شَبِيهٌ بِالنَّبِيِّ لَا شَبِيهٌ بِعَلِيٍّ، وَعَلِيٌّ يَضْحَكُ. [انظر: ٣٧٥٠]

[3542] حضرت عقبہ بن حارث ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ حضرت ابوبکر ؓ نے نماز عصر پڑھی اور حضرت حسن ؓ کو بچوں میں کھیلتے ہوئے دیکھا تو انھیں اپنے کندھے پر اٹھا لیا اور فرمایا: میرا باپ ان پر قربان ہو! یہ نبی ﷺ کے مشابہ ہیں، حضرت علی ؓ کے مشابہ نہیں ہیں۔ حضرت علی ؓ یہ سن کر ہنس رہے تھے۔

٣٥٤٣ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ: حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ عَنْ أَبِي جُحَيْفَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ وَكَانَ الْحَسَنُ يُشْبِهُهُ. [انظر: ٣٥٤٤]

[3543] حضرت ابوجحیفہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے۔ شکل و صورت میں حضرت حسن ؓ آپ کے بہت مشابہ تھے۔

---

1 محمد 19:47، و صحيح مسلم، الفضائل، حديث: 6088 (2346). 2 فتح الباري: 6/689.

فوائد ومسائل: ① حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے ہم شکل تھے۔[1] ان دونوں روایات میں اختلاف نہیں ہے، ممکن ہے کہ وجوہ مشابہت مختلف ہوں۔ ترمذی کی ایک روایت میں ہے: رسول اللہ ﷺ کے نصف اعلیٰ، یعنی سر، چہرہ اور سینہ میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی مشابہت تھی اور آپ کے نصف اسفل، یعنی ٹانگوں، پاؤں اور رفتار میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ مشابہ تھے۔ الغرض دونوں شہزادے رسول اللہ ﷺ کی پوری تصویر تھے۔[2] ان کے علاوہ حضرت جعفر بن ابی طالب، حضرت قثم بن عباس، ابوسفیان بن حارث، سائب بن یزید اور عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہم بھی رسول اللہ ﷺ کے ہم شکل تھے۔[3] اس حدیث سے شیعوں کا بھی رد ہوا جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اہل بیت کا دشمن اور مخالف قرار دیتے ہیں کیونکہ یہ قصہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد کا ہے، کوئی بے وقوف بھی ایسا خیال نہیں کر سکتا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جب تک زندہ رہے وہ نبی اکرم ﷺ کے خاندان اور آپ کی آل واولاد کے خیر خواہ اور جاں نثار بن کر رہے اور انھیں ان سے بہت زیادہ محبت تھی۔[4]

٣٥٤٤ - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ: حَدَّثَنَا ابْنُ فُضَيْلٍ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبِي خَالِدٍ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا جُحَيْفَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ وَكَانَ الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ يُشْبِهُهُ.

[3544] حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے نبی ﷺ کو دیکھا ہے۔ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما شکل وصورت میں آپ سے بہت ملتے جلتے تھے۔

قُلْتُ لِأَبِي جُحَيْفَةَ: صِفْهُ لِي، قَالَ: كَانَ أَبْيَضَ قَدْ شَمِطَ. وَأَمَرَ لَنَا النَّبِيُّ ﷺ بِثَلَاثَ عَشْرَةَ قَلُوصًا، قَالَ فَقُبِضَ النَّبِيُّ ﷺ قَبْلَ أَنْ نَقْبِضَهَا. [راجع: ٣٥٤٣]

(راویٔ حدیث اسماعیل کہتے ہیں کہ) میں نے کہا: آپ میرے سامنے آپ ﷺ کا حلیہ بیان کریں تو انھوں نے فرمایا: آپ سفید رنگ کے تھے، سر کے کچھ بال سفید ہو چکے تھے۔ نبی ﷺ نے ہمیں تیرہ اونٹنیاں دینے کا حکم دیا تھا۔ انھیں وصول کرنے سے پہلے ہی نبی ﷺ کی وفات ہو گئی۔

فوائد ومسائل: ① اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کے سفید نقرئی بالوں کا ذکر ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے وقت آپ کے سر اور ڈاڑھی میں بیس بال بھی سفید نہ تھے۔[5] ایک روایت میں ہے: اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو بڑھاپے کے عیب سے محفوظ رکھا۔ آپ کے سر مبارک میں صرف سترہ یا اٹھارہ بال سفید تھے۔[6] ایک دفعہ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے سوال ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کے سر مبارک میں سفید بال تھے؟ انھوں نے جواب دیا: نہیں، البتہ آپ

---

① صحيح البخاري، فضائل أصحاب النبي ﷺ، حديث: 3748. ② جامع الترمذي، المناقب، حديث: 3779، وفتح الباري: 123/7. ③ عمدة القاري: 291/11. ④ فتح الباري: 894/6. ⑤ صحيح البخاري، المناقب، حديث: 3547. ⑥ مسند أحمد: 254/3.

کی مانگ میں چند بال سفید تھے۔ وہ بھی آپ جب تیل لگاتے تو محسوس نہیں ہوتے تھے، یعنی تیل کی چمک میں بالوں کی سفیدی چھپ جاتی۔[1] ② رسول اللہ ﷺ کے جانشین خلیفۂ بلافصل حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے اعلان کیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے جس سے کوئی وعدہ کیا تھا وہ ہمیں بتائے، ہم اسے پورا کریں گے۔ ابوجحیفہ ؓ کہتے ہیں: میرے عرض کرنے پر انھوں نے ہمیں تیرہ اونٹنیاں عنایت کر دی تھیں۔[2]

٣٥٤٥ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ رَجَاءٍ: حَدَّثَنَا إِسْرَائِيلُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ وَهْبٍ أَبِي جُحَيْفَةَ السُّوَائِيِّ قَالَ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ، وَرَأَيْتُ بَيَاضًا مِّنْ تَحْتِ شَفَتِهِ السُّفْلَى الْعَنْفَقَةَ.

[3545] حضرت ابوجحیفہ سُوائی ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے نبی ﷺ کے نچلے ہونٹ کے نیچے ڈاڑھی بچہ میں سفیدی دیکھی تھی۔

٣٥٤٦ - حَدَّثَنَا عِصَامُ بْنُ خَالِدٍ: حَدَّثَنَا حَرِيزُ ابْنُ عُثْمَانَ أَنَّهُ سَأَلَ عَبْدَ اللهِ بْنَ بُسْرٍ صَاحِبَ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: أَرَأَيْتَ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ شَيْخًا؟ قَالَ: كَانَ فِي عَنْفَقَتِهِ شَعَرَاتٌ بِيضٌ.

[3546] حضرت حریز بن عثمان سے روایت ہے، انھوں نے نبی ﷺ کے صحابی حضرت عبداللہ بن بسر ؓ سے پوچھا: بتایئے بھلا نبی ﷺ بوڑھے ہو گئے تھے، یعنی آپ کے بال سفید تھے؟ انھوں نے جواب دیا کہ آپ کے ڈاڑھی بچہ میں چند بال سفید تھے۔

فائدہ: حضرت انس ؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ڈاڑھی کے اگلے حصے میں زیادہ سے زیادہ بیس بال سفید تھے۔[3] عنفقة، لب زیریں اور ٹھوڑی کے درمیان والی جگہ کو کہتے ہیں۔ بعض حضرات اس جگہ پر آنے والے بالوں پر اس کا اطلاق کرتے ہیں۔ چونکہ لغوی اعتبار سے اس میں خفت اور قلت کے معنی پائے جاتے ہیں، اس لیے چند بالوں پر یہ لفظ بولا جاتا ہے۔ اسے اردو زبان میں "ڈاڑھی بچہ" کہا جاتا ہے۔ ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے دس سے زیادہ اور بیس سے کم بال سفید تھے۔ مختلف روایات میں تطبیق کی یہ صورت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سر مبارک، کنپٹی، ڈاڑھی بچہ اور ڈاڑھی مبارک میں زیادہ سے زیادہ بیس بال سفید تھے۔ اگر آپ تیل استعمال کرتے تو یہ سفید بال اس کی چمک میں چھپ جاتے اور جب تیل نہ لگاتے تو وہ نمایاں طور پر نظر آتے۔ واللہ أعلم. غالبًا نبوت کا یہ کمال تھا۔ آج کل تو عموماً چالیس پچاس سال کی عمر میں انسان کی ڈاڑھی اور سر کے بال سفید ہو جاتے ہیں۔

٣٥٤٧ - حَدَّثَنَا ابْنُ بُكَيْرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ خَالِدٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي هِلَالٍ، عَنْ رَبِيعَةَ ابْنِ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ

[3547] حضرت انس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے نبی ﷺ کی صورت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ ﷺ آدمیوں میں متوسط تھے، نہ دراز قد اور نہ پست قامت۔

[1] شمائل الترمذي، ص: 53. [2] فتح الباري: 694/6. [3] المستدرك للحاكم: 608/2.

مَالِكٍ يَصِفُ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: كَانَ رَبْعَةً مِّنَ الْقَوْمِ، لَيْسَ بِالطَّوِيلِ وَلَا بِالْقَصِيرِ، أَزْهَرَ اللَّوْنِ، لَيْسَ بِأَبْيَضَ أَمْهَقَ وَلَا آدَمَ، لَيْسَ بِجَعْدٍ قَطِطٍ وَّلَا سَبْطٍ رَّجِلٍ، أُنْزِلَ عَلَيْهِ وَهُوَ ابْنُ أَرْبَعِينَ فَلَبِثَ بِمَكَّةَ عَشْرَ سِنِينَ يُنْزَلُ عَلَيْهِ، وَبِالْمَدِينَةِ عَشْرَ سِنِينَ فَقُبِضَ، وَلَيْسَ فِي رَأْسِهِ وَلِحْيَتِهِ عِشْرُونَ شَعْرَةً بَيْضَاءَ.

آپ کا رنگ چمک دار تھا، نہ خالص سفید اور نہ نرا گندمی۔ آپ کے بال بھی درمیانے درجے کے تھے، نہ سخت پیچ دار (گھنگریالے) اور نہ بہت سیدھے۔ چالیس سال کی عمر میں آپ پر وحی نازل ہوئی۔ آپ دس سال مکہ میں رہے وحی نازل ہوتی رہی اور دس برس مدینہ میں رہے۔ جس وقت آپ کی وفات ہوئی تو آپ کے سر اور ڈاڑھی میں بیس بال بھی سفید نہ تھے۔

قَالَ رَبِيعَةُ: فَرَأَيْتُ شَعَرًا مِّنْ شَعَرِهِ فَإِذَا هُوَ أَحْمَرُ. فَسَأَلْتُ، فَقِيلَ: احْمَرَّ مِنَ الطِّيبِ. [انظر: ٣٥٤٨، ٥٩٠٠]

(راویٔ حدیث) ربیعہ بن عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کے بالوں میں سے ایک بال دیکھا تو وہ سرخ تھا۔ میں نے پوچھا تو کہا گیا کہ یہ بال خوشبو کے استعمال سے سرخ ہو گیا ہے۔

٣٥٤٨ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ عَنْ رَّبِيعَةَ بْنِ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّهُ سَمِعَهُ يَقُولُ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لَيْسَ بِالطَّوِيلِ الْبَائِنِ، وَلَا بِالْقَصِيرِ، وَلَا بِالْأَبْيَضِ الْأَمْهَقِ، وَلَيْسَ بِالْآدَمِ، وَلَيْسَ بِالْجَعْدِ الْقَطِطِ، وَلَا بِالسَّبْطِ، بَعَثَهُ اللهُ عَلٰى رَأْسِ أَرْبَعِينَ سَنَةً فَأَقَامَ بِمَكَّةَ عَشْرَ سِنِينَ وَبِالْمَدِينَةِ عَشْرَ سِنِينَ، فَتَوَفَّاهُ اللهُ وَلَيْسَ فِي رَأْسِهِ وَلِحْيَتِهِ عِشْرُونَ شَعْرَةً بَيْضَاءَ». [راجع: ٣٥٤٧]

[3548] حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نہ دراز قد تھے نہ پست قامت جبکہ آپ کا قد درمیانہ تھا۔ آپ کا رنگ نہ تو چونے کی طرح خالص سفید اور نہ گندمی کہ سانولا نظر آئے بلکہ گورا چمکدار تھا۔ آپ کے بال نہ زیادہ پیچ دار (گھنگریالے) اور نہ بالکل سیدھے تنے ہوئے بلکہ ہلکا سا خم لیے ہوئے تھے۔ آپ پر وحی کا آغاز چالیس برس کی عمر میں ہوا۔ پھر اس کے بعد آپ دس سال مکہ مکرمہ میں رہے اور دس سال مدینہ طیبہ میں قیام فرمایا۔ وفات کے وقت آپ کے سر اور ڈاڑھی مبارک میں بمشکل بیس بال سفید تھے۔

فوائد و مسائل: ① رسول اللہ ﷺ پر وحی شروع ہونے کے بعد تقریباً تین سال ایسے گزرے ہیں جن میں آپ پر وحی کا سلسلہ بند ہو گیا تھا۔ اسے ''زمانۂ فترت'' کہا جاتا ہے۔ راوی نے قیام مکہ سے ان سالوں کو حذف کر دیا جن میں سلسلۂ وحی کے شروع ہونے کے بعد وحی نہیں آئی تھی۔ رسول اللہ ﷺ کی نبوت کے بعد مکہ ٹھہرنے کی کل مدت تیرہ برس ہے کیونکہ وفات کے وقت آپ کی عمر تریسٹھ برس تھی جبکہ دس سال آپ کا مدینہ طیبہ میں قیام رہا۔ زمانۂ وحی تیئس برس ہے۔ ان احادیث میں پُر جمال

قد وقامت، پُرکشش رنگ اور آپ کے خوبصورت بالوں کا بیان ہے۔ ② حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما کا بیان ہے: رسول اللہ ﷺ تمام لوگوں سے زیادہ حسین، خوبصورت، سڈول ساخت، نہ زیادہ لمبے اور نہ بالکل چھوٹے تھے۔[1] حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے: رسول اللہ ﷺ کا قد مبارک بہت لمبا نہیں تھا، البتہ جب کسی مجمع میں ہوتے تو دوسروں سے قد نکلتا ہوا معلوم ہوتا تھا۔[2] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: آپ کا جسم مبارک تر و تازہ، قد مبارک نہ زیادہ لمبا اور نہ بالکل پست۔ جب لوگوں سے الگ اکیلے چل رہے ہوتے تو درمیانہ قد معلوم ہوتے تھے۔[3] حضرت ہند بن ابو ہالہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کا قد مبارک لمبے تڑنگے آدمی سے چھوٹا اور متوسط قامت والے سے کچھ نکلا ہوا تھا۔[4] ③ رسول اللہ ﷺ کی رنگت پُرکشش سفید سرخی مائل تھی کیونکہ یہ رنگ انتہائی خوبصورت ہوتا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے: رسول اللہ ﷺ کا رنگ سفید چمک دار تھا، کثرت سفر اور دھوپ کی وجہ سے کبھی کبھی گوری رنگت میں ہلکی سی گندمی رنگت کی جھلک معلوم ہوتی تھی۔[5] حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا روئے زیبا (چہرہ مبارک) سفید ہلکی سی سرخی لیے ہوئے تھا۔[6] ان مختلف روایات میں امام بیہقی رحمہ اللہ نے اس طرح تطبیق دی ہے کہ جسم مبارک کا وہ حصہ جو دھوپ اور ہوا میں کھلا رہتا وہ سرخی مائل اور جو حصہ کپڑوں میں چھپا رہتا وہ سفید چمکدار تھا۔[7] ④ رسول اللہ ﷺ کے بالوں کے متعلق حضرت ہند بن ابو ہالہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ وہ کسی قدر بل کھائے ہوئے تھے، یعنی قدرے خمیدہ (گھنگھریالے) تھے۔[8] ⑤ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کے بالوں کی خوبصورت منظر کشی بڑے دلکش انداز میں کی ہے، فرماتی ہیں: رسول اللہ ﷺ کے بال مبارک خوبصورت اور قدرے خمدار تھے، نہ بالکل سیدھے اور نہ زیادہ پیچدار، جب ان میں کنگھی کرتے تو ہلکی ہلکی لہروں کی صورت اختیار کر لیتے جیسا کہ ریت کے ٹیلے یا پانی کے تالاب میں ہوا چلنے سے وہ ابھر آتی ہیں اور جب کچھ وقت کنگھی نہ کرتے تو آپس میں مل کر انگوٹھی کی طرح حلقوں کا روپ دھار لیتے۔[9]

٣٥٤٩ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ سَعِيدٍ أَبُو عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ يُوسُفَ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ قَالَ: سَمِعْتُ الْبَرَاءَ يَقُولُ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ أَحْسَنَ النَّاسِ وَجْهًا، وَأَحْسَنَهُ خَلْقًا، لَيْسَ بِالطَّوِيلِ الْبَائِنِ، وَلَا بِالْقَصِيرِ.

[3549] حضرت ابو اسحاق سبیعی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت براء رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ فرما رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ سب لوگوں سے زیادہ خوب رو اور جسمانی اعتبار سے نہایت متناسب الاعضاء تھے۔ آپ نہ تو بہت دراز قامت اور نہ پست قد ہی تھے۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کے حسن و جمال کی ایک جھلک بیان ہوئی ہے کہ آپ خوبصورت اور خوب سیرت تھے۔ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں رسول اللہ ﷺ کو سرخ جوڑا پہنے رات کی چاندنی

---

1 صحيح البخاري، المناقب، حديث: 3549. 2 الطبقات الكبرى لابن سعد: 415/1. 3 دلائل النبوة للأصفهاني: 563. 4 شمائل الترمذي، ص: 20. 5 دلائل النبوة: 202/1. 6 مسند أحمد: 96/1. 7 فتح الباري: 696/6. 8 شمائل الترمذي، ص: 20. 9 دلائل النبوة: 298/1.

میں دیکھ رہا تھا۔ کبھی چاند کو دیکھتا اور کبھی آپ کے رخ انور پر نظر کرتا۔ بالآخر اس فیصلے پر پہنچا کہ رسول اللہ ﷺ چاند سے کہیں زیادہ حسین ہیں۔[1] حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے کسی نے دریافت کیا کہ رسول اللہ ﷺ کا چہرۂ مبارک تلوار کی طرح چمک دار اور لمبا تھا؟ انھوں نے فرمایا: نہیں، بلکہ سورج اور چاند کی طرح روشن اور گول تھا۔[2] حضرت ام معبد رضی اللہ عنہا نے آپ کے حسن و جمال کا نقشہ، ان الفاظ میں کھینچا ہے: میں نے ایک ایسا آدمی دیکھا جو رنگت کی چمک دمک اور چہرے کی تابانی لیے ہوئے تھا۔ دور سے دیکھنے میں سب سے خوبصورت اور وجیہ اور قریب سے دیکھنے سے انتہائی جاذب نظر اور پُر جمال۔[3] حضرت ابوطفیل رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ گورے رنگ، پُر ملاحت چہرے، موزوں ڈیل ڈول اور میانہ قد و قامت کے حامل تھے۔[4] حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ جب خوش ہوتے تو آپ کا رخ زیبا (چہرہ مبارک) ایسے دمک اٹھتا گویا چاند کا ایک ٹکڑا ہے۔[5]

٣٥٥٠ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ: حَدَّثَنَا هَمَّامٌ عَنْ قَتَادَةَ قَالَ: سَأَلْتُ أَنَسًا: هَلْ خَضَبَ النَّبِيُّ ﷺ؟ قَالَ: لَا، إِنَّمَا كَانَ شَيْءٌ فِي صُدْغَيْهِ. [انظر: ٥٨٩٤، ٥٨٩٥]

[3550] حضرت قتادہ رحمہ اللہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا نبی ﷺ نے کبھی خضاب بھی استعمال کیا تھا؟ انھوں نے فرمایا: نہیں، صرف آپ کی کنپٹیوں میں کچھ سفیدی تھی۔

فائدہ: صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی خضاب نہیں لگایا۔ آپ کے زیریں لب اور ٹھوڑی کے درمیان اور سر میں چند بال سفید تھے۔[6] آپ کے اس قدر بال سفید نہ تھے کہ انھیں خضاب لگا کر رنگنے کی ضرورت پڑتی لیکن دوسری احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ بالوں کو خضاب لگایا کرتے تھے۔[7] حضرت ابورمثہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا تو آپ نے اپنی ڈاڑھی پر مہندی لگا رکھی تھی۔[8] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی ڈاڑھی کو ورس زعفران سے زرد فرمایا کرتے تھے۔[9] ان مختلف روایات میں تطبیق کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں: * مختلف روایات کو مختلف حالات پر محمول کیا جائے، یعنی رسول اللہ ﷺ نے کبھی کبھی اپنے بالوں کو خضاب لگایا اور اکثر اوقات خضاب کے بغیر ہی رہنے دیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اکثر حالات کو پیش نظر رکھا جبکہ دوسرے حضرات نے کبھی کبھار کی حالت کو بیان کر دیا۔[10] * انکار و اثبات کی صورت میں اثبات کو مقدم کیا جاتا ہے کیونکہ کسی چیز کو ثابت کرنے والے کے پاس اضافی معلومات ہوتی ہیں جو نفی کرنے والے کے پاس نہیں ہوتیں۔ خاص طور پر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما والی روایت کو مقدم کیا جائے گا کیونکہ ظن غالب ہے کہ انھوں نے اپنی ہمشیر ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے خضاب کے متعلق معلومات حاصل کی ہوں گی اور وہ آپ ﷺ کے سر مبارک کو صاف کرتے، دھوتے اور کنگھی کرتے وقت بالوں کا مشاہدہ کرتی رہتی تھیں۔ یہ معلومات حضرت انس رضی اللہ عنہ کے پاس نہ تھیں۔[11]

---

(1) المستدرك للحاكم: 186/4. (2) مسند أحمد: 104/5. (3) المستدرك للحاكم: 9/3. (4) صحيح مسلم، الفضائل، حديث: 6071 (2340). (5) صحيح البخاري، المناقب، حديث: 3556. (6) صحيح مسلم، الفضائل، حديث: 6077 (2341). (7) مسند أحمد: 163/4. (8) سنن أبي داود، الترجل، حديث: 4208. (9) سنن أبي داود، الترجل، حديث: 4210. (10) شرح صحيح مسلم للنووي: 209/2. (11) فتح الباري: 354/10.

٣٥٥١ - حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنِ الْبَرَاءِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ مَرْبُوعًا بَعِيدَ مَا بَيْنَ الْمَنْكِبَيْنِ، لَهُ شَعْرٌ يَبْلُغُ شَحْمَةَ أُذُنِهِ، رَأَيْتُهُ فِي حُلَّةٍ حَمْرَاءَ لَمْ أَرَ شَيْئًا قَطُّ أَحْسَنَ مِنْهُ.

وَقَالَ يُوسُفُ بْنُ أَبِي إِسْحَاقَ عَنْ أَبِيهِ: إِلَى مَنْكِبَيْهِ. [انظر: ٥٨٤٨، ٥٩٠١]

[3551] حضرت براء ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: نبی ﷺ میانہ قامت تھے۔ دونوں شانوں کے درمیان کشادگی تھی۔ آپ کے بال کان کی لو تک پہنچتے تھے۔ میں نے ایک دفعہ آپ کو سرخ (دھاری دار) جوڑا پہنے دیکھا۔ میں نے آپ سے زیادہ کسی کو حسین اور خوبصورت نہیں دیکھا۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ کے بال کندھوں تک پہنچتے تھے۔

فوائد ومسائل: ① حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بال مبارک کان کی لو سے زیادہ اور کندھوں سے کم تھے، یعنی زیادہ لمبے اور نہ بالکل چھوٹے بلکہ متوسط درجے کے تھے۔[1] حضرت انس ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بال نصف کانوں تک تھے۔[2] حضرت ام ہانی ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب فتح مکہ کے موقع پر مکہ تشریف لائے تو آپ کے چار گیسو تھے۔[3] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ آپ کے بال کانوں کی لو تک ہوتے، بعض اوقات کندھوں تک پہنچ جاتے۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ آپ بالوں کی مینڈھیاں بنا لیتے پھر دایاں کان دونوں گیسوؤں کے درمیان اور بایاں کان بھی دونوں گیسوؤں کے درمیان بڑا حسین اور خوشنما منظر پیش کرتا۔ ایسا معلوم ہوتا کہ گھنے سیاہ بالوں کے درمیان خوبصورت کان چمکدار ستاروں کی طرح جگمگا رہے ہیں۔[4] ② ان روایات میں کوئی اختلاف نہیں ہے کیونکہ جب بالوں میں کنگھی کرتے تو کندھوں تک پہنچ جاتے، کچھ وقت گزرنے تک کانوں کی لو تک آ جاتے کیونکہ آپ کے بال شکن دار تھے۔ اگر دوران سفر میں کنگھی کرنے کا موقع نہ ملتا تو گیسوؤں کی شکل اختیار کر لیتے۔ ان بالوں کی مختلف اوقات میں مختلف کیفیات ہوتی تھیں۔

٣٥٥٢ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ: حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ قَالَ: سُئِلَ الْبَرَاءُ: أَكَانَ وَجْهُ النَّبِيِّ ﷺ مِثْلَ السَّيْفِ؟ قَالَ: لَا، بَلْ مِثْلَ الْقَمَرِ.

[3552] حضرت ابو اسحاق سَبیعی ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ حضرت براء ؓ سے سوال کیا گیا: کیا نبی ﷺ کا چہرہ تلوار کی طرح (لمبا اور پتلا) تھا؟ انھوں نے کہا: نہیں، بلکہ چاند کی طرح (گول اور چمکدار) تھا۔

فائدہ: حضرت براء بن عازب ؓ کی روایت کے مطابق آپ کا چہرہ بدر کامل (چودھویں کے چاند) کی طرح چمکدار اور گولائی لیے ہوئے تھا اور حضرت جابر بن سمرہ ؓ کے مطابق آپ کا چہرہ ماہ وخورشید کی طرح روشن وتابناک اور قدرے گول تھا۔[5] حضرت ربیع بنت معوذ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا چہرہ ایسا لگتا کہ سورج طلوع ہو رہا ہے۔[6] حضرت عائشہ ؓ بیان

---

1 مسند أحمد: 108/6. ② صحيح مسلم، الفضائل، حديث: 6069 (2338). ③ شمائل الترمذي، ص: 44. ④ دلائل النبوة: 298/1. ⑤ صحيح مسلم، الفضائل، حديث: 6084 (2344). ⑥ سنن الدارمي: 31/1.

کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا چہرۂ اقدس پُرنور اور انتہائی خوبصورت تھا۔ جب کوئی آپ کے چہرے کی رعنائی بیان کرتا تو چودھویں کے چاند سے تشبیہ دیتا، یعنی لوگوں کو آپ کا روئے زیبا چمکتے ہوئے چاند کی طرح جگمگاتا ہوا نظر آتا۔[1] ان روایات کا مطلب یہ ہے کہ آپ کا چہرہ لمبائی میں تلوار جیسا نہیں بلکہ گولائی میں چاند جیسا تھا۔ چاند میں گولائی اور چمک دونوں پائی جاتی ہیں، لہٰذا تلوار سے تشبیہ دینے کی نسبت چاند سے تشبیہ دینے میں فوقیت پائی جاتی ہے۔

٣٥٥٣ - حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ مَنْصُورٍ أَبُو عَلِيٍّ: حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْأَعْوَرُ بِالْمَصِّيصَةِ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْحَكَمِ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا جُحَيْفَةَ قَالَ: خَرَجَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بِالْهَاجِرَةِ إِلَى الْبَطْحَاءِ فَتَوَضَّأَ ثُمَّ صَلَّى الظُّهْرَ رَكْعَتَيْنِ، وَالْعَصْرَ رَكْعَتَيْنِ وَبَيْنَ يَدَيْهِ عَنَزَةٌ. وَزَادَ فِيهِ عَوْنٌ، عَنْ أَبِيهِ أَبِي جُحَيْفَةَ قَالَ: كَانَ يَمُرُّ مِنْ وَرَائِهَا الْمَارَّةُ، وَقَامَ النَّاسُ فَجَعَلُوا يَأْخُذُونَ يَدَيْهِ فَيَمْسَحُونَ بِهِمَا وُجُوهَهُمْ، قَالَ: فَأَخَذْتُ بِيَدِهِ فَوَضَعْتُهَا عَلَى وَجْهِي فَإِذَا هِيَ أَبْرَدُ مِنَ الثَّلْجِ، وَأَطْيَبُ رَائِحَةً مِّنَ الْمِسْكِ. [راجع: ١٨٧]

[3553] حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ دوپہرے کے وقت وادئ بطحاء کی طرف تشریف لے گئے۔ آپ نے وضو کیا پھر ظہر کی دو رکعات اور عصر کی دو رکعات ادا کیں اور آپ کے سامنے برچھا گاڑا ہوا تھا۔ (راوئ حدیث) عون نے یہ اضافہ بیان کیا ہے کہ برچھے کے پیچھے سے لوگ گزر رہے تھے۔ نماز کے بعد لوگ کھڑے ہوئے اور آپ کے ہاتھ پکڑ کر اپنے چہروں پر ملنے لگے، چنانچہ میں نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر اپنے چہرے پر رکھا تو وہ برف سے زیادہ ٹھنڈا اور کستوری سے زیادہ خوشبودار تھا۔

فوائد و مسائل: ① حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے مدینہ طیبہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز ظہر پڑھی، پھر آپ اپنے اہل خانہ کے ہاں تشریف لے گئے۔ میں بھی آپ کے ساتھ ہولیا۔ بچوں نے آپ کا استقبال کیا۔ آپ کمال شفقت اور پیار سے ایک ایک کے رخسار پر ہاتھ پھیرتے۔ چونکہ میں بھی بچہ تھا آپ نے میرے رخسار پر بھی ہاتھ پھیرا تو میں نے آپ کے ہاتھ میں ایسی ٹھنڈک اور خوشبو محسوس کی گویا آپ نے اسے ابھی ابھی عطار کے عطردان سے نکالا ہے۔[2] حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کا رنگ سفید چمک دار، پسینہ گویا موتی، چلتے تو قدرے جھکاؤ کے ساتھ آگے بڑھتے۔ میں نے کوئی ریشم ایسا نہیں چھوا جو آپ کی ہتھیلی سے زیادہ نرم ہو اور نہ کوئی مشک وعنبر ہی سونگھا جو آپ کی خوشبو سے بڑھ کر ہو۔[3] خوشبو آپ کی صفت کریمہ تھی اگرچہ آپ خوشبو استعمال نہ کریں۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کسی راستے سے تشریف لے جاتے اور آپ کے بعد کوئی دوسرا وہاں سے گزرتا تو آپ کے عطر بیز جسم اور پسینے کی خوشبو سے معلوم کر لیتا کہ گزر گیا ہے ادھر سے وہ کاروانِ بہار۔ ② رسول اللہ کے دست مبارک برف سے زیادہ ٹھنڈے ہونے میں حکمت یہ ہے کہ آپ

① دلائل النبوة: 298/1. ② صحيح مسلم، الفضائل، حديث: 6052 (2329). ③ صحيح مسلم، الفضائل، حديث: 6054 (2330).

کے ہاتھ کی ٹھنڈک آپ کے جسم اطہر کی ہر عیب سے سلامتی پر دلالت کرتی ہے۔ [1]

٣٥٥٤ - حَدَّثَنَا عَبْدَانُ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ: أَخْبَرَنَا يُونُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: حَدَّثَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ أَجْوَدَ النَّاسِ، وَأَجْوَدُ مَا يَكُونُ فِي رَمَضَانَ حِينَ يَلْقَاهُ جِبْرِيلُ، وَكَانَ جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَلْقَاهُ فِي كُلِّ لَيْلَةٍ مِنْ رَمَضَانَ فَيُدَارِسُهُ الْقُرْآنَ، فَلَرَسُولُ اللهِ ﷺ أَجْوَدُ بِالْخَيْرِ مِنَ الرِّيحِ الْمُرْسَلَةِ. [راجع: ٦]

[3554] حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ نبی ﷺ سب لوگوں سے زیادہ سخی تھے۔ اور رمضان المبارک میں تو آپ بہت زیادہ سخاوت کرتے تھے جب آپ سے حضرت جبریل علیہ السلام ملاقات کرتے تھے۔ اور وہ رمضان میں ہر رات آپ سے ملاقات کرتے اور آپ کے ساتھ قرآن کریم کا دور کرتے تھے۔ بے شک رسول اللہ ﷺ خیر و بھلائی کے ہر معاملے میں تیز چلنے والی ہوا سے بھی زیادہ سخی تھے۔

فوائد و مسائل: ① حافظ ابن حجر ؒ نے لکھا ہے کہ اس حدیث سے رسول اللہ ﷺ کی صفت سخاوت کو بیان کرنا مقصود ہے۔ [2] ② ہمارا رجحان یہ ہے کہ اس حدیث سے ایک اشکال کا ازالہ مقصود ہے اور وہ یہ کہ جب رسول اللہ ﷺ کے جسم اطہر سے طبعی طور پر خوشبو آتی تھی اگرچہ آپ نے خوشبو نہ بھی استعمال کی ہوتی، تو اس کے باوجود رسول اللہ ﷺ خوشبو کیوں استعمال کرتے تھے؟ امام بخاری ؒ یہ روایت لا کر بتانا چاہتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ کی فرشتوں سے ملاقات ہوتی رہتی تھی، خاص طور پر فرشتۂ وحی حضرت جبریل علیہ السلام کے ساتھ ملاقات کا سلسلہ بکثرت جاری رہتا تھا۔ اس کے علاوہ آپ کی مبارک مجلس میں لوگ کثرت سے حاضر رہتے تھے۔ اس ماحول کو پاکیزہ اور معطر رکھنے کے لیے آپ طبعی خوشبو کے علاوہ خود ساختہ خوشبو بھی بکثرت استعمال کرتے تھے۔ واللہ اعلم۔

٣٥٥٥ - حَدَّثَنَا يَحْيٰى: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ: حَدَّثَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي ابْنُ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ دَخَلَ عَلَيْهَا مَسْرُورًا تَبْرُقُ أَسَارِيرُ وَجْهِهِ، فَقَالَ: «أَلَمْ تَسْمَعِي مَا قَالَ الْمُدْلِجِيُّ لِزَيْدٍ وَأُسَامَةَ - وَرَأَى أَقْدَامَهُمَا -؟ إِنَّ بَعْضَ هٰذِهِ الْأَقْدَامِ مِنْ بَعْضٍ». [انظر: ٣٧٣١، ٦٧٧٠، ٦٧٧١]

[3555] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک مرتبہ میرے ہاں بہت ہی خوش خوش داخل ہوئے۔ خوشی اور مسرت سے آپ کی پیشانی کی شکنیں چمک رہی تھیں۔ آپ نے فرمایا: ''(اے عائشہ!) تم نے نہیں سنا کہ مجزز مدلجی نے حضرت زید اور حضرت اسامہ ؓ کے بارے میں کیا کہا ہے؟ اس نے، ان دونوں کے قدموں کو دیکھ کر، کہا کہ یہ پاؤں تو ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں، یعنی

1 عمدة القاري: 299/11. 2 فتح الباري: 701/6.

باپ بیٹے کے قدم ہیں۔"

٣٥٥٦ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ابْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ كَعْبٍ: أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ كَعْبٍ قَالَ: سَمِعْتُ كَعْبَ بْنَ مَالِكٍ يُحَدِّثُ حِينَ تَخَلَّفَ عَنْ تَبُوكَ، قَالَ: فَلَمَّا سَلَّمْتُ عَلٰى رَسُولِ اللهِ ﷺ وَهُوَ يَبْرُقُ وَجْهُهُ مِنَ السُّرُورِ، وَكَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا سُرَّ اسْتَنَارَ وَجْهُهُ حَتّٰى كَأَنَّهُ قِطْعَةُ قَمَرٍ وَكُنَّا نَعْرِفُ ذٰلِكَ مِنْهُ. [راجع: ٢٧٥٧]

[3556] حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، اور وہ جنگ تبوک سے پیچھے رہ جانے کا واقعہ بیان کر رہے تھے، انھوں نے کہا: جب میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کو سلام کیا تو خوشی و مسرت سے آپ کی پیشانی کے خطوط سے نور کی کرنیں پھوٹ رہی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ جب بھی کسی بات پر خوش ہوتے تو آپ کا چہرۂ انور روشن ہو جاتا تھا گویا چاند کا ٹکڑا ہو۔ آپ کی مسرت و شادمانی کو ہم اس سے پہچان جاتے تھے۔

فائدہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی پیشانی اس قدر روشن اور تابندہ تھی گویا اس سے سورج کی کرنیں پھوٹ رہی ہیں۔[1] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بے حد روشن جبین تھے۔ جب رات کی تاریکی میں تشریف لاتے تو سیاہ بالوں کے درمیان آپ کی تابناک اور کشادہ پیشانی روشن چراغ کی طرح جگمگا اٹھتی تھی۔[2] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے طبرانی کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے ایک دفعہ ہماری طرف التفات فرمایا، گویا آپ کا چہرہ چاند کا ٹکڑا تھا۔[3]

٣٥٥٧ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ ابْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ عَمْرٍو، عَنْ سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «بُعِثْتُ مِنْ خَيْرِ قُرُونِ بَنِي آدَمَ قَرْنًا فَقَرْنًا حَتّٰى كُنْتُ مِنَ الْقَرْنِ الَّذِي كُنْتُ مِنْهُ».

[3557] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میں (حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر) یکے بعد دیگرے بنی آدم کے بہترین زمانوں میں ہوتا آیا ہوں، یہاں تک کہ وہ زمانہ آیا جس میں میری پیدائش ہوئی ہے۔"

فوائد و مسائل: ① قرن، لوگوں کے طبقے (گروہ) کو کہتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی مراد یہ ہے کہ میں بہترین طبقے میں سے ہوں، یعنی میرا باپ اپنے زمانے کے بہتر طبقہ سے، میرا دادا اپنے زمانے کے بہترین طبقے سے حتی کہ یہ سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام تک جا پہنچا۔ دوسرے الفاظ میں اس طرح کہا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے نسب مبارک کے جتنے بھی سلسلے ہیں وہ سب

① صحیح ابن حبان: 74/8. ② دلائل النبوة: 317/1. ③ المعجم الكبير للطبراني: 136/2، طبع مكتبة العلوم والحكم، وفتح الباري: 701/6.

حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے بہترین خاندان گزرے ہیں۔ آپ کے اجداد میں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام پھر حضرت اسماعیل علیہ السلام جو ابوالعرب ہیں، اس کے بعد عربوں کے جتنے سلسلے ہیں ان سب میں آپ کا خاندان سب سے زیادہ صاحب شرافت اور بلند مرتبہ تھا، چنانچہ آپ کا تعلق حضرت اسماعیل علیہ السلام کی شاخ بنو کنانہ سے، پھر قریش سے، پھر بنو ہاشم میں منتقل ہوا۔ یہ سب خاندان اچھی شہرت کے حامل تھے۔ ② اس حدیث کا یہ مفہوم بھی بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کی بعثت خیر القرون میں ہوئی جو ابتدا اور انتہا کے اعتبار سے افضل ہے۔

٣٥٥٨ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ : حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ يُونُسَ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ يَسْدِلُ شَعْرَهُ، وَكَانَ الْمُشْرِكُونَ يَفْرِقُونَ رُؤُوسَهُمْ. فَكَانَ أَهْلُ الْكِتَابِ يَسْدِلُونَ رُؤُوسَهُمْ، وَكَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يُحِبُّ مُوَافَقَةَ أَهْلِ الْكِتَابِ، فِيمَا لَمْ يُؤْمَرْ فِيهِ بِشَيْءٍ، ثُمَّ فَرَقَ رَسُولُ اللهِ ﷺ رَأْسَهُ. [انظر: ٣٩٤٤، ٥٩١٧]

[3558] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے سر کے بال لٹکائے رکھتے جبکہ مشرکین اپنے سر کے بالوں کی مانگ نکالتے لیکن اہل کتاب اپنے سر کے بالوں کو لٹکاتے تھے۔ اور رسول اللہ ﷺ کو جس بات کے متعلق کوئی حکم نہ آتا تو آپ اس میں اہل کتاب کی موافقت پسند کرتے تھے۔ بعد میں رسول اللہ ﷺ بھی سر میں مانگ نکالنے لگے تھے۔

فوائد و مسائل: ① رسول اللہ ﷺ کو اہل کتاب کی موافقت اس لیے پسند تھی کہ وہ کم از کم آسمانی دین پر عمل پیرا ہونے کے دعویدار تھے اور یہ بھی مقصود تھا کہ شاید وہ اس سلوک سے اسلام کے قریب آجائیں، لیکن جب آپ ان کے اسلام سے مایوس ہو گئے اور ان پر بدبختی غالب آ گئی تو آپ کو بہت سے معاملات میں ان کی مخالفت کا حکم ہوا۔ صوم یوم عاشوراء، استقبال قبلہ، حائضہ عورت سے میل جول اور یوم السبت اسی بنا پر تھی۔ اور مشرکین کے ہاں بت پرستی کا چرچا تھا، اس لیے ان کی مخالفت فرماتے لیکن یہ مخالفت ان معاملات میں ہوتی تھی جن میں سنت ابراہیمی کا پتہ نہ چلتا تھا۔ جب آپ کو کسی معاملے کے متعلق پتہ چل جاتا کہ ایسا کرنا سنت ابراہیم علیہ السلام ہے تو مشرکین کی موافقت کی پروا نہیں کرتے تھے، اس کی مثالیں مناسک حج سے واضح ہیں۔ ② حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے بالوں میں کنگھی کر کے پیشانی پر چھوڑ دیتے تھے لیکن بعد میں مانگ نکالا کرتے تھے۔[1] رسول اللہ ﷺ احرام سے پہلے خوشبو لگاتے تو اس کی چمک دیر تک آپ کی مانگ میں برقرار رہتی جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں اب بھی اس چمک کو رسول اللہ ﷺ کی مانگ میں دیکھ رہی ہوں جو احرام کے وقت لگائی تھی۔[2]

1 مسند أحمد: 215/3. 2 صحيح البخاري، الحج، حديث: 1538.

٣٥٥٩ - حَدَّثَنَا عَبْدَانُ عَنْ أَبِي حَمْزَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ مَسْرُوقٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: لَمْ يَكُنِ النَّبِيُّ ﷺ فَاحِشًا وَّلَا مُتَفَحِّشًا وَّكَانَ يَقُولُ: «إِنَّ مِنْ خِيَارِكُمْ أَحْسَنَكُمْ أَخْلَاقًا».

[انظر: ٣٧٥٩، ٦٠٢٩، ٦٠٣٥]

[3559] حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نہ تو فحش گو تھے اور نہ بدزبان ہی تھے بلکہ آپ فرمایا کرتے تھے: ''بلاشبہ تم میں سب سے بہتر شخص وہ ہے جس کا اخلاق اچھا ہو۔''

فوائد ومسائل: ① حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے یہ حدیث اس وقت بیان کی جب آپ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ کوفہ آئے تھے۔[1] ایک روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے مجھے زیادہ محبوب وہ شخص ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں۔''[2] حسن خلق یہ ہے کہ فضائل کو اختیار کیا جائے اور رذائل ترک کر دیے جائیں۔ ② رسول اللہ ﷺ کا خلق کریم تو قرآن مجید تھا۔ ان احادیث کے معنی یہ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ عادتاً اور تکلفاً فحش گو نہ تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو فحش گوئی کی عادت نہ تھی اور نہ کبھی تکلف ہی سے فحش گوئی کی تھی۔ نہ آپ بازاروں میں آواز بلند کرتے تھے اور نہ برائی کا بدلہ ہی برائی سے دیتے تھے بلکہ معاف کر دیتے اور درگزر فرماتے تھے۔[3] غصے کے وقت آپ صرف یہ فرماتے: اسے کیا ہوا اس کی پیشانی خاک آلود ہو۔ کسی کا نام لے کر اسے عیب کی نشاندہی نہ کرتے بلکہ اجتماعی طور پر یوں کہتے: ان لوگوں کو کیا ہوا یہ ایسا کرتے ہیں۔[4]

٣٥٦٠ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا أَنَّهَا قَالَتْ: مَا خُيِّرَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بَيْنَ أَمْرَيْنِ إِلَّا أَخَذَ أَيْسَرَهُمَا مَا لَمْ يَكُنْ إِثْمًا، فَإِنْ كَانَ إِثْمًا كَانَ أَبْعَدَ النَّاسِ مِنْهُ، وَمَا انْتَقَمَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لِنَفْسِهِ إِلَّا أَنْ تُنْتَهَكَ حُرْمَةُ اللهِ فَيَنْتَقِمَ لِلّٰهِ بِهَا». [انظر: ٦١٢٦، ٦٧٨٦، ٦٨٥٣]

[3560] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کو جب دو باتوں کا اختیار دیا جاتا تو آپ اس کو اختیار کرتے جو آسان ہوتی بشرطیکہ وہ گناہ نہ ہوتی لیکن اگر وہ بات گناہ ہوتی تو آپ لوگوں میں سے سب سے زیادہ اس سے دور رہتے۔ اور رسول اللہ ﷺ نے اپنی ذات کے لیے کبھی انتقام نہیں لیا۔ ہاں، اگر اللہ کی حرمت پامال ہوتی تو آپ اللہ کے لیے اس کا انتقام لیتے تھے۔''

فوائد ومسائل: ① رسول اللہ ﷺ کے دو کاموں سے ایک کو اختیار کرنے کی دو قسمیں ہیں: ایک یہ کہ مذکورہ اختیار کفار کی

[1] صحیح البخاري، الأدب، حدیث: 6029. [2] صحیح البخاري، فضائل أصحاب النبي ﷺ، حدیث: 3759. [3] فتح الباري: 702/6. [4] فتح الباري: 703/6.

طرف سے دیا جاتا، اس اختیار میں کسی گناہ کا اختیار بھی ہوسکتا ہے، ایسی صورت میں آپ گناہ کا کام نہ کرتے، مثلاً: اللہ کی نافرمانی یا قطع رحمی کو کسی صورت میں اختیار نہ کرتے۔ دوسری قسم یہ ہے کہ اختیار اللہ یا اہل ایمان کی طرف سے ہوتا، مثلاً: عبادت میں مبالغہ اور میانہ روی کا اختیار دیا جاتا تو آپ میانہ روی کو اختیار کرتے کیونکہ جو مجاہدہ یا مبالغہ انسان کو ہلاکت تک پہنچا دے یا دوسروں کی تکلیف کا باعث بنے تو آپ اسے اختیار نہ کرتے۔ ② اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آسان کام کو اختیار کرنا چاہیے۔ ③ حکام کو چاہیے کہ وہ اپنی ذات کے لیے کسی سے انتقام نہ لیں اور اللہ کے حق کو بے کار نہ چھوڑیں۔ رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ بن خطل اور عقبہ بن ابی معیط کو قتل کر دیا تھا، یہ ذاتی انتقام کا نتیجہ نہ تھا بلکہ دینی حرمات کی پامالی ان کے قتل کی محرک تھی۔ واللہ أعلم.

٣٥٦١ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: مَا مَسِسْتُ حَرِيرًا وَّلَا دِيبَاجًا أَلْيَنَ مِنْ كَفِّ النَّبِيِّ ﷺ، وَلَا شَمِمْتُ رِيحًا قَطُّ - أَوْ عَرْفًا قَطُّ - أَطْيَبَ مِنْ رِّيحِ - أَوْ عَرْفِ - النَّبِيِّ ﷺ.

[راجع: ١١٤١]

[3561] حضرت انس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ میں نے کسی موٹے یا باریک ریشم کو نبی ﷺ کی ہتھیلی سے نرم نہیں پایا اور نہ میں نے کبھی کوئی خوشبو یا عطر نبی ﷺ کی خوشبو یا مہک سے اچھی سونگھی ہے۔

فوائد ومسائل: ① اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کی نرم اور گداز ہتھیلیوں کا ذکر ہے جبکہ دیگر روایات میں آپ کے ہاتھ کی صفت "ضَخم" اور "شَثْن" کے الفاظ سے بیان ہوئی ہے جس کا معنی سخت کے ہیں۔[1] یہ روایات مذکورہ روایت کے خلاف نہیں ہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ مضبوط اور قوی تر تھے مگر جلد نرم تھی۔ نرم اور قوی ہونا دونوں جمع ہو سکتے ہیں، چنانچہ طبرانی میں حضرت معاذ ؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے ایک سفر میں اپنے پیچھے بٹھایا تو میں نے آپ کی جلد سے نرم کوئی چیز نہیں پائی۔[2] ② بہرحال رسول اللہ ﷺ کی ہتھیلیاں گداز اور پر گوشت تھیں جیسا کہ مذکورہ احادیث میں صراحت ہے۔ واللہ أعلم.

٣٥٦٢ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا يَحْيٰى عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي عُتْبَةَ، عَنْ أَبِي سَعِيدِ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ أَشَدَّ حَيَاءً مِّنَ الْعَذْرَاءِ فِي خِدْرِهَا. [انظر: ٦١٠٢، ٦١١٩]

[3562] حضرت ابو سعید خدری ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ نبی ﷺ پردہ نشین دوشیزہ سے بھی زیادہ شرمیلے اور حیادار تھے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ: حَدَّثَنَا يَحْيٰى وَابْنُ

ایک دوسری روایت میں ہے کہ جب کوئی بات آپ

1 صحيح البخاري، اللباس، حديث: 5910،5907. 2 المعجم الكبير للطبراني: 59/20.

مَهْدِيٍّ قَالَا : حَدَّثَنَا شُعْبَةُ مِثْلَهُ، وَإِذَا كَرِهَ شَيْئًا عُرِفَ فِي وَجْهِهِ.

ﷺ کو ناگوار گزرتی تو اسے آپ کے چہرے سے پہچان لیا جاتا۔

فوائد ومسائل: ① رسول اللہ ﷺ بہت حیادار تھے۔ اس حیاداری کا نتیجہ تھا کہ اگر کوئی چیز آپ کی طبیعت پر ناگوار گزرتی تو اس کا اظہار کرتے بلکہ اس سے چہرۂ انور تبدیل ہو جاتا جسے آپ کے صحابۂ کرام ؓ پہچان لیتے تھے لیکن آپ کسی سے اس کا ذکر نہیں کرتے تھے۔ یہ معاشرتی طور پر ایک بہترین خصلت ہے۔ ② واضح رہے کہ رسول اللہ ﷺ کا سراپا شرم وحیا ہونا حدود اللہ کے علاوہ دیگر معاملات میں تھا کیونکہ حدود اللہ کے نفاذ میں آپ نے کبھی رواداری کا مظاہرہ نہیں کیا۔ حضرت ابن عباس ؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ شرم وحیا کی وجہ سے اپنے حجرات کے پیچھے غسل فرمایا کرتے تھے، کسی نے آپ کی شرمگاہ کو نہیں دیکھا۔[1] رسول اللہ ﷺ کی حیا کو کنواری جو پردے میں ہو، اس کی حیا سے تشبیہ دی گئی ہے کیونکہ خاوند تک پہنچنے اور عورتوں کے ساتھ میل جول سے پہلے وہ سخت حیادار ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ اس سے بھی زیادہ باحیا تھے۔ ③ حدیث میں پردے کی صفت اس لیے بیان ہوئی ہے کہ پردہ دار عورت ان عورتوں سے زیادہ حیادار ہوتی ہے جو پردہ نہیں کرتیں اور بازاروں میں گھومتی پھرتی ہیں۔

٣٥٦٣ - حَدَّثَنِي عَلِيُّ بْنُ الْجَعْدِ: أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: مَا عَابَ النَّبِيُّ ﷺ طَعَامًا قَطُّ، إِنِ اشْتَهَاهُ أَكَلَهُ، وَإِلَّا تَرَكَهُ. [انظر: ٥٤٠٩]

[3563] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ نبی ﷺ نے کبھی کسی کھانے کو عیب دار نہیں کہا۔ اگر آپ کا دل چاہتا تو تناول فرما لیتے ورنہ چھوڑ دیتے۔

فائدہ: اللہ والوں کی یہی شان ہوتی ہے کہ وہ کبھی کسی کھانے کو معیوب قرار نہیں دیتے، اس کے برعکس دنیا پرست اور شکم پرور (پیٹو) لوگ جب کھانے بیٹھتے ہیں تو لقمے لقمے میں عیب نکالنا شروع کر دیتے ہیں اور ہمارے ہاں یہ تو عام رواج ہے کہ کھانا کھاتے وقت مرچ نمک کی کمی کا شکوہ شروع ہو جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کی روشنی میں ہمیں اس روش کا جائزہ لینا چاہیے۔ واللہ أعلم.

٣٥٦٤ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا بَكْرُ ابْنُ مُضَرَ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ رَبِيعَةَ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَالِكٍ ابْنِ بُحَيْنَةَ الْأَسَدِيِّ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا سَجَدَ فَرَّجَ بَيْنَ يَدَيْهِ حَتَّى نَرَى إِبْطَيْهِ، قَالَ: وَقَالَ ابْنُ بُكَيْرٍ: حَدَّثَنَا

[3564] حضرت عبداللہ بن مالک ابن بحینہ اسدی ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ نبی ﷺ جب سجدہ کرتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کے درمیان کشادگی کر دیتے یہاں تک کہ ہم آپ کی بغلوں کو دیکھ لیتے۔ ایک روایت میں ہے کہ بغلوں کی سفیدی کو دیکھ لیتے۔

---

① المعجم الكبير للطبراني: 85/11، طبع مكتبة العلوم والحكم، وفتح الباري: 705/6.

بَكْرٌ: بَيَاضَ إِبْطَيْهِ. [راجع: ٣٩٠]

٣٥٦٥ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى بْنُ حَمَّادٍ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ: حَدَّثَنَا سَعِيدٌ عَنْ قَتَادَةَ: أَنَّ أَنَسًا رَضِيَ اللهُ عَنْهُ حَدَّثَهُمْ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ لَا يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي شَيْءٍ مِّنْ دُعَائِهِ إِلَّا فِي الْاِسْتِسْقَاءِ فَإِنَّهُ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ حَتَّى يُرٰى بَيَاضُ إِبْطَيْهِ. [راجع: ١٠٣١]

[3565] حضرت انس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نماز استسقاء کے علاوہ کسی دعا میں (مبالغہ کے ساتھ) ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے۔ نماز استسقاء میں اس حد تک ہاتھ اٹھاتے کہ آپ کی بغلوں کی سفیدی دیکھ لی جاتی تھی۔

فائدہ: ان احادیث میں رسول اللہ ﷺ کی معطر اور نورانی بغلوں کی صفت بیان کی گئی ہے کہ آپ کی بغلیں بالکل صاف اور سفید تھیں، بلکہ بدن کے دوسرے حصے کی طرح عطر بیز اور خوشبودار تھیں جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ حضرت انس ؓ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کے جسم اطہر کی خوشبو سے بڑھ کر میں نے کوئی خوشبو نہیں سونگھی۔ ایک صحابی کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی بغلوں کا پسینہ کستوری سے بھی زیادہ خوشبو دار تھا۔[1] جبکہ عام انسان کی بغلوں سے گندی اور بدبودار ہوا آتی ہے کیونکہ انھیں کسی طرف سے ہوا نہیں لگتی۔ بہر حال رسول اللہ ﷺ کی بغلیں دوسرے جسم کی طرح بالکل صاف ہوتی تھیں بلکہ ان کے پسینے سے خوشبو آتی تھی۔

٣٥٦٦ - حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ الصَّبَّاحِ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَابِقٍ: حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ مِغْوَلٍ قَالَ: سَمِعْتُ عَوْنَ بْنَ أَبِي جُحَيْفَةَ ذَكَرَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ: دُفِعْتُ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ وَهُوَ بِالْأَبْطَحِ فِي قُبَّةٍ كَانَ بِالْهَاجِرَةِ خَرَجَ بِلَالٌ، فَنَادٰى بِالصَّلَاةِ، ثُمَّ دَخَلَ فَأَخْرَجَ فَضْلَ وَضُوءِ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَوَقَعَ النَّاسُ عَلَيْهِ يَأْخُذُونَ مِنْهُ، ثُمَّ دَخَلَ فَأَخْرَجَ الْعَنَزَةَ وَخَرَجَ رَسُولُ اللهِ ﷺ كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلٰى وَبِيصِ سَاقَيْهِ فَرَكَزَ الْعَنَزَةَ، ثُمَّ صَلَّى الظُّهْرَ رَكْعَتَيْنِ، وَالْعَصْرَ رَكْعَتَيْنِ، يَمُرُّ بَيْنَ يَدَيْهِ الْحِمَارُ وَالْمَرْأَةُ. [راجع: ١٨٧]

[3566] حضرت ابو جحیفہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ مجھے نبی ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا جبکہ آپ ابطح نامی وادی میں ایک خیمے کے اندر تشریف فرما تھے۔ دوپہر کے وقت حضرت بلال ؓ باہر آئے اور نماز کے لیے اذان کہی۔ پھر اندر چلے گئے اور رسول اللہ ﷺ کے وضو سے بچا پانی لے کر برآمد ہوئے تو لوگ اس پانی پر ٹوٹ پڑے اور اس پانی کو حاصل کرنے لگے۔ حضرت بلال ؓ پھر اندر گئے اور ایک نیزہ باہر نکال لائے۔ اس دوران میں رسول اللہ ﷺ بھی باہر تشریف لائے گویا میں رسول اللہ ﷺ کی پنڈلیوں کی چمک کو اب بھی دیکھ رہا ہوں۔ حضرت بلال ؓ نے نیزہ گاڑ دیا۔ پھر آپ ﷺ نے ظہر اور عصر کی دو، دو رکعتیں پڑھائیں اور آپ کے آگے سے گدھے اور عورتیں گزر رہی تھیں۔ (جس سے نماز میں کوئی خلل نہ پڑا۔)

1 سنن الدارمي: 31/1.

فائدہ: اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کی کسرتی پنڈلیوں کا ذکر ہے کہ وہ سفید اور چمک دار تھیں۔ حضرت جابر بن سمرہ ؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی پنڈلیاں زیادہ بھاری بھرکم اور پُر گوشت نہ تھیں بلکہ ہلکی ہلکی سونتی ہوئی تھیں۔[1] حضرت سراقہ بن مالک ؓ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ اونٹنی پر سوار تھے، میں نے قریب ہو کر آپ کی پنڈلی کا مشاہدہ کیا جو سفید رنگت اور لطافت میں خوشۂ کھجور کے اندرونی گودے کی طرح تھی۔[2]

٣٥٦٧ - حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ صَبَّاحٍ الْبَزَّارُ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يُحَدِّثُ حَدِيثًا لَّوْ عَدَّهُ الْعَادُّ لَأَحْصَاهُ. [انظر: ٣٥٦٨]

[3567] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ نبی ﷺ اس طرح ٹھہر ٹھہر کر بات کرتے کہ اگر کوئی گننے والا آپ کی باتیں شمار کرنا چاہتا تو کر سکتا تھا۔

فائدہ: اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کے انداز گفتگو کو بیان کیا گیا ہے کہ آپ نہایت سنجیدگی کے ساتھ ٹھہر ٹھہر کر بات کرتے تھے۔ عام لوگوں کی طرح چرب زبان نہیں تھے۔ مقصد یہ ہے کہ انسان کو گفتگو کرتے وقت ایسا انداز اختیار کرنا چاہیے کہ مخاطب کو اچھی طرح سمجھ آ جائے۔ اس کی مزید وضاحت آئندہ حدیث سے ہوتی ہے۔

٣٥٦٨ - وَقَالَ اللَّيْثُ: حَدَّثَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَنَّهُ قَالَ: أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ، عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا قَالَتْ: أَلَا يُعْجِبُكَ [أَبُو] فُلَانٍ جَاءَ فَجَلَسَ إِلَى جَانِبِ حُجْرَتِي يُحَدِّثُ عَنْ رَّسُولِ اللهِ ﷺ يُسْمِعُنِي ذٰلِكَ، وَكُنْتُ أُسَبِّحُ، فَقَامَ قَبْلَ أَنْ أَقْضِيَ سُبْحَتِي، وَلَوْ أَدْرَكْتُهُ لَرَدَدْتُ عَلَيْهِ، إِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ لَمْ يَكُنْ يَسْرُدُ الْحَدِيثَ كَسَرْدِكُمْ. [راجع: ٣٥٦٧]

[3568] حضرت عروہ بن زبیر سے روایت ہے، ان سے حضرت عائشہ ؓ نے فرمایا کہ تمھیں ابوفلاں کے حال پر تعجب نہیں ہوتا، وہ آئے اور میرے حجرے کے قریب بیٹھ کر رسول اللہ ﷺ کی احادیث بیان کرنے لگے اور مجھے سنانا چاہتے تھے جب کہ میں نماز پڑھ رہی تھی۔ وہ میری نماز پوری ہونے سے پہلے ہی اٹھ کر چلے گئے۔ اگر وہ مجھے مل جاتے تو میں ان کی ضرور خبر لیتی اور بتاتی کہ رسول اللہ ﷺ تمھاری طرح یوں جلدی جلدی باتیں نہیں کیا کرتے تھے۔

فائدہ: حضرت عائشہ ؓ نے جس شخصیت کو ہدف تنقید بنایا وہ حضرت ابوہریرہ ؓ تھے، چنانچہ اسماعیلی کی روایت میں صراحت ہے کہ حضرت عائشہ ؓ نے فرمایا: تجھے ابوہریرہ ؓ کے انداز گفتگو پر تعجب نہیں ہوتا۔[3] حضرت عائشہ ؓ نے حضرت ابوہریرہ ؓ کی احادیث کے متعلق زود بیانی پر اعتراض کیا مگر رسول اللہ ﷺ کی دعا کے نتیجے میں حضرت ابوہریرہ ؓ کا حافظہ بہت قوی تھا، اس لیے احادیث جلدی جلدی بیان کر دیتے تھے اگرچہ رسول اللہ کی گفتگو بہت آہستہ آہستہ ہوا کرتی تھی کہ سننے والا

1 المصنف لابن أبي شيبة: 513/11. 2 دلائل النبوة: 207/1. 3 فتح الباري: 707/6.

آپ کے الفاظ گن لیتا تھا لیکن مجمع عام اور خطبہ دیتے وقت یہ قید نہیں لگائی جا سکتی کیونکہ صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ خطاب فرماتے تو آپ کی آواز بلند ہو جاتی۔ حضرت عائشہ ؓ نے حضرت ابو ہریرہ ؓ کی روایت حدیث پر اعتراض نہیں کیا تھا۔

(٢٤) بَابٌ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ تَنَامُ عَيْنُهُ وَلَا يَنَامُ قَلْبُهُ

باب: 24- نبی ﷺ کی آنکھیں سوتی تھیں لیکن آپ کا دل بیدار رہتا تھا

رَوَاهُ سَعِيدُ بْنُ مِينَاءَ عَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.

اس مضمون کو سعید بن میناء نے حضرت جابر ؓ کے واسطے سے نبی ﷺ سے بیان کیا ہے۔

وضاحت: اس معلق روایت کو خود امام بخاری ؒ نے متصل سند سے حدیث نمبر: 7281 کے تحت تفصیل سے بیان کیا ہے۔

٣٥٦٩ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ: أَنَّهُ سَأَلَ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: كَيْفَ كَانَتْ صَلَاةُ رَسُولِ اللهِ ﷺ فِي رَمَضَانَ؟ قَالَتْ: مَا كَانَ يَزِيدُ فِي رَمَضَانَ، وَلَا فِي غَيْرِهِ عَلَى إِحْدٰى عَشْرَةَ رَكْعَةً، يُصَلِّي أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ، فَلَا تَسْأَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُولِهِنَّ، ثُمَّ يُصَلِّي أَرْبَعًا فَلَا تَسْأَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُولِهِنَّ، ثُمَّ يُصَلِّي ثَلَاثًا فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! تَنَامُ قَبْلَ أَنْ تُوتِرَ؟ قَالَ: «تَنَامُ عَيْنِي وَلَا يَنَامُ قَلْبِي».

[راجع: ١١٤٧]

[3569] حضرت ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن سے روایت ہے، انھوں نے حضرت عائشہ ؓ سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ رمضان المبارک میں کس قدر اور کس طریقے سے نماز پڑھتے تھے؟ انھوں نے فرمایا: آپ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعات سے زیادہ نہ پڑھتے تھے۔ آپ چار رکعات پڑھتے ان کی خوبصورتی اور طوالت کا حال مت پوچھو۔ پھر چار رکعات پڑھتے ان کے بھی حسن اور درازی کا حال مت پوچھیں۔ پھر تین رکعات پڑھتے۔ میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! آپ وتر پڑھنے سے پہلے سو جاتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: ''میری آنکھیں سوتی ہیں لیکن میرا دل بیدار رہتا ہے۔''

٣٥٧٠ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ: حَدَّثَنَا أَخِي عَنْ سُلَيْمَانَ، عَنْ شَرِيكِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي نَمِرَةَ: سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يُحَدِّثُنَا عَنْ لَيْلَةِ أُسْرِيَ بِالنَّبِيِّ ﷺ مِنْ مَسْجِدِ الْكَعْبَةِ، جَاءَهُ ثَلَاثَةُ نَفَرٍ قَبْلَ أَنْ يُوحٰى إِلَيْهِ - وَهُوَ نَائِمٌ فِي

[3570] شریک بن عبداللہ بن ابو نمرہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے حضرت انس ؓ سے سنا، انھوں نے ہمیں اس رات کا حال بیان کیا جس میں نبی ﷺ کو مسجد حرام (بیت اللہ شریف) سے سیر کرائی گئی تھی۔ آپ کے پاس وحی آنے سے پہلے تین شخص آئے جبکہ آپ مسجد

مَسْجِدِ الْحَرَامِ - فَقَالَ أَوَّلُهُمْ: أَيُّهُمْ هُوَ؟ فَقَالَ أَوْسَطُهُمْ: هُوَ خَيْرُهُمْ؟ وَقَالَ آخِرُهُمْ: خُذُوا خَيْرَهُمْ. فَكَانَتْ تِلْكَ، فَلَمْ يَرَهُمْ حَتّٰى جَاءُوا لَيْلَةً أُخْرٰى فِيمَا يَرٰى قَلْبُهُ وَالنَّبِيُّ ﷺ نَائِمَةٌ عَيْنَاهُ وَلَا يَنَامُ قَلْبُهُ، وَكَذٰلِكَ الْأَنْبِيَاءُ تَنَامُ أَعْيُنُهُمْ، وَلَا تَنَامُ قُلُوبُهُمْ، فَتَوَلَّاهُ جِبْرِيلُ ثُمَّ عَرَجَ بِهِ إِلَى السَّمَاءِ. [انظر: ٤٩٦٤، ٥٦١٠، ٦٥٨١، ٧٥١٧]

حرام میں محو استراحت تھے۔ ان تینوں میں سے ایک نے کہا: وہ کون شخص ہیں؟ دوسرے نے کہا: وہی جو ان سب سے بہتر ہیں۔ تیسرے نے کہا، جو آخر میں تھا: ان سب سے بہتر کو لے چلو۔ اس رات اتنی ہی باتیں ہوئیں۔ آپ نے ان لوگوں کو دیکھا نہیں یہاں تک کہ وہ کسی دوسری رات پھر آئے بایں حالت کہ آپ کا دل بیدار تھا کیونکہ نبی ﷺ کی آنکھیں سو جاتی تھیں لیکن آپ کا دل نہیں سوتا تھا بلکہ تمام انبیاء ﷺ کا یہی حال تھا کہ ان کی آنکھیں سو جاتی تھیں لیکن ان کے دل نہیں سوتے تھے۔ پھر حضرت جبریل ﷺ نے اپنے ذمہ یہ کام لیا اور وہ آپ ﷺ کو آسمان کی طرف چڑھا کر لے گئے۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے مقصود رسول اللہ ﷺ کا ایک وصف ثابت کرنا ہے جو آپ کو عام لوگوں سے ممتاز کرتا ہے۔ وہ وصف یہ ہے کہ آپ کی آنکھیں سو جاتی تھیں لیکن دل بیدار رہتا تھا۔ اس وصف میں دوسرے انبیائے کرام ﷺ آپ کے شریک ہیں، یعنی ان کی آنکھیں سو جاتی تھیں لیکن دل بیدار رہتے تھے جیسا کہ دوسری حدیث میں اس بات کی صراحت ہے۔ ② اس وصف پر ایک مشہور اعتراض ہے کہ اگر نیند کی حالت میں رسول اللہ ﷺ کا دل بیدار رہتا تھا تو لیلۃ التعریس میں آپ کی نماز فجر کیوں قضا ہو گئی تھی؟ اس کا جواب حسب ذیل ہے: * طلوع شمس کا تعلق آنکھ سے ہے کیونکہ یہ محسوسات سے ہے، معقولات کا تعلق دل سے ہوتا ہے اور دل محسوسات کا ادراک نہیں کرتا، اس لیے طلوع آفتاب کا آپ کو پتہ نہ چل سکا۔ * رسول اللہ ﷺ کو امور شرعیہ کے اجراء کے لیے نسیان طاری ہوتا تھا جیسا کہ آپ متعدد مرتبہ نماز میں بھولے تھے۔ لیلۃ التعریس میں صبح کی نماز کا فوت ہونا بھولنے کے باعث تھا جیسا کہ بیداری کی حالت میں بھولنے سے نماز فوت ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نیند کی حالت میں بھی بھلوا دیا تاکہ قضا کا حکم جاری ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ لیلۃ التعریس میں نماز صبح کے فوت ہو جانے میں یہ حکمت تھی کہ نماز کی قضا کا حکم مشروع ہو۔ نسیان کا طاری ہونا اس کا سبب تھا۔ واللہ أعلم. ③ واضح رہے کہ لیلۃ التعریس سے مراد وہ رات ہے جس میں رسول اللہ ﷺ حضرت بلال ﷜ کی ڈیوٹی لگا کر سو گئے لیکن حضرت بلال ﷜ کو بھی نیند نے آلیا، وہ بھی بیدار نہ ہو سکے۔ جب دن چڑھ آیا تو دھوپ کی شدت سے رسول اللہ ﷺ کی آنکھ کھلی تو آپ نے وہاں سے کچھ آگے جا کر نماز فجر ادا کی۔[1] ○ قند مکرر: رسول اللہ کے حسن و جمال کی جھلک دیکھنے والوں نے آپ کے خنداں رخ انور، حسین و جمیل قد و قامت، بے مثال خد و خال، بے نظیر چال ڈھال، باوقار و پرکشش وجاہت و شخصیت کا جو عکس الفاظ کے پیرائے میں ہم

① صحيح البخاري، مواقيت الصلاة، حديث: 595.

تک پہنچایا ہے وہ ایک ایسے انسان کا تصور دلاتا ہے جو ذہانت و فطانت، صبر و استقامت، شجاعت و سخاوت، امانت و دیانت، فصاحت و بلاغت، جمال و وقار، انکسار و تواضع اور عالی ظرفی و فرض شناسی جیسے اوصاف حمیدہ سے متصف تھا۔ ہم چاہتے ہیں کہ حضرت ام معبد رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کا دل پذیر حلیہ مبارک جن الفاظ سے بیان کیا ہے ان کا ترجمہ صاحب ''الرحیق المختوم'' کی زبانی قدرے تصرف کے ساتھ ہدیۂ قارئین کریں۔ ان کا جامع تذکرہ پیش خدمت ہے: ''چمکتا رنگ، تابناک چہرہ، نہ اتنے نحیف و نزار کہ دیکھنے میں عیب دار لگیں اور نہ اس قدر بھاری بھرکم کہ توند نکلی ہوئی ہو، خوبصورت ساخت، جمال جہاں تاب کے ساتھ ڈھلا ہوا پیکر، سرگیں آنکھیں، دراز پلکیں، بھاری آواز، چمکدار اور لمبی گردن، گھنی ڈاڑھی، باریک اور باہم پیوستہ ابرو، خاموش ہوں تو باوقار، گفتگو کریں تو گویا منہ سے پھول جھڑیں، دور سے دیکھنے میں سب سے زیادہ تابناک اور پر جمال، قریب سے دیکھیں تو سب سے خوبصورت اور شیریں ادا، گفتگو میں چاشنی، بات واضح اور دوٹوک، نہ مختصر نہ فضول، انداز ایسا کہ لڑی سے موتی جھڑ رہے ہیں، درمیانہ قد، نہ پست قامت کہ نگاہ میں نہ جچے، نہ زیادہ لمبا کہ ناگوار لگے، دو شاخوں کے درمیان ایسی شاخ کی طرح جو انتہائی تروتازہ اور خوش منظر لگے، رفقاء آپ کے گرد حلقہ بنائے ہوئے، کچھ فرمائیں تو توجہ سے سنتے ہیں، کوئی حکم دیں تو لپک کر بجالاتے ہیں، مطاع و مکرم، نہ ترش رو اور نہ یادہ گو۔''[1] علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں: ام معبد رضی اللہ عنہا کا واقعہ کئی ایک طرق سے مروی ہے جو ایک دوسرے کی تقویت کا باعث ہیں۔ واللہ أعلم.

(٢٥) بَابُ عَلَامَاتِ النُّبُوَّةِ فِي الْإِسْلَامِ

باب: 25- اسلام میں نشانات نبوت، یعنی معجزات کا بیان

وضاحت: معجزہ، نبوت کی علامت ہوتا ہے۔ مقام رسالت کو سمجھنے کے لیے اس پر غور کرنا انتہائی ضروری ہے۔ ہر نبی کو اللہ تعالیٰ نے حالات کے مطابق معجزات عطا فرمائے۔ رسول اللہ ﷺ کا سب سے بڑا معجزہ قرآن کریم ہے جس کی نظیر لانے سے کفار قریش عاجز رہے، تاہم اس کے علاوہ معجزات نبوی کی فہرست بہت طویل ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس عنوان کے تحت بہت سی احادیث ذکر کی ہیں اور ہر حدیث میں کسی نہ کسی معجزے کا بیان ہے۔ ان میں کچھ خرق عادت ہیں اور کچھ کا تعلق آئندہ آنے والے واقعات سے ہے جنھیں ہم پیش گوئیوں سے تعبیر کرتے ہیں۔ نبی ﷺ کے بعد وہ حرف بہ حرف ٹھیک ثابت ہوتی چلی آ رہی ہیں، البتہ واقعات پر جزم و وثوق کے ساتھ ان کی تطبیق انتہائی غور و خوض کا تقاضا کرتی ہے۔ واللہ المستعان.

٣٥٧١ - حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ: حَدَّثَنَا سَلْمُ بْنُ زَرِيرٍ: سَمِعْتُ أَبَا رَجَاءٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عِمْرَانُ ابْنُ حُصَيْنٍ أَنَّهُمْ كَانُوا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي مَسِيرٍ

[3571] حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ وہ نبی ﷺ کے ہمراہ ایک سفر میں تھے۔ لوگ رات بھر چلتے رہے۔ جب صبح کا وقت قریب ہوا تو آرام کے لیے

[1] المستدرك للحاكم: 9/3.

فَأَدْلَجُوا لَيْلَتَهُمْ حَتَّى إِذَا كَانَ وَجْهُ الصُّبْحِ عَرَّسُوا فَغَلَبَتْهُمْ أَعْيُنُهُمْ حَتَّى ارْتَفَعَتِ الشَّمْسُ، فَكَانَ أَوَّلَ مَنِ اسْتَيْقَظَ مِنْ مَنَامِهِ أَبُو بَكْرٍ - وَكَانَ لَا يُوقَظُ رَسُولُ اللهِ ﷺ مِنْ مَنَامِهِ حَتَّى يَسْتَيْقِظَ - فَاسْتَيْقَظَ عُمَرُ فَقَعَدَ أَبُو بَكْرٍ عِنْدَ رَأْسِهِ فَجَعَلَ يُكَبِّرُ وَيَرْفَعُ صَوْتَهُ حَتَّى اسْتَيْقَظَ النَّبِيُّ ﷺ فَنَزَلَ وَصَلَّى بِنَا الْغَدَاةَ، فَاعْتَزَلَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ لَمْ يُصَلِّ مَعَنَا، فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ: «يَا فُلَانُ! مَا يَمْنَعُكَ أَنْ تُصَلِّيَ مَعَنَا؟» قَالَ: أَصَابَتْنِي جَنَابَةٌ، فَأَمَرَهُ أَنْ يَتَيَمَّمَ بِالصَّعِيدِ، ثُمَّ صَلَّى وَجَعَلَنِي رَسُولُ اللهِ ﷺ فِي رَكُوبٍ بَيْنَ يَدَيْهِ، وَقَدْ عَطِشْنَا عَطَشًا شَدِيدًا فَبَيْنَمَا نَحْنُ نَسِيرُ إِذَا نَحْنُ بِامْرَأَةٍ سَادِلَةٍ رِجْلَيْهَا بَيْنَ مَزَادَتَيْنِ، فَقُلْنَا لَهَا: أَيْنَ الْمَاءُ؟ فَقَالَتْ: إِيهَ لَا مَاءَ، قُلْنَا: كَمْ بَيْنَ أَهْلِكِ وَبَيْنَ الْمَاءِ؟ قَالَتْ: يَوْمٌ وَلَيْلَةٌ، فَقُلْنَا: انْطَلِقِي إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ، قَالَتْ: وَمَا رَسُولُ اللهِ؟ فَلَمْ نُمَلِّكْهَا مِنْ أَمْرِهَا حَتَّى اسْتَقْبَلْنَا بِهَا النَّبِيَّ ﷺ فَحَدَّثَتْهُ بِمِثْلِ الَّذِي حَدَّثَتْنَا غَيْرَ أَنَّهَا حَدَّثَتْهُ أَنَّهَا مُؤْتِمَةٌ، فَأَمَرَ بِمَزَادَتَيْهَا، فَمَسَحَ بِالْعَزْلَاوَيْنِ، فَشَرِبْنَا عِطَاشًا أَرْبَعُونَ رَجُلًا حَتَّى رَوِينَا، فَمَلَأْنَا كُلَّ قِرْبَةٍ مَعَنَا وَإِدَاوَةٍ غَيْرَ أَنَّهُ لَمْ نَسْقِ بَعِيرًا وَهِيَ تَكَادُ تَبِضُّ مِنَ الْمِلْءِ، ثُمَّ قَالَ: «هَاتُوا مَا عِنْدَكُمْ»، فَجُمِعَ لَهَا مِنَ الْكِسَرِ وَالتَّمْرِ، حَتَّى أَتَتْ أَهْلَهَا. قَالَتْ: أَتَيْتُ أَسْحَرَ النَّاسِ، أَوْ هُوَ نَبِيٌّ كَمَا زَعَمُوا، فَهَدَى اللهُ ذَاكَ الصِّرْمَ بِتِلْكَ الْمَرْأَةِ فَأَسْلَمَتْ وَأَسْلَمُوا. [راجع: ٣٤٤]

ٹھہرے۔ نیند کی وجہ سے ان کی آنکھوں نے ان پر غلبہ کر لیا حتی کہ سورج پوری طرح نکل آیا۔ سب سے پہلے نیند سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بیدار ہوئے...... رسول اللہ ﷺ کو نیند سے بیدار نہیں کیا جاتا تھا یہاں تک کہ آپ خود ہی جاگ پڑتے...... پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیدار ہوئے۔ بالآخر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ کے سر کے پاس بیٹھ کر بہ آواز بلند ”اللہ اکبر“ کہنا شروع کر دیا یہاں تک کہ نبی ﷺ بیدار ہوئے۔ پھر (وہاں سے چلے اور) ایک مقام پر پڑاؤ کیا اور ہمیں صبح کی نماز پڑھائی۔ ایک شخص ہم سے دور ایک کونے میں بیٹھا رہا اور اس نے ہمارے ساتھ نماز نہ پڑھی۔ آپ ﷺ نے نماز سے فراغت کے بعد فرمایا: ”اے فلاں! ہمارے ساتھ نماز پڑھنے سے تجھے کس چیز نے روکا؟“ اس نے عرض کیا: مجھے جنابت لاحق ہو گئی تھی۔ آپ نے اسے پاک مٹی سے تیمم کرنے کا حکم دیا تو اس نے نماز پڑھی۔ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے چند سواروں کے ہمراہ آگے بھیج دیا (تاکہ ہم پانی تلاش کریں)۔ ہم بہت پیاسے تھے۔ اس دوران میں ہم کیا دیکھتے ہیں کہ ایک عورت دو بڑی مشکوں کے درمیان اپنے پاؤں لٹکائے ہوئے ہے۔ ہم نے اسے کہا: پانی کہاں ہے؟ اس نے جواب دیا کہ یہاں پانی نہیں ہے۔ ہم نے دوبارہ پوچھا کہ تیرے گھر اور پانی کے درمیان کتنا فاصلہ ہے؟ اس نے کہا کہ ایک دن اور ایک رات کا سفر ہے۔ ہم نے اسے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے کہا تو اس نے کہا: رسول اللہ کیا ہوتا ہے؟ بہر حال ہم نے اس کی کوئی پیش نہ چلنے دی اور اسے چلنے پر مجبور کر دیا یہاں تک کہ ہم اسے نبی ﷺ کی خدمت میں لے آئے۔ اس نے آپ سے وہی گفتگو کی جو ہم سے کی تھی، البتہ اتنی بات مزید

بتائی کہ وہ یتیم بچوں کی ماں ہے۔ آپ ﷺ نے اس کی دونوں مشکوں کو کھولنے کا حکم دیا اور ان کے دہانوں پر دست مبارک پھیرا۔ ہم چالیس پیاسے آدمیوں نے ان سے خوب سیر ہو کر پانی پیا اور ہمارے پاس جتنے مشکیزے اور برتن تھے سب بھر لیے لیکن اس سے اپنے اونٹوں کو پانی نہ پلایا۔ اس کے باوجود اس کی مشکیں اس قدر پانی سے بھری معلوم ہوتی تھیں کہ پھٹنے کے قریب تھیں۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: ''جو کچھ تمھارے پاس ہے اسے میرے پاس لاؤ۔'' چنانچہ اس عورت کے لیے روٹی کے ٹکڑے اور کھجوریں لا کر جمع کر دی گئیں۔ جب وہ اپنے قبیلے کے پاس گئی تو کہنے لگی: آج میں سب سے بڑے جادوگر کے پاس سے آئی ہوں یا وہ واقعی نبی ہے جیسا کہ اس کے پیروکار کہتے ہیں۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے اس عورت کے باعث اس گاؤں کے رہنے والوں کو ہدایت دی، چنانچہ وہ خود بھی مسلمان ہو گئی اور تمام قبیلے والوں نے بھی اسلام قبول کر لیا۔

فوائد و مسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ نے معجزات کے بجائے علامات کا لفظ استعمال کیا ہے تاکہ معجزات اور کرامات دونوں کو شامل ہو۔ معجزے میں نبی کو جھٹلانے والوں کے لیے چیلنج ہوتا ہے کہ میں نے ایسا کام کر دکھایا ہے جو خرق عادت ہے اور انسانی طاقت سے باہر ہے۔ ② اس عنوان کے تحت معجزات، کرامات، آئندہ پیش آنے والے واقعات اور قیامت کی علامات بیان ہوں گی۔ ③ دور نبوت میں خرق عادت پیش آنے والے واقعات کو معجزہ اور قبل از نبوت عادت کے خلاف واقعات کو ارہاص کہا جاتا ہے۔ ④ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کی دعا سے پانی میں برکت ہو گئی۔ یہ آپ کا ایک عظیم معجزہ ہے کہ قلیل پانی سے چالیس آدمی سیراب ہو گئے اور انھوں نے اپنے مشکیزے اور برتن بھی بھر لیے لیکن مشکوں کا پانی ذرا بھر بھی کم نہ ہوا۔ ⑤ رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ میں پانی کو زیادہ کرنے کے متعدد واقعات پیش آئے، چنانچہ خیبر سے نکلنے کے بعد، حدیبیہ سے لوٹنے کے بعد، تبوک کو جاتے ہوئے اور غزوۂ جیش الامراء (غزوۂ موتہ) میں اس قسم کے واقعات پیش آئے، یعنی ایک ہی نوعیت کا واقعہ مختلف اوقات میں پیش آیا۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کی انگلیوں سے پانی کا نکلنا، پتھر سے پانی نکلنے کی نسبت زیادہ وزنی ہے کیونکہ پتھر سے پانی نکل آنا خلاف عادت نہیں، البتہ گوشت اور خون کے درمیان سے پانی کا نکلنا عام عادت کے خلاف ہے۔[1] واللہ أعلم.

---

1 فتح الباري: 715/6.

٣٥٧٢ - حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ عَنْ سَعِيدٍ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: أُتِيَ النَّبِيُّ ﷺ بِإِنَاءٍ وَهُوَ بِالزَّوْرَاءِ فَوَضَعَ يَدَهُ فِي الْإِنَاءِ فَجَعَلَ الْمَاءُ يَنْبُعُ مِنْ بَيْنِ أَصَابِعِهِ فَتَوَضَّأَ الْقَوْمُ.

[3572] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ کی خدمت میں ایک برتن پیش کیا گیا جبکہ آپ مقام زوراء میں تشریف فرما تھے۔ آپ نے اپنا دست مبارک برتن میں رکھ دیا تو آپ کی انگلیوں سے پانی بہنے لگا جس سے وہاں موجود سب لوگوں نے وضو کر لیا۔

قَالَ قَتَادَةُ: قُلْتُ لِأَنَسٍ: كَمْ كُنْتُمْ؟ قَالَ: ثَلَاثَمِائَةٍ أَوْ زُهَاءَ ثَلَاثِمِائَةٍ. [راجع: ١٦٩]

قتادہ نے کہا: میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا: آپ لوگ وہاں کتنی تعداد میں تھے؟ تو انھوں نے کہا: تین سو یا اس کے لگ بھگ تھے۔

٣٥٧٣ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ وَحَانَتْ صَلَاةُ الْعَصْرِ، فَالْتُمِسَ الْوَضُوءُ فَلَمْ يَجِدُوهُ فَأُتِيَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بِوَضُوءٍ فَوَضَعَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَدَهُ فِي ذٰلِكَ الْإِنَاءِ فَأَمَرَ النَّاسَ أَنْ يَتَوَضَّؤُوا مِنْهُ، فَرَأَيْتُ الْمَاءَ يَنْبُعُ مِنْ تَحْتِ أَصَابِعِهِ فَتَوَضَّأَ النَّاسُ حَتّٰى تَوَضَّؤُوا مِنْ عِنْدِ آخِرِهِمْ. [راجع: ١٦٩]

[3573] حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا جبکہ نماز عصر کا وقت ہو چکا تھا اور لوگ وضو کے لیے پانی تلاش کر رہے تھے لیکن اس کا کہیں سراغ نہیں ملتا تھا۔ اس دوران میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں وضو کا پانی لایا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے اپنا ہاتھ اس برتن میں رکھ دیا اور لوگوں سے فرمایا کہ وہ اس سے وضو کریں۔ میں نے دیکھا کہ پانی آپ کی انگلیوں کے نیچے سے پھوٹ رہا تھا، چنانچہ لوگوں نے وضو کرنا شروع کر دیا حتی کہ اول سے آخر تک تمام لوگوں نے اس سے اپنا وضو مکمل کیا۔

٣٥٧٤ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مُبَارَكٍ: حَدَّثَنَا حَزْمٌ قَالَ: سَمِعْتُ الْحَسَنَ قَالَ: حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: خَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ فِي بَعْضِ مَخَارِجِهِ وَمَعَهُ نَاسٌ مِّنْ أَصْحَابِهِ، فَانْطَلَقُوا يَسِيرُونَ فَحَضَرَتِ الصَّلَاةُ، وَلَمْ يَجِدُوا مَاءً يَتَوَضَّؤُنَ، فَانْطَلَقَ رَجُلٌ مِّنَ الْقَوْمِ فَجَاءَ بِقَدَحٍ مِّنْ مَّاءٍ يَّسِيرٍ فَأَخَذَهُ

[3574] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ نبی ﷺ اپنے کسی سفر میں باہر تشریف لے گئے اور آپ کے ہمراہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت بھی تھی۔ چلتے چلتے نماز کا وقت آ گیا لیکن وضو کے لیے پانی کا کہیں پتہ نہیں تھا۔ آخر قوم میں سے ایک آدمی گیا اور ایک پیالہ لے آیا جس میں تھوڑا سا پانی تھا۔ نبی ﷺ نے اسے لیا اور اس سے وضو کیا۔ پھر اس پیالے میں اپنی

النَّبِيُّ ﷺ فَتَوَضَّأَ ثُمَّ مَدَّ أَصَابِعَهُ الْأَرْبَعَ عَلَى الْقَدَحِ، ثُمَّ قَالَ: «قُومُوا فَتَوَضَّؤُا»، فَتَوَضَّأَ الْقَوْمُ حَتَّى بَلَغُوا فِيمَا يُرِيدُونَ مِنَ الْوُضُوءِ، وَكَانُوا سَبْعِينَ أَوْ نَحْوَهُ. [راجع: ١٦٩]

چار انگلیوں کو رکھ دیا۔ پھر لوگوں سے فرمایا: ''اٹھو اور وضو کرو۔'' چنانچہ انھوں نے اس سے وضو کیا اور اس سے اپنی دیگر ضروریات بھی پوری کیں اور وہ تعداد میں ستر یا اس کے لگ بھگ تھے۔

فوائد و مسائل: ① حضرت انس ؓ سے مروی یہ چار احادیث امام بخاری ؒ نے بیان کی ہیں اور ہر ایک میں علیحدہ علیحدہ واقعے کا ذکر ہے۔ تھوڑے سے پانی کو زیادہ کرنے کے لیے رسول اللہ ﷺ کی انگلیوں کے درمیان سے پانی پھوٹنے کا معجزہ صرف رسول اللہ ﷺ کے لیے ہے، آپ کے علاوہ اور کسی نبی کو یہ معجزہ نہیں ملا۔ یہ پانی رسول اللہ ﷺ کی انگلیوں ہی سے نکل رہا تھا یا بذات خود پانی زیادہ ہو رہا تھا لیکن انگلیوں سے جوش مار کر بہہ رہا تھا۔ گو حضرت موسیٰ ؑ نے پتھر پر لاٹھی مار کر اس سے پانی جاری کیا تھا لیکن پتھروں سے طبعاً پانی نکلتا رہتا ہے، ان سے چشمے پھوٹتے رہتے ہیں، ہاتھ کی انگلیوں سے پانی بہہ نکلنا عجیب تر ہے، اس لیے ہمارے نبی ﷺ کے اس معجزے کو حضرت موسیٰ ؑ کے معجزے پر فوقیت حاصل ہے۔ ② واضح رہے کہ ان احادیث کو حضرت انس ؓ سے بیان کرنے والے ان کے چار مختلف شاگرد ہیں۔ پہلی حدیث قتادہ سے، دوسری اسحاق سے، تیسری حسن سے اور چوتھی حمید سے ہے۔ ان کے متن، تعیین مکان اور تعداد اشخاص میں مغایرت ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ ایک واقعہ نہیں بلکہ مختلف واقعات ہیں۔ امام بخاری ؒ کے انداز سے یہی معلوم ہوتا ہے۔ واللہ أعلم.

٣٥٧٥ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُنِيرٍ: سَمِعَ يَزِيدَ: أَخْبَرَنَا حُمَيْدٌ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: حَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَقَامَ مَنْ كَانَ قَرِيبَ الدَّارِ مِنَ الْمَسْجِدِ يَتَوَضَّأُ وَبَقِيَ قَوْمٌ، فَأُتِيَ النَّبِيُّ ﷺ بِمِخْضَبٍ مِّنْ حِجَارَةٍ فِيهِ مَاءٌ، فَوَضَعَ كَفَّهُ فَصَغُرَ الْمِخْضَبُ أَنْ يَبْسُطَ فِيهِ كَفَّهُ فَضَمَّ أَصَابِعَهُ فَوَضَعَهَا فِي الْمِخْضَبِ فَتَوَضَّأَ الْقَوْمُ كُلُّهُمْ جَمِيعًا. قُلْتُ: كَمْ كَانُوا؟ قَالَ: ثَمَانُونَ رَجُلًا. [راجع: ١٦٩]

[3575] حضرت انس ؓ ہی سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ ایک دفعہ نماز کا وقت ہو گیا تو جس کا گھر مسجد کے قریب تھا وہ اپنے گھر وضو کرنے کے لیے چلا گیا۔ کچھ لوگ باقی رہ گئے تو نبی ﷺ کے پاس پتھر کا بنا ہوا ایک برتن لایا گیا جس میں تھوڑا سا پانی تھا۔ آپ نے اپنی ہتھیلی اس میں رکھنا چاہی لیکن اس کا منہ اتنا تنگ تھا کہ آپ اس کے اندر اپنی ہتھیلی پھیلا کر نہیں رکھ سکتے تھے، چنانچہ آپ نے اپنی انگلیاں سمیٹ کر اس برتن میں رکھیں۔ پھر تمام لوگوں نے اس سے وضو کیا۔

(راوی کہتا ہے:) میں نے حضرت انس ؓ سے پوچھا: وہ کتنے لوگ تھے؟ انھوں نے بتایا کہ اَسّی (80) آدمی تھے۔

٣٥٧٦ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا

[3576] حضرت جابر ؓ سے روایت ہے، انھوں نے

عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُسْلِمٍ: حَدَّثَنَا حُصَيْنٌ عَنْ سَالِمِ ابْنِ أَبِي الْجَعْدِ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: عَطِشَ النَّاسُ يَوْمَ الْحُدَيْبِيَةِ وَالنَّبِيُّ ﷺ بَيْنَ يَدَيْهِ رَكْوَةٌ فَتَوَضَّأَ جَهَشَ النَّاسُ نَحْوَهُ، فَقَالَ: «مَا لَكُمْ؟» قَالُوا: لَيْسَ عِنْدَنَا مَاءٌ نَتَوَضَّأُ وَلَا نَشْرَبُ إِلَّا مَا بَيْنَ يَدَيْكَ، فَوَضَعَ يَدَهُ فِي الرَّكْوَةِ فَجَعَلَ الْمَاءُ يَثُورُ بَيْنَ أَصَابِعِهِ كَأَمْثَالِ الْعُيُونِ، فَشَرِبْنَا وَتَوَضَّأْنَا.

فرمایا کہ حدیبیہ کے دن لوگوں کو پیاس لگی اور نبی ﷺ کے سامنے ایک چھاگل تھی، جس سے آپ نے وضو فرمایا۔ لوگ جلدی جلدی پانی لینے کے لیے آپ کی طرف دوڑ پڑے۔ آپ نے پوچھا: ''تمھیں کیا ہوگیا ہے؟'' انھوں نے عرض کیا: ہمارے پاس پانی نہیں جس سے ہم وضو کریں بلکہ پینے کے لیے بھی پانی نہیں ہے، صرف اسی قدر پانی کی مقدار ہے جو آپ کے سامنے ہے۔ آپ نے اس چھاگل پر اپنا دست مبارک رکھ دیا تو آپ کی انگلیوں سے پانی ایسے پھوٹ کر بہنے لگا جیسے چشموں سے ابل کر نکلتا ہے، چنانچہ ہم سب نے وہ پانی پیا اور اس سے وضو بھی کیا۔

قُلْتُ: كَمْ كُنْتُمْ؟ قَالَ: لَوْ كُنَّا مِائَةَ أَلْفٍ لَكَفَانَا، كُنَّا خَمْسَ عَشْرَةَ مِائَةً. [انظر: ٤١٥٢، ٤١٥٣، ٤١٥٤، ٤٨٤٠، ٥٦٣٩]

(راوی کہتا ہے کہ) میں نے حضرت جابر ؓ سے پوچھا: آپ اس وقت کتنے آدمی تھے؟ انھوں نے فرمایا: اگر ہم ایک لاکھ بھی ہوتے تو ہمیں یہ پانی کافی ہوتا، تاہم اس وقت ہم پندرہ سو آدمی تھے۔

فوائد و مسائل: ① حدیبیہ ایک مقام ہے جو حرم مکہ کی مغربی حد ہے۔ مکہ مکرمہ سے کوئی دس میل اور جدہ سے کوئی تیس میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ وہاں ایک کبڑا درخت تھا جس کی وجہ سے اس مقام کا یہ نام رکھا گیا۔ رسول اللہ ﷺ عمرہ کرنے کی غرض سے مہاجرین و انصار اور دیگر قبائل کے ہمراہ نکلے تھے لیکن مقام حدیبیہ پر آپ کو روک لیا گیا۔ یہ واقعہ ذوالقعدہ چھ ہجری میں پیش آیا۔ ② اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کے ایک عظیم معجزے کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی انگلیوں سے پانی کا چشمہ جاری کر دیا۔ پھر پانی کی کیا کمی تھی۔ حضرت جابر ؓ کے کہنے کے مطابق وہ ایک لاکھ کی تعداد کو سیراب کرنے کے لیے کافی تھا۔ واللہ أعلم.

٣٥٧٧ - حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا إِسْرَائِيلُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ: كُنَّا يَوْمَ الْحُدَيْبِيَةِ أَرْبَعَ عَشْرَةَ مِائَةً، وَالْحُدَيْبِيَةُ بِئْرٌ، فَنَزَحْنَاهَا حَتَّى لَمْ نَتْرُكْ فِيهَا قَطْرَةً فَجَلَسَ النَّبِيُّ ﷺ عَلَى شَفِيرِ الْبِئْرِ فَدَعَا بِمَاءٍ فَمَضْمَضَ وَمَجَّ فِي الْبِئْرِ فَمَكَثْنَا غَيْرَ بَعِيدٍ ثُمَّ اسْتَقَيْنَا حَتَّى رَوِينَا

[3577] حضرت براء بن عازب ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ حدیبیہ کے دن ہم ایک ہزار چار سو افراد تھے۔ حدیبیہ ایک کنواں ہے۔ ہم نے اس سے اتنا پانی نکالا کہ اس میں ایک قطرہ بھی باقی نہ چھوڑا۔ نبی ﷺ کنویں کے کنارے پر بیٹھ گئے۔ آپ نے پانی منگوایا اور کنویں میں پانی کی کلی ڈالی، چنانچہ ہم تھوڑا سا وقت وہاں ٹھہرے ہوں

وَرَوَتْ - أَوْ صَدَرَتْ - رَكَائِبُنَا. [انظر: ٤١٥٠، ٤١٥١]

گئے (کہ کنواں پانی سے بھر گیا)۔ ہم نے خوب سیر ہو کر وہاں سے پانی پیا اور ہمارے مویشی بھی وہاں سے سیراب ہو کر لوٹے۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں چودہ سو افراد کا ذکر ہے جبکہ حضرت جابر ؓ نے ان کی تعداد پندرہ سو بتائی ہے۔ ان میں کوئی تضاد نہیں کیونکہ ایک عدد دوسرے کی نفی نہیں کرتا۔ ② اس حدیث میں بھی ایک زبردست معجزے کا بیان ہے کہ آپ ﷺ کے کلی کرنے سے کنواں چشمے کی طرح پھوٹ پڑا اور پانی سے بھر گیا۔ پانی کو زیادہ کرنے کے متعدد معجزے کتب احادیث میں بیان ہوئے ہیں۔ سب سے بڑا معجزہ حسب ذیل ہے: حضرت جابر ؓ کہتے ہیں کہ دوران سفر میں رسول اللہ ﷺ نے مجھے وضو کے لیے پانی لانے کا حکم دیا۔ میں نے پانی تلاش کیا تو نہ ملا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: فلاں انصاری سے پتہ کرو...... وہ آپ کے لیے ٹھنڈے پانی کا اہتمام کرتا تھا...... میں اس کے پاس گیا تو اس کی مشک کے منہ کے ساتھ پانی کا ایک قطرہ لگا ہوا تھا۔ اگر میں اسے لینے کی کوشش کرتا تو وہ بھی خشک ہو جاتا۔ بہر حال میں نے وہ قطرہ رسول اللہ ﷺ کے حضور پیش کر دیا۔ آپ نے اسے لیا اور کچھ پڑھ کر اپنی ہتھیلی پر ملا، پھر مجھے ایک بڑا برتن لانے کو کہا۔ میں ایک برتن لے آیا تو آپ نے اپنے ہاتھوں کو برتن میں رکھ دیا۔ ان سے پانی نکلا تو آپ نے مجھے فرمایا: ''جابر! بسم اللہ پڑھ کر اسے میرے ہاتھوں پر ڈالو۔'' میں نے ایسا کیا تو آپ کی انگلیوں کے درمیان سے پانی بہنے لگا، حتی کہ وہ برتن بھر گیا اور اس میں پانی گردش کرنے لگا۔ آپ نے مجھے حکم دیا: ''جابر! لوگوں میں اعلان کر دو جس کو پانی کی ضرورت ہو وہ پوری کر لے۔'' چنانچہ تمام لوگوں نے خوب سیر ہو کر پیا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے اس سے ہاتھ نکالا تو وہ برتن پانی سے بھرا ہوا تھا۔[1] حافظ ابن حجر ؒ کہتے ہیں: یہ واقعہ تکثیر ماء کے دیگر واقعات سے زیادہ عجیب تر ہے کیونکہ اس میں پانی کی انتہائی کمی اور اس سے استفادہ کرنے والوں کی کثرت کا بیان ہے۔[2] واللہ أعلم.

٣٥٧٨ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ: أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُولُ: قَالَ أَبُو طَلْحَةَ لِأُمِّ سُلَيْمٍ: لَقَدْ سَمِعْتُ صَوْتَ رَسُولِ اللهِ ﷺ ضَعِيفًا أَعْرِفُ فِيهِ الْجُوعَ فَهَلْ عِنْدَكِ مِنْ شَيْءٍ؟ قَالَتْ: نَعَمْ، فَأَخْرَجَتْ أَقْرَاصًا مِنْ شَعِيرٍ ثُمَّ أَخْرَجَتْ خِمَارًا لَهَا فَلَفَّتِ الْخُبْزَ بِبَعْضِهِ ثُمَّ دَسَّتْهُ تَحْتَ يَدِي وَلَاثَتْنِي بِبَعْضِهِ ثُمَّ أَرْسَلَتْنِي إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ، قَالَ: فَذَهَبْتُ بِهِ،

[3578] حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ حضرت ابوطلحہ ؓ نے حضرت ام سلیم ؓ سے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کی آواز کو کمزور پایا۔ میرے خیال کے مطابق آپ کو بھوک لگی ہے کیا تمھارے پاس کوئی کھانے کی چیز ہے؟ انھوں نے کہا: ہاں، چنانچہ انھوں نے جو کی چند روٹیاں نکالیں پھر اپنا دوپٹہ لیا، اس کے ایک حصے میں ان کو لپیٹا، پھر انھیں میرے ہاتھ میں چھپا دیا، دوپٹے کا دوسرا حصہ مجھے اوڑھا دیا۔ اس کے بعد انھوں نے مجھے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ حضرت انس کہتے

---

1 صحیح مسلم، الزهد والرقائق، حدیث: 7519 (3013). 2 فتح الباري: 716/6.

فَوَجَدْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ فِي الْمَسْجِدِ وَمَعَهُ النَّاسُ، فَقُمْتُ عَلَيْهِمْ فَقَالَ لِي رَسُولُ اللهِ ﷺ: «آرْسَلَكَ أَبُو طَلْحَةَ؟» فَقُلْتُ: نَعَمْ، قَالَ: «بِطَعَامٍ؟» قُلْتُ: نَعَمْ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لِمَنْ مَعَهُ: «قُومُوا»، فَانْطَلَقَ وَانْطَلَقْتُ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ حَتَّى جِئْتُ أَبَا طَلْحَةَ فَأَخْبَرْتُهُ، فَقَالَ أَبُو طَلْحَةَ: يَا أُمَّ سُلَيْمٍ! قَدْ جَاءَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بِالنَّاسِ وَلَيْسَ عِنْدَنَا مَا نُطْعِمُهُمْ؟ فَقَالَتْ: اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ. فَانْطَلَقَ أَبُو طَلْحَةَ حَتَّى لَقِيَ رَسُولَ اللهِ ﷺ فَأَقْبَلَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَأَبُو طَلْحَةَ مَعَهُ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «هَلُمِّي يَا أُمَّ سُلَيْمٍ مَا عِنْدَكِ»، فَأَتَتْ بِذٰلِكَ الْخُبْزِ، فَأَمَرَ بِهِ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَفُتَّ وَعَصَرَتْ أُمُّ سُلَيْمٍ عُكَّةً فَأَدَمَتْهُ ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فِيهِ مَا شَاءَ اللهُ أَنْ يَقُولَ ثُمَّ قَالَ: «ائْذَنْ لِعَشَرَةٍ» فَأَذِنَ لَهُمْ فَأَكَلُوا حَتَّى شَبِعُوا ثُمَّ خَرَجُوا. ثُمَّ قَالَ: «ائْذَنْ لِعَشَرَةٍ»، فَأَذِنَ لَهُمْ فَأَكَلُوا حَتَّى شَبِعُوا ثُمَّ خَرَجُوا، ثُمَّ قَالَ: «ائْذَنْ لِعَشَرَةٍ» فَأَذِنَ لَهُمْ فَأَكَلُوا حَتَّى شَبِعُوا ثُمَّ خَرَجُوا. ثُمَّ قَالَ: «ائْذَنْ لِعَشَرَةٍ» فَأَكَلَ الْقَوْمُ كُلُّهُمْ وَشَبِعُوا، وَالْقَوْمُ سَبْعُونَ أَوْ ثَمَانُونَ رَجُلًا. [راجع: ٤٢٢]

ہیں کہ میں انھیں لے کر روانہ ہوا تو آپ مسجد میں تشریف فرما تھے اور آپ کے ساتھ بہت سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ میں آپ کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا تو آپ نے فرمایا: ''تمھیں ابوطلحہ نے بھیجا ہے'' میں نے کہا: جی ہاں۔ پھر آپ نے فرمایا: ''کیا کھانا دے کر بھیجا ہے؟'' میں نے کہا: جی ہاں۔ رسول اللہ ﷺ نے ساتھ والے لوگوں سے فرمایا: ''اٹھو اور ابوطلحہ کے ہاں چلو۔'' چنانچہ آپ وہاں سے روانہ ہوئے اور میں ان کے آگے آگے چلا، حتی کہ میں حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور ان سے واقعہ بیان کیا۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اے ام سلیم! رسول اللہ ﷺ تو لوگوں سمیت تشریف لا رہے ہیں اور ہمارے پاس کوئی ایسی چیز نہیں جو ہم انھیں کھلا سکیں؟ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے کہا: اللہ اور اس کے رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ بہر حال حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر آپ کا استقبال کیا۔ اب رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ وہ بھی چل رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے ام سلیم! جو کچھ تمھارے پاس ہے اسے لے آؤ۔'' حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا روٹیاں لے کر آئیں تو رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ ان کے ٹکڑے بنا دیے جائیں۔ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے کپی نچوڑ کر ان پر کچھ گھی ڈال دیا، اس طرح وہ سالن بن گیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے اس پر جو اللہ نے چاہا پڑھا۔ پھر آپ نے فرمایا: ''دس آدمیوں کو بلاؤ۔'' چنانچہ انھیں بلا کر کھانے کی اجازت دی تو انھوں نے پیٹ بھر کر کھایا۔ پھر وہ باہر چلے گئے تو آپ نے فرمایا: ''اور دس آدمیوں کو بلاؤ۔'' انھیں بلایا گیا اور کھانے کی اجازت دی گئی تو انھوں نے سیر ہو کر کھایا۔ پھر وہ باہر چلے گئے تو آپ نے فرمایا: ''اور دس آدمیوں کو بلاؤ۔'' انھیں بلایا گیا اور انھوں نے کھایا حتی کہ وہ سیر ہو گئے۔ پھر وہ چلے گئے تو آپ نے

فرمایا: ”دس آدمیوں کو بلاؤ۔“ اس طرح سب آدمیوں نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا جبکہ وہ ستر (70) یا اَسّی (80) آدمی تھے۔

فوائد و مسائل: ① مذکورہ واقعہ غزوۂ احزاب کے موقع پر پیش آیا۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے چہرۂ انور پر کمزوری کے اثرات دیکھے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا، آپ نے اپنے پیٹ پر کپڑا باندھا ہوا تھا۔ انھیں پتہ چلا کہ آپ نے بھوک کی وجہ سے ایسا کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے اس کا ذکر کیا تو انھوں نے حتی الوسع کھانے کا بندوبست فرمایا۔[1] ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خود انگوٹھے کے ساتھ والی انگلی سے گھی کو مس کیا پھر روٹی پر ہاتھ پھیرا تو وہ بڑی ہوگئی۔ آپ نے بسم اللہ پڑھی، اسی طرح وہ روٹی بڑی ہوتی گئی حتی کہ بڑا برتن اس روٹی سے بھر گیا۔[2] ایک دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بسم اللہ پڑھ کر دعا فرمائی: ”اے اللہ! اس میں برکت ڈال دے۔“[3] بہرحال اس تھوڑے سے کھانے میں اتنی برکت پڑی کہ ستر یا اَسّی آدمیوں نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا۔ آخر میں رسول اللہ ﷺ اور اہل خانہ نے اسے تناول کیا، پھر بھی کھانا بچ گیا تو ہمسایوں میں تقسیم کر دیا گیا۔[4] ایک روایت میں ہے کہ جو کھانا بچ گیا تھا رسول اللہ ﷺ نے اسے ایک جگہ اکٹھا کر کے اس پر برکت کی دعا فرمائی تو وہ اتنا ہی ہوگیا جس قدر پہلے تھا۔[5] ② قبل ازیں تکثیر پانی کا معجزہ تھا۔ اس حدیث سے تکثیر طعام کا علم ہوا۔ اس سے عجیب تر معجزہ یہ ہے جسے حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھوک کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا: ”اللہ اس کا ضرور بندوبست کرے گا۔“ چنانچہ بعدازاں ہم ساحل سمندر پر آئے تو سمندر نے بہت بڑی مچھلی باہر پھینک دی۔ ہم نے سمندر کے کنارے آگ جلائی اور اسے بھون بھون کر کئی دن تک کھاتے رہے۔ وہ اتنی بڑی تھی کہ ہم پانچ آدمی اس کی آنکھ کے خول میں چھپ کر بیٹھ گئے، پھر ہم نے اس کی پسلی کی ہڈی کو زمین پر کھڑا کیا تو ایک لمبا آدمی جس کا اونٹ بھی طویل القامت تھا، اسے نیچے سے گزارا گیا تو وہ آسانی سے گزر گیا۔ اس کا سر چوٹی سے نہیں ٹکرایا۔[6]

٣٥٧٩ - حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى: حَدَّثَنَا أَبُو أَحْمَدَ الزُّبَيْرِيُّ: حَدَّثَنَا إِسْرَائِيلُ عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَلْقَمَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ: كُنَّا نَعُدُّ الْآيَاتِ بَرَكَةً وَأَنْتُمْ تَعُدُّونَهَا تَخْوِيفًا، كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ فِي سَفَرٍ فَقَلَّ الْمَاءُ فَقَالَ: «اطْلُبُوا فَضْلَةً مِّنْ مَّاءٍ» فَجَاؤُوا بِإِنَاءٍ فِيهِ

[3579] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ ہم تو معجزات کو باعث برکت خیال کرتے تھے اور تم سمجھتے ہو کہ (کفار کو) ڈرانے کے لیے ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ ہم کسی سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھے کہ پانی کم ہوگیا۔ آپ نے فرمایا: ”کچھ بچا ہوا پانی تلاش کر لاؤ۔“ چنانچہ لوگ ایک برتن لائے جس میں

---

[1] صحيح مسلم، الأشربة، حديث: 5323 (2040). [2] صحيح ابن حبان (ابن بلبان): 94/12. [3] مسند أحمد: 242/3. [4] صحيح مسلم، الأشربة، حديث: 5321 (2040). [5] صحيح مسلم، الأشربة، حديث: 5318 (2040). [6] صحيح مسلم، الزهد والرقائق، حديث: 7520 (3014).

مَاءٌ قَلِيلٌ، فَأَدْخَلَ يَدَهُ فِي الْإِنَاءِ ثُمَّ قَالَ: «حَيَّ عَلَى الطَّهُورِ الْمُبَارَكِ وَالْبَرَكَةُ مِنَ اللهِ»، فَلَقَدْ رَأَيْتُ الْمَاءَ يَنْبُعُ مِنْ بَيْنِ أَصَابِعِ رَسُولِ اللهِ ﷺ، وَلَقَدْ كُنَّا نَسْمَعُ تَسْبِيحَ الطَّعَامِ وَهُوَ يُؤْكَلُ.

تھوڑا سا پانی باقی تھا۔ آپ نے اپنا دست مبارک پانی میں ڈال دیا اور اس کے بعد فرمایا: ''مبارک پانی کی طرف آؤ اور برکت تو اللہ کی طرف سے ہے۔'' میں نے اس وقت دیکھا کہ آپ کی انگشتہائے مبارک سے پانی پھوٹ رہا تھا۔ اور (بسا اوقات) کھانا کھاتے وقت ہم کھانے میں سے تسبیح کی آواز سنتے تھے۔

فوائد و مسائل: ① صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو کھانے کی تسبیح سنانا رسول اللہ ﷺ کا معجزہ تھا ویسے تو قرآن کریم کی تصریح کے مطابق ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ﴾ ''اور کوئی چیز ایسی نہیں جو اللہ کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح نہ کرتی ہو، لیکن تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھ سکتے۔''[1] ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے سات کنکریاں لیں تو انھوں نے آپ کے ہاتھ میں بہ آواز بلند تسبیح کہی، پھر آپ نے انھیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں رکھ دیا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں، اس کے بعد حضرت عثمان کے ہاتھ میں رکھا، انھوں نے ہر ایک ہاتھ میں تسبیح کہی۔[2] ② قرآن کریم میں ہے: ''معجزے تو ہم صرف ڈرانے کی خاطر بھیجتے ہیں۔''[3] اس آیت سے کچھ لوگوں نے موقف اختیار کیا کہ ہر نشانی ڈرانے کے لیے ہوتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان کی تردید کی کہ ہر نشانی کو ڈرانے کے لیے سمجھنا محل نظر ہے۔ اللہ تعالیٰ کی کچھ نشانیاں واقعی ڈرانے کے لیے ہیں اور کچھ نشانیاں، مثلاً: کھانے پینے میں برکت، یہ اللہ تعالیٰ کا محض فضل اور اس کی عنایت ہے۔

٣٥٨٠ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ: حَدَّثَنَا زَكَرِيَّا قَالَ: حَدَّثَنِي عَامِرٌ قَالَ: حَدَّثَنِي جَابِرٌ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ أَبَاهُ تُوُفِّيَ وَعَلَيْهِ دَيْنٌ، فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ، فَقُلْتُ: إِنَّ أَبِي تَرَكَ عَلَيْهِ دَيْنًا، وَلَيْسَ عِنْدِي إِلَّا مَا يُخْرِجُ نَخْلُهُ وَلَا يَبْلُغُ مَا يُخْرِجُ سِنِينَ مَا عَلَيْهِ، فَانْطَلِقْ مَعِي لِكَيْ لَا يُفْحِشَ عَلَيَّ الْغُرَمَاءُ فَمَشَى حَوْلَ بَيْدَرٍ مِّنْ بَيَادِرِ التَّمْرِ فَدَعَا ثُمَّ آخَرَ ثُمَّ جَلَسَ عَلَيْهِ فَقَالَ: «انْزِعُوهُ» فَأَوْفَاهُمُ الَّذِي لَهُمْ وَبَقِيَ مِثْلُ مَا أَعْطَاهُمْ.

[3580] حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، ان کے والد گرامی شہید ہو گئے تھے جبکہ ان پر بہت قرض تھا، میں نبی ﷺ خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: میرے والد گرامی اپنے اوپر قرض چھوڑ گئے ہیں اور میرے پاس ان کھجوروں کی پیداوار کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے اور ان کی پیداوار سے تو کئی سال تک قرض ادا نہیں ہو سکتا۔ آپ میرے پاس تشریف لائیں تا کہ قرض خواہ آپ کو دیکھ کر بدزبانی نہ کریں۔ آپ ﷺ نے کھجوروں کے جو ڈھیر لگے ہوئے تھے ان میں سے ایک کے گرد چکر لگایا، پھر دعا فرمائی، پھر

---

① بنيٓ إسرآءيل 17:44. ② المعجم الأوسط للطبراني : 2/59، طبع دار الحرمين، و فتح الباري : 6/723. ③ بنيٓ إسرآءيل 17:59.

[راجع: ۲۱۲۷]

دوسرے ڈھیر پر بھی اسی طرح کیا۔ پھر آپ ایک ڈھیر پر بیٹھ گئے اور فرمایا: ''کھجوریں نکال کر انھیں دو۔'' چنانچہ تمام قرض ادا ہو گیا اور جتنا انھیں دیا اتنا ہی باقی بچ گیا۔

فائدہ: دیگر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر ؓ بھی تھے۔ جب قرض ادا ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت جابر ؓ سے کہا: جاؤ، حضرت عمر ؓ کو اس کے ادا ہونے کی خبر دے دو کیونکہ حضرت عمر ؓ اس سلسلے میں کچھ زیادہ ہی فکر مند تھے۔ جب انھیں پتہ چلا تو فرمایا: مجھے تو اس وقت ہی یقین ہو گیا تھا جب رسول اللہ ﷺ نے ڈھیروں کے گرد چکر لگایا کہ اللہ تعالیٰ ان میں ضرور برکت دے گا۔ بہرحال اس واقعے میں رسول اللہ ﷺ کا ایک بہت بڑا معجزہ ہے کہ آپ کی دعا سے ان میں اس قدر برکت ہوئی کہ قرض بھی ادا ہو گیا، پھر گھر کی گزر اوقات کے لیے کھجوریں بھی بچ گئیں۔[1]

٣٥٨١ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ عَنْ أَبِيهِ: حَدَّثَنَا أَبُو عُثْمَانَ أَنَّهُ حَدَّثَهُ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ أَصْحَابَ الصُّفَّةِ كَانُوا أُنَاسًا فُقَرَاءَ وَأَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ مَرَّةً: «مَنْ كَانَ عِنْدَهُ طَعَامُ اثْنَيْنِ فَلْيَذْهَبْ بِثَالِثٍ، وَمَنْ كَانَ عِنْدَهُ طَعَامُ أَرْبَعَةٍ فَلْيَذْهَبْ بِخَامِسٍ بِسَادِسٍ» أَوْ كَمَا قَالَ. وَأَنَّ أَبَا بَكْرٍ جَاءَ بِثَلَاثَةٍ وَانْطَلَقَ النَّبِيُّ ﷺ بِعَشَرَةٍ وَأَبُو بَكْرٍ وَثَلَاثَةً، قَالَ: فَهُوَ أَنَا وَأَبِي وَأُمِّي وَلَا أَدْرِي هَلْ قَالَ: امْرَأَتِي وَخَادِمِي، بَيْنَ بَيْتِنَا وَبَيْنَ بَيْتِ أَبِي بَكْرٍ، وَأَنَّ أَبَا بَكْرٍ تَعَشَّى عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ ثُمَّ لَبِثَ حَتَّى صَلَّى الْعِشَاءَ ثُمَّ رَجَعَ فَلَبِثَ حَتَّى تَعَشَّى رَسُولُ اللهِ ﷺ فَجَاءَ بَعْدَمَا مَضَى مِنَ اللَّيْلِ مَا شَاءَ اللهُ. قَالَتْ لَهُ امْرَأَتُهُ: مَا حَبَسَكَ مِنْ أَضْيَافِكَ - أَوْ ضَيْفِكَ -؟ قَالَ: أَوَ [مَا] عَشَّيْتِهِمْ؟ قَالَتْ: أَبَوْا حَتَّى تَجِيءَ، قَدْ عَرَضُوا عَلَيْهِمْ فَغَلَبُوهُمْ.

[3581] حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر ؓ سے روایت ہے کہ اصحاب صفہ بہت نادار اور مفلس لوگ تھے۔ نبی ﷺ نے ایک دن فرمایا: ''جس کے پاس دو آدمیوں کا کھانا ہو وہ تیسرے آدمی کو ساتھ لے جائے اور جس کے پاس چار آدمیوں کا کھانا ہو وہ پانچویں چھٹے کو ساتھ لے جائے۔'' یا اسی طرح آپ نے کچھ فرمایا۔ حضرت ابوبکر ؓ اپنے ساتھ تین مہمان لے آئے جبکہ نبی ﷺ اپنے ساتھ دس مہمانوں کو لے کر گئے۔ بہرحال حضرت ابوبکر ؓ گھر کے افراد سے تین آدمی زائد لائے تھے کیونکہ گھر میں میں، میرا باپ اور میری والدہ وغیرہ تھے۔ (راوی کہتا ہے کہ) مجھے یاد نہیں کہ اس (عبدالرحمٰن ؓ) نے بیوی بھی کہا تھا یا نہیں۔ ایک خادم جو میرے اور حضرت ابوبکر ؓ کے گھر میں کام کرتا تھا۔ حضرت ابوبکر ؓ نے شام کا کھانا نبی ﷺ کے ساتھ کھایا، پھر کچھ وقت وہاں ٹھہرے اور نماز عشاء وہیں ادا کی حتی کہ رسول اللہ ﷺ نے شام کا کھانا تناول فرمایا۔ حضرت ابوبکر ؓ جب کافی رات گزرنے کے بعد گھر تشریف لائے تو ان کی بیوی نے کہا: آپ کو مہمانوں کا خیال نہ رہا تھا، کیا

1 فتح الباري: 726/6.

بات تھی؟ (حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے) فرمایا: کیا آپ نے مہمانوں کو ابھی تک کھانا نہیں کھلایا؟ بیوی نے عرض کیا: مہمانوں نے آپ کے آنے تک کھانا کھانے سے انکار کر دیا تھا۔ ہم نے ان کے سامنے کھانا پیش کیا لیکن وہ نہیں مانے۔

قَالَ: فَذَهَبْتُ فَاخْتَبَأْتُ فَقَالَ: يَا غُنْثَرُ! فَجَدَّعَ وَسَبَّ، وَقَالَ: كُلُوا، وَقَالَ: لَا أَطْعَمُهُ أَبَدًا، قَالَ: وَايْمُ اللهِ! مَا كُنَّا نَأْخُذُ مِنَ اللُّقْمَةِ إِلَّا رَبَا مِنْ أَسْفَلِهَا أَكْثَرُ مِنْهَا، حَتَّى شَبِعُوا وَصَارَتْ أَكْثَرَ مِمَّا كَانَتْ قَبْلُ، فَنَظَرَ أَبُو بَكْرٍ فَإِذَا شَيْءٌ أَوْ أَكْثَرُ، فَقَالَ لِامْرَأَتِهِ: يَا أُخْتَ بَنِي فِرَاسٍ! قَالَتْ: لَا وَقُرَّةِ عَيْنِي، لَهِيَ الْآنَ أَكْثَرُ مِمَّا قَبْلُ بِثَلَاثِ مِرَارٍ، فَأَكَلَ مِنْهَا أَبُو بَكْرٍ وَقَالَ: إِنَّمَا كَانَ الشَّيْطَانُ، - يَعْنِي يَمِينَهُ - ثُمَّ أَكَلَ مِنْهَا لُقْمَةً، ثُمَّ حَمَلَهَا إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَأَصْبَحَتْ عِنْدَهُ وَكَانَ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمٍ عَهْدٌ، فَمَضَى الْأَجَلُ فَتَفَرَّقْنَا اثْنَا عَشَرَ رَجُلًا مَعَ كُلِّ رَجُلٍ مِنْهُمْ أُنَاسٌ - اللهُ أَعْلَمُ كَمْ مَعَ كُلِّ رَجُلٍ، غَيْرَ أَنَّهُ بَعَثَ مَعَهُمْ - قَالَ: أَكَلُوا مِنْهَا أَجْمَعُونَ، أَوْ كَمَا قَالَ. وَغَيْرُهُ يَقُولُ: فَعَرَفْنَا [مِنَ الْعِرَافَةِ]. [راجع: ٦٠٢]

عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ میں تو وہاں سے کسی دوسری جگہ چھپ گیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے (غصے میں آ کر) کہا: اے کم عقل! اور مجھے بہت برا بھلا کہا، پھر مہمانوں سے کہا: کھانا کھاؤ، میں تو اس کھانے کو کبھی نہیں کھاؤں گا۔ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: اللہ کی قسم! ہم اس کھانے سے جو لقمہ بھی اٹھاتے تھے وہ نیچے سے بڑھ کر پہلے سے زیادہ ہو جاتا تھا حتی کہ سب لوگوں نے خوب شکم سیر ہو کر کھایا لیکن کھانا پہلے سے بھی زیادہ بچ گیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بغور ملاحظہ کیا تو کھانا جوں کا توں یا پہلے سے بھی زیادہ تھا۔ انھوں نے اپنی بیوی سے کہا: بنو فراس کی بہن! یہ کیا معاملہ ہے؟ انھوں نے کہا: میری آنکھ کی ٹھنڈک! یہ تو پہلے سے تین گنا زیادہ ہے، تاہم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس سے کھایا اور فرمایا کہ ان کی وہ قسم شیطان کی طرف سے تھی۔ پھر انھوں نے دوبارہ اس میں سے کئی لقمے تناول فرمائے۔ بعد ازاں اسے اٹھا کر نبی ﷺ کی خدمت میں لے گئے جو صبح کے وقت تک آپ کے پاس رہا۔ اتفاق سے ہمارے اور لوگوں کے درمیان ایک معاہدہ تھا۔ میعاد ختم ہونے پر وہ لوگ آئے۔ ہم نے ان میں سے بارہ نمائندوں کا انتخاب کیا اور ہر نمائندے کے ساتھ کئی کئی آدمی تھے۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ ان کی تعداد کتنی تھی۔ بہرحال آپ ﷺ نے یہ کھانا ان کے پاس بھی بھیجا اور تمام لوگوں نے اس سے کھانا کھایا یا عبدالرحمٰن نے کچھ ایسا ہی کہا۔

فوائد و مسائل: ① اصحاب صفہ مسجد کے آخری حصے میں رہا کرتے تھے جو نادار لوگوں کے لیے تیار کیا گیا تھا، جن کے پاس رہنے کے لیے کوئی جگہ یا مکان نہ تھا اور ان کا دہاں اہل و عیال بھی نہ ہوتا تھا، ان میں سے کسی کی شادی ہو جانے، فوت ہو جانے یا سفر پر جانے کی صورت میں، یہ حضرات کم دبیش ہوتے رہتے تھے۔ وہ لوگوں کے مہمان تھے اور رسول اللہ ﷺ سے علمی فائدہ حاصل کرتے تھے۔ ② اس حدیث میں حضرت ابوبکر ؓ کی کرامت کا ذکر ہے مگر اولیاء کی کرامت بھی دراصل ان کے پیغمبر کا معجزہ ہوتی ہے کیونکہ رسول کی فرمانبرداری کے نتیجے میں انھیں کرامت کا اعزاز ملتا ہے۔ عنوان معجزات اور کرامات دونوں کو شامل ہے۔ بعض شارحین نے اعتراض کیا ہے کہ عنوان علامات نبوت کا ہے جبکہ اس حدیث میں حضرت ابوبکر ؓ کی کرامت کا ذکر ہے، اس لیے یہ حدیث عنوان کے مطابق نہیں، لیکن اس اعتراض کی کوئی حیثیت نہیں کیونکہ اس کھانے میں پوری برکت تو رسول اللہ ﷺ کے پاس آنے کے بعد ہوئی، اس لیے اس کھانے کو تمام لشکر نے کھایا اور سب اس سے سیر ہو گئے اگرچہ اس برکت کی ابتدا حضرت ابوبکر ؓ کے گھر سے ہوئی تھی۔ اس طرح یہ حدیث معجزہ اور کرامت دونوں پر مشتمل ہے۔

٣٥٨٢ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ، عَنْ أَنَسٍ، وَعَنْ يُونُسَ، عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: أَصَابَ أَهْلَ الْمَدِينَةِ قَحْطٌ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَبَيْنَا هُوَ يَخْطُبُ يَوْمَ جُمُعَةٍ إِذْ قَامَ رَجُلٌ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! هَلَكَتِ الْكُرَاعُ، هَلَكَتِ الشَّاءُ، فَادْعُ اللهَ يَسْقِينَا، فَمَدَّ يَدَيْهِ وَدَعَا - قَالَ أَنَسٌ: وَإِنَّ السَّمَاءَ كَمِثْلِ الزُّجَاجَةِ - فَهَاجَتْ رِيحٌ أَنْشَأَتْ سَحَابًا ثُمَّ اجْتَمَعَ، ثُمَّ أَرْسَلَتِ السَّمَاءُ عَزَالِيَهَا، فَخَرَجْنَا نَخُوضُ الْمَاءَ حَتَّى أَتَيْنَا مَنَازِلَنَا، فَلَمْ نَزَلْ نُمْطَرُ إِلَى الْجُمُعَةِ الْأُخْرَى، فَقَامَ إِلَيْهِ ذٰلِكَ الرَّجُلُ أَوْ غَيْرُهُ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! تَهَدَّمَتِ الْبُيُوتُ فَادْعُ اللهَ يَحْبِسْهُ، فَتَبَسَّمَ ثُمَّ قَالَ: «حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا»، فَنَظَرْتُ إِلَى السَّحَابِ تَصَدَّعَ حَوْلَ الْمَدِينَةِ كَأَنَّهُ إِكْلِيلٌ. [راجع: ٩٣٢]

[3582] حضرت انس سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں ایک دفعہ اہل مدینہ کو قحط سالی نے آ لیا، چنانچہ آپ جمعہ کے دن خطبہ دے رہے تھے کہ ایک آدمی نے کھڑے ہو کر عرض کی: اللہ کے رسول! گھوڑے اور بکریاں ہلاک ہو گئیں۔ آپ اللہ سے دعا کریں کہ وہ ہم پر بارش برسائے۔ آپ نے دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کی۔ حضرت انس ؓ فرماتے ہیں کہ آسمان شیشے کی طرح بالکل صاف تھا۔ اچانک ہوا چلی، بادل پیدا ہوئے، پھر وہ گھنے ہو گئے۔ اس کے بعد آسمان نے اپنا منہ کھول دیا، چنانچہ ہم پانی میں بھیگتے ہوئے باہر نکلے حتی کہ بمشکل اپنے گھروں میں آئے۔ دوسرے جمعہ تک بارش ہوئی۔ پھر وہی شخص یا کوئی دوسرا آدمی کھڑا ہوا اور عرض کرنے لگا: اللہ کے رسول! اب تو مکانات گرنے لگے ہیں، اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ بارش روک لے۔ آپ نے مسکراتے ہوئے دعا فرمائی: ''اے اللہ! یہ بارش ہمارے اردگرد ہو، ہم پر نہ ہو۔'' حضرت انس ؓ نے کہا: میں نے جو نظر اٹھائی تو دیکھا کہ اسی وقت بادل پھٹ کر مدینہ کے اردگرد ایسے ہو گیا گویا تاج ہے۔

فوائد ومسائل: ① جس شخص نے کھڑے ہوکر بارش کے لیے دعا کی درخواست کی تھی وہ خارجہ بن حصن فزاری رضی اللہ عنہ تھے۔ ② اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا عظیم معجزہ ہے کہ جب آپ نے اللہ تعالیٰ سے بارش کی دعا فرمائی تو آسمان شیشے کی طرح صاف تھا۔ بادل کا نام ونشان تک نہ تھا۔ اچانک پہاڑوں کی طرح بادل آئے، موسلا دھار بارش ہوئی اور یکسر قحط سالی کا سماں خوشحالی سے بدل گیا۔ وادیٔ قناۃ ایک مہینہ پانی سے بہتی رہی، ہر طرف سے سیرابی اور پیداوار ہونے کے پیغام آئے، پھر آپ نے آئندہ جمعہ دعا فرمائی: اے اللہ! اب مدینہ طیبہ پر نہیں بلکہ چھوٹے بڑے پہاڑوں، ٹیلوں، جنگلات اور ندیوں پر بارش برسا۔ آپ جدھر اشارہ فرماتے ادھر سے بادل چھٹ جاتا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے دعا کرنے کے بعد فوراً بارش رک گئی اور ہم دھوپ میں چلنے لگے۔[1]

٣٥٨٣ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ كَثِيرٍ أَبُو غَسَّانَ: حَدَّثَنَا أَبُو حَفْصٍ - اسْمُهُ عُمَرُ بْنُ الْعَلَاءِ أَخُو أَبِي عَمْرِو بْنِ الْعَلَاءِ - قَالَ: سَمِعْتُ نَافِعًا عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَخْطُبُ إِلَى جِذْعٍ، فَلَمَّا اتَّخَذَ الْمِنْبَرَ تَحَوَّلَ إِلَيْهِ، فَحَنَّ الْجِذْعُ، فَأَتَاهُ فَمَسَحَ يَدَهُ عَلَيْهِ.

[3583] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کھجور کے تنے کے سہارے خطبہ دیا کرتے تھے۔ جب منبر بنایا گیا تو آپ اس پر تشریف لے گئے اور تنے نے رونا شروع کر دیا۔ آپ اس کے پاس آئے اور اس پر دست شفقت پھیرا۔

وَقَالَ عَبْدُ الْحَمِيدِ: أَخْبَرَنَا عُثْمَانُ بْنُ عُمَرَ: أَخْبَرَنَا مُعَاذُ بْنُ الْعَلَاءِ عَنْ نَافِعٍ، بِهٰذَا. وَرَوَاهُ أَبُو عَاصِمٍ عَنِ ابْنِ أَبِي رَوَّادٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.

عبدالحمید نے کہا: ہمیں عثمان بن عمر نے خبر دی، انھوں نے کہا کہ ہمیں معاذ بن علاء نے نافع سے یہ بیان کیا اور ابوعاصم نے ابن ابو روّاد کے ذریعے سے، انھوں نے نافع سے، انھوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اور انھوں نے نبی ﷺ سے اس حدیث کو بیان کیا۔

٣٥٨٤ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ ابْنُ أَيْمَنَ قَالَ: سَمِعْتُ أَبِي عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَقُومُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ إِلَى شَجَرَةٍ، أَوْ نَخْلَةٍ، فَقَالَتِ امْرَأَةٌ مِّنَ الْأَنْصَارِ، أَوْ رَجُلٌ، يَا رَسُولَ اللهِ!

[3584] حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ جمعہ کے دن درخت یا کھجور کے تنے سے ٹیک لگا کر خطبہ دیا کرتے تھے۔ انصار کی ایک عورت یا مرد نے کہا: اللہ کے رسول! ہم آپ کے لیے ایک منبر نہ بنائیں؟ آپ نے فرمایا: ''ٹھیک ہے تمھاری مرضی۔'' تو انھوں نے آپ کے

[1] صحيح البخاري، الاستسقاء، حديث: 1014.

أَلَا نَجْعَلُ لَكَ مِنْبَرًا؟ قَالَ: «إِنْ شِئْتُمْ»، فَجَعَلُوا لَهُ مِنْبَرًا فَلَمَّا كَانَ يَوْمُ الْجُمُعَةِ دَفَعَ إِلَى الْمِنْبَرِ، فَصَاحَتِ النَّخْلَةُ صِيَاحَ الصَّبِيِّ، ثُمَّ نَزَلَ النَّبِيُّ ﷺ فَضَمَّهُ إِلَيْهِ، يَئِنُّ أَنِينَ الصَّبِيِّ الَّذِي يُسَكَّنُ، قَالَ: «كَانَتْ تَبْكِي عَلَى مَا كَانَتْ تَسْمَعُ مِنَ الذِّكْرِ عِنْدَهَا». [راجع: ٤٤٩]

لیے ایک منبر تیار کیا۔ پھر جب جمعے کا دن آیا تو آپ خطبہ دینے کے لیے منبر کی طرف منتقل ہو گئے اور کھجور کا تنا بچوں کی طرح سسکیاں لے کر رونے لگا۔ نبی ﷺ نے منبر سے اتر کر اسے اپنے سینے سے لگا لیا تو وہ اس بچے کی طرح ہچکیاں بھرنے لگا جسے چپ کرایا جاتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ خشک تنا اس لیے رونے لگا تھا کہ وہ اپنے پاس ذکر الٰہی سنا کرتا تھا (جو ترک ہو گیا۔)''

٣٥٨٥ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ: حَدَّثَنِي أَخِي عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ بِلَالٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي حَفْصُ بْنُ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ: أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ يَقُولُ: كَانَ الْمَسْجِدُ مَسْقُوفًا عَلَى جُذُوعٍ مِّنْ نَّخْلٍ، فَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقُومُ إِلَى جِذْعٍ مِّنْهَا، فَلَمَّا صُنِعَ لَهُ الْمِنْبَرُ فَكَانَ عَلَيْهِ، فَسَمِعْنَا لِذَٰلِكَ الْجِذْعِ صَوْتًا كَصَوْتِ الْعِشَارِ، حَتَّى جَاءَ النَّبِيُّ ﷺ فَوَضَعَ يَدَهُ عَلَيْهَا فَسَكَنَتْ. [راجع: ٤٤٩]

[3585] حضرت جابر بن عبداللہ ؓ ہی سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ مسجد کی چھت کھجور کے تنوں سے بنائی گئی تھی۔ نبی ﷺ (جب خطبہ دیتے تو) کھجور کے ایک تنے کے پاس کھڑے ہوتے تھے۔ جب آپ کے لیے منبر تیار ہو گیا اور آپ اس پر تشریف لے گئے تو ہم نے کھجور کے اس تنے کے رونے کی آواز سنی، جیسے دس ماہ کی حاملہ اونٹنی آواز نکالتی ہے حتی کہ نبی ﷺ اس کے پاس تشریف لائے اور اس پر اپنا دست شفقت رکھا تو وہ خاموش ہو گیا۔

فوائد و مسائل: ① اللہ تعالیٰ نے ہمارے رسول ﷺ کو ایسے معجزات عطا فرمائے ہیں جو پہلے کسی نبی کو نہیں دیے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اگرچہ مردوں کو زندہ کرتے تھے لیکن رسول اللہ ﷺ کا مذکورہ معجزہ ان سے بڑھ کر ہے کیونکہ خشک تنے میں تو کبھی زندگی کے آثار تھے ہی نہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے ایک خشک تنے میں جذب و اشتیاق کا جذبہ پیدا کر دیا تو صحابۂ کرام ؓ کے کیا ہی کہنے ہیں۔ انھوں نے آپ کی وفات پر جس صبر کا مظاہرہ کیا وہ قابل رشک ہے۔ ② حضرت انس ؓ سے مروی ہے کہ اس تنے کو زمین میں دفن کر دیا گیا تھا، جبکہ ایک روایت میں ہے کہ جب مسجد منہدم ہوئی تو اسے حضرت ابی بن کعب ؓ نے اپنے قبضے میں کر لیا۔[1] حافظ ابن حجر ؒ کہتے ہیں: ان روایات میں تضاد نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اسے دفن کرا دیا تھا لیکن جب مسجد کو گرا کر دوبارہ تعمیر کا پروگرام بنا تو کھدائی کے دوران میں وہ ظاہر ہو گیا، اس وقت حضرت ابی بن کعب ؓ نے اسے اپنی تحویل میں لے لیا۔[2] ③ حدیث: 3584 کے آخر میں تنے کے رونے کی جو وجہ بیان کی گئی ہے یہ راوی کا قول ہے یا رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے؟ راجح بات یہ ہے کہ یہ رسول اللہ ﷺ نے وجہ بیان فرمائی ہے جیسا کہ مسند احمد کی روایت میں

1 سنن الدارمي، باب ما أكرم النبي ﷺ بحنين المنبر، حديث: 36. 2 فتح الباري: 737/6.

صراحت ہے۔ (دیکھیے مسند احمد: 300/3)

٣٥٨٦ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ عَنْ شُعْبَةَ. وَحَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ خَالِدٍ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ سُلَيْمَانَ: سَمِعْتُ أَبَا وَائِلٍ يُحَدِّثُ عَنْ حُذَيْفَةَ: أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: أَيُّكُمْ يَحْفَظُ قَوْلَ رَسُولِ اللهِ ﷺ فِي الْفِتْنَةِ؟ فَقَالَ حُذَيْفَةُ: أَنَا أَحْفَظُ كَمَا قَالَ، قَالَ: هَاتِ إِنَّكَ لَجَرِيءٌ، قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «فِتْنَةُ الرَّجُلِ فِي أَهْلِهِ وَمَالِهِ وَجَارِهِ، تُكَفِّرُهَا الصَّلَاةُ وَالصَّدَقَةُ وَالْأَمْرُ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْيُ عَنِ الْمُنْكَرِ». قَالَ: لَيْسَتْ هٰذِهِ، وَلٰكِنِ الَّتِي تَمُوجُ كَمَوْجِ الْبَحْرِ، قَالَ: يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ! لَا بَأْسَ عَلَيْكَ مِنْهَا، إِنَّ بَيْنَكَ وَبَيْنَهَا بَابًا مُغْلَقًا. قَالَ: يُفْتَحُ الْبَابُ أَوْ يُكْسَرُ؟ قَالَ: لَا، بَلْ يُكْسَرُ، قَالَ: ذَاكَ أَحْرٰى أَنْ لَّا يُغْلَقَ، قُلْنَا: عَلِمَ عُمَرُ الْبَابَ؟ قَالَ: نَعَمْ، كَمَا أَنَّ دُونَ غَدٍ اللَّيْلَةَ، إِنِّي حَدَّثْتُهُ حَدِيثًا لَّيْسَ بِالْأَغَالِيطِ، فَهِبْنَا أَنْ نَّسْأَلَهُ، وَأَمَرْنَا مَسْرُوقًا فَسَأَلَهُ فَقَالَ: مَنِ الْبَابُ؟ قَالَ: عُمَرُ. [راجع: ٥٢٥]

[3586] حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم میں سے کون ہے جسے فتنے کے متعلق رسول اللہ ﷺ کا ارشاد یاد ہو؟ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: مجھے اسی طرح یاد ہے جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: واقعی تم بڑے دلیر معلوم ہوتے ہو، اسے بیان کرو۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ایک آزمائش تو انسان کی اس کے مال ومتاع میں، اس کے اہل وعیال میں اور اپنے پڑوس میں ہوتی ہے جس کا کفارہ نماز، صدقہ و خیرات، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرا سوال اس سے متعلق نہیں۔ ہاں، اس فتنے کی نشاندہی کرو جو سمندر کی موجوں کی طرح موجزن ہو گا۔ انھوں نے کہا: اے امیر المومنین! آپ کو اس فتنے سے کوئی خطرہ نہیں کیونکہ آپ کے اور اس فتنے کے درمیان ایک بند دروازہ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وہ دروازہ کھولا جائے گا یا اسے توڑا جائے گا؟ انھوں نے عرض کیا: نہیں بلکہ اسے توڑا جائے گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: پھر وہ اس لائق ہے کہ کبھی بند نہ ہو۔ ہم نے حضرت حذیفہ سے کہا: کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس دروازے کو جانتے تھے؟ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں، انھیں ایسے علم تھا جیسے کل سے پہلے آنے والی رات کا یقین ہوتا ہے۔ میں نے انھیں حدیث بیان کی ہے یہ کوئی پہیلی نہیں۔ (راوی کہتا ہے کہ) ہمیں اس کے متعلق حضرت حذیفہ سے سوال کرنے میں ڈر محسوس ہوا تو ہم نے حضرت مسروق سے کہا کہ تم سوال کرو، چنانچہ انھوں نے سوال کیا کہ وہ دروازہ کون ہے؟ انھوں نے فرمایا کہ وہ خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے امام بخاری رحمہ اللہ نے رسول اللہ ﷺ کی پیش گوئیوں کا آغاز کیا ہے۔ ② حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے اکثر فتنوں کے متعلق سوال کیا کرتے تھے تاکہ ان سے محفوظ رہا جا سکے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں انھیں رسول اللہ ﷺ کا راز دان کہا جاتا تھا۔ انھوں نے اپنے گمان یا اندازے سے نہیں بلکہ رسول اللہ ﷺ کی پیش گوئی سے معلوم کیا تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب تک زندہ رہیں گے مسلمانوں میں کسی قسم کا فتنہ وفساد رونما نہیں ہوگا۔ ان کے بعد فتنوں کا دروازہ چوپٹ کھل جائے گا۔ واقعی رسول اللہ ﷺ کی پیش گوئی پوری ہوئی۔ اس وقت سے امت مسلمہ تنزلی کا شکار ہے۔ بہرحال رسول اللہ ﷺ نے آنے والے حالات کی خبریں دی ہیں جو بعینہٖ پوری ہوئیں، یہ بھی آپ کا معجزہ اور نبوت کی دلیل ہے۔ ③ اہل وعیال کے فتنے سے مراد ہے کہ انسان ان کی محبت میں گرفتار ہو کر اللہ کی یاد سے غافل ہو جاتا ہے اور ہمسائے کا فتنہ یہ ہے کہ انسان اپنے ہمسایوں سے بغض وحسد رکھتا ہے یا ان پر فخر ومباہات کرتا ہے یا ان کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کرتا ہے۔ حدیث میں گھر، مال اور ہمسائے کا ذکر ہے اور ان فتنوں کا کفارہ بھی تین چیزیں ہیں، چنانچہ نماز اور روزہ فعلی عبادت ہے، صدقہ وخیرات مالی عبادت ہے اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر قولی عبادت ہے۔ یہ تینوں قسم کی عبادات بالترتیب تینوں قسم کی کوتاہیوں کا کفارہ ہیں۔[1]

٣٥٨٧ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ: حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ [رَضِيَ اللهُ عَنْهُ] عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتّٰى تُقَاتِلُوا قَوْمًا نِعَالُهُمُ الشَّعَرُ، وَحَتّٰى تُقَاتِلُوا التُّرْكَ صِغَارَ الْأَعْيُنِ، حُمْرَ الْوُجُوهِ، ذُلْفَ الْأُنُوفِ، كَأَنَّ وُجُوهَهُمُ الْمَجَانُّ الْمُطْرَقَةُ». [راجع: ٢٩٢٨]

[3587] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: "قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ تم ایسی قوم سے جنگ کرو گے جن کی جوتیاں بالوں سے بنی ہوئی ہوں گی۔ اور تم ترکوں سے جنگ کرو گے جن کی آنکھیں چھوٹی چھوٹی، چہرے سرخ اور ناک چپٹی ہوگی۔ گویا ان کے چہرے چمڑے چڑھی ڈھالوں کی طرح چوڑے اور تہ بہ تہ ہیں۔"

فوائد و مسائل: ① ان احادیث میں چار اشیاء کا ذکر ہے: ایک ترکوں سے جنگ کرنا، دوم امر خلافت سے کراہت کرنا، سوم لوگ کانوں کی طرح ہیں اور چہارم آپ کے دیدار کی عظمت وشرافت، یعنی ان میں مستقبل میں ہونے والے واقعات کی خبر دینا ہے جسے ہم پیش گوئی سے تعبیر کرتے ہیں۔ ان میں کچھ تو واقع ہو چکے ہیں اور کچھ آئندہ وقوع پذیر ہونے والے ہیں۔ ② جہاں تک رسول اللہ ﷺ کے دیدار کا تعلق ہے تو یہ آپ کا معجزہ ہی شمار ہوگا کہ ادنیٰ مسلمان بھی رسول اللہ ﷺ کے رخ انور کی جھلک دیکھنے کے لیے بے چین وبے قرار ہے۔ مال ودولت کیا چیز ہے ہزار جانیں بھی آپ پر قربان کر دینا باعث فخر وسعادت ہے۔

ہر دو عالم قیمت خود گفتہ　　نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں قیامت کے دن رسول اللہ ﷺ کے دیدار سے شرف یاب کرے اور ہمیں آپ کے جھنڈے تلے جمع کرے۔ ہمیں امید ہے کہ حدیث نبوی کی اس حقیر خدمت کی بدولت اللہ تعالیٰ ہمیں مایوس نہیں فرمائے گا۔

---

(1) فتح الباري: 739/6.

٣٥٨٨ - «وَتَجِدُونَ مِنْ خَيْرِ النَّاسِ أَشَدَّهُمْ كَرَاهِيَةً لِهٰذَا الْأَمْرِ حَتّٰى يَقَعَ فِيهِ، وَالنَّاسُ مَعَادِنُ: خِيَارُهُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ خِيَارُهُمْ فِي الْإِسْلَامِ». [راجع: ٣٤٩٣]

[3588] (نیز آپ نے فرمایا:) ''اور تم (حکومت کے لیے) سب سے اچھا وہ شخص پاؤ گے جو اس امر حکومت (منصب حکومت) سے سخت کراہت کرنے والا ہوگا یہاں تک کہ اسے مجبور کر دیا جائے گا۔ لوگ، کانوں کی طرح ہیں۔ ان میں سے جو زمانۂ جاہلیت میں اچھے تھے وہ اسلام لانے کے بعد بھی اچھے ہیں۔''

٣٥٨٩ - «وَلَيَأْتِيَنَّ عَلٰى أَحَدِكُمْ زَمَانٌ لَأَنْ يَرَانِي أَحَبُّ إِلَيْهِ مِنْ أَنْ يَكُونَ لَهُ مِثْلُ أَهْلِهِ وَمَالِهِ».

[3589] (نیز آپ نے فرمایا:) ''تم لوگوں پر ایسا زمانہ بھی آنے والا ہے کہ صرف میرا ایک مرتبہ کا دیدار آدمی کو اپنے اہل وعیال اور مال واسباب سے بھی زیادہ محبوب ہوگا۔''

٣٥٩٠ - حَدَّثَنَا يَحْيٰى: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ، عَنْ هَمَّامٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتّٰى تُقَاتِلُوا خُوزًا وَكِرْمَانَ مِنَ الْأَعَاجِمِ، حُمْرَ الْوُجُوهِ، فُطْسَ الْأُنُوفِ، صِغَارَ الْأَعْيُنِ، كَأَنَّ وُجُوهَهُمُ الْمَجَانُّ الْمُطْرَقَةُ، نِعَالُهُمُ الشَّعَرُ».

تَابَعَهُ غَيْرُهُ عَنْ عَبْدِ الرَّزَّاقِ. [راجع: ٢٩٢٨]

[3590] حضرت ابو ہریرہ ؓ ہی سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ عجم کے شہروں میں سے خوز اور کرمان پر تم حملہ آور ہوگے۔ وہاں کے باشندوں کے چہرے سرخ، ناک چپٹی اور آنکھیں چھوٹی چھوٹی ہوں گی۔ گویا ان کے چہرے تہ بہ تہ تیار شدہ ڈھالوں کی طرح ہیں، نیز ان کے جوتے بالوں سے بنے ہوئے ہوں گے۔''

اس حدیث کو یحییٰ کے علاوہ دوسروں نے بھی عبدالرزاق سے بیان کیا ہے۔

فوائد ومسائل: ① خوز، بلاد اہواز، تستر اور کرمان یہ سب خراسان اور بحر ہند کے علاقے ہیں جو خراسان اور سجستان کے درمیان واقع ہیں۔ ② اس حدیث میں اشکال ہے کہ ان علاقوں کے باشندے مذکورہ صفات کے حامل نہیں ہیں لیکن ممکن ہے کہ قیامت کے قریب ایسی صفات والے ہو جائیں، نیز یہ صفات ترک قوم کی ہیں جو ان علاقوں کے رہنے والے نہیں ہیں؟ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ مذکورہ اوصاف کی حامل قوم ترکوں سے ان اوصاف میں ملتے جلتے ہوں گے کیونکہ ایک وصف میں کئی قسم کے لوگ شریک ہو سکتے ہیں اگرچہ ان کی اجناس مختلف ہوں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ترک قوم کی دو قسمیں مراد ہوں، ایک کی اصل خوز میں اور دوسرے کی کرمان میں ہو۔ بہرحال مقامات کی تعیین سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ترک کے علاوہ کسی قوم کے اوصاف ہیں کیونکہ خوز اور کرمان ترک اقوام کے علاقے نہیں ہیں۔ واللہ أعلم.

٣٥٩١ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا

[3591] حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے، انھوں

سُفْيَانُ قَالَ: قَالَ إِسْمَاعِيلُ: أَخْبَرَنِي قَيْسٌ قَالَ: أَتَيْنَا أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فَقَالَ: صَحِبْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ ثَلَاثَ سِنِينَ، لَمْ أَكُنْ فِي سِنِيَّ أَحْرَصَ عَلَى أَنْ أَعِيَ الْحَدِيثَ مِنِّي فِيهِنَّ، سَمِعْتُهُ يَقُولُ - وَقَالَ هٰكَذَا بِيَدِهِ -: «بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ تُقَاتِلُونَ قَوْمًا نِعَالُهُمُ الشَّعَرُ»، وَهُوَ هٰذَا الْبَارِزُ.

نے فرمایا کہ میں رسول اللہ ﷺ کی صحبت میں تین سال رہا ہوں۔ اپنی پوری عمر میں مجھے حدیث یاد کرنے کا اتنا شوق کبھی نہیں ہوا جتنا ان تین سالوں میں تھا۔ میں نے ایک مرتبہ آپ ﷺ کو اپنے ہاتھ سے یوں اشارہ کر کے فرماتے ہوئے سنا: ”قیامت کے قریب تم لوگ ایک ایسی قوم سے جنگ کرو گے جن کے جوتے بالوں کے ہوں گے۔“ (حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:) اس سے مراد کرد ہیں۔

وَقَالَ سُفْيَانُ مَرَّةً: وَهُمْ أَهْلُ الْبَازَرِ. [راجع: ٢٩٢٨]

(راویٔ حدیث) سفیان نے ایک مرتبہ یوں بیان کیا کہ وہ اہل بازر، یعنی ایرانی یا کردی ہیں۔

فوائد و مسائل: ① حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے دربار رسالت میں مدتِ اقامت تین سال بیان کی ہے، حالانکہ آپ چار سال رہے ہیں کیونکہ غزوۂ خیبر کے موقع پر آپ تشریف لائے جو صفر سات ہجری میں ہوا اور رسول اللہ ﷺ ربیع الاول گیارہ ہجری میں فوت ہوئے۔ شاید حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس مدت کو شمار کیا ہے جس میں وہ اس مبارک مجلس کی سختی سے پابندی کرتے تھے اور اس مدت کو شامل نہیں کیا جب رسول اللہ ﷺ کسی غزوے یا حج و عمرے کے سفر میں ہوتے تھے کیونکہ ان ایام میں وہ پابندی نہ ہوتی تھی۔ ② اس حدیث کے آخر میں لفظ بارز آیا ہے۔ اس کے کئی ایک معنی ہیں: ○ جو لوگ مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لیے نمایاں طور پر حصہ لیں گے۔ ○ اس سے مراد فارس کی زمین ہے، فا کو با سے اور سین کو زا سے بدل دیا گیا ہے۔ ○ وہ لوگ مراد ہیں جو جنگلات اور پہاڑوں میں رہنے والے ہوں گے کیونکہ یہ مقامات زمین سے ابھرے ہوئے ہیں۔ بعض لوگوں نے اسے بازر، یعنی زا کو پہلے اور را کو بعد میں پڑھا ہے۔ عجم اور ترک زبان میں بازار کو بازر کہا جاتا ہے۔ صحیح لفظ بارز ہی ہے۔ ③ اس قوم سے مراد کرد، دیلم اور اہل فارس ہیں۔ انھوں نے مسلمانوں کو بہت نقصان پہنچایا۔ ہلاکو اور چنگیز خان کے ہاتھوں ہونے والی تباہی تاریخ کا ایک حصہ ہے۔[1] واللّٰہ أعلم.

٣٥٩٢ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ: حَدَّثَنَا جَرِيرُ بْنُ حَازِمٍ: سَمِعْتُ الْحَسَنَ يَقُولُ: حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ تَغْلِبَ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ تُقَاتِلُونَ قَوْمًا يَنْتَعِلُونَ الشَّعَرَ، وَتُقَاتِلُونَ قَوْمًا كَأَنَّ وُجُوهَهُمُ الْمَجَانُّ الْمُطْرَقَةُ». [راجع: ٢٩٢٧]

[3592] حضرت عمرو بن تغلب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ”تم قیامت سے پہلے ایسے لوگوں سے جنگ کرو گے جو بالوں کی جوتیاں پہنیں گے۔ اور تم ایسی قوم سے قتال کرو گے جن کے چہرے گویا کوئی ہوئی تہ بہ تہ ڈھالیں ہیں۔“

---

1 فتح الباري: 745/6.

فائدہ: اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کی ایک پیش گوئی کا ذکر ہے جیسا کہ قبل ازیں احادیث کے فوائد میں اس کی وضاحت ہو چکی ہے۔ یہ پیش گوئی دو قوموں سے متعلق ہے۔ ان میں ایک ترک ہیں۔ اس کی تفصیل حدیث: 2927 کے تحت بیان ہو چکی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب الجہاد میں اس حدیث پر ''ترکوں سے لڑائی'' کا عنوان قائم کیا ہے۔ واللہ المستعان.

٣٥٩٣ - حَدَّثَنَا الْحَكَمُ بْنُ نَافِعٍ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللهِ، أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «تُقَاتِلُكُمُ الْيَهُودُ، فَتُسَلَّطُونَ عَلَيْهِمْ، حَتَّى يَقُولَ الْحَجَرُ: يَا مُسْلِمُ! هٰذَا يَهُودِيٌّ وَّرَائِي فَاقْتُلْهُ».

[3593] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''تم سے یہودی جنگ کریں گے اور تم اس جنگ میں ان پر غالب آ جاؤ گے یہاں تک کہ پتھر بول کر کہے گا: اے مسلمان! یہ یہودی میری آڑ میں چھپا ہوا ہے آؤ اور اسے قتل کرو۔''

فوائد و مسائل: ① مسند امام احمد میں اس حدیث کی تفصیل بیان ہوئی ہے کہ مسیح الدجال، مدینہ طیبہ سے باہر ایک شور یلی زمین میں پڑاؤ کرے گا۔ وہاں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس پر مسلط کرے گا حتی کہ وہاں اس کے پیروکار قتل ہو جائیں گے۔ یہودی پتھروں اور درختوں کی اوٹ میں چھپتے پھریں گے۔ اس وقت درخت اور پتھر بول کر کہیں گے: اے مسلمان! میرے پیچھے یہودی چھپا بیٹھا ہے اسے قتل کرو۔[1] سنن ابن ماجہ میں ان الفاظ کا اضافہ ہے: دجال کے ساتھ اس وقت ستر ہزار یہودی ہوں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ''باب لد'' کے پاس دجال کو قتل کریں گے، اس طرح یہودیوں کو سخت ہزیمت کا سامنا کرنا پڑے گا۔[2] ② اس میں رسول اللہ ﷺ کی ایک پیش گوئی کا بیان ہے جو قرب قیامت پوری ہوگی۔

٣٥٩٤ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرٍو، عَنْ جَابِرٍ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «يَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ يَغْزُونَ فَيُقَالُ: فِيكُمْ مَّنْ صَحِبَ الرَّسُولَ ﷺ؟ فَيَقُولُونَ: نَعَمْ، فَيُفْتَحُ عَلَيْهِمْ، ثُمَّ يَغْزُونَ فَيُقَالُ لَهُمْ: هَلْ فِيكُمْ مَّنْ صَحِبَ مَنْ صَحِبَ الرَّسُولَ ﷺ؟ فَيَقُولُونَ: نَعَمْ، فَيُفْتَحُ لَهُمْ».

[راجع: ٢٨٩٧]

[3594] حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''لوگوں پر ایک وقت آئے گا کہ وہ جنگ کریں گے تو ان سے پوچھا جائے گا: کیا فوج میں کوئی ایسے بزرگ بھی ہیں جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کی صحبت اٹھا رکھی ہو؟ لوگ کہیں گے: ہاں، (موجود ہیں) تو انھیں (ان کی دعاؤں سے) فتح ہوگی۔ وہ پھر جہاد کریں گے تو ان سے پوچھا جائے گا: کیا فوج میں کوئی ایسے آدمی ہیں جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کے صحابہ

① مسند أحمد: 2/67. ② سنن ابن ماجه، الفتن، حديث: 4077.

کرام ؓ کی صحبت اختیار کیے رکھی ہو؟ وہ کہیں گے: جی ہاں، (موجود ہیں) تو انھیں فتح نصیب ہوگی۔"

فائدہ: ایک روایت میں مزید وضاحت ہے: "پھر جہاد کے موقع پر پوچھا جائے گا: کیا فوج میں کوئی ایسا شخص ہے جس نے تابعین کی صحبت اٹھائی ہو؟ جواب دیا جائے گا "ہاں" تو انھیں بھی فتح نصیب ہوگی۔"[1] ایک دوسری حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "سب سے بہتر زمانہ میرا ہے، پھر اس کے بعد آنے والا، پھر اس کے بعد آنے والا۔"[2] مطلب یہ ہے کہ صحابۂ کرام ؓ، تابعین عظام اور تبع تابعین میں خیر و برکت ہوگی، اس کے بعد زوال شروع ہو جائے گا۔[3] بعض روایات میں چوتھے طبقے کا بھی ذکر ہے مگر وہ روایات معیار محدثین پر پوری نہیں اترتیں۔ بہر حال اصل تین طبقے ہیں: صحابۂ کرام ؓ، تابعین عظام اور تبع تابعین ؒ، اس کے بعد جھوٹ پھیل جائے گا۔ واللہ أعلم.

٣٥٩٥ - حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْحَكَمِ: أَخْبَرَنَا النَّضْرُ: أَخْبَرَنَا إِسْرَائِيلُ: أَخْبَرَنَا سَعْدٌ الطَّائِيُّ: أَخْبَرَنَا مُحِلُّ بْنُ خَلِيفَةَ عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ قَالَ: بَيْنَا أَنَا عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ إِذْ أَتَاهُ رَجُلٌ فَشَكَا إِلَيْهِ الْفَاقَةَ، ثُمَّ أَتَاهُ آخَرُ فَشَكَا إِلَيْهِ قَطْعَ السَّبِيلِ، فَقَالَ: «يَا عَدِيُّ! هَلْ رَأَيْتَ الْحِيرَةَ؟» قُلْتُ: لَمْ أَرَهَا، وَقَدْ أُنْبِئْتُ عَنْهَا، قَالَ: «فَإِنْ طَالَتْ بِكَ حَيَاةٌ لَتَرَيَنَّ الظَّعِينَةَ تَرْتَحِلُ مِنَ الْحِيرَةِ حَتَّى تَطُوفَ بِالْكَعْبَةِ لَا تَخَافُ أَحَدًا إِلَّا اللهَ»، قُلْتُ فِيمَا بَيْنِي وَبَيْنَ نَفْسِي: فَأَيْنَ دُعَّارُ طَيِّئٍ الَّذِينَ قَدْ سَعَّرُوا الْبِلَادَ، «وَلَئِنْ طَالَتْ بِكَ حَيَاةٌ لَتُفْتَحَنَّ كُنُوزُ كِسْرَى»، قُلْتُ: كِسْرَى ابْنِ هُرْمُزَ؟ قَالَ: «كِسْرَى بْنُ هُرْمُزَ، وَلَئِنْ طَالَتْ بِكَ حَيَاةٌ لَتَرَيَنَّ الرَّجُلَ يُخْرِجُ مِلْءَ كَفِّهِ مِنْ ذَهَبٍ أَوْ فِضَّةٍ يَطْلُبُ مَنْ يَقْبَلُهُ مِنْهُ فَلَا يَجِدُ أَحَدًا يَقْبَلُهُ مِنْهُ، وَلَيَلْقَيَنَّ اللهَ أَحَدُكُمْ يَوْمَ يَلْقَاهُ، وَلَيْسَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهُ تَرْجُمَانٌ يُتَرْجِمُ لَهُ،

[3595] حضرت عدی بن حاتم ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ ایک دفعہ میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک شخص آیا اور اس نے آپ ﷺ کے پاس فقر و فاقہ کی شکایت کی۔ پھر ایک دوسرا آدمی آیا تو اس نے ڈاکہ زنی کا شکوہ کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "اے عدی! تم نے حیرہ شہر دیکھا ہے؟" میں نے کہا: دیکھا تو نہیں، البتہ اس کا نام ضرور سنا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "اگر تمھاری زندگی کچھ اور لمبی ہوئی تو تم دیکھو گے کہ ایک عورت حیرہ شہر سے روانہ ہوگی، بیت اللہ کا طواف کرے گی، اسے اللہ کے سوا کسی کا بھی خوف نہیں ہوگا۔" میں نے دل میں خیال کیا کہ قبیلۂ طی کے ڈاکو کہاں چلے جائیں گے جنھوں نے تمام شہروں میں آگ لگا رکھی ہے؟ (رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:) "اگر تم کچھ اور دنوں تک زندہ رہے تو تم کسریٰ کے خزانے فتح کرو گے۔" میں نے عرض کیا: کسریٰ بن ہرمز کے (خزانے)؟ آپ نے فرمایا: "ہاں، کسریٰ بن ہرمز کے (خزانے)۔ اگر تیری زندگی دراز ہوئی تو تم یہ بھی دیکھو گے کہ ایک شخص اپنے ہاتھ میں سونا چاندی بھر کر نکلے گا۔ اسے

[1] صحيح البخاري، الجهاد، حديث: 2897. [2] صحيح البخاري، الشهادات، حديث: 2651. [3] فتح الباري: 6/109.

فَيَقُولَنَّ: أَلَمْ أَبْعَثْ إِلَيْكَ رَسُولًا فَيُبَلِّغَكَ؟ فَيَقُولُ: بَلٰى، فَيَقُولُ: أَلَمْ أُعْطِكَ مَالًا وَأُفْضِلْ عَلَيْكَ؟ فَيَقُولُ: بَلٰى، فَيَنْظُرُ عَنْ يَمِينِهِ فَلَا يَرٰى إِلَّا جَهَنَّمَ، وَيَنْظُرُ عَنْ يَسَارِهِ فَلَا يَرٰى إِلَّا جَهَنَّمَ»، قَالَ عَدِيٌّ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: «اتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ، فَمَنْ لَمْ يَجِدْ شِقَّ تَمْرَةٍ فَبِكَلِمَةٍ طَيِّبَةٍ».

کسی ایسے شخص کی تلاش ہوگی جو اسے قبول کرے لیکن اسے کوئی ایسا شخص نہیں ملے گا جو اسے قبول کرے۔ تم میں سے ہر آدمی اللہ تعالیٰ سے ایسی حالت میں ملاقات کرے گا کہ اللہ اور اس کے درمیان کوئی ترجمان نہیں ہوگا جو ترجمانی کے فرائض سرانجام دے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا میں نے تمھارے پاس رسول نہیں بھیجا تھا جس نے تمھیں میرے احکام پہنچائے ہوں؟ وہ عرض کرے گا: بے شک تو نے بھیجا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا میں نے تجھے مال و دولت سے نہیں نوازا تھا؟ کیا میں نے تجھے اس کے ذریعے سے برتری نہیں دی تھی؟ وہ عرض کرے گا: کیونکہ نہیں، سب کچھ دیا تھا۔ پھر وہ اپنی دائیں طرف دیکھے گا تو اسے جہنم کے علاوہ اور کچھ نظر نہیں آئے گا۔ پھر وہ بائیں جانب نظر کرے گا تو ادھر بھی دوزخ کے علاوہ اور کچھ نظر نہیں آئے گا۔'' حضرت عدی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''جہنم کی آگ سے بچو اگرچہ کھجور کے ایک ٹکڑے کے ذریعے سے ہی کیوں نہ ہو اور جو کوئی کھجور کا ٹکڑا نہ پائے تو وہ لوگوں سے اچھی بات کہہ کر جہنم سے بچے۔''

قَالَ عَدِيٌّ: فَرَأَيْتُ الظَّعِينَةَ تَرْتَحِلُ مِنَ الْحِيرَةِ حَتّٰى تَطُوفَ بِالْكَعْبَةِ لَا تَخَافُ إِلَّا اللهَ، وَكُنْتُ فِيمَنِ افْتَتَحَ كُنُوزَ كِسْرَى بْنِ هُرْمُزَ، وَلَئِنْ طَالَتْ بِكُمْ حَيَاةٌ لَتَرَوُنَّ مَا قَالَ النَّبِيُّ أَبُو الْقَاسِمِ ﷺ: «يُخْرِجُ مِلْءَ كَفِّهِ». [راجع: ١٤١٣]

حضرت عدی بیان کرتے ہیں کہ میں نے ہودج میں بیٹھی ہوئی ایک عورت کو دیکھا کہ وہ حیرہ شہر سے روانہ ہوئی اور اس نے کعبے کا طواف کیا اور اسے اللہ کے سوا کسی کا خوف نہیں تھا۔ اور میں مجاہدین کی اس جماعت میں شریک تھا جنھوں نے کسریٰ بن ہرمز کے خزانے فتح کیے۔ اور اگر تمھاری عمر لمبی ہوئی تو تم بچشم خود دیکھو گے جو نبی مکرم ابوالقاسم ﷺ نے فرمایا تھا: ''ایک شخص اپنے ہاتھ میں سونا چاندی بھر کر نکلے گا (لیکن اسے قبول کرنے والا نہیں ملے گا)۔''

حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ:

ایک روایت کے مطابق محل بن خلیفہ کہتے ہیں کہ میں

حَدَّثَنَا سَعْدَانُ بْنُ بِشْرٍ: حَدَّثَنَا أَبُو مُجَاهِدٍ: حَدَّثَنَا مُحِلُّ بْنُ خَلِيفَةَ: سَمِعْتُ عَدِيًّا: كُنْتُ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ.

نے حضرت عدی بن حاتم سے سنا، انھوں نے فرمایا کہ میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا (پھر وہی حدیث بیان کی جو پہلے ذکر ہو چکی ہے)۔

فوائد و مسائل: ① کسریٰ شاہ ایران کا لقب ہوتا تھا۔ اس کا نام دوسری مرتبہ اس لیے دہرایا گیا کہ حضرت عدی رضی اللہ عنہ کے دل میں شاہ ایران کی عظمت بہت زیادہ تھی کہ اس جیسی سپر طاقت کو فتح کرنا کوئی آسان کام نہیں، شاید کوئی اور کسریٰ مراد ہو، اس لیے انھوں نے دوبارہ سوال کر کے اس کی توثیق کرائی، چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی یہ پیش گوئی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور حکومت میں پوری ہوئی۔ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ اس لشکر میں شامل تھے جنھوں نے اس وقت ایران کو فتح کیا اور ہزار سال سے سلگنے والے آتش کدہ کو بھسم کیا۔ ② یہ غیب کی خبر تھی جو علامات نبوت میں سے ہے۔ ③ اسی طرح حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے دورِ خلافت میں مال و دولت کی بہت زیادہ فراوانی تھی۔ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے اس قدر مال و دولت سے نواز دیا تھا کہ کوئی زکاۃ وصول کرنے والا نہیں ملتا تھا۔ ④ واضح رہے کہ حیرہ شہر کوفے کے پاس تھا اور عرب کے ان بادشاہوں کا پایۂ تخت تھا جو ایران کے ماتحت تھے۔ ⑤ آخر میں محل بن خلیفہ کا حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت کرنے کے لیے اس حدیث کا دوسرا طریق بیان کیا ہے۔

٣٥٩٦ - حَدَّثَنِي سَعِيدُ بْنُ شُرَحْبِيلَ: حَدَّثَنَا لَيْثٌ عَنْ يَزِيدَ، عَنْ أَبِي الْخَيْرِ، عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: خَرَجَ يَوْمًا فَصَلَّى عَلَى أَهْلِ أُحُدٍ صَلَاتَهُ عَلَى الْمَيِّتِ، ثُمَّ انْصَرَفَ إِلَى الْمِنْبَرِ فَقَالَ: «إِنِّي فَرَطُكُمْ، وَأَنَا شَهِيدٌ عَلَيْكُمْ، إِنِّي وَاللهِ لَأَنْظُرُ إِلَى حَوْضِي الْآنَ، وَإِنِّي قَدْ أُعْطِيتُ خَزَائِنَ مَفَاتِيحِ الْأَرْضِ، وَإِنِّي وَاللهِ مَا أَخَافُ بَعْدِي أَنْ تُشْرِكُوا، وَلٰكِنْ أَخَافُ أَنْ تَنَافَسُوا فِيهَا». [راجع: ١٣٤٤]

[3596] حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ ایک دن آپ باہر تشریف لائے اور شہدائے اُحد پر ایسے نماز پڑھی جیسے فوت شدگان کی نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے۔ پھر آپ منبر پر تشریف لا کر فرمانے لگے: ”میں تمھارا امیر کارواں اور منتظم بن کر جا رہا ہوں اور میں تم پر گواہ بنوں گا۔ اللہ کی قسم! میں اپنے حوض کو اب بھی دیکھ رہا ہوں۔ مجھے روئے زمین کے خزانوں کی کنجیاں دی گئی ہیں۔ اللہ کی قسم! مجھے اپنے بعد تمھارے شرک کا ڈر نہیں لیکن یہ اندیشہ ضرور ہے کہ مبادا دنیاداری میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرنے لگو۔“

فائدہ: اس حدیث میں دو قسم کی پیش گوئیوں کا ذکر ہے: ایک تو خزانوں اور دولت کی فراوانی۔ واقعی مسلمانوں کو اس سلسلے میں بہت عروج ملا۔ دوسرے مسلمانوں کا باہمی حسد و رقابت۔ آپ کی یہ پیش گوئی بھی حرف بہ حرف پوری ہوئی۔ تاریخ بتاتی ہے کہ مسلمانوں کو خود اپنوں ہی کے ہاتھوں جو تکلیفیں ہوئیں وہ غیروں کے ہاتھوں سے نہیں ہوئیں۔ مسلمانوں کے لیے غیروں کی شرارتوں، ریشہ دوانیوں اور برے منصوبوں کے پیچھے بھی غدار مسلمانوں کا ہاتھ رہا ہے۔ اس کی داستان بہت طویل ہے۔ اس سلسلے

میں قارئین کو تاریخ کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ واللہ المستعان.

٣٥٩٧ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ: حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ أُسَامَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: أَشْرَفَ النَّبِيُّ ﷺ عَلَى أُطُمٍ مِّنَ الْآطَامِ فَقَالَ: «هَلْ تَرَوْنَ مَا أَرَى؟ إِنِّي أَرَى الْفِتَنَ تَقَعُ خِلَالَ بُيُوتِكُمْ مَوَاقِعَ الْقَطْرِ». [راجع: ١٨٧٨]

[3597] حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے مدینہ طیبہ کے محلات میں سے ایک اونچے محل پر چڑھ کر فرمایا: ''کیا تم وہ دیکھ رہے ہو جو میں دیکھ رہا ہوں؟ میں تمھارے گھروں میں فتنوں کو ایسے گرتے دیکھ رہا ہوں جیسے بارش کی بوندیں گرا کرتی ہیں۔''

فوائد و مسائل: ① جو قلعہ پتھروں سے بنایا جائے اسے أطم کہتے ہیں جس کی جمع آطام ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فتنوں کی کثرت کو بارش کی بوندوں سے تشبیہ دی، یعنی تمھارے گھروں میں فتنے اس طرح برپا ہوں گے جیسے موسلا دھار بارش برستی ہے۔ یہ فتنے سب لوگوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیں گے اور کوئی بھی ان سے محفوظ نہیں رہے گا، چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مظلومانہ شہادت کے بعد فتنے برپا ہوئے، مثلاً: حرہ کا واقعہ یا مدینے کی دوسری جنگیں۔ ان فتنوں نے ایسی تباہی مچائی کہ آج تک ان کے تباہ کن اثرات بدباقی ہیں۔ ② اس حدیث سے ان جنگوں کی طرف اشارہ ہے جو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان برپا ہوئیں۔ واللہ أعلم.

٣٥٩٨ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: حَدَّثَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ: أَنَّ زَيْنَبَ ابْنَةَ أَبِي سَلَمَةَ حَدَّثَتْهُ: أَنَّ أُمَّ حَبِيبَةَ بِنْتَ أَبِي سُفْيَانَ حَدَّثَتْهَا عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ دَخَلَ عَلَيْهَا فَزِعًا يَقُولُ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ، وَيْلٌ لِّلْعَرَبِ مِنْ شَرٍّ قَدِ اقْتَرَبَ، فُتِحَ الْيَوْمَ مِنْ رَّدْمِ يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ مِثْلُ هٰذَا» وَحَلَّقَ بِإِصْبَعِهِ وَبِالَّتِي تَلِيهَا، فَقَالَتْ زَيْنَبُ: فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! أَنَهْلِكُ وَفِينَا الصَّالِحُونَ؟ قَالَ: «نَعَمْ، إِذَا كَثُرَ الْخَبَثُ». [راجع: ٣٣٤٦]

[3598] حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ (ایک دن) نبی ﷺ ان کے ہاں گھبرائے ہوئے تشریف لائے اور آپ نے فرمایا: ''لا الہ الا اللہ، عربوں کی اس برائی سے ہلاکت ہوگی جو بالکل قریب آ گئی ہے۔ آج کے روز یاجوج و ماجوج کی دیوار میں اس قدر سوراخ ہو گیا ہے۔'' پھر آپ نے اپنی انگلیوں سے حلقہ بنایا۔ حضرت زینب فرماتی ہیں: میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! کیا ہم ہلاک ہو جائیں گے جبکہ ہم میں نیک لوگ بھی موجود ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''ہاں، جب خباثت زیادہ پھیل جائے گی۔''

فوائد و مسائل: ① پہلی حدیث میں شر سے مراد وہ فتنے ہیں جو عربوں میں ظاہر ہوئے، چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد جو فتنے ظاہر ہوئے وہ بہت المناک اور دلدوز ہیں۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے یاجوج و ماجوج کی دیوار کا سوراخ دیکھا جو دو انگلیوں کے حلقے کے برابر تھا۔ یہ سوراخ بھی فتنوں کے ظاہر ہونے کی علامت ہے۔ ② حدیث میں خبث سے

مراد فسق و فجور اور گناہ ہیں، یعنی جب لوگ بہت گناہ کرنے لگیں گے تو یقینی طور پر ان کی ہلاکت قریب ہو گی کیونکہ جب خبائث کا غلبہ ہو جائے تو نیک لوگوں کی نیکیاں مغلوب ہو کر رہ جاتی ہیں۔ ③ آپ نے خواب میں دیکھا کہ فارس اور روم کے خزانے ملنے کے بعد فتنوں کا دور دورہ ہو گا کیونکہ جب فتوحات کی کثرت ہو گی تو مال و دولت کی فراوانی سے حسد و عداوت اور مخالفت و عناد پیدا ہو گا جو خونریزی اور قتل و غارت کا پیش خیمہ ثابت ہو گا۔ ④ بعض شارحین نے اس فتنے سے ترک مراد لیے ہیں جنھوں نے بغداد اور دیگر بلادِ اسلام میں فتنے برپا کیے جو خروج دجال تک جاری رہیں گے۔ واللہ المستعان.

٣٥٩٩ - وَعَنِ الزُّهْرِيِّ: حَدَّثَتْنِي هِنْدُ بِنْتُ الْحَارِثِ، أَنَّ أُمَّ سَلَمَةَ قَالَتْ: اسْتَيْقَظَ النَّبِيُّ ﷺ، فَقَالَ: «سُبْحَانَ اللهِ، مَاذَا أُنْزِلَ مِنَ الْخَزَائِنِ وَمَاذَا أُنْزِلَ مِنَ الْفِتَنِ؟». [راجع: ١١٥]

[3599] حضرت ام سلمہ ؓ فرماتی ہیں کہ نبی ﷺ ایک دفعہ بیدار ہوئے تو فرمایا: ''سبحان اللہ! کیا کیا خزانے اتارے گئے ہیں اور کس قدر فتنے اور فساد نازل کیے گئے ہیں؟''

٣٦٠٠ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ ابْنُ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ الْمَاجِشُونِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ابْنِ أَبِي صَعْصَعَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ لِي: إِنِّي أَرَاكَ تُحِبُّ الْغَنَمَ وَتَتَّخِذُهَا، فَأَصْلِحْهَا وَأَصْلِحْ رُعَامَهَا، فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «يَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ تَكُونُ الْغَنَمُ فِيهِ خَيْرَ مَالِ الْمُسْلِمِ، يَتْبَعُ بِهَا شَعَفَ الْجِبَالِ، أَوْ سَعَفَ الْجِبَالِ، فِي مَوَاقِعِ الْقَطْرِ، يَفِرُّ بِدِينِهِ مِنَ الْفِتَنِ». [راجع: ١٩]

[3600] حضرت ابو صعصعہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ مجھے ابو سعید خدری ؓ نے فرمایا: میں دیکھ رہا ہوں کہ تمھیں بکریوں سے بہت محبت ہے اور تم انھیں پالتے ہو تو ان کی نگہداشت اچھی طرح کیا کرو اور ان کی بیماری کا بھی خیال رکھو کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''لوگوں پر ایک ایسا دور آئے گا کہ مسلمان کا سب سے عمدہ مال اس کی بکریاں ہوں گی جنھیں لے کر وہ پہاڑ کی چوٹیوں پر چڑھ جائے گا یا وہ بارش برسنے کے مقامات میں چلا جائے گا، الغرض اپنے دین کو فتنوں سے بچانے کے لیے بھاگ نکلے گا۔''

فوائد و مسائل: ① عہد نبوت کے بعد مسلمانوں میں جو خانگی فتنے پیدا ہوئے، اس حدیث میں ان کی طرف اشارہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی مذکورہ پیش گوئی حرف بہ حرف صحیح ثابت ہوئی۔ ② اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جہاں تک ہو سکے انسان کو چاہیے کہ وہ فتنوں سے محفوظ رہنے کے لیے بھاگ نکلے کیونکہ ان فتنوں کا شر تعلق کے اعتبار سے ہو گا جس قدر جس کا تعلق ہو گا اسی قدر فتنے اور آزمائش میں مبتلا ہو گا، لہٰذا ان سے بے تعلق رہنے کا واحد حل یہ ہے کہ ان سے دور رہنے کے لیے کنارہ کشی کرے۔ واللہ أعلم.

٣٦٠١ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ الْأُوَيْسِيُّ: حَدَّثَنَا

[3601] حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے، انھوں

إِبْرَاهِيمُ عَنْ صَالِحِ بْنِ كَيْسَانَ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنِ ابْنِ الْمُسَيَّبِ وَأَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «سَتَكُونُ فِتَنٌ الْقَاعِدُ فِيهَا خَيْرٌ مِّنَ الْقَائِمِ، وَالْقَائِمُ فِيهَا خَيْرٌ مِّنَ الْمَاشِي، وَالْمَاشِي فِيهَا خَيْرٌ مِّنَ السَّاعِي، وَمَنْ تَشَرَّفَ لَهَا تَسْتَشْرِفْهُ، وَمَنْ وَّجَدَ مَلْجَأً أَوْ مَعَاذًا فَلْيَعُذْ بِهِ». [انظر: ٧٠٨١، ٧٠٨٢]

نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''عن قریب فتنوں کا دور دورہ ہوگا۔ ان میں بیٹھنے والا کھڑا ہونے والے سے بہتر ہوگا۔ اور کھڑا ہونے والا چلنے والے سے اور چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہوگا اور جو اس میں جھانکے گا، فتنہ اسے بھی اُچک لے گا، اس لیے جو کوئی جہاں جگہ یا پناہ پائے وہاں چلا جائے (تاکہ اپنے دین کو فتنوں سے بچا سکے)۔''

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں آئندہ ہونے والے واقعات کا بیان ہے جو نبوت کی علامت ہے، نیز اس حدیث میں فتنوں سے دور بھاگنے اور ان سے علیحدہ رہنے کی ترغیب ہے۔ اگر کوئی ان کے قریب ہوا یا ان میں دلچسپی رکھی تو وہ ان کی لپیٹ میں آجائے گا۔ ② دوسری حدیث میں جس نماز کے متعلق وعید بیان کی گئی ہے اس سے مراد نماز عصر ہے جیسا کہ حدیث میں حضرت ابن عمر ؓ نے صراحت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''وہ نماز عصر ہے۔''[1] حضرت نوفل بن معاویہ ؓ فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوئے۔ یزید بن معاویہ کے دورِ حکومت میں فوت ہوئے۔ صحیح بخاری میں ان سے مروی صرف یہی ایک حدیث ہے۔[2]

٣٦٠٢ - وَعَنِ ابْنِ شِهَابٍ: حَدَّثَنِي أَبُو بَكْرِ ابْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْحَارِثِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ مُطِيعِ بْنِ الْأَسْوَدِ، عَنْ نَّوْفَلِ ابْنِ مُعَاوِيَةَ، مِثْلَ حَدِيثِ أَبِي هُرَيْرَةَ هٰذَا، إِلَّا أَنَّ أَبَا بَكْرٍ يَّزِيدُ: «مِنَ الصَّلَاةِ صَلَاةٌ مَّنْ فَاتَتْهُ فَكَأَنَّمَا وُتِرَ أَهْلَهُ وَمَالَهُ».

[3602] حضرت نوفل بن معاویہ سے روایت ہے، انھوں نے حضرت ابو ہریرہ ؓ سے مروی حدیث کی طرح بیان کیا، البتہ اس میں اتنا اضافہ ہے: ''نمازوں میں ایک نماز ہے جس سے وہ فوت ہو جائے گویا اس کا اہل وعیال اور مال ومتاع سب لوٹ لیا گیا۔''

٣٦٠٣ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ: أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ زَيْدِ بْنِ وَهْبٍ، عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «سَتَكُونُ أَثَرَةٌ وَّأُمُورٌ تُنْكِرُونَهَا»، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ! فَمَا

[3603] حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''عنقریب دوسروں کو تم پر ترجیح دی جائے گی اور ایسے امور ہوں گے جنھیں تم ناپسند کرو گے۔'' صحابۂ کرام ؓ نے

(1) سنن النسائي، المواقيت، حديث: 481. (2) فتح الباري: 751/6.

تَأْمُرُنَا؟ قَالَ: «تُؤَدُّونَ الْحَقَّ الَّذِي عَلَيْكُمْ وَتَسْأَلُونَ اللهَ الَّذِي لَكُمْ». [انظر: ٧٠٥٢]

عرض کیا: اللہ کے رسول! ایسے حالات میں آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''جو فرائض تمھارے ذمے ہیں تم انھیں پوری ذمہ داری سے ادا کرتے رہو اور جو تمھارا حق ہے وہ اللہ سے مانگو۔''

فوائد ومسائل: ① أثرة سے مراد اموال مشترکہ میں کسی ایک کو ترجیح دینا ہے۔ اور حق سے مراد حکمرانِ وقت کی فرمانبرداری اور اطاعت گزاری ہے اور ان کے خلاف علم بغاوت بلند نہ کرنا ہے۔ ② یہ حدیث بھی نبوت کی زبردست دلیل ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مستقبل میں اس طرح ہوگا کہ تمھارے حقوق پامال ہوں گے اور دوسروں کو تم پر ترجیح دی جائے گی، چنانچہ آپ کی پیش گوئی کے مطابق ایسا ہوا۔ ایسے دگرگوں حالات میں شریعت کا حکم ہے کہ امراء وسلاطین سے لڑائی نہ کی جائے، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ غیب سے ایسی مدد فرمائے گا جس سے پامالی حقوق کی تلافی ہوگی۔ واللّٰہ أعلم.

٣٦٠٤ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحِيمِ: حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي التَّيَّاحِ، عَنْ أَبِي زُرْعَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «يُهْلِكُ النَّاسَ هٰذَا الْحَيُّ مِنْ قُرَيْشٍ»، قَالُوا: فَمَا تَأْمُرُنَا؟ قَالَ: «لَوْ أَنَّ النَّاسَ اعْتَزَلُوهُمْ».

[3604] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم لوگوں کو یہ قبیلۂ قریش ہلاک کردے گا۔'' صحابۂ کرام نے عرض کیا: ایسے حالات میں ہمارے لیے کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا: ''کاش! اس وقت لوگ ان سے الگ رہیں۔''

قَالَ مَحْمُودٌ: حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ: أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي التَّيَّاحِ: سَمِعْتُ أَبَا زُرْعَةَ. [انظر: ٣٦٠٥، ٧٠٥٨]

شعبہ کے ایک دوسرے طریق میں ابوالتیاح کی ابوزرعہ سے سماع کی تصریح ہے۔

فوائد ومسائل: ① یہ حدیث بھی نبوت کی دلیل ہے کیونکہ اس میں رسول اللہ ﷺ نے مستقبل کے متعلق ایک پیش گوئی فرمائی جو حرف بہ حرف پوری ہوئی۔ ② حدیث میں لَوْ شرط کے لیے ہے، یعنی اگر لوگ ان سے علیحدہ رہیں تو ان کے لیے بہتر ہوگا۔ اس حدیث میں قریش کے ناپختہ کار اور نوخیز مراد ہیں جو اقتدار کے بھوکے ہوں گے اور ہوس ملک گیری کی خاطر قتل وغارت اور خونریزی سے اجتناب نہیں کریں گے۔ ارشاد نبوی کے مطابق ایسے حالات میں حکمرانِ وقت سے الجھنے کے بجائے اپنے دین کو بچانے کی فکر کرنی چاہیے کیونکہ ایمان بچانا انتہائی ضروری ہے۔

٣٦٠٥ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْمَكِّيُّ:

[3605] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے، انھوں

حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ الْأُمَوِيُّ عَنْ جَدِّهِ قَالَ: كُنْتُ مَعَ مَرْوَانَ وَأَبِي هُرَيْرَةَ فَسَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ: سَمِعْتُ الصَّادِقَ الْمَصْدُوقَ يَقُولُ: «هَلَاكُ أُمَّتِي عَلَى يَدَيْ غِلْمَةٍ مِّنْ قُرَيْشٍ»، فَقَالَ مَرْوَانُ: غِلْمَةٌ؟ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: إِنْ شِئْتَ أَنْ أُسَمِّيَهُمْ: بَنِي فُلَانٍ، وَبَنِي فُلَانٍ. [راجع: ٣٦٠٤]

نے کہا کہ میں نے صادق و مصدوق ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''میری امت کی ہلاکت قریش کے چند لڑکوں کے ہاتھوں ہو گی۔'' مروان نے ازراہِ تعجب کہا: نوجوانوں کے ہاتھوں سے؟ حضرت ابوہریرہ ؓ نے کہا: اگر تو چاہتا ہے تو میں ان کے نام ذکر کیے دیتا ہوں: وہ فلاں فلاں کے بیٹے ہوں گے۔

فوائد ومسائل: ① ہلاکت سے مراد یہ ہے کہ بنوامیہ کے جوان ایسے کام کرنے لگیں گے جو لوگوں کی ہلاکت کا باعث ہوں گے اور ان کی وجہ سے لوگوں میں جنگ و جدال اور قتل و غارت ہو گی۔ ② امت سے مراد قیامت تک ہونے والے لوگ نہیں بلکہ اس وقت موجود یا قرب و جوار کے لوگ مراد ہیں۔ ③ بعض لوگوں نے مروان کو بھی اس حدیث کا مصداق ٹھہرایا ہے، حالانکہ ایک روایت میں ہے کہ جب مروان نے یہ حدیث سنی تو کہنے لگے: ان لڑکوں پر اللہ کی لعنت ہو۔[1] اسی روایت میں کچھ اضافہ یوں ہے کہ راویٔ حدیث عمرو بن یحییٰ نے کہا: میں اپنے دادا کے ہمراہ بنومروان کے پاس گیا جبکہ وہ ملک شام پر قابض ہو چکے تھے تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہ نوجوان لڑکے تھے جو منصب حکومت پر براجمان ہیں۔ انھوں نے ہمیں فرمایا: ممکن ہے کہ یہی اس حدیث کا مصداق ہوں۔ ہم نے کہا آپ ہی بہتر جانتے ہیں۔[2] ممکن ہے کہ حدیث میں غِلْمَةٌ سے مراد بنوامیہ کے نوجوان ہوں کیونکہ شہادتِ عثمان کے بعد بنوامیہ کے ہاتھوں بہت سے مسلمان مارے گئے۔ بہرحال اس حدیث میں بھی امور مستقبلہ کی خبر ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے جو خبر دی اس کے مطابق ہی ہوا جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے۔

٣٦٠٦ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مُوسَى: حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ قَالَ: حَدَّثَنِي ابْنُ جَابِرٍ قَالَ: حَدَّثَنِي بُسْرُ بْنُ عُبَيْدِ اللهِ الْحَضْرَمِيُّ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو إِدْرِيسَ الْخَوْلَانِيُّ: أَنَّهُ سَمِعَ حُذَيْفَةَ بْنَ الْيَمَانِ يَقُولُ: كَانَ النَّاسُ يَسْأَلُونَ رَسُولَ اللهِ ﷺ عَنِ الْخَيْرِ، وَكُنْتُ أَسْأَلُهُ عَنِ الشَّرِّ مَخَافَةَ أَنْ يُدْرِكَنِي، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنَّا كُنَّا فِي جَاهِلِيَّةٍ وَشَرٍّ فَجَاءَنَا اللهُ بِهٰذَا الْخَيْرِ. فَهَلْ بَعْدَ هٰذَا الْخَيْرِ مِنْ شَرٍّ؟ قَالَ: «نَعَمْ»، قُلْتُ: وَهَلْ

[3606] حضرت حذیفہ بن یمان ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ لوگ رسول اللہ ﷺ سے خیر کے متعلق پوچھا کرتے تھے جبکہ میں آپ سے شر کے متعلق سوال کرتا تھا، اس اندیشے کے پیش نظر کہ مبادا میں اس کا شکار ہو جاؤں، چنانچہ ایک مرتبہ میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! ہم جاہلیت اور شر کے زمانے میں تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس خیر و برکت سے سرفراز فرمایا۔ کیا اب اس خیر کے بعد پھر کوئی شر کا وقت آئے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں۔'' میں نے عرض کیا: اس شر کے بعد پھر خیر کا کوئی زمانہ آئے

---

[1] صحيح البخاري، الفتن، حديث: 7058. [2] صحيح البخاري، الفتن، حديث: 7058.

بَعْدَ هٰذَا الشَّرِّ مِنْ خَيْرٍ؟ قَالَ: «نَعَمْ، وَفِيهِ دَخَنٌ»، قُلْتُ: وَمَا دَخَنُهُ؟ قَالَ: «قَوْمٌ يَهْدُونَ بِغَيْرِ هَدْيِي تَعْرِفُ مِنْهُمْ وَتُنْكِرُ»، قُلْتُ: فَهَلْ بَعْدَ ذٰلِكَ الْخَيْرِ مِنْ شَرٍّ؟ قَالَ: «نَعَمْ، دُعَاةٌ إِلٰى أَبْوَابِ جَهَنَّمَ، مَنْ أَجَابَهُمْ إِلَيْهَا قَذَفُوهُ فِيهَا»، قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! صِفْهُمْ لَنَا؟ فَقَالَ: «هُمْ مِّنْ جِلْدَتِنَا، وَيَتَكَلَّمُونَ بِأَلْسِنَتِنَا»، قُلْتُ: فَمَا تَأْمُرُنِي إِنْ أَدْرَكَنِي ذٰلِكَ؟ قَالَ: «تَلْزَمُ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِينَ وَإِمَامَهُمْ»، قُلْتُ: فَإِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُمْ جَمَاعَةٌ وَّلَا إِمَامٌ؟ قَالَ: «فَاعْتَزِلْ تِلْكَ الْفِرَقَ كُلَّهَا، وَلَوْ أَنْ تَعَضَّ بِأَصْلِ شَجَرَةٍ، حَتّٰى يُدْرِكَكَ الْمَوْتُ وَأَنْتَ عَلٰى ذٰلِكَ». [انظر: ٣٦٠٧، ٧٠٨٤]

گا؟ آپ نے فرمایا: ”ہاں، لیکن اس خیر میں کچھ دھواں ہو گا۔“ میں نے عرض کیا: وہ دھواں کیا ہوگا؟ آپ نے جواب دیا: ”ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو میری سنت اور طریقے کے علاوہ دوسرے طریقے اختیار کریں گے۔ تم ان میں اچھی اور بری چیزیں دیکھو گے۔“ میں نے عرض کیا: آیا اس خیر کے بعد پھر شر کا کوئی زمانہ آئے گا؟ آپ نے فرمایا: ”ہاں، جہنم کی طرف بلانے والے لوگ ہوں گے۔ جو ان کی بات مانیں گے وہ ان کو جہنم میں جھونک دیں گے۔“ میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! آپ ہمارے لیے ان کے کچھ اوصاف بیان فرما دیں۔ آپ نے فرمایا: ”وہ لوگ ہماری ہی قوم سے ہوں گے اور ہماری ہی زبان بولیں گے۔“ میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! اگر میں ان لوگوں کا زمانہ پاؤں تو میرے لیے کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا: ”تم ایسے حالات میں مسلمانوں کی جماعت اور ان کے امام کو لازم پکڑنا۔“ میں نے پوچھا: اگر مسلمانوں کی کوئی جماعت نہ ہو اور نہ ان کا کوئی امام ہی ہو تو؟ آپ نے فرمایا: ”پھر تم ان تمام فرقوں سے الگ رہو اگرچہ تمھیں کسی درخت کی جڑ ہی چبانی پڑے یہاں تک کہ اسی حالت میں تمھیں موت آجائے۔“

فوائد و مسائل: ① یہ حدیث رسول اللہ ﷺ کی کئی ایک پیش گوئیوں پر مشتمل ہے جن کی ہم کتاب الفتن میں وضاحت کریں گے۔ ② اس حدیث میں کسی نئی جماعت بنانے کا قطعی طور پر کوئی اشارہ نہیں ہے جیسا کہ لوگوں نے ایک جماعت المسلمین بنا ڈالی ہے، بلکہ اس میں مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ رہنے اور ان کے امام کی اطاعت کرنے کا حکم ہے۔ اگر کوئی اس جماعت سے علیحدہ رہے گا تو وہ شیطان کے نرغے میں آجائے گا، نیز اس حدیث میں جماعت المسلمین سے مراد اہل اسلام کی حکومت اور امام سے مراد ان کا خلیفہ ہے، چنانچہ ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں: ”اگر ان دنوں کوئی خلیفہ زمین میں موجود ہو تو اسے لازم پکڑنا اگرچہ وہ تجھے مار مار کر تیرا جسم نڈھال کر دے اور تیرا مال بھی چھین لے اور اگر کوئی خلیفہ نہ ہو تو زمین میں بھاگ کھڑا ہونا اور کسی درخت کو پناہ گاہ بنا کر وہیں موت سے ہمکنار ہو جانا۔“[1] اس حدیث میں خلیفہ نہ ہونے کی صورت میں جماعت المسلمین بنانے کا

---

[1] مسند أحمد: 403/5.

حکم نہیں بلکہ وہاں سے بھاگ جانے کا حکم ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث پر ایک عنوان ان الفاظ میں قائم کیا ہے: ''اگر حکومت نہ ہو تو معاملے کی کیا صورت ہوگی؟'' شارح بخاری حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اس کے معنی یہ ہیں کہ کسی ایک خلیفہ پر اجماع سے پہلے اختلاف کی حالت میں ایک مسلمان کو کیا طرز عمل اختیار کرنا چاہیے۔[1] اس میں کسی جماعت المسلمین کا ذکر نہیں جس کے پاس کسی قسم کا اختیار نہ ہو بلکہ نئی جماعت خود اپنے تحفظات کے لیے حکومتِ وقت کی محتاج ہے کیونکہ انھوں نے درخواست دے کر خود کو رجسٹرڈ کرایا ہے۔ واللہ المستعان.

٣٦٠٧ - حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى: حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنِي قَيْسٌ عَنْ حُذَيْفَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: تَعَلَّمَ أَصْحَابِي الْخَيْرَ وَتَعَلَّمْتُ الشَّرَّ. [راجع: ٣٦٠٦]

[3607] حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: میرے ساتھیوں نے بھلائی کے حالات سیکھے جبکہ میں برائی کے متعلق معلومات حاصل کرتا تھا۔

٣٦٠٨ - حَدَّثَنَا الْحَكَمُ بْنُ نَافِعٍ: حَدَّثَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتّٰى يَقْتَتِلَ فِئَتَانِ دَعْوَاهُمَا وَاحِدَةٌ». [راجع: ٨٥]

[3608] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک دو جماعتیں آپس میں جنگ نہ کر لیں جن کا دعویٰ ایک ہی ہوگا (کہ ہم حق پر ہیں)۔''

فوائد و مسائل: ① دونوں گروہوں میں سے ہر ایک دعویٰ کرے گا کہ وہ حق پر ہے اور دوسرا فریق حق پر نہیں لیکن حقیقت کے اعتبار سے صرف ایک ہی گروہ حق پر ہوگا لیکن دوسرا گروہ اجتہادی غلطی کی بنا پر معذور ہوگا کیونکہ دونوں گروہوں میں جنگ اجتہادی ہوگی اور ہر گروہ کا سربراہ مجتہد ہوگا اور مجتہد جب حکم میں غلطی کرے تو وہ گناہ گار نہیں ہوتا۔ ② اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے غیب کی خبر دی اور جیسا آپ نے فرمایا تھا اسی طرح ہوا، چنانچہ مقام صفین میں حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان جنگ ہوئی اور دونوں کا دعویٰ ایک تھا کہ وہ حق پر ہیں لیکن حقیقت کے اعتبار سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد تمام اہل عقد و حل نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی تھی اور آپ ہی خلیفۃ المسلمین تھے اور اپنا دعویٰ پیش کرنے میں حق پر تھے۔ صرف اہل شام ہی آپ کی بیعت کے خلاف تھے۔ واللہ أعلم.

٣٦٠٩ - حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «لَا

[3609] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''قیامت قائم نہ ہوگی حتی کہ دو گروہ لڑیں گے اور ان میں عظیم جنگ

[1] فتح الباري: 13/35.

تَقُومُ السَّاعَةُ حَتّٰى يَقْتَتِلَ فِئَتَانِ فَيَكُونَ بَيْنَهُمَا مَقْتَلَةٌ عَظِيمَةٌ، دَعْوَاهُمَا وَاحِدَةٌ، وَلَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتّٰى يُبْعَثَ دَجَّالُونَ كَذَّابُونَ قَرِيبًا مِّنْ ثَلَاثِينَ، كُلُّهُمْ يَزْعُمُ أَنَّهُ رَسُولُ اللهِ». [راجع: ٨٥]

برپا ہوگی، ان کا دعویٰ ایک ہوگا۔ اور قیامت قائم نہ ہوگی حتی کہ تیس کے قریب جھوٹ بولنے والے دجال پیدا ہوں گے۔ ان میں سے ہر ایک یہ دعویٰ کرے گا کہ وہ اللہ کا رسول ہے۔"

فوائد و مسائل: ① یہ حدیث دو پیش گوئیوں پر مشتمل ہے اور دونوں واقع ہو چکی ہیں۔ جن کی تفصیل حسب ذیل ہے: (ا) جن دو گروہوں کے درمیان عظیم جنگ برپا ہوئی وہ حضرت علی اور حضرت معاویہ ؓ کی جماعتیں ہیں۔ ان کے درمیان صفین کے مقام پر عظیم جنگ ہوئی اور اس میں بہت سے مسلمان شہید ہوئے حتی کہ پچیس کے قریب وہ صحابۂ کرام ؓ بھی تھے جو جنگ بدر میں شریک ہو چکے تھے۔ (ب) قیامت سے پہلے تیس دجال پیدا ہوں گے جو نبوت کا دعویٰ کریں گے، ان میں مسیلمہ کذاب، اسود عنسی اور مختار ثقفی سرفہرست ہیں۔ ② حدیث میں وہ لوگ مراد نہیں ہیں جنھوں نے مطلق طور پر نبوت کا دعویٰ کیا ہے کیونکہ ایسے انسان تو بہت ہیں بلکہ حدیث میں وہ لوگ مراد ہیں جنھیں دنیاوی طور پر شان و شوکت اور دبدبہ حاصل تھا، انھوں نے شیطان کے فریب میں مبتلا ہو کر نبوت کا دعویٰ کیا۔ ان میں سے اکثر پیدا ہو چکے ہیں جن کا ذکر کتب تاریخ میں ملتا ہے۔ ان میں ایک صاحب برصغیر میں بھی پیدا ہوئے جنھوں نے نبوت کا دعویٰ کر کے خلق کثیر کو گمراہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے دنیا میں گندی موت سے دوچار کیا۔ مولانا محمد حسین بٹالوی اور مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری ؒ نے ہر میدان میں اس کا مقابلہ کیا۔ بہر حال یہ حدیث بھی علامات نبوت میں سے ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے جو فرمایا تھا وہ حرف بہ حرف پورا ہوا۔

٣٦١٠ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، أَنَّ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: بَيْنَمَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَهُوَ يَقْسِمُ قَسْمًا إِذْ أَتَاهُ ذُو الْخُوَيْصِرَةِ وَهُوَ رَجُلٌ مِّنْ بَنِي تَمِيمٍ، فَقَالَ: يَارَسُولَ اللهِ! اعْدِلْ، فَقَالَ: «وَيْلَكَ، وَمَنْ يَعْدِلُ إِذَا لَمْ أَعْدِلْ؟ قَدْ خِبْتُ وَخَسِرْتُ إِنْ لَّمْ أَكُنْ أَعْدِلُ»، فَقَالَ عُمَرُ: يَارَسُولَ اللهِ! ائْذَنْ لِّي فِيهِ فَأَضْرِبَ عُنُقَهُ، فَقَالَ: «دَعْهُ فَإِنَّ لَهُ أَصْحَابًا يَّحْقِرُ أَحَدُكُمْ صَلَاتَهُ مَعَ صَلَاتِهِمْ، وَصِيَامَهُ مَعَ صِيَامِهِمْ، يَقْرَؤُنَ الْقُرْآنَ لَا يُجَاوِزُ تَرَاقِيَهُمْ،

[3610] حضرت ابوسعید خدری ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ ایک دفعہ ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے جبکہ آپ مال غنیمت تقسیم کرنے میں مصروف تھے۔ اس دوران میں آپ کے پاس ذوالخویصرہ نامی ایک شخص آیا جو قبیلۂ بنی تمیم سے تھا۔ اس نے آتے ہی کہا: اللہ کے رسول! آپ انصاف سے کام لیں۔ (یہ سن کر) آپ ﷺ نے فرمایا: "تیری ہلاکت ہو! اگر میں ہی انصاف نہ کروں تو پھر کون انصاف کرے گا؟ اگر میں ظالم ہو جاؤں تو ناکام اور خسارے میں رہ گیا۔" حضرت عمر ؓ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! اس کے متعلق مجھے اجازت دیں، میں اس کی گردن تن سے جدا کر دوں۔ آپ نے فرمایا: "اس سے صرف نظر کرو۔ اس شخص کے ساتھی ہوں گے کہ تم میں سے

يَمْرُقُونَ مِنَ الدِّينِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ، يُنْظَرُ إِلٰى نَصْلِهِ فَلَا يُوجَدُ فِيهِ شَيْءٌ، ثُمَّ يُنْظَرُ إِلٰى رِصَافِهِ فَمَا يُوجَدُ فِيهِ شَيْءٌ، ثُمَّ يُنْظَرُ إِلٰى نَضِيِّهِ - وَهُوَ قِدْحُهُ - فَلَا يُوجَدُ فِيهِ شَيْءٌ ثُمَّ يُنْظَرُ إِلٰى قُذَذِهِ فَلَا يُوجَدُ فِيهِ شَيْءٌ، قَدْ سَبَقَ الْفَرْثَ وَالدَّمَ، آيَتُهُمْ رَجُلٌ أَسْوَدُ إِحْدٰى عَضُدَيْهِ مِثْلُ ثَدْيِ الْمَرْأَةِ أَوْ مِثْلُ الْبَضْعَةِ تَدَرْدَرُ، وَيَخْرُجُونَ عَلٰى حِينِ فُرْقَةٍ مِّنَ النَّاسِ».

ہر ایک اپنی نماز کو ان کی نماز کے مقابلے میں حقیر خیال کرے گا اور اپنے روزے ان کے روزوں کے مقابلے میں ناچیز سمجھے گا۔ وہ قرآن کی تلاوت کریں گے لیکن قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔ وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے زوردار تیر شکار سے پار ہو جاتا ہے۔ اگر اس تیر کے پھل کو دیکھا جائے تو اس میں کوئی چیز نظر نہ آئے گی۔ اگر اس کے پٹھے کو دیکھا جائے تو وہاں بھی کچھ نہ ملے۔ اگر اس کی لکڑی کو دیکھا جائے تو وہاں بھی کسی چیز کا نشان نہ ملے گا۔ اس طرح اگر اس کے پر کو دیکھا جائے تو اس میں بھی کوئی چیز نظر نہ آئے، حالانکہ وہ تیر گوبر اور خون سے گزر کر آیا ہے۔ ان کی نشانی یہ ہے کہ ان میں ایک سیاہ فام آدمی ہوگا جس کا ایک بازو عورت کے پستان یا گوشت کے ٹکڑے کی طرح ہوگا اور حرکت کر رہا ہوگا۔ وہ اس وقت ظاہر ہوں گے جب لوگ افتراق و انتشار کا شکار ہوں گے۔"

قَالَ أَبُو سَعِيدٍ: فَأَشْهَدُ أَنِّي سَمِعْتُ هٰذَا الْحَدِيثَ مِنْ رَّسُولِ اللهِ ﷺ، وَأَشْهَدُ أَنَّ عَلِيَّ ابْنَ أَبِي طَالِبٍ قَاتَلَهُمْ وَأَنَا مَعَهُ، فَأَمَرَ بِذٰلِكَ الرَّجُلِ فَالْتُمِسَ فَأُتِيَ بِهِ، حَتّٰى نَظَرْتُ إِلَيْهِ، عَلٰى نَعْتِ النَّبِيِّ ﷺ الَّذِي نَعَتَهُ. [راجع: ٣٣٤٤]

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے یہ حدیث رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے اور یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ حضرت علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ نے ان سے جنگ کی تھی جبکہ میں ان کے ساتھ تھا۔ انھوں نے اس شخص کے متعلق حکم دیا تو اسے تلاش کر کے لایا گیا۔ جب میں نے اسے بغور دیکھا تو اسی صفت پر پایا جو نبی ﷺ نے اس کے متعلق بیان فرمائی تھی۔

فوائد و مسائل: ① واقعہ یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یمن سے سونا بھیجا جسے رسول اللہ ﷺ نے اقرع بن حابس، عیینہ بن بدر، زید طائی اور علقمہ بن علاثہ میں تقسیم کر دیا تو ذوالخویصرہ نے آتے ہی اعتراض کر دیا کہ اس تقسیم میں عدل و انصاف کے تقاضوں کو ملحوظ نہیں رکھا گیا۔[1] یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کرنے کی اجازت مانگی کیونکہ نبی ﷺ پر اعتراض کرنا اللہ کے غضب کو دعوت دینا ہے۔ اس بدبخت نے بھی آپ کی تقسیم پر اعتراض کر کے اللہ کے غضب کو دعوت دی، لہٰذا واجب القتل ٹھہرا۔

① صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، حديث : 3344.

ایک روایت میں ہے: حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کرنے کی اجازت طلب کی تھی۔[1] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے: دونوں حضرات نے اسے قتل کرنے کی اجازت مانگی تھی۔[2] لیکن رسول اللہ ﷺ نے کسی مصلحت کی بنا پر انھیں اجازت نہ دی، البتہ آپ نے خود فرمایا: ''اگر میں انھیں پاؤں تو قوم عاد کی طرح انھیں صفحۂ ہستی سے مٹا دوں گا۔'' یعنی جب ان کی کثرت ہو جائے اور وہ مسلح ہو کر مسلمانوں سے تعرض کرنے لگیں تو انھیں قتل کرنا جائز ہو جائے گا جیسا کہ ایک روایت میں اس کا واضح اشارہ ہے کہ وہ اہل اسلام کو قتل کریں گے اور بت پرستوں کو کچھ نہیں کہیں گے۔[3] اور ان کے قتل سے منع کرتے وقت یہ سبب موجود نہ تھا، لہذا آپ نے قتل سے منع فرما دیا۔ پھر بعد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد حکومت میں ان کا ظہور ہوا تو انھوں نے ان سے جنگ کی حتی کہ وہ کثیر تعداد میں قتل ہوئے اور ذوالخویصرہ جس نے رسول اللہ ﷺ پر اعتراض کیا تھا اسے تلاش کیا گیا تو وہ لاشوں کے نیچے مرا ہوا ملا۔ ② اس حدیث سے رسول اللہ ﷺ کا معجزہ واضح ہوتا ہے کہ آپ نے خبر دی: امت کا باہم اختلاف ہوگا، ان کے دو گروہ بن جائیں گے، پھر ان میں لڑائی ہوگی اور اس لڑائی میں وہ شخص قتل ہوگا جس نے رسول اللہ کی تقسیم پر اعتراض کیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے جن لوگوں کے اوصاف بیان کیے ہیں وہ مردود خارجی تھے جو بظاہر بہت دین دار تھے لیکن درحقیقت دین سے کوسوں دور تھے لیکن سرسری نظر سے دیکھنے میں بے دینی کے اثرات ان میں کہیں نظر نہیں آتے تھے، ظاہر میں بڑے نمازی، پرہیزگار لیکن پرلے درجے کے بے دین، چھوٹی چھوٹی بات پر مسلمانوں کو کافر بنانا ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ قاتلهم الله أنى يؤفكون.

٣٦١١ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ: أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ خَيْثَمَةَ، عَنْ سُوَيْدِ بْنِ غَفَلَةَ قَالَ: قَالَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: إِذَا حَدَّثْتُكُمْ عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَلَأَنْ أَخِرَّ مِنَ السَّمَاءِ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أَكْذِبَ عَلَيْهِ، وَإِذَا حَدَّثْتُكُمْ فِيمَا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ، فَإِنَّ الْحَرْبَ خَدْعَةٌ، سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «يَأْتِي فِي آخِرِ الزَّمَانِ قَوْمٌ حُدَثَاءُ الْأَسْنَانِ، سُفَهَاءُ الْأَحْلَامِ، يَقُولُونَ مِنْ خَيْرِ قَوْلِ الْبَرِيَّةِ، يَمْرُقُونَ مِنَ الْإِسْلَامِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ، لَا يُجَاوِزُ إِيمَانُهُمْ حَنَاجِرَهُمْ، فَأَيْنَمَا لَقِيتُمُوهُمْ فَاقْتُلُوهُمْ، فَإِنَّ قَتْلَهُمْ أَجْرٌ لِمَنْ قَتَلَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ». [انظر: ٥٠٥٧، ٦٩٣٠]

[3611] حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ جب میں تم سے رسول اللہ ﷺ کی حدیث بیان کرتا ہوں تو آپ پر جھوٹ بولنے سے مجھ کو یہ زیادہ محبوب ہے کہ میں آسمان سے گر جاؤں۔ اور جب میں تم سے وہ باتیں کروں جو میرے اور تمھارے درمیان ہوتی ہیں تو (کوئی نقصان نہیں کیونکہ) لڑائی ایک پُر فریب چال کا نام ہے۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے: ''آخر زمانہ میں کچھ نوعمر بے وقوف پیدا ہوں گے جو زبان سے بہترین خلائق کی باتیں کریں گے لیکن اسلام سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر کمان سے نکل جاتا ہے اور ایمان ان کے حلق کے نیچے نہیں اترے گا۔ ایسے لوگوں سے تمھاری جہاں ملاقات ہو تو انھیں قتل کرنے کی کوشش کرنا کیونکہ قیامت کے دن اس شخص کو ثواب ملے گا جو ان کو قتل

1. صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، حديث: 3344. ② فتح الباري: 6/755. 3 صحيح البخاري، حديث: 3344.

کرے گا۔"

فوائد و مسائل: ① جس طرح ایک تیر کمان سے نکلنے کے بعد شکار کو چیرتا ہوا گزر جانے پر بھی بالکل صاف شفاف نظر آتا ہے، حالانکہ اس سے شکار زخمی ہو کر خاک و خون میں تڑپ رہا ہوتا ہے۔ چونکہ اس نے نہایت تیزی کے ساتھ اپنا فاصلہ طے کیا ہوتا ہے، اس لیے خون اور گوبر وغیرہ کا کوئی نشان اس کے کسی حصے پر دکھائی نہیں دیتا، اسی طرح وہ لوگ بھی دین سے کوسوں دور ہوں گے اور اپنی بے دینی سے جسدِ اسلام کو بری طرح زخمی کریں گے لیکن بے دینی کے اثرات ان میں کہیں نظر نہیں آئیں گے، بظاہر دینداری کا لبادہ اوڑھ رکھا ہو گا اور لوگوں کو قرآن پر چلنے کی دعوت دیں گے، قرآنی آیات پڑھیں گے لیکن یہ قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔ ② اس پیش گوئی سے خارجی مراد ہیں اور ان کے فتنۂ تکفیر کی طرف اشارہ ہے۔ وہ کہتے تھے: ﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ﴾[1] فیصلہ کرنا اللہ کا اختیار ہے، لیکن اس آیت کریمہ کی آڑ میں وہ حضرت علی اور حضرت معاویہ ؓ کی تکفیر کرتے تھے۔ حضرت علی ؓ ان کے جواب میں فرمایا کرتے تھے کہ قرآنی آیت مبنی برحقیت ہے مگر اسے غلط معنی پہنائے گئے ہیں۔ جتنے بھی گمراہ فرقے ہیں وہ سب اپنی سمجھ کے مطابق قرآن سے دلیل لاتے ہیں مگر اس کی تفسیر کرتے وقت ان کی گمراہی کھل جاتی ہے۔ وہ اس کے معنی اپنی مرضی سے متعین کرتے ہیں جو سلف صالحین سے منقول نہیں ہوتے۔ بہرحال خوارج کا دین میں داخل ہونا اور اس سے تیزی کے ساتھ نکلنا کہ انھیں کچھ حاصل نہ ہو، ایسے ہے جیسے تیر شکار میں داخل ہوا، پھر نکل گیا۔ خون اور گوبر سے کوئی چیز بھی اس کے ساتھ نہ لگ سکی کیونکہ اس نے بڑی تیزی سے اپنا فاصلہ طے کیا۔ ایسے ہی یہ لوگ بڑی تیزی کے ساتھ دین سے نکل گئے۔ واللہ المستعان.

٣٦١٢ - حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى: حَدَّثَنِي يَحْيٰى عَنْ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا قَيْسٌ عَنْ خَبَّابِ ابْنِ الْأَرَتِّ قَالَ: شَكَوْنَا إِلٰى رَسُولِ اللهِ ﷺ، وَهُوَ مُتَوَسِّدٌ بُرْدَةً لَّهُ فِي ظِلِّ الْكَعْبَةِ، قُلْنَا لَهُ: أَلَا تَسْتَنْصِرُ لَنَا؟ أَلَا تَدْعُو اللهَ لَنَا؟ قَالَ: «كَانَ الرَّجُلُ فِيمَنْ قَبْلَكُمْ يُحْفَرُ لَهُ فِي الْأَرْضِ، فَيُجْعَلُ فِيهِ، فَيُجَاءُ بِالْمِيشَارِ فَيُوضَعُ عَلٰى رَأْسِهِ فَيُشَقُّ بِاثْنَتَيْنِ وَمَا يَصُدُّهُ ذٰلِكَ عَنْ دِينِهِ، وَيُمْشَطُ بِأَمْشَاطِ الْحَدِيدِ مَا دُونَ لَحْمِهِ مِنْ عَظْمٍ، أَوْ عَصَبٍ، وَمَا يَصُدُّهُ ذٰلِكَ عَنْ دِينِهِ، وَاللهِ لَيَتِمَّنَّ هٰذَا الْأَمْرُ حَتّٰى يَسِيرَ الرَّاكِبُ مِنْ

[3612] حضرت خباب بن ارت ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کعبہ کے سائے تلے اپنی چادر سے تکیہ لگائے بیٹھے تھے۔ ہم نے آپ سے کفار کی ایذا کے متعلق شکایت کی۔ ہم نے عرض کیا: آپ ہمارے لیے مدد کیوں نہیں مانگتے؟ آپ اللہ سے ہمارے لیے دعا کیوں نہیں کرتے؟ آپ نے فرمایا: "تم لوگوں سے پہلے کچھ لوگ ایسے ہوئے ہیں کہ ان کے لیے زمین میں گڑھا کھودا جاتا۔ پھر اس میں انھیں کھڑا کر دیا جاتا۔ پھر آرا لایا جاتا اور ان کے سر پر رکھ کر ان کے دو ٹکڑے کر دیے جاتے لیکن اس قدر سختی ان کو دین سے برگشتہ نہ کرتی تھی۔ پھر ان کے گوشت کے نیچے ہڈی اور پٹھوں پر لوہے کی

[1] الأنعام 6:57.

صَنْعَاءَ إِلَى حَضْرَمَوْتَ لَا يَخَافُ إِلَّا اللهَ، أَوِ الذِّئْبَ عَلَى غَنَمِهِ، وَلٰكِنَّكُمْ تَسْتَعْجِلُونَ». [انظر: ٣٨٥٢، ٦٩٤٣]

کنگھیاں کھینچ دی جاتی تھیں، لیکن یہ اذیت بھی انھیں ان کے دین سے نہ ہٹا سکی۔ اللہ کی قسم! یہ دین ضرور مکمل ہوگا، اس حد تک کہ اگر کوئی مسافر صنعاء سے حضر موت کا سفر کرے گا تو اسے اللہ کے سوا کسی کا ڈر نہ ہوگا اور نہ کوئی اپنی بکریوں کے لیے بھیڑیے کا خوف کرے گا مگر تم لوگ جلدی کرتے ہو۔''

فوائد ومسائل: ① رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابۂ کرام ؓ کو شدائد ومصائب میں صبر کرنے کی تلقین فرمائی کہ وہ کفار کی اذیتوں کو خندہ پیشانی سے برداشت کریں کیونکہ ایسا وقت آنے والا ہے کہ مسلمانوں کو کفار سے کسی قسم کا ڈر اور خطرہ نہیں ہوگا، وہ امن وامان کی حالت میں جہاں چاہیں سفر کریں گے۔ ان کے دلوں میں صرف اللہ کا ڈر ہوگا۔ ② صنعاء سے صنعائے یمن مراد ہو تو اس کے اور حضر موت کے درمیان پانچ دن کی مسافت ہے اور اگر صنعاء سے مراد شام ہے تو پھر مسافت بعید مراد ہے لیکن پہلا احتمال زیادہ قرین قیاس ہے۔ ③ رسول اللہ ﷺ کی پیش گوئی حرف بہ حرف پوری ہوئی۔ آج بھی سعودی دور حکومت میں علاقۂ حجاز کے اندر جو امن وامان ہے وہ بھی اس پیش گوئی کا مصداق قرار دیا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس حکومت کو تادیر قائم ودائم رکھے اور حاسدین کے حسد سے بچائے۔ آمین یا رب العالمین.

٣٦١٣ – حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا أَزْهَرُ ابْنُ سَعْدٍ: حَدَّثَنَا ابْنُ عَوْنٍ قَالَ: أَنْبَأَنِي مُوسَى ابْنُ أَنَسٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ افْتَقَدَ ثَابِتَ بْنَ قَيْسٍ فَقَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُولَ اللهِ! أَنَا أَعْلَمُ لَكَ عِلْمَهُ، فَأَتَاهُ فَوَجَدَهُ جَالِسًا فِي بَيْتِهِ مُنَكِّسًا رَأْسَهُ، فَقَالَ: مَا شَأْنُكَ؟ فَقَالَ: شَرٌّ، كَانَ يَرْفَعُ صَوْتَهُ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ ﷺ، فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ، وَهُوَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ، فَأَتَى الرَّجُلُ فَأَخْبَرَهُ أَنَّهُ قَالَ كَذَا وَكَذَا، فَقَالَ مُوسَى بْنُ أَنَسٍ: فَرَجَعَ الْمَرَّةَ الْآخِرَةَ بِبِشَارَةٍ عَظِيمَةٍ، فَقَالَ: «اذْهَبْ إِلَيْهِ، فَقُلْ لَهُ: إِنَّكَ لَسْتَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ، وَلٰكِنْ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ». [انظر: ٤٨٤٦]

[3613] حضرت انس ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت ثابت بن قیس ؓ کو نہ پایا تو ایک شخص نے کہا: اللہ کے رسول! میں آپ کو اس کی خبر لا کر دوں گا، چنانچہ وہ حضرت ثابت بن قیس ؓ کے پاس گیا تو اسے اپنے گھر میں سرنگوں پایا۔ اس نے پوچھا: تمھارا کیا حال ہے؟ ثابت بن قیس ؓ نے کہا: برا حال ہے۔ یہ اپنی آواز کو نبی ﷺ کی آواز سے اونچا کرتا ہے، لہٰذا اس کا کیا دھرا ضائع ہو گیا اور وہ دوزخیوں سے ہے۔ وہ شخص واپس آیا اور آپ ﷺ کو حقیقت حال سے آگاہ کیا کہ اس نے ایسا کہا۔ پھر وہ شخص دوسری مرتبہ بڑی بشارت لے کر گیا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس (ثابت) کے پاس جاؤ اور اسے کہو کہ تم دوزخیوں میں سے نہیں ہو بلکہ جنتی ہو۔''

فوائد ومسائل: ① حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ طبعی طور پر بلند آواز سے گفتگو کرتے تھے لیکن جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: ﴿يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ﴾ ''اے ایمان والو! تم اپنی آوازیں نبی کی آواز سے بلند نہ کرو اور نہ ان کے سامنے اس طرح اونچی آواز سے بولو جیسے تم ایک دوسرے سے بولتے ہو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تمھارے عمل برباد ہو جائیں اور تمھیں شعور بھی نہ ہو۔''[1] اس آیت کے نازل ہونے کے بعد حضرت ثابت رضی اللہ عنہ اپنے گھر میں بیٹھ گئے اور رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں آنے سے رک گئے جیسا کہ مذکورہ حدیث میں ہے۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کو علامات نبوت میں بیان کیا ہے۔ دراصل ان کی غرض ایک دوسری حدیث کے ملانے سے پوری ہوتی ہے کہ حضرت ثابت جنگ یمامہ میں کفار سے لڑنے کے لیے تیاری کر رہے تھے، اپنے بدن کو تیل کی مالش کی اور میدان کارزار میں کود پڑے اور جام شہادت نوش فرمایا۔[2] گویا اس حدیث کا مصداق جنگ یمامہ میں ظاہر ہوا۔ شاید امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کی طرف اشارہ کیا ہو لیکن ہمارا رجحان یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے حدیث کے ایک طریق کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کو فرمایا تھا کہ کیا تجھے یہ بات پسند نہیں کہ تم نیک بخت بن کر زندگی گزارو، پھر شہید ہو کر جنت میں داخل ہو جاؤ، چنانچہ وہ جنگ یمامہ میں شہید ہو کر مذکورہ حدیث کا مصداق بنے۔ ③ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ ہم انھیں دنیا میں چلتا پھرتا جنتی خیال کرتے تھے۔[3] ④ یہ حدیث نبوت کی دلیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جو فرمایا اسی طرح ہوا۔ واللہ أعلم.

٣٦١٤ - حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ: حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ: سَمِعْتُ الْبَرَاءَ بْنَ عَازِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا يَقُولُ: قَرَأَ رَجُلٌ الْكَهْفَ وَفِي الدَّارِ الدَّابَّةُ، فَجَعَلَتْ تَنْفِرُ، فَسَلَّمَ الرَّجُلُ، فَإِذَا ضَبَابَةٌ، أَوْ سَحَابَةٌ غَشِيَتْهُ، فَذَكَرَهُ لِلنَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: «اقْرَأْ فُلَانُ! فَإِنَّهَا السَّكِينَةُ نَزَلَتْ لِلْقُرْآنِ أَوْ تَنَزَّلَتْ لِلْقُرْآنِ».

[انظر: ٤٨٣٩، ٥٠١١]

[3614] حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ ایک شخص نے سورۂ کہف پڑھی تو ان کے گھر میں باندھا ہوا ایک جانور (گھوڑا) بدکنے لگا۔ اس پر اس نے سلامتی کی دعا کی تو اچانک اس کے سر پر ایک ابر سایہ کیے ہوئے تھا۔ انھوں نے نبی ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: ''اے شخص! تو پڑھتا ہی رہتا کیونکہ یہ تو ایک طمانیت تھی جو قرآن پڑھنے کی بدولت اتری تھی۔''

فوائد ومسائل: ① اس میں سلّم کا لفظ آیا ہے، اس لفظ کے مختلف معنی حسب ذیل ہیں: (ا) اس آدمی نے سلامتی کی دعا کی اور اللہ کے حکم پر راضی ہو گیا۔ (ب) وہ نماز پڑھ رہا تھا تو نماز سے سلام پھیر کر فارغ ہوا۔ ② اسی طرح کا ایک واقعہ حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کو پیش آیا جبکہ وہ رات کے وقت سورۂ بقرہ پڑھ رہے تھے اور ان کے پاس ان کا بیٹا یحییٰ سویا ہوا تھا۔ ان

① الحجرات 49:2. ② صحيح البخاري، الجهاد، حديث: 2845. ③ فتح الباري: 759/6.

کی سواری بدکی تو انھوں نے تلاوت چھوڑ دی اور اپنے بیٹے کی دیکھ بھال میں مصروف ہو گئے۔[1] ممکن ہے مذکورہ واقعہ بھی انھی سے متعلق ہو اور وہ سورۂ بقرہ اور سورۂ کہف اکٹھی پڑھ رہے ہوں یا کچھ حصہ سورۂ بقرہ کا اور کچھ حصہ سورۂ کہف کا پڑھا ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ متعدد واقعات ہوں۔ ③ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قرآن پڑھتے وقت سکینت اور طمانیت نازل ہوتی ہے اور اللہ کی رحمت پڑھنے والے کو ڈھانپ لیتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے ایک غیب کی خبر سے مطلع کیا، جو علامات نبوت میں سے ہے۔ واللہ اعلم.

٣٦١٥ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ: حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يَزِيدَ بْنِ إِبْرَاهِيمَ أَبُو الْحَسَنِ الْحَرَّانِيُّ: حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ مُعَاوِيَةَ: حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحَاقَ: سَمِعْتُ الْبَرَاءَ بْنَ عَازِبٍ يَقُولُ: جَاءَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ إِلَى أَبِي فِي مَنْزِلِهِ، فَاشْتَرَى مِنْهُ رَحْلًا فَقَالَ لِعَازِبٍ: ابْعَثِ ابْنَكَ يَحْمِلْهُ مَعِي، قَالَ: فَحَمَلْتُهُ مَعَهُ، وَخَرَجَ أَبِي يَنْتَقِدُ ثَمَنَهُ، فَقَالَ لَهُ أَبِي: يَا أَبَا بَكْرٍ! حَدِّثْنِي كَيْفَ صَنَعْتُمَا حِينَ سَرَيْتَ مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ؟ قَالَ: نَعَمْ، أَسْرَيْنَا لَيْلَتَنَا وَمِنَ الْغَدِ، حَتَّى قَامَ قَائِمُ الظَّهِيرَةِ، وَخَلَا الطَّرِيقُ لَا يَمُرُّ فِيهِ أَحَدٌ، فَرُفِعَتْ لَنَا صَخْرَةٌ طَوِيلَةٌ لَهَا ظِلٌّ لَمْ تَأْتِ عَلَيْهَا الشَّمْسُ، فَنَزَلْنَا عِنْدَهُ وَسَوَّيْتُ لِلنَّبِيِّ ﷺ مَكَانًا بِيَدِي يَنَامُ عَلَيْهِ، وَبَسَطْتُ عَلَيْهِ فَرْوَةً، وَقُلْتُ: نَمْ يَا رَسُولَ اللهِ! وَأَنَا أَنْفُضُ لَكَ مَا حَوْلَكَ، فَنَامَ وَخَرَجْتُ أَنْفُضُ مَا حَوْلَهُ، فَإِذَا أَنَا بِرَاعٍ مُقْبِلٍ بِغَنَمِهِ إِلَى الصَّخْرَةِ يُرِيدُ مِنْهَا مِثْلَ الَّذِي أَرَدْنَا، فَقُلْتُ: لِمَنْ أَنْتَ يَا غُلَامُ؟ فَقَالَ: لِرَجُلٍ مِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ أَوْ مَكَّةَ، قُلْتُ: أَفِي

[3615] حضرت براء بن عازب ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ حضرت ابوبکر ؓ میرے والد کے گھر تشریف لائے اور ان سے ایک کجاوہ خریدا، پھر انھوں نے (میرے والد محترم) حضرت عازب ؓ سے فرمایا کہ اپنے بیٹے کو میرے ساتھ بھیجو کہ وہ اسے اٹھائے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے ان کے ہمراہ کجاوہ اٹھایا۔ جب میرے ابوان سے اس کی قیمت لینے گئے تو ان سے میرے والد نے کہا: ابوبکر! مجھے بتائیں، جب آپ رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ ہجرت کر کے گئے تھے تو تمھارے ساتھ کیا بیتی تھی؟ حضرت ابوبکر ؓ نے فرمایا: ہم رات بھر چلتے رہے، اگلے دن بھی سفر جاری رکھا حتی کہ دوپہر ہو گئی۔ راستہ بالکل سنسان تھا، ادھر سے کوئی آدمی گزرتا دکھائی نہ دیتا تھا۔ اس دوران میں ہمیں ایک لمبی چٹان دکھائی دی جس کے نیچے دھوپ نہ تھی بلکہ سایہ تھا، لہٰذا ہم نے وہاں پڑاؤ کیا۔ میں نے خود نبی ﷺ کے لیے اپنے ہاتھ سے ایک جگہ ہموار کی، وہاں پوستین بچھائی اور عرض کیا: اللہ کے رسول! آپ یہاں آرام فرمائیں، میں آپ کے آس پاس کی نگرانی کرتا ہوں، چنانچہ آپ ﷺ سو گئے اور میں آس پاس کے حالات کا جائزہ لینے کے لیے نکلا۔ اتفاق سے مجھے ایک چرواہا ملا۔ وہ بھی

[1] صحيح البخاري، فضائل القرآن، حديث : 5018.

غَنَمِكَ لَبَنٌ؟ قَالَ: نَعَمْ، قُلْتُ: أَفَتَحْلُبُ؟ قَالَ: نَعَمْ، فَأَخَذَ شَاةً فَقُلْتُ: انْفُضِ الضَّرْعَ مِنَ التُّرَابِ وَالشَّعَرِ وَالْقَذَى، قَالَ: فَرَأَيْتُ الْبَرَاءَ يَضْرِبُ إِحْدٰى يَدَيْهِ عَلَى الْأُخْرٰى يَنْفُضُ، فَحَلَبَ فِي قَعْبٍ كُثْبَةً مِّنْ لَّبَنٍ، وَمَعِيَ إِدَاوَةٌ حَمَلْتُهَا لِلنَّبِيِّ ﷺ يَرْتَوِي مِنْهَا، يَشْرَبُ وَيَتَوَضَّأُ، فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ فَكَرِهْتُ أَنْ أُوقِظَهُ فَوَافَقْتُهُ حِينَ اسْتَيْقَظَ، فَصَبَبْتُ مِنَ الْمَاءِ عَلَى اللَّبَنِ حَتّٰى بَرَدَ أَسْفَلُهُ، فَقُلْتُ: اشْرَبْ يَا رَسُولَ اللهِ! قَالَ: فَشَرِبَ حَتّٰى رَضِيتُ، ثُمَّ قَالَ: «أَلَمْ يَأْنِ لِلرَّحِيلِ؟» قُلْتُ: بَلٰى، قَالَ: فَارْتَحَلْنَا بَعْدَمَا مَالَتِ الشَّمْسُ، وَاتَّبَعَنَا سُرَاقَةُ ابْنُ مَالِكٍ، فَقُلْتُ: أُتِينَا يَا رَسُولَ اللهِ، فَقَالَ: «لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللهَ مَعَنَا»، فَدَعَا عَلَيْهِ النَّبِيُّ ﷺ فَارْتَطَمَتْ بِهِ فَرَسُهُ إِلٰى بَطْنِهَا - أُرٰى فِي جَلَدٍ مِّنَ الْأَرْضِ، شَكَّ زُهَيْرٌ - فَقَالَ: إِنِّي أُرَاكُمَا قَدْ دَعَوْتُمَا عَلَيَّ، فَادْعُوَا لِي، فَاللهُ لَكُمَا أَنْ أَرُدَّ عَنْكُمَا الطَّلَبَ، فَدَعَا لَهُ النَّبِيُّ ﷺ فَنَجَا، فَجَعَلَ لَا يَلْقٰى أَحَدًا إِلَّا قَالَ: كَفَيْتُكُمْ مَا هُنَا فَلَا يَلْقٰى أَحَدًا إِلَّا رَدَّهُ، قَالَ: وَوَفٰى لَنَا.

[راجع: ٢٤٣٩]

اپنی بکریوں کے ریوڑ کو اسی چٹان کے سایے میں لانا چاہتا تھا جس کے نیچے ہم نے پڑاؤ کیا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا: برخوردار! تو کس قبیلے سے ہے؟ اس نے کہا: میں مدینہ طیبہ یا مکہ مکرمہ کے ایک شخص کا غلام ہوں۔ میں نے اس سے کہا: کیا تیری بکریوں سے دودھ مل سکتا ہے؟ اس نے کہا: جی ہاں۔ میں نے پوچھا: کیا تو ہمارے لیے دودھ نکال سکتا ہے؟ اس نے کہا: ہاں، چنانچہ وہ ایک بکری پکڑ لایا تو میں نے اس سے کہا کہ اس کے تھنوں کو مٹی، بالوں اور دوسری آلائشوں سے صاف کرو..... راوی بیان کرتے ہیں کہ میں نے براء بن عازب ؓ کو دیکھا، انھوں نے اپنا ہاتھ دوسرے ہاتھ پر مار کر تھن جھاڑنے کی صورت بیان کی..... بہرحال اس نے لکڑی کے ایک پیالے میں دودھ نکالا۔ میرے پاس ایک چھاگل تھی جو میں مکہ سے نبی ﷺ کے لیے لایا تھا۔ آپ اس سے پانی پیتے اور وضو بھی کرتے تھے۔ میں نبی ﷺ کی خدمت میں آیا تو آپ کو بیدار کرنا مناسب خیال نہ کیا لیکن اتفاق یہ ہوا کہ جب میں آپ کے پاس آیا تو آپ بیدار ہو چکے تھے۔ میں نے دودھ میں کچھ پانی ڈالا تو وہ نیچے تک ٹھنڈا ہو گیا۔ میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! اسے نوش فرمائیں، چنانچہ آپ نے وہ دودھ پیا جس سے مجھے بہت خوشی ہوئی۔ پھر آپ نے فرمایا: ''ابھی کوچ کا وقت نہیں ہوا؟'' میں نے عرض کیا: کیوں نہیں، اب چلنے کا وقت ہو چکا ہے، چنانچہ ہم سورج ڈھلنے کے بعد وہاں سے چل پڑے۔ دوسری طرف سراقہ بن مالک ہمارا پیچھا کرتا ہوا وہاں آ پہنچا۔ میں نے کہا: اللہ کے رسول! کوئی ہمارے پیچھے آ رہا ہے۔ آپ نے فرمایا: ''فکر مت کرو، یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے۔'' پھر نبی ﷺ نے اس کے لیے بددعا کی تو اس کا گھوڑا اس سمیت پیٹ تک زمین میں دھنس

گیا...... زہیر راوی نے کہا: سخت زمین میں دھنس گیا......
سراقہ نے کہا: میرا خیال ہے کہ آپ دونوں نے میرے لیے بددعا کی ہے۔ اب آپ دونوں میرے لیے دعا کیجیے۔ اللہ کی قسم! آپ سے میرا وعدہ ہے کہ میں آپ کو تلاش کرنے والوں کو واپس کر دوں گا، چنانچہ نبی ﷺ نے اس کے لیے دعا فرمائی تو اس نے (زمین سے) نجات حاصل کی۔ پھر وہ جس سے ملتا اسے کہتا کہ میں تلاش کر چکا ہوں، ادھر کوئی نہیں، وہ ہر ملنے والے کو یہ کہہ کر واپس لوٹا دیتا تھا۔ حضرت ابوبکر ؓ نے فرمایا: اس نے ہمارے ساتھ جو وعدہ کیا اسے پوری طرح نبھایا۔

فوائد و مسائل: ① سفرِ ہجرت میں رسول اللہ ﷺ سے بہت سے معجزات کا ظہور ہوا جن کی تفاصیل مختلف روایات میں بیان ہوئی ہے۔ اس حدیث میں بھی آپ کے کچھ معجزات کا ذکر ہے جن سے آپ کی صداقت اور حقانیت پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ اہل بصیرت کے لیے ایک ذرہ بھر بھی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ واقعی آپ اللہ کے رسول ہیں، البتہ عقل کے اندھوں کے لیے ایسے ہزاروں، لاکھوں نشانات بھی ناکافی ہیں۔ ② اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تابع کو اپنے متبوع کی خدمت کرنی چاہیے۔ ③ دوران میں سفر چھاگل یا کوزہ وغیرہ پاس رکھنا چاہیے تاکہ پانی پینے اور وضو کرنے میں آسانی رہے، نیز اس میں اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے کی فضیلت ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جب کوئی عظیم شخصیت محو استراحت ہو تو اس کی حفاظت کرنا بہت ضروری ہے۔ ④ اس حدیث میں بکریوں کے چرواہے کے متعلق شک ہے کہ مدینے یا مکے کا رہنے والا تھا۔ درحقیقت وہ مکہ مکرمہ کے ایک قریشی کا غلام تھا کیونکہ اس وقت مدینہ طیبہ یثرب کے نام سے مشہور تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے تشریف لانے کے بعد اسے مدینہ کا نام دیا گیا، نیز اتنی دور سے مسافت طے کر کے بکریاں چرانے کے لیے جانا بہت مشکل ہے۔ ایک روایت میں صراحت ہے کہ وہ کسی قریشی کا غلام تھا۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ مدینہ طیبہ کا نہیں تھا کیونکہ اس وقت مدینہ طیبہ میں کوئی قریشی رہائش پذیر نہیں تھا۔[1] ہجرت سے متعلقہ دیگر واقعات کی تفصیل ہم حدیث: 3906 کے تحت بیان کریں گے۔ إن شاء اللّٰه.

٣٦١٦ - حَدَّثَنَا مُعَلَّى بْنُ أَسَدٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُخْتَارٍ: حَدَّثَنَا خَالِدٌ عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ النَّبِيَّ دَخَلَ عَلَى أَعْرَابِيٍّ يَعُودُهُ فَقَالَ: وَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا

[3616] حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ ایک اعرابی (دیہاتی) کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ نبی ﷺ کی عادت مبارک تھی کہ جب کسی مریض کی بیمار پرسی کرتے تو اس طرح دعا کرتے: [لَا بَأْسَ، طَهُورٌ

1 عمدة القاري: 351/11.

دَخَلَ عَلٰى مَرِيضٍ يَعُودُهُ قَالَ: «لَا بَأْسَ، طَهُورٌ إِنْ شَاءَ اللهُ»، فَقَالَ لَهُ: «لَا بَأْسَ طَهُورٌ إِنْ شَاءَ اللهُ»، قَالَ: قُلْتَ: طَهُورٌ؟ كَلَّا، بَلْ هِيَ حُمّٰى تَفُورُ - أَوْ تَثُورُ - عَلٰى شَيْخٍ كَبِيرٍ، تُزِيرُهُ الْقُبُورَ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «فَنَعَمْ إِذًا».

[انظر: ٥٦٥٦، ٥٦٦٢، ٧٤٧٠]

إِنْ شَاءَ اللهُ] ''کوئی حرج نہیں، ان شاء اللہ پاکیزگی کا باعث ہوگا۔'' لہٰذا آپ نے اس اعرابی سے بھی یہی کہا: ''کوئی حرج نہیں، اگر اللہ نے چاہا تو یہ گناہوں کی معافی کا سبب ہوگا۔'' اس نے کہا: آپ کہتے ہیں کہ یہ بیماری گناہوں سے پاک کر دے گی؟ ہرگز نہیں، بلکہ یہ تو ایک سخت بخار ہے جو ایک بوڑھے کو اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے ہے اور اسے قبر میں لے جائے گا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''ہاں، اب ایسا ہی ہوگا۔''

فوائد و مسائل: ① اس اعرابی نے رسول اللہ ﷺ کی بات کو مسترد کرتے ہوئے کہا: یہ بخار تو اسے قبر تک پہنچائے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں، اب ایسا ہی ہوگا۔'' چنانچہ آپ کے ارشاد کے مطابق وہ اسی بخار سے فوت ہوگیا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث سے ایک دوسری روایت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ وہ اعرابی دوسرے دن مر گیا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا۔[1] ② یہ رسول اللہ ﷺ کا معجزہ اور نبوت کی دلیل ہے کہ جیسا آپ نے فرمایا ویسا ہی ہوا۔ ③ اس اعرابی کا نام قیس تھا۔ واللہ أعلم.

٣٦١٧ - حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ: كَانَ رَجُلٌ نَصْرَانِيًّا فَأَسْلَمَ، وَقَرَأَ الْبَقَرَةَ وَآلَ عِمْرَانَ، فَكَانَ يَكْتُبُ لِلنَّبِيِّ ﷺ، فَعَادَ نَصْرَانِيًّا، فَكَانَ يَقُولُ: مَا يَدْرِي مُحَمَّدٌ إِلَّا مَا كَتَبْتُ لَهُ، فَأَمَاتَهُ اللهُ فَدَفَنُوهُ، فَأَصْبَحَ وَقَدْ لَفَظَتْهُ الْأَرْضُ فَقَالُوا: هٰذَا فِعْلُ مُحَمَّدٍ وَأَصْحَابِهِ، لَمَّا هَرَبَ مِنْهُمْ، نَبَشُوا عَنْ صَاحِبِنَا فَأَلْقَوْهُ، فَحَفَرُوا لَهُ فَأَعْمَقُوا، فَأَصْبَحَ وَقَدْ لَفَظَتْهُ الْأَرْضُ، فَقَالُوا: هٰذَا فِعْلُ مُحَمَّدٍ وَأَصْحَابِهِ، نَبَشُوا عَنْ صَاحِبِنَا لَمَّا هَرَبَ مِنْهُمْ

[3617] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ ایک نصرانی (عیسائی) شخص نے مسلمان ہو کر سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران پڑھ لی۔ پھر نبی ﷺ کے لیے وحی کی کتابت کرنے لگا۔ اس کے بعد وہ پھر نصرانی ہوگیا اور کہنے لگا: محمد (ﷺ) تو صرف وہ کچھ جانتے ہیں جو میں نے ان کے لیے لکھ دیا ہے، چنانچہ اللہ نے اسے موت دے دی تو لوگوں نے اسے دفن کر دیا۔ جب صبح ہوئی تو لوگوں نے دیکھا کہ زمین نے اس کی لاش باہر پھینک دی ہے۔ لوگوں نے کہا کہ یہ تو محمد (ﷺ) اور اس کے ساتھیوں کا کام ہے کیونکہ یہ ان کے پاس سے بھاگ آیا تھا، اس لیے ہمارے ساتھی کی قبر انھوں نے کھود ڈالی ہے۔ پھر انھوں نے اسے قبر

---

[1] المعجم الكبير للطبراني: 306/7.

فَأَلْقَوْهُ خَارِجَ الْقَبْرِ، فَحَفَرُوا لَهُ، فَأَعْمَقُوا لَهُ فِي الْأَرْضِ مَا اسْتَطَاعُوا، فَأَصْبَحَ قَدْ لَفَظَتْهُ الْأَرْضُ، فَعَلِمُوا أَنَّهُ لَيْسَ مِنَ النَّاسِ، فَأَلْقَوْهُ.

میں رکھ کر بہت گہرائی میں دفن کر دیا مگر صبح کو زمین نے اس کی لاش پھر باہر پھینک دی۔ اس پر لوگوں نے یہی کہا کہ یہ تو محمد (ﷺ) اور اس کے ساتھیوں کا فعل ہے۔ انھوں نے ہمارے ساتھی کی قبر اکھاڑی ہے کیونکہ وہ ان کے پاس سے بھاگ آیا تھا۔ انھوں نے اس کی قبر پھر اور زیادہ گہری کھودی جتنا کہ ان کے بس میں تھا لیکن صبح کے وقت اس کی لاش پھر زمین نے باہر پھینک دی۔ تب لوگوں نے یقین کیا کہ یہ آدمیوں کی طرف سے نہیں بلکہ اللہ کی طرف سے ہے، لہٰذا انھوں نے اس کو اسی طرح پھینک دیا۔

فوائد ومسائل: ① یہ اللہ تعالیٰ کی ایک نشانی تھی جو اس نصرانی کے مرتد ہونے پر لوگوں کو دکھائی کہ زمین نے اسے بار بار باہر پھینکا تاکہ دیکھنے والے عبرت حاصل کریں کہ مرتد کا یہ حال ہوتا ہے کہ اسے زمین بھی اپنے اندر جگہ نہیں دیتی۔ ② یہ حدیث رسول اللہ ﷺ کی صداقت اور آپ کی نبوت کی دلیل ہے۔ آج بھی گستاخانِ رسول کو ایسی سزائیں ملتی رہتی ہیں۔ ایک روایت کے مطابق حضرت انس ؓ فرماتے ہیں: وہ ہمارے بنو نجار قبیلے سے تھا۔ جب وہ مرتد ہوا تو لوگوں نے اس بات کو بہت اچھالا کہ یہ تو کاتب وحی تھا۔ بالآخر اپنے حواریوں میں رہتے ہوئے اچانک گردن ٹوٹنے سے اس کی موت واقع ہوئی تو اس کے ساتھ مذکورہ واقعہ پیش آیا کہ اسے زمین نے قبول نہ کیا۔[1] ③ بعض شارحین نے صحیح مسلم کے حوالے سے اس مرتد کا نام عبداللہ بن سعد بن ابی سرح لکھا ہے لیکن صحیح مسلم میں مجھے اس کی صراحت نہیں مل سکی۔ واللہ أعلم.

٣٦١٨ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ يُونُسَ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ: وَأَخْبَرَنِي ابْنُ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِذَا هَلَكَ كِسْرٰى فَلَا كِسْرٰى بَعْدَهُ، وَإِذَا هَلَكَ قَيْصَرُ فَلَا قَيْصَرَ بَعْدَهُ، وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَتُنْفِقُنَّ كُنُوزَهُمَا فِي سَبِيلِ اللهِ». [راجع: ٣٠٢٧]

[3618] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب کسریٰ ہلاک ہو گا تو اس کے بعد کوئی کسریٰ نہ ہوگا اور جب قیصر ہلاک ہوگا تو اس کے بعد کوئی قیصر نہیں ہوگا۔ اور مجھے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے! تم ان دونوں کے خزانے اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے۔“

فوائد ومسائل: ① کسریٰ، ایران کے بادشاہ کا لقب تھا جبکہ روم کے بادشاہ کو قیصر کہا جاتا تھا۔ ② جب قریش مسلمان ہو

[1] صحیح مسلم، صفات المنافقین، حدیث: 7040 (2781).

گئے تو انھوں نے اس خطرے کا اظہار کیا کہ اسلام لانے کی وجہ سے عراق اور شام میں ان کی تجارت ختم ہو جائے گی تو رسول اللہ ﷺ نے ان کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے فرمایا: عراق اور شام میں کسریٰ اور قیصر کی حکومت نہیں رہے گی، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں کسریٰ کی حکومت صفحۂ ہستی سے مٹ گئی کیونکہ اس کے لیے رسول اللہ ﷺ نے بددعا فرمائی تھی کہ اس کی سلطنت ٹکڑے ٹکڑے ہو کر ختم ہو جائے گی۔ [1] اسی طرح قیصر بھی شام سے شکست کھا کر بھاگ نکلا۔ بہر حال ان دونوں کی حکومت ختم ہو گئی اور ان کے خزانے غزوات میں خرچ ہوئے۔ ③ یہ بھی ایک غیب کی خبر تھی جو حرف بہ حرف پوری ہوئی۔ ان کا رعب اور دبدبہ خاک میں مل گیا اور اسلام کا بول بالا ہوا۔ یہ رسول اللہ ﷺ کا معجزہ اور آپ کی نبوت کی دلیل ہے۔ واللہ أعلم.

٣٦١٩ - حَدَّثَنَا قَبِيصَةُ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ، عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ رَفَعَهُ قَالَ: «إِذَا هَلَكَ كِسْرٰى فَلَا كِسْرٰى بَعْدَهُ، وَإِذَا هَلَكَ قَيْصَرُ فَلَا قَيْصَرَ بَعْدَهُ» وَذَكَرَ وَقَالَ: «لَتُنْفَقَنَّ كُنُوزُهُمَا فِي سَبِيلِ اللهِ». [راجع: ٣١٢١]

[3619] حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ اسے رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''جب کسریٰ ہلاک ہو گا تو پھر اس کے بعد کوئی کسریٰ نہیں ہو گا اور جب قیصر مرے گا تو اس کے بعد کوئی قیصر نہیں ہو گا۔'' اور آپ نے یہ بھی فرمایا: ''ان دونوں کے خزانے اللہ کی راہ میں خرچ کیے جائیں گے۔''

٣٦٢٠ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: حَدَّثَنَا شُعَيْبٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي حُسَيْنٍ: حَدَّثَنَا نَافِعُ بْنُ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَدِمَ مُسَيْلِمَةُ الْكَذَّابُ عَلٰى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ، فَجَعَلَ يَقُولُ: إِنْ جَعَلَ لِي مُحَمَّدٌ الْأَمْرَ مِنْ بَعْدِهِ تَبِعْتُهُ، وَقَدِمَهَا فِي بَشَرٍ كَثِيرٍ مِنْ قَوْمِهِ، فَأَقْبَلَ إِلَيْهِ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَمَعَهُ ثَابِتُ بْنُ قَيْسِ بْنِ شَمَّاسٍ، وَفِي يَدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ قِطْعَةُ جَرِيدٍ، حَتّٰى وَقَفَ عَلٰى مُسَيْلِمَةَ فِي أَصْحَابِهِ فَقَالَ: «لَوْ سَأَلْتَنِي هٰذِهِ الْقِطْعَةَ مَا أَعْطَيْتُكَهَا، وَلَنْ تَعْدُوَ أَمْرَ اللهِ فِيكَ، وَلَئِنْ أَدْبَرْتَ لَيَعْقِرَنَّكَ اللهُ، وَإِنِّي لَأَرَاكَ الَّذِي أُرِيتُ فِيكَ مَا رَأَيْتُ».

[انظر: ٤٣٧٣، ٤٣٧٨، ٧٠٣٣، ٧٤٦١]

[3620] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ کے زمانے میں مسیلمہ کذاب آیا اور کہنے لگا: اگر محمد، اپنے بعد خلافت میرے لیے مقرر کر دیں تو میں آپ کی پیروی کر لیتا ہوں اور وہ اپنی قوم کے بہت سے آدمیوں کو لے کر آیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ اس کے پاس تشریف لے گئے جبکہ آپ کے ہمراہ حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ تھے اور آپ کے ہاتھ میں کھجور کی شاخ کا ایک ٹکڑا تھا، یہاں تک کہ آپ مسیلمہ اور اس کے ساتھیوں کے پاس آ کر ٹھہر گئے اور فرمایا: ''اگر تو مجھ سے شاخ کا یہ ٹکڑا بھی مانگے تو میں تجھے یہ بھی نہیں دوں گا اور اللہ تعالیٰ نے جو تیرے حق میں فیصلہ کر رکھا ہے تو اس سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔ اگر تو نے میری اطاعت سے روگردانی کی تو اللہ تعالیٰ تجھے ہلاک کرے گا۔ اور میں تجھے وہی شخص خیال کرتا ہوں

(1) صحيح البخاري، المغازي، حديث: 4424.

جو میں خواب میں دکھایا گیا ہوں۔‘‘

فوائد و مسائل: ① مسیلمہ کذاب شعبدہ باز قسم کا انسان تھا۔ اسے حضرت وحشی رضی اللہ عنہ نے خلافت صدیقی میں قتل کیا۔ وہ فرماتے تھے کہ میں نے زمانۂ کفر میں خیر المسلمین حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا اور زمانۂ اسلام میں شر الکفار مسیلمہ کذاب کو جہنم واصل کیا۔ اسی طرح اسود عنسی کو فیروز دیلمی رضی اللہ عنہ نے صنعاء میں قتل کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو اس کے مرنے کی خبر دی تھی۔ ② رسول اللہ ﷺ نے خبر دی کہ آپ کے بعد دو کذاب ظاہر ہوں گے جو نبوت کا دعویٰ کریں گے۔ آپ کے خبر دینے کے مطابق ان کا ظہور ہوا۔ ان کے خروج سے مراد ان کی شان و شوکت اور دعوائے نبوت ہے۔ ③ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھوں میں سونے کے کنگن دیکھے۔ سونے سے اشارہ ان کی فریب کاریوں کی طرف ہے کیونکہ سونے کا نام زخرف بھی ہے۔ اس کے معنی ملمع سازی اور فریب کاری ہے۔ ④ دو کنگن، دو کذاب تھے۔ پھونک مارنے سے ان کا اُڑ جانا بہ سرعت ہلاکت سے کنایہ ہے کہ یہ لوگ بڑی آسانی سے ہلاک ہو جائیں گے۔ واللہ أعلم.

٣٦٢١ - فَأَخْبَرَنِي أَبُو هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «بَيْنَمَا أَنَا نَائِمٌ رَأَيْتُ فِي يَدَيَّ سِوَارَيْنِ مِنْ ذَهَبٍ فَأَهَمَّنِي شَأْنُهُمَا، فَأُوحِيَ إِلَيَّ فِي الْمَنَامِ أَنِ انْفُخْهُمَا، فَنَفَخْتُهُمَا فَطَارَا، فَأَوَّلْتُهُمَا كَذَّابَيْنِ يَخْرُجَانِ بَعْدِي، فَكَانَ أَحَدُهُمَا الْعَنْسِيَّ وَالْآخَرُ مُسَيْلِمَةَ الْكَذَّابَ صَاحِبَ الْيَمَامَةِ». [انظر: ٤٣٧٤، ٤٣٧٥، ٤٣٧٩، ٧٠٣٤، ٧٠٣٧]

[3621] (حضرت ابن عباس بیان کرتے ہیں:) مجھے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے خبر دی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’ایک دفعہ میں سو رہا تھا کہ میں نے (خواب میں) اپنے دونوں ہاتھوں میں سونے کے دو کنگن دیکھے۔ مجھے ان کی وجہ سے بہت پریشانی ہوئی۔ مجھے خواب ہی میں وحی آئی کہ آپ دونوں کو پھونک مار دیں۔ میں نے انھیں پھونکا تو وہ دونوں اڑ گئے۔ میں نے اس خواب کی تعبیر یہ کی کہ میرے بعد دو کذاب ظاہر ہوں گے۔ ان میں سے ایک اسود عنسی تھا اور دوسرا مسیلمہ کذاب ہوگا جو یمامہ کا رہنے والا ہے۔‘‘

٣٦٢٢ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ أُسَامَةَ عَنْ بُرَيْدِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ جَدِّهِ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ أَبِي مُوسَى أُرَاهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «رَأَيْتُ فِي الْمَنَامِ أَنِّي أُهَاجِرُ مِنْ مَكَّةَ إِلَى أَرْضٍ بِهَا نَخْلٌ، فَذَهَبَ وَهَلِي إِلَى أَنَّهَا الْيَمَامَةُ أَوْ هَجَرُ، فَإِذَا هِيَ الْمَدِينَةُ يَثْرِبُ، وَرَأَيْتُ فِي

[3622] حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ’’میں نے خواب میں دیکھا کہ میں ایک ایسی زمین کی طرف ہجرت کر رہا ہوں جہاں کھجوروں کے درخت ہیں۔ میرا خیال اس طرف گیا کہ وہ یمامہ یا ہجر ہے لیکن وہ مدینہ یثرب تھا۔ اور میں نے خواب میں یہ بھی دیکھا کہ میں نے تلوار کو حرکت دی تو اس کا اگلا حصہ ٹوٹ گیا تو یہ وہ مصیبت تھی جو غزوۂ

رُؤْيَايَ هٰذِهِ أَنِّي هَزَزْتُ سَيْفًا فَانْقَطَعَ صَدْرُهُ فَإِذَا هُوَ مَا أُصِيبَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ أُحُدٍ، ثُمَّ هَزَزْتُهُ أُخْرٰى فَعَادَ أَحْسَنَ مَا كَانَ فَإِذَا هُوَ مَا جَاءَ اللّٰهُ بِهِ مِنَ الْفَتْحِ وَاجْتِمَاعِ الْمُؤْمِنِينَ، وَرَأَيْتُ فِيهَا بَقَرًا، وَاللّٰهُ خَيْرٌ، فَإِذَا هُمُ الْمُؤْمِنُونَ يَوْمَ أُحُدٍ، وَإِذَا الْخَيْرُ مَا جَاءَ اللّٰهُ بِهِ مِنَ الْخَيْرِ وَثَوَابِ الصِّدْقِ الَّذِي آتَانَا اللّٰهُ بَعْدَ يَوْمِ بَدْرٍ». [انظر: ٣٩٨٧، ٤٠٨١، ٧٠٣٥، ٧٠٤١]

اُحد میں مسلمانوں کو پیش آئی۔ پھر میں نے اسے دوبارہ حرکت دی تو وہ پہلے سے بھی زیادہ خوبصورت ہوگئی، اور یہ فتح اور اہل ایمان کا اجتماع تھا جو اللہ تعالیٰ نے انھیں عطا فرمایا، نیز میں نے خواب میں ایک گائے بھی دیکھی۔ یہ اللہ تعالیٰ کی وہ خیر ہے جو اُحد کی لڑائی میں مسلمانوں کو حاصل ہوئی۔ گائے سے مراد اہل ایمان اور خیر سے مراد وہ بھلائی تھی جو اللہ تعالیٰ اس کے بعد لے آیا اور سچا بدلہ تو وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں بدر کی لڑائی کے بعد عطا فرمایا تھا۔"

فوائد و مسائل: ① امام نووی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ بعض روایات میں خواب کے یہ الفاظ ہیں: "میں نے خواب میں گائے دیکھی جسے ذبح کیا جا رہا تھا۔" اس اضافے سے خواب کی تعبیر مکمل ہو جاتی ہے کیونکہ گائے کا ذبح ہونا غزوۂ اُحد میں مسلمانوں کا شہید ہونا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے خواب میں واللّٰہ خیر کا کلمہ بھی سنا تھا۔ اس کے معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ثواب بہتر ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے غزوۂ اُحد میں شہید ہونے والوں کا معاملہ اچھا کیا کیونکہ ان کے دنیا میں رہنے سے ان کا شہید ہونا بہتر تھا اور "ثواب الصدق" سے مراد غزوۂ احد کے بعد آنے والے حالات ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو بدر ثانیہ کے بعد عنایت فرمائے، یعنی اہل ایمان کے دلوں کو ثابت رکھا۔ اہل ایمان کو خبر دی گئی تھی کہ تمھارے مقابلے کے لیے بہت سے کفار جمع ہیں اور انھیں بہت ہراساں کیا گیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو محفوظ اور مضبوط رکھا اور ان میں ایمان کا استحکام ہوا۔ انھوں نے برجستہ کہا: ﴿حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ﴾ [1] اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جن سے مسلمانوں کو ڈرایا گیا تھا وہ خود ہیبت ناک شکست سے دوچار ہوئے۔ [2] ② یہ حدیث نبوت کی دلیل اس طرح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک سچے خواب کی خبر دی، پھر خود ہی اس کی تعبیر فرمائی۔ وہ تعبیر حرف بہ حرف پوری ہوئی۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: حدیث میں بدر سے مراد موعدِ بدر، یعنی بدر ثانیہ ہے جو احد کے بعد ہوا تھا، جس میں لڑائی نہیں ہوئی تھی کیونکہ حسب وعدہ مشرکین نہ آئے، البتہ مسلمانوں نے وعدہ خلافی نہیں کی بلکہ اپنے وعدے کو سچا کر دکھایا۔ صدق سے اسی طرف اشارہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا بدلہ یہ دیا کہ بعدازاں فتح قریظہ اور فتح خیبر واقع ہوئی۔ [3]

٣٦٢٣ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ: حَدَّثَنَا زَكَرِيَّا عَنْ فِرَاسٍ، عَنْ عَامِرٍ الشَّعْبِيِّ، عَنْ مَسْرُوقٍ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: أَقْبَلَتْ فَاطِمَةُ

[3623] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا چلتی ہوئی تشریف لائیں گویا ان کی چال نبی ﷺ کی چال جیسی تھی۔ نبی ﷺ نے (انھیں دیکھ

① آل عمران 3:173. ② عمدة القاري: 11/258. ③ فتح الباري: 12/512.

تَمْشِي كَأَنَّ مِشْيَتَهَا مَشْيُ النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «مَرْحَبًا يَا ابْنَتِي!»، ثُمَّ أَجْلَسَهَا عَنْ يَمِينِهِ أَوْ عَنْ شِمَالِهِ، ثُمَّ أَسَرَّ إِلَيْهَا حَدِيثًا فَبَكَتْ، فَقُلْتُ لَهَا: لِمَ تَبْكِينَ؟ ثُمَّ أَسَرَّ إِلَيْهَا حَدِيثًا فَضَحِكَتْ، فَقُلْتُ: مَا رَأَيْتُ كَالْيَوْمِ فَرَحًا أَقْرَبَ مِنْ حُزْنٍ، فَسَأَلْتُهَا عَمَّا قَالَ فَقَالَتْ: مَا كُنْتُ لِأُفْشِيَ سِرَّ رَسُولِ اللهِ ﷺ، حَتَّى قُبِضَ النَّبِيُّ ﷺ فَسَأَلْتُهَا. [انظر: ٣٦٢٥، ٣٧١٥، ٤٤٣٣، ٦٢٨٥]

کر) فرمایا: ''میری بیٹی کا آنا مبارک ہو۔'' پھر آپ نے انھیں اپنی دائیں یا بائیں جانب بٹھالیا۔ اس کے بعد ان سے آہستہ آہستہ گفتگو فرمائی تو وہ رو پڑیں۔ میں نے ان سے پوچھا: تم کیوں روتی ہو؟ پھر آپ ﷺ نے ان سے کوئی راز کی بات کی تو وہ ہنس پڑیں۔ میں نے کہا: میں نے آج جیسا دن کبھی نہیں دیکھا جس میں خوشی، غم کے زیادہ قریب ہو، چنانچہ میں نے حضرت فاطمہ ؓ سے آپ ﷺ کی گفتگو کے متعلق پوچھا تو انھوں نے کہا: میں رسول اللہ ﷺ کا راز افشا نہیں کر سکتی۔ جب نبی ﷺ وفات پا گئے تو میں نے ان سے پوچھا۔

٣٦٢٤ - فَقَالَتْ: أَسَرَّ إِلَيَّ: «أَنَّ جِبْرِيلَ كَانَ يُعَارِضُنِي الْقُرْآنَ كُلَّ سَنَةٍ مَرَّةً، وَأَنَّهُ عَارَضَنِي الْعَامَ مَرَّتَيْنِ، وَلَا أُرَاهُ إِلَّا حَضَرَ أَجَلِي، وَإِنَّكِ أَوَّلُ أَهْلِ بَيْتِي لَحَاقًا بِي». فَبَكَيْتُ فَقَالَ: «أَمَا تَرْضَيْنَ أَنْ تَكُونِي سَيِّدَةَ نِسَاءِ أَهْلِ الْجَنَّةِ أَوْ نِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ؟» فَضَحِكْتُ لِذٰلِكَ. [انظر: ٣٦٢٦، ٣٧١٦، ٤٤٣٤، ٦٢٨٦]

[3624] حضرت فاطمہ ؓ نے جواب دیا کہ آپ ﷺ نے مجھ سے پوشیدہ گفتگو یہ کی تھی: ''حضرت جبریل ؑ ہر سال میرے ساتھ ایک مرتبہ قرآن مجید کا دور کرتے تھے، البتہ اس سال دو مرتبہ دور کیا ہے۔ میرے خیال کے مطابق میری موت قریب آ چکی ہے۔ اور یقیناً تم میرے گھر والوں میں سے سب سے پہلے میرے ساتھ ملاقات کرو گی۔'' تو میں رونے لگی۔ پھر آپ نے فرمایا: ''کیا تمھیں پسند نہیں کہ تم جنت کی عورتوں یا اہل ایمان عورتوں کی سردار ہو۔'' اس وجہ سے میں ہنس پڑی۔

٣٦٢٥ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ قَزَعَةَ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا أَنَّهَا قَالَتْ: دَعَا النَّبِيُّ ﷺ فَاطِمَةَ ابْنَتَهُ فِي شَكْوَاهُ الَّتِي قُبِضَ فِيهِ، فَسَارَّهَا بِشَيْءٍ فَبَكَتْ، ثُمَّ دَعَاهَا [فَسَارَّهَا] فَضَحِكَتْ، قَالَتْ فَسَأَلْتُهَا عَنْ ذٰلِكَ. [راجع: ٣٦٢٣]

[3625] حضرت عائشہ ؓ ہی سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ نبی ﷺ نے اپنی لخت جگر سیدہ فاطمہ ؓ کو اپنی اس بیماری میں بلایا جس میں آپ کی وفات ہوئی تھی۔ آپ نے ان سے کوئی راز دارانہ گفتگو کی تو وہ رونے لگیں۔ پھر انھیں بلا کر خفیہ کلام فرمایا تو وہ ہنس پڑیں۔ حضرت عائشہ ؓ نے فرمایا: میں نے سیدہ فاطمہ ؓ سے اس کا سبب پوچھا۔

٣٦٢٦ - فَقَالَتْ: سَارَّنِي النَّبِيُّ ﷺ فَأَخْبَرَنِي أَنَّهُ يُقْبَضُ فِي وَجَعِهِ الَّذِي تُوُفِّيَ فِيهِ فَبَكَيْتُ، ثُمَّ سَارَّنِي فَأَخْبَرَنِي أَنِّي أَوَّلُ أَهْلِ بَيْتِهِ أَتْبَعُهُ، فَضَحِكْتُ. [راجع: ٣٦٢٤]

[3626] انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے مجھ سے پوشیدہ بات کرتے ہوئے بتایا کہ میری وفات اسی بیماری میں ہو جائے گی جس پر میں رو پڑی۔ پھر آپ نے مجھ سے آہستہ گفتگو فرمائی اور مجھے بتایا کہ تم میرے خاندان کی پہلی خاتون ہو جو میری وفات کے بعد میرے پاس آؤ گی، اس وجہ سے میں ہنس پڑی۔

فوائد و مسائل: ① یہ دو حدیثیں ہیں، پہلی حدیث کو حضرت عائشہ ؓ سے بیان کرنے والے حضرت مسروق ہیں جبکہ دوسری حدیث کو ان سے بیان کرنے والے حضرت عروہ ہیں، لیکن دونوں روایات میں کچھ اختلاف ہے۔ پہلی روایت میں سیدہ کے رونے کا سبب آپ کا رسول اللہ ﷺ کو پہلے پہلے ملنے کو قرار دیا گیا ہے جبکہ دوسری روایت میں اسے سیدہ کے ہنسنے کا باعث قرار دیا گیا ہے۔ دراصل رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہ ؓ کو خفیہ طور پر تین باتیں بتائیں: پہلی بات تو آپ کے انتقال کی تھی، یہ تو ان کے رونے کا سبب تھا۔ دوسری بات جنت میں ان کے سردار ہونے کی تھی جس کے سبب انھیں سرور لاحق ہوا اور آپ ہنس پڑیں۔ تیسری بات یہ تھی کہ اہل خانہ میں سب سے پہلے سیدہ وفات پائیں گی اور سب سے پہلے مجھ سے ان کی ملاقات ہوگی۔ یہ خبر ایک وجہ سے خوشی اور سرور کا باعث تھی جیسا کہ عروہ کی روایت میں ہے اور ایک وجہ سے غم کی خبر تھی جس وجہ سے آپ رونے لگیں جیسا کہ مسروق کی روایت میں ہے۔ اس طرح سے دونوں روایات کا اختلاف ختم ہو جاتا ہے۔ علامہ سندھی کہتے ہیں: شاید رسول اللہ ﷺ نے سیدہ فاطمہ ؓ کو دو مرتبہ بشارت سنائی ہو۔ ایک مرتبہ وفات کی خبر کے ساتھ ملا دیا، جس سے ان پر رونا غالب آ گیا اور دوسری مرتبہ بشارتِ سیادت کے ساتھ ملا دیا تو دونوں بشارتیں ہنسنے کا سبب بن گئیں، اس طرح بھی دونوں روایات جمع ہو سکتی ہیں۔[1] ② الغرض ان دونوں روایات میں دو معجزے بیان ہوئے ہیں: ایک یہ کہ حضرت فاطمہ ؓ آپ کے بعد زندہ رہیں گی، چنانچہ وہ چھ ماہ بعد تک زندہ رہیں اور دوسرا معجزہ خاندان میں سے سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ کو ملنے والی ہیں۔ یہ دونوں باتیں حرف بہ حرف پوری ہوئیں جو آپ کی نبوت کی زبردست دلیل ہیں۔

٣٦٢٧ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَرْعَرَةَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي بِشْرٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: كَانَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يُدْنِي ابْنَ عَبَّاسٍ. فَقَالَ لَهُ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ: إِنَّ لَنَا أَبْنَاءً مِّثْلَهُ، فَقَالَ: إِنَّهُ مِنْ حَيْثُ تَعْلَمُ، فَسَأَلَ عُمَرُ ابْنَ

[3627] حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ حضرت عمر بن خطاب ؓ انھیں اپنے بہت قریب رکھتے تھے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ؓ نے (اعتراض کرتے ہوئے) کہا: ان جیسے تو ہمارے بیٹے بھی ہیں (ان کی کیا خصوصیت ہے؟) انھوں نے فرمایا: ان کا مقام تم جانتے ہو۔ پھر انھوں نے حضرت ابن عباس ؓ

[1] حاشیه سندهي: 284/2.

عَبَّاسٍ، عَنْ هٰذِهِ الْآيَةِ: ﴿إِذَا جَآءَ نَصْرُ ٱللَّهِ وَٱلْفَتْحُ﴾ [النصر: ١] فَقَالَ: أَجَلُ رَسُولِ اللهِ ﷺ أَعْلَمَهُ إِيَّاهُ، قَالَ: مَا أَعْلَمُ مِنْهَا إِلَّا مَا تَعْلَمُ. [انظر: ٤٢٩٤، ٤٤٣٠، ٤٩٦٩، ٤٩٧٠]

سے اس آیت کے متعلق پوچھا: ''جس وقت اللہ کی مدد اور فتح آجائے گی۔'' حضرت ابن عباس ؓ نے کہا: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو آپ کی وفات کی اطلاع دی ہے۔ حضرت عمر ؓ نے فرمایا: اس آیت کریمہ سے میں بھی وہی کچھ جانتا ہوں جو آپ جانتے ہیں۔

فوائد و مسائل: ① حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ؓ کا مقصد تھا کہ ہم شیوخ ہیں اور یہ ایک نوخیز لڑکا ہے، آپ اسے کیوں ہم سے آگے بٹھاتے ہیں؟ حضرت عمر نے بتایا: میں اسے اس کے علم کی وجہ سے آگے بٹھاتا ہوں اور اپنے قریب کرتا ہوں اور علم ہر اس انسان کو بلند کرتا ہے جو بلند نہ ہو، چنانچہ انھوں نے مذکورہ آیت کریمہ کی تفسیر پوچھی تو انھوں نے وہی بتائی جسے حضرت عمر ؓ بھی جانتے تھے۔ یہ رسول اللہ ﷺ کی دعا کا نتیجہ تھا کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے آپ کو چھاتی سے لگا کر یہ دعا فرمائی تھی: ''اے اللہ! اسے دین میں سمجھ عطا کر۔''[1] ''اے اللہ! اسے اپنی کتاب کا علم دے۔''[2] ''اے اللہ! اسے حکمت سے مالا مال کر دے۔''[3] واقعی اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی دعوت تمام ہو چکی ہے اور دین مکمل ہو گیا ہے۔ اب آپ کی وفات کا وقت قریب آ گیا ہے۔ ② اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا ایک معجزہ ہے۔ آپ نے حضرت ابن عباس ؓ کو بتا دیا تھا کہ اس میں میری وفات کی طرف اشارہ ہے۔ آپ نے وقوع سے پہلے خبر دی، چنانچہ اس کے مطابق ہی ہوا۔ یہ آپ کی نبوت کی دلیل ہے۔

٣٦٢٨ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ سُلَيْمَانَ بْنِ حَنْظَلَةَ بْنِ الْغَسِيلِ: حَدَّثَنَا عِكْرِمَةُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: خَرَجَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فِي مَرَضِهِ الَّذِي مَاتَ فِيهِ بِمِلْحَفَةٍ، قَدْ عَصَّبَ بِعِصَابَةٍ دَسْمَاءَ، حَتّٰى جَلَسَ عَلَى الْمِنْبَرِ، فَحَمِدَ اللهَ تَعَالٰى وَأَثْنٰى عَلَيْهِ، ثُمَّ قَالَ: «أَمَّا بَعْدُ، فَإِنَّ النَّاسَ يَكْثُرُونَ وَيَقِلُّ الْأَنْصَارُ، حَتّٰى يَكُونُوا فِي النَّاسِ بِمَنْزِلَةِ الْمِلْحِ فِي الطَّعَامِ، فَمَنْ وَلِيَ مِنْكُمْ شَيْئًا يَضُرُّ فِيهِ قَوْمًا وَيَنْفَعُ فِيهِ آخَرِينَ

[3628] حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ اپنی اس بیماری میں باہر تشریف لائے جس میں آپ نے وفات پائی تھی۔ آپ ایک لمبی چادر اوڑھے ہوئے تھے اور اپنے سر کو ایک چکنی سیاہ پٹی سے باندھا ہوا تھا۔ آپ منبر پر تشریف فرما ہوئے، اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرنے کے بعد فرمایا: ''أَمَّا بَعْد لوگ زیادہ ہو جائیں گے اور انصار کم ہوتے جائیں گے حتی کہ وہ لوگوں میں ایسے ہوں گے جیسے کھانے میں نمک ہوتا ہے۔ تم میں سے جو کوئی امارت پر فائز ہو اور اپنی حکومت کی وجہ سے وہ کسی کو نقصان اور نفع بھی پہنچا سکتا ہو تو اسے چاہیے

---

1 صحيح البخاري، الوضوء، حديث: 143. 2 صحيح البخاري، العلم، حديث: 75. 3 صحيح البخاري، الفضائل، حديث: 3756.

فَلْيَقْبَلْ مِنْ مُحْسِنِهِمْ وَيَتَجَاوَزْ عَنْ مُسِيئِهِمْ». فَكَانَ ذٰلِكَ آخِرَ مَجْلِسٍ جَلَسَ فِيهِ النَّبِيُّ ﷺ. [راجع: ٩٢٧]

کہ انصار کے مخلص لوگوں کی نیکی قبول کرے اور جو برے ہوں ان سے درگزر کرے۔'' نبی ﷺ کی یہ آخری مجلس وعظ تھی۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں غیب کی خبر ہے کہ لوگ بہت ہوں گے لیکن انصار میں بدستور کمی آتی جائے گی کیونکہ انصار وہ ہیں جنھوں نے نبی ﷺ اور صحابۂ کرام ؓ کو ٹھکانا دیا، تنگی اور ترشی میں دین اسلام کی آبیاری کی، ایسا وقت اب نہیں آئے گا۔ اس بنا پر غیر انصار کی کثرت اور ان کی قلت ہوتی گئی، چنانچہ اوس اور خزرج کے قبائل سے بہت کم نسل آگے چلی۔ ویسے تو بہت سے لوگ انصار ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن محض ادعائی کثرت کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ اسے حقیقی معنی پر ہی محمول کرنا چاہیے کیونکہ مہاجرین کی اولاد تو شہروں میں پھیل گئی اور وہ سلطنتوں اور حکومت کے مالک بھی بنے لیکن انصار کو یہ کثرت نصیب نہ ہوئی۔ ② اس میں یہ بھی اشارہ ملتا ہے کہ انصار کو خلافت نہیں ملے گی، اس لیے ان کے حق میں حسن سلوک کرنے کی وصیت فرمائی۔ بہرحال رسول اللہ ﷺ کی پیش گوئی پوری ہوئی، انصار کھانے میں نمک کی طرح بہت کم مقدار میں ہیں۔ واللّٰه أعلم.

٣٦٢٩ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ آدَمَ: حَدَّثَنَا حُسَيْنٌ الْجُعْفِيُّ عَنْ أَبِي مُوسٰى، عَنِ الْحَسَنِ، عَنْ أَبِي بَكْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: أَخْرَجَ النَّبِيُّ ﷺ ذَاتَ يَوْمٍ الْحَسَنَ فَصَعِدَ بِهِ الْمِنْبَرَ فَقَالَ: «ابْنِي هٰذَا سَيِّدٌ، وَلَعَلَّ اللهَ أَنْ يُصْلِحَ بِهِ بَيْنَ فِئَتَيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ». [راجع: ٢٧٠٤]

[3629] حضرت ابوبکرہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ ایک دن نبی ﷺ حضرت حسن ؓ کو ساتھ لے کر باہر تشریف لائے۔ انھیں لے کر آپ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور فرمایا: ''میرا یہ بیٹا سید (سردار) ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے سے مسلمانوں کی دو جماعتوں کے درمیان صلح کرائے گا۔''

فوائد و مسائل: ① رسول اللہ ﷺ کی یہ پیش گوئی پوری ہوئی۔ حضرت حسن ؓ نے وہ کام کیا کہ ہزاروں مسلمانوں کی جانیں بچ گئیں۔ حضرت امیر معاویہ ؓ سے لڑنا پسند نہ کیا بلکہ صلح کر کے خلافت ان کے حوالے کر دی، حالانکہ ستر ہزار مسلمانوں نے آپ کے ہاتھ پر جان دینے کی بیعت کر لی تھی۔ ② یہ نبوت کی دلیل ہے کہ آپ کے اشارے کے مطابق ویسا ہی ہوا۔ امام بخاری ؒ اس حدیث کو نبوت کی دلیل کے طور پر لائے ہیں۔

٣٦٣٠ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ هِلَالٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَعَى جَعْفَرًا وَزَيْدًا قَبْلَ أَنْ يَجِيءَ

[3630] حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت جعفر اور حضرت زید ؓ کے شہید ہونے سے پہلے ہی ان کے شہید ہونے کی خبر دی۔ اس وقت آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔

خَبَرُهُمْ وَعَيْنَاهُ تَذْرِفَانِ. [راجع: ١٢٤٦]

فوائد و مسائل: ① جنگ موتہ میں مسلمان، کفار سے جنگ کر رہے تھے، حضرت عبداللہ بن رواحہ کی شہادت کے بعد حضرت زید بن حارثہ اور حضرت جعفر طیار ؓ نے یکے بعد دیگرے جھنڈا اپنے ہاتھ میں لیا اور شہید ہو گئے۔ ② یہ حدیث بھی رسول اللہ ﷺ کی نبوت کی دلیل ہے کہ آپ کے خبر دینے کے مطابق ان دونوں حضرات نے جام شہادت نوش کیا۔ اس کی تفصیل غزوۂ موتہ میں آئے گی۔ ③ بہرحال آپ نے وحی کے ذریعے سے ایک دور دراز مقام پر ہونے والا واقعہ اطلاع آنے سے پہلے ہی بیان کر دیا۔ اہل بدعت کے خیال کے مطابق اگر آپ غیب دان ہوتے تو سفر جہاد پر جانے سے پہلے ہی ان کو روک لیتے اور انھیں موت سے بچا لیتے مگر آپ غیب دان نہیں تھے، وحی الٰہی سے کسی غیب کی خبر دینا امر دیگر است۔ اسے غیب دانی سے تعبیر کرنا ان لوگوں کا کام ہے جنھیں فہم و فراست سے ایک ذرہ بھی نصیب نہیں ہوا۔ واللہ أعلم.

٣٦٣١ - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَبَّاسٍ: حَدَّثَنَا ابْنُ مَهْدِيٍّ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ، عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «هَلْ لَكُمْ مِّنْ أَنْمَاطٍ؟» قُلْتُ: وَأَنَّى يَكُونُ لَنَا الْأَنْمَاطُ؟ قَالَ: «أَمَا وَإِنَّهَا سَتَكُونُ لَكُمُ الْأَنْمَاطُ»، فَأَنَا أَقُولُ لَهَا - يَعْنِي امْرَأَتَهُ - أَخِّرِي عَنَّا أَنْمَاطَكِ فَتَقُولُ: أَلَمْ يَقُلِ النَّبِيُّ ﷺ: «إِنَّهَا سَتَكُونُ لَكُمُ الْأَنْمَاطُ؟» فَأَدَعُهَا. [انظر: ٥١٦١]

[3631] حضرت جابر بن عبداللہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: (شادی کے موقع پر) نبی ﷺ نے دریافت فرمایا: ”کیا تمھارے پاس قالین ہیں؟“ میں نے عرض کیا: ہمارے پاس قالین کہاں سے آئے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ایک وقت تمھارے پاس عمدہ عمدہ قالین ہوں گے۔“ چنانچہ ایک وقت آیا کہ میں اپنی بیوی سے کہتا تھا کہ اپنے قالین ہمارے پاس سے ہٹا دے تو وہ کہتی ہیں: کیا نبی ﷺ نے نہیں فرمایا تھا: ”عنقریب تمھارے پاس قالین ہوں گے؟“ یہ سن کر میں انھیں وہیں رہنے دیتا ہوں۔ (اور خاموش ہو جاتا ہوں۔)

فوائد و مسائل: ① یہ حدیث بھی رسول اللہ ﷺ کی نبوت کی دلیل ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت جابر ؓ کو خبر دی تھی کہ عنقریب تمھارے ہاں بچھانے کے لیے قالین ہوں گے، چنانچہ آپ کے ارشاد کے مطابق ایسا ہی ہوا۔ ② اس سے معلوم ہوا کہ قالین بچھانا جائز ہے اور ایسا کرنا اسراف میں داخل نہیں بشرطیکہ حقیقی ضرورت کے پیش نظر اسے بچھایا جائے، البتہ دیوار پوشی یا اظہار نمائش کے لیے ایسا کرنا درست نہیں۔ ③ اس سے معلوم ہوا کہ کسی جائز کام میں رسول اللہ ﷺ کی پیش گوئی کو جواز کی دلیل بنایا جا سکتا ہے جیسا کہ حضرت جابر ؓ کی بیوی نے اس خبر کو بطور دلیل پیش کیا اور حضرت جابر ؓ بھی سن کر خاموش ہو گئے۔ واضح رہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مذکورہ پیش گوئی حضرت جابر ؓ کی شادی کے موقع پر دی تھی۔[1]

1 فتح الباري: 6/769.

٣٦٣٢ - حَدَّثَنِي أَحْمَدُ بْنُ إِسْحَاقَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُوسَى: حَدَّثَنَا إِسْرَائِيلُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ عَمْرِو بْنِ مَيْمُونٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: انْطَلَقَ سَعْدُ بْنُ مُعَاذٍ مُعْتَمِرًا، قَالَ: فَنَزَلَ عَلَى أُمَيَّةَ بْنِ خَلَفٍ أَبِي صَفْوَانَ، وَكَانَ أُمَيَّةُ إِذَا انْطَلَقَ إِلَى الشَّامِ فَمَرَّ بِالْمَدِينَةِ نَزَلَ عَلَى سَعْدٍ، فَقَالَ أُمَيَّةُ لِسَعْدٍ: أَلَا، انْتَظِرْ، حَتَّى إِذَا انْتَصَفَ النَّهَارُ وَغَفَلَ النَّاسُ انْطَلَقْتَ فَطُفْتَ، فَبَيْنَا سَعْدٌ يَطُوفُ إِذَا أَبُو جَهْلٍ فَقَالَ: مَنْ هٰذَا الَّذِي يَطُوفُ بِالْكَعْبَةِ؟ فَقَالَ سَعْدٌ: أَنَا سَعْدٌ، فَقَالَ أَبُو جَهْلٍ: تَطُوفُ بِالْكَعْبَةِ آمِنًا وَقَدْ آوَيْتُمْ مُحَمَّدًا وَأَصْحَابَهُ؟ فَقَالَ: نَعَمْ فَتَلَاحَيَا بَيْنَهُمَا، فَقَالَ أُمَيَّةُ لِسَعْدٍ: لَا تَرْفَعْ صَوْتَكَ عَلَى أَبِي الْحَكَمِ فَإِنَّهُ سَيِّدُ أَهْلِ الْوَادِي، ثُمَّ قَالَ سَعْدٌ: وَاللهِ لَئِنْ مَنَعْتَنِي أَنْ أَطُوفَ بِالْبَيْتِ لَأَقْطَعَنَّ مَتْجَرَكَ بِالشَّامِ، قَالَ: فَجَعَلَ أُمَيَّةُ يَقُولُ لِسَعْدٍ: لَا تَرْفَعْ صَوْتَكَ، وَجَعَلَ يُمْسِكُهُ، فَغَضِبَ سَعْدٌ فَقَالَ: دَعْنَا عَنْكَ فَإِنِّي سَمِعْتُ مُحَمَّدًا ﷺ يَزْعُمُ أَنَّهُ قَاتِلُكَ، قَالَ: إِيَّايَ؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: وَاللهِ مَا يَكْذِبُ مُحَمَّدٌ إِذَا حَدَّثَ، فَرَجَعَ إِلَى امْرَأَتِهِ فَقَالَ: أَمَا تَعْلَمِينَ مَا قَالَ لِي أَخِي الْيَثْرِبِيُّ؟ قَالَتْ: وَمَا قَالَ؟ قَالَ: زَعَمَ أَنَّهُ سَمِعَ مُحَمَّدًا يَزْعُمُ أَنَّهُ قَاتِلِيَّ، قَالَتْ: فَوَاللهِ مَا يَكْذِبُ مُحَمَّدٌ، قَالَ: فَلَمَّا خَرَجُوا إِلَى بَدْرٍ وَجَاءَ الصَّرِيخُ، قَالَتْ لَهُ

[3632] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ عمرہ کرنے کے لیے مکہ مکرمہ گئے تو ابوصفوان امیہ بن خلف کے پاس ٹھہرے۔ اور امیہ جب شام جاتا اور مدینہ طیبہ سے گزرتا تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے پاس ٹھہرا کرتا تھا۔ امیہ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے کہا: کچھ انتظار کرو حتی کہ جب دوپہر ہو گی اور لوگ غافل ہو جائیں گے تو چلیں اور بیت اللہ کا طواف کر لیں۔ جس وقت حضرت سعد رضی اللہ عنہ طواف کر رہے تھے ادھر سے اچانک ابوجہل آ گیا۔ اس نے آتے ہی کہا: کعبہ کا طواف کرنے والا یہ شخص کون ہے؟ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: میں سعد ہوں۔ ابوجہل بولا: تو کعبہ کا طواف امن و امان سے کر رہا ہے، حالانکہ تم لوگوں نے محمد اور اس کے ساتھیوں کو جگہ دی ہے؟ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں، اس میں کیا شک ہے، چنانچہ وہ دونوں جھگڑ پڑے۔ امیہ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے کہا: ابوالحکم پر آواز بلند نہ کرو وہ اس وادی کے لوگوں کا سردار ہے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! اگر تو مجھے بیت اللہ کا طواف کرنے سے منع کرے گا تو میں شام کے اندر تمھاری تجارت بند کر دوں گا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ امیہ حضرت سعد سے کہتا رہا کہ اپنی آواز بلند نہ کرو اور انھیں روکنے لگا۔ اس پر حضرت سعد رضی اللہ عنہ غصے میں آ گئے اور فرمانے لگے: میرے آگے سے ہٹ جاؤ۔ میں نے محمد ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ آپ تجھے قتل کریں گے۔ امیہ نے کہا: مجھے قتل کریں گے؟ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں۔ اس پر امیہ نے کہا: اللہ کی قسم! محمد جب کوئی بات کریں تو وہ جھوٹ نہیں ہوتی، چنانچہ امیہ جب اپنی بیوی کے پاس واپس آیا تو کہنے لگا: تجھے معلوم نہیں کہ

امْرَأَتُهُ: أَمَا ذَكَرْتَ مَا قَالَ لَكَ أَخُوكَ الْيَثْرِبِيُّ؟ قَالَ: فَأَرَادَ أَنْ لَّا يَخْرُجَ، فَقَالَ لَهُ أَبُو جَهْلٍ: إِنَّكَ مِنْ أَشْرَافِ الْوَادِي فَسِرْ يَوْمًا أَوْ يَوْمَيْنِ، فَسَارَ مَعَهُمْ فَقَتَلَهُ اللهُ. [انظر: ٣٩٥٠]

میرے یثربی بھائی نے مجھے کیا کہا ہے؟ اس نے پوچھا: کیا کہا ہے؟ کہنے لگا: اس نے محمد کو یہ کہتے سنا ہے کہ وہ مجھے قتل کرنے والے ہیں۔ وہ بھی کہنے لگی: اللہ کی قسم! محمد کبھی جھوٹ نہیں بولتے۔ راوی کہتے ہیں کہ جب قریش نے بدر کی طرف کوچ کرنے کا ارادہ کیا اور منادی کی آواز بلند ہوئی تو امیہ کی بیوی نے کہا: تجھے وہ بات یاد نہیں جو تیرے یثربی بھائی نے کہی تھی؟ چنانچہ امیہ نے ساتھ نہ جانے کا عزم کر لیا، تو ابوجہل نے کہا: آپ مکہ کے بڑے لوگوں میں سے ہیں۔ ایک دو دن کے لیے ہمارے ساتھ چلو پھر واپس آ جانا۔ وہ ان کے ہمراہ چلا تو اللہ تعالیٰ نے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔

فوائد و مسائل: ① امیہ بن خلف ایک کیم دجسیم اور اہل مکہ کا سردار تھا جبکہ حضرت سعد بن معاذ ؓ انصار کے سردار تھے۔ ان دونوں سرداروں کے درمیان دور جاہلیت سے بھائی چارہ چلا آ رہا تھا۔ جب امیہ تجارت کے لیے شام کی طرف جاتا تو مدینے میں ان کے پاس ٹھہرتا اور جب حضرت سعد ؓ مکہ تشریف لے جاتے تو اس کے پاس قیام کرتے۔ ② یہ حدیث نبوت کی دلیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے امیہ کے قتل کی خبر دی تو وہ بدر میں موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ اس کے علاوہ رسول اللہ ﷺ نے قریش کے سرداروں کے خلاف بددعا بھی کی تھی جن میں امیہ بھی شامل تھا۔ حضرت ابن مسعود ؓ کہتے ہیں کہ میں نے ان تمام لوگوں کو میدان بدر میں مرے ہوئے دیکھا کہ انھیں گھسیٹ کر ایک اندھے کنویں میں پھینکا جا رہا تھا۔ امیہ چونکہ بھاری بھرکم تھا جب اسے گھسیٹنے لگے تو اس کا جسم ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا، چنانچہ اسے وہیں رہنے دیا گیا۔[1] ③ حضرت سعد بن معاذ ؓ کو غزوۂ خندق میں رگِ اکحل پر تیر لگا جو جان لیوا ثابت ہوا۔ اس کی تفصیل بھی احادیث میں موجود ہے۔ ④ جب حضرت سعد ؓ نے امیہ کو خبر دی کہ رسول اللہ ﷺ اسے قتل کریں گے تو اس نے پوچھا: کیا مکہ میں قتل کریں گے؟ حضرت سعد ؓ نے فرمایا: مجھے اس بات کا علم نہیں ہے کہ وہ کہاں قتل کریں گے۔[2] اس بنا پر امیہ مکہ سے نہیں نکلتا تھا۔ جب کفار قریش بدر کی طرف نکلے تو اس نے پختہ ارادہ کر لیا تھا کہ وہ کفار کے ساتھ مکہ سے باہر نہیں جائے گا۔ لیکن عقبہ بن ابی معیط نے اسے طعنہ دیا کہ سردار تو عورتوں کی طرح گھر میں بیٹھ گیا ہے، پھر وہ بادل نخواستہ ان کے ساتھ جانے پر آمادہ ہوا۔[3]

٣٦٣٣ - حَدَّثَنَا عَبَّاسُ بْنُ الْوَلِيدِ النَّرْسِيُّ: حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ قَالَ: سَمِعْتُ أَبِي: حَدَّثَنَا أَبُو

[3633] حضرت ابوعثمان سے روایت ہے، انھوں نے کہا مجھے یہ خبر پہنچی کہ حضرت جبریل ؑ نبی ﷺ کی خدمت

1 صحيح البخاري، الجزية، حديث: 3185. 2 صحيح البخاري، المغازي، حديث: 3950. 3 فتح الباري: 355/7.

عُثْمَانَ قَالَ: أُنْبِئْتُ أَنَّ جِبْرِيلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَتَى النَّبِيَّ ﷺ وَعِنْدَهُ أُمُّ سَلَمَةَ، فَجَعَلَ يُحَدِّثُ ثُمَّ قَامَ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ لِأُمِّ سَلَمَةَ: «مَنْ هٰذَا؟» - أَوْ كَمَا قَالَ - قَالَ: قَالَتْ: هٰذَا دِحْيَةُ، قَالَتْ أُمُّ سَلَمَةَ: ايْمُ اللهِ مَا حَسِبْتُهُ إِلَّا إِيَّاهُ، حَتّٰى سَمِعْتُ خُطْبَةَ نَبِيِّ اللهِ ﷺ يُخْبِرُ عَنْ جِبْرِيلَ - أَوْ كَمَا قَالَ - قَالَ: فَقُلْتُ لِأَبِي عُثْمَانَ: مِمَّنْ سَمِعْتَ هٰذَا؟ قَالَ: مِنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ. [انظر: ٤٩٨٠]

میں آئے جبکہ آپ کے پاس حضرت ام سلمہ ؓ بھی موجود تھیں۔ حضرت جبریل ؑ نے آپ ﷺ سے گفتگو کی پھر اٹھ کر چلے گئے۔ نبی ﷺ نے حضرت ام سلمہ ؓ سے فرمایا: ''یہ کون تھے؟'' حضرت ام سلمہ ؓ نے عرض کیا: یہ حضرت دحیہ کلبی ؓ تھے۔ ام سلمہ ؓ فرماتی ہیں: اللہ کی قسم! میں نے اسے دحیہ ہی خیال کیا تھا حتی کہ میں نے نبی ﷺ کا خطبہ سنا کہ حضرت جبرئیل ؑ کے آنے کا ذکر فرما رہے تھے۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے ابوعثمان سے پوچھا: آپ نے یہ واقعہ کس سے سنا ہے؟ تو انھوں نے کہا: میں نے یہ واقعہ حضرت اسامہ بن زید ؓ سے سنا ہے۔

فوائد و مسائل: ① حضرت دحیہ کلبی ؓ مشہور صحابی ہیں اور بہت ہی خوبصورت اور وجیہ تھے۔ حضرت جبریل ؑ جب انسانی شکل میں آتے تو اکثر اوقات حضرت دحیہ کلبی ؓ کی صورت اختیار کرتے۔ ② اس حدیث میں حضرت جبریل ؑ کا ذکر ہے اور وہ رسول اللہ ﷺ کو غیب کی خبریں بتایا کرتے تھے۔ اس اعتبار سے یہ حدیث نبوت کی دلیل ہے۔[1] ③ ابوعثمان نے اس حدیث کو صیغۂ تمریض سے بیان کیا تھا، امام بخاری ؒ نے حدیث کے آخر میں وضاحت کر دی کہ انھوں نے یہ حدیث حضرت اسامہ بن زید ؓ سے سنی تھی، لہٰذا اس میں ضعف وغیرہ کا کوئی امکان نہیں۔ واللہ أعلم.

٣٦٣٤ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ شَيْبَةَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مُغِيرَةَ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «رَأَيْتُ النَّاسَ مُجْتَمِعِينَ فِي صَعِيدٍ، فَقَامَ أَبُو بَكْرٍ فَنَزَعَ ذَنُوبًا أَوْ ذَنُوبَيْنِ وَفِي بَعْضِ نَزْعِهِ ضَعْفٌ، وَاللهُ يَغْفِرُ لَهُ، ثُمَّ أَخَذَهَا عُمَرُ فَاسْتَحَالَتْ بِيَدِهِ غَرْبًا، فَلَمْ أَرَ عَبْقَرِيًّا فِي النَّاسِ يَفْرِي فَرِيَّهُ حَتّٰى ضَرَبَ النَّاسُ بِعَطَنٍ».

[3634] حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے لوگوں کو پاک صاف زمین میں جمع دیکھا۔ اتنے میں ابوبکر اٹھے اور انھوں نے ایک یا دو ڈول نکالے مگر ان کے ڈول کھینچنے میں کچھ کمزوری پائی جاتی تھی۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔ پھر وہ ڈول عمر نے لے لیا اور وہ ڈول ان کے لیتے ہی ایک بڑا ڈول بن گیا۔ میں نے لوگوں میں کسی زردآور کو نہیں دیکھا جو حضرت عمر ؓ کی طرح طاقت کے ساتھ پانی بھرتا ہو۔ انھوں نے اتنا پانی بھرا کہ سب لوگوں نے اپنے اونٹ سیراب کر کے بٹھا دیے۔''

① عمدة القاري: 367/11.

وَقَالَ هَمَّامٌ سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «فَنَزَعَ أَبُو بَكْرٍ ذَنُوبًا أَوْ ذَنُوبَيْنِ». [انظر: ٣٦٧٦، ٣٦٨٢، ٧٠١٩، ٧٠٢٠]

(راویٔ حدیث) حضرت ہمام، سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، انھوں نے نبی ﷺ سے بیان کیا، آپ نے فرمایا: ''ابوبکر نے ایک یا دو ڈول کھینچے۔''

فوائد ومسائل: ① یہ حدیث بھی رسول اللہ ﷺ کی نبوت کی واضح دلیل ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے شیخین کی خلافت کے متعلق جو خواب دیکھا وہ حرف بہ حرف پورا ہوا۔ اس خواب میں اشارہ تھا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا دور خلافت تھوڑا ہوگا اور واقعتاً ایسا ہی ہوا۔ مرتدین کی سرکوبی کی وجہ سے فتوحات نہ ہوسکیں، اس کے بعد وہ وفات پا گئے۔ ② رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے جو دعائیہ کلمہ فرمایا اس سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تنقیص نہیں اور نہ ان کے کسی گناہ ہی کی طرف اشارہ ہے کیونکہ یہ عربوں کا تکیہ کلام تھا۔ ③ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو رسول اللہ ﷺ کے خواب کی پوری پوری تعبیر سامنے آ گئی، یعنی خواب میں یہ اشارہ تھا کہ پہلے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلافت ملے گی، وہ حکومت تو کریں گے لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسی قوت وشوکت انھیں حاصل نہ ہوگی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مسلمانوں کی عظمت وشوکت بہت بڑھ جائے گی، چنانچہ آپ نے جیسا خواب دیکھا ویسا ہی ہوا۔

(٢٦) بَابُ قَوْلِ اللهِ تَعَالَى: ﴿يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ وَإِنَّ فَرِيقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ﴾ [البقرة: ١٤٦].

باب: 26- ارشاد باری تعالیٰ: ''(جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی) وہ آپ کو یوں پہچانتے ہیں جیسا کہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں، اس کے باوجود ان میں سے ایک گروہ دیدہ دانستہ حق کو چھپاتا ہے'' کا بیان

وضاحت: اس عنوان کا مقصد یہ ہے کہ اہل کتاب کو رسول اللہ ﷺ کی نبوت کا پورا پورا یقین تھا۔ عربوں کا یہ محاورہ ہے کہ ''وہ کسی چیز کی سچائی کو ایسا پہچانتا ہے جیسا کہ اپنے بیٹے کو پہچانتا ہے'' اس کی تائید میں مذکورہ آیت پیش کی گئی ہے۔ واللہ أعلم.

٣٦٣٥ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ عَنْ نَّافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ الْيَهُودَ جَاؤُوا إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَذَكَرُوا لَهُ، أَنَّ رَجُلًا مِّنْهُمْ وَامْرَأَةً زَنَيَا، فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَا تَجِدُونَ فِي التَّوْرَاةِ فِي شَأْنِ الرَّجْمِ؟» فَقَالُوا: نَفْضَحُهُمْ وَيُجْلَدُونَ، فَقَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ سَلَامٍ: كَذَبْتُمْ، إِنَّ فِيهَا الرَّجْمَ، فَأَتَوْا بِالتَّوْرَاةِ

[3635] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ چند یہودی رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور انھوں نے ذکر کیا کہ ان میں سے ایک مرد اور عورت نے زنا کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں فرمایا: ''تم رجم کے متعلق تورات میں کیا پاتے ہو؟'' انھوں نے کہا: ہم انھیں رسوا کرتے ہیں اور انھیں کوڑے مارے جاتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے کہا: تم جھوٹ بولتے ہو، تورات میں رجم کا حکم موجود ہے، چنانچہ وہ تورات لے آئے۔ اسے کھولا تو ایک شخص نے

فَنَشَرُوهَا، فَوَضَعَ أَحَدُهُمْ يَدَهُ عَلَى آيَةِ الرَّجْمِ فَقَرَأَ مَا قَبْلَهَا وَمَا بَعْدَهَا، فَقَالَ لَهُ عَبْدُ اللهِ بْنُ سَلَامٍ: ارْفَعْ يَدَكَ، فَرَفَعَ يَدَهُ فَإِذَا فِيهَا آيَةُ الرَّجْمِ، فَقَالُوا: صَدَقَ يَا مُحَمَّدُ، فِيهَا آيَةُ الرَّجْمِ، فَأَمَرَ بِهِمَا رَسُولُ اللهِ ﷺ فَرُجِمَا.

رجم کی آیت پر ہاتھ رکھ دیا اور اس کے آگے پیچھے سے عبارت پڑھتا رہا۔ حضرت عبداللہ بن سلام ؓ نے اسے کہا: اپنا ہاتھ اٹھاؤ۔ اس نے اپنا ہاتھ اٹھایا تو وہاں آیت رجم موجود تھی۔ پھر انھوں نے کہا: اے محمد! انھوں نے (عبداللہ بن سلام ؓ نے) سچ فرمایا ہے۔ تورات میں رجم کی آیت موجود ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں (بدکاروں) کو رجم کرنے کا حکم دیا۔

قَالَ عَبْدُ اللهِ: فَرَأَيْتُ الرَّجُلَ يَجْنَأُ عَلَى الْمَرْأَةِ يَقِيهَا الْحِجَارَةَ. [راجع: ١٣٢٩]

عبداللہ بن عمر ؓ کہتے ہیں کہ میں نے اس مرد کو دیکھا وہ عورت کو پتھروں سے بچانے کے لیے اس کے اوپر جھکا پڑتا تھا۔

فوائد ومسائل: ① یہ حدیث نبوت کی دلیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تورات نہیں پڑھی تھی اور نہ اس واقعے سے پہلے اس سے کسی قسم کی واقفیت ہی رکھتے تھے، اس کے باوجود آپ نے تورات کے حکم کی طرف اشارہ فرمایا اور آپ کے اشارے کے مطابق تورات میں حکم رجم ظاہر ہوا۔ یہ علامات نبوت کی عظیم ترین دلیل ہے۔ ② دراصل یہودیوں نے آپس میں طے کیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس جا کر زانی اور زانیہ کا فیصلہ طلب کرو، اگر آپ رجم کا فیصلہ سنائیں تو اس سے صاف انکار کر دیا جائے اور اگر کوڑے مارنے کا حکم دیں تو اسے قبول کر لیا جائے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن ہم سے کوڑوں پر اکتفا کرنے کے متعلق سوال کیا تو ہم کہہ دیں گے کہ تیرے آخر الزمان نبی کے حکم کے مطابق ہم نے فیصلہ کیا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہودی اس بات سے بخوبی واقف تھے کہ واقعی آپ نبی برحق ہیں، اور اس میں ذرا بھر بھی شک نہیں ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ﴾ ”جب ان کے پاس وہ چیز (حضرت محمد ﷺ) آ گئی جسے انھوں نے پہچان بھی لیا تو اس کا انکار کر دیا۔“[1] انھوں نے تورات میں پائی جانے والی نشانیوں کے باعث آپ کو اچھی طرح پہچان لیا تھا لیکن محض ضد کی وجہ سے انکار کر دیا جیسا کہ حضرت موسیٰ ؑ کے متعلق قرآن نے صراحت کی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّ عُلُوًّا﴾ ”اور انھوں نے از راہ ظلم اور تکبر انکار کر دیا، حالانکہ ان کے دل یقین کر چکے تھے (کہ موسیٰ سچے ہیں)۔“[2]

(٢٧) بَابُ سُؤَالِ الْمُشْرِكِينَ أَنْ يُرِيَهُمُ النَّبِيُّ ﷺ آيَةً، فَأَرَاهُمُ انْشِقَاقَ الْقَمَرِ

باب: 27- مشرکین نے جب نبی ﷺ سے معجزہ دیکھنے کا سوال کیا تو آپ نے شق قمر کا معجزہ دکھایا

وضاحت: اس عنوان کے تحت جتنی بھی احادیث ہیں، ان میں معجزات نبوی کے متعلق کوئی نہ کوئی واقعہ کسی نہ کسی پہلو سے

① البقرة 2:89. ② النمل 27:14.

مذکور ہے۔

٣٦٣٦ - حَدَّثَنَا صَدَقَةُ بْنُ الْفَضْلِ: أَخْبَرَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ ابْنِ أَبِي نَجِيحٍ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنْ أَبِي مَعْمَرٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: انْشَقَّ الْقَمَرُ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ شِقَّتَيْنِ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «اشْهَدُوا». [انظر: ٣٨٦٩، ٣٨٧١، ٤٨٦٤، ٤٨٦٥]

[3636] حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ نبی ﷺ کے زمانے میں چاند کے دو ٹکڑے ہوئے تو نبی ﷺ نے فرمایا: ”تم گواہ رہو۔“

فائدہ: چاند کا دو ٹکڑے ہونا ایک ایسا معجزہ ہے جو آپ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دیا گیا، اگرچہ یہ قیامت کی ایک نشانی بھی ہے جو واقع ہو چکی ہے۔ اس معجزے کے متعلق منکرین کے کئی ایک اعتراض ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے: ○ قرآن کریم میں ہے: ”جب قیامت قریب آ جائے گی اور چاند پھٹ جائے گا۔“[1] یعنی مستقبل میں ایسا ہوگا جیسا کہ نظام شمسی کے متعلق دیگر مقامات پر وضاحت ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ کافروں کا چاند کے پھٹنے کو جادو کہنا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ یہ ایک حسی معجزہ تھا جو وقوع پذیر ہو چکا ہے۔ ○ اگر واقعہ ہوا تھا تو لوگوں کی کثیر تعداد کو اس کا علم ہونا چاہیے تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ واقعہ رات کا ہے دن کا نہیں، رات کے وقت اکثر لوگ سوئے ہوتے ہیں، پھر اس وقت آدھی دنیا میں تو ویسے ہی دن نکلا ہوا تھا، باقی آدھی دنیا میں بھی صرف ان مقامات پر نظر آ سکتا تھا جو منیٰ سے مشرق میں تھے۔ اس کے علاوہ یہ انشقاق قمر صرف ایک لمحے کے لیے ہوا، اسے کون دیکھتا، اس کے باوجود آس پاس کے لوگوں نے شہادت دی تھی۔ ○ یہ تاریخ کا اہم واقعہ ہے اسے کہیں ذکر ہونا چاہیے تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہمارے نزدیک مستند تاریخ کتب حدیث ہی سے دستیاب ہو سکتی ہے اور تمام کتب حدیث میں یہ واقعہ موجود ہے، پھر تاریخ اس واقعے کے اندراج سے یکسر خالی نہیں ہے۔ تاریخ فرشتہ میں مذکور ہے کہ مالا بار کے مہاراجہ نے یہ واقعہ اپنی آنکھوں سے دیکھا اور یہی واقعہ اس کے اسلام لانے کا سبب بنا تھا۔ ○ چاند اگر مدار بدل لیتا یا مدار سے ہٹ کر چلنے لگتا تو یہ باتیں اس قابل تھیں کہ ہیئت دان اس کا ذکر کرتے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جب کوئی چیز واقع نہیں ہوئی بلکہ ایک لمحے میں وہ دو لخت ہوا اور فوراً اپنی اصلی حالت میں آ گیا، ایسے حالات میں ہیئت دان کیا ذکر کریں۔ ○ آج کل چاند پر جانے والوں نے مشاہدہ کیا ہے کہ وہاں ایک گہری دراڑ موجود ہے۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ یہ وہی دراڑ ہے جو معجزہ شق قمر میں چاند پر واقع ہوئی ہے۔ واللہ أعلم۔

٣٦٣٧ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا يُونُسُ: حَدَّثَنَا شَيْبَانُ عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ؛ ح: وَقَالَ لِي خَلِيفَةُ: حَدَّثَنَا

[3637] حضرت انس ؓ سے روایت ہے کہ اہل مکہ نے رسول اللہ ﷺ سے مطالبہ کیا کہ آپ انھیں کوئی معجزہ دکھائیں تو آپ نے انھیں چاند کے دو ٹکڑے کر دکھائے۔

---

[1] القمر 54:1.

يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ: حَدَّثَنَا سَعِيدٌ عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ أَنَّهُ حَدَّثَهُمْ أَنَّ أَهْلَ مَكَّةَ سَأَلُوا رَسُولَ اللهِ ﷺ أَنْ يُرِيَهُمْ آيَةً، فَأَرَاهُمُ انْشِقَاقَ الْقَمَرِ.

[انظر: ٣٨٦٨، ٤٨٦٧، ٤٨٦٨]

٣٦٣٨ - حَدَّثَنَا خَلَفُ بْنُ خَالِدٍ الْقُرَشِيُّ: حَدَّثَنَا بَكْرُ بْنُ مُضَرَ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ رَبِيعَةَ، عَنْ عِرَاكِ بْنِ مَالِكٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا؛ أَنَّ الْقَمَرَ انْشَقَّ فِي زَمَانِ النَّبِيِّ ﷺ. [انظر: ٣٨٧٠، ٤٨٦٦]

[3638] حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کے عہد مبارک میں چاند دو ٹکڑے ہوا تھا۔

(٢٨) بَابٌ:

باب:28- بلاعنوان

٣٦٣٩ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى: حَدَّثَنَا مُعَاذٌ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رَجُلَيْنِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ خَرَجَا مِنْ عِنْدِ النَّبِيِّ ﷺ فِي لَيْلَةٍ مُظْلِمَةٍ، وَمَعَهُمَا مِثْلُ الْمِصْبَاحَيْنِ يُضِيئَانِ بَيْنَ أَيْدِيهِمَا، فَلَمَّا افْتَرَقَا صَارَ مَعَ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا وَاحِدٌ حَتَّى أَتَى أَهْلَهُ. [راجع: ٤٦٥]

[3639] حضرت انس ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کے اصحاب میں سے دو صحابی اندھیری رات میں نبی ﷺ کی مجلس سے فارغ ہوئے تو ان کے آگے آگے چراغوں کی طرح روشنی ہوگئی۔ پھر جب وہ دونوں راستے سے جدا ہوئے تو ان میں سے ہر ایک کے ساتھ ایک ایک چراغ روشن ہوگیا حتی کہ وہ اپنے گھروں میں پہنچ گئے۔

فوائد و مسائل: ① یہ دونوں صحابی عباد بن بشر اور اسید بن حضیر ؓ تھے۔ ② یہ حدیث نبوت کی دلیل ہے کیونکہ دونوں صحابیوں کی کرامت تھی اور اس قسم کی کرامت رسول اللہ ﷺ کے اتباع سے ملتی ہے۔ ③ اس حدیث سے اولیاء کی کرامت کا برحق ہونا ثابت ہوا مگر جھوٹی کرامت بنانا ایک بدترین جرم ہے، جس کا ارتکاب ہمارے ہاں اہل بدعت اکثر و بیشتر کرتے رہتے ہیں۔ شرابی اور افیونی لوگوں کی کراماتوں کا چرچا کر کے ان کی قبروں کو درگاہ بنایا جاتا ہے۔ شاید ایسے ہی لوگوں کے متعلق کہا گیا ہے ؎

کارِ شیطاں می کند نامش ولی گر ولی ایں است لعنت بر ولی

کتنے لوگ شیطانی کام کرنے کے باوجود ولی کہلاتے ہیں! اگر ولایت اسی کا نام ہے تو ''ایسے ولی'' پر اللہ کی لعنت ہو۔

٣٦٤٠ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي الْأَسْوَدِ: حَدَّثَنَا يَحْيٰى عَنْ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا قَيْسٌ: سَمِعْتُ الْمُغِيرَةَ بْنَ شُعْبَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «لَا يَزَالُ نَاسٌ مِّنْ أُمَّتِي ظَاهِرِينَ، حَتّٰى يَأْتِيَهُمْ أَمْرُ اللهِ وَهُمْ ظَاهِرُونَ». [انظر: ٧٣١١، ٧٤٥٩]

[3640] حضرت مغیرہ بن شعبہ ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''میری امت کے کچھ لوگ ہمیشہ غالب رہیں گے یہاں تک کہ اللہ کا امر آجائے گا۔ اس وقت بھی وہ غالب ہی ہوں گے۔''

٣٦٤١ - حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ: حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ قَالَ: حَدَّثَنِي ابْنُ جَابِرٍ قَالَ: حَدَّثَنِي عُمَيْرُ بْنُ هَانِئٍ: أَنَّهُ سَمِعَ مُعَاوِيَةَ يَقُولُ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: «لَا تَزَالُ مِنْ أُمَّتِي أُمَّةٌ قَائِمَةٌ بِأَمْرِ اللهِ لَا يَضُرُّهُمْ مَّنْ خَذَلَهُمْ وَلَا مَنْ خَالَفَهُمْ، حَتّٰى يَأْتِيَهُمْ أَمْرُ اللهِ وَهُمْ عَلٰى ذٰلِكَ».

[3641] حضرت معاویہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''میری امت میں ہمیشہ ایک گروہ ایسا موجود رہے گا جو اللہ کی شریعت کو قائم رکھے گا۔ انھیں ذلیل یا ان کی مخالفت کرنے والے انھیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے یہاں تک کہ اللہ کا امر آجائے گا اور وہ اسی حالت پر گامزن ہوں گے۔''

قَالَ عُمَيْرٌ: فَقَالَ مَالِكُ بْنُ يُخَامِرَ: قَالَ مُعَاذٌ: «وَهُمْ بِالشَّامِ»، فَقَالَ مُعَاوِيَةُ: هٰذَا مَالِكٌ يَزْعُمُ أَنَّهُ سَمِعَ مُعَاذًا يَقُولُ: «وَهُمْ بِالشَّامِ». [راجع: ٧١]

(راویٔ حدیث) عمیر نے کہا کہ مالک بن یخامر حضرت معاذ بن جبل ؓ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ ہمارے زمانے میں وہ لوگ شام میں ہیں۔ حضرت امیر معاویہ ؓ نے کہا: یہ مالک بن یخامر حضرت معاذ بن جبل ؓ کے حوالے سے کہہ رہے ہیں کہ یہ لوگ شام کے علاقے میں ہیں۔

فوائد و مسائل: ① یہ دونوں احادیث بھی علامات نبوت سے ہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے سے لے کر اس وقت تک یہ وصف باقی ہے اور قیامت تک باقی رہے گا۔ حدیث میں مذکور غلبے سے مراد سیاسی اور اخلاقی غلبہ ہے کیونکہ یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ طائفہ منصورہ حکومت کے کارندوں سے ہو۔ حضرت امام احمد بن حنبل ؒ فرماتے تھے کہ اس سے اہل حدیث مراد نہیں ہیں تو میں نہیں جانتا وہ کون ہوں گے؟ البتہ امام بخاری ؒ نے اس سے مراد اہل علم کی جماعت لی ہے جیسا کہ انھوں نے خود صراحت کی ہے۔[1] ② حضرت امیر معاویہ ؓ کی حکومت شام کے علاقے میں تھی، انھوں نے اس حدیث کو اپنی حقانیت کے لیے پیش فرمایا کیونکہ طائفہ ظاہرہ اور منصورہ اس وقت صرف انھی کا تھا، مگر یہ کوئی خصوصیت نہیں ہے بلکہ رسول اللہ ﷺ کا مقصود یہ ہے کہ میری امت کے سب لوگ یکدم گمراہ ہو جائیں ایسا نہیں ہوگا بلکہ اس شریعت کی آبیاری کرنے والے ہر وقت موجود

1. صحيح البخاري، الاعتصام بالكتاب والسنة، قبل الحديث: 7311.

رہیں گے اور قیامت تک باقی رہیں گے۔ الحمدللہ اہل حدیث حضرات کی کوششوں کے نتیجے میں لوگ کتاب و سنت کی طرف آ رہے ہیں۔

٣٦٤٢ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ: حَدَّثَنَا شَبِيبُ بْنُ غَرْقَدَةَ قَالَ: سَمِعْتُ الْحَيَّ يَتَحَدَّثُونَ عَنْ عُرْوَةَ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَعْطَاهُ دِينَارًا يَشْتَرِي لَهُ بِهِ شَاةً، فَاشْتَرٰى لَهُ بِهِ شَاتَيْنِ فَبَاعَ إِحْدَاهُمَا بِدِينَارٍ، فَجَاءَهُ بِدِينَارٍ وَشَاةٍ، فَدَعَا لَهُ بِالْبَرَكَةِ فِي بَيْعِهِ، وَكَانَ لَوِ اشْتَرَى التُّرَابَ لَرَبِحَ فِيهِ.

[3642] حضرت شبیب بن غرقدہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے اپنے قبیلے کے لوگوں سے سنا، وہ حضرت عروہ (بن جعد) رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے انھیں ایک دینار دیا کہ وہ اس کے عوض ایک بکری خرید کر لائیں۔ انھوں نے اس دینار سے دو بکریاں خریدیں۔ پھر ایک بکری کو ایک دینار کے عوض فروخت کر کے دینار بھی واپس کر دیا اور بکری بھی پیش کر دی۔ آپ ﷺ نے اس کی خرید و فروخت میں برکت کی دعا فرمائی، چنانچہ وہ اگر مٹی بھی خرید لیتے تو اس میں بھی انھیں نفع ہو جاتا۔

قَالَ سُفْيَانُ: كَانَ الْحَسَنُ بْنُ عُمَارَةَ جَاءَنَا بِهٰذَا الْحَدِيثِ عَنْهُ قَالَ: سَمِعَهُ شَبِيبٌ مِّنْ عُرْوَةَ. فَأَتَيْتُهُ فَقَالَ شَبِيبٌ: إِنِّي لَمْ أَسْمَعْهُ مِنْ عُرْوَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ الْحَيَّ يُخْبِرُونَهُ عَنْهُ.

حضرت سفیان کہتے ہیں کہ حسن بن عمارہ نے ہمیں یہ حدیث شبیب بن غرقدہ کے حوالے سے پہنچائی تھی، اس نے کہا تھا کہ شبیب نے یہ حدیث خود حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے سنی تھی، چنانچہ میں شبیب کی خدمت میں گیا تو انھوں نے بتایا کہ میں نے یہ حدیث خود عروہ رضی اللہ عنہ سے نہیں سنی بلکہ میں نے اپنے قبیلے کے لوگوں سے سنی تھی جو ان کے حوالے سے اسے بیان کرتے تھے۔

٣٦٤٣ - وَلٰكِنْ سَمِعْتُهُ يَقُولُ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: «الْخَيْرُ مَعْقُودٌ بِنَوَاصِي الْخَيْلِ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ»، قَالَ: وَقَدْ رَأَيْتُ فِي دَارِهِ سَبْعِينَ فَرَسًا.

[3643] (شبیب بن غرقدہ کہتے ہیں کہ) میں نے ایک دوسری حدیث خود حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے سنی، وہ بیان کرتے تھے کہ میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''خیر و برکت تو قیامت کے دن تک گھوڑوں کی پیشانی سے بندھی ہوئی ہے۔'' چنانچہ شبیب کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عروہ رضی اللہ عنہ کی حویلی میں ستر گھوڑے بندھے ہوئے دیکھے۔

قَالَ سُفْيَانُ: يَشْتَرِي لَهُ شَاةً، كَأَنَّهَا أُضْحِيَّةٌ. [راجع: ٢٨٥٠]

سفیان کہتے ہیں کہ حضرت عروہ رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کے لیے بکری خریدی تھی شاید وہ قربانی کے لیے ہوگی۔

فوائد و مسائل: ① اس مقام پر یہ اشکال ہے کہ امام بخاری ؒ کو حضرت عروہ بارقی ؓ کی کون سی حدیث مقصود ہے؟ اگر گھوڑوں کی حدیث مقصود ہے تو وہ بلاشبہ موصول ہے مگر اس کو عنوان سے کوئی مناسبت نہیں اور اگر بکری والی حدیث مقصود ہے تو عنوان کے مطابق تو ہے مگر وہ موصول نہیں کیونکہ شبیب کے قبیلے والے مجہول ہیں۔ اس کا جواب اس طرح دیا گیا ہے کہ قبیلے والے متعدد اشخاص تھے، وہ سب جھوٹ بولیں یہ نہیں ہوسکتا، نیز جب یہ معلوم ہے کہ شبیب صرف عادل راوی سے روایت کرتا ہے تو یقین کیا جائے گا کہ انھوں نے قبیلے کے عادل راویوں ہی سے روایت لی ہے۔ بہر حال یہ روایت متصل ہے اور اس میں رسول اللہ ﷺ کے ایک معجزے کا بیان ہے کہ عروہ بارقی کے لیے آپ کی دعا قبول ہوئی۔ اگر وہ مٹی بھی خریدتے تو وہ بھی سونے کے بھاؤ فروخت ہوتی تھی اور انھیں اس سے کافی نفع ہوتا تھا۔ یہ نبوت کی دلیل ہے۔ ② اس حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عروہ بارقی ؓ کے سودے کو نہ صرف برقرار رکھا بلکہ اسے پسند فرمایا اور دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ اس کی خرید و فروخت کے معاملات میں برکت عطا فرمائے۔ ③ معلوم ہوا کہ منافع کی شرح میں کوئی تعیین نہیں ہے۔ اس واقعے سے پتہ چلتا ہے کہ انھوں نے قیمت خرید کے برابر نفع وصول کیا۔ واللہ أعلم. ④ گھوڑوں والی حدیث بھی عنوان کے عین مطابق ہے کہ آج جدید اسلحے کی فراوانی کے باوجود بھی فوج میں گھوڑے کی اہمیت باقی ہے۔ بہر حال دونوں احادیث متصل ہیں اور عنوان کے مطابق ہیں۔ واللہ المستعان.

٣٦٤٤ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا يَحْيٰى عَنْ عُبَيْدِ اللهِ قَالَ: أَخْبَرَنِي نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «الْخَيْلُ مَعْقُودٌ فِي نَوَاصِيهَا الْخَيْرُ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ».

[راجع: ٢٨٤٩]

[3644] حضرت ابن عمر ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''گھوڑے کی پیشانی کے ساتھ قیامت تک کے لیے خیر و برکت کو باندھ دیا گیا ہے۔''

٣٦٤٥ - حَدَّثَنَا قَيْسُ بْنُ حَفْصٍ: حَدَّثَنَا خَالِدُ ابْنُ الْحَارِثِ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي التَّيَّاحِ قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «الْخَيْلُ مَعْقُودٌ فِي نَوَاصِيهَا الْخَيْرُ».

[راجع: ٢٨٥١]

[3645] حضرت انس ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''خیر و برکت تو قیامت کے دن تک گھوڑوں کی پیشانی سے باندھ دی گئی ہے۔''

فوائد و مسائل: ① نواصي الخيل سے وہ بال مراد ہیں جو گھوڑے کی پیشانی پر لٹکے ہوتے ہیں۔ اس سے مقصود صرف بال نہیں بلکہ یہ پوری ذات سے کنایہ ہے، یعنی گھوڑا سارے کا سارا خیر و برکت کا حامل ہے۔ ② رسول اللہ ﷺ کی مذکورہ پیش گوئی حرف بہ حرف پوری ہوئی۔ آج بھی فوج میں گھوڑے کی اہمیت مسلم ہے۔ فوجی ضروریات کے لیے اسے رکھا جاتا ہے بلکہ

فوج میں اس کے متعلق مستقل ایک شعبہ قائم ہے۔ اس میں اعلیٰ قسم کے گھوڑے درآمد کیے جاتے ہیں اور فوجیوں کو اس پر سواری کرنے کی تربیت دی جاتی ہے۔ قیامت تک گھوڑوں کی یہ ضرورت باقی رہے گی۔ ان کی خیر و برکت یہی ہے کہ ان کی ضرورت باقی رہے گی، خواہ دور کتنا ہی ماڈرن ہو جائے۔

٣٦٤٦ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ السَّمَّانِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «الْخَيْلُ لِثَلَاثَةٍ: لِرَجُلٍ أَجْرٌ، وَلِرَجُلٍ سِتْرٌ، وَعَلَى رَجُلٍ وِزْرٌ، فَأَمَّا الَّذِي لَهُ أَجْرٌ فَرَجُلٌ رَبَطَهَا فِي سَبِيلِ اللهِ فَأَطَالَ لَهَا فِي مَرْجٍ أَوْ رَوْضَةٍ، فَمَا أَصَابَتْ فِي طِيَلِهَا مِنَ الْمَرْجِ أَوِ الرَّوْضَةِ كَانَتْ لَهُ حَسَنَاتٍ، وَلَوْ أَنَّهَا قَطَعَتْ طِيَلَهَا فَاسْتَنَّتْ شَرَفًا أَوْ شَرَفَيْنِ، كَانَتْ أَرْوَاثُهَا حَسَنَاتٍ لَهُ، وَلَوْ أَنَّهَا مَرَّتْ بِنَهَرٍ فَشَرِبَتْ، وَلَمْ يُرِدْ أَنْ يَسْقِيَهَا، كَانَ ذٰلِكَ لَهُ حَسَنَاتٍ، وَرَجُلٌ رَبَطَهَا تَغَنِّيًا وَتَسَتُّرًا وَتَعَفُّفًا، وَلَمْ يَنْسَ حَقَّ اللهِ فِي رِقَابِهَا وَظُهُورِهَا، فَهِيَ لَهُ كَذٰلِكَ سِتْرٌ، وَرَجُلٌ رَبَطَهَا فَخْرًا وَرِيَاءً وَنِوَاءً لِأَهْلِ الْإِسْلَامِ فَهِيَ وِزْرٌ». وَسُئِلَ رَسُولُ اللهِ ﷺ عَنِ الْحُمُرِ فَقَالَ: «مَا أُنْزِلَ عَلَيَّ فِيهَا إِلَّا هٰذِهِ الْآيَةُ الْجَامِعَةُ الْفَاذَّةُ: ﴿فَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ۝ وَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ﴾

[الزلزلة: ٧، ٨]». [راجع: ٢٣٧١]

[3646] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''گھوڑے تین قسم کے آدمیوں کے لیے ہیں: ایک کے لیے باعث ثواب، دوسرے کے لیے پردہ پوشی کا ذریعہ اور تیسرے کے لیے وبال جان ہیں۔ جس کے لیے گھوڑا باعث ثواب ہے وہ تو وہ شخص ہے جس نے اپنا گھوڑا اللہ کی راہ میں باندھ رکھا ہے، وہ اسے چراگاہ یا باغ میں لمبی رسی سے باندھے رکھتا ہے، گھوڑا اپنے طول وعرض میں جو کچھ چر لے گا وہ سب مالک کے لیے نیکیاں بن جائیں گی۔ اگر وہ رسی توڑ ڈالے اور ایک یا دو بلندیاں دوڑ جائے تو اس کی لید (اور اس کے قدموں کے آثار) اس شخص کے لیے نیکیاں ہوں گے۔ اور اگر وہ نہر کے پاس سے گزرے اور وہاں سے پانی پی لے، حالانکہ مالک کا اسے پانی پلانے کا ارادہ نہیں تھا، یہ بھی اس کی نیکیوں میں شمار ہوگا۔ دوسرا وہ شخص جو کوئی مالداری ظاہر کرنے، پردہ پوشی اور سوال سے بچنے کی غرض سے گھوڑا پالتا ہے اور اللہ کا حق بھی فراموش نہیں کرتا جو اس کی گردن اور پشت سے وابستہ ہوتا ہے تو یہ گھوڑا اس کے لیے ایک طرح کی پردہ پوشی کا باعث ہے۔ تیسرا وہ شخص جو گھوڑے کو فخر و غرور اور ریاکاری کے طور پر اور مسلمانوں سے دشمنی کے لیے باندھتا ہے تو یہ گھوڑا اس کے لیے وبال جان ہے۔'' پھر رسول اللہ ﷺ سے گدھوں کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: ''اس جامع آیت'' جو کوئی ایک ذرہ بھر نیکی کرے گا تو وہ اسے دیکھ لے گا اور جو کوئی ایک ذرہ بھر برائی کرے گا تو

وہ اسے دیکھ لے گا'' کے علاوہ ان کے متعلق مجھ پر کچھ نازل نہیں ہوا۔''

فوائد و مسائل: ① شارحین کو اس حدیث کے متعلق اشکال ہے کہ اسے عنوان سے کیا مطابقت ہے؟ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جس طرح خبر دی اسی طرح وقوع ہوا۔ وجہ مطابقت کے لیے یہی کافی ہے لیکن اس توجیہ پر دل مطمئن نہیں۔ ہمارا رجحان یہ ہے کہ یہ حدیث سابقہ احادیث کا تکملہ اور تتمہ ہے جن میں گھوڑوں میں خیر و برکت کا ہونا بیان کیا گیا ہے، یعنی قیامت کے دن تک انھیں خیر ہی خیر لازم ہے۔ واللہ أعلم. ② آج کے جدید دور میں گاڑیوں نے گھوڑوں کی جگہ لے لی ہے جن کی دنیا کے ہر میدان میں ضرورت پڑتی ہے، جنگی مواقع پر بالخصوص ان سے کام لیا جاتا ہے۔ ③ حدیث میں مذکورہ تین اشخاص کا اطلاق لاری اور کار رکھنے والوں پر بھی ہوتا ہے۔ بہت سی گاڑیاں بعض دفعہ بہترین ملی مفاد کے لیے استعمال ہوتی ہیں۔ ان کے مالک تفصیل بالا کے مطابق اجر و ثواب کے حق دار ہوں گے۔ اس کے باوجود گھوڑوں کی ضروریات بھی قائم ہیں۔ پہاڑی علاقوں میں جنگی حالات سے ان کے بغیر نبرد آزما ہونا بہت مشکل ہے۔ واللہ أعلم.

٣٦٤٧ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ: حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ مُّحَمَّدٍ: سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ: صَبَّحَ رَسُولُ اللهِ ﷺ خَيْبَرَ بُكْرَةً وَّقَدْ خَرَجُوا بِالْمَسَاحِي، فَلَمَّا رَأَوْهُ قَالُوا: مُحَمَّدٌ وَّالْخَمِيسُ، فَأَجَالُوا إِلَى الْحِصْنِ يَسْعَوْنَ، فَرَفَعَ النَّبِيُّ ﷺ يَدَيْهِ وَقَالَ: «اللهُ أَكْبَرُ خَرِبَتْ خَيْبَرُ، إِنَّا إِذَا نَزَلْنَا بِسَاحَةِ قَوْمٍ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِينَ». [راجع: ٣٧١]

[3647] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ خیبر میں صبح سویرے ہی پہنچ گئے جبکہ یہودی آلات زراعت لیے باہر نکل رہے تھے۔ جب انھوں نے آپ ﷺ کو دیکھا تو کہنے لگے کہ محمد تو لشکر سمیت آ پہنچے ہیں، چنانچہ وہ دوڑتے ہوئے قلعے میں پناہ گزیں ہو گئے۔ نبی ﷺ نے دونوں ہاتھ اٹھائے اور نعرۂ تکبیر بلند کیا، پھر فرمایا: ''خیبر تباہ ہو گیا۔ جب ہم کسی قوم کے میدان میں ڈیرے ڈال دیں تو پھر ڈرائے ہوئے لوگوں کی صبح بری ہو جاتی ہے۔''

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں نبوت کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خیبر فتح ہونے سے پہلے ہی فرما دیا تھا کہ خیبر ویران ہوا، پھر اس کے مطابق ظہور ہوا۔ غزوۂ خیبر کی تفاصیل کتاب المغازی میں بیان ہوں گی۔ ② حدیث کے آخری الفاظ: ''جب ہم کسی قوم کے میدان میں ڈیرے ڈال دیں تو ڈرائے ہوئے لوگوں کی صبح بری ہو جاتی ہے'' میں فتح کی بشارت ہے بلکہ دیگر غزوات میں بھی فتوحات کی طرف واضح اشارہ ہے اور فتوحات کی یہ برکت گھوڑوں کی حاضری کی وجہ سے ہے۔ اس سے گھوڑوں کی فضیلت بھی ثابت ہوئی۔ ③ واضح رہے کہ لشکر کو "خمیس" اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس کے پانچ حصے ہوتے ہیں: (١) میمنه. (٢) میسره. (٣) مقدمه. (٤) ساقه. (٥) قلب. بہر حال یہ حدیث بھی علامات نبوت میں سے ہے۔ واللہ أعلم.

٣٦٤٨ - حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي الْفُدَيْكِ عَنِ ابْنِ أَبِي ذِئْبٍ، عَنِ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنِّي سَمِعْتُ مِنْكَ حَدِيثًا كَثِيرًا فَأَنْسَاهُ، قَالَ ﷺ: «اُبْسُطْ رِدَاءَكَ»، فَبَسَطْتُهُ فَغَرَفَ بِيَدَيْهِ فِيهِ، ثُمَّ قَالَ: «ضُمَّهُ» فَضَمَمْتُهُ فَمَا نَسِيتُ حَدِيثًا بَعْدُ. [راجع: ١١٨]

[3648] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے عرض کی: اللہ کے رسول! میں آپ سے بہت سی احادیث سنتا ہوں لیکن انھیں بھول جاتا ہوں تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم اپنی چادر پھیلاؤ۔'' میں نے اپنی چادر پھیلائی تو آپ نے اپنے دونوں ہاتھوں سے چلو بنا کر چادر میں ڈال دیا، پھر فرمایا: ''اسے سینے سے لگا لو۔'' چنانچہ میں نے اسے سینے سے لگا لیا، پھر اس کے بعد مجھے کوئی حدیث نہیں بھولی۔

فوائد و مسائل: ① ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا: ''تم میں سے جو کوئی اپنا کپڑا پھیلا رکھے حتی کہ میں اپنا کلام پورا کرلوں، پھر اس کپڑے کو اپنے سینے سے لگا لے تو وہ اس کلام سے کوئی بات نہیں بھولے گا۔'' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنا کمبل ہی پھیلا دیا۔ میرے پاس اس کے علاوہ اور کوئی کپڑا نہیں تھا۔ جب آپ نے اپنا کلام پورا کرلیا تو میں نے اسے اپنے سینے سے لگا لیا۔ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر مبعوث کیا ہے! اس وقت سے لے کر آج تک میں اس کلام کو نہیں بھولا ہوں۔[1] لیکن صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ میں اس دن کے بعد کوئی حدیث نہیں بھولا ہوں۔[2] صحیح بخاری کی پیش کردہ حدیث میں بھی عموم ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ صرف وہی کلام نہیں بلکہ کوئی حدیث بھی نہیں بھولے ہیں۔ ② چادر میں رسول اللہ ﷺ نے دعاؤں کے ساتھ برکت کو گویا لپ بھر کر ڈال دیا جس کی بدولت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا حافظہ تیز ہوگیا۔ آپ نے جب خیر و برکت سے اپنے سینے کو معمور کر لیا تو حافظِ حدیث اور راویٔ اسلام کہلائے۔ آپ کو پانچ ہزار سے زائد احادیث زبانی یاد تھیں۔ تف ہے ان لوگوں پر جو ایسے جلیل القدر حافظ حدیث کو حدیث فہمی میں ناقص ٹھہرا کر خود اپنی حماقت کا اظہار کرتے ہیں۔ ③ اس حدیث میں بھی علامات نبوت کا اثبات مقصود ہے۔ اس عنوان کے تحت جتنی بھی احادیث بیان ہوئی ہیں، ان سب میں کسی نہ کسی طرح سے علامتِ نبوت کا ثبوت ملتا ہے اور یہی امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد ہے۔ واللہ أعلم.

① صحيح البخاري، الحرث والمزارعة، حديث: 2350. ② صحيح مسلم، فضائل الصحابة، حديث: 6397 (2492).